جہانِ ملک العلماء

چودھویں صدی ہجری کے منفرد عالم ممتاز مصنف امام العصر ملک العلماء حضرت مفتی
سید شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی کی تاریخ ساز شخصیت اور عہد ساز خدمات کا یادگار تذکرہ
جہانِ ملک العلماء
باہتمام
خلیفۂ حضور مفتی اعظم، سراج ملت حضرت مولانا
الحاج الشاہ سید سراج اظہر قادری نوری برکاتی
بانی و سربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم ممبئی۔
ترتیب و نظر ثانی
امیر القلم ماہر رضویات
ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی مصباحی
ناشر
انجمن برکاتِ رضا، ممبئی۔۳
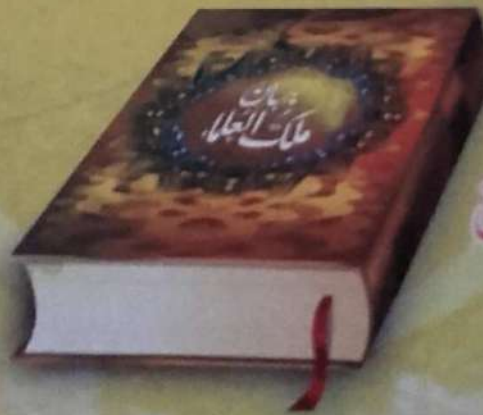
سلسلۂ اشاعت نمبر ۷۵

تعارف و قانونی صفحہ

نام کتاب : جہانِ مَلِکُ العلماء

باہتمام : خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم، سراج ملت حضرت الحاج الشاہ سید سراج اظہر قادری، نوری برکاتی
بانی و سربراہِ اعلیٰ دار العلوم فیضان مفتیٔ اعظم ممبئ ۳

ترتیب و نظر ثانی : ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

تصحیح : مولینا سید محمد منہاج رضا ہاشمی رضوی سراجی (ناظم دار العلوم فیضان مفتی اعظم)

پروف ریڈنگ : شہزادۂ سراج ملت حافظ سید مصطفےٰ رضا جیلانی میاں، علامہ وصی احمد برکاتی،
علامہ رقیب اعظم رضوی، قاری نظام الدین قادری، مولانا محمد احمد رضوی (اساتذہ دار العلوم ہٰذا)

تزئین کار : محمد عارف انجم انصاری (احسن گرافکس) 09226231887

کمپوزنگ : مولوی زاہد علی رضوی، مولوی محمد ابراہیم رضوی، مولوی محمد آصف رضوی (متعلمین دار العلوم ہٰذا)
(زیر تربیت مخدوم بہار کمپیوٹر سینٹر دار العلوم ھذا)

تعداد اشاعت : ایک ہزار (۱۰۰۰)

سن اشاعت : ۱۴۳۰ھ۔ ۲۰۰۹ء

قیمت : ۸۰۰

ناشر : انجمن برکاتِ رضا، ممبئ۔۳

ملنے کا پتہ

- قادری کتاب گھر ــــ رضا جامع مسجد، سید ابو الہاشم اسٹریٹ، پھول گلی، ممبئ۔۳
- رضا اکیڈمی ــــ ۵۲/ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئ۔۹
- نیو سلور بک ایجنسی ــــ بھنڈی بازار، ممبئ۔۳
- اقراء بک ڈپو ــــ محمد علی روڈ، ممبئ۔۳

تہدیہ
غوث صمدانی قطب ربانی حضرت
شیخ محی الدین عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
خواجۂ خواجگاں عطائے رسول حضرت
خواجہ معین الدین حسن غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مدار الملک حضرت سید ابراہیم ملک بیا
عرف ملک بیوا ابن سید ابو بکر غزنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی خدمات بابرکات میں
فقیر سید سراج اظہر قادری رضوی نوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو

تمہیں نے ہر طرف پھیلایا مسلم حق مرے شاہا
امام اہلسنت نائب غوث الوریٰ تم ہو
(حیات اعلیٰحضرت)

شرفِ انتساب

چودھویں صدی ہجری کے ممتاز عالم دین رضویات کے موسس اول، تلمیذ وخلیفہ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ، مناظر اہلسنت، رئیس الفقہا، محدث اعظم ملک العلماء امام العصر حضرت علامہ مفتی سید شاہ محمد ظفر الدین قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیاتِ طیبہ اور علمی خدماتِ جلیلہ کا ایک "عظیم جہان" جس میں درجنوں جہاں گم ہیں یعنی ملک العلماء کی حیاتِ درخشندہ و کارہائے تابندہ کے گلہائے رنگارنگ "جہانِ ملک العلماء" کو حضرت ملک العلماء کے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد اعظم دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ اور تاجدار اہلسنت، ہم شبیہ غوث اعظم، شہزادہ اعلیحضرت حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری علیہ الرحمۃ والرضوان اور عامل شریعت، رہبر طریقت، صوفی باصفا استاذ القراء حضرت علامہ الحاج الشاہ سید محمد ابوالہاشم قادری کے ناموں سے منسوب کرنے پر ہم فخر و سرور محسوس کرتے ہیں۔

طالب دعاء

الحاج سید سراج اظہر قادری نوری

صدر انجمن برکاتِ رضا ممبئی۔

فہرست مشمولات

باب دوّم .... ملک العلماء کے مورث اعلیٰ

باب سوم .... حیات و حالات

باب چہارم .... سیرت، شخصیت، مثالی کردار

باب پنجم .... فضائل وکمالات

باب ششم .... ولایت وکرامت

باب ہفتم .... امام احمد رضا اور ملک العلماء

باب ہشتم .... ملک العلماء جامع کمالات شخصیت

باب نہم .... تدریسی خدمات

باب دہم .... تعارف تصانیف

باب یازدہم .... فقہیات

باب دوازدہم............درسیات (الف) (علم حدیث)

(ب)..............................علم صرف

باب سیزدہم .... فضائل ونصائح

باب چہاردہم .... سفیر رضویات

باب پانزدہم .... ردومناظرہ

باب شانزدہم .... ادبیات

باب ہفدہم .... سیاسیات

باب ہشدہم .... احباب و معاصرین

باب نوازدہم .... تلامذہ

باب بستم .... پروفیسر مختار الدین احمد

باب بستم و یک .... عکس نوادرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا
إنما يخشى الله من عباده العلماء
اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (کنزالایمان)
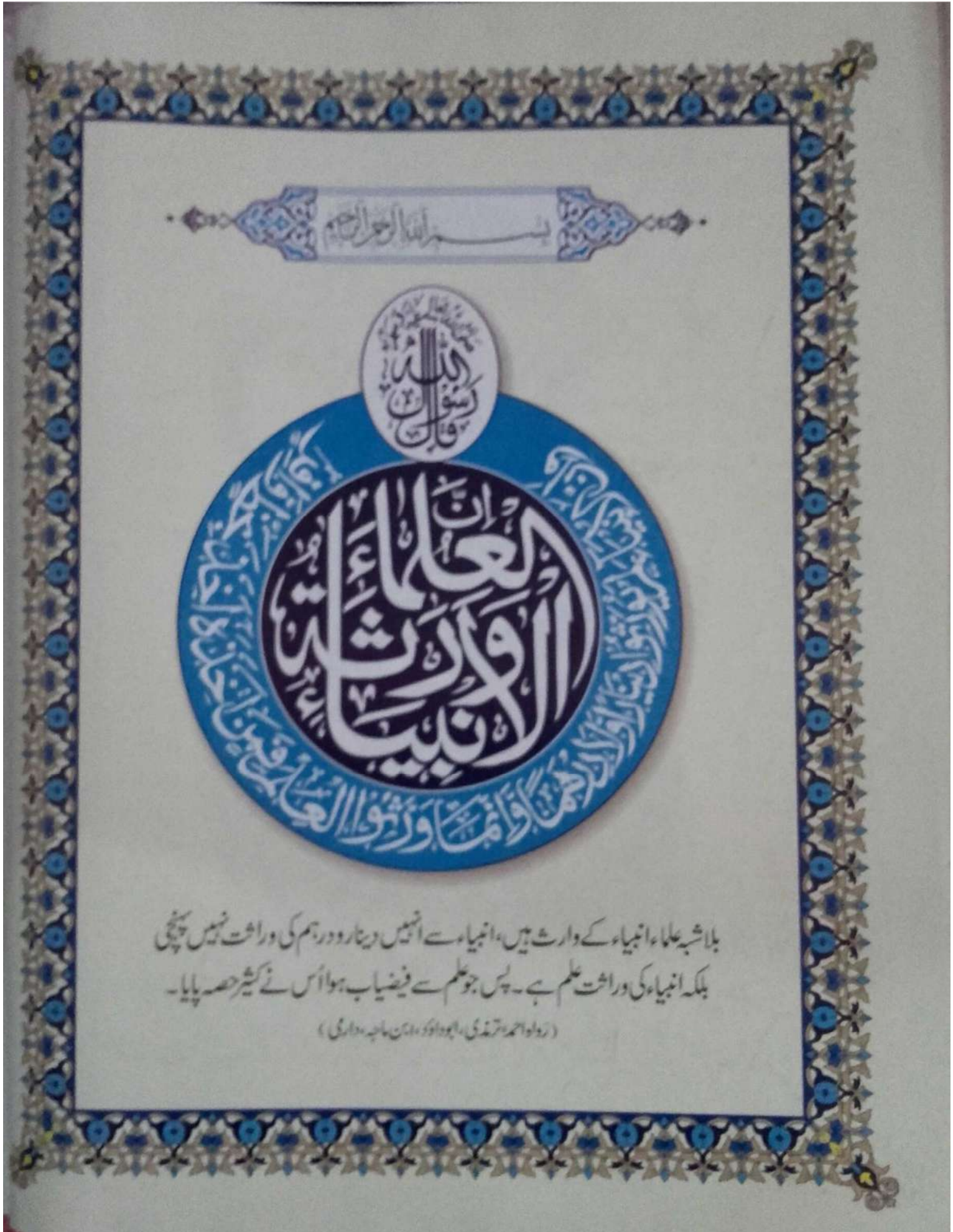
بسم اللہ الرحمن الرحیم
قال رسول اللہ
ان العلماء ورثة الانبیاء
بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء سے انھیں دینار و درہم کی وراثت نہیں پہنچی
بلکہ انبیاء کی وراثت علم ہے۔ پس جو علم سے فیضیاب ہوا اُس نے کثیر حصہ پایا۔
(رواہ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

سنا ہے آپ ہر عاشق کے گھر تشریف لاتے ہیں
میرے گھر میں بھی ہو جائے چراغاں یارسول اللہ ﷺ
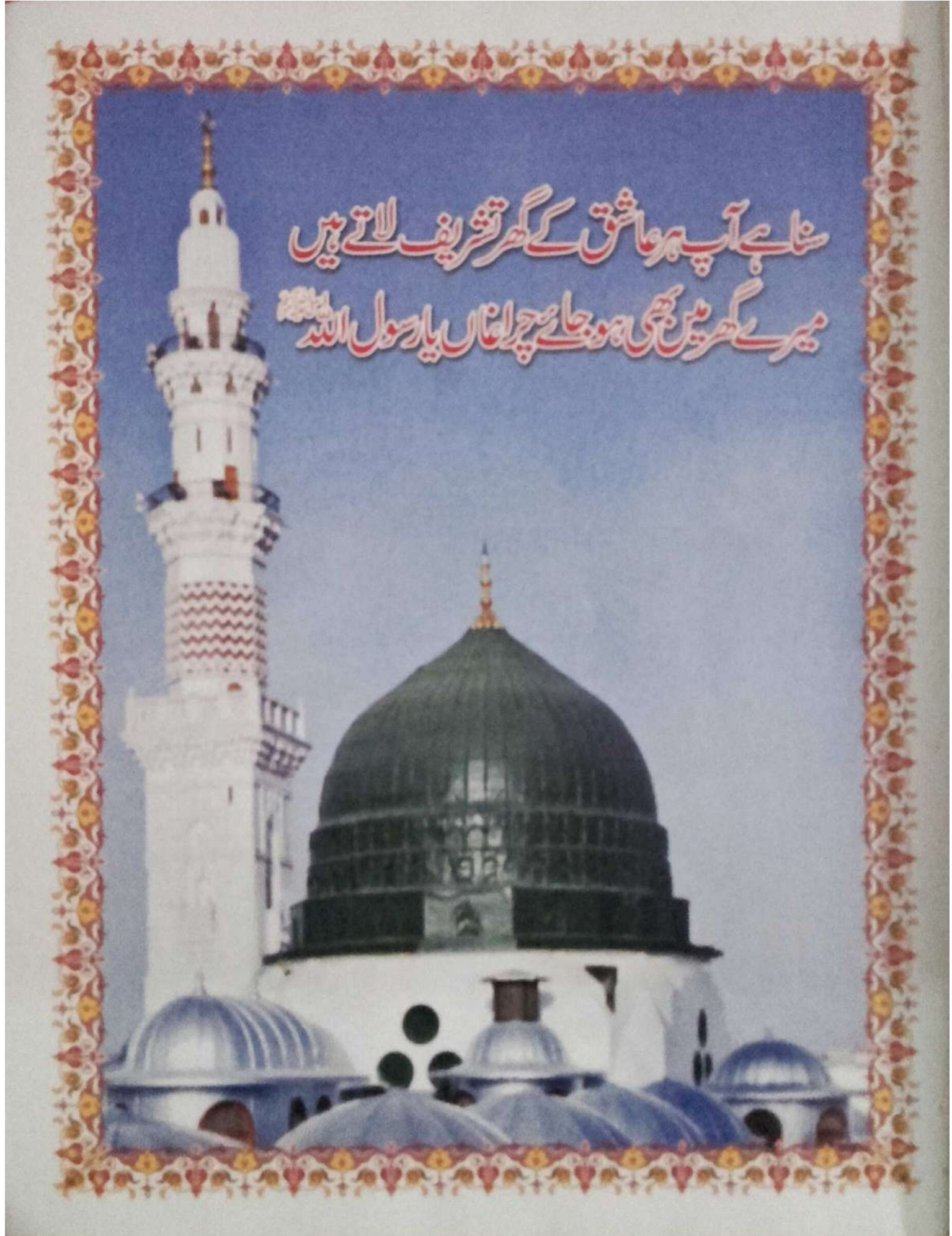
واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
(حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی)

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
(حسن رضا بریلوی)
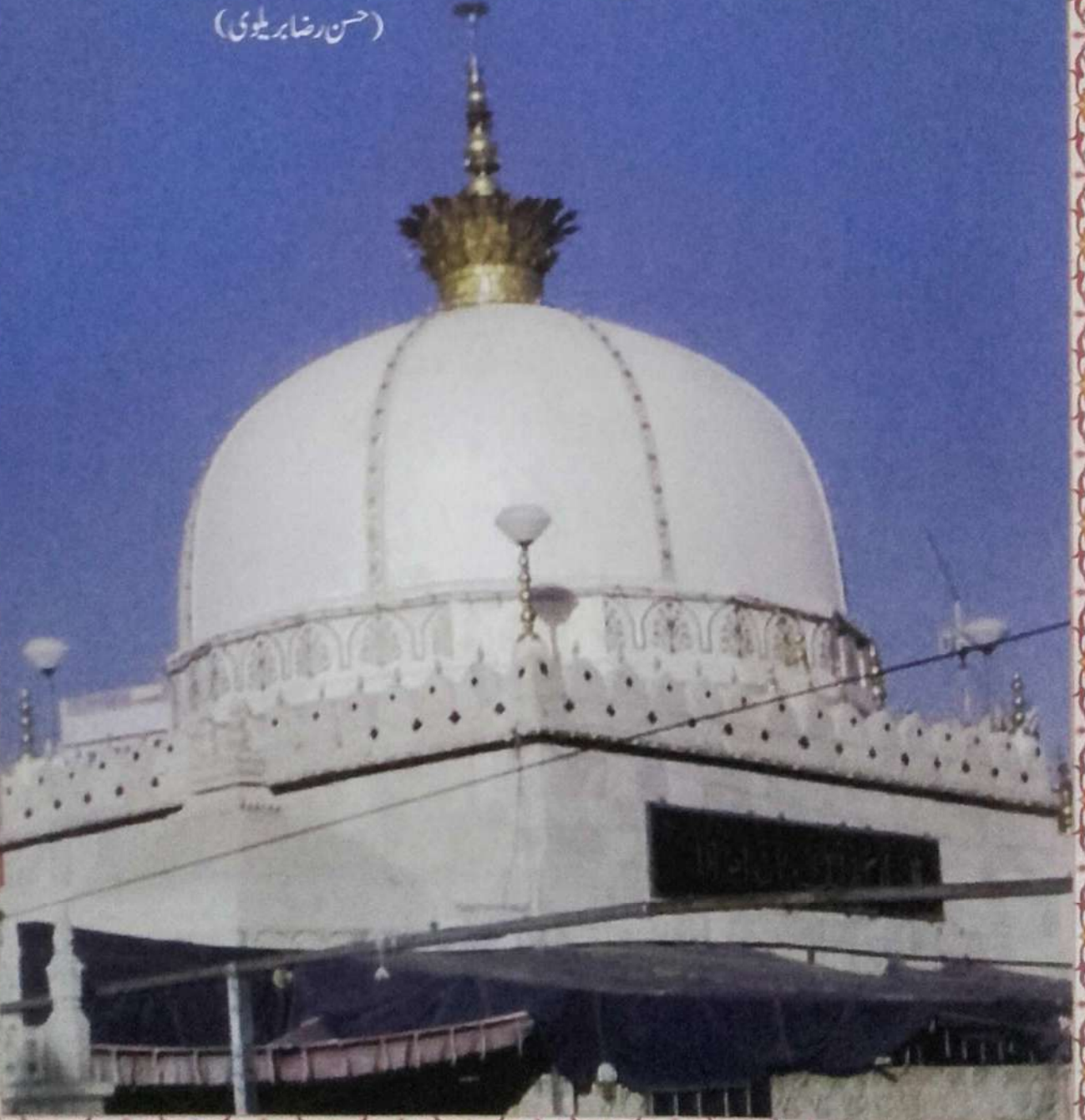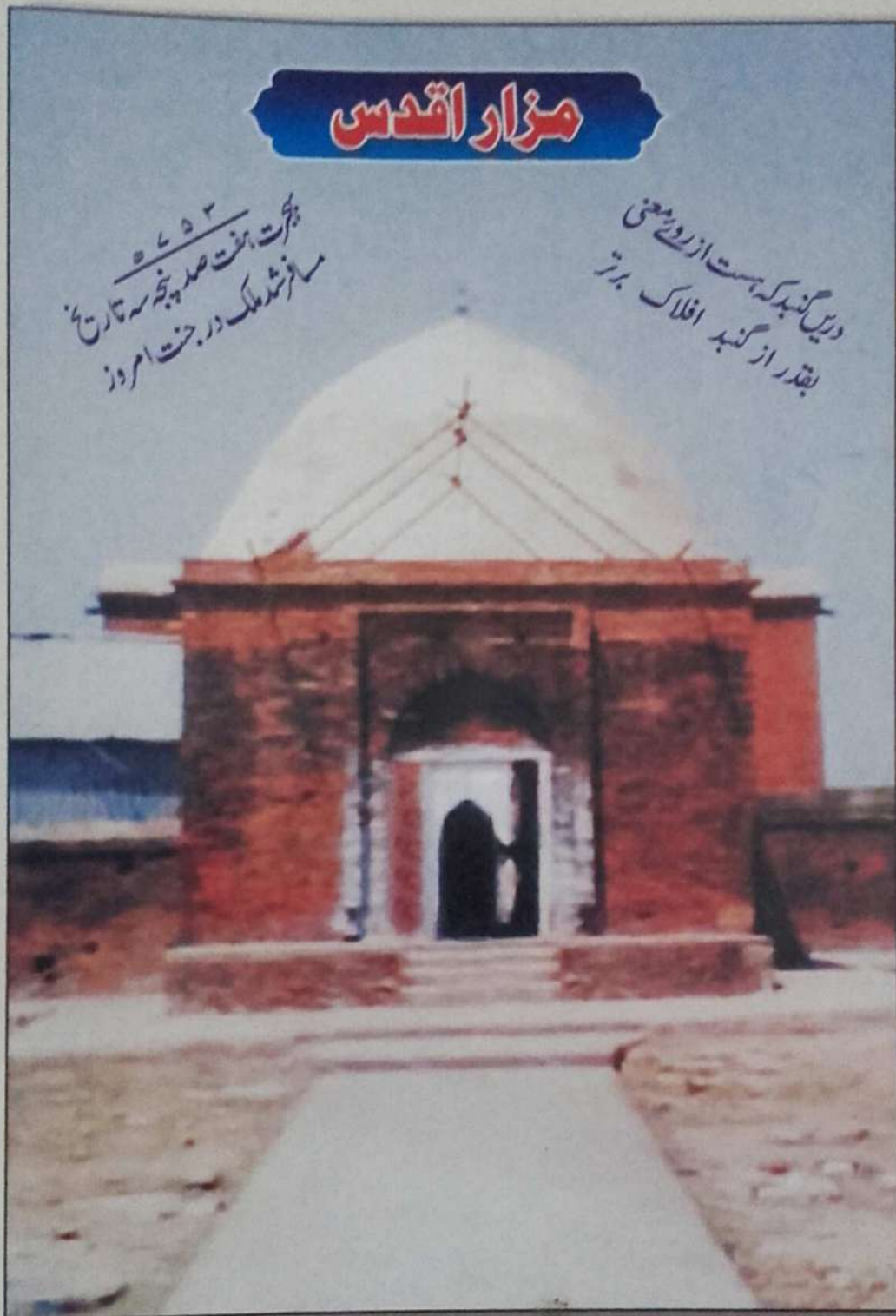
مدار الملک حضرت سید ابراہیم بن ابوبکر غزنوی عرف "ملک بیو" رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مورث اعلیٰ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے
احمد رضا کا تازہ گلستاں ہے آج بھی
اقلیم علم ان کا درخشاں ہے آج بھی
سب ان سے جلنے والوں کے گل ہوگئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

مزار اقدس مدار الملک حضرت سید ابراہیم عرف ملک بیو بن سید ابوبکر غزنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مزار انوار حضرت استاذ القراء قاری سید محمد ابوالہاشم قادری علیہ الرحمہ والد گرامی حضور سراج ملت

مزار پُر انوار حضور ملک العلماء مفتی سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری عظیم آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اہلیہ محترمہ

یہ وہ تختی ہے جو مزار حضور ملک العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نصب ہے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے گراؤنڈ میں واقع نوری مسجد جہاں حضور ملک العلماء رضی اللہ عنہ نماز ادا کرتے تھے۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

جہاں حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ الرضوان نے تقریباً ۳۰ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

شجرۂ حضرت ملک العلماء

جسے خود حضرت ملک العلماء نے بالترتیب حیات اعلیحضرت میں تحریر فرمایا ہے

حضرت ملک العلماء علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین قادری بن ملک منشی محمد عبد الرزاق بن ملک کرامت علی بن ملک احمد علی بن غلام قادر بن ملک سعادت بن ملک حمید بن ملک رضا بن ملک محمد علی بن ملک فتح اللہ بن ملک غلام نبی بن محمد معصوم بن ملک سعید الدین عرف ملک سدّن بن احمد اللہ بن ملک تاتار بن ملک بہاء الدین بن ملک محمد اسمٰعیل بن ملک الہ داد بن ملک غلام محی الدین عرف ملک گدّن بن ملک خطاب الملک بن ملک علاء الملک بن ملک داؤد اکبر ابن حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بیوشہید بن حضرت ابوبکر ابن سید ابو القاسم عبد اللہ ابن سید محمد فاروق بن سید ابو منصور عبد السلام بن سید عبد الوہاب بن غوث الثقلین غیث الکونین غوث صمدانی محبوب سبحانی پیر لاثانی شہباز لامکانی سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر جیلانی حسنی وحسینی قدست اسرارہم الفعنا اللہ برکاتہم۔

نوٹ

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ حضور سید ابرہیم ملک بیا غازی شہید کو فیروز شاہ بادشاہ نے ملک بیا کا خطاب دیا تھا یہ سیدنا غوث اعظم کی ساتویں پشت کی اولاد سے ہیں۔

آپ کا مزار شریف بہار شریف میں مرجع خواص وعام ہے۔

مدار الملک ابراہیم بوبکر — کہ تیغ از بہر حق می زد چو حیدر

شہنشاہ جہاں فیروز سلطان — کہ بر شاہان گیتی گشت فیروز

"جیسے مصطفیٰ (مراد مفتی اعظم)
ویسے تم" (مراد ملک العلما)
(اعلیٰحضرت امام احمد رضا)
"یہ اپنے دور کے امام اعظم ابو حنیفہ ہیں"
(محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی)
"مخدوم محترم مطالع
مکرم حضرت محدث اعظم"
(حافظ ملت مولانا عبد العزیز، بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)

"حدیث کی کثرت، حدیث کی درایت
اور فقہی مسائل و جزئیات کے استخراج و استنباط
پر ملک العلما کی بصیرت حیرت انگیز تھی"
(مفتی عبدالقیوم ہزاروی جامعہ نظامیہ، لاہور)
حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی کرامتوں
میں سے ایک عظیم کرامت حضور ملک العلماء کی ذات ہے۔
(سراج ملت سید سراج اظہر رضوی نوری)
"ملک العلما امام احمد رضا کے
علمی جانشین تھے، فکری ترجمان تھے"
(جمہور علما و دانشوران)

حضور ملک العلماء کی محبت اور قدر و منزلت میں
امام احمد رضا نے ملک العلماء کو مندرجہ ذیل
پیار بھرے چند القابات سے یاد کیا۔

حبیبی وولدی و قرۃ عینی، میرے بجان عزیز،
جانِ پدر، بلکه از جان بهتر، ولدی و زینی،
برادر دینی و یقینی، ولدی اعزی،
اعزک الله فی الدنیا والدین، والدی الاعز،
حامی السنه، ماحی الفتنه، ولدی الاعز المکین،
مولانا المکرم ذی العلم المتین۔
مولانا المکرم ذی المجد والکرم ولدی الاعز
مولوی محمد ظفر الدین۔

ملک العلماء نے وفور عقیدت و شوق سے
اپنے مرشد برحق کی خدمت میں ایک رضائی نذر
کی تو امام احمد رضا جواب میں تحریر فرماتے ہیں:
"مولیٰ عزّوجل
آپ کو جزائے وافر عظیم عطا فرمائے۔
آپ کی رضائی بہت محل رضا میں
کام آئی۔"

امام احمد رضا کو ملک العلماء کے علم وفن پر اعتماد کلی تھا۔
تحریر فرماتے ہیں:

''وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے، مدت سے ان کی اُمید تھی کہ اصولِ دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے، اپنے موافق اپنا تصدیقی خط ''دبدبۂ سکندری'' میں چھپ چکا ہے، مگر اس قدر کافی نہیں، رسائل ومسائل بھیجتا ہوں۔ ایک مختصر فتویٰ اگر چہ دو ہی سطر کا ہو، اپنی مہر سے اور جتنے لوگوں کی مہریں وہاں مل سکیں، فوراً فوراً ارسال کیجئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام احمد رضا کی نظر میں ملک العلماء کا امتیازِ خاص، فرماتے ہیں:

''مولانا ظفر الدین قادری'' علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے ''زواجر'' میں اس علم کو فرضِ کفایہ لکھا ہے۔ اوراب ہند بلکہ بلادمیں یہ علم، علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے، فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں سے بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدرِ کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقاتِ طلوع وغروب ونصف النہار ہرروز و تاریخ کیلئے جملہ اوقاتِ ماہِ رمضان شریف کیلئے بھی بناتے ہیں۔

(کلیات مکاتیب رضا، ص ۱۲۱۔ مطبوعہ کلیر شریف)

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اِس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں
(اعلیٰحضرت)
وہ ظفر جن کو حاصل تھے فتح و ظفر
اعلیٰحضرت کی حجت پہ لاکھوں سلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصانیف ملک العلماء

سرورق کی جھلکیاں

- حضور ملک العلماء اعلیٰ حضرت کے خلفاء وتلامذہ میں سب سے زیادہ علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے۔
- اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے خلفاء میں حضور ملک العلماء سے زائد کوئی دوسرا اصاحبِ تصانیف کثیرہ نہیں۔
- حدیث وفقہ میں مہارت وبصیرت جس کا اعتراف ملک العلماء کے تمام معاصرین کو تھا۔ فتاویٰ ملک العلماء اور صحیح البہاری اس پر شاہد عدل ہے۔
- حضرت ملک العلماء ہی نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' لکھ کر رضویات کی داغ بیل ڈالی اور پہلی بار دنیا کو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت سے روشناس کرایا۔
- ملک العلماء اعلیٰ حضرت کے بعد توقیت وتقویم، ہیأت وہندسہ جیسے علوم وفنون میں تنہا ماہر تھے۔

آئیے ان کی ۷۲ سے زائد تصانیف میں سے چند کی عمومی تفصیل اور سرورق کی جھلکیاں ملاحظہ کریں۔
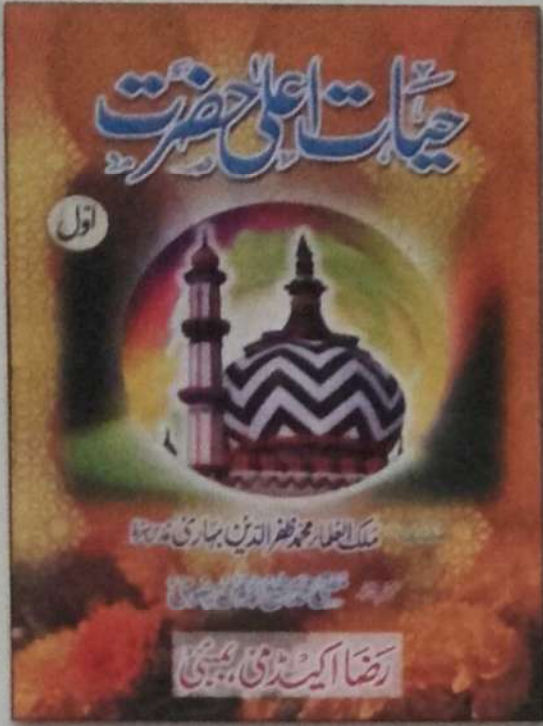
حیاتِ اعلیٰ حضرت
اوّل
رضا اکیڈمی بمبئی
نام کتاب : حیاتِ اعلیحضرت
جلد : اوّل
طبع اول : ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء
صفحات : ۵۹۲
موضوع : رضویات کی خشتِ اوّل جو اعلیٰ حضرت مجد دِ دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات پر عظیم شاہکار ہے۔
حیاتِ اعلیٰ حضرت
دوّم
رضا اکیڈمی بمبئی
نام کتاب : حیاتِ اعلیحضرت
جلد : دوّم
طبع اول : ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء
صفحات : ۵۹۲
موضوع : رضویات کی خشتِ اوّل جو اعلیٰ حضرت مجد دِ دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات پر عظیم شاہکار ہے۔
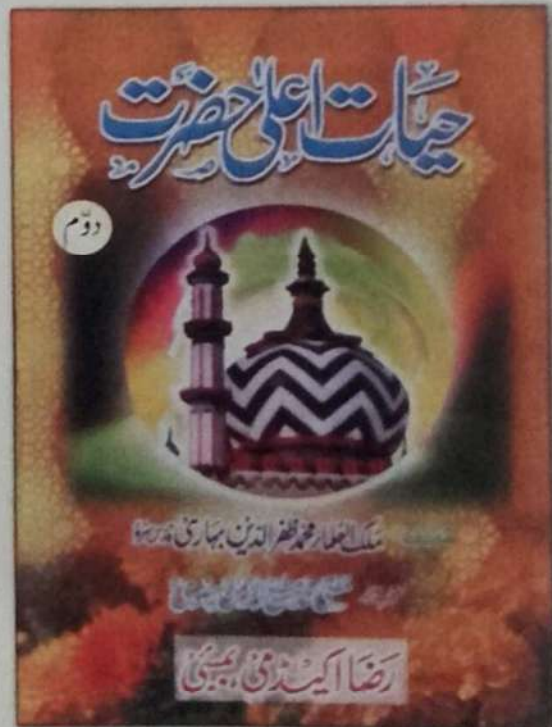
نام کتاب : **حیات اعلیحضرت**

جلد : سوم

طبع اول : ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

صفحات : ۵۹۲

موضوع : رضویات کی خشت اوّل جو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات پر عظیم شاہکار ہے۔
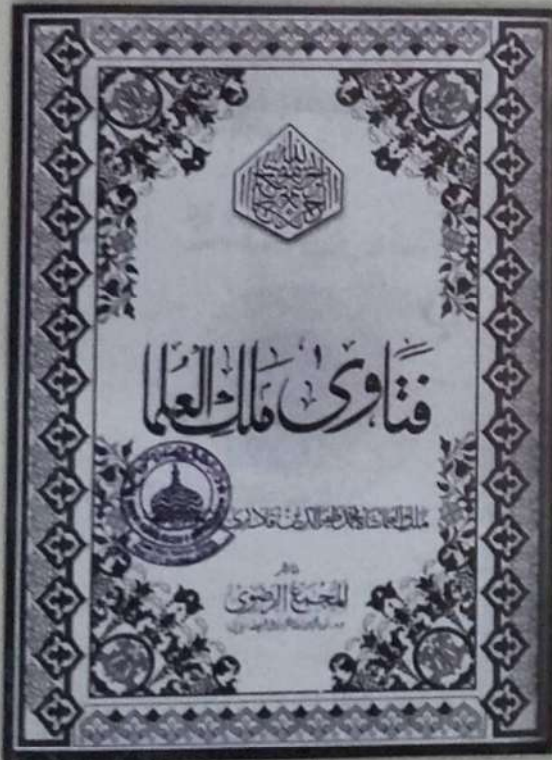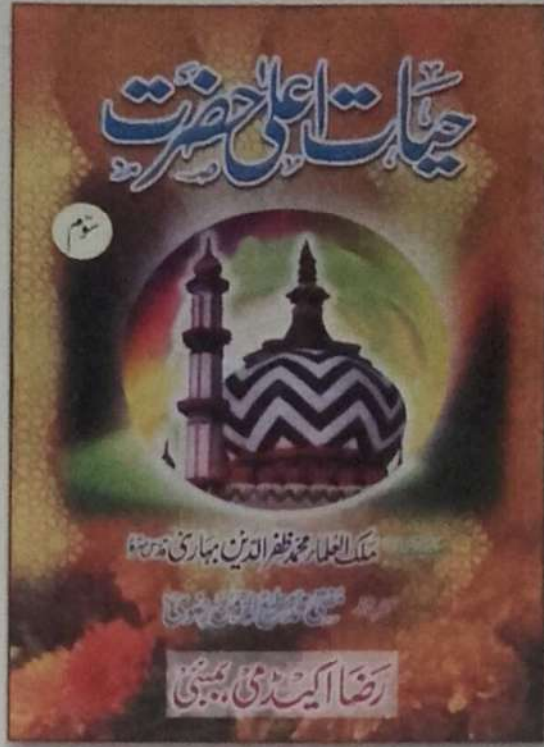
نام کتاب : **فتاویٰ ملک العلماء**

(نافع البشر فی فتاویٰ ظفر، ۱۳۴۹ھ)

صفحات : ۵۱۲

سالِ اشاعت: ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

مرتب: مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی

ناشر: المجمع الرضوی، بریلی شریف
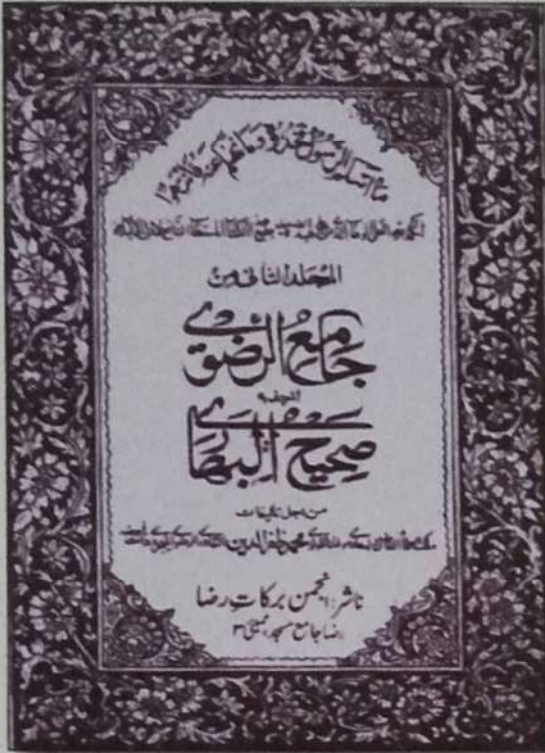
نام کتاب : **الجامع الرضوی**

المعروف

بصحیح البھاری

جلد : ٦

سن اشاعت فی الہند: ١٤٢٤ھ ٢٠٠٣ء

ناشر : انجمن برکاتِ رضا، رضا جامع مسجد ممبئی ٣

موضوع : فقہ حنفی کی تائید میں تقریباً پچاس ہزار احادیث نبویہ کا عطر بیز گلدستہ۔

نام کتاب : **میلادِ رضوی**

صفحات : ٢٤

طبع اوّل : ١٤١٦ھ

باہتمام : بزم عاشقان مصطفیٰ، لاہور۔

موضوع : آقائے کائنات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد اور اسکے جشن منانے پر روایات و حکایات اور نعتوں کا ایک حسین گلدستہ میلادِ رضوی ہے۔
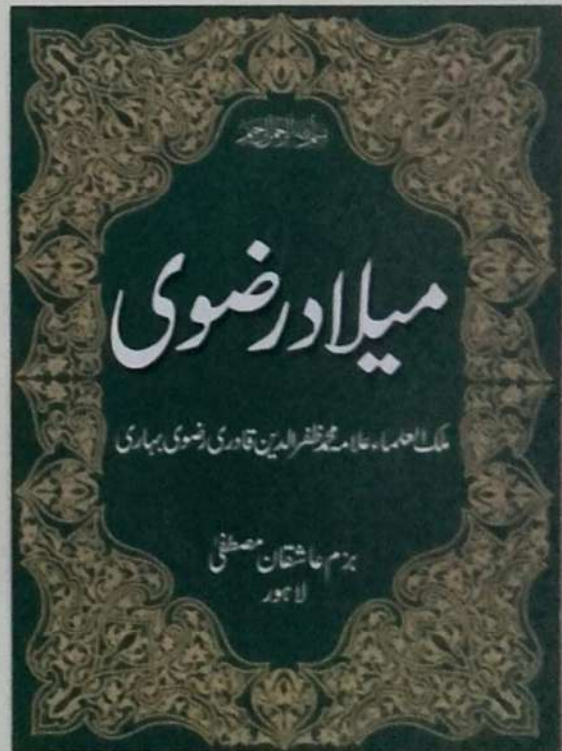
نام کتاب : **سدالفرار**

صفحات : ۳۳

مطبوعہ : لیتھوآرٹ پریس، پٹنہ

موضوع : آزادیٔ ہند کے بعد تقسیم ہندستان عمل میں آیا پھر مسلمانوں پر جوظلم و بربریت کا کوہِ ہمالہ ڈھایا گیا جس کی وجہ سے مسلمان ہندستان سے ہجرت کرنے لگے اسی ہجرت کی مخالفت پر ایک مدلل وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

نام کتاب : **تنویر المصباح**

للقیام عند

حیَ علی الفلاح

صفحات : ۸۰

اشاعت دوم : ۱۳۱۳ھ/۱۹۹۲ء

اشاعت سوم : ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

ناشر : انجمن برکاتِ رضا، ممبئی ۳

موضوع : نماز کیلئے حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے پر مدلل بحث
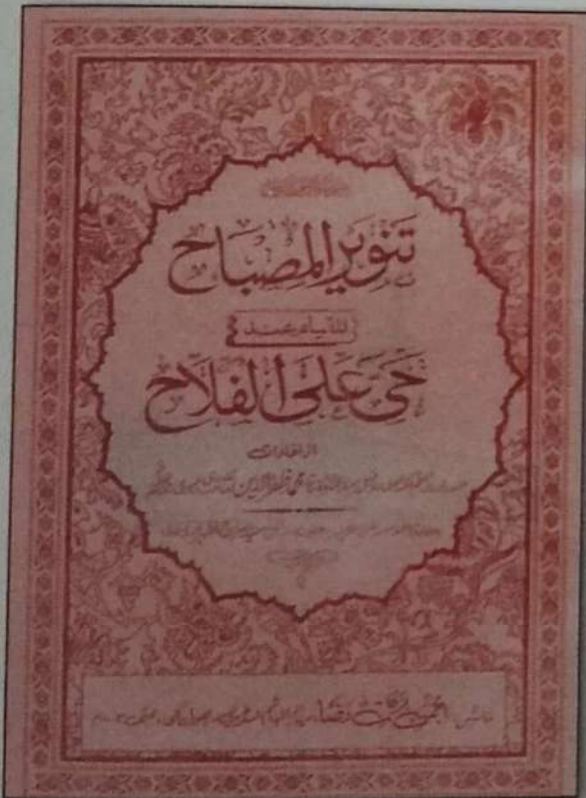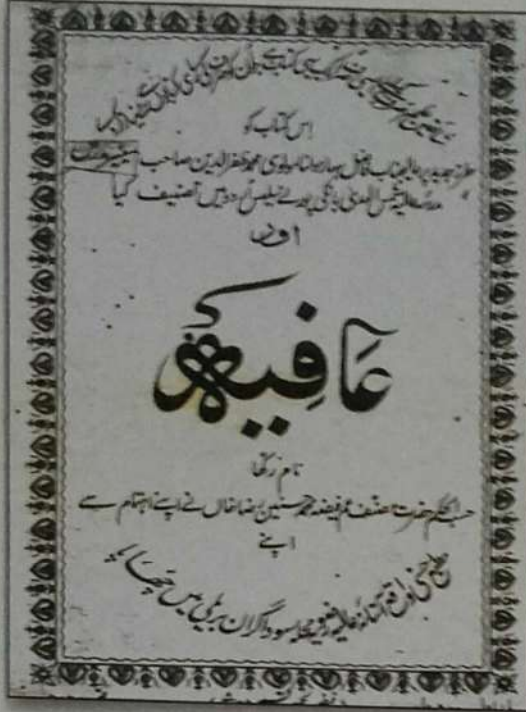
نام کتاب : **عافیہ**

صفحات : ۶۰

مطبوعہ : مطبع حسنی واقع آستانۂ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران، بریلی شریف

موضوع : علم صرف

شائقین علم صرف کیلئے ایسی صرف ایک ہی کتاب ہے جو ان کو صرف کی ساری کتابوں سے بے نیاز کردے۔

نام کتاب : **دلچسپ مکالمہ**

صفحات : ۳۳

موضوع : تحریک عقد بیوگان

مطبوعہ : برقی پریس، سبزی باغ، پٹنہ

نام کتاب: **چودھویں صدی کے مجدد**

صفحات : ۷۲

سالِ طباعت بارِ اوّل:

صفر المظفر ۱۴۰۰ھ جنوری ۱۹۸۰ء

موضوع: مجدد کی تعریف واہمیت نیز مجددین کی صحیح فہرست۔

نام کتاب : **دورِ صحابہ میں ایصال ثواب کی مختلف صورتیں**

صفحات : ۱۹۸

موضوع : مسئلہ ایصال وثواب کے جواز پر ایک مدلل بحث

سلسلۂ مطبوعات ۱۱

اسرِ سینہ اش جائی الم نشرح لک برخواں
ز معراجش چہ می پرسی کہ سبحٰن الذی اسریٰ

ذکرِ معراج

المعروف بہ

تنویرُ السِّراج فی ذِکرِ المعراج

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین رضوی بہاری متوفی ۱۳۸۲ھ

ناشر

روضۃ المعارف گھوسی اعظم گڈھ یوپی

ملنے کا پتہ

مکتبہ امجدیہ مدرسہ شمس العلوم گھوسی اعظم گڈھ یوپی

عرفی نام : **ذکر معراج**

صفحات : ۴۸

طباعت : ۱۹۷۸ء

موضوع : فلسفۂ معراج پر ایک اہم پر مغز تقریر اس کے اور کئی حصے ہیں

سُرورُ القلبِ المحزون فی الصَّبرِ عن نورِ العیون

عُرف

اسلامی نظریۂ موت

از

ملک العلماء حضرت مولانا مولوی محمد ظفر الدین قادری رضوی چشتی اشرفی

نام کتاب : **سُرور القلب المحزون فی الصَّبر عن نور العیون**

عرفی نام: **اسلامی نظریۂ موت**

صفحات : ۱۱۲

پہلی اشاعت: ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

موضوع : یہ کتاب اسلامی نظریۂ موت پر مبنی ہے جسے مصنف نے اپنی چہیتی بیٹی کی موت کے وقت پیدا شدہ غم کو دور کرنے کیلئے لکھی تھی یہ بھی خیال تھا کہ اس سے عوام الناس کو فائدہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضرب ھو

از: حضور مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ

اللہ ھو ، اللہ ھو ، اللہ ھو

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو   تو منزّہ مکاں سے مبرّہ زسو
علم و قدرت سے ہر جا ہے تو کو بکو   تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اللہ ھو ، اللہ ھو ، اللہ ھو

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو   جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو
بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحٰنہ   عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو

اللہ ھو ، اللہ ھو ، اللہ ھو

سارے عالم کو ہے تیری ہی جستجو   جن و انس و ملک کو تری آرزو
یاد میں تیری ہر ایک ہے سو بسو   بن میں وحشی لگاتے ہیں ضربات ہو

اللہ ھو ، اللہ ھو ، اللہ ھو

طائران جناں میں تری گفتگو   گیت تیری ہی گاتے ہیں وہ خوش گلو
کوئی کہتا ہے حق کوئی کہتا ہے ھو   اور سب کہتے ہیں لاشَرِیکَ لَہٗ

اللہ ھو ، اللہ ھو ، اللہ ھو

بلبل خوش نوا طوطئ خوش گلو   زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ھو
قمری خوش لقا بولی حق سرَّہٗ   فاختہ خوش ادا نے کہا دوست تو

اللہ ھو ، اللہ ھو ، اللہ ھو

صبح دم کر کے شبنم سے غسل و وضو | شاہدان چمن بستہ صف رو برو
ورد کرتے ہیں تسبیح سُبحانَہٗ | ھُوَ وَلَا غَیرُہٗ ھُوَ وَلَا غَیرُہٗ

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا | جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا
ذرے ذرے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا | قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

نغمہ سنجان گلشن میں چرچا ترا | چہچہے ذکر حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا | سب کا مطلب ہے واحد کہ واحد ہے تو

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

جو ہے غافل ترے ذکر سے ذوالجلال | اسکی غفلت ہے اس پر وبال و نکال
قعر غفلت سے ہم کو خدایا نکال | ہم ہوں ذاکر ترے اور مذکور تو

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

ٹھنڈی ٹھنڈی نسیمیں چلیں میرے رب | فتنوں کی دھول سے پاک ہو اب عرب
ایسا برسا بہا دے جو خاشاک سب | تیری رحمت کے بادل گھریں چار سو

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

رحم فرما خدایا حرم پاک ہو | تو نے تقدیس بخشی ہے جس خاک کو
دفع فرما وہاں پر ہے بے باک جو | اور گرا بجلیاں قہر کی بر عدو

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

خواب نوری میں آئیں جو نور خدا | بقعۂ نور ہو اپنا ظلمت کدا
جگمگا اٹھے دل چہرہ ہو پر ضیا | نوریوں کی طرح شغل ہو ذکر ھو

اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

اغثنی یا رسول اللہ

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے
توئی خود ساز وسامانم اغثنی یا رسول اللہ

شہا! بیکس نوازی کُن طبیبا! چارہ سازی کن
مریض دردِ عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

زُفتم راہِ بینایاں فتادم درچہہ عصیاں
بیا اے حبلِ رحمانم اغثنی یا رسول اللہ

گنہ برسر بلا بارد دلم درد ہوا دارد
کہ داند جز تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

اگر رانی وگر خوانی غلامم انت سلطانی
دگر چیزے نمی دانم اغثنی یا رسول اللہ

بکہف رحمتم پرورز قطمیرم منہِ کمتر
سگِ درگاہِ سلطانم اغثنی یا رسول اللہ

گنہ در جانم آتش زد قیامت شعلہ می خیزد
مدد اے آبِ حیوانم اغثنی یا رسول اللہ

چومرگم نخلِ جاں سوزد بہارم راخزاں سوزد
نہ ریزد برگِ ایمانم اغثنی یا رسول اللہ

چو محشر فتنہ انگیز دبلائے بے اماں خیزد
بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

پدررا نفرتے آید پسر را وحشت افزاید
تو گیری زیردامانم اغثنی یا رسول اللہ

عزیزاں گشتہ دوراز من ہمہ یاراں نفوراز من
دریں وحشت ترا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

گدائے آمدا اے سلطاں بامید کرم نالاں
تہی داماں مگر دانم اغثنی یا رسول اللہ

اگر میرانیم از در بمن بنما درے دیگر
کجا نالم کرا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

گرفتارم رہائی دہ مسیحا مومیائی دہ
شکستم رنگ سا مانم اغثنی یا رسول اللہ

رضایت سائل بے پر توئی سلطان لاتنہر
شہا بہرے ازیں خوانم اغثنی یا رسول اللہ

www.ataunnabi.blogspot.com
منقبتیں
درشان حضور ملک العلماء فاضل بہار قدس سرہٗ
شعراء کرام
www.izharunnabi.wordpress.com

اظہار احوال واقعی

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ناشر مسلک اعلیٰ حضرت سراج ملت
حضرت مولانا الحاج الشاہ حافظ وقاری سید سراج اظہر رضوی نورہٗ
بانی وسربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، انجمن برکاتِ رضا وسنی تبلیغی جماعت

تقدیم
امیر القلم ماہر رضویات
ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی مصباحی

آشوب چشم کے لئے

یابصیر	یابصیر	یابصیر	یابصیر
یاسمیع	یاسمیع	یاسمیع	یاسمیع
یاحکم	یاحکم	یاحکم	یاحکم

یہ نقش کسی چینی کی رکابی پر لکھے اور اس کو ہری مکو کے عرق سے دھو کر قدرے افیون گھس کر آنکھ کے اوپر لیپ کرے انشاء اللہ پھر کسی دوا کی ضرورت نہ پڑے گی کیسا ہی آشوب چشم کیوں نہ ہو دفع ہو جائے۔ اگر وقت پر یہ دونوں چیزیں نہ ملیں تو پانی سے دھو کر آنکھ پر لگائیں، مجرب ہے۔

کردہ نا کردہ اشارے میں تمہارے ہو جائے
بے کیا آپ کے صدقے میں کیا ہوتا ہے
مفتی اعظم علیہ الرحمہ

جہان ملک العلماء کی تاریخ ساز اشاعت پر انجمن برکات رضا کے جملہ اراکین کو بالخصوص خلیفہ حضور مفتی اعظم سراج ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ سید سراج اظہر رضوی نوری صاحب بانی وسربراہ اعلیٰ دار العلوم فیضان مفتی اعظم کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرنے میں خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

منجانب:

صوفیہ زبیر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی

فدائے سرکار حضور مفتی اعظم

محمد سراج الدین خان نوری

ساکی ناکہ، ممبئی

علامہ مفتی محبوب رضا روشن القادری
شیخ الحدیث دار العلوم فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی

نظم جہان ملک العلماء

سراج نور عرفاں ہے جہان ملک العلماء
ریاض فکر انساں ہے جہان ملک العلماء

حقیقت آشکارا جس سے ہو جاتی ہے وہ نسخہ
مثال مہر تاباں ہے جہان ملک العلماء

سجائی تھی جو دنیائے ظفرِ احمد رضا خاں نے
اسی جلووں کا ساماں ہے جہان ملک العلماء

مبارک ہو سعادت حضرت سراج ملت یہ
کہ لاکھوں دل کا ارماں ہے جہان ملک العلماء

امام احمد رضا وَلَدِی عزیز از جاں کہا جس کو
اسی کا یہ گلستاں ہے جہان ملک العلماء

بفیض اعلیٰ حضرت سب میں اونچا علم تھا جن کا
انہیں کا گل بدخشاں ہے جہان ملک العلماء

نہ کیوں اہل نظر روشنؔ یہ پڑھ کر جھوم جھوم اٹھے
کہ اک جنت بداماں ہے جہان ملک العلماء

جہان ملک العلماء

مولانا علی احمد سیوانی صاحب
میڈیکل کالج روڈ علی گڑھ

واصف وصف نبی ہیں شاہ علامہ ظفر
عاشق مولیٰ علی ہیں شاہ علامہ ظفر

خاک ہوجائے نہ کیوں جل کر نشیمن کفر کا
شعلۂ عشق نبی ہیں شاہ علامہ ظفر

کیوں نہ بھاگیں دور دشمن مذہب اسلام کے
ذوالفقار حیدری ہیں شاہ علامہ ظفر

اُسوۂ حسنہ پہ ان کے آج بھی چلتے ہیں لوگ
پر تو خلق نبی ہیں شاہ علامہ ظفر

اعلیٰ حضرت جس کو اپنا پیارا بیٹا لکھ گئے
وہ مقدر کے دھنی ہیں شاہ علامہ ظفر

منہ کی کھائیں کیوں نہ سارے دشمنان دین حق
مظہر زور علی ہیں شاہ علامہ ظفر

آدمیت مفتخر ہے جس کی علمی ذات پر
وہ مقدس آدمی ہیں شاہ علامہ ظفر

آؤ پروانو چلیں کر محفل ضوبار میں
شمع بزم آگہی ہیں شاہ علامہ ظفر

نسبت احمد رضا خاں قادری کے فیض سے
نوری، رضوی، قادری، ہیں شاہ علامہ ظفر

جس چمن میں عشق سرور کی درخشاں ہیں گلاب
اس چمن کی دلکشی ہیں شاہ علامہ ظفر

آدمی انسان بن جاتا ہے جس کے عکس سے
وہ نگار عاشقی ہیں شاہ علامہ ظفر

سب سے پہلے منظر اسلام کے شاگرد ہیں
سب سے اول منظری ہیں شاہ علامہ ظفر

اہل دانش کا مشام جاں معطر کیوں نہ ہو
عطر باغ آگہی ہیں شاہ علامہ ظفر

دلبروں کا دل بھی شیدا جس پہ آخر ہو گیا
وہ ادائے دلبری ہیں شاہ علامہ ظفر

جس کے در پر ہیں کھڑے رہتے گداگر ہر گھڑی
وہ مخیّر آدمی ہیں شاہ علامہ ظفر

علم کے جلوؤں سے روشن قلب وجاں کر لیجئے
علم دیں کی روشنی ہیں شاہ علامہ ظفر

جس کو پی کر ہوش میں رہتے ہیں سب اہل جنوں
وہ شراب سرمدی ہیں شاہ علامہ ظفر

جس سے روشن ہے شعور آدمیت کی جبیں	وہ ضیائے بندگی ہیں شاہ علامہ ظفر
اہل باطل جس کی ہیبت سے سدا روپوش ہیں	شیر حق وہ واقعی ہیں شاہ علامہ ظفر
پی کے چشم فیض سے سرمست ہیں اہل جہاں	ساقیٔ جام خوشی ہیں شاہ علامہ ظفر
ظلمت لادینیت کافور ساری ہوگئی	مہر حق کی روشنی ہیں شاہ علامہ ظفر
بھینی بھینی خوشبوؤں کا گلستاں پرنور ہے	فصل گل کی چاندنی ہیں شاہ علامہ ظفر
جس کی خوشبو سے معطر ہے دماغوں کا چمن	وہ گل باغ نبی ہیں شاہ علامہ ظفر
جامی وسعدی کی نکتہ سنجیاں سرمست ہیں	ساغر دانشوری ہیں شاہ علامہ ظفر
جس کی نکہت بیزیوں پر ہے فدا فصل بہار	وہ گل باغ نبی ہیں شاہ علامہ ظفر
عالم جید، فقیہ صاحب عرفان ہیں	ملجئ دین نبی ہیں شاہ علامہ ظفر
جہل کے سب اژدھے دنیا سے مٹ جائیں نہ کیوں	اک عصائے موسوی ہیں شاہ علامہ ظفر
کیوں نہ روشن ہو جہان علم وفن کا ہر مکان	علم کی جلوہ گری ہیں شاہ علامہ ظفر
دل کے سب احوال ان کے سامنے ہیں منکشف	واقعی زندہ ولی ہیں شاہ علامہ ظفر
حکمت یونان جس کی فکر پر قربان ہے	وہ حکیم و فلسفی ہیں شاہ علامہ ظفر
اہل بدعت ہیں ہراساں حق نما تحریر سے	ماحیٔ شرک جلی ہیں شاہ علامہ ظفر
فقہ ومنطق کے مسائل جس سے ہوجاتے ہیں حل	وہ فقیہ و منطقی ہیں شاہ علامہ ظفر
کیوں نہ آؤں میں در دربار عالی پر غنی	پیکر علم نبی ہیں شاہ علامہ ظفر

میں کہاں جاؤں غنی دربار گوہربار سے
ہاں غنی ابن غنی ہیں شاہ علامہ ظفر

جہانِ ملک العلماء

مولانا مبارک رضوی
پھوپ گھاٹ

کون سا جملہ میں لاؤں ان کی تعریفات میں
صد چراغ انجمن پنہا ہے جن کی ذات میں

تھا یہ فیض نور علم مصطفیٰ کا ہی کمال
دن کو سورج بن کے چمکے چاند بن کے رات میں

اب بھی ہے مرہون منت آپ کا برصغیر
ہے نظام الوقت شامل ان کے مخطوطات میں

فلسفہ منطق میں یکتائے زمانہ تھے ظفر
دسترس حاصل تھی ان کو فن معقولات میں

زندگی بھر علم کے موتی لٹاتے ہی رہے
خلوت و جلوت میں اور پھر درس و تدریسات میں

نقش بھرتے تھے کئی سو چال سے پیارے ظفر
تھے فن تکسیر کے ماہر وہ تعویذات میں

شہسوار علم و فن تھے اور بھی لاکھوں مگر
ہاں ظفر ہی معتبر تھے سارے معدودات میں

طالبان علم تھے سیراب ان سے اس طرح
زندگی پاتی ہیں جیسے مچھلیاں برسات میں

اعلیٰ حضرت نے انہیں ایسا منور کردیا
جس طرح ہو چاندروشن چودھویں کی رات میں

اہل سنت کا مشام جاں معطر کردیا
اس قدر وہ پھول مہکا علم کے باغات میں

گلشن احمد رضا کے پھول ہیں سب اس طرح
جس طرح سے رات رانی ہو معطر رات میں

تربیت کچھ اس طرح ان کو بریلی سے ملی
وقت کا سورج بھی ذرہ تھا ظفر کے ہاتھ میں

اعلیٰحضرت نے کلیجے سے لگایا آپ کو
یہ خدا جانے کہ کیا کیا خوبیاں تھیں آپ میں

کل بھی تھا یہ آج بھی ہے اور ہوگا حشر تک
اعلیٰحضرت کا کرم سید ظفر کے ساتھ میں

گر قبول افتد زہے عز و شرف حضرت ظفر
لے کے آیا ہے مبارک منقبت سوغات میں

مولانا عبدالہادی الرضوی کماوی
مدرس جامعہ فاروقیہ، بنارس

بہار قوم ملت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین
میرے آقائے نعمت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

یقیناً پاک طینت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین
چراغ اعلیٰ حضرت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

انہیں سمجھو سمجھ میں آئے گا علم رضا کیا ہے
فقیہ دین وملت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

امام احمد رضا کے علم کے وارث ہیں یہ بیشک
شناسائے شریعت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

جنہیں بخشا خطاب احمد رضا نے ملک العلماء کا
سراپا جاہ وحشمت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

جو دیکھا پٹنہ کے نجدی نے ان کی جامع الرضوی
کہا سرتاپا عظمت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

یہ دریائے شریعت اور طریقت کے شناور ہیں
سریر دین کی زینت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

علوم عصر کے ماہر فقیہ وفلسفی حیراں
بنائے فرط حیرت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

میرے سید سراج اظہر سراپا علم تقویٰ ہیں
مگر عنوان مدحت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

سراج ملت بیضا سے روشن ہے دیار اپنا
چراغ اہل سنت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

غلامی رضا نے کردیا ممتاز عالم میں
وقار دین وملت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

رضا کے نام پر سب کچھ لٹانے کا یہ ثمرہ ہے
متاع بیش قیمت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

یواقیت وجواہر جامع الرضوی کا ہر صفحہ
ہے گویا بحر حکمت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

رضا کی ہے دعا میر اظفر پائے ظفر ہر دم
پس اہل فتح ونصرت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

سراج قوم وملت تو وقار دین ہیں رضوی
زعیم دین فطرت ہیں یہ ملک العلماء ظفر الدین

مفتی محبوب رضا روشن القادری
شیخ الحدیث دارالعلوم فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی

علم کا ہر سو ہے چرچا شاہ ظفر الدین کا
جلوۂ علمی ہے ہر جا شاہ ظفر الدین کا

مہر تاباں بن کے چمکا جو عظیم آباد میں
لاکھوں میں اونچا تھا رتبہ شاہ ظفر الدین کا

مَلک العلماء جنھیں کہتی ہے دنیا آج تک
چرخ پر روشن تھا تارا شاہ ظفر الدین کا

تھا مجدد دین و ملت کی نظر کا یہ اثر
با فضیلت تھا عمامہ شاہ ظفر الدین کا

اعلیٰ حضرت نے کہا میرے ظفر کو ظفر دے
فتح مندی کا تھا تمغہ شاہ ظفر الدین کا

علم توقیت و ریاضی و جفر کے بادشاہ
اقلیدس بینات تھا رمنہ شاہ ظفر الدین کا

صرف ونحو و فقہ و منطق فلسفہ علم اصول
گہرا ہر فن سے تھا رشتہ شاہ ظفر الدین کا

علم تفسیر و حدیث پاک میں تھے باکمال
فن میں اونچا مرتبہ تھا شاہ ظفر الدین کا

حضرت سید سراج اظہر کا ہم پر ہے کرم
کر دیا ہے نام زندہ شاہ ظفر الدین کا

ان کے احسان سے ہیں روشن ہر مدارس تابناک
اہل دل پڑھتے ہیں خطبہ شاہ ظفر الدین کا

مرحبا روشنؔ جہانِ مَلک العلماء کتاب
کیا حسیں کھینچا ہے نقشہ شاہ ظفر الدین کا

مولانا عبدالمقتدر خان جالوی
دارالعلوم ضیائے مصطفےٰ، دربھنگہ

نجدیا ! تو مان یا مت مان ظفرالدین ہیں
ہم غلاموں کے لئے ہر آن ظفرالدین ہیں

رزم گاہ حق و باطل میں ہوئے سینہ سپر
علم کی مضبوط اک چٹان ظفرالدین ہیں

علم و فن ہے کون سا جس سے نہیں آگاہ وہ
اس زمانے میں ہماری جان ظفرالدین ہیں

مسئلہ جیسا بھی آیا حکم شرعی دے دیا
مسند افتاء کے وہ سلطان ظفرالدین ہیں

کار افتاء میں جسے رکھتے رہے احمد رضا
بالیقیں وہ عامل قرآن ظفرالدین ہیں

اک بہاری قریۂ ادنیٰ کے باشی ہیں مگر
سنیوں کے عالم ذیشان ظفرالدین ہیں

فیض کا دریا رواں ہے آج تک دربار سے
قبر میں بھی لے کے اپنی شان ظفرالدین ہیں

صاحب کشف و کرامت عبدؔ کی لیجے خبر
ہر گھڑی جس پر ہے یہ قربان ظفرالدین ہیں

عتیق الرحمٰن حبابؔ رضوی
رکن، نوری مشن، مالیگاؤں

علم کا ساغر فضل کا دریا ملک العلماء یاد آئے
فکر میں اعلیٰ علم میں بالا ملک العلماء یاد آئے

عالم و فاضل، قاری و مفتی، فیض رضا کا درپن تھے
یہ ہے ان کا اصلی سراپا ملک العلماء یاد آئے

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اعلیٰحضرت کہتے تھے
فرقۂ باطل ان سے سہما ملک العلماء یاد آئے

''ملک العلماء'' ان کے لقب کو کون تعلّی کہتا ہے
واقعی رب نے رتبہ ہے بخشا ملک العلماء یاد آئے

فکر رضا کو عام کیا ہے، علم رضا کا نام لیا ہے
جب تو فدا ہے سارا زمانہ ملک العلماء یاد آئے

''مظہر اعلیٰحضرت'' جن کو مفتی اعظم نے ہے کہا
ایک ولی ہے کتنا شناسا ملک العلماء یاد آئے

مختار الدین نام رکھا تھا ان کے جگر گوشے کا رضا نے
صدقہ ملا ہے فیض رضا کا ملک العلماء یاد آئے

اپنے حبابؔ کو یارب دیدے صدقہ ایسے مجاہد کا
قطرہ قطرہ دریا دریا ملک العلماء یاد آئے

اظہار احوال واقعی

بقلم: شیغم رضویت خلیفہ حضور مفتی اعظم پیر طریقت سراج ملت حضرت مولانا الحاج الشاہ سید سراج اظہر قادری نوری صاحب قبلہ، سربراہ اعلیٰ دار العلوم فیضان مفتی اعظم و انجمن برکات رضا، ممبئی۔۳

شیخ المحدثین، رأس المعلمین، عالم علم نجوم وفلکیات، ماہر فن ریاضیات، ملک العلما، اخطب الخطباء، افقہ الفقہا حضرت علامہ سید محمد ظفر الدین احمد فاضل بہار علیہ الرحمۃ والرضوان میدان تصنیف وتالیف کے اس شہسوار کا نام ہے، جنہیں شیخ الاسلام والمسلمین، عظیم البرکت، مجدد اعظم دین وملت، امام اہلسنت، اعلیٰحضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے طرح طرح کے القابات وخطابات سے نوازا اور اپنی صحبت میں رکھ کر دریائے نعمت ورحمت اور بحر علم وعمل کا غواص بنایا اور ملک العلماء کے خطاب سے علا پر سرفرازی عنایت فرمائی۔ حضرت ملک العلماء کی جلالت شان اور علمی وعملی کمالات کا زمانہ اعتراف کرتا ہے۔

حضرت ملک العلماء کی ذات اعلیٰحضرت کے مشاہیر تلامذہ میں نور دیدۂ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مفتی حامد رضا خاں صاحب بریلوی تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا نوری مفتی اعظم ہند، عیدالاسلام حضرت علامہ عبد السلام جبلپوری علیہم الرحمۃ والرضوان کی مقتدر ہستیوں کے بعد سب سے باعظمت نظر آتی ہے۔ آپ ایک متبحر عالم دین اور صاحب درایت مشہور فقیہ ومناظر تھے۔ معانی قرآن وتفسیر، احادیث واصول، سیر وتواریخ پر مکمل دسترس حاصل تھا، اسی طرح علم شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے رازہائے سربستہ بفیض پیر ومرشد اعلیٰحضرت کافی عبور حاصل تھا۔ جہاں آپ نے مذکورہ علوم میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، وہیں علم تصوف وسلوک، احسان و اخلاق، ادب ولغت، توقیت وریاضیات، ہندسہ ومعقولات پر نادر وبے مثال معلومات سے مرصع کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن کے مضامین اہل قلم کے لئے سرمایۂ حیات بنتے جارہے ہیں۔

اسی طرح جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری تو آپ کے تصنیفی وتالیفی کارناموں میں سب سے زیادہ روشن ہے۔ فقہ حنفی میں جس کی جامعیت محدث یکتائے روزگار کی آئینہ دار ہے۔ احادیث نبویہ کا یہ مجموعہ جس کی پہلی جلد عقائد، دوسری طہارت وصلوٰۃ، تیسری زکوٰۃ، صوم، حج، چوتھی کتاب النکاح تا وقف، پانچویں بیوع تا غصب، چھٹی شفعہ سے کتاب الفرائض تک ہے۔ دوسری جلد ہمارے دار العلوم فیضان مفتی اعظم، پھول گلی میں داخل نصاب ہے۔ بعض جلدیں حضرت ملک العلماء کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر مختار الدین صاحب سابق صدر شعبہ عربی علیگڑھ یونیورسٹی کے پاس ہیں۔

آپ نے تقریباً ستر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں بعض تو وہ ہیں، جو تمام مکاتیب فکر کے یہاں مقبول عام ہیں۔ جیسے نماز وروزہ کے اوقات ہند وپاک اور دنیا بھر کے لئے۔ اسی طرح جفر ونجوم، فلکیات ومعقولات کی کتابیں۔ آپ نے مؤذن الاوقات مسمّٰی باسم تاریخی ۱۳۳۵ھ کے بعد بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ

والصیام تصنیف فرمائی۔ جس کے بارے میں خود ہی رقم طراز ہیں کہ:

"تقریباً گیارہ سال سے خاکسار برادران دینی کی خدمت اور ان کے روزوں کی درستی وصحت کے لئے ہر سال رمضان شریف کے نقشۂ اوقات صوم وصلوٰۃ، زیج وتوقیت کے قواعد خاصہ سے ترتیب دیتا ہے اور مخلص قدیم حاجی محمد لعل خانصاحب (متولی ناخدا مسجد زکریا اسٹریٹ کلکتہ جو اعلیٰحضرت کے خلیفہ بھی ہیں) شائع کیا کرتے ہیں۔ جس سے لوگوں کو حنفی وقت سے نماز پڑھنے میں سہولتیں اور روزہ رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔"

حضرت ملک العلما سید محمد ظفر الدین موضع رسول پور میجرا ضلع عظیم آباد (پٹنہ) (جواب کفر ضلع نالندہ ہو گیا ہے) صوبہ بہار میں ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو بوقت صبح صادق پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی ملک عبد الرزاق جو پابند صوم وصلوٰۃ کے ساتھ نیک طبیعت پاک طینت تھے۔ ریاضت وعبادت، تسبیح وتہلیل آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ حضرت سلطان مخدوم اشرف سمنانی کچھوچھہ شریف کے سلسلہ کے بزرگ شاہ چاند میاں کے مرید تھے۔ اپنے پیر ومرشد سے انہیں والہانہ عقیدت تھی، آپ کی والدہ ماجدہ بھی انہیں سے بیعت تھیں، جو شیخ مبارک حسین زمیندار موضع بین ضلع پٹنہ کی چھوٹی صاحبزادی تھی، جو گیارہویں شریف سیدنا غوث اعظم بڑے پیر دستگیر کی بڑے اہتمام سے منایا کرتی تھیں۔ آپکے والد ماجد ملک عبد الرزاق ۱۳۰۷ھ اور والدہ ۱۳۱۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ملک العلماء نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے پائی، پھر مدرسہ حنفیہ موضع بین جہاں میرا آبائی وطن ہے، یعنی اپنے نانیہال میں چند برسوں تک قیام رکھ کر تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ کی تعلیم حاصل فرمائی۔

شہر عظیم آباد (پٹنہ) جو اس زمانے میں علم وفضل کا عظیم مرکز شمار کیا جاتا تھا، اس میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے خاص معتمد ومعتقد دیندار رئیس وزمین دار ہمدرد ملت قاضی عبد الوحید صدیقی فردوسی نے ۱۳۱۸ھ میں ایک دینی درسگاہ قائم فرمائی۔ ایک بڑی جائداد اس کے اخراجات کے لئے وقف کیا اور اس ادارہ میں بڑے بڑے قابل وذی صلاحیت علماء بحال کیا۔ انہیں میں وقت کے مشہور ومعروف عالم محب اعلیٰحضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بھی شامل تھی، یہ مدرسہ حنفیہ واقع بخشی محلہ پٹنہ سیٹی بہار میں ایک نمایاں حیثیت کا تھا۔ جس کی تعلیمی شہرت ملک کے ہر صوبہ جات میں پھیل چکی تھی۔ تشنگان علوم مختلف صوبہ جات سے کشاں کشاں آکر اس سرچشمۂ علم وحکمت سے سیراب ہو رہے تھے۔

حضرت ملک العلماء ۱۳۲۰ھ میں داخلہ لیکر زانوئے ادب یہاں تہہ کیا اور حضرت محدث سورتی کے شاگردوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ یہاں آپ نے مشکوٰۃ شریف، مسند امام اعظم، ملا جلال وغیرہ کا درس لیا۔ حضرت محدث سورتی بسبب علالت جب یہاں سے اپنے وطن پیلی بھیت چلے گئے، تو حضرت ملک العلماء سید محمد ظفر الدین صاحب اپنے ہم سبق مولانا حکیم ابو الحسن کے ساتھ کانپور چلے آئے۔ یہاں آپ نے مولانا احمد حسن کانپوری سے منطق کی کتابیں اور مولانا عبید اللہ کانپوری سے ہدایہ آخرین مکمل پڑھی۔ جب معلوم ہوا، کہ محدث سورتی اپنے قائم کردہ مدرسہ میں حدیث کا درس شروع فرمایا ہے، تو پھر وہاں سے پیلی بھیت یوپی آگئے۔ حضرت محدث سورتی نے انکی آمد سے راحت محسوس کیا اور حضرت محدث صاحب سے درس لینا شروع کر دیا۔

چونکہ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے سچی عقیدت ومحبت تھی۔ ہمہ وقت اعلیٰحضرت کے علم کمال اور اوصاف وخصائل کا تذکرہ کیا

کرتے تھے۔ بایں وجہ ملک العلما کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔ جب کہ بار بار اعلیٰ حضرت کے علوم و مراتب منازل و مدارج کا ذکر سن چکے تھے، بالآخر ۱۳۲۱ھ میں بریلی شریف محلہ سوداگران (رضا نگر) اعلیٰحضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر آئے، اس زمانے میں اعلیٰ حضرت کے علم و قلم کا شہرہ ہند و پاک تا عرب شباب پر تھا۔ ملک العلماء کی ذکاوت و ذہانت پہلی ہی ملاقات میں جھوم اٹھی۔ حتیٰ کہ علم و عمل اور حصول علوم مختلفہ کا آخری مرکز ذات عالی صفات کو ہی بنا کر اپنی عقیدت و ارادت کی نگاہیں اسی مجدد اعظم پر مرکوز فرمائی، اعلیٰ حضرت نے بھی ملک العلما کی جبین عقیدت پر کوا کب علوم کی چمک دیکھ کر عرضی کو قبول فرماتے ہوئے اپنے تلامذۂ اخص الخاص میں داخل فرمالیا۔

مگر اب تک وہاں با قاعدہ کسی ادارہ کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا، استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا بریلوی، خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی اور حضرت ملک العلماء و دیگر احباب اہلسنت کی سعی پیہم پر اعلیٰحضرت نے مدرسہ منظر اسلام باسم تاریخی ۱۳۲۲ھ قائم فرمایا۔ پھر ذیشان اساتذہ کرام کی علمی روشنی سے منظر اسلام روشن و تابناک اسطرح ہوا کہ دور دراز سے کثیر تعداد میں طالبان و تشنگان علوم کی آناً فاناً بھیڑ ہوگئی۔ جہاں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا، تاجدار اہلسنت حضرت مولانا مصطفےٰ رضا مفتی اعظم، عید الاسلام حضرت مولانا عبد السلام جبلپوری، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی، سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد صاحب پیلی بھیت، ابو المحمود مولانا احمد اشرف صاحب کچھوچھوی، استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی، خطیب الہند مولانا رحیم بخش آروی، ابو الفیض صوفی قلندر علی صاحب سہروردی سیال کوٹی، حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خان صاحب بریلوی، حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب بریلوی، اور ان جیسے دیگر مشاہیر تلامذہ کرام جو آسمان علم پر نجم درخشاں بن کر چمک رہے تھے۔ انہیں میں ایک ذات بابرکات ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین صاحب فاضل بہاری کی بھی تھی۔

جو حضرت ملک العلماء اپنے مورث اعلیٰ سید ابراہیم ملک بیا کی ایک زندہ اور تابندہ یادگار تھے۔ وہ ملک بیا جن کا نسب نامہ ساتویں پشت میں غوث اعظم سے ملتا ہے، یہ بزرگ ہمارے آباو اجداد کے بھی مورث اعلیٰ ہیں۔ جن کا مزار پر انوار بہار شریف میں زیارت گاہ ہر خاص و عام ہے۔ حضرت ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف، و دیگر کتب صحاح کے ساتھ بے شمار علوم و فنون کا درس حاصل کیا۔ جبر و مقابلہ، مساحت و اقلیدس، عروض و فرائض، توقیت و ریاضیات، علم نجوم و ہندسات وغیرہ میں اعلیٰ حضرت نے آپ کو یگانہ روزگار بنادیا۔

ملک العلماء نے فراغت کے بعد تدریسی زندگی کا آغاز اسی مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف سے فرمایا۔ تقریباً چار سال مسلسل درس دیتے رہے۔ اور فاضل بریلوی کی اجازت سے مسند افتاء پر متمکن ہو کر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ پھر اعلیٰ حضرت ہی کے حکم سے مدرسہ حنفیہ آرا ضلع شاہ آباد تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے اس زمانے میں صدر مدرس کی جگہ سہسرام میں رہے۔ ۱۹۴۸ء میں مسٹر سید نور الہدیٰ مرحوم کے مشہور و معروف قائم کردہ مدرسہ شمس الہدیٰ جو حکومت بہار کے انتظام و انصرام میں دیدیا گیا تھا، آپ پرنسپل کے عہدے پر سرفراز ہوئے، جہاں آپ نے مسلسل تیس سال علمی خدمات انجام دیکر سبکدوش ہوگئے۔ اس زمانے میں یہ مدرسہ شمس الہدیٰ کا شہرہ نہ صرف شہر عظیم آباد ہی تک محدود تھا، بلکہ ہندوستان کے ہر کونے میں اسکا چرچہ عام تھا۔ ۱۳۷۱ھ میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار بحر العلوم میں قیام پذیر ہوئے، مگر جہاں بھی آپ رہے،

رضویات پر ہر جگہ نمایاں کارہائے مالائقہ انجام دیتے رہے۔ سرزمین شہر عظیم آباد (پٹنہ) میں بڑے بڑے جلسوں کا انعقاد کرواتے رہے۔

مسلک اعلیٰحضرت کی ترویج واشاعت حضرت ملک العلماء کی زندگی کا نصب العین رہا۔ آپ نے اپنی ہر تصنیف میں ہر وعظ میں اعلیٰحضرت کے علم وہنر اور حقانیت کا ذکر کیا۔ ہر موڑ پر آپ کو کامیابی اسی نام سے ملی، ہر میدان میں اعلیٰحضرت کے عطا کردہ علوم اوران کی تصانیف نے فتح وظفر اور نصرت بخشی، جہاں آپ نے چند علوم پر کتابیں لکھی ہیں، انہیں اعمال ووظائف پر بھی چند کتابیں تحریر فرمائی۔ انہیں میں سے تحفۂ اعمال کے اقتباسات سے چند سودمند حصے ملاحظہ فرمائیں۔

اقتباسات از شفاء الامراض (از ملک العلماء)

۱) فرزند نرینہ کیلئے

طلب فرزند نرینہ کیلئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کھیعص حمعسق یا حی یا قیوم الٰهی بحرمت محمد صلی الله علیه وسلم وامیر المومنین علی وفاطمة الزهراء والحسن والحسین نسئلک ان ترزقنا ولدًا صالحًا طویل العمر وصلی الله تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد واله وسلم پڑھ کر پانی پر دم کرلے اور میاں بیوی پئے انشاء اللہ تعالیٰ فرزند نرینہ عطا ہوگا۔

(۲) جو کوئی بسم الله الرحمٰن الرحیم الم اللّٰه لا اله الا هو الحی القیوم الٰهی بحرمت ا سمک الاعظم نسئلک ا ن تورزقنا ابنًا صالحًا طویل العمر نماز کے بعد پڑھ لیا کرے، تو اللہ فرزند نرینہ عطا کرے گا۔

(۳) اگر کسی کو بچہ نہ ہوتا ہو، تو ایک کورے برتن میں پانی بھر کر، یہ تعویذ اس میں ڈال دے اور یہ پانی صرف میاں بیوی ہی پیئے۔ اگر پانی کم ہو جائے، تو اور پانی ڈال دے۔ ہفتہ کے دن سے یہ عمل شروع کرے اور مرد وعورت ہم بستر ہو، تو انشاء اللہ ایک ہی دو ہفتہ کے اندر آثار نمایاں ہو جائینگے۔ تعویذ کے کلمات یہ ہیں۔ ۔۔

اللّٰهم انی اسئلک بانی اشهدک انت الله الذی لا اله الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد الٰهی بحرمة محمّد وعلی وفاطمه والحسن والحسین ان ترزقنا ولداً صالحاً طویل العمر وصلی الله علی سیدنا محمد واله وصحبه اجمعین ۔

برائے استقرار حمل یہ مجرب عمل بھی تحریر فرمایا۔

یعنی مندرجہ ذیل اسم مبارک لکھ کر عورت کی گردن میں لٹکائے۔ جب اپنے شوہر کے پاس جائے، حاملہ ہوگی۔ اسی طرح اگر درخت بے پھل پر لٹکائے، تو بحکم خدا سے پھل دار ہو جائے۔

اسم یہ ہے:- مـــــا مـــــه خ خ

افزونی شیر۔ عورت کے دودھ بڑھانے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ:۔ سورۂ حجرات زعفران سے لکھے اور دھو کر عورت بچہ کی ماں کو پلا دیا کرے۔

حفاظت حمل۔ یعنی حفاظت حمل از اسقاط۔ یہ عمل مجرب ہے، جس حاملہ کو اسقاط کا خوف ہے، تو یہ آیت کریمہ لکھ کر حمل پر باندھے رکھے محفوظ رہیگا۔ وہ آیت یہ ہے۔ انّ اللـــه یـمسک السمٰوت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکهما من احد من بعده انه کان حلیماً غفورا

دردزہ میں آسانی۔ جس عورت کو بچہ کی پیدائش کے وقت تکلیف ہو، **یا خشنیود** ۔ جلی قلم سے لکھ کر بائیں ران میں باندھ دے۔ بچہ بآسانی تولد ہو جائیگا۔

عسرت ولادت ۔ دوسرا عمل دردزہ کا یہ ہے۔ اس نقش مثلث کو لکھ کر عورت کے ران میں باندھ دے۔ آسانی ہو جائیگی۔

۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

آپ کے فتاوے کا ضخیم مجموعہ بنام نافع البشر فی فتاویٰ ظفر المعروف فتاویٰ ملک العلماء ہے۔ جس پر آپ کے استاذ کا رنگ نمایاں ہے۔ صرف ایک سوال و جواب ملاحظہ کریں۔

☆ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے، وہ کہاں ہونی چاہئے اور زمانہ رسول اللہ ﷺ میں وہ اذان کہاں ہوتی تھی، اندر مسجد کے یا باہر؟ بینوا و توجروا۔ السائل سید محمد عمر غفرلہ از شہر پیلی بھیت محلہ احمد زئی۔

الجواب:۔ اذان ثانی جمعہ کے دن خطبہ کے لئے خطیب کے ممبر پر چڑھنے کے وقت مواجہہ خطیب میں اذان عثانی کی طرح بیرون مسجد ہی ہونی چاہئے۔ یہی سنت نبوی و صدیقی و فاروقی ہے ﷺ و رضی اللہ عنہما

(۱) عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی میں ہے: ”قوله بين يديه اى مستقبل الامام فى المسجد كان او خارجه والمسنون هو الثانى“ یعنی لفظ بین یدیہ کے معنی تو یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہونا چاہئے مسجد میں یا بیرون مسجد۔ مگر مسنون وہی دوسری صورت ہے۔ یعنی اذان کا خارج مسجد ہونا۔

(۲) اسی میں ہے: ”وبسند آخر عنه كان يوذن بين يدى رسول الله ﷺ اذاجلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابى بكر وعمر“ یعنی دوسری سند سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ سرور دو عالم ﷺ و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما کے مواجہہ، میں جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے، دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی۔ رواہ ابو داؤد

(۳) تعلیق الممجد حاشیہ مؤطا امام محمد

(۴) میں ہے: ”وعند الطبرانى

(۵) كان يوذن بلال على باب المسجد على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر وعمر.“

(۶) کشف الغمہ میں ہے:۔ ”وكان الاذان الاول علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما اذا جلس الخطيب على المنبر علىٰ باب المسجد.“ مسجد میں اذان کہنا حسب تصریح فقہائے کرام مطلقاً ممنوع و مکروہ ہے۔

(۷) فتح القدیر: ”الاقامة فى المسجد ولا بد واما الاذان فعلى المئذنة فان لم تكن ففى فناء المسجد وقالو يوذن فى المسجد“ (فتح القدير ،باب الاذان : ۱/۲۱۵)

(۸) اسی میں ہے: ”هو ذكر الله فى المسجد اى فى حدوده لكراهة الاذان فى داخله.“

(۹) غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی میں ہے: ”الاذان انما يكون فى المسجد والاقامة فى داخله.“ (۱۰) فتاویٰ تاتارخانیہ (۱۱) مجمع البرکات، (۱۲) عالمگیری (۱۳) قاضی خان (۱۴) خلاصہ (۱۵) خزائن المفتیین (۱۶) بحر الرائق میں ہے: ”ينبغى ان يوذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يوذن فى المسجد.“ اذان مئذنہ پر ہو یا بیرون مسجد کہی جائے۔ اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ (۱۷) شرح مختصر وقایہ علامہ برجندی میں ہے: ”وفيه اشعار بانه لايوذن فى المسجد“. (۱۸) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: ”يكره ان يوذن فى المسجد كمافى القهستانى“ (۱۹) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ص ۱۰۷) (۲۰) النظم (۲۱) شرح طحاوی

پھر (۲۲) شرح قدوری محمود زاہدی میں ہے: ولا یوذن الا فی فناء المسجد او علی مئذنة.

ان تمام تصریحات جلیلہ میں عموم واطلاق صاف بتا رہا ہے کہ مطلقاً اذان چاہے جمعہ کی ہو یا پنجگانہ، مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے۔ ومن ادعیٰ التخصیص فعلیه ان یاتی بالتنصیص هذا ما عندی والله اعلم بالصواب.

کتبه عبده العاصی ظفر الدین البهاری عفی عنه بمحمد المصطفی النبی الامی صلی الله علیه وسلم

حضرت ملک العلماء کے انداز جواب ہو بہو مجدد اعظم فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کی عکاسی معلوم ہوتی ہے۔ جن میں امام اعظم ابو حنیفہ کی فقاہت سیدنا امام رازی کی صیانت اور محقق علی الاطلاق حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی کا رنگ تحقیق اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن کی علمی جلالت، امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شان حقانیت کے جلوے نظر آرہے ہیں اور ان کے قلم کا ہر نقطہ اور ہر نقشہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے پیہم احسانات کا مداح نظر آتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے احسانات کہاں نہیں ہیں۔ کس بزم میں اور کس خانقاہ میں اور کس عرس واعراس میں اعلیٰحضرت نہیں ہیں قیام، میلاد، محفل ذکر، چادر پوشی، گلپوشی، ایصال ثواب، فاتحہ نیاز، پیر ومرید، مشائخ وسادات، منازل شرف وعزت کی کس بزم میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے احسانات نہیں ہیں۔ عالم ماکان وما یکون رحمة للعلمین کا ثبوت علم غیب یا اللہ والوں کی شان رفعت صحابہ کبار، اہلبیت اطہار کے تقدس وعظمت کی دلیلیں اور حجت واتمام حجت اور ہر طرح کے مسائل دینیہ میں عقدۂ لاینحل کا حل صفحات قرطاس پر احسان آپ کے نہیں ہیں، تو کس کے ہیں۔ حقیقت میں ہر شعبہ میں آپ کے احسانات ہیں اور ہر کسی مسلمان کو آپ کے مسلک کی ضرورت ہے۔ کوئی دشمن ہی آپ کے مسلک سے گریز کر سکتا ہے، ورنہ اعلیٰحضرت کی ضرورت کل بھی تھی آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی۔ مگر تعجب ہے، کہ غیر تو غیر ہیں، کچھ تیسری پشت کے متعصبین اپنے میں پیدا ہو گئے ہیں، جنہیں اپنے اسلاف کا فیصلہ منظور نہیں ہے بریلی ہمارا مرکز ہے۔ مسلک اعلیٰحضرت حق ہے۔ اصل میں مسلک اعلیٰحضرت مسلک امام اعظم ابوحنیفہ ہے۔ پسند نہیں آتا، جبکہ کلمہ پڑھنے والے مختلف فرقوں میں اگر سنیت کی علامت کوئی ہے، تو وہ مسلک اعلیٰحضرت ہے یا بریلی ہے۔ خدا کا شکر ہے دنیا کے کونے کونے میں مسلک اعلیٰحضرت کا نعرہ لگ رہا ہے اور لگتا رہے گا۔ شیخ المشائخ سیدنا شاہ علی حسین اشرفی جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے مریدین کو نصیحت فرمائی، میرا مسلک شریعت وطریقت میں وہی ہے، جو حضور پرنور اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی کا (مسلک) ہے۔ پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم ملک کے کسی گوشے میں چلے جائیں، تو ہمارا تعارف الہ آباد سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ بریلی سے ہوتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں 'مسلمان مجدد دین وملت اعلیٰحضرت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کو مرکزی شخصیت اور بریلی کو اپنا مرکز تصور کرتا ہے۔ سنیوں کی جتنی بھی درسگاہیں ہیں، ان کی آخری کڑی بریلی اور مسلک اعلیٰحضرت ہے۔' حضرت علامہ نظامی کی طرح لاکھوں مشاہیر علماء نے یہی مزاج دیا اور یہی کہا۔ سجادہ آستانۂ عالیہ مارہرہ مطہرہ سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے
یا الٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد۔

اب وہ لوگ اپنا منہ کالا کریں، جو مسلک اعلیٰحضرت کے نعروں سے چڑھتے ہیں۔ مسلک اعلیٰحضرت زندہ باد پر اعتراض کرنے والے

اپنی حیثیت کا اندازہ ان بڑی حیثیت والے مشاہیر واکابر علماء سے لگائیں، جو ہمیشہ مسلک اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کا نعرہ لگاتے رہے، آدمی کے منہ سے میں وہی بات اچھی لگتی ہے، جتنے کی صلاحیت ہو۔ حد سے بڑھ کر اپنے کو محقق بننے کا ارمان رکھنا کوتاہ نظری اور تنگدلی کی بات ہے۔

شہزادۂ حضور سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آل رسول حسنین میاں صاحب نظمی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ۔ مسلک اعلیٰحضرت سے متعلق مضمون میں حضور احسن العلماء حضرت سید شاہ حسن میاں قدس سرہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

"میرا کوئی مرید مسلک اعلیٰحضرت سے ادھر ادھر ہو جائے، تو وہ خود بخود میری بیعت سے نکل جائیگا۔" یہ ایک اس حقانیت کی ترجمانی ہے، جو ہندوستان کے مشائخ وعلمائے کرام نے مسلک اعلیٰحضرت کو سواد اعظم اور بریلی کو مرکز کی تجاویز پاس کراتے ہوئے کہا تھا، کہ مسلک اعلیٰحضرت ہی اس وقت ہمارا علامتی نشان ہے۔ بزبان حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی جنہوں نے فتوے کی تصدیق میں فرمایا یہ اس عالم مطاع کا قول ہے، جس کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

غرضیکہ مسلک اعلیٰحضرت سے ہی اپنے اور پرائے ابھی پہچانے جارہے ہیں۔ مجھے ابھی یہ بتانا ہے، کہ حضرت ملک العلماء کا مسلک اعلیٰحضرت کی ترویج میں جو کردار رہا ہے، یہ ان کا خاص حصہ تھا۔ تقریباً ہر تصنیف میں کسی نہ کسی طرح اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کو دل کی گہرائیوں سے یاد کرتے ہوئے صفحۂ قرطاس پر موتی بکھیرا ہے۔ حضرت ملک العلماء نے رویت ہلال کے سلسلے میں آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے ایک محقق کتاب تصنیف فرمائی، اسی کا ایک اہم حصہ فتاویٰ ملک العلماء میں ہے۔ جو فرمایا کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو ٹرنک کال وغیرہ وغیرہ برقی خبریں صرف خبر رسانی کیلئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کیلئے معتبر نہیں، ہندوستان بھر کے مشاہیر علمائے سابقین وموجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے علمائے کرام کی تحقیق کو پیش کر سکتا ہوں۔

(۱) رسالہ مبارکہ ازکی الاھلال با ابطال ما احدث الناس فی امر الھلال مصنفہ اعلیٰحضرت امام اھلسنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاھرہ سیدی وسندی شیخی ومرشدی مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز

(۲) رسالہ جامع الاقوال فی رویت الھلال مرتبہ سید شاہ محمد حسین صاحب ارزاں شاہی برادر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب سجادہ نشیں درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ

(۳) رسالہ نادر تحفہ جامعہ حبیبیہ

(۴) جوابات استفتا عزیزی وتلمیذ مولوی سید شاہ فرید الحق سلمہ ولیعہد سجادہ عمادیہ پٹنہ، اسکے بعد آپ نے محقق رویت ہلال کا مسئلہ بالتفصیل بیان فرمایا۔ فتاویٰ ملک العلماء میں ملاحظہ کریں، مجھے ان باتوں کو پیش کرنا ہے کہ آپ نے جو کچھ پایا، وہ اعلیٰحضرت سے پایا، اس لئے آپ کی تحقیق کے سامنے پھر کسی تحقیق کی ترجیحی حیثیت آپ قبول نہیں کرتے اور اعلیٰحضرت کی روش اور انداز بیان میں جو خوبی ہے، وہ آپ کے انداز تحریر سے عیاں ہے۔ یہ سچی محبت کی دلیل اور تحدیث نعمت ہے، جو آپ نے اعلیٰحضرت کو پیارے پیارے القابات سے متواتر یاد فرما کر قلب کیلئے راحت وسکون کا سامان فراہم کیا ہے۔

حضرت ملک العلماء اپنے ہم عصر مشاہیر کی طرح بار بار کتابوں میں مختلف نوع کے القابات کے ساتھ فاضل بریلوی لکھا، جو یہ امام اہلسنت مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی طرح آپ کا ایک علم ہو کر مقبول ہر خواص وعام ہوگیا ہے۔ مگر کچھ کوتاہ ہیں۔ فاضل بریلوی کی فضیلت بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو حاصل ہے، اس کو

محدث سے بدل کر سنجیدگی سے مٹا دینا چاہتے ہیں اور بعض فاضل جہالت کا ثبوت دے کر اس لقب سے اجتناب کا اعلان کرتے ہیں۔ ایسوں کو اسلاف کے قلم سے لیکر آج تک کروڑوں صاحبان قلم کی تحریر نظر نہیں آتی۔ خود فتاوٰی رضویہ میں سائلین میں بڑے بڑے علماء نے تحریر کیا۔ جسے اعلیٰحضرت نے دیکھا اور چھپا اور عہد اعلیٰحضرت کے بیشمار محققین و مدبرین اور معتقدین نے فاضل بریلوی لکھا۔ مگر کوتاہ بینی کا کیا علاج ان کے مٹانے سے یہ مقبول لقب قائم مقام اسم نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا۔

یہ بندہ خاکسار فقیر سید سراج اظہر غفرلہٗ حضور ملک العلماء کی ذات بابرکات سے متعلق تقریباً تیس سال سے کام کرتا آرہا ہے۔ حضور ملک العلماء کی کتابوں کی اشاعت ملک العلماء لائبریری کا قیام۔ تاریخ وصال میں انعقاد عرس وغیرہ شامل ہیں۔ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم اور رضوی نوری دارالافتاء کا قیام اور ان میں رضویات پر کام کئے جانے میں حضور ملک العلماء کے کردار کو بخوبی سامنے لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ باتیں میرے ذہن وفکر میں ایک مدت سے انگڑائیاں لے رہی تھیں کہ حضور ملک العلماء کی حیات و معمولات زندگی اور مشاغل مذہبی سے متعلق "جہان ملک العلماء" کی صورت میں آپ کے علمی کردار کو منظر عام پر لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے حبیب محبوب خدا ﷺ کے وسیلے اور بطفیل غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم وخواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور بصدقے اعلیٰحضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت امام اہلسنّت، نیر برج سعادت، معلم المحدثین، رأس المعلمین، شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی اور تاجدار اہلسنت، خورشید چرخ فقاہت شہزادۂ اعلیٰحضرت، مجدد ابن مجدد اعظم مرشدنا حضور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ والرضوان اس مقصد میں بیحد کامیابی ملتی جارہی ہے۔

میں ان حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے میری آواز پر لبیک کہہ کر اس کام کو اپنا کام جانا اور ہماری ہمت افزائی فرمائی۔ اگر ان حضرات نے ایسا ہی حوصلہ بلند رکھا، تو انشاء اللہ آئندہ اور بھی بڑے سے بڑے کام کو آسان سے آسان تر بنایا جاسکتا ہے۔ خصوصاً میں شکریہ ادا کرتا ہوں مقالہ نگاروں کا، جنہوں نے وقت نکال کر مضامین لکھے اور ہمیں ارسال کیے۔ خدا ان تمام حضرات کو دوجہاں میں سرخروئی عطا فرمائے۔ ناسپاسی ہوگی، اگر اپنے دارالعلوم فیضان مفتی اعظم کے اساتذہ وطلبا کا شکریہ نہ ادا کروں، خصوصاً صاحبزادہ مولانا سید ہاشمی میاں، مولانا محمد احمد رضوی، قاری نظام الدین رضوی، اساتذہ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم وغیرہ، جنہوں نے شب و روز محنت کرکے اس کام کو آسان بنایا۔ میری خاص دعا اور شکریہ کے مستحق 'جہان ملک العلماء' کے فاضل مرتب امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ہیں، انہوں نے ہی میرے ذہنی خاکہ کو عملی جامہ پہنایا اور دن رات لگ کر اس علمی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ میری دعاء وشکریہ کے حقدار وہ حضرات بھی ہیں، جنہوں نے اس علمی خدمت میں میرا ساتھ دیا، تعاون فرمایا، ایڈ دیئے۔ بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ تمام مضمون لکھنے والوں، اساتذہ وطلبا، معاونین ومخلصین کو اپنے فضل سے خوب خوب نوازے اور دارین کی برکتیں عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہِ سید المرسلین وما توفیقی الا باللہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و علیٰ الہ وصحبہ وبارک وسلم۔

فقط:

فقیر سید سراج اظہر قادری نوری غفرلہ

بانی وسربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، پھول گلی، ممبئی

مورخہ ۲۱ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

تقدیم

از قلم: امیر القلم ماہر رضویات ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی مصباحی

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں — مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا
اے رضا ہر کام کا اِک وقت ہے — دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

حضرت ملک العلماء کی سیرت، شخصیت، علوم، تصانیف، خدمات کا مطالعہ یہ واضح اعلان کرتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے عالم ہی نہیں، اعلم العلماء تھے، فقیہ ہی نہیں، افقہ الفقہا تھے، محدث ہی نہیں، محدث اعظم تھے۔ وہ مرجع العلماء بھی تھے، محققین کے مقتدا بھی، دریائے شریعت کے غواص بھی تھے، بحر طریقت کے تیراک کے بھی، وہ ایک پرسوز داعی وواعظ بھی تھے۔ پرجوش ترجمان سنیت ورضویت بھی، وہ عالم ربانی بھی تھے۔ مرشد طریقت بھی، وہ ایک عابد شب زندہ دار بھی تھے۔ شخصیت، علمیت ہی کچھ ایسی پائی تھی کہ ان کے معاصرین ان کو امام العصر، امام العلماء والعرفاء کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ ان کی ذات ذو جہات ہشت پہل ہیرا معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ ہیرا عرصہ کوئی پچاس برس تک وقت کی گرد و غبار میں چھپا رہا۔ وہ جو امام احمد رضا نے کہا تھا:

ع اے رضا ہر کام کا اِک وقت ہے

چنانچہ وہ "اِک وقت" اب آن پہنچا ہے۔ اس امام العصر پر کام کیا جائے، ان کی خدمات اجاگر ہوں۔ یوں تو اس بات کا احساس بہتوں کو تھا۔ مگر قرعۂ فال پیر طریقت حضرت مولانا سید سراج اظہر رضوی کے نام نکلا۔ پھر وہ ایک تازہ دم سپہ سالار کے مانند کمر کس کر میدان میں آگئے اور یہ علمی معرکہ سر کرلیا۔ یہ "جہان ملک العلماء" انہی کی بے لاگ کوششوں سے اہل نظر کے لئے سرمۂ چشم بن سکا۔ اس زریں کارنامہ پر وہ پوری سنی برادری کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یہ "جہان ملک العلماء" کیسے مرتب ہوا۔ اس کا پس منظر و پیش منظر کیا ہے۔ اس کا ذکر پھر بعد میں آئے گا۔ قارئین کا یارائے ضبط ٹوٹ نہ جائے، اس لئے کتاب کا تعارف پہلے۔

"جہان ملک العلماء" اکیس ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں حمد و نعت کے بعد چند منقبتیں ہیں۔ جو شعراء کرام نے امام العصر کے دربار عالیہ علیہ میں پیش کی ہیں۔ حضرت سراج ملت کے 'اظہار احوال واقعی' کے بعد حقر غلام جابر شمس مصباحی کی یہ سطریں بعنوان 'تقدیم' پیش خدمت ہیں۔ پھر ابواب کی ابتداء ہوتی ہے، قارئین کی سہولت یا تقریب فہم کے لئے ہر باب کا مجموعی تعارف درج کیا جاتا ہے۔

پہلا باب ــــــــــ پیغامات و تأثرات

یہ باب پیغامات وتأثرات پر مشتمل ہے۔اس میں کوئی بیس بائیس تحریریں شامل ہیں۔ان میں بعض تحریریں انتہائی اہم اور وقیع ہیں جو بلاشبہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔کیونکہ ان بعض چھوٹی تحریروں پر قد میں چھوٹا قدر میں بڑا کا محاورہ صادق آتا ہے۔بعض پیغامات و تأثرات محض پیغامات وتأثرات ہیں۔مگر ایسی تحریروں کو بہر حال جگہ دینی تھی،جو دے دی گئی۔کیونکہ مغز کے ساتھ پوست کا ہونا بھی ضروری ہے۔غور کریں،تو پوست کی بھی اہمیت ہے۔پوست نہ ہو،تو مغز کی حفاظت نہ ہو،بھوسے نہ ہوں،تو دانے ضائع،کانٹیں نہ ہوں،تو گلاب پامال ہو جائے۔

دوسرا باب ــــــــــ ملک العلماء کے مورث اعلیٰ

یہ باب ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سے موسوم ہے۔اس میں صرف دو مضامین ہیں۔پہلا مضمون مشہور قلم کار علامہ ضیاء جالوی کا ہے۔یہ مضمون کسی رسالہ میں بہت پہلے چھپا تھا۔وہیں سے لے کر یہاں شامل کیا گیا ہے۔دوسرا مضمون مولانا طارق انور مصباحی نوادہ کا ہے۔یہ مضمون حوالوں سے کسا ہوا ہے۔جو اس کے تحقیقی ہونے کا ثبوت ہے۔بہر حال دونوں مضامین سے ملک العلماء کے مورث اعلیٰ حضرت سید ابراہیم ملک بیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شفاف سیرت،بے مثل شجاعت اور عوام وخواص میں ان کی چاہت ومقبولیت پر خاص روشنی پڑتی ہے۔یہی بزرگ عالی مرتبت حضرت ملک العلماء کے جد اعلیٰ ہیں۔جن کا نسب ساتویں پشت میں حضرت غوث پاک شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ سے مل جاتا ہے۔جن حضرات کو ملک بیا کا نسب نامہ دیکھنا ہو،وہ حضرت ملک العلماء کی مرتبہ قلمی کتاب 'خیر السلوک فی نسب الملوک' دیکھیں۔حضرت ملک العلماء نے انساب وشجرات پر بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔جو ابھی چھپی نہیں ہیں۔

تیسرا باب ــــــــــ حیات وحالات

یہ باب حیات وحالات کے عنوان سے معنون ہے۔اس باب میں بظاہر پانچ مضامین ہیں۔پہلی تحریر پروفیسر طارق مختار کی ہے۔جو'حضرت ملک العلماء کا آئینۂ ایام' کے نام سے ہے۔پروفیسر طارق مختار صاحب حضرت ملک العلماء کے پوتے ہیں۔پروفیسر مختار الدین احمد کے بیٹے ہیں۔شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں پڑھاتے ہیں۔نہایت پاک طینت بلند اطوار آدمی ہیں۔دوسری تحریر'ملک العلماء کی مختصر سوانح' ہے۔تاریخی اعتبار سے یہ تحریر سب سے قدیم ہے،جو حضرت ملک العلماء پر پہلے پہل لکھی گئی ہے۔جس کا زمانہ ۱۳۲۳ھ/۱۳۲۴ھ ہے۔لکھنے والے حضرت الحاج مولانا لعل محمد مدراسی ثم کلکتوی ہیں۔مولانا مدراسی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ہیں۔ملک العلماء کے محب ومعاصر ہیں۔تاریخ تحریر اور محرر ہر دو اعتبار سے یہ تحریر نہایت اہم ہے۔جو قریب سو سال کے بعد پہلی بار یہاں زینت

کتاب ہے۔

تیسری تحریر 'حیات ظفر' ہے۔ مؤلف مفتی سید عزیز حسین رضوی ظفری بھاگلپوری ہیں۔ یہ حضرت ملک العلماء کے شاگرد ہیں۔ دست گرفتہ ہیں۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۳۴۷ھ میں لکھی۔ یہ کتاب ملک العلماء کی قریب آدھی زندگی آدھی خدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ الحاج مولانا لعل محمد مدراسی نے جب ملک العلماء کا کوائف نامہ جمع کیا، تو اس وقت ملک العلماء کی عمر تیس برس تھی اور جب مفتی سید عزیز حسین نے احوال حیات وخدمات مرتب کئے تو ملک العلماء ۴۴ ربرس کے ہو چکے تھے۔ وصال ۱۳۸۲ھ کو ہوا، تو معلوم ہوا 'حیات ظفر' ادھیڑ عمر کے احوال پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بھی جب سے غیر مطبوعہ ہی تھی۔ جواب 'جہان ملک العلماء' میں شامل ہے اور اسی دوران علیگڑھ سے چھپ بھی گئی ہے۔

چوتھی تحریر 'حیات ملک العلماء' ہے۔ اس کے مؤلف پروفیسر مختار الدین احمد ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں لکھی گئی ہے۔ حضرت ملک العلماء کا وصال ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ ظاہر ہے، پروفیسر موصوف نے اپنے والد گرامی کی وفات کے تیس برس کے بعد یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ تحریر پہلے حیدر آباد سندھ سے چھپی ہے۔ جو 'صحیح البہاری' کے شروع میں بطور مقدمہ شامل ہے۔ پھر لاہور اور ممبئی سے چھپ کر مقبول عام ہوئی ہے۔ اس تحریر کی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ کتاب حضرت ملک العلماء کی پوری زندگی، تمام زریں کارناموں کا احاطہ کرتی ہے۔ کتاب گو مختصر ہے۔ مگر نہایت جامع ہے۔ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا۔ البتہ اس کتاب کو متن کے درجہ میں رکھ کر مکمل ضخیم شرح لکھا جانا ابھی باقی ہے۔ جیسا کہ پروفیسر موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کسی ضخیم سوانح کا مختصر دیباچہ ہے۔ خدا جلد ان کے اس ارادہ کو پورا فرمائے۔ بہر حال اس تحریر کی یہ چوتھی یا پانچویں اشاعت ہے، جو ضروری تھی۔

'تعزیت نامے' اس باب کی آخری تحریر ہے۔ جس کے مرتب پروفیسر مختار الدین احمد ہیں۔ ان کے والد ماجد امام العصر کے وصال کے بعد جن غم خواروں نے ان سے اظہار تعزیت کیا ہے، ان میں سنی، غیر سنی، ادبی حلقوں کے لوگ بھی ہیں۔ ان تعزیت ناموں سے امام العصر ملک العلماء کی شہرت، مقبولیت، ہر دلعزیزی صاف ظاہر ہے۔ اپنوں کا ان کے وصال پر سوگوار ہو جانا ایک فطری امر تھا، لیکن غیروں کا غم خواری کرنا ان کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے۔ ان کے علم وفضل کی شہادت دینا الفضل ماشهدت به الاعداء کے تحت ہے۔ یہ تعزیت نامے پروفیسر مختار الدین صاحب کے ذخیرہ میں ایک طویل عرصہ سے محفوظ تھے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ یہ تعزیت نامے یہاں شائع ہو رہے ہیں۔

چوتھا باب ــــــــ سیرت، شخصیت، مثالی کردار

یہ باب بارہ مضامین پر مشتمل ہے۔ لکھنے والوں میں اکثر کا تعلق مشاہیر وقت سے ہے۔ علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ،

پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ، پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ برق رضوی، مولانا سید ظہیر احمد زیدی، ڈاکٹر حسن رضا ان حضرات کی شخصیتیں ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ علامہ شرف قادری کی تحریر قدرے مفصل ہے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد کی تحریر متوسط ہے۔ پروفیسر سید محمد طلحہ صاحب کی تحریر تاثراتی ،مشاہداتی اور یادگاری ہے۔ اسی طرح مولانا سید ظہیر احمد زیدی کی تحریر مشاہدات وتاثرات پر مبنی ہے اور معلومات افزا بھی۔ ڈاکٹر حسن رضا کی تحریر درمیانی ہے، مگر پرانی ہے۔ ڈاکٹر حسین امام حضرت ملک العلماء کے نواسے ہیں، ظاہر ہے، ان کی تحریر مشاہداتی اور معلوماتی ہے۔ اگلی کی تحریر روزنامہ 'صدائے عام' پٹنہ سے ماخوذ ہے۔ مولانا عبدالمبین نعمانی نے ملک العلما کا دینی تصلب دکھایا ہے۔ مفتی نورالحق حبیبی نے حضرت ملک العلما کو ایک پرسوز واعظ ثابت کیا، خاکسار غلام جابر شمس پورنوی نے اپنے ایک مضمون میں حضرت ملک العلما کی اولیات گنائی ہیں۔ دوسرے مضمون میں حضرت ملک العلماء کی پرشور مصروف زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ ان تمام تحریروں میں ملک العلما کی سیرت، شخصیت، مثالی کردار، کہیں کہیں علم وفن اور خدمات کو بھی زیر بحث لاکر گفتگو کی گئی ہے۔

پانچواں باب ــــــــ فضائل و کمالات

یہ باب اپنے دامن میں چار مضامین سمیٹے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ملک العلماء کی علمی وجاہت دکھائی ہے۔ مولانا توفیق احمد احسن برکاتی نے ملک العلماء کو عہد ساز شخصیت قرار دیا ہے۔ مولانا اسلم رضا قادری نے ملک العلماء کو ایک جہان علم وفن کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ مولانا محمد ذاکر حسین اشرفی نے ملک العلماء کا علمی تبحر وتعمق پر گفتگو کی ہے۔ ان حضرات نے حضرت ملک العلماء کے علم وفضل، عبور وکمال، علمی گہرائی، فنی گیرائی پر بحث کی ہے اور اس بات کی وکالت کی ہے، کہ حضرت ملک العلماء کمالات وفضائل کے سدرۃ المنتہٰی پر فائز تھے اور حق یہ ہے، کہ اس وکالت میں یہ حضرات حق بجانب ہیں۔

چھٹا باب ــــــــ ولایت و کرامت

اس باب مین چار مضامین ہیں۔ پہلا مضمون مولانا عبدالمقتدر خاں صاحب کا ہے۔ انہوں نے حضرت ملک العلماء کی ولایت وکرامت پر گفتگو کی ہے۔ دوسرا مفتی حسن رضا صاحب کا ہے۔ آپ نے حضرت ملک العلماء کو عبادت وریاضت کے آئینہ میں دکھانے کی سعی کی ہے۔ تیسرا مضمون حضرت مفتی عابد حسین نوری کا ہے، انہوں نے حضور ملک العلماء کی طہارت قلب ونظر اور تقویٰ شعاری پر بحث کی ہے۔ نتیجہ میں حضرت ملک العلماء ایک متقی پرہیزگار پارسا، پاکیزہ، عابد زاہد کے پیکر محسوس میں معلوم ہوتے ہیں۔ مفتی عابد حسین نوری ،جس رتبہ پر حضرت ملک العلماء کو دکھانا چاہتے ہیں، میرا وجدان کہتا ہے، حضرت ملک العلماء اس سے بلند تر مرتبہ پر متمکن تھے۔ مفتی عابد حسین کا یہ مضمون اس باب کا ماحصل ہونے کا حقدار ہے۔ اس باب کے اخیر میں اس خاکسار غلام جابر شمس پورنوی کا بھی ایک مضمون

ہے، جس کا تعلق باب کرامات سے ہے۔ علمی تحقیقی فیلڈ میں ہر چند کہ کرامات و مکشوفات کا وزن نہیں۔ مگر یہ جہان ملک العلماء ہے، جس میں موضوع لہٰ شخصیت کو ہر جہت سے دیکھنے پرکھنے کی گنجائش موجود ہے۔ لہٰذا ہر نوع کی تحریر و نگارش شریک اشاعت ہے۔

ساتواں باب ــــــــــ امام احمد رضا اور ملک العلماء

اس باب میں پانچ مضامین ہیں۔ سب سے پہلا مضمون محقق عصر سید صابر حسین شاہ بخاری برہان شریف، ضلع اٹک، پاکستان کا ہے۔ یہ مضمون تفصیلی بھی ہے، تحقیقی بھی۔ پھر نامور بزرگ قلم کار ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا مضمون ہے۔ ان کی تحریر بہر نوع اچھی اور عمدہ ہوتی ہے۔ ان دونوں کے علاوہ مفتی عبدالرحیم نشتر فاروقی بریلی شریف۔ احقر غلام جابر شمس مصباحی اور مولانا خالد ایوب شیرانی مبارکپوری کے مضامین ہیں۔ امام احمد رضا سے ملک العلماء کا جو علمی و روحانی اٹوٹ رشتہ استوار تھا، اس رشتۂ محبت کو مختلف زاویوں سے لکھنے والوں نے بتانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اور سید صابر حسین شاہ بخاری کی تحریروں کو حاصل باب کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

آٹھواں باب ــــــــــ ملک العلماء: ایک جامع کمالات شخصیت

اس باب میں پانچ مضامین ہیں۔ پہلا مضمون مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی کا ہے۔ یہ مضمون سب سے تفصیلی، سب سے تحقیقی، سب سے معلوماتی ہے۔ مفتی ارشاد احمد ساحل اپنے موضوع کے نبھانے میں بالکل کامیاب ہوکر گزرے ہیں، ان سے توقع بھی یہی تھی۔ پھر علی الترتیب مفتی عبدالقیوم ہزاروی، ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اور مفتی محمد فیض الرحمٰن اشرفی کا مضمون ہے۔ ہر تحریر اپنی جگہ کامیاب ہے۔ مگر مفتی ارشاد احمد کی تحریر حاصل باب ہے۔

نواں باب ــــــــــ تدریسی خدمات

یہ باب جو بہت اہم تھا، اس میں بہت اہم کامیابی نہیں مل سکی ہے۔ وجوہات جو بھی ہوں، اس لیے تشنگی کا احساس و اعتراف بہر حال ہے۔ مگر ایسا بھی نہیں کہ یہ باب بالکل روکھا پھیکا رہ گیا ہے۔ اس باب کے قلم کاران چار یار نے اس تشنگی کو دور کرنے کی حتی الوسع کوشش کی ہے اور اس کوشش میں یہ حضرات نہایت کامیاب ہیں۔ ان محنت کش خوش نصیبوں کا نام مع عنوان یہ ہے: ڈاکٹر اعجاز انجم، ملک العلما استاذ مظہر اسلام مولانا ساجد عالم مصباحی، ملک العلماء جامعہ بحر العلوم کٹیہار میں۔ مولانا شہاب الدین اشرفی، ملک العلماء کا انداز تدریس۔ مولانا ساجد رضا مصباحی، ملک العلماء کی پچپن سالہ تدریسی خدمات۔ اس لیے اس کی اہمیت مسلم ہے، یہ تحریریں تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ جس کی افادیت اپنی جگہ اہم اور اٹل ہے۔

دسواں باب ——— تعارف تصانیف

اس باب کو تعارف تصانیف کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس میں ہم دو ہمارے دو کے فارمولہ پر عمل کیا گیا ہے۔ ایک تو مولانا شبیر عالم مصباحی کا مضمون ہے۔ ملک العلماء: جدید و قدیم کے ممتاز مصنف' کے عنوان سے یہ مضمون نقلی عقلی علوم کے میدان میں حضرت ملک العلماء کی نگارشات اور سرگرمیوں کا جائزہ لیتا ہے۔ دوسری تحریر خاکسار غلام جابر شمس پورنوی کی ہے۔ یہ تحریر ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ پیش کرتی ہے۔ اس تحریر میں تقریباً ستر کتابیں گنائی گئی ہیں اور تقریباً پچاس کتابوں کا اجمالی تعارف و جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

گیارھواں باب ——— فقہیات

اس باب مین چودہ مقالات ہیں۔ ہر مقالہ اپنی جگہ کامل اکمل اور کامیاب ہے۔ مگر مفتی ذوالفقار احمد رشیدی، مفتی ارشاد احمد ساحل، مفتی ابوالاخلاص کے مقالے اس باب کی جان ہیں۔ مفتی ذوالفقار احمد اور مفتی ارشاد احمد کے مقالے علمی وفنی اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ مگر مفتی ابوالاخلاص کا مقالہ تاریخی اعتبار سے چونکا دینے والا ہے۔ اول دونوں مقالوں سے جہاں حضرت ملک العلماء کا فقیہانہ مقام حددرجہ بلند معلوم ہوتا ہے۔ وہیں مفتی ابوالاخلاص کے مقالے سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت ملک العلماء بریلی میں انتہائی کچی عمر میں کیسی پختہ فتویٰ نویسی کرتے تھے۔ دور طالب علمی کا یہ عالم تھا، تو مابعد کے عہد میں کیا عالم رہا ہوگا، اس کا اندازہ تو جید فقہاء و مفتیان کرام ہی کرسکیں گے۔ خیر یہ بارہ مقالے اس بات کی اپیل کرتے ہیں کہ حضرت ملک العلماء اپنے وقت میں سب سے بڑے دقیقہ رس مفتی، نامور فقیہ ہند نکتہ سنج اسلامی دانشور تھے۔ کمیت کے لحاظ سے ان کے فتاوے بھلے کم سہی لیکن کیفیت کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ پائے کے تصور کیے جاتے ہیں، جس کا اعتراف ہر اہل بصیرت کو ہے۔

اس باب میں جہاں فتاویٰ ملک العلماء کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، وہیں ان کے بعض فقہی رسائل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس جائزے میں مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا محمد امتیاز رضا، مولانا ولی اللہ قادری کے جائزے معقولیت و معروضیت کے لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔

بارھواں باب ——— درسیات

یہ باب درسیات کے لئے خاص ہے۔ درسیات سے مراد تعلیم و تدریس نہیں، بلکہ درسی کتابوں کی تصنیف و تالیف ہے۔ یوں تو ملک العلماء نے کئی درسی نصابی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مثلاً فن حدیث میں 'صحیح البہاری' فن صرف میں 'عافیہ' فن نحو میں 'وافیہ' فن منطق میں 'تقریب' فن فلسفہ میں 'تہذیب' اسی طرح درسی کتابوں کی شروحات و تعلیقات وغیرہ ہیں بھی مگر یہاں سر دست جن کتابوں پر مقالے

موصول ہوئے، ان کو اس باب میں رکھا گیا ہے اور وہ صرف فن حدیث اور فن صرف پر ہی ہیں۔ فنی لحاظ سے اس باب کو الف اور ب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ 'الف' میں فن حدیث زیر بحث ہے۔ 'ب' میں فن صرف موضوع گفتگو ہے۔

اول علم حدیث، اس موضوع پر پندرہ مقالے ہم دست ہوئے۔ ان میں حضرت شیخ الحدیث مفتی عبدالقیوم ہزاروی، علامہ کوثر امام قادری، مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کی تحریریں فنی لحاظ سے سب سے زیادہ وقیع اور اہم ہیں۔ مفتی عبدالقیوم ہزاروی رضوی علیہ الرحمہ کی زندگی حدیث وفقہ پڑھانے میں گزری، انہوں نے صحیح البہاری کا جو فنی تجزیہ کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے محض منہ دیکھا دیکھی بات نہیں کی ہے، بلکہ نقد وجرح کی روشنی میں بھی صحیح البہاری کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس پہلو سے جہاں ان کا تنقیدی شعور پختہ معلوم ہوتا ہے، وہیں صحیح البہاری کا فن نقد کے معیار پر بھی پورا کھرا اترتا معلوم ہوتا ہے۔ اس مقالہ کا کمال یہ بھی لگتا ہے کہ حضرت ملک العلما فن حدیث میں ماہر محدث ہی نہیں، بلکہ محدث المحدثین اور محدث اعظم کے مقام پر فائز ہیں۔ اس مقالہ نے جہاں ملک العلماء کی مہارت حدیث ودرایت حدیث کو اجاگر کیا ہے، وہیں ان کی فقہی بصیرت کو بھی واضح کر دیا ہے۔ بہر حال بہر نوع یہ مقالہ مقالہ نگار کے تبحر علمی کا پتہ دیتا ہے۔

علامہ کوثر امام قادری، مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کے مقالے فنی اور اصطلاحی نقطۂ نظر سے تحقیقی بھی ہیں اور وقیع بھی، یہ مقالے محنت سے لکھے گئے ہیں اور موضوع کا حق نبھانے اور موضوع کے ساتھ انصاف کرنے میں دونوں مقالوں نے بہترین کامیابی حاصل کی ہے۔ بقیہ تمام مضامین اچھے اور عمدہ ہیں، کوئی مضمون ایسا نہیں، جسے ناقابل اشاعت قرار دیا جائے۔ ان سارے مقالہ نگاروں کی سفارش یہ ہے، کہ زمانہ سے سراہی جانے والی اس کتاب 'صحیح البہاری' کو پہلی فرصت میں مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل کیا جائے۔ عدم تکمیل، عدم دستیابی کا بہانہ نہ بنایا جائے۔ حالات کا جبری تقاضہ ہے، ممدوحِ اقران مشہور آفاق اس کتاب کی جدید ترتیب طباعت پھر تدریس کا انتظام فوراً سے پیش تر کیا جائے۔

اسی طرح بارہویں باب کے حصہ 'ب' میں دو مضامین شریک اشاعت ہیں۔ ان دونوں مضامین کا تعلق حضرت ملک العلماء کی کتاب 'عافیہ' سے ہے۔ عافیہ علم صرف میں درسی کتاب ہے۔ یہ اپنے زمانۂ تالیف کے بعد چھپ چکی تھی اور مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔ اس کی طلب حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ نے بھی کی ہے۔ اب یہ کتاب عرصہ سے نایاب ہے۔ اس کتاب کے جائزہ نگار علامہ رضوان احمد شریفی گھوسی ہیں اور تعارف نگار جناب انوار محمد عظیم آبادی ہیں۔ دونوں کے جائزے اعلیٰ پایہ کے ہیں۔ علامہ رضوان صاحب کا جائزہ زیادہ جامع ہے۔ آج کل مدارس اسلامیہ میں میزان الصرف، منشعب، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری وغیرہ جو بھی پڑھائی جاتی ہے، ان تمام کتابوں میں ملک العلماء کی 'عافیہ' سب سے آسان، سہل، سلیس جامع وکامل ہے۔ یہ بات علامہ رضوان احمد نے مذکورہ تمام کتابوں کا

جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھی ہے۔ علامہ رضوان نے یہ بھی لکھا ہے، کہ بعض وہ صیغے جو بانجھ ہوتے ہیں، یا جن کی تعلیل وتصریف مشکل یا لاینحل مانی جاتی ہے، حضرت ملک العلما نے ان کا حل مثالیں دے کر سمجھا دیا ہے۔ غرضیکہ مختلف زاویوں سے انہوں نے 'عافیہ' کا جائزہ لیا ہے اور ہر زاویہ سے کتاب کو کامل اکمل مفید کارآمد بتایا ہے۔

مدارس میں علم صرف کے موضوع پر جتنی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، سب کی زبان فارسی ہے۔ تعریفات سب فارسی میں ہیں اور مثالیں سب عربی ہیں۔ یہ دو دو زبانوں کی تفہیم، پھر یہ کہ فارسی خود ایک مشکل زبان ہے، یا یہ کہ اس کے جاننے والے آج کتنے ہیں۔ کیا آج کل کے نئے اساتذہ یہ زبان کماحقہ سمجھتے ہیں، اگر سمجھ لیتے ہیں، تو سمجھا بھی پاتے ہیں یا نہیں، بصورت دیگر جب اساتذہ ہی کو اس پر عبور نہیں، تو طلبہ کا کیا حال ہوگا۔ بہ نسبت فارسی زبان کے اردو مادری اور آسان زبان ہے۔ بھلے قاعدے اور مثالیں عربی میں ہوں۔ سمجھنے سمجھانے کے لئے یہ بہرصورت آسان ترین اور سہل ترین ہے۔ آج کے دور میں وقت کی قلت یوں ہی دامن گیر ہے۔ کم وقت میں زیادہ کام آج ہر شخص کا مطالبہ ہے۔ اس مطالبہ کے پیش نظر اہل نظر آج پھر نصاب ونظام تعلیم کی جدید کاری پر غور کر رہے ہیں۔ عصر حاضر کے اہل نظر تو آج بیدار ہو رہے ہیں۔ حضرت ملک العلماء نے تو اس مطالبہ کی تکمیل آج سے پچانوے برس پہلے کر دی ہے۔ کوئی وجہ نہیں، کہ یہ کتاب داخل نصاب نہ کی جائے اور نصاب کمیٹی کے ارباب مجاز اس سے صرف نظر کریں۔

تیرھواں باب ــــــــــ فضائل ونصائح

پہلے واضح کر دوں۔ یہاں فضائل ونصائح سے مراد حضرت ملک العلماء کے فضائل ونصائح نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک بحیثیت فن ہے۔ حضرت ملک العلماء جتنے علوم وفنون جانتے تھے، یہ تعداد کوئی دو درجن سے زیادہ ہے۔ اسی مقدار سے ان کی نگارشات بھی گونا گوں ہیں۔ اس باب میں آٹھ مضامین ہیں۔ اول تو میلاد نامہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ہے۔ جس کا تعارف وجائزہ مولانا غلام مصطفیٰ رضوی نے پیش کیا ہے۔ مولانا محمد قمر الحسن قادری نے جواہر البیان کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔ رسالۂ ہجرت اور سد الفرار ایک ہی رسالہ کا نام ہے۔ اس کا تعلق علم سیاسیات سے بھی ہے۔ باب سیاسیات میں بھی یہ رسالہ زیر بحث آیا ہے۔ مگر اس کا تعلق نصائح سے بھی ہے۔ دلچسپ مکالمہ حضرت ملک العلماء کی دلچسپ کتاب ہے۔ اس کتاب پر پروفیسر فاروق احمد صدیقی اور جناب شوکت جمال نے خامہ فرسائی کی ہے۔ حضرت ملک العلماء کی ایک کتاب کا عرفی نام 'اسلامی نظریہ موت' ہے۔ اس پر ڈاکٹر منظور احمد دکنی اور مفتی ارشاد احمد ساحل کی تحریریں شریک اشاعت ہیں۔

چودھواں باب ــــــــــ سفیر رضویات

اس باب میں تین مقالات ہیں۔ علامہ سید وجاہت رسول قادری نے حضرت ملک العلماء کو وارث علوم امام احمد رضا قرار

دیا ہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ رضوی نے موضوع لہٗ کو فکر رضا کا ترجمان کہا ہے۔ علامہ اقبال احمد فاروقی نے 'حیات اعلیٰ حضرت' پر مختصر گفتگو کی ہے۔ سچ یہ ہے، کہ یہ حضرات صداقت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے، رضویات کی بنیاد گذاری میں اولیت کا سہرا حضرت ملک العلماء کے ہی سر زیب دیتا ہے۔

پندرھواں باب ـــــــــــــ ردو مناظرہ

اس باب میں تین مضامین موصول ہوئے۔ حضرت مفتی ولی محمد رضوی نے ملک العلماء اور رد شیعیت کے عنوان پر گفتگو کی ہے۔ حضرت مفتی عابد حسین نوری نے حضرت ملک العلماء کی مناظرانہ اہمیت کو واضح کی ہے۔ خاکسار غلام جابر نے حضرت ملک العلماء کی مناظرانہ سرگرمیوں اور مناظراتی تصنیفات کا تعارف پیش کیا ہے۔ دونوں مفتیان کرام کی تحریریں اپنے موضوع پر بھرپور ہیں۔ حضرت ملک العلماء نے ذہن ہی مناظرانہ پایا تھا، باتوں بات میں وہ مخالف کا پانسہ ہی پلٹ دیتے تھے۔ ان کا مناظرہ اصول مناظرہ کی روشنی میں ہوتا تھا۔ جدلیت کا رنگ ہرگز نہیں ہوتا تھا۔

سولھواں باب ـــــــــــــ ادبیات

اس باب مین تین تحریریں زینت باب ہیں۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے ملک العلماء کی نثر نگاری پر گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے ملک العلماء کی ادبی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ مولانا محمد ادریس رضوی نے ملک العلماء کو ان کی تحریر کے آئینے میں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ دونوں ڈاکٹروں کی تحریریں قدر و قیمت کے اعتبار سے زیادہ وقیع ہے۔ یہ تو اس صورت میں ہے، کہ ملک العلماء کی تمام تصانیف ابھی چھپی نہیں ہیں۔ جو چھپی ہے، وہ بہت عام نہیں ہے۔ جب سب یا اکثر چھپ جائیں گی، تب ان کی ادبی کارگزاریوں کا کینوس اور وسیع ہوگا۔

سترھواں باب ـــــــــــــ سیاسیات

اس باب میں پھر وہی دو تحریریں شامل ہیں۔ ایک تو ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کی، دوسری مولانا محمد شاکر رضا قادری کی، دونوں تحریروں سے حضرت ملک العلماء کی سیاسی بصیرت آئینہ ہوکر سامنے آتی ہے۔ یہ مضامین تو خطوط و فتاویٰ کی روشنی میں لکھے گئے ہیں۔ سد الفرار المہاجری الابہار سے بھی حضرت ملک العلماء کا سیاسی نظریہ سمجھا جاسکتا ہے۔ خاص ہنگامی سیاسی حالات کے تناظر میں لکھی گئی کتاب 'ھادی الھداۃ لترک الموالات' دستیاب نہ ہوسکی۔ ورنہ اس کتاب کے مطالعہ سے ملک العلماء کا سیاسی زاویہ نگاہ سمجھنے میں اور آسانی ہوتی۔ بہر کیف ملک العلماء کا تعلق ہر چند، کہ سرگرم سیاست سے نہیں تھا۔ مگر یہ طے ہے، کہ وہ سیاسی حالات کے مدوجزر سے بالکل بے خبر بھی نہیں تھے اور جب ضرورت پڑی، تو قوم و وطن کی راست سمت میں رہنمائی ضرور کی۔ اس راہ نمایانہ روش کے پس منظر میں ان کے سیاسی

افکار کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی نکتہ کی طرف دونوں فاضل مقالہ نگار نے اشارہ کیا ہے۔

اٹھارھواں باب ـــــــــ احباب و معاصرین

یہ باب اپنے کیف و کم کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔ اس باب میں بارہ مقالات ہیں۔ بعض طویل و تفصیلی ہیں، بعض اوسط بھی مختصر بھی۔ اس باب کی ہر تحریر اپنی جگہ دلچسپ بھی ہے۔ معلومات افزا بھی۔ اس باب کی نگارشات سے یہ عیاں ہوتی ہے کہ حضرت ملک العلماء کا حلقۂ احباب کتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا۔ یہ عام بات ہے۔ جب شخصیت بڑی ہوتی ہے، تو مراسم و تعلقات بھی بڑے ہوتے ہیں۔ پھر وہ حلقہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس سے جہاں اس شخصیت کی بڑائی سمجھ میں آتی ہے، وہیں اس کی علمیت، مرکزیت، شفقت و محبت، وضع و اخلاق کی وسعت بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھیں، تو حضرت ملک العلماء ایک وسیع العلم، وسیع الاخلاق، پیکر شفقت، وضعدار و غمخوار، عالی ظرف بزرگ شخصیت کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

انیسواں باب ـــــــــ تلامذہ

حضرت ملک العلماء نے تقریباً پچاس پچپن سال تدریس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن کوئی فہرست یا رجسٹر موجود نہیں، جس سے صحیح تعداد کا علم ہو سکے۔ 'حیات ظفر' میں مفتی سید عزیز حسین رضی ظفری نے کچھ تلامذہ کا ذکر کیا ہے 'حیات ملک العلماء' میں پروفیسر مختار الدین احمد نے بھی بعض اشخاص کی نشاندہی کی ہے۔ جامعہ بحر العلوم کٹیہار میں ملک العلماء کا آخری دور تدریس نہایت کامیاب گذرا۔ اس دور کے تلامذہ میں ابھی کئی حضرات حیات ہیں۔ ان سے پوچھ کر کئی حضرات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہاں چند تلامذہ کا ذکر کچھ تفصیلاً کچھ اختصاراً کیا گیا ہے۔ لکھنے والوں نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے، شاید پہلی بار ایسا ہوا ہے۔ پہلے معلومات فراہم نہیں تھے۔ اب کام شروع ہوا ہے۔ اب توقع ہو چلی ہے، کہ ملک العلماء کے صحیفۂ حیات و خدمات کا ہر گوشہ دھیرے دھیرے اجالے میں آتا رہے گا۔ تلامذہ کی ایک فہرست میں مرتب کر رہا تھا۔ مگر وقت کی تنگی نے اسے یہاں شامل ہونے نہ دیا، اب بعد میں اس پر کام کیا جائے گا۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب 'حیات ملک العلماء' بسیط ترتیب دے رہے ہیں۔ وہ اس باب کو مفصل لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خیر یہاں چند حضرات تلامذہ کا نامۂ احوال حیات درج کیا جاتا ہے۔

بیسواں باب ـــــــــ پروفیسر مختار الدین احمد

پروفیسر مختار الدین صاحب حضرت ملک العلماء کے فرزند رشید بھی ہیں، تلمیذ رشید بھی ہیں، ان کے لئے یہ باب خاص کیا گیا ہے، تاکہ ذرا تفصیل سے ان کا ذکر جمیل محفوظ ہو جائے۔ اس کا داعیہ اس وقت پیدا ہوا، جب بزرگ قلم کار ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے ان پر کئی

مضامین بھیج دیئے۔ پھر مفتی ارشاد احمد ساحل کی ایک تحریر مل گئی، وہ جوڑ دی گئی۔ بعد میں خاکسار غلام جابر نے کچھ اپنے خیالات واظہارات کا اضافہ کردیا۔ مالیگاؤں کے جناب غلام مصطفیٰ رضوی نے ایک تحریر بھیج دی۔ یوں یہ باب بھی پانچ مقالوں کو محیط ہوگیا۔

اکیسواں باب ــــــــ عکس نوادرات

تحقیقی کاموں میں نوادرات ومخطوطات کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اس باب میں بعض نادر ونایاب چیزوں کا عکس رکھا جارہا ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند، اور دیگر کی قلمی تحریروں کا عکس شامل ہے۔ خود حضرت ملک العلماء کی قلمی تحریر پیش کی جارہی ہے۔ دھوپ گھڑی اور سمت قبلہ یہ دو مضامین کا عکس بھی دیا جارہا ہے۔ اس کی شمولیت امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کی مشورت ونشاندہی سے ہوئی ہے۔ یہ دونوں بحث حضرت ملک العلماء کی کتاب توضیح التوقیت کے آخر میں موجود ہے۔ جو بہت کمیاب ہے۔ الغرض اس باب کو ہر طرح آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مجموعی تأثر کا پہلا رُخ

'جہان ملک العلماء' میں مقالہ نگاروں کا مجموعی تأثر یہ ہے۔ حضرت ملک العلماء کا مزاج زندگی کے اول لمحہ سے آخر لمحہ تک دینی مذہبی رہا۔ جس شخص کا بچپن پاکیزہ ہوگا، اس کا اظہار پوری زندگی میں ہوتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت ملک العلماء اپنی زندگی کے ہر حصہ میں پاک پاکیزہ پارسا رہے۔ وہ بچپن سے ہی ذہین وفطین تھے اور متین ووجیہ بھی۔ ان کی ذہانت وذکاوت کا احساس اس وقت ہوگیا تھا، جب وہ مدرسہ غوثیہ حنفیہ بین میں پڑھتے تھے۔ پھر تو منزل بہ منزل ان کا شعور پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا۔ امام احمد رضا کی تربیت نے اس کو شعلہ جوالہ اور دہکتا انگارا بنادیا۔ جب عملی زندگی کا آغاز ہوا، تو اس انگارا کی تپش ہر ایک نے محسوس کی۔ تا آں کہ وہ اقران واماثل پر گویا سبقت لے گئے۔

امام احمد رضا کے کثیر در کثیر علوم وفنون کا جو خوانِ یغما تھا، یوں تو اس پر ہزاروں جھپٹ پڑے۔ لیکن جو سیری وآسودگی ملک العلماء کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ تعلیم وتربیت کے لئے جتنا وقت امام احمد رضا نے ملک العلماء کو دیا، اس میں بھی وہ طاق تھے۔ جتنے علوم امام احمد رضا جانتے تھے، تمام شاخوں میں بقدرِ کفاف حصہ ملک العلماء ہی نے پایا۔ شفقت ومحبت کا لبالب جام انہی کے حصے میں آیا۔ یہ وہ علمی فنی عرفانی روحانی گہرا تعلق تھا، جس نے ملک العلماء کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھادیا۔ علم وفن، فضل وکمال، بصیرت ودانائی، حکمت وتدبر ہر اعتبار سے وہ بلند مقام پر فائز رہے۔ باعتبار کثرت علوم، کثرت تصانیف امام احمد رضا کے بعد ملک العلماء کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔

فکر رضا یا رضویات جو آج ایک نوع علم یا فرع علم کے طور پر متعارف ہے۔ اس کی بنیاد ملک العلماء ہی نے رکھی۔ امام احمد رضا کی سیرت، علوم، تصانیف کا تحفظ جس جاں سوزی سے ملک العلماء نے کیا، اس میں ان کا ہمسر کوئی نہیں۔ درسی نصابی کتابیں جتنی انہوں نے

لکھیں، اس میں بھی وہ منفرد ہیں۔ یوہیں درسی نصابی کتابوں کی جوانہوں نے شروحات وتعلیقات قلمبند کیں، اس حوالے سے بھی وہ ممتاز ہیں۔ کتاب پڑھانا اور فن پڑھانا یہ قطعاً الگ الگ باتیں ہیں۔ ملک العلماء فنکار تھے، فن پڑھاتے تھے، کتاب نہیں۔ اس میں بھی ان کی انفرادیت مسلم ہے۔ صلاحیت اور شہرت یہ جداگانہ چیزیں ہیں، کچھ باصلاحیت ہوتے ہیں، مگر مشہور نہیں۔ کچھ لوگ بے لیاقت ہی شہرت پاجاتے، یا شہرت کرادی جاتی ہے۔ حضرت ملک العلماء باصلاحیت بھی تھے، شہرت یافتہ بھی۔ یہی حال ان کے تلامذہ کا ہے۔ یہاں ایک مثال بس ہے۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، کیا زمانہ ان کا بدل لاسکتا ہے؟

یہ کہنا، کہ ملک العلماء علوم عقلیہ میں ممتاز تھے، یہ غلط ہے۔ انصاف نہیں۔ حقیقت کی پردہ پوشی ہے۔ حق یہ ہے، جس طرح علوم عقلیہ میں ممتاز تھے، علوم نقلیہ میں بھی منفرد تھے۔ علوم قرآن، علوم حدیث، فقہ واصول، کلام ومناظرہ، منطق وفلسفہ، سیرت وتاریخ، اخلاق وتصوف، لغت وبیان، فضائل ونصائح سیاست وصحافت، مواعظ وخطبات، انساب وشجرات، اوفاق وعملیات، ہیئت وہندسہ، جفر وتکسیر، اعداد وحروف، مناظر ومرایا، اکر ومثلث ومسطح، بلاغت وبدیع، ادب وثقافت غرض بیسوں علوم ہیں، جن کو وہ جانتے تھے۔ ان میں تحریری یادگاریں بھی ہیں۔ تو سوال یہ ہے، ان کے ہم عصروں میں پھر کون ہے، جو ان کی برابری میں کھڑا ہوسکتا ہے؟ اس لئے انصاف پسند قاریوں اور قلم کاروں کا عمومی تأثر یہی ہے۔ امام احمد رضا کے بعد ملک العلماء ہی کثیر العلوم، کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ملک العلماء ہی امام احمد رضا کے علمی جانشین تھے۔ وارث علوم امام احمد رضا تھے۔ امام احمد رضا کے فکری ترجمان تھے۔ فکر رضا کے پر جوش نقیب تھے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے پرسوز علمبردار تھے۔ رضویات کے اولین بنیاد گزار تھے۔ کیونکہ ملک العلماء امام احمد رضا کے پیارے بیٹے تھے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ جان پدر بلکہ از جان بہتر تھے۔ یہ بول یوں ہی نہیں بولے گئے۔ بے وجہ نہیں لکھے گئے۔ کچھ تو تھا، جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

مجموعی تاثر کا دوسرا رخ

'جہان ملک العلماء' کے مقالہ نگاروں اور ہندوپاک کے خواص کا عمومی تأثر یہ، کہ ''صحیح البہاری'' کو مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل کیا جائے۔ رائے دہندگان کا رائے دینا تو آسان ہے۔ مگر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ''صحیح البہاری'' کی تالیف وترتیب کا مقصد ہی یہ تھا، کہ وہ مدارس اہل سنت میں پڑھائی جائے۔ مصنف علام کی حیات ہی میں اس کی بعض جلدیں چھپ گئیں تھیں۔ منظر اسلام بریلی، جامعہ نعیمیہ مرادآباد، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں پڑھائی بھی جاتی تھیں۔ پھر نہ معلوم کب، کیسے اور کیوں موقوف ہوگئیں۔ اب پھر یہ جذبہ بیدار ہورہا ہے، کہ وہ کتاب ٹھیک ڈھنگ چھپے اور داخل نصاب ہو۔ ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۸ء اس کے بعض حصے آگرہ اور پٹنہ سے شائع ہوئے

تھے۔ علماء و مشائخ کے علاوہ سر فخر الدین اظہر وزیر تعلیم حکومت بہار نے اس کی طباعت میں سرگرمی دکھائی تھی۔ ایک طویل عرصہ بعد دوسری جلد حیدر آباد سندھ سے چھپی۔ اسی کا عکسی ایڈیشن انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئی نے بھی شائع کیا اور ملک کی اہم درسگاہوں تک مفت پہنچایا۔ دار العلوم فیضان مفتی اعظم، پھول گلی، ممبئی، جامعہ نوریہ شیام پور، مالدہ، بنگال۔ اس کے علاوہ بھی کہیں کہیں پڑھائی جاتی ہوگی۔ جس کا مجھے علم نہیں۔

اب جبکہ یہ تحریک زور پکڑ رہی ہے، کہ ملک العلماء کی تمام درسی کتابوں کو شامل درس کیا جائے، تو ضروری ہے کہ جدید فن تدوین کی روشنی میں 'صحیح البہاری' عافیہ، وافیہ، تقریب، تہذیب کو از سر نو ایڈیٹ کیا جائے۔ چھاپا جائے۔ پھر متفقہ طور پر مذکورہ کتابیں شامل نصاب کرلی جائیں۔ اس کام کے لئے سب سے پہلے مرکز اہلسنت بریلی کو آگے آنا چاہئے۔ کیونکہ حضرت ملک العلماء جن کی بدولت جامعہ منظر اسلام بریلی کا وجود عمل میں آیا۔ تنہا ایک ملک العلماء نے منظر اسلام کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچادیا۔ ملک العلماء بھلے بہار میں پیدا ہوئے، بہار میں رہے۔ مگر ان کے جان و دل کا قبلہ ہمیشہ بریلی رہا۔ منظر اسلام بریلی، دار الافتاء بریلی، فتاوائے بریلی، تصانیف بریلی، تحریکات بریلی کی کوئی تاریخ حضرت ملک العلماء کے بغیر ہرگز مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے چاہئے کہ خانقاہ رضویہ کے صاحب سجادہ حضرت مولانا شاہ سبحان رضا سبحانی میاں، خانوادۂ رضویہ کے سب سے زیادہ بااثر شخصیت تاج الشریعہ فخر الازہر حضرت ازہری میاں مدظلہ، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کے متحرک اراکین علامہ محمد حنیف رضوی، قاضی شہید عالم رضوی، مولانا عبد السلام رضوی، مولانا صغیر اختر رضوی وغیرہ نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھیں اور اس تاریخ ساز تحریک کو کامیاب کر گزریں۔

یہ خوش آئند بات ہے۔ ابھی حال ہی میں تاج الشریعہ فخر الازہر ازہری میاں نے اپنے اشاعتی ادارہ المجمع الرضوی سے فتاویٰ ملک العلماء کو پہلی بار شائع کیا ہے۔ اسی طرح بریلی کے چاروں ادارے تمام علمی روحانی شخصیتیں چاہیں، تو ایک جھٹکے میں مذکورہ کتابیں منظر اسلام، مظہر اسلام، جامعہ نوریہ، جامعۃ الرضا، مرکز الدراسات الاسلامیہ میں داخل نصاب ہوسکتی ہیں۔ جب مرکز کے مرکزی اداروں میں "صحیح البہاری' عافیہ، وافیہ، تقریب، تہذیب پڑھائی جانے لگیں گی، تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسری درسگاہیں شامل نصاب نہ کریں۔ ہمیں قوی امید ہے، مذکورہ ادارے، مذکورہ بلند علمی مرتبہ شخصیتیں ان معروضات پر ضرور توجہ دیں گی۔ آج ہر قوم، ہر جماعت، اپنا نصاب تعلیم، نظام تربیت رکھتی ہے۔ ہر شعبہ میں خود کفیل ہونا چاہتی ہے۔ جماعت اہلسنت کو بھی چاہئے، کہ اس نقطۂ نظر سے سوچیں اور آگے بڑھیں۔ ہندوستان میں تو یہ کام، ہندوستانی ادارے کریں۔ پاکستان میں ٹھیک یہی کام، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعہ امجدیہ کراچی، جامعہ رضویہ فیصل آباد، جامعہ سعیدیہ کاظمیہ ملتان اور دیگر مرکزی ادارے کریں۔

تیسرا رخ : تعصب کا شکار

'جہان ملک العلماء' کے قلمکاروں کا جو عمومی تأثر ہے، اس کا ایک رخ تو وہ ہے، جو اوپر بیان ہوا۔ تیسرا رخ یہ بھی ہے، ایک سے زیادہ حضرات نے یہ شکوہ کیا ہے، حضرت ملک العلماء پر کام نہیں ہوا۔ ان کی کتابیں داخل نصاب نہیں کی گئیں۔ وہ اور ان کی خدمات تعصب کا شکار ہیں۔ اس میں کتنی سچائی ہے۔ اس کی تلاش اور حل قارئین ڈھونڈیں۔ میرا یہ ماننا ہے۔ ایک ہے جماعتی ضرورت، دوسری ہے ذاتی ضرورت۔ ذاتی ضرورت کی تکمیل تو خود اسی شخص کو کرنا چاہئے، جس کو وہ درپیش ہے۔ مگر بسا اوقات ذاتی ضرورت میں بھی دوسروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ انسان ایک سماجی حیوان ہے، سماجیات میں ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ کیونکہ یہ سماجی ضرورت ہے اور سماج سے کٹ کر انسان کیوں کر رہ سکتا ہے۔

ہمیں بات کرنی ہے جماعتی ضرورت پر، جب ذاتی ضرورت پر انسان دوسرے کا محتاج ہوتا ہے، تو جماعتی ضرورت تو تنہا انجام دی ہی نہیں جا سکتی ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے جماعتی افراد کا تعاون واشتراک بہر گام ضروری ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں، کہ جو لوگ جماعت کا کام کر رہے ہیں، جماعت کے سارے کاموں کا بار انہی لوگوں کے کاندھے پر ڈال دیا جائے۔ نہ کریں، تو ان سے شکایت کی جائے۔ میرے خیال میں یہ بات درست نہیں، کیونکہ جو لوگ کر رہے ہیں، وہ تو کر ہی رہے ہیں، کریں گے ہی، کرنے والوں کے پاس کاموں کی کثرت ہوتی ہے۔ کچھ ان کی بھی مجبوری ہو سکتی ہے۔ مونوپولی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے، جو لوگ کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، وہ اٹھ کھڑے کیوں نہیں ہوتے؟ ان سے شکایت کیوں نہیں؟ ان سے کیوں نہیں کہا جاتا، بہت بیٹھے، بہت ہو گیا آرام، اب اٹھئے، کچھ کام کیجئے، یہ کام ہے، یہ کام ہے۔ کرنے والوں سے نہیں ہو پا رہا ہے۔ آپ لوگوں نے ابھی تک کچھ نہیں کیا، آرام کئے، تازہ دم ہیں، لہٰذا کمر کس کر اٹھئے، آج سے ہی کام شروع کر دیجئے۔

ایک گھر میں چار لوگ ہیں۔ دو خوب کماتے خوب کھاتے خوب عیش کرتے ہیں۔ دو نکمے نکھٹو کاہل کام چور ہیں، نتیجہ میں بھوکے پیاسے، ننگے کنگال ہیں وہ دو کمانے والے، ان دو نکھٹو کو کھلاتے پلاتے ہیں اور اڑھاتے پہناتے رہتے ہیں۔ سوال یہ ہے، وہ کب تک ان دو کام چوروں کو کھلاتے پلاتے، یا اڑھاتے پہناتے رہیں گے۔ جب ان دونوں میں بھی کام کرنے کی بھرپور لیاقت موجود ہے۔ لہٰذا انصاف، دانشمندی، ہمدردی کا تقاضا ہے۔ ان دو نکموں کو کام پہ لگایا جائے، ان کا نکما پن دور کیا جائے، بلکہ انہیں خود چاہئے، وہ یہ نکمی عادت چھوڑ دیں۔ آنکھیں مل بیدار ہو جائیں اور مردانِ کار کی صف میں شامل ہو جائیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ، تو ان دو کماؤ بابو سے اگر کبھی کی کوتاہی، بھول چوک ہو جائے، تو یہ کیا تک ہے۔ ان سے گلے شکوے کئے جائیں۔ ایک بات یہ بھی ہے،

نکموں کو دے دے کر مزید نکمانہ بنایا جائے۔ بلکہ اول روز ہی سے انہیں کام کا اہل بنا دیا جائے۔

یہ تو اس مسئلہ کا ایک پہلو ہوا، لیکن کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں، جن کو نکما نہیں کہا جا سکتا، وہ از کار رفتہ ہوتے ہیں۔ علوفہ خوار ہوتے ہیں، علوفہ خوار کا مطلب یہ ہے، کہ وہ کام کے تو نہیں، مگر ان کا طعام و کلام جاری رہتا ہے۔ ہر طرح ان کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایئے، ان سے دعائیں لیجئے، ان کے مشوروں اور خواہشوں کا احترام کیجئے۔ لہٰذا جن سے ہمارے قلکاروں یا شکایت کی ہے، یا تعصب کا گلہ کیا ہے۔ ان کو چاہئے، کہ وہ ان علوفہ خواروں کی باتوں کو اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں اور کام کرنے والے کام کر کے ان کی یہ شکایتیں دور کر دیں۔ کیوں کہ حضرت ملک العلماء اس جماعت کی ضرورت ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا، وہ جماعت کی ضرورت کے تحت کیا۔ چنانچہ ان کی ذات یا خدمات سے صرف نظر کرنا کسی طرح درست نہیں، بلکہ جماعت کے حق میں بسا اوقات نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

'جہان ملک العلماء' کا منصوبہ

ایسا نہیں، کہ لوگ حضرت ملک العلما کو نہیں جانتے، جانتے ہیں اور خوب اچھی طرح جانتے ہیں، بہتوں سے بہت زیادہ جانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ بہتوں نے بہت کچھ نہیں کیا۔ جب کہ ملک العلماء نے تن تنہا بہت کچھ کر دکھایا۔ ڈھیر سارے کام ہیں، جن کی اولیت کا سہرا ملک العلماء کے سر ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے۔ بہت لوگ بہتوں کو نہ جانیں، مگر ملک العلماء ضرور کو جانتے ہیں۔ کیوں کہ بہت سی ضرورتوں کا نام ہے ملک العلماء۔ جو لوگ امام احمد رضا پر لکھتے ہیں یا بولتے ہیں، ان کی ضرورت ہیں ملک العلماء۔ ملک العلماء کے بغیر کسی محقق کا قلم چل سکتا ہے۔ نہ کسی مقرر کی زبان کھل سکتی ہے۔ اوقات صوم وصلوٰۃ کے مسئلہ میں پورا برصغیر ملک العلماء کا محتاج تھا اور ہے۔ بہت سے کمالات تھے، امام احمد رضا کے اس لاڈلے میں۔ لہٰذا یہ کہنا، کہ ملک العلماء کو لوگ نہیں جانتے، کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

حضرت ملک العلماء پر پہلی سوانحی تحریر مولٰینا الحاج لعل محمد مدراسی نے لکھی، جو اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے، سپہ سالار تھے۔ ملک العلماء کے دوست تھے، دم ساز تھے۔ دوسری تحریر 'حیات ظفر' مفتی سید عزیز حسین رضوی ظفری نے لکھی، جو ملک العلماء کے شاگرد تھے، مرید صادق تھے۔ تیسری تحریر پروفیسر مختار الدین نے لکھی، جو ملک العلماء کے فرزند نسبی ہیں، فرزند علمی بھی ہیں، گاہ بہ گاہ کئی لکھنے والے مضامین لکھتے رہے۔ جو متعدد رسائل و جرائد میں چھپتے رہے۔ امام احمد رضا پر جتنا علمی کام ہوا، یا ہو رہا ہے، ان تمام کاموں میں ملک العلماء کا ذکر خیر ہوا اور ہو رہا ہے۔ یہ نکتہ بھی عجیب دلچسپ ہے، مرشد و مرید کا ذکر ایک ساتھ ہو رہا ہے۔ کسی کا ذکر ہو یا نہ ہو، ملک العلماء کا ذکر ہونا لازمی امر ہے۔ گویا یہ مرشد گرامی کا دائمی عطیہ ہے، کہ جہاں جہاں مرشد گرامی کا تذکرہ ہوگا، وہاں وہاں اس مرید و مراد کا تذکرہ ہونا واجب الامر ہے۔ یہ صلہ ہے اس مرید صادق کی جاں نثاری و جاں سپاری کا۔

خاکسار غلام جابر کا پسندیدہ موضوع رضویات ہے، یا متعلقات رضویات۔ اس دشت کی سیاحی میں حضرت ملک العلماء کو بھی دیکھا اور پڑھا۔ تو پایا، کہ ملک العلماء رضویات سے ہٹ کر کچھ نہیں، بلکہ وہ رضویات کا دوسرا پارٹ ہیں۔ پچھلے برس اس پارٹ پر خاکسار نے متواتر کئی مضامین لکھے۔ جو دہلی اور ممبئی کے جرائد میں چھپے۔ اہل نظر نے سراہا، پذیرائی کی، میری تحریک تھی، صحیح البہاری کی نصاب مدارس عربیہ میں شمولیت۔ اس حوالہ سے بھی ملک بھر میں بیداری پیدا ہوئی۔ غرضیکہ میری تحریک نقارخانہ میں طوطی کی آواز نہیں، سکوتِ شب میں صور اسرافیل ثابت ہوئی اور ہر طرف ہر طرح سے ملک العلماء پر کام کرنے کی فضا ہموار ہوتی چلی گئی۔

پچھلے ہی برس نومبر ۲۰۰۸ء کو میں اپنے وطن پورنیہ گیا۔ پیر طریقت سراج ملت مولٰنا سید سراج اظہر نوری رضوی صاحب ممبئی کی طرف سے فون آیا۔ میں نے جواب دیا۔ میں وطن میں ہوں۔ بعد واپسی گفتگو ہوگی۔ جب واپس آیا۔ تو کئی بار پھر بلاوا آیا۔ وقت نکال کر حاضر ہوا۔ یہ دسمبر کی ۱۴، ۱۵ تاریخ رہی ہوگی۔ حضرت سید صاحب سے یہ ملاقات میری عرصہ چودہ پندرہ سال بعد ہو رہی تھی۔ ۹۲-۱۹۹۰ء میں کئی ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ اس عرصہ میں وہ شارحِ بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی 'نزھۃ القاری' چھپوانے میں خوب دلچسپی لے رہے تھے۔ خیر حاضر ہوا۔ بات ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ حضرت ملک العلماء کی حیات و خدمات پر ایک علمی دستاویزی مجلہ ترتیب و طباعت کرنا چاہتے ہیں۔ اس علمی مجلہ کا نام وہ پہلے ہی سے "جہان ملک العلماء" تجویز کر چکے تھے۔ اس سے پہلے وہ اس کام کے لئے ایک دو آدمی بحال و برطرف کر چکے تھے۔ جب میرے سامنے منصوبہ آیا، تو میں نے عرض کیا۔ مجھے آپ ہفتہ، عشرہ کا وقت دیں۔ خاکہ بنا کر دکھاتا ہوں۔ جب خاکہ تیار کر کے ان کے سامنے رکھا گیا۔ تو بعد مطالعہ بے حد خوش ہوئے۔ فرمایا، اس کو اسی طرح تیار کرنا ہے۔ یہ بہت عمدہ خاکہ ہے۔ عمدہ اس لئے تھا، کہ جو کچھ ان کے ذہن میں تھا، وہ تو خاکہ میں تھا ہی، اس کے علاوہ اس میں کئی گنا اضافہ کیا گیا تھا۔

کہنے لگے۔ بس کام شروع کر دیجئے۔ یاد رکھئے، اسی عرس ملک العلماء میں اس کا اجرا ہونا ہے۔ یہ کام آپ ہی کو کرنا ہے۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، خصوصاً پروفیسر مختار الدین احمد کی فرمائش پر آپ کا انتخاب ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ خاکہ کھینچنا آسان ہے۔ اس میں رنگ بھرنا بہت مشکل ہے۔ یوں ہی خواب دیکھنا مشکل نہیں، اس کی حسین تعبیر سامنے لانا بہت مشکل ہے۔ یہ خاکہ و خواب بظاہر حسین ہے۔ مگر حقیقت میں آگ کا دریا ہے، کانٹوں کی کشتی ہے۔ سوار ہو کر عبور کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ کہنے لگے، جو بھی ہو، جیسے بھی ہو۔ یہ کام کرنا ہے۔ میں نے کہا، اس کے لئے وقت بھی چاہئے اور سرمایہ بھی، کہنے لگے۔ سرمایہ کی فکر نہ کیجئے۔ یہ کام کر کے بتائیے۔ تب عرض کیا! یہ منصوبہ بند طریقہ سے مرحلہ وار ہوگا۔ پہلا مرحلہ تو مواد و مخطوطات کا حصول ہے۔ دوسرا مرحلہ عنوان اور مضمون نگار کا انتخاب کرنا ہے اور اس عنوان سے متعلق مواد مضمون نگار کو ارسال کرنا ہے۔ پھر مسلسل رابطہ و تقاضہ ہے، پھر آگے کے مراحل ہیں۔ مواد و مخطوطات کے لئے علیگڑھ جانا ضروری ہے۔ جہاں ملک العلماء کے

صاحبزادے کے پاس مخطوطات ومطبوعات سب اکٹھے موجود ہیں۔ یہی پہلا مرحلہ ہے۔ اس کے بعد کوئی کام شروع ہوگا۔ فرمانے لگے۔ ارے! اس کی کیا ضرورت ہے۔ مضمون نگاروں کو عنوان روانہ کردیں۔ وہ خود ہی لکھ لیں گے۔ عرض کیا۔ بغیر مواد کے لوگ کیا لکھیں گے۔ اگر لکھ بھی لئے، تو ان مقالوں کی نہ کوئی علمی حیثیت ہوگی، نہ تحقیقی اہمیت، اگر 'جہان ملک العلماء' کو علمی تحقیقی دستاویزی یادگار بنانا ہے، تو حصول مواد اور تقسیم مواد کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ پروفیسر مختار الدین احمد نے بھی میری تجویز کی تائید کی۔ خیر حضرت سید صاحب بمشکل تمام منصوبہ کے پہلے مرحلہ کے لئے تیار ہوگئے۔ دو آدمی علیگڈھ روانہ فرمایا۔ ان میں ایک تو یہی ناکارہ راقم الحروف تھا۔ دوسرے دارالعلوم فیضان مفتی اعظم کے استاذ مولانا محمد احمد رضوی تھے۔ ۲۴؍دسمبر کو علیگڑھ جانا طے ہوا، تو گلبرگہ یونیورٹی میں حضرت ملک العلماء کی حیات وعلمی خدمات پر پی ایچ ڈی کررہے اسکالر جناب اکبر علی صاحب بھی تیار ہوگئے۔ ماہنامہ 'ضیائے صابر' ممبئی کے معاون مدیر مولانا عرشی بھی ساتھ ہوگئے۔ خیر علیگڑھ میں چار پانچ دن قیام کرکے تمام ممکن الحصول مواد حاصل کرلیا گیا۔ حضرت پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے مکمل تعاون فرمایا۔ اس مدت قیام میں حضرت مختار الدین احمد صاحب سے بہت کچھ سننے، سمجھنے، سیکھنے کا موقع ملا۔ پروفیسر موصوف سراپا علم واخلاق شخصیت ہیں۔ خدا ان کی عمر دراز فرمائے۔

جب علیگڑھ سے واپسی ہوئی، تو حضرت ملک العلماء کے مخطوطات ومطبوعات دیکھ کر حضرت سراج ملت صاحب ایک دفعہ پھر بے حد خوش ہوگئے۔ اب کام کا دوسرا مرحلہ شروع کردیا گیا۔ عناوین اور مضامین نگاروں کا انتخاب کرکے متعلقہ مواد روانہ کیا گیا۔ یہ کام بھی مرحلہ وار رہا۔ کبھی تیزی، کبھی سست رفتاری کے ساتھ۔ ارسال مواد، رابطے، تقاضے، حصول مضامین، کتابت، پروف ریڈنگ یہ تمام انتظامی کام میں نے اپنے ذمہ نہیں رکھا۔ یہ کام صاحبزادہ مولینا سید محمد منہاج رضا، مولینا رقیب اعظم، مولینا وصی احمد برکاتی، مولینا محمد احمد رضوی سرانجام دیتے رہے۔ یہ کام جنوری ۲۰۰۹ء سے شروع ہوا۔ ۲۱ فروری کو میری ماں کا وصال ہوا۔ ان کی علالت ووفات کے دوران بھی میں کام میں مصروف رہا۔ مضامین کی حصولیابی سست رفتاری سے ہوتی رہی۔ تاخیر بھی ہوئی۔ مگر کام چلتا رہا۔ ۴؍مارچ کے بعد سے مجھے خبر نہیں، کہ کیا ہوا۔ کتنا ہوا، اس بیچ میری مشغولیات بڑھ گئیں اور میں اس کام سے قریب بے تعلق، بے خبر رہا۔

جون کی ۱۴ یا ۱۵ تاریخ رہی ہوگی، کہ حضرت سراج ملت کا فرستادہ اور فون آیا، کہ اس کام کا آغاز آپ نے کیا ہے، انجام بھی آپ ہی کو دینا ہے۔ آیئے اور انجام تک پہنچایئے۔ پھر وقت نکال کر اتوار کو حاضر خدمت ہوا۔ تو حضرت سراج ملت نے وہی جملہ دہرایا۔ کام کی ابتداء آپ سے ہوئی ہے انتہاء بھی آپ سے ہوگی۔ چلئے۔ بسم اللہ کیجئے۔ منصوبہ ہزار سے بارہ سو صفحات تک تھا۔ اب تک پانچ ساڑھے پانچ سو صفحات ہوئے ہیں۔ اب آپ آگے سنبھالیئے۔ میں نے کہا، آپ دعا کیجئے، آپ کا منصوبہ اپنے ٹارگیٹ تک پہنچ جائے گا۔

خدا کے فضل سے ہوا بھی وہی جو سوچا تھا۔

صاحبزادہ مولٰینا سید محمد منہاج رضا عرف ہاشمی میاں سے میں نے کہا۔ آپ میرا ساتھ دیجئے۔ جو مواد میرے پاس یا میری نظر میں ہے، میں نشاندہی کرتا ہوں۔ کئی کئی کمپیوٹر لگا کر کمپوزنگ کرائیے اور پروف ریڈنگ ساتھ ساتھ کرائیے۔ جو کام ہو چکا ہے، میرے حوالہ کیجئے۔ بقیہ کام صبح وشام ہوتا رہے۔ صاحبزادہ موصوف جنگی پیمانے پر کام کراتے رہے۔ جیسا جیسا کہتا گیا، وہ کرتے کراتے گئے۔ بذات خود میں بھی ڈوب گیا، مجھے خبر نہیں، میری صبح وشام کب ہوتی ہے، کیسے گذرتی ہے۔ بچے جو چھوٹے ہیں، پوچھتے: ابا کیا کر رہے ہیں، جواب دیتا، آخرت کما رہا ہوں۔ یہ جواب بچوں کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ بچے جھلاتے جاتے، میں ہنس دیتا۔ پلٹ کر کام میں غرق ہو جاتا۔ الحمد للہ بیس پچیس دن میں آناً فاناً یہ کام پورا ہو گیا۔ مطلوبہ تعدادِ صفحات پوری ہو گئی۔ اس میں رنگین صفحات اور عکسی صفحات بھی شامل ہیں۔

نئے خاکہ کی تکمیل

اولاً جو خاکہ بنا تھا۔ اس کے عین مطابق مقالات موصول نہیں ہوئے۔ جو مقالات موصول ہوئے یا لکھے یا لکھوائے گئے۔ ان کے لئے از سر نو خاکہ بنانا پڑا۔ ابواب بندی کی گئی۔ پھر ابواب کے تحت مقالات رکھے گئے۔ کسی باب میں دو مضامین ہیں، تو کسی میں دو سے زیادہ ہیں۔ یہ تعداد کہیں بارہ بھی ہے، تو کہیں پندرہ بھی ہے۔ باب کے ضمن میں مقالوں کی ترتیب میں شخصیت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ مقالہ کے مواد و پیش کش کا اعتبار کیا گیا ہے۔ جب نیا خاکہ مرتب ہوا، تو موصولہ مقالاتی مواد کو اکیس ابواب میں سمونا پڑا۔ پہلا خاکہ محض بارہ ابواب کا تھا۔ ترتیب و پیش کش میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے، کہ خارج از موضوع گفتگو نہ آنے پائے۔ موضوع سے باہر کی ایسی باتوں کو ایڈیٹنگ اور سیٹنگ کے وقت حذف کر دیا گیا ہے۔ میری ترتیب و تہذیب میں اگر چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی ہے، تو اہل نظر کو یہ ترتیب و تدوین ضرور پسند آئے گی۔ ہاں البتہ متعدد مقامات پر مکررات ضرور ہیں۔ جہاں جہاں گنجائش ملی، وہاں وہاں ہم نے مکررات بھی ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم ایک سے زائد جگہوں پر یہ مکررات ابھی بھی ہیں۔ کہیں مضمون کے ربط و تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے اور کہیں یوں ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ خیر ہم نے تا حد استطاعت 'جہان ملک العلماء' کو سجانے سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں خوبیاں جتنی ہیں، وہ سب سراسر فضل ربی ہیں اور جو خامیاں ہیں، وہ سب میری بے بضاعتی کا نتیجہ ہیں۔ خدا سے دعا ہے "جہانِ ملک العلماء" دو جہان میں مقبول ہو۔ آمین۔

ایک قابل قدر علمی دستاویز

تیس چالیس برسوں میں یوں تو کئی خصوصی نمبرات شائع ہوئے۔ خصوصی یادگاری اشاعتیں منظر عام پر آئیں۔ مگر جو مقام

ماہنامہ 'المیزان' ممبئی کے امام احمد رضا نمبر کو ملا۔ یا ماہنامہ استقامت کانپور کے ''مفتی اعظم نمبر'' کو حاصل ہوا۔ وہ شاید ہی کسی خاص نمبر یا خاص اشاعت کو حاصل ہوا ہو۔ یہ جہانِ ملک العلماء قریب اسی نوع کا مقالاتی مجموعہ ہے۔ اس کا کیا مقام یا کیا حیثیت ہے۔ اس کا خاص تعین تو میں نہیں کرسکتا ہوں۔ یہ حق تو اہل علم، اہل الرائے کا ہے۔ یہ حق ہم ان کے حق میں محفوظ کرتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں، کہ ان کا فیصلہ خاکسار مرتب اور مقالہ نگاروں کے حق میں بہتر ہی آئے گا۔ کیوں کہ ہمیں یقین ہے، کہ یہ اس شخص کا تذکرہ ہے۔ جس کی علمی و روحانی تعلیم و تربیت میں امام احمد رضا نے دن رات وقف کردیا تھا اور اس شخص نے اپنی زندگی کی تمام کائنات حضرت امام احمد رضا کے نام پر نثار کردیا تھا۔ اس لئے اس شخص کا تصور رضویات کا تصور ہے۔ جب جب رضویات کا تصور ہوگا۔ لازماً اس شخص کا تذکرہ ہوگا۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے، تو بے جا نہ ہوگا، 'جہانِ ملک العلماء' رضویات ہی کا ایک اٹوٹ انگ ہے اور بابِ رضویات میں ایک اہم تاریخی اضافہ ہے۔

یادگار کارنامہ

حضرت سراج ملت مولانا سید سراج اظہر رضوی صاحب موضع بین کے رہنے والے ہیں۔ حضرت ملک العلماء کی جائے پیدائش موضع رسول پور میجرا ہے، یہ دونوں بستیاں جدید ضلع نالندہ بہار میں ہیں۔ موضع بین حضرت ملک العلماء کی ننیہال ہے۔ اسی وطنی محبت نے سراج ملت کو مجبور کردیا، کہ وہ حضرت ملک العلماء پر علمی تحقیقی کام کریں اور کرائیں۔ یوں تو وہ برسوں سے حضرت ملک العلماء کا عرس مناتے، کتابیں چھاپتے رہے ہیں۔ مگر یہ 'جہان ملک العلماء' کا انتظام و انصرام ان کا ایک یادگار کارنامہ ہے۔ یہ کارنامہ ان کو زندہ و پائندہ رکھے گا۔

سراج ملت کے والد ماجد حضرت مولانا قاری سید ابوالہاشم رحمۃ اللہ علیہ نالندہ سے ممبئی آئے تھے۔ پھول گلی رضا جامع مسجد میں امامت کرتے تھے۔ خطاب سناتے تھے۔ منبر و محراب کی زینت تھے۔ بعد میں یہ منصب سراج ملت کو سپرد ہوا۔ وہ مولینا ہیں، حافظ و قاری ہیں، پیر طریقت ہیں۔ واعظ و مصلح ہیں، خلوص و جذبات رکھتے ہیں، بڑے بڑے کام سرانجام دیتے ہیں۔ مگر میرا خیال ہے، ان کے تمام کاموں میں 'جہان ملک العلماء' کی ترتیب و طباعت سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ جو صرف ان کے لئے نہیں، بلکہ پوری جماعت کے لئے قابل فخر یادگار کارنامہ ہے۔ خدا اسے قبول فرمائے اور مزید کاموں کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام کا بے مثال ایثار

جہان ملک العلماء کی انجمن میں ہندو پاک کے سو سے زائد قلمکار انجمن آرا ہیں۔ مگر اس بھری انجمن میں شستہ قلم، شائستہ فکر، صاحب نظر مشہور قلمکار مولانا ملک الظفر صاحب کہیں نظر نہیں آتے۔ ان کی غیر موجودگی کا ہمیں بشدت احساس ہے۔ ہوسکتا ہے، قارئین بھی یہ کمی محسوس کریں۔ مگر حقیقت یہ ہے، جتنا وہ غائب ہیں، اتنا ہی وہ حاضر بھی ہیں۔ قریب تیس جگہ پہ وہ حاضر ہیں، حیرت نہ

کریں، حاضری کا قصہ یوں ہے۔

'الکوثر' سہسرام جب جاری تھا۔ اس نے 'ملک العلماء نمبر' نکالنے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے لئے ادارہ الکوثر نے انتھک کوشش کی تھی۔ ہندو پاک کے قلمکاروں سے رابطہ کر کے مضامین لکھوائے تھے۔ برسوں کی تگ و دو کے بعد الکوثر کو کافی حد تک کامیابی بھی ملی تھی۔ مقالات کی کتابت بھی ہو چکی تھی۔ ساری تیاری کے باوجود نہ معلوم کیوں 'الکوثر' کے زیر اہتمام 'ملک العلماء نمبر' شائع نہ ہو سکا۔ وجوہات جو بھی رہی ہوں۔ الکوثر کا ملک العلماء نمبر نہ چھپنا تھا، نہ چھپ سکا۔ ہندو پاک کے شائقین للچا کر رہ گئے۔ یہ کوئی ۲۰۰۰ء یا بعد کی بات ہے۔ پچھلے برس بارش کے موسم میں علامہ ملک الظفر صاحب ممبئی تشریف لائے۔ رضا اکیڈمی کے دفتر میں ملاقات ہوگئی۔ علیک سلیک کے بعد میں نے پوچھ دیا، 'ملک العلماء نمبر' کا کیا ہوا۔ فرمانے لگے، سب تیار ہے۔ بس کچھ مالی مشکلات ہیں۔ میں نے کہا! آپ چاہیں، تو سارا مواد ہمیں دیدیں، یہاں چھپوانے کی سبیل نکالی جائے گی، یا تو اس اکیڈمی کے روح رواں جناب سعید نوری کو تیار کیا جائے گا۔ ورنہ دوسری صورت بھی ہے۔ فرمانے لگے، ٹھیک ہے، آپ مخلص ہیں، آپ پر بھروسہ ہے۔ آپ جو بھی کریں گے، بہتر کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ سہسرام لوٹ گئے۔ ان دنوں میں ملک العلماء پر متواتر مضمون لکھ رہا تھا۔ رضویات کے مؤسس اول کے نام سے ایک کتاب بھی زیر ترتیب تھی۔ میں چاہ رہا تھا، کہ وہ ذخیرہ چھپ جائے، تو میں اس سے استفادہ کروں۔ چونکہ مذکورہ کتاب ملک العلماء پر ہی تھی۔

ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھا، کہ دو تین مہینے بیت گئے۔ تا آں کہ 'جہانِ ملک العلماء' کا انقلابی منصوبہ وجود میں آیا۔ میں نے موقع غنیمت سمجھا۔ اِدھر حضرت سراج ملت کو تیار کیا، اُدھر علامہ ملک الظفر صاحب کو آمادہ کیا۔ جب دونوں تیار ہو گئے، تو طے یہ پایا، کہ الکوثر کے مواد کو ایک الگ حصہ کے طور پر 'جہانِ ملک العلماء' میں شامل کیا جائے گا اور 'جہانِ ملک العلماء' کے نام آئے ہوئے مقالات کو ابواب کے ذیل میں رکھا جائے گا۔ مگر ترتیب ابواب کے وقت خلل محسوس ہوا۔ تو پھر میں نے علامہ ملک الظفر سے گذارش کی، کہ وہ مجھے اپنے مواد کو ابواب کے تحت رکھنے کی اجازت دیدیں۔ خدا کے فضل سے انہوں نے بکشادہ پیشانی انشراح صدر کے ساتھ مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا، کہ وہ ایک نوٹ یا پیش لفظ لکھ دیں۔ یہ ان کی مہربانی کہ یہ بار انہوں نے مجھی پر ڈال دیا۔ خیر یہ ہے قصہ علامہ ملک الظفر صاحب کی بزم جہان ملک العلماء میں موجود و شریک ہونے کا۔ ادارہ الکوثر کے رفقاء تو اور بھی تھے یا ہیں۔ مگر روحِ رواں تو علامہ ملک الظفر صاحب ہی تھے یا ہیں۔ اس لئے ادارہ الکوثر کے تمام رفقاء خصوصاً علامہ ملک الظفر صاحب کا اس بے مثال ایثار و قربانی پر حد درجہ مشکور و ممنون ہوں۔ خدا سے دعا ہے، کہ ایسے ایثار و اخلاص کا مظاہرہ کرنے کی توفیق ہم سب کو عطا فرمائے۔ وعدہ کے مطابق اب ہم یہاں ان کے مرسلہ مواد کی فہرست درج کرتے ہیں۔ تا کہ واضح طور پر معلوم ہو جائے، کہ گرامی قدر موصوف کا مواد کہاں کہاں ہے۔

مواد الکوثر کی فہرست

۲۱	ملک العلماء کی نثر نگاری	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	بریلی
۲۲	ملک العلماء اور عرس کی شرعی حیثیت	مفتی آل مصطفیٰ مصباحی	گھوسی
۲۳	دلچسپ مکالمہ پر اک نظر	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	مظفر پور
۲۴	ملک العلماء کے رفیق درس	ڈاکٹر سید شمیم گوہر	الہ آباد
۲۵	ملک العلماء کی سیاسی بصیرت	سید عبد النعیم عزیزی	بریلی
۲۶	علم اور عالم دین	سید شاہ محمد حماد قادری	اورنگ آباد
۲۷	رسالہ ہجرت بنگال	پروفیسر ریاض الرحمٰن	کشمیر
۲۸	حیات ملک العلماء پر طائرانہ نظر	ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم	دہلی
۲۹	ملک العلماء: میری معلومات میں	علامہ شبنم کمالی	دربھنگہ
۳۰	تعزیتی خطوط بنام ملک العلماء	مرتبہ: ڈاکٹر مختار الدین آرزو	علی گڑھ

ملک العلماء یونیورسیٹیوں میں

حضرت ملک العلماء جدید وقدیم علوم کے ممتاز فاضل تھے۔ان کا تعلق جہاں دینیات سے تھا۔وہیں عصریات سے بھی تھا۔ دینی درسگاہوں، خانقاہوں، بارگاہوں میں وہ جس قدر معتبر ومتند تھے، کالجوں، یونیورسیٹیوں، پروفیسروں، دانشوروں، بیرسٹروں، افسروں میں بھی اسی قدر معروف ومتعارف تھے۔ان کا تعلق ہر جگہ کے رجال کار سے تھا۔مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے وائس چانسلر سر ضیاء الدین نے ان سے ملاقات کی، جب وہ علیگڈھ یونیورسٹی تشریف لے گئے، تو وہاں کے پروفیسروں دانشوروں نے ان کی دعوت وضیافت کی۔علمی مذاکرے ہوئے۔پٹنہ کے وکلاء وافسران ان سے درس قرآن وحدیث سن کر ایمان واعمال سنوارا کرتے تھے۔ پٹنہ ہائی کورٹ، کلکتہ ہائی کورٹ کے وکلاء وقانون داں ان سے مشورے طلب کرتے تھے۔ برطانوی عہد میں ایک دفعہ وہ برطانوی کچہری بدایوں تشریف لے گئے، تو حاکم وجج سب کھڑے ہوکر ان کا کورنش بجالایا۔کیوں کہ ۱۹۱۱ء کو جارج پنجم کی رسم تاج پوشی دہلی میں وہ مہمان خصوصی تھے۔جس کا دعوت نامہ ان کو مشہور حکیم وسیاست داں حکیم اجمل خان دہلی نے بھیجا اور بلایا تھا۔

یونیورسٹی سطح پر جب سے امام احمد رضا پر کام شروع ہوا ہے۔تب سے ملک العلماء کا نام عصری دانشگاہوں میں گونج رہا ہے۔ کیوں کہ وہ ملک العلماء ہی تھے۔جنہوں نے رضویاتی تحقیقات وتحفظات کی نیو اٹھائی تھی، لیکن وہاں براہ راست امام احمد رضا پر کام

ہورہا تھا۔ ضمناً ملک العلماء کا تذکرہ ہورہا تھا، لیکن وہ مرشد گرامی، جن کے فیض سے ملک العلماء، ملک العلماء بنے تھے۔ ان ہی کے فیضان سے اب اصالۃً ملک العلماء پر ریسرچ ورک شروع ہوگیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم فل

کلیۃ الشریعہ: یہ مقالہ عربی زبان میں ہے۔ الشیخ محمد ظفرالدین وکتابہ صحیح البہاری، موضوع ہے۔ اسکالر جناب محمد ... صاحب ہیں۔ نگراں ڈاکٹر خالق داد ملک ہیں۔ جو پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے استاد ہیں۔ مقالہ کا رجسٹریشن نمبر ۲۶۱۷ ہے۔ مقالہ نگاری ۱۹۹۶ء تا ۱۹۹۸ء ہے۔ عربی زبان میں لکھا گیا یہ مقالہ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ کلمۃ التشکر، کلمۃ الإفتتاح کے بعد ایک مقدمہ اور دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حیات، حالات، اساتذہ وشیوخ، احباب ومعاصرین، دراسات وتصانیف، وفات واولاد وغیرہ ضمنی سرخیاں قائم کرکے گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں 'صحیح البہاری' پر تفصیلی بحث ہے۔ آخر میں کتابیات مراجع کی فہرست ہے۔ کلمۃ التشکر میں جہاں محقق محمد مظفر صاحب نے اپنے نگراں ودیگر اساتذہ کا ذکر وشکر ادا کیا ہے، وہیں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، علامہ عبدالحکیم شرف قادری، علامہ اقبال فاروقی، پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین احمد، مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری، مولینا محمد شاہد اقبال، علامہ محمد ... رضوی، شیخ محمد عمر فاروق وغیرہم کی خدمت میں تہہ دل سے ہدیۂ تشکر پیش کیا ہے۔ ہندوستان میں اس مقالہ کی دو قلمی کاپی پائی جاتی ہے۔ ایک تو پروفیسر مختارالدین احمد علیگڈھ کے ذخیرہ علمیہ میں، دوسری فقیر غلام جابر کے پاس ہے۔

گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ میں پی ایچ ڈی

ڈاکٹریٹ کا یہ مقالہ ابھی زیر تکمیل ہے۔ ریسرچ اسکالر جناب اکبر علی صاحب ہیں۔ تحقیق کے نگرانِ کار پروفیسر وصدر شعبہ اردو وفارسی گلبرگہ یونیورسیٹی عالی جناب ڈاکٹر عبدالحمید اکبر صاحب ہیں۔ رجسٹریشن گزشتہ سال ہی ہوا ہے۔ اس مقالہ کا عنوان 'ملک العلماء سید محمد ظفرالدین رضوی حیات وعلمی ادبی خدمات' ہے۔ یہ مقالہ چھ ابواب اور ایک خصوصی ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا باب نقوش حیات ہے۔ اس باب میں ملک العلماء کے احوال حیات پر گفتگو ہوگی، دوسرا باب نقوش تعلیم وتربیت ہے۔ اس باب میں ان کے مشائخ واساتذہ پر لکھا جائے گا۔ تیسرا باب نقوش درس وافادہ ہے۔ اس میں ان کی تدریسی وافادی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا، چوتھا باب نقوش فکر ہے۔ اس میں ان کے دینی وملی کارناموں پر بحث ہوگی۔ پانچواں باب نقوش قلم ہے۔ اس میں ان کی علمی ادبی خدمات اجاگر کی جائے گی۔ چھٹا باب حاصل مطالعہ ہے۔ آخر میں ایک خصوصی ضمیمہ ہے، یہ ضمیمہ ان کے قابل فخر فرزند پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین احمد کے متعلق ہے۔ جس میں ان کے حالات اور بین الاقوامی خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ پھر آخر میں کتابیات واشاریہ جات ہوں گے۔ یہ ریسرچ پروجیکٹ خاکسار کی خاص دلچسپی

سے زیر تکمیل ہے۔ مقالہ نگار اور نگران کار سے قوی امید ہے، کہ یہ کام علمی تحقیقی سطح پر انجام دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ یہ مقالہ اردو زبان میں ہوگا۔

انتظاریہ

ا۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن سے عنقریب حضرت ملک العلماء کی صحیح البہاری پر پی ایچ ڈی ہونے جارہی ہے۔ یہ کام عربی زبان میں ہوگا۔ جناب محمد عرفان قادری ریسرچ اسکالر ہوں گے۔ امید ہے، کہ ڈاکٹر مجتبیٰ شریف پروفیسر شعبہ عربی نگراں ہوں گے۔ محمد عرفان صاحب عربی زبان میں اچھی دسترس رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس مقالہ سے ہوتا ہے، جو حال ہی میں انہوں نے امام احمد رضا کی حدیثی حاشیہ نگاری پر لکھا ہے، جس پر ان کو ایم فل کی سند ملی ہے۔ اس مقالہ ایم فل کے مطالعہ سے اس کا تحقیقی معیار واضح ہوتا ہے۔ اس سے توقع کی جاتی ہے، کہ جناب عرفان صاحب کا مقالہ ڈاکٹریٹ بھی علمی معیار کا ہوگا۔ جناب عرفان صاحب حیدرآباد کے ایک کالج میں لکچرار ہیں۔ آدمی باذوق محنتی مخلص ہیں۔ خدا ان کا خواب پورا فرمائے اور نمایاں کامیابی سے نوازے۔

۲۔ اسی طرح ایک اور پی ایچ ڈی از ہر یونیورسٹی مصر سے ہونیوالی ہے۔ اس کی تیاری بھی مکمل ہوچکی ہے۔ رجسٹریشن عنقریب ہونے والا ہے۔ یہ پی ایچ ڈی بھی عربی زبان میں ہوگی۔ موضوع وہی صحیح البہاری ہوگا۔ اس تحقیقی کام کے محقق مولینا فیضان الرحمٰن سبحانی ہوں گے۔ موصوف حضرت مفتی عبدالواجد قادری حال مقیم ہالینڈ کے بیٹے ہیں۔ بی۔ اے، ایم اے کئے ہوئے ہیں۔ فی الوقت جامع از ہر مصر میں زیر تعلیم ہیں۔ جناب سبحانی میاں محنتی مخلص حساس فعال قابل فاضل نوجوان ہیں۔ حضرت ملک العلماء سے ان کو خاص لگاؤ ہے۔ حضرت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد ان کا علمی تعاون فرمائیں گے۔ خصوصی مشوروں اور دعاوؤں سے بھی نوازیں گے۔ خدا وہ دن جلد دکھائے، کہ مولینا فیضان الرحمٰن، ڈاکٹر فیضان الرحمٰن بن جائیں۔

خوش خبریاں

ا۔ حیات ملک العلماء، اس عنوان پر تنویر عرب توقیر عجم، پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد مدظلہ پہلے ہی مختصر کام کرچکے ہیں۔ اب وہ اس موضوع پر بسط و تفصیل سے لکھنے بیٹھے ہیں۔ یہ حق ان ہی کا تھا، جن کو وہ پورا کررہے ہیں۔ دنیائے عرب ہو یا دنیائے اردو، ہر دو میدان میں ان کا تحقیقی شعور مسلم ہے۔ اسی لئے محققین نے ان کو تنویر عرب، توقیر عجم کا لقب دیا ہے۔ اتنے گہرے علم، وسیع تجربات کا آدمی جب اپنے پدر بزرگوار کی سوانح لکھے گا، تو اس سوانح کی قدر و قیمت ہی کچھ سوا ہوگی، یہ سوانح حیات تو ہوگی حضرت ملک العلماء کی۔ مگر اس سے رضویات کی بھی تہہ در تہہ معلومات و مباحث سامنے آئیں گی۔ کیوں کہ یہ اس شخص کا قلم ہوگا۔ جس کو امام احمد رضا نے "نور العین مختار الدین" فرمایا ہے۔

کچھ اہم تجاویز

۱۔ تجاویز و مشورے قیمتی بھی ہوتے ہیں اور فالتو بھی۔ یوں ہی کچھ لوگ کام کے دھنی ہوتے ہیں اور کچھ لوگ محض بات کے۔ جو لوگ کاموں کے ہوتے ہیں۔ مشورہ انہی کو دیا جاتا ہے، یہ مشورہ قیمتی ہوتا ہے، مشورہ دینے والا، قبول کرنے والا دونوں اجر و ثواب کا مستحق ہوتے ہیں۔ جو لوگ کاموں کے نہیں، صرف باتوں کے دھنی ہوتے ہیں، وہ فالتو ہوتے ہیں۔ ان کو مشورہ دینا بھی فالتو ہوتا ہے۔ گھاس اس گائے کو کھلائی جاتی ہے، جس سے دودھ ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ پانی اس پودے کی جڑوں میں ڈالا جاتا ہے، جس کے پھلدار ہونے کی امید ہوتی ہے۔ مریل گائے، چٹیل زمین کے پیچھے محنت کوئی بے وقوف ہی کرے گا۔ یہ بات ماننے جیسی ہے۔ مدارس اہلسنت میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سب سے زیادہ متحرک فعال ادارہ ہے۔ یہاں مجلس البرکات قائم ہے۔ جو درسی کتابوں کے حواشی و تعلیقات پر کام کرتی ہے۔ نصابی کتب کی تیاری پر بھی غور کرتی ہے۔ چند برسوں میں چند اہم کام منظر عام پر بھی آئے ہیں۔ ادارۂ اشرفیہ درس نظامیہ کے نصاب میں جدید کاری کی بھی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے۔ جو کام کرے گا، اس کو سرمایہ بھی ملے گا۔ واضح بات ہے، اس ادارہ میں افراد بھی ہیں اور سرمایہ بھی۔ کام کرنے یا ہونے کی سہولت بھی زیادہ ہے۔ اس لئے ہم مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے اربابِ مجاز کو یہ مخلصانہ مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت ملک العلماء کی جتنی نصابی کتابیں ہیں۔ سب پر کام بھی کریں اور نصاب میں داخل بھی کریں۔ اولاً صحیح البہاری ثانیاً اور کتابیں مثلاً فن صرف میں 'عافیہ' فن نحو میں 'وافیہ' فن منطق میں 'تقریب' فن فلسفہ میں 'تہذیب' یہ سب کتابیں جدید نصاب کے مطابق بالکل لیٹسٹ ہیں۔ یوں ہی ملک العلماء درسی کتابوں پر تعلیقات و حواشی بھی قلمبند کیے۔ یہ تمام درسی نصابی سرمایہ وہ اپنی تحویل میں لے لیں اور اس سے اپنی جماعت کو خوب خوب فائدہ پہنچائیں۔

'صحیح البہاری' کا منصوبہ چھ جلدوں کا تھا۔ اگر یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا، تو اس کے بقیہ حصے دریافت کیے جائیں۔ خدانخواستہ اگر منصوبہ مکمل نہ ہوسکا، تو اسی نہج پر اس کی تکمیل کی جائے۔ مثال اس کی موجود ہے۔ 'بہار شریعت' کا خاکہ بیس حصوں کا تھا۔ سترہ ہی ہوئے تھے، کہ مصنف کتاب کا وصال ہوگیا۔ تین حصے بعد میں لکھے گئے۔ بیس کی تکمیل ہوگئی۔ یہی عمل 'صحیح البہاری' کے ساتھ بھی روا رکھا جائے۔ 'صحیح البہاری' کے داخل نصاب کرنے پر اصرار ہمیں اس لئے ہے کہ اس کتاب میں افادات ڈائریکٹ امام احمد رضا کے ہیں۔ اس سطح کی کوئی کتاب موجود ہو (اول تو موجود ہی نہیں) یا تیار کر بھی لی جائے، تو یقیناً وہ اس وصف سے خالی ہوگی۔ رضویاتی افادات کو ہماری اولین ترجیح ہونی چاہئے۔ اگر ایسا نہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر طرح سے اس لائق فائق کتاب سے صرف نظر کیا جائے۔ ہمیں امید ہی نہیں یقین ہے، مادر علمی جامعہ اشرفیہ میں قائم مجلس البرکات اور نصاب کمیٹی کے اصحاب حل وعقد نہ صرف غور کریں گے بلکہ فوری اقدام

کرکے مذکورہ کتابوں کی افادیت سے اپنے مدارس اور طلبۂ مدارس کو مالا مال بھی کریں گے۔

ہندوستان میں تو یہ مشورہ جامعہ منظر اسلام و جامعہ اشرفیہ کے لئے ہے، پاکستان میں ٹھیک یہی مشورہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے لئے ہے۔ حضرت مفتی عبدالقیوم رضوی ہزاروی اور حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہما الرحمہ کے زمانہ خیر میں 'صحیح البہاری' پر کام جامعہ نظامیہ میں شروع ہو چکا تھا، ان دونوں کی وفات سے اس کام میں خلل پڑ گیا۔ اب معلوم نہیں یہ کام کس مرحلہ میں ہے۔ کام تو باہم مشورے اور اشتراک وتعاون سے ہوتا ہے۔ ادارہ اشرفیہ اور ادارۂ نظامیہ دونوں مل کر بھی یہ کام کرا سکتے ہیں۔ مولانا فیضان الرحمٰن (جن کا ذکر ابھی ہوا) کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو رہی درسی کتابوں کی بات، اور اب غیر درسی تصانیف وتحقیقات:

۲۔ غیر درسی کتابوں میں حضرت ملک العلماء کی گونا گوں تصانیف ہیں۔ ان کی اشاعت ہندوستان میں انجمن برکات رضا، پھول گلی ممبئی، کرے یا رضا اکیڈمی ممبئی اور پاکستان میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کرے، لاہور میں مرکزی مجلس رضا کے نگراں اور مکتبہ نبویہ کے مالک علامہ اقبال احمد فاروقی کریں۔ اول مرحلہ میں درج ذیل کتابیں شائع کی جائیں۔

(۱) حیات ملک العلماء، مرتبہ پروفیسر مختار الدین احمد (۲) مکتوبات ملک العلماء مرتبہ پروفیسر مختار الدین احمد، (۳) خطوط علماء بنام ملک العلماء، مرتبہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، (۴) خطبات ملک لعلماء، مرتبہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی۔ یہ کتاب حضرت ملک العلماء کی تقاریر معراج کا مجموعہ ہے، جو حضرت ملک العلماء نے پٹنہ میں بارہ، چودہ سال تک کی تھی۔ واقعہ معراج پر یہ سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔ اس کتاب سے حضرت ملک العلماء کی خطیبانہ حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تفاسیر واحادیث کا ایک زبردست خزانہ اس میں چھپا ہوا ہے۔

۳۔ انجمن برکات رضا پھول گلی ممبئی، جو پیر طریقت حضرت مولانا سید سراج اظہر رضوی کی فعال تنظیم ہے۔ حضرت ملک العلماء پر درج ذیل کام آئندہ کرے اور کرائے۔ (۱) ملک العلماء بحیثیت عظیم محدث، یہ کتاب اردو کے ساتھ عربی میں بھی شائع کیا جائے۔ (۲) ملک العلماء کا مفسرانہ مقام، یہ بھی اردو عربی میں شائع ہو، (۳) ملک العلماء فقیہ الہند۔ یہ بھی اردو عربی میں شائع ہو۔ (۴) ملک العلماء ہیئت وریاضی کے آخری دانائے راز، یہ اردو اور ممکن ہو تو انگریزی میں شائع کی جائے (۵) ملک العلماء رضویات کے مؤسس اول (۶) ملک العلماء مسلک اعلیٰ حضرت کے پرجوش ترجمان (۷) ملک العلماء علمائے عصر کے عظیم محسن (۸) ملک العلماء اور دانشوران عصر (۹) خانقاہوں سے ملک العلماء کے تعلقات وروابط (۱۰) نور دیدۂ ملک العلماء پروفیسر مختار الدین احمد

یہ دار العلوم پھول گلی مسجد میں قائم ہے۔ بانی و سربراہ یہی پیر طریقت حضرت مولانا سید سراج اظہر ہیں۔ اس کام کے دوران مجھے وہاں کئی بار جانا ہوا، مگر دو دن علی الصباح پہنچا۔ یہ وقت سلام پڑھنے کا تھا۔ پہلے منزلے پر طلبہ قطار در قطار کھڑے تھے۔ مائک سے سلام پڑھا جا رہا تھا، میں بھی شریک ہوگیا۔ انداز اتنا اچھا، ترنم اتنا پیارا تھا، کہ میں مسحور ہوکر رہ گیا۔ بالیقیں پلکیں بھیگ گئیں۔ طلباء کے سروں پر گیرواں رنگ کے عمامے تھے، بدن سب کے دھانی رنگ کے جبوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ کچی عمر کے طلباء یوں ہی خوبصورت ہوئے ہیں، جبوں، پگڑیوں میں اور تمتمارہے تھے۔ رقص تو نہیں، لیکن جسموں میں دائیں بائیں ہلکی سی جنبش ضرور تھی، لگ رہا تھا، جیسے میں سورج مکھی پھولوں کے کھیت کے منڈیر پر آگیا ہو۔ ہوا کے ہلکے جھوکے چل رہے ہیں۔ سورج مکھی پھولوں کے پودے ڈول رہے ہیں۔ پھول سب ادھر اُدھر ڈھلک رہے ہیں۔ اس سلام کی لذت و کیفیت سے آج بھی ذہن و دل مخمور ہے۔

کاش یہ دار العلوم مسجد کی چہار دیواری سے نکل کر کسی پر فضا میدان میں منتقل ہو جاتا۔ مولانا سید سراج اظہر صاحب باوسائل آدمی ہیں۔ وہ چاہیں، تو ممبئی کے اطراف میں بڑا پلاٹ لے کر یہ دار العلوم چلا سکتے ہیں۔ جہاں دار العلوم ہو، دار العبادت ہو، دار الاقامہ ہو، دار الصناعۃ بھی ہو، اسکول ہو، کالج ہو، ماڈرن ٹیکنالوجی کا انسٹی ٹیوٹ ہو، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ہو، دینی و عصری تعلیم و ہنر کا مکمل ایک کارخانہ ہو، اندرونی نظام سارا مذہبی ہو، بیرونی ڈھانچہ عصری ہو، تعلیم و تربیت کا سسٹم اتنا معیاری ہو، کہ یہاں کے طلباء آفاق پہ چھا جائیں، شمس و قمر پہ کمند ڈال دیں۔ اس پروجیکٹ کے لئے ایک نہیں کئی عمر چاہئے۔ لیکن کوئی شخص کئی عمر لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ اسی ایک عمر میں جو کرنا ہے، کر گزرنا ہے۔ خدا سید صاحب موصوف کی عمر میں برکتیں، دست و بازو میں توفیق دے، کہ وہ یہ مثالی کارنامہ بھی کر گزریں۔

هدیۂ سپاس

ٹھیک پچاس برس بعد ہی سہی، سراج ملت حضرت مولانا سید سراج اظہر مدظلہٗ نے حضرت ملک العلماء کے بارے میں ایک تاریخ ساز منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا مجھے موقع عنایت فرمایا۔ وہ تمام مقالہ نگار جنہوں نے خاکسار کے تیار کردہ خاکہ کو اپنی گلریزیوں اور رنگ آمیزیوں سے پر کیا۔ معروف و مخلص فنکار مولینا ملک الظفر صاحب نے مجھ پر بھرپور اعتماد کیا اور سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام کے ملک العلماء نمبر کا سارا مواد، 'جہان ملک العلماء' میں بلاشرط شریک اشاعت کرنے کا جواز فراہم کیا۔ تنویر عرب و توقیر عجم پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، جن سے میں اس کام کے دوران صبح و شام مواد و مشورہ طلب کرتا رہا۔ امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، جنہوں نے اہم معلومات و مباحث کی نشاندہی فرمائی۔ جہانِ ملک العلماء ٹیم کے سرگرم کارکن صاحبزادہ

مولانا سید محمد منہاج رضا عرف ہاشمی میاں، مولانا قاری محمد نظام الدین رضوی، مولانا محمد احمد رضوی اساتذہ دار العلوم مفتی اعظم پھول گلی، یہ لوگ میرے ڈائریکشن پر کام کرتے کراتے رہے۔ مولانا وصی احمد برکاتی، مولانا محمد رقیب اعظم رضوی مصباحی، جنہوں نے پروف ریڈنگ کی ذمہ داری نبھائی۔ مولوی محمد زاہد رضا، مولوی محمد ابراہیم رضا، مولوی محمد آصف رضا سلمہم جو رات دن اس کام میں ڈٹے جٹے رہے۔ انجمن برکات رضا، پھول گلی، کے وہ تمام اراکین، جنہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھا کر جماعت اہل سنت کو ایک مشکبار علمی تحفہ دیا۔ میں بحیثیت خادم '**جہانِ ملک العلماء**' ان جملہ حضرات واعزہ کی خدمات بابرکات میں ہدیہ سپاس پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خداوند قدوس وقدیر ہماری اس مشترکہ کاوش علمی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور آئندہ اسی طرح مفید کام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم

دعاء گو ودعاجو
احقر غلام جابر شمس مصباحی
مرکز برکات رضا، میرا روڈ، ممبئی

۲۷/ رجب ۱۴۳۰ھ
۲۰/ جولائی ۲۰۰۹ء
بوقت شب ۱۱ بجے

☆☆☆☆☆

حضرت سید آل رسول محمد طاہر میاں

سجادہ نشین خانقاہ طیبیہ واحدیہ شہرستان، بلگرام شریف، یو، پی
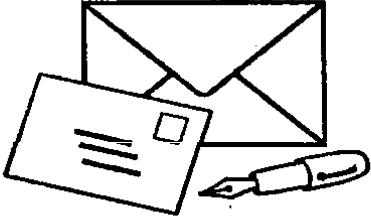
ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ الباری کی عبقری شخصیت بلاشبہ برصغیر ہندو پاک میں ایک ہمہ جہت اور پیکر علم وفن ذات کے اعتبار سے پہچانی جاتی ہے۔ جنہوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں دین متین کی بے پایاں خدمات انجام دینے کا شرف حاصل فرمایا، مگر آپ کی حیات وخدمات پر کوئی مستقل کتاب نظر سے نہیں گذری، لائق مبارکباد ہیں، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت پیر طریقت خلیفۂ مفتی اعظم سراج ملت حضرت مولٰینا سید سراج اظہر صاحب، صدر انجمن برکات رضا، جنہوں نے اس موضوع پر صاحبان قلم، عالموں، دانشوروں۔ صحافیوں، پروفیسروں، مدبروں، کے معلوماتی تاریخی علمی مضامین کا دفتر جمع فرما کر بنام 'جہان ملک العلماء' ایک حسین حیات وخدمات کا مرقع لوگوں کے سامنے پیش فرما کر آپ کو متعارف کرانے اور وقت کی اشد ضرورت پوری کرنے کی انتھک کوشش کی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سراج ملت کی عمر میں برکتیں عطا کرے۔ حوصلہ اور بلند فرمائے اور اسے قبول فرما کر مقبول ہر خواص وعام کرے۔ آمین۔

فقط

فقیر سید محمد طاہر قادری

سجادہ نشین خانقاہ طیبیہ واحدیہ شہرستان، بلگرام شریف

سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی برکاتی مارہروی

سجادہ نشین ومتولی، درگاہ عالیہ، برکاتیہ نوریہ، امیریہ مارہرہ مطہرہ، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

کچھ لکھنے سے پہلے آیئے آپ کو ایک مکتوب کا سرنامہ پڑھوائیں، جو اس طرح ہے۔

از بریلی

۳۰ جمادی الآخری ۱۳۳۰ھ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اے میرے لڑکے اللہ تعالیٰ قیامت تک تمہاری حفاظت فرمائے اور ہمیشہ تمہیں دین کی کامیابی عطا فرمائے۔ یقیناً آپ قیاس کررہے ہوں گے، کہ یہ خط کسی باپ نے اپنے بیٹے کو لکھا ہے۔ آپ کا اندازہ کسی حد تک درست ہے۔

یہ خط ایک روحانی باپ نے اپنے روحانی فرزند کو بھیجا ہے۔ یہ روحانی باپ ہیں، امام اہلسنت، مجدد دین وملت، چشم وچراغ خاندان برکات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے یہ روحانی فرزند ہیں فاضل بہار حضرت مولانا سید ظفر الدین قادری رضوی جو دنیائے سنیت میں ملک العلماء کے لقب سے مشہور ومعروف ہیں۔

سبحان اللہ! اپنے ایک شاگرد کی ایسی چاہت کہ کبھی لکھ رہے ہیں:

"ولدی وزینی وقرۃ عینی، ویقینی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین آمین۔"

کبھی یوں مخاطب فرماتے ہیں:

"ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدنیا والدین وجعلک کا سمک ظفر الدین آمین! آمین! آمین!"

کسی مکتوب کو یوں شروع کیا ہے:

"ولدی الاعز ماحی الفتنہ جعلہ المولیٰ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین۔"

کسی خط میں یوں لکھا ہے:

"ولدی الاعز المکین مولانا المکرم ذی العلم المتین جعلہ کاسمہ ظفر الدین۔"

مثل مشہور ہے: الولد سر لابیہ "ملک العلماء نے دنیا کو دکھا دیا کہ وہ اپنے روحانی باپ کے علمی ورثہ کے سچے محافظ ہیں۔

دین کی تبلیغ اور جہاد بالقلم میں وہ اعلیٰ حضرت محقق فاضل بریلوی کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابوں کی زمانے بھر میں دھوم ہے۔ بڑے درجات کے نصابات میں ان کی تصانیف پڑھائی جارہی ہیں۔ برصغیر ہندو پاک میں غالباً وہ واحد عالم ہیں، جنھوں نے خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطہ نظر سے ہندوستان میں پہلا مکمل مجموعہ احادیث ترتیب دیا، جو الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری کے نام سے عوام اہلسنت کے ہاتھوں میں پہنچا۔

ملک العلماء سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ مدار الملک سید ابراہیم غزنوی چھٹی پشت میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت سید عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملک العلماء کے اجداد آٹھویں صدی ہجری میں غزنی سے ہجرت کرکے ہندوستان پہنچے۔ اس وقت ہندوستان کے تخت پر فیروز شاہ براجمان تھے۔ باپ دادا زندگی بھر جہاد بالسیف کرتے رہے۔ لیکن ان کا یہ سپوت قلم لے کر اٹھا اور دنیائے سنیت کو ایسی ایسی نادر تصانیف عطا کیں، جو آج بھی دینی اور علمی حلقوں میں عزت سے دیکھی جاتی ہیں۔

سن ۱۳۰۳ھ کے عاشورہ محرم کی صبح صادق کو ملک عبدالرزق کے آنگن میں ایک سورج طلوع ہوا۔ والد ماجد نے بیٹے کا نام غلام حیدر اور مختار احمد رکھا۔ لیکن گھر کے دوسرے بزرگوں کی فرمائش پر محمد ظفیر الدین کے نام سے پکارے جانے لگے۔ آگے چل کر جب وہ بریلی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شاگردی میں آئے، تو ظفیر الدین سے ظفر الدین ہوگئے اور آخر دم تک اسی نام سے پہنچانے گئے۔ تاریخ ولادت عیسوی سن کے حساب سے ۱۹ ر اکتوبر ۱۸۸۰ء ہے اور مقام ولادت رسول پور، میجرا ضلع پٹنہ، بہار اسٹیٹ ہے۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔

جب ملک العلماء چار سال چار ماہ چار دن کے ہوئے، تو خاندان سادات کے دستور کے مطابق ان کی تسمیہ خوانی ہوئی۔ ایک بڑے بزرگ چاند شاہ صاحب نے بسم اللہ پڑھائی اور اس کے ساتھ ہی یہ سیدزادہ مدینۃ العلم ﷺ کی علمی وراثت کی شاہراہ پر چل پڑا۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد نے دی، پھر گھر پر ہی رہ کر مختلف اساتذہ بشمول حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے قرآن مجید اور اردو فارسی کی کتابوں کا درس لیا۔ ماموں کی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں موضع بین گئے۔ تو وہاں کے اعزاء نے آگے کی تعلیم کے لئے وہیں روک لیا۔ یہاں مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں عربی کی تعلیم اپنے وقت کے عالم اجل مولوی ابراہیم سے حاصل کی۔ اب تک کم وبیش ایک درجن اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کر چکے تھے۔ اسی دوران پتہ چلا کہ عظیم علمی مرکز عظیم آباد پٹنہ سٹی میں حنفیہ نام کا ایک مدرسہ ہے، جہاں حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی درس وتدریس کے آسمان پر علم وفضل کا سورج بن کر چمک رہے ہیں۔ خود بھی روشن ہیں اور زمانے کو بھی روشن کررہے ہیں۔ مدرسہ حنفیہ میں محدث سورتی سے درس حدیث لیا۔ پر آپ کانپور چلے آئے اور وہاں کے تین مدارس کے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ یہاں سے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے بانس بریلی پہنچے اور وہاں مدرسہ مصباح التہذیب میں فاضل دیوبند مولوی غلام یاسین صاحب کے درس میں شریک ہوئے۔

حصول علم کے اس طویل سفر میں سیدزادے نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا، مگر ابھی پیاس باقی تھی۔ اس وقت دنیائے سنیت میں شیخ فاضل بریلی امام احمد رضا کا دور دور تک شہرہ تھا۔ اعلیٰ حضرت کے علم وقلم کی مقناطیسی طاقت نے انھیں اپنی طرف کھینچا اور وہ

ان کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر بہت مایوس ہوئے، کہ ان کے مرکز عقیدت اعلیٰ حضرت کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ان سے تکمیل درس کریں۔ دوسری مشکل یہ تھی، کہ اس وقت تک بریلی میں کوئی مدرسہ بھی نہ تھا۔ مگر سید زادہ اپنی دھن کا پکا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں اور اعلیٰ حضرت کے بڑے بیٹے مولانا حامد رضا خان اور دوسرے معزز اہل علم اصحاب کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھے اور ۱۹۰۴ء میں محلہ سوداگران میں مدرسہ منظر اسلام کی بنیاد ڈال دی۔ مدرسہ کا افتتاح صرف دو طلبہ سے ہوا۔ جن میں سے ایک مولانا سید ظفر الدین خود اور دوسرے ان کے ہم وطن اور دوست مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی مدرسہ کے افتتاح کے ساتھ ہی مولانا ظفر الدین کے ایک دیرینہ خواب کی تکمیل شروع ہوئی۔ یعنی انھوں نے اعلیٰ حضرت سے صحیح بخاری کا درس اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کر دی۔ فاضل بریلوی سے انھوں نے علم ہیئت، ریاضی، توقیت، جفر و تکسیر اور تصوف کی کتابوں مثلاً عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس بھی لیا۔

پھر وہ دن بھی آ گیا، جو دین کے ہر طالب علم کے لئے اس کے خوابوں کی تعبیر کا دن ہوتا ہے۔ ۱۳۲۵ ہجری کا ماہ شعبان المعظم، علماء و مشائخ کا ایک بڑا مجمع، چشتی مشرب کے ایک مشہور بزرگ شیخ العالم حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہ کی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت مخدوم شاہ التفات احمد نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی فرمائش پر مولانا سید ظفر الدین کے سر پر فضیلت کا تاج رکھا اور نہایت شفقت سے سند تدریس و افتاء مرحمت فرمائی۔ سونے پر سہاگہ تب ہوا، جب اسی سال اعلیٰ حضرت نے مارہرہ مطہرہ سے حاصل شدہ نسبت کے ایک حصہ کے طور پر آپ کو اپنے سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور ملک العلماء، فاضل بہار کے خطاب سے سرفراز کیا۔

اب تک سید زادہ پڑھ رہا تھا۔ دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد پڑھانے کے میدان میں قدم رکھا۔ تدریسی زندگی کی شروعات مدرسہ منظر اسلام، بریلی سے ہوئی۔ چار سال تک اپنی مادر علمی کی خدمت کرنے کے بعد ملک العلماء مدرسہ حنفیہ، ضلع شاہ آباد، بہار تشریف لے گئے۔ جہاں کئی سال تک پڑھاتے رہے۔ سن ۱۹۱۲ عیسوی میں عظیم آباد میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ قائم ہوا، تو ملک العلماء کا تقرر مدرس اول کی حیثیت سے عمل میں آیا۔ آپ وہاں تفسیر و حدیث و فقہ کا درس دینے لگے۔ چار سال بعد آپ سہسرام، ضلع شاہ آباد، بہار کے مدرسے میں صدر مدرس بن کر چلے گئے اور وہاں پانچ چھ سال رہے۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ حکومت بہار کے ماتحت ادارے کی حیثیت سے نشاۃ ثانیہ کے عمل سے گزرا۔ تنظیم جدید کے ماتحت نئی تقرریاں ہوئیں، تو ملک العلماء سینئر مدرس ہو کر آ گئے اور آزادی ہند کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۴۸ء میں آپ اس ادارے کے پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ درس و تدریس کا یہ سفر ۱۹۵۰ء میں اپنے اختتام کو پہنچا، جب ملک العلماء تیس سالہ علمی خدمات انجام دینے کے بعد سبکدوش ہوئے۔

سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ ملک العلماء کیلئے ایک طرف جہاں ذہنی سکون و اطمینان قلب کا پیغام لایا۔ وہیں فرصت کے حسین لمحات بھی۔ اب دینی و علمی مشاغل کے لئے وقت ہی وقت تھا۔ پڑھنے پڑھانے کا یہ سلسلہ بھی کسی حد تک جاری رہا۔ کٹیہار ضلع پورنیہ (بہار) میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ پھر بھی وہاں کوئی اچھا دینی مدرسہ نہیں تھا۔ ملک العلماء نے شاہ شاہد حسین عرف دد گاہی میاں کی فرمائش پر وہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا اور وہاں کے صدر مدرس کا اہم عہدہ سنبھالا۔ علم کے پیاسے آتے رہے

اور علم کے سمندر سے اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ کتنوں نے فیض اٹھایا، اس کا کوئی حساب نہیں۔

دینی و علمی سرگرمیوں میں جوانی کس وقت بڑھاپے میں بدل گئی، اس کا پتہ ہی نہ چلا۔ بڑھاپا آیا ضرور، مگر ملک العلماء نے اسے اپنے اوپر حاوی ہونے نہیں دیا۔ مدرسے کی انتظامیہ ذمہ داری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ آپ روزانہ چھ گھنٹے درس دیتے۔ تفسیر مدارک، بیضاوی شریف، بخاری، مسلم، ہدایہ آخرین اور مناظرہ رشیدیہ جیسے کلیدی مضامین کی تدریس ملک العلماء نے اپنے ذمہ رکھی تھی۔ درس و تدریس اور مدرسے کی نظامت سے جو وقت بچتا، وہ فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف اور تبلیغ کی نذر ہو جاتا۔

ملک العلماء کے لائق و فائق فرزند ڈاکٹر مختار الدین احمد، سابق صدر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ لکھتے ہیں:

"مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (ملک العلماء) آریہ ساجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کیلئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرہ کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کیے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔"

ملک العلماء کی حیاتِ ظاہری کے ۵۵ سال مسلسل تدریس میں گزرے۔ بریلی، سہسرام، پٹنہ۔ کٹیہار (پورینہ)۔ آرا کے مدارس میں ہزاروں طالبانِ علم کو اپنی علمی فیوض سے سیراب کیا۔ پڑھنے پڑھانے کے ساتھ ساتھ افتاء و مواعظ کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا اور ان ساری مصروفیات کے جلو میں ستر سے زیادہ کتابوں کی تصنیف و تالیف! کیا اسے ایک سیدزادے کی کرامت نہیں کہیں گے؟ ان کے فرزند ڈاکٹر مختار الدین لکھتے ہیں:

"ملک العلماء عرصہ سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی عبادت و ریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی۔ نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق۔ زندگی کے آخر دن تک وہ علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔ شب دوشنبہ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ/۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ اللہ کرتے انھوں نے اپنی جان جان آفرین کو سپرد کی۔ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔"

ملک العلماء کی نماز جنازہ ان کے مرشد اجازت حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین، خانقاہ اسلام پور، ضلع پٹنہ نے پڑھائی۔ شاہ صاحب سے ملک العلماء کو فردوسی، شطاری، سہروردی اور کچھ مزید سلسلوں میں خلافت و اجازت حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا محقق بریلی نے ملک العلماء کو ان چودہ نانوادوں کی خلافت و اجازت مرحمت فرمائی تھی، جو اعلیٰ حضرت کو ان کے پیر و مرشد حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی اور خاتم الاقطاب مارہرہ مطہرہ حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ سے عطا ہوئے تھے۔ اعلیحضرت کے دل میں ملک العلماء کی بے حد قدر و منزلت اور محبت تھی۔ ملک العلماء کے نام اپنے ایک مکتوب میں امام عشق و محبت یوں رقم طراز ہیں:

از بریلی، ۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ولدی الاعز مولانا مولوی سید محمد ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جن امور میں ہوں، اگر آپ کو تفصیل معلوم ہو، تو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے۔ مگر آپ کی یاد دل کے ساتھ ہے۔ جو عظیم ساعت میسر ہوئی محض عطائے الٰہی تھی۔ اس میں یہ نقوش تیار کیے، جو مرسل ہیں۔۔۔۔۔۔ ان میں دو نقوش میں مکتوب الیہ کے نام کے اعداد بھی داخل کیے جاتے ہیں۔ وقت بہت قلیل تھا صرف پندرہ نام اس کے لئے تجویز کیے ان میں ایک آپ کا بھی نام تھا۔ نقوش حاضر ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ مبارک فرمائے۔۔۔۔۔ والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

اعلیٰ حضرت نے اپنے اکثر خطوط میں شہزادہ حضور غوث اعظم سے اپنے لیے اس طرح دعائے خیر کروائی ہے:

اس فقیر نا کارہ کے لیے عفو عافیت دارین کی دعا فرمائیں، فقیر آپ کی لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔"

اس چہیتے شاگرد کا استاد محترم کی نظروں میں کیا مقام تھا، اس کا اندازہ اس مکتوب سے لگایئے، جو اعلیٰ حضرت نے ان کے بارے میں خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو اپنی رحلت سے بارہ سال پہلے ۵ شعبان المکرم ۱۳۲۸ھ کو تحریر کیا:

"۔۔۔۔ مکرمی مولانا مولوی سید ظفر الدین قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا میں سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا:

(۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔
(۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔
(۳) مفتی ہیں،
(۴) مصنف ہیں،
(۵) واعظ ہیں،
(۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں،
(۷) علمائے زمانہ میں علم و توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔۔۔

فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انھیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔"

سبحان اللہ کتنی اپنائیت کتنی شفقت ہے اس مکتوب میں، اپنے دور کا عظیم روحانی پیشوا اپنے شاگرد کو کتنے بھاری بھرکم انداز میں متعارف کرا رہا ہے!! کتنا ناز ہے استاد کو اپنے شاگرد پر!!!

اعلیٰ حضرت قدس سرہ تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل اپنے قصیدہ "الاستمداد" میں ملک العلماء کے بارے میں فرماتے ہیں:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے   اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اس قصیدے میں اپنے سارے خلفاء اور تلامذہ کا ذکر کر کے آخر میں ان سبھوں کے لئے یوں دعائے خیر فرماتے ہیں:

ان پر کرم رکھ، سر پہ قدم رکھ — تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے گدا ہیں، تجھ پہ فدا ہیں — تیرا ہی کھاتے گاتے یہ ہیں

خانوادہ رضا کی شفقت اور نوازش اس سید زادے پر اس قدر تھی کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

''میں آپ کا بریلی رہنا دل سے چاہتا ہوں، کسی طرح ہو۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات اور سوانح کی تیاری کے لئے۔ آپ کو اگر کار تدریس سپرد کیا گیا، تو آپ کا بہت وقت اسی کی نذر ہو جائے گا، اس لئے یہ چاہتا ہوں کہ زیادہ وقت تو آپ کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات کے مسودات کی تبییض وغیرہ میں صرف ہو اور ایک دو سبق حدیث کے بھی پڑھا دیں، تاکہ مدرسہ بھی آپ کے فیض سے مستفیض ہو۔ رہنے کے لئے یہی گھر ہے، یا یہ ممکن ہے کہ مرزا جی کا مکان درست کرا دیا جائے۔ کھانا جو پکے گا، حاضر کیا جائے گا۔ جیسا آپ اپنے زمانہ قیام میں ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ اس کھانے اور مکان کے ساتھ آپ اپنے لئے کتنا وظیفہ پسند کرتے ہیں، وہ لکھئے اور اگر کھانا مکان کا انتظام آپ خود کرنا چاہیں، تو کیا وظیفہ ہو، وہ لکھئے ۔۔۔''

ملک العلماء نے قلم کا سفر ۱۳۲۲ھ میں شروع کیا، جو تقریباً پچاس پچپن سال یعنی ان کی رحلت تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے متعدد فنون اور موضوعات مثل حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر، مناظرہ وغیرہ پر ستر سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ان میں سب سے مشہور کتاب ''الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری'' ہے۔ اس کتاب کا مختصر تعارف کراتے ہوئے، ملک العلماء کے فرزند سید ڈاکٹر مختار الدین یوں رقم طراز ہیں:

''ہندوستان کے مدارس اسلامیہ میں عام طور پر صحاح ستہ مشکوۃ المصابیح اور بلوغ المرام وغیرہ کا درس دیا جاتا ہے۔ درس نظامی میں بھی یہی کتب احادیث رائج ہیں۔ ان کے مؤلفین شافعی المسلک ہیں اور ان کتابوں میں زیادہ تر وہی احادیث ملتی ہیں۔ جو شافعی مسلک کی مؤید ہیں۔ ان میں مختلف فیہ مسائل کے متعلق وہی روایت درج کی گئی ہیں، یا ان کو ترجیح و تقدیم دی گئی ہے، جو ان محدثین کے مسلک کی مؤید تھیں۔ اس طرح غیر منقسم ہندوستان میں کئی صدیوں تک شافعی علماء کے تیار کردہ احادیث کے مجموعوں کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی۔

ملک العلماء فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا، جو مؤید مسلک اہل سنت و احناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ و مصدر۔ انھوں نے وہ تمام روایات جمع کیں، جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو، جس کی سند استشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو۔ مختصر لفظوں میں، ہم کہہ سکتے ہیں صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔''

ملک العلماء کا ایک اور عظیم الشان قلمی کارنامہ ہے۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' جو مجدد دین وملت امام احمد رضا محقق بریلی قدس سرہ
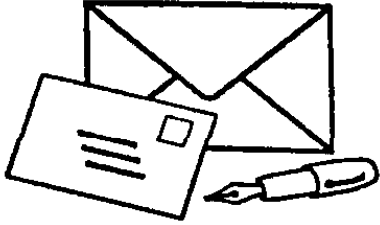
جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ فخر الازہر
حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قادری رضوی،
مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف

جہان ملک العلماء کی ترتیب اور اس کی طبع کا علم ہوا، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل، اس کے مضامین صحیحہ نافعہ سے لوگوں کو فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
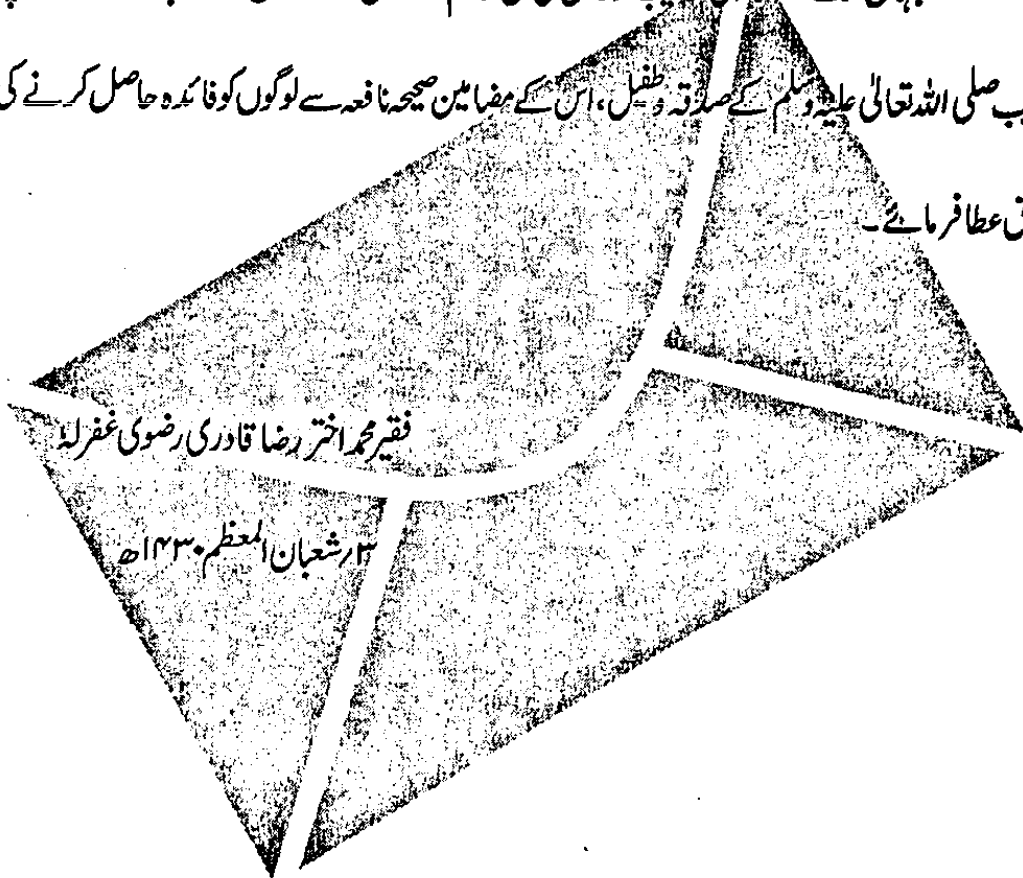
فقیر محمد اختر رضا قادری رضوی غفرلہٗ
۱۲ر شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

امین ملت پروفیسر حضرت سید شاہ محمد امین قادری برکاتی

زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف

چشم و چراغ خاندان برکات امام اہلسنت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بافیض بزرگ تھے۔ان کے علمی فیوض کے سمندر سے بہت سے دریا رواں ہوئے۔صدر الشریعہ مفتی امجد علی قادری رضوی، صدر الافاضل مولٰینا سید نعیم الدین مرادآبادی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان قادری برکاتی، مفتی اعظم محمد مصطفٰی رضا خان قادری برکاتی نوری، شیر بیشۂ اہلسنت مفتی حشمت علی خان پیلی بھیت، سیاح عالم مولٰینا عبدالنعیم صدیقی میرٹھی، برہان ملت مفتی برہان الحق جبلپوری، محدث اعظم سید محمد اشرفی رضوی کچھوچھوی یہ سبھی حضرات اپنے آپ میں علم کا سمندر تھے، جن کے سوتے اعلیٰحضرت احمد رضا کی بحر اعظم سے پھوٹے تھے۔انہیں میں ایک ممتاز شخصیت ملک العلما فاضل بہار مولٰینا محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی تھی۔بچپن سے ہم نے ان کا چرچہ سنا۔ان کی حیات اعلیٰحضرت کا تذکرہ بارہا حضرت مرشد برحق تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ بھی اکثر فرماتے جن کی کئی مکاتیب اس مجموعے میں بھی شامل ہے۔علم توقیت میں ان کی مہارت بھی مسلم تھی۔مجھے خوب یاد ہے کہ بارہا حضرت تاج العلما نے ان سے مارہرہ شریف کے اوقات صلوٰۃ مرتب کرنیکی خواہش کی تھی اور انہوں نے تاج العلما کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مارہرہ کے لئے بھی 'مؤذ الاوقات' تحریر فرمایا تھا۔ان کی یادوں کے بہت سے گوشے ذہن و دماغ میں محفوظ ہیں۔لیکن انہیں قلم بند کرنے کے لئے جس فرصت کی ضرورت ہے، وہ عنقا ہے۔فقیر ایک لمبے سفر پر روانہ ہو رہا ہے اور بہت عجلت میں یہ چند کلمات سپرد قلم کر رہا ہوں۔

سید محمد امین

حضرت الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں صاحب سبحانی میاں

صاحب سجادہ آستانۂ رضویہ، بریلی شریف

نحمده ونصلي على حبيبه الكريم. اما بعد.

فقیر قادری کے لئے یقیناً یہ خبر انتہائی فرحت اثر ہے کہ "انجمن برکات رضا ممبئی" نے خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ حضرت مولانا الحاج سید سراج اظہر صاحب کی سرپرستی میں سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ممتاز شاگرد اور خلیفہ خاص جن کو خود اعلیٰ حضرت نے "ولدی الاعز" اور "جان سے بہتر" جیسے باعظمت اور قابل فخر کلمات سے یاد فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے جنہیں اپنی صحبت علم سے نواز کر اور علم وفن کا تاج پہنا کر دنیائے علم وحکمت میں مشہور ومتعارف کرادیا۔ یعنی حضور ملک العلماء، مخدوم اہل سنت، پیکر علم وفن، شیدائے اعلیٰ حضرت، محسن سنیت، حضرت علامہ شاہ سید محمد ظفرالدین قادری رضوی عظیم آبادی (پٹنہ) علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات مبارکہ اور خدمات دینیہ پر "سلسلۂ کار" کا آغاز ہو چکا ہے۔ حضرت ملک العلماء صرف ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک "عظیم جہان" ہیں۔ جس میں درجنوں جہان گم ہیں، ان کو سمجھنے اور ان تک پہونچنے کے لئے بڑے علم ودانائی کی ضرورت ہے۔ ان کی ذات خاص کے جس پہلو پر قلم اٹھایا جائے گا ایک عالم آباد نظر آئے گا۔

یادگار اعلیٰ حضرت، مرکز اہل سنت، جامعہ منظر اسلام بریلی شریف کے قیام میں بھی حضور ملک العلماء کی پرخلوص کوششوں کا عمل دخل ہے۔ ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں منظر اسلام-۱۳۲۲ھ قائم ہوا اور حضرت ملک العلماء نیز موصوف کے ایک ہم وطن دوست حضرت مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی سے مدرسہ منظر اسلام کا افتتاح ہوا۔ ان حضرات نے بہار خطوط لکھ کر مدرسے کے قیام کی اطلاع دی اور دوستوں کو بریلی شریف بلایا۔ ان کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ تک بہار کے مختلف مقامات سے غلام مصطفیٰ محمد ابراہیم اوگانوی، سید شاہ غلام محمد بہاری، سید عبدالرحمٰن بیتھوی، مولوی محمد اسمٰعیل بہاری، محمد نذیر الحق رمضان پوری اور کچھ دوسرے طلباء بہار سے آکر مدرسہ منظر اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ (حیات ملک العلماء، ص ۱۳)

حضرت ملک العلماء گوناگوں حیثیات کی حامل ایک عبقری شخصیت کا نام ہے۔ یقیناً وہ ان بلند پایہ اور مقبول ہستیوں میں سے ہیں، جن کا تعارف بھی سنیت کی اہم خدمت ہے۔ "جہان ملک العلماء" کا اجمالی خاکہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارہ ابواب پر مشتمل ایک زبردست علمی کارنامہ انجام پانے والا ہے لہٰذا اس مبارک اور علمی آغاز پر نیز "جہان ملک العلماء" کی ترتیب پر فقیر قادری دلی مسرتوں کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ رب الانام میں دعا گو ہے کہ رب قدیر بطفیل رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس پرخلوص کاوش کو قبول فرمائے اور مرتب وسرپرست، معاونین وحامیین نیز جملہ اراکین انجمن کو بزرگوں کا فیضان عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔ ☆☆☆

یوں تو آپ کے اساتذہ میں حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری علیہما الرحمہ جیسے اساتذہ فن کے اسماء گرامی نظر آتے ہیں لیکن جو کچھ آپ نے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی بارگاہ سے حاصل کیا اس نے آپ کو آسمان علم وفن کا آفتاب ومہتاب بنا دیا۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے آپ نے بخاری شریف، اقلیدس، تشریح الافلاک، شرح چغمینی، علم ہیئت ریاضی، توقیت وتکسیر، عوارف المعارف اور رسالہ قشریہ کا درس لیا، نیز فتویٰ نویسی کی تربیت بھی حاصل کی۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی صحبت اور آپ کی تربیت نے فاضل بہاری کے اندر وہ خوبیاں پیدا کر دیں، جس نے آپ کو اپنے معاصر علماء میں ممیز اور ممتاز کر دیا تھا۔

آپ کن خوبیوں کے مالک تھے، اپنے الفاظ میں اگر کہوں، تو اتنا وزن نہ ہوگا، آئیں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے الفاظ میں فاضل

عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اسکے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا، کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا!!!

سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں...... عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں...... مفتی ہیں...... مصنف ہیں...... واعظ ہیں...... مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں...... علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے رواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علما، بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کیلئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔

فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کیلئے پیش کرتا ہے"۔ (مکتوبات)

مکتوب کی آخری سطر سے اعلیحضرت کی بارگاہ میں آپ کے مقام کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی آپ پر نہایت شفیق اور آپ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ اسکا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جس میں اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے فاضل بہاری کو "حبیبی ...... ولدی...... قرۃ عینی...... ولدی اعزک اللہ فی الدنیا والدین...... ولدی الاعز حامی السنن ماحی الفتن...... جان پدر" جیسے الفاظ سے یاد کیا اور نظم میں آپ کیلئے یوں دعا فرماتے ہیں!!

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے   اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

تدریس، مواعظ اور فتویٰ نویسی کے علاوہ ستر سے زائد کتب تصنیف فرمائیں، مگر افسوس! کہ یہ تمام کتب شائع نہ ہو سکیں اور جو چھپیں ان میں سے بھی بہت کم مارکیٹ اور لائبریوں میں دستیاب ہیں۔ اس خصوصی نمبر "جہانِ ملک العلماء" کا اجرا کرنے والے خلیفۂ حضور مفتی اعظم حضرت مولانا سید سراج اظہر نوری رضوی و اراکین انجمن برکات رضا ممبئی، اس اشاعت خصوصی کے بعد موصوف کی تصانیف کی اشاعت کا اگر بیڑہ اٹھائیں، تو میں سمجھتا ہوں، یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔ نیز میں "جہانِ ملک العلماء" کی اشاعت پر سراج ملت اور اراکین انجمن کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

شہزادۂ ملک العلماء پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب
سابق وائس چانسلر مظہر الحق، عربی و فارسی یونیورسٹی، پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ و سلما

مجھے اس اطلاع سے بے حد مسرت ہوئی کہ انجمن برکات رضا ممبئی، سراج ملت مولانا سید سراج اظہر قادری صاحب کے زیر ہدایت حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۸۸۰-۱۹۶۲ء) کی حیات و خدمات علمیہ کے موضوع پر اہم مقالات، قیمتی تحریرات اور نادر خطوط و دستاویزات کا ایک ضخیم مجموعہ "جہان ملک العلماء" مرتب کر کے شائع کر رہی ہے۔

قابل ستائش ہیں وہ اصحاب جو اپنے اسلاف کو نہیں بھولتے، انہیں یاد رکھتے ہیں، انہیں یاد رکھنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنتے ہیں اور "نام نیک رفتگاں ضائع مکن" پر ہمیشہ عمل پیرا رہتے ہیں۔

حضرت ملک العلماء کے وصال کو اب تقریباً پچاس سال ہو رہے ہیں، اس طویل عرصے میں نہ ان کی زندگی اور کارناموں پر کسی رسالے کا خصوصی نمبر شائع ہوا، نہ ان پر کوئی جامع مبسوط کتاب لکھی گئی، نہ ان کی بیش بہا مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کی اشاعت کی طرف مناسب توجہ کی گئی۔ اس سلسلے میں یہاں وہاں کچھ کام ضرور ہوا لیکن تشنگان علم کو اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ مقام شکر امتنان ہے کہ انجمن برکات رضا، ممبئی، حضرت ملک العلماء کی زندگی اور ان کی علمی کوششوں پر ایک قیمتی مجموعہ مضامین شائع کر رہی ہے۔

مجھے حضرت سراج ملت سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں اور نہ میں نے یہ مجموعۂ مضامین دیکھا ہے کہ یہ زیر طباعت ہے، لیکن یقین کامل ہے کہ جو کام انجمن برکات رضا، حضرت سراج ملت کی نگرانی میں کرے گی وہ ہر طرح معتبر، مستند اور قابل تحسین ہوگا۔

دعا ہے کہ اس علمی و دینی کاوش کو قبول عام حاصل ہو اور خدائے عز و جل مرتبین اور ان کے رفقائے کار کو جن کی توجہات اور مساعی جمیلہ سے وقیع کارنامہ منظر عام پر آرہا ہے، اجر جزیل عطا فرمائے۔

مختار الدین احمد

مفسر قرآن حضرت علامہ مولانا محمد فیض احمد اویسی صاحب رضوی
جامعہ اویسیہ رضویہ سیرانی مسجد، بہاولپور، پاکستان
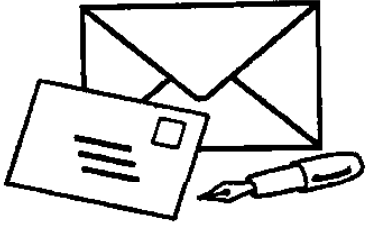
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین امّا بعد۔

فاضل محتشم پاسبان مسلک اعلیٰحضرت علامہ محمد حسن علی رضوی (میلسی) وعزیزم مولانا محمد حامد سرفراز قادری رضوی کے ذریعے یہ خوشخبری ملی، کہ میرے سرکار سیدی اعلیٰحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہاری علیہ الرحمۃ الباری پر خصوصی نمبر بنام "جہان ملک العلماء" شائع کیا جارہا ہے۔ فقیر چونکہ گذشتہ ایک سال سے زائد عرصہ ہوا صاحب فراش ہے لکھنے پڑھنے سے قاصر ہے، جی چاہتا تھا، کہ حضرت ملک العلماء نمبر کے لئے یک طویل مضمون لکھوں، مگر کمزوری کے باعث لکھنا مشکل ہے، یہ چند الفاظ بھی ولدی العزیز محمد فیاض احمد اویسی قادری سلمہٗ کے ذریعے لکھ دیئے ہیں۔ دعا کرتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ آپ جملہ احباب کو اپنے مشن میں کامیاب فرمائے اور یہ خاص نمبر عوام وخواص میں مقبول ہو۔ آمین بحرمت سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

والسلام

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری

۲۲ رجب ۱۴۳۰ھ

مخدوم اہلسنت حضرت علامہ ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی

امیر جماعت رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، پاکستان

اخوان طریقت،   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بستر علالت پر یہ مژدہ جانفزا سنا، کہ خلیفہ حضور مفتی اعظم سراج ملت حافظ مولانا سید سراج اظہر رضوی نوری، خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور ملک العلما فاضل بہاری علیہ الرحمہ کے احوال گرامی پر ایک ضخیم ومفید وجامع مواد منظر عام پر لا رہے ہیں۔ مجھے روحانی مسرت ہے اور فقیر آپ کی کامیابی کے لئے دعا گو ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پابندی از حد لازم وضروری ہے، ازرہ کرم کسی قسم کی تصاویر شائع نہ کی جائیں۔ ہم اہلسنت کے عالمی ترجمان ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ میں آپ کی اس کاوش پر مفصل تبصرہ شائع کریں گے۔ فقیر کی صحت کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔ حضرت ملک العلماء رسالہ رضائے مصطفیٰ کے بہت قدرداں تھے۔

فقط والسلام

تلمیذ ملک العلماء حضرت مفتی بلال احمدی نوری صاحب

شیخ الحدیث جامعہ قادریہ اشرفیہ ممبئی
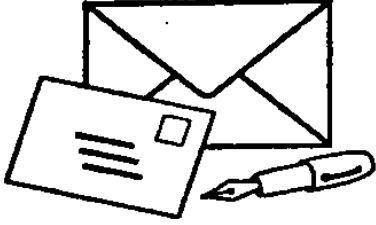
کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

پیر طریقت ناشر مسلک اعلیحضرت خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند، سراج ملت حضرت علامہ الحاج سید سراج اظہر قادری نوری برکاتی بانی وسربراہ اعلیٰ دار العلوم فیضان مفتی اعظم ممبئی کا ارسال کردہ دعوت نامہ حکم نامہ موصول ہوا۔ شوق بڑھا، ذوق مچلا، لفافہ کھول کر دیکھا۔ مکتوب اور جہانِ ملک العلماء کا تھا کہ پڑھتے ہی دل جھوم اُٹھا، سرور وکیف کے بادل چھا گئے، امید ویاس کی برکھا یقین وایقان کا ابرکرم بن کر رم جھم رم جھم برسنے لگی کہ دنیائے سنیت کی وہ عظیم ترین علمی وفنی ذات جن پر اعلیحضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ ناز کرتے تھے۔ ان کے معاصرین ان پر فخر سے سر اونچا کرتے تھے کہ خیابانِ رضا کی شمع درخشاں حضور ملک العلماء ہمارے درمیان موجود ہیں۔ آج بھی گلستانِ رضا کا ہر ہر پھول ان کی خوشبوؤں سے معطر ہے۔ جو خلفائے اعلیحضرت میں سب سے زیادہ کثیر التصانیف ہیں، جن کو اعلیٰ حضرت نے ملک العلماء کے لقب سے ملقب کیا۔ جن کو ولدی الاعز جانِ پدر بلکہ از جان بہتر مولانا ظفر کہا، جن سے اعلیٰ حضرت نے خود کیلئے دعا کرائی۔ افسوس کہ ویسی بلند قامت، پُرعظمت علمی شخصیت کو لوگوں نے فراموش کر دیا تھا۔

مگر لائق صد تحسین ہیں سراج ملت جنہوں نے اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اور رضویات کیلئے تن من دھن نچھاور کر دیا ہے۔ جن کا اوڑھنا بچھونا مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے، جو سراپا فیضان اعلیٰ حضرت ہے، جن کا وجود مسعود سرکار مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کی منھ بولتی تصویر ہے۔ قابل مبارکباد ہیں سراج ملت کہ انہوں نے دنیائے سنیت کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ نایاب تحفہ دیا ہے اور دیتے رہتے ہیں۔ بروقت حضور ملک العلماء کی ذات اور علمی خدمات پر مشتمل ضخیم وعظیم علمی دستاویز بنام **"جہان ملک العلماء"** دے رہے ہیں۔ یقیناً یہ مجلہ عصر حاضر اور مستقبل میں آنے والی نسلوں کیلئے ایک عظیم مشعلۂ راہ رضویات ثابت ہوگا۔ جن کی پُرنور شعاؤں سے عشق وایمان' قلوب واذھان مستنیر ہو جائیں گے اور یہ ہمارے اسلاف کے کارہائے جلیلہ کو نگاہوں میں سمیٹ کر ہماری نسلوں کو اسلام وسنیت کا سپوت بنانے میں معین ومددگار ثابت ہوگا۔

مولائے قدیر حضرت سراج ملت کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد
شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی
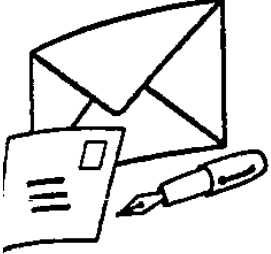
پیشوائے اہل سنت، محترم جناب علامہ سید سراج اظہر صاحب نوری رضوی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر کو یہ معلوم ہوکر بہت مسرت ہے کہ انجمن برکات رضا نے آپ کی سربراہی میں ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین البہاری رحمۃ اللہ [علیہ کی] حیات وخدمات، تصنیفات وتالیفات اور فیوض وبرکات پر مشتمل ایک مبسوط تذکرہ "جہان ملک العلماء" شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اہل علم کے [حلقوں کو] اس یادگاری تذکرہ کا طویل عرصہ سے انتظار ہے اور اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔

ملک العلماء کے بارے میں ڈاکٹر حسن رضا اعظمی رقمطراز ہیں:

"منظر اسلام کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا شبیر احمد علیگڑھی تلمیذ رشید حضرت مفتی لطف اللہ علیگڑھی سے بھی آپ [نے] اکتساب فیض کیا۔ صحیح بخاری ومسلم از اول تا آخر آپ نے فاضل بریلوی سے پڑھی۔ ۱۳۲۵ھ میں فاضل بہاری اور مولانا عبدالرشید صاحب عظیم [آبادی] جو اس مدرسہ کے سب سے پہلے طالب علم تھے، ان کی دستار بندی ہوئی۔ فاضل بہار اس مدرسہ میں مدرس مقرر کر لئے گئے۔" (معارف [رضا] ۱۹۸۹ء ص: ۲۳۰)

اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں ہے کہ فاضل بہاری اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے حضرت مجدد دین وملت امام اہل سنت فاضل بریلوی [علیہ] الرحمۃ والرضوان کے منظور نظر تھے۔ اسی وجہ سے ان پر اہل سنت فخر کرتے ہیں۔ ان کی بیش بہا تصانیف بہترین علمی سرمایہ ہیں۔ جن کی اشاعت [عام] کرنے کی ضرورت ہے۔

مجھے یقین ہے کہ انجمن برکات رضا کی اس علمی خدمت کو عالمی پیمانہ پر گرم جوشی کے ساتھ سراہا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے [قبول] فرمائے اور علامہ بہاری کو جنت الفردوس میں رحمت کاملہ سے نوازے۔ آمین۔

والسلام

دستخط ومہر

خلیفہٴ مجاز سیدنا ملک العلماء حضرت علامہ محمد حسن علی رضوی بریلوی میلسی
مہتمم جامعہ رضویہ انوار القادریہ، میلسی

فقیر قادری گدائے رضوی کو عزیزم مولینا محمد حامد سرفراز قادری رضوی سمندری مخلصم محب محترم عبد الرزاق صاحب رضوی سلمہٗ نے اچانک بروقت یہ مژدہ جانفزاء سنایا اور بشارت روح افزاء سے مطلع فرما کر شاد شاد کیا، کہ فقیر کے شیخ اجازت وخلافت اور خلیفہٴ اعلیٰ حضرت سیدی سندی ملک العلماء شمس الفضلاء علامہ الشاہ محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی فاضل بہاری قدس سرہٗ العزیز کی یاد میں ایک طویل وضخیم جامع یادگار نمبر بنام ”جہان ملک العلماء“ منظر عام پر لایا جارہا ہے۔ اس باب میں فاضل محتشم مجاہد سنیت مبلغ مسلک اعلیٰ حضرت مولینا سید سراج اظہر صاحب قادری رضوی اور انجمن برکات رضا ممبئی کی [illegible] صد تحسین وآفرین ہے۔ حضرت مولینا موصوف [illegible] علماء وفضلاء اور ان کی انجمن کے رفقاء واحباب ومعاونین [illegible] مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مولیٰ عزوجل اپنے حبیب محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ اور مشائخ سلسلہ کی برکت دعا [illegible] اور روحانی تصرف سے مثالی کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر کو حضرت اقدس سیدی ملک العلماء فاضل بہاری قدس سرہٗ نے اپنی خصوصی عنایتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا۔ حضرت ممدوح کے خطوط مبارکہ بھی فقیر کے نام ہیں۔ حضرت ممدوح معظم نے سرکار مفتی اعظم، فقیہ عالم شہزادہ اعلیٰ حضرت قدس سرہما کی طرح اپنی اجازت وخلافت اور اسناد ومرویات سے بھی مشرف فرمایا۔ اگر مجھ فقیر کو ایک ماہ پہلے اطلاع دی جاتی، تو فقیر پندرہ بیس صفحات کا مفصل مقالہ بھی لکھتا اور حضرت سیدی ملک العلماء علیہ الرحمہ کے خطوط کی فوٹو کاپیاں بھی برائے اشاعت حاضر کر دیتا۔

فقیر کی مخلصانہ ملتجیانہ استدعا ہے، اس خاص ایڈیشن اس خاص میگزین میں جو کچھ بھی لکھا جائے، وہ مسلک سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت قدس سرہٗ کے مسلک حق کی حدود قیود میں تحقیقات سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کے زیر سایہ لکھا جائے۔ مولیٰ عزوجل آپ کو اپنے نیک مشن میں کامیاب فرمائے آمین۔ والسلام

محبوب العلماء حضرت مفتی محبوب رضا روشن القادری پوکھریروی
شیخ الحدیث، دارالعلوم فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی ۳
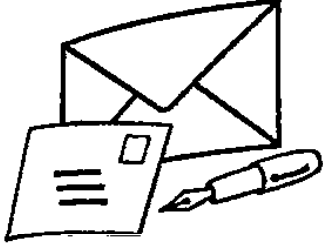
حضرت ملک العلماء کی عبقری شخصیت اور آپ کی ہمہ گیر نا قابل فراموش صلاحیت طلب صادق کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔
اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد اعظم دین وملت امام اہلسنت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کی باکرامت فیاضی کا بادل ان کے مزرع کشتِ علم وعمل پر اس قدر جھوم کر برسا کہ انہیں سلطنت علم ظاہری وباطنی کا تاجدار بنادیا۔ تفسیر وحدیث، فقہ واصول نحو صرف، معانی وبیان، منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ، ریاضی ومعقولات، توقیت وفلکیات، جفر وتکسیر، وغیرہ علوم کے جہاں یہ خورشید تاباں نظر آتے ہیں، وہیں معرفت اسرار میں عالم تجلیاتِ ملکوتی کی سیر کا شہباز دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے شیخ واستاذ شفیق کا کتنا پیارا ہوگا، جسے ولدی الاعز، قرۃ عینی، جان پدر بلکہ از جان بھتر، عزیز بجان وغیرہ کہہ کے پکارا جاتا ہو اور ملک العلماء کے خطاب سے نوازا جاتا ہو۔ مناظر، مفتی، یکتائے روزگار کے القابات اور پیاری پیاری دعاؤں سے سنوارا جاتا ہو، اس فیضان باطنی کا اندازہ کوئی عارف ہی لگا سکتا ہے کہ ایک ایک جملے میں کیا کیا راز ہائے حکمت مضمر تھے۔
مختصر یہ کہ اپنے زمانے کا یہ مہر تاباں بعد رحلت پردۂ سحاب میں چھپا رہا۔ دنیا محض وقت پر ملک العلما کہکر یاد کرلیتی اور آپ کی تصنیفات کی مدد سے اپنی حکمت کی دنیا سجانے میں لگی تھی۔ آپ کے سارے اوصاف جمیلہ صرف اپنے چاہنے والوں کے دلوں تک محدود تھے۔
اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے در افشاں سحاب معرفت، ضیغم رضویت، ناشر مسلک اعلیحضرت سراج ملت خلیفۂ مفتی اعظم حضرت مولینا الحاج الشاہ سید سراج اظہر صاحب رضوی بانی وسربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم وانجمن برکات رضا پھول گلی ممبئی کی عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے اور صحت وتندرستی کی دولت سے سرفراز فرمائے، جنہوں نے 'جہان ملک العلما' کو منظر عام پر لا کر لوگوں کو اس مہر تاباں کے جلوؤں سے مجلیٰ ہونے کا موقع فراہم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مقبول عام فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مفتی محمد منیر برکاتی
کراچی، پاکستان
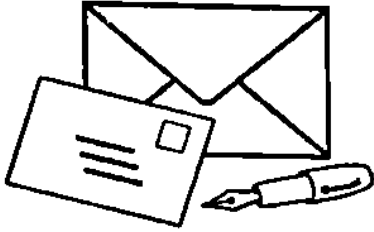
بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

حضرت علامہ مولانا ملک العلماء ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فضائل و برکات مجھ جیسا ناچیز کیا بیان کرسکتا ہے ملک العلماء کے فضائل تو اعلیٰحضرت مجدد دین وملت محدث اعظم امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں اور اپنے خط میں ان القابات سے نوازا، حبیبی وولدی وقرۃ عینی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یعنی اے میرے محبوب اور میرے بیٹے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب، اللہ تعالیٰ ان کو ایسا بنائیں جیسا ان کا نام ظفر الدین ہے۔

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰحضرت کے خاص شاگرد تھے اور اعلیٰحضرت کی خاص نظر کرم سے علامہ ظفر الدین ملک العلماء قرار پائے اور علم کا وہ نور جو اعلیٰحضرت نے ملک العلماء کو عطا فرمایا، اس نور کو پھیلانے کا صحیح حق ادا کیا ملک العلماء ایک مناظر بھی تھے۔ وہابیوں کو کئی جگہ پر مناظرے میں شکست دی۔ ملک العلماء ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ ماہر علم فقہ و ماہر علم فلسفہ و ماہر علم حدیث و ماہر علم تفسیر و ماہر اصول فقہ و ماہر علم بلاغت وفصاحت تھے اور حقیقی ماہر رضویات تھے اور ملک العلماء نے اعلیٰحضرت کی سیرت پر کتاب 'حیات اعلیٰحضرت' لکھ کر عوام اہلسنت اور علمائے اہلسنت پر ایک عظیم احسان کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب بندے حبیب اعلیٰحضرت ملک العلماء ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ کے مزار پرانوار پر کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

میں 'جہان ملک العلماء' کی اشاعت پر حضرت سراج ملت علامہ سید سراج اظہر رضوی نوری صاحب واراکین انجمن برکات رضا کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، کہ انہوں نے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اللہ رب العزت اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے ہم سب کے لیے توشۂ آخرت ذریعۂ نجات بنائے۔ امین

مفتی محمد قمر الزماں النوری الرضوی
جامعہ حضرت بلال بنگلور
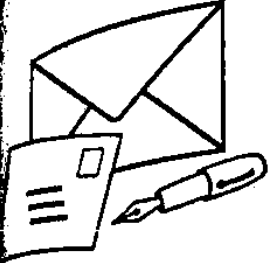
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضور ملک العلما، سند الفضلا، اکمل الکملا، آسمان علم وفن کے نیر تاباں، صاحب تصانیف کثیرہ، رہبر شریعت، واقف اسرار حقیقت، خلیفۂ اعلیٰحضرت حضرت علامہ الشاہ سید ظفر الدین الرضوی القادری البہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی، روحانی، عبقری شخصیت سے کون اہل علم واقف نہیں؟ جہان علم وفن میں ان کے کمالات کی برتری آفتاب نیم روز کی طرح روشن وتابناک ہے۔

حضور ملک العلما کی ذات بابرکات وہ ہے، جس پر ان کے استاذ گرامی امیر کشور علوم وفنون، مجدد اعظم سرکار اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو ناز تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سرکار اعلیٰحضرت کے تلامذہ میں سے ان کے علوم وفنون کے بالخصوص غیر مروجہ فنون کے سچے وارث وامین حضور ملک العلما تھے۔ حضور ملک العلما کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ جامع الصفات اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ حضور ملک العلما نے مروجہ وغیر مروجہ اکثر فنون میں کتابیں بھی تصنیف کی ہیں اور باکمال وہنرمند تلامذہ بھی پیدا کیا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ لوگوں نے امام اہلسنت سرکار اعلیٰحضرت کی ایسی عظیم یادگار ونابغۂ روزگار شخصیت کو فراموش کر دیا۔ مگر کہنے والے نے سچ کہا ہے

آفاق میں پھیلی گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہیں پیغام صبا تیرا

قابل صد تحسین وآفریں ولائق صد مبارک باد ہیں حضور سراج ملت، ناشر مسلک اعلیٰحضرت، قائد اہلسنت، پیر طریقت، خلیفہ حضور مفتی اعظم حضرت علامہ الشاہ سید سراج اظہر قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ مہتمم دار العلوم فیضان مفتی اعظم ممبئی کہ جنھوں نے 'جہان ملک العلما' جو حضور ملک العلما کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے، مرتب کر کے پھر اس کو طباعت کی منزل سے گزار کر ایک عظیم اور تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ یوں تو حضور سراج ملت اس سے قبل بھی حضور ملک العلما پر بہت کام کیا اور حضور ملک العلماء کی تصانیف سے کئی اہم کتابیں جن میں خاص کر الجامع الرضوی المعروف بصحیح

البھاری شائع کر کے پورے ہندوستان بلکہ بیرون ہند ماریشیش وغیرہ کے مدارس اہلسنت کو فری تقسیم کیا ہے۔

جہان ملک العلما کی اشاعت کا ذکر سراج ملت نے تقریباً چھ ماہ قبل مجھ سے بھی کیا تھا اور مضمون لکھ کر بھیجنے کی فرمائش بھی کیا تھا۔ جسے سن کر بیحد مسرت ہوئی تھی اور میں نے مضمون لکھ کر ارسال کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ مگر تدریسی خدمات ودیگر مصروفیات کے باعث میں حکم کی تعمیل میں پیچھے رہ گیا۔ جب تک 'جہان ملک العلما' تیار ہو کر طباعت کے لئے جانے والی تھی۔ مگر شہزادۂ سراج ملت حضرت مولانا سید منہاج رضا ہاشمی زید مجدہٗ کی کرم گستری ہے کہ انہوں نے تاثرات لکھ کر روانہ کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح چند سطریں صفحۂ قرطاس کے حوالے کر کے حضور ملک العلما کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا مجھے بھی شرف حاصل ہو گیا۔

جہان ملک العلما کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت تھی۔ جسے پورا کر کے حضور سراج ملت نے بلاشبہ ایک عظیم تاریخی کارنامہ انجام دیا اور اس شعر کے مصداق ہو گئے جو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے:

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

جہان ملک العلما کی اشاعت پر میں حضور سراج ملت اُوران کے شاہزادگان ورفقاء کار کی بارگاہوں میں صمیم قلب سے پر خلوص مبارکباد پیش کرتا ہوں اور رب کریم کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ رب کائنات آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔
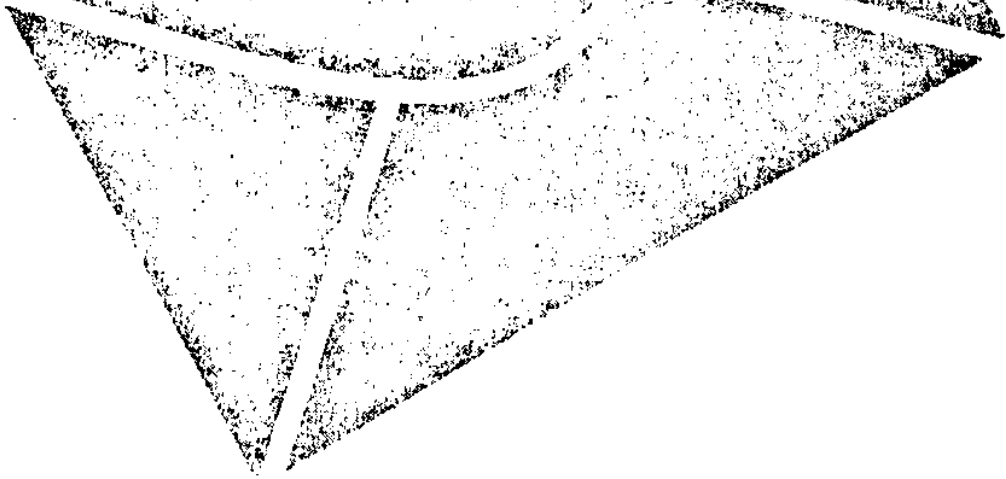
☆☆☆

حضرت مولانا شبیہ القادری پوکھریروی
مہتمم غوث الوریٰ عربی کالج سیوان، بہار

ہمیں اس بات سے بے حد خوشی حاصل ہوئی کہ حضرت سراج ملت، ناشر مسلک اعلیٰحضرت خلیفۂ حضور مفتی اعظم مولانا الحاج الشاہ سید سراج اظہر صاحب قبلہ بانی و سربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، پھول گلی ممبئی ۳ نے ''جہانِ ملک العلماء'' کو منظر عام پر لاکر حضرت ملک العلماء خلیفہ و شاگرد رشید اعلیٰحضرت مولانا شاہ سید محمد ظفر الدین بہاری کی شخصیت کو روشناس کرانے کی سعادت حاصل فرمائی ہے۔

یقیناً یہ اہلسنت والجماعت پر ایک بڑا احسان ہوگا، کہ ملک العلماء کی علمی، دینی، ملی، سنی، رضوی کارگردگی روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی، اور یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اعلیٰحضرت کے شاگردوں میں سب سے اونچی علمی شخصیت ملک العلماء کی تھی۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ بطفیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بصدقے سیدنا غوث اعظم پیر دستگیر و خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز و بوسیلہ اعلیٰحضرت امام اہل سنت و حضور مفتی اعظم ہند رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ''جہان ملک العلماء'' کو مقبول خواص و عام فرمائے، اور حضرت سراج ملت کو اس کا اجر عظیم عطا کرے۔ آمین ثم آمین

اسیر مفتی اعظم الحاج محمد سعید نوری
بانی رضا اکیڈمی، ممبئی

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ”ہوں“

یوں تو ہر مرید کہتا ہے کہ یہ میرے پیر ہیں۔ ہر شاگرد کہتا ہے کہ یہ میرے استاد ہیں۔ ہر محب یہ کہتا ہے کہ یہ میرا محبوب ہے، ہر اولاد یہ کہتی ہے کہ یہ میرا باپ ہے۔ مگر جب پیر یہ کہے کہ یہ میرا مرید ہے، استاذ یہ کہے کہ یہ میرا شاگرد ہے، تو پھر شاگرد کو مرید کو کیا لطف ملتا ہوگا، وہ تو وہی جانتا ہوگا۔ قربان جایئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری پر کہ انہوں نے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو اس طرح نوازا کہ:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے ۔ اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں
میرا امجد مجد کا پکا ۔ اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں
میرے نعیم نعت جس سے ۔ اس سے بلائیں ستاتے یہ ہیں

جب ان حضرات نے یہ سنا ہوگا کہ اعلیٰحضرت نے ہمارے لئے یہ ”میرا“ یا ”میرے“ فرمایا ہے، تو ان حضرات کی خوشی اور شادمانی کا کیا عالم ہوگا۔ سبحان اللہ! حضرت ملک العلماء کے اور میرے پیر و مرشد سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم کے کیسے تعلقات تھے اور کیسی محبت تھی اس کا اندازہ ان خطوط سے لگایا جا سکتا ہے، جو حضرت نے ملک العلماء کے نام تحریر فرمائے ہیں ۔ ”جہان مفتی اعظم“ میں چند خطوط شائع بھی ہو چکے ہیں اور اعلیٰحضرت امام اہلسنت کی کرم فرمائی اور ملک العلماء پر ان کی نوازشات کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے۔ دیکھئے ”کلیات مکاتیب رضا“ جس میں اعلیٰحضرت نے ملک العلماء کے نام جو خطوط تحریر فرمائے، ان میں کیسے کیسے القابات سے ان کو نوازا ہے پڑھئے۔ القاب: حبیبی ولدی وقرۃ عینی، ولدی وزینی وقرۃ عینی برادر دینی ویقینی، ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدنیا والدین وجعلک کاسمک ظفر الدین آمین آمین، ولدی الاعز جعلک اللہ تعالیٰ کاسمک ظفر الدین۔ آمین، حامی السنۃ ماحی الفتنۃ جعلہ المولیٰ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین، ولدی الاعز جعلہ المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ، ولدی الاعز مولینا المکرم جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین۔ اس سے اعلیٰحضرت کی محبت اور شفقت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ رضا میں ملک العلماء کا کیا مقام ومنصب ہے۔

میں رضا اکیڈمی کی جانب سے حضرت علامہ مولانا سید سراج اظہر صاحب قادری برکاتی رضوی نوری دامت برکاتہم العالیہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ''جہان ملک العلماء'' شائع فرما کر ہم نوری رضوی برادران ہی نہیں، بلکہ جماعت اہلسنت پر جو ایک فرض کفایہ تھا، اس کو ادا فرما کر پوری جماعت کو سرخ رو فرمایا ہے۔ میری حضرت سے یہ گزارش ہے کہ جہان ملک العلماء کا اجراء وہ ایک شاندار ملک العلماء کانفرنس میں حضرت کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین صاحب آرزو جو اس وقت اعلیٰحضرت کی یادگار ہیں کہ ان کا نام اعلیٰحضرت نے رکھا ہے، یہ ہم عقیدتمندوں کے لئے ایک تبرک ہیں کے ہاتھوں کروائیں۔ حضرت کی مشہور زمانہ کتاب صحیح البہاری کا اردو ترجمہ کروا کر شائع کروائیں۔ ملک العلماء کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کو شائع فرمائیں۔ ملک العلماء کے نام سے مدارس اور اسکولوں، کالجوں کے طلباء کو اسکالرشپ جاری کروائیں۔ رضا اکیڈمی ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہے جہاں بھی آپ ضرورت محسوس کریں یا صرف اشارہ فرمادیں ہم ملک العلماء کے پیغام کو پوری دنیا میں پہنچانے میں آپ کے ساتھ ہیں۔

ملک العلماء کا پیغام اعلیٰحضرت کا پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے صدقے اور ہمارے مرشد حضور مفتی اعظم کے فیضان سے ہم لوگوں سے دین وسنیت کی خدمت لیتا رہے اور اسے قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆
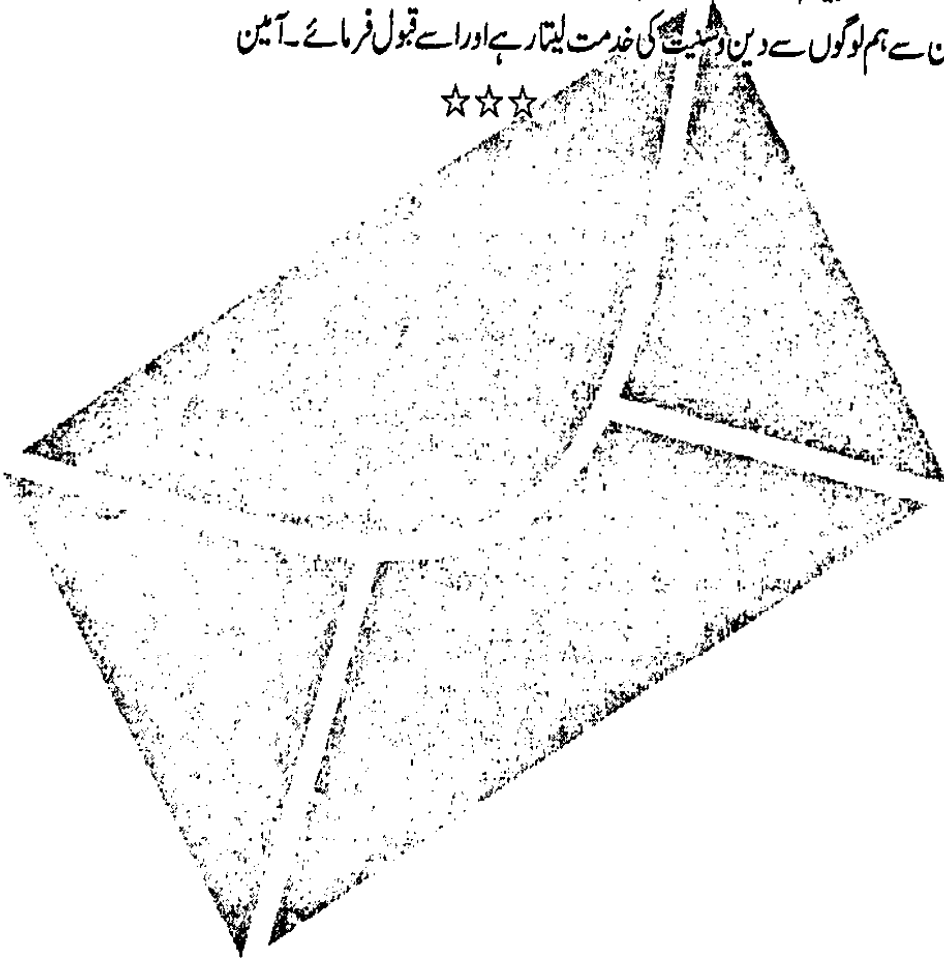
حضرت عثمان غنی رضوی صاحب قبلہ

بانی و مہتمم دار العلوم انوار مصطفیٰ، دھرول، گجرات
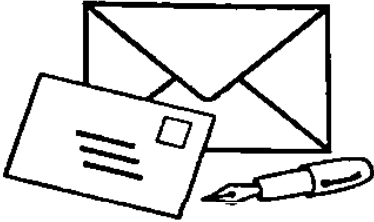
قدیم روایت کے مطابق ہر قوم اور ہر قبیلہ میں ماضی کے واقعات و روایات، اپنے سرداروں کی بہادری و شجاعت کے کارناموں، قومی ملی، دینی و مذہبی رہنماؤں کی خدمات اور اقوال زریں کا ریکارڈ رکھنے، کسی مخصوص شاہی خاندان کے تاریخ وار واقعات، سوانح عمریاں اور ارشادات و فرمودات مرتب کرنے یونہی سیاسی واقعات، شجرہ اور مفید حکایتوں کو قید تحریر میں لانے کا رواج ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ کیوں کہ تعلیم و تربیت، تعمیر و ترقی، اصلاح و فلاح، ارشاد و رہنمائی اور راہِ راست پر ثابت قدمی کے لیے ضروری ہے کہ بڑے دماغوں کے تجربات، انبیا و اولیا اور علما و مشائخ کے سیر و سوانح اور ان کے ارشادات و فرمودات سے استفادہ کریں۔

ملک العلماء ابو البرکات حضرت مولانا سید ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان جیسی عظیم شخصیت جو محاسن و کمالات کا ایک جہان، علوم و معارف کا ایک کوہ گراں، ایک بالغ نظر فقیہ، ماہر مفتی، جلیل القدر محدث و مفسر، عظیم مصنف و مدرس و شارح، زبردست متکلم و مناظر، داعی، مصلح و مبلغ، ایک مفکر، دانشور و محقق، سلوک و تصوف کا ترجمان، ایک عابد شب زندہ دار و طاعت شعار، سچا عاشق رسول، اور تفسیر، اصول تفسیر، تجوید، قرأت، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد، تصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو و صرف، معانی و بیان، نجوم و ہیئت، توقیت و جبر، تکسیر، جفر، رمل، اوفاق و اعداد، منطق و فلسفہ، اور ریاضی جیسے دو درجن سے زائد علوم قدیم و جدید کے جامع، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم کثیرہ کے سچے امین اور تلامذۂ اعلیٰحضرت میں بے مثل اور ممتاز و منفرد ہیں اور جن کے بارے میں خود اعلیٰحضرت نے فرمایا ہو...

"سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔"

اور جنہیں اعلیٰحضرت ہی نے حبیبی، ولدی، ولدی الاعز، قرۃ عینی، جان پدر، از جان بہتر، حامی السنن اور ماحی الفتن جیسے بھاری بھرکم پیار بھرے القاب سے نوازا ہو، یقیناً ان کا حق ہے کہ ان کے علمی و عملی اور روحانی و اخلاقی نقوش کی یادیں تازہ کی جائیں اور باقی رکھی جائیں۔ تاکہ اہل نظر و فکر ان سے مستفید و مستنیر ہوں اور اپنے اوپر ان کے احسانات کا کچھ

حق بھی ادا ہو۔ لیکن شومئی قسمت کہ آپ کی وفات کو تقریباً نصف صدی ہونے کو ہے۔ اب تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی قابل قدر کام نہ ہو سکا۔ چند مضامین، تاثرات یا مختصر کتابچے سے ظاہر ہے کہ اعلیٰحضرت کے اس ممتاز و منفرد تلمیذ اور عبقری شخصیت کا کیا تعارف ہو سکتا ہے۔

بڑی مسرت و شادمانی کی بات ہے کہ جمود و تعطل کو توڑتے ہوئے "اراکین انجمن برکات رضا ممبئی" نے پیر طریقت، رہبر شریعت، حضور سراج ملت الحاج سید سراج اظہر رضوی خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند (بانی و سربراہِ اعلیٰ دار العلوم فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی ۳) جیسی عظیم ہستی کی سرپرستی میں "ملک العلماء" کی حیات و خدمات پر مشتمل "جہان ملک العلماء" نکالنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ مختلف رسائل و جرائد میں اس کا اعلان بھی ہو چکا ہے اور اصحاب قلم کی ایک ٹیم بھی اس طرف متوجہ ہو چکی ہے اور اس کی ترتیب و تہذیب کے لیے ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی جیسے معروف محقق، ماہر رضویات، امیر لوح و قلم کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یقیناً یہ نمبر ایک علمی شاہکار اور تاریخی دستاویز ہوگا، جیسا کہ اس کے اجمالی خاکہ سے ظاہر ہے۔

بلاشبہ جماعتِ اہلسنّت کی طرف سے اراکین انجمن برکاتِ رضا، حضرت سراج ملت صاحب قبلہ، ڈاکٹر موصوف صاحب، ان کے معاونین و موافقین اور اصحاب قلم تہنیت و شکریہ کے مستحق اور لائق صد تعریف و توصیف ہیں۔ اور ان حضرات کا یہ کارنامہ قابل قدر اور قابل تقلید بھی ہے۔ فجزاهم الله تعالیٰ خیر الجزاء فی الدنیا و العقبیٰ

☆☆☆

افضل مصباحی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر، روزنامہ ''ہمارا سماج''۔ دہلی

ملک العلما حضرت علامہ مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے چند خاص تلامذہ میں انتہائی قریب حضرت ملک العلماء کی شخصیت تھی۔ سچائی یہ ہے کہ آج ہم جیسے مبتدی کو انہی کی تصنیف کردہ کتاب حیات اعلیٰ حضرت کے ذریعہ مجدد دین وملت کی شخصیات اور ان کے کارناموں سے آگاہی ہوئی۔ آج کوئی بھی اسکالر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی شخصیت پر کوئی ریسرچ پیپر تحریر کرنے کا خواہاں ہوگا تو اسے سب سے زیادہ تحقیقی معلومات انہی کی تصنیف کردہ کتاب کے ذریعہ ملے گی۔ حضرت ملک العلما نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو انتہائی قریب سے دیکھا، ان کے علمی کارناموں میں ہاتھ بٹایا، ان کی دینی خدمات میں ان کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ''ملک العلما'' کے خطاب سے نوازے گئے۔

سچائی یہ ہے کہ تاریخ میں کسی بھی شخصیت نے اگر کوئی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں تو اس میں ان کے رفقا، قریبی تلامذہ اور ارد گرد رہنے والے بہی خواہوں کا بڑا رول ہوتا ہے۔ اس کے بغیر انسان کوئی بھی کام بڑے پیمانے پر انجام نہیں دے سکتا۔ اعلیٰ حضرت کے انتہائی قریب رہنے والوں میں ایک طرف ملک العلما تھے تو دوسری طرف صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات تھی۔ حضرت ملک العلما کی شخصیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے انہیں اپنا خلیفہ خاص بنایا۔ اپنے وقت کا مجدد اگر کسی شخصیت کو اپنا خلیفہ خاص بناتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس کی خوبیوں کو دیکھتا ہے، پھر اس کے علمی کمالات کو نظر میں رکھتا ہے، پھر اس کے اعمال اور افکار ونظریات کو دیکھتا ہے، جب اس کی تمام حرکات وسکنات کو ظاہری و باطنی نگاہوں سے دیکھ لیتا ہے تب کسی کو اپنا خلیفہ بناتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں نے انہیں اپنا خلیفہ خاص بنا کر گویا ان کی علمی، فکری، ذہنی، اخلاقی تمام خوبیوں کی ضمانت دے دی۔ چنانچہ حضرت ملک العلما کی 70 سے زائد تصنیفات اور علمی کارنامے اس کے بین ثبوت ہیں۔ حضرت ملک العلما کو مجدد دین وملت کا سب سے پہلا شاگرد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

اہل سنت و جماعت کے قلم کاروں اور دانشوروں کو یہ تلخ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے کہ حضرت ملک العلما کی جو شخصیت ہے اور انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں انہیں اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ انجمن برکات رضا ممبئی نے ان کی شخصیت پر جو تحقیقی کتاب شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے سے کسی حد تک بھرپائی تو ہو سکتی

ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل سنت و جماعت کی اس بلند پایہ شخصیت کی خدمات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ تا کہ نئی نسل کو اس سے سیکھنے کا موقع مل سکے۔ آج ہوتا یہ ہے کہ جو شخصیتیں اس لائق ہوتی بھی نہیں ہیں جن پر ایک مقالہ یا مختصر مضمون ہی تحریر کیا جا سکے اگر وہ اثر و رسوخ والی شخصیتیں ہیں اور مریدین کا حلقہ وسیع ہے، ساتھ ہی ان میں کچھ مالدار بھی ہوں تو پھر ایسی شخصیتوں پر خصوصی نمبر، کتابیں وغیرہ شائع ہو جاتی ہیں اور ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں، لیکن جو شخصیتیں حقیقت میں اس کی حقدار ہیں کہ جن پر تحقیقی کام کیا جائے، انہیں نظر انداز کیے جانے کا سلسلہ ہمارے یہاں دراز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی شخصیتیں آہستہ آہستہ غروب ہوتی جارہی ہیں اور ان کے علمی کارنامے لائبریریوں کی زینت بنتے جارہے ہیں۔ چنانچہ سراج ملت حضرت مولانا الشاہ سید سراج اظہر قادری صدر انجمن برکات رضا ممبئی نے جو بیڑا اٹھایا ہے یہ تاریخ میں سنہرے لفظوں میں لکھا جائے گا اور آئندہ جب بھی کوئی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور ان کے خلیفہ حضرت ملک العلما کی شخصیت پر کچھ تحریر کرنے کا خواہاں ہوگا تو اسے اس کتاب کا حوالہ دینا پڑے گا، جس کو عوام تک پیش کرنے میں حضرت سراج ملت مدظلہ العالی اور ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی و اراکین انجمن برکات رضا نے محنت شاقہ سے کام لیا ہے۔ آج جلسے، جلوس، عرس اور دیگر تقریبات میں اہل سنت و جماعت کی شخصیات لاکھوں اور کروڑوں خرچ کر دیتی ہیں لیکن کتاب، رسالہ، اخبارات اور دیگر تحقیقی کاموں کے لئے ان کے پاس پیسوں کی کمی پڑ جاتی ہے، اس روش کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ تقریر، جلسے، جلوس وغیرہ سے لاکھوں درجہ بہتر دینی خدمات کتابوں، رسالوں اور اخبارات وغیرہ سے انجام دی جاسکتی ہیں۔ حضرت سراج ملت، مولانا شمس مصباحی اور ان کے دیگر رفقائے کار اس کے لئے صمیم قلب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

میں بے حد شرمندہ ہوں کہ برادر محترم عالی جناب ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی اور مولانا نظام الدین قادری صاحبان نے متعدد بار ٹیلی فون پر حضرت ملک العلما کی شخصیت پر "حضرت ملک العلما اور خانقاہ مونگیر" کے حوالہ سے مقالہ تحریر کرنے کا حکم دیا لیکن یہ اپنے آپ میں ایک ریسرچ کا موضوع تھا جس کے لئے خانقاہ مونگیر کا سفر انتہائی ناگزیر تھا۔ ان دنوں چونکہ میں اپنی حالیہ منظر عام پر آئی کتاب "اکیسویں صدی کے سیاسی اور سماجی مسائل" کو پایہ تکمیل تک پہنچانے اور اپنے ریسرچ ورک "آزادی کے بعد ہندوستان میں اردو صحافت" میں بے انتہا مصروف ہوں، اسے دو ماہ کے اندر یونیورسٹی میں پیش کرنا ضروری ہے، اس لئے میں ان کے حکم پر عمل نہیں کر سکا لیکن ان شاء اللہ آئندہ ماہنامہ "ماؤنور" دہلی میں حضرت ملک العلما کی شخصیت پر مقالات اور مضامین تحریر کر کے اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

کسی بھی نوعیت کی تحریری خدمات انجام دینے میں کن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس تجربے سے میں گزر رہا ہوں۔ اس لئے تقریباً 1200 صفحات پر مشتمل حضرت ملک العلما کی شخصیت پر ایک تحقیقی کتاب منظر عام پر لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس کام کے لئے محنت، لگن، خلوص و محبت اور روحانی قوت درکار ہے۔ یہ حضرت ملک العلما کا روحانی فیضان ہے کہ انجمن برکات رضا ممبئی کے ذمہ داران یہ کام کرنے میں کامیاب ہوئے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اس تحقیقی کام کو قبول فرمائے۔ آمین! ☆☆☆

مولانا طارق انور مصباحی
اڑپی کرناٹک

تسلیمات وقدم بوسی

مزاج عالی! امید کہ بخیر و عافیت ہونگے۔

''جہان ملک العلماء'' جو برسوں سے علماء کرام کا ایک حسین خواب تھا۔ آپ نے اس کی دلکش تعبیر قوم کے روبرو لانے کا عزم صمیم فرمایا۔ لاریب آپ اہلسنت و جماعت کی جانب سے صد ہزار ہدیۂ تبریک کے مستحق اور آپ کی یہ خدمت عظمی قابل صد تحسین و آفریں ہے۔

جناب ممدوح کی ذات گرامی علماء کرام کے لئے ایک مثالی نمونہ ہے۔ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، انجمن برکات رضا ممبئی، سنی تبلیغی جماعت وغیرہا کتنے ادارے اور تحریکیں آپ کی ضیاء پاشیوں سے منور و درخشاں اور آپ کے چشمۂ کرم سے فیض یافتہ ہیں۔ ''صحیح البہاری'' جو عصر حاضر میں اہلسنت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ مخدوم گرامی التفات کامل فرمائیے تو رحمت الٰہی سے امید کہ یہ خزینۂ احادیث زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ارباب علم و دانش کے سامنے جلوہ نما ہو۔ مسائل حنفیہ پر سلفیوں اور مودودیوں کی تنقید کا جواب ہمارے لئے سہل ہو جائے اور دیگر بدمذہبوں کو بھی ساکت و خاموش ہو جانا پڑے۔ جلد اول ابواب عقائد پر مشتمل ہے۔ اس میں جو علمی جواہرات ہیں، ہم آج تک اس سے نا آشنا ہیں۔ عہد رواں میں قوم کی بہت سی رقم ایسی کتابوں کی طباعت پر صرف ہو جاتی ہے۔ اہل مسلک کو جس سے زیادہ فائدہ نہیں۔ جن کتابوں کی اہم ضرورت ہے، وہ تہہ خانہ میں پڑی ہوئی ہیں۔ ایک طویل مدت بعد ''المعتمد المستند'' رضا اکیڈمی ممبئی نے شائع کیا۔ بعدہٗ اس کے نسخے بھی نایاب ہو گئے۔ ایک عرصے بعد صحیح البہاری کی جلد دوم حضرت موصوف نے ہندستان میں شائع فرما کر علمی اداروں اور علماء میں تقسیم کیا۔ جب کہ بقیہ پانچ جلدیں ابھی بھی طباعت و اشاعت کی منتظر ہیں۔

ہر صاحب تصنیف کی تصنیفات و تالیفات مختلف درجات کی ہوتی ہیں۔ بعض بہت اہم اور وقت کی بڑی ضرورت۔ صحیح البہاری بھی اسی معیار کی ایک شہرت یافتہ مجموعۂ احادیث ہے۔ آج کل غیر معیاری کتابوں کا مطالعہ ہمارا شعار ہو چکا ہے۔ ہمارے خطبات غیر معتبر و غیر مستند حوالوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہم دانستہ یا نادانستہ اس راہ غلط کو اپنا چکے ہیں۔ اسلاف کرام کی مدح و ستائش میں ہم رطب اللسان رہتے ہیں اور ان کے نقوش قدم سے گریزاں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر صحیح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

''جہان ملک العلماء'' کے منتخب کردہ عناوین سے عیاں ہے کہ یہ مجموعہ متنوع الجہات معلومات کا ایک نادر روزگار دفتر ہے اور اکابرین امت و دانشوران قوم وملت کے نوع بہ نوع مضامین اور علم افزا تحریروں کا ایک خوشنما ذخیرہ ہوگا۔ ☆☆☆

مولانا محمد احمد رضوی
استاذ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، پھول گلی، ممبئی

رضویات کے مؤسس اول، خلیفہ اعلیٰحضرت، فیض یافتہ تلمیذ و مسترشد شاگرد اعلیٰحضرت، مناظر اہلسنت، حضرت علامہ سید محمد ظفر الدین قادری رضوی مصنف صحیح البہاری وغیرہ عظیم آبادی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر ایک علمی دستاویز بنام **"جہانِ ملک العلماء"** منظر عام پر لانے کی سعی ناشر مسلک اعلیٰحضرت، پیر طریقت خلیفہ حضور مفتی اعظم سراج ملت حضرت علامہ سید سراج اظہر رضوی نوری دامت برکاتہم القدسیہ نے فرمائی۔ جس کے مواد کی فراہمی وحصول یابی کیلئے مجھ حقیر سراپا تقصیر محمد احمد رضوی کو موصوف کے نامور شہزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد قادری رضوی، سابق صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی کے پاس علی گڑھ رخصت فرمایا۔ اسی سفر کی کچھ یادگاری جھلکیوں کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے کی کوشش کروں گا۔ ۲۴ ردسمبر ۲۰۰۸ء کو میرا یہ علمی سفر رضا جامع مسجد، پھول گلی ممبئی سے حضور سراج ملت کی قدم بوسی کے بعد شروع ہوا۔ گولڈن ٹیمپل سے ۲۵ ردسمبر کی سرشام نظام الدین دہلی پہنچا۔ اسٹیشن پر قدم رکھتے ہی جاءالبرد والجبات جو میں نے بچپن میں پڑھا تھا۔ اس کا مصداق کپکپا دینے والا پر تمرد منظر برسوں بعد دیکھنے کو ملا۔ ۲۶ کی صبح ۱۰ بجے علی گڑھ ڈاکٹر صاحب کے کاشانۂ نوری پر پہنچا۔ موصوف نے جب یہ جانا کہ میں ممبئی سے آیا ہوں اور جہان ملک العلماء کے تعلق سے مواد کی حصولیابی کے لیے آیا ہوں، تو مارے خوشی کے مچل اٹھے اور پرنم آنکھوں سے کہا کہ مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ میں ان پر بہار دنوں کو بچشم سر دیکھ رہا ہوں والد ماجد جیسی ذو جہات پر عظمت و فراموش کردہ علمی شخصیت کو نئی زندگی و تابندگی دینے کی تحریک عملی جامہ پہننے کے لیے میری دہلیز پر موجود ہے۔

خاطر مدارت کے بعد ان کے ایماء پر الرحیم لاج میں قیام پذیر ہوا، جس کا محل وقوع بیگم بازار ہے۔ واقعتا یہ اسم با مسمیٰ ہے۔ تنگ گلی کے دونوں بازوؤں پر پرکشش دکانیں نئی نویلی دلہن کی طرح سج دھج کر ضیا پاش پر حسین نظارہ پیش کرتی ہیں۔ جہاں سے محلے اور یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات کا اکثر و بیشتر گذر ہوتا ہے۔ جس سے ان کے حسن اور رونق میں چار چاند لگ جاتا ہے۔ نوجوان طبقہ میں خصوصا یہ تہذیب مہذب عموماً دیکھنے کو ملا کہ ہر کس و ناکس کے روبرو ہوتے ہی پہلے سلام کرتے ہیں۔ جس سے ان کی محبت از خود پیدا ہو جاتی ہے۔ جس میں اسلام کی روحانیت کارفرما ہے۔ اللہ کرے یہ سنت رسول ہم میں بھی عام ہو جائے۔ بہر کیف ۲۷ کی صبح کہرا اور گھنے بادل کے ساتھ نمودار ہوئی چاشت سے فراغت ہوئی۔ اب لائبریری جاکر دہلا دینے والی ٹھنڈک میں مواد کی حصولیابی کا پر ابتلا مرحلہ تھا صبح کے گیارہ بج چکے تھے۔ زمین کا ذرہ ذرہ سورج کی ضیاء پاشی کا

شدت سے منتظر تھا۔مگر اپنا فرحت بخش روشن وتاباں چہرہ چھپائے ہوئے بیٹھا تھا بہت اضطراب وانتظار کے بعد ہلکا سا رخ پر نور سے نقاب کشائی کے بعد فوراً روٹھے داماد کی طرح منہ پھیر لیا، پھر وہی ابر آلود فضا، برودت افزاء ہوا اپنی شدت برودت سے دل دہلانے لگی۔قدم بڑھاتا، مگر کش مکش کا عالم طاری ہو جاتا۔کبھی جی چاہتا، کہ چلو گرم بیڈ اور نرم لحاف کا مزہ لیں۔مگر نہ جانے کون غیبی طاقت ہمیں جھنجھوڑتی اور ہمارے ٹوٹتے حوصلوں کو سہارا دے جاتی اور میں ایک بار پھر عزم بالجزم کے ساتھ مستعد ہو جاتا۔

بہر کیف یہ فقیر چار دن اس انتہا کی ٹھنڈک میں رہا اور ڈاکٹر صاحب کی فیاضی، کرم نوازی، رہنمائی سے حضور ملک العلماء کی تقریباً ۵۰ رتصانیف مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ حاصل کر لیا۔جس میں چند نادر و نایاب یادگاریں بھی شامل ہیں۔مثلاً اعلیٰ حضرت کے دستخط ان کی تحریر اور حضور ملک العلماء کا روحانی علاج کا قلمی مجموعہ غیر مسمّی پانچ کتابیں اور اوراد و وظائف کے دستیاب ہوئے۔اگر ان کو ترتیب دی جائے، تو یقیناً یہ خود ضخیم مجموعہ اعمال ملک العلماء ہو جائے گا۔۲۷ رکو ڈاکٹر خورشید احمد اور صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی سے بالمشافہ ملاقات ہوئی۔بڑے پر تپاک انداز میں انہوں نے خیر مقدم کیا اور حضور ملک العلماء پر مقالہ نگاری کا دعوت نامہ لے کر جھوم اٹھے اور نم دیدہ ہو کر فرمایا، محترم قابل صد مبارکباد ہیں، حضور سراج ملت جنہوں نے دنیائے سنّیت کی اس عظیم علمی شخصیت جو واقعتاً رضویات کے مؤسس اول ہیں اور اعلیٰحضرت کے تمام خلفا و شاگردوں میں سب سے بڑے مصنف، سب سے بڑے محقق، سب سے بڑے مفکر، سب سے بڑے مدبر، سب سے بڑے مفسّر، سب سے بڑے مقرر، سب سے بڑے مناظر، سب سے بڑے متقی، سب سے بڑے مخلص، سب سے بڑے محرک و مدرس تھے۔ ان کی فراموش کردہ مظلوم شخصیت کو نئی زندگی دینے کی کوشش کی ہے اور ان کے طفیل خود بھی ابھر ہو جائیں گے۔انہوں نے کہا کہ حضور ملک العلماء کو حاسدین، معاندین اور متعصبین نے فراموش کرنے کی سعی کی اور بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے، مگر جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے۔بلاشبہ یہ فیضان رضا ہے جو اپنے چہیتوں کو کبھی بے نشاں ہونے نہیں دیتا۔پھر جذباتی انداز میں یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں　　مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

نماز مغرب سے ذرا پہلے البرکات ایجوکیشنل ٹرسٹ پہنچا۔جناب احمد مجتبیٰ صدیقی صاحب نے پر جوش استقبال کیا اور پر تکلف دستر خوان سجایا۔پھر جامع البرکات کی حسین ترین فلک بوس عمارتوں اور اعلیٰ میعار بلند ترین تعلیمات عصری کورسیز کی تفصیلات بتلائی۔البرکات دنیائے سنّیت میں اپنے عقائد کے تشخصات کے ساتھ ایک عظیم عصری تعلیم کا روشن مینار ہے۔ جس کے آگے بد مذہب شرمسار ہے۔اللہ اس مشن کو اوج ثریا کی بلندی عطا فرمائے، اور ہمیں ان کے نقوش قدم پر گامزن ہونے کی توفیق فرمائے۔

شہر کے بڑے بڑے ادبا، محققین، دانشوران سے ملاقات ہوئی مثلاً ڈاکٹر عبد السلام جیلانی استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی، ڈاکٹر شجاع الدین استاذ مسلم یونیورسٹی دینیات، ڈاکٹر سید امین اشرف الجیلانی سابق پروفیسر شعبۂ انگریزی مسلم یونیورسٹی، ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی وغیرہ سبھی حضرات کی خدمت میں دعوت نامہ پیش کیا۔سب نے بسر و چشم دعوت نامہ قبول

جملہ اراکین، مخدوم اشرف مشن

مالدہ، بنگال

قانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

مجدد مأة حاضرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے تلامذہ میں قریب ترین جلیل القدر تلمیذ و خلیفہ ملک العلماء حضرت علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی ذات بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے۔ لیکن صد حیف ایسی عظیم شخصیت پر آج تک کوئی مبسوط کتاب و رسالہ منظر عام پر نہ آسکا۔ پر اب جب کہ ان کے مخلص نیاز مند خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند سراج ملت حضرت مولانا سید سراج اظہر صاحب قبلہ دام فیوضہ علینا نے اس جمود و تعطل کو توڑ کر ان کی مبسوط سیرت و سوانح کو بشکل ''جہان ملک العلماء'' منظر عام پر لانے کا عزم مصمم کیا ہے، تو اس عظیم پیش رفت پر ہم اراکین تاج الاصفیاء دار المطالعہ مخدوم اشرف مشن حضرت سراج ملت مدظلہ العالی کو خصوصاً اور جملہ اراکین کو عموماً دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اس رسالہ کو مقبول خواص و عام بنائے اور اس کے ذریعہ اہل سنت و جماعت پر حضور ملک العلماء کے فیضان کی بارش عطا کرے۔ آمین

محمد زبیر قادری
ممبئی

جب دنیا میں افراتفری کا عالم تھا۔ ہندوستان انگریزوں کی غلامی کے دور سے گزر رہا تھا۔ انگریزوں نے اس ملک کے خزانوں کو تو لوٹ ہی لیا تھا مگر وہ ہندستان جنت نشان کے باشندوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی ذہنی غلامی اور محکومی میں رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی کے مطابق مسلمانوں کو غیر مسلموں سے تو لڑایا ہی، خود مسلمانوں میں فرقہ بندی کر کے پھوٹ ڈال دی۔ تن کے گورے، من کے کالے انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان جو فتنہ و فساد کے بیج بو دیئے تھے، اس کے بُرے اثرات گھر گھر، دَر دَر میں جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیل رہے تھے۔ قادیانی، وہابی، نام نہاد اہلِ حدیث، اہلِ قرآن، صلح کلی، نیچری، مہدوی...... فرقوں کی انگریزوں نے پشت پناہی کر کے سوادِ اعظم کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا تھا۔ چہار جانب سے سوادِ اعظم اہلِ سُنّت پر یلغار ہو رہی تھی۔ اس ماحول اور حالات میں سب سے بڑا خطرہ دین و ایمان کو تھا۔ مسلمان حیران و پریشان سرگرداں تھے۔ ایک طرف غلامی کی زندگی تو دوسری طرف ایمان کی سلامتی کی فکر۔

ایسے میں اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئی اور اُس نے اپنے بندوں کی مسیحائی کے لیے اپنے مخصوص بندے کو بھیجا جس نے تنِ تنہا حالات کا مقابلہ کیا۔ باطل طاغوتی طاقتوں کے ساتھ اُن کی ذرّیت یعنی اُن کے پیدا کردہ فرقوں اور فتنوں کا سدّ باب کیا۔ ہر اُس باطل فکر کا رد کیا جس سے مسلمانوں کو خطرہ درپیش تھا۔ اُس نے اپنے قلم کے ہتھیار سے ان فرقوں پر وہ یلغار کی کہ وہ اپنے محدود دائرے میں سمٹ کر رہ گئے ...... اور اس طرح مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچالیا۔ مسلمانوں کے ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بننے سے بچالیا۔

آج برصغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش میں سوادِ اعظم کی جو آن بان اور شان ہے یہ سب اُسی فردِ فرید کے دم قدم

سے ہے۔ اُس ایک شخص میں کیا کیا کمالات پوشیدہ نہ تھے، کیا کیا علوم مجتمع نہ تھے۔ اُس نے اپنی مختصری حیاتِ مستعار میں اتنا کام کیا کہ آج دنیا بھر کے بے شمار ادارے بھی اُسے سمیٹ نہیں پار ہے ہیں۔ اُس نے جو کام کیا وہ اپنے عہد اور آنے والے کئی عہدوں کے لیے کافی ہے۔ اُس کی نگاہ آنے والے زمانے کو بھی دیکھتی ہوگی جبھی تو اُس نے کئی مجددوں کا کام تن تنہا انجام دیا۔...... آج دنیا کا کسی ایک مجدد پر اجماع نہیں ہے۔ ہر گروہ اپنے پیر کو مجدد کہہ رہا ہے۔...... ایسے میں وہ اتنا علمی سرمایہ چھوڑ گیا جو کئی صدیوں کے لیے کافی ہے۔ اُس کی ایک ایک کتاب پھیل کر کئی کئی کتابوں کی صورت میں آرہی ہے۔

اُس کی کتابوں اور فتاویٰ کی اس قدر شہرت ہوگئی کہ دنیا بھر سے لوگ اُس سے اپنے ہر پیچیدہ مسئلے کے لیے رجوع کرتے۔ عمومی مسائل کا حل تو کوئی بھی مفتی بتا سکتا ہے۔ جب بڑے بڑے علما کسی مسئلے کے حل کے لیے عاجز آجاتے تو اُس سے رجوع کرتے۔ اور اُس کے جواب سے اس قدر مطمئن ہوتے کہ پھر کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہتی۔

اُس نے صرف کتابیں ہی تصنیف نہیں کیں، صرف فتاوے ہی تحریر نہیں کیے، بلکہ افراد بھی تیار کیے...... افراد بھی ایسے کہ ایک ایک فرد بیسیوں افراد پر بھاری ہوتا۔ کوئی ملک العلماء، کوئی صدر الافاضل، کوئی مفتیِ اعظم، کوئی صدر الشریعہ، کوئی مبلغِ اسلام، کوئی محدثِ اعظم...... وغیرہ

وہ شخصیت تھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی، جن کا ذکر اب تک آپ پڑھتے آرہے تھے۔ اب تک ان پر بہت لکھا جا چکا، لیکن پھر بھی لکھنا باقی ہے۔ اب تک بہت سے فضلاء نے ان پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لی ہیں، اس کے باوجود ان کے گوشۂ حیات کے بے شمار پہلو پر ابھی تک قلم بھی نہیں اُٹھایا گیا۔ سچ بات تو یہ ہے، کہ آج کے دورِ نفسا نفسی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر خلوص وجاں فشانی سے کام کرنے والے خال خال ہی موجود ہیں۔ لکھنے والوں کی اکثریت آسان موضوعات پر قلم گھستی ہے اور اپنا نام بھی لہو لگا کر شہیدوں کی فہرست میں شامل کر لیتی ہے۔ وہ جانتے ہیں، کہ جس نے بھی اعلیٰ حضرت پر کچھ لکھ دیا، وہ اُن کے ساتھ اَمر ہوگیا۔ ورنہ سو سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا، لیکن اب تک اُن پر کوئی مبسوط اور جامع سوانح عمری مرتب کر کے شائع نہ کی جا سکی۔ خدا خدا کر کے بڑی مشکلوں اور تگ ودو کے بعد تو اعلیٰ حضرت کی اوّلین سوانح ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' چھپ کر منظرِ عام پر آئی ہے، جو بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا، کہ اعلیٰ حضرت نے صرف کتابیں ہی تصنیف نہیں کیں، ایسے افراد بھی تیار کیے، جو اُن کے

علم کو دنیا بھر میں پھیلا سکیں، جو افراد و اداروں کی شکل میں اُن کے مشن کو آگے جاری و ساری رکھ سکیں۔ اُن ہی میں ایک نمایاں نام ہے ملک العلماء حضرت مولانا سید شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی کا۔ یوں تو اعلیٰ حضرت کے کئی خلفا دین وسُنّیت کی ترویج و اشاعت میں اُن کے دست و باز و بنے، لیکن حضرت ملک العلماء اپنی بے شمار انفرادی خصوصیات کی بنا پر اُن کے دستِ راست کہلانے کے مستحق ہیں۔ جبھی تو امام احمد رضا نے اُن کو "ملک العلماء" کے لقب سے نوازا۔

۱۳۰۳ھ میں حضرت ملک العلماء کی ولادت ہوئی۔ مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ امام احمد رضا کے نام کا شہرہ سُنا، تو ۱۸ ربرس کی عمر میں ۱۳۲۱ھ میں بریلی شریف وارد ہوئے۔ ملک العلماء امام احمد رضا کی شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے، کہ پھر بریلی کے ہی ہو کر رہ گئے۔ دوسری طرف چند دنوں میں ہی وہ اپنی علمی شوق و جستجو، ذہانت و متانت، بلند اخلاق، حسنِ عمل اور فکری اُڑان کی بنا پر امام احمد رضا کے دل میں گھر کر گئے۔ امام احمد رضا کی جوہر شناس نگاہوں نے نظر اوّل ہی میں انھیں پہچان لیا۔ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں ملک العلماء، اعلیٰ حضرت کے دستِ اقدس پر بیعت ہو گئے۔ ملک العلماء کو شوق پیدا ہوا کہ درسیات کی تکمیل امام احمد رضا سے کریں، لیکن وہ ہر وقت مطالعہ و تصنیف میں مصروف رہتے تھے، نیز اُن کے یہاں کوئی مدرسہ بھی نہ تھا۔ بریلی شریف میں علم کا سمندر تو موجود تھا، لیکن ایسا کوئی منبع نہ تھا، جہاں سے تشنگانِ علوم اپنی پیاسیں بجھاتے اور اکنافِ عالم کو بھی سیراب کرتے۔ حضرت ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت کی توجہ بریلی شریف میں ایک مدرسے کے قیام کی طرف مبذول کرائی۔ پھر آپ کی تحریک و تجویز پر جب "جامعہ منظر اسلام" قائم ہو گیا، تو اس کے اوّلین طلبا میں ملک العلماء ہی سرفہرست نظر آتے ہیں۔ اس طرح ۱۳۲۲ھ میں جامعہ منظر اسلام بریلی کے قیام کا سہرا ملک العلماء کے سر جاتا ہے۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی رقم طراز ہیں:

"منظرِ اسلام" قائم ہو گیا۔ ملک العلماء پڑھتے، امام احمد رضا کے مشاغلِ علمیہ میں ہاتھ بٹاتے، نقل و تبییض کرتے، حوالہ جات نکالتے، حوادثِ زمانہ پر گہری نظر رکھتے، وقت کے سرکشوں کو کرارا جواب دیتے، الصحبۃ مؤثرہ کے بموجب راہوارِ قلم کو مہمیز لگ چکی ہوتی ہے، لہٰذا وہ تصنیف و تالیف بھی کرتے، عہدِ طالب علمی ہی کی یہ پانچ کتابیں یادگار ہیں: (۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۳ھ (۳)

الحسام المسلول علی منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۴) شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ (۵) مبین الھدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ۔"

امام احمد رضا کو اپنے اس شاگرد پر بے حد ناز تھا۔ اس کا اظہار اُن کے مکتوبات سے بھی ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کے علوم وفنون کے وہ سچے جانشین تھے، افکار ونظریات کے بے باک ترجمان تھے، اُن کی تصانیف وتحقیقات اور منہج و اسلوب سے یہ عیاں ہے۔ اُن کے طرزِ تحریر پر امام احمد رضا کے اسلوبِ تحقیق کی گہری چھاپ بھی دکھائی دیتی ہے۔ اُن کی علمی وفنی خوبیاں اس قدر ہیں کہ وہ "مظہر اعلیٰ حضرت معلوم" ہوتے ہیں۔

دورانِ تدریس ملک العلماء نے جو کتابیں لکھیں وہ امام احمد رضا کی نظر سے گزریں۔ آپ نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور تقریظ رقم فرمائی۔ اُن کتابوں کی تعداد دس کے لگ بھگ ہیں اور کئی کتابیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ ملک العلماء نے بیس سال کی عمر ہی میں مناظرۂ مبوات جیت کر فنِ مناظرہ میں وہ بلند رتبہ حاصل کر لیا تھا جو اُن کے ہم عصروں کو نصیب نہ ہوا۔ امام احمد رضا کے وہ علوم عجیبہ وفنونِ غریبہ، جن کے سمجھنے والے دنیا میں تقریباً ناپید ہیں، ان علوم وفنون کے امین و وارث تنہا ملک العلماء ہی تھے۔ امام احمد رضا کو اُن پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ بریلی کے اوقاتِ صلوٰۃ وصوم وسحر کو وہی تیار کریں۔ طالب علمی کے دور میں شروع کیا گیا یہ کام ملک العلماء زندگی بھر کرتے رہے اور ہندوستان کے متعدد شہروں کے اوقاتِ صلوٰۃ وصوم مرتب کیے، جو آج بھی رائج ہیں۔ بلکہ اکثر بدمذہب بھی ملک العلماء کے مرتب کردہ مؤذن الاوقات سے ہی استفادہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں:

"امام احمد رضا جیسے دینی، روحانی اور علمی پیشوا، ایک عبقری اور ہمہ جہت شخصیت کے سچے نائب ومظہر میں جو خوبیاں ہونی چاہیے تھیں، وہ سبھی ملک العلماء میں موجود تھیں، خلفائے امام احمد رضا میں ملک العلماء سے زیادہ کثیر التصانیف دوسرا کوئی نہیں ہے۔ جہانِ سُنّیت اور دنیائے علم وادب کو سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی حیات وشخصیت اور کارناموں سے روشناس کرانے والی پہلی شخصیت سیدنا ملک العلماء ہی کی ہے۔ آج گلشنِ رضویات کی توسیع اور تزئین اور آرائش کے جو باغبان وپاسبان مصروف عمل ہیں، انہیں عزم وحوصلہ عطا کرنے گلشن کی آبیاری اور چمن بندی کا انداز سکھانے والوں میں پہلا

نام انہیں ملک العلماء کا ہے۔"

(ماہنامہ "جہان رضا" لاہور دسمبر ۱۹۹۵ء ص: ۱۲ تا ۲۱)

قارئین محترم! یہ تھا حضرت ملک العلماء کی زندگی کا مختصر پس منظر۔ مفصّل حالات اور کارہائے نمایاں جاننے کے لیے آپ اس ضخیم و عظیم "جہانِ ملک العلماء" کا مطالعہ کریں، جس میں بڑے بڑے علما و محققین حضرات نے حضرت ملک العلماء کی شخصیت پر عمدہ مقالے لکھ کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ احقر اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اتنی بڑی شخصیت پر کچھ خامہ فرسائی کر سکے، یہ چند سطریں حضرت سراجِ ملّت کے حکم پر تحریر کر دیں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

لیکن حیرت در حیرت اس بات پر ہے، کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اس اوّلین شاگرد، شارح اور سوانح نگار پر اب تک کوئی جامع و مبسوط کام سامنے نہ آ سکا۔ اب تک صرف چند مقالے یا کتابیں ہی منظر عام پر آئیں، جو اُن کے شایانِ شان نہ تھیں۔ حضرت ملک العلماء کی مرتبہ اعلیٰ حضرت کی سوانح "حیاتِ اعلیٰ حضرت" بھی بڑی کد و کاوش اور تگ و دو سے عرصۂ تیس سال بعد منظرِ عام پر آئی۔ اسی طرح چند برسوں قبل سہسرام بہار سے علامہ ملک الظفر نے اپنے سہ ماہی رسالے "الکوثر" کے ملک العلماء نمبر کا اعلان کیا تھا۔ کافی محنت، تگ و دو اور دنیا بھر میں رابطے کر کے بے شمار علمی، تحقیقی اور بہترین مقالے جمع کیے، کمپوزنگ بھی ہو گئی۔ لیکن نامساعد حالات کا شکار ہو کر وہ بھی شائع نہ کیے جا سکے۔

شاید قدرت کو بھی یہ منظور تھا، کہ اس کارہائے نمایاں کا سہرا ناشرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت سراجِ ملّت حضرت سید سراج اظہر قادری رضوی کے سر بندھے، اُن کے سر ہی اس کارنامے کی کلاہِ افتخار سجے۔ ورنہ اب تک اس جانب کی جانے والی کوششیں ضرور پایۂ تکمیل تک پہنچتیں۔

"جہانِ ملک العلماء" کا عظیم، ضخیم اور گراں قدر شمارہ آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ یوں تو یہ کام عرصہ پہلے ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن کبھی کبھی دیر آید درست آید کے مصداق کاموں میں تاخیر ہونا باعثِ مصلحت ہوا کرتا ہے۔ ویسے بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے الفاظ میں ۔

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

ان شاء اللہ اس کام سے ضرور ہمارے دلوں کو آرام اور روح کو سکون ملے گا۔

اس گراں قدر "جہانِ ملک العلماء" کی تیاری میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے اپنی تمام تر صلاحیتیں از ابتدا تا انتہا صرف کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر، علم اور عمل میں برکتیں نازل فرمائے اور اُن سے خوب خوب مسلکِ اعلیٰ حضرت کا کام لیتا رہے۔ حضرت سراجِ ملّت کے شہزادگان خصوصاً مولانا سید منہاج عرف ہاشمی میاں نے خصوصی دل چسپی سے اس کی ترتیب واشاعت میں توجہ فرمائی۔ حضرت سراجِ ملّت کے زیر اہتمام چلنے والے دار العلوم فیضانِ مفتیِ اعظم، پھول گلی ممبئی ۳، کے اساتذہ نے بھی اس کی پروف ریڈنگ پر محنت کی۔

حضور سراجِ ملّت کے قائم کردہ ادارے انجمنِ برکاتِ رضا نے گاہے بگاہے دین وسُنّیت کا گراں قدر لٹریچر شائع کر کے عام کیا۔ بہارِ شریعت انگلش حصہ اول، جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری، پرنسپل آف اسلام، فتاویٰ برکات مصطفیٰ، فتاویٰ ممبئی، تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح، قصیدہ نعمانیہ مع عظمت امام اعظم، خلافت سیدنا صدیق وعلی، حیات ملک العلما، حیاتِ ظفر، حالات امام بخاری، فتاویٰ نورانی ٹی وی اسٹار نعت خوانوں کی نعت خوانی، مقامات مفتی اعظم، سراج الاذکار، ۲راڈیشن، قادیانی فرقہ کیا ہے، فتاویٰ عرفانی برسماع مزامیر لایعنی، یہ کیسا تضاد ہے، سفر آخرت، ۵راڈیشن، عطائے قدسی، شگفتہ پھول، تحفۂ سراجیہ، سراج بخشش، محمد الرسول اللہ ﷺ قرآن کی روشنی میں، معراج رسول وغیرہ جیسی گراں قدر کتابیں شائع کر کے مسلکِ اعلیٰ حضرت مسلکِ اہلِ سُنّت کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اسی سلسلے کی کڑی ہے "جہانِ ملک العلماء"۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل اس کے فیوض وبرکات سے ہم سبھوں کو بھی مالا مال فرمائے۔

الحمد للہ! انجمن برکاتِ رضا گزشتہ کئی برسوں سے دین وسُنّیت کی ترویج واشاعت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تحفظ وبقا کے لیے سرگرمی سے کوشاں ہیں۔ اس ضمن میں مستقل بنیادوں پر کام ہوتا رہتا ہے۔ ہر سال محرم الحرام، ربیع الاول، ربیع الآخر اور مخصوص ایام میں بھنڈی بازار امام احمد رضا چوک ممبئی ۳ پر تقاریر کے پروگرام کا سلسلہ جاری ہے۔ جس میں ملک بھر سے جید علماے کرام کی خدمت حاصل کی جاتی ہے۔ جو اپنی پُر مغز تقاریر سے قوم کی ذہن سازی میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ بھنڈی بازار پرانا بلڈنگ کے نزدیک چوراہا احمد رضا چوک وہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جہاں کئی تاریخی اور یادگار پروگرام منعقد کیے جا چکے ہیں۔ سُنّیت کی تاریخ مرتب کرنے والوں کو چاہیے، کہ یہاں کی تاریخی محافل

اور علمی مجالس کو حیطۂ تحریر میں لاکر آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرلیں۔ یہ چیزیں مستقبل میں سُنّیوں کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوں گی۔

غرض کہ حضور سراجِ ملّت کے زیرِ سایہ، دین کی خدمت کا وہ کام ہورہا ہے، جو دیگر جگہوں پر کم ہی نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کا سایہ ہم سُنّیوں پر دراز فرمائے اور اُن سے یونہی دین وسُنّیت کی خدمت لیتا رہے۔ انجمن برکاتِ رضا کے فیوض وبرکات جاری وساری رہیں اور اس کے فیضان سے ہم سُنّیوں کو مالا مال کرتا رہے۔ آمین بجاہ النبی الامین الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

آخر میں یہ احقر اپنے لیے یہ دعا کرتا ہے کہ۔

خدا ایسی قوت دے میری زباں میں
کہ بدمذہبوں کو سدھارا کروں میں

☆☆☆
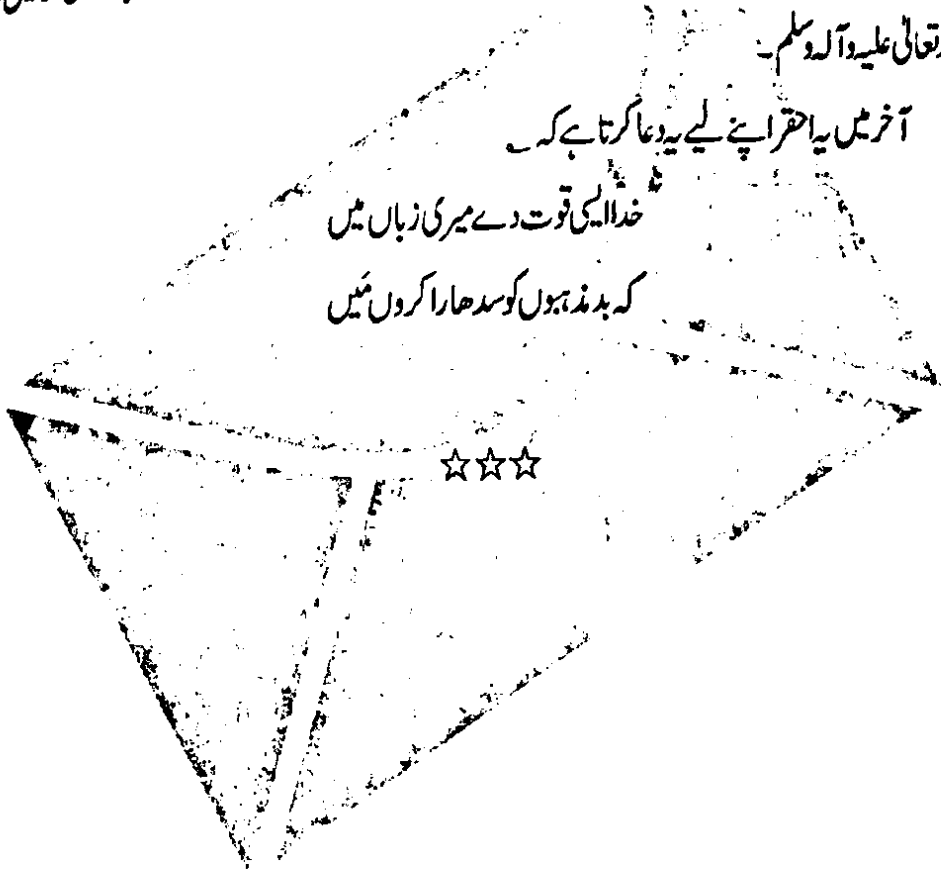
سیرت

حضرت سید ابراہیم ملک بیو قدس سرہ

ازقلم: علامہ ضیا جالوی، دربھنگہ

آپ ان چند گنے چنے لوگوں میں تھے، جن کی نگاہ لطف سے اگر ایک طرف ٹوٹے ہوئے دل جڑ جاتے ہیں، تو دوسری طرف ان کی نگاہ خشمگیں پتھروں کے بھی کلیجے شق کر ڈالتی ہیں۔ جن کی جانیں اس وقت کوئی قیمت ہی نہیں رکھتیں، جس وقت ایک مظلوم کو ان کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جب مقابلہ ظالموں سے ہو، تو اس وقت جان تو کیا، ان کے خون کا ایک قطرہ بھی اتنا گراں مایہ ہو جاتا ہے کہ کئی انسانی گردنیں ہی اس کی قیمت چکا سکتی ہیں۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

وہ اگر چہ نحیف و نزار ہوتے ہیں، مگر جب ان کی تلوار میان سے نکل پڑتی ہے، تو اس وقت تک میان کے اندر نہیں جاتی، جب تک کہ شام کی دلہن اپنی مانگ میں شفق کا سیندور نہ بھر لے۔ یا جب تک دن رات کا سیاہ ماتمی لباس نہ پہن لے، جو اگر چہ خرقہ پوش فقیر ہوتے ہیں، مگر دنیائے آب وگل پر انہی کی حکومت ہوتی ہے۔

قلندراں کہ بہ تسخیر آب وگل کوشند
زشاہ باج ستانند وخرقہ می پوشند

بروز بزم سراپا جو پرنیان وحریر
بروز رزم خود آگاہ وتن فراموشند

ملک ابراہیم بیو بن ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے آباواجداد بغداد شریف سے ترک وطن کر کے افغانستان آئے اور غزنی میں مقیم ہو گئے، جب آپ کا وقت آیا تو غزنی کی سکونت ترک کر کے ہندوستان چلے آئے۔ اس وقت دہلی کے تخت پر فیروز شاہ تغلق جلوہ افروز تھا۔ اس نے آپ کے فنی جوہر اور شجاعانہ صلاحیتوں کا اندازہ کر کے آپ کو فوج کا سپہ سالار بنا دیا اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے فوج کی سپہ سالاری قبول کر کے نہ صرف اس منصب کا بھرم رکھ لیا، بلکہ اس کی عزت افزائی فرمائی۔

ملک بیو کے نام سے شہرت پانے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب آپ بہار سے مظفر و منصور دہلی پہنچے، تو فیروز شاہ نے "مَلِک بیا و بہ نشیں" کہہ کر پکارا۔ کثرت استعمال سے آخری جزو 'بہ نشیں' حذف ہو کر 'مَلِک بیا' رہ گیا 'ملک بیو' 'ملک بیا' ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

آپ نے بہار میں کئی مرتبہ فوج کشی کی اور ہر مرتبہ فتحیاب ہوئے۔ پہلی مرتبہ بٹھل نامی ایک ہندو صوبہ دار سے نبرد آزما ہوئے۔ اس صوبہ دار نے قوم متھرا (ماتھر) کے مہوری ہندو سوداگروں پر شدید ظلم کیا تھا۔ مہوری قوم بندرابن کی رہنے والی تھی اور تجارت کی غرض سے بہار آئی ہوئی تھی۔ اس کے پاس ریشمی کپڑے، اونی شال، دوشالے، دوشالی، انگوٹھی، جواہرات اور گھوڑے وغیرہ تھے۔ بٹھل صوبہ دار نے قیمت دینے کا وعدہ کر کے بہت سامال اس سے

خرید لیا، جس کی قیمت اس نے دی ہی نہیں۔ صرف وعدہ کرتا رہا اور آخر میں قیمت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ چونکہ اس کی اس حرکت سے ہندو سوداگروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے دہلی جا کر فیروز شاہ کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا اور اس سے انصاف کی بھیک مانگی۔ فیروز شاہ ان غریب الدیار اور مظلوم ہندوؤں کی حالت زار دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اسی وقت اس نے ملک ابراہیم بیو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ماتحتی میں فوج کا ایک دستہ روانہ کیا۔ فوجیوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ بٹھل صوبہ دار کو اس حکم سے آگاہ کیا جائے کہ وہ سوداگروں سے لی گئی تمام چیزوں کی واجبی قیمت ادا کر دے۔ بہ صورت انکار اسے سمجھایا جائے اور جب تمام تدبیریں بے سود ہو جائیں، تو مناسب سزا دی جائے۔

اگر جز بکام من آمد جواب
من و گرز و میدان و افراسیاب

ملک ابراہیم بیو فوجیوں کو لئے ہوئے بھاگم بھاگ بہار پہنچے۔ بٹھل صوبہ دار سے ملاقات کی اور شاہی حکم سنایا۔ بٹھل نے کہا، اول تو سوداگروں کا دعویٰ ہی غلط ہے اور اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو چونکہ شاہی حکم یک طرفہ ہے۔ اس لئے میں اس کو ماننے کے لئے قطعی تیار نہیں۔ اب ملک بیو شاہی حکم بجا لانے کے لئے مجبور تھے۔ بٹھل تو جنگ کرنے کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ آخر دونوں طرف سے لڑائی ٹھن گئی۔ پھر ایسا ہوا کہ بٹھل کی فوج مقابلہ کی تاب نہ لا کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئی اور بٹھل میدان جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے بعد ملک بیو نے اموال غنیمت سے مہوری سوداگروں کے مال اور اسباب کی قیمت معہ تاوان دلوا دی۔ اس واقعہ کے بعد سے مہوری قوم بہار ہی میں مقیم ہو گئی۔ مہوری قوم ہندو ہونے کے باوجود آج بھی حضرت ملک بیو کی وفات کی تاریخ پران کی برسی مناتی ہے اور نہایت ہی دھوم دھام سے عرس کرتی ہے۔

اس واقعہ کو مولانا عبدالمتین صاحب بہاری نے اپنی کتاب ''تحفۂ بہار'' میں منشی شری رام گیانی کی مشہور کتاب ''تاریخ شری مہوری گیان'' مطبوعہ نول کشور لکھنؤ کے حوالے سے درج کیا ہے۔

ملک بیو کے بہار پر دوسری مرتبہ حملہ کرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جس زمانے میں دہلی کے تخت پر فیروز شاہ تغلق متمکن تھا۔ انہی دنوں بہار میں راجہ ہنس کمار راج کرتا تھا۔ راجہ ہنس کمار غایت درجہ متعصب تھا اور مسلمانوں کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس کی مسلم دشمنی اور زور و ظلم کی شکایتیں فیروز شاہ کے دربار میں اکثر پہنچتی رہتی تھیں۔ نالندہ بہار شریف سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں پہلے بودھ مذہب کی بہت بڑی دانش گاہ اور سناتن دھرمی ہندوؤں کی پرستش گاہ تھی۔ کچھ مسلمان بھی یہاں آ کر بس گئے تھے۔ ایک دن سیدہ نامی ایک مسلمان عورت نے اپنے پوتے کی شادی میں ایک گائے ذبح کی جس کی ایک ہڈی چیل یا کوے نے راجہ کے قریب لیجا کر گرا دیا اس پر راجہ سخت غضبناک ہوا۔ پجاریوں نے اس کے غصہ کی آگ کو اور ہوا دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے سیدہ کے پوتے کو عین حالت عروسی میں قتل کروا دیا۔ مظلوم سیدہ فیروز شاہ کی دربار میں فریاد لیکر پہنچی اور اپنے پوتے کے بے گناہ قتل کئے جانے کا واقعہ اس دردناک طریقہ سے بیان کیا کہ بادشاہ مضطرب ہو گیا اور چونکہ وہ علم نجوم کا بھی قائل تھا اس لئے اس نے فوراً نجومیوں کو طلب کیا اور پوچھا ''بتاؤ کہ راجہ ہنس کمار کی سرکوبی کے لئے فوج کس کی قیادت میں بھیجی جائے؟''
اس کے جواب میں نجومیوں نے کہا کہ ''آج کی رات تمام سپہ سالاروں کو ایک ایک چراغ دے کر اس کی روشنی میں قرآن مجید

تلاوت کرنے کا حکم فرمایا جائے، رات کے کسی حصہ میں آندھی آئے گی جس سے تمام چراغ بجھ جائیں گے، مگر اس سپہ سالار کا چراغ جلتا رہے گا۔ جس کے ہاتھ سے بہار فتح ہوگا۔'' چنانچہ بادشاہ کے حکم سے تمام سپہ سالار تلاوت میں مشغول ہوئے، جس کی نگرانی خود بادشاہ کرتا رہا۔ جب آندھی آئی۔ تو ملک بیو کے چراغ کے سوا سارے چراغ بجھ گئے۔

شاہی حکم کے مطابق جب ملک بیو بہار پہنچے، تو معلوم ہوا کہ راجہ ان دنوں بڑگاؤں (نالندہ) ہی میں مقیم ہے۔ آپ نے اس کو بلوا بھیجا، تو وہ نہیں آیا۔ آخر آپ نے اس پر چڑھائی کردی۔ معمولی جھڑپ کے بعد راجہ اپنی فوج کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ اس کا تعاقب کرتے ہوئے رہتاس گڈھ تک پہنچ گئے۔ راستہ میں پانچ پانچ جگہ مقابلہ ہوا اور یہ مقام پر راجہ کو شکست ہوئی۔ مگر رہتاس گڈھ میں اس نے پہلے ہی سے کافی تیار کر رکھی تھی۔ یہاں مقابلہ سخت تھا۔ اس لئے گھمسان کا رن پڑا اور میدان لاشوں سے پٹ گیا، جنگ کا یہ نقشہ دیکھ کر ملک بیو فیصلہ کن جنگ کے لئے آگے بڑھے، پھر جنگ شدت کی ہونے لگی۔ راجہ نے دیکھا، تو خود تلوار لیکر میدان میں کود پڑا۔ مگر قضا اس کی پہلے ہی سے انتظار کر رہی تھی، ایک بہادر مسلمان نے ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

راجہ کی موت کی خبر سنتے ہی اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور اس نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی۔ مسلمان لڑتے بھڑتے قلعہ میں داخل ہو گئے اور وہاں اپنا جھنڈا نصب کر دیا۔

جب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہا اور بظاہر ہر طرف امن و سکون ہو گیا، تو ملک بیو قطعہ سے باہر ہوئے۔ آپ قلعہ سے باہر ہو ہی رہے تھے کہ چند دشمنوں نے پہلے سے چھپے بیٹھے ہوئے تھے، اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا۔ شہادت کی تاریخ ۱۳ ر ذی الحجہ ۷۵۳ھ روز یکشنبہ ہے۔

تاریخ آفتاب کہ یکشنبہ از جہاں
چو لعل رفت در دل سنگ از برائے خواب
بود از مہ معظم ذی الحجہ سیزدہ
از سال بود ہفصد و پنجہ سہ در حساب

لاش رہتاس گڑھ سے بہار شریف لائی گئی اور محلہ بڑی پہاڑی میں پہاڑی کی چوٹی پر دفن کر دی گئی۔ قبر شریف پر فیروز شاہ نے ایک عظیم الشان گنبد تعمیر کرایا۔ پہلے قبر کے پاس ایک کتبہ تھا اور اس میں یہ قلعہ تاریخ مندرج تھا۔

بعہد دولت شاہ جہانگیر
کہ باد اور جہان ملک نوروز
شہنشاہ جہاں فیروز سلطان
کہ برشاہان گیتی گشت فیروز

(کنز الانساب، ص ۱۸۹، الیٰ آخرہ آثار شرف ص: ۶۰) لیکن اب یہ کتبہ کلکتہ کے عجائب خانہ کی زینت ہے۔ ☆☆☆

ایک دن سیدہ نامی ایک مسلمان عورت نے اپنے پوتے کی شادی میں ایک گائے ذبح کی جس کی ایک ھڈی چیل یا کوّے نے راجہ کے قریب لیجاکر گرادیا اس پر راجہ سخت غضبناک ہوا۔ پجاریوں نے اس کے غصّہ کی آگ کو اور ھوا دی۔ جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ اس نے سیدہ کے پوتے کو عین حالت عروسی میں قتل کروادیا۔ مظلوم سیدہ فیروز شاہ کی دربار میں فریاد لیکر پھنچی اور اپنے پوتے کے بے گناہ قتل کئے جانے کا واقعہ اس دردناک طریقہ سے بیان کیا کہ بادشاہ مضطرب ھو گیا اور چونکہ وہ علم نجوم کا بھی قائل تھا اس لئے اس نے فوراً نجومیوں کو طلب کیا اور پوچھا "بتاؤ کہ راجہ ھنس کمار کی سر کوبی کے لئے فوج کس کی قیادت میں بھیجی جائے؟" (ضیاء جالوی)

فاضل بہار سے فاتح بہار تک

از قلم: مولانا طارق انور مصباحی نوادہ۔ بہار

عہد قدیم کے ھادیان دین وملت بنی نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں ان میں سے اکثر امتداد روزگار کی روشنی میں روپوش ہوتے چلے گئے تاہم بعض رہنمایان قوم اپنی تابندہ نشانیوں کی وجہ کر ابد تک کے لئے زندۂ جاوید ہوتے چلے گئے۔ حضرت ملک العلماء مولانا مفتی سید محمد ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف لطیف ''صحیح البہاری'' اگر طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں پہنچی تو ادوار مابعد میں مشاہیر محدثین میں آپ کا شمار ہوگا۔ شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی کے بعد محدثین ہند میں آپ کا اسم گرامی سرفہرست ہوگا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دور حاضر میں تفضیح و تنقیح فقہ حنفیہ کے لئے جو مرتبہ فتاویٰ شامی کو حاصل ہے، ادلۂ احناف کے لئے ''صحیح البہاری'' اسی درجہ کی حامل ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ نسخہ قلمی ہو کر کسی لائبریری کی زینت بن گیا، جیسا کہ تادم تحریر صحیح البہاری کی چھ ضخیم جلدوں میں سے پانچ قلمی صورت میں ہیں، تو ارباب علم ودانش بخوبی واقف ہیں، کہ عدم افادہ کے باب میں قلمی نسخہ جات اور ضائع شدہ کتابوں کا مقام قریباً مساوی ہے۔ مسلک اہل حدیث کی جانب سے ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث کا مطالبہ اور صحیح البہاری کا غیر مطبوعہ ہونا ہمارے عدم تدبر کی ایک عجیب مثال ہے۔ علماء محققین سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ امام ابو جعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ کی ''شرح معانی آثار'' یا شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تصنیف ''فتح المنان في مذهب ابي حنيفة النعمان'' فقہ احناف کی تمام احادیث پر مشتمل نہیں۔ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے ذخیرۂ احادیث کی طباعت کب ہوگی؟ اہل سنت وجماعت کی اس خدمت عظمیٰ کا سہرا کس کے سر ہوگا؟ آنے والا وقت ہی اس کا جواب دیگا۔ حضرت سراج ملت دام ظلہ الاقدس جو حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کے ہم وطن اور ان کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور چند سال پیشتر ''صحیح البہاری'' جلد دوم کی طباعت کا قابل رشک کارنامہ موصوف کے ہاتھوں انجام پذیر ہو کر جلد دوم ہند وبیرون ہند کے صاحبان علم وفضل کو باصرہ نواز ہو چکی ہے، اگر جناب مخدوم گرامی اعلی اللہ درجاتہ مکمل صحیح البہاری کی طباعت کی ذمہ داری قبول فرمالیں تو انشاء اللہ العزیز رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے تمام جلدیں مطبوع ہو کر کل جہاں کے احناف کے لئے ایک لاثانی تحفہ ہو جائے معاً فقہ حنفی کی مؤید احادیث پر مسلک اہل حدیث کی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر ''صحیح البہاری'' کی احادیث پر فن رجال اور فن جرح وتعدیل کی روشنی میں تحشیہ نگاری بھی کی جائے۔ صاحبزادۂ ملک العلماء عزت مآب پروفیسر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) صحیح البہاری پر تبصرہ نگاری کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو جس

کی سند واشتہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو۔ حضور ملک العلماء نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا خاصہ حصہ صرف کیا۔ فقہی ابواب کی ترتیب پرانہوں نے اسے چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کا نام "الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری" رکھا (۱) مولانا محمود احمد قادری نے لکھا ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد ایک سوساٹھ ہے (۲) آپ کی تصنیفات میں سب سے زیادہ ضخیم "صحیح البہاری" ہے۔ چودہ صدیوں میں آج تک احادیث کا کوئی ایسا مجموعہ نہ تھا جس میں مسلک احناف کی مؤید حدیثیں یکجا ہوں۔ آپ نے صحیح البہاری میں ان احادیث کو جمع فرمایا۔

حضور ملک العلماء نے علامہ وصی احمد محدث سورتی، استاذ زمن مولانا احمد حسن کانپوری، فاضل اجل مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری، مولانا بشیر احمد علی گڑھی، مولانا شاہ عبید اللہ علیمی وغیرہم یگانۂ روزگار علماء وافاضل سے اکتساب علم وفضل فرمایا تھا۔

(۳) "ملک العلماء" اور "فاضل بہار" ہر دو خطاب، صاحب تاریخ کے استاذ شریعت وطریقت، تاجدار اہل سنت اعلیحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عطا کردہ ہیں۔ "ملک العلماء" اس مناسبت سے کہ آپ کا خاندان صوبہ بہار میں "ملک" کے لقب سے متعارف ہے اور "فاضل بہار" اس لئے کہ آپ کا وطن "بہار" ہے اور صوبہ بہار آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی علیہ الرحمہ کی جاگیر بھی۔ سلطنت تغلقیہ کی جانب سے فتح بہار کے صلے میں انہیں یہ جاگیر ملی تھی۔ آپ غزنی سے ہجرت فرما کر وارد ہند ہوئے تھے اور سلطان محمد شاہ تغلق کے سپہ سالار تھے۔ ملک موصوف کی حیات اور کارناموں کی قدرے تفصیلات ذیل میں مرقوم ہیں:

ملک بیو بھاری: ۔ فاتح بہار حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی سپہ سالار اعلیٰ افواج شاہی سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند ومورث اعلیٰ خاندان ملک صوبہ بہار الشہید ۷۵۳ھ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کرام سے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ ملک موصوف کا نسب نامہ ذیل میں درج ہے:

سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بیو بہاری بن سید ابوبکر غزنوی بن سید ابوالقاسم عبد اللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابومنصور صفی الدین عبد السلام بن سید سیف الدین عبد الوہاب بن حضور غوث اعظم سید عبد القادر محی الدین حسنی حسینی جیلانی بغدادی علیہم الرحمۃ والرضوان۔ (۴) حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ ایران کے قصبہ جیلان میں ۴۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جیلان ہی میں حاصل کیا اور اعلیٰ تعلیم ودیگر علوم دینیہ وفنون اسلامیہ حاصل کرنے کی غرض سے بغداد کا سفر اختیار فرمایا۔ آپ جامعہ نظامیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بغداد ہی میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں اپنی زندگی کے شب وروز گزار کر ۵۶۱ھ میں عالم فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔ بغداد میں آپ کا روضہ مبارکہ مرجع خلائق اور دنیائے اسلام کے لئے منبع فیوض وبرکات ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزندان گرامی میں سے بعض حضرات بغداد ہی میں رہے اور بعض صاحبزادگان بغداد سے ہجرت فرما کر دوسرے اسلامی شہروں میں جابسے (۵) آپ کی آل اولاد میں سے بعض حضرات بغداد سے ترک وطن کر کے افغانستان چلے گئے تھے، انہیں میں سے ایک بزرگ حضرت سید ابوبکر غزنوی تھے جو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے سیدنا ابومنصور صفی الدین عبد السلام بن سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی کے پر پوتے تھے۔ آپ کا وطن "بت نگر" تھا۔ بت نگر افغانستان کے قدیم دار السلطنت "غزنی" سے تین فرسنگ کی دوری پر پورب سمت آباد

ہے۔(۶) حضرت سید ابوبکر غزنوی کی وفات بت نگر ہی میں ہوئی اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ سید ابراہیم ملک بیا غازی اور سید ابو مبارک علی۔ سید ابراہیم ملک بیا غازی اپنے خاندان کے ساتھ افغانستان سے ہجرت فرما کر ہندوستان چلے آئے (۷) ہندوستان میں اس وقت تغلق خاندان کی بادشاہت تھی۔ عبد الحلیم خواجہ پوری اور سید قیام الدین نظامی نے لکھا ہے کہ سید ابراہیم ملک بیا غازی، سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کے عہد میں ہندوستان آئے (۸) حضرت سید ابراہیم ہند آ کر سلطنت تغلقیہ کی شاہی فوج میں شامل ہو گئے۔ آپ نے بہت سے معرکوں میں شرکت فرمایا اور میدان جنگ میں استقلال و جواں مردی، ہمت و جرأت اور خداداد شجاعتوں اور بہادری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند نے آپ کے بے مثال کارناموں، فنون جنگ کی مہارت اور آپ کی متحیر العقول شجاعت و بہادری کو دیکھ کر شاہی لشکر کی سپہ سالاری کا عہدہ آپ کو عطا کیا۔ سپہ سالار کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد آپ نے صوبہ بہار اور جھارکھنڈ کو فتح فرمایا۔

بھار پر پھلا حملہ :۔ سلطنت تغلقیہ کی زمانے میں بہار پر ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں کی حکمرانی تھی۔ یہ راجے، مہاراجے دہلی کی اسلامی سلطنت سے برگشتہ ہو کر خود مختارانہ حکومت کیا کرتے تھے اور رعایا پر بہت ظلم وستم ڈھایا کرتے تھے۔ عبد الحلیم خواجہ پوری، مفتی عبد المتین بہاری، ڈاکٹر حسن رضا خاں پی۔ ایچ۔ ڈی پٹنہ پروفیسر مجیب الرحمن اور سید قیام الدین نظامی بہار پر ملک بیا غازی کے پہلے حملے کا واقعہ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ بندرابن (متھرا) کے بہت سے مہوری سوداگر اپنے تجارتی مال واسباب کے ساتھ پٹنہ ہوتے ہوئے بہار پہنچے۔ بہار کے ہندو حکمراں راجہ بٹھل نے ان مہوری سوداگروں کا بہت سا تجارتی سامان خریداری کے بہانہ سے لے لیا اور اس کی قیمت آئندہ دینے کا وعدہ کیا۔ مہوری سوداگروں نے کئی بار صوبہ دار سے اپنے مال واسباب کی قیمت کا مطالبہ کیا مگر راجہ بٹھل نے ان مہوری سوداگروں کو کچھ نہ دیا اور آخر کار صاف لفظوں میں یہ کہہ کر اپنے دربار سے باہر نکلوا دیا کہ جاؤ کچھ نہ ملے گا۔ جب مہوری سوداگروں کو کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو ان لوگوں نے دہلی کے بادشاہ سلطان محمد شاہ تغلق کے دربار میں راجہ بٹھل کے ظلم وستم کی شکایت کی اور انصاف طلب کیا۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے اسی وقت اپنے سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو یہ مہم سر کرنے کے لئے لشکر شاہی کے ساتھ بہار جانے کا حکم دیا اور کہا کہ پہلے راجہ بٹھل سے مہوری سوداگروں کے سامان تجارت کی قیمت کا مطالبہ کرو، اگر وہ نہ مانے تو اس کو مناسب سزا دو۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی اسلامی لشکر کے ساتھ بہار آئے اور بادشاہ دہلی کے حکم کے مطابق پہلے راجہ بٹھل سے مہوری سوداگروں کے مال واسباب کی قیمت دینے کو کہا۔ راجہ بٹھل نے مال واسباب کی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ اب سپہ سالار ملک بیا غازی بادشاہ ہند کا حکم بجالانے کے لئے تیار ہوئے۔ بٹھل صوبہ پہلے ہی سے ہوشیار تھا، وہ بھی مقابلے کے لئے تیار ہو گیا اور دونوں طرف سے گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ بٹھل صوبہ داری فوج مقابلہ نہ کر سکی اور شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ راجہ بٹھل معرکہ جنگ میں لڑتے ہوئے مارا گیا۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو فتح نصیب ہوئی۔ بہار پر اور راجہ بٹھل کے زیر حکومت علاقوں پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوئی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد سپہ سالار سید ابراہیم نے مال غنیمت سے مہوری سوداگروں کے مال واسباب کی قیمت ادا کی، مہوری قوم اس سے بہت خوش ہوئی اور بہار میں آباد ہوئی۔ (۹) سامان تجارت:۔

مہوری سوداگران ریشم کے کپڑے، جواہرات، سونے اور چاندی کے زیورات، اونی شال اور دوشالے، چوڑیاں، انگوٹھی اور گھوڑے وغیرہ کی تجارت کیا کرتے تھے (۱۰) فتح جھاڑکھنڈ:۔ پرانے زمانے میں ہزاری باغ کا رقبہ بہت بڑا تھا اور بہت سے علاقے اس کے ماتحت تھے اور اسے جھاڑکھنڈ کہا جاتا تھا (۱۱) اس علاقے میں قدیم زمانے سے ایک ہندو قوم رہا کرتی تھی جسے سنتھال کہا جاتا تھا۔ آج بھی سنتھال قوم دمکا، مدھوپور اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہے اور ان اطراف کے بعض علاقوں کو سنتھال پرگنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں جھاڑکھنڈ میں سنتھالی راجاؤں کی حکمرانی تھی۔ ایک سنتھالی حکمراں ''راجہ جانگرا'' کا قلعہ چھائی چمپا (ضلع ہزاری باغ) میں تھا ایک دوسرا سنتھالی سردار ''مان سنگھ'' چھائی چمپا سے چار میل دور مان گڑھ کے قلعہ میں رہتا تھا۔ سال ۱۳۴۰ء مطابق ۷۴۱ھ سپہ سالار سید ابراہیم نے علاقہ جھاڑکھنڈ پر حملہ کیا، جب راجہ جانگرا کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کی قیادت میں بڑھتا آرہا ہے تو وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ ایک کواں میں کود گیا۔ اس طرح راجہ جانگرا نے خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو اور اپنے اہل خاندان کو ہلاک کر دیا (۱۲) یہ کواں آج بھی چھائی چمپا میں موجود ہے۔ آج کل چھائی چمپا ''چے چو پارن'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ راجہ جانگرا کے قلعہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد سپہ سالار سید ابراہیم نے حضرت فتح خاں دولہ رحمۃ اللہ علیہ کو چھائی چمپا کا حاکم مقرر کیا۔ (۱۳) جھاڑکھنڈ کا دوسرا سنتھالی سردار مان سنگھ سپہ سالار سید ابراہیم اور ان کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر مقابلہ کئے بغیر اپنے قلعہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس قلعے پر بھی ملک بیا غازی نے قبضہ کر لیا۔ (۱۴) اس طرح بغیر کسی خوں ریزی کے جھاڑکھنڈ پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوگئی۔ علی محمد شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں ''ضلع ہزاری باغ کا قدیم نام جھاڑکھنڈ تھا۔ یہ قصبہ عین بندھیاچل کے گنجان پہاڑوں کے دامن میں ہے۔ محمد ابن تغلق بادشاہ کے وقت میں اس کے سپہ سالار ''ابراہیم'' نے اس کو فتح کیا۔ یہ واقعہ ۱۳۴۰ء کا ہے (۱۵)۔

بہار پر دوسرا حملہ:۔ بہار کے ہندو صوبہ دار راجہ بٹھل کی شکست اور موت کے بعد صوبہ بہار کے ایک بڑے علاقے پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوگئی تھی مگر ابھی بہار میں ایک بڑا طاقتور ہندو حکمراں راجہ ہنس کمار نام کا تھا جو مسلمانوں سے سخت بغض وعناد رکھنے والا اور متعصب تھا۔ اس کا پایہ تخت رہتاس گڑھ تھا جو آج کل رہتاس کے نام سے مشہور ہے۔ رہتاس میں ایک ناقابل تسخیر قلعہ تھا جس میں راجہ ہنس کمار رہا کرتا تھا۔ یہ قلعہ آج بھی رہتاس میں موجود ہے۔ عبدالحلیم خواجہ پوری جہان آبادی، مفتی عبد المتین بہاری، پروفیسر مجیب الرحمٰن، سید قیام الدین نظامی اور ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ لکھتے ہیں کہ راجہ ہنس کمار کے ظلم وجبر کی شکایت کئی بار دہلی کے بادشاہ کے دربار میں پہنچ چکی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے نالندہ میں بڑا ظلم ڈھایا۔ نالندہ، بہار شریف سے دکھن چھ میل کے فاصلے پر ایک مشہور مقام ہے جو پرانے زمانے میں بڑگاؤں کہلاتا تھا۔ نالندہ میں بودھ مذہب کی بہت بڑی تعلیم گاہ تھی اور سناتن دھرم ہندوؤں کی ایک بہت بڑی پرستش گاہ بھی۔ راجہ ہنس کمار اکثر وہاں آیا جایا کرتا تھا۔ اس وقت وہاں کچھ مسلمان بھی آباد تھے۔ ایک روز بڑگاؤں میں ایک مسلمان عورت نے جس کا نام سیدہ تھا، اپنے پوتے کی شادی میں ایک گائے ذبح کیا۔ راجہ ہنس کماران دنوں پوجا کے لئے بڑگاؤں آیا ہوا تھا۔ گائے کی ایک ہڈی چیل یا کوے نے راجہ ہنس کمار کے قریب گرا دیا۔ پجاریوں نے یہ دیکھ کر راجہ کو خوب ابھارا۔

راجہ متعصب تھا۔ غصہ میں آکر سیدہ کے پوتے کو جو ابھی دولہا بنا ہوا تھا شہید کر دیا۔ مظلوم سیدہ مسلمانوں کی مدد سے سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کے دربار میں پہنچی اور اپنے پوتے کے بے گناہ قتل کئے جانے کا واقعہ بیان کی۔ راجہ ہنس کمار کے اس دل دہلا دینے والے ظلم کو بادشاہ برداشت نہ کر سکا اور بے اختیار ہو گیا اور چونکہ محمد شاہ تغلق علم نجوم کا معتقد تھا اس لئے اس نے فوراً نجومیوں کو بلا کر دریافت کیا کہ راجہ ہنس کمار کی سرکوبی اور سزا کے لئے کون شخص بہتر رہے گا جس کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بہار بھیجا جائے۔ تمام نجومیوں نے بالاتفاق کہا کہ یہ کام سید ابراہیم ملک بیا سے ہوگا اور یہ روایت بھی تاریخوں میں درج ہے کہ بادشاہ نے جب نجومیوں سے پوچھا کہ راجہ ہنس کمار کی سزا کے لئے کس سپہ سالار کو بہار بھیجا جائے تو نجومیوں نے کہا کہ آج کی رات تمام سپہ سالاروں کو ایک ایک چراغ دیکر اس کی روشنی میں قرآن مجید تلاوت کرنے کا حکم دیا جائے۔ رات کے کسی حصے میں آندھی آئے گی جس سے تمام چراغ بجھ جائینگے مگر اس سپہ سالار کا چراغ جلتا رہے گا جس کے ہاتھ سے بہار فتح ہوگا۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے تمام سپہ سالار رات کو قرآن حکیم کی تلاوت میں مشغول ہوئے اور سلطان محمد شاہ تغلق خود نگرانی میں رہے۔ رات کو جب آندھی آئی تو تمام چراغ بجھ گئے مگر سید ابراہیم ملک بیا غازی کا چراغ جلتا رہا۔ بادشاہ نے سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو بلایا اور بہار جانے کا حکم دیا اور کہا کہ راجہ ہنس کمار کے ظلم و شرارت کی بار بار شکایت آچکی ہے اور اب اس کے ناحق خون کرنے کی بھی خبر ملی ہے لہٰذا اس بے گناہ کے خون کا بدلہ لینا بہت ضروری ہے۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی بادشاہ کے حکم کے مطابق لشکر جرار لے کر اپنے اہل خاندان کے ساتھ بہار کی طرف روانہ ہو گئے اور منزل طے کرتے ہوئے جب بہار پہنچے تو معلوم ہوا کہ راجہ ہنس کمار بڑگاؤں (نالندہ) میں ہے۔ سپہ سالار ابراہیم نے راجہ کو کہلا بھیجا کہ تم ابھی فوراً میرے پاس حاضر ہو ورنہ تم پر حملہ کر دیا جائے گا۔ راجہ نے اس حکم کو نہ مانا، آپ نے اس پر حملہ کر دیا اور بڑگاؤں کے سورج پوکھر نامی تالاب کے پاس دونوں لشکر میں جنگ ہونے لگی۔ راجہ ہنس کمار شکست کھا کر اپنی فوج کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ گیا مگر آپ نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور پانچ مقام پر راجہ اور اس کے لشکر کو گھیرا۔ راجہ ہر جگہ شکست کھاتا ہوا اور اپنی جان بچاتا ہوا رہتاس گڑھ اپنے قلعہ میں پہنچ گیا۔ راجہ پہلے ہی رہتاس گڑھ کے سپہ سالار کو لڑائی کی تیاری کی خبر بھیج چکا تھا، اس لئے قلعہ رہتاس گڑھ میں جنگ کی پوری تیاری تھی۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی راجہ ہنس کمار کا تعاقب کرتے ہوئے جب رہتاس گڑھ پہنچے تو راجہ کی فوج بھی مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں آگئی، دونوں طرف سے فوج آگے بڑھی اور خونریز جنگ ہونے لگی، تلواریں بجلی کی طرح چمکنے لگیں، ہزاروں کے سر جسم سے جدا ہو گئے اور میدان کارزار خون سے سرخ ہو گیا، دونوں طرف لڑائی کا پلہ برابر تھا۔ جنگ کا یہ نقشہ دیکھ کر سپہ سالارِ اعظم نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا اور دشمن کی فوج پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ راجہ ہنس کمار کی فوج بے ترتیب ہو گئی اور جنگ بڑی شدت کی ہونے لگی۔ راجہ ہنس کمار خود تلوار لے کر میدان جنگ میں کود پڑا۔ ایک بہادر مسلمان سپاہی سے راجہ ہنس کمار کا مقابلہ ہوا، اس نے راجہ کو ایسی تلوار ماری کہ راجہ کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ ہندو سپاہیوں کو جب معلوم ہوا کہ ہمارا راجہ مارا جا چکا ہے تو ان کی ہمت پست ہو گئی اور قدم اکھڑ گئے اور وہ لوگ قلعہ کی طرف بھاگے۔ مسلمان فوج اپنے سپہ سالار سید ابراہیم کی قیادت میں قلعہ کے دروازے تک پہنچ گئی اور لڑتی بھڑتی قلعہ کے اندر داخل ہو گئی اور مسلمانوں کے لشکر نے رہتاس گڑھ کے

اس عظیم الشان قلعہ پر اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ قلعہ کے اندر راجہ ہنس کمار کی فوج نے اسلامی لشکر کے آگے ہتھیار ڈال دیا۔ اسی طرح ایک لمبے عرصے کی بڑی خوں ریز جنگ کے بعد قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور صوبہ بہار سے ہندوؤں کی سب سے بڑی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

(۱۶) **سپہ سالار اعظم کی شہادت**:۔ جب قلعہ رہتاس گڑھ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا، جنگ ختم ہو گئی اور ہر طرف امن وامان کا ماحول پیدا ہو گیا۔ اب کسی طرح کا کوئی خوف یا خطرہ نہیں رہا تھا، اسی درمیان سپہ سالار اعظم سید ابرہیم ملک بیاغازی قلعہ سے باہر آرہے تھے اور راجہ ہنس کمار کی فوج کے چند شکست خوردہ سپاہی گھات لگا کر چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سالار اعظم سید ابراہیم کو آتا دیکھ کر ان لوگوں نے بے خبری میں اچانک آپ پر حملہ کر دیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔ (۱۷) چونکہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے بہار شریف پیر پہاڑی پر دفن کیا جائے جہاں حضرت سید احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا روضہ مبارکہ ہے اس لئے رہتاس گڑھ سے فاتح بہار کی نعش مبارک بہار لائی گئی (۱۸) اس میں مہوری قوم نے بھی شرکت کیا (۱۹) مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو بہار کے پیر پہاڑی کی چوٹی پر دفن کیا گیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہند نے آپ کا عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا جو آج تک جوں کا توں موجود ہے اور آپ کے مقبرہ میں پتھر کے تین کتبے لگوائے جن میں فارسی زبان میں چھ چھ اشعار کے نظم لکھی ہوئی ہے۔ (۲۰) دو کتبے آج تک مقبرہ میں موجود ہے ایک کتبہ جو مقبرہ کے صدر دروازے پر تھا، دیوار بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر گیا تھا۔ انگریزی حکومت نے اسے کلکتہ انڈین میوزیم (جادو گھر) میں لے جا کر رکھ دیا۔ (۲۱) راجہ ہنس کمار کا سر اور اس کے مارے جانے والے سپاہیوں کا زنار جس کا وزن سوا من تھا، مقبرہ ملک بیاغازی کے احاطہ کے باہر دکھن جانب مغربی سمت ایک کنواں میں ڈال دیا گیا۔ یہ کنواں آج بھی موجود ہے اور ''مند مالا'' کے نام سے مشہور ہے۔ آج کل اس کا منہ ایک پتھر سے ڈھکا ہوا ہے۔ (۲۲) مشہور مؤرخ مسٹر طامس ولیم بل لکھتے ہیں ''در بہار بفاصلہ یک کردہ مغرب از شہر کوہے است خورد کہ آں را پیر پہاڑی می گویند، بالائے آں کوہچہ مزار ملک ابراہیم بیو کہ در زمان سلطان فیروز شاہ دہلوی فوت کردہ، موجود است۔ وفاتش در سنہ ۷۵۳ ہفت صد و پنجا و سہ بوقوع آمدہ و ایں تاریخ بر تربت او مرقوم است''۔ (۲۳) بہار میں شہر سے پچھم ایک کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے پیر پہاڑی کہتے ہیں، اس پہاڑی پر ملک ابراہیم بیو جو سلطان فیروز شاہ دہلوی کے زمانے میں وفات پائے ہیں، کا مزار موجود ہے۔ ان کی وفات ۷۵۳ھ میں واقع ہوئی یہ تاریخ ان کے قبر پر لکھی ہوئی ہے۔

عرس مبارک: آپ کی تاریخ وفات ۱۳ ذی الحجہ کو ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں بلاتفریق مذہب وملت معتقدین شریک عرس ہو کر فیضان ملک بیاغازی سے مالا مال ہوا کرتے ہیں۔ مہوری قوم بھی جن کی خاطر حضرت ملک بیاغازی نے بہار پر پہلا حملہ کیا تھا، احسان شناسی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اپنی روایتی شان وشوکت اور دھوم دھام کیساتھ ہر سال ۱۳ ذی الحجہ کو سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیاغازی کا عرس منایا کرتی ہے (۲۴)

القاب وخطابات:۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیاغازی کو بادشاہ دہلی نے قریباً نصف درجن خطابات عطا کئے تھے۔ (۱) ملک سیف دولت (۲) مدار الملک (۳) ملک بیا (۴) ملک غازی (۵) ملک (۶) ملک بیاغازی۔ اسی طرح مصنفین ومؤرخین آپ کو فاتح

بہار کے نام سے یاد کیا کرتے ہیں اور باشندگان صوبہ بہار کے عرف میں آپ ملک بیو بہاری کے نام سے مشہور ہیں۔(۲۵) عبد الحلیم خواجہ پوری، مفتی عبد المتین بہاری اور ڈاکٹر حسن رضا خان پی۔ایچ۔ڈی پٹنہ لکھتے ہیں کہ آپ ایک بہادر جنگجو اور میدان جنگ کے بے مثال غازی ہونے کے ساتھ ہی ایک باکرامت، روحانی بزرگ، عبادت گزار، شب بیدار اور اپنے وقت کے ایک عظیم ولی تھے۔(۲۶)

عہدۂ سپہ سالاری وصوبہ داری:۔حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کے افواج شاہی کے سپہ سالار اور صوبہ بہار کے حاکم وصوبہ دار تھے۔سید قیام الدین نظامی لکھتے ہیں:''آپ پیشہ کے لحاظ سے ایک سپاہی تھے اور سلطان محمد تغلق کی فوج کے سپہ سالار تھے لیکن اہل بہار حضرت سید ابراہیم ملک بیا کو ایک صوفی بزرگ کی حیثیت دیتے ہیں اور آپ سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔سلطان دہلی کی طرف سے آپ کو اور آپ کے ورثاء کو بہار کی صوبہ داری بھی عطا ہوئی۔کیمبری ہینسو مسٹری آف بہار میں سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں صوبہ بہار کے صوبہ داروں کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں آپ کا اور آپ کے ورثاء کا نام موجود ہے''۔(۲۷) دوسری جگہ لکھتے ہیں، کیمبری ہینسو مسٹری آف بہار میں بحیثیت صوبہ دار بہار آپ کا اور آپ کے ورثاء کے نام آئے ہیں۔(۱) ملک ابراہیم بیا (۲) داؤد خان ولد ابراہیم ملک بیا (۳) خانزادہ سلیمان ولد داؤد''۔(۲۸) مولوی فصیح الدین بلخی عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔''فیروز تغلق کے حکومت کے ابتدائی زمانے میں ملک ابراہیم بیو بن ابوبکر اقطاع بہار کا حاکم تھا۔ اس کا حال پیر پہاڑی کے کتبوں سے دریافت ہوا ہے۔ان کتبوں میں اس کو مقطع بہار اور مدار الملک لکھا ہے اور اس میں فیروز تغلق کا عہد مذکور ہے۔اس لئے راقم نے اس کا زمانہ فیروز شاہ کی تخت نشینی سے شمار کیا ہے۔اگرچہ اغلب ہے کہ یہ محمد تغلق کے عہد سے مقطع بہار (حاکم بہار) ہو۔حاجی الیاس نے ملک ابراہیم حاکم بہار پر فوج کشی بھی کی تھی۔''(۲۹) مولوی عبد الرحیم صادق پوری عظیم آبادی نے لکھا ہے، جس زمانہ میں حضرت میر معز الدین دیوروی جن کا اصل وطن بخارا تھا، دوڈھائی سو آدمی مع اپنے قبائل ہندوستان تشریف لائے اس وقت''ملک بیا''محمد تغلق شاہ فرمانروائے دہلی کی طرف سے بہار میں صوبہ دار تھے۔''(۳۰) موصوف نے اور دوسرے مقام پر بھی آپ کو''حاکم صوبہ بہار'' لکھا ہے۔

جاگیر:۔عبد الحلیم خواجہ پوری اور مفتی عبد المتین بہاری نے لکھا ہے کہ آپ کو صوبہ بہار بطور جاگیر عطا کیا گیا تھا۔(۳۱)

اولاد کرام:۔حضرت ملک بیا غازی رحمۃ اللہ علیہ کی نو اولادیں تھیں۔سات بیٹے اور دو بیٹی۔بیٹوں کے نام یہ ہیں:۔ملک داؤد، ملک محمد الیاس، ملک بدر الدین، ملک محمد محسن، ملک عثمان، ملک سلطان۔(۳۲) آپ کی بڑی بیٹی بی بی منہیا کی شادی حاجی الحرمین حضرت مخدوم صدر الدین ظفر آبادی چراغ ہند رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی اور آپ کی دوسری صاحبزادی کی شادی آپ کے حقیقی بھتیجہ سید مبارک علی سے ہوئی۔(۳۳)

خانوادہ ملک کی آبادیاں:۔سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو بادشاہ دہلی نے بہار فتح فرمانے کے صلہ میں صوبہ بہار بطور جاگیر عطا کیا تھا، اس لئے آپ کی شہادت کے بعد آپ کے شہزادگان بہار ہی میں آباد ہو گئے پھر جب آبادی بڑھی تو بہار سے نکل کر قرب وجوار کے قصبات ومواضع میں آباد ہوتے گئے اور بہت سی بستیاں اور گاؤں بھی آباد کئے۔ملک زادگان قصبہ بہار سے نکل کر سب سے پہلے مندرجہ ذیل آبادیوں میں منتقل ہوئے۔

(۱) اسلام پور (۲) پچپاسا (۴) بڑارہ (۵) اجنورہ (۶) کھیرا (۷) میڑھی (۸) سوناتواں (۹) گوندبگہ (۱۰) سوگاؤں (۱۱) بارا (۱۲) جمنا پور (۳۴) پھر چونکہ ملک زادگان حکمراں خاندان کے افراد تھے، حضرت ملک بیا غازی کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے ملک داؤد فوج کے سپہ سالار اور بہار کے صوبہ دار مقرر رہوئے، اسی طرح اس خانوادے کے بہت سے افراد فوج کی سالاری، لشکر کی افسری اور سلطنت ہند کے دوسرے اہم عہدوں پر فائز ہوتے رہے یہاں تک کہ خانوادہ ملک کے نامور سپوت بارہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت علامہ قاضی محب اللہ بہاری الملقب بہ فاضل خاں صاحب سلم العلوم و مسلم الثبوت المتوفی ۱۱۱۹ھ سلطان شاہ عالم بن سلطان اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ ہند کے عہد میں ۱۱۱۸ھ میں کل ہند کی صدارت عالیہ کے منصب عالی پر فائز ہوئے۔ موصوف صدر ہند ہونے سے پہلے لکھنؤ، حیدرآباد اور کابل کے قاضی بھی رہ چکے تھے۔ (۳۵) المختصر یہ کہ سلطنت و حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ کر ملک زادگان کو بادشاہ وقت کی جانب سے جہاں جاگیر ملی وہاں جاکر آباد ہوتے گئے، یہاں تک کہ بہار کے قدیم اضلاع میں سے چار ضلع (۱) پٹنہ (۲) گیا (۳) مونگیر (۴) شاہ آباد تک ملک حضرات کی آبادی پھیل گئی۔ (۳۶) یہ چاروں اضلاع اب قریباً دس سے زائد ضلعوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور ان میں سے اکثر ضلعوں میں ملک زادگان کثیر تعداد میں آباد ہیں اور آج بھی بہت سے ملک حضرات کے پاس پرانی جاگیریں اور زمینداریوں کے حصے کی زمینیں اور جائدادیں موجود ہیں۔ تقسیم ہند کے وقت ۱۹۴۷ء میں خانوادہ ملک کا ایک بڑا طبقہ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان جاکر آباد ہو گیا۔ (۳۷) جن سے آج تک شادی بیاہ کے مراسم قائم ہیں۔ خاندان ملک:۔ چونکہ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو سلطنت تغلقیہ کی جانب سے "ملک" کا ایک بلند مرتبہ شاہی خطاب عطا ہوا تھا، اس لئے آپ کی آل اولاد "سید" کے بجائے اپنے موروثی خطاب "ملک" کو اپنے ناموں کے ساتھ لکھنے اور بولنے لگی۔ (۳۸) اس طرح آپ کی نسل پاک "خانوادہ ملک" کے نام سے مشہور و معروف ہوگئی۔ "ملک" ایک شاہی خطاب ہے۔ (۳۹) سلاطین ماضی کے زمانے میں "ملک" ایک فوجی عہدہ تھا۔ (۴۰) مولوی محمد حسین سابق ڈسٹرکٹ جج فیروز پور جنہوں نے سفرنامہ ابن بطوطہ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، اس میں انہوں نے اپنا ایک وضاحت نوٹ اس طرح لکھا ہے:۔ The nobles of the court rank thus the highest rank is that of amir khans second that of maliks and third of amirs the first have ten thousend soldiers under them and maliks have one thousend soldiers the amir khan get jagir yielding an income of two lakhs tanka (every tanka is worth half of a guinea)the malik have jagirs yeilding fifty to sixty thousend rupees a year the soldiers are paid by the king some maliks have ariur to the rank of amir khans but are known as maliks(14) آنجہانی تاراچند ایم اے سابق پرنسپل الہ آباد کالج نے اپنی تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ شاہان خلجی و تغلق کے زمانہ میں فوجی عہداداروں کے تین درجے تھے خان، ملک اور امیر۔ یہ لوگ مقررہ تعداد کی فوجوں کے افسر ہوتے تھے۔ یہ افسران ملکی اور فوجی دونوں

فرائض انجام دیتے تھے۔ انہیں تنخواہ کے بدلے جاگیریں دی جاتی تھیں (۴۲) سلطنت تغلقیہ کے مشہور مؤرخ مولانا ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی ص ۱۴۵۔ پر لکھا ہے کہ "ملک" ایک فوجی عہدہ ہے خطاب ملک کی مکمل تحقیق "کشف الاسرار فی مناقب فاتح بہار" مقالہ سوم میں مندرج ہے۔ المختصر یہ کہ "ملک" کوئی برادری نہیں ہے۔ (۴۳) ڈاکٹر حسن رضا خان پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پٹنہ لکھتے ہیں کہ "ملک" کسی خاص برادری کی علامت نہیں ہے۔ (۴۴) دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "ملک" لکھتے ہیں کہ خان بہادر علی محمد شاد نے اپنی کتاب ہسٹری آف بہار میں لکھا ہے کہ سید ابراہیم ملک بیا کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ملک" کسی ایک برادری کا نام نہیں ہے۔ (۴۵) مؤرخ بہار علی محمد شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں "ملک کوئی ذات نہیں ہے جیسا کہ عوام نے سمجھا ہے یہ خطاب ہے جو بڑے فاتحوں اور اولوالعزموں کو خلفائے بغداد دیا کرتے تھے۔ اس میں بیشتر سادات ہی ہیں جیسے ملک سید ابراہیم وغیرہ۔ اب بھی خدا کے فضل سے ملک صاحبوں میں اگلی بوباس باقی ہے اور بہت کچھ زمینداریوں کو سنبھالا ہے (۴۶) صوبہ بہار کے ملک حضرات حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد کرام و سادات عظام میں سے ہیں۔ حضور ملک العلماء حضرت علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "خیر السلوک فی نسب الملوک" میں ۲۴ قصبات و مواضع کے ملک خاندانوں کا شجرۂ نسب لکھا ہے اور بہت سے ملک خاندانوں کا نسب نامہ میری زیر ترتیب کتاب "تحفۃ الاحباب فی تذکرۃ الانساب" میں درج ہے۔ مولوی امداد امام بہاری المخاطب بخطاب شمس العلماء اپنی تصنیف "بہارستان سخن" کے باب سادات کرام میں رقمطراز ہیں، "راقم کو اپنی ایک جواری قوم پر نہایت افسوس آتا ہے کہ اس نے اپنے خاندان سیادت کے شرف کو کمال نادانی سے ضائع کر ڈالا ہے۔ یہ قوم اس دیار میں "ملک" کہلاتی ہے۔ اس قوم کے بزرگان شاہی زمانہ میں بڑے اہل حکم و رقم تھے چنانچہ ان میں سے ایک صاحب "سید ابراہیم" نامی بڑے صاحب ثروت تھے یہ صاحب قصبہ بہار میں آسودہ ہیں۔ ان کو "ملک" کا خطاب بادشاہ کے حضور سے ملا تھا اسلئے ملک بیو کے نام سے آج تک مشہور دیار و امصار ہیں۔ ان کی اولاد خطاب مورث کے سبب سے ملک کہلاتی ہے اور اس ملک کے سکنئ ناواقفیت کے باعث قوم ملک کو مجہول قوم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ لوگ سادات سے ہیں۔ علم الاقوام کی رو سے بھی یہ قوم بہت کچھ بنی ہاشم کا انداز رکھتی ہے۔ یہ لوگ نہایت مہمان نواز، شجاع اور خوش خلق ہیں اور ان کی وجاہت ظاہری ان کے علو قومیت کی خبر دیتی ہے (۴۷) بلگرام (اترپردیش) کے علاقوں میں بعض لوگ "ملک" کہلاتے ہیں جو نسب کے اعتبار سے انصاری ہیں، میر غلام علی آزاد بلگرامی ان لوگوں کے ملک کہلانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "ملک بہاء الدین ساکن محلّہ خورد پورہ معروف بہ ملک بھلی انصاری الاصل است از مریدان شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ قدس سرہ، دودمان او بہ ملک اشتہار دارد وجہ ملقب از ملک فیض اللہ کہ از بنی اعمام ملک بہاء الدین است، استفسار رفت، گفت کہ بزرگان ما را در فرامین و سجلات ملک الامراء نوشتہ اند"۔ (۴۸) ملک بہاء الدین عرف ملک بھلی ساکن محلّہ خورد پورہ نسباً انصاری اور شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ قدس سرہ کے مریدوں میں سے ہیں ان کا خاندان "ملک" سے متعارف ہے جب ان کے چچیرے بھائی ملک فیض اللہ سے ان کے ملک کہلانے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ چونکہ فرامین اور وثیقوں میں ہمارے بزرگوں کو "ملک الامراء" لکھا گیا ہے محلّہ خورد پورہ قصبہ بلگرام میں ایک محلّہ ہے۔

فاتح بهار کانفرنس: حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی علیہ الرحمۃ والرضوان کی یاد میں ایک تاریخی اجلاس بنام "فاتح بہار کانفرنس" ۲۸ر نومبر ۲۰۰۴ء مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ میں ہماری قائم کردہ تنظیم "ملک بیا غازی ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی کلکتہ" کے زیر اہتمام عالی جناب ممتاز عالم صاحب سابق کونسلر و سابق وائس پریسیڈنٹ مسلم بیریل گراؤنڈ کلکتہ کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوا۔ عزت مآب پروفیسر سید جمال الدین صاحب برکاتی سابق ہیڈ آف ہسٹری ڈپارٹمنٹ جامعہ ملیہ دہلی و سابق پروفیسر ال بیت یونیورسٹی جارڈن و پرنسپل البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ بحیثیت چیف گیسٹ تشریف فرما ہوئے۔ اس پروگرام کے تمام حروف تہجی کی تزئین کاری پروفیسر ممدوح کی رھین منت ہے حتیٰ کہ ہمارے آرگنائزیشن کا ٹائیٹل "ملک بیا غازی ینگ بوائز فیڈریشن" کے بجائے "ملک بیا غازی ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی" آپ ہی کا تجویز کردہ ہے جب کہ غائبانہ طور پر ہماری رہنمائی فقیہ ہند حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی مضطر سابق چیف قاضی ادارہ شرعیہ پٹنہ و بنگلور نے فرمائی۔ اسی دوران آپ نے کشف الاسرار فی مناقب فاتح بہار مطبوعہ ۲۰۰۱ء کی تصحیح و نظر ثانی فرما کر ہمیں ممنون کرم فرمایا۔ شہر کلکتہ کے بہت سے علماء و دانشوران شریک جشن ہوئے۔ محب گرامی حضرت مولانا حافظ شاہد رضا خاں جہان آبادی نقیب اجلاس تھے۔ اسی تقریب کے موقع پر کشف الاسرار مطبوعہ ۲۰۰۱ء اور تذکرہ فاتح بہار مطبوعہ ۲۰۰۳ء و ۲۰۰۴ء معززین و منتسبین کو تحفۃً دی گئیں۔ پھر انشاء اللہ الرحمٰن صدی رواں کے عشرۂ دوم میں اپنے جلوۂ زیبا کے ساتھ یہ فینکشن منعقد ہوگا۔ سرزمین کلکتہ پر حضرت ملک بیا غازی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقد ہونے والا یہ پہلا اجلاس تھا جس کے انتظام و انصرام کے فرائض الحاج محمد قمرالدین صاحب آئرن کاٹن گیلری کلکتہ، محمد عالم شمسی، محمد کمال احمد، محمد ہشام، محمد ضیاء اللہ وغیرہم ساکنان موضع بھنور ضلع نوادہ بہار نے انجام دئے اور رب تعالیٰ سے دعاء ہے کہ جشن دوم کے لئے بھی ان کے جذبات سلامت رہیں۔ ایں دعاء ازمن واز جملہ جہاں آمین باد۔

روشن ستارے:۔ خانوادہ ملک بیا غازی میں بہت سے یکتائے روزگار علمائے کرام، بلند مرتبہ دانشوران و سیاستداں اور بہت سے نامور افراد پیدا ہوئے۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہاں تحریر کئے جاتے ہیں۔ صدر مملکت مغلیہ، مجدد صدی دوازدہم، قاضی القضاۃ حضرت علامہ محب اللہ بہاری صاحب سلم العلوم و مسلم الثبوت المتوفی ۱۱۱۹ء، حضور ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید محمد ظفرالدین بہاری صاحب صحیح البہاری المتوفی ۱۹۶۲ء (پٹنہ) بیرسٹر محمد یونس سابق وزیر اعلیٰ بہار، پروفیسر عبد الباری شہید لیڈر لبرل یونین جمشید پور (ٹاٹا) پروفیسر ابوبکر احمد حلیم سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی و کراچی یونیورسٹی (پاکستان) سیف المجاہدین حضرت مولانا عبد الشکور شمسی الشہید ۱۹۸۷ء موضع بھنور (نوادہ) حضرت قاری سید ابوالہاشم اشرفی مرحوم موضع بین (نالندہ) حضرت مولانا قمرالدین نعیمی مرحوم خانقاہ شدن پور (نوادہ) حضرت مولانا جمال الدین مرحوم کمہر انواں ضلع نوادہ بانی مدرسہ جمالیہ کلکتہ، حضرت مولانا سید اکمل الدین حیدر مرحوم المتوفی ۲۰۰۳ء (پٹنہ) پیر طریقت ناشر مسلک اعلیٰحضرت حضرت علامہ سید سراج اظہر قادری رضوی دام ظلہ العالی (ممبئی) پروفیسر مختار الدین احمد آرزو سابق صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی (علیگڑھ) وائس چانسلر مظہر حق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ۔

علامہ قاضی محب اللہ بہاری الملقب بہ فاضل خاں: آپ صوبہ بہار کے کڑاہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ خطۂ بہار

کے ایک یگانۂ روزگار اور منفرد المثال فرد ہیں۔ تذکرہ کاملان بہار مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں آپ کے تذکرہ نگار نے کچھ اس طرح خامہ فرسائی کی ہے:۔ "صوبہ بہار کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں ایک عظیم الشان اور شہرۂ آفاق ہستی پیدا ہوئی جو فلسفہ ومنطق میں منفرد ویگانہ گذری۔ اس کے نصیب میں وہ شہرت وعظمت آئی جو نہ اس سے پہلے کسی کو حاصل ہوئی اور نہ بعد میں آج تک کسی کو ایسی قدر ومنزلت حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ "بہاری" وابستہ کرکے بہار کے نام کو تابندہ وپایندہ بنادیا۔ اس نادر روزگار ہستی کا نام قاضی محب اللہ بن عبد الشکور بہاری ہے"۔ (۴۹) شیخ محمد اکرام نے سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ ہند کے عہد کے مشاہیر علوم وفنون کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ "لیکن ان سب سے زیادہ اس زمانے کے جس بزرگ نے علمی حلقوں میں نام پایا اور معقولات کو درسیات میں بڑی ممتاز جگہ دی، قاضی محمد محب اللہ بہاری تھے۔ وہ لکھنؤ اور حیدر آباد میں قاضی رہے۔ پھر حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین بہادر شاہ کے بیٹے شہزادہ رفیع القدر کے اتالیق مقرر ہوئے اور حضرت عالمگیر کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تمام ہندوستان کی صدارت پر مامور ہوئے۔ ۱۷۰۷ء کے اواخر میں وفات پائی۔ آپ نے فقہ اور منطق کی بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے بعض آج بھی مستعمل ہیں۔ مسلم الثبوت فقہ اور اصول فقہ کے متعلق آپ کی ایک بلند پایہ کتاب ہے اور علامہ بحر العلوم اور دوسرے علماء نے اس پر حاشیے لکھیں ہیں۔ منطق میں آپ کی مشہور کتاب سلم العلوم ہے۔ ان کے علاوہ افادات، جوہر فرد اور دوسرے رسائل آپ کی یادگار ہیں"۔ (۵۰) آپ کے بارے میں ایک مقولہ بہت مشہور ہے۔ "بحرے است از علوم وبدرے است بین النجوم"۔ (۵۱) آپ کو سلطنت مغلیہ کی جانب سے "فاضل خاں" کا خطاب عطا کیا گیا تھا۔ (۵۲) سید قیام الدین نظامی لکھتے ہیں:۔ "چاند پورہ بہار میں خانقاہ طویلہ بخش بہت مشہور ہے۔ دنیائے اسلام میں علم فقہ اور منطق کے مشہور عالم دین حضرت محب اللہ بہاری آپ ہی کے خاندان میں مرید ہوئے اور احاطہ خانقاہ طویلہ بخش چاند پورہ میں آسودہ خاک ہیں"۔ (۵۳) حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیف "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" کے حوالے سے مولوی حنیف استاذ دار العلوم دیوبند نے لکھا ہے:۔ "آپ کا نام محب اللہ ہے اور والد کا نام عبد الشکور۔ مولانا آزاد نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ صوبہ بہار میں کڑہ نامی گاؤں جو محب علی پور پرگنہ سے تعلق رکھتا ہے، یہاں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق بہار کی ایک شریف قوم "ملک" سے تھا۔ جس کی اس زمانہ میں بھی اس صوبہ میں معقول تعداد ہے اور دینی ودنیوی ہر حیثیت سے مسلمانوں میں امتیاز رکھتی ہے۔ نہ صرف قدیم بلکہ جدید تعلیم یافتوں کا ایک بڑا طبقہ بہار میں ملک ہی قوم سے تعلق رکھتا ہے"۔ (۵۴) الحاج غلام مصطفیٰ صاحب رضوی فاؤنڈر ہائی اسکول پنجراواں ساکن موضع ڈھول ضلع جہان آباد آپ ہی کی نسل سے ہیں۔ حضرت محب اللہ بہاری علیہ الرحمۃ بارہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔ (۵۵)

مسٹر محمد یونس :(سابق وزیر اعلیٰ بہار ولیڈر مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی) مسٹر محمد یونس صوبہ بہار کے ایک مایہ ناز سیاسی رہنما اور ایک عظیم علمی شخصیت کا نام ہے۔ آپ موضع پنہرا ضلع پٹنہ میں ۴ر مئی ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کیا تھا۔ جب پٹنہ ہائی کورٹ قائم ہوا تو مسٹر یونس ہائی کورٹ (پٹنہ) کے بیرسٹر مقرر ہوئے۔ آپ بیرسٹری کے ساتھ ہی ساتھ مختلف سیاسی اور سماجی کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ موصوف کئی

سالوں تک بہار اسٹوڈنس ایسوسی ایشین کے صدر رہے۔ ۱۹۰۸ء میں لاہور کے کانگریس سیشن میں ڈیلی گیسٹ کی حیثیت سے آپ نے شرکت کی۔ ۱۹۱۶ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء میں بہار لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہوئے۔ آپ کی سرپرستی میں ایک انگریزی روزنامہ "پٹنہ ٹائمس" نکلا کرتا تھا۔ جس کے ذریعہ آپ بہار اور ہندوستانی عوام کی آواز کو فرنگیوں تک پہنچاتے تھے اور آزادی کے لئے فضا ہموار کرتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں جب کانگریس نے وزارت سازی سے انکار کردیا تو مسلم انڈپینڈنٹ پارٹی نے مسٹر یونس کو اپنا لیڈر منتخب کیا اور اس طرح بہار کے آپ پہلے وزیر اعلیٰ ہوئے۔ ۱۹۳۵ء کے ایفارم کے مطابق جداگانہ انتخاب رائج تھا۔ اگر آپ چاہتے تو صرف مسلم ممبران اسمبلی کو ہی کابینہ میں شامل کرتے مگر آپ نے دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی کابینہ میں ہندو ممبران اسمبلی کو بھی شامل کیا اور ان کو اہم محکمے سپرد کئے۔ مسٹر کمار اجیت پرساد سنگھ اور بابو گرسہائے لال ایڈوکیٹ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مسٹر یونس نے ہندو مسلم اتحاد اور میل ملاپ کے لئے بہت کوششیں کیں اور تادم حیات میل ملاپ ایسوسی ایشین کے صدر رہے۔ موصوف نے اپنا ایک ذاتی مکان بھی میل ملاپ کے دفتر کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ سابق وزیر اعلیٰ بہار شری مہامایا پرساد اس کے سکریٹری تھے۔ اس ادارہ کے زیر اہتمام میل ملاپ نام کا ایک رسالہ بھی نکلتا تھا۔ اس رسالے کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا آدھا حصہ اردو اور آدھا حصہ ہندی میں شائع ہوا کرتا تھا۔ مسٹر یونس نے دستور جدید یعنی انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی خامیوں کے پیش نظر ایک ترمیمی بل پیش کیا جس پر کئی روز کی گرما گرم بحث کے بعد کانگریس وزارت نے مسٹر محمد یونس سے مفاہمت کی اور ان کی پیش کردہ ترمیم منظور کرلی۔ ترمیم شدہ بل کی تائید میں مسٹر یونس نے ایک جامع اور نکتہ رس تقریر کی۔ اسی طرح اگریکلچر انکم ٹیکس بل کے تحت مسٹر یونس کی کوششوں سے مسلم اوقاف کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اولاً آپ کی ترمیم پر اسمبلی میں چار دنوں تک بہت زوردار بحثیں ہوتی رہیں بالآخر مسٹر ابوالکلام آزاد بذات خود اس پیچیدہ مسئلہ کو سلجھانے کے لئے پٹنہ آئے اور انہوں نے مسٹر یونس کی ترمیم کی معقولیت تسلیم کرلی اور مسلم اوقاف کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ (۵۶)

پروفیسر ابوبکر احمد حلیم: آپ ۱۹۰۱ء میں ارکی ضلع جہان آباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالحلیم تھا۔ ضلع اسکول گیا سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کیا۔ پھر آکسفورڈ یونیورسٹی (انگلینڈ) سے بیرسٹری کیا۔ آپ کا پسندیدہ مضمون تاریخ تھا۔ اس میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اسی لئے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ۱۹۲۱ء میں آپ تاریخ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں بعد مسلم یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ اور شعبہ پالیٹیکل سائنس کے صدر (ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ) ہوگئے۔ اس وقت دونوں شعبے ساتھ تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو یونیورسٹی کا پرووائس چانسلر منتخب کیا گیا۔ آپ کا سیاست سے بھی تعلق تھا۔ یوپی اسمبلی کیلئے علیگڑھ حلقہ سے ممبر منتخب ہوئے۔ ہم عصر بڑی شخصیتوں سے آپ کے اچھے مراسم تھے۔ تاریخ داں کی حیثیت سے بہت مشہور ہوئے اور کئی کتابیں بھی تصنیف کیں اور بہت سے مقالے بھی لکھے۔ تقسیم ہند سے پہلے آپ کو ایک یونیورسٹی کے قیام کیلئے سندھ بھیجا گیا۔ سندھ یونیورسٹی کے قیام کے بعد آپ کراچی چلے گئے۔ وہاں آپ کی انتھک کوششوں سے کراچی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ آپ نے پاکستان میں رہ کر عملی سرگرمیاں قائم رکھیں۔ پروفیسر موصوف انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیرس کراچی اور مؤتمر عالم اسلامی کی پاکستانی شاخ کے

کشف الاسرار ص:۸۱ (۱۴) ایتھنولوجی آف بنگال ص:۲۱۱ تاریخ ملک ص:۳۶ کشف الاسرار ص:۸۱ (۱۵) تاریخ صوبہ بہار از شاد عظیم آبادی ص:۱۰۲ (۱۶) تاریخ ملک ص:۴۱ ۴۲ ۴۳ شرفا کی نگری ص:۱۲۲ تاریخ بارہ گاواں، تحفہ بہار ص: ۲۰ ۲۱ پاسبان ملت ص: ۲۳ کشف الاسرار ص:۸۷ ۸۸ (۱۷) تحفہ بہار ص:۲۳ تاریخ ملک ص:۴۴ کشف الاسرار ص: ۸۹ تاریخ بارہ گاواں، شرفا کی نگری ص:۱۲۲ (۱۸) تحفہ بہار ص:۲۳ تاریخ ملک ص:۴۴ کشف الاسرار ص:۱۸۴ (۱۹) تاریخ ملک ص:۳۹ (۲۰) مفتاح التواریخ از مسٹر طامس ولیم بل ص:۹۰ پاسبان ملت ص: ۲۵ ۲۶ تحفہ بہار ۲۴ ۲۵ تاریخ ملک ص:۴۵ ۴۶ ۴۷ حیات اعلیٰحضرت ص:۹ کشف الاسرار ص: ۹۳ ۹۵ ۹۷ (۲۱) تاریخ ملک ص:۴۷ کشف الاسرار ص:۱۹۲ ماہنامہ اشرفیہ فروری ۱۹۷۷ء، تحفہ بہار ص:۲۶ پاسبان ملت ص:۲۵ (۲۲) تاریخ ملک ص:۴۴ (۲۳) مفتاح التواریخ ص:۹۰ (۲۴) تاریخ ملک ص:۴۴ تحفہ بہار ص:۲۰ کشف الاسرار ص:۱۹۴ (۲۵) ماخوذ از تاریخ ملک، تحفہ بہار، کشف الاسرار، پاسبان ملت، حیات اعلیٰحضرت، حیات ملک العلماء، مقدمہ صحیح البہاری، شارٹ ہسٹوری آف تاریخ ملک، فقیہ اسلام از ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ، تذکرہ کاملان بہار اول، تذکرہ علمائے اہلسنت، تاریخ الاولیاء از مفتی شفیق احمد شریفی، تاریخ مگدھ وغیرہا (۲۶) تاریخ ملک ص:۲۹ تحفہ بہار ص:۱۷ پاسبان ملت ص:۲۷ کشف الاسرار ص:۱۱۱ (۲۷) شرفا کی نگری ص:۱۲۲ (۲۸) شرفا کی نگری ص:۱۲۳ (۲۹) تاریخ مگدھ ص:۱۱۹ (۳۰) الدر المنثور از مولوی عبدالرحیم صادق پوری ص:۱۹۸ (۳۱) تاریخ ملک ص: ۴۵ تحفہ بہار ص:۲۴ (۳۲) شارٹ ہسٹوری آف تاریخ ملک، پاسبان ملت ص:۲۷ تحفہ بہار ص:۲۴ کشف الاسرار ص:۱۱۳ تاریخ ملک ص:۵۲ شرفا کی نگری ص:۱۲۳ (۳۳) پاسبان ملت ص:۲۸ کشف الاسرار ص:۱۱۴ تاریخ ملک ص:۵۲ (۳۴) تاریخ ملک ص:۵۷ کشف الاسرار ص:۱۱۹ (۳۵) تاریخ اسلام از کبیر الدین داناپوری ص:۶۶۵ مصباح الثبوت شرح مسلم الثبوت ص:۳ (۳۶) تاریخ ملک ص:۹۱ حیات ملک العلماء ص:۱۷ تذکرہ کاملان بہار اول ص:۳۴۴ مقدمہ صحیح البہاری ص:۱۱ کشف الاسرار ص:۱۲۰ (۳۷) تاریخ ملک ص:۹۱ تذکرہ کاملان بہار ص:۳۴۲ حیات ملک العلماء ص:۱۷ مقدمہ صحیح البہاری از پروفیسر مختار الدین آرزو ص:۱۱ (۳۸) تاریخ ملک ص:۶۷ حیات ملک العلماء ص:۹ مقدمہ صحیح البہاری ص:۳ تذکرہ کاملان بہار اول ص:۳۱۶ کشف الاسرار ص:۱۳۸ (۳۹) تاریخ ملک ص: ۱۳تا۲۲ کشف الاسرار مقالہ سوم مکمل، تحفہ بہار ص:۱۷ پاسبان ملت ص:۱۷تا۲۳ شارٹ ہسٹوری آف تاریخ ملک مطبوعہ ۱۹۲۷ء از ایم یاسین یوسف ص:۱۵ اے شارٹ ہسٹوری آف دی سراسنس از جسٹس امیر علی بنگالی ص:۱۱۲ (۴۰) تاریخ ملک ص:۲۳تا۲۵ کشف الاسرار مقالہ سوم کامل، پاسبان ملت ص:۲۲ شارٹ ہسٹوری آف تاریخ ملک ص:۵ (۴۱) سفر نامہ ابن بطوطہ انگریزی ترجمہ از مولوی محمد حسین سابق ڈسٹرکٹ جج فیروز پور جلد دوم باب ۵ فصل ۵ (۴۲) تاریخ ہند تاراچند ص:۲۱۴ (۴۳) تاریخ ملک ص: ۶۷، ۷۱، ۸۴، ۸۸ کشف الاسرار ص:۱۴۵ (۴۴) پاسبان ملت ص:۱۷ (۴۵) پاسبان ملت ص:۲۲ (۴۶) تاریخ صوبہ بہار ص:۱۶۴ (۴۷) بہارستان سخن بیان سادات کرام ص:۳۶۹ (۴۸) آثر الکرام از سید غلام علی آزاد بلگرامی ص:۲۳۸ (۴۹) تذکرہ کاملان بہار دوم ص:۵۲۸ (۵۰) رود کوثر از شیخ محمد اکرام ص:۴۷۶ (۵۱) مصباح الثبوت ص:۳ (۵۲) تاریخ اسلام داناپوری ص:۶۶۵ مصباح الثبوت ص:۳ (۵۳) شرفا کی نگری ص:۱۲۶ (۵۴) ظفر المحصلین فی احوال المصنفین ص:۴۲۹ (۵۵) سوانح اعلیٰحضرت از مولانا بدرالدین احمد قادری ص:۱۳۷ حیات ملک العلماء ص:۳۳ تذکرہ کاملان بہار اول ص:۳۴۱ مقدمہ صحیح البہاری ص:۲۸ (۵۶) ماہنامہ افکار ملی دہلی۔ بہار نمبر جولائی ۲۰۰۰ء ص:۲۴۸ (۵۷) تذکرہ کاملان بہار اول ص:۱۹

ملک العلماء کا آئینہ ایام

ازقلم: نبیرہ ملک العلماء پروفیسر طارق مختار شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۳۰۳ھ : ولادت ۱۰ر محرم الحرام

۱۳۰۷ھ : بسملہ خوانی

۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۲۰ھ : ۲۵ر جمادی الآخر کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ) سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے، اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کانپور اور ایک دار العلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پیلی بھیت آ گئے۔

۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التہذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے۔

۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضری۔

۱۳۲۲ھ : ملک العلما کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دار العلوم منظر اسلام کا قیام۔

۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز

۱۳۲۲ھ : ۸ر رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔

۱۳۲۳ھ : الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف۔

۱۳۲۳ھ : مواہب رواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) تصنیف

۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۴ھ : شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز

۱۳۲۴ھ : مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس وافتا سے سرفرازی

۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور فاضل بہار کا لقب عطا کیا۔

۱۳۲۵ھ : التعلیق علی القدوری (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ المساجد (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : دار العلوم منظر اسلام میں درس وافتا کا آغاز

۱۳۲۶ھ : بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : المجمل المعدد لتالیف المجدد (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : سجم الکنزہ علی الکلاب الممطرہ (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : شوال میں اعلیٰ حضرت کے حکم پر انجمن نعمانیہ ہند، لاہور تشریف لے گئے۔

۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے۔

۱۳۲۹ھ : النیر اس لدفع ظلام المنھاس (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایما پر مدرسہ حنفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے۔

۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت وہیئت) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوبین کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اطیب الاکسیر فی علم التکسیر کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سیشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔

۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) تصنیف

۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ وانساب) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : نزول السکینہ باسنید الاجازات المتینہ (حدیث) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمہ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : خانقاہ کبیریہ سہسرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی حیثیت سے سہسرام تشریف لے گئے۔

۱۳۳۴ھ : کشف الستور عن مناظرۂ رامپور کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : گنجینۂ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تذہیب (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : موذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تخریج)

۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ، فقہ) کی تصنیف۔

۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التکسیر کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز

۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اخلاق) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : ندوۃ العلما (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ الہدیٰ پٹنہ حکومت کے زیر انتظام آ گیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ سینئر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے۔

۱۳۳۹ھ : ہادی الہداۃ الترک الموالاۃ (سیاست) کی تصنیف

۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۴۳ھ : نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف

۱۳۴۴ھ : الافادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف

۱۳۴۵ھ : جامع الرضوی المعروف بہ صحیح الہدیٰ جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف

۱۳۴۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف

۱۳۴۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی۔

۱۳۴۸ھ : تسہیل الوصول الیٰ علم الاصول (فقہ و اصول) کی تصنیف

۱۳۴۹ھ : نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)

۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف

۱۳۵۴ھ : نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (عقائد و کلام) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف

۱۳۵۸ھ : مشرق اور سمت قبلہ (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف

۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظما فی فضل العلما (فضائل) کی تصنیف

۱۳۶۶ھ : سد الفرار المہاجری بہار (نصائح/سیاست) کی تصنیف

۱۳۶۷ھ : چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف

۱۳۶۸ھ : حیات اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف

۱۹۴۸ء : مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے۔

۱۹۵۰ء : مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے۔

۱۳۷۰ھ : عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف

۱۳۷۱ھ : تنویر المصباح للقیام عندی علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق متین گھاٹ، پٹنہ کی استدعا پر کٹیہار (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا۔

۱۳۸۰ھ : کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لائے۔

۱۳۸۳ھ : وصال سے پہلے "النور الضیا فی سلاسل الاولیا" تصنیف فرمایا۔

۱۳۸۲ھ : ۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین و معتقدین کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

حضرت ملک العلماء کی مختصر سوانح

از قلم: مولینا الحاج لعل محمد خان مدراسی، کلکتہ

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولینا الحاج لعل محمد مداری علیہ الرحمہ ملک العلماء کے خاص الخاص دوست تھے۔ الحاج موصوف ہی کی فرمائش پر ملک العلماء نے 'الخیرات الحسان' کا اردو ترجمہ جواہر البیان کے نام سے کیا تھا۔ ۱۳۳۳ھ یا ۱۳۳۴ھ کو جب یہ ترجمہ طباعت کے لیے تیار ہوا، تو الحاج موصوف نے مترجم علیہ الرحمہ کے کچھ مشاہداتی احوال حیات قلمبند کیے۔ مگر طباعت کتاب کے وقت یہ احوال نامہ چھپنے سے رہ گیا۔ جواہر البیان ہندوستان پاکستان، استنبول سے متعدد بار چھپی، مگر کسی میں شامل نہیں۔ پروفیسر مختار الدین صاحب نے مجھے اس کا پتہ بتایا، جو جواہر البیان کی ایک قلمی کاپی کے اخیر اوراق میں یہ تحریر "مختصر سوانح مصنف۔۔۔" کے عنوان سے ہے۔ چونکہ یہ تحریر ایک حال آشنا کے قلم سے ہے۔ اس وقت ملک العلماء کی عمر تیس برس رہی ہوگی، اس لیے یہ اب پہلی بار یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

۹ محرم الحرام روز جمعہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو اپنے وطن مالوف موضع میجرا ڈاکخانہ بین تھانہ سیلاو سب ڈویزن بہار ضلع پٹنہ صوبہ بہار و اڑیسہ میں ۱۱ بجے دن کو پیدا ہوئے۔ بعض معززین نے آپ کا نام عبدالحکیم تجویز کیا۔ بعض تاریخ دانوں نے تاریخی نام سہ فصلی سے کہ دیہاتوں میں اس کا رواج رہا وہ ہے، مختار احمد رکھا اور والد ماجد صاحب قدس سرہ نے ظفیر الدین پسند فرمایا۔ اور یہی نام مشہور ہوا۔ اس کے بعد اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مد ظلہم الاقدس نے بحذف حرف یا محمد ظفر الدین بنایا اور یہی مہر و دستخط میں ہے۔

آپ قوم ملک سے ہیں، جو صوبہ بہار میں ایک نہایت ہی مشہور معزز قوم ہے اور عام خیالوں میں سادات کرام کے بعد اسکا درجہ ہے۔ اگر چہ بعض لوگوں نے ثابت کیا ہے کہ ملک دراصل سید ہیں اس لئے کہ ملک کا نسب حضرت ابراہیم "ملک بیا" غازی تک منتہی ہوتا ہے۔ جن کا مزار پر انوار قصبہ بہار شریف میں فیض بخش حاجات ہے اور حضرت "ابراہیم ملک بیا" غازی حسب تصریح کتب تواریخ سید ہیں اور اسی وجہ سے اب بعض بعض شادیاں ملکوں کی سیدوں کے یہاں ہونے لگی ہیں، ورنہ پہلے اس کا دستور نہ تھا۔ آپکا سلسلہ نسب اس طرح ہے مولوی ملک ظفر الدین بن ملک محمد عبدالرزاق بن ملک کرامت حسین بن ملک احمد علی روح اللہ ارواحہم و نور ضرائحہم مفصل حال قوم ملک و سلسلہ نسب و دیگر تعلقات مصنف کے رسالہ خیر السلوک فی نسب الملوک میں تفصیل سے درج ہے۔

آپ نے ۴ برس چار مہینہ ۴ دن کی عمر میں ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ کو اپنے والد ماجد قدس سرہ سے پڑھنا شروع کیا اور قواعد بغدادی اور ڈھائی پارہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد جناب حافظ مخدوم اشرف صاحب میجروی مرحوم مغفور قرآن شریف ختم

کیا۔ پھر مولوی عبد الکبیر صاحب مرحوم مغفور سے پڑھنے کے بعد اس خیال میں تھے کہ گلستاں بوستاں شروع کریں کہ ایک تقریب میں ننہیال موضع بین جانیکا اتفاق ہوا وہاں حسب مشورہ بزرگان والد ماجد نے مدرسہ غوثیہ میں داخل کیا اور مطابق نصاب مدرسہ

۱) مولوی مہدی حسن صاحب ساکن تتریا حال مقامی مہتمم مدرس مدرسہ غوثیہ
۲) مولوی شیخ اکرم صاحب ۳) مولوی شیخ محمد منعم صاحب مدظلہما
۴) مولانا مولوی شیخ فخر الدین حیدر صاحب
۵) مولوی شیخ محی الدین اشرف صاحب مرحوم
۶) مولوی شیخ بدر الدین اشرف صاحب مرحوم
۷) مولوی شیخ اظہر صاحب مرحوم رؤسائے بین حامیان مدرسہ سے حساب اردو فارسی متوسطات عربی تمام کرکے
۸) مولوی ابو نعیم محمد ابراہیم صاحب مرحوم ساکن مؤنا بھنجن ضلع اعظم گڑھ مدرس اول مدرسہ غوثیہ سے تفسیر جلالین سبعہ معلقہ ملا جلال ختم کرنے کے بعد ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ حنفیہ بخشی محلہ میں داخل ہوکر در
(۹) جبل الاستقامہ کنز الکرامہ حضرت والا درجت مولانا وصی احمد صاحب پیلی بھیتی محدث سورتی قدس سرہ العزیز سے مسند امام اعظم مشکوۃ شریف ہدایہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا ماہ شعبان میں مدرسہ بند ہوا۔ مکان واپس آئے شوال میں جب پھر پٹنہ پہونچے معلوم ہوا، کہ حضرت محدث سورتی صاحب بوجہنا موافقت آب وہوا تشریف نہ لائینگے۔

اس لئے پیلی بھیت کا قصد کیا۔ مگر بعض احباب کے مشورہ نے اس رائے کو بدلا اور کانپور روانہ ہوئے وہاں مدرسہ امداد العلوم بانسمنڈی میں (۱۰) حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب دامت فیوضہ سے توضیح حمد اللہ اور مدرسہ دار العلوم مسجد رنگیان میں (۱۱) حضرت مولانا عبد اللہ صاحب دامت فیوضہ سے ہدایہ آخرین اور (۱۲) حضرت والا درجت مولانا مولوی صوفی احمد حسن صاحب قدس سرہ العزیز سے میر زاہد رسالہ تفسیر بیضاوی پڑھنا شروع کیا۔ کانپور آئے ہوئے ایک سال بھی نہ ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے حضرت محدث سورتی صاحب قدس سرہ کانپور تشریف لائے۔ مولوی صاحب ممدوح قدم بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔

اثنائے ذکر میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کا تذکرہ آیا۔ وہاں کی تعلیم کی حالت مفصل معلوم ہوئی، تو ہمرکاب حضرت محدث سورتی صاحب پیلی بھیت نہضت فرمائی۔ اور بدستور حمد اللہ وغیرہ پڑھنے لگے۔ عجب اتفاق، کہ حضرت محدث صاحب کو بتقریب شرکت ایک مذہبی جلسہ پٹنہ تشریف لے جانا پڑا۔ وہاں خلاف امید زیادہ دن رہنا ہوا، جس کی وجہ سے اسباق میں بہت ہرج ہوئے۔ جس سے آپ کی طبیعت بہت گھبرائی۔ اسی پریشانی میں مولوی عبد الحق صاحب ساکن دبکا ضلع پیلی بھیت سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف اس زمانہ میں بریلی شریف مدرسہ اشاعت العلوم سرائے خام میں مدرس تھے، ان کی تحریک سے بریلی شریف کا قصد اور مدرسہ اشاعت العلوم میں (۱۳) مولوی عبد الحق صاحب سے مشکوۃ شریف وغیرہ اور (۱۴) مولوی محمد یاسین صاحب سے حمد اللہ پڑھنا شروع کیا۔ مولوی عبد الحق صاحب کے علیحدہ ہونے کے بعد (۱۵) مولوی احمد حسن صاحب بجنوری سے جو مولوی اصغر علی خانصاحب رئیس شہر کہنہ کے لڑکوں کو پڑھانے کے لئے مقرر تھے، کچھ اسباق مشکوۃ شریف کے پڑھے اور (۱۶) مولوی محمد الدین صاحب پنجابی سے قاضی مبارک تمام کیا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مأتہ حاضرہ مؤ و ملت طاہرہ شیخ الاسلام والمسلمین مولانا مولوی حاجی قاری محمد احمد رضا خانصاحب قادری برکاتی قدس سرہ بطول بقاہم کے نام نامی اسم گرامی اور ان کے علمی پایہ سے تو ۱۳۱۸ھ (جس سال ندوہ و مصلحین ندوہ کے جلسے پٹنہ میں ہوئے تھے) واقفیت ہو چکی تھی۔ پھر پٹنہ مدرسہ

حنفیہ کانپور، مدرسہ امداد العلوم ودار العلوم پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث کے مدرسین کرام کو اعلیحضرت کا بغایت مداح و وصاف دیکھ کر خاص انس وعقیدت ہوچکی تھی، بریلی پہنچنے پر یہ عادت ٹھہرا لی، کہ ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ بعد عصر اور کبھی بعد عشاء دربار رضوی میں حاضر ہوا کرتے اور مسائل دینیہ خصوصا مسائل مختلف فیہا کی تحقیق فرمایا کرتے۔ ۱۳۲۱ھ کا اخیر مہینہ تھا، کہ مولوی محمد یاسین صاحب کے یہاں بخاری شریف کا سبق ہورہا تھا، کہ حدیث سوال جبرئیل کی تقریر میں مسئلہ علم غیب کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔ مولوی محمد یاسین صاحب اپنی پوری قوت اس بات میں صرف کردی کہ جس طرح ہوسکے علم غیب کی نفی ثابت کردیں۔ مگر حسن اتفاق جس درجہ مولوی صاحب اپنے دعوے کو قوی کرنا چاہتے تھے، تقریر کمزور ہوتی جاتی تھی، جس سے طلباء بد دل ہوگئے۔ خصوصا مولوی صاحب ممدوح کہ اعلیحضرت مجدد ماتہ حاضرہ مدظلہ الاقدس کی تقریر پر تاثیر کی وجہ سے ان کے دل پر دیگر مسائل حقہ کی طرح سے یہ مسئلہ بھی ثبت ہوچکا تھا۔ مولوی صاحب کی تقریر اور نفی علم غیب کے متعلق زور آزمائی سے سخت رنجیدہ ہوئے اور ارادہ کرلیا، کہ آپ اس مدرسہ میں نہیں پڑھینگے۔

لیکن ایک سخت مجبوری یہ پیش آئی، کہ اگر کسی دوسرے شہر میں جاتے ہیں، تو ان جیسے مدارس تو ملینگے، مگر اعلیحضرت کہاں؟ اور اگر بریلی میں رہتے ہیں تو اعلیحضرت قبلہ کے فیوضات سے بہرہ اندوز ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ مگر کتابیں تمام نہیں ہوسکتیں اسی دوران میں ایسے متردد ومتفکر ہوئے کہ ایک یا دو ہفتہ کی حاضری بھی چھوٹ گئی۔ ہزار شکر کہ حق سبحانہ تعالی نے غیب سے اس کا سامان ایسا فرمایا کہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ یعنی دو ہفتہ کے بعد جب حاضر بارگاہ رضوی ہوئے، اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنے کمال بندہ نوازی سے غیر حاضری کا سبب دریافت فرمایا۔ مولوی صاحب نے سارا واقعہ اور اپنی حیرانی و پریشانی مفصل بیان کردی۔ حسن اتفاق کہ اس جلسہ میں حضرت گرامی قدر سید امیر احمد صاحب و جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب و جناب و مولوی محمد حسن رضا خانصاحب رحمہ اللہ تعالی بھی تشریف فرما تھے۔ اس کو سن کر یہ لوگ بہت متاثر ہوئے اور گرامی جناب حضرت سید امیر احمد صاحب مرحوم مغفور نے فرمایا، کہ اگر قیامت کے دن مجھے خداوند عالم دریافت فرمائیگا، کہ اس قدر لوگ کیوں گمراہ ہوئے، تو میں بھی کہونگا، چونکہ مولوی احمد رضا خانصاحب نے تو کوئی مدرسہ اہلسنت جاری نہ فرمایا، اسی وجہ سے لوگ مدارس وہابیہ میں پڑھنے کو گئے اور وہیں پھنس گئے۔ ان کے اس کہنے سے جملہ حاضرین متاثر ہوئے اور اسی وقت قطعی بات قرار پائی، کہ بہت جلد ایک مدرسہ قائم کرنا چاہیے۔

چنانچہ جناب تحصیلدار محمد رحیم یار خانصاحب رئیس اعظم بریلی کے مکان محلہ گلاب نگر میں مدرسہ اہلسنت وجماعت معروف بنام تاریخی ''منظر اسلام'' قائم ہوا۔ مولوی صاحب اس مدرسہ میں

(۱۹) جناب مولوی حافظ امیر احمد صاحب بریلوی مرحوم ومغفور

(۲۰) جناب مولانا مولوی حامد حسن صاحب دامت فیوضہم سے

تفسیر مدارک وترمذی وغیرہ شروع کیا اور نہایت ہی دلچسپی سے پڑھے۔ اعلیٰ حضرت مدظلہا الاقدس نے بھی اپنی عنایات سے عزت افزائی فرمائی اور بخاری شریف پڑھنے کے لئے بعد ظہر کا وقت عنایت فرمایا۔ اسی زمانہ میں آپ کو حلقہ بگوشان سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ ہونیکا شرف بھی حاصل ہوا۔ مولوی صاحب کی سلامت روی اور استقامت مذہبی و ذہانت وشوق ملاحظہ فرما کر اعلیحضرت کے احسانات کا دریا جوش میں آیا اور بعد عصر کا وقت بھی تحریر اقلیدس، تصریح، شرح چغمینی، علم توقیت کے لئے عطا ہوا۔ اس کے بعد انتظام دار الافتا وکار افتا آپ کے متعلق کیا گیا۔

پھر اعلیحضرت نے بعد عشاء کا وقت رسالہ قشیریہ پڑھنے کو دیا اور تعویز لکھ کر دینے کی خدمت آپ کے متعلق ہوئی۔ غرض ما بین المغربین کے سوا ظہر سے لے کر ۱۰ بجے شب تک اعلیحضرت کا کل وقت مولوی صاحب کی تعلیم کے لئے تھا۔ اگر چہ اسباق میں اور لوگوں کی بھی شرکت تھی۔ خصوصاً صحیح بخاری شریف میں تو ۱۵/۱۶ تک کی تعداد پہنچ گئی تھی۔ مگر شارع وقاری مولوی صاحب ہی تھے۔ جب مولانا مولوی حامد حسن صاحب رامپور واپس تشریف لے گئے اور جناب مولانا مولوی سید بشیر احمد صاحب علیگڑھی مدرسہ انظر اسلام کے مدرس اول مقرر ہوئے، تو مولوی صاحب نے بقیہ درسی کتابیں ان سے ختم فرمائیں۔ اسی سال ۱۳۲۵ھ کو آپ کی دستار بندی کا جلسہ مسجد بی بی جی واقع محلّہ بہاری پور میں نہایت ہی دھوم دھام اور حسن انتظام سے ہوا اور گرامی جناب سید شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین ردولی شریف قدس سرہ نے حسب تحریک اعلیحضرت مجدد مأتہ حاضرہ مدظلھم الاقدس آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔

دستار بندی کے بعد اگر چہ مدرسہ میں درس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر اعلیحضرت مدظلھم الاقدس کے یہاں دیگر علوم وفنون، اوقاف، اعمال، تکسیر جفر، تجوید وغیرہ حاصل کرنے کا سلسلہ بدستور باقی رہا اور آپ نے وہ حاصل فرمائے۔ جن سے اکثر ابنائے زمانہ اکثر بے خبر ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک آپ کے اساتذہ کا سلسلہ شروع سے آخر تک پورا موافق مضمون یعنی سب کے سب سنی حنفی قادری ہیں۔ سوا گنتی کے چند صاحبوں کے انمیں وہابیت کا کچھ اثر ہے۔ اسی لئے مولوی صاحب سے اور ان سے آخر تک بہ منتہی مولوی یاسین صاحب کا واقعہ اوپر گذرا۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں جب مدرسہ اشاعت العلوم سے شہر کہنہ مولوی احمد حسن صاحب بجنوری سے مشکوۃ شریف پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا، تو دور ہونے کی وجہ سے بہت تھک جاتا تھا۔

مگر جب سبق پڑھ لیتا تو وہ تکلیف راحت ہو جایا کرتی تھی۔ مگر مولوی صاحب کو دیکھتا کہ موقع بے موقع اعلیحضرت قبلہ کے دوران گفتگو کچھ نہ کچھ کہہ دیا کرتے، جس سے بہت رنج ہوتا۔ اور میں شاگرد ہونے کی وجہ سے چپ رہ جایا کرتا تھا۔ یہانتک کہ مجھے یقین ہو گیا، کہ یہ باتیں محض تعصب اور عناد سے کہتے ہیں۔ میں نے سمجھ لیا، کہ اب ان سے پڑھنا ہو چکا۔ ایک دن جب سبق پڑھا چکے، تو کہنے لگے، مولوی ظفر الدین تمہیں کچھ معلوم ہے؟ میں نے بہت شوق سے پوچھا کیا؟ بولے، کہ تمہارے مولوی احمد رضا خاں نے سود کی حلت کا فتوی دیا ہے۔ میں تو اس گڑھت کو سن کر جل گیا اور کہا کہ اس فتوی پر مولوی رشید احمد صاحب کی بھی تو مہر ہے۔ مولوی صاحب نے کہا نہیں ۔ میں نے کہا، کہ آپ نے اعلیحضرت کا فتوی دیکھا اور مولوی رشید احمد صاحب کی تصدیق نہ دیکھی؟ بولے میں نے وہ فتوی دیکھا نہیں ہے، سنا ہے کہ انہوں نے ایسا فتوی دیا ہے۔ میں نے کہا، تو آج آپ نے یہ بھی سن لیا کہ اس فتوی پر گنگوہی صاحب کی تصدیق ہے، اب جس سے بیان کیجیے، تو یہ کہیے گا، کہ مولوی احمد رضا خانصاحب نے سود کی حلت کا فتوی دیا ہے اور مولوی رشید احمد صاحب نے اس کی تصدیق کی ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔ پھر میں ان سے پڑھنے کو نہ گیا۔

دوسرا واقعہ مولوی عبد الحق صاحب دبکا والے کا ہے، کہ وہ مجھے بہت مانتے تھے اور میں بھی استاذ ہونے کی وجہ سے ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ بریلی مدرسہ اشاعت العلوم سے ترک تعلق کے بعد بھی جب کبھی بریلی آتے تو مجھے مدرسہ اہلسنت سے بلوا بھیجتے اور اگر کسی اور شخص سے مجھے ان کے آنے کی خبر معلوم ہوتی، تو میں خود آکر ان سے ملاقات کر، تا ایک دن وہ بریلی آئے اور

پھر اعلیحضرت نے بعد عشاء کا وقت رسالہ قشیریہ پڑھنے کو دیا اور تعویز لکھ کر دینے کی خدمت آپ کے متعلق ہوئی۔ غرض مابین المغربین کے سوا ظہر سے لے کر ۱۰ بجے شب تک اعلیحضرت کا کل وقت مولوی صاحب کی تعلیم کے لئے تھا۔ اگر چہ اسباق میں اور لوگوں کی بھی شرکت تھی۔ خصوصاً صحیح بخاری شریف میں تو ۱۵/۱۶ تک کی تعداد پہنچ گئی تھی۔ مگر شارع وقاری مولوی صاحب ہی تھے۔ جب مولانا مولوی حامد حسن صاحب رامپور واپس تشریف لے گئے اور جناب مولانا مولوی سید بشیر احمد صاحب علیگڑھی مدرسہ انظر اسلام کے مدرس اول مقرر ہوئے، تو مولوی صاحب نے بقیہ درسی کتابیں ان سے ختم فرمائیں۔ اسی سال ۱۳۲۵ھ کو آپ کی دستار بندی کا جلسہ مسجد بی بی جی واقع محلہ بہاری پور میں نہایت ہی دھوم دھام اور حسن انتظام سے ہوا اور گرامی جناب سید شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین ردولی شریف قدس سرہ نے حسب تحریک اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مدظلہم الاقدس آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔

دستار بندی کے بعد اگر چہ مدرسہ میں درس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر اعلیحضرت مدظلہم الاقدس کے یہاں دیگر علوم وفنون، اوقاف، اعمال، تکسیر جفر، تجوید وغیرہ حاصل کرنے کا سلسلہ بدستور باقی رہا اور آپ نے وہ حاصل فرمائے۔ جن سے اکثر ابنائے زمانہ اکثر بے خبر ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک آپ کے اساتذہ کا سلسلہ شروع سے آخر تک پورا موافق مضمون یعنی سب کے سب سنی حنفی قادری ہیں۔ سوا گنتی کے چند صاحبوں کے انہیں وہابیت کا کچھ اثر ہے۔ اسی لئے مولوی صاحب سے اور ان سے آخر تک بہ منتہی مولوی یاسین صاحب کا واقعہ او پر گذرا۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں جب مدرسہ اشاعت العلوم سے شہر کہنہ مولوی احمد حسن صاحب بجنوری سے مشکوۃ شریف پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا، تو دور ہونے کی وجہ سے بہت تھک جاتا تھا۔

مگر جب سبق پڑھ لیتا تو وہ تکلیف راحت ہو جایا کرتی تھی۔ مگر مولوی صاحب کو دیکھا کہ موقع بے موقع اعلیحضرت قبلہ کے دوران گفتگو کچھ نہ کچھ کہہ دیا کرتے، جس سے بہت رنج ہوتا۔ اور میں شاگرد ہونے کی وجہ سے چپ رہ جایا کرتا تھا۔ یہانتک کہ مجھے یقین ہو گیا، کہ یہ باتیں محض تعصب اور عناد سے کہتے ہیں۔ میں نے سمجھ لیا، کہ اب ان سے پڑھنا ہو چکا۔ ایک دن جب سبق پڑھا چکے، تو کہنے لگے، مولوی ظفر الدین تمہیں کچھ معلوم ہے؟ میں نے بہت شوق سے پوچھا کیا؟ بولے، کہ تمہارے مولوی احمد رضا خاں نے سود کی حلت کا فتوی دیا ہے۔ میں تو اس گرُھت کو سن کر جل گیا اور کہا کہ اس فتوی پر مولوی رشید احمد صاحب کی بھی تو مہر ہے۔ مولوی صاحب نے کہا نہیں۔ میں نے کہا، کہ آپ نے اعلیحضرت کا فتوی دیکھا اور مولوی رشید احمد صاحب کی تصدیق نہ دیکھی؟ بولے میں نے وہ فتوی دیکھا نہیں ہے، سنا ہے کہ انہوں نے ایسا فتوی دیا ہے۔ میں نے کہا، تو آج آپ نے یہ بھی سن لیا کہ اس فتوی پر گنگوہی صاحب کی تصدیق ہے، اب جس سے بیان کیجیے، تو یہ کہیے گا، کہ مولوی احمد رضا خانصاحب نے سود کی حلت کا فتوی دیا ہے اور مولوی رشید احمد صاحب نے اس کی تصدیق کی ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔ پھر میں ان سے پڑھنے کو نہ گیا۔

دوسرا واقعہ مولوی عبد الحق صاحب دبکا والے کا ہے، کہ وہ مجھے بہت مانتے تھے اور میں بھی استاذ ہونے کی وجہ سے ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ بریلی مدرسہ اشاعت العلوم سے ترک تعلق کے بعد بھی جب کبھی بریلی آتے تو مجھے مدرسہ اہلسنت سے بلوا بھیجتے اور اگر کسی اور شخص سے مجھے ان کے آنے کی خبر معلوم ہوتی، تو میں خود آکر ان سے ملاقات کر، تا ایک دن وہ بریلی آئے اور

جعفر خان کے مکان پر ٹھہرے اور مجھے بلوا بھیجا، میں اس وقت اعلیٰحضرت قبلہ کا رسالہ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوہ دیکھ رہا تھا، اس کو لئے ہوئے ان کے پاس پہونچا۔ مولوی صاحب اپنی قدیمی مہربانی سے بہت تپاک سے ملے۔ خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد پوچھا؟ یہ کون کتاب ہے؟ میں نے نام بتایا اور رسالہ ان کے حوالہ کیا الٹ پلٹ کر چند جگہ سے دیکھا اور بہت ناخوش ہوئے اور کہا، کہ یہ کیا مہمل کتاب دیکھتے ہو۔ اس میں میرے استاد مولوی محمد قاسم صاحب کو کافر بتایا ہے۔ میں نے کہا مولانا آپ کے استاد سے ان کو کیا رنج ہے، انہوں نے تو ان مولوی قاسم کی تکفیر کی ہے، جنہوں نے ختم نبوت کا انکار کیا۔ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ماننا عوام کا خیال بتایا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ وہی مولوی محمد قاسم صاحب تو میرے استاذ ہیں، جنہوں نے ایسا لکھا ہے۔ میں نے کہا، تب تو وہ اپنے لکھنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ مولانا احمد رضا خانصاحب نے انہیں کہاں کافر بنایا۔ اس کے بعد سے پھر مولوی صاحب نہ کبھی ملنے کو گئے اور نہ کبھی انہوں نے بلوا بھیجا۔

مولوی صاحب کی دستار بندی اگر چہ ۱۳۲۵ھ میں ہوئی۔ مگر ابتدا سے پڑھانے میں آپ کو ایک خاص دلچسپی تھی ۱۳۱۷ء سے بین ہی میں پڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور پٹنہ کانپور پیلی بھیت بریلی مدرسہ اشاعت العلوم تک برابر مستمر رہا۔ مدرسہ منظر اسلام میں آکر تو وہ مستقل مدرس ہوئے اور ۱۳۲۵ھ کہ دستار بندی کا سال تھا، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، تفسیر جلالین وغیرہ پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کی دستار بندی کے بعد ہی اکثر جگہ سے خطوط آپ کی طلبی کے آنے شروع ہو گئے۔ جناب مولوی حکیم عبدالوہاب صاحب الہ آبادی نے مدرسہ فیض الغربا، آرہ کے لئے بلایا، پھر گورکھپور سے طلبی آئی، پھر سر قاضی عبدالغفار صاحب نے معسکر بنگلور سے طلب فرمایا۔ مگر آپ نے اعلیٰحضرت قبلہ کو چھوڑ کر جانا پسند نہ فرمایا یہاں تک کر اواخر ۲۸ھ میں مدرسہ نعمانیہ لاہور کو مدرس کی ضرورت ہوئی۔ گرامی جناب حامی دین متین خلیفہ تاج الدین صاحب نے آپ کے متعلق اخباروں میں اعلان کیا اور اعلیٰحضرت قبلہ وکعبہ مدظلہم الاقدس کو خاص طور پر تحریر فرمایا کہ اپنے تلامذہ میں سے کسی کو اس مدرسہ کے لئے بھیجدیں۔ اعلیٰ حضرت نے جناب خلیفہ صاحب کے نام والا نامہ روانہ فرمایا، اس کی نقل ناظرین کی دلچسپی کے لئے حوالہ قلم کی جاتی ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بملا خطہ مکرم ذی المجد والکرم حامی اہلسنت ماحی بدعت جناب خلیفہ تاج الدین احمد زید کرمہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ برکاتہ

مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس ہیں اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئیں ان سب سے یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ دہانیہ سے کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے۔ جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ

اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے لئے یہی بناتے ہیں۔فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔اگر منظور ہو،تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ آپ کی جگہ مقرر کروں۔اگر چہ دو عظیم کام یعنی افتاء وتوقیت اور ان سے اہم تصنیف میں وہ ابھی ہاتھ نہیں بنا سکتے۔اسی طرح واعظ ومناظرہ مگر یہ وہاں گئے،تو جس نے ان کو ان کاموں کا اپنے کرم سے بنایا ہے،وہ ان کو بھی بنا سکتا ہے۔

والسلام فقیر احمد رضا غفی عنہ بقلم خود ۵ شعبان المعظم یوم الخمیس"

اعلیحضرت قبلہ نے تو یہ والا نامہ روانہ فرما دیا،اب جو ممبران مدرسہ کو خبر ملی۔سب نے ایک زبان ہو کر عرض کی کہ ہم مولوی ظفرالدین صاحب کو صاحب کو جانے نہیں دینگے۔اگر مولوی صاحب زیادتی مشاہرہ کی وجہ سے جاتے ہیں،تو ہم لوگ مشاہرہ آگے بڑھانے کے لئے موجود ہیں۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا "خیر آپ لوگوں کی خوشی" اس واقعہ کو چھ مہینے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ معززین شملہ خصوصاً حامی دین متین جناب منشی عزیزالدین صاحب رضوی کی غایت کوشش اور اور نہایت اصرار کی وجہ سے آپ کو شملہ جانا پڑا۔ایک سال قریب ان کا قیام شملہ میں جب دسمبر ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار ہوا اور ہندوستان کے خاص خاص علماء شریک دربار ہوئے تھے۔اسی تقریب میں آپ بھی دہلی تشریف لائے اور شریک دربار ہوئے اور وہاں سے مکان آنا،مکان سے بہت دور ہونے کی وجہ سے اعزواقارب کی رائے نہ ہوئی کہ پھر دوبارہ تشریف لے جائیں۔آخر ماہ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مدرسہ حنفیہ آرہ میں مقرر ہوئے۔

جب ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ میں بانکی پور محلہ مصلح الدین میں مدرسہ شمس الہدیٰ کھلا۔حسب تحریک گرامی جناب مولوی سید فصیح احمد صاحب مختار یکم نومبر ۱۹۱۲ء مطابق ۲۰ ذیقعدہ ۳۰ھ کو مدرس الحدیث (مدرس سوم) مقرر ہوئے،اسے ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ مدرس الفقہ (مدرس دوم) ہوئے،اس کے بعد مدرس تفسیر (مدرس اول) ہوئے۔

آپ کی طبیعت کا رجحان اگر چہ جانب تعلیم ہے اور اس سے خاص دلچسپی تھی۔مگر وعظ،تصنیف،مناظرہ،تعویذات،اعمال،استخراج اوقات صوم وصلوٰۃ،افتاء وغیرہ کا سلسلہ بھی برابر رہتا ہے اور اطراف واکناف سے فتاویٰ آیا کرتے ہیں،جن کے جوابات بایں مشغولیات بھی آپ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں زمانہ قیام مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور میں برٹش گاٹنا جنوبی امریکہ سے ایک استفتاء آیا۔یہاں اتفاق وقت مجھے اس کا لفافہ مل گیا۔اس کے بعد جب مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام میں مدرس اول کی ضرورت ہوئی،تو گرامی جناب والا القاب حضرت سید شاہ ملیح الدین احمد صاحب سجادہ نشین دام اقبالہ نے آپ کی طلبی کا خط اور تار بھیجا۔تار پہونچنے پر آپ سہسرام پہنچے۔۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو چارج لیا اور تدریس واضافہ وافادہ طلبہ میں مشغول ہیں بارک اللہ فی عمرہ وفضلہ ونفع الخلائق بفضلہٖ وفضلہ ع این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

تصنیفات کی طرف توجہ ابتدا سے ہی تھی۔موضع بین ہی میں آپ نے شرح تہذیب کی شرح اردو میں لکھی تھی۔مگر صرف چند ورق لکھا تھا،درمیان میں یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔آخر ۱۳۲۳ھ میں ظفرالدین الجید شائع کیا۔اس کے بعد سے اس وقت تک تصنیفات کا سلسلہ برابر قائم ہے۔

☆☆☆

حیاتِ ظفر

از قلم: تلمیذ و مرید خاص ملک العلماء حضرت علامہ مفتی عزیز حسن صاحب علیہ الرحمۃ، بھاگلپوری

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اجل مولانا لعل محمد خاں مدراسی ثم کلکتوی علیہ الرحمہ نے حضرت ملک العلماء کا سوانحی خاکہ سب سے پہلے لکھا۔ پھر حضرت مولانا سید عزیز حسین رضوی ظفری بھاگل پوری نے حضرت ملک العلماء کی سیرت سوانح پر قلم اٹھایا۔ سید والا موصوف حضرت ملک العلماء کے تلمیذ و مرید خاص تھے۔ 'حیات ظفر' کے عنوان سے ان کی یہ تحریر ۱۳۴۷ھ کی ہے۔ جب ملک العلماء اپنی عمر کی چوالیسویں بہار سے گذر رہے تھے۔ یہ تحریر چونکہ حاضر باش کی ہے۔ کچھ تو مشاہدات ہیں۔ کچھ مسموعات ہیں، اور بہت ممکن ہے۔ بہت کچھ انہوں نے صاحب سیرت سے پوچھ پوچھ کر لکھا ہو۔ اس لئے تحریر کی استنادی حیثیت علم ہے۔ یہ تحریر بھی عرصہ دراز تک خستہ بوسیدہ فائلوں میں دبی رہی۔ اب جبکہ یہ تحریر 'جہان ملک العلماء' میں کر لی گئی، تو خوبی قسمت کہ عین اسی موقع سے اس کا پہلا ایڈیشن بھی سامنے آ گیا۔ تاہم اس کی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے۔ یہ تمام نادر تحریریں ہمیں وقتاً فوقتاً کرم فرما پروفیسر مختار الدین احمد کی عنایت سے ملتی رہی ہیں۔ میں بذات خود اور 'جہان ملک العلماء' کا پورا قبیلہ ان کا شکر گذار ہے۔ غلام جابر شمس مصباحی

ولادت باسعادت: حضرت استاذی و ملاذی حضور ملک العلماء فاضل بہار جناب مولانا سید محمد ظفر الدین صاحب قادری برکاتی رضوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ ۹ محرم الحرام ۱۳۰۴ھ بروز جمعہ مطابق ۸ر اکتوبر ۱۸۸۶ء موافق ۲۵ کاتک ۱۲۹۴ فصلی ۱۱ بجے دن کو اپنے وطن مالوف موضع میجرا (رسول پور) سب ڈویژن بہار شریف ضلع پٹنہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔

نام و کنیت: گاؤں کے بعض معززین نے آپ کا نام عبد الحکیم تجویز کیا اور بعضوں نے تاریخی نام سنہ فصلی سے کہ قریات میں اس کا رواج زیادہ ہے مختار احمد رکھا اور حضرت کے والد ماجد ملک عبد الرزاق قدس سرہ نے محمد ظفیر الدین رکھا اور یہی نام ۱۳۲۲ھ تک مشہور رہا، اس کے بعد جب آپ بریلی شریف حاضر ہوئے تو امام اہلسنّت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحذف حرف علت 'یا' ''محمد ظفر الدین'' پسند فرمایا اور یہی نام اس وقت سے مشہور اور مہر کندہ ہے، ابتدا میں آپ ابوالبرکات کنیت کرتے تھے مگر برادرم محمد معروف بہ مختار الدین سلمہ کی ولادت کے بعد ابو محمد لکھتے ہیں۔

نسب و قومیت: آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ محمد ظفر الدین بن منشی محمد عبد الرزاق مرحوم بن حاجی کرامت حسین بن احمد

علی بن غلام قادر بن سعادت یار بن عبدالحمید بن ملک رضا بن ملک علی بن ملک فتح اللہ روح اللہ روحھم و نور ضریحھم۔ ملک فتح اللہ اس طرف سے ان مشاہیر سے، ہیں جن کی اولاد سے اس طرف کی متعدد بستیاں آباد ہیں اور اطراف میجرا کے تقریباً سب لوگوں کا سلسلہ ان تک پہنچتا ہے۔

آپ کی قوم 'ملک' کے معزز خطاب سے مخاطب و ممتاز ہے اور سلسلۂ نسب اس کا حضرت سید ابراہیم غازی مشہور بہ "ملک بیا" تک پہنچتا ہے۔ جن کا مزار پُر انوار قصبہ بہار شریف میں معروف و مشہور ہے۔ اور فیض بخش اہل حاجات ہے۔ یُزا رو یتبرک بہ۔ ملک قوم کے حالات میں یوں تو متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ان سب میں مشہور وہ ذخیرہ ہے، جو جناب ملک محمد نعیم صاحب ساکن موضع لُہنڈہ (ضلع پٹنہ) نے جمع کیا ہے۔ جس میں شاہی فرامین اور تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ بہار کے 'ملک' حضرت سید ابراہیم غازی مخاطب بہ "ملک بیا" کی اولاد و امجاد میں ہیں۔ یہ شاہی خطاب حضرت سید ابراہیم کو اس درجہ پسند آیا کہ آپ کی شہرت "ملک بیا" سے ایسی ہوئی، کہ گویا یہی نام ہو گیا اور ان کی اولاد و احفاد نے بھی اسے مایۂ فخر و سرمایۂ امتیاز جانا، کہ اس وقت سے اس وقت تک اس قوم کے افراد بجائے سید، 'ملک' ہی کے ساتھ مشہور ہیں اور اس کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔

بعض لوگ حضرت کے نام نامی کے اعتبار سے اپنے کو "ابراہیمی" بھی لکھا کرتے ہیں۔ آپ کی نیہال موضع 'بین' میں ہے جو میجرا سے بسمت شمال ایک کوس کے فاصلے پر آباد ہے۔ آپ کے نانا صاحب کا نام ملک مبارک حسین تھا۔ جو موضع بین کے زمین داروں میں تھے۔ جس طرح حضرت کے جد اعلیٰ اور ان کے آباد اجداد میجرا محال کے نو/۹ کے مالک تھے جو اس وقت تک زبان زد ہر خاص و عام ہے اور سابق مکانوں کے کھنڈر، قدیم عمارتوں کی وسیع پختہ دیواریں، دو گز سے زیادہ چوڑی بنیادیں دال ہیں۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ   آثار پدید ست صنادید عجم را

وتلک الایام نداولھا بین الناس

حلیہ و لباس: رنگ گورا، کشیدہ قامت، گداز بدن، آنکھیں بڑی بڑی، پیشانی بہت فراخ، دونوں بھنویں علاحدہ، داڑھی رسولی بھر، کلہ چار انگشت، موچھیں بقدر لب، بچی کے بال نہیں ترشواتے، رخساروں کے فاضل بال ترشواتے ہیں، بھر سینہ بال، تمام بدن میں بھی بال ہیں، سر کے بال چھوٹے چھوٹے رکھتے ہیں، عرصہ سے چشمہ لگایا کرتے ہیں۔ ایک زمانے تک سنہری کمانی استعمال کرتے تھے۔ اس کے بعد اس خیال سے کہ گولڈن کا کہلاتا ہے، احتیاطاً ترک کر دیا اور نکل کا فریم استعمال فرمانے لگے، پھر تحقیق کی تو اس کا سونا ہونا ثابت نہیں ہوا ورنہ اس قدر سستا ہرگز نہ ملتا، معلوم یہ ہوا، کہ ایک قسم کی دھات ہے۔ جس کو گولڈن کہتے ہیں یا سونے کا جز ہے، تو محض مغلوب دوسرا جز غالب ہے۔ اس لئے اب پھر سنہری کمانی استعمال کرتے ہیں۔ لباس متوسط درجہ کا استعمال کرتے ہیں نہ بہت ہی معمولی نہ بہت قیمتی۔ عام طور پر مارکین کا شرعی پائجامہ اور جاپانی نین سکھ کا ۱۸ گرہ لانبا، سیدھے پٹ کا کرتا، جس میں تین بٹن ہوتے ہیں اور کبھی نین کلاٹ کا پائجامہ کبھی ململ یا اڈھی کا بھی کرتا پہنتے ہیں۔ ٹوپی کے لئے عموماً لکھنو کا پلہ استعمال کرتے ہیں اور یہی آپ کا شب و روز کا لباس ہے۔ ترکی ٹوپی باوجود جائز سمجھنے کے کبھی نہیں پہنی نہ سوا ایک شیروانی کے کبھی شیروانی پہنی، پرانے وضع کی اچکن بٹن دار پہنتے ہیں۔ جوتا برابر سلیم شاہی پھول کا استعمال کرتے تھے۔ مگر بانکی پور کی سڑک بریلی شریف کی طرح صاف ستھری نہیں ہوتی، بلکہ پتھروں کے روڑوں کی ہوتی

ہے۔ اس لئے پمپ شو استعمال کرتے ہیں۔ عمامہ اکثر بنارسی استعمال کرتے ہیں اور عبا سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ عبا یا جبّہ صرف جاڑوں میں پہنتے ہیں۔ آپ کا روزمرہ گھر کا لباس کرتا پائجامہ ٹوپی ہے، جب باہر جاتے ہیں تو اچکن بھی زیب تن کرتے ہیں، عیدین، وعظ ومناظرہ کے مجمع میں عمامہ اور عبا بھی پہن لیتے ہیں۔

رھائش و خوراک : کھانے کے آپ شوقین نہیں۔ جو کچھ پک گیا، بے عذر خوشی سے کھالیتے ہیں، کبھی کسی کھانے کی فرمائش نہیں فرماتے ہیں، ہاں بچوں کی خاطر یا کوئی مہمان آ گیا، تو اس کی خواہش کے مطابق کھانا پکوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی کھانے کی برائی نہیں کرتے۔ اگر کھانا بہت مزیدار ہو تو تعریف کی، ورنہ خاموش رہ جاتے ہیں۔ ویسے گیہوں کی روٹی اور بکرے کا قورمہ بہت پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ اعلیٰ حضرت کی غذا تھی۔ آپ اکثر فرماتے ہیں، کہ مجھے پرتکلف کھانوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ دو تین غایت درجہ چار پانچ قسم کی چیزیں دسترخوان پر اچھی معلوم ہوتی ہیں اور بہت زیادہ چیزوں سے وحشت ہوتی ہے۔ ایسے کھانے کم مصرف میں آتے ہیں زیادہ ضائع ہوتے ہیں۔ آپ حقہ بھی کبھی نہیں پیتے ہاں پان کھالیتے ہیں، مگر بغیر تمباکو کے، ہاں دو تین پتی کا مضائقہ نہیں، ذرا زیادہ کھالیں تو سر چکرانے لگتا ہے۔ شب کو کھانا کھانے کے بعد پان نہیں کھاتے، فرماتے ہیں، کہ اس وقت کا پان بہت مضر ہوتا ہے، چونا دانت خراب کر دیتا ہے۔ اگر کوئی کھائے تو اس کو چاہیے کہ سونے کے قبل خوب اچھی طرح دانت مل کر سوئے۔ چائے برسات اور جاڑے میں پیا کرتے ہیں اور بیک وقت دو پیالی تک پیتے ہیں۔ مگر گرمی میں خصوصاً سادی چائے سے احتیاط کرتے ہیں۔ ہاں اگر کبھی کسی نے بہت اصرار کیا تو ایک پیالی میں مضائقہ نہیں جانتے۔ پھلوں کے حتی کہ آم کے بھی خواہش مند نہیں ہیں، بچوں کی فرمائش پر ہر موسم میں پھل آیا کرتا ہے، اگر وہ فرمائش نہ کریں، تو شاید یہ معلوم بھی نہ ہو، کہ آج کل کس پھل کا زمانہ ہے۔ گوشت اگرچہ پسندیدہ غذا ہے، مگر مچھلی کی طرف میلان زیادہ ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس کی تعریف فرمائی ہے۔ اسے لحماً طریاً کہا جاتا ہے۔ جنتیوں کی میزبانی اس سے ہوگی۔

آپ جہاں جہاں دین کی خدمت کرتے رہے، بال بچے متعلقین کے ساتھ رہے، آپ اکثر فرماتے ہیں کہ "ہر کہ زن ندارد آرام تن ندارد" حدیث شریف میں نکاح کو اغض للبصر فرمایا، یہ اسی وقت ہوگا جب زن و شوہر یکجا رہتے ہوں، ورنہ شادی کر کے سال سال بھر یا چھ چھ مہینہ علاحدہ رہنے سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام سے زیادہ محتاط کون جماعت ہوگی لوگوں کے لئے بھی حضور اقدس ﷺ متعلقین سے علاحدہ رہنا پسند نہیں فرماتے تھے، بعض لوگوں کو آپ نے فرمایا، کہ تمہیں گھر سے آئے ہوئے زیادہ دن ہو گئے، اب تم لوگ گھر واپس جاؤ۔ بستر اور اوڑھنے میں کمبل استعمال کرتے ہیں، موسم سرما میں نیچے دری پھر کمبل تب چادر تکیہ رکھتے ہیں اور برسات اور گرمی میں نیچے کمبل پھر دری وغیرہ اور کبھی کھری چارپائی پر بھی آرام کر لیتے ہیں۔ مکان کا آپ کو بہت شوق ہے عمدہ مکان صاف ستھرا ہوادار آپ کو بہت پسند ہے۔ بدقطع اور بے ڈھنگ مکان سے آپ کو سخت کوفت اور وحشت ہوتی ہے

اپنے وطن میجرا میں آپ نے وسیع عالیشان نہایت خوش قطع مکان بنایا ہے اور قدرت نے بلند جگہ اور بستی کے کنارے کی جانب جنوب میں اس کو جگہ دے کر اور زیادہ پُر بہار بنا دیا ہے۔ آپ اکثر فرماتے ہیں کہ بعضوں کو عمدہ کھانے کا بہت شوق ہوتا ہے بعضوں کو اچھے کپڑوں کا، اللہ نے مجھے آرام وعافیت والے مکان کا شوق دیا ہے اور مجھے اپنے رب جل وعلا کے فضل وکرم سے یقین

ہے، کہ میرے شوق و پسند کا لحاظ فرما کر از راہ بندہ پروری و ذرہ نوازی بحسب حدیث عند ظن عبدی بی ضرور بہترین آرام و عافیت کا مکان جنت میں عنایت فرمائے گا۔ بحرمۃ النبی و آلہ الا مجاد و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ بعدد کل ذرۃ الف الف مرۃ منحین خلقت الدنیا الی یوم ینادی المناد۔

ایک موقع پر استاذ گرامی نے دوران درس ایک روایت بیان فرمائی، کہ کسی نے یحییٰ بن اکثم کو خواب میں دیکھا، پوچھا: جناب باری نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، بولے جب میں حاضر بارگاہ ایزدی ہوا۔ مجھ سے فرمایا، اے شیخ تو نے یہ کام کیا، یہ کام کیا اس وقت کمال ہراس اور خوف مجھ پر غالب ہوا عرض کیا مجھے عبدالرزاق نے معمر سے معمر نے زہری سے انہوں حضرت انس سے، انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے، حضور اقدس ﷺ نے جبرئیل امین سے، جبرئیل امین نے تجھ سے خبر دی، کہ تو نے فرمایا انا عند ظن عبدی بی (میں بندہ سے وہ کرتا ہوں جو کچھ بندہ مجھ سے امید رکھتا ہے) اور میں تجھ سے امید رحمت و کرامت کی رکھتا تھا، نہ حساب میں سختی کی۔ فرمایا، جبرئیل نے سچ کہا انس نے سچ کہا زہری نے سچ کہا معمر نے سچ کہا۔ عبدالرزاق نے سچ کہا، میں نے تجھ پر رحم کیا۔ یحییٰ کہتے ہیں، پھر رحمت و کرامت کا خلعت مجھ پر عنایت ہوا اور بہشت کے خدام میرے سامنے کھڑے ہوئے۔

حضرت الاستاذ فرماتے ہیں، یہ روایت پڑھ کر اس وقت مجھے ایسی خوشی ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی۔ حضرت الاستاذ یہ روایت بیان کرنے کے بعد کلاس ہی میں بلند آواز سے دعا مانگنے لگے: خداوندا تیرا یہ ناچیز گنہگار بندہ تیرے فضل و کرم کا امیدوار بندہ یقین کرتا ہے کہ تو اپنی شان رحیمی و کریمی سے میرے گناہوں کو بخش کر جنت میں آرام و عافیت کا مکان عنایت فرمائے گا۔

وما ذلک علیک بعزیز انک علی کل شئی قدیر

لعل رحمۃ ربی حین یقسمها
فانی علی حسب العصیان فی القسم
یا رب واجعل رجائی غیر منعکس
لدیک واجعل حسابی غیر منخزم

آمین آمین الہ الحق آمین بحرمۃ طہ و یٰسین علیہ السلام۔

درس و تحصیل علم : استاذ مکرم نے چار برس چار مہینہ چار دن کی عمر میں ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۸ھ روز شنبہ مطابق ۱۴ر جنوری ۱۸۹۱ء کو اپنے والد ماجد ملک عبدالرزاق سے پڑھنا شروع کیا اور قواعد بغدادی اور ڈھائی پارہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد جناب حافظ مخدوم اشرف صاحب میجروی مرحوم سے قرآن شریف ختم کیا۔ پھر مولوی عبدالکبیر صاحب مرحوم سے کریما وغیرہ پڑھنے کے بعد آپ اس خیال میں تھے، کہ گلستان اور بوستاں شروع کریں، کہ ماموں زاد بہن کی تقریب شادی میں اپنی نانہیالی موضع 'بین' جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں حسب مشورۂ اقربا جناب والد ماجد صاحب نے ۱۳۱۳ھ میں مدرسۂ غوثیہ حنفیہ میں داخل کر دیا اور مطابق نصاب مدرسہ جناب مولوی محمد مہدی حسن صاحب مرحوم ساکن موضع تتریا حال مقامی موضع میجرا مدرس مدرسہ غوثیہ و مولوی محمد اکرام الحق صاحب و مولوی محمد منعم صاحب و مولانا مولوی فخر الدین حیدر صاحب و مولانا مولوی محی الدین اشرف صاحب و مولانا مولوی بدر الدین اشرف صاحب و مولانا مولوی معین اظہر صاحب روسائے موضع 'بین' و مدرسین مدرسۂ غوثیہ سے حساب اردو فارسی دینیات اور متوسطات عربی تمام کر کے جناب مولانا مولوی ابو نعیم محمد ابراہیم صاحب ساکن مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ مدرس اول مدرسۂ غوثیہ حنفیہ سے تفسیر جلالین، سبعہ معلقہ، ملا جلال وغیرہ ختم

فرمایا۔

اس کے بعد ۱۳۲۰ھ میں آپ مدرسہ حنفیہ واقع بخشی محلہ پٹنہ میں داخل ہوئے اور جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب پیلی بھیتی محدث سورتی مصنف الدرۃ فی وضع الایدی تحت السرّہ و التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی ومحشی طحاوی شریف و مشکوٰۃ شریف ونسائی شریف و بخاری شریف وغیرہ سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف ہدایہ پڑھنا شروع کیا، ماہِ شعبان میں مدرسے میں تعطیل ہوئی، تو اپنے وطن واپس ہوئے۔ شوال میں جب پھر پٹنہ پہنچے، تو معلوم ہوا کہ حضرت محدث سورتی صاحب بوجہ نا موافقت آب وہوا پٹنہ تشریف نہیں لائیں گے۔ اسی وقت پیلی بھیت کا قصد کیا مگر بعض احباب کے مشورے سے رائے تبدیل کی اور کانپور روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر مدرسہ امداد العلوم بانس منڈی میں آپ نے حضرت مولانا حاجی حافظ عبدالرزاق صاحب سے توضیح صدرا اور مدرسہ دار العلوم مسجد رنگیان میں مولانا شاہ عبداللہ صاحب قدس سرہ سے ہدایہ آخرین اور حضرت والا درجت پیشوائے اہل سنت جناب مولانا مولوی صوفی احمد حسن صاحب قدس سرہ العزیز سے میر زاہد رسالہ اور تفسیر بیضاوی پڑھنی شروع کی۔ کانپور آئے ہوئے ایک سال بھی نہیں ہوا تھا، کہ حسن اتفاق سے حضرت محدث سورتی صاحب اپنے ہم زلف جناب مولانا مولوی احمد حسن صاحب کانپوری سے ملنے کانپور تشریف لائے، تو استاذ گرامی مولانا ممدوح کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کا تذکرہ آیا۔ وہاں کی تعلیمی حالت مفصل معلوم ہوئی، تو آپ ہمرکاب حضرت محدث سورتی صاحب نہضت فرمائے پیلی بھیت روانہ ہوئے اور بدستور ان سے حمداللہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔

عجب اتفاق کہ حضرت محدث صاحب کو بتقریب شرکت جلسۂ دینیہ پٹنہ تشریف لانا ہوا۔ پھر آپ مظفر پور تشریف لے گئے جس کی وجہ سے اسباق کا بہت حرج ہوا اور آپ بہت پریشان ہوئے اسی پریشانی میں مولوی عبدالحق صاحب ساکن دیکا ضلع پیلی بھیت سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف اس زمانے میں مدرسہ اشاعت العلوم محلہ سرائے خام بریلی میں مدرس تھے، ان کی تحریک سے بریلی شریف کا قصد کیا اور مدرسہ اشاعۃ العلوم میں جناب مولوی عبدالحق صاحب موصوف سے حدیث شریف اور مولوی محمد یاسین صاحب مدرس اول و مہتمم مدرسہ سے حمداللہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا اسی زمانے میں مولوی احمد حسن صاحب بجنوری سے کر آنریبل مولوی اصغر علی خاں صاحب رئیس شہر کہنہ بریلی کے لڑکوں کو پڑھانے کے لئے مقرر تھے۔ مشکوٰۃ شریف کے آخری حصے کو جو رہ گئی تھی تمام کیا۔ حمداللہ ختم کرنے کے بعد جناب مولوی محمد الدین پنجابی تلمیذ رشید حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مدرس مدرسہ اشاعت العلوم سے قاضی مبارک پڑھی۔

امام اہلسنت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی فاضل بریلوی قدسنا اللہ باسرارہ کے نام نامی واسم گرامی اور ان کی علمی بلند پایہ ہستی اور علمائے ہند میں ان کے اقتدار وعظمت سے تو آپ ۱۳۱۸ھ ہی سے (جس سال ندوہ و مصلحین ندوہ کے جلسے پٹنہ میں ہوئے تھے) واقف ہو چکے تھے۔ پھر مدرسہ حنفیہ وامداد العلوم ودار العلوم کانپور و مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے جملہ مدرسین کرام کو اعلیٰ حضرت کا نہایت جاں نثار اور مداح ووصاف دیکھ کر غایت درجہ عقیدت ہو چکی تھی۔ آپ نے بریلی پہنچنے پر یہ عادت ٹھہرالی کہ ہفتہ میں دو مرتبہ بعد عصر اور کبھی بعد عشاء بارگاہِ رضوی میں حاضر ہوا کرتے اور مسائل دینیہ کی تحقیق فرمایا کرتے اور اعلیٰ حضرت کے افادات وافاضات سے استفادہ کیا کرتے۔

حضرت الاستاد فرماتے ہیں کہ ۱۳۲۱ھ کا اخیر مہینہ تھا۔ جناب مولوی محمد یٰسین صاحب کے یہاں بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا کہ سوال جبریل والی حدیث ما المسئول عنہ با علم من السائل کی تقریر میں جناب مولوی محمد یٰسین صاحب نے اپنی پوری قوت اس بات پر صرف کر دی کہ جس طرح ہو سکے عالم ما کان و ما یکون ﷺ کے علم کی نفی ثابت کریں۔ مگر خدا کی شان کہ جس درجہ مولوی صاحب اپنے دعویٰ قوی کرنا چاہتے تھے۔ تقریر کمزور ہوتی تھی۔ جس سے اکثر طلبہ بددل ہو گئے۔ خصوصاً حضرت استاذ مدظلہ کو (اعلیٰ حضرت کی تقریر پر تاثیر کی وجہ سے یہ مسئلہ بھی علم الیقین کے مرتبہ سے عین الیقین کے مرتبہ میں آچکا تھا) جناب مولوی محمد یٰسین صاحب کی تقریر اور وسعت علم کی نفی کے لئے زور آزمائی سے سخت تکلیف پہنچی اور ارادہ کر لیا کہ اب اس مدرسے میں وہ نہیں پڑھیں گے۔

لیکن دقت یہ تھی، کہ اگر کسی دوسرے شہر میں جاتے ہیں، تو سنی مدارس ملیں گے، مگر اعلیٰ حضرت کہاں اور اگر بریلی میں رہتے ہیں، تو اعلیٰ حضرت قبلہ کے فیوضات و افادات سے بہرہ اندوز ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ مگر کتابیں تمام نہیں ہو سکتیں۔ اسی ادھیڑ بن میں ایسے پھنسے اور متفکر و متردد ہوئے، کہ ایک یا دو ہفتہ بارگاہ رضوی میں حاضری نہ ہو سکی۔ ہزار ہزار شکر کہ حضرت عزت حق سبحانہ و تعالیٰ شانہ نے غیب سے اس کا ایسا سامان فرما دیا کہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دو ہفتہ بعد جب حاضر بارگاہ رضوی ہوئے، تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنی کمال بندہ نوازی سے غیر حاضری کا سبب دریافت فرمایا، تو حضرۃ الاستاذ نے سارا واقعہ اور اپنی حیرانی و پریشانی مفصل بیان کی۔

حسن اتفاق کہ اس نشست میں گرامی قدر حضرت سید امیر احمد صاحب و گرامی جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب اور جناب مولوی محمد حسن رضا خاں صاحب حسن رحمہم اللہ تعالیٰ بھی تشریف فرما تھے۔ حالات سن کر یہ لوگ بہت متاثر ہوئے اور گرامی جناب سید امیر احمد صاحب نے فرمایا، کہ اگر قیامت کے دن خداوند عالم مجھ سے پوچھے گا، کہ لوگ کیوں گمراہ ہوئے، تو میں یہی کہوں گا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے کوئی مدرسہ اہلسنّت قائم نہیں فرمایا، اسی وجہ سے طلبا بد مذہبوں کے مدرسوں میں پڑھنے گئے اور بد مذہب ہو گئے۔ اس جملہ کا تمام حاضرین پر بہت گہرا اثر پڑا اور جناب مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب برادر اوسط اعلیٰ حضرت نے قصد مصمم فرما لیا، کہ بہت جلد ایک مدرسہ قائم کرنا چاہیے۔

چنانچہ یکم محرم الحرام روز شنبہ ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹ مارچ ۱۹۰۵ء کو جناب تحصیلدار رحیم یار خاں صاحب رئیس اعظم بریلی کے عالیشان مکان پر واقع گلاب محلّہ نگر میں مدرسہ اہلسنّت والجماعت قائم ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا تاریخی نام منظرِ اسلام رکھا۔ مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی اس مدرسے کے منتظم قرار پائے اور جناب مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہ مہتمم جن کے اہتمام و نگرانی میں یہ مدرسہ کمال و ترقی کے مراتب طے کرتا ہوا اس وقت بہت اچھی حالت میں طلاب علم دین کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ یہ مدرسہ ایک زمانے تک تو گلاب نگر ہی رہا، مگر چونکہ وہ محلّہ شہر کے کنارے پر واقع تھا اور طلبا کو وہاں پہنچنے میں دقت ہوتی تھی اس لئے مدرسہ کچھ دنوں کیلئے محلّہ بہاری پور مسجد بی بی میں منتقل ہوا اس کے بعد ایک زمانہ تک جناب مولوی شاہد علی خاں صاحب ہمشیرہ زادہ اعلیٰ حضرت کے مکان واقع محلّہ سوداگران میں رہا پھر مدرسے کے لئے مستقل مکان خرید لیا گیا اور اب مدرسہ اپنے ذاتی مکان میں ہے علاوہ اور عوامی چندہ کے ریاست حیدر آباد سے مبلغ دو ہزار چار سو سالانہ مقرر ہے۔

حضرت استاذ نے اس مدرسے میں جناب مولانا مولوی حافظ حاجی حکیم امیر اللہ صاحب بریلوی مرحوم مغفور سے تفسیر مدارک و جناب مولانا مولوی حامد حسن صاحب ارشادی رامپوری سے ترمذی شریف وغیرہ پڑھنی شروع کی۔ جب جناب مولانا حامد حسن صاحب رامپور تشریف لے گئے، تو عالیجناب حضرت مولانا سید بشیر احمد صاحب علی گڈھی تلمیذ رشید حضرت مولانا مولوی لطف اللہ علی گڈھی مدرسہ منظر اسلام میں مدرس اول مقرر ہوئے، تو موصوف نے بقیہ درسی کتابیں سوا بخاری شریف کے انہی سے ختم فرمائی۔ مدرسہ اہلسنّت منظر اسلام میں پڑھنے کے زمانے میں اعلیٰ حضرت سے استفادہ واستفاضے کا کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ تھا۔ ہر وقت کی حاضری تھی اور ہر وقت افادہ وافاضے کا دروازہ کھلا تھا۔ جو مسئلہ چاہا پوچھا جو شبہ ہوا حل کیا۔

اگرچہ اعلیٰ حضرت نے پہلے ایک زمانہ دراز تک تدریس و تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور اطراف و اکناف کے طلبائے علوم دینیہ کا مرجع و ماویٰ آپ کی بارگاہ تھی۔ مگر جیسے جیسے افتا و تصنیفات میں وقت زیادہ صرف ہونے لگا۔ تدریس وتعلیم میں کمی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۳۲۱ھ میں یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا تھا۔ مگر اعلیحضرت نے حضرت الاستاذ مدظلہ الاقدس کے لئے اس سلسلے کو از سرنو جاری فرما دیا اور بخاری شریف کے درس کے لئے بعد ظہر کا وقت عنایت فرمایا۔ پھر مولوی صاحب کی سلامت روی اور استقامت مذہبی و ذہانت و شوق علمی ملاحظہ فرما کر اعلیحضرت کے انعامات واحسانات کا دریا جوش میں آیا اور بعد عصر کا وقت بھی آپ کو عنایت ہوا، اس وقت میں آپ نے تحریر اقلیدس چھ مقالہ تصریح شرح چغمنی پڑھی اور علم توقیت حاصل کیا اور بعد ظہر کا وقت تقریبا ڈھائی سال تک برابر بخاری شریف کے لئے خاص رہا۔

حضرت مولانا فرمایا کرتے کہ یوں تو تمام اساتذہ میرے حد سے زیادہ مشفق اور مجھ پر مہربان تھے اور ہر ایک اپنے اپنے انداز تعلیم میں ایک سے ایک تھے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے پڑھانے کا طریقہ ان سب سے جدا تھا۔ میں نے بخاری شریف کی ایک حدیث پڑھی۔ پہلے آپ سند کے متعلق گفتگو فرماتے مگر کم، اس کے بعد ایک مسلسل تقریر شروع فرماتے، جس میں پہلے نفس حدیث کا مطلب بیان کرتے، اس کے بعد ارشاد ہوتا، کہ اس حدیث سے یہ یہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور لفظ لفظ سے جو مسئلے نکلتے، ان کو بیان فرماتے، جو حدیثیں ایسی آتیں، جن سے مخالفین اہلسنّت، حضرات اہلحدیث اپنے مذہب پر استدلال کرتے ان کی تقریر وطریقہ استدلال کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ غیر متعصّبانہ طریقہ پر ظاہر فرماتے، جس سے سننے والا سمجھتا کہ ان کا استدلال بہت ہی ٹھیک اور واضح ہے۔ اس کے بعد اس کا رد نہایت ہی وضاحت کے ساتھ مفصل ارشاد فرماتے۔ اس وقت صاف معلوم ہو جاتا، کہ اس حدیث سے اس مسئلے پر استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی تقریر ودرس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام صداقت التیام کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ جو انہوں نے امام اعظم قدس سرہ کے حق میں فرمایا تھا کہ وہ اس پائے کے ہیں کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں، تو دلیل سے ثابت کر دیں۔ مولانا کی علمی خدمات اور شوق ومحنت کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے دارالافتاء و کار افتاء بھی آپ کے متعلق کر دیا۔ اس کے بعد عشاء کا وقت رسالۂ قشیریہ وعلم تکسیر و جفر کے لئے آپ نے عنایت فرمایا۔ غرض مابین المغربین کے سوا ظہر سے دس بجے شب تک اعلیٰ حضرت کا کل وقت آپ کی تعلیم کے لئے تھا۔ اگرچہ اسباق میں اور لوگوں کی بھی شرکت تھی خصوصا صحیح بخاری شریف کے درس میں تو شریک ہونے والوں کی تعداد انیس بیس تک پہنچ گئی تھی مگر شارع وقارا

حضرت الاستاذ ہی ہوتے اور لوگ محض سامع تھے۔

جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے یہاں بخاری شریف بھی تمام ہو چکی تو ۲۵ شعبان ۱۳۲۵ھ بروز پنج شنبہ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو آپ کی دستار بندی کا جلسہ مسجد بی بی مرحومہ واقع بہاری پورہ میں نہایت ہی دھوم دھام اور غایت تزک و احتشام و نہایت حسن انتظام سے ہوا اور گرامی جناب اعلیٰ حضرت سید شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین ردولی شریف نے حسب تحریک اعلیٰ حضرت آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ آپ کے ساتھ تین حضرات اور بھی فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ اسی جلسے میں ان کی بھی دستار بندی ہوئی۔ جناب مولانا مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب ساکن درگاہ کلاں بہار شریف و جناب مولوی سید عزیز غوث صاحب محلہ بہاری پورہ بریلی جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب ارکانی، یہ جلسہ دستار بندی کا تھا جو مدرسہ اہلسنت و جماعت منظر اسلام بریلی میں ہوا تھا۔

اعلیحضرت نے اس جلسہ میں نہایت ہی موثر اور پر از معلومات تقریر فرمائی۔ جس میں علم و علماء کی فضیلت، لوگوں کو علم دین کی ترغیب، علماء کو ان کے فرائض شناسی کی جوان پر اللہ تعالیٰ نے عالم ہونے کی حیثیت سے مقرر فرمائی ہے، ہدایت کی اور جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔

دستار بندی کے بعد اگرچہ مدرسے میں درس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر اعلیحضرت قدس سرہ کے یہاں اوفاق و اعمال تکسیر و تجوید و جفر وغیرہ حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رہا اور آپ نے وہ علوم و فنون حاصل فرمائے۔ جن سے اکثر ابنائے زمانہ محض بے خبر ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک۔

استاذ گرامی کے سلسلہ درس میں مفصل حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چوبیس اساتذہ کرام سے علوم و فنون حاصل کئے اور یہ سب حضرات بمضمون۔

این سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

سنی حنفی قادری ہیں۔ الا ماشاء اللہ، مگر سب کے سب اپنے اپنے موقع پر درس و تدریس میں یکتا اور تعلیم و تربیت میں یگانہ روزگار تھے پھر یہی بمضمون۔

خدا پنج انگشت یکساں نکرد

فرق مراتب ضرور تھا، حضرت الاستاذ اپنے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی بڑے ادب سے یوں لیا کرتے ہیں: اعلیحضرت عظیم البرکۃ امام اہلسنت شیخ الاسلام والمسلمین جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی، حضرت کنز الکرامۃ جبل الاستقامۃ جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیتی حضرت شیر بیشہ اہلسنت عالی جناب مولانا مولوی عبید اللہ صاحب پنجابی الہ آبادی کانپوری، حضرت والا درجت جامع شریعت و طریقت جناب مولانا مولوی قاری حافظ حکیم حاجی امیر اللہ صاحب بریلوی حضرت سامی مرتبت جناب مولانا مولوی سید بشیر احمد صاحب علی گڑھی، حضرت ناصر دین وملت جناب مولانا مولوی حامد حسین صاحب رامپوری، نور اللہ ضریحهم و نفعنا بعلومهم۔

حضرت مولانا اگرچہ اپنے تمام اساتذہ کرام کی بے حد عزت و قدر کرتے اور کسی کا نام بغیر تعظیمی الفاظ کے لینا خلاف تہذیب جانتے۔ مگر وہ جس قدر عزت و توقیر اعلیٰ حضرت کی فرماتے اور دل میں جیسی عظمت اعلیٰ حضرت کی تھی، میں خیال کرتا ہوں کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔

باوجود غایت ادب و متانت اور سنجیدگی کے اگر کوئی اعلیٰ حضرت کے خلاف کچھ کہتا، تو بغیر جواب دیئے نہ رہتے۔ فرماتے کہ میں جب مدرسہ اشاعۃ العلوم سے شہر کہنہ جناب مولوی احمد حسن

صاحب بجنوری سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے جایا کرتا، تو دور ہونے کی وجہ سے بہت تھک جاتا، مگر جب سبق پڑھ لیتا، تو وہ تکلیف راحت بن جاتی، مگر مولوی صاحب کو دیکھتا کہ موقع بے موقع اعلیٰ حضرت کے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور کہہ دیا کرتے ہیں۔ جس سے بہت رنج ہوتا۔ مگر استاذ کے مرتبے کا خیال کر کے چپ رہ جاتا۔ یہاں تک کہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ یہ باتیں وہ محض تعصب واختلاف کی وجہ سے کہتے ہیں۔

ایک دن جب سبق پڑھا چکے، تو کہنے لگے، مولوی ظفر الدین تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تمہارے مولوی احمد رضا خاں نے سود کی حلّت کا فتویٰ دے دیا ہے۔ فرمایا میں تو سمجھ گیا، کہا کہ اس فتویٰ پر تو مولوی رشید احمد صاحب کی بھی مہر لگی ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا، نہیں، میں نے کہا، تعجب ہے کہ اعلیحضرت کا فتویٰ آپ نے دیکھا اور مولوی رشید احمد صاحب کی مہر نہ دیکھی۔ بولے میں نے فتویٰ خود دیکھا نہیں سنا ہے۔ میں نے کہا تو آج آپ نے یہ بھی سن لیا، کہ اس پر مولوی رشید احمد صاحب کی مہر ہے، اب جس سے بیان کیجیے، تو یہ فرمایئے، کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے سود کی حلّت کا فتویٰ لکھا ہے اور مولوی رشید احمد صاحب نے اس کی تصدیق کی ہے اور اس پر مہر فرمائی ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

دوسرا واقعہ جناب مولانا مولوی عبد الحق صاحب دبکاوی کا یہ ہے کہ وہ حضرت الاستاذ کو بہت چاہتے تھے اور حضرت بھی استاذ ہونے کی وجہ سے ان کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی سے ترک تعلق کے بعد بھی جب وہ کبھی بریلی تشریف لاتے، تو استاذ گرامی کو بلوا بھیجتے یا انہیں اپنے استاذ کی بریلی شریف لانے کی خبر معلوم ہو جاتی تو ان کی ملاقات کے لئے ضرور حاضر ہوتے۔ ایک دن مولانا موصوف بریلی تشریف لائے اور جعفر خاں صاحب کے مکان پر ٹھہرے، انھوں نے مولانا کو بلوا بھیجا، مولانا اس وقت اعلیحضرت کا رسالہ مبارکہ الکوکبۃ الشہابیہ مطالعہ کر رہے تھے اسی طرح اس کو لئے ہوئے ان کے پاس پہنچے تو مولوی صاحب اپنی قدیمی مہربانی سے پرتپاک سے ملے، خیریت دریافت کی، اس کے بعد پوچھا یہ کون سی کتاب ہے؟ مولانا نے رسالہ بڑھا دیا۔ چند جگہ سے کچھ دیکھا اور بہت ناخوش ہوئے اور بولے کہ یہ کیا واہیات کتاب دیکھتے ہو اس میں مولانا اسماعیل شہید کے بارے میں کس قدر سخت لکھا ہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا: حضور یہ تو دیکھیں انھوں نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام واولیائے عظام علیہم الرضوان کی شان میں کیسے کیسے کلمات لکھے ہیں۔ مولانا نے گفتگو کا رخ دوسرے موضوعات کی طرف پھیر دیا۔ حضرۃ الاستاذ فرماتے تھے کہ جس طرح انہیں اعلیحضرت سے زیادہ محبت تھی، اعلیحضرت قبلہ بھی آپ پر بہت ہی شفقت فرماتے، آپ کا بریلی رہنا عام طلبا کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اعلیحضرت کے یہاں رہنا، سہنا، کھانا پینا شفقت ومحبت ایسی تھی، جیسے خاندان کا کوئی خاص فرد ہو۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت آپ کو مثل اولاد کے مانتے تھے۔ چالیس سے زیادہ گرامی نامے اعلیحضرت کے مولانا کے نام تشریف لائے ہیں۔ ان میں آپ کو بایں القاب یاد فرماتے ہیں۔ "ولدی الاعز ظفر الدین" ایک گرامی نامہ کی ابتداء ان لفظوں سے ہے۔ "جان پدر بلکہ از جان بہتر ولدی الاعز مولانا ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین آمین۔

۱۳۲۳ھ میں اہل خاندان سے ایک شخص نے ظفر الدین کہہ دیا۔ اعلیحضرت بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا مولانا کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ ۱۳۲۴ھ میں صاحبزادہ والا شان عالیجناب مولانا حامد رضا خاں صاحب قبلہ ہم رکاب اعلیٰ حضرت سفر حج میں تھے اور

جناب مولانا انچارج مہتمم کسی انتظامی امر سے متعلق مدرسے میں مولانا اور حضرت والا درجت جناب مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا اور کئی مرتبہ خط و کتابت کی نوبت آئی، مگر معاملہ نہ سلجھا۔ آخر اعلیٰحضرت کی تشریف آوری پر اس کا فیصلہ رکھا گیا۔ جب اعلیٰحضرت واپس تشریف لائے، تو وہ سب تحریرات ان کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ اعلیٰحضرت نے اس پر یہ تحریر فرمایا:

"یکشنبہ ۵ رجب مبارکہ وقت صبح جلسہ ہونا ضرور ہے، اس میں بہت سے امور کا تصفیہ ہونا ہے۔ مولانا مولوی ظفرالدین صاحب کی پہلی عرضی مع جواب منتظم صاحب سلمہ پیش ہو۔ جواب الجواب کی نہ حاجت تھی نہ پیش ہونے کی ضرورت، نہ مولانا کو منتظم کے ساتھ اس قدر اطاعت سخن کی احتیاج تھی بلکہ منتظم نے ہی یہ بلا وجہ لکھا کہ اس کا جواب درکار ہے۔ میں شکر کرتا ہوں کہ مولوی ظفرالدین صاحب کی تحریر علم شریعت وفن مناظرہ دونوں کے قواعد پر ٹھیک منطبق ہے مگر بمقابلہ شان منتظم اقامت مناظرہ پسندیدہ نہ تھی، جیسا کہ میری رائے ناقص میں منتظم کو ایسے امور اہم میں مصالحت نہیں چاہیے تھی۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر ان تحریرات سے منتظم سلمہ کی خاطر پر کوئی گرانی ہوئی ہو تو مولانا ظفرالدین صاحب ان سے معافی چاہ لیں اور منتظم سلمہ کے رقعے کا جواب مولوی قمرالدین نے کچھ دیا ہو تو وہ بھی جلسہ میں پیش کریں اور اگر نہ دیا ہو تو جواب نہ مانگنے کی وجہ بیان کرنی چاہیے۔

والسلام فقیر

احمد رضا قادری غفرلہ، ۴ رجب ۱۳۲۴ھ

مولانا کی حیثیت اس وقت ایک طالب علم کی تھی یا نیم مہتمم کی اور حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب مرحوم منتظم مدرسہ اعلیٰحضرت کے حقیقی بھائی اعلیٰحضرت سے صرف چار سال چھوٹے، جانثار اور نہایت ہی فرمانبردار بھائی۔ مگر اس تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا پر کس قدر شفقت اعلیٰ حضرت کی تھی۔

اواخر ۱۳۲۲ء میں حضرت مولانا نے سب سے پہلے استفتا کا جواب تحریر فرمایا اور اعلیٰ حضرت کے یہاں تصحیح کے لئے بھیجا، اعلیٰحضرت وہ فتویٰ بعد تصحیح خود لیتے ہوئے اندرون خانہ سے باہر تشریف لائے اور ہاتھ میں ایک روپیہ تھا، فرمایا، کہ میں نے جب پہلے پہل ایک استفتی کا جواب لکھا، تو حضرت استاذی والد ماجد صاحب قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے انعام دیا تھا۔

آج یہ پہلا جواب آپ کا ہے اور ماشاء اللہ صحیح ہے اسی اتباع سے یہ ایک روپیہ آپ کے لئے لایا ہوں لیجیے اور خوب شوق سے افتا کا کام کیجیے۔ اعلیٰحضرت نے ۱۳۳۶ھ میں آپ کو "فاضل بہار" کے ممتاز خطاب سے مخاطب فرمایا۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۸۱۱ میں آپ کو ان قیمتی لفظوں سے یاد فرمایا ہے۔ "ولد اعز ذو العلم والتميز فاضل بهار مولوی محمد ظفر الدين وفقه الله لحماية الدين و نكاية المفسدين و جعله كاسمه ظفر الدين."

۱۳۲۷ھ میں جب الاستاذ مدرسہ کبیریہ سہسرام میں صدر مدرس تھے۔ حاضر بارگاہ کا شرف انہیں حاصل ہوا اسی زمانے میں اعلیٰحضرت نے رسالہ مبارکہ الاستمداد تحریر فرمایا تھا۔ مسودہ ہی تھا کہ مولانا نے اس کی ایک نقل اپنے لئے کر لی، ایک شعر کے متعلق یہ عرض کیا کہ اگر یہ مصرعہ اس طرح کر دیا جائے، تو کیا حرج ہے۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا، مناسب ہے اس کے تھوڑی دیر کے بعد علماء کی جماعت نے اپنی سفارشات دربارۂ خطاب علماء پیش کیں۔ جس میں حضرت مولانا کے لئے "ملک العلماء" کا خطاب تھا۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا اور

ارشاد ہوا، کہ مولانا شعر و سخن کی طرف توجہ نہیں کرتے ورنہ میں ان کو ''ملک الشعراء'' کا خطاب دیتا۔ پھر رجب ۱۳۳۹ھ میں جب آپ کی حاضری بارگاہ رضویہ میں ہوئی اور شرف قدم بوسی نصیب ہوا اعلیحضرت نے مولانا کے رسالہ ھادی الھداۃ لترک الموالاۃ کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ماشاء اللہ بہت خوب لکھا ہے۔ اسی سلسلہ سخن میں فرمایا ''انی احب لک ما احب لنفسی'' نفعنا اللہ بعلومہ و برکاتہ و فیوضہ و افاداتہ، آمین۔

تدریس و تعلیم : حضرت الاستاذ دامت فیوضہ کی دستار بندی اگرچہ ۱۳۲۵ھ میں ہوئی، مگر تدریس سے آپ کو ابتداء ہی سے خاص دلچسپی تھی۔ ۱۳۱۷ھ سے جب وہ مدرسہ حنفیہ ''پٹنہ'' میں زیر تعلیم تھے۔ انہوں نے طلبا کو پڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور پٹنہ، کانپور، پیلی بھیت اور مدرسہ اشاعۃ العلوم (بریلی) میں برابر ان کا یہ طریقہ رہا کہ اپنے سے نیچے درجے کے طلبا کو برابر پڑھایا کرتے۔ مدرسہ منظرِ اسلام میں ۱۳۲۳ھ سے تو مستقل مدرس ہوئے اور ۱۳۲۵ھ میں کہ دستار بندی کا سال تھا مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ وغیرہ پڑھاتے تھے۔ آپ کی دستار بندی کے بعد ہی مختلف مدارس میں آپ کی طلبی کے خطوط آنے شروع ہو گئے۔ جناب مولوی حکیم عبدالوہاب صاحب الہ آبادی آروی نے مدرسہ حنفیہ آرہ کے لئے بہت اصرار والحاح سے طلب فرمایا، پھر گورکھپور سے طلبی آئی۔ اس کے بعد سر قاضی مولوی شاہ عبدالغفار صاحب نے معسکر بنگلور سے طلب فرمایا مگر آپ نے اعلیحضرت کو چھوڑ کر جانا پسند نہ فرمایا۔

یہاں تک کہ ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ نعمانیہ لاہور کو مدرس کی ضرورت ہوئی، گرامی جناب حامی دین متین حاجی خلیفہ تاج الدین احمد صاحب سابق وکیل و دبیر انجمن نعمانیہ لاہور نے اس کے متعلق اخباروں میں اعلان کیا اور اعلیحضرت قبلہ کو خاص طور پر تحریر کیا کہ اپنے تلامذہ میں سے کسی کو اس مدرسے کے لئے تجویز فرمائیے۔ چونکہ وہ مدرسہ بھی خالص سنی حنفی لوگوں کا تھا اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کو بحیثیت سرپرست ہونے کے اس کا بھی خیال تھا۔ جناب خلیفہ صاحب کے نام یہ گرامی نامہ امضا فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، بملاحظہ مکرم ذی المجد والکرم حامی سنت ماحی بدعت جناب خلیفہ تاج الدین احمد صاحب زید کرمہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

محبی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری کہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور مجھے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی، اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس ہیں اور اس کے علاوہ کار افتاء میں بھی میرے معین۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئیں گی، ان سب سے یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا، کہ (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں۔ (۴) مصنف ہیں۔ (۵) واعظ ہیں۔ (۶) مناظرہ بھی بعونہ تعالیٰ وہابیہ سے کر سکتے ہیں۔ (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے لئے یہی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے

اگر منظور ہو، تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ ان کی جگہ مقرر کروں۔ اگر چہ دو عظیم کام یعنی افتاء وتوقیت اور ان سے اہم تصنیف میں وہ ابھی ہاتھ نہیں بٹا سکتے۔ اسی طرح واعظ اور مناظر بھی نہیں، مگر وہاں گئے، تو جس نے ان کو ان کاموں کا اپنے کرم سے بنادیا۔ وہ ان کو بھی بنا سکتا ہے۔

والسلام فقیر

احمد رضا قادری غفرلہ

بقلم خود، ۵؍ شعبان یوم الخمیس ۱۳۲۸ھ

اعلیٰ حضرت قبلہ نے تو یہ والا نامہ روانہ فرمادیا۔ اب جو ممبران مدرسہ منظر اسلام کو خبر ہوئی سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم مولوی ظفر الدین صاحب کو ہرگز نہ جانے دیں گے۔ حضرت والا درجت سید شاہ محمد ابراہیم صاحب رضوی طرابلسی دمشقی اگر چہ ممبر مدرسہ نہ تھے مگر جلسہ میں تشریف فرما تھے، بولے کہ آپ لوگوں کو اپنے فائدے کے مقابل دوسرے کے نفع کا بھی خیال چاہئے یا نہیں۔ ممبران مدرسہ نے کہا، کہ وہاں جیسا مشاہرہ تو ہم نہیں دے سکتے مگر ترقی دینے کو موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ ''خیر جیسی آپ لوگوں کی خوشی۔''

اس واقعہ کو چھ مہینے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ معززین شملہ خصوصاً حامی دین متین جناب منشی عزیز الدین صاحب رضوی بریلوی شملوی کے غایت اسرار اور نہایت کوشش کی وجہ سے صفر ۱۳۲۹ھ میں آپ کو شملہ جانا پڑا۔ ایک سال کے قریب آپ کا قیام شملہ میں رہا۔ جب دسمبر ۱۹۱۱ء میں دہلی میں تاج پوشی کا دربار ہوا اور ہندوستان کے مشاہیر علمائے کرام بھی اس میں مدعو ہوئے۔ نواب فتح علی خاں قزلباش لاہور اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب دہلی کا گرامی نامہ آپ کے پاس پہنچا۔ اس موقع پر آپ دہلی تشریف لائے اور شریک دربار ہو کر وہاں سے بریلی ہوتے ہوئے وطن تشریف لائے، تو شملہ کے دور ہونے کی وجہ سے اعزہ و اقارب کی رائے نہ ہوئی کہ پھر دوبارہ وہاں تشریف لے جائیں۔

جناب مولانا مولوی حکیم عبد الوہاب صاحب الہ آبادی مہتمم مدرسہ حنفیہ آرہ کو ایک زمانے سے تمنا تھی کہ آپ میرے مدرسے میں تشریف لائیں، انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور آپ آخر ماہ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو مدرسہ حنفیہ آرہ میں استاد مقرر ہوئے۔ جب بانکی پور محلہ مصلح پور میں عالیجناب سید حاجی نور الہدیٰ صاحب سی آئی ای ریٹائرڈ جج نے اپنی معقول جائداد وقف کر کے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ قائم کیا تو گرامی جناب مولوی سید فصیح احمد صاحب مختار بانکیپوری کی تحریک وسعی سے یکم نومبر مطابق ۲۰؍ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ کو یوم افتتاح مدرسہ تھا آپ مدرس حدیث (مدرس سوم) مقرر ہوئے۔ ابھی ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ جناب مولوی محمد شریف صاحب مدرس الفقہ (مدرس دوم) بوجہ نا موافقت آب و ہوا بعد تعطیل رمضان شریف نہ آئے۔ اس کے لئے آپ کی جگہ پر مدرس فقہ (مدرس دوم) ہوئے۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد جناب مولانا مشتاق صاحب کانپوری نے بھی اہل کانپور کے اصرار پر کانپور کا چھوڑنا پسند نہیں کیا اور یہاں تشریف نہ لائے تب آپ ان کی جگہ پر مدرس تفسیر (مدرس اول) مقرر ہوئے۔ آپ کے مدرس اول ہونے کے ایک یا ڈیڑھ سال بعد مدرسہ شمس الہدیٰ کے فارغ التحصیل طلبا کی پہلی دستار بندی ۱۳۳۴ھ میں ہوئی۔ اسی سال آپ کے پاس تلامذہ میں مولوی حافظ عبد الرحیم صاحب محلّہ کچی باغ بنارس، مولوی محمد حسین صاحب محلّہ رسولپور بنارس، مولوی محمد نعیم الدین صاحب دربھنگوی وغیرہ کی دستار بندی ہوئی تھی اس کے بعد جب مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام ناصر الحکام میں مدرس اول کی ضرورت ہوئی تو

جناب والا القاب حضرت سید شاہ ملیح الدین احمد صاحب سجادہ نشین دام اقبالہ نے آپ کی طلبی کا خط اور تار بھیجا۔ آپ سہسرام پہنچے اور ۲۰ر ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو آپ نے مدرسہ کا چارج لیا اور آپ کی جگہ پر مدرسہ شمس الہدیٰ میں جناب مولوی شاہ محمد الیاس صاحب مونگیری مقرر ہوئے۔ جب ۱۹۲۰ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ گورنمنٹ عالیہ کے زیر نگرانی کیا گیا اور گورنمنٹ کے اپنے اصول کے مطابق نظم و نسق شروع ہوا، تو تمام مدرسین کو صحت کی سرٹیفکیٹ داخل کرنے کا حکم ہوا، تو مولوی محمد الیاس صاحب کو ڈاکٹر نے انفٹ کر دیا۔ اس وقت پھر استاذ نا المکرم یکم اگست ۱۹۲۱ء کو اس مدرسے میں واپس تشریف لے آئے۔ اور اپنی جگہ مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام میں حامی دین متین جناب مولوی قاضی رحم الٰہی صاحب مظفر نگری مدرس عالیہ اہلسنت و جماعت منظر اسلام بریلی کو مقرر کر دیا۔

حضرت مولانا جس وقت مدرسہ شمس الہدیٰ تشریف لائے تھے مدرسے کی حالت ایک عربک اسکول کی تھی۔ اس کے یوماً فیوماً اس میں ترقی شروع ہوئی اور ہر سال ایک ایک درجہ کھلنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ پورے پندرہ سال کی مکمل پڑھائی ہوگئی اور اب یہ مدرسہ فقط صوبہ بہار بلکہ مجموعی طور پر ہندوستان میں گورنمنٹ کا واحد مدرسہ جس میں تاریخ، جغرافیہ، حساب، انگریزی کے علاوہ عربی ادب اور درس نظامی کی تمام کتابیں قدیم طرز پر پڑھائی جاتی ہیں۔ ایسا مکمل نصاب نہ کسی قومی مدرسہ کا ہے نہ کسی حکومت کی تعلیم گاہ کا یہی سبب ہے کہ ہر طبقے کے لوگ اس مدرسے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنے قدیمی طرز کے مدارس کو اس کے ساتھ ملحق کر رہے ہیں۔ اس وقت پچاس سے زیادہ مدارس اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

یہ مدرسہ اسی وقت سے دو حصوں میں منقسم ہے اور ہر ایک کے واسطے الگ الگ عمارت ہے۔ ایک اسکول کلاس جہاں ا
سے نو سال کی پڑھائی ہوتی ہے، نویں سال کے ختم ہونے پر ا
پبلک امتحان ہوتا ہے، جس کے پاس کرنے والوں کو مُلا کی س
ہے۔ اس کے اوپر چھ سال کی پڑھائی ہے۔ جو دو دو سال کر کے
حصوں میں تقسیم ہے اور ہر دوسرے سال پر ایک پبلک امتحان
ہے۔ جن میں کامیاب ہونے والوں کو علی الترتیب مولوی عالم
کی سندیں ملتی ہیں۔ یہ سب امتحانات حسب تصریح وزیر تعلیما
بہار، اڑیسہ، میٹریکولیشن، اف اے، بی اے اور ایم اے کے بر
ہیں۔ کالج کلاسوں میں بترتیب و تفصیل ذیل آٹھ مدرسے ہیں
جناب مولانا مولوی محمد سہول صاحب عثمانی بھاگلپوری پرنسپل، جنا
مولوی اصغر حسین صاحب بہاری پروفیسر حدیث، جناب مولوی س
دیانت حسین صاحب قادری دربھنگوی پروفیسر فقہ، ملک العلماء جناب
مولانا مولوی سید محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی پروفیسر ایڈ
حدیث، جناب مولانا مولوی عبد الشکور صاحب مظفر پوری پروفیس
معقولات و حدیث جناب مولانا مولوی سید شاہ عبد اللہ صاحب قادری
المجیبی گیاوی پروفیسر تفسیر، جناب مولانا مولوی سید عبد السبحان صاحب
دیسنوی، پروفیسر عربی ادب، جناب ماسٹر سید محمد یوسف الدین صاحب
بلخی استاذ زبان انگریزی۔

اسکول کلاسوں کے بارہ مدرسین ہیں۔ جن کے اسماء حسب ترتیب و تفصیل یہ ہیں، جناب مولوی سید اقبال حسین صاحب، سید آبادی گیاوی، جناب مولوی حافظ سید عبد الرشید صاحب کوپاوی، عظیم آبادی، جناب مولوی سید محمد قاسم صاحب دیسنوی بہاری، جناب مولوی حافظ محمد جان صاحب، عظیم آبادی، جناب مولوی سید شاہ ابو القاسم صاحب بہاری، جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب بہاری، جناب ماسٹر ملک محمد صفی الدین صاحب کاکوی گیاوی

جناب مولوی حافظ نور الحق صاحب، مظفر پوری، جناب مولوی ملک محمد عبد الرحمٰن صاحب بینوی بہاری، جناب مولوی سید محمد ظہور احمد صاحب، عظیم آبادی۔ بارک اللہ فی افادتھم وافاضتھم۔

تلامذہ و اصحاب: حضرت ملک العلماء نے جس وقت سے تعلیم وتدریس کی طرف توجہ فرمائی اور جن جن حضرات نے آپ سے استفادہ کیا۔ اس کی ایک بڑی طویل فہرست ہے۔ آپ نے ۱۳۱۷ھ سے موضع بین میں پڑھنا شروع کیا اور جہاں تک مجھے خیال آتا ہے، سید شاہ حکیم محمد الیاس صاحب صاحبزادہ جناب حضور سید شاہ امین احمد صاحب سجادہ نشین بہار شریف قدس سرہ و جناب محمود عالم صاحب ساکن موضع کہٹہ، ہیڈ مولوی ہائی انگلش اسکول گیا کی جماعت کو سب سے پہلے آپ نے پڑھانا شروع کیا تھا۔ اس وقت سے برابر یہ سلسلہ جاری رہا جسے اب ۳۱ سال ہوتے ہیں۔ اس مدت طویل میں سوائے ایام تعطیل یا کسی خاص مجبوری کے ایک دن بھی ایسا نہیں ہوگا، کہ آپ نے درس وافادہ نہ فرمایا ہو اور طلبہ دینی اس چشمہ ہدایت سے سیراب نہ ہوئے ہوں۔ مگر جن طلبہ کی آپ کے ہاتھوں دستار بندی ہوئی یا مقررہ نصاب کی کتابیں اختتام کو پہنچیں ان کا سلسلہ ۱۳۳۴ھ سے شروع ہوتا ہے، جس وقت آپ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس تفسیر (مدرس اول) تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے اس وقت سے اس وقت تک برابر ہر سال طلباء فارغ التحصیل ہو رہے ہیں۔ جن کی تعداد ۵ سے ۱۵ بلکہ ۱۹ تک رہی ہے اگر اوسط ان کا ۸ بھی مانا جائے تو اس عرصہ میں ۱۰۰ سے متجاوز ہوتی ہے۔ اگر ان سب کے نام لکھے جائیں تو بھی ایک لمبی فہرست ہو جائے۔ مگر خاص خاص حضرات جن سے اس وقت سلسلہ درس، تدریس و رشد و ہدایت جاری ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

مولوی حافظ عبد الرحیم صاحب، بہاری مولوی حکیم محمد حسین صاحب بہاری مدرس مصباح العلوم الہ آباد، مولوی سید نیاز الدین صاحب اسدر جھتی ہیڈ مولوی موڈل اسکول آرا، مولوی سید انوار حسین صاحب رجھتی، ہیڈ مولوی انگلش ہائی اسکول ڈالٹین گنج، مولوی سید انیس احمد صاحب، سکنڈ مولوی ہائی اسکول ڈالٹین گنج، مولوی سید افضال حسین صاحب ہیڈ مولوی ہائی اسکول راج محل، مولوی سید امتیاز احمد صاحب رجھتی ہیڈ مولوی مڈل اسکول، مولوی سید نثار الدین صاحب، ہیڈ مولوی ہائی اسکول وارث علی گنج ضلع گیا، مولوی سید عزیز حسین صاحب ساکن موضع لکھن پور ڈاکخانہ اثر گنج مدرس اول مدرسہ اسلامیہ بھاگلپور، خاکسار محمد عزیز الدین ابراہیم پور بھاگلپور، مولوی سید عبد الرحیم صاحب دربھنگوی انسپکٹنگ، مولوی دربھنگہ مولوی غیاث الدین صاحب مہتمم و مدرس اول مدرسہ حنفیہ موضع ہفیہ پورنیہ، مولوی رشید احمد صاحب بہاری مدرس مدرسہ قومیہ بہار شریف، مولوی ابو اختر محمد اصغر صاحب بہاری، سیکنڈ مولوی ہائی اسکول رانچی ضلع ہزاری باغ، مولوی عبد الغفور صاحب دربھنگوی ہیڈ مولوی ہائی اسکول دانا پور مولوی وصی الدین صاحب پورنیہ مولوی محمد ابراہیم صاحب احمد آبادی مدرس اول مدرسہ دانا پور ضلع پٹنہ مولوی حافظ شمس الحق صاحب مونگیری مولوی حافظ محمد صدیق صاحب بتیاوی، مولوی حافظ محمد حنیف صاحب انسپکٹنگ مولوی مان بھوم مولوی محمد صاحب آروی انسپکٹنگ مولوی ہزاری باغ، مولوی محمد ریاض الحق صاحب مدرس مدرسہ قادریہ کارہ ضلع گیا، مولوی سید محمد ایوب صاحب مدرس اورنگ آباد، مولوی محمد میر صاحب اورنگ آبادی مدرس مدرسہ خانقاہ سہسرام، مولوی عبد القیوم صاحب ہیڈ مولوی مدرس مدرسہ ناصری گنج، مولوی مصلح الدین صاحب، مدرس اول مدرسہ وارث العلوم چھپرا، مولوی محمد خلیل الرحمٰن

صاحب رضوی ساکن ملک چک ضلع پٹنہ، مولوی سید احمد صاحب گیاوی، مولوی محمد زبیر صاحب مدرس اول مدرسہ غوثیہ حنفیہ بین ضلع پٹنہ، مولوی محمد محی الدین صاحب اورنگ آبادی، مولوی محمد نور عالم صاحب مطیر چشتی بہاری، مولوی محمد زکریا صاحب سہسرامی، مولوی قمر الدین خان صاحب سہسرامی، مولوی ولی عالم صاحب مظفر پوری، مولوی سید محمد ابراہیم صاحب نجم عظیم آبادی وغیرہ وغیرہ۔

افتاء و تصنیف: اگر چہ بریلی شریف پہنچنے کے وقت آپ کا نصب العین علوم دینیہ حاصل کرنا پھر بذریعہ تعلیم وتدریس اس کی اشاعت کرنا تھا۔ مگر جب بارگاہ رضوی میں حاضری ہوئی تو اس سرکار کو مرجع الخلائق پایا اور خصوصاً افتاء کا کام جس طرح وہاں ہوتا ہے اس توجہ وتحقیق کے ساتھ تو نہ صرف اس زمانہ میں بلکہ شاید کہیں بھی کسی زمانے میں نہ ہوا ہوگا۔ میرے پیش نظر اس وقت متقدمین علماء کے فتاوے بھی ہیں اور متاخرین اور زمانہ حال کے بھی۔ عام طور پر مفتی حضرات اپنا فرض فقط یہ جانتے ہیں کہ سوال کا جواب لایا نعم، یجوز یا لا یجوز میں دے دیا جائے۔ بعض لوگ جو کچھ محتاط ہوئے اپنے دعوے کے ثبوت میں فقہ کی کوئی ایک آدھ عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

مگر یہ بریلی شریف ہی کی خصوصیات سے ہے کہ جو مسئلہ آیا اس کی پوری تحقیق اور چھان بین کر کے مسئلہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق فقہ کی عبارتوں سے استناد کیا جاتا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں تعبیر و طرز ادا میں اگر کچھ اختلاف واقع ہو، تو اس کی پوری تحقیق و تنقیح کی جاتی ہے۔ جہاں مختلف اقوال ہوتے ہیں، ان پر محققانہ نگاہ ڈالی جاتی ہے، پھر اس مسئلے کے ضمن میں اس کے متعلق بہتیرے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ غرض ہر مسئلہ کی تحقیق اس طور پر کی جاتی ہے کہ اس کے متعلق حدیث وفقہ سب کی پوری پوری توسیع وتشریح کر دی جائے، جتنے مسائل معرکۃ الآراء کے ہیں کثرت اختلافات و اضطرابات یا منقح البحث ہوتے ہیں، بفضلہ تعالیٰ اس طرح صاف و منقح کئے جاتے ہیں کہ ان کی قدر اہل علم جانتے ہیں اور پھر ابحاث زائد فرمائے جاتے ہیں تو تنقیح مسائل تحقیق دلائل سے متعلق ہوتے ہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ کے فتاوی مسمی به العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے یہ فتاویٰ ھدایۃ کی تختی پر بارہ جلدوں میں ہے ہر جلد آٹھ سو صفحے کی ہے، جس کے پاس فتاویٰ رضویہ کی تمام و کمال جلدیں ہوں۔ اس کو فقہ میں پھر کسی دوسری کتاب کی احتیاج حاجت نہیں۔

غرض اس امر کو دیکھ کر آپ نے بھی افتاء کی طرف توجہ فرمائی اور صاف صاف واضح مسائل کے جواب میں ایک دو عبارتوں پر اکتفا اور ذرا پیچیدہ مختلف فیہ مسئلہ ہوا، اس کے جواب میں شرح وبسط سے کام لینا شروع کیا اور بعض مسائل میں مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔ جب تک آپ بریلی شریف میں رہے، اگر چہ افتاء و تصنیف دونوں کا سلسلہ رہا، مگر اصل کام فتویٰ نویسی تھا۔ ضمن میں کوئی رسالہ تصنیف فرمایا جاتا تھا، ان سب فتاویٰ کی نقل خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ بریلی شریف سے واپسی کے بعد شملہ، آرہ، سہسرام، پٹنہ کے قیام کے زمانے میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ زیادہ رہی۔ اگر چہ اس وقت بھی دور دور سے استفتاء آپ کے پاس آیا کرتے اور آپ ان کے جواب دیا کرتے ہیں مگر اصل توجہ آپ کی تالیف و تصنیف کی طرف ہے۔

آج کل آپ 'صحیح البہاری' شریف تالیف فرما رہے ہیں۔ جس کا اصل نام جامع الرضوی معروف بصحیح البہاری ہے۔ یہ مجموعہ پچاس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ ہوگا جس میں صرف اہلسنت وجماعت وحنفی مذہب کی حدیثیں ہوں گی، طرز مشکوٰۃ شریف کا ہوگا۔ اس

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	مضمون	کیفیت
۱	۱۳۲۳ھ	ظفر الدین الجید	مشاہیر علمائے دیوبند سے فیصلہ کن سوالات	مطبوعہ
۲	۱۳۲۳ھ	الحسام المسلول علی منکر علم الرسول	نام سے ظاہر ہے	مبیضہ
۳	۱۳۲۴ھ	مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس	نام سے ظاہر ہے	مطبوعہ
۴	۱۳۲۴ھ	مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفے	نام سے ظاہر ہے	مطبوعہ
۵	۱۳۲۵ھ	التعلیق الضروری علی القدوری	قدوری کی عربی شرح	غیر مکمل
۶	۱۳۲۵ھ	اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ الی المساجد	قربانی کی کھال کا صدقہ نافلہ ہے اور اس کے احکام	مبیضہ
۷	۱۳۲۶ھ	بسط الراحة فی الخطر و الا باحه	اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کتاب الحظر والاباحہ کا اختصار	مبیضہ
۸	۱۳۲۶ھ	الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی	اشباہ والنظار کی شرح علامہ حموی نے لکھی مگر چند ورق بغیر شرح کے ہیں اسکی تکمیل	مسودہ
۹	۱۳۲۶ھ	شکست سفاہت	تحصیل نوح ضلع گڑگانوں میں وہابیہ سے مناظرہ	مطبوعہ
۱۰	۱۳۲۷ھ	المجمل المعدد لتصانیف المجدد	اعلیٰ حضرت اور ان کے خاص تلامذہ کی تصنیفات جن پر اعلیٰ حضرت کی اصلاح ہے	مطبوعہ
۱۱	۱۳۲۸ھ	سجم الکثر ہ علی الکلاب الممطرہ	حرمستفرہ کا رد جواب	مبیضہ
۱۲	۱۳۲۹ھ	النبر اس لنفع ظلام المنهاس	شملہ کی تقریر پر منہاس صاحب کے اعتراض کا رد	مبیضہ
۱۳	۱۳۳۰ھ	التحقیق المبین لکلمات التوهین	کس قسم کے کلمات کس کے لئے توہین ہیں	مبیضہ
۱۴	۱۳۳۱ھ	رفع الخلاف من بین الاحناف	علمائے بریلی، دیوبند کے مسائل کا تصفیہ	مبیضہ
۱۵	۱۳۳۲ھ	التعلیق المقنی عن شروح المغنی	مغنی اللبب کا حاشیہ عربی	مسودہ
۱۶	۱۳۳۲ھ	نزول السکینة با سانید الا جازات المتینة	رسالہ مبارکہ الاجازات المتینہ کی اسانید	مسودہ
۱۷	۱۳۳۳ھ	خیر السلوک فی نسب الملوک	قوم ملک کا شجرنسب	مسودہ
۱۸	۱۳۳۳ھ	جواہر البیان فی ترجمۂ خیرات الحسان	امام اعظم رحمۃ اللہ کی سوانح عمری	مطبوعہ
۱۹	۱۳۳۳ھ	القول الاظہر فی کون الاذان بین یدی المنبر	اذان ثانی جمعہ کہاں ہونا چاہیے	مسودہ
۲۰	۱۳۳۴ھ	کشف الستور عن مناظرۃ رامپور	حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی اور مولانا عبد الوہاب صاحب بہاری کے مناظرہ کا نفیس فیصلہ	مبیضہ

۲۱	۱۳۳۴ھ	گنجینۂ مناظرہ	مولوی ولی اللہ مارواری سے مناظرہ کی روداد	مطبوعہ
۲۲	۱۳۳۴ھ	عافیہ	علم صرف میں جامع مسائل رسالہ	مطبوعہ
۲۳	۱۳۳۴ھ	وافیہ	علم نحو میں مسائل کا جامع بیش بہا رسالہ	مبیضہ
۲۴	۱۳۳۵ھ	بدر الاسلام لمیقات الصلوۃ والصیام	حضرت شاہ بدرالدین صاحب پھلواروی کی فرمائش سے پھلواری کے لئے روزہ ونماز کے اوقات	مبیضہ
۲۵	۱۳۳۵ھ	موذن الاوقات	ہندوستان بھر کے لئے روزہ نماز کے اوقات	مطبوعہ
۲۶	۱۳۳۵ھ	تقریب	علم منطق میں جامع رسالہ	مسودہ
۲۷	۱۳۳۵ھ	تذہیب	علم فلسفہ کا اردو میں بہترین رسالہ	مسودہ
۲۸	۱۳۳۶ھ	تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب	اپنے مکان میں دریچی کھولنے کے بارے میں مولانا قادر بخش صاحب سہرامی مرحوم کے فیصلے کا جواب	مبیضہ
۲۹	۱۳۳۶ھ	القصر المبنی علی بناء المغنی	مغنی اللبیب کی تلخیص	مسودہ
۳۰	۱۳۳۶ھ	نظم المبانی فی حروف المعانی	حروف معانی کا نہایت ہی مبسوط بیان	مبیضہ
۳۱	۱۳۳۷ھ	تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار	بزرگان برکاتیہ رضویہ کے حالات	مسودہ
۳۲	۱۳۳۷ھ	الاکسیر فی علم التکسیر	علم تکسیر میں نہایت نفیس عربی کتاب	مبیضہ
۳۳	۱۳۳۸ھ	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء کی کارگزاریاں	مبیضہ
۳۴	۱۳۳۸ھ	سرور المحزون فی الصبر عن نور العیون	موت اور اس کے بعد کے واقعات	مبیضہ
۳۵	۱۳۳۹ھ	ہادی الہداۃ لترک الموالاۃ	ترک موالات سے متعلق نفیس رسالہ	مبیضہ
۳۶	۱۳۳۹ھ	الاصلاح لاغلاط الایضاح	ایک مسئلہ نکاح میں مولوی سعید الدین صاحب رامپوری کے رسالۃ الایضاح کا رد	مبیضہ
۳۷	۱۳۴۰ھ	توضیح الافلاک معروف بسلم السماء	علم ہیئت میں بہت ہی کارآمد رسالہ	مبیضہ
۳۸	۱۳۴۱ھ	اعلام الاعلام فی احوال العرب قبل الاسلام	قبل اسلام اہل عرب کے تاریخی حالات	مبیضہ
۳۹	۱۳۴۲ھ	توضیح التوقیت	بے مدد استاد علم توقیت سکھانے والا رسالہ	مبیضہ
۴۰	۱۳۴۳ھ	نہایۃ المنتہی شرح ہدایۃ المبتدی	ہدایہ کی عربی شرح، مبسوط وہدایہ سے ماخوذ	ناتمام
۴۱	۱۳۴۴ھ	الافادات الرضویہ	علم حدیث کے متعلق نفیس وکارآمد افادات	مبیضہ

۴۲	۱۳۴۵ھ	الجامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری	اہلسنت حنفی مذہب کی تائید میں تقریباً پچاس ہزار حدیثوں کا نایاب ذخیرہ	زیر تصنیف
۴۳	۱۳۴۶ھ	تربیت الیتامٰی فی زواج الایامٰی	بیوہ عورتوں کی شادی کا بیان	مبیضہ
۴۴	۱۳۴۷ھ	دلچسپ مکالمہ معروف بہ تدبیر اکثریت	مسلمانوں کی اکثریت کا راز	مطبوعہ
۴۵	۱۳۴۸ھ	الانہار فی اجوبۃ نور الانوار	نور الانوار باب الاجماع والقیاس کے متعلق تمام مضامین بطور سوال و جواب	مبیضہ

کتاب کی پانچ جلدیں ہوں گی، جلد اول باب العقائد، دوم کتاب الطہارۃ تا کتاب الحج، جلد سوم کتاب النکاح تا کتاب الوقف، جلد چہارم کتاب البیوع تا کتاب الغصب، جلد پنجم کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض۔ حسن ترتیب و تبویب اس کتاب کی خاص خصوصیت ہوں گی۔ ابواب فقہیہ ھدایۃ کی ترتیب پر ہیں۔ ہر باب میں وہی حدیثیں ہوں گی، جن حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے ان کو الگ الگ دو بابوں میں بیان کیا جائے گا۔ جس سے تعارض کا وہم تک نہ ہوگا۔

مثلاً محدثین کرام باب الوضوء میں مس الذکر کے ضمن میں دونوں قسم کی حدیثیں لکھتے ہیں۔ ایک جن میں وضو کرنے کا بیان ہے دوسری وہ حدیثیں جن میں وضو نہ کرنے کا بیان ہے اس سے طالب علم کو پریشانی ہوتی ہے، وہ دونوں حدیثوں میں تعارض سمجھتا ہے اسے اس کے دفع کی فکر ہوتی ہے۔ خود اساتذہ دفع تعارض کی تقریر کرتے ہیں، صحیح البھاری شریف میں ابواب مالا ینقض الوضوء منہ کے تحت ان تمام اشیاء کو باب باب کر کے گنایا گیا ہے جن سے وضو ٹوٹتا، ان میں سے مس الذکر کا بھی ایک باب لکھا اور اس میں وہ سب حدیثیں جن میں وضو ٹوٹنے کا بیان ہے۔ معلوم ہوا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، پھر اپنے موقع پر ابواب الوضوء المستحب کی سرخی سے وہ تمام اشیاء باب باب کر کے گنائی ہے جس سے وضو کر لینا مستحب ہے اور اس میں ایک باب مس الذکر کا بھی بیان کیا اور اس میں وہ سب حدیثیں لکھیں جن میں مس الذکر سے وضو کرنے کا بیان ہے وعلی ھذا القیاس۔

غرض اس کی تبویب و ترتیب ایسے نفیس طریقے پر کی گئی ہے کہ اسی سے تمام شبہات شکوک و تعارض دفع ہو جاتے ہیں اور طالب علم کو کوئی الجھن نہ ہوگی۔ پھر ہر باب میں جتنی حدیثیں ہیں ان میں خاص ترتیب ہے، پہلے وہ حدیثیں ہوتی ہیں، جنھیں ائمہ اربعہ مجتہدین کرام امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام یوسف، امام محمد نے روایت کی ہیں۔ پھر جسے امام بخاری، امام مسلم، صاحب ترمذی، صاحب ابی داؤد و سنن نسائی و ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں لکھیں۔ پھر جسے دیگر محدثین عظام نے روایت کیا ہے۔ غرض سنیوں، حنفیوں کے لئے یہ کتاب ایک ایسا نفیس و نایاب ذخیرہ ہے، جس کی حد سے زیادہ ضرورت تھی اور باوجود ضرورت شدیدہ اب تک کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ الحمد اللہ کہ حضرت استاذنا العلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق بخشی۔ آپ کی تصانیف میں اگرچہ سب سے پہلی تصنیف تہذیب کی اردو شرح ہے۔ مگر نہ وہ مکمل ہوئی تھی، نہ سلسلہ تصنیف کا مسلسل رہا نہ اس وقت وہ میرے پیش نظر ہے۔ اس لئے ۱۳۲۳ھ سے کہ آپ نے "ظفر الدین الجید" تحریر فرمائی اور اس وقت

سے اس وقت تک سلسلہ تصنیف وتالیف برابر جاری ہے۔اس لئے میں تصنیفات کی فہرست اسی سے شروع کرنا مناسب جانتا ہوں۔

ان کتابوں کے علاوہ حضرت کے فتاوے اور مکتوبات کی ترتیب وتبویب بھی زیر غور ہے۔اصل مستقل کام اب صحیح البہاری کا تمام کرنا ہے اور فاضل اوقات اسی پر صرف کئے جاتے ہیں مگر پھر خاص ضرورت کے تقاضہ سے جس کتاب یا رسالہ کی تصنیف وتالیف کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔اس کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔عجب کیا کہ چھیالیسواں نمبر فتاوی مسمی بہ نافع البشر فی فتاوی ظفر اور سینتالیسواں نمبر حضرت کے مکاتیب کا ہو۔نفعنا اللہ بحیاتہ بفیوضہ و افادتہ آمین

وعظ و ہدایت : مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی میں تعلیم کے زمانے میں آپ نے دیکھا کہ پڑھنے پڑھانے کا طریقہ اگرچہ وعظ سے زیادہ مفید ہے، مگر عام فائدہ وعظ وہدایت کی طرح اس کا نہیں ہے۔مثلاً کسی جگہ عالم صاحب پہنچیں، وہاں کے لوگ صدرا، شمس بازغہ، بخاری، بیضاوی لے کر تو آنے سے رہے، جو ان مولوی صاحب سے ان کو کچھ فائدہ پہنچے، تو ان لوگوں کے لئے ان عالم صاحب کا وجود وعدم برابر رہا۔بخلاف اس کے اگر کسی جگہ واعظ کا گزر ہو، تو ضرور اپنی تقریر ووعظ سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی کر چھوڑے گا اور ایک حق بات لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے گا۔ اسی لئے آپ نے اسی زمانے میں تقریر ووعظ نصیحت کی طرف توجہ کی اور ۱۳۲۱ھ کے مدرسہ اشاعۃ العلوم کے سالانہ جلسہ میں آپ نے ایک پرزور تقریر فرمائی جسے لوگوں نے بہت ہی پسند کیا۔اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور کم از کم مہینے میں ایک یا دو دفعہ تقریر ضرور کسی مسجد میں یا کسی جلسے میں کر لیا کرتے تھے۔کچھ دنوں کے بعد پھر دوسرے شہروں میں جانے لگے، جلسوں اور دستار بندیوں میں اطراف واکناف سے آپ کی طلبی آنے لگی اور اسی سلسلہ میں نے ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور شہروں کی سیاحت کی۔

حضرت استاذنا العلام ہر چند وعظ میں مثنوی شریف نہیں پڑھتے تھے۔مگر مضمون اس درجہ واضح اور نفیس بیان فرماتے ہیں، کہ اہل علم اور تعلیم یافتہ طبقے میں آپ کا وعظ مقبول ہے۔آپ تقریروں میں سیرت نبوی علی صاحبہا افضل السلام وفرائض واحکام شرع اور بزرگان دین کے حالات بیان فر ہیں۔مسائل مختلف فیہا کا تذکرہ نہیں فرماتے اور اگر کبھی موقع اس انداز سے بیان فرماتے ہیں، کہ عوام یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی مسئلہ ہے۔اس سے پریشان خاطر نہ ہوں۔واعظان زمانہ کی طر تقریر کبھی یاد نہیں کی کہ اسی کو ہر جگہ سنا دیا کرتے ہوں، بلکہ ہر تقر نئے مضامین، نئے الفاظ، نئی تراکیب، نئی بندش ہوتی ہے۔

۱۳۲۷ھ میں آپ رنگون تشریف لے گئے تھے۔تقریباً ہفتہ رہنا ہوا۔ہر روز وہاں وعظ ہوتا تھا بلکہ بعض دن دو دو مقا تقریر کرنے کا اتفاق ہوا، مگر جو مضمون ایک جگہ بیان فرمایا دوسری جگہ اس کا اعادہ نہ کیا۔سات آٹھ سال سے بہار شریف دائرہ میں ماہ رجب میں معراج شریف کے واقعات بیان فر ہیں، موضوع وہی واقعہ معراج ہوتا ہے۔ہر سال ایک آیۃ سبحن الذی اسری بعبدہ تلاوت کرتے ہیں۔مگر مض ہر سال نرالا اور بیان معراج ہی کا ہوتا ہے۔اس امر کا بھی درجہ لحاظ رکھتے ہیں کہ آپ کی تقریر کبھی موضوع سے باہر نہ ہو۔

جدل و مناظرہ : قیام بریلی کے زمانے میں ایک دن توالی وتحصیل کے پاس والے گرجا پر آپ کا گزر ہوا۔دیکھا کہ بوڑھا سفید ریش آدمی لمبا کرتا گیروا رنگ کا پہنے ہوئے تقریر کر ہے اور چاروں طرف مجمع لگا ہوا ہے۔آپ بھی کھڑے ہوگئے

اسلام کے خلاف بیان کر رہا ہے۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے، معلوم ہوا کہ ان کا نام پنڈت جوالا پرشاد ہے۔ پہلے ہندو مذہب کے تھے، اب عیسائی ہو گئے ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہر اتوار کو اسی جگہ تقریر کرتے ہیں اور ہر شخص کو اجازت دیتے ہیں کہ جو شخص چاہے، اپنے شکوک واعتراضات پیش کرے، یہ اس کا جواب دیتے ہیں۔

مولانا نے اس کے بعد تقریر کو غور سے سننا شروع کیا اور جو جو بات اسلام کے خلاف معلوم ہوئی۔ اس کو ایک کاغذ پر نوٹ کر لیتے۔ جب پنڈت جوالا پرشاد تقریر ختم کر چکے اور اعلان کیا، کہ جن صاحبوں کو کچھ اعتراض، ہو بلا تامل سوال کر سکتے ہیں۔ جناب مولانا آگے بڑھے اور اعتراضات کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا معمول کر رکھا کہ عیسائیوں کی اور ان کے رد کی کتابیں دیکھا کرتے اور ہر اتوار کو گرجا کے قریب جاتے اور جوالا پرشاد کی تقریر سن کر اس پر اعتراضات کرتے اور مذہب اسلام پر ان کے اعتراضات کا جواب دیتے۔ اس طرح آپ نے عیسائیوں کی رد میں ایک طرح مہارت حاصل فرمائی۔

اس واقعہ سے چند مہینہ کے بعد کتب خانہ والی گلی میں ایک مکان میں دیکھا کہ بڑا مجمع ہے اور ایک شخص تقریر کر رہا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آریہ سماج کی انجمن ہے اور آریہ مقرر اپنے مذہب کی حمایت میں تقریر کر رہا ہے، آپ بھی کھڑے ہو گئے اور اس کی تقریر سننے لگے، اخیر میں اعلان کیا گیا کہ جب صاحبوں کو میری تقریر پر کچھ اعتراض ہو شوق سے دریافت کر سکتے ہیں۔ جناب مولانا آگے بڑھے اور جو کچھ اس وقت اس تقریر پر اعتراضات خیال میں آئے، کیا، پھر اس نے جواب دیا، اس پر پھر شبہات وارد کئے۔ غرض اس زمانے میں یہی مشغلہ رہا کہ آپ عیسائیوں اور آریوں کے رد کی کتابیں دیکھتے اور ان کے جلسوں میں جا کر ان پر اعتراضات کرتے۔ جس زمانے میں آپ کا قیام سہسرام میں تھا، بریلی شریف سے طلبی کا ایک تار آیا آپ فوراً میل سے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے، تو معلوم ہوا کہ آریوں نے بہت سر اٹھا رکھا ہے ان سے مناظرہ طے ہوا ہے اور یہ قرار پایا ہے کہ ایک دن بی بی جی کی مسجد میں وہ لوگ آئیں اور جو کچھ اعتراضات اہل اسلام پر ان کے خیال میں ہیں، پیش کریں، دوسرے دن مسلمان لوگ ان کی انجمن میں جائیں اور ان کے مذہب پر اعتراضات کریں۔

چنانچہ اس وقت آریہ کے اعتراضات کا دن تھا اس کام کے لئے اصل میں مناظر جناب مولانا مولوی احمد علی صاحب میرٹھی قرار پائے تھے۔ مگر عجب اتفاق کہ وقت مناظرہ کا آ گیا، مگر مولانا ممدوح نہیں پہنچ سکے اور آریہ اصحاب اور شائقین مناظرہ جمع ہو گئے، اس وقت بالاتفاق قرار پایا کہ حضرت استاذ نا العلام مناظر ہوں اور آریہ کے اعتراضات کے جواب دیں۔ چنانچہ آریہ کی طرف سے ان کے مشہور مقرر ومناظر پنڈت رام چندر دہلوی کھڑے ہوئے اور کہا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ مذہب اسلام ہمیشہ کے لئے آیا ہے اور ان کے نبی خاتم النبیین ہیں پھر کوئی دوسرا نہیں آئے گا نہ کوئی دین دوسرا ہوگا اور ایسا کوئی مذہب ہو سکتا ہے تو چاہیے تھا کہ ابتداء آفرینش سے ہی مذہب آتا پھر ایسا کیوں نہیں ہوا؟

مناظرہ میں اصول دو طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ جب اعتراضات کرنے کھڑے ہوتے ہیں یا جواب دینے کو تو فریق کی تجہیل وتحمیق کرتے ہیں اور اس طرح حاضرین کے دل سے اس کا اثر کم کرنے یا اس کی بات بے وقعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعضوں کی عادت فریق کی تعریف وتحسین کی ہوتی ہے، اس سے مجمع پر مناظر کی بے تعصبی اور حق پسندی اور عدم نفسانیت کا اثر ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی تقریر کو ناظرین باوقعت سمجھتے ہیں۔ جناب

مولانا کی یہی عادت ہے، وہ کبھی فریق کی تجہیل و تحمیق نہیں کرتے، بلکہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی قاعدے سے جناب مولانا کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"صاحبو! پہلے آپ حضرات سے میں اپنے فاضل مقرر کا تعارف کرادوں۔ آپ کا نام پنڈت رام چندر ہے، دہلی کے رہنے والے ہیں، ان میں یہ خاص خوبی ہے کہ قرآن شریف بہت صحیح پڑھتے ہیں۔ آریوں میں آپ بہت بڑے مقرر و مناظر مانے جاتے ہیں اور اس کو آپ مختصر لفظوں میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ بریلی شریف کوئی معمولی دیہات یا قصبہ یا ادنیٰ درجے کا ضلع نہیں بلکہ کمشنری ہے۔ مگر آپ دہلی سے بلوائے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ کمشنری بھر میں کوئی آپ جیسا مقرر اور مناظر نہیں ہے، ورنہ آپ کو دہلی سے زحمت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

شاید آپ جوابی تقریر میں میرے متعلق بھی یہی رائے قائم کریں، اس لئے میں اپنے متعلق یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اسی شہر کا تعلیم یافتہ ہوں، اس لئے جلسے میں شرکت کے لئے جناب مہتمم صاحب مدظلہ نے مجھ کو حکم دیا ہے۔ بہر کیف جب آپ حضرات کو پنڈت صاحب کی صلاحیت و قابلیت معلوم ہو چکی، تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے کہ ان کا سوال بھی کوئی معمولی سوال نہ ہوگا، جو تمام لوگوں کو آسانی سے سمجھ میں آجائے، ہاں اگر کوئی واضح مثال پیش کی جائے، تو بے شک اچھی طرح خیال میں آسکتا ہے۔

اس لئے میں پنڈت صاحب کے کئے ہوئے سوال کو دوسرے لفظوں میں عام فہم کر کے دہراتا ہوں۔ آپ پوچھتے ہیں کہ جب روٹی گوشت اس علاقے کے لوگوں کی ایسی غذا ہے کہ چار برس کی عمر سے جوانی اور اس وقت سے بڑھاپے تک کام میں آتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے ایک روٹی اور ایک بوٹی کیوں نہیں کھلا دیتے۔ حضرات اگر کوئی شخص آپ سے یہ سوال کرے تو یقین ہے، کہ آپ یہی جواب دیں گے کہ اس وقت شیر خوار بچے کے قوائے جسمانی اس قابل نہیں ہوتے کہ اس غذا کو ہضم کرنے کی صلاحیت رکھے۔ اس لئے پہلے دودھ پھر ساگودانہ تب فیرنی وغیرہ ہلکی غذا دے کر اس کی پرورش کرتے ہیں۔ جب اتنی قوت بچہ میں آجاتی ہے کہ اچھی غذا سے فائدہ اٹھا سکے تو پھر یہ غذا دی جاتی ہے۔

اب یقیناً آپ لوگوں کو پنڈت صاحب کے سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ چونکہ ابتدائے آفرینش میں انسان کے قوائے روحانی اس قابل نہیں تھے کہ اس پر ایسی کامل مکمل کتاب اتاری جاسکے اس لئے پہلے صحیفے نازل ہوتے تھے اور صحیفوں کے ذریعہ ان کی قوائے روحانی کو نشو و نما دیا گیا، پھر کچھ صلاحیت آگئی تو اس سے بڑی کتابیں توریت انجیل زبور دی گئیں۔ جب قویٰ کی تکمیل بروجہ کمال ہوگئی، تو اسے مکمل اکمل کتاب قرآن شریف دے کر ارشاد فرمایا گیا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ اسی مضمون کو حضرت الاستاذ نے نہایت ہی شرح و بسط سے بیان فرمایا جس پر حاضرین بے ساختہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ اٹھے۔ اس پر آریہ سماج کے حضرات جو مسجد کے باہر بیٹھے تھے بہت خفا ہوئے اور بولے کہ واہ صاحب یہ سبحان اللہ سبحان اللہ کیسی جناب پنڈت صاحب نے جب اعتراض کیا تھا تو ہم لوگوں نے کب نعرہ مسرت اور شاباشی بلند کیا تھا جواب آپ لوگ نعرۂ تحسین و آفرین بلند کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا نے فرمایا: آپ لوگ ناراض نہ ہوں۔ آج آپ سائل ہو کر آئے ہیں، سوال کرنے پر اگرچہ سوال کتنا ہی پیچیدہ اور مشکل ہو سوال کرنے والے کی تعریف کرنا بے معنی امر ہے۔ آپ خود غور کریں ایک شخص آئے اور کہے کہ لو گو آپ سے پانچ لاکھ

روپیہ کا سوال ہے، تو آپ اس کی تعریف کریں گے، کہ واہ واہ خوب مانگا کتنا اچھا سوال کیا۔ برخلاف اس کے کہ سائل کے جواب میں کوئی شخص کہے کہ لو یہ پانچ لاکھ حاضر ہیں، تو جملہ حاضرین کی زبان سے بے ساختہ صدائے واہ واہ نکلے گی۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور تقریر کا سلسلہ فریقین میں جاری رہا۔ چونکہ میں روداد مناظرہ نہیں لکھ رہا ہوں۔ اس لیے ان سب باتوں کو قلم انداز کرتا ہوں۔

ہاں اس سلسلے میں ایک بات کا لکھنا ضروری خیال کرتا ہوں، پنڈت جی نے ایک موقع پر کہا، کہ صاحب مسلمان تناسخ پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ تناسخ تو قرآن شریف سے اور خود بزرگوں کے اقوال سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے وقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین اور جناب مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام ہفصد و ہفتاد و قالب دیدہ ام

حضرت مولانا نے اپنی تقریر میں فرمایا، حضرات! پنڈت جی نے آج ایک انوکھا دعویٰ کیا ہے۔ وہ یہ کہ تناسخ قرآن مجید سے ثابت ہے، کہ اقوال بزرگاں دین سے ثابت ہے۔ میں آپ حضرات کو صرف ایک امر کی طرف متوجہ کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ قرآن شریف کے ماننے والے مسلمان ہیں، نہ کہ آریہ سماج، تو اگر تناسخ قرآن شریف سے ثابت ہوتا، تو مسلمان تناسخ کے قائل ہوتے، نہ کہ آریہ، آخر اسلام قرآن شریف سے ثابت ہے۔ نماز قرآن شریف سے ثابت ہے۔ حج قرآن شریف سے ثابت ہے، تو ان سب باتوں کو مسلمان مانتے ہیں یا آریہ سماج۔ اگر تناسخ کا مسئلہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا، تو یہ مسلمانوں کا مسئلہ ہوتا، نہ کہ آریوں کا۔ یہ تو ان کے دعوے کا رد ہوا۔ رہی دلیل تو سوئے اتفاق سے جناب پنڈت جی نے اس آیت شریفہ اور اس شعر پر غور نہیں کیا۔ ورنہ یہ دونوں دلیلیں ابطال تناسخ کی ہیں، نہ اثبات کی۔ آپ حضرات ذرا غور سے سنیں۔ آیت کریمہ اس مضمون کا بیان ہے، کہ یہودیوں نے جب سبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بندر ہو جاؤ، تو اللہ کے اس کہنے سے وہ بندر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا قلنا لھم فرمانا ہی واضح دلیل ہے کہ یہ قوم اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندر ہو گئی نہ بطریق جری عادت گناہ کی پاداش میں۔

اس امر کو واضح کرنے کے لئے میں ایک مثال دینا چاہتا ہوں کہ کوئی صوفی بزرگ یا سنیاسی فقیر پتھر کنکر چن کر ایک ہانڈی میں جمع کرے، چولہے پر چڑھا کر کہے، کھچڑی پک جا اور ان کے کہنے سے کھچڑی پک کر تیار ہو جائے تو ہر عقلمند یہی کہے گا کہ یہ ان بزرگ کی کرامت ہے لیکن جو شخص اس سے یہ نتیجہ نکالے گا کہ جب پتھر کنکر چن کر نیچے اس کے آگ جلائی جائے تو کھچڑی پک جاتی ہے، تو اس کا یہ خیال محض باطل ہو گا۔ اس لئے کہ وہاں محض کہنے سے ہوا، نہ بطریق جری عادت۔ اب اس واقعہ کو مطابق کیجئے کہ اگر عادت اللہ بھی جاری ہوتی تو جو جو شخص نافرمانی کرتا، وہ بندر ہو جاتا، نہ کہ خاص ایک گروہ اور وہ بھی خاص حکم فرمانے کے سبب سے۔ معلوم ہوا کہ اس آیت کو تناسخ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ تناسخ کا رد ہے کہ اگر ایسا ہوا ہی کرتا تو قلنا کی ضرورت ہی نہ تھی۔

اسی طرح شعر کا مفہوم سمجھنے میں ہمارے پنڈت جی کو چوک ہوئی۔ اگر یہ شعر مثنوی کا ہو، تو مولانا روم اس شعر میں جس مسئلہ تصوف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اس کے بیان کا یہ موقع نہیں رہا۔ ظاہری مطلب شعر کا جس سے استدلال کیا گیا، وہ بالکل رد تناسخ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے سات سو ستر قالب دیکھے ہیں اور جس طرح سبزہ اگتا ہے اسی طرح میں بارہا اگا ہوں، تو غور طلب یہی امر ہے کہ سبزہ کس طرح اگا کرتا ہے۔ آپ حضرات کا مشاہدہ ہے کہ درختوں میں آم، امرود، برھ، باکڑ، پیپل وغیرہ

یالتوں میں ککڑی کھیرا، کدو، تربوز وغیرہ ان میں جس چیز کی بیج لگائی جائے گی۔ وہی اگے گی، وہی چیز پھلے گی۔ آپ لوگوں نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ آم کی گٹھلی بونے سے دوسرے سال امرود پھلے، اس کا بیج لگانے سے تیسرے سال پیپل اگ جائے، اس کا تخم بونے سے چوتھے سال شیشم کا پودا نکل جائے، کھیرا ککڑی کے بیج سے ہمیشہ کھیرا ککڑی ہی پیدا ہوتی ہے یا کھیرے کا بیج بونے سے دوسرے سال ککڑی ہو جائے۔ تیسرے سال کدو چوتھے سال تربوز وغیرہ تو تجدد امثال بروز زماں کی وجہ سے ایک شخص کتنے اصلاب کتنے ارحام میں آتا ہے۔ کس کس نام سے کس کس زمانے میں پکارا جاتا ہے مگر رہتا وہ انسان ہی ہے نہ، کہ انسان سے بکری ہو، بکری سے گائے بیل اس سے بھینس پھر ہاتھی پھر چوہا پھر بلی پھر بندر کتا وغیرہ۔

آپ لوگ اس تشبیہ کو غور کریں اور سمجھیں، اتنے تغیرات و انتقالات کو مولانا فرماتے ہیں، کہ جس طرح سبزہ اگتا ہے، اسی طرح میں بارہا اگا ہوں۔ اب ہر شخص سبزہ اگنے کو دیکھے اور جناب پنڈت صاحب کے استدلال کو سمجھے کہ واقعیت سے کتنے درجے دور ہے۔ غرض اسی طرح قریب ۱۲ بجے شب کے وہ جلسہ تمام ہوا اور دوسرے دن مسلمان آریوں کے انجمن میں ان پر اعتراضات کے لئے گئے۔ مگر آریہ صاحبان جواب سے ایسے عاجز ہوئے کہ پھر زیادہ دنوں تک اس سلسلے کو جاری رکھنا انہوں نے خلاف مصلحت سمجھا۔

ردّ قادیانی: بریلی شریف میں تو قادیانی تھے نہیں۔ سوائے ایک تصور حسین نیچہ بند کے۔ وہ کوئی اہل علم نہ تھا۔ مگر اس نے ریشہ دوانی بہت کی اور دوسرے دوسرے شہروں سے قادیانی مقرروں کو بلوا کر اس کی بہت بلیغ کوشش کی، کہ کسی طرح یہاں قادیانیت پھیلے۔ مگر اعلیٰ حضرت کی تحریرات اور حضرت مولانا و دیگر تلامذہ اعلیحضرت کی تقریرات کا یہ اثر ہوا کہ وہاں قادیانی اپنے ارادوں میں خائب و خاسر رہے۔ اسی لئے بریلی میں قادیانیوں سے مناظرے کی نوبت نہیں آئی۔ مگر بیسوں جگہ ان کے رد میں آپ نے تقریریں کیں۔ ہاں آنولہ ضلع بریلی میں ایک قادیانی مبلغ آ گیا تھا۔ کئی شخصوں کو قادیانی بنا لیا تھا۔ مسلمانان آنولہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت نے استاذ مکرم کو وہاں بھیجا اور اس مبلغ سے باضابطہ مناظرہ ہوا۔ مولانا نے منجملہ اعتراضات کے یہ اعتراض فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی نبوت کا مدعی ہے۔ حالانکہ نبوت ختم ہو گئی ہے۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین؛ خود حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ لانبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) قادیانی مقرر نے کہا کہ انہوں نے اپنے کو نبی کہا ہے مگر اس سے مدعی نبوت ہونا کہاں ثابت ہوا۔ اس لئے غیر نبی بھی اپنے کو نبی کہہ سکتا ہے۔۔ چنانچہ جو لوگ کہ بزمانہ نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام انطاکیہ کی طرف بھیجے گئے تھے انہوں نے اپنے کو نبی کہا۔ قالو انا الیکم مرسلون؛ حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ کے دعوے کے دو جز ہیں۔ اور دلیل صرف ایک ہی جز پر آپ نے دی۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ غیر نبی تھے۔ اس مقرر نے کہا کہ نبوت تو حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تھی۔ فرمایا اگلے زمانے میں ایک وقت میں دو دو نبی ہوتے تھے، دیکھئے حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام دونوں ایک زمانے میں نبی تھے یوں ہی حضرت داؤد حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں ہی نبی ایک زمانے میں تھے۔ حضرت یعقوب و حضرت یوسف علیہما السلام دونوں ایک زمانے میں تھے۔ یوں ہی حضرت عیسیٰ و یحیٰ علیہما السلام دونوں ایک زمانے میں نبی تھے۔

اس پر وہ شخص بولا، کہ یہ تو آپ کو ثابت کرنا چاہیے، اس لئے آپ مدعی ہیں اور میں منکر نبوت۔ مولانا نے فرمایا، کہ یہ کوئی میں دعویٰ کی حیثیت سے پیش نہیں کرتا ہوں، بلکہ آپ کی دلیل پر

اعتراض کر رہا ہوں، کہ آپ کی دلیل مکمل نہیں ہے۔ دعوے کے دو جزو ہیں اور دلیل ایک ہی جز پر قائم کی ہے۔ جب تک دونوں جزوں پر دلیل نہ پیش کی جائے گی۔ آپ کا دعویٰ مدلل نہ ہوگا۔ تو اس تقریر سے اس نے سمجھا، کہ جس طرح میرے پاس اس دعویٰ کی دلیل نہیں۔ یوں ہی مولانا کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی، یہ خیال کر کے اس نے کہا، کہ اگر اس کا ثبوت آپ بھی دے دیں کہ وہ نبی تھے، تو میں ابھی ہار مان لیتا ہوں، مولانا نے فرمایا کہ میرا یہ مناظرہ کرنا ہار جیت سے بالاتر ہے۔ ہاں اس کا اقرار کیجیے کہ ابھی توبہ کر لوں گا، تو اگرچہ مجھے اس کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں، مگر آپ کو راہ راست پر لانے کے لئے ضرور پیش کر دوں گا۔

چونکہ قادیانی اصحاب خاصے لفاظ و لسان ہوتے ہیں۔ دعوے آسمان سے زیادہ بلند کرتے ہیں اور دلیل زمین کی تہہ میں۔ اسی طرح دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے یہی سمجھ لیتے ہیں کہ محض چرب زبانی کر رہے ہیں۔ اس نے اقرار کر لیا کہ اگر مستند کتاب سے ان لوگوں کے نبی ہونے کا ثبوت دیجئے، تو میں ابھی آپ کے ہاتھ پر توبہ کر لیتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا، حاضرین آپ غور سے سنیں ،گذشتہ واقعات یا تو تاریخی روایت سے ثابت ہوتے ہیں یا حدیث کی شہادت سے یا قرآنی آیات سے۔ میں اس پر زور دعویٰ کے لئے تاریخ یا حدیث کو نہیں پیش کروں گا۔ بلکہ وہ خداوندی شہادت پیش کرتا ہوں۔ جس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اذارسلنا الیھم اثنین فکذبو ھما فعززنا بثالث فقالو ا انا الیکم مرسلون؛ دیکھئے خداوند عالم خود ان کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتا اور ارشاد فرماتا ہے کہ جب ہم نے ان کی طرف دو شخصوں کو رسول بنا کر بھیجا، تو لوگوں نے انھیں جھٹلایا، تو ہم نے انکو قوت دی۔ تیسرے کے ساتھ۔ پس ان لوگوں نے کہا کہ یقیناً ہم تم لوگوں کی طرف رسول بنائے گئے ہیں۔ اس آیات کریمہ کا سننا تھا، وہ قادیانی ہکا بکا رہ گیا اور تمام حاضرین نے فرط مسرت سے نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا۔ اس لئے کہ اس مقرر کے اس زبردست دعویٰ سے حاضرین بھی یہی سمجھے تھے، کہ واقعی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ورنہ ہرگز ایسا دعویٰ نہ کر بیٹھتا۔

جب مجمع نے اتنا واضح استدلال سنا تو حد سے زیادہ مسرور ہوئے اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ قادیانی تو ختم اللہ کا مصداق تھا ادھر ادھر بغل جھانکنے لگا مگر جن تین شخصوں کو اس نے پھانسا تھا وہ آگے بڑھے اور انہوں نے صدق دل سے توبہ کیا اور تمام حاضرین نے قادیانی مبلغ پر لعن وطعن کی۔

ردوھابیہ: وہابیوں سے تو مناظرے کا بارہا اتفاق ہوا۔ مگر ان میں زبردست مناظرہ وہ تھا، جو ۱۳۲۶ھ میں ضلع گڑگاؤں میں ہوا۔ اس مناظرے میں اہلسنت کی طرف سے جناب والا مدظلہ کے علاوہ جناب مولانا مولوی شاہ رکن الدین الوری، جناب مولانا شاہ ارشاد علی صاحب الوری، جناب مولانا مولوی صوفی احمد حسین خاں صاحب رامپوری ثم اجمیری تھے۔ اس مناظرے کی مفصل روداد رسالہ شکست سفاہت ۱۳۲۶ھ میں طبع ہو چکی ہے۔ اسی مناسبت سے جناب مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن مرحوم مغفور نے اس کا تاریخی نام "پکے نجدیہ کا چپ مناظرہ ۱۳۲۶ھ" رکھا تھا۔ اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں جب آپ کا قیام شملہ میں تھا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری دربھنگی سے تحریری مناظرہ ہوا۔ جس کی تفصیل مع نقل خطوط فریقین رسالہ التحقیق المبین لکلمات التوھین میں ہے۔ پھر ۱۳۴۴ھ میں مولوی ولی اللہ مارواڑی سے مناظرہ کے لئے آپ کلکتہ تشریف لے گئے۔ جس کا مفصل حال رسالہ گنجینۂ مناظرہ ۱۳۴۴ھ میں چھپ چکا ہے۔

ردِّ غیر مقلدین: غیر مقلدین سے مناظرہ کا اتفاق تو بزمانہ قیام بریلی شریف نہیں ہوا۔ لیکن جب آپ سہسرام میں مدرس اول تھے تو چنڈ ہوس ضلع پٹنہ میں غیر مقلدین نے بہت اودھم مچا رکھی تھی اور مناظرہ کے لئے گاہے بگاہے طبل جنگ بجایا کرتے تھے۔ آخر ایک دن حنفیوں نے بھی ٹھان لیا، کہ بغیر ایک فیصلہ کن مناظرہ کے آئے دن کے قضیے طے نہ ہو سکیں گے۔ غیر مقلدین نے بہت اہتمام کیا اور اپنے دس بارہ قاصدوں کو مناظرے کے لئے بلایا۔ جن کے سرگروہ جناب مولوی عبدالنور صاحب دربھنگی مدرس الحدیث کولوٹولہ (کلکتہ) تھے۔ اس مناظرے میں مولوی عبداللہ صاحب مشہور تاجر مددگار اہلحدیث بھی شرکت کے لئے بایں پیرانہ سالی کلکتہ سے شدرحال کرکے آئے تھے۔ اس موقع پر تین دن تک صبح وشام مناظرہ ہوتا رہا، آخر چوتھے دن مولوی عبدالنور صاحب شکست فاش کھا کر جلسہ سے اٹھ آئے۔ ختم مناظرہ کے بعد اور مولوی عبدالنور کے چلے جانے کے بعد جناب مولوی عبدالواحد خاں صاحب رام پوری مہتمم بانی مدرسہ فیض رسول بہار شریف بھی مناظرہ میں شرکت کے لئے کلکتہ سے تشریف لے آئے تھے لیکن وہ گاڑی چھوٹ جانے کی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے۔

اس کے بعد بزمانہ قیام بانکی پور ۱۳۴۲ھ میں غیر مقلدین نے مالدہ (بنگال) میں شور مچایا اور ھل من مبارز کا نعرہ بلند کیا۔ مولوی ہدایت اللہ صاحب حنفی ایک مناظر کی طلب میں دیو بند گئے۔ وہاں سے کوئی صاحب نہ آسکے، تو انہوں نے جناب مولوی محمد سہول صاحب پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کو خط لکھا کہ آپ جائیے اور غیر مقلدین سے مناظرہ کیجئے۔ مگر وہ بھی کثرت کارہائے متعلقہ کی وجہ سے نہ جا سکے۔ آخر مولوی ہدایت اللہ صاحب قریب نو بجے شب کے حضرت مولانا کے پاس آئے اور تمام واقعات من وعن بیان کئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کب جانا ہوگا، مولوی ہدایت اللہ صاحب نے فرمایا، کہ آج ہی شب کے تین بجے گاڑی سے روانہ ہو جائیں تو وقت پر پہنچ سکتے ہیں۔ عجب اتفاق کہ اس مناظرے میں بھی غیر مقلدین کے سرکردہ مولوی عبد النور صاحب تھے اور ان کے نائب مولوی ابوالقاسم صاحب بنارسی۔ مولوی عبدالنور صاحب کو چنڈ ہوس کا مناظرہ یاد آگیا اور وہاں کی کھلی شکست پیش نظر ہوگئی، یہ حالت دیکھ کر مولوی ابوالقاسم صاحب کی بھی ہمت نہ پڑی اور اپنے ہی جلسے میں تقریر کرکے دوسرے ہی دن روانہ ہو گئے اس کے بعد جناب مولانا بھی اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفید کرکے واپس تشریف لائے۔ اس سفر میں آپ کے ہمرکاب آپ کے شاگرد مولوی محمد ابراہیم صاحب احمد آبادی تھے۔

بنگال ہی کے ایک اور مناظرے کا حال حضرت الاستاذ سے معلوم ہوا۔ ۱۴رشوال روز جمعہ ۱۳۴۳ھ بمطابق ۸ مئی ۱۹۲۵ء کو مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مینجر رسالہ شریعت کلکتہ آپ کے پاس تشریف لائے اور بیان کیا کہ جے پور ہاٹ ضلع بوگرا میں غیر مقلدین نے بہت ہی سر اٹھایا ہے اور برابر اہلسنّت وجماعت کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور مناظرے کا اعلان کرتے ہیں۔ آپ کا تشریف لے جانا بہت ضروری ہے۔ دوسرے دن ۱۰رشوال روز شنبہ کو جے پور ہاٹ روانہ ہو گئے۔ یہاں پہنچے، تو معلوم ہوا کہ کوئی صاحب ابوالسعادات سیف الاسلام نامی مناظر ہیں۔ یہ اپنے کو بہت ہی بڑا عربی داں جانتے تھے اور عربی تقریر وتحریر کے ماہر خیال کئے ہوئے تھے۔ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص میرے مقابل عربی میں خط وکتابت کر ہی نہیں سکتا، اسی خیال سے آپ نے ایک تحریر عربی میں بھیجی اور لوگوں سے کہا کہ مجال نہیں کہ احناف عربی میں جواب دیں۔ آخر اسی کو بیں لمن الملک الیوم میں تھے کہ اس طرف سے فوری جواب عربی میں بھیجا گیا اور اس کے ساتھ ان کی عربی دانی

کی قلعی بھی کھولی گئی تھی۔ اس کی غلطیوں کو بھی شمار کر کے لکھ دیا گیا تھا اس تحریر کو دیکھ کر وہ مبہوت ہو گئے۔ مگر دوسری تحریر بھی عربی میں ہی بھیجی اس کا بھی جواب عربی میں ہی دیا گیا۔ غرض اسی طرح آٹھ دس تحریرات فریقین میں آ گئیں گئیں۔ یہ سب تحریرات بعینہ موجود ہیں۔

ادھر سے برابر لکھا گیا کہ تحریر میں وقت ضائع نہ کیجئے۔ شرائط مناظرہ اور اس کے متعلق تمام باتیں جلسے میں طے ہو جائیں گی۔ جلسہ گاہ میں تشریف لایئے اور اگر عربی دانی کا اب بھی غرہ ہے، تو تحریر کا لطف دیکھ چکے، عربی تقریر کا بھی کچھ مزہ چکھ لیجئے۔ جو کچھ فریقین کو کہنا ہو، عربی میں کہیں، پھر مترجم اس کو بنگلہ میں ترجمہ کر کے سمجھا دے گا۔ اس تحریر کا جانا تھا، کہ پریشان ہو گئے اور مظہر العجائب کی شان کا جلوہ اس طرح ظاہر ہوا، کہ مناظر مع مناظرہ غائب دو بجے کا وقت جے پور ہاٹ میں مناظرے کا مقرر تھا۔ حنفی حضرات ایک ہی بجے وہاں پہنچ گئے۔ غیر مقلدین کی مختلف ٹکڑیاں جلسہ گاہ میں پہنچ گئی تھیں مگر مناظر صاحب کا پتہ نہیں۔ لوگوں نے جب کہا، کہ دو بج گئے، مگر اب تک وہ لوگ نہیں آئے۔ مولانا نے فرمایا کہ ان لوگوں کے یہاں تعین ناجائز ہے۔ اس لئے وقت کے بعد شام ہوتے ہوتے آجائیں گے، لیکن آنا ہوتا تو پہلے ہی آجاتے۔ آخر شام تک ان کا انتظار کیا گیا۔

جب مناظر صاحب نہیں آئے، تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ بعد عصر وعظ کا اعلان کیا جائے، چنانچہ عصر کے بعد آپ نے وعظ فرمانا شروع کیا، نماز مغرب کے لئے جلسہ ملتوی کیا گیا، پھر بعد نماز مغرب آپ نے تقریر شروع کی، قریب نو بجے تک سلسلۂ وعظ جاری رہا، اس جلسے میں آپ نے تقلید، آمین، رفع یدین سارے مسئلوں پر اچھی طرح روشنی ڈالی اور عقلی و نقلی دلائل سے اس درجہ مدلل اور مبرہن فرمایا اور اس درجہ دل نشیں پیرایہ میں سمجھایا کہ غیر مقلدین اصحاب نے اپنی آزادروی سے توبہ کیا اور اعلان کیا کہ واقعی بغیر تقلید کے چارہ نہیں۔ اس کے بعد کئی حضرات داخل سلسلہ قادریہ رضویہ ہوئے۔ و الحمد للہ علی ذلک۔

مولانا روح الامین صاحب، خلیفہ صوفی ابوبکر صاحب جس کی کوشش و تحریک سے یہ مناظرہ ہوا تھا اور جناب مولانا تشریف لے گئے تھے، حد سے زیادہ مسرور ہوئے اور فرط مسرت سے فرماتے تھے، کہ مولانا نے اپنے حنفیوں کی عزت رکھ لی۔ بلکہ حنفیہ کے بار آور درخت کو از سرِ نو اس طرف ایسا مضبوط کر دیا، کہ انشاء اللہ تعالیٰ باد مخالف کے جھونکوں کا اب اس پر اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ تو وہ مناظرے ہیں، جن کو لوگ مناظرہ سمجھتے ہیں، ورنہ درحقیقت مخالفین سے ساری باتیں آپ کے مناظرے کے انداز ہی کی ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا کی ایک خاص خصوصیت جسے میں دیگر علما میں کم پاتا ہوں کہ آپ فریق کا اس طرح رد فرماتے ہیں کہ بادی النظر میں وہ رد نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کو تائید خیال کرتا ہے اور بات اس درجہ مدلل ہوتی ہے کہ سوائے تسلیم و سکوت کے اس کو چارہ نہیں۔ جس طرح بلاغت میں ایک صفت الذم بما یشبه المدح ہے۔ اسی طرح مناظرے میں آپ کی جدت الرد بما یشبه التائید ہے۔ اس جگہ اگر میں چند واقعات نقل کروں، تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔ اس طرح بعض مسائل پر روشنی بھی پڑے گی۔ اقول و باللہ التوفیق۔

حضرت الاستاذ جس زمانے میں شملہ میں تھے وہاں لاہور کے رہنے والے ایک حکیم چراغ الدین صاحب اہلحدیث نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا سے مراسم ہو گئے تھے۔ ایک دن مسجد کے قریب ہی کسی بزرگ کا عرس تھا۔ اتفاق وقت کہ حکیم صاحب بھی اس طرف کسی ضرورت سے گئے ہوئے تھے، دیکھا کہ لوگ چادر لئے ہوئے مزار پر جارہے ہیں۔ حکیم صاحب سے نہ رہا گیا اور وہ مجمع پر ٹوٹ پڑے اور بولے

شرک شرک یہ کیا تم لوگ شرک کر رہے ہو۔ بہت دیر تک لوگوں سے جھگڑا اور تکرار کرتے رہے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ چلئے مولانا سید محمد ظفر الدین صاحب کے پاس، وہ لوگ بھی راضی ہوگئے۔ حکیم صاحب اس مجمع کے ساتھ پہنچے اور بولے کہ مولانا افسوس کی بات ہے کہ آپ جیسا عالم و فاضل یہاں موجود ہوں اور پھر لوگ شرک میں گرفتار ہوں، یہ لوگ ایک قبر پر چادر چڑھانے جا رہے تھے۔ ان کو میں آپ کے پاس لے آیا ہوں۔

حضرت مولانا ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے کیوں بھائیو! تم لوگ کیوں شرک کرتے ہو؟ تم لوگ پختہ عمر کے ہو گئے ہو، لیکن اب تک تمہیں یہ نہیں معلوم کہ چادر اللہ کی قبر کے سوا کسی کی قبر پر چڑھانا جائز نہیں، یہ شرک ہے۔ حکیم صاحب پہلے جملوں کو سن کر تو بہت خوش ہوئے، مگر جب شرک کی دلیل میں یہ بتایا گیا، کہ اللہ کی قبر پر چادر چڑھانی چاہئے اوروں کے لئے یہ شرک ہے۔ یہ سن کر حکیم صاحب ہکا بکا سے ہوگئے اور بولے کہ مولانا یہ اللہ کی قبر کیسی اور اس پر چادر چڑھانا کیا معنی؟ فرمایا، آخر چادر چڑھانا شرک کیسے ہوگا؟ جب تک یہ اللہ کے لئے مخصوص نہ ہو۔ تقویت الایمان میں یہی لکھا ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے مخصوص کیا ہے وہ کسی اور کے لئے کرنا شرک ہے۔ تو جب تک قبر پر چادر چڑھانا اللہ کے لئے خاص نہ ہوگا تو دوسرے کے لئے شرک کیوں کر ہوگا؟

شملہ کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ وہاں ایک صاحب مولوی عمر الدین نامی علمائے دیوبند کے ہم خیال تھے۔۔ پہلے تو مولانا سے تپاک سے ملتے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ یہ مستفیدان بارگاہ رضوی سے ہیں، تو مخالف ہوگئے اور لوگوں میں مولانا کے متعلق غلط فہمیاں پھیلانا انہوں نے اپنا شعار بنالیا۔ یہاں تک کہ لوگوں میں یہ مشہور کیا کہ مولانا ظفر الدین صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب کے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ کہہ کر ان کے معتقدوں کو مولانا کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ایک دن اس کی تصدیق کرنے کے لئے چند معززین کو لے کر پہنچے۔ مولانا سے مصافحہ کرکے سب لوگ بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا نے حسب عادت سب لوگوں کی مزاج پرسی فرمائی اور اس کے بعد دریافت کیا کہ آپ حضرات نے کیسے تکلیف فرمائی؟ مولوی عمر الدین صاحب بولے کہ کیا آپ نے مولانا رشید احمد صاحب کے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو کوئی فتویٰ نہیں دیا ہے، بولے آپ کے پیر و مرشد مولانا احمد رضا خاں صاحب نے فتویٰ دیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ جی ہاں پوچھا اس فتویٰ کو آپ صحیح جانتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا: مہربان من صحیح جاننے کو ایک میں ہی کیا صحیح جانتا ہوں۔ اس فتویٰ کو علمائے عرب صحیح جانتے ہیں، علمائے عجم صحیح جانتے ہیں۔ عمر بھر مولوی رشید احمد صاحب صحیح جانتے رہے۔ مولوی اشرف علی صاحب صحیح جانتے ہیں مولوی خلیل احمد صاحب صحیح جانتے ہیں۔ علمائے دیوبند صحیح جانتے ہیں۔ بولے کیا یہ لوگ اس فتویٰ کو صحیح جانتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا، یہ تو کھلی ہوئی بات ہے۔ آپ لوگ مولوی اشرف علی صاحب کے علم سے واقف ہیں، عورتوں کے لئے گیارہ جلدوں میں بہشتی زیور لکھ دی۔ جس کی کسی کتاب میں غلطی معلوم ہوئی فوراً اس کی اصلاح لکھی۔ آپ خود خیال کریں کہ اگر اس فتویٰ میں ذرہ بھر غلطی ہوتی، تو بیں رد اس کا وہ کر چکے ہوتے۔

آپ غور کیجئے کہ مدرسہ دیوبند کتنا بڑا مدرسہ ہے۔ کتنے طالب ہر سال فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔ اگر اس فتویٰ میں کچھ بھی غلطی ہوتی، تو ان فضلاء کو منجملہ اور نصیحتوں کے ایک نصیحت ضرور کی ہوتی کہ دنیا میں کوئی کام کرو یا نہ کرو، مگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اس فتویٰ کا رد ضرور کرنا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ آج تک اس کا کسی نے کہیں سے کوئی رد نہیں کیا۔ بولے ہاں رد تو کسی نے نہیں کیا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ بس آپ خود سمجھ جائیں کہ اس میں کیا راز ہے آخر مہر سکوت بر زبان کی کوئی وجہ ہے نا۔

یہ سن کروہ لوگ مولوی عمر الدین صاحب کو کہنے لگے کہ مولانا نے ٹھیک فرمایا، اگر فتویٰ غلط ہے تو علمائے دیو بند رد کیوں نہیں کرتے، حضرت مولانا کے اس جواب میں خاص لطف ہے کہ، اگر اس کا جواب واقعہ کے مطابق یہ دیتے ہیں، کہ کسی نے اس کا رد نہیں کیا، تو الزام ظاہر ہے، کہ آخر کوئی وجہ ہی تو ہے۔ جس کی وجہ سے خاموشی ہے اور اگر بات بالا رکھنے کو خلاف واقعہ کہتے ہیں، کہ ہاں اس کا کسی نے رد کیا ہے یا اس کا رد ہو چکا ہے، تو جھگڑا ختم۔ اعلیحضرت نے فتویٰ دیا ادھر سے اس کا رد ہو گیا ہے۔ عوض معوض گلہ ندارد پھر شکوہ کیا معنی اور شکایت کیسی۔

شملہ بھی تو عجیب جگہ ہے۔ وہاں ہر طبقے کے لوگ ہر خیال کے انسان ہیں جیسے دینوی اعتبار سے مختلف حیثیت کے اشخاص ہیں۔ یوں ہی دینی حیثیت سے بھی ہر مسلک کے لوگ ہیں۔ آپ کے یہاں اہلسنّت و جماعت کے علاوہ جس طرح غیر مقلدین وغیرہ آتے جاتے تھے۔ اسی طرح بعض شیعہ صاحبان بھی آیا کرتے تھے اور کبھی کبھی مذہبی باتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ حضرات اہلسنت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ کی محبت اور شفقت اور مولائے کائنات کی تعریف و مدحت آپ کی زبان سے بکرات و مرات سن کر ایک دن جرأت کر کے بولے، جناب مولانا آپ کسی اور مسئلے میں ہمارے ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔ مگر باغ فدک کے مسئلے میں تو غالباً آپ ہم لوگوں کے ہم خیال ہوں گے۔ ابو بکر صاحب سے اس بارے میں غلطی ہوئی۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ واقعی حضرت صدیق اکبر سے اس بارے میں غلطی ہوئی اور اسی غلطی کا نتیجہ ہے کہ آج تک شیعہ اور سنی میں اس بارے میں اختلاف چلتا آرہا ہے ورنہ سرے سے یہ قصہ ہوتا ہی نہیں۔

اتنا سننا تھا، کہ بہت خوش ہوئے اور مسرت کے آثار ان کے چہرے سے نمایاں ہونے لگے اور سمجھے کہ اس مسئلے میں تو مولانا بالکل ہمارے ہم خیال ہیں۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا، مگر اس کا باعث حضرت ابوبکر صدیق کی غایت دیانت داری اور امانت داری ورع و تقوی تھا، ورنہ اگر ذرہ بھر ان میں دنیا داری ہوتی تو سارا باغ فدک باستغراق دین مہر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات کو دے دیتے اور حضرت فاطمہ سے صاف فرما دیتے، کہ بیٹی تم کو مسئلہ معلوم ہے۔ اول دین بعدہ ترکہ، پہلے تمام ازواج مطہرات کا دین ادا کرو، پھر ترکے کا مطالبہ کرنا۔

پوری تقریر سن کروہ شیعہ صاحب سخت بھونچال میں آئے، کہ یہ کیا ہوا، کہ میں کچھ اور ہی سمجھا تھا، نتیجہ اور ہی نکلا۔ بولے اس وقت دین مہر تو زیادہ ہوتا نہیں تھا، نتیجہ اور ہی نکلا۔ کیا حضرت عائشہ وغیرہا کا مہر اس زمانے کی عورتوں کی طرح ۴۱ ہزار، ۵۱ ہزار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا، کہ کھجور کا باغ کیا کشمیر کے زعفران کی کاشت تھی یا شملہ کی قیمتی زمین؟ مہر بھی کم ہی ہوتا تھا اور زمین کی قیمت بھی کم ہی تھی، اس کو سن کروہ صاحب خاموش ہو گئے۔

چوتھا واقعہ بھی شملہ ہی کا ہے ایک قادیانی صاحب پہنچے اور باتوں باتوں میں انہوں نے وفات حضرت مسیح علیہ السلام پر بہت زور دیا اور کہا کیوں مولانا اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے مولانا نے فرمایا یہ تو موٹی سی بات ہے، اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات نہ ہوئی ہوتی، تو مرزا جی نبی کیسے بنتے، جس طرح بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال، بعد کے لوگوں کی سلطنت و ملوکیت کو مستلزم ہے۔ یوں ہی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات مرزا جی کی نبوت کو قادیانی صاحب بولے یہ کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا، آپ لوگوں کا دعویٰ مرزا جی کی

نبوت کا ہے۔اس کو ثابت کرنا چاہیے، نہ کہ وفات مسیح علیہ السلام کے پیچھے پڑنا۔اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیں، کہ حضرت مسیح کی وفات ہوگئی ،تو اس سے مرزا جی کی نبوت کیسے ثابت ہوگی؟ کیا اس بات کے ثابت ہونے سے ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہو گیا۔آپ ہندوستان کے بادشاہ ہو جائیں گے،اس کو سن کر بولے اچھا، پھر کسی وقت حاضر ہوں گے۔

جس زمانے میں آپ کا قیام سہسرام میں تھا۔آپ نے دیکھا کہ خانقاہ کی مسجد بھی عام مساجد کی طرح ہو رہی ہے۔حضرت نے عام لوگوں کو اپنے مواعظ حسنہ سے مدرسہ کے طلبہ پر زور دے کر مسجد کو آباد کیا اور پانچوں وقت کی نماز اور بڑی جماعت سے ادا ہونی لگی۔ جناب سجادہ نشین صاحب کی برداری کے بعض صاحبان قصبہ رجہت (ضلع گیا) اہل حدیث ہو گئے ہیں۔کسی زمانے میں بعض اختلافی مسائل مثلاً آمین بالجہر پر ہنگامہ کھڑا ہوا تھا۔اس لئے عرصہ سے وہ لوگ مسجد میں نہیں آیا کرتے۔جب سہسرام پہنچتے ہیں گھر ہی پر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔حضرت مولانا نے ان کو بھی توجہ دلائی،تو یہ قصہ معلوم ہوا کہ آمین بالجہر کی بدولت یہ لوگ مسجد کی حاضری سے محروم ہیں۔

جناب مولانا نے فرمایا کہ جماعت واجب ہے اور آمین بالجہر مستحب یا بہت سے بہت سنت۔کون عقلمند ہوگا کہ ایک مستحب یا سنت کے لئے واجب ترک کرنا پسند کرے گا۔اگر حنفی لوگ اس کو پسند نہیں کرتے کہ ہماری مسجد میں اختلافی صورت پیدا کی جائے اور جھگڑے کی بنیاد رکھی جائے،تو جماعت چھوڑنے سے اس کو ترک کرنا حد درجہ آسان ہے۔ترک واجب پر ترک مستحب کو ترجیح دینا ہر عقل والا پسند کرے گا۔یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں آ گئی اور وہ لوگ بھی شریک ہونے لگے۔جماعت اور بڑی ہونے لگی،مگر مثل مشہور ہے کہ منہ لگی کب چھوٹتی ہے۔ایک دن ایک صاحب نے باآواز بلند آمین ڈانٹ ہی دیا۔حضرت مولانا سلام کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ وہ بولے یہ ہمارا مذہب ہے۔یہ سن کر مولانا دعا کے لئے قبلہ رو ہو گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگے

یا الٰہی رحم فرما مصطفٰے کے واسطے
یا رسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے
کر بلائیں رد شہید کر بلا کے واسطے

بے چارے،یا رسول اللہ،شہ مشکل کشا سن کر سخت مشکل میں پھنسے،شہید کر بلا سن کر بہت ہی کرب و بلا میں مبتلا ہوئے دعا کے بعد دریافت کیا،کہ مولانا یہ کیسی دعا؟حضرت نے فرمایا،اپنا مذہب ہے بھائی۔تمہارا مذہب نماز میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا،ہر وقت تم پر سوار رہتا ہے۔ہمارا مذہب اگر نماز کے بعد ہمارے پاس آیا،تو آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔آخر تمام نمازیوں نے ان کو بہت ملامت کی،کہ تم اپنی حرکت سے جماعت توڑنی چاہتے ہو،مسلمانوں میں پھوٹ ڈالتے ہو یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ ایک مستحب کے لئے واجب ترک کر دیں۔

سہسرام ہی میں ایک صاحب نے جو علمائے دیوبند کے ہم خیال تھے،پوچھا کہ مولانا آپ دیوبندیوں کو کیسا جانتے ہیں،فرمایا جیسا دیوبندی ہمیں جانتے ہیں،اس لئے کہ اتفاق واختلاف دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے،یہ ناممکن ہے کہ عقیدہ یا عمل میں ان کو مجھ سے اتفاق ہو اور مجھ کو ان سے اختلاف ہو۔بولے سنا ہے کہ آپ لوگ ان کو کافر کہتے ہیں،مولانا نے فرمایا کہ ہم نے ان کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ وہ ہم کو مشرک لکھتے ہیں۔

اسی زمانے میں آپ اپنے وطن میجرا رسول پور تشریف لئے جا رہے تھے،کہ کسی ضرورت سے بہار شریف اسٹیشن پر اترنا ہوا، وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی،ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جب انہیں معلوم ہوا،کہ آپ بریلی شریف کے متوسلین سے ہیں،

آدمی بہت کھڑے تھے، بولے میں نے سنا ہے، کہ خاں صاحب قبر پرستی کی بدعت میں مبتلا ہیں۔ مولانا نے فرمایا، کہ قبر پرستی کی بدعت میں تو کوئی مبتلا ہو ہی نہیں سکتا، انھوں نے کہا، میں نے سنا ہے، فرمایا محال بات سن کر تصدیق کرنا کیا معنی، بولے محال کیوں ہے، فرمایا جو شخص قبر کو پوجے مشرک ہے۔ اسے بدعتی نہیں کہتے اور اگر صرف بدعتی ہیں، تو غیر خدا کو نہ پوجتے ہوں گے۔ اس پر وہ بہت خفیف ہوئے اور بولے کہ شیخ سدو کا بکرا شیخ مدار کا مرغا جائز جانتے ہیں، فرمایا، زید کی گائے بکر کی بکری خالد کی مرغی جائز ہے اور شیخ سدو کا بکرا شیخ مدار کا مرغا ناجائز ہے۔ سب لوگوں کی گائیں، بیل، بکریاں، مرغے، مرغیاں سب ناجائز ہیں۔ بولے یہ اضافت تو ہے، اس کے علاوہ ملک ہی میں اضافت منحصر نہیں بولے وہاں مااھل بہ لغیر اللہ ہے، فرمایا غیر خدا کا نام لگ جانا مطلقاً باعث حرمت ہے تو زید، عمر خالد کیا عین خدا ہیں، کہ ان کی گائیں، بکریاں، مرغے نام لگنے پر بھی جائز رہیں گے اور شیخ سدو اور شاہ مدار کا نام لگنے سے حرام اور اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے، تو اس میں شیخ سدو اور شاہ مدار کی خصوصیات نہیں، آپ کے ہی نام پر اگر کوئی شخص جانور ذبح کرے، تو قطعاً حرام ہوگا۔

آپ موضع استھانواں میں اپنے عزیزوں کے پاس قیام فرما تھے وہاں کے رئیس جناب حافظ شرف الدین صاحب کے یہاں ایک مولوی صاحب آئے ہوئے تھے۔ آپ حافظ صاحب کی ملاقات کو تشریف لے گئے، تو انہوں نے مولوی صاحب سے آپ کا تعارف کرایا اور فرمایا کہ آپ میرے عزیز ہیں۔ اس پر مولوی صاحب بہت تپاک سے ملے۔ باتوں بات میں جب معلوم ہوا کہ آپ فاضل بریلوی کے شاگرد ہیں، تو پوچھا کہ کیا آپ ان کے صرف شاگرد ہی ہیں یا عقیدے میں بھی ان کے موافق ہیں؟ حضرت مولانا نے فرمایا کہ کل موافقت ۱۶ر میں ۱۶ر کہی جاتی ہے اور میں اعلیٰحضرت کا موافق ۳۲ آنہ ہوں، ۱۶ر اس لئے کہ میں ان کا شاگرد ہوں اور ۱۶ر اس وجہ سے کہ میں مرید ہوں۔ بولے، وہ تو سب لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا، آپ کے کفر کا فتویٰ آ گیا یا ابھی تک نہیں پہنچا ہے، بولے واہ، مجھے کیوں کافر کہنے لگے۔ مولانا نے فرمایا جزاک اللہ، معلوم ہوا، کہ وہ بغیر کیوں یعنی علت کے کافر نہیں کہتے، ورنہ سب میں تو آپ بھی داخل ہیں، بولے کہ ہم کیا انہوں نے تو ہمارے بڑوں کو کافر کہا ہے۔ فرمایا کہ آپ نے اپنے بڑوں کے اقوال بھی دیکھے یا نہیں بولے نہیں، فرمایا، آپ ان کو دیکھئے اور انصاف کیجئے، کہ کیا کوئی آپ کو کہے تو آپ برداشت کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یقین ہے، کہ اگر آپ لڑنے مرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد مولانا نے حفظ الایمان کی عبارت پڑھی۔ سب لوگ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور کہا معاذ اللہ یہ تو سرور کائنات کی کھلی ہوئی توہین ہے۔

اسی زمانے میں جہان آباد ضلع گیا کے ایک مختار صاحب سہسرام پہنچے، نان کوآپریشن کا اس زمانے میں بہت زور تھا۔ جو شخص اس کے خلاف بولتا، طرح طرح سے بدنام کیا جاتا اور لوگ اس کو ہر طرف ہدف علامت بناتے۔ ہر جگہ یہی چرچا تھا، ہر زبان پر یہی تذکرہ۔ بریلی شریف سے اس ہندو مسلم اتحاد کے خلاف اور ان لوگوں کے خلاف شرعی کاموں کے متعلق کئی اشتہار نکل چکے تھے۔ حضرت مولانا اپنے عزیز، جناب ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب ساکن ہارکی (ضلع گیا) کی ملاقات کو پہنچے دیکھا کہ وہ موجود نہیں ہیں۔ مختار صاحب سے ہی بات چیت کرنے لگے۔ مختار صاحب ذرا زیادہ جوشیلے تھے، کانگریس کے مخالفوں سے بہت ہی کبیدہ رہتے۔ کہنے لگے مسلمانوں میں ایک بریلوی خبطی ہے کہ کانگریس کے خلاف میں سخت سخت تحریریں لکھا کرتا ہے۔ ایک مہاتما جی کو دیکھئے کہ کس قدر نرم اور خلیق ہیں کہ مخالفین کو بھی برا نہیں کہتے۔

حضرت مولانا سے فرمایا: کہ کیا آپ بھی انہی بریلوی صاحب کے شاگرد یا مرید ہیں۔ بہت ہی استنکاف کے ساتھ فرمایا، کہ میں کیوں ہونے لگا، مولانا نے فرمایا، میں نے اسلئے کہا، کہ دیکھ رہا ہوں، کہ آپ بھی انہی بریلوی کی طرح بہت سخت ہیں۔ گاندھی جیسی آپ میں نرمی نہیں۔ بقول آپ کے وہ مخالفین کو بھی برا نہیں کہتے اور آپ ہیں کہ ایک ہم مذہب بزرگ کو جو عمر میں آپ سے بڑے، عزت و وقار میں اونچے، ایک زبردست عالم و فاضل کو محض سیاسی اختلاف کی وجہ سے اس قدر سخت و سست کہہ رہے ہیں۔ اسی لئے میں نے اندازہ کیا ہے، کہ آپ بھی انہی بریلوی صاحب کے رنگ میں سخت ہیں، اس جواب کو سن کر کچھ سمجھے اور بولے، کہ جناب نے کہاں تعلیم پائی ہے، مولانا نے ادھر اُدھر کی باتیں کیں۔ مگر اس کا جواب نہیں دیا، مگر تھوڑی دیر بعد پھر انہوں نے پوچھا، پھر مولانا ٹال گئے، اسی طرح انہوں نے تیسری مرتبہ دریافت کیا، جب بھی آپ نے جواب نہیں دیا اور آپ دوسری باتیں کرتے رہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کر کے واپس آ گئے مولانا کے تشریف لے آنے کے بعد مختار صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے مولانا کی تعریف پوچھی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا یہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد رشید اور مرید ہیں، یہاں خانقاہ میں مدرس اول ہیں۔ یہ سن کر مختار صاحب دل ہی دل میں بہت پشیمان ہوئے اور مولانا کی متانت سے متعجب ہوئے اور سمجھا کہ اب مولانا نہیں آئیں گے، مگر اس سے زیادہ تعجب اس وقت ہوا جب دیکھا کہ مولانا دوسرے دن پھر آ پہنچے اور ان سے اسی طرح اخلاق سے ملے اور فرمایا، کہ کل تو ڈاکٹر صاحب سے ملنے آیا تھا اور آپ سے ملاقات ہو گئی، آج خاص کر آپ ہی سے ملاقات کی غرض سے آیا ہوں۔ مختار صاحب نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بہت ہی لجاجت سے معافی مانگی اور کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے شاگرد و مرید ہیں۔

حضرت مولانا نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھے ہوئے تھا۔ اسی لئے آپ نے کئی دفعہ پوچھا کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے۔ تو میں نے جواب نہ دیا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ مجھے اعلیحضرت کا شاگرد ہونے میں کسی قسم کی ندامت ہے، میں اس پر فخر محسوس کرتا ہوں اور خداوند عالم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر کل میں نے اسی لئے ظاہر نہ کیا کہ آپ لاعلمی میں کیا کچھ کہہ گئے ہیں۔ جب آپ کو معلوم ہوگا کہ میں اعلیٰ حضرت کا شاگرد ہوں، تو آپ کو ایک قسم کی ندامت ہوگی اور میں نہیں چاہتا کہ اپنے ملنے والوں کو نادم کروں، اسی لئے میں برابر ٹالتا گیا۔ اس کے بعد مختار صاحب قریب دو ہفتہ ٹھہرے۔ روزانہ خوب خوب باتیں رہتی تھیں۔ اسی اثناء میں انہوں نے اعلیحضرت کی کل کتابیں مطالعہ کیں اور اعلیحضرت کے معتقد اور مداح ہو گئے۔

اسی زمانے میں جب کہ ملک میں نان کوآپریشن (حکومت سے عدم تعاون) کا بہت زور تھا۔ ایک صاحب جو ہر وقت خلافت اور کانگریس کا راگ الاپتے رہتے تھے اور ہمیشہ ہوم رول (سلف گورنمنٹ) کا وظیفہ پڑھا کرتے تھے۔ مولانا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مولانا آپ نان آپریشن میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔ فرمایا اگر ہندوستان کا ایک آدمی بھی اس میں حصہ لے تو میں لیتا ہوں ورنہ جب کوئی اس میں حصہ نہیں لیتا، تو مجھے کیا پڑی ہے، کہ میں ہی نکّو بنوں۔ بولے واہ نان کوآپریشن کا تو بہت زور و شور ہے اور سارے لوگ حصہ لے رہے ہیں۔

فرمایا ایک آدمی کا نام بھی بتا دیجیے، جس نے نان کوآپریشن کیا ہو۔ بولے مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی، فرمایا۔ گاندھی ینگ انڈیا اخبار کے ذریعہ ریل، تار، ڈاک کے ذریعے ہزاروں، لاکھوں گورنمنٹ کو دے

رہے ہیں۔ اخبار کے تعلقات گورنمنٹ کے ساتھ ملازمت سے بہت بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ایسے تعلق والے نان کوآپریٹو کیسے ہوئے، بولے اس کے بغیر تو کام ہی نہیں چل سکتا۔ فرمایا ہر شخص اپنے تعلقات میں یہی عذر رکھتا ہے۔ آج لاکھوں کیا کروڑوں انسان ایسے ہیں، جنھوں نے نہ کوئی اخبار نکالا اور نہ کوئی اخبار پڑھا، نہ کبھی تار دیا، نہ ریل پر چڑھے، کیا وہ انسان نہیں، مسلمان نہیں، ان کے دن کٹے نہیں۔ ان کی دنیا دھری رہی۔ بولے اس میں دقت ہے۔ فرمایا نوکر نوکری چھوڑنے میں، زمیندار کو مالگزاری بند کرنے میں اس سے بھی زیادہ دقت ہے۔ تعجب ہے کہ جو اپنا گھر خالی کر کے گورنمنٹ کا گھر بھرے، وہ تو نان کوآپریٹو ہے، گورنمنٹ کا دشمن ہے اور جو شخص گورنمنٹ کا گھر خالی کر کے اپنا گھر بھرے، بال بچوں کا پیٹ پالے، وہ کوآپریٹو ہے گورنمنٹ کا مخلص ہے۔ بولے ان سب چیزوں کا چھوڑنے کا تو ریزولیشن منظور نہیں ہوا ہے۔ فرمایا واہ آپ کو خبر نہیں ہم نے تو انہیں چیزوں کا چھوڑنا منظور کیا ہے۔

اس پر خفا ہو کر بولے، آپ کو منظور کرنے کا کیا حق ہے؟ فرمایا، وہی حق جو آپ کو حاصل ہے میں اسی میں ملک وقوم کا نفع دیکھتا ہوں اور جو شخص سمجھنا چاہے اس کو سمجھانے کو تیار ہوں۔ میری گذارش یہ ہے، کہ اگر نان کوآپریشن کے معنی بعض تعلقات کو قطع کرنا ہے، تو ہندوستان کا ہر شخص نان کوآپریٹو ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی ایسا نہیں، کہ جتنے تعلقات ہو سکتے ہیں سبھی گورنمنٹ کے ساتھ رکھتا ہو اور اگر اس کے معنی تمام تعلقات کا قطع کرنا ہے، تو کوئی شخص نان کوآپریٹو نہیں۔ اس لئے کہ ہندوستان میں رہ کر ہر قسم کے تعلقات کا گورنمنٹ سے ترک کر دینا ناممکن ہے۔ رہا بعض مخصوص تعلقات کا ترک کرنا، اس میں ہر شخص کو اختیار ہے، کہ جن جن چیزوں کا وہ چاہے اپنے لئے تعین کرے، یہ ان لوگوں کی خالص عیاری ہے، کہ جو جو تعلقات اپنے ہیں اس کو تو رہنے دیتے ہیں، حالانکہ اسی میں ملک کی تباہی و بربادی ہے اور جو تعلقات بیچارے غرباء کے ہیں۔ اس کو پاس کر کے ایک ہنگامہ مچاتے ہیں۔

اسی زمانے میں ایک بڑے جو شیلے سیاسی کارکن صاحب آئے اور اپنے کارنامے گنانے لگے کہ میں قوم کے لئے یہ کر رہا ہوں، وہ کر رہا ہوں، جلسے کیا کرتا ہوں، چندہ کیا کرتا ہوں۔ مولانا نے ان کی بہت تعریف کی اور شاباشی دے دی۔ وہ صاحب بولے، مگر لوگ طرح طرح کے مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا اعتراض کرتے ہیں؟ بولے یہ کہتے ہیں، کہ یہ چندہ کھانے کو کیا کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا عجیب بیوقوف لوگ ہیں، کہ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ وہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ مولانا نے ذرا توقف کے بعد فرمایا اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ چندہ تو کھانے کے لئے کیا ہی جاتا ہے۔

زمانہ قیام بانکی پور میں ایک صاحب ملاقات کے لئے آئے اور بولے کہ عوام میں کیسی گمراہی پھیلی ہوئی ہے۔ مگر آپ لوگ اس پر کچھ توجہ نہیں کرتے۔ مولانا نے فرمایا کیا؟ بولے یہ کیا واہیات بات ہے، کہ لوگ کھانا آگے رکھ کر فاتحہ کرتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ کس کی بات کے مخالف ہیں، ایصال ثواب کے یا نیاز کی چیزیں آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کے؟ بولے کہ میں کھانا آگے رکھ کر فاتحہ کا مخالف ہوں۔ فرمایا مشہور جہتیں چھ ہیں۔ کھانا آگے رکھ کر فاتحہ کے مخالف ہیں، تو کیا جناب کے نزدیک کھانا پیچھے رکھ کر فاتحہ دینا چاہئے، یا دائیں یا بائیں یا سر پر یا پاؤں کے نیچے، بقیہ پانچ جہتیں یہی ہیں۔ آپ کس طرف فاتحہ کی چیزیں رکھنے کو فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ کھانا پر فاتحہ پڑھنے کے تو آپ مخالف نہیں۔ بولے آخر آگے رکھنے کی کوئی وجہ؟ فرمایا کہ وجہ تو ظاہر ہے کہ کھانا کھانے کی چیز ہے اور کھانے کی چیزیں آگے ہی رکھی جاتی ہیں۔

اسی زمانے میں ایک صاحب تشریف لائے اور قبر پر چادر چڑھانے کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے بولے۔لوگ قبر پر چادر کیوں چڑھاتے ہیں؟ کیا قبروں کو جاڑا معلوم ہوتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ جاڑا کیا معلوم ہوتا ہوگا۔ایسا ہوتا،تو صرف موسم سرما میں چادر چڑھائی جاتی۔علم جمادات کے ماہرین نے تو تحقیق کی ہے کہ جمادات میں صرف خانۂ کعبہ کو گرمی میں بھی سردی معلوم ہوتی ہے۔اس لئے ہر موسم میں اس پر غلاف چڑھا رہتا ہے۔بولے وہاں تو احترام کے لئے ہے۔مولانا نے فرمایا، کہ اگر یہ وجہ معقول ہو سکتی ہے،تو یہ وجہ یہاں بھی نکل سکتی ہے۔اس لئے کہ مسلمانوں کا احترام خصوصاً اولیاء اللہ کا تو زندگی میں اور بعد وصال ہر وقت ہے۔بولے یہ،تو خانۂ کعبہ کی برابری ہوئی۔فرمایا اس میں برابری کی کیا بات ہے۔لوگ تلوار کی کاٹھی پر بھی غلاف چڑھاتے ہیں۔بکسوں،صندوقچیوں عطر دانوں،قلمدانوں پر غلاف چڑھاتے ہیں۔یہ لوگ قرآن شریف اور وظیفے کی کتابوں پر بھی غلاف چڑھاتے ہیں،تو کیا ان سب چیزوں کو جاڑا معلوم ہوتا ہے؟ کیا یہ سب چیزیں خانۂ کعبہ کے برابر ہیں؟

پٹنہ میں انجمن محمدیہ کا جلسہ تھا۔یہ انجمن آریہ کے خلاف تبلیغ اسلام ورد آریہ کے لئے قائم کی گئی ہے۔اسلام کے ہر فرقے کے لوگ اس میں اسی غرض سے شریک ہوتے ہیں۔آپس کے اختلافی مسائل کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔اصول انجمن کا تو یہ ہے،مگر بعض لوگ اپنی فطرت سے مجبور ہوتے ہیں۔بغیر چھیڑ چھاڑ ان کو لطف نہیں آتا۔ایک صاحب نے جناب مولانا کو دیکھ کر بطور تعریض کہا: آج کل تو کفر ٹکے ٹکے ہو گیا ہے۔مولانا نے ان کی تائید کی اور فرمایا: بلکہ اس سے بھی سستا۔کافر ہونے پر اگر کوئی ٹکہ بھی دے،تو ایک بات ہے۔یہاں تو یہ حالت ہے کہ کوئی ٹکہ بھی نہیں دیتا ہے،مگر پھر بھی یار لوگ کافر ہو رہے ہیں۔اس بھرپور جواب کو سن کر وہ آپے سے باہر ہو گئے اور تعریض کے بدلے صاف تصریح پر آ گئے۔ بولے، معاف فرمائیے گا۔یہ تو ظاہر ہے،کہ جس قدر علمائے بریلی اور بدایوں نے کافر بنایا ہے،کسی نے بھی نہیں بنایا ہوگا۔

مولانا نے فرمایا: مہربان علمائے بریلی و بدایوں کافر بنانے نہیں۔البتہ کافر بتاتے ہیں،جو کافر ہوتا ہے۔اس کو بتایا ضرور کرتے ہیں۔اگر بالفرض یہی صحیح کہ کافر بناتے ہیں،تو انصاف شرط ہے۔دیڑھ سو برس تک آپ لوگ ہمیں مشرک بناتے رہے۔نمازی مسلمان پنج وقتہ نماز باجماعت کا پابند،مسجد سے نماز پڑھ کر باہر آیا،ہاتھ میں تسبیح ہے قل ہو اللہ کا ختم کر رہا ہے،کہ زبان سے نکلا یا علی،بے دھڑک کہہ دیا شرک۔اتنا بھی خیال نہ کیا کہ علی اللہ کا نام بھی تو ہے۔یا رسول اللہ یا نبی اللہ کسی نے کہا فوراً مشرک بنا دیا۔

ایک اہل حدیث صاحب جناب مولانا کی خدمت میں بہت آتے جاتے تھے۔متفقہ مسائل میں کبھی گفتگو بھی کر لیا کرتے تھے مگر اپنے مسائل نہیں چھیڑتے تھے۔ایک دن ان سے رہا نہ گیا آخر بول ہی اٹھے کہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی آج کل جو ہو رہی ہے۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ توحید کی دولت جاتی رہی،شرک ان میں بہت پھیل گیا ہے۔حضرت مولانا نے فرمایا: واقعی آج کل شرک بہت پھیل گیا ہے۔اس پر مسرت کے لہجے میں پوچھا: کس طرح؟ (خیال میں ہوگا کہ ضرور انھیں باتوں کو گنائیں گے،جن کو ہم لوگ شرک کہا کرتے ہیں) مولانا نے فرمایا: اس طرح کے پہلے شرک کی صرف ایک صورت تھی کہ خداوند عالم کے اوصاف میں کسی کو شریک کرنا اور اس کی صفتیں دوسرے میں ماننا،اب شرک کی ایک اور قسم یاروں نے نکالی ہے،کہ بندوں کی صفت میں خدا کو شریک کرنا یعنی جو باتیں کہ بندوں ہی کے لئے مخصوص ہیں۔خدا کے لئے ممکن ہی نہیں،اسے بھی خواہ مخواہ شرک قرار دیا جاتا ہے۔تو یقینی شرک کرنے

والے افراد زیادہ ہو جائیں گے اور شرک پھیل جائے گا۔

مولوی شاہ محمد نعیم صاحب منیر شریف کے رہنے والے بانکی پور کالجیٹ اسکول میں ہیڈ مولوی ہیں۔ منیر شریف سے ان کے پاس خربوزے آئے ہوئے تھے۔ چند احباب ان کے یہاں پہنچے، انہوں نے کہا منیر شریف سے خربوزے آئے ہوئے ہیں، کہیے تو منگوائیں۔ ایک صاحب بادۂ توحید سے سرمست تھے، بولے میں تو نہیں کھاؤں گا۔ اس نسبت کی وجہ سے آپ لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت وقدر معلوم ہوتی ہے، اسے میں ناجائز سمجھتا ہوں۔ وہاں جو لوگ موجود تھے، ان میں اس مسئلہ پر خوب بحث رہی۔ خیر یہ بات ختم ہوگئی۔

مجمع اسی طرح جما ہوا تھا کہ حضرت مولانا بھی تشریف لے آئے۔ مولوی شاہ محمد نعیم صاحب آپ کی حاضر جوابی اور مدلل گفتگو کے بہت قائل تھے، اس لئے ان سے پوچھا کہ کیا کسی چیز میں کسی جگہ کے انتساب سے اس کی عزت وقدر بڑھ جاتی ہے۔ مولانا نے فرمایا، انتساب ہی سے قدر زیادہ ہوتی ہے، متھرا کا لڈو، سیلا دکا کھجلا، گیا کا پیڑا کہہ کر کسی کے سامنے پیش کیجئے، مزہ لے لے کر کھائے گا۔ تو جس طرح دنیاداروں کے نزدیک ان جگہوں کی طرف انتساب سے قدر وعزت بڑھتی ہے، یوں ہی اہل اللہ اور دل والوں کے نزدیک متبرک مقامات کی طرف انتساب سے قدر و قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس تقریر سے سب لوگ بہت ہی مسرور ومحظوظ ہوئے۔

بیعت و خلافت:

یہ تو پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ مدرسۂ حنفیہ پٹنہ اور مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت اور مدرسہ امداد العلوم کانپور کے مدرسین سے اعلیٰحضرت کی مدح وثنا سن سن کر بریلی آنے کے قبل ہی اعلیٰ حضرت کی عزت ومرتبت ان کے دل میں بیٹھ چکی تھی، اسی لیے مدرسہ اشاعت العلوم میں پڑھنے کے زمانے میں بھی برابر آپ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور ان کے فیوض سے مستفید ہوتے تھے اور ایک طرح سے اپنے کو مرید وحلقہ بگوش سمجھا کرتے۔ مگر روز بروز جذبہ شوق اور تیز ہوتا گیا اور دل کی تمنا یہ ہوتی، کہ باقاعدہ بیعت کا شرف حاصل کریں اسی کا اثر یہ ہوا، کہ آپ نے یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ کو اپنے آپ کو حلقہ بگوشانِ اعلیٰ حضرت میں شامل کیا اور رسالۂ مبارکہ کشف القلوب مصنفہ حضرت خاتم الاولیا سلالہ، خاندان برکاتیہ تاجدار مارہرہ مطہرہ اعلیٰ حضرت جناب مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سنا اللہ سرّہ اور رسالہ عوارف المعارف و رسالۂ قشیریہ و رسالۂ التعرف لمعرفۃ التصوف مصنفہ حضرت ابراہیم کلاباذی بخاری اعلیٰ حضرت سے پڑھنا شروع کیا اور حسب تعلیم وظائف واعمال قادریہ برکاتیہ میں مشغول ہوئے۔

جب ان چیزوں کو بقدر ضرورت حاصل کر لیا، تو اعلیٰحضرت نے ۱۳۲۵ھ میں بزمانۂ عرس سراپا قدس اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ سیدنا ومولانا شاہ آل رسول صاحب قدس سرّہ العزیز دستار خلافت سے مشرف فرمایا اور بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ کو اگرچہ بیعت وارشاد کی اجازت عطا ہو چکی تھی۔ مگر آپ کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۳۲۸ھ میں بغرض مناظرہ رنگون تشریف لے جانا ہوا، وہاں سے حامی دین متین جناب مولانا مولوی حاجی سید شاہ نور احمد صاحب قادری برکاتی رضوی چاٹگامی کے اصرار پر چاٹگام تشریف لے جانا ہوا۔ وہاں آپ کے مواعظ حسنہ کا سلسلہ شروع ہوا اور لوگوں کا بیعت کے لئے ہجوم ہوا، مگر آپ برابر ٹالتے رہے۔ آخر جناب مولوی سید نور احمد صاحب کے اصرار سے آپ نے بیس پچیس طالبان حق کو داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کیا اور پھر برابر اس سلسلے کو جاری رکھا۔ جب وہاں سے واپس تشریف لانے لگے، تو ان لوگوں کا اصرار ہوا کہ کم از کم سال میں ایک مرتبہ تو ضرور تشریف لایا کیجئے

، کہ ہم لوگوں کو رشد و ارشاد اور تعلیم و تربیت کا موقع ملے۔ آپ نے ان لوگوں کی تعلیم و تربیت جناب مولانا نور احمد صاحب کے ذمہ کر کے عذر کیا، کہ تعلیم و درس کے فرائض میرے ذمہ ایسے ہیں، کہ ان کو چھوڑ کر مرید آباد بسانے اور اس میں گھومنے کی فرصت نہیں پاتا۔

اس کے بعد بریلی شریف میں کئی صاحبوں کو بہ نیابت اعلیٰحضرت داخل سلسلۂ عالیہ کیا، پھر جب ۱۳۴۳ھ میں بوگرا مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے تو پندرہ اشخاص کو داخل سلسلۂ رضویہ کیا۔ اگر چہ اب بھی برابر احباب و مخلصین کا اصرار یہی رہتا ہے، کہ اعلیٰحضرت کے فیوض و برکات باطنی کو بھی لوگوں کو پہنچانا ضروری ہے اور بیعت و ارشاد کے طریقے کو جاری کرنا چاہئے۔ مگر آپ نے زمانے کے حالات کو دیکھ کر کہ لوگوں نے منجملہ ذرائع معیشت و آمدنی ایک ذریعہ پیری و مریدی کو بھی قرار دے رکھا ہے، ایسی حالت میں آپ کو اس سے احتراز و احتیاط ہی بہتر معلوم ہوا۔

مشاغل و معمولات:

آپ کے مشاغل و معمولات حسب ذیل ہیں:

صبح سویرے اٹھ کر وضو کر کے گیارہ مرتبہ سورۃ مزمل پڑھتے ہیں، ہر ایک کے اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود قادریہ، پھر تین مرتبہ سورۂ یٰسین شریف پڑھ کر سنت فجر پڑھا کرتے ہیں۔ اسکے بعد مسجد جا کر نماز فجر با جماعت ادا کر کے، وظیفۂ خاندانی مطابق ہدایت الوظیفۃ الکریمہ پڑھتے، بعد ازاں قرآن شریف، دعاء سیفی، حزب البحر وغیرہ معمولات خاندانی بجالاتے ہیں۔ پھر ناشتہ کرتے ہیں اور صحیح البہاری شریف کی ترتیب و تالیف میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اسی درمیان میں مولوی محمد عرف مختار الدین سلمہ کو حدیث شریف کا سبق دیتے ہیں۔ ۱۰ر بجے کھانا کھاتے اور مدرسہ جاتے ہیں وہاں مطابق روٹین مدرسہ تین سبق پڑھا کر ٹفن کی جب گھنٹی ہوتی ہے، تو ظہر کی نماز با جماعت نوری مسجد میں ادا کرتے ہیں، پھر بقیہ اسباق میں مشغول ہوتے ہیں۔ شام کو جب ۴ بجے مدرسہ بند ہوتا ہے عصر کی نماز نوری مسجد ہی میں با جماعت پڑھ کر گھر واپس جاتے ہیں۔ ہلکا سا ناشتہ کر کے احباب سے ملنے باہر چلے جاتے ہیں یا اگر کوئی صاحب ملنے آگئے تو ان سے ملاقات کرتے ہیں۔ مغرب کی نماز مسجد میں با جماعت ادا کر کے صلاۃ الاوابین پڑھ کر مکان واپس آتے ہیں۔

بعد مغرب پھر مختار الدین سلمہ کو تفسیر و حدیث پڑھاتے ہیں۔ ان دو سبقوں کے علاوہ مولانا نے فارسی اور انگریزی کے اسباق مختار الدین کے اپنے شاگردوں کے متعلق کر دیا ہے۔ عشاء کی نماز با جماعت پڑھ کر اوراد خاندانی میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ ۱۰ اور ۱۱ کے درمیان سونے کا تہیہ کرتے ہیں اور اس وقت جو دعائیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں پڑھ کر ذکر خفی کرتے ہوئے سوجاتے ہیں۔ جب آنکھ ایسے وقت کھلتی ہے کہ تہجد پڑھنے کے بعد جاگتے رہیں اور فجر کی نماز با جماعت پڑھ سکیں تو تہجد پڑھ لیتے ہیں اور صبح تک ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اگر اس کا قرینہ دیکھا کہ تہجد پڑھیں گے، تو فجر کی نماز با جماعت نہ مل سکے گی، تو اس وقت سوجاتے ہیں اور نور کے تڑکے اٹھ کر اپنے اعمال و اشغال میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ کبھی عصر کے بعد اور کبھی مغرب اور عشاء کے درمیان روزانہ کی ڈاک کا جواب لکھا کرتے ہیں، جو اکثر استفتا ہوتے ہیں، کچھ خطوط طلب تعویذات میں آتے ہیں اور بعض خطوط رفع شکوک و شبہات کے آتے ہیں۔ بعض استفسارات کبھی علمی و دینی امور کے متعلق آتے ہیں تو کبھی فقہ و فرائض کے مسائل کے سلسلے میں آتے ہیں۔ ان سب کا جواب حتی الامکان روز کا روز لکھ دیا کرتے ہیں۔ اور اس طرح دور دراز رہنے والے بھی آپ کے فیض سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔

☆☆☆

حیات ملک العلماء

از قلم: شہزادۂ ملک العلماء ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب، سابق صدر شعبۂ عربی مسلم علی گڑھ یونیورسٹی، علی گڑھ

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد کا یہ مقالہ کوئی نیا نہیں ہے۔ وہی ہے، جو انہوں نے ۱۹۹۲ء میں لکھا تھا اور 'صحیح البہاری' جو حیدر آباد سندھ سے چھپ رہی تھی، اس پر بطور مقدمہ تحریر کیا تھا۔ اولاً تو یہ مقالہ کتاب مذکور کے ساتھ ہی شائع ہوا تھا۔ مگر اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر لاہور، پھر ممبئی سے کتابی شکل میں چھاپا گیا۔ یہ مقالہ مختصر ضرور ہے، مگر جامعیت میں اپنی نظیر آپ ہے اور بہت حد تک حضرت ملک العلماء کا جامع کامل تعارف ہے۔ ڈاکٹر موصوف کے شکریہ کے ساتھ ہم یہاں شریک اشاعت کر رہے ہیں۔ گویا یہ اس مقالہ کی چوتھی اشاعت ہے۔ غلام جابر شمس مصباحی

حیات:

ملک العلماء فاضل بہار حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی ہندوستان کے ان عالموں اور مصنفوں میں تھے جن کی علمی شہرت دور دور تک پھیلی اور جن کی تصانیف سے ہندوستان اور پاکستان کے رہنے والے بڑی تعداد میں مستفید ہوئے۔ وہ ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے کامیاب اور شفیق استاد، علمی تقریر کرنے والے شگفتہ بیان مقرر، دل نشیں باتیں کرنے والے مؤثر واعظ، اپنے منطقی و علمی استدلال سے فریق کو لاجواب کردینے والے مناظر، اور پچاسوں کتابوں کے نامور مصنف تھے۔ جن کی تالیفات و تصنیفات کا دائرہ وسیع تھا اور بہت سے علوم و فنون پر مشتمل۔ اگر وہ کم عمری میں ذہین، طباع اور سخت جدوجہد کرنے والے طالب علم تھے تو اپنے عہد شباب و کہولت بلکہ کبر سنی میں بھی جفاکش استاد اور سرگرم عمل مصنف رہے۔ وہ عالم باعمل تھے، شریعت کے سخت پابند، طریقت کی راہ کے مجاہد، اور حب رسول میں سرشار۔ ان کی زندگی کا نظام الاوقات سخت منضبط تھا۔ انہوں نے اپنے اوقات اس طرح تقسیم کر رکھے تھے کہ گونا گوں مشغولیات کے باوجود ان کا خاصا وقت وظائف و اوراد اور یاد الٰہی کے لئے مخصوص تھا۔

ان کے اساتذہ میں اگر ایک طرف حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری رحمہما اللہ تعالیٰ تھے تو دوسری طرف لطف اللہ علیگڑھی اور حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین فاروقی کے تلامذۂ خاص، مولانا سید بشیر احمد علیگڑھی اور مولانا حامد حسن رامپوری کے اسمائے گرامی بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن جس ذات گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علمی فیوض حاصل کیے وہ اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کی صحبت بابرکت میں وہ برسہا برس رہے اور جن سے یہ عزیزوں کی طرح ملتے رہے اور وہ خاندان کے بزرگوں کی طرح

شفقت فرماتے رہے۔ان دونوں کے گہرے تعلقات اور قلبی روابط کا اندازہ کچھ ان مکاتیب ومفاوضات سے ہوسکتا ہے جو شفیق استاد نے اپنے لائق شاگرد کو لکھے ہیں اور جن میں وہ انہیں کبھی ولـدی الاعـز (میرے عزیز ترین بیٹے) لکھ کر مخاطب کرتے ہیں، کبھی انہیں "حبیبی وولدی وقرۃ عینی" کبھی "ولدی وقرۃ عینی" "برادر دینی ویقینی" کبھی "ولدی اعزک اللہ فی الدنیا والدین" لکھتے ہیں تو بعض خطوں میں "ولدی الاعز حامی السنۃ ماحی الفتن"۔ایک خط میں "جان پدر بلکہ از جان بہتر" لکھ کر خطاب فرماتے ہیں۔

فاضل بریلوی کے دل میں اپنے شاگرد کی کیا قدر وعزت اور کیسی محبت تھی، اس کا اندازہ ان کے اس مکتوب سے ہوتا ہے، جو انہوں نے ان کے بارے میں خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو اپنی رحلت سے بارہ سال پہلے ۵؍شعبان المکرم ۱۳۲۸ھ کو تحریر کیا ہے:۔

"…. مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں۔اور میرے بجان عزیز۔ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں۔مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ:(۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں،(۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علماء، بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے۔فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کی اور سات صاحب چاہے، جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اوس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کرکے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے"۔(مکاتیب ملک العلماء قلمی)

ایک بار یہ عزیز شاگرد ومسترشد جب بعض خاندانی علائق اور دنیوی مصائب میں گرفتار تھے، اپنے استاد اور پیر ومرشد سے اپنی پریشانیوں کا اظہار کرتے ہیں تو وہ ان الفاظ میں تسلی دیتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔آپ کا خط دربارۂ پریشانی دنیا آیا تھا۔اوس خط کے جواب میں یہ چاہا تھا، کہ آیات واحادیث دربارۂ ذم دنیا ومنع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں، مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں، فلاں کو دست غیب ہے، فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے، یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا، کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے، اون کے پاس علم نہیں، یا علم مضر ہے۔اب کون زائد ہے؟ کس پر نعمت حق بیشتر ہے، بشرط ایمان وعدۂ علو وغلبہ باعتبار دین ہے نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق رہے۔دنیا سجن مومن ہے، سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے، کیا محض فضل نہیں۔دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے"۔ (مکاتیب ملک العلماء قلمی)

شفیق استاد ومرشد اسی پر بس نہیں کرتا، وہ کچھ رقم بھی اخراجات کے لئے بھیجتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"مولیٰ عزّ وجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے"۔ (دس دس روپے کے یہ نوٹ فاضل بریلوی کے وصال کے بیسوں سال بعد میں نے والد مرحوم کے قلمدان میں ایک لفاف میں حفاظت سے رکھے ہوئے دیکھے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے استاد کی محبت وشفقت کی یادگار سمجھ کر بطور تبرک محفوظ رکھ چھوڑا تھا۔) وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے، اور اور آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر موزر پہنچائے۔ آمین آمین بجاہ الکریم المعین علیہ وعلی الہ و أصحابہ الصلاۃ والتسلیم.

یہ تو نثر ہوئی اب نظم دیکھئے۔ فاضل بریلوی کا رسالہ الاستمداد (۱۳۳۷ھ) تین سو ساٹھ اردو اشعار کا قصیدہ ہے جس میں ۱۳۲ قافیے تو اصلاً مکرر نہیں، باقی میں یہ التزام ہے کہ کوئی قافیہ نو شعر سے پہلے مکرر نہ ہو۔ اس میں عنوان "ذکر اصحاب ودعائے احباب" کے تحت ۱۳ شعر درج ہیں جن میں اپنے مخصوص خلفاء وتلامذہ کا ذکر ہے۔ چند شعر یہ ہیں:

تیرے رضا پر تیری رضا ہو　اس سے غضب تھراتے یہ ہیں
بلکہ رضا کے شاگردوں کا　نام لئے گھبراتے یہ ہیں
حامد منی انا من حامد　حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں
عبد سلام سلامت جس سے　سخت آفات میں آتے یہ ہیں
میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، مولانا "عبد السلام" عبد السلام جبل پوری کے بعد ملک العلماء فاضل بہار کا ذکر انہوں نے فرمایا ہے۔ ان تین ناموں کے بعد علی الترتیب صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، سید العلماء مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی اور پھر مولانا احمد اشرف، مولانا دیدار علی شاہ، مولانا احمد مختار، مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی، مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، مولانا رحیم بخش، مولانا حاجی لعل خاں، مولانا مصطفیٰ رضا خاں، مولانا برہان الحق عبد الباقی جبل پوری، مولانا شفیع احمد بسیلپوری، مولانا حسنین رضا خاں بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اور آخر میں ان سبھوں کے لئے **دعائے خیر**:

ان پہ کرم رکھ سر پہ قدم رکھ　تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے گدا ہیں تجھ پہ فدا ہیں　تیرا ہی کھاتے گاتے یہ ہیں

مولانا ظفر الدین قادری کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ملقب بمدار الملک ومخاطب بملک بیا ہیں۔ (کہا جاتا ہے کہ سید ابراہیم کو "ملک بیا" (جو عوام میں "ملک بیّو" ہو گیا ہے) کا خطاب بادشاہ وقت کا دیا ہوا ہے۔ اس خانوادے کے لوگ اسی زمانے سے اپنے کو سید کے بجائے ملک کہلانا پسند کرتے ہیں۔ ملکوں میں کچھ لوگ "ابراہیمی" لکھتے ہیں۔ والد نے ایک خط مجھے لکھا تھا: حضرت سید ملک بیا غازی کے والد ماجد غزنوی تھے اور حضرت سید ابراہیم بھی غزنی ہی سے تشریف لائے تھے، اس لئے اگر ملک حضرات "ابراہیمی" لکھنے کے عوض "غزنوی" لکھیں تو مضائقہ ہے)۔ (مکاتیب ملک العلماء قلمی) ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابوبکر غزنی کے رہنے والے تھے، وہ غزنی کے تین فرسنگ کے فاصلے پر بمقام بت نگر مدفون ہیں۔ سید ابراہیم، غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲۔۷۹۰) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آکر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ اور بالآخر ۱۳ رذی الحجہ ۷۵۳ھ کو قلعۂ رہتاس (شاہ آباد، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبۂ بہار شریف (جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۸۴ھ آسودہ ہیں) کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ

ہے۔ جس پر قدیم عالیشان گنبد تعمیر ہے۔ یہ جگہ اب بھی زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ مقبرے کی دیواروں پر فارسی کے دو قدیم تاریخی قطعات منقوش ہیں۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:۔ سید ابوبکر غزنوی بن سید ابوالقاسم عبداللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابوالمنصور عبدالسلام بن سید عبدالوہاب بن شیخ محی الدین عبد القادر حسنی وحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مولانا کا خاندان عرصے سے نالندہ اور راجگیر کے قریب رسول پور، میجرا میں آباد ہو گیا تھا۔ ان کے والد ملک عبد الرزاق، دادا ملک کرامت حسین، پر دادا ملک احمد علی اور چھڑ دادا ملک غلام قادر سب وہیں کے قبرستان میں آسودہ ہیں۔ ملک غلام قادر کی بلند پختہ قبر ابھی حال تک موجود تھی، افسوس اس کا کتبہ باقی نہیں رہا، جس سے تاریخ وفات معلوم ہوتی۔ آباواجداد کی وسیع اور شاندار حویلی کی بنیادیں اور کچھ آثار ۱۹۴۷ء تک محفوظ تھے۔ ملک عبدالرزاق کے اولاد نرینہ میں صرف محمد ظفر الدین تھے، جو بعد کو ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

محمد ظفر الدین، رسول پور میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبۂ بہار میں ۱۰؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ (ان کی کتاب یادداشت میں ایک جگہ ان کے قلم سے تاریخ ولادت ۱۴؍محرم الحرام مطابق ۲۳؍اکتوبر لکھا ہوا ملتا ہے، جو مشہور تاریخ ولادت سے ۴ دنوں کا فرق ظاہر کرتا ہے)۔ خاندان کے بعض لوگوں نے عبدالحلیم نام تجویز کیا، والد ماجد نے جو بچوں کے نام رکھنے کا ذوق اور فن تاریخ گوئی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے، باعتبار سنہ فصلی کہ نواح عظیم آباد پٹنہ میں زیادہ تر وہی رائج تھا، تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد تجویز کئے۔ دوسرے اعزا کی خواہش تھی، کہ ہمارے رکھے ہوئے نام سے پکارے جائیں، آخر ان تعارضا تساقطا پر عمل ہو کر ظفیر الدین نام پر اتفاق رائے ہوا اور وہ عرصے تک اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ جب وہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ العزیز کے شاگرد ہوئے، تو انہوں نے ظفیر الدین پر ظفر الدین کو ترجیح دی۔ رسالۂ اقلیدس کا خطی نسخہ کتب خانۂ خاص میں محفوظ ہے۔ جو شعبان ۱۳۲۲ھ کا مکتوبہ ہے، اس کے آخر میں "بید الفقیر محمد ظفر الدین" لکھا ہوا ملتا ہے۔ ۱۳۲۳ھ کی ان کے قلم کی ایک تحریر میں "ظفر الدین احمد" درج ہے۔ بعد کو وہ "محمد ظفر الدین" لکھتے رہے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی کنیت ابوالبرکات ہے۔ جیسا کہ متعدد استفتاء کے جوابات اور ان کی مملوکہ کتابوں میں ثبت کی ہوئی مہر سے معلوم ہوتا ہے۔ بریلی کے قیام کے دوران کی تحریروں میں کہیں کہیں عبید المصطفیٰ کا اضافہ بھی نظر آتا ہے۔

مولانا کے والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی اپنے گاؤں میں پابندیٔ صوم وصلوٰۃ اور ریاضت ومجاہدے میں مشغول رہنے کے سبب بہت قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ حضرت شاہ چاند بیتھوی کے مریدین ومستفدین میں تھے۔ وہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: (مکتوب العلماء مورخہ ۶؍جون ۱۹۴۵ء بنام سید شاہ ارشاد حسین سجادہ نشیں خانقاہ سجادیہ سیش گڑھ ضلع بریلی۔)

"حضرت شاہ غلام رسول، حضرت سلطان اشرف جہانگیر کے اولاد میں تھے، ان کے صاحب سجادہ شاہ چاند صاحب تھے، جو میرے والدین رحمہما اللہ کے پیرومرشد تھے"۔ (مکاتیب ملک العلماء قلمی)

وہ فارسی کے دبیر تھے، ان کا عربی خط بھی بہت اچھا تھا، ان کی اور ان بزرگوں کی کچھ تحریریں، خاندان میں اب بھی محفوظ ہیں ملک صاحب نے کبھی ملازمت نہیں کی۔ وہ اپنی باقی ماندہ مختصری جاگیر پر، جو شاہی عہد میں ان کے بزرگوں کو ملی تھی، قانع رہے اور

کاشت کی زمینوں پر گزر اوقات کرتے رہے۔ قرائن ہیں کہ ان کی وفات ۱۳۱۲ھ کے کچھ بعد ہوئی ہوگی۔

والدہ ماجدہ شیخ مبارک حسین (جو موضع بین ضلع پٹنہ کے زمینداروں میں تھے) کی چھوٹی صاحبزادی تھیں جو حضرت شیخ چاند صاحب سے طریقۂ قادریہ میں شرف بیعت رکھتی تھیں۔ وہ ہر سال گیارہویں شریف کا بڑا اہتمام کرتی تھیں۔ وہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ کو داعی اجل کو لبیک کہہ کر عازم جنت الفردوس ہوئیں۔

چار سال کی عمر میں ۱۳۰۷ھ میں ان کے والد ماجد نے ان کی تعلیم شروع کرادی۔ رسم بسم اللہ حضرت شاہ چاند صاحب کے مبارک ہاتھوں انجام پائی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد نے دی، پھر قرآن مجید اور اردو فارسی کی کتابیں اپنے گھر پر حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیرالدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔ ۱۳۱۲ھ میں بتقریب نکاح خواہر ماموں زاد موضع بین جانے کا اتفاق ہوا۔ بعد انجام تقریب مولوی شیخ بدرالدین اشرف، مولوی محی الدین اشرف صاحبزادگان "رئیس دیندار والا تبار عالی جناب شیخ رمضان علی مرحوم" نے روک لیا اور فرمایا کہ اب تمہاری تعلیم یہیں ہوگی۔ وہاں کئی سال رہ کر مدرسۂ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ تک کا درس انہوں نے لیا۔ ان کے وہاں کے اساتذہ میں مولوی شیخ محی الدین اشرف، (والد صاحب ان کی محنت وشفقت کے بڑے معترف تھے۔ انہوں نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے: "میں ان کے احسانات میں ازسرتاپا غرق ہوں") مولوی شیخ بدرالدین اشرف کے علاوہ حضرات ذیل خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:۔ مولوی مہدی حسن میجروی، جناب حافظ محمد اسمٰعیل بہاری، جناب مولانا فخرالدین حیدر، مولوی محمد منعم، منشی اکرام الحق، مولوی معین اظہر رئیس بین۔ اساتذہ، ان کی ذہانت وشوق علمی کی وجہ سے ان پر بہت شفقت فرماتے تھے کبھی ایسا نہیں ہوا، کہ سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے اساتذہ ان سے ناخوش ہوئے ہوں۔

مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں عربی کی کتابیں زیادہ تر مولوی محمد ابراہیم سے پڑھیں جو موضع اعظم گڑھ کے معزز روشن خیال اور عالم باعمل تھے۔ وہ اشرف علی تھانوی کے شاگرد رشید، جامع العلوم کانپور کے فارغ التحصیل، بہت سخت حنفی اور پکے سنی تھے۔ یہ مدرسۂ غوثیہ کے مدرس بھی تھے اور فاضل اوقات میں مطب بھی کرتے تھے۔ وہ فن طب میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس کا علاج انہوں نے خاص توجہ سے کیا ہو اور رب العزت نے اسے شفانہ بخشی ہو۔

مولانا کے اس زمانہ کے رفقاء میں منشی اکرام الحق کے صاحبزادے مولوی شرف الحق بھی تھے، شرح وقایہ، مختصر المعانی، ملا حسن تک دونوں ساتھ رہے۔ ان کا انتقال صفر المظفر ۱۳۱۸ھ میں بعارضۂ طاعون ہوا۔ دوسرے ہم جماعت طلباء میں حکیم ابوالحسن (میں نے حکیم صاحب کو دیکھا، پٹنہ کے قیام کے زمانے میں اکثر تشریف لاتے تھے۔ بڑے وجیہ اور خوبصورت آدمی تھے کچھ عرصہ مولوی عبدالحمید کٹھوی کیٹلاگر کتب خانہ خدابخش کے ساتھ کتب خانے سے متعلق بھی رہے تھے۔ پھر یتیم خانہ انجمن اسلام پٹنہ سٹی کے ناظم مقرر ہوگئے تھے۔ ہاتھ میں تسبیح لئے کچھ پڑھتے رہتے تھے اور باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ گفتگو میں ظرافت کا عنصر خاصہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے حالات کی ناسازگاری کے باوجود وہ ہمیشہ شگفتہ مزاج رہے۔ ایک دن کہنے لگے میں ہزار کشائش رزق کے لئے دعائیں پڑھوں، لیکن مقدر میں وہی پچیس روپے ماہانہ لکھے ہیں۔ کتب خانہ خدابخش سے پچیس روپے ملتے تھے، کسی نے کہا مطب کرلو، مطب کیا، آمدنی وہی پچیس رہی، اب یتیم خانے کا نگراں ہوگیا ہوں۔ میں نے پوچھا اور تنخواہ؟ ہنس کر بولے وہی

پچیس روپے۔ تقسیم ہند کے بعد انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ ان کے نام متعدد خطوط مکاتیب کے مجموعے میں محفوظ ہیں) خلف سید شاہ مظفر حسین، مولوی عبدالقدوس، مولانا حکیم وصی احمد، مولوی حکیم محمد رضا خاں، (والد مرحوم کے عزیزوں میں بھی تھے دبلے پتلے دھان پان خوبصورت آدمی تھے اپنے گاؤں ''بین'' کے زمینداروں میں تھے مقدمات اور دوسری ضرورتوں سے پٹنہ آتے تو ''ظفر منزل'' ضرور تشریف لاتے) مولوی عبدالماجد (برادر ماموں زاد)، مولوی محمد سعید، مولوی محمود عالم کہٹوی قابل ذکر ہیں۔

اس زمانے میں عظیم آباد (پٹنہ) علم وفن کا مرکز تھا، جہاں متعدد دینی مدارس قائم تھے، جن میں مدرسۂ حنفیہ واقع بخشی محلہ پٹنہ سیٹی ممتاز حیثیت رکھتا تھا، اس مدرسے کے بانی فارسی واردو کے مشہور محقق قاضی عبدالودود بی اے کینٹب، بارایٹ لا (۱۸۹۶۔۱۹۸۴) کے والد گرامی، قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی (۱۲۸۹۔۱۳۲۶ھ) تھے جو وہاں کے ایک دیندار رئیس اور فاضل بریلوی کے معتقدین میں تھے۔ انہوں نے ۱۳۱۸ھ میں یہ دینی درسگاہ قائم کی اور ایک بڑی جائیداد اس کے اخراجات کے لئے وقف کردی۔ انہوں نے نامور اساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور کچھ ہی عرصے کے بعد اس کی شہرت بہار کے قصبات ومواضع ہی تک نہیں دوسرے صوبوں تک پھیل گئی۔ (یہیں سے قاضی عبد الوحید صاحب ایک مذہبی رسالہ تحفۂ حنفیہ شائع کرتے تھے۔ یہ ۱۳۲۵ھ سے نکلنا شروع ہوا، وران کی وفات ۱۳۲۶ھ کے کچھ دنوں کے بعد جب مدرسہ حنفیہ کا انتظام وانصرام کرنے والا کوئی موزوں شخص نہ رہا، تو مدرسے کے ساتھ اس رسالے کی اشاعت بھی بند ہوگئی، مولانا قاری ابوالمساکین ضیاء الدین قادری جو اس کے ایڈیٹر تھے وفات اواخر دسمبر ۴۴ء یا اوائل جنوری ۴۵ء میں ہوئی۔ مکاتیب ملک العلماء، پیلی بھیت سے واپس چلے گئے۔ فاضل بہاری کے کتب خانے میں، جیسا کہ اس کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے، کہاں کی دس جلدیں (۱۳۱۵۔۱۳۲۳) تھیں۔ کچھ مجلدات قاضی عبدالودود مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں تھے۔ جوان کے ادارۂ تحقیقات اردو میں رہے اور اب کتب خانۂ خدابخش میں محفوظ ہیں۔ خواجہ رضی حیدر صاحب کی اطلاع کے مطابق تحفۂ حنفیہ کے مکمل سیٹ کی عکسی نقل قائد اعظم اکادمی، کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔)

اس مدرسے کے ایک استاد حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی (متوفی ۱۳۳۴ھ) کی علمی شہرت سن کر مولانا ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۰ھ کو مدرسہ حنفیہ بین سے مدرسہ حنفیہ پٹنہ آگئے۔ جہاں انہوں نے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد محدث صاحب بعجہ علالت اوائل شعبان میں مدرسۂ حنفیہ سے کنارہ کش ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے۔ ماہ شوال ۱۳۲۰ھ کو مولانا ظفرالدین، اپنے ہم سبق حکیم ابوالحسن کے ساتھ دارالعلوم کانپور پہنچے۔ ان کی بعض تحریرات سے جو خاندان میں محفوظ ہیں، معلوم ہوتا ہے، کہ کتابوں اور سامان کے ساتھ سفر کا کچھ حصہ انہوں نے پیدل چل کر طے کیا۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ لیکن طلب وشوق میں راہ علم کا مسافر آگے بڑھتا رہا۔ انہوں نے مدرسہ امدادالعلوم بانس منڈی کانپور میں مولانا قاضی عبد الرزاق (متوفی ۱۹۴۶ء) جو حضرت حاجی امداداللہ مکی کے مرید اور مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے، کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہوکر درس لینا شروع کیا۔ مدرسہ امدادالعلوم کے علاوہ بعض اسباق مدرسہ احسن المدارس اور بعض دارالعلوم میں پڑھتے رہے۔ گویا کانپور کے تینوں مدارس کے اساتذہ سے انہوں نے علمی فیوض حاصل کئے۔ وہاں کے مشہور استاذ مولانا احمد حسن

کانپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳ر صفر ۱۳۲۲ھ) (ان کی بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۳۲۱ھ میں بریلی پہنچ گئے تھے۔ ان کے قلم کی لکھی ہوئی دو کتابیں تعلیقات احمد حسن (مولانا احمد حسن کانپوری کے تعلیقات (شرح مسلّم پر) مکتوبہ شنبہ ۶ر شوال اور شرح حمد اللہ معروف بہ تعلیقات اسعد اللہ دونوں کتابیں انہوں نے اپنے قلم سے بانس بریلی میں ۱۳۲۱ھ میں لکھی ہیں۔ مؤخر الذکر مخطوطے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اس زمانے میں سنہری مسجد بریلی میں مقیم تھے۔) سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا شاہ عبید اللہ پنجابی کانپوری (تاریخ وفات ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) سے ہدایہ آخرین ختم کی۔ کانپور سے وہ پیلی بھیت آئے، جہاں محدّث سورتی پٹنہ سے واپس آکر اپنے قائم کردہ مدرسہ دارالحدیث میں درس دینے لگے تھے، وہاں ان سے انہوں نے حدیث کا درس لیا۔

یہاں سے وہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی پہنچے۔ مدرسہ مصباح التہذیب کا نام انہوں نے کانپور میں سن رکھا تھا وہاں گئے اور مولوی غلام یٰسین صاحب کے درس میں شریک ہوئے جو مدرسہ دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے۔

آخر خوب سے خوب تر کی تلاش انہیں اعلیٰحضرت امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ) تک لے گئی جن کے علم اور قلم کی طاقت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہی ملاقات میں ان سے ملکر بہت متاثر ہوئے۔ وہ ان سے فیض اٹھانا چاہتے تھے اور ان کے علم سے متمتع ہونا چاہتے تھے اور درسیات کی تکمیل بھی، لیکن فاضل بریلوی ہمہ وقت مطالعہ اور تالیف وتصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے یہاں نہ درس وتدریس کا کوئی سلسلہ تھا اور نہ اس وقت کوئی مدرسہ قائم تھا۔ مولانا ظفرالدین، اعلیٰحضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی (۱۲۷۶۔۱۳۲۶ھ)، بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں (۱۲۹۲۔۱۳۶۲ھ) مولانا حکیم سید امیر اللہ شاہ بریلوی اور دوسرے اصحاب سے ملے اور ان لوگوں کے مشورے اور مساعی سے ایک مدرسہ قائم کرنے کے لئے راہ ہموار ہوئی وہ فرماتے تھے، کہ مدرسے کے قیام میں حضرت مولانا حسن رضا خاں اور مولانا سید محمد امیر اللہ کی مساعی کو بہت دخل ہے اور یہ مدرسہ انہیں کی کوششوں سے قائم ہوا۔ یوں ۱۹۰۴/۱۳۲۲ھ میں مدرسہ "منظر اسلام" محلہ سوداگران بریلی میں قائم ہوا۔ یہ تاریخی نام ہے، اس سے ۱۳۲۲ کے اعداد متخرج ہوتے ہیں۔ مولانا حسن رضا خاں اس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔ مولانا ظفرالدین کے ایک دوست اور ہم وطن مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی (مولانا عبدالرشید موضع کوپا کے رہنے والے تھے تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے جونیر سیکشن میں استاذ مقرر ہوئے۔ صرف ونحو کی بعض کتابیں راقم الحروف نے ان سے پڑھی ہیں۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حکیم سید شاہ عزیز احمد، خانقاہ ابوالعلائی، الہ آباد کے سجادہ نشیں ہیں) آگئے تھے۔ انہیں صرف دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔ انہوں بہار خطوط لکھ کر مدرسے کے قیام کی اطلاع دی اور دوستوں کو بریلی بلایا۔ ان کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ تک بہار کے مختلف مقامات سے غلام مصطفیٰ محمد ابراہیم اوگانوی، سید شاہ غلام محمد بہاری، سید عبدالرحمٰن بیتھوی، مولوی محمد اسمٰعیل بہاری، محمد نذیر الحق رمضانپوری (اوگانواں، رمضانپور، بہار شریف سب ڈویژن کے مشہور قصبات ہیں۔ پاس ہی استھانواں، دسنہ گیلانی شکرانوں کے مردم خیز قصبات واقع ہیں، جہاں متعدد علماء پیدا ہوئے اور جنھوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ بیتھو شریف ضلع گیا میں واقع ہے۔ یہ حضرات اگر بریلی شریف سے فارغ التحصیل ہوکر

بہار واپس آئے، تو بچپن میں بھی نہ کبھی ان کا ذکر سنا اور نہ کبھی دیکھا) اور کچھ دوسرے طلباء بہار سے آکر مدرسہ منظر اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

مولانا نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی۔ انہوں نے فاضل بریلوی کے کچھ فتاویٰ جنہیں ظاہراً وہ املا کر دیتے تھے، ایک مجموعے میں جمع کرنا شروع کئے تھے۔ جس کے کچھ اوراق اس وقت پیش نظر ہیں۔ اس میں پہلا فتویٰ ۸/رمضان ۱۳۲۲ھ کا تحریر کردہ ہے۔ بعد کو جب مدرسے میں کچھ جید علماء اور مستند مدرسین کی خدمات حاصل کی گئیں، تو انہوں نے مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری، تلمیذ خاص مولانا شاہ ارشاد حسین فاروقی رامپوری (۱۲۴۸۔۱۳۱۱ھ) مولانا سید بشیر احمد علیگڑھی تلمیذ رشید استاذ الاساتذہ حضرت مولانا لطف اللہ علیگڑھی (۱۲۴۴۔۱۳۳۴ھ) سے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دوسری کتب درسیات کی تکمیل کی۔ فاضل بریلوی سے انہوں نے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی تمام کر کے علم ہیئت، ریاضی، توقیت، جفر و تکسیر وغیرہ فنون حاصل کئے۔ تصوف کی کتابوں میں ان سے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس بھی لیا۔ بخاری شریف کے اسباق میں طلباء کے علاوہ علماء کی جماعت بھی شریک ہوتی تھی۔

کتب خانے کی ایک مجموعہ تحریرات میں ان کے قلم سے ان کتابوں کے نام لکھے ہوئے ملے ہیں جن کا مختلف سنین میں مختلف اساتذہ سے انہوں نے درس لیا:

۱۳۲۲ھ عروض المفتاح، مقامات (حریری) میر زاہد رسالہ، ملا جلال، بخاری شریف، نسائی شریف، جبر و مقابلہ، مساحت، اقلیدس۔

۱۳۲۳ھ دیوان متنبی، مطول، حمد اللہ، قاضی مبارک، تفسیر مدارک، تاریخ یمینی، تصریح، شرح چغمینی، سبع شداد، مسلم الثبوت۔

۱۳۲۴ھ سبع معلقہ، مقامات (بدیع الزماں ہمدانی) بازغہ، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی مع خیالی، صحیح مسلم، صدرا، ش[illegible]

۱۳۲۵ھ التوضیح والتلویح، بیضاوی شریف، شرح مواقف، ا[illegible] عامہ، عبد العلی، میر زاہد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، [illegible] امام محمد، (یہ بات دلچسپ ہیکہ موطا امام محمد، آخر میں تکمیل کے سا[illegible] انہوں نے پڑھی، لیکن کوئی وجہ ہوگی جس کی بنا پر مجھے حدیث [illegible] کتابوں میں موطا امام محمد سب سے پہلے پڑھوائی اور اس کا درس [illegible] انہوں نے دیا۔ اس وقت میری عمر صرف گیارہ سال تھی۔ خوب یاد ہے، کہ باب المسح علی الخفین پڑھتے وقت بہت الجھا تھا، کہ خفین اتار کر لوگ پاؤں کیوں نہیں دھو لیتے، یہ تین تین دن تک چمڑے کے موزے پہنے رہنے کا کیا شوق ہے) طحاوی شریف، در مختار۔

افسوس ہے، کہ اس تحریر میں اس امر کا ذکر نہیں، کہ کن اساتذہ سے انہوں نے کن کتابوں کا درس لیا۔ راقم الحروف کو ان کی تحریروں اور یادداشتوں سے صرف چند کتابوں اور ان کے اساتذہ کا علم ہوسکا ہے جن کا ذکر اجمالاً اوپر گذرا۔

ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ کی کسی تاریخ کو علماء کے ایک بڑے مجمع میں فاضل بریلوی کی درخواست پر چشتی مشرب مشہور بزرگ شیخ العالم حضرت مخدوم احمد عبد الحق ردولوی قدس سرہٗ کی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہٗ سجادہ نشین خانقاہ ردولی شریف نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور سند تدریس و افتاء مرحمت فرمائی۔ اعلیحضرت نے اسی سال آپ کو اپنے سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور "ملک العلماء" "فاضل بہار" کا خطاب۔

ان کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی

خدمات بھی انجام دیتے رہے۔اس زمانے میں جو فتاوے انہوں نے لکھے، ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں۔ اس زمانے کے مدرسے کے رفقائے کار اور ان کے تلامذہ کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا، کہ چار سال کے عرصے میں خاصی تعداد میں طلباء نے شرف تلمذ حاصل کیا ہوگا۔ ۱۳۲۸ھ میں خلیفہ تاج الدین احمد دبیر انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو ان کے مدرسے کے لئے ایک استاد کی ضرورت تھی۔اس سلسلے میں انہوں نے فاضل بریلوی کو لکھا، جنہوں نے ان کے مدرسے کے لئے "اپنے نفس پر ایثار کرکے" انہیں لاہور بھیجنے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔لیکن شاید ان کے اعزہ واحباب کو ان کا اس قدر دور جانا منظور نہ ہوا اور وہ وہیں مدرسہ منظر اسلام میں درس دیتے رہے۔۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار وطلب پر اعلیٰحضرت کے حکم پر عالم وخطیب کی حیثیت سے وہ شملہ گئے۔اگلے سال مولانا عبدالوہاب الہ آبادی نے اپنے قائم کردہ مدرسۂ حنفیہ کے لئے جو آرا، (ضلع شاہ آباد، بہار) میں قائم ہوا تھا، فاضل بریلوی کو لکھا کہ وہ مولانا ظفر الدین کو صدر مدرس کا عہدہ پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ انہیں آمادہ کریں۔صرف اس خیال سے کہ نئے دینی مدارس کا قیام اور اس کی ترقی بھی ضروری ہے، انہوں نے وہاں جانے کی اجازت دیدی۔اس طرح وہ منظر اسلام بریلی سے مدرسۂ حنفیہ آرا، (ضلع شاہ آباد، بہار) تشریف لے گئے جہاں وہ کئی سال اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء میں عظیم آباد پٹنہ میں مسٹر سید نور الہدیٰ ڈسٹرکٹ سیشن جج نے اپنے والد ماجد سید شمس الہدیٰ کے نام پر مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ قائم کیا تو اس میں بحیثیت مدرس اول ان کا تقرر عمل میں آیا، جہاں وہ تفسیر و حدیث وفقہ کا درس دینے لگے۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ

کبیریہ (شاہ کبیر الدین درویش بارہویں صدی ہجری کے بزرگ گزرے ہیں۔ان کا سال ولادت ۱۱۳۸ھ ہے) سہسرام کی فرمائش پر وہ صدر مدرس ہوکر سہسرام (ضلع شاہ آباد، بہار) چلے گئے جہاں وہ پانچ چھ سال تک مقیم رہے۔وہاں ان کے رفقائے مدرسہ میں مولانا سید ابوالحسن خوشدل سہسرامی (۱۸۶۱ء۔۱۹۳۵ء) مولانا رحم الٰہی مظفر نگری (متوفی ۱۳۶۳ھ) مولوی سید غیاث الدین چشتی ابوالعلائی نظامی رجبی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔مولانا سید محمد موسیٰ رضا کاکوی بھی اس زمانے میں وہاں درس دے رہے تھے، وہ وہاں مدرس سوم تھے۔ ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۱ء میں جب مسٹر سید نور الہدیٰ مرحوم ومغفور نے مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ کو حکومت بہار کے انتظام میں دیدیا اور حکومت نے اس مدرسے کا نظم اپنے ہاتھ میں لیکر اس کی تنظیم جدید کی اور نئے تقررات کئے تو مولانا ظفر الدین قادری وہاں سینئر مدرس ہوکر آگئے۔ ۱۹۴۸ء میں وہ پرنسپل کے عہدے پر سرفراز ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں تقریباً تیس سال علمی خدمات انجام دے کر انہوں نے سبکدوشی حاصل کی۔انکے رفقاء میں مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری، مولانا محمد اصغر حسین بہاری، مولانا سید دیانت حسین دربھنگوی، مولانا عبد الشکور مظفر پوری، مولانا سید شاہ عبیداللہ قادری اجمیری (۱۵؍جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ)، مولانا سید عبدالسبحان دسنوی بھی تھے۔مولوی حاجی معین الدین ندوی (متوفی ۳؍مئی ۱۹۴۱ء) آخر زمانے کے رفقاء میں تھے۔ابتداء میں کچھ عرصے کے لئے فخر زمن علامہ احمد حسن کانپوری کے خلف ارشد مولانا مشتاق احمد کانپوری (متوفی ۱۳۰۴ھ) مولانا مقبول احمد خاں دربھنگوی، اور مولانا شاہ محمد الیاس مونگیری بھی مدرسۂ شمس الہدیٰ سے منسلک رہے۔پھر مولانا مشتاق احمد، صدر مدرس ہوکر مدرسۂ عالیہ کلکتہ مولانا مقبول احمد خاں ناظم ہوکر مدرسۂ حمیدیہ دربھنگہ (بہار) چلے گئے۔اور

آخر الذکر بھی صحت کی خرابی کے بنا پر مدرسے سے تعلق قائم نہیں رکھ سکے۔ مدرسے کے جونیر حصے میں مولوی سید عبدالرشید صاحب قابل ذکر ہیں جو فاضل بریلوی کے شاگرد اور بریلی میں مولانا کے معاصر تھے۔

حکومت بہار کی ملازمت سے متقاعد ہونے کے بعد انہیں ذہنی سکون واطمینان قلب بھی ملا اور فراغت کا وقت بھی۔ اب وہ اطمینان سے اپنے دینی وعلمی مشاغل میں مصروف ہو گئے، کچھ تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سید شاہ احسن الہدیٰ جو بعد کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ قمر الہدیٰ کی رحلت (۲۹؍رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ) کے بعد خانقاہ شاکریہ پنڈ شریف ضلع مونگیر کے سجادہ نشین ہوئے، عرصے تک پہلے ہی ظفر منزل میں رہ کر آپ سے علوم شرعیہ کا درس لیتے رہے تھے، سید شاہ فرید الحق عمادی اور سید شاہ عاشق حسین فاضل شمسی (متولد ۲۸؍جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ)، مولانا کے آخری زمانے کے ان شاگردوں میں ہیں جو ظفر منزل آکر ان سے درس لیا کرتے تھے۔ اول الذکر بعد کو حضرت سید شاہ صبیح الحق عمادی کی رحلت کے بعد خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی کے سجادہ نشین ہوئے، اور آخر الذکر اپنے بھائی سید شاہ حامد حسین کی وفات (۱۱؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ) کے بعد درگاہ شاہ ارزاں کے۔ الحمد للہ کہ یہ تینوں شاگرد وفارغ التحصیل ہیں اور اب تین خانقاہوں میں اپنے بزرگوں کے جانشین ہیں، اور لوگوں کو فیض پہنچا رہے ہیں۔

شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں خلف سید شاہ حمید الدین، (ملک العلماء اپنے ایک خط مورخہ ۴؍شوال ۱۳۶۴ھ میں استاذ العلماء مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کو تحریر فرماتے ہیں: "جناب کا کرامت نامہ آیا۔ ۲۳؍رمضان المبارک شب کے ایک بجے محب سنت وعلمائے سنت مخلصی جناب سید شاہ حمید الدین صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف متن گھاٹ پٹنہ جن کے یہاں جلسۂ رجبی شریف میں دو مرتبہ جناب تشریف لائے تھے۔ ان کا انتقال ملال ہوا۔ اس حادثے نے میری کمر توڑ دی۔ آل انڈیا کانفرنس کی شاخ صوبائی کانفرنس کی کامیابی کا اعتماد انہی کے بازوئے ہمت پر تھا۔ یہاں مشائخ وعلماء ہیں لیکن ایسا شیر دل باہمت کوئی نہیں رہا۔" (مکاتیب ملک العلماء)) سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق (۱۲۰۳ھ) کی استدعا پر ۲۱؍شوال ۱۳۷۱ھ کو کٹیہار ضلع پورنیہ (بہار) میں جامعۂ لطیفیہ بحر العلوم کا انہوں نے افتتاح فرمایا اور صدر مدرس کے عہدے کو رونق بخشی۔ صرف اس بنا پر کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی خاصی آبادی کے باوجود کوئی قابل ذکر دینی مدرسہ نہ تھا۔ انہوں نے مدرسے کے لئے اچھے اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مولانا احسان علی مظفر پوری، سابق استاد مدرسۂ منظر اسلام بریلی، مولانا محمد یوسف، مولانا محمد مشتاق، مولانا شہاب الدین، مولانا محمد سلیمان رضوی کے نام یاد آتے ہیں۔ مولانا شاہ عبدالمنان قادری چشتی فردوسی سابق مدرس مدرسۂ عربیہ محمدی جان پٹنہ سٹی نے بھی کچھ عرصہ اس مدرسے میں تدریسی فرائض انجام دئے۔

کبر سنی اور دوسری انتظامی ذمہ داریوں کے باوجود ملک العلماء روزانہ چھ گھنٹے پڑھاتے تھے۔ مدرسے کا نظام الاوقات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے ذمے تفسیر مدارک، بیضاوی شریف، بخاری، مسلم، ہدایۂ آخرین اور مناظرۂ رشیدیہ کی تدریس رکھی تھی۔ مدرسے کے نظامت وتدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی، تالیف وتصنیف اور مواعظ حسنہ کا سلسلہ بھی انہوں نے جاری رکھا۔ سالانہ جلسۂ دستار بندی کے موقع پر وہ نامور علماء ومقررین کو مدعو کرتے رہے۔ حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی، مفسر قرآن مولانا ابراہیم رضا خاں (جیلانی میاں) اور دوسرے علماء کے مواعظ حسنہ سے بھی مدرسے کے طلباء اور اساتذہ مستفید ہوتے رہے۔

جامعۂ لطیفیہ کے قیام سے شمالی بہار کے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا اور اس علاقے میں دین کو فروغ ہوا۔ سیکڑوں طلباء وہاں سے فارغ ہو کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے، بعضوں نے نئے مدارس بھی قائم کئے، کچھ اصحاب نے مواضع وقصبات کے ان مدارس کو اپنی خدمات سے ترقی دی، جہاں اب تک محدود پیمانے پر تعلیم کا انتظام تھا۔ (بہار میں اس وقت ۱۳۹۱ دینی مدارس ہیں ان میں بیشتر کے اخراجات حکومت بہار کی سرکاری امداد سے پورے ہوتے ہیں) اس لحاظ سے ملک العلماء کا پورنیہ میں دو سالہ قیام بہت مفید رہا۔ جب انہوں نے دیکھا، کہ ان کا لگایا ہوا پودا مضبوط وتوانا ہو کر شجر بار آور ہو گیا، تو ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے وہ "ظفر منزل" شاہ گنج، پٹنہ آکر مقیم ہو گئے اور یہاں انہوں نے سلسلۂ رشد وہدایت شروع کیا۔

ملک العلماء سے مختلف مدارس کے جن طلباء نے علمی فیوض حاصل کئے، ان کی تعداد بتانا آسان نہیں، صرف مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے متخرجین کی تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات سے فنون ہیئت وتوقیت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات خاصی تعداد میں مولانا سے بذریعہ خط کتابت اپنا علمی شوق پورا کرتے رہے۔ ان میں مولانا مفتی محمد عمیم الاحسان استاد مدرسۂ عالیہ ڈھاکا، حاجی محمد ظہور نعیمی مرادآباد (مرید سید العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی) کے استفسارات کے جواب میں متعدد خطوط مجموعۂ مکتوبات میں محفوظ ہیں۔ جن علماء نے پٹنہ میں قیام کر کے ان سے یہ علوم سیکھے ان میں مولانا حافظ عبد الرؤف مدرس مدرسۂ مظہر اسلام بریلی نائب شیخ الحدیث مدرسۂ اشرفیہ مبارکپور (متوفی ۱۹۷۱ء) مولانا نظام الدین بلیاوی مدرس مدرسۂ سبحانیہ الٰہ آباد اور مولانا تجلی بلیاوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انہوں نے کوئی پچپن سال تک مسلسل تدریس کا سلسلہ قائم رکھا، اور بریلی، آرا، سہسرام، پٹنہ اور کٹیہار (پورنیہ) کے مدارس میں ہزاروں طالبان علم کو اپنے علمی فیوض سے سیراب کیا۔ تدریس کے ساتھ افتاء ومواعظ کا بھی سلسلہ جاری رہا۔

مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔

ان کی زندگی کے آخری دو سال تالیف وتصنیف، وعظ وہدایت اور افتاء نویسی میں بسر ہوئے۔ جس رات انہوں نے رحلت فرمائی اس شام کو بھی انہوں نے چار خطوط لکھے۔ والدۂ مرحومہ فرماتی تھیں کہ دو خطوط کے بارے میں تو یاد نہیں کہ کن کو لکھے گئے تھے، تیسرا خط تمہارے نام تھا اور چوتھا خط بہت طویل تھا جو وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلے کے بارے میں تھا۔

ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے، لیکن ان کی عبادت وریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی نہ ان کے روزانہ کے معلومات میں کوئی فرق۔ زندگی کے آخری دن تک وہ علمی ودینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔ شب دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ اللہ کرتے انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا، کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ، جن سے انہیں فردوسی، شطاری، سہروردی اور کچھ مزید سلسلوں

میں خلافت واجازت حاصل تھی، حسن اتفاق سے تشریف لے آئے اور انہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دسویں گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج، پٹنہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جہاں ہر سال ان کے اعزہ ومعتقدین وتلامذہ ان کے وصال پر فاتحہ خوانی اور عرس ومواعظ حسنہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے، ان کی تربت ٹھنڈی رکھے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔

تصانیف:

ملک العلماء کی تالیفات وتصنیفات کی تعداد ہے ستر سے زائد ہے۔ تصانیف کا سلسلہ ۱۳۲۲ھ سے شروع ہو کر تقریباً ان کی رحلت ۱۳۸۲ھ یعنی پچاس پچپن سال تک جاری رہا۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں لیکن زیادہ تر، افادۂ عام کی خاطر اردو میں لکھی گئیں ہیں۔

یہ متعدد فنون اور موضوعات: حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر اور مناظرہ پر مشتمل ہیں۔ کچھ اب تک غیر مطبوعہ ہیں اور کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ پہلے ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفی: (سال تصنیف ۱۳۲۲ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ غرناطی مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) کی سیرت نبویہ پر مشہور تصنیف کتاب الشفا کی عربی زبان میں شرح۔ آغاز ۱۴ ربیع الاول شریف یوم چہار شنبہ ۱۳۲۲ھ غیر مکمل بخط مصنف محفوظ۔

(۲) التعلیق علی القدوری: (۱۳۲۵ھ)

فقہ کی مشہور کتاب پر تعلیقات عربی زبان میں۔

(۳) التعلیق علی شروح المغنی: (۱۳۳۱ھ)

علم نحو کے مشہور رسالے مغنی اللبیب کی متداول شروح پر عربی میں تعلیقات۔

(۴) خیر السلوک فی نسب الملوک: (۱۳۳۳ھ)

صوبۂ بہار ملک خاندان کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم معروف بملک بیّو کہے جاتے ہیں جو سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں شاہی فوج میں اچھے عہدے پر فائز تھے اور قلعہ رہتاس (بہار) کی جنگ میں ۱۳؍ ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو شہید ہوئے۔ نعش مبارک وہاں سے قصبۂ بہار شریف لائی گئی اور ایک اونچی پہاڑی پر مدفون ہوئی۔ مزار شریف پر عالیشان قدیم گنبد بنا ہوا ہے جو زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ آپ کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت قطب ربانی، غوث صمدانی سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر حسنی وحسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ (حیات اعلیحضرت ص:۹) ملک خانوادے زیادہ تر بہار کے اضلاع پٹنہ، گیا، مونگیر وغیرہ میں آباد ہیں۔ دوسرے اضلاع میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ تقسیم ہند کے بعد کچھ خانوادے مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) منتقل ہو گئے اور خاصی تعداد میں مغربی پاکستان جا کر آباد ہو گئے۔ اس کتاب میں ۲۴ قصبات ومواضع کے ملک حضرات کا شجرۂ نسب درج کیا گیا ہے۔ صفحات ۴۳۔ مسودہ مصنف محفوظ۔

(۵) تقریب: (۱۳۳۵ھ)

مصنف کا علم منطق میں مفید رسالہ، صغریٰ سے سلّم تک کے مسائل کو جامع ہے۔

(۶) تذھیب: (۱۳۳۵ھ)

اردو میں علم فلسفہ میں یکتا رسالہ جو ابتدائی جملہ مسائل کو حاوی ہے ۱۳۴۴ھ میں اطلاع چھپی تھی کہ زیر طبع ہے لیکن اس کا کوئی نسخہ نہ مل سکا۔ فاضل بریلوی کے ایک مکتوب میں یہ فقرہ ملتا

ہے:۔ ''تہذیب کا حرف بحرف قبل طبع دکھالینا فرض اہم ہے۔ مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے''۔(حیات اعلیٰحضرت ص:۲۸۰)

(۷)وافیہ:(۱۳۳۵ھ)

علم نحو میں بے مثل عام فہم رسالہ جس میں نحو میر سے معنی اللبیب تک کے مسائل موجود ہیں۔ اس کا ایک قلمی خوشخط نسخہ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل محفوظ ہے۔

فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک مکتوب بنام مصنف (مورخہ ۲۲ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ) میں تحریر فرماتے ہیں: ''آپ کی تصانیف عافیہ، وافیہ، تقریب پر خوشی ہوئی مگر کاش یہ وقت آپ نے بہشتی زیور وگوہر کی قلعی کھولنے میں صرف کیا ہوتا، تو عمدہ ذخیرۂ عقبیٰ ہوتا۔ جہاں ان کتابوں سے گمراہ ہوئے جاتے ہیں وحسبنا المولیٰ ونعم الوکیل''(حیات اعلیٰحضرت ص:۲۷۹)علم صرف میں رسالہ عافیہ تو کسی طرح چھپ گیا، لیکن وافیہ(علم نحو) تقریب (منطق) اور تہذیب (فلسفہ) وغیرہ کی عدم اشاعت میں مصنف پر مذکور بالا مکتوب کا ردِّ عمل رہا ہو تو عجب نہیں۔

(۸)بدر الاسلام لمیقات کلّ الصلوٰۃ والصیام:(۱۳۳۵ھ)

مصنف تمہید میں رقم پرداز ہیں:''تقریباً گیارہ سال سے خاکسار، برادران دینی کی خدمت اور ان کے روزوں درستی وصحت کے لئے ہر سال رمضان شریف کے نقشۂ اوقات صوم وصلوٰۃ زیج وتوقیت کے قواعد خاصہ سے ترتیب دیتا ہے اور مخلص قدیم حاجی محمد لعل خاں صاحب مدراسی شائع کرتے ہیں۔ باقی گیارہ مہینوں میں نماز کی ابتری دیکھ دیکھ کر دل پریشان ہوتا تھا کہ اوقات نماز صحیح طور پر نہ معلوم ہونے کے سبب بعض لوگ تاخیر کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور اکثر لوگ جلدی کرتے ہیں کہ قبل از وقت نماز پڑھ لیتے ہیں۔ خصوصاً عصر وعشاء میں تو قبل از وقت حنفی نماز پڑھنا ہندوستان میں عام طور پر رائج ہو گیا ہے۔ انہی ضرورتوں کے پیش نظر میں نے ایک رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی ''بدر الاسلام لمیقات کلّ الصلوٰۃ والصیام ''تصنیف کیا ہے جسے علاوہ تمہید تمن مقاصد اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا۔

مقصد اول:قواعد استخراج اوقات وبیان کتب ضروریہ۔

مقصد دوم:میل کلی ۲۳ درجے ۲۷ دقیقے مان کر پٹنہ کے لئے روزوں اور نمازوں کے اوقات جو تقریباً پچاس سال کے لئے کارآمد ہونگے۔

مقصد سوم:عرض ۵ درجے سے ۲۶ درجے تک جملہ بلاد وقصبات ومشہور قریات کا پٹنہ سے فصل طول کا اس قدر منٹ سکنڈ گھٹانے یا بڑھانے سے ان تمام آبادیوں کے لئے وہی وقت کارآمد ہوگا۔

خاتمہ:میں فن زیج وتوقیت کے نہایت نایاب وقیمتی مسائل، جن کا جاننا مسلمانوں کو ازبس ضروری وغایت درجہ مفید ہے۔ یہ رسالہ تقریباً ۷ جزو میں ہے۔ اقتباس از تمہید محررہ ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۳۵ھ مکمل رسالہ شائع نہیں ہو سکا۔

(۹)موذن الاوقات:(۱۳۳۵ھ وبعد)

ہندوستان کے لئے ۱۲ درجہ عرض سے ۳۴ درجہ عرض تک ۲۳ رسالوں کو مرتب کرنے کی ضرورت تھی، جیسے جیسے ضرورت داعی ہوتی ہوگی، فاضل مصنف رسالے مرتب کرتے رہے۔ سب سے پہلے بہار شریف عرض ۲۵ کے لئے رسالہ مرتب ہوا۔ مصنف تمہید میں تحریر فرماتے ہیں:

''یورپ کی جنگ کے باعث کاغذ کی گرانی کی وجہ سے فی الحال مقصد دوم'' کو کہ وہی اہم مقصود اعظم ہے بافق بہار شریعت محول کر کے بنام تاریخی موذن الاوقات شائع کیا جاتا ہے اور باقی

مشہور شہروں کا جو ایک ایک منٹ کے فاصلے پر واقع ہیں تفاضل دے دیا جاتا ہے کہ اس قدر رکم یا زیادہ کرنے سے ان تمام شہروں کے ریلوے اوقات حاصل ہوں گے۔

منتہائے سحری :وقت طلوع صبح صادق ہے جو ابتدائے وقتِ فجر ہے اور انتہائے وقتِ طلوع آفتاب۔

ضحوۂ کبریٰ: وہ وقت ہے کہ اس سے لے کر نصف النہار تک نماز نہیں۔ رمضان یا روزہ نفل میں اس وقت سے پہلے نیت کرے تو روزہ ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

نصف النہار :ابتدائے وقت ظہر ہے۔

عصر حنفی :انتہائے ظہر حنفی (مثل دوم علاوہ سایۂ اصلی) ابتدائے عصر ہے۔

غروب آفتاب:انتہائے عصر و ابتدائے مغرب و وقت افطار، اگر چہ عصر کی نماز غروب تک پڑھ سکتے ہیں مگر کم سے کم ۲۵ منٹ قبل غروب آفتاب پڑھ لینا چاہئے، ورنہ وقت مکروہ ہو جائے گا۔

عشائے حنفی :انتہائی وقت مغرب (غروب شفق سفیدی) وابتدائے وقت عشاء ہے، اس وقت سے لے کر منتہائے سحری تک نماز عشاء درست ہے، مگر تہائی رات سے زیادہ تاخیر پسندیدہ نہیں"۔

حسب ذیل دس شہروں کے اوقات صلوٰۃ وصیام مختلف احباب کی فرمائش پر مرتب ہوئے:۔

بمبئی۔۔۔۔عرض ۲۲ درجہ حسب فرمائش مولانا ابوالفتح محمد حشمت علی خان قادری رضوی۔ تاریخ استخراج ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ نسخۂ خطیہ۔ بخط مصنف محفوظ۔

کلکتہ۔۔۔عرض ۲۲ درجہ حسب فرمائش حاجی محمد لعل خاں مرحوم، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ بخط مصنف محفوظ۔

بہار شریف۔۔۔عرض ۲۵ درجہ۔۔۔ بخط مصنف محفوظ۔

کانپور۔۔۔عرض ۲۶ درجہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بخط مصنف محفوظ

گوالیار۔۔۔عرض ۲۶ درجہ حسب فرمائش مولوی امجد رضا قادری برکاتی تاریخ ترتیب یکم عید الفطر ۱۳۵۴ھ۔

بریلی۔۔عرض ۲۹ درجہ حسب فرمائش مولانا حسنین رضا خاں حضرت حسن بریلوی۔

نینی تال۔۔۔عرض ۲۹ درجہ حسب فرمائش مولانا قاری شاہ محمد رضا خاں قادری نوری رضوی۔

ملتان۔۔عرض ۳۰ درجہ حسب فرمائش جناب نیاز احمد قادری لوہاری دروازہ ملتان۔

لاہور۔۔۔عرض ۳۱ درجہ حسب فرمائش مولانا ابوالحسنات سید احمد حزب الاحناف لاہور، بخط مصنف محفوظ۔

ان میں صرف چند رسالے شائع ہو سکے۔ قصبۂ بہار شریف کے لئے جو رسالہ مرتب ہوا، اس کے دس بارہ ایڈیشن کلکتہ اور پٹنہ میں چھپے، گوالیار کے لئے ۱۳۶۴ھ میں طبع ہوا۔ بریلی اور نینی تال کے لئے رسالے مطبع حسنی بریلی نے ۱۳۴۷ھ میں شائع کئے۔

(۱۰) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوّۃ والباب:(۱۳۳۶ھ)

۱۹۱۸ھ میں قصبۂ سہسرام ضلع شاہ آباد (بہار) میں ایک صاحب نے دو منزلہ مکان کے ایک حصے کو سہ منزلہ بنوایا۔ زنانہ مکان ہونے کی وجہ سے تین طرف پردے کی دیوار کھینچوائی۔ ہوا کی آمدورفت کے لئے چوتھی سمت ایک کھڑکی لگوائی۔ اس پر ایک پڑوسی نے اعتراض کیا اور عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ فیصلہ مدعی کے خلاف ہوا۔ ایک صاحب کو ثالث مقرر کیا گیا کہ خوش اسلوبی سے مسئلہ طے ہو جائے۔ انہوں نے مدعی کی حمایت کی اور فیصلہ لکھا کہ کھڑکی بند کر دی جائے اور چھت پر جانے کی ممانعت کر دی۔ شہر کے بعض اصحاب نے ملک العلماء سے فقہی مسئلہ پوچھا۔ انہوں

نے ۲۳ فیصلوں میں ثالث صاحب کے فیصلے کے اغلاط شرعیہ واوہام باطلہ ظاہر کر کے علمائے کرام وفقہائے عظام کی تصانیف سے فیصلے کارد کیا اور ثابت کیا کہ یہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہم اجمعین کے مسلک کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف اور درایت کے خلاف ہے۔

یہ رسالہ ۴۶ صفحات پر مشتمل بخط مصنف محفوظ ہے اور اس پر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اصلاحات وترمیمات ان کے قلم سے درج ہیں۔

(۱۱) القصر المبنی علیٰ بیان المغنی: (۱۳۳۶ھ)

علم نحو میں یہ رسالہ مغنی اللبیب کی عربی میں شرح ہے جو غیر مکمل حالت میں ملی ہے۔ ابتدا میں کوئی مقدمہ یا تمہید موجود نہیں ہے نسخہ ناقص الآخر ہے۔ اصل مسودے سے مصنف کے قلم کی تبییض مکمل نہ ہوسکی۔ تاریخ تحریر ۲۴ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ۔

(۱۲) ھادی الھدایۃ لترک الموالات: (۱۳۳۹ھ)

۱۹۲۰ء میں برطانوی حکومت سے ترک موالات کی تحریک کا شور پورے ہندوستان میں گونج رہا تھا۔ اس کے رد میں یہ رسالہ تصنیف ہوا، جس میں اس تحریک کے مضر اثرات کی نشاندہی کی گئی تھی۔ جو بعد کو صحیح نکلی۔ اس میں مسئلہ خلافت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس کا اس زمانے میں بہت زور تھا۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصنف علام کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کا رسالہ اب تک نہ دیکھ پایا، متفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً کثیراً۔ اچھا ہے۔ مگر مشائخ بہار کے طرف سے یہ تاویل کے انہوں نے کوئی دنیوی کام سمجھ کر اتباع رائے مشرک جائز رکھا ہے، میری سمجھ میں نہ آئی سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت جن کا پس روا گاندھی کو ادعا ہے کیا کوئی دنیوی کام ہے؟ اور وہ تو یہاں تک اونچے اڑ رہے ہیں کہ جو اس میں شرکت نہ کرے مسلمان ہی نہیں، تو اسے نہ صرف کار دین بلکہ ضروریاتِ دین جانتے ہیں۔ بہر حال اسے دیکھ کر اللہ چاہے تو جلد واپس کرنے کا ارادہ ہے'' اس کا قلمی نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔

(۱۳) توضیح الافلاک معروف بسلم السماء: (۱۳۴۰ھ)

علم ہیئت کا یہ رسالہ ایک مقدمہ پانچ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ ابتدا امام غزالی کے اس قول سے ہوتی ہے۔ من لم یعرف الھیئۃ والتشریح فھو عنین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ۔ صفحات ۷۷۔ بخط مصنف محفوظ۔

(۱۴) الافادات الرضویہ: (۱۳۴۴ھ)

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصول حدیث سے متعلق وہ علمی فوائد جو مؤلف نے ان سے سن کر قلمبند کئے۔ منتشر اوراق۔

(۱۵) جامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری: (۱۳۴۵ھ)

اس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

(۱۶) نافع البشر فی فتاویٰ ظفر: (۱۳۴۹ھ)

۱۵۷۳ استفتا اور ان کے جوابات۔ تفصیل یہ ہے: کتاب الطہارۃ، تعداد استفتا وجوابات ۹۰، صفحات ۲۲، کتاب الصلوٰۃ تعداد جواب ۴۳۱، صفحات ۹۱، کتاب الزکوٰۃ، جواب ۴۵، صفحات ۲۶۔ کتاب الصوم، جوابات ۷، صفحات ۳۔ ایک استفتا اور اس کے جواب پر جو بعد کو نقل کیا گیا ہے تاریخ ۲۱ شوال ۱۳۳۱ھ درج ہے۔ جوابات عام طور پر مختصر ہیں۔ راقم کا خیال ہے کہ مستفتی کو

مفصل جواب مع نقل عبارت فقہیہ وحوالہ جات (جیسا کہ مصنف کا عام دستور تھا) بھیجا جاتا رہا ہوگا، اور اس مجموعے میں جوابات کے خلاصے لکھ لئے جاتے ہوں گے۔ نقل کسی اور کے قلم کی لکھی ہوئی کتاب خانے میں محفوظ۔

(۱۷) تنویر السراج فی ذکر المعراج: (۱۳۵۳ھ وبعد)
سید شاہ حمید الدین (متوفی ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ) سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۰۳ھ) نے اپنی خانقاہ میں ۲۷ رجب المرجب کو رجبی شریف کی تقریروں کا اہتمام کیا اور حضور ملک العلماء کو تقریر پر آمادہ کیا یہ جلسہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء سے شروع ہوا اور ۱۳ سال یعنی ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء تک یقیناً جاری رہا۔ ممکن ہے اس کے بعد بھی جلسے ہوتے رہے ہیں۔ یہ تقریریں ہر سال افادیت عام کے خیال سے قلمبند کر لی جاتی تھیں اور جس پر حضور ملک العلماء ایک نظر ڈال لیتے تھے، جلسۂ سیزدہم کے بعد کی تقریروں کے مسودات ومبیضات نہیں ملے، ممکن ہو یہ قلمبند نہیں کی جا سکی ہوں۔ ایک کے سوا ساری تقریریں غیر مطبوعہ ہیں، بیشتر کے مسودات محفوظ ہیں۔

تنویر السراج، واقعات وحقائق ومعارف معراج پر ایک مسلسل بیان ہے جس میں ہر سال ایک کڑی کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ پہلے سال صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم پر دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے تقریر ہوئی، دوسرے سال لفظ سبحٰن پر، تیسرے سال الذی پر، چوتھے سال اسریٰ پر، پانچویں سال بعبدہ کے حرف با پر، چھٹے سال عبد کے مفاہیم ومصداق بیان کرتے ہوئے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات خاصہ بیان کئے گئے تھے۔ ساتویں سال بعبدہ کی اضافت کی تشریح کی گئی تھی اور اس ضمن میں سرکار کے فضائل وکمالات کا مزید ذکر ہوا تھا۔ (یعنی مسلسل تین سال کے جلسوں میں صرف بعبدہ پر تقریر کا سلسلہ جاری رہا) جلسۂ ہشتم میں لیلاً کے متعلق گفتگو ہوئی، جلسۂ نہم مکمل لیلاً کی تنوین کے متعلق اور جلسۂ دہم میں صرف حرف مِن پر تقریر ہوئی۔ جلسۂ یازدہم میں بھی پوری تقریر حرف مِن کے متعلق ہوئی اور اس ضمن میں آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات کا اظہار کیا گیا۔ جلسۂ دوازدہم کی تقریر کا مسودہ نہ مل سکا، یہ تقریر اشاعت کے لئے انجمن حزب الاحناف لاہور کو بھیج دی گئی تھی اور جلسۂ سیزدہم کا مسودہ غیر مکمل حالت میں ملا۔ قیاس ہے کہ جلسۂ دوازدہم اور بعد جلسوں میں المسجد الحرام اور الی المسجد الاقصیٰ پر تقریر ہوئی ہوں گی۔

یہ تقریریں غیر مطبوعہ ہیں صرف جلسۂ یازدہم (۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) کی تقریر مولوی عبد المرتضیٰ سید محمد شمس الضحیٰ عظیم آبادی کے زیر اہتمام رضوی دار الکتب سرائے سلطان لاہور نے تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور سے شائع کی تھی، یہی تقریر ذکر معراج کے نام سے ادارۂ روضۃ المعارف گھوسی ضلع اعظم گڑھ سے ۱۹۷۸ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ مولوی شمس الضحیٰ صاحب نے اپنے ایڈیشن میں اطلاع دی تھی کہ پہلے دس سال کی تقریریں لاہور میں زیر طبع ہیں، لیکن یہ غالباً شائع نہ ہو سکیں۔

ملک العلماء نے شاہ حمید الدین مرحوم ومغفور کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ میں ضرور تقریر کروں گا بشرطیکہ ہر سال ہندوستان کے مشاہیر سنی علماء میں ایک کو ضرور مدعو کیا جائے چنانچہ پہلے سال ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ سجادہ نشین خانقاہ معلٰی پینڈ ضلع مونگیر، دوسرے سال مولانا مشتاق احمد کانپوری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ (متوفی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۳ء) تیسرے سال مولانا عبد الواحد بدایونی، چوتھے سال مولانا سید شاہ محمد صاحب محدث

کچھوچھوی (متوفی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) پانچویں سال مولانا عبدالحامد قادری بدایونی (متوفی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)، چھٹے سال مولانا عبدالمجید آنولوی بریلوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) تلمیذ رشید تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی، قدس سرہ (متوفی ۱۳۱۹ھ) ساتویں سال مولانا سید وصی احمد سہسرامی، صدر مدرس جامعہ نعیمیہ مرادآباد، آٹھویں سال صدرالافاضل استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین اشرفی مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) اور دسویں سال مولانا قاضی شاہ محمد احسان الحق نعیمی اشرفی، مفتی بہرائچ مدعو کیے گئے اور انہوں نے اپنے مواعظ حسنہ سے حاضرین جلسہ کو فیضیاب کیا۔ جلسۂ نہم، جلسۂ یازدہم اور بعد کے جلسوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی لیکن ان جلسوں میں کسی ایک میں استاذالعلماء مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ضرور تشریف لائے تھے (مکاتیب ملک العلماء، قلمی)

(۱۸) الانوار الامعۃ من الشمس البازغۃ: (۱۳۵۷ھ)

فلسفے کی مشہور کتاب الشمس البازغہ کے اہم مباحث کی تشریح، سوال وجواب کی شکل میں راقم الحروف کی آسانی کے لئے ۴۷ سوالات قائم کرکے عام فہم زبان اور دلنشیں انداز میں جوابات لکھے گئے ہیں۔ تقطیع کلاں، صفحات ۴۲، تاریخ تصنیف ۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۳۸ء بخط مصنف محفوظ۔

(۱۹) الفوائد التامہ فی أجوبۃ الامور العامہ: (۱۳۵۷ھ)

علم کلام کی مشہور درسی کتاب کے اہم مباحث راقم الحروف کی آسانی کے لئے سوال وجواب کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔ نسخہ بخط مصنف محفوظ۔

(۲۰) مولود رضوی: (۱۳۶۰ھ)

سید شاہ محمد حسین حامد سجادہ نشیں درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۱ر جمادالثانی ۱۳۸۷ھ/۱۷ر ستمبر ۱۹۶۷ء) کی فرمائش پر خواتین اور عام لوگوں کے لئے عام فہم زبان میں یہ میلاد نامہ لکھا گیا، اس میں حضرت حسن بریلوی (متوفی ۱۳۲۶ھ) شاگرد داغ اور فاضل بریلوی کی نعتوں کے ساتھ شاہ صاحب کا نعتیہ کلام اور ان کا لکھا ہوا سلام بھی درج ہے۔ آخر میں حضرت فاضل بریلوی کی لکھی ہوئی **مشہور مناجات**: ''یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو'' درج کتاب ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۶۰ھ، صفحات ۲۲، اس کے دو نسخے بخط مصنف محفوظ ہیں۔ یہ میلاد نامہ شائع تو نہیں ہوا لیکن اس کی نقلیں اس زمانے میں شائقین نے لے لی تھیں۔

(۲۱) تحفۃ العظماء فی فضل العلماء: (۱۳۶۵ھ)

یہ رسالہ علم اور علماء کی فضیلت کے بیان میں تصنیف ہوا، اس کا کوئی نسخہ علی گڑھ میں محفوظ نہیں۔

(۲۲) حیات اعلیحضرت: (۱۳۶۹ھ)

کتاب کا یہ تاریخی نام ہے جس سے ۱۹۳۸ر کے اعداد نکلتے ہیں، اس کا دوسرا تاریخی نام مظہر المناقب ہے جس سے ۱۳۶۹ کے اعداد مستخرج ہوتے ہیں یہ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح حیات ہے اور ان کی تصانیف کا مکمل تذکرہ جو چار جلدوں پر مشتمل ہے مبیضہ ۲۱ر شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ کو تمام ہوا، جلد اول ۲۶۰ پر مکتبۂ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی سے عرصہ ہوا مولوی سید ایوب علی رضوی بریلوی نے شائع کرائی۔ چاروں جلدوں کا مبیضہ بخط مصنف، راقم الحروف سے، مولوی مفتی محمود احمد قادری صاحب اشاعت کے لئے پندرہ بیس سال ہوئے مستعار لے گئے کہ وہ جلد مکمل کتاب شائع کر دیں گے، لیکن افسوس ہے کہ اب تک شائع

نہیں ہوسکی اب سنا ہے کہ پٹنہ میں زیر طباعت ہے۔

(۲۳) مشرقی کا غلط مسلک: (۱۳۸۴ھ)

عنایت اللہ خاں مشرقی (۱۹۶۳ء) کے رسالہ مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹ کے جواب میں سپرد قلم ہوا، جس میں ان کے یہ دعوے کا علمی انداز میں ابطال کیا گیا کہ متحدہ مسلمان کی ساری مساجد کا سمت قبلہ غلط ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۱ رشعبان المعظم ۱۳۸۲ھ روز سہ شنبہ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۳۹ء سید سلیمان ندوی (متوفی ۱۹۵۴ء) نے اہمیت کی بنا پر اس کا اختصار رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے دوشماروں (جنوری، فروری ۱۹۴۰ء) میں "مشرقی اور سمت قبلہ" کے عنوان سے شائع کیا۔ رسالہ کتابی شکل میں اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا۔ بخط مصنف محفوظ۔

(۲۴) النور والضیاء فی سلاسل الاولیا:

صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے ان ۱۶۲ سلسلوں کا شجرہ اور ان کے اسمائے گرامی درج ہیں جن میں حضور ملک العلماء کو بیعت و اجازت حاصل تھی۔ پہلا شجرہ سلسلۂ عالیہ قادریہ طیبہ مبارکہ رضویہ کا ہے اور آخری سلسلۂ عالیہ فردوسیہ منعمیہ شاکریہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا پہلے سلسلے میں حضور سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مصنف کے درمیان ۳۸ واسطے ہیں۔ اور آخری سلسلے میں ۴۱ رصفحات ۳۰۹ بخط مصنف محفوظ۔ یہ ان کے آخری زمانے کی کوشش ہے۔

(۲۵) مکاتیب فاضل بہاری:

علماء احباب، مخلصین، تلامذہ و اعزا کے نام تقریباً پانچ سو خطوط کا مجموعہ۔ حضرت ملک العلماء کثرت سے خطوط لکھا کرتے تھے اور خطوط کے جواب فوراً دینے کی عادی تھے۔ روزانہ تین خطوں کا اوسط ضرور رہا ہوگا جس رات انہوں نے رحلت فرمائی، اس شام بھی انہوں نے چار خط تحریر فرمائے تھے جس میں ایک طویل خط وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلے کے سلسلے میں تھا۔ انہوں نے طویل عمر پائی، اس عرصے میں معلوم نہیں انہوں نے کتنے ہزار خطوط لوگوں کو لکھے ہونگے۔ اگر نصف خطوط کی بھی نقلیں رکھنے کا التزام کیا جاتا تو یہ خطوط متعدد مجلدات میں مرتب ہوتے۔ آخر زمانے میں بعض اعزہ کو اس کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ایک مختصر سا مجموعہ ان کے خطوط کا خاندانی کتب خانے میں محفوظ ہے ان کے کچھ خطوط اخبار دبدبۂ سکندری (رامپور) اخبار مشرق (گورکھپور) صدق جدید (لکھنو) رسالۂ معارف (اعظم گڑھ) اور دوسرے اخبارات وکتب و رسائل میں شائع ہوئے تھے، اگر انہیں بھی جمع کرلیا جائے تو بہت اچھا اور مفید مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا جاسکتا ہے۔

ان کے علاوہ ملک العلماء کی کچھ تصانیف حسب ذیل ہیں جنکا ذکر ان کی کتابوں میں ہے، لیکن ان کا کوئی مطبوعہ یا قلمی نسخہ مضمون کی تحریر کے وقت راقم کی ذخیرۂ کتب میں دستیاب نہ ہوسکا۔ ان کی فہرست بقید سنین تالیف ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(۲۶) ۱۳۲۳ھ الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (فن مناظرہ)

(۲۷) ۱۳۲۳ھ مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس (فقه)

(۲۸) ۱۳۲۴ھ مبین الهدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفی (فضائل)

(۲۹) ۱۳۲۵ھ اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیة فی المساجد (فقه)

(۳۰) ۱۳۲۶ھ بسط الراحة فی الحضر والاباحة (فقه)

(۳۱) ۱۳۲۶ھ الغیض الرضوی فی تکمیل الحمری. فقه

(۳۲)۱۳۲۸ھ سجم الکنزہ علی الکلاب الممطرہ۔ مناظرہ
(۳۳)۱۳۲۹ھ النبراس لدفع ظلام المنهاس۔ مناظرہ
(۳۴)۱۳۳۲ھ رفع الخلاف من بين الاحناف۔ مناظرہ
(۳۵)۱۳۳۳ھ نزول السكينه باسانيد الاجازات المتينه۔ حديث
(۳۶)۱۳۳۳ھ القول الاظهر فى الآذان بين يدى المنبر۔ فقه
(۳۷)۱۳۳۴ھ كشف الستور عن مناظره رامپور۔ مناظره
(۳۸)۱۳۳۷ھ نظم المبانى فى حروف المعانى۔ نحو
(۳۹)۱۳۳۷ھ تحفة الاحبار فى اخبار الاخيار۔ مناقب
(۴۰)۱۳۳۷ھ الكسير فى علم التكسير۔ فن تكسير
(۴۱)۱۳۴۱ھ اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام۔ تاريخ
(۴۲)۱۳۴۲ھ نهاية المنتهى فى شرع هداية المبتدى۔ فقه
(۴۳)۱۳۴۸ھ تسهيل الاصول الىٰ علم الاصول۔ اصول فقه

اب ذیل میں ملک العلماء کی ان مطبوعہ تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے نسخے اپنے کتب خانے میں تلاش سے مل گئے ممکن ہے کچھ اور کتابیں بھی شائع ہوئی ہوں اور وہ میرے پاس محفوظ نہ رہ سکی ہوں۔

(۴۴) ظفر الدین الجید: ۱۳۲۳ھ (مناظرہ)

کذب باری سبحانہ وتعالیٰ، علم غیب اور دوسرے کے متعلق جن میں علمائے بریلی اور علمائے دیوبند میں اختلافات ہیں بیس سوالات جسے مولانا ظفر الدین قادری نے مرتب کرکے اشرفعلی تھانوی کی خدمت میں بریلی میں پیش کیے۔ اس رسالے میں ان سے ملاقات کا حال اور دوسرے بعد کے کوائف بھی درج ہیں۔ یہ رسالہ انہوں نے ۱۴؍جماد الاخری ۱۳۲۳ھ کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں مرتب کیا تھا۔

قلمی نسخہ بخط مصنف کتب خانہ مختار الدین احمد میں محفوظ ہے، صفحات ۱۹؍ یہ رسالہ اسی زمانے میں بریلی سے چھپ کر شائع ہوا۔

(۴۵) شکست سفاہت: ۱۳۲۶ھ (مناظرہ)

میوات، نواح فیروز پور جھرکا کے مناظرے کی روئداد۔ مولانا شاہ رکن الدین الوری، (مولانا شاہ رکن الدین مجدّدی الوری (متوفی ۲۰؍شوال ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) کا سلسلۂ نسب شیخ الاسلام حضرت شیخ عبداللہ انصاری مدنی تک پہنچتا ہے۔ ولادت دہلی کے قریب ضلع گڑگاؤں کے ایک موضع میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں شیخ فریدالدین مرحوم سے الور میں پائی۔ شیخ صاحب فارسی کے استاد کامل تھے۔ کہا جاتا ہے، کہ مرزا غالب سے بھی ان کی مراسلت تھی۔ کتب خانے میں بہت سے خطوط محفوظ تھے جو ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کی نذر ہوگئے۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد آپ کے دل میں طلب حق پیدا ہوئی اور دل خداجوئی میں مصروف ہوگیا۔ ۱۳۰۴ھ میں انہوں نے اعلیٰحضرت مولانا شاہ رحیم بخش معروف بمسعود شاہ فاروقی نقشبندی (۱۲۵۰۔۱۳۰۹ھ/۱۸۳۴۔۱۸۹۲ء) سے شرف بیعت حاصل کیا اور حضرت خواجہ ضیاء معصوم سے چشتیہ قادریہ سلسلے میں اجازت حاصل کی۔ سینکڑوں ویران مساجد کو آباد ومعمور کیا اور تبلیغ اسلام کی طرف توجہ کی۔ آج سے پچاس ساٹھ سال پیشتر پورا علاقہ میوات کا آپ کے فیوض وبرکات سے مالا مال تھا۔ آپ کے خلفاء میں مشہور مصنف ومحقق برادر گرامی پروفیسر مسعود احمد قادری کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ خطیب

شاہی مسجد جامع فتح پوری دہلی (۱۳۰۳۔۱۳۸۶ھ/ ۱۸۸۶۔ ۱۹۶۶ء) اور ان کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد محمود (متوفی ۱۳۲۲ھ /۱۹۰۴ء) قابل ذکر ہیں۔ تصانیف میں چھ رسالے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، جن میں رسالۂ رکن الدین، توضیح العقائد اور مولود محمود قابل ذکر ہیں۔ (تذکرۂ مظہر مسعود، مؤلفہ پروفیسر محمد مسعود احمد، ص ۱۰۱۔۱۱۸، (کراچی ۱۹۶۹) تذکرۂ صوفیائے میوات، مؤلفہ محمد حبیب الرحمٰن خاں میواتی، ص ۶۳۲۔۶۳۸ (دہلی، ۱۹۸۵) مزید حالات کے لئے دیکھئے مصباح السالکین فی احوال رکن الملۃ والدین از مولانا مفتی محمد محمود (دہلی، ۱۳۵۵)، معیار السلوک و دافع الاوہام والشکوک، از مولانا ہدایت علی نقشبندی (طبع کراچی) مولانا احمد حسین خاں رام پوری مقیم درگاہ اجمیر شریف کی استدعا پر فاضل بریلوی نے مولانا ظفرالدین قادری کو مناظرے اور تقریر کے لیے بھیجا۔ وہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس موقع پر اعلیٰحضرت نے ایک اونی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لیکر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا'' (حیات اعلیٰحضرت ص ۵۵) وہاں مولانا شاہ رکن الدین اور مولوی شاہ ارشاد علی الوری (مولانا ارشاد علی، الور کے علماء و مشائخ میں تھے، انہیں حضرت مسعود شاہ نقشبندی دہلوی سے شرف بیعت حاصل تھا اور مولانا رکن الدین شاہ سے انہیں سند خلافت ملی تھی۔ اردو میں انکا نظم کیا ہوا شجرۂ طریقت مولانا رکن الدین شاہ، پروفیسر محمد مسعود احمد نے تذکرۂ مظہر مسعود، ص ۵۴۰ میں درج کر دیا ہے۔) بھی ان کیساتھ مجلس مناظرہ میں شریک ہوئے۔ میوات کے لوگوں کو خواہش ہوئی کہ فتح کے روداد اور مناظرے کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کردیے جائیں۔ یہ رسالہ اسی زمانے میں مرتب ہوا اور چھپ کر شائع ہوا۔

(۴۶) المجمل المعدد لتالیفات المجدد: ۱۳۲۷ھ (تاریخ)

اس رسالے میں جو مولانا عبدالجبار حیدرآبادی کی فرمائش پر مرتب کیا گیا ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء تک کی لکھی ہوئی فاضل بریلوی کی ساڑھے تین سو تصانیف کا ذکر ہے۔ اب تصانیف کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہنچتی ہے جو پچاس سے زائد علوم و فنون پر مشتمل ہیں۔ یہ رسالہ ۱۳۲۷ھ کا مرتب کردہ ہے، اعلیٰحضرت اس کے بعد ۱۳ سال زندہ رہے اور برابر سلسلۂ تصانیف و تالیف جاری رہا، ۱۹۴۴ء میں احباب کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے مسودات درست کیے جائیں اور بعض اہم تصانیف شائع کی جائیں۔ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) کے اصرار پر ملک العلماء بریلی تشریف لے گئے اور تین ماہ وہاں رہکر بہت محنت و توجہ سے منتشر مسودات مرتب کیے جو بیشتر اوراق پریشاں کی صورت میں تھے۔ جو مسودات مکمل تھے ان کی مبیضات تیار کیے۔ اب انہوں نے تصنیفات کی نئی فہرست تیار کی تو اندازہ ہوا کہ ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں کتابیں بھی تھیں اور مختصر رسالے بھی عربی اور فارسی زبان میں بھی تھیں اور اردو میں بھی۔ انہوں نے فہرست تصانیف اعلیٰحضرت مرتب کر کے اشاعت کے لیے تیار کردی تھی، فہرست کتابی شکل میں ابتک نہیں شائع ہوسکی لیکن غنیمت ہے کہ ماہنامہ اعلیٰحضرت (بریلی) میں ۴۱۰ مزید تصانیف کی فہرست چھپ گئی ہے۔ اب اعلیٰحضرت کی کتب و رسائل کی تعداد ۷۶۰ ہوگئی، کچھ رسالے کے مسودات انہیں بعد کو ملے اب سبھوں کی مکمل فہرست ترتیب دیکر انہوں نے بریلی کے ارباب حل و عقد کے حوالے کی یہ فہرست المجمل المعدد کے ترمیم و اضافہ شدہ اڈیشن کے طور

پر بریلی سے ۱۹۴۴ء میں چھپنے والی تھی۔ مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد (جنہوں نے تصانیف کی تعداد ۸۴۴ بتائی ہے) اور مولانا عبدالمبین نعمانی کے پیش نظر ملک العلماء کی المجمل المعدد کے اضافہ شدہ نسخے کا تعجب نہیں قلمی یا مطبوعہ نسخہ رہا ہو۔ حیات اعلیٰحضرت (جلد دوم) میں بھی تصانیف کا تفصیلی ذکر ہے۔ انہوں نے بیں پچیس اہم تصانیف کا انتخاب کر کے ایسی صاف ستھری نقلیں بھی تیار کردی تھی جو مطبع کو فوراً بھیجی جاسکتی تھیں، بلکہ متعدد رسالوں کی کتابت وطباعت انہوں نے بریلی میں اپنے قیام کے دوران میں شروع بھی کرادی تھی ان میں سے کچھ رسالے بریلی اور لاہور سے ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں شائع بھی ہوئے۔

اس سلسلے میں ان خطوط کا مطالعہ مفید ہوگا جو ملک العلماء نے اس زمانے میں اپنے بعض احباب واعزہ کو لکھے ہیں اور حسن اتفاق سے جن کی نقلیں میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہاں بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے تصانیف اعلیٰحضرت کی بازیافت، ترتیب، تبییض واشاعت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ ملک العلماء، مولانا امجد رضا خاں صاحب نوری مقیم گوالیار کو اپنے مکتوب (مورخہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں تحریر فرماتے ہیں):

''اس وقت اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کی جملہ تصنیفات وتالیفات وتحریرات چھپ جائیں تو سنّیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر ومقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰحضرت کی تصنیف نہیں جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت ومحنت وتوجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰحضرت کیا تھے۔ واقعی جناب نے انہیں حیات جاوید بخشی اور ہر شخص کو ان کے علوم وفنون سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔

میرے بریلی سے آنے کے بعد سے اس وقت تک ربیع الاول تا رمضان شریف تین رسالے چھپے ہیں، ایک تو وہی نشاط السالکین جس کی نصف سے زیادہ کاپیاں میرے سامنے لکھی جاچکی تھیں، اور دوسرا رسالہ الاسد السئول، تیسرا غایۃ التحقیق۔ یہ سب رسالے نمبر ا سے ۱۳ رتک میں نے منگوالئے ہیں۔ افسوس ہے کہ ۳، ۴، ۵ جو لاہور میں چھپنے کے واسطے بھیجے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اب تک انہوں نے چھپوا کر نہیں بھیجا۔ مولوی ابوالبرکات سید احمد صاحب سے ایسی توقع نہ تھی۔ اور تین رسالے نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳ بہت خراب چھپے ہیں، صحت کا بھی التزام نہیں کیا ہے۔ بریلی شریف والے منشی صاحب جنہوں نے رسالہ ۱ تا ۱۰ کی کتابت کی تھی بہت ہی خوشخط ہیں۔ یہ بیچارے بدایونی صاحب ٹھیک نہیں ہیں، بہتر ہے کہ انہیں منشی صاحب سے کتابت کا کام لیا جائے خدا جناب کو اپنے مقصد عالی میں کامیاب کرے تاکہ تصنیفات (کی اشاعت) کا کام حسب خواہش انجام پائے'' (مکاتیب ملک العلماء، قلمی ص: ۱۴/۱۵)

مولانا تقدس علی خاں رضوی (متوفی ۱۹۸۸ء) کو لکھتے ہیں:

''ابھی تک آپ نے وظیفۂ کریمہ نہیں بھیجا جس کی سخت ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ دو نسخے النہی الاکید اور ایک نسخہ احسن الوعا اور چار نسخے وظیفۂ کریمہ کے رجسٹری یا وی پی کر کے بھیج دیجئے، ایک ایک نسخہ ان سب کتابوں کا بھی جو جدید طبع ہوئی ہیں یعنی رفیق الحقاق اور جب العوار وغیرہ ایک نمبر سے ۱۳ نمبر تک کل کتابیں نور الادلہ اور کشف العلہ وغیرہ بھی لاہور سے آگئی ہیں۔'' (مکتوب مورخہ جمعہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۳ء/۲۴ رشوال ۱۳۶۳ھ)۔

(مکاتیب ملک العلماء، ص: ۲۱)

سید پیارے علی بریلوی اور مولانا تقدس علی خاں کے نام

ایک مکتوب ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۶۵ھ یکم جنوری ۱۹۴۵ء میں یہ سطریں ملتی ہیں:

"خداوند عالم نعمانی میاں صاحب کو مقدرت دے کہ صرف ترجمہ 'الدولۃ المکیہ کیا جملہ تصنیفات حضرت حجۃ الاسلام بلکہ تمام تصنیفات اعلیٰ حضرت امام اہلسنت شائع فرمائیں"۔ (مکاتیب ملک العلماء، قلمی ص:۲۳)

مولوی سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی متعلم دارالعلوم حزب الاحناف ہند لاہور کے نام مکتوب مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۴۵ء، میں حسب ذیل سطور ملتی ہیں:

"سید عرفان علی صاحب (قادری رضوی بیل پوری) کا خط آیا ہے کہ اعلیحضرت کی تصانیف کی مکمل فہرست چھپ رہی ہے تاکہ معلوم ہو ان کی کیا کیا کتابیں ہیں اور کس کس فن میں۔ یہ سب میں نے مکمل کر دیا ہے، صرف چھپنا باقی ہے، اب وہ چھپ رہی ہے۔ یقین ہے کہ عرس شریف کے قبل چھپ کر شائع ہو جائے گی، اسے دیکھ کر کتاب آپ اشاعت کے لئے پسند کر لیجئے گا"۔ (مکاتیب ملک العلماء، قلمی ص:۵۷)

انھی کو ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا (مصطفیٰ رضا خاں) صاحب یقیناً اپنے سفر سے بریلی شریف پہنچ گئے ہوں گے۔ وہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات اگر طباعت کے لئے تم عزیز کو روانہ فرمائیں تو ازیں چہ بہتر۔ سلطنۃ المصطفیٰ میں نے بہت تلاش کی تھی کہیں پتا نہیں چلا۔ ہاں علوم الغیب کا مسودہ مجھے ملا تھا جس کو بڑی محنت و کاوش سے مبیقہ کر کے اور تبویب اس کی کر کے مجلد کرا کے الماری میں رکھوا دیا ہے۔ مفتی اعظم صاحب سے اس کے متعلق خط کتابت کیجئے کہ وہاں سے روانہ فرما دیں واقعی عجیب و غریب کتاب ہے علم غیب کے مسئلے میں اس کتاب کو دیکھ کر کسی کو شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس قدر مواد جمع کر دیا ہے کہ شاید و باید، وہ کتاب اگر چھپ جائے تو سبحن اللہ وبحمدہ"۔ (مکاتیب ملک العلماء ص:۳۲)

انھی سے ۲۲ر جون ۴۵ء کے ایک خط میں پوچھتے ہیں:

"بریلی سے کون کون سے رسالے چھپنے کو آئے ہیں، مطلع کیجئے"۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں تصانیف اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا کس درجہ خیال تھا وہ چاہتے تھے کہ ساری تصانیف یا کم از کم اہم منتخب کتابیں بریلی سے جلد از جلد شائع کر دی جائیں، اس کام میں تاخیر ہونے لگی تو انہیں ملال ہوا۔ بریلی کے ایک مخلص دوست کو لکھتے ہیں:

"میں نے تین مہینے کس جاں فشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا اگر جو قدردانی کی گئی وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے اگر تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا"۔ مکتوب مورخہ ۲۶ر نومبر ۴۵ء (مکاتیب ملک العلماء قلمی)

المجمل المعدد کا پہلا ایڈیشن مدت ہوئی قاضی محمد عبد الوحید صدیقی فردوسی عظیم آبادی (متوفی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) کے مطبع حنفیہ پٹنہ سے ۱۳۲۷ھ میں نکلا، دوا ایڈیشن مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا۔ اب تک یہ ادارہ، جو بہت مفید کام کر رہا ہے، اس رسالے کے مزید تین چار ایڈیشن شائع کر چکا ہے جن میں سے ایک ایڈیشن ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء کا میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ لیکن یہ ساری اشاعتیں غالباً طبع اول (۱۳۲۷ھ) ہی کی نقلیں ہیں جن میں ساڑھے تین سو تصانیف کا ذکر ہے۔ ملک العلماء نے ۱۹۴۴ء میں جو فہرست تصانیف کی بنائی تھیں وہ غالباً اب تک شائع نہیں ہوئی یا کم از کم میری نظر سے نہیں گزری، اگر شائع نہیں ہوئی

ہے تو اسے بہت جلد المجمل المعدد ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن کی حیثیت سے شائع کر دینا چاہیے۔

اعلیٰحضرت کی تصانیف کی اشاعت کے سلسلے میں سنیوں کی بے حسی و غفلت پر سب سے اچھا تبصرہ بھی اسی جماعت کے ایک مقتدر عالم و مصنف، مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری حفظہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے:

''مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ اہلسنت و جماعت نے تصنیف و اشاعت کے بارے میں جس قدر بے اعتنائی سے کام لیا ہے، کسی فرقے نے نہیں لیا۔ اس غفلت شعار قوم سے آج تک نہ امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت کا اہتمام ہو سکا اور نہ وہ گراں قدر ذخیرۂ کتب پوری طرح محفوظ رہ سکا، اس لئے محقق کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے جامع اور مکمل فہرست تیار نہیں کر سکتا''۔

اندھیرے سے اجالے تک، ص:۱۷۶ (لاہور ۱۹۸۵ء)

(۴۷) الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بتوضیح التوقیت: ۱۳۳۰ھ (توقیت)

یہ کتاب فن توقیت میں ہے نصف النہار طلوع و غروب ضحوۂ کبریٰ، عصر، ضرب تمینی، تقسیم سیتنی، کسور اعشاریہ، حبیب لوگارثمی، دھوپ گھڑی، سمت قبلہ اور دوسرے اہم اور علمی مسائل، نسبۃً سیدھی سادی زبان میں لکھی گئی ہے۔ توضیح و تشریح کے لئے مثالیں دی ہیں اور متعدد جداول بھی درج کئے ہیں۔ علم توقیت کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ وہ علم ہے کہ نماز کی صحت روزے کی درستی اسی پر موقوف ہے۔ مسائل نکاح و طلاق میں اس کی ضرورت ہے۔ احکام فرائض میں اس کی حاجت ہے۔ حج کے راستے میں اس کی طرف محتاجی ہے، کیا بغیر اس علم کے اس دور تمدن و ترقی میں کے نظم اوقات ساعت سے ہوتا ہے کسی شخص کو اوقات نماز کی تمیز، ابتدا و انتہا، اوقات صوم و صلوٰۃ کی معرفت بغیر اس علم کے ممکن ہے؟ کیا بغیر اس علم کے صحیح سمت قبلہ کا علم ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگرچہ مسجدوں کی عمارتیں ایک حد تک اس ضرورت سے لوگوں کو سبکدوش کر سکتی ہیں مگر مسجد بنانے کے لئے تو اس فن کا جاننا ضروری ہے، ورنہ صحیح سمت قبلہ کونہ ہوں گی جیسا کہ بانکی پور پٹنہ کی بعض مسجدیں بالکل خلاف سمت قبلہ بنیں ہوئی ہیں۔ مسجدوں کو جانچنے کے لئے بھی اس علم کی ضرورت ہے۔ کیا سفر حج میں کوئی شخص بغیر اس فن کی مدد کے سب نمازیں صحیح سمت پڑھ سکتا ہے؟ عام لوگوں کا خیال ہے کہ مکہ معظمہ ہندوستان سے پچھم ہے اسی طرف جہاز جا رہا ہے وہی سمت قبلہ ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ جو جہاز ممبئی سے جدہ جاتا ہے دکھن مڑتا ہوا پچھم کی طرف جاتا ہے، یہاں تک کہ محاذات مکہ معظمہ سے اور آگے نکل جاتا ہے تب جدہ میں آکر ٹھہرتا ہے، جہاں سمت قبلہ بالکل مشرق کی طرف ہوتا ہے اور جو جہاز ممبئی سے کراچی ہو کر جدہ جاتا ہے ممبئی اتر آتا ہے پھر دکھن کی طرف ہوتا ہوا جدہ پہنچتا ہے۔ تو ممبئی سے روانگی کے وقت سمت قبلہ پچھم ہے اور جدہ پہنچ کر پورب کی طرف۔ راستے میں نصف دور قطع کرنا پڑتا ہے۔ غیر ہیئت داں کیا بتا سکتا ہے کہ کس دن کتنا انحراف کرنا ہوگا، اور کہاں پر کس جانب مڑنا ہوگا۔ کیا صرف قطب نما رکھ لینا کافی ہوگا؟ وہ تو صرف سمت کو بتائے گا، مگر آج کس قدر انحراف کی ضرورت ہے، کل کس قدر بغیر ہیئت و توقیت جانے معلوم نہیں ہو سکتا۔

کیا کوئی شخص بغیر اس علم کے صحیح ملتہائے سحری، ضحوۂ کبریٰ، غروب آفتاب، جن تین وقتوں کی روزے میں حاجت ہوتی ہے بتا سکتا ہے؟

کیا کوئی شخص بغیر علم ہیئت جانے ہوئے صبح صادق،

طلوع شمس، نصف النہار، ایک مثل، دو مثل، غروب شمس، غروب شفق جن کی ضرورت نمازوں میں ہوتی ہے بتا سکتا ہے؟

کیا کسی شخص سے یہ سوال ہو کہ ہندہ کا انتقال فلاں شہر میں طلوع آفتاب کے وقت ہوا اور اس کے شوہر نے دوسرے شہر میں اس کی حقیقی بہن سے طلوع آفتاب کے وقت اسی دن نکاح کیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ یا ہندہ حاملہ کو اس کے شوہر نے کسی شہر میں طلوع آفتاب کے وقت طلاق دی اور ہندہ دوسرے شہر میں طلوع آفتاب کے وقت لڑکا جنی تو عدت منقضی ہوئی یا نہیں۔

یا زید کا انتقال ایک شہر میں طلوع آفتاب کے وقت ہوا اور اس کے بیٹے نے دوسرے شہر میں طلوع آفتاب کے وقت انتقال کیا تو کس کا ترکہ کس کو ملے گا۔ پھر ان دونوں شہروں میں تفاوت اگر فقط طول میں ہے یا فقط عرض میں یا طول عرض دونوں میں تفاوت ہے تو اس نکاح وطلاق وعدت وترکہ کے حکم میں کیا فرق ہوگا۔

نیز اگر یہی صورتیں غروب شمس کے وقت ہوں تو کس صورت میں کیا حکم ہوگا، اور اگر نصف النہار کے وقت ہوں تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ پھر اگر زائد العرض بلد میں نکاح وطلاق اور باپ کی موت واقع ہو تو کیا حکم ہوگا، اور ناقص العرض شہر میں ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔

نیز، اگر یہی سب صورتیں دو شہروں میں مثلاً چھ بجے واقع ہوئیں تو اگر دو شہروں کا وقت کمپاس ٹائم سے ہے تو کیا حکم ہوگا، لوکل ٹائم ہے تو کیا فرق ہوگا، اور ریلوے ٹائم ہونے کی صورت میں مسئلہ کا کیا جواب ہوگا۔ اور اگر ان دو شہروں میں اوقات مختلف رائج ہیں، ایک میں لوکل ٹائم دوسرے میں ریلوے یا کمپاس ٹائم تو مسئلہ پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ پھر اگر تعدیل الایام زائد متزاید یا زائد متناقص ہے تو کیا حکم ہوگا، اور اگر ناقص متزاید یا ناقص متناقص ہے تو کیا جواب ہوگا۔

کیا کوئی شخص ان مسائل اور اسی قسم کے دیگر مسائل جن کا تعلق وقت سے ہے بغیر ہیئت وتوقیت جانے صحیح جواب دے سکتا ہے، ہرگز نہیں۔"

ملک العلماء اس کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے، بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی (مولانا حکیم سید عزیز غوث صاحب، والد رحمۃ اللہ علیہ کے دوستوں اور رفیقوں میں تھے اعلیحضرت کے ان تلامذہ میں جنہوں نے ان سے فن ہیئت وتوقیت سیکھی۔ جب والد صاحب، اعلیحضرت کی تصانیف ومسودات کی تبییض کے سلسلے میں بریلی میں مقیم تھے، میں علی گڑھ سے انکی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ ایک بار جب وہ حکیم صاحب سے ملنے گئے تو میں ساتھ تھا، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بڑے شفقت سے پیش آئے۔ عمر اس وقت کوئی ساٹھ سال ہوگی۔) فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کردیا، اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کردیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بآسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کرلینا کافی ہے۔" مکتوب مورخہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق

یکم نومبر ۱۹۴۹ء (مکاتیب ملک العلماء قلمی)۔

یہ کتاب جس کا تہدیہ انہوں نے اپنے مخلص دوست استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) بانی جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے نام کیا ہے، حاجی محمد ظہور نعیمی کے زیر اہتمام اہلسنت برقی پریس مراد آباد سے جنوری ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

(۴۸) جواھر البیان: ۱۳۳۳ھ (تاریخ)

سیرت سرکار اعظم رضی اللہ عنہ پر علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی (متوفی ۹۷۳ھ) کی تصنیف الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان کا اردو ترجمہ جو حاجی محمد لعل خاں صاحب قادری برکاتی رضوی کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔ اس کا پہلا ایڈیشن انہی کے مطبع اہلسنت و جماعت زکریا اسٹریٹ کلکتہ سے ۱۳۳۳ھ میں یا اس کے کچھ بعد نکلا۔ اصل نسخے کے آخر میں حاجی لعل خاں صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی چند اوراق میں مترجم کتاب کی سوانح عمری بھی ہے جو کسی وجہ سے شائع نہیں ہوسکی۔ ملک العلماء اور حاجی صاحب کے بہت گہرے تعلقات اور دیرینہ مراسم تھے۔ اس لئے یہ مستند سوانح حیات ہے جس میں ۱۳۳۳ھ تک کے حالات درج ہیں اور ان کی تصانیف کی فہرست بھی۔ دوسرا ایڈیشن ۱۱۷ صفحات پر مشتمل بھی ضرور شائع ہوا جیسا کہ مسودہ مصنف پر کسی مطبع کے کاپی نویس کے اشاروں سے ظاہر ہوتا ہے لیکن سال و مقام طباعت کے متعلق مجھے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ تیسرا ایڈیشن پاکستان سے غالباً مکتبۂ نوریہ رضویہ گلبرگ، لائل پور نے چھاپا، اسی طباعت کا عکسی اڈیشن استانبول، ترکی سے حسین علیمی بن سعید استانبولی نے ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں شائع کیا جو علمائے احناف کی تصانیف ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر بغیر کسی قیمت کے تقسیم کرتے ہیں۔

(۴۹) گنجینۂ مناظرہ: ۱۳۳۴ھ (مناظرہ)

کلکتہ کے ایک عالم مولوی ولی اللہ صاحب نے ۱۳۳۴ھ میں حنفیوں کو مناظرے کا چیلنج دے رکھا تھا۔ حاجی محمد لعل خاں صاحب مدراسی نے فاضل بریلوی کو لکھ کر مولانا ظفر الدین قادری کو مناظرے کے لئے بلوایا۔ اس رسالے میں اسی کی روداد ہے جسے حاجی عبد الرحمٰن ڈواری نے کلکتہ سے اسی زمانے میں شائع کیا۔ یہ رسالہ اب نایاب ہے۔

(۵۰) مؤذن الاوقات: ۱۳۳۵ھ (توقیت)

ہندوستان کے لئے ۱۲ درجہ عرض سے ۳۴ درجہ عرض تک ۲۳ رسالوں کو مرتب کرنے کی ضرورت تھی۔ مصنف نے دس رسالے مرتب کردیئے تھے جن میں کلکتہ، بہار شریف، گوالیار، بریلی اور نینی تال کے رسالے شائع ہوچکے ہیں۔ بقیہ غیر مطبوعہ ہیں۔ کلکتہ کے لئے رسالہ حاجی محمد لعل خاں نے کلکتہ سے شائع کیا، بہار شریف کے لئے رسالے کے دس بارہ ایڈیشن نکلے اور مؤذن الاوقات برائے بریلی اور نینی تال مولوی حسنین رضا خاں قادری نے مطبع حسنی بریلی سے ۱۹۴۷ء میں شائع کیا۔

(۵۱) عافیہ: ۱۳۳۵ھ (صرف)

علم صرف میں ایک مقبول و عام پسندیدہ تصنیف، میزان سے شافیہ تک کے سب مسائل کو جامع۔ مطبع حسنی واقع آستانۂ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ صفحات ۶۰

(۵۲) سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون: ۱۳۳۸ھ (اخلاق)

علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی شرح الصدور فی شرح حال الموتیٰ فی القبور کا اردو زبان میں ترجمہ جو اواخر ۱۳۳۸ھ میں تمام ہوا، رجب ۱۳۴۶ھ میں

مصنف کے دوستوں مولوی نعیم الحق ساکن منیر شریف ضلع پٹنہ اور حکیم محمد ہاشم کی فرمائش پر چند ضروری مسائل بطور تتمہ کا اضافہ کیا گیا۔تاریخ تکمیل ۲۵رجب المرجب ۱۳۴۶ھ میں صفحات ۹۷ بخط مصنف محفوظ،دوسرا نسخہ مع اضافہ صفحات ۱۱۲ بھی کتاب خانے میں محفوظ ہے۔

یہ رسالہ،والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رحلت کے بعد ان کے جاں نثار معتقد و مسترشد حافظ عبدالحفیظ اشرفی صاحب صدر مدرس مدرسۂ ادارۂ شرعیہ پٹنہ نے ربیع الاول شریف ۱۴۰۳ھ میں پٹنہ سے شائع کر دیا ہے،لیکن وجہ تالیف و ترجمہ پر مشتمل اوراق جو ضروری تھے،حذف کر دیئے گئے ہیں۔

(۵۳)جامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری:۱۳۴۵ھ(حدیث)

اس کا ذکر آگے آئے گا۔

(۵۴)دلچسپ مکالمہ:۱۳۴۷ھ(نصائح)

دینی و اخلاقی مسائل پر مشتمل بعض موضوعات مصنف کے ذہن میں تھے جن پر وہ رسائل لکھنا چاہتے تھے،ان میں ایک اہم مسئلہ عقد بیوگان کا تھا۔۱۹۲۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان بیوہ عورتوں کی تعداد ۴۵رلاکھ سے زیادہ ہے۔ان میں سے بیشتر غربت و پریشانی میں زندگی گزار رہی تھیں۔ ۳۱ء کی مردم شماری میں تعداد ۵۰رلاکھ سے زائد ہوگئی ہوگی،پہلے انہوں نے ۱۳۴۵ھ میں زواج الایامیٰ لکھی،جس کا کوئی نسخہ مجھے نہیں مل سکا،پھر بہت عام فہم زبان میں قصے کے طور پر،کہ کم تعلیم یافتہ عورتیں بھی دلچسپی سے پڑھ سکیں،انہوں نے یہ رسالہ لکھا۔جس کا نام تدبیر اکثریت ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۴۷ھ میں برقی پریس،سبزی باغ،بانکی پور پٹنہ سے شائع ہوا(صفحات ۳۹)اور دوسرا ایڈیشن بھی اس مطبع سے سید منظر علی ندوی کے زیر اہتمام ۱۳۵۵ھ/جنوری ۱۹۳۷ء میں نظر ثانی کے بعد اشاعت پذیر ہوا (صفحات ۳۳)

(۵۵)تنویر السراج فی ذکر المعراج:۱۳۵۳ھ(سیرت)

جلسۂ رجبی شریف کے سلسلے میں واقعات و حقائق معراج پر ایک سلسلہ تقاریر،رسالے کی شکل میں۔یہ رسالہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں شروع ہوا اور ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء کے بعد کوئی پندرہ سال جاری رہا۔ساری تقریریں غیر مطبوعہ ہیں،صرف جلسۂ یازدہم (رجب ۱۳۶۴ھ) کی تقریر مولوی عبدالرتضیٰ سید محمد شمس الضحیٰ عظیم آبادی کے زیر اہتمام رضوی دارالکتب سرائے سلطان لاہور نے تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کی۔یہی رسالہ ذکر معراج کے نام سے ادارۂ روضۃ المعارف گھوسی اعظم گڑھ نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا۔

(۵۶)نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب:۱۳۵۴ھ(فقہ)

تمنا عمادی مجیبی پھلواروی کے چار سوالوں کے جواب میں تصنیف کیا گیا تھا۔سوالات یہ تھے:(۱) ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں،اگر ہے تو وہ کیا ہے؟(۲) آپ کے اور خلفائے راشدین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی معمول یا دستور تھا یا نہیں؟(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اہل بیت و اصحاب میں سے جو وفات پاتے گئے مثلاً حضرت خدیجۃ الکبریٰ،حضرت رقیہ،حضرت ام کلثوم،حضرت خبیب، حضرت حمزہ،حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و حنین و تبوک وغیرہا،ان کے لئے آپ خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ کرام یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟اگر کیا تو کس

طریقے سے؟اور ایک بار کیا یا بار بار کرتے تھے۔(۴) فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا لکھا ہے یا نہیں اگر لکھا ہے تو وہ کیا ہے؟اور خود حضرت امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

اس استفتاء کے جواب میں مصنف علام نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کرکے شائع کیا کہ عام مسلمان اس سے مستفید ہوں، پہلے سوال کے جواب میں کوئی بیس صفحوں میں وہ طریقے ایصال ثواب لکھے گئے جو سلفاً خلفاً مسلمانوں میں شائع ومروج ہیں۔دوسرے سوال کے جواب میں ۶۴ صفحات میں حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں ایصال ثواب کے ۲۵ طریقے احادیث قولی وفعلی اقوال علمائے کرام سے صراحۃً ودلالۃً ثابت کئے، نیز مزید تائید وتقویت کے لئے علماء ومشائخ کے تعامل وتوارث کا تفصیل سے ذکر کیا گیا،اسی طرح تیسرے سوال کا جواب ۹ صفحوں میں اور چوتھے سوال کا جواب دس میں مفصل طور پر دے کر مستفتی کے سارے شبہات کے ازالے کی کوشش کی گئی۔یہ کتاب پہلی بار پٹنہ سے شائع ہوئی اور دوسری بار روضۃ المعارف گھوسی ضلع اعظم گڑھ سے اشاعت پذیر ہوئی،اب یہ بھی کمیاب ہے۔ملک العلماء کے ایک مکتوب بنام مولوی سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی مدرسہ حزب الاحناف لاہور (مورخہ ۱۰ر جنوری ۴۵ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ نصرۃ الاصحاب کا مسودہ چھپوانے کے لئے انہوں نے لاہور بھیجا تھا،۲۳ر جون ۱۱ر رجب ۶۴ء کے خط میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔

(۵۷) مشرقی اور سمت قبلہ: ۱۳۵۸ھ (ہیئت)

خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ خاں مشرقی (۱۸۸۸ء۔۱۹۶۳ء) کے رسالہ مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹ کے رد میں ایک رسالہ ۱۹۳۹ء میں مشرقی کا غلط مسلک سپرد قلم ہوا تھا۔یہ رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے دو شماروں (جنوری وفروری ۱۹۴۰ء) میں مشرقی اور سمت قبلہ،کے عنوان سے چھپ گیا ہے۔

(۵۸) سدّالفرار لمہاجری بہار: ۱۳۶۶ھ (نصائح)

یہ رسالہ ہجرت بنگال کے نام سے مشہور ہے۔۱۹۴۶ء میں بہار کے شرپسند ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ جس بربریت،بہیمیت اور درندگی کا ثبوت دیا،اس سے مسلمان پریشان ہوکر خاصی تعداد میں بنگال سندھ جانے لگے،مصنف نے اس رسالے میں اس بھگدڑ کو روکنے کی اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ ہجرت نہیں فرار ہے،یہ نہ جانے والوں کے لئے مفید ہے نہ ان لوگوں کے لئے جنہیں وہ چھوڑ کر جارہے ہیں۔پھر جن صوبوں میں وہ جارہے ہیں وہاں کی حکومتوں پر بڑا بار پڑیگا اور وہاں کے مقامی لوگوں کا بھی التفات اگر آج نہیں تو کل کم ہوجائے گا،بلکہ وہ آہستہ آہستہ ان مہاجروں سے،جب ان کے مفاد پر اثر پڑنا شروع ہوگا،بیزار ہونے لگیں گے۔انہوں نے آخر میں تحریر کیا کہ "آپ خوف اور ہراس سے بھاگ کر اپنے اسلاف کے کارناموں پر پانی پھیر رہے ہیں،اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار کر رہے ہیں،مسلمانوں کو جو یہاں اقلیت میں ہیں ان کو اقلیت دراقلیت میں مبتلا کر رہے ہیں۔کیا آپ کی غیرت اس کی متقاضی ہے کہ آپ کے آباء واجداد نے تو دارالکفر میں آکر اسلام کا چراغ روشن کر کے خدا کے یہاں سرخروئی حاصل کی تھی،آپ اپنے اس فعل سے دارالاسلام سے اسلام کا چراغ بجھا کر اس کو دارالکفر بنارہے ہیں۔ کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ وہ مساجد جہاں آپ اور آپ کے آباؤ اجداد اپنی پیشانیاں گھسا کرتے تھے ان کو ویران کرکے چھوڑ جائیں۔کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے

کہ بزرگوں کے مزارات جن پر آپ سندل لگا کر اور چادر چڑھا کر اپنی سعادت اور قلب وایمان کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ آپ بھاگ کران کو کفار ومشرکین کی پامالی اور تذلیل کے لئے چھوڑ جائیں کہ ان کے جانور انہیں ناپاک کریں"!

یہ رسالہ ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۶۶ھ کو تحریر کیا گیا اور اسی مہینے پٹنہ میں دوہزار کی تعداد میں چھپوا کر دور دور تک تقسیم کرایا گیا۔ مطبوعہ لیتھو آرٹ پریس دریاپور پٹنہ۔ صفحات ۳۳۔

(۵۹) چودھویں صدی کے مجدد: ۱۳۶۷ھ (تاریخ)

اس رسالے میں حدیث شریف ان اللّٰہ تعالیٰ یبعث لھٰذہ الامة علیٰ رأس کلّ مئة سنة من یجدّد لھا دینھا کی صحت کی تصریح سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، معارفة بیہقی، جامع صغیر سیوطی، مسند بزاز، معجم طبرانی، کامل ابن عدی اور حلیۂ ابونعیم سے کرنے کے بعد ابوالفضل عراقی اور ابن حجر کے اقوال سے اس حدیث کی مزید توثیق کی گئی ہے، پھر تجدید دین کا مفہوم واضح کرنے کے بعد مجدد کے اوصاف، مجدد کے اقسام اور مجدد کی شناخت بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ایک تحریر کے حوالے سے ابن حجر عسقلانی کے رسالہ الفوائد الحجة فی من یبعثه الله لھٰذہ الامة اور سیوطی کی اسی موضوع پر ایک تصنیف سے دسویں صدی ہجری تک کے مجددین کے اسمائے گرامی درج کیے ہیں۔ مصنف علام نے گیارہویں صدی کے مجددین میں حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی (متوفی ۱۰۳۴ھ)، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ)، میر عبدالواحد بلگرامی (متوفی ۱۰۱۷ھ)، بارہویں صدی کے مجددین میں سلطان دین پرور ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر (متوفی ۱۱۱۷ھ)، حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی (متوفی ۱۱۴۳ھ)، قاضی ملک محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) کے اسمائے گرامی لکھے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۱۴/۱۱۷۶ھ) کو کچھ اصحاب بارہویں صدی کا مجدد کہا ہے۔ لیکن تردد یہ ہے، کہ مجدد کی ایک صفت یہ کہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول میں کے افاضہ وافادہ کا شہرہ ہو، حمایت دین ونکایت مفسدین میں موصوف ومشہور ہو۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت علمی صدی میں ہوئی، نہ کسی صدی کا آخر پایا نہ کسی صدی کا آغاز، لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقام ومرتبت کی عظمت وجلالت ظاہر ہے، اسی لئے انہوں نے لکھا ہے کہ: "پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ صدی کے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہو جو مجدد سے افضل ہو، لیکن مجدد جب ہوگا، رأس المئة پر ہوگا" مصنف علام، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۵۹۔۱۲۳۹ھ) سے بہت متاثر ہیں لکھتے ہیں: "البتہ مجدد مئۃ ثالث عشر، ان (شاہ ولی اللہ) کے فرزند دلبند وشاگرد رشید ومرید ومستفید وخلیفہ وجانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس لئے کہ مجدد کی ساری صفات ان میں پائی جاتی ہے۔ وہ بارہویں صدی کے آخر میں صاحب علم وفضل وزہد وتقویٰ، مشہور دیار واطراف تھے اور تیرہویں صدی کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمت درس وتدریس، افتاء وتصانیف، وعظ وپند، حمایت دین ونکایت مفسدین میں صرف اوقات فرماتے رہے"۔

چودہویں صدی کے مجدد، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی ہیں "جنھوں نے تیرہویں صدی کے ۱۸ سال پائے اور علم وفنون، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتقریر میں مشہور دیار وامصار ہوئے اور چودہویں صدی کے ۳۹ سال پائے جس میں حمایت دین ونکایت مفسدین، احقاق حق وازہاق باطل

اعانت سنت واماتت بدعت میں جان ومال، علم وفضل صرف کیا، اور جس طرح بنا، ہمیشہ شرع ومذہب کی نصرت اور مخالفین دین متین کا ردّوطرد کیا، اور اس میں کبھی نہ لومۃ لائم کی پروا کی اور نہ کسی بڑی شخصیت کا خیال آڑے آیا۔ نہ کبھی شہرت ومدح کی پروا کی، نہ کسی طعن وقدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی"۔ پھر مصنف نے ذیلی عنوانات امام احمد رضا کا علمی مقام، امام احمد رضا مرجع العلماء، وعظ کی ہمہ گیری، حق وصداقت کا کوہ بلند کیا، حقیقت تبلیغ قائم کر کے مزید توضیح کی ہے۔ انہوں نے پھر ہندوستان کے ان ۱۲۷ اہم علمی شہرت رکھنے والے علمائے عرب وعجم کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں جو فاضل بریلوی کو اس صدی کا مجدد مانتے تھے۔ آخر میں علامۂ جلیل حضرت سید اسمٰعیل خلیل مکی کی تحریر کا ایک حصہ نقل فرمایا ہے:

کیف لاوقد شهد له عالمو امكة بذلک ولم يكن بالمحل الا رفع لما وقع منهم ذلک' بل اقول: لوقيل فی حقه انه مجدّد هذاالقرن لكان حقاوصدقاً ع

وليس على اللّه بمستنكرا أن يجمع العالم فی واحد

"اخبار دبدبۂ سکندری رامپور نے چھ قسطوں میں (۳۰ راپریل ۴۵ء تا ۱۱ راکتوبر ۴۸ء) اس مضمون کو شائع کیا تھا، پھر مولانا جلال الدین قادری رضوی کی تقدیم وتحشیے اور پروفیسر محمد مسعود احمد کی تمہید کے ساتھ مکتبۂ رضویہ لاہور سے ۱۹۸۰ء میں رسالے کی شکل میں شائع ہوا۔

(۶۰) حیات اعلیٰحضرت: ۱۳۶۹ھ (سیرت)

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالات زندگی پر ان کی رحلت کے ۱۷ رسال بعد تک بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی سوانح حیات اور انکی علم کارناموں پر ایک کتاب لکھنے کا ڈول ڈالا۔ بریلی اور دوسرے مقامات پر اعلیٰحضرت کے اعزہ وتلامذہ ومعتقدین کو خطوط لکھے کہ ان کے پاس جو کچھ معلومات یا تحریرات ومکاتیب اس سلسلے میں ہوں ان سے آگاہی بخشیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف مولوی سید ایوب علی قادری بریلوی (متوفی ۱۹۷۰ء) نے جو والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے مخلص دوستوں میں تھے اور اعلیٰحضرت کے مسترشد اور گہرے عقیدت مند، تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔ نہ صرف یہ کے دوسروں سے بھی کچھ لکھوا کر بھیجا، بلکہ ان کے پاس جو معلومات تحریری شکل میں تھے وہ بھی پیش کر دیئے یہ مفید معلومات ان اصحاب کے حوالے سے کتاب میں درج کئے گئے ہیں۔ ملک العلماء کے ایک مکتوب (مورخہ ۵ رشوال ۱۳۶۴ھ ۱۳ رستمبر ۱۹۴۵ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزاری باغ (بہار) کے ایک صاحب جناب خورشید احمد، آفتاب ہدایت کے نام سے اعلیٰحضرت کی سوانح حیات مرتب کرنے کی فکر میں تھے۔ خورشید احمد صاحب یا ان کی کتاب کے بارے میں پھر کوئی اطلاع نہیں ملی غالبًا کتاب مرتب اور شائع نہیں ہوسکی۔ ۱۲ رسال کی محنت کے بعد یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوگئی، اس کی ابتدا ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں ہوئی اور اختتام ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۱ء میں۔ باعتبار ختم تالیف تاریخی نام مظہر المناقب تجویز ہوا۔ جلد اول کا مبیضہ ۲۱ رشعبان المعظم ۱۳۶۹ھ کو مکمل ہوا۔ یہ جلد مولوی سید ایوب علی مرحوم کی توجہ سے مکتبۂ رضویہ کراچی سے جولائی ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی، باقی جلدیں ابتک اشاعت پذیر نہ ہوسکیں۔ چاروں جلدوں کا مبیضہ بخط مصنف مولانا محمود قادری صاحب (خانقاہ قادریہ اشرفیہ، بھوانی پور، ضلع مظفر پور، بہار) کوئی بیس سال ہوئے اشاعت کے

مکمل معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔

(۶۳) ظفر الدين الطيب: (مناظرہ)

یہ رسالہ ظفر الدین الجید کی اشاعت کے بعد مرتب ہوا جیسا کہ مصنف کی ایک تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۶۴) اصلاح الایضاح: (فقہ)

اس رسالے کے کچھ اوراق دستیاب ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی رسالہ ایضاح کے رد میں ہے۔ اس کی ابتدائی سطریں یہ ہیں:

"میں اس تحریر کو گیارہ حصوں: ایک تمہید، نوفصول اور ایک خاتمے پر ترتیب دیتا ہوں اور ازآنجا کہ یہ رسالہ مولوی صاحب کے رسالہ ایضاح کی اصلاح ہے اس لئے اس کا نام اصلاح الایضاح رکھتا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو عام مسلمان بھائیوں کے لئے نافع اور مولوی صاحب کے اوہام کا دافع بنائے۔ ويجعل ذالک خالصاً لوجهه انه علىٰ مايشاء قدير وصلى الله تعالىٰ على البشير النذير و آله وصحبه اجمعين"۔

ان مولوی صاحب کا نام کہیں مذکور نہیں ہوا، صرف یہ لکھا ہے کہ مدرسۂ عزیزیہ بہار شریف ضلع پٹنہ کے مدرس اول ہیں۔ مدرسۂ عزیزیہ صوبۂ بہار کے ایک مردم خیز قصبہ بہار شریف (جہاں حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع ہے میں جواب ضلع بن گیا ہے، واقع ہے۔ یہ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے بعد اس صوبے کی مشہور اور قدیم درسگاہ ہے، اور اب بھی اسی جگہ اسی قدیم عمارت میں واقع ہے۔ یہ حکومت کے مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ مسئلے کا تعلق کتاب النکاح سے ہے۔

(۶۵) مجموعۂ فتاویٰ: (فقہ)

فتاویٰ کی ایک اور جلد مل گئی ہے۔ اس کی سات ابتدائی سطریں ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھی ہوئی ملتی ہے۔ حمد ونعت کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"فقیر بارگاہ رضوی محمد ظفر الدین بہاری مہجوری قادری برکاتی غفرله مامضى وماسياتى ملتمس کہ یہ چند استفتا مع جوابات ہیں جو بزمانۂ قیام بریلی شریف سائلوں کے جواب میں لکھے گئے۔ عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق بخشے اور اس سے مسلمانوں خصوصاً حنفی بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔ وما ذلک على الله بعزيز وهو حسبى ونعم الوكيل"۔

یہ پورا مجموعہ مجھ کم سواد کا، نوعمری کے زمانے کا نقل کیا ہوا ہے جب عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں زیر درس تھیں اور ہنوز مدرسے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ابتدائی صفحات میں جابجا ملک العلماء کے قلم سے اصلاحات ہیں، اور جہاں الفاظ وفقرات مجھ سے نہیں پڑھے گئے تھے اور جگہ سادہ چھوڑ دی تھی، یا کچھ عبارات سہواً مجھ سے چھوٹ گئے تھے، وہاں مفتی علام نے اپنے قلم سے درست کردیئے ہیں، یا اضافہ کردیئے ہیں۔ پہلا استفتا حافظ عبد الکریم اعظم گڑھ کا ہے۔ جس پر تاریخ ۲۵ رمحرم الحرام ۱۳۲۳ھ درج ہے۔ استفسارات ۲۳ھ اور ۲۴ھ کے ہیں۔ آخر میں ایک استفسار اور اس کے جواب کی نقل بھی راقم الحروف کے قلم سے ہے، جو ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۵۹ھ کا تحریر کردہ ہے۔ دوسرا غلام دستگیر خاں صدر جمعیت اہلسنّت والجماعۃ بنگلور جنوبی ہند کے جواب میں ۱۲ ربیع الثانی ۶۹ھ مطابق ۳۱ رجنوری ۵۰ء کا تحریر کردہ ہے۔ یہ اعزہ میں کسی کا نقل کردہ ہے۔ صرف آخری دو استفتاء اور ان کے جوابات بعد کے ہیں ورنہ پورا مجموعہ ۲۳ھ اور ۲۴ھ کے فتاوٰوں پر مشتمل ہے۔

یہ اس زمانے کی تحریرات ہیں جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فارغ التحصیل نہیں ہوئے تھے، درس لے رہے تھے اور اعلیٰحضرت سے فتویٰ نویسی سیکھ رہے تھے۔ اس مجموعے میں دو تین مختصر فتاوے اعلیٰحضرت کے لکھے ہوئے بھی ملتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اصل مسودات جن سے پچاس ساٹھ سال پہلے میں نے یہ نقل تیار کی تھی، تلاش کے باوجود نہیں ملے۔ کتب خانہ افسوس ہے کہ ایک جگہ جمع نہیں رہ سکا۔

اعلیٰحضرت کے خلیفہ اور ملک العلماء کے قریبی دوست حاجی محمد لعل خاں صاحب کلکتہ نے مختصر سوانح حیات لکھی تھی جو الجواھر البیان فی ترجمہ خیرات الحسان کے آخر میں چھپنے والی تھی۔ کتاب تو حاجی صاحب نے کلکتہ سے ۱۹۱۹ء میں شائع کردی لیکن مترجم کے حالات زندگی کسی وجہ سے شائع نہیں ہوسکے۔ یہ اس نسخے کے آخر میں موجود ہے جو کلکتہ کے کاتب مطبع کے پاس رہا ہے۔ آخری صفحے پر تصانیف کی فہرست ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ تک (جب وہ مدرسۂ کبیریہ سہسرام کے سربراہ تھے) ۳۵ کتابیں تصنیف و تالیف کرچکے تھے۔ ان میں حسب ذیل تین کتابوں کے نام درج ہیں، جن کا ذکر کہیں اور نہیں ملا۔

(۶۶) التحقیق المبین لکلمات التوبین: ۱۳۳۰ھ

(۶۷) اطیب الاکسیر فی علم التکسیر: ۱۳۳۰ھ یہ رسالہ نمبر (۴۰) کا ممکن ہے نقش اول ہو۔

(۶۸) ندوۃ العلماء: ۱۳۳۸ھ

(۶۹) رسالہ:

ملک العلماء کے ایک علمی و دینی رسالے کا مسودہ ان کی رحلت کے بعد بعض اعزہ کو کتب خانے میں ملا تھا۔ یہ رسالہ جامعۂ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہونے والے رسالۂ اشرفیہ میں شائع ہوگیا تھا۔

یہاں ملک العلماء کے مرتب کئے ہوئے ایک اور رسالے کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا۔

(۷۰) جامع الاقوال فی رویۃ الھلال: ۱۳۵۷ھ (فقہ)

مسئلہ رویت ہلال، اختلاف مطالع طریق موجب علم اعتبار خطوط و تار وغیرہ میں علمائے سابق و حال کے بتیس فتویٰ کا نایاب مجموعہ۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ، تین فصول اور ایک خاتمے پر مرتب ہے۔ فصل اول میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کا غیر مطبوعہ رسالہ طرق اثبات الھلال ۱۳۲۰ھ جس کی نقل ملک العلماء کے پاس تھی اور جو ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے، پیش کیا گیا ہے۔ فصل دوم میں علمائے سابقین کے مطبوعہ فتاووں سے اختلاف مطالع و طریق موجب خطوط و تار کے متعلق استفسارات کے اور ان کے ارشادات درج کئے گئے ہیں اور فصل سوم میں علمائے عصر سے استفتا کے جوابات ہدیۂ ناظرین کئے گئے ہیں۔ خاتمہ میں شکریہ و شکایت ہے اس میں استاذی حضرت مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۵۸ھ) سابق استاذ تفسیر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے رسالہ احسن المقال فی رویت الھلال (پٹنہ ۱۳۵۷ھ) کا علمی رد ہے اور آخر میں معاصرانہ چشمک اور قدیم رفاقت و بے تکلفی کی وجہ سے کچھ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا تھا۔ اس کا دلچسپ جواب ان کی رحلت کے بعد ان کے صاحبزادے اور میرے بزرگ دوست مولانا سید احمد عروج قادری مرحوم (متوفی ۱۹۸۶ء) نیا سے دوبارہ پٹنہ سے ۱۳۶۶ھ میں چھاپا، تو انہوں نے انھی کے لفظوں میں "پہلی اشاعت کی وہ تمام عبارتیں، جو وقتی تھیں اور اصل موضوع سے ان کا کچھ تعلق نہ تھا، اس اشاعت میں نکال دی ہیں"۔

جامع الاقوال کا مسودہ بخط ملک العلماء کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ بعض وجوہ کی بنا پر یہ رسالہ شاہ محمود حسین (عرف شاہ بودا) برادر شاہ حامد حسین سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ مطبوعہ شمسی پریس گور ہٹہ پٹنہ سٹی ۱۳۵۷ھ۔ صفحات ۱۹۱۔

مولانا محمود احمد قادری (مصنف تذکرۂ علمائے اہلسنت) نے ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں چار قسطوں میں ایک مضمون ملک العلماء کی خدمت حدیث پر ۱۹۷۹ء میں شائع کیا تھا۔ مجھے اس کی صرف دو قسطیں دیکھنے کو ملیں۔ اس میں انہوں نے ملک العلماء کی کل تصانیف کی تعداد ایک سو ساٹھ لکھی ہے۔ مجھے فی الحال ان کی انھی تصانیف کا علم ہو سکا جن کا ذکر اوپر گزرا۔

اب کچھ ذکر اس کتاب کا ہوتا ہے، جو ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم ہے اور جس پر عمر کا بڑا حصہ انہوں نے صرف کیا ہے۔

صحیح البھاری :

ہندوستان کے مدارس اسلامیہ میں عام طور پر صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح اور بلوغ المرام وغیرہ کا درس دیا جاتا ہے، درس نظامی میں بھی یہی کتب احادیث رائج ہیں۔ ان کے مؤلفین شافعی المسلک ہیں اور ان کتابوں میں زیادہ تر وہی احادیث ملتی ہیں جو شافعی مسلک کی موید ہیں۔ ان میں "مختلف فیہ مسائل کے متعلق وہی روایات درج کی گئی ہیں، یا ان کو ترجیح و تقدیم دی گئی ہے جو ان محدثین کے مسلک کی موید تھیں۔ مختارات مذہب حنفی کی بنیاد جن اخبار و آثار پر ہے ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا کیا گیا تو رد و انکار کے ساتھ" شرحیں اور حواشی بھی انھی کتابوں کے لکھے گئے اور کچھ اردو ترجمے بھی ہوئے تو انھی کتب حدیث کے۔ اس طرح غیر منقسم ہندوستان میں کئی صدیوں تک شافعی علماء کے تیار کردہ احادیث کے مجموعوں کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی۔

گیارہویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) شاید پہلے حنفی عالم ہیں جنھوں نے مسلک احناف کی تائید میں ایک مجموعہ احادیث فتح المنان فی تائید مذھب النعمان کے نام سے مرتب کیا۔ اس کے بعد علامہ سید مرتضی زبیدی بلگرام (۱۱۴۵۔۱۲۰۵) نے عقود الجواھر المنیفہ فی ادلۃ امام ابی حنیفہ تصنیف کی۔ یہ دونوں رسالے مسلک حنفی کی تائید میں لکھے گئے۔

خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں جو پہلا مجموعۂ احادیث مرتب ہوا وہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸۔۱۳۲۲ھ) کی آثار السنن ہے۔ یہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں ۱۱۱ر صفحات پر قومی پریس لکھنو میں چھپی، افسوس کہ یہ مکمل نہ ہو سکی، کتاب کا خاتمہ باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اچانک ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد کے ابواب وہ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن بوجوہ اس میں میں تاخیر ہوتی گئی، تا آں کی مؤلف کی وفات ہو گئی۔ یہ مختصر سی کتاب علمائے احناف میں قدر کی نظر سے دیکھی گئی اور میری طالب علمی کے زمانے میں بہار کے مدارس میں ہمارے درس میں شامل تھی، ممکن ہے، کہیں کہیں اب بھی پڑھائی جاتی ہو۔

یہ دیکھ کر کہ یہ مختصر سی کتاب ہے اور اس سے احناف کی ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے، ملک العلماء فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا، جو موید مسلک اہلسنت و احناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ و مصدر۔ انھوں نے وہ تمام روایات جمع کیں، جن پر مذہب حنفی کی

عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو، جن کی سند واستشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو۔

ملک العلماء نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا خاصا حصہ صرف کیا ہے۔ فقہی ابواب کی ترتیب پر، انھوں نے اُسے چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کا نام الجامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری (جلد اول (کتاب العقائد) کے اس نسخہ پر جو بخط مصنف محفوظ ہے، جلی قلم سے نام سنن الرضوی لکھا ہوا ہے، ممکن ہے پہلے یہی نام رکھا ہو، لیکن جب کام زیادہ پھیلا تو ''سنن'' پر'' جامع'' کو ترجیح دیکر مؤلف علیہ الرحمہ نے نام الجامع الرضوی رکھ دیا ہو۔ جلد اول کا مسودہ بخط مؤلف رحمۃ اللہ علیہ راقم کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ صفحات ۲۶۱، سطور ۲۱ فی صفحہ۔ اس میں تقریبا ۶۰۰ ابواب ہیں۔ اور احادیث کی تعداد کا تخمینہ ۳۰۰۰ کے قریب ہے۔ اس جلد کی ترتیب کی ابتداء ۲۷ر جمادی الاولی ۱۳۴۱ھ کو ہوئی۔) رکھا ترتیب اس طرح تھی۔ جلد اول: کتاب العقائد۔ جلد دوم: کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ۔ جلد سوم: کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم، جلد چہارم: کتاب النکاح تا کتاب الوقف۔ جلد پنجم: کتاب البیوع تا کتاب الغضب۔ جلد ششم: کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض۔ ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مرتب کرنے کا خیال تھا۔ جلد اول یعنی کتاب العقائد میں اختلافی مسائل تھے اس لئے اسے پہلے نہ شائع کرکے دوسری اور تیسری جلد جو طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج پر مشتمل تھی شائع کرنے کا منصوبہ فاضل مؤلف نے بنایا، اس لئے کے عام مسلمانوں کو ان مسائل کی واقفیت کی زیادہ ضرورت ہے۔

صحیح البھاری کی جلد دوم جو طہارت وصلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے، آسانی کے لئے چار حصوں میں شائع کی گئی پہلا حصہ یعنی کتاب الطہارت ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۲۳۴ احادیث درج ہیں۔ یہ حصہ شیخ غفور بخش کے ابوالعلائی الکٹرک پریس آگرہ سے ۱۹۳۱ء میں چھپا۔ بقیہ تین حصے جو کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہیں۔ سید منظر علی دسنوی کے برقی پریس، سبزی باغ پٹنہ سے ۱۹۳۲ء میں چھپنے شروع ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں اختتام پذیر ہوئے۔ دوسرا حصہ ۲۸۸ صفحات پر مکمل ہوا، اس میں ۲۰۶۸ حدیثیں ہیں۔ تیسرے حصے کے صفحات ۲۱۶ ہیں اور حدیثوں کی تعداد ۲۱۳۶ ہے۔ چوتھے حصے کے صفحات کی تعداد ۲۳۹ ہے اور یہ ۱۸۴۹ احادیث پر مشتمل ہے۔ مکمل جلد کے صفحات ۹۶۰ ہیں اور احادیث کی مجموعی تعداد ۹۲۸۷ تک جا پہنچتی ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں صحیح البھاری کی مطبوعہ جلد تقریبا ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

مقدمہ جو ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ہر طرح قابل قدر ہے۔ اس میں اصول حدیث کی ضروری فوائد ۳۲ فصلوں میں لکھے گئے ہیں جن میں نہایت قیمتی علمی معلومات درج ہیں۔ جن کا جاننا حدیث شریف کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے بیحد ضروری ہے۔ مقدمہ تحریر کرتے وقت مؤلف علام کے پیش نظر اصول حدیث کی امہات کتب تھیں لیکن سب سے زیادہ استفادہ انھوں نے اعلیحضرت کے ان تفردات سے کیا ہے جنھیں برسوں پہلے انھوں نے بڑی توجہ وانہماک سے جمع کرکے الافادات الرضویہ کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔

صحیح البھاری کی اشاعت کے بعد اسے عظیم الشان علمی ودینی کارنامہ قرار دیا گیا اور ہر مدرسۂ فکر کے لوگوں نے اس کتاب کی پذیرائی کی۔ علماء نے اس پر تقریظات لکھیں، اور علمی ودینی اخبارات ورسائل میں بہت اچھے تبصرے شائع ہوئے اور اس کتاب کی علم حدیث وفقہ حنفی کی بہت مفید خدمت بتائی۔

صحیح البہاری آج سے نصف صدی پہلے شائع ہوئی تھی۔اس کے نسخے کمیاب ہی نہیں اب نایاب ہوگئے تھے دوسری اڈیشن شائع کرنے کی عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی لیکن کلّ امر مرھون باوقاتہ احادیث نبوی کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی سعادت، یعنی بلّغوا عنّی ولو اٰیۃ (بخاری) والے ارشاد گرامی کی تعمیل، پاکستان کے چند عزیز کرم فرما حضرات کے لئے مقدر ہو چکی تھی، جن کی توجہ وعنایت سے یہ کتاب دوبارہ شائع ہوکر منظر عام پر آرہی ہے۔خدا انہیں جزائے خیر دے اور انھیں توانا وتندرست رکھے کہ وہ بدستور دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہیں۔

یہ چند صفحات مصنف علام ملک العلماء فاضل بہار پر (بعض حضرات کی فرمائش پر) جن میں صرف ان کی زندگی اور تصانیف پر گفتگو کی گئی ہے، ارتجالاً لکھ دیئے گئے ہیں، یہ اوراق انشاء اللہ ایک مکمل سوانح عمری کے لئے، جس کی ترتیب واشاعت کی ضرورت ہے، پیش خیمہ ثابت ہونگے۔

☆☆☆

تعزیت نامے

مرسلہ: شہزادۂ ملک العلماء ڈاکٹر پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، سابق صدر شعبۂ عربی مسلم علی گڑھ یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ کے وصال (۱۹؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸؍ نومبر ۱۹۶۲ء) پر ہندو بیرونِ ہند سے میرے نام جو تعزیتی خطوط آئے تھے، ان کا انتخاب رسالۂ الکوثر (سہرام) کے ''ملک العلماء نمبر'' میں شائع ہونے والا تھا۔ اس خصوصی شمارے کے چار پانچ سو صفحات اس کے لائق و فائق ایڈیٹر مولانا ملک الظفر سہسرامی نے کمپوز کرالئے تھے اور اس کے متعدد مضامین میری نظر سے بھی گزرے تھے، پھر کچھ ایسے حالات ہوئے کہ رسالہ بند ہوگیا اور ملک العلماء پر یہ خصوصی نمبر شائع نہ ہوسکا۔ کچھ منظوم و منثور تعزیت نامے مجھے کاغذات میں بعد کو ملے، ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

﴿۱﴾

مکتوب گرامی حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی

سجادہ نشیں آستانہ عالیہ رضویہ، بریلی

بریلی شریف

۲۸؍ رمضان ۱۳۸۲ھ

عزیز مکرم صاحبزادہ مختار الدین احمد صاحب سلمہٗ المولیٰ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ

طالب بخیر بحمدہٖ تعالیٰ پہلے سے اچھا ہے، دو ماہ سے سلسلۂ علالت چل رہا ہے، علاج و پرہیز جاری ہے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظفر الدین صاحب علیہ الرحمۃ کے وصال کی اطلاع فقیر کو تاخیر کے ساتھ اندور میں ملی، سفر میں مجھے آپ کا پتہ یاد نہ تھا اس لئے فوراً تحریری تعزیت نہ کرسکا، پھر کچھوچھہ شریف سے ارادہ تھا کہ پٹنہ حاضر ہوجاؤں مگر وہیں ایک صاحب نے بتایا کہ آپ مکان پر موجود نہیں ہیں اس لئے حاضری ملتوی کردی۔ میں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے مزار شریف پر فاتحہ پڑھنا چاہتا ہوں، تحریر کریں کہ آپ مکان پر کب موجود رہیں گے، میں دس شوال کو ناگپور کا ارادہ کرتا ہوں اس سے پہلے یا بعد کی تاریخ سے مطلع کریں تاکہ میں آپ کے مکان آکر فاتحہ پڑھ سکوں، معالج اگر اجازت دیں گے تو میں سفر کرسکوں گا، مولیٰ عزجلالہٗ آپ کے والد ماجد کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ سب کو صبر جمیل واجر عظیم اور برکات دیں۔

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہٗ

بمطالعہ ساطعہ برادر عزیز صاحبزادہ جناب مختار الدین احمد صاحب سلمہٗ
ظفر منزل، محلہ شاہ گنج، ڈاکخانہ مہندرو، پٹنہ

نجمِ انجمن علم وحکمت، اے سند الاسناد، اے شیخ المشائخ، تو نے اپنی مفارقت سے وہ خلا پیدا کر دیا ہے۔ جس کے متعلق قدرت خداوندی نہیں بلکہ رفتار روزگار کی یہی پکار ہے کہ اس کا پُر ہونا عقلاً نہیں تو عادۃً ضرور محال ہے، غم واندوہ نے آبشار قلب میں کچھ ایسی جنبش دی ہے جس کی نمی چشم وابرو پر تا حد غیر محدود واثر انداز نظر آرہی ہے۔

تیری قومی دینی، تقریری تحریری خدمات کی وہ طویل فہرست ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دور حاضر قاصر ہے۔

دعا ہے کہ تجھے آغوش رحمت باری میں بے پناہ نعمتیں میسر ہوں اور پسماندگان کو صبر جمیل۔ آمین ثم آمین۔

محمد نظام الدین

﴿۴﴾

قطعۂ تاریخ وفات از سید شاہ محمد قائم قتیل رضوی چشتی نظامی

سجادہ نشیں آستانۂ چشتیہ نظامیہ داناپور، پٹنہ

قطعۂ تاریخ وفات حسرت آیات افضل العلماء اکمل الکملا

ملک العلماء، صدر الافاضل علامہ ظفر الدین قدس اللہ سرہٗ

عارف کامل و ولی و فقیہ — شاہ اقلیم علم و تخت نشیں

روشن از آفتاب، تفسیرش — نغز گو، شارح کتاب مبیں

فخر مسلم، بخاری دوراں — نور علم الیقیں عیاں ز جبیں

شمع راہ ھدیٰ، تصانیفش — لوح دل را از اوست نقش یقیں

از صحیح بہاری اش روشن — نام او تا بہ اوج عرش بریں

کاشف باب معنی و افتا — قول او قاطع چناں و چنیں

مصدر خلق و صاحب باطن — لفظ لفظش اساس کشور دیں

قلم او کلید قفل بیاں — کہکشاں سطر، نقطہا پرویں

ندارد شمار تلمیذش — بہرہ یافت زو کہین و مہیں

قادری نسبت خلافت داشت — از بریلی شدہ بہ کنز امیں

باوقار و وجیہ و مصدر فیض — منبع حلم و صاحب تمکیں

چہ توان گفت از کمالاتش — بہ زبان ملک شنو تحسین
شُد بہ بستم جمادی الاُخریٰ — آں سپہر علوم زیر زمیں
قدسیان اشک خوں ز چرخ بریخت — ہمہ سکان فرش اند حزیں
منبع فیض، روح پاکش باد — مرکز رحم، قبراو، آمین
باد فضل خدا بہ اعقابش — قلب مختار را شود تسکیں

بہ ضر تخش قتیل خستہ نوشت
لحد زیب محلہ ظفر الدین
۱۳۸۲ھ

﴿۵﴾

قطعۂ تاریخ وفات از حضرت سید شاہ ابو محمد عبداللہ قادری چشتی

سجادہ نشیں درگاہ قادریہ غوثیہ، عالی کدل سرینگر، کشمیر۔

(۱)

وائے مولانا ظفر کز حکم حق — شد ازیں دنیا حیاتش مختصر
در جُمید دوّمیں رحلت نمود — عالم و فاضل بُدہ بس نامور
در فنونِ علم استادِ زمان — از تصانیفش جہانے بہرہ ور
قادری بود و بہاریُ الوطن — نام نامیّش بعالم مشتہر
مرقدش از رحمت و رضوانِ حق — باد شاداب و معطر تازہ تر

سالِ تاریخش رقم زد ہاتفی
بندۂ آزاد مولانا ظفر
۲ ۸ ھ ۳ ۱

(۲)

از جہاں رفت چو ایں پاک سرشت — ظفر الدین بسوئے دارِ بہشت
بہر تاریخ وفاتش ملہم — شامِ غم از سرِ افسوس نوشت
۱۳۸۲ھ

(۴)

در ماہِ جُمید دوّمیں رفت علّامہ ظفر ز دارِ فانی
تاریخش فیضِ انتہا گفت جبرئیل بگوشِ من نہانی
۱۳۸۲ھ

وائے علامہ زین جہانِ فنا رفت آخرز حکم حق بہ بہشت
سالِ تاریخ رحلتش ہاتف ظفر الدین ادیب مُلک نوشت
۱۳۸۲ھ

﴿۶﴾

قطعۂ تاریخ وفات ازقلم شاہ فدا حسین فدا، لاہور

حضرت والا گہر، ظفر المظفر، مردِ حق
نورِ انوارِ نبی سے ہیں حبیب آسماں

شاہد و ساجد ابد تک نورِ مطلق آپ ہیں
بندگی کی شان، اُن کی زندگیِ جاوداں

دورِ حاضر میں کہاں ہے آپ کا کوئی مثیل؟
عکسِ روئے مصطفےٰ، اے عبقریِ ہر زماں

تو چمن زارِ محمد کا معطّر اک گلاب
جسدِ ملّت میں ہے تو اک موجۂ روحِ رواں

مسلکِ احمد رضا کا آج بھی جاری ہے فیض
آج بھی ازبر ہے مومن کو حدیث دلبراں

ذُخرۂ عقبیٰ ہے ان کا عشقِ ختمی مرتبت
"مرحبا" مرقد پہ پڑھتا ہے ہجوم قُدسیاں

آج ظفرالدین بہاری کا فدا سالِ وصال
کر رقم تو "نائب احمد رضا بدرِ جہاں"
۱۳۸۲ھ

﴿۷﴾

مفتی محمد محبوب علی قادری رضوی، ممبئی

۲؍رجب ۱۳۸۲ھ

فقیر کو علالت میں ہی یہ المناک وروح فرسا خبرِ غم اثر ملی کہ شب دوشنبہ ۲۰؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ کو حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ

محمد ظفر الدین صاحب فاضل بہار علیہ الرحمۃ والرضوان نے دار فانی سے دار باقی کو سفر فرمایا فاناللہ تعالیٰ و انا الیہ راجعون۔ عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیراً منہا انا الیٰ ربنا راغبون۔ کیا کہوں قلب کی کیا کیفیت ہوئی۔ دل کو سنبھالا اور پانچ قرآن عظیم اور درود شریف و دیگر اوراد کا ثواب "ملک العلماء فاضل بہار" (۱۳۸۲ھ) کی روح پر فتوح کو کیا۔ اس قحط الرجال میں ہم غربائے اہلسنت کی آنکھیں ابھی حضرت شیر بیشۂ اہلسنت اور حضور محدث اعظم ہند رحمت اللہ تعالیٰ علیہما (۱۳۸۱ھ) کے غم میں نمناک تھیں کہ حضرت فاضل بہاری نے بھی ہم سے جدائی اختیار کی آہ! وہ مولوی ظفر الدین، جو حضور پر نور مرشد برحق سیدنا اعلیٰحضرت تاجدار اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۳۴۰ھ) کے تلمیذ رشید و مرید خاص، جن کو حضور سیدنا اعلیٰ حضرت قبلہ نے لقب 'ملک العلماء' سے نوازا اور وہ پیارا لفظ ولقب آج ان کی تاریخ کی زینت بنا "ملک العلماء فاضل بہار" (۱۳۸۲ھ) بھلا اس مبارک فاضل بہار" (۱۳۸۲ھ) اور رموز فاضل بہاری (۱۳۸۲ھ) کو کوئی کیا جانے۔ حضرت کی عمر درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں گزری، علم ہیئت و توقیت میں آپ کو خصوصیت حاصل تھی اور یہ حضور سیدنا اعلیٰحضر قبلہ کا فیض تھا اور آج آپ کی بکثرت تصانیف موجود ہیں۔ جن میں صحیح البہاری، مبین الہدیٰ ، حیات اعلیٰ حضرت، مؤذن الاوقات، ظفر الدین الجید اور ظفر الدین الطیب خاص ہیں۔ انشاء ربنا تبارک و تعالیٰ وہ "لا نق رضی اللہ الصمد" (۱۳۸۲ھ) ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ فردوس بریں والے کہتے ہوں گے "مولوی ظفر الدین آمد" (۱۳۸۲ھ) اور دنیا والے کہتے ہیں 'آہ ظفر الدین صاحب" (۱۳۸۲ھ)' رحمت حق تعالیٰ علیہ' (۱۳۸۲ھ) اور ہم دعا کرتے ہیں 'اغفر اللہ لہ" (۱۳۸۲ھ) خدا تعالیٰ حضرت کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے صاحبزادے کو آپ کا سچا وارث اور جانشین بنائے۔

آمین ثم آمین غمزدہ

ابوالمظفر محب الرضا محمد محبوب علی قادری برکاتی برکاتی رضوی مجددی لکھنوٴ غفرلہ

﴿۸﴾

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

کشمن آباد، لاہور ۳ر دسمبر ۱۹۶۲ء

باسمہ تعالیٰ

محترمی! السلام ورحمت۔ یہ آپ نے کیا خبر سنائی؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا کو "مرحوم ومغفور لکھنے کا دل نہیں چاہتا۔ لیکن نوشتہ تقدیر پورا ہو چکا تو مشیت کے آگے سر جھکانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ یہ اتفاق دیکھئے کہ اب کے جب میں پھلواری آیا تھا تو خاص طور پر مولانا کے دولت کدے پر حاضر ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ سوچا کہ پھر کبھی حاضر ہو جاؤں گا۔ موقع نہ مل سکا اور میں یہاں واپس آ گیا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اب کبھی ملاقات نہ ہوگی؟ مگر ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور آپ سب

غمزدوں کو صبر جمیل کے اجر ثواب سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

عقیدہ وخیال کی پختگی رکھنے والے تو بہت ملیں گے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں، جو اپنی اس پختگی کے باوجود شل، روادار، قدر شناس اور فراخ دل بھی ہوں۔ موجودہ دور میں مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام سرفہرست لکھنا چاہئے، کیوں کہ وہ پختگی خیال کے ساتھ ساتھ شل اور روادار بھی تھے۔ ان کی خوبیاں ان کے ساتھ گئیں، مگر وہ صحیح بہاری اور موذن الاوقات وغیرہ کے صفحات پر ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ایک بات سن لیجئے۔ غم ماضی میں اتنا المناک نہ ہونا چاہئے، جو تعمیر مستقبل میں خلل انداز ہو۔ مجھے آپ سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اچھا مجھے یقین ہے کہ آپ کی اعلیٰ تعلیم آپ کو صرف پوت نہیں سپوت بنائے گی۔ بلاشبہ اس وقت آپ کے کاندھوں پر ذمے داری کا بڑا بوجھ آن پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نبھا دے گا۔ میری دعائیں آپ سبھوں کے ساتھ ہیں۔

والسلام

محمد جعفر پھلواروی

﴿۹﴾

حضرت سید شاہ محمد عبداللہ قادری

سری نگر، کشمیر

عالیجناب محترم سلمکم اللہ تعالیٰ وسلم

بعد التسلیم والتجید والتکریم۔ سنا گیا کہ جناب کے والد محترم حضرت مولانا ظفر الدین صاحب قادری بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس دار فانی سے .....ہوکر داعی اجل کو لبیک فرماگئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سنکر آرام وقرار کھوگیا۔ نہایت .....وملال وبے صبری لاحق ہوئی۔ خدائے ذوالجلال والاکرام ان کو جنت الفردوس نصیب کرے اور جناب کو بالخصوص اور انکے پس ماندگان کو اجر جزیل وصبر جمیل عطا فرماوے آمین۔ مرحوم نے بایتہ ارسالگی مجموعۂ وظائف راقم کو وعدہ فرمایا تھا۔ امید ہے کہ آپ اس کا ایفا فرماویں منتظر ہوں۔

والسلام والاکرام

الراقم: سید محمد عبداللہ قادری سجادہ نشین درگاہ قادریہ غوثیہ سری نگر، کشمیر

﴿۱۰﴾

مولانا سید ابوالحسین علی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۹ر دسمبر ۱۹۶۲ء

محب محترم زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ابھی حال میں صدق میں یہ پڑھکر بڑا افسوس اور قلق ہوا کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔معاصر علمائے اہل علم خاص طورر پر فن حدیث کے واقفین اور مصنفین میں ان کی بڑی شخصیت تھی۔ مجھے ذاتی طور پر تو نیاز کا شرف نہیں حاصل ہوا۔لیکن اہل علم سے ان کا تذکرہ اور ان کی علمی کمالات وخدمات کا ذکر سنتا رہا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنی رحمت ومغفرت سے نوازے اور ان کے درجہ بلند فرمائے۔میری طرف سے مخلصانہ تعزیت قبول فرمایئے۔وماما ت من كانت بقاياه مثلكم.

مخلص ابوالحسن علی

۲۱؍رجب المرجب ۸۲ھ

﴿۱۱﴾

مولانا عبد الماجد دریا آبادی

دریا آباد، بارہ بنکی

۳۰ دسمبر ۱۹۶۲ء

برادر مکرم۔وعلیکم السلام

اناللہ وانا الیہ راجعون۔اللھم اغفرلہ وارحمہ۔بیشک مرحوم دین کے بڑے خادم تھے۔آپ کے تو خیر والد ماجد ہی تھے۔ باپ کا سہارا بڑا سہارا ہوتا ہے۔صبر جمیل سے کام لیجئے اور دوسرے متعلقین کو بھی تسکین دیجئے۔اللہ اللہ کہتے ہوئے جان دینا تو ایک قابل رشک علامت ہے۔

صدق کا یہ نمبر تو مرتب ہوگیا۔اب اس کے بعد والے نمبر میں بجائے مراسلہ کے خود ایک مختصر نوٹ دے دوں گا۔

والسلام

عبدالماجد

﴿۱۲﴾

پروفیسر محمد زبیر صدیقی

پی ۴ سہروردی اوینیو، کلکتہ ۱۷

۵ دسمبر ۱۹۶۲ء

محبی مخلصی ڈاکٹر مختار الدین صاحب دامت الطافہم سلام مسنون ودعا سکون قلب!

کل میں اجمیر شریف سے عرس شریف میں شرکت کرکے کلکتہ واپس آیا، تو آپ کا مؤدت نامہ مورخہ ۲۴؍نومبر مجھے ملا۔اپنے قدیم مخلص خدا پرست کے راہی دار البقا ہونے کی خبر سے سخت افسوس ہوا۔خدا مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپ لوگوں صبر جزیل عطا فرمائے۔

پرانے مخلص احباب، جو قدیم تہذیب اور اسلامی مودت، الحب للہ کے نمونہ اور تعلیم اسلامی کی جیتی جاگتی، چلتی پھرتی تصویر تھے۔ یکے بعد دیگرے اٹھتے جاتے ہیں، اور عموماً ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ لیکن مولانا مرحوم کی جگہ لینے کیلئے خدا نے آپ جیسے سچے اور پکے مسلمان جانشین کو پہلے ہی تیار کر دیا ہے۔ خدا آپ کی عمر دراز فرمائے اور اسلامی علوم اور تہذیب کی خدمت کرنے کا زیادہ سے زیادہ اہل بنائے اور دور جدید کے افسوسناک اثرات سے آپ کو ہمیشہ دور رکھے۔

معلوم نہیں آج کل آپ کہاں ہیں، لیکن امید ہے، آپ اب تک علیگڑھ واپس پہنچ گئے ہونگے، اس لئے یہ خط وہیں کے پتے پر لکھ رہا ہوں آپ یقین کریں کہ اس صدمہ میں میں آپ کا پورا شریک ہوں۔ آپ کا خط پڑھکر میری آنکھوں کے سامنے مدرسہ حنفیہ پٹنہ مولانا احمد رضا خان مرحوم، قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم، مولٰینا عبدالعزیز سہارنپوری مرحوم وغیرہ کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر گئیں۔ اللہ ان سبھوں کو غریق رحمت فرمائے۔ آج کل ان بزرگوں پر ہر طرح کی تنقید کی جاتی ہے، لیکن ان کا کیرکٹر، ان کا خلوص اور ان کی للّٰہیت تو بالکل ہی مفقود ہے۔ خدا ہم لوگوں کو توفیق دے کہ ان بزرگوں کے نمونے دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

آخر میں میں پھر دعا کرتا ہوں کہ خدا مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپ لوگوں کو صبر جزیل عطا فرمائے۔

والسلام و فاکیش

محمد زبیر صدیقی

﴿۱۳﴾

۷۸۶

مولٰینا سعید احمد اکبر آبادی

میک گل یونیورسٹی، مونٹریال، کنیڈا

۲۴-۱۲-۱۹۶۲

محب محترم و مکرم! السلام علیکم

اظہار صاحب کے خط سے یہ معلوم کرکے بہت افسوس اور صدمہ ہوا کہ آپ کے والد ماجد اچانک دنیا سے رخصت ہو گئے اناللہ وانا الیہ راجعون آپ کو تو والد صاحب کی وفات حسرت کا جتنا بھی غم ہو، کم ہے، کیوں کہ دنیا میں ہر چیز کا بدل مل سکتا ہے، مگر نہیں مل سکتا، تو ماں باپ کا۔ وہ خواہ کتنے ہی ضعیف اور کمزور ہو جائیں اور اولاد لکھ پڑھکر کتنا ہی قابل، لائق اور کماؤ بن جائے۔ لیکن ان کے دل کی گہرائی سے ہر وقت نکلنے والی دعائیں وہ سچی اور اور مشفقانہ نظر ہائے جان نواز، وہ خلوص میں ڈوبے ہوئے ہر وقت کے تیور اور ادائیں اگر انسان محسوس کرے تو یہ اس قدر گراں بہا خداوندی نعمتیں ہیں۔

﴿۱۴﴾

جناب ڈاکٹر برکات احمد

سڈنی، آسٹریلیا

۳۰ر دسمبر ۱۹۶۲ء

مکرمی ومحترمی ۱۴ر دسمبر کا صدق جدید ابھی ملا ہے۔ اس میں آپ کے والد کے انتقال کی خبر پڑھکر قلق ہوا۔ مرحوم سے ذاتی واقفیت تو نہ تھی، البتہ ایک مشہور عالم دین کی حیثیت سے ضرور جانتا تھا اور آپ سے جو دلی تعلق ہے اس کے پیش نظر طبیعت کو رنج پہنچنا لازمی تھا۔ خدا تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔ خدا تعالیٰ نے جس طریقے پر موت دی ہے وہ واقعی ایک مومن کا حصہ ہے۔

باپ کی موت خواہ وہ کسی عمر میں ہو، ایک زبردست خلا پیدا کر دیتی ہے۔ مگر کیا کیجئے زندگی ایسے صدموں کا ہی نام ہے۔ میرے والد کے انتقال کو بیس سال سے زائد ہو گئے۔ لیکن ان کی موت ابھی تک میرے دل میں تازہ ہے۔ زندگی گزر رہی جاتی ہے۔ اس وقت تو فیصلہ کیا تھا کہ اب ہستی کے فریب میں کبھی نہیں آؤں گا، مگر وہی حلقۂ دام خیال ہے اور میں ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کو اور حضرت مولانا مرحوم کے سب لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مخلص

برکات احمد

﴿۱۵﴾

مولانا محمد حسن علی رضوی میلسی

جامعہ غوثیہ رضویہ، ضلع ملتان، پاکستان۔ ۲۷ر جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ

آقائے نعمت حضرت ملک العلما کے حضور میں

ترس رہی ہیں تیری دید کو جو مدت سے
وہ بے قرار نگاہیں سلام کہتی ہیں

بخدمت اقدس صاحبزدہ والا جاہ سلمہ سلام مسنون۔ دعیہ خلوص مشحون۔

خط آیا اور اس میں آقائے نعمت نازش اہلسنت حضرت ملک العلما مولانا شاہ محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی علیہ الرحمہ آہ "رحمۃ اللہ علیہ" کے وصال شریف کی اندوہناک خبر سے دل ودماغ لرزہ براندام ہو گئے۔

حضور ملک العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رحلت بلاشبہ دنیائے اہلسنت کے لئے ایک ناقابل تلافی عظیم حادثہ ہے۔ حقیقتاً ان کا نظیر

نظر نہیں آتا۔ آسمان رضویت کے چمکتے آفتاب تھے۔ اس حقیر پر جس قدر بے پناہ عنایتیں تھیں، وہ زندگی بھر تو بھول نہیں سکتا۔

ع نہ بھولوں بھول کر بھی یاد تیری

سلطان المناظرین حضرت شیر بیشۂ اہلسنت مولانا محمد حشمت علی خانصاحب الرضوی امام المتکلمین حضرت علامہ ابوالمحامد سید محمد شاہ محدث الاعظم ہند قدست اسرارہم کے غم میں ابھی آنکھیں پرنم ہی تھیں کہ حضور پرنور اعلیٰحضرت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اور نشانی بھی ہماری نظروں سے غروب ہوگئی، اے مولیٰ! یہ کیا ہوا، تیرا دین اعدائے دین کے نرغے میں ہے۔ ایسے گمراہ کن دور میں حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ مذہب حقہ کی چمکتی ہوئی دلیل تھے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ اطہر سے حضور نور غوث اعظم وحضور پرنور مجدد اعظم کے فیض سے اس عظیم خلا کو پر فرمائے اور حضرت کی اولاد امجاد میں ان جیسا صاحب علم وعمل جری نڈر مجاہد مردمیدان عالم باعمل بنائے آمین۔ حضرت کی خدمت میں خط لکھنے والا ہی تھا کہ آپ نے یہ خبر دی، جس سے از حد صدمہ ہوا۔ مجھے حضرت کا آخری نوازش نامہ گزشتہ محرم الحرام میں ملا، جس میں ایک ضروری مسئلہ تحریر فرما کر سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے اوراد شریفہ کی اجازت سے مشرف فرمایا۔

اخبارات انجام کراچی: کوہستان ملتان: امروز ملتان: رضوان لاہور ماہ طیبہ کوٹلی لوہاران، نوائے وقت ملتان میں یہ خبر دی گئی ہے۔ فاتحہ خوانی کی محفل بھی منعقد ہوگئی، امید ہے، چہلم تک جلسہ بھی حضرت کی یاد میں ہوگا۔ آپ حضرت کی سوانح عمری تیار کریں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کا صحیح جانشین بنا کر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ حضرت مخدومہ والدہ ماجدہ صاحبہ کی خدمت میں تعزیت وصبر کی تلقین اجر کی دعا۔ تفصیلی حالات سے مطلع فرمادیں، انتظار کروں گا آہ ع خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا

فقط والسلام والدعا کیا حیات اعلیٰحضرت کی تمام جلدیں چھپ گئی ہیں؟

حضرت کے مزار پرنور پر سلام ع آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

ادنیٰ خادم الفقیر القادری محمد حسن علی الرضوی، چوک غوثیہ رضویہ، ملی، ضلع ملتان شریف

﴿۱۶﴾

مولینا محمد حبیب الجبار قادری

۲۲ر جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ

ذوالمعالی والاکرام دامت اقبالہم سلام مسنون قبولباد

خبر حسرت آیات ملتے ہی آلام ومصائب کی گھٹائیں چھا گئیں۔ افسوس کہ علم وعمل کا چمکتا آفتاب ہماری ظاہری نظروں سے اوجھل فرما گیا۔ اب ہم میں نہ کوئی رہبر کامل رہا نہ دلبر ماہر علوم ہیأت واقلیدس ورمل وغیرہ سب سپرد خاک ہوگئے اور گلشن اسلام ایک گراں قدر مالی

کی آبپاشی کے محروم ہو گیا چمن کی نرگسیں پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں کہ موت العالم موت العالم کا پورا پورا مصداق بنکر خدا کے ایک محبوب خدائے عزوجل سے جا ملے اور ہم سبھوں کو مولیٰ تبارک وتعالیٰ کے رحم وکرم اور پیارے مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چشم عنایت پر چھوڑ گئے ہمیں تو یقین ہی نہیں ہوتا کہ آج حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہم میں نہیں ہیں، اگر چہ اسباب ظاہرہ ہمارے یقین کی بنیاد کو متزلزل کررہے ہیں اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مگر اس سے ہماری عقیدت میں کوئی تنازع نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روحانیت اب بھی ہمارے ساتھ ہے مولیٰ تبارک وتعالیٰ امی جان اور آپ سب حضرات کو صبر جزیل عطا فرمائے آمین۔

مجھے اس سانحۂ عظیم کی خبر آج ۲۲ رجمادی الاخریٰ کو ہوئی ایصال ثواب کے سلسلہ میں پانچ ختم قرآن مجید کے ہوئے اور پھر قل پڑھکر ثواب ہدیہ روح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیا گیا۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوار رحمت میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ آپ حضرات کی خدمات میں ناچیز ہدیہ سلام پیش کرتا ہے۔ ناچیز کو حضرت علیہ الرحمہ کی شاگردیت اور ختم شاگردیت کا شرف حاصل ہے گزشتہ رمضان المبارک میں ناچیز ہی لامع النور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قدم بوس تھا۔ فقط والسلام مع الاکرام۔

میرے ساتھ مولوی محمد فیض الرحمٰن صاحب سلام کہتے ہیں اور غم والم میں وہ بھی شریک ہیں فقط۔

حقیر فقیر محمد حبیب الجبار قادری

۲۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ

﴿۱۷﴾

جناب مالک رام

سفارت خانۂ ہند، برسلز، بلجیم

۱۴ ردسمبر ۱۹۶۲ء

مکرمی جناب، ابھی ابھی جناب قاضی عبدالودود صاحب کے گرامی نامے سے آپ کے والد ماجد کے افسوسناک انتقال کی خبر ملی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے معلوم نہیں ان کی عمر کیا تھی یا موت کا کیا بہانہ ہوا۔ لیکن آپ کی عمر سے انداز کرسکتا ہوں کہ وہ زیادہ کبیر السن نہیں ہوسکتے۔ لیکن موت کا کوئی بھی باعث ہوا ہو، یہ تو اپنے وقت پر آکے رہے گی۔ اگر دنیا میں کوئی چیز لابد ہے، جو کسی عنوان سے ٹل نہیں سکتی، تو یہ موت ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس دن اور اس سفر کیلئے تیاری کرتے رہتے ہیں۔ پس ماندگان کو اس دائمی جدائی کا قلق اور ملال لازمی ہوگا۔ کیونکہ وہ ان کی سرپرستی، مشورے، دعا سے محروم ہوگئے، لیکن انھیں بھی آخر کار صبر کرنا ہی پڑے گا۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مرحوم کو اپنے فضل وکرم کی چادر میں ڈھانپ لے اور ان سے عفو وعافیت، سلوک کرکے اس جوار میں جگہ ارزانی فرمائے۔ آمین۔ والسلام ولاکرام

خاکسار

مالک رام

﴿۱۸﴾

جناب شاہ صابر حسن صابری دھلی

شنبہ یکم دسمبر ۱۹۶۲ء

مرشد زادۂ آفاق حضرت مولانا مختار الدین احمد صاحب آرزو زادا فضالہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہم۔ ۲۱ نومبر کا کارڈ ملا۔ کس دل سے پڑھا؟ کیسے پڑھا؟ اس کو رب العزت جل جلالہ جانتا ہے ظاہری دنیا میں اگرچہ انقلاب عظیم محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت کی ظاہری برکات سے، سایۂ عاطفت، آئینۂ رحمت سے ہم آج سب محروم ہو گئے۔ یہ ہماری بدبختی، اور کم نصیبی ہے۔ لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ان کی روحانی اور باطنی توجہات، عنایات اور نوازشات ہمارے شامل حال ہیں۔ حضرت کی ظاہری مفارقت بلاشبہ موت العالِم موت العالَم کے مصداق ہے۔ لیکن الحمد للہ کہ آپ کی ذات گرامی ہمارے باقیات الصلحات کا سچا نمونہ ہے۔ ہم سیاہ بخت بظاہر حضرت کی ذات اقدس سے واقعی محروم ہو گئے۔ لیکن یہ بطاطن ہماری اشکبار آنکھیں حضرت کے تنورات دینیہ، فیوض وبرکات اسلامیہ کا بحمد للہ الکریم مشاہدہ کر رہی ہیں۔ تاحیات کرتی رہیں گی اور یہ فیوض رضویہ ظفریہ انشاء اللہ الکریم تا قیامت جاری رہیں گی۔

آپ کا گرامی نامہ الم شامہ پڑھتے ہی احباب ومخلصین کرام کو ہندوستان، پاکستان اور احباب افریقہ کو مطلع کر دیا ہے کہ قرآن پاک کے ختم شریف پڑھ کر حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح اطہر کو مسرور کریں اور تاحیات ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ کو فاتحہ شریف کیا کریں۔ ہماری ظاہری دنیا اگرچہ بے نور ہو گئی۔ مگر روحانی دنیا کو بحمد للہ تعالیٰ چار چاند لگ گئے۔ جس طرح اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کو ہم مردہ نہیں تصور کرتے۔ اسی طرح حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ کی ذات مبارکہ کو بھی بقید حیات ہی تصور کرتے ہیں کہ حضرت کا فیض بیکراں ہم مسکینوں پر جاری وساری ہے اور تاحیات بلکہ تا قیامت انشاء اللہ جاری رہے گا۔ حضرت کا قیام آج کہاں ہے؟ اکثر یہ کسی کو نہیں معلوم؟ لیکن بعونہٖ تعالیٰ اکثر حضرت کے کفش برداران اور آپ کے تابعدار حضرت کے مقام قیام کو سمجھتے ہیں اور آپ بھی جانتے ہیں۔

مجھے ظاہری اضمحلال ضرور ہے۔ مفارقت کا صدمہ لازمی ہے۔ دل بھی روتا ہے۔ مگر اپنے حالات کے لئے۔ گو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون سے تسکین ہو جاتی ہے۔ پھر بھی جی چاہتا ہے کہ سلسلۂ مراسلات جاری رہے تاکہ دل کی دنیا اور منور ہو۔ اس لئے استدعا ہے کہ جواب سے ضرور مطلع فرما دیا کیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب میری اس استدعا کو قبول فرمائیں گے؟

ظفر منزل پر کس نام سے عریضہ حاضر کیا کروں؟ جناب تو علیگڑھ تشریف لے جائیں گے؟ یا لے گئے ہوں گے؟ پھر جواب کیسے ملے گا؟ حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ کے آخری گرامی نامہ کا جواب بھی مجھ پر واجب ہے اور حضرت نے ایک کتاب ''حقیقت گلزار صابری'' مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا؟ یہ عطا فرمانا ہے۔ اب آپ کی ہی جانب سے مفصل گرامی نامہ تشریف لائے تو تفصیلات سے احقر بھی مطلع کرے۔ رامپور میں خانقاہ صابریہ میں اور حقیر کے کلبۂ احزان میں، قرآن پاک کے ختم شریف ہو رہے ہیں، اور روح منور کو بطفیل تاجدار کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسرور کیا جا رہا ہے۔ چہلم کا پروگرام مرتب فرما کر مسرور فرمائیے۔ علیا حضرۃ والدۂ مکرمہ سے، بہنوں سے،

بہنوں سے، نیز جملہ اصحاب واصاغر کرام سے مخلصانہ، مؤدبانہ سلام مسنون۔ باقی آئندہ حقیر تابعدار۔

صابر حسن صابری

﴿۱۹﴾

حضرت راز یزدانی، رامپور

۶ر دسمبر ۱۹۶۲ء

مشفقی ومحترمی۔ تسلیم ونیاز

کل باتوں باتوں میں عرشی صاحب نے آپ کے والد کے حادثۂ انتقال پرملال کی خبر دی اور مرحوم کے اوصاف حمیدہ سے بھی واقف کیا۔ افسوس صد افسوس موت کیسے کیسے برگزیدہ اصحاب کو بیدردی کے ساتھ ہم سے چھین رہی ہے اور ہم ناچار دعائے مغفرت اور تلقین صبر ہی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ میں تجربتاً جانتا ہوں والد بزرگ اور والدۂ محترمہ کا انتقال کیا معنی رکھتا ہے۔ خدا آپ کو صبر عطا فرمائے۔ آمین اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام عالی۔ ثم آمین۔ مجھے صحیح تاریخ انتقال سے مطلع فرمائیں اور اس جانکاہ غم میں شریک تصور کریں۔

والسلام سوگوار

راز یزدانی

﴿۲۰﴾

۷۸۶

مفتی محمد زین الدین قادری

مدرمدرس مدرسہ جامعہ عزیز العلوم نانپارہ ضلع بہرائچ شریف

۱۱ر رجب ۱۳۸۲ھ

حضرت مخدومی مولانا المحترم دامت فیوضہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی

اخبار ونیز مولانا محمد رجب علی صاحب قادری نانپاروی سے حضرت اقدس سیدنا ملک العلما بحرالعلوم والفنون مولانا شاہ محمد ظفرالدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر معلوم ہو کر روحی صدمہ پہنچا۔ تمام احباب اہل سنت میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ آہ

حضرت علیہ الرحمہ کا سایہ ظاہری ہمارے سروں سے اٹھ گیا دنیائے سنیت میں ایک بہت بڑی کمی ہوگئی۔ مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں حضرت علیہ الرحمہ کے ایصال ثواب کے لئے ایک مجلس منعقد ہوئی۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد فاتحہ ہوا۔ آپ سے معروض کہ صبر فرمائیں اور مخلصین کو صبر کی تلقین فرمائیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا اور اسی کا ہی ہے جو اس نے لیا۔ ہر شئی کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے جس میں کمی بیشی نامتصور۔ ہم سب خدام کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں گزارش کہ مستقبل قریب ہی میں حضرت مرحوم کی سیرت عالیہ کے مضامین سے جرائد اور رسائل کے ذریعہ اہلسنت کو باخبر فرمایا جائے اور حضرت کے مخصوص علمی کارناموں سے استفاضہ کا موقع بخشا جائے۔ مولانا رجب علی صاحب بانی مدرسہ عزیز العلوم اور اساتذہ وطلاب مدرسہ اور دیگر اہلسنت و منتظمین عزیز العلوم کی طرف سے سلام مسنون معروض ہے۔

والسلام

آپ کا مخلص محمد زین الدین غفرلہ القادری بہاری

﴿۲۱﴾

جناب محمد چراغ قادری رضوی جالندھری

لائل پور، فیصل آباد، پاکستان

۷۸۶

عالیجناب حضرت العلام ڈاکٹر محمد مختار الدین صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دیگر احوال آنکہ بذریعہ ہفت روزہ "استقامت" کانپور، حضرت اقدس سیدنا ومولانا ظفر الملت والدین ملک العلما رحمہ اللہ کے انتقال پرملال کی خبر پڑھ کر از حد صدمہ ہوا۔ پروردگار عالم حضرت مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کو صحیح معنوں میں حضرت کا جانشین بنائے آمین ثم آمین۔ حضرت قبلہ عالم گلشن رضویت کے مہکتے ہوئے پھول تھے۔ جن کی علمی وعملی خدمات کو دنیائے سنیت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ کی شفقت وکرم سے جوان کا آپ کے ساتھ تھا۔ ان کی قدر ومنزلت تو امتیازی سے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ حضرت کی معرکہ آرا تصنیف "حیات اعلیٰحضرت" کئی روز سے زیر مطالعہ ہے۔ سبحان اللہ کتاب کی تالیف حضرت کی علمی منزلت بیان کر رہی ہے۔ سنیوں کے لئے ایک انمول علمی مجموعہ ہے۔ بار بار زبان سے یہی نکلتا ہے۔ آہ قطب الارشاد گذشت۔ ہم آپ کے اس عظیم غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔

آخر میں ایک عرض پیش کرنی ضروری سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو قبول فرماویں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ کہ حضرت کی سوانح حیات کی تالیف کا کام اپنے اوپر ضرور لازم فرماویں گے۔ اس فقیر پر تقصیر کو مطلع فرماویں گے۔ تاکہ سنی حضرات جو حضرت کی حیات ظاہری میں ان کی زیارت سے محروم رہے۔ ان کے اقوال وافعال سے استفادہ کر سکیں۔ لہٰذا میں پرزور اپیل کروں گا، آپ سے اس اپیل کے بارے میں میں پاس نہیں رہوں گا۔ آپ ایک اعلان کے ذریعے ضرور مواد حاصل کریں۔ جس سے یہ کہ حضرت کی عملی، علمی زندگی پر دلالت کرتا ہو۔ سب جمع فرما کر اجر عظیم حاصل کریں۔ جس طرح سے والد ماجد رحمہ اللہ نے اعلیٰ حضرت کی حیات لکھ کر سنیوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔ اسی طرح سے آپ سوانح ملک العلماء رحمہ اللہ لکھ کر مشکور ممنون ہونے کا موقع دیویں۔ میری اس رائے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مجھے بواپسی اور سے ڈاک ضرور تحریر فرماویں۔ میں یہاں پاکستان میں کسی رسالے میں آپ کے جواب آنے پر اشتہار دوں گا۔ تاکہ آپ کو زیادہ سے زیادہ مواد بہم پہنچایا جا سکے۔ خط کا جواب جلدی دیویں۔ سب مجلس احباب کو سلام مسنون۔

والسلام

خادم اہل سنت فقیر محمد چراغ قادری رضوی عفی عنہ جالندھری ثم لائلپوری مغربی پاکستان۔

﴿۲۲﴾

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

وسکونسن یونیورسٹی امریکہ

۱۱ر دسمبر ۱۹۶۲ء

محب مکرم!

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی صاحب کے خط سے یہ معلوم کر کے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا، بے حد رنج اور افسوس ہوا۔ میں سایۂ پدری سے محروم ہو چکا ہوں اور آپ کے غم کا اندازہ کر سکتا ہوں۔ عجیب معاملہ ہے، اس واقعہ پر پندرہ سال گذر چکے ہیں لیکن اب بھی ان کا خیال آتا ہے تو آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ نباشد ہوش از جانم فراموش اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

خواجہ احمد

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی

﴿۲۳﴾

پروفیسر گوپی چند نارنگ

نئی دہلی۔۵

۱۷ر دسمبر ۱۹۶۲ء

مکرمی آرزو صاحب تسلیم!

آپ کے والد ماجد کے انتقال کا معلوم ہو کر سخت رنج ہوا۔ موت برحق ہے اور جانا سب کو ہے، لیکن والدین، والدین ہیں اور ایک نعمت بھی، دنیا میں کا بڑا سہارا ہوتا ہے۔ ان کی ذات محبت و شفقت کا لازوال سرچشمہ ہوتی ہے۔ ہم سب علائق کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں، ایک ٹوٹتا ہے، سو جڑتے ہیں، لیکن والدین کی سی بات کہاں! خدا انہیں آخرت کی بلندیوں سے سرفراز کرے اور آپ کو صبر دے کہ دنیا میں "مجبوروں" کا آخری سہارا ہے۔

میں آخری جنوری میں امریکہ کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ کوشش کروں گا کہ جانے سے پہلے ایک روز کے لئے علیگڑھ آؤں۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

خاکسار

گوپی چند نارنگ

﴿۲۴﴾

پروفیسر نثار احمد فاروقی

اندارں کنواں گلی قاسم جاں، دہلی

۱۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء

برادر مکرم۔ تسلیمات!

آج ہی ہفتہ وار "صدق" کے ایک شذرہ سے یہ اندوہناک خبر ملی کہ آپ کے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور عقبیٰ کے مدارج عالیہ پر فائز فرمائے۔ ان کے لئے اب بہترین نذرانہ دعائے مغفرت ہی ہو سکتی ہے۔ والدین اللہ کی اتنی بڑی رحمت ہیں کہ دنیا میں ان کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ ان کی شخصیت میں

ربوبیت کی شان ہوتی ہے۔ اوران کا سایہ زندگی کا سب سے بڑا سایہ ہوتا ہے۔ شیخ سعدی نے تو کیسے اثر انگیز الفاظ میں لکھا ہے۔

من آں دم سرتاجور داشتم — کہ سر در کنار پدر داشتم

اگر بر وجودم نشستے مگس — پریشاں شدے خاطر چند کس

کنوں دشمناں گر برندم اسیر — نباشد کس از دوستنم نصیر

میں ایسے بڑے سانحے پر کن الفاظ میں اظہار ہمدردی کروں۔ رسم کے طور پر کچھ لکھنا بے معنیٰ سی بات ہے۔ آپ کو جو صدمہ ہوا ہوگا، اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ ان کی شخصیت کیسی دلنواز، پرسوز اور بلند وبالا رہی ہوگی۔ جس کا ایک پرتو آپ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ یہ دنیا آنی فانی ہے اور مرگ عجب استحالہ ایست کہ درپیش است مگر رنج ہونا بھی تقاضے سے بشریت ہے۔ اب یہی عرض کرسکتا ہوں کہ صبر کیجئے اوران کے لئے دعا فرمایئے۔ مجھے تو ایسے بزرگوں کی موت پر بھی رشک آتا ہے، جنہوں نے استقامت، استواری اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنی سج دھج اور آن بان پر قائم رہ کر اتنی طویل عمریں گزاریں اور انسانیت کی سچی مثال بن کر رہے۔ ہم لوگ تو بے غیرتی سے زندہ ہیں اور کتنے ہی امتحان ایسے آتے ہیں، جہاں ہمارے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں۔ غالب نے تو اپنے کسی دوست کو تعزیت میں یہی لکھا تھا کہ اگلوں میں سے جو مر گئے، اچھے رہے۔ اگر اس زمانے میں ہوتے، تو اپنی آبرو کھوتے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

والسلام

نثار احمد فاروقی

﴿۲۵﴾

ڈاکٹر صبیح احمد کمالی

علی گڑھ

۲/دسمبر ۱۹۶۲ء

محبی آرزو صاحب سلام مسنون

آپ نے علیگڑھ سے روانگی سے پہلے جس سانحہ کی اطلاع دی تھی اس پر ایک بار پھر اظہار افسوس کرنے کے لئے میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آپ اپنے والد صاحب مرحوم کے تعلق سے اور مراسم کی جو تفصیل کبھی بتائی تھی، اس کی بنا پر میں انہیں اپنے ان بزرگوں میں شمار

کرتے ہوئے جن کو راغب صاحب سے ربط تھا اور جو میرے لئے قابل احترام تھے۔

آپ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع اچانک لکھی تھی، چنانچہ آپ کو اس خط سے اور بھی زیادہ صدمہ ہوا ہوگا۔ دعا ہے کہ اس مرتبہ خدانے آپ کو اور آپ کے سب عزیزوں کو صبر جمیل کی توفیق دہی ہو۔ آپ نے روانگی کے وقت جن امور کے متعلق تاکید کی تھی وہ بخیر و خوبی سے تکمیل تک پہنچے ہیں۔

والسلام

صبیح احمد کمالی

﴿۲۶﴾

مَوتُ العَالِم کَمَوتُ العَالَم

برادران ملت! آج دنیا اندوہناک بربادیوں ہولناک پستیوں کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ جس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یعنی ۲۲ رنومبر کو حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس دنیائے فانی سے روپوش کی المناک خبر سن کر ہم طلباء دار العلوم منظر اسلام کو ازحد صدمہ ہوا۔ ہر سننے والا غم واندوہ کے اثر سے اشکبار ہو گیا۔ دار العلوم ہذا میں تعطیل کر دی گئی۔ جمیع طلباء قرآن خوانی میں مصروف ہو گئے۔ قرآن مجید کے کثیر ختم ہوئے۔ مہتمم دار العلوم مفسر اعظم حضرت جیلانی میاں مولانا محمد ابراہیم رضا خاں صاحب مد ظلہ کی طرف سے شیرینی منگائی گئی۔ بعد فاتحہ حضرت ملک العلما کی روح پاک کو ایصال ثواب کیا گیا۔ آج ہم سے حضرت ایسے پرفتن دور میں جدا ہو گئے۔ جب کہ حضرت کی ذات کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ ہمیں حضرت کی ذات کا روشناس نہیں کرانا ہے۔ ہر مذہب وفرقہ کے افراد اس عنقا مثال ذات سے ضرور روشناس ہیں۔ حضرت کے انتقال سے ایک عالَم کی موت ہو گئی۔ کیوں نہ ہو موتُ العَالِم کموتُ العَالَم اللہ جل شانہ حضرت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ اسلام وسنت کی طرف سے بہتر جزا دے۔ آمین ثم آمین۔

محمد قمر الزماں رشیدی۔ انجمن اصلاح البنات، محلہ ذخیرہ متعلم مدرسہ دار العلوم منظر اسلام بریلی

(ماہنامہ اعلیحضرت، بریلی شمارہ فروری ۱۹۶۲ء ص ۳۵)

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ

از قلم: علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ، لاہور

حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے محترم حکیم نصیر الدین مدظلہ (مالک نظامی دواخانہ، کراچی) نے ایک مکتوب میں تحریر کیا تھا کہ مولانا محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ (جھنگ) علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے ایسے باکمال شاگرد تھے کہ اگر وہ پس پردہ بیٹھ کر پڑھا رہے ہوتے، تو علامۃ الہند کا کوئی جاننے والا پہچان نہیں سکتا تھا کہ مولانا محمد حسین پڑھا رہے ہیں یا علامۃ الہند؟ غرض یہ کہ وہ ہو بہو اپنے استاد کی نقل تھے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تو ایسے کئی شاگرد تھے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یہ کرامت ہی کہیے، یہ ان کے تلامذہ اور خلفاء نہ صرف علم و فضل بلکہ صلابت دینی میں بھی ان کے مظہر تھے۔ ان میں سے ایک ممتاز ہستی حضرت مولانا علامہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے باکمال اساتذہ مثلاً حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے اکتساب فیض کیا۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کے خاص تلامذہ مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور مولانا حامد حسن رامپوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا۔ تاہم جس ہستی سے سب سے زیادہ مستفیض اور متاثر ہوئے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرۂ العزیز تھے۔

ملک العلماء بریلی شریف امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اتنے میں متاثر ہوئے کہ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں آپ کے دست اقدس پر بیعت ہو گئے۔ ملک العلماء کو شوق پیدا ہوا کہ درسیات کی تکمیل امام احمد رضا سے کروں۔ لیکن وہ ہر وقت مطالعہ اور تصنیف میں مصروف رہتے تھے۔ نیز ان کے ہاں کوئی مدرسہ بھی نہ تھا ملک العلماء کے جنوں خیز علمی شوق کی کرامت دیکھئے کہ انہوں نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسن رضا بریلوی اور بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو تیار کیا اور ان کی کوشش سے امام احمد رضا خاں بریلوی کو مدرسہ منظر اسلام، محلہ سوداگراں، بریلی شریف قائم کرنے پر راضی کیا۔ مدرسہ کا نام تاریخی ہے جس ۱۳۲۲ عدد برآمد ہوتے ہیں۔ اسی سال یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ مولانا ظفر الدین بہاری اور ان کے ہم وطن دوست مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی ان دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔

ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی سے ''صحیح بخاری شریف'' ''اوقلیدس'' کے چھ مقالے ''تصریح'' ''شرح چغمینی''، مکمل کر کے علم توقیت، جفر اور تکسیر وغیرہ فنون حاصل کئے، تصوف کی کتابوں 'عوارف المعارف' اور 'رسالہ قشیریہ' کا بھی درس

لیا۔ شعبان ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں علماء کے جم غفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی کی فرمائش پر حضرت مخدوم شاہ حیات احمد قدس سرہ سجادہ نشین ردولی شریف نے دستار فضیلت باندھی اور سند عطا کی، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی نے آپ کو تمام سلاسل میں خلافت واجازت مطلقہ سے نوازا اور "ملک العلماء" کا لقب عطا فرمایا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کے عزیز ترین اور مایۂ ناز شاگرد اور خلیفہ تھے، کبھی اپنے مکتوبات میں انہیں لکھتے

"جبیبی وولدی وقرة عینی"

(میرے پیارے، میرے بیٹے، میری آنکھوں کی ٹھنڈک)

اور کبھی یوں تحریر فرماتے "جان پدر بلکہ از جان بہتر"

ملک العلماء کے بارے میں امام رضا خاں بریلوی کے تاثرات کا مرقع وہ مکتوب ہے جو انہوں نے انجمن نعمانیہ، لاہور کے ناظم خلیفہ تاج الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو ۵ شعبان المکرم ۱۳۲۷ھ کو ارسال کیا، اس میں فرماتے ہیں۔

......مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلباء سے ہیں میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں"۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں ...... عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں ...... مفتی ہیں ...... مصنف ہیں ...... واعظ ہیں ...... مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی نے "الاستمداد" کے نام سے تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا، جس میں ذکر اصحاب ب... احباب کے عنوان سے اپنے خلفاء اور خصوصی احباب کا تذکرہ فرمایا۔ تیسرے نمبر پر ملک العلماء فاضل بہار کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے — اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

غرض یہ کہ ملک العلماء اپنے استاذ اور مرشد گرامی کے چہیتے اور خاص احباب میں سے تھے۔ وہ اس دور کے مروج علوم فنون کے علاوہ علم جفر، تکسیر اور توقیت میں امام احمد رضا کے مظہر اتم تھے بلکہ توقیت میں تو بقول امام احمد رضا تنہا آگاہ تھے یعنی پورے ہندوستان میں ان کے پائے کا دوسرا عالم نہ تھا۔ بریلی شریف میں جو نقشہ اوقات نماز شائع ہوتا تھا وہ ملک العلماء ہی تیار کرتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر ملک العلماء نے لاہور اور اس کے ارد گرد ڈیڑھ سو مقامات کے لئے دائمی نقشہ اوقات مرتب کر کے بھجوایا تھا جو "موذن الاوقات" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ حزب الاحناف، لاہور کی طرف سے جو دائمی نقشہ اوقات شائع ہوتا ہے وہ ملک العلماء ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلماء صحیح معنوں میں فنافی الشیخ تھے، تمام عمر ان کے گن گاتے رہے اور انہیں کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی توانائیں صرف کرتے رہے۔ "الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت" میں ایک جدول نقل کرنے سے پہلے فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجت قاہرہ شیخ الاسلام والمسلمین، سیدی وسندی وذخری لیومی وغدی، مولانا مولوی الحاج القاری شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدسنا اللہ تسرہ المصوری والمعنوی نے مرے پڑھنے کے زمانہ میں مکمل جدول

ترتیب دے کر طبع فرمایا تھا، میں اس جگہ بعینہ اس کو درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ اس فن کے شائقین کو اعلیٰ حضرت کے فیض و برکت سے بہت آسانی ہو۔

''صحیح البہاری'' کے مقدمہ کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

ہم مقصد میں شروع ہونے سے پہلے ایک مقدمہ لاتے ہیں جو متعدد فوائد پر مشتمل ہے۔ یہ فوائد ہم نے علماء کرام خصوصاً سیدی وملاذی شیخی واستاذی، شیخ الاسلام والمسلمین، وارث علوم سید المرسلین، موید الملۃ الطاہرۃ، مجدد المائۃ الحاضرۃ مولانا الشاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں ان کی برکات سے نفع عطا فرمائے کی تصانیف سے چنے ہیں۔ (اردو ترجمہ)

اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ملک العلماء علم ہیئت اور توقیت میں خصوصی مہارت کے حامل تھے اور ان علوم میں ہندوستان میں ان کا کوئی معاصر نظر نہیں آتا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ''شرح چغمینی'' پڑھاتے ہوئے قوم سمت کے بیان میں سمت قبلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ جو علماء اپنے آپ کو اس فن کا جاننے والا سمجھتے ہیں، ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی جگہ کا عرض البلد مکہ معظمہ سے زائد ہو، تو اس جگہ کے لوگ کسی قدر جنوب کی طرف جھک کر کھڑے ہوں اور اگر عرض البلد کم ہو، تو شمال کی طرف جھکتے ہوئے کھڑے ہونا کافی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ بعض طلباء کو یہ مسئلہ سمجھنے میں دشواری پیش آئی۔ انہوں نے اس وقت کے مشہور علماء کے پاس درج ذیل استفتاء بھیجا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلکتہ، پٹنہ، گیا، الہ آباد کا سمت قبلہ شمالی ہے یا جنوبی؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ان سب جگہوں کا قبلہ شمالی ہے چونکہ یہ سب شہر مکہ معظمہ سے زائد العرض ہیں اس لئے خیال ہوتا ہے کہ سمت قبلہ ان شہروں کا جنوبی ہونا چاہئے۔

نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سمت قبلہ میں عرض حرم سے عرض البلد کے زائد یا کم ہونے کا اعتبار نہیں، بلکہ عرض موقع کے زائد یا کم ہونے پر انحراف کا مشاد ہے عرض موقع کیا چیز ہے؟ اور سمت قبلہ نکالنے کا کیا قاعدہ ہے؟''

یہ استفتاء درج ذیل مشاہیر کو ارسال کیا گیا:

۱۔ مولانا سید سلیم احمد صاحب، ریاست ٹونک
۲۔ مولانا محمد فضل حق صاحب، پرنسپل مدرسہ عالیہ، ریاست رامپور
۳۔ مولانا محمد صاحب، رائی بیٹھ، مدراس
۴۔ مولانا حفیظ اللہ صاحب، ندوۃ العلماء لکھنؤ
۵۔ مولوی انور شاہ صاحب، صدر المدرسین، دیو بند
۶۔ مولوی سید سلیمان ندوی صاحب، دار المصنفین، اعظم گڑھ
۷۔ مولوی ابوالکلام آزاد صاحب، کلکتہ
۸۔ مولوی کفایت اللہ صاحب، دہلی
۹۔ مولوی باجد علی صاحب، مدرس مدرسہ عالیہ، کلکتہ
۱۰۔ مولوی عبداللطیف صاحب، مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور
۱۱۔ مولوی ثناء اللہ صاحب، ایڈیٹر 'اہلحدیث' امرتسر
۱۲۔ مولوی اشرف علی صاحب، تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر

لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان مشاہیر میں سے اکثر نے خاموشی اختیار کی۔ بعض نے اس فن کے ساتھ دلچسپی نہ ہونے کا ذکر کیا اور جن بعض نے جواب دیا وہ بھی اگر خاموشی اختیار کرتے یا معذرت کر دیتے تو بہتر تھا۔ ان کے جوابات پر ملک العلماء نے جو تبصرہ کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے اور 'الجواہر والیواقیت' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا جواب آیا۔ انہوں نے لکھا کہ میں سوال ہی نہیں سمجھا (جواب کیا دوں؟)

اور سمت قبلہ نکالنے کا قاعدہ کسی ہیئت داں سے پوچھا جاوے۔ شاید مدرسہ دیوبند سے اس کو جواب موصول ہوسکے۔ اشرف علی

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری نے "الجواہر والیواقیت" میں متحدہ ہندوستان کے اضلاع کی سمت ہائے قبلہ بیان کی ہیں اور ہر شہر کا طول بلد، عرض بلد، قوس انحراف اور نقطۂ مغرب سے سمت انحراف بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

"فقیر اپنے مسلمان بھائیوں کی نفع رسانی اور مساجد و صلاۃ کی صحت و درستی کے خیال سے صوبہ جات بنگال، بہار، ممالک مغربی و شمالی پنجاب کے جملہ اضلاع کے سمت قبلہ نکال کر ایک جدول میں بہ ترتیب حروف تہجی مع طول و عرض بلد لکھ دیتا ہے کہ جو صاحب خود نکالنا چاہیں ان کو سہولت ہو"

اس سے پہلے امام احمد رضا بریلوی کے بیان کردہ دس قواعد بیان کئے ہیں ان قواعد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے رسالہ قبلہ سے باب دوم پر اکتفا کروں جس کے قواعد تمام روئے زمین زیر و بالا، بحر و بر، سہل و جبل، آبادی و جنگل سب کو محیط ہیں کہ جس مقام کا عرض و طول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلا کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض و طول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھا دیئے جائیں تو کعبہ کو خاص روبرو پائیں" ۸

حضرت ملک العلماء ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء تک یہیں فرائض تدریس انجام دیئے۔ اسی سال شملہ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوکر گئے۔ پھر مدرسہ حنفیہ، آرہ میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں جامعہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں حضرت سید شاہ ملیح الدین احمد، سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام کے مدرسہ میں مدرس اول ہوکر ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۱ء میں جب جامعہ شمس الہدیٰ پٹنہ گورنمنٹ کے زیر انتظام آیا تو سینئر مدرس ہوکر واپس آئے۔ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۸ء کو جامعہ کے پرنسپل ہوئے۔ ۲۲/ نومبر ۱۹۴۹ء کو رخصت لے کر آرام کیا اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۳۶۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک ظفر منزل، شاہ گنج، پٹنہ میں مقیم رہے۔ حضرت سید شاہ شاہد حسین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق کی استدعا پر ۲۱/ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا اور صدر مدرس کی مسند کو زینت بخشی۔

غرض یہ تمام زندگی تعلیم، تبلیغ و تصنیف اور خدمت دین میں بسر فرمائی۔ اور قابل صد فخر کارنامے انجام دیئے۔

ملک العلماء کی زندگی کے آخری دو سال تصنیف و تالیف، وعظ و ہدایت اور فتویٰ نویسی میں صرف ہوئے جس رات ان کی رحلت ہوئی اس رات بھی آپ نے چار خطوط تحریر کئے۔ وہ بلڈ پریشر کے مریض تھے اور بہت کمزور ہوگئے تھے لیکن ان کے روزانہ کے دینی معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ ۱۹/ جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ء کی رات ذکر جہر اللہ اللہ کرتے ہوئے جاں آفریں کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے رحمہ اللہ تعالیٰ دسویں گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ ۱۰

حضرت ملک العلماء کے فرزندار جمند اور ہندوستان میں جدید ادب عربی کے معدودے چند فضلاء میں سے ایک فاضل ڈاکٹر

مختار الدین احمد مدظلہ ہیں۔ جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ عربی کے صدر رہ چکے ہیں۔ اس وقت علی گڑھ ہی میں قیام پذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت با کرامت رکھے۔ آمین۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد مدظلہ نے ملک العلماء کی ستر تصانیف کے نام اور ان کا تعارف پیش کیا ہے۔ تفصیل کے "حیات ملک العلماء" مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور ملاحظہ ہو۔ درج ذیل سطور میں ان کی چند منتخب تصانیف کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ "شرح کتاب الشفاء تعریف حقوق المصطفیٰ" (سال تصنیف ۱۳۲۴ھ سیرت طیبہ امام قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ کی شاہ شفاء شریف کی (نامکمل) شرح

۲۔ "التعلیق علی القدوری" (۱۳۲۵ھ) مشہور درسی کتاب قدوری پر عربی حاشیہ (فقہ)

۳۔ "تقریب" علم منطق میں مفید رسالہ صغری سے سلم تک کے مسائل کا جامع (منطق)

۴۔ "وافیہ" (۱۳۳۵ھ) نحو میر سے مغنی اللبیب تک کے مسائل کا جامع رسالہ (نحو)

۵۔ "موذن الاوقات" (۱۳۳۵ھ اور کے بعد) مختلف شہروں کے اوقات نماز، سحری وافطاری انتہاء سحر اور ضحوہ کبریٰ کا بیان (متعدد رسائل) (توقیت)

۶۔ "ہادی الداۃ لترک الموالاۃ" (۱۳۴۵) تحریک ترک موالات کے رد میں (سیر)

۷۔ 'جامع الرضوی' المعروف بہ "صحیح البہاری" (۱۳۴۵ھ) (حدیث) تعارف آیندہ سطور میں آئے گا۔

۸۔ "نافع البشر فی فتاویٰ ظفر" (۱۳۴۹ھ) ملک العلماء کے فتووں کا مجموعہ (فتاویٰ)

۹۔ "تنویر السراج فی ذکر المعراج" (۱۳۵۴ھ و بعد)

حضرت سید شاہ حمید الدین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۷ رجب کو رجبی شریف کے جلسوں کا اہتمام کیا اور تقریر کے لئے حضرت ملک العلماء کو دعوت دی۔ یہ جلسے ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء سے شروع ہو کر ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۴۶ء تک جاری رہے۔ ممکن ہے کہ بعد میں بھی جاری رہے ہوں۔ ہر سال یہ تقریریں قلم بند کر لی جاتیں اور ملک العلماء ان پر نظر ثانی ڈال لیتے تھے۔ "تنویر السراج" اسی سلسلۂ تقاریر کا نام ہے۔ پہلے سال "بسم اللہ شریف" پر ڈھائی گھنٹے تقریر ہوئی۔ دوسرے سال کلمہ "سبحان" پر تیسرے سال کلمہ "الذی" پر غرض یہ کہ ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف پر سال بسال تقریریں ہوتی رہیں اور یہ سلسلہ تیرہ سال تک جاری رکھا۔ ہمارے عزیز دوست مولانا حافظ محمد شاہد اقبال نے انجمن نوجوانان اہل سنت، بھاٹی گیٹ، لاہور کی طرف سے انہی تقاریر پر مشتمل دو تین رسائل شائع کر دیے ہیں۔

۱۰۔ "حیات اعلیٰ حضرت" (۱۳۶۹ھ) سن عیسوی کے اعتبار سے اس کا تاریخی نام 'حیات اعلیٰ حضرت' (۱۹۴۸ء) اور ہجری کے اعتبار سے "مظہر المناقب" (۱۳۶۹ھ) ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلا مستند تذکرہ ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے اب تک امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنیاد یہی کتاب ہے۔ اس کی ایک جلد مکتبہ رضویہ، کراچی سے چھپ چکی ہے۔ افسوس کہ باقی جلدیں مولانا شاہ محمود احمد قادری مولف "تذکرہ علماء اہل سنت" حضرت ملک العلماء کے صاحبزادہ صاحب سے لے گئے تھے جو تا حال شائع نہیں ہوئی۔

جناب سید صابر حسین شاہ بخاری، ناظم امام اہلسنت لائبریری، برہان ضلع اٹک، پنجاب "حیات اعلیٰ حضرت" کی مکمل

اشاعت کے بارے میں ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین رضوی البہاری کے لخت جگر ڈاکٹر مختار الدین احمد اور (وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی فارسی، یونیورسٹی، پٹنہ، ہندوستان) سے یوں استفسار کرتے ہیں۔

''حیات اعلیٰ حضرت کی باقی جلدیں بھی آپ نے چھپوانے کا وعدہ کیا تھا لیکن...... نہ چھپ سکیں۔ آخر یہ باقی جلدیں کہاں گئیں...... انہیں زمین کھا گئی یا آسمان! آخر ماجرا کیا ہے؟''

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب ان کے جواب میں لکھتے ہیں:

ماجرا یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف ملک العلماء حضرت علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمہ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۸۲ء - ۱۹۶۲ء) نے برسوں کی محنت کے بعد ''حیات اعلیٰ حضرت!'' چار جلدوں میں (۱۳۶۹-۱۹۳۸) میں مرتب کی۔ پہلی اور دوسری جلد کا مسودہ انہوں نے مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی کو (اشاعت کے لئے) کراچی بھیجا۔ انہوں نے پہلی جلد مکتبہ رضویہ کراچی سے جولائی ۱۹۵۵ء میں شائع کی۔ پھر اس کو آپ (علامہ اقبال احمد فاروقی) نے اپنے اہتمام میں تین حصوں میں مرکزی مجلس رضا، لاہور سے ۱۹۹۲ء میں دوبارہ چھاپ کر عام کیا۔ دوسری جلد کے بارے میں مولانا سید ایوب علی مرحوم نے قلت وسائل کا شکوہ کیا اور لکھا کہ پہلی جلد کی آمدنی سے دوسری اور اسی طرح ساری جلدیں چھاپ دی جائیں گی۔ غالباً سنیوں اور رضویوں کی بے حسی اور عدم دلچسپی کے بناء پر سید صاحب کے پاس اتنا سرمایہ کبھی جمع نہ ہوسکا کہ وہ دوسری جلد کی اشاعت کا بیڑا اٹھا سکتے۔ کچھ دنوں بعد سید صاحب کا وصال ہوگیا۔ ان دنوں ''حیات اعلیٰ حضرت'' پاکستان میں نہ چھپ سکی تو ہندوستان میں کیا چھپتی۔

.... کے) علی گڑھ کے ایک سنی عالم اور طبیب حاذق جناب پروفیسر حکیم خلیل احمد صاحب جائسی (استاذ کالج، مسلم یونیورسٹی) کو ساتھ لے کر مجھ سے ملنے آئے۔ تعارف ہوا تو معلوم ہوا سنی رضوی عالم ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام کے شاگرد ہیں۔ مدرسہ منظر اسلام بریلی کے تعلیم یافتہ ہیں اور مشہور عالم مولانا مفتی شاہ رفاقت حسین (استاد مدرسہ کانپور) کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی زیر تالیف کتاب ''تذکرہ علماء اہلسنت'' کا بھی ذکر رکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا ''حیات اعلیٰ حضرت'' کا مسودہ دیکھنا چاہتا ہے۔ انہیں دکھایا گیا۔ پھر انہوں نے کہا آپ کی اجازت ہو تو میں اسے شائع کردوں۔ حکیم صاحب نے ان کی تائید بلکہ سفارش کی۔ میں کہا سبحان اللہ اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی کہ یہ سوانح عمری زیور طبع سے آراستہ ہوجائے۔ میں نے مشورہ دیا کہ پہلی جلد چھپ چکی ہے اسے فی الحال نہ چھاپئے دوسری جلد شائع کیجئے۔ اور اس کا مسودہ وہ مجھ سے لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کا خط آیا کہ سلسلہ کلام دیکھنے کے لئے اور جلدوں کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ کتاب کی چاروں جلدوں کا مسودہ ان کے حوالے کردیا۔ انہوں نے میرا مشورہ نہ مان کر پہلی جلد کی کتابت شروع کروادی چھوٹی تقطیع کے ۶۲ رصفحوں کے پروف میری نظر سے گزرے تھے پھر معلوم نہیں کیا آفت بے چارے پر پڑی کہ اس کی طباعت رک گئی۔ اس زمانے میں برابر ان سے خط و کتابت ہوتی رہی پھر آہستہ آہستہ کم ہوگئی۔ برسوں کے بعد انہوں نے اطلاع دی اس کی کتابت کانپور میں ہورہی ہے۔ مدت گزر گئی کتابت نے طباعت کی شکل نہیں دیکھی۔ استفسار حال کیا جواب نہ آیا۔ خطوط لکھتا رہا جواب میں خاموشی رہی۔ پھر دہلی کے ایک رسالے میں اعلان ہوا کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' پٹنہ سے چھپ رہی ہے۔ برسوں گزر گئے کتاب غیر شائع شدہ رہی۔ مولانا مفتی محمد میاں عالم ہیں، مفتی ہیں، پیر ہیں، اس

سے بڑھ کر یہ کہ حامدی ہیں۔ ضرور چاہتے ہوں گے کہ یہ کتاب چھپ کر پھیلے۔ اس خیال سے کہ مالی حالات اچھے نہ ہوں اور کتاب کی اشاعت کا بوجھ نہ اٹھا سکتے ہوں، عرض کیا گیا کہ کوئی بات نہیں، مسودہ واپس بھیج دیں۔ یہ درخواست قابل اعتنا نہ ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی سے آپ (علامہ اقبال احمد فاروقی) لاہور سے اور کئی اصحاب پاک و ہند، اس کی اشاعت کے لئے تیار ہوئے اور مسودے کے بدلے ان کو رقم دینے کے لئے بھی تیار ہوئے۔ لیکن مفتی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی۔ چاہتے ہوں گے کہ جب مسودہ مجھ سے مانگ کر وہ لے گئے ہیں شائع بھی وہی کریں۔ یہ تکلف محض ہے۔ انہیں اندازہ نہیں سنیوں کا کس قدر نقصان انہوں نے کیا ہے۔ تیس سال پہلے یہ کتاب چھپ جاتی تو اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل گئے ہوتے اور علمی دنیا چودھویں صدی ہجری کے ایک مقتدر عالم اور بے مثال مصنف سے کماحقہ، واقف ہوتی۔

حکیم خلیل احمد اور مولانا ارشد القادری نے مسودے کی واپسی کی بہت کوشش کی۔ کامیابی نہیں ہوئی۔ کئی سال ہوئے میرے ایک عزیز نسیم الحق (ایگزیکٹیو انجینئر، بہار) مفتی محمود احمد کے گاؤں (بھوانی پور، مظفر پور) جا کر رمضان کے زمانے میں صبح سے شام تک ان کے گھر ملاقات کے لئے بیٹھے رہے۔ عصر کے بعد گھر سے رقعہ آیا کہ میری طبیعت علیل ہے۔ اگر آپ لوگ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے مسودے کے لئے بیٹھے ہیں تو اطلاع دیتا ہوں کہ کتاب کانپور میں چھپ رہی ہے۔ اس بات کو بھی دس سال ہو گئے اور ہنوز روز اول ہے۔ نسیم الحق صاحب کے ساتھ بہار کے ایک مستعد عالم علی احمد سیوانی بھی تھے۔

اب آپ ''جہان رضا'' کے ذریعے عالمی اور دینی دنیا کی آواز ان تک پہنچائیں کہ اب وہ براہ کرم سنیوں اور رضویوں پر کرم فرما کر مسودہ مجھے واپس کریں یا حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کو یا آپ کو یا پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کو بحفاظت تمام بھیج دیں۔ سارے سنی رضوی بھائی ان کے شکر گزار ہوں گے۔ ۳۰ ر سال تک میں خاموش رہا اور اس بات کا منتظر رہا کہ مفتی صاحب اپنے فرائض کا احساس کریں گے اور یا تو وہ کتاب شائع کریں گے یا مسودہ واپس کر دیں گے۔ لیکن آج سید صابر حسین شاہ صاحب کی مندرجہ بالا سطریں (''جہاں رضا'' شمارہ جولائی ۹۸ء صفحہ ۱۰) اور اسی رسالے کے اگست ۹۸ء کے شمارے صفحہ نمبر ۱۹ میں آپ کے نام صاحبزادہ محمد الیاس قادری فاضل صاحب (چکوال، گجرات) کے مکتوب گرامی کی یہ عبارت دیکھ کر یارائے صبر نہ رہا جس میں تحریر فرماتے ہیں:

''چند سال پیشتر آپ نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' ۸ ر حصوں میں مرکزی مجلس رضا، لاہور کی جانب سے طبع کروانے کا اعلان فرمایا تھا جس میں تین حصے پہلی جلد کے ملے باقی کیا ہوئے۔ غالباً انڈیا کے کسی مفتی نے تین حصے دبائے ہوئے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ کسی نے اس سے واپس لینے کی ہمت نہیں کی اور تو اور پروفیسر مختار الدین احمد آرزو صاحب قبلہ بھی بے بس نظر آتے ہیں اور بریلی شریف والے بھی خاموش ہیں۔ کیا وہ مفتی اتنا طاقتور ہے؟ کیا کوئی ہمت والا اس سے کتاب بازیافت نہیں کروا سکتا۔ کسی اداریے میں اس مسئلے پر بحث فرمائیں اور اچھی طرح فرمائیں''۔

صاحبزادہ صاحب کی یہ سطریں پڑھ کر ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور یہ سرگزشت آپ کو لکھ دی کہ آپ صورت حال سے واقف ہو جائیں۔ مفتی صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ کبھی کبھی وعظ و نصیحت، تبلیغ و ارشاد کے لئے اپنے وطن سے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر اپنے وطن مالوف (خانقاہ قادریہ اشرفیہ

بھوانی پور، ضلع مظفر پور، بہار ہندوستان) میں مقیم رہتے ہیں۔ انہیں خطوط لکھتے لکھواتے رہئے اور ان کے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس بات کی توفیق دے کہ وہ مسودہ واپس کردیں میں ان کا بہت شکر گزار ہوں گا۔

علامہ ارشد القادری نے ایک ملاقات میں مجھ سے فرمایا تھا کہ اس کا بھی امکان ہے کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' مصنفہ ملک العلماء فاضل بہار حضرت علامہ ظفر الدین قادری رضوی کچھ دنوں بعد کسی اور نام سے شائع ہوجائے۔ کتب کے چاروں حصوں میں ''حصہ دوم'' اس لحاظ سے سب سے اہم ہے کہ اس میں تصانیف اعلیٰ حضرت کا مفصل ذکر ہے۔ جن کتابوں سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں بلکہ جن کے نام بھی ہم نے نہیں سنے ہیں توقع ہے کہ اس حصے میں ایسی نادر کتابوں کا ذکر ہوگا۔

کراچی کے اہل علم کے لئے خوشخبری یہ ہے کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' حصہ دوم کا ایک نسخہ بہ خط مصنف مولانا سید ایوب علی رضوی کے خانوادے میں کہیں دبا ہوا ہے۔ مل کر علماء نے یہ حصہ اشاعت کے لئے انہیں بھیجا تھا۔ اس کی رجسٹری کی رسید میرے پاس موجود ہے۔ احباب سے التماس ہے کہ سید صاحب کے خانوادے سے جو کراچی میں ہیں، رابطہ کر کے مسودے کا پتہ چلائیں۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے سکریٹری جنرل پروفیسر مجید اللہ قادری خاص طور پر توجہ فرمائیں۔

میرے پاس مفتی محمود احمد قادری صاحب کے ساتھ خطوط محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوق وشوق سے انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ پھر کیا ہوا کہ انہوں نے سخت سرد مہری اختیار کرلی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے ہمیں توقع رکھنی چاہئے کہ کسی دن مسودہ واپس آ... اور انشاء اللہ پوری کتاب شائع ہوگی اسی طرح جس طرح ملک العلماء نے لکھی تھی۔

بحوالہ...... ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور اکتوبر نومبر ۹۸ء

اہلسنت و جماعت کا یہ اجتماعی فریضہ ہے کہ حیات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے اس بنیادی ماخذ کو مولانا شاہ محمود احمد قادری سے حاصل کر کے منظر عام پر لائیں جس طرح بھی ممکن ہو۔

۱۱۔ ''مشرقی کا غلط مسلک'' عنایت اللہ معرقی کے رسالہ ''مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹'' کے جواب میں لکھا، جس میں ان کے اس دعوے کا علمی انداز میں جواب دیا گیا کہ متحدہ ہندوستان کی تمام مسجدوں کی سمت قبلہ غلط ہے۔

۱۲۔ ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' (۱۳۲۷ھ) سن مذکورہ تک امام احمد رضا خاں بریلوی کی لکھی ہوئی ساڑھے تین سو تصانیف کا تعارف، اس کے بعد سینکڑوں چھوٹی بڑی تصانیف ان کے قلم سے تیار ہوئیں۔

۱۳۔ ''الجواہر و الیواقیت'' (۱۳۳۰ھ) طلوع و غرب، نصف النہار، ضحوہ کبریٰ، وقت عصر، ضرب ستینی، کسور اعشاریہ، جیب لوگارثمی وغیرہ اہم مسائل آسان زبان میں بیان کئے ہیں افسوس کہ اس ضروری علم کے جاننے والے اس وقت ہمارے ہاں خال خال رہ گئے ہیں۔

۱۴۔ ''جواہر البیان'' (۱۳۳۳ھ) علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت کتاب ''الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان'' کا اردو ترجمہ (تذکرہ)۔

۱۵۔ ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' (۱۳۵۴ھ) فقہ کی یہ کتاب بہار کے مشہور اہل قرآن عالم سید محی الدین تمنا عمادی کے

درج ذیل سوالات کے جوابات میں لکھی گئی۔

۱۔ ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں؟

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں ایصال ثواب کا کوئی دستور تھا یا نہیں؟

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اہل بیت اور صحابہ کرام جو وفات پاتے گئے ان کے لئے آپ نے یا آپ کے حکم سے صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ پھر ایک بار کیا یا بار بار؟

۴۔ فقہ حنفی میں ایصال ثواب کا طریقہ لکھا ہے یا نہیں؟ خود حضرت امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جواب میں حضرت ملک العلماء نے ایک مبسوط کتاب سپرد...... اور ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا......

۱۶۔ ''چودھویں صدی کے مجدد'' (۱۳۶۷ھ) تیرہ صدیوں کے مجددین کی فہرست اور چودھوں صدی کے مجدد امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ کا تفصیلی تذکرہ وتعارف''۔

حضرت ملک العلماء کی تصانیف کی فہرست میں چند منتخب کتب کا ذکر کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی تمام تصانیف ہی منتخب ہیں۔

صحیح البہاری

پاک و ہند بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ میں عام طور پر صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف اور ''بلوغ المرام'' ''اربعین نووی'' وغیرہ کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں عموماً اور بالقصد وہی احادیث درج کی گئیں ہیں جو مذہب شافعی کی تائید کرتی ہیں۔

صدیوں تک ہندوستان میں شافعی علماء کے تیار کردہ احادیث کے مجموعے ہی پڑھائے جاتے رہے۔ بالآخر علماء احناف کی توجہ بھی ان احادیث کے جمع اور مرتب کرنے کی طرف ہوئی جو احناف کی دلیلیں ہیں۔

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۔۱۰۵۲ھ) نے ''فتح المنان فی تائید مذہب النعمان'' کے نام سے ایک مجموعہ احادیث مرتب کیا جن سے آئمہ احناف سے استدلال کیا ہے اس کے بعد علامہ سید مرتضی زبیدی (م۔۱۲۰۵ھ) نے ''عقود الجواہر الحنفیۃ فی ادلۃ الامام ابی حنیفۃ'' لکھی۔

ان کے بعد علامہ ظہیر احسن شوق النیموی بہاری (م۔۱۳۲۲ھ) نے ایک مجموعہ احادیث ''آثار السنن'' کے نام سے مرتب کیا لیکن یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی اور باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

ملک العلماء نے احادیث شریفہ کا ایسا مجموعہ تیار کرنے کا پروگرام بنایا جس میں وہ احادیث جمع کردی جائیں جن سے مسلک اہل سنت و جماعت اور مذہب حنفی میں استدلال کیا جاتا ہے۔ ان کا منصوبہ فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق چھ جلدوں میں کتاب مکمل کرنے کا تھا ترتیب اس طرح رکھنا چاہتے تھے:

۱۔ کتاب العقائد

۲۔ کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ

۳۔ کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم

۴۔ کتاب النکاح تا کتاب الوقف

۵۔ کتاب البیوع تا کتاب الغصب

۶۔ کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض

پہلے دوسری جلد کی اشاعت کا منصوبہ بنایا گیا یہ جلد ۱۹۶۰ صفحات اور ۱۹۲۸ احادیث پر مشتمل تھی اور چار حصوں میں شائع کی گئی۔۱۲۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کتاب مکمل ہوتی تو

پچاس ہزار سے زیادہ احادیث پر مشتمل ہوتی ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ریٹائرڈ پروفیسر حیدرآباد یونیورسٹی نے اسی جلد کا فوٹو لے کر اشاعت کی۔ پہلی جلد جو عقائد پر مشتمل ہے اس کی فوٹو کاپی جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد مدظلہ نے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں بھجوائی اس جلد پر تخریج اور تکمیل کا کام جناب محترم مولانا عباس رضوی (گوجرانوالہ) انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سنا کہ وہ فرماتے تھے: ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف سے احادیث مبارکہ لے کر انہیں ابوحنیفہ کے مطابق مرتب کیا اور حدیث کی دیگر کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔ اس کی تائید صحیح البہاری کی پہلی جلد کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی کی ان تصانیف کی نشاندہی کی ہوئی ہے جن سے انہوں نے احادیث حاصل کی ہیں۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نے اگر کسی حدیث راوی صحابی کا ذکر نہیں کیا تو اس کتاب میں صحابی کے نام کی جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے اور اگر اس کے ماخذ کا ذکر نہیں کیا تو اس میں ماخذ کی جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے اسی خلاء کو مولانا محمد عباس رضوی پر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس کتاب کو موافق و مخالف علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا، سید شاہ محی الدین سجادہ نشین درگاہ مجیبیہ پھلواری شریف لکھتے ہیں:

''بحمد اللہ یہ تصنیف مذہب حنفیہ پر اغیار کے اس غلط الزام کا کہ یہ لوگ اقوام منصوصہ کو چھوڑ کر اقوال امام اعظم پر عمل کرتے ہیں، بہت کافی و شافی جواب ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ'' ۱۳

ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ نے شمارہ جولائی ۱۹۳۲ء میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری'' کے نام حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مذہب حنفی کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے جو فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ جلدوں میں تقسیم ہے..... اس کی ابتداء میں فن حدیث پر حنفی نقطہ نظر سے ایک بسیط مقدمہ لکھا گیا ہے بہرحال حدیث و فقہ کی ایک مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔ ۱۴

اخبار اہل حدیث امرتسر نے ۱۹ جولائی ۱۹۳۲ء کے شمارے میں لکھا:

''صحیح البہاری'' یہ حدیث کی ایک جدید کتاب جو ایک حنفی عالم نے تخریج زیلعی وغیرہ سے ماخوذ کر کے لکھی ہے..... ہمارے خیال میں حنفیہ کرام میں احادیث کا رواج ہونے سے حنفی، اہلحدیث میں جو خلیج ہے وہ کم ہو جائے گی۔ اس لئے فاضل مولف کی محنت قابل داد ہے'' ۱۵

اس جگہ محدث دکن حضرت مولانا سید ابوالحسنات عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۸/ ربیع الثانی مطابق ۱۳۸۴ھ/ ۲۷ اگست ۱۹۸۴ء) کی تصنیف لطیف ''زجاجۃ المصابیح'' کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں۔ یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل اور احناف کے لئے مشکوٰۃ المصابیح کے متبادہ بہترین ذخیرہ احادیث ہے۔ مشکوٰۃ شریف مذہب شافعیہ کے مطابق مرتب کی گئی ہے اور ''زجاجہ'' میں مذہب حنفی کے دلائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب پاک و ہند میں چھپ کر قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ مولانا حافظ محمد شاہد اقبال کی نگرانی میں اردو ترجمہ کے ساتھ فرید بک سٹال، لاہور کی طرف سے چھپ رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ ☆☆☆

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ

از قلم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ، کراچی

علامہ محمد ظفر الدین رضوی (م۔۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) پاک و ہند کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ "حیات اعلیٰ حضرت" کے مؤلف مولانا ظفر الدین بہاری ہندوستان کے مشہور و معروف دانشور ڈاکٹر مختار الدین آرزو (سابق صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے والد ماجد اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے شاگرد و خلیفہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۵/ شعبان ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء) بنام خلیفہ تاج الدین میں مولانا ظفر الدین کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور بجاں عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ منظر اسلام میں مدرس ہیں۔ اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں"۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ص۲۴۴)

آپ کا سلسلہ نسب متعدد واسطوں سے محی الدین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے...... آپ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور میجرہ، (ضلع پٹنہ، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ شوال ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں مدرسہ حنفیہ غوثیہ (موضع بین، پٹنہ) میں داخل ہوئے اور متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم حنفیہ (بخشی محلہ، پٹنہ) میں چلے گئے۔ یہاں استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م۔۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) کے شاگرد اور شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (م۔۱۳۱۳ھ/ ۱۸۱۹ء) کے خلیفہ شیخ المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی (م۔۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۶ء) صدر مدرس تھے۔ فاضل رضوی یہاں ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں کانپور جا کر مولانا احمد حسن کانپوری (م۔۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء) سے علوم و فنون کی امہات الکتب کا درس لیا۔ ان کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی ...... کانپور سے پھر علامہ وصی احمد محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوئے جو پہلے ہی یہیں تشریف لا چکے تھے۔ یہاں فاضل رضوی ان کے درس حدیث میں شریک رہے اور حدیث پاک کی سماعت و قرأت کی۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں فاضل رضوی بریلی میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (م۔۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصے مدرسہ مصباح التہذیب، بریلی میں پڑھتے رہے اور دار الافتاء رضویہ میں مشق افتاء کرتے رہے۔ پھر جب ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں دار العلوم منظر اسلام بریلی قائم ہوا، تو فاضل رضوی اس کے پہلے طالب علم ہوئے اور فاضل بریلوی سے بخاری شریف اور مسلم شریف از اول تا آخر پڑھیں۔ اس کے علاوہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح تشریح الافلاک، شرح چغمینی

(مکمل)، علم توقیت، علم جفر، علم تکسیر وغیرہ کی بھی تحصیل کی۔ اور تصوف میں "عوارف المعارف" اور "رسالہ قشیریہ" بھی پڑھا......

فاضل رضوی کو علم توقیت میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی (م۔ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) بھی اس کے معترف تھے۔ فن حدیث میں ان کی مہارت پر کتاب "جامع الرضوی" شاہد عادل ہے...... وہ ممتاز معلم و مقرر اور محقق و مصنف تھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے محبوب و شاگرد اور محبوب معین و مددگار تھے۔ لائق اور قابل استادوں سے پڑھا۔

فاضل رضوی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی سے فارغ ہوئے اور دستار فضیلت حاصل کی...... وہ فتویٰ نویسی میں فاضل بریلوی کے معین بھی رہے۔ سلسلہ قادریہ میں فاضل بریلوی سے محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی۔

سند فراغت حاصل کرنے کے بعد فاضل رضوی مختلف مدرسوں میں بحیثیت مدرس اور صدر مدرس پڑھاتے رہے۔ وہ سب سے پہلے دارالعلوم منظر اسلام، بریلی میں مدرس ہوئے۔ پھر فاضل بریلوی کے ایماء پر جامع مسجد شملہ (بھارت) میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے...... ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۲۱ء میں الغربا آرہ چلے گئے سال بھر بعد مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں استاد تفسیر و حدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۶ء کے اواخر میں خانقاہ کبیرہ، سہسرام میں بحیثیت صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۱ء میں جب مدرسہ شمس الہدیٰ حکومت کے زیر اثر آیا، تو فاضل رضوی یہاں بلائے گئے...... ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں سہسرام میں منتقل ہو کر مدرسہ شمس الہدیٰ میں آگئے اور فنون کی اعلیٰ کتابوں کی درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ حدیث، فقہ اور ہیاۃ میں ان کا درس دور و نزدیک مشہور ہوا۔ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں وہ مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہو گئے اور ۱۹/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ریٹائر ہو گئے۔

مختلف مدارس عالیہ میں خدمات، اور ان کی زندگی دور جدید کے استادوں اور محققوں کے لیے نمونہ ہے۔ علم ہیئات اور علم توقیت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بعد وہی مرجع ہے۔

۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء سے ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء تک فاضل رضوی، ظفر منزل شاہ گنج، پٹنہ میں مقیم رہے۔ ۲۹/ شوال ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء کو کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کے صدر مدرس ہوئے۔ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۰ء میں علالت کی وجہ سے واپس ظفر منزل، پٹنہ آگئے...... ۱۹/ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ء کو شب دو شنبہ انتقال فرمایا...... "فاضل بہار" آپ کا مادہ تاریخ وفات ہے...... مزار مبارک محلہ شاہ گنج، پٹنہ (بھارت) میں ہے۔ نرینہ اولاد میں اس وقت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو یادگار ہیں، جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ عرصہ دراز تک مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں صدر شعبہ عربی اور ڈین رہے۔ آج کل جامعہ اردو، علی گڑھ میں نائب شیخ الجامعہ ہیں۔

فاضل رضوی کی تصانیف کی تعداد ۷۰ سے زیادہ ہے۔ صحیح البہاری ان کی تصانیف میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ جس کی دوسری مطبوعہ جلدوں میں طہارت اور صلوٰۃ سے متعلق تقریباً دس ہزار احادیث جمع کی گئی ہیں...... "حیات اعلیٰ حضرت" بھی ان کی ممتاز تصانیف میں ہے۔ جس کی پہلی جلد عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔ دوسری و تیسری جلدیں (جو ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے پاس محفوظ ہیں) سنا ہے کہ ہندوستان سے شائع ہونے والی ہیں۔ اس کتاب کو اگر جدید سوانحی اصول کے تحت مدون کیا جائے، تو اس کی اہمیت دو چند ہو جائے گی۔

چند ایک کتب یہ ہیں:

۱) المجمل المعد لتالیفات المجد د(۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء)
۲) الجواہر الیواقیت (۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء)
۳) موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ/۱۹۶۱ء)
۴) اعلام الاعلام باحوال عرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء)
۵) نہایۃ المنتہی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء)
۶) الافادات الرضویہ (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)
۷) صحیح البہاری (۱۳۴۵ھ/۱۹۲۵ء)
۸) تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء)
۹) نافع البشر فی فتاوی الظفر (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)
۱۰) الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)
۱۱) الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)
۱۲) تحفۃ الغطماء فی فضل العلماء (۱۳۶۵ھ/۱۹۳۶ء)
۱۳) حیات اعلیٰ حضرت (مظہر المناقب) ۱۹۳۸ء - چار مجلدات
۱۴) زیج الایائی (۱۳۵۴ھ/۱۹۲۶ء)
۱۵) دلچسپ مکالمہ (۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء)
۱۶) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال ثواب (۱۳۴۵ھ/۱۹۳۷ء)
۱۷) تنویر السراج فی بیان المعراج (۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء)
۱۸) سد الفرار المہاجری بہار (۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء) !

مآخذ و مراجع

۱) حسن رضا اعظمی، ڈاکٹر فقیہہ الاسلام، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۸۱ء ص ۲۳۸-۲۴۳
۲) عبد المجتبیٰ رضوی، مولانا تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ،
مطبوعہ بنارس جج ۱۹۹۰ء ص ۴۶۱
۳) محمد ظفر الدین بہاری علامہ: حیات اعلیٰ حضرت جلد اول مطبوعہ کراچی ص ۲۲۴
۴) محمود احمد قادری مولانا تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کانپور ۱۹۷۷ء ص ۱۱۳، ۱۱۹
۵) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ سیالکوٹ ص ۹۳
۶) مجلہ معارف رضا، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۹ء ص ۲۲۷-۲۲۴

آپ کا سلسلہ نسب متعدد واسطوں سے محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے......
آپ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور میجرہ، (ضلع پٹنہ، بھارت) میں پیدا ہوئے۔
۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں فاضل رضوی بریلی میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (م۔۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصے مدرسہ مصباح التہذیب، بریلی میں پڑھتے رہے اور دار الافتاء رضویہ میں مشق افتاء کرتے رہے۔ پھر جب ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں دار العلوم منظر اسلام بریلی قائم ہوا، تو فاضل رضوی اس کے پہلے طالب علم ہوئے اور فاضل بریلوی سے بخاری شریف اور مسلم شریف از اول تا آخر پڑھیں۔ اس کے علاوہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح تشریح الافلاک، شرح چغمینی (مکمل)، علم توقیت، علم جفر، علم تکسیر وغیرہ کی بھی تحصیل کی۔ اور تصوف میں "عوارف المعارف" اور "رسالہ قشیریہ" بھی پڑھا......فاضل رضوی کو علم توقیت میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین قادری قدس سرہٗ

از قلم: پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برقؔ، پٹنہ، بہار

زانقلابِ زمانہ عجب مدار کہ چرخ
ازیں فسانہ ہزاراں ہزار داردیار

زمانہ کی کروٹوں سے فرش تاریخ پر سلوٹیں پڑتی ہیں، مرورِ ایام سے صفحات تاریخ درہم برہم ہوتے ہیں اور صرصرِ وقت کے ہاتھوں اوراق پارینہ بکھرتے اڑتے نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں، مگر صداقت کی متلاشی حق بیں نگاہیں ان کی جستجو سے باز نہیں آتیں اور بالآخر کامیابی ان کا مقدر ہوتی ہے۔

ہندوستان جنت نشان کے صوبہ بہار کا مرکز آغاز سے ہی پاٹلی پترا عظیم آباد اور فی الحال پٹنہ کے نام سے بڑی تاریخی، مذہبی، تمدنی، اور ثقافتی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ بدھ بھکشوں، جینی سنتوں، ہندو جوگیوں، مسلمان صوفیوں، فقیروں، اللہ والوں، مذہب حقہ و دین متین کے عالموں اور مبلغوں نے اس سرزمین کو اپنی آماجگاہ بنایا۔ جہاں آج مخدوم یحیٰی منیری، مخدوم جہاں شرف الدین بہاری، مخدوم شعیب شیخ پوروی، مخدوم سید احمد الجھری، مخدوم شہاب الدین پیر جگجوت قدس سرہم کے آستانے، خانقاہیں صدیوں سے منبع عرفانی اور مرکز روحانی بنی ہوئی ہیں۔ وہیں اس خطۂ بہار پر بہار میں مراکز و مدارس علوم اسلامی، درس و اذکار حدیث اور رموز و اسرار قرآنی سے قلوب و اذہان کو منور و مطہر کرتے رہے ہیں۔ فرقہ ہائے ضالہ و باطلہ بفحوائے شیطان لعین عدو مبین جب جب جس بھیس میں دین برحق اور عقائد صحیحۂ اہل سنت والجماعت میں رخنہ اندازی و فتنہ پردازی پر مائل ہوئے، علمائے دین متین ورثۃ الانبیاء اور کانبیائے بنی اسرائیل کی صورت ہر فرعون را موسیٰ ثابت ہوئے۔

چودھویں صدی ہجری جس میں زلازل و فتن کی خبر دی گئی ہے، عالم اسلام کے لئے بڑا صبر آزما دور کہا جانے لگا۔ سرزمین عرب کا فتنۂ نجدیہ وہابیہ زبان و بیان بدل کر جب ہندوستان میں وارد ہوا تو یہاں بھی مذہبی اختلال و جدال رونما ہونے لگے۔ نتیجتاً زوال ملی کا مہیب سایہ عقائد و اعمال پر بھی بڑھتا گیا۔ ایسی ظلمت بدوش آندھی میں حق و صداقت کا چراغ روشن رکھنے والی ایک عبقری شخصیت سرزمین بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کی بھی تھی۔ اس چراغ سے روشن ہو ہوکر بہت سارے چراغ مختلف دور دراز علاقوں میں روشن چراغ بنتے گئے۔

بہار یقیناً شروع سے ہی علم و عرفان کا مرکز رہا ہے۔ یہاں علمائے کرام و مشائخ عظام نے دین و مذہب کی اشاعت و حفاظت کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ بظاہر علماء و مشائخ کے دو طبقے اور گروہ ہیں۔ ان میں ہر ایک دوسرے کا معین و معاون و مددگار ہے۔ ایک شیخ بیک وقت عالم بھی ہوتا ہے، مگر ایک عالم کے لیے شیخ طریقت ہونا لابدی نہیں۔ اکثر علماء بحیثیتِ مشائخ بھی فیض رساں

رہے ہیں۔ میں اس علمی بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے موضوع پر آتا ہوں۔ میری مراد چودھویں صدی ہجری میں عظیم آباد کے فاضل اجل عالم بے بدل شیخ برمحل حضرت ملک العلماء مولٰنا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہاری سے ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۴؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور میجرہ (بہار) میں ہوئی۔ آپ مشہور شہید بزرگ حضرت مخدوم سیّد ابراہیم ملک بیا غازی بہاری کی اولاد سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد منشی ملک محمد عبدالرزاق سے حاصل کی۔ پھر دس سال کی عمر میں (۱۳۱۳ھ) میں مدرسہ حنفیہ غوثیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں داخل ہوئے۔ متوسطات پڑھ کے مشہور ادبی محقق قاضی عبدالودود کے والد ماجد مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی رحمۃ اللہ علیہ رئیس عظیم آباد کے قائم کردہ دارالعلوم حنفیہ بخشی محلہ، پٹنہ میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۱۷ھ تک یہیں زیر تعلیم رہے۔ بعدہٗ کانپور گئے اور وہاں مستند علماء وقت سے اکتساب علم واستفادہ کیا۔ کان پور سے پیلی بھیت گئے، جہاں حضرت محدّث سورتی سے درس لیا۔ اور ۱۳۲۲ھ میں حضرت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی خدمات اقدس میں حاضر ہوئے اور انہیں کے ہو رہے یعنی کسب فیوض علمی کے ساتھ ہی بیعت طریقت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے بھی ممتاز ہوئے۔ اس طرح شریعت مطہرہ وطریقتِ منورہ کا ایک بہترین سنگم بن گئے۔

می افتد آخر بدستش دولت دنیا و دیں
ہر کہ پائے او بدامان توکل می رسد

فراغتِ علمی کے بعد فاضلِ بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن مدرسوں کو اپنی خدمات سے مفتخر کیا ان میں مدرسۂ منظر اسلام بریلی شریف 'مدرسۂ فیض الغرباء' آرہ' 'مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ' مدرسہ خانقاہ کبیریہ، سہسرام اور جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم، کٹیہار (بہار) ہیں۔ ساری زندگی حضرت ملک العلماء کی درس وتدریس، تبلیغ مسلک اعلیٰ حضرت اور ردِّ فرق ضالہ وباطلہ کے لیے وقف رہی۔

۲۲؍سال کی عمر سے ہی بدعقیدوں اور وہابیوں سے علمی مناظرہ کرنے لگے۔ حق آپ کے ساتھ تھا۔ لہٰذا ہر مناظرہ میں بدعقیدوں کو شکست فاش ہوئی اور منہ کی کھائی پڑی۔ میوات کے پہلے مناظرہ کی روداد بنام نجدیہ کا چپ مناظرۂ دیدنی ہے۔ رسالے کا یہ تاریخی نام فاضل بریلوی ہی کا رکھا ہوا ہے۔ بقول مولانا محمد ادریس رضوی، حضور ملک العلماء نے آریاؤں، قادیانیوں، وہابیوں، دیوبندیوں اور دوسرے فرقہ ہائے باطلہ سے متعدد مناظرے کیے اور ہر جگہ سے کامیاب وکامران لوٹ کر آئے۔

حضرت ملک العلماء علوم وفنون کے بحرِ ذخار تھے۔ درس وتدریس معمول میں داخل تھا۔ تقریر سے زیادہ توجہ تحریر کی طرف تھی۔ لہٰذا حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، اخلاق ونصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر، مناظرہ میں آپ کی ستر سے زیادہ کتابیں بتائی جاتی ہیں۔

عام طور پر آپ کی کتابوں میں، موذن الاوقات، حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا، بہت مشہور ومقبول ہوئیں۔ عافیہ، وافیہ، حیات اعلیٰ حضرت، گنجینۂ مناظرہ، وغیرہ بھی بڑی معیاری علمی کتابیں ہیں۔ مگر آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اور سخت محنت وعرق ریزی کا کام، جامع الرضوی المعروف، بہ صحیح البہاری، ہے۔ جو چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد میں تقریباً آٹھ سو صفحات ہیں۔ اس کتاب میں پینتالیس ہزار کے قریب احادیث درج ہیں۔ تفصیل اجزا یوں ہے:

الجزء الاوّل: عقائد کے بیان میں
الجزء الثانی: طہارۃ وصلاۃ کے بیان میں
الجزء الثالث: زکوٰۃ، روزہ، اور حج کے بیان میں

الجزء الرابع: کتاب النکاح تا وقف

الجزء الخامس: کتاب البیوع تا غصب

الجزء السادس: کتاب الشفعہ تا فرائض

حقیقت یہ ہے کہ صحاح ستہ میں جو مقام صحیح البخاری کو حاصل ہے مابعد کی کتب احادیث میں وہی مقام وامتیاز صحیح البہاری کو حاصل ہے۔ افسوس عصر حاضر اس یگانہ روزگار عالم اور اس کے کارناموں کی قرار واقعی قدر نہ کر سکا۔ وہ شخص جس نے عمر عزیز کے تقریباً ساٹھ سال مسلسل دین متین کی تقریری وتحریری خدمت کی ہو اور ایسے نادر کارنامے چھوڑے ہوں، جس کی مثال مشکل سے ملے گی، نئی نسل کے درمیان گمنام ہوتا جارہا ہے۔ وہ شخص جس نے سنیت کے لیے بے لوث خدمت کی، تحفظ ناموس رسول ﷺ کے لیے خود کو وقف وقربان کر دیا، مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ کی اور گمراہوں بدعقیدوں سے بشمشیر قلم نبرد آزما رہا۔ آج اس کا ذکر کیجئے، تو عالم لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کون تھے، کہاں تھے۔

ضرورت اس کی ہے کہ تمام عربی درس گاہوں میں خصوصاً اپنے مسلک وعقیدے کی جامعات میں آپ کی کتاب صحیح البہاری، داخل نصاب کی جائے اور ان کے احوال وآثار سے طلباء کی واقفیت کلی بہم پہنچائی جائے۔

فغاں کہ تنگدلی دردیار ما عام است
بغایتی کہ اثر در دعا نمی گنجد

نومبر ۱۹۶۰ء کی بات ہے، میں پٹنہ لاکالج کے اولڈ ہوسٹل روم نمبر ۱۱۳ میں رہتا تھا۔ ایک دن بعد عصر دروازے پر دستک ہوئی، دروازہ کھولا، تو دیکھا حضرت ابی وشیخی علامہ سید شاہ محمد قایم قتیل داناپوری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں۔ میں سلام کرکے دست بوس ہوا، وہ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ آج حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی قدس سرہٗ پٹنہ آئے ہوئے ہیں اور شام میں ان کی تقریر محلہ شاہ گنج میں ہوگی۔ میں بھی اس جلسے میں جا رہا ہوں، سوچا، تمہیں بھی ساتھ لے لوں۔ پھر نہ معلوم یہ موقع کب نصیب ہو، اور ہوا بھی یہی کہ حضرت محدث اعظم ہند کی وہ ملاقات میرے لیے اول وآخر ہوگئی۔ میں حضرت والد ماجد کے ساتھ شامل ہولیا۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت ملک العلماء کے دولت کدہ ظفر منزل پر حاضری دی۔ میں اپنے حضرت کے ساتھ کئی بار وہاں جاچکا تھا۔ اس روز میں نے حضور ملک العلماء کو جتنا خوش اور مسرور دیکھا، اتنا کبھی نہیں۔ سیرت پاک کا سالانہ جلسہ تھا۔ صدارت حضرت ملک العلماء کی تھی۔ مقررین میں کئی اور علمائے کرام بھی تھے۔ ظفر منزل، پر کچھ دیر ہی بعد حضور محدث اعظم ہند تشریف لائے اور عشاء تک ان علماء کی باہمی گفتگو سے یہ کم سواد بھی مستفید و فیضیاب ہوتا رہا۔ افسوس کہ ایک ہی سال وقفہ سے حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ ۱۳۸۲ھ میں اور حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ ۱۳۸۳ھ میں واصل بحق ہوگئے۔

زبس خیال تو آرد ہجوم بر چشم
بگرد ہر مژہ صد آفتاب می گردد

حضرت ملک العلماء اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ نہایت خاموشی دیانت داری کے ساتھ تا عمر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی آمدورفت مدرسوں اور خانقاہوں میں یکساں تھی۔ خانقاہ منیر شریف، پھلواری شریف، داناپور اور پٹنہ کے اعراس میں اکثر وبیشتر شریک ہوئے۔ آپ کے تبحر علمی، تفقہ اور تصوف پسندی سے علماء ومشائخ سبھی مسحور تھے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے تعلقات و مراسم دیرینہ، استوار اور گہرے تھے۔ ردّ وہابیت ونجدیت میں حضرت قتیل کے بیسویں رسائل شائع ہو

چکے تھے۔ بدعقیدوں سے مسلسل قلمی معرکہ آرائی رہی اور حضرت ملک العلماء کی تائید و تحسین موصوف کا حوصلہ بڑھاتی رہی۔ حافظ عبدالحفیظ اشرفی مرحوم جو اصلاً داناپور کے ہی تھے، شاہ گنج میں مقیم تھے اور مسلک اعلیٰ حضرت کے بڑے سرگرم مبلغ، وہی حضرت ملک العلماء اور علامہ قتیل داناپوری کے درمیان پیغام و مکتوب رسانی کا معتبر ذریعہ بنے رہے۔

بدیں رواق زبرجد نوشتہ اند بزر
کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

حضرت ملک العلماء ان مغتنمات میں سے تھے، جن پر اہلِ بہار کا سر ہمیشہ فخر سے اونچا رہے گا۔ آپ کے صاحبزادۂ بلند اقبال ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو ایک بڑے محقق اور ناقد کی حیثیت سے مشہور زمانہ ہیں۔ اللہ انہیں سلامت و باکرامت رکھے اور انھیں حضور ملک العلماء کے مشن کا روح رواں کردے آمین۔ افسوس ان کے ترک وطن سے ظفر منزل باقی نہ رہی۔ حضرت ملک العلماء نے طویل عمر پا کر ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور شاہ گنج کے قبرستان میں ہی سپرد خاک ہوئے۔ ربّ غفور ان کی مغفرت فرمائے ان کی لحد پر رحمتوں کا نزول پیہم ہو۔ آمین ثم آمین

آبِ حیواں تیرہ گوں شد خضر فرخ پی کجا ست
خوں چکید از شاخ گل باد بہاری راچہ شد

☆☆☆

"بہار یقینا شروع سے ہی علم و عرفان کا مرکز رہا ہے. یہاں علمائے کرام و مشائخ عظام نے دین و مذہب کی اشاعت و حفاظت کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں. بظاہر علماء و مشائخ کے دو طبقے اور گروہ ہیں. ان میں ہر ایک دوسرے کا معین و معاون و مددگار ہے. ایک شیخ بیک وقت عالم بھی ہوتا ہے، مگر ایک عالم کے لیے شیخ طریقت ہونا لابدی نہیں. اکثر علماء بحیثیت مشائخ بھی فیض رساں رہے ہیں. میں اس علمی بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے موضوع پر آتا ہوں. میری مراد چودھویں صدی ہجری میں عظیم آباد کے فاضل اجل عالم بے بدل شیخ برمحل حضرت ملک العلماء مولینا سید محمّد ظفر الدّین قادری رضوی فاضل بہاری سے ہے."

(پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برق)

حضور ملک العلماء فاضل بہار علیہ الرحمہ میرے استاذ تو نہ تھے لیکن ان کا اعزاز و اکرام میری نگاہ میں ہرگز اپنے استاذ محترم حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمہ سے کم نہ تھا۔ ہمیں ہر عالم کی تعظیم و احترام اور ان کی بارگاہ میں باادب رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہمارے اکابر علماء باوقار اپنے سے کم مرتبہ علماء کی غایت درجہ عزت و احترام فرماتے تھے اور پھر حضرت ملک العلماء تو استاذ محترم کے ہمعصر رفقاء میں سے تھے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی غالباً ۱۹۴۰ء

ملتی تھیں ذی استعداد طلبہ، نوجوان علماء اور علمی ذوق رکھنے والے حضرات اس زریں موقع پر اپنے علمی فقہی، منطقی اشکالات بھی انکی خدمت میں حاضر ہوکر حل کر لیتے تھے۔ بس اسی موقع پر حضور ملک العلماء کی زیارت ہوئی، پھر کبھی ان کی زیارت سے مشرف نہیں ہوسکا۔ افسوس ہے۔

حضور ملک العلماء ان ذی وقار علماء کی صف اول میں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے درجوں بلندیاں عطا فرمانے کی خوشخبری

یہ اعلیٰ خطاب اس سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوا۔ آپ اہل بیت اطہار کی نسل سادات کرام سے ہیں۔ آپ کے وارث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی آٹھویں صدی ہجری میں حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے اور فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں ہندوستان تشریف لائے۔ ان کی اولاد خطۂ بہار شریف اور آس پاس کے علاقے میں قیام پذیر ہوئی۔ حضور ملک العلماء اسی علاقے کے ایک مقام رسول پور میجرا میں مورخہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو شاہ عبدالرزاق کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اولاً آپ کا نام آپ کے والد محترم نے ''غلام حیدر'' رکھا بعد میں کئی مراحل گزار کر آخر میں ظفر الدین قرار پایا، آخر حیات تک یہی نام مشہور رہا۔

یہ نکتہ امید ہے، کہ قارئین کے دل و دماغ میں فرحت وانبساط پیدا کرے، کہ آپکے والد محترم کا اول تجویز کردہ نام ''غلام حیدر'' کی خصوصیات میں سے کچھ نہ کچھ کا ظہور آپ سے ہوتا رہا۔ حیدر کرار خطاب حضرت سیدنا علی زوج البتول سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرہ بنت رسول پاک سید الکائنات حضرت رسول اللہ ﷺ کا جن کے بارے میں ارشاد فرمایا انامدینة العلم وعلی بابها، اور جملہ سلاسل روحانی آپ کی ذات مقدسہ پر منتہی ہیں۔ آپ شجاعت اور بہادری میں بے مثل دشمنوں پر حملہ کرنے اور شکست دینے میں نہایت درجہ چابک دست اور کامیاب، دوسری حیثیت میں آپ علوم معرفت اور روحانی کا سرچشمہ اور علوم شرائع میں آپ مرتبۂ کمال رکھتے تھے۔ آپ کے علوم کا اندازہ آپ کے اس فرمان سے ہوتا ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ ''میں اگر چاہوں تو قرآن کریم میں بسم اللہ کے ''ب'' کی تفسیر میں ستر اونٹ لاد دوں۔''

حضور ملک العلماء نے بھی اپنی اسی نسبت کا جلوہ دکھایا، کہ آیت معراج ''سبحٰن الذی اسریٰ الآیة'' کی تفسیر تیرہ سال تک رجب شریف کے جلسوں میں بیان فرماتے رہے اور اس آیت میں لفظ بعبدہ میں ''ب'' کی تفسیر وتشریح اور اسی آیت میں حرف ''من والیٰ'' کی تین سال تک تفسیر وتشریح فرماتے رہے۔ آپ نے اس کی تفسیر میں ۴۶ رصفحات ۵۴ رصفحات اور ۶۳ رصفحات پر مشتمل تنویر السراج فی ذکر المعراج کے تین حصے مرتب فرمادیے۔ یعنی ایک سو پینسٹھ صفحات میں انہی کی تفسیر بیان فرمائی، پھر بھی سیر نہ ہوئے، ان رسالوں میں حضرت ملک العلماء نے کیسے کیسے علمی وفنی کلمات بیان فرمائے ہیں اور علم وعرفان اور روحانیت کے کیسے کیسے انمول جواہر پارے بکھیرے ہیں، کہ عقل کی گرہیں کھل جاتی ہیں اور روح ایمانی کو قوت وتازگی حاصل ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم اعجاز وایجاز اور اس کا کلام الٰہی ہونا مخالف کے لئے بھی ایک نا قابل انکار صداقت بن جاتا ہے، جسے یہ لذت حاصل کرنی ہو وہ ان تقاریر ورسائل کا مطالعہ کرے۔ ''غلام حیدر'' ہونے کی نسبت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صنف کراریت سے بھی آپ کو وراثت ملی آپ مخالف پر حملہ کرنے میں بے حد چابک دست تھے۔ آپ میدان مناظرہ کے شہسوار تھے۔ مخالف آپ کے جملوں کی تاب نہ لاسکتا آپ ہر مناظرہ میں دشمن پر باطل پرستوں پر اس درجہ پے درپے وار کرتے کہ مخالف اور باطل پرست کو شکست ہوتی اور وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا آپ کی اسی صفت کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس شعر میں بیان فرمایا۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے — اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

دراصل یہ آپ کے نام کی نسبت کی کرامت ہے۔ آپ کی تعلیم وتربیت اس زمانے کے مرکز کے علم وفن عظیم آباد (پٹنہ بہار) میں ہوئی اور نہایت قابل اساتذہ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل رہا۔ آخری مراحل میں آپ ایک نہایت ماہر وکامل، عبقری اور نابغۂ

روزگار شخصیت اعلیٰحضرت مجدد اعظم دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف تلمذ سے مشرف ہوئے۔ اس بارگاہ سے آپ کو وہ فیض ملا جو اس زمانہ میں کہیں اور نہ مل سکتا تھا۔ قرآن فہمی کا سلیقہ آیا، ذوق حدیث ملا، تفقہ فی الدین ملا، افتاء نویسی کا علم حاصل ہوا اور تصلب فی الدین ملا اور وہ علم ملا، جس پر شریعت مطہرہ کے بہت سے احکام واعمال کی ادائیگی کا دارومدار ہے۔ علم توقیت وتکسیر اس علم میں آپ نے امثال وقرآن اور اپنے معاصرین سے ممتاز بلکہ سب سے منفرد ہیں۔ اپنے معاصرین علماء میں آپکی واحد شخصیت جو علم توقیت وتکسیر کا معتدبہ علم رکھتی تھی۔ آپ نے اس علم میں تصنیفات بھی کی ہیں اور آنے والی نسلوں کے لئے نماز، روزہ، حج، اور بلاد دور دراز کے لئے اوقات نماز طلوع وغروب، زوال ضحوۂ کبریٰ، وقت ختم سحری وغیرہ مرتب فرمائی۔ جس سے آج بھی برصغیر میں امت کی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ آپ کی اس تصنیف (مؤذن الاوقات) وغیرہ سے بالخصوص ہندوستان پاکستان، بنگلہ دیش میں ملت اسلامیہ کی نمازیں صحیح وقت پر ہو رہی ہیں۔ اور روزہ کا وقت افطار وسحری کا صحیح وقت معلوم ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس کا اجر وثواب رہتی دنیا تک آپ کو ملتا رہے گا اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ "وان لک لاجراً غیر ممنون" کی بشارت پانے ولوں میں شامل ہونگے۔ رب کریم آپ کو اپنی مغفرت، رحمتوں اور نعمتوں سے نوازے اجر خیر دے اور جنات النعیم میں مقام عطا فرمائے۔ آمین

دور حاضر کے مقابلے میں آپ کا زمانہ نسبتاً خیر وبرکت کا زمانہ تھا۔ اس وقت جگہ جگہ عظیم مراکز علم قائم تھے، جونپور، کانپور، بدایوں، بریلی، کچھوچھہ، مارہرہ، دہلی، پٹنہ، مرادآباد، رامپور، میرٹھ، لاہور، حیدرآباد، سندھ حیدرآباد، دکن وغیرہ اہل حق واہلسنت کے مراکز تھے۔ جہاں بڑے بڑے جید، صاحب فضل وکمال، اخلاص وتقویٰ، مشاہیر علماء صلحاء اور مشائخ کرام موجود تھے۔ آپ کے اساتذۂ کرام، معاصرین اور ان کے تلامذہ میں بڑی بڑی جلیل القدر وعظیم المرتبت شخصیتیں موجود تھیں۔ آپ نے ان میں سے کثیر تعداد کی زیارت بھی کی اور اپنے اساتذہ ومشائخ سے کماحقہٗ فیضان علمی وروحانی بھی حاصل کیا۔ آپ کے ابتدائی اساتذہ میں ملک عبدالرزاق اشرفی، مولانا ابراہیم، مولانا شیخ محی الدین اشرف، مولانا شیخ بدرالدین، مولانا فخرالدین حیدر اور بعدہٗ مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا شیخ احمد کانپوری، مولانا شاہ عبداللہ پنجابی کانپوری اور مولانا بشیر احمد علی گڑھی جیسے جلیل القدر علماء سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ جن کی شہرت پورے ہندوستان میں تھی اور جو مسلم الثبوت ماہر وکامل اساتذہ وعلماء شمار کئے جاتے تھے۔ سب سے بلند قامت اور جملہ علوم وفنون پر عبور ومہارت رکھنے والے امام اہلسنت اعلیٰحضرت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی ہیں، جن سے تلمذ نے آپ کو وہ کمال عطا فرمایا، کہ آپ اپنے معاصرین میں ممتاز ومنفرد ہوئے حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے آپ نے صرف علم تفسیر، علم حدیث اور افتاء ہی حاصل نہیں کیا، بلکہ علم ہیئت، ریاضی وعلم توقیت وتکسیر حاصل کیا، جو آپ کے معاصرین میں آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اساتذہ، اکابر علماء اور مشائخ کرام کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت نے آپ کو عظمت، علمی وجاہت اور رفعت وقبولیت کے بلند مقام پر پہنچا دیا۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخ وقت کی بھی ان کی حیات ظاہری میں زیارت کی۔ حضرت ابوالحسین نوری میاں صاحب سجادہ مارہرہ شریف، حضرت سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی، حضرت التفات احمد صاحب سجادہ خانقاہ ردولی شریف، محب رسول شاہ عبدالقادر قادری بدایونی

کے صاحبزادے سجادہ نشین حضرت مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری اور حضرت شاہ عبدالصمد چشتی۔قدست اسرارہم اس کے علاوہ اعراس اولیائے کرام اور مزارات محبوبان بارگاہ الٰہی میں فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے حاضری دیتے تھے۔تاج الفحول محب رسول شاہ عبدالقادر قادری بدایونی جو اجل مشائخ کرام میں سے تھے۔ان کے عرس ۱۳۲۵ھ و ۱۳۲۷ھ کی رپورٹوں سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ان دونوں عرسوں میں آپ کی حاضری رہی۔حضور اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان حضرت شاہ صاحب کے بڑے معتقد تھے۔آپ کی حیات میں بھی اور پھر آپ کے عرس میں بھی بریلی سے حاضری کے لئے تشریف لاتے اور تقریر فرماتے تھے۔حضرت تاج الفحول کی حیات مبارکہ میں ایک بار ۱۳۹۳ھ میں اپنے والد محترم حضرت مولانا نقی علی خان اور حضرت تاج الفحول کی معیت میں سترہویں شریف کے موقع پر حضرت شیخ المشائخ نظام الملت والدین محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔اس وقت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی عمر شریف ۲۱ سال تھی۔عجیب اتفاق کی بات، کہ جب ملک العلماء حضور اعلیٰحضرت کی محبت میں تاج الفحول کے عرس میں ۱۳۲۵ھ میں حاضر ہوئے ملک العلماء کی عمر اس وقت ۲۱ رسال تھی۔ بدایوں شریف میں یہ عرس مبارک اجتماع علمائے عظام مشائخ کرام وسجادگان ذوالاحترام کے لئے مشہور تھا۔ہندوستان کے کونے کونے مشرق و مغرب جنوب وشمال سے علماء و مشائخ یہاں تشریف لاتے۔محافل عرس میں ان کی عرفانی وروحانی اور زبردست نکات کی حامل عالمانہ تقریریں ہوتیں ان کی زیارت اور تقاریر سے مستفید ہونے کیلئے دور دور سے زائرین حاضر ہوتے۔شرف زیارت حاصل کرتے اور فیوض و برکات سے استفادہ کرتے ۔ ملک العلماء اس معاملہ میں کب پیچھے رہنے والے تھے وہ ہمیشہ ایسے فیوض و برکات حاصل کرنے کیلئے مواقع کے انتظار میں رہتے تھے۔

دستار فضیلت: ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ میں اکابر علماء کی موجودگی میں بدست التفات احمد قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ شاہ عبدالحق ردولوی آپ کی دستار بندی ہوئی۔دارالعلوم منظر اسلام سے فارغ التحصیل والے طلبہ کی یہ پہلی جماعت جس کی فہرست میں شامل ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔فراغت کے بعد آپ نے تقریباً چودہ سال خالص عربی مدارس میں درس نظامیہ میں تفسیر، فقہ، حدیث اور دیگر علوم متداولہ کا درس دیا ساتھ ہی کار افتاء بھی انجام دیتے رہے۔کئی مدارس سے منسلک ہونے کے بعد آپ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام کے عہد میں مدرس اول ہوکر گئے تھے۔کئی سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔اس کے بعد آپ حکومت بہار کے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے وابستہ ہوئے اور ریٹائرڈ ہونے تک وہیں تعلیم دیتے رہے۔آخر زمانۂ ملازمت میں آپ اسی مدرسے کے پرنسپل بھی رہے۔۱۹۵۰ء میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے اپنی قیام گاہ پر دینی تعلیم وتدریس کار افتاء اور تالیف وتصنیف کا سلسلہ جاری رکھا۔اس دور کے طلبہ میں سید شاہ احسن الہدیٰ، سید شاہ فرید الحق عمادی، سید شاہ عاشق حسین ہیں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر درس لیا کرتے تھے۔مؤلف حیات ملک العلماء لکھتے ہیں، آپ نے سجادہ نشین تکیۂ حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادی کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار ضلع پورنیہ (بہار) میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا۔اور صدر مدرس کے عہدے کو رونق بخشی ،صرف اس بناء پر کہ اس علاقہ میں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہونے کے باوجود کوئی قابل ذکر دینی

مدرسہ نہ تھا۔ انہوں نے مدرسے کیلئے اچھے ماہر اور نامور اساتذہ کا انتخاب فرمایا۔ مولانا احسان علی مظفر پوری، مولانا محمد یوسف، مولانا محمد مشتاق، مولانا شہاب الدین، مولانا سلیمان رضوی، مولانا شاہ عبدالمنان قادری چشتی فردوسی نے یہاں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ کبرسنی اور دوسری انتظامی ذمہ داریوں کے باوجود ملک العلماء روزانہ چھ گھنٹے درس دیتے ہیں۔ نظامت و تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی، تالیف و تصنیف اور مواعظ حسنہ کا سلسلہ بھی انہوں نے جاری رکھا۔

جامعہ لطیفیہ کے قیام سے شمالی بہار کے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس علاقے میں دین کو فروغ ہوا۔ سیکڑوں طلباء وہاں سے فارغ ہو کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ انہوں نے نئے مدارس قائم کیے۔ کچھ مواضع و قصبات کے ان مدارس کو اپنی خدمات سے ترقی دی، جہاں اب تک محدود پیمانے پر تعلیم کا انتظام تھا۔ بہار میں اس وقت ۱۳۹۱ دینی مدارس ہیں۔ ان میں اگر حضرت اور ان کے تلامذہ کے قائم کردہ مدارس بھی شمار کرلئے جائیں، تو بہار کے مدارس کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ملک العلماء کا پورنیہ میں دو سال قیام بہت مفید رہا۔ جب انہوں نے دیکھا، کہ پورنیہ میں ان کا لگایا ہوا پودا مضبوط و توانا و بار آور ہو گیا، تو ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے وہ ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ آکر مقیم ہو گئے اور یہیں انہوں نے سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا۔

ملک العلماء سے مختلف مدارس کے طلباء علمی فیوض حاصل کیے ان کی تعداد بتانا آسان نہیں، صرف مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ بلکہ پٹنہ کے تیس سال کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ افسوس! کہ ان میں ایسے طلباء کم نظر آئے، جو ملک کے طول و عرض میں پھیل کر دینی علوم کی خدمات انجام دیتے اور اپنے استاذ کا نام روشن کرتے اور آپ کا فیض جاری کرتے۔

یہاں میرے دینی خدمات و جذبات کا شدت احساس مجبور کررہا ہے کہ میں یہ چند جملے لکھوں کہ:

یا وفا خود نبود در عالم — یا کسے اندریں زمانہ نہ کرد

(ترجمہ) یا وفا تھی نہیں زمانے میں یا کسی نے ہمارے ساتھ نہ کی۔ یہ دنیا والے بڑے احسان فراموش اور ناشکر گزار ہیں یہ بندوں کے احسان کی کیا قدر اور کیا شکر گزاری کریں گے اور کیا معاوضہ دیں گے، جب بیشمار لوگ ایسے ہیں، جو خالق حیات و اسباب حیات کی ان گنت نعمتوں سے اور احسانات سے فیض حاصل کررہے ہیں اور اس کے شکر میں ایک لفظ زبان سے ادا نہیں کرتے۔ فاضل بہار کے ساتھ احسان فراموشی کا یہ واقعہ نہ کچھ تعجب خیز ہے نہ حیرت انگیز۔ علم توقیت پر آپ کی کتاب اور مجموعۂ احادیث صحیح البہاری ہی امت پر وہ احسان ہے، جس کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ کاش ایسا ہوتا، کہ موصوف کے تلامذہ میں سے یا آپ کے معتقدین محبین یا متوسلین میں سے خدمت دین کا جذبہ رکھنے والے کچھ مخلص حضرات کمربستہ ہوں اور وہ آپ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع میں آپ کی تصنیفات شائع کریں۔ دین کی خدمت کیلئے مجلسیں قائم کریں، تو وہ اخروی و رضائے الٰہی کے موجب ہونگے۔ اہلسنّت کو ان تصانیف کے مطالعے سے ایک ساتھ فائدہ حاصل ہوگا۔ صد لائق تحسین و مستحق دعائے خیر ہے تنظیم نوجوانان اہلسنّت، جامع مسجد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھاٹی گیٹ لاہور، ادارۂ نعمانیہ شاد باغ لاہور، اور مرکزی مجلس رضا نعمانیہ بلڈنگ لاہور، بزم عاشقان مصطفےٰ لاہور، سوسائٹی ریلوے روڈ لاہور، جنہوں نے آپ کی تصانیف شائع کرنے کی طرف توجہ کی اور کچھ شائع بھی کیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے صدقے میں انھیں عظیم جزائے خیر اور دین و

دنیا کی فلاح عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ اس سلسلے میں جناب حکیم محمد موسیٰ امر تسری رحمۃ اللہ علیہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی حافظ فیاض احمد مولوی محمد آصف حسین حافظ اقبال شاہد اور محمد شہزاد ملک مجددی، کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔

علمائے کرام سے آپ کو بڑی محبت تھی اور آپ ان کا بڑا احترام وادب کرتے تھے اور یہ اہلسنت کا خاص شعار ہے اور یہی وجہ امتیاز تھی وہ بھی اللہ جل وعلا اس کے رسول پاک علیہ التحیۃ والثناء اصحاب کرام اولیائے عظام محدثین مجتہدین فقہا اور علماء کا اعلیٰ قدر مراتب ادب واحترام کرتے ہیں۔ یہی ہمارے اکابر کی تعلیم وعمل ہے اور یہی ہمارا ایمان وخاص نشان آپ کا عمل بھی یہی تھا۔ آپ علماء کو جلسوں میں مدعو فرماتے اور ان کا اعزاز واکرام فرماتے اور بڑی خوش خلقی اور مہمان نوازی سے پیش آتے۔ شاہ حمید الدین احمد مرحوم نے سجادہ نشیں خانقاہ ابوالعلائیہ تکیہ شریف پٹنہ سٹی رجبی شریف کے جلسے قائم کیے، جو ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۶ء تک بڑی کامیابی سے ہر سال ہوتے رہے۔ ۱۹۴۶ء کے بعد سجادہ نشیں خانقاہ ابوالعلائیہ تکیہ شریف پٹنہ سٹی ان جلسوں کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ ان جلسوں میں جب شاہ حمید الدین احمد مرحوم نے ملک العلماء سے تعاون کی درخواست کی اور ان سے تقریر کرنے کی درخواست کی، تو آپ نے اس شرط کے ساتھ منظور کیا، کہ ہر سال متحدہ مشاہیر سنی علماء میں سے کم سے کم ایک کو ضرور مدعو کیا جائے۔ شاہ حمید الدین صاحب نے آپ کی یہ شرط منظور کر لی۔

آپ کے معاصرین علماء: آپ کے معاصر علماء ان میں سے تھے، جو اپنے زمانے میں آسمان علم پر روشن وتابندہ ستاروں کی طرح اپنا نور بکھیر رہے تھے۔ ہر فرد ان میں کامل وماہر تھا۔ ان کے بعد بھی ان کے امثال پیدا نہ ہوئے۔ اس دور کے آپ کے معاصرین علمائے کرام میں سے کچھ مشاہیر کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان (۲) حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان (۳) صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (۴) صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی (۵) حضرت سلیمان اشرف بہاری (۶) مولانا سید محمد محدث اعظم کچھوچھوی (۷) مولانا عبدالسلام جبلپوری (۸) مولانا مشتاق احمد کانپوری (۹) مولانا سید دیدار علی شاہ الوری ثم لاہوری (۱۰) مولانا احمد مختار اشرفی (۱۱) مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی مبلغ اسلام (۱۲) مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی (۱۳) مولانا محمد شفیع بیسلپوری (۱۴) مولانا عبد المجید آنولوی (۱۵) مولانا قطب الدین برہم چاری سہسوانی مناظر آریہ وو ہابیہ (۱۶) مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ سجادہ نشیں خانقاہ پنڈ ضلع مونگیر (۱۷) مولانا سید موسیٰ رضا کاکوروی (۱۸) مولانا قاضی شاہ محمد احسان الحق نعیمی اشرفی (۱۹) مولانا عبدالواحد بدایونی (۲۰) مولانا سید ابوالحسن خوشدل سہسرامی (۲۱) مولانا برہان الحق جبلپوری) یہ تمام معاصرین میں ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین قادری فاضل بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ حضرات اپنے دور کے عظیم المرتبت علماء، فضلاء، محدثین، وفقہاء اور مشائخ حضرات میں تھے، جنہوں نے ملت اسلامیہ کی خدمت کی، جن سے علوم دین کے چشمے جاری ہوئے۔ جنہوں نے فی سبیل اللہ اسلام کی اشاعت کی۔ اس کی سربلندی اس ترقی میں دن ورات آخری وقت تک لگے رہے۔ رب جلیل رؤف ورحیم ان کی مساعی کو قبول فرمائے۔ جنات عالیہ میں مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ انہی عظیم وجلیل مشاہیر اور قد آور شخصیتوں میں سے ایک ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کی ذات گرامی ہے، جن کے بارے میں امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ارشاد فرمایا۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے   اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اعلیٰحضرت کا یہ شعر بتا رہا ہے کہ ملک العلماء بہترین عالم اور مناظر ہونے کی گواہی دے رہا ہے اور آپ کو باطل پرستوں کے ساتھ مناظرے میں ہمیشہ آپ ہی کو فتح مبین حاصل ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور غفران ورضا کا تاج ان کے سر پر رکھے آمین:

میں نے اس مضمون میں جو کچھ لکھا یہ مواد مجھے آپ کی کتاب تنویر السراج سے کچھ حیات ملک العلماء سے حاصل ہوئے۔ یہ مضمون آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد کی گفتگو کے بعد کچھ میری ذاتی معلومات پر مبنی ہے، یہ ہیں ملک العلماء میں ان کا احترام کرتا ہوں، کہ یہ میرے مشائخ واکابر کی تعلیم وطریقہ ہے۔ آپ کی اس نسبت کا احترام کرتا ہوں، جو آپ کو اہل بیت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے۔ میں آپ کی اس نسبت کا احترام کرتا ہوں، جو آپ کو علم اور علماء سے ہے۔ میں آپ کی اس نسبت کا احترام کرتا ہوں، جو آپ کو بزرگان دین ومشائخ کے ساتھ ہے

آخری بات یہ کہ اولیائے کرام کے اعراس کی محفلیں ہوں یا علمائے کرام ومشائخ عظام کے اسوۂ حسنہ اور حیات مبارکہ پر تحریریں یا تقریریں ان کا ارفع واشرف مقصد یہ ہے کہ سامعین وقارئین کو ان کی مقدس علمی زندگی سے اعمال صالحہ کی طرف رغبت دلانا اور ان کے دین وایمان میں استحکام پیدا کرنا اس لحاظ سے ہمیں حضور ملک العلماء کے علمی فیوض وبرکات سے استفادہ کرنا چاہئے۔ اور اپنی زندگی کو تقویٰ وطہارت کے سانچے میں ڈھالنا چاہئے اور فی سبیل اللہ دین کی خدمت کرنا چاہئے۔

☆☆☆

ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ

از قلم: ڈاکٹر حسن رضا، پٹنہ

حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری بن الملک منشی محمد عبد الرزاق بن کرامت علی بن غلام قادر بن ملک سعادت یار بن ملک تاتار بن ملک بہاء الدین بن ملک محمد اسماعیل بن اللہ داد بن ملک غلام محی الدین عرف گدن بن ملک خطاب الملک بن ملک علاء الدین علاء الملک بن داؤد بن ملک حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بو شہید بن حضرت سید ابو بکر بن سید ابو القاسم عبد اللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابو منصور عبد الاسلام بن سید عبد الوہاب بن غوث الثقلین وغیث الکونین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم ونفعنا اللہ ببرکاتہم۔

سلسلۂ نسب کے تیسویں بزرگ مدار الملک سید ابراہیم عرف ملک بو کا سلسلہ بہار میں کافی پھیلا ہوا ہے۔ عالم اسلام کے مشہور بزرگ اور معقولی اور اصولی عالم حضرت ملا قاضی محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب مسلم العلوم و مسلم الثبوت اسی خاکدان کے نامور فرزند تھے۔ پروفیسر ابو بکر احمد حلیم پرووائس چانسلر علی گڑھ اور نامور سیاسی قائد و ماہر قانون مسٹر محمد یونس، بیرسٹر سابق وزیر اعلیٰ بہار اسی خاکدان سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۴؍ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو مولانا ظفر الدین بہاری موضع رسول پور میجرہ ضلع پٹنہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنی تعلیم کے سلسلے میں مولانا خود تحریر فرماتے ہیں۔ اس دور انگریزی میں، کہ ہر شخص سلطنت کی زبان سیکھنے سکھانے کا گرویدہ ہے۔ حضرت عزت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہزار ہزار شکر، کہ اس نے میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو مجھے مذہبی عربی تعلیم دلانے کی توفیق بخشی۔ باوجودیکہ بعض خاص عزہ و اقارب نے حد سے زیادہ اصرار کیا، کہ زمانہ انگریزی سلطنت کا ہے۔ اپنے بچہ کو انگریزی تعلیم دلوایئے، مگر انہوں نے پرواہ نہ کی اور مجھے مذہبی عربی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا۔ [1]

بروز اتوار شوال ۱۳۱۳ھ مدرسہ حنفیہ غوثیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں والد مکرم نے داخلہ کرایا۔ حضرت مولانا معین الدین ازہر اور حضرت مولانا بدر الدین اشرف اساتذۂ مدرسہ ہذا نے بڑی دلچسپی اور انہماکی سے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ دیں۔ متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی مرحوم رئیس لودی کٹرا پٹنہ سیٹی المتوفی ۱۳۲۶ھ کے قائم کردہ دار العلوم حنفیہ بخشی محلہ پٹنہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۲۳ھ صدارت تدریس کی مسند پر رونق افروز تھے۔ محدث سورتی علیہ الرحمہ امام الحدیث حضرت مومن احمد علی محدث سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی المتوفی ۱۳۳۴ھ کے نامور شاگرد تھے۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ مولانا ظفر الدین

بہاری ۱۳۱۷ھ تک یہاں مصروف تعلیم رہے۔ آپ پٹنہ سے حصول تعلیم کے لئے کانپور پہونچے اور استاذ زمن حضرت مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۱۲ھ سے علوم وفنون کی امہات الکتب کا درس لیا۔ حضرت مولانا شاہ عبد اللہ کانپوری المتوفی ۱۳۴۳ھ سے ہدایہ آخرین تحقیق سے پڑھی اور مولانا قاضی عبد الرزاق کانپوری علیہ الرحمہ المتوفی ۱۳۴۶ھ سے کتب حدیث میں استفادہ کیا۔

کانپور سے پھر اپنے مشفق استاد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہونچے جہاں وہ پٹنہ سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی جن کا محدث سورتی اپنے درس کے دوران بار بار ذکر کرتے، جس سے آپ کا اشتیاق بڑھا اور ۱۳۲۲ھ ہی میں فاضل بریلوی کی خدمت میں بریلی پہونچے۔ فاضل بریلوی کی تصنیفی مصروفیات اور افتاء وغیرہ شدید بار کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں رہنا پڑا اور دار الافتاء رضویہ میں حاضر ہو کر مشق افتاء کرتے رہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ہم وطن حضرت مولانا سید شاہ عبد الرشید عظیم آبادی علیہ الرحمہ و الرضوان بھی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ مستقل طور پر فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرنے لگے۔ اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہاگہ یہ، کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی نے بیعت وتلمذ وارشاد و خلافت کے شرف سے مشرف فرمایا، جو شریعت مطہرہ و طریقت منورہ کی علمی تصویر تھے۔ جن کا ہر قول شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الٰہی کا اتباع، جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم مسائل شرعیہ و مسائل فقہیہ کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف و تصنیف افتاء و تدریس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی فرمائی۔ [1]

فاضل بریلوی چونکہ کسی با قاعدہ مدرسہ میں تعلیم نہیں دیتے تھے اور کوئی مدرسہ بھی نہیں تھا۔ اس کمی کو آپ نے شدت سے محسوس کیا اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی المتوفی ۱۳۶۲ھ سے اپنا خیال پیش کیا ان حضرات نے باہم مشورہ کر کے مولانا سید حکیم امیر اللہ بریلوی المتوفی ۱۳۲۲ھ کو فاضل بریلوی سے اس موضوع پر گفتگو کے لئے آمادہ کیا۔ قیام مدرسہ کو آپ نے بڑی مشکل سے منظور کیا، کیونکہ دیگر مشاغل کی کثرت تھی۔ مولانا حسن بریلوی نے (تلمیذ داغ دہلوی) اس مدرسہ کا نام منظر اسلام رکھا۔ جس سے ۱۳۲۳ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ منظر اسلام کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ رشید حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا۔ صحیح بخاری و مسلم از اول تا آخر آپ نے فاضل بریلوی سے پڑھی ۱۳۲۵ھ میں فاضل بہاری اور مولانا عبد الرشید صاحب عظیم آبادی جو اس مدرسہ کے سب سے پہلے طالب علم تھے۔ ان کی دستار بندی ہوئی فاضل بہاری اس مدرسہ میں مدرس مقرر کر لئے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حاجی عبد الرزاق قادری رضوی مقیم شملہ کی امامت اور خطابت پر مامور کر دیا۔ یہاں یہ مشہور ماہر ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے آپ ملے اور انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے جن مسائل ریاضی کا حل پوچھا تصدیق کی۔ حضرت مولانا رحیم بخش قادری رضوی المتوفی ۱۳۴۲ء نے مدرسہ فیض الغرباء آرہ کے لئے شدید اصرار کیا اور درخواست کی، کہ آپ فاضل بہاری کو ہمارے مدرسہ کے لئے بھیج دیجئے۔ چنانچہ ۱۳۳۰ھ میں فیض الغرباء پہونچے اور پھر وہیں سے تقریباً سال بھر کے بعد الحاج سید نور الہدیٰ پٹنہ میں تشریف لائے۔

الحاج سید نور الہدیٰ المتوفی ۱۹۳۵ء ایم اے ایل ایل ایم کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ نے اپنے دیرینہ دوست عزت مآب سر سید فخر الدین وزیر تعلیم حکومت بہار و اڑیسہ و دیگر دیندار حضرت کی رائے سے یکم نومبر ۱۹۱۳ء (۱۳۳۰ھ) کو مدرسہ شمس الہدیٰ کی بنیاد ڈالی تھی اور تفسیر وحدیث وفقہ کے درجات کھولے گئے۔ کچھ دنوں بعد جب مولانا مشتاق احمد کانپوری المتوفی ۱۳۵۳ھ میں مولانا احمد حسین کانپوری معینہ عثمانیہ اجمیر شریف لے گئے، تو آپ کو استاذ تفسیر وحدیث اور مدرس اول منتخب کیا گیا۔

حضرت سید شاہ ملیح الدین کبیری سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام جو فاضل بریلوی کے مخلصوں میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین صدر مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے انتقال کے بعد فاضل بریلوی سے فاضل بہاری کی مانگ کی منظوری کے بعد انہوں نے فاضل بہاری کو سہسرام کی دعوت کی۔ اور منظوری کی فاضل بریلوی کو اطلاع بھی دی۔ چنانچہ ۱۳۳۳ھ کے اواخر میں آپ سہسرام بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔

مولانا محمود احمد قادری شمس الہدیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں، کہ یکم جنوری ۱۹۲۰ء میں مدرسہ حکومت کے زیر اثر آ گیا سپردگی کے وقت مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں نو مدرسین تھے۔ نجی انتظام کے بعد پرنسپل کے علاوہ پندرہ مدرسین کردیے گئے۔ اس وقت مدرسہ کی نیک نامی کے لئے مرحوم جج صاحب نے حضرت الاستاذ ملک العلماء کو بلانا بہت ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضرت الاستاذ ملک العلماء دوبارہ ۱۳۳۸ھ کو سہسرام سے منتقل ہوکر شمس الہدیٰ آ گئے اور فنون کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس میں مشغول ہو گئے۔ فقہ وحدیث اور ہیئت میں ان کا درس دور دور تک مشہور ہوا۔ ۱۶ر جولائی ۱۹۴۸ء میں جامعہ کے شیخ اور پرنسپل ہو گئے۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۴۵ء سے ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۰ء تک خرابی صحت کی وجہ سے فرصت لے کر آرام فرمایا۔ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک طویل مدت کی علمی خدمت کے بعد پنشن پر ریٹائر ہوئے۔[1]

۱۳۶۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ میں مقیم رہے۔ حضرت سید شاہ شاہد حسین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق پٹنہ المتوفی ۱۳۰۳ھ قدس سرہٗ کی استدعا پر ۲۹ر شوال المکرم ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا اور اس کے صدر مدرس کے عہدہ کو رونق بخشی ۱۳۸۰ھ میں علالت کی وجہ سے ظفر منزل پٹنہ آ گئے۔ ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء شب دوشنبہ سپیدۂ سحر نمودار ہونے سے پہلے ذکر اللہ اللہ کرتے کرتے جان جاں آفریں کے سپرد کر کے واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت شاہ ایوب ابدالی شاہدی رشیدی اسلام پوری نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔[1] ان کا مزار محلہ شاہ گنج پٹنہ ۶ میں ہے۔

کچھ دنوں کے بعد آپ مستقل طور پر فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرنے لگے۔ اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہاگہ یہ، کہ اعلیٰ حضرت امام اھل سنت مجدد مآۃ حاضرہ موئد ملت طاھرہ مولانا مولوی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی نے بیعت و تلمذ و ارشاد و خلافت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ (ڈاکٹر حسن رضا)

ملک العلماء اور استاذ کا پاسِ ادب

از قلم: نواسۂ ملک العلماء ڈاکٹر حسین امام۔ ورجینیا، امریکہ

اب تو برصغیر ہندو پاک کے تہذیبی اور اخلاقی اقدار بھی کافی حد تک بدل چکے ہیں۔ لیکن آج سے تیس چالیس سال قبل برصغیر کے مسلم گھرانوں میں ماں باپ اور بزرگوں کی تعظیم و تکریم کے علاوہ بچے کی تعلیم و تربیت میں استاذ کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ بچوں کی تربیت میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا کہ وہ تمام بزرگوں اور اساتذہ کی عزت کریں۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ان دنوں میں پٹنہ سائنس کالج میں فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ چونکہ اس کالج کا شمار پٹنہ یونیورسٹی کے بہترین کالج میں ہوتا تھا۔ اس لئے پورے صوبہ بہار کے اعلیٰ اور منتخب لڑکوں کو ہی اس کالج میں داخلہ ملتا تھا۔ میرے کلاس کے دونوں سیکشن میں تقریباً سب ملا کر تین سو لڑکے تھے۔ جن میں مسلمان لڑکوں کی تعداد بارہ پندرہ سے زیادہ نہ تھی۔ ہمارے کورس میں سائنس اور میتھ کے مضامین کے علاوہ انگریزی اور ورنا کیولر بھی شامل تھا۔ ورنا کیولر میں ہندو لڑکوں کیلئے ۱۰۰ نمبر کی ہندی اور مسلمان لڑکوں کے لئے پچاس نمبر کی ہندی اور پچاس نمبر کی اردو کا نصاب شامل تھا۔ ہندی کے لئے ایک فل ٹائم پروفیسر تھے۔ جب کہ اردو کے لئے پٹنہ کالج کے پروفیسر، ڈاکٹر مطیع الرحمٰن اردو پڑھانے کے لئے آتے تھے۔ ہندی کے پروفیسر جب کبھی چھٹی پر ہوتے، تو بہار نیشنل کالج سے ایک ہندو پروفیسر وقتی طور پر کلاس لینے آجاتے۔ گو انہوں نے میرے سیکشن کا کلاس کبھی نہ لیا، لیکن وہ مجھے پہچانتے تھے۔ میں بھی فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ ان کا قیام ان دنوں پروفیسر کے کوارٹرز میں تھا، جو میرے محلہ کے قریب تھا۔ میں اکثر شام کو اپنے دوست کی دوکان پر چلا جاتا، جہاں ان دنوں ہندوستان کے موقر جریدے اور اخبار مثلاً دعوت، قومی آواز پڑھا کرتا۔ اکثر ہمارے ہندی کے پروفیسر اس دوکان پر خریداری کے لئے آجاتے۔ جب بھی وہ دوکان پر آتے، میں ان کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا اور جب تک وہ دوکان میں ہوتے میں کھڑے ہی کھڑے ان سے گفتگو کرتا۔ ایک روز میرے دوست نے مجھے بتایا کہ وہ پروفیسر صاحب ان سے کہنے لگے کہ ”گو میں نے اس بچے کو کبھی پڑھایا نہیں، لیکن اس کے باوجود جس قدر میری عزت، تعظیم اور تکریم کرتا ہے۔ اتنا تو میرے اپنے اسٹوڈنٹ نے بھی کبھی نہ کی۔ یقیناً یہ مسلم گھرانے اور اسلامی تہذیب کا اثر ہے اور میں اس بچے کے والدین کو آفرین کہتا ہوں جنھوں نے یہ تہذیبی اور اخلاقی اقدار انہیں سکھایا ہے۔“

یہ واقعہ میں نے اپنی تعلّی یا خودنمائی کے طور پر نہیں لکھا ہے بلکہ اس دور یا تہذیب کی عکاسی کی ہے۔ جس کی اقدار اب مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ جب میں نے اپنی پہلی .M.S ڈگری کے لئے بروکلین پالی ٹیکنک میں داخلہ لیا، تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ

آدھے سے زیادہ کلاس کے لڑکے اور لڑکیوں نے ایسی Jeans پہن رکھی ہے، جن پر نامعلوم کتنے Patches یا ٹکڑے چپاں تھے اور تقریباً سبھی کے Jeans دونوں گھٹنے کے پاس پھٹے اور دریدہ تھے۔ پہلے تو میں نے ان کی غربت پر محمول کیا۔ لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ چپی لگی پھٹی پتلون دراصل داخلِ فیشن ہے۔ اصل کلچرل شاک تو اس وقت لگا، جب کلاس میں کئی ایک لڑکوں کو اپنی سیٹ پر بیٹھ کر سامنے کی کرسی پر اپنے جوتے، اسٹیکر اور موزے سمیت دونوں ٹانگ پھیلا کر نوٹس لیتے دیکھا، لیکن اپنے یہاں کلاس میں کسی استاذ کے سامنے ایسی بدتمیزیوں کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بعد میں ایسے ایسے واقعات اور مشاہدات سے سابقہ پڑا کہ بزرگوں اور اساتذہ کی تعظیم اور تکریم کا سارا قلعہ دم بھر میں زمین بوس ہوگیا۔

"حیات اعلیٰ حضرت" میں ملک العلماء فاضل بہاری حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے، جسے اکثر میں نے اپنے بچوں اور اپنے دوستوں کے بچوں کو سنایا ہے۔ ہارون رشید کے بڑے بیٹے شہزادہ امین الرشید کی پرورش جس انداز میں ہوئی تھی، اس نے اس میں رعونت پیدا کردی تھی۔

اس لئے ہارون الرشید نے اپنے دوسرے بیٹے مامون الرشید کی تربیت کا خیال صغرسنی ہی سے رکھا۔ انہوں نے مامون کے لئے اتالیق اور استاذ کے لئے اس دور کے سب سے بڑے عالم فقیہہ اور استاذ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا۔ امام اوزاعی کے رتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پورے عالم اسلام اور اسلامی دور میں جن سات احباب کی قرأت قرآنی کو سند حاصل ہے اور مشہور ہیں، ان میں ایک قرأت امام اوزاعی کی ہے۔ ہارون الرشید نے جب انہیں مامون کا استاذ اور اتالیق مقرر کیا، تو یہ گذارش کی کہ شہزادہ کو محل میں آکر تعلیم دیا کریں۔ امام اوزاعی نے صاف انکار کیا اور کہا کہ علم کی ضرورت مامون کو ہے، مجھے نہیں۔ پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا۔ مامون کو اگر علم کی ضرورت ہے، تو انہیں میرے مدرسے میں بھیج دیں، جہاں وہ دوسرے بچوں کے ساتھ علم وتربیت حاصل کریں گے۔ ہارون رشید نے امام اوزاعی کی یہ بات مان لی۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ گذارش کی کہ چونکہ شہزادہ کو دینی اور دنیاوی علوم کے علاوہ اسے جنگی اور فوجی علوم کی بھی ٹریننگ لینی ہے، اس لئے اسے جلد فارغ کردیا کریں گے تاکہ دوپہر کے بعد وہ فوجی اسکول جاسکے۔ امام اوزاعی نے کہا کہ میرے مدرسے کا ایک اصول یہ ہے کہ جو بچہ پہلے آتا ہے، اسے پہلے سبق دے کر فارغ کیا جاتا ہے اور جو دیر سے آتا ہے، اسے اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ شہزادہ اگر پہلے آئیں گے تو انہیں پہلے فارغ کردیا جائے گا، ورنہ اپنی باری تک رکنا پڑے گا۔ ہارون الرشید نے ان کی یہ بات بھی مان لی اور اس بات کا اہتمام کیا کہ فجر کی نماز کے بعد ہی شہزادہ کو امام اوزاعی کے مدرسے میں بھیج دیا جاتا، تاکہ وہ فوجی تعلیم کے لئے وقت پر فارغ ہوسکیں۔

شہزادہ کی تعلیم کا سلسلہ چلتا رہا۔ اسی دوران ایک بار بادشاہ ہارون الرشید اپنے غلام مسرور کے ساتھ گھوڑے پر سوار شہر کا گشت لگا رہا تھا کہ اس کا گذر امام اوزاعی کے مدرسے کے پاس سے ہوا، چونکہ مدرسے کی چہار دیواری ذرا نیچے تھی، اس لئے بادشاہ کو گھوڑے کی پشت سے صحن کا سارا منظر دکھائی دیا۔ اس نے یہ دیکھا کہ امام اوزاعی وضو کر رہے ہیں اور شہزادہ مامون الرشید آفتابے (بدھنا یا لوٹا) سے ان کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بادشاہ خاصا غضب ناک ہوا اور گھوڑے سے اتر کر مسرور کے ہاتھ سے کوڑا لیا اور مدرسہ میں داخل ہوکر مامون کے پاس لپک کر پہنچا۔

اپنے اور دوستوں کے بچوں کو یہ واقعہ یہاں تک سنانے کے بعد اکثر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ بتاؤ بادشاہ نے اس منظر اور اس واقعہ سے کیا اثر لیا ہوگا۔ وہ بچے جو یہاں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان میں سے اکثر نے یہ جواب دیا کہ بادشاہ استاذ سے خاصا ناراض ہوا ہوگا کہ "میں نے شہزادہ کو تعلیم کے لئے بھیجا تھا نہ کہ تیری خدمت کے لئے"۔ ان کا یہ جواب ان بچوں کی ذہنیت اور ماحول کی عکاسی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ دو بچے ہیں، جن کا امریکہ میں رہتے ہوئے ان کے والدین نے ان کی اسلامی تعلیم اور دینی نشو ونما کا خاصہ خیال بچپن سے رکھا ہے۔ جب ان بچوں کو یہ بتاتا ہوں کہ ان کے مفروضے کے برعکس واقعہ نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ انہیں خاصہ تعجب اور حیرت ہوتی ہے۔ میں جب یہ بتاتا ہوں کہ ہارون الرشید استاد محترم اور تمام بچوں کے سامنے شہزادہ مامون رشید کی پیٹھ پر ہلکے سے ایک تادیبی کوڑا مارتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے بدبخت اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے تجھے دو ہاتھ کس لئے دیئے ہیں، ان کا استعمال کرنا سیکھ۔ ایک ہاتھ سے پانی ڈال اور دوسرے ہاتھ سے استاد کا پاؤں دھو، تاکہ تجھے علم کی سعادت نصیب ہو۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ بننے کے بعد مامون الرشید کے جلو میں اس دور کے مشہور علما اور فقہاء کا ساتھ رہا کرتا تھا اور جو اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ مامون الرشید کا علم ان تمام فقہاء اور علماء سے زیادہ ہے۔ اچھی تعلیم وتربیت اور استاذ کی خدمت کی سعادت نے ایک ناکندہ تراش کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

"حیات ملک العلما" میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار الدین احمد نے بڑی ادب اور تفصیل سے اپنے والد محترم ملک العلماء کے واقعات لکھے ہیں، ملک العلماء فاضل بہاری اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نہ صرف خلیفہ اور شاگرد رشید تھے، بلکہ انہیں یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ مدرسہ منظر الاسلام کے پہلے سند یافتہ عالم تھے۔ اعلیٰحضرت ان کی ذہانت، مساعدت علمی سے اس قدر متاثر تھے، انہیں اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتے اور ہمیشہ انہیں خطوط میں الولدالاعز کہہ کر مخاطب کرتے۔ تمام دینی علوم، معقولات و منقولات کی تکمیل کے بعد مدرسہ منظر اسلام میں بحیثیت استاد مقرر فرمایا اور افتاء کا کام اُن کے سپرد کیا ملک العلماء نے علم توقیت میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ ہندوپاک میں اس علم کے احیاء کا بڑا کام کیا اور اُن کے سینکڑوں شاگردوں نے سے عالم اسلام کے گوشے گوشے تک پھیلایا۔

حضرت ملک العلماء سے خاکسار (راقم) کو یہ نسبت خاندانی ہے کہ وہ میرے نانا تھے۔ بچپن سے نوجوانی تک مجھے ان کی قربت اور محبت کی سعادت نصیب رہی ہے۔ نانی جان مرحومہ نے امی جان (مرحومہ) کے بچپن کا ایک واقعہ مجھے سنایا تھا۔ جسے میں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

امی جان مرحومہ نے بتایا تھا کہ والدہ محترمہ جو ان کی پہلی اولاد تھیں ان کی عمر کوئی ڈھائی سال کی ہوگی ان دنوں وہ اپنے ننیہال (میکہ) میں قیام پذیر تھیں۔ نانا جان ان دنوں بریلی میں اعلیٰحضرت کے مدرسہ میں درس وتدریس اور افتاء کے فرائض انجام دے رہے تھے اور وہیں مدرسے سے ملحق کوارٹر میں رہا کرتے تھے، اچانک ایک روز مغرب کی نماز اعلیٰ حضرت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد جب وہ کمرے میں آئے، تو انہیں ایک ٹیلی گرام (تار) ملا جو استھانواں سے بھیجا گیا تھا، اس میں تحریر تھا کہ ان کی بیٹی کی حالت بہت نازک ہے۔ اس لئے فوراً گھر آجائیں۔ چونکہ استھانواں ان دنوں ایک گاؤں تھا جہاں نہ کوئی اسپتال تھا اور نہ

دور دور تک کوئی اچھا ڈاکٹر۔

نانا جان تار پڑھ کر بے حد پریشان ہوئے اور اسی رات ٹرین سے گاؤں جانے کے لئے رخت سفر باندھنے لگے ارادہ یہ تھا کہ عشاء کی نماز اعلیٰ حضرت کے ساتھ پڑھ کر ان کی اجازت لے کر رات کو دس بجے کی ٹرین سے پٹنہ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد جب اپنے استاد محترم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اجازت کے لئے حاضر ہوئے، تو قبل اس کے کہ وہ حرف مدعا زبان پر لاتے اور پٹنہ روانہ ہونے کی وضاحت بیان کرتے۔ اعلیٰحضرت نے ان کی جانب ایک نایاب کتاب بڑھائی اور کہا یہ کتاب میں نے ایک صاحب سے مستعار لی ہے اور میری خواہش ہے کہ تم اس کی نقل تیار کر دو، تا کہ بوقت ضرورت اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ استادِ محترم کا یہ حکم سنتے ہی ایک لفظ منہ سے نہ نکلا کہ اس وقت کن ذہنی پریشانیوں سے وہ گذر رہے تھے اور کس ضرورت کے تحت وہ ان سے ملنے آئے تھے۔ خاموشی سے استاذ کے ہاتھوں سے کتاب لی اور حکم بجا لانے کے لئے تیار ہو گئے۔ کمرے میں آ کر رات بھر لالٹین کی مدھم روشنی میں بیٹھ کر پوری کتاب نقل کی (میں نے نانا جان کی تحریر دیکھی ہے نہایت خوشخط پاکیزہ اور صاف ستھرا حروف لکھا کرتے تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے خطاطی اور فن کتابت کی بھی مشق اور تعلیم حاصل کی تھی) صبح سویرے فجر کی نماز اعلیٰ حضرت کے ساتھ مسجد میں ادا کی اور بعد نماز اصل کتاب کے ساتھ ساتھ قلمی نسخہ بھی ان کے حوالے کیا۔ اعلیٰ حضرت یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور نانا جان کو دعائیں دینے کے بعد یہ کہا کہ "گھبراؤ نہیں الحمد للہ تمہاری بچی خیریت سے ہے۔ اس کا بخار اتر گیا ہے۔ لیکن تم صبح کی ٹرین سے فوراً گھر روانہ ہو جاؤ۔ یہ سن کر نانا جان محترم جو بچی کی صحت کی وجہ سے پریشان تھے، اطمینان نصیب ہوا اور حسب الحکم پٹنہ کے لئے وہ سامان اور بستر جو رات سے بندھا پڑا تھا، لے کر ٹرین سے پٹنہ پھر استھانوان پہنچے اور بچی کو روبہ صحت دیکھا۔

نانی جان نے اس کٹھن رات کے واقعہ کو مزید سناتے ہوئے بتایا کہ میری بچی خالدہ کا بخار بہت تیز تھا، سارا بدن کانپ رہا تھا، پیشانی پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ اسی دوران نانا جان کو ٹیلی گرام بھیجا گیا تھا۔ اس رات نانی جان کے ساتھ ان کی والدہ محترمہ (میری پرنانی جان) بچی (میری والدہ) کی تیمارداری کر رہی تھیں۔ سر پر پانی کی پٹی چڑھائی جا رہی تھی۔ رات بھر پٹی چڑھانے کے بعد صبح کے وقت بخار میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ نانی جان جو رات کی تھکی ماندی تھیں، اسی مسہری پر امی جان کے ساتھ لیٹ گئیں اور صبح کے وقت انہیں نیند سی آ گئی۔ اس دوران ان کی والدہ (میری پرنانی) ساتھ لگی کرسی پر بیٹھی سر پر پٹی چڑھاتی رہیں کہ ان کو بھی تھوڑی دیر کے لئے نیند آ گئی، اچانک کسی آواز سے ان کے آنکھ کھل گئی تو انہوں نے یہ دیکھا کہ مسہری کا Head Board (سرہانہ) جو کافی اونچا تھا، اس پر اپنے دونوں اگلے پنجوں کے بل ایک بڑا جنگلی بلا (Cat) لٹکا اپنا منہ امی جان کے سر کے قریب رکھے غور سے دیکھ رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میری پرنانی جان نے زور سے چیخ ماری جس سے میری نانی جان کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس دوران وہ بلا مسہری سے اتر کر غائب ہو گیا۔ سردی کی وجہ کر اس کمرے کی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند تھے، بلکہ دروازے پر اندر سے کنڈی لگا رکھی تھی۔ نانی جان اور ان کی والدہ دونوں نے مل کر روشنی لے کر (لالٹین کی) کمرے کا کونہ کونہ چپہ چپہ بلے کی تلاش میں چھان مارا لیکن وہ جنگلی بلا کہیں نہیں دکھائی دیا اور نہ پھر کبھی ملا۔ جب نانا جان گھر آئے اور اعلیٰ حضرت کے اجازت نامے، ارشاد گرامی اور بچی کی صحت کا واقعہ بیان کیا تو حیرت اس بات پر ہو

حضور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری

روزنامہ، صدائے عام، پٹنہ ۱۱ اگست ۱۹۷۱ء سے ماخوذ

صوبہ بہار علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا ہمیشہ سے مرکز و معدن رہا ہے۔ خصوصاً عظیم آباد کی سرزمین نے تو ایسی ایسی عظیم اور جلیل القدر شخصیتیں پیدا کی ہیں، جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ صرف پٹنہ ہی نہیں بلکہ صوبہ بہار کے مختلف علاقوں کی خاک سے بھی ماضی قریب میں ایسے بزرگ اٹھے ہیں۔ جنھوں نے اپنے زمانے میں دین وملّت کی بیش بہا خدمتیں انجام دی ہیں۔ انہیں نفوس قدسیہ میں حضرت ملک العلما فاضل بہاری مولانا سید محمد ظفر الدین قدس سرہٗ کی مبارک ہستی بھی شامل ہے، جن کی ذات سے قوم وملّت کو غیر معمولی فائدے پہنچے اور آج بھی ان کا علمی فیضان جاری ہے۔

مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری یوں تو ہر فن مولا تھے، لیکن خصوصیت کے ساتھ علم ہیئت اور فقہی مسائل میں انہیں جوید طولیٰ حاصل تھا۔ اسے نایاب نہ سہی، گزشتہ صدی ہجری کی تاریخ میں ہندوستان کے تعلق سے بڑی حد تک کمیاب ضرور کہا جاسکتا ہے۔ وہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں عرصہ دراز تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، علاوہ ازیں بہار کے دیگر اہم مدارس میں بھی انہوں نے اپنے علمی فیوض سے بے شمار تشنگان علم کو سیراب فرمایا۔ علم ہیئت، فاضل بہاری کا خاص موضوع تھا اور وہ اس میں پوری مہارت اور کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے، کہ قیام پٹنہ کے زمانے میں بھی دور دراز علاقوں سے طلبا صرف علم ہیئت وتوقیت کے پیچیدہ اور مغلق مسائل کو سمجھنے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوتے رہے۔

"مؤذن الاوقات" صرف مشہور ہی نہیں، بلکہ ملک العلما کی ایک زندہ کتاب ہے۔ جس پر مخصوص معنویت کے اعتبار سے "کتاب متداول" کی اصلاح یوں صادق آتی ہے، کہ اس کی دوسری مثال بمشکل تمام ہی پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ علم توقیت میں فاضل بہاری کے استادِ فن ہونے کی گواہ ہے، کہ ہر زمانے میں یہ قابل عمل ہے اور اس میں دیئے گئے اوقات نماز اور سحر وافطار میں موسم کی تبدیلی سے کوئی فرق نہیں آتا۔ ایسی مفید کتاب شاید اس سے پہلے کبھی منظر عام پر نہیں آئی تھی، جو علاقائی تفاوت کے لحاظ سے اس طرح مفید خاص و عام ہو۔

فاضل بہاری نے یوں تو مختلف موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، جو اہل سنت وجماعت کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں، لیکن ان میں مذکورہ کتاب بلاشبہ ہر لحاظ سے منفرد ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اکثر اوقات، وقت کے تقاضے اور عوام کی ضرورت کی پیش نظر بھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن مسائل میں لوگوں کو اشتباہ پیدا ہوا، انہوں نے اکثر و بیشتر انہیں مسائل پر قلم اٹھایا اور ایسے دلائل و براہین سے مسائل کو ثابت کیا، کہ کسی کو انکار تو کیا، مزید بحث کی جرأت بھی نہ رہی اور یقیناً سمجھا جاسکتا ہے، کہ یہ ایک وصف ہی نہیں بلکہ تحریر کا بہت بڑا وصف ہے۔

تقسیم وطن کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب ہندستان کے

مسلمانوں نے یہاں سے فرار کی راہ اختیار کی اور پاکستان، خصوصاً اس وقت کے "مشرقی پاکستان" کی طرف بھاگنے لگے اور اکثر لوگوں نے اسے "ہجرت" کہنا شروع کر دیا تو اس وقت ملک العلما نے "سد الفرار لمهاجر البهار" لکھ کر لوگوں کو وطن چھوڑنے سے منع کیا، انہیں "ہجرت" کا اصل مفہوم سمجھایا اور ان کی غلط فہمی اور گھبراہٹ دور کرنے کی کوشش کی۔

ملک العلماء کی سب سے بڑی مایہ ناز تصنیف "صحیح البھاری" ہے۔ اس کتاب کو لکھ کر صحیح معنوں میں انہوں نے احناف پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ حنفی مسلک کے لئے ایسی جامع اور مستند کتاب، اس خصوصی رخ سے ہندوستان ہی نہیں شاید کسی دوسرے ملک میں بھی کسی اہل علم نے تصنیف نہیں کی۔ اس میں احناف کے مسلک کے مطابق تمام احادیث نبویہ کو جمع فرما کر ایک بہت بڑی کمی پوری کر دی گئی ہے، کہ آج ایک جویائے حقیقت بڑی آسانی کے ساتھ اس سے حنفی مسلک کی دلیل میں جو حدیث چاہے نکال سکتا ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ بھی نہایت ہی جامع ہے جس میں فاضل بہاری نے اپنے استاد اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تصانیف سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔ یہ عربی مقدمہ بجائے خود اتنا اہم اور بھرپور ہے، کہ اگر آج بھی اسے الگ سے ترجمہ کے ساتھ شائع کر دیا جائے، تو اصول حدیث پر ایک ایسی مستقل کتاب سامنے آسکتی ہے، جو اپنے افادات و اضافات کے لحاظ سے یقیناً منفرد کہلانے کی مستحق ہوگی۔ اس کے علاوہ مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری نے مختلف عنوانات و موضوعات کے تحت بہت ساری چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق سو کے آس پاس پہنچتی ہے۔

تحریری خدمتوں کے علاوہ ملک العلماء کی زبانی اور تقریری خدمتیں بھی یادگار ہیں۔ وہ اپنے وقت کے نہایت ہی کامیاب مناظر شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ علم مناظرہ میں ان کی کئی تصانیف بھی موجود ہیں۔ وہ دور دراز علاقوں میں نہایت بھروسہ کے ساتھ مخالفین سے مناظرہ کے لئے بلائے جاتے اور بھیجے جاتے تھے اور نہایت کامیابی و سرخروئی کے ساتھ وہاں سے واپس آتے تھے وہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کے بڑے بڑے علمی و مذہبی اجتماع سے خطاب فرماتے تھے، جس سے قوم برابر مستفید ہوتی رہتی تھی۔ پٹنہ میں خصوصیت سے ہفتہ میں ایک دن درس قرآن اور درس حدیث کے ذریعہ لوگوں کو مستفیض فرمانا، مدتوں ان کے معمول میں شامل رہا۔ وہ بالعموم اپنے "درس" میں روزمرہ کے ضروری مسائل سے لوگوں کو آگاہ فرماتے اور درس کے بعد بعض اہم علمی سوالات کے نہایت صاف ستھرے جوابات سے پوچھنے والوں کو مطمئن اور سننے والوں کو خوش کر دیتے تھے۔

حضور ملک العلما کو قریب سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ بے پناہ علمی تبحر کے باوجود ان کے مزاج و اطوار میں تکبر و غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ ان کی ظاہری شکل و صورت سے علمی وقار ضرور ٹپکتا تھا، لیکن بہر حال اس میں سادگی کے جلوے بھی ہوتے تھے اور خاص بات یہ، کہ لباس و پوشاک ہمیشہ نہایت ہی معمولی رہتی تھی۔ ان کی زندگی نہایت ہی سادہ تھی وہ تزک بھڑک سے برابر متنفر رہتے تھے اور اپنے طلبا کو بھی حسن اخلاق اور حسن معاشرت کے ساتھ مناسب سادگی اپنانے کی تعلیم دیتے تھے۔

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں، کہ وہ فتویٰ نویسی میں فاضل بریلوی کے شاگرد اور خصوصی تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے لمبی مدت تک افتا کا کام بھی انجام دیا، ان کے فتاوے کے مجموعے اور کچھ فقہی رسائل اشاعت پا چکے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے اندازہ

ہوتا ہے کہ "صورت مستفسرہ" پر وہ خصوصیت سے توجہ دیتے تھے اور حاضر جوابی کی یک گونہ شان کے ساتھ قلم اٹھاتے تھے۔ یہ ان کا بڑا وصف تھا، کہ وہ ہمیشہ سائل کے مزاج وحالات اور عوام کی عقل وفہم کے بموجب ہی مسائل کے جوابات دیا کرتے تھے۔ بلاشبہ انہوں نے جس مسئلہ پر بھی قلم اٹھایا گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا۔ دلائل عقلیہ اور نقلیہ دونوں ہی طریقوں سے وہ سائل کی تشفی فرما دیتے تھے اور اس کام میں ان کا امتیاز یہ تھا، کہ مخاطب یہ محسوس نہیں کرتا تھا، کہ بحث کا دروازہ بند کیا جا رہا ہے، بلکہ وہ یہ محسوس کرتا تھا، کہ بحث کے دروازے ہی بلا وجہ کھولے گئے تھے، جو خود بخود بند ہوتے جا رہے ہیں اور ذہنی انتشار، بالکل فطری انداز میں ذہنی مرکزیت وطمانیت سے بدلتا جا رہا ہے۔ حضور ملک العلماء کے اس طرز خاص کا ثبوت، ان کی فقہی تحریروں میں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ان کی بہت ساری قلمی کتابیں بھی ہیں جو یقیناً اگر منظر عام پر آئیں تو چودھویں صدی ہجری کے تعلق سے مختلف فنون کی تاریخ کے ارتقائی مواد میں گرانقدر اضافے ہو سکتے ہیں۔

("روزنامہ صدائے عام" پٹنہ، ۱۱/اگست ۱۹۷۱ء میں شائع شدہ مقالہ "ملک العلماء مولانا ظفر الدین" سے خصوصی استفادہ)

☆☆☆

"مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری یوں تو ہر فن مولا تھے، لیکن خصوصیت کے ساتھ علم ہیئت اور فقہی مسائل میں انھیں جوید طولیٰ حاصل تھا۔ اسے نایاب نہ سہی، گزشتہ صدی ہجری کی تاریخ میں ہندوستان کے تعلق سے بڑی حد تک کمیاب ضرور کہا جاسکتا ہے۔ وہ مدرسہ اسلامیہ شمس الھدیٰ میں عرصہ دراز تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، علاوہ ازیں بہار کے دیگر اہم مدارس میں بھی انھوں نے اپنے علمی فیوض سے بے شمار تشنگان علم کو سیراب فرمایا۔ علم ہیئت، فاضل بہاری کا خاص موضوع تھا اور وہ اس میں پوری مہارت اور کامل دستگاہ رکھتے تھے۔"

〈روزنامہ صدائے عام〉

ملک العلماء کا تصلّب فی الدین

ازقلم: مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری، دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو، یوپی

حضور ملک العلماء فاضلِ بہار حضرت علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ، بہار میں پیدا ہونے والی چودھویں صدی کی ان عظیم شخصیات میں ہیں، جن پر نہ صرف بہار کو بلکہ تمام اہلسنت کو بجا طور سے فخر کرنے کا حق ہے۔ آپ اپنے عہد میں جن علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے، پورے ہندوستان میں شاید ہی کوئی عالم رہا ہو جو اتنے علوم وفنون پر دسترس رکھتا ہو۔ حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ نے متعدد اساتذہ سے علوم وفنون حاصل کیے، لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے استفادے کے بعد آپ کے اندر جو جمال وکمال پیدا ہوا، وہ حیرت انگیز ہے۔ اعلیٰحضرت سے آپ نے وہ علوم وفنون بھی حاصل کیے، جن کے جاننے والے دنیا میں خال خال تھے اور آج تو بالکل نایاب۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری کے بعد گویا آپ کی علمی پیاس بجھ گئی کہ اس کے بعد کسی اور کے پاس زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا، نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ اور پھر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ سے صرف علوم وفنون ہی کی تحصیل نہیں کی۔ صرف کتابی ہی علم نہیں حاصل کیا، بلکہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی لی۔ ایمان وعقیدے کی پختگی کی دولت سے بھی ہم کنار ہوئے۔ آج برصغیر ہند وپاک وبنگلہ دیش میں ہی نہیں ساری دنیا میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔ آپ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آج پوری دنیا میں آپ کا لکھا ہوا سلام۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

پڑھا جا رہا ہے۔ مولانا کوثر نیازی مشہور اسکالر نے تو یہاں تک فرمایا کہ "جو سلام آپ نے کہا ہے۔ ع

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

جس کا مشرق سے مغرب تک چرچا ہے۔ اذان کے بعد میں نے اس سے زیادہ مقبول اور کوئی کلام اور کوئی نغمہ نہیں دیکھا کہ اِس فضا میں گونجتا اور پھیلتا ہو، کہ یہ الہامی کلام ہے اور اللہ کی قبولیت کی مہر جب تک اس پر نہ لگی ہو اس قدر وہ مقبول نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایسا سلام ہے کہ اس کی شرحیں اگر لکھی جائیں، تو اس دور کے مصنفوں کی تعدادِ کتب پر بھاری ہو جائیں۔"

(امام احمد رضا بحیثیت عاشقِ رسول، ص ۷، مطبوعہ تحریکِ فکرِ رضا، ممبئی نمبر ۸۔ ۱۴۰۱ھ/ ۲۰۰۰ء)

یہ بات ضمناً اس لیے پیش کر دی تا کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کا عشقِ عالم تاب اور ان کی بارگاہِ خدا میں مقبولیت اور واشگاف ہو جائے، اور پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ اوّل روز سے اس عاشقِ رسول، اس بلبلِ باغِ مدینہ، اس مجددِ وقت و مصلحِ اُمّت کے خلاف پروپیگنڈہ جاری ہے کہ "مولانا احمد رضا خاں بڑے سخت گیر ہیں" حالانکہ یہ سخت گیری کیوں تھی، اس پر شاید کم لوگوں کی توجہ ہوئی۔ ظاہر ہے جب کوئی عاشقِ صادق اور محبِ کامل ہوگا تو اسے کیسے گوارا ہوگا کہ اُس کے محبوب پر نقص کا دھبّہ لگایا جائے اور وہ خاموش

رہے۔ وہ ضرور تلملا اُٹھے گا۔ اُس کی رگِ حمیت پھڑک جائے گی۔ حقِ محبت کا تقاضا ہوگا کہ تنقیص کرنے والوں کو نہ بخشے۔ ان کو جواب دے، پھر عشق جتنا کامل ہوگا، اسی قدر جواب میں شدّت بھی ہوگی۔ اسے وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ جن کے پنجے تنقیصِ شانِ رسالت میں خوں آلود ہیں۔ یا وہ جو ایسے مجرمین کی پس پردہ حمایت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہوں، اور پھر وہ لوگ بھی نہیں سمجھ سکتے، جو صرف نام کے مسلمان ہیں، کلمہ تو پڑھا ہے، مگر رسمی۔ عاشق بنناکوئی آسان کام نہیں، کوئی عاشق بن کے تو دکھائے، پتہ پانی اور زہرہ آب کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، خونِ جگر جلا کر بوئے عشق سونگھی جاتی ہے۔ امامِ عشق و محبت فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

ایسا گما دے، اُن کی وِلا میں خدا مجھے
ڈھونڈا کروں پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

اور فرماتے ہیں۔

اے عشق ترے صدقے، جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھادے گی، وہ آگ لگائی ہے

یہ صرف شاعرانہ دعاوی نہیں اور نہ خوش کن تمنائیں ہیں، بلکہ دل سے نکلی ہوئی وہ آواز ہے، جو صداقتوں کی امین ہے اور جسے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنے عمل سے سچ کر دکھایا ہے، آپ نے صرف شاعری نہیں کی ہے کہ

کلکِ رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

بلکہ ساری زندگی اس پر چل کر دکھا دیا ہے۔ اعدائے دین و دشمنانِ خدا اور رسول کے خلاف آپ کا قلم چلتا تو، چلتا ہی چلا جاتا۔ اس سلسلے میں نہ اپنوں کا پاس نہ، غیروں کا کچھ خیال۔ یہی روش، امام احمد رضا کی شدّت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اگر اس کا نام شدّت ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ ایسی شدّت تو ہر مومن میں ہونی چاہیے اور جب عشق اور اس کے نتیجے میں شدّت ہوتی ہے، تو عاشق این و آں سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اقبال نے اس بات کو بڑے پیارے انداز سے کہا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دِل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اور اسی کو جوہر نے یوں کہا ہے۔

توحید تو جب ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

تو جب بندہ اپنے رب اور محبوبِ رب کے لیے دو عالم سے بے گانہ اور خفا ہوتا ہے، تو پھر رب اسے اپنا بنا لیتا ہے اور جب رب اپنا بنا لیتا ہے، تو پھر فرشتوں میں بھی مقبول ہو جاتا ہے اور بندگانِ خدا میں بھی، جیسا کہ یہ مضمون ذیل کی حدیث سے ثابت ہے۔

''بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب کرتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ فلانا میرا محبوب ہے (تو بھی اُس سے محبت کر) جبریل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو محبوب رکھتا ہے، سب اس کو محبوب رکھیں۔ تو آسمان والے اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔'' (خزائن العرفان، طٰہٰ، ص۵۰۰)

اس سے صاف واضح ہوا کہ اولیائے کاملین وعلمائے ربانیین کی مقبولیتِ عامہ بارگاہِ خداوندی میں ان کی محبوبیت کی دلیل ہے۔

اس تناظر میں جب ہم اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی مقبولیت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی امام احمد رضا بارگاہِ رب العٰلمین کے محبوب و مقبول ہیں۔ یہ محبوبیت ومقبولیت

اُس وقت ملتی ہے جب ایمان کمال کے ذروۂ علیا پر پہنچتا ہے اور ایمان کے کمال کے لیے محبت کے ساتھ دشمنوں سے تبری بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

حدیث ابوداؤد و ترمذی شریف میں بروایت حضرت ابوامامہ و معاذ بن انس ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطیٰ لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۱۴)

جو کوئی اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی سے عداوت و بغض رکھے اور اللہ ہی کے لیے دے اور روکے، تو یقیناً اُس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔

لہٰذا ایمان کے کمال کے لیے دوستی دشمنی دونوں کرنی پڑتی ہے۔ دوستی والا پہلو تو بہت سے لوگ اپنا لیتے ہیں کہ اس میں دنیاوی بھی فائدہ ہوتا ہے اور بہت ساری زحمتوں سے نجات بھی ملتی ہے۔ لیکن خدا و رسول کے لیے کسی ایک سے دشمنی مول لینا مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائے کہ عامۃ الناس سے۔ حالانکہ یہی معیارِ ایمان ہے۔ اس جہت سے جب ہم اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی حیات کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ اس میں نہایت کھرے ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ عشق و ایمان میں کھرے اُترنے ہی نے انھیں عاشق و مؤمنِ کامل بنادیا، اور جو مؤمنِ کامل ہوگا، اس کے اندر ایمان میں تصلّب بھی ہوگا اور دشمنانِ خدا و رسول کے لیے عداوت کا جذبہ بھی۔ تو جو لوگ ''سب کو خوش رکھنے والی روش'' پر چلتے ہیں، وہ سب کو خوش رکھ سکتے ہیں، لیکن خدا و رسول اور محبوبانِ خدا و رسول کو خوش نہیں کرسکتے۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اس نظریے کے برخلاف ایمان کی آواز پر لبیک کہا، عشق کی بولی بولے، دنیا والوں نے بُرا کہا، مگر اس کی پرواہ نہ کی۔ آپ نے اس سے رشتہ جوڑا، جس نے رسول سے رشتہ استوار رکھا، اور اس سے ناطہ توڑلیا، جس نے رسول کی شان میں ادنیٰ بھی گستاخی کی اور پھر بات بنائی۔ اس حقیقت کا اعتراف مولانا کوثر نیازی کو بھی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

''تو شاہ رضا کو اسی سے تعلق ہے، جس کو سرکار سے تعلق ہے۔ اور جو ان کا پیارا ہے، وہ رضا کا پیارا ہے۔ اور جو اُن کی شان میں کمی کرے، شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، آپ کی غیرتِ (عشق) اس کے لیے تازیانہ بن جاتی ہے۔ لوگ امام احمد رضا کی شدّت کی شکایت کرتے ہیں۔ مگر انھوں نے کبھی عشق کیا ہو، تو انھیں معلوم ہو کہ محبوب کی جب ناقدری کی جاتی ہے، تو عاشق کے جذبات کی شدّت کیا ہوتی ہے۔ اسی لیے امام رضا فرماتے ہیں۔

دشمنِ احمد پہ شدّت کیجیے
ملحدوں کی کیا مروّت کیجیے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب
اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

اور عاشقِ رسول تو وہ ہے کہ جو مَرے دل سے، بیگار میں پکڑے جانے کے انداز سے، ترے باندھے، بادلِ نخواستہ سرکار کی تعظیم کرنے والے کو بھی معاف نہ کرنا۔ امام فرماتے ہیں اور الفاظ دیکھیے گا، زبان دیکھیے گا۔

مومن تو وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مَرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مَرے دل سے

(اقتباس از بیانِ مولانا کوثر نیازی، ۱۲؍ستمبر ۱۹۹۲ء بمقام مہاراشٹر کالج ممبئی، بعنوان ''امام احمد رضا بحیثیت عاشقِ رسول''

مطبوعہ تحریکِ فکرِ رضا، ممبئی)

حضرت ملک العلماء فاضلِ بہار علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے تعلق سے اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

''ان تمام نعمتوں پر (جو مجھے حاصل ہیں) مزید گویا سونے پر سہاگہ یہ کہ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سُنّت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملّتِ طاہرہ مولانا مولوی حاجی قاری حافظ شاہ محمد احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سرہُ القوی کی بیعت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے (اللہ تعالیٰ نے) مشرّف فرمایا، جو شریعت مطہرہ وطریقت منورہ کی علمی عملی تصویر تھے۔ جن کا ہر قول شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکامِ الٰہی کا اتباع، جنھوں نے بلا خوف لومۃ لائم مسائلِ شرعیہ و احکامِ فقہیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی۔''

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصّہ اوّل، ص ز)

مذکورہ بالا تحریر کے بعد خاص ذکرِ ولادتِ امام احمد رضا کے ضمن میں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے:

''میری ولادت کی تاریخ اس آیت کریمہ میں ہے:

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَہُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ۔

جس کا ترجمہ یہ ہے: یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے اُن کی مدد فرمائی۔

اور اس آیت کا صدر (یعنی اوّل حصّہ) ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَہُمْ اَوْ اَبْنَآءَہُمْ اَوْ اِخْوَانَہُمْ اَوْ عَشِیْرَتَہُمْ۔

(سورۂ مجادلہ، ۵۸/۲۲)

نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو جو اللہ ورسول اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ ورسول کے مخالفوں سے دوستی رکھیں، اگر چہ وہ ان کے باپ یا اُن کی اولاد یا اُن کے بھائی یا اُن کے کنبے قبیلے ہی کے کیوں نہ ہوں۔

بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچّوں اور بچّوں کے بچّوں کو بھی۔ بفضل اللہ تعالیٰ عداوتِ اَعداء اللہ گھٹی میں پلا دی گئی ہے۔''

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، اوّل، ص۱)

غرض کہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ آغازِ کتاب اور ذکرِ ولادت میں ہی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بدمذہبوں اور اعداء اللہ سے دشمنی ونفرت کا ذکر فرما کر یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی اس روش پر چلنا چاہیے اور کیوں نہ ہو کہ یہی پیغام قرآن کا ہے اور یہی ارشادِ خداوندی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ بھی زندگی بھر اسی روش پر کاربند رہے اور تقریراً وتحریراً ہمیشہ اسی کا درس دیا اور جب کبھی کسی بدعقیدہ نے کوئی زہر افشانی کی آپ نے اس کی سرکوبی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ نہ کسی طرح کی مداہنت کو راہ دی۔ یہ سب فیضان تھا مجددِ ملّت سیدنا سرکارِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کا، جن کی بارگاہ میں آپ نے تقریباً آٹھ سال گزارے۔ پہلے درس لیا، پھر مدرسہ منظر اسلام میں جس کے آپ بانیوں میں ہیں، درس دیا۔ صاحب زادہ ملک العلماء ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تحریر فرماتے ہیں:

''خوب سے خوب تر کی تلاش انھیں (ملک العلماء کو) اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سُنّت مولانا احمد رضا خاں بریلوی تک لے گئی۔ جن کے علم اور قلم کی طاقت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں اُن سے مل کر بہت متاثر ہوئے، وہ ان سے فیض اُٹھانا چاہتے تھے اور اُن کے علم سے متمتع ہونا چاہتے تھے، اور درسیات کی تکمیل بھی، لیکن فاضل بریلوی ہمہ وقت مطالعہ اور تالیف

وتصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ اُن کے یہاں نہ درس وتدریس کا کوئی سلسلہ تھا، نہ اُس وقت کوئی مدرسہ۔" (مؤذن الاوقات، ص ۳۲، حیاتِ مصنف از ڈاکٹر مختار الدین احمد)

پھر حضور ملک العلماء نے مولانا حسن رضا و حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں و حکیم سید امیر اللہ شاہ بریلوی سے مشورہ کر کے مدرسہ قائم کرانے کی راہ ہموار کی، پھر جب مدرسہ منظر اسلام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں قائم ہو گیا، تو پہلے طالب علم حضرت ملک العلماء خود اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی علیہما الرحمہ ہوئے۔ حضرت ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت سے بخاری شریف پڑھی، فتاویٰ نویسی سیکھی، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح وتشریح الافلاک، شرح چغمینی کا درس لیا۔ نیز بینات وتوقیت، جفر وتکسیر میں بھی مہارتِ تامہ حاصل کی۔ نیز تصوف وسلوک میں عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ جیسی اہم کتابوں کے اسباق لیے۔" (ماخوذ از، مؤذن الاوقات)

چند باتیں یہاں قابلِ توجہ ہیں:

(۱) کہ حضرت ملک العلماء نے متعدد اساتذہ سے علم لیا مگر ان کی نہ پیاس بجھی اور نہ تشنگی ہوئی، مگر جب سرکارِ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آئے، تو پھر انھیں کے ہو کر رہ گئے۔ ساری تشنگی رفع ہوگئی۔ پھر اعلیٰ حضرت کا اپنے قیمتی اوقات سے فرصت نکال کر ان حضرات کو درس دینا بھی بہت بڑی بات ہے۔

(۲) مدرسہ منظر اسلام کے اصل محرک حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ ہیں، بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مدرسہ منظر اسلام کو اعلیحضرت نے خاص حضور ملک العلماء کے درس کے لیے شروع فرمایا۔ گویا یہ ملک العلماء کی بڑی خصوصیات میں ہے۔

(۳) مدرسہ منظر اسلام کے اوّلین دونوں طلبہ بہار عظیم آباد (پٹنہ) کے ہی تھے اور دونوں کا تعلق سادات کرام سے تھا اور اوّل فارغین بھی یہی دونوں حضرات تھے۔

(۴) حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے حدیث کی سب سے اہم کتاب بخاری شریف کا درس لیا اور معقولات کی منتہی کتابیں پڑھیں اور پھر تصوف وسلوک کی دو اہم کتابوں کا بھی بطور خاص درس لیا۔ حضرت ملک العلماء نے مجددِ ملّت اور محدثِ وقت سے کیا لیا اور انھوں نے کیا کچھ دیا، اس کا صحیح اندازہ تو لینے والے ہی کو ہوگا۔ ہاں! لیکن حضرت ملک العلما کو جو اعلیٰ حضرت سے عقیدت پیدا ہوئی اور جس کا انھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا ذکر کیا ہے اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ ان کے علوم کے دریا میں بھی شناوری کی اور موتیاں چنے اور عمل و کردار سے بھی سبق لیا اور اُن کو اپنے لیے نمونہ بنایا اور انتہا تو یہ کہ اعلیٰ حضرت کو اپنا سب سے بڑا، سب سے شفیق اور سب سے بڑھ کر محسن استاذ مانا اور نہ صرف استاذ بلکہ مرشدِ طریقت بھی تسلیم کیا اور پھر اعلیٰ حضرت کے خلفا و تلامذہ میں یہ خصوصیت بھی آپ ہی کے حصے میں آئی کہ آپ نے ہی سب سے پہلے "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کی تصنیف وتالیف کا زرّیں کارنامہ انجام دیا۔ واقعی حضرت ملک العلماء کا یہ ایک طرف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں عقیدت مندانہ کردار ہے، تو دوسری طرف ہم خادمانِ رضا پر بھی بے حد احسان کہ اگر آپ نے ان واقعات وحالات کو منضبط نہ کر لیا ہوتا، تو آج بالکل اندھیرے میں رہتے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ ہی کی صحبت وعقیدت اور استفادۂ علمی کا فیضان کہیے کہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ تقلیدِ ائمہ وحنفیت میں نہایت سخت تھے، ورنہ پٹنہ عظیم آباد کی سرزمین اُس وقت غیر مقلّدیت کا مرکز تھی اور آج بھی اس کے کافی اثرات باقی ہیں۔ چنانچہ احناف کی تائید میں "الجامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری"

کے نام سے احادیث کا ایک عظیم الشان ذخیرہ آپ نے جمع کیا اور اس کی جلد دوم طبع کرائی، جو فقہ حنفی میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آپ سے پہلے بھی علما نے اس موضوع پر کتابیں تالیف کیں لیکن جس بسط و استقصاء کے ساتھ صحیح البہاری تالیف کی گئی ہے ماسبق میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی جلد اوّل جو عقائد پر مشتمل ہے مبیضہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے مؤخر ہوگئی۔ سُنا ہے لاہور کے بعض احبابِ اہلِ سُنّت اس پر کام کر رہے ہیں اور جلد ہی وہ چھپ کر منظر عام پر آئے گی۔ جلد دوم کے ابواب طہارت تا صات پر مشتمل ہیں۔ اس کے شروع میں ''الافادات الرضویہ'' کے نام سے جو مقدمہ ہے، وہ بڑا ہی قیمتی ہے۔ اس کے سارے مواد فقہ و حدیث کے ضروری اور اصولی مباحث سے متعلق ہیں۔ جو لوگ فقہ و تقلید پر ناروا حملے کرتے ہیں، اُن کے بھی جوابات دیے گئے ہیں۔ یہ رسالہ پچیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا آغاز حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ نے خطبۂ رضویہ سے کیا ہے۔ جو خاص اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد فرمودہ و رقم کردہ ہے۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ خطبہ اپنی پوری معنویت اور ادبی چاشنی کے ساتھ تقریباً اسّی (۸۰) اصطلاحات اصولِ حدیث و اقسامِ کتبِ حدیث پر بھی اشارہ کر رہا ہے۔ ہر لفظ ایسا موزوں و مناسب ہے کہ جیسے ہار میں موتیاں پرودی گئی ہوں۔

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ سے پٹنہ پھر پیلی بھیت میں درس لیا۔ بعدہٗ بریلی شریف آئے۔ مقصد تھا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے استفادہ کریں، مگر وہاں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ مصباح التہذیب کے نام سے ایک مدرسہ تھا، جو مولوی غلام یٰسین خام سرائی چلا رہے تھے۔ آپ نے وہاں پڑھنا شروع کیا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ وہابی ہے، جس کے سبب آپ نے مدرسہ چھوڑ دیا۔ چونکہ سرکارِ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آپ کی آمد و رفت ہو چکی تھی۔ خام سرائی کی خام خیالی بیان کر کے اور اس مدرسے کو ترک کر کے اعلیٰ حضرت ہی کے ہو کر رہ گئے اور پھر کوشش کر کے خود اعلیٰ حضرت کے وہاں مدرسہ منظر اسلام کی بنیاد ڈلوائی۔ یہ بھی حضرت ملک العلماء کے تصلّب فی الدین ہی کی دلیل ہے کہ چند ہی روز میں خام سرائی کی بدمذہبی کا پتہ لگا لیا، ورنہ وہ سُنّی بنا ہوا تھا۔ جیسا کہ بالعموم وہابیہ جہاں سُنیوں کی تعداد زیادہ دیکھتے ہیں، تقیہ کر کے سُنّی بن کر رہ جاتے ہیں اور پھر انھیں میں کمزور و کم علم افراد کو گمراہ کر کے اپنا بنا لیتے ہیں۔ یہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کا تصلب و دور بینی ہی ہے کہ آپ نے خاص مسلکِ اہلِ سُنّت و جماعت کی ترویج و اشاعت اور بد مذہبوں کے ردّ کی غرض سے ''مدرسہ منظر اسلام'' کے قیام کی تحریک کی اور کامیاب ہوئے۔ جو آج مرکزِ اہلِ سُنّت بریلی شریف کا سب سے قدیم سُنّی جامعہ ہے اور جس کے فضلاء ساری دنیا میں مسلکِ حق کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

گویا جس طرح اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سُنّت قدس سرہ نے تصنیف و تالیف کے ذریعے مسلکِ اہلِ سُنّت کی ترویج و اشاعت میں نمایاں و مرکزی کردار ادا کیا، اسی طرح حضرت ملک العلماء نے اپنی تحریک اور سرکارِ اعلیٰ حضرت کی سرپرستی میں ''مدرسہ منظر اسلام'' کو قائم کرا کے درس و تدریس کے مرکزی اور بنیادی کام کی داغ بیل ڈالی، جو جماعتِ اہلِ سُنّت پر حضرت ملک العلماء کا بہت بڑا احسان ہے۔

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ چوں کہ اپنے مسلک پر سختی سے صرف قائم ہی نہ تھے، بلکہ اس کی ترویج و اشاعت میں بھی تا عمر حتی الوسع سعی فرماتے رہے اور جب بھی ضرورت پڑی مسلکِ حق کے خلاف ہرزہ سرائیوں اور فاسد عقائد و نظریات کا رد بھی فرماتے رہے۔ یہی وجہ ہے حضرت مرشدِ برحق سرکارِ اعلیٰ حضرت کو آپ پر

بڑا اعتماد تھا۔ متعدد مقامات پر ضرورت پڑنے پر آپ کو مناظروں کے لئے بھی اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ آپ جہاں بھی گئے باطل پرستوں کو بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا یا مخالف کو لاجواب کر کے مظفر و منصور لوٹے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے منظوم ذکرِ احباب میں آپ کو تیسرے نمبر پر یاد فرمایا ہے اور وہ بھی اس دُعا کے ساتھ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ فتح وظفر عطا فرمائے اور اعدائے دین کو شکست دے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے دشمنانِ دین آپ سے شکست کھاتے ہی ہیں اور آپ مظفر و منصور و غالب ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(الاستمداد، ص ۸۹، ممبئی ۸)

ایک بار قیامِ بریلی کے دوران آپ نے اپنے ساتھی مولانا سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادی علیہ الرحمہ کے ساتھ اشرفعلی تھانوی سے مناظرہ فرمایا اور اس کو گھر تک پہنچایا۔ چنانچہ مولانا محمود احمد مظفر پوری تحریر کرتے ہیں:

"بریلی کے طالب علمی کے زمانے میں آپ (مولانا سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادی علیہ الرحمہ) نے اور حضرت علامہ ظفر الدین ملک العلماء نے جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ میں مولانا اشرفعلی تھانوی کے ورودِ بریلی کے موقع پر اُن کی قیام گاہ پر پہنچ کر دیوبندیوں کے بیس عقائدِ باطلہ سے متعلق سوالات کیے۔ آخر میں عاجز آ کر مولانا تھانوی نے کہا، مَیں اس فن میں جاہل ہوں۔ میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں۔ اگر مجھے تھوڑی دیر کے واسطے معقول بھی کر دیجیے تو وہی کہے جاؤں گا، مجھے معاف کیجیے آپ جیتے اور مَیں ہارا۔"

(تذکرہ علمائے اہلِ سُنّت، ص ۱۷۳، کان پور)

غلطی سے کچھ لوگوں نے تصلّب فی الدین کا معنیٰ یہ سمجھ لیا ہے کہ جو حق کا مخالف ہو اس کو لعن طعن کیا جائے، سخت سُست کہا جائے۔ حالانکہ تصلّب کا یہ معنی ہرگز نہیں، تصلّب کا معنی ہے اپنے حق مسلک و موقف پر ڈٹے رہنا اور جو اس کی مخالفت کرے اُس کو جواب دینا اور مخالفِ شرع کسی امر کو رد کرنے میں نرمی نہ برتنا، ناحق کھل کر کھیلنے کا موقع نہ دینا اور بس۔ ہاں کبھی حق کے مخالف کسی شخص کے تشدّد آمیز رویّے یا گستاخانہ طرزِ عمل سے متاثر ہو کر کسی اہلِ حق نے جوابی کارروائی کے طور پر اور کبھی اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے کوئی سخت جملہ کہہ دیا یا لکھ دیا، تو اس کو شدّتِ تاثر کا نتیجہ سمجھتے ہوئے نظر انداز بھی کر دینا چاہیے کہ ہر آدمی کی طبیعت یکساں نہیں ہوتی اور کبھی مقامی حالات بھی اس کے متقاضی ہوتے ہیں کہ مخالف اس کے بغیر سرد نہیں ہوتا۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہر جگہ اور ہر معاملے میں ایسی شدّت ہی برتی جائے۔ حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان ہر مخالف کا جواب دینا تو ضروری سمجھتے تھے، مگر سنجیدگی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ہر معاملے میں آپ علمی، تحقیقی اور منطقی جواب کے قائل تھے۔ جیسا کہ آپ کی جملہ تصانیف سے ثابت ہے۔ لیکن ناحق بات سُن کر خاموش رہنا ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ فقہی جزئی اختلافات ہوں یا اعتقادی و اصولی مباحث ہر معاملے میں آپ نے سنجیدگی سے قلم اُٹھایا ہے اور مخالف کو مسکت جواب دے کر اپنا فرضِ منصبی ادا کیا ہے۔ چنانچہ جب بنارس میں مسئلہ قیام عندحی علی الفلاح کا فتنہ کھڑا ہوا اور معاندینِ اہلِ سُنّت نے درپردہ سُنّی بن کر بنارس کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی، تو حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اس کا نوٹس لیا اور 'تنویر المصباح للقیام عندحی علی الفلاح' نامی کتاب لکھ کر دلائل کا انبار لگا دیا کہ مخالف کو جائے دم

زدن نہیں رہ جاتی۔ بلاشبہ اس موضوع پر یہ کتاب حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ کوئی حنفی المسلک اس کو پڑھ کر حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ معاند کا معاملہ ہی جُدا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۷۲ھ سے قبل شائع ہوا تھا جب کہ حضرت ملک العلماء مدرسہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار میں صدرالمدرسین تھے۔ دوسرا ایڈیشن نہایت اہتمام کے ساتھ ۱۴۱۳ھ میں آفسیٹ کے ذریعے المجمع الاسلامی مبارک پور نے شائع کیا۔ تیسرے ایڈیشن کا علم نہیں۔ کتاب کے مرتب ہیں مولانا قیس محمد خاں قادری رزاقی مغل پورہ، پٹنہ اور کتاب کے آخر میں ایک سو اکیاسی (۱۸۱) علمائے کرام کی تصدیقات اور نقولِ فتاویٰ درج ہیں، جن سے کتاب کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔

رویتِ ہلال سے متعلق جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔ حضرت ملک العلماء کی حیات میں آج سے تقریباً پچپن سال پیشتر بھی یہی ہوتا رہا کہ مخالفینِ اہلِ سُنّت محض عوام کی خوشنودی اور ان کو اس بہانے سے اپنی طرف راغب کرنے کی غرض سے خلافِ مسلکِ حنفی، حنفیت کے دعوے کے باوجود ریڈیو اور فون سے چاند کی رویت مان لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۷۰ھ میں مولانا شاہ محمد فرید الحق صاحب قادری حنفی عمادی سجادہ نشین خانقاہِ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ سٹی نے حضرت ملک العلماء سے اس سلسلے میں سوالات کیے، تو حضرت ملک العلماء نے اس کا یہ جواب دیا:

"حضرت سیدی دام ظلہ العالی۔ السلام علیکم

اِمسال وہابیوں اور امارتیوں نے محض ریڈیو اور فون پر روزہ توڑا اور دوسروں کا بھی روزہ تڑوایا۔ اس لیے ارادہ ہے کہ ہندوستان کے مشاہیر علما سے فتاویٰ حاصل کر کے ایک کمیٹی بنا دی جائے کہ اُس کے اعلان کے بغیر لوگ عید میں کسی کی بات نہ سنیں اور کمیٹی کا اصول و دستور حسبِ فتاویٰ علما ہوگا۔

والسلام۔ محمد ظفر الدین قادری غفرلہٗ"

(اہلِ سُنّت کی آواز، جلد سوم، حصّہ اوّل، ص ۲۷، مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ)

غالباً "عید کا چاند" (۱۳۷۰ھ) نامی کتاب اسی ضرورتِ مذکورہ کے تحت لکھی گئی اور شائع ہوئی۔ جس میں اکابر علمائے اہلِ سُنّت نیز علمائے دیوبند کے اس بارے میں فتاوے ہیں کہ تار، ٹیلی فون کا رویت ہلال میں اعتبار نہیں۔

مسلمان مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کا مسئلہ اجماعی ہے۔ اہلِ سُنّت و جماعت میں آج تک کسی نے انکار نہ کیا، ہاں معتزلہ جو ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے، اُس نے ایصالِ ثواب کا انکار کیا ہے۔ معتزلہ ہی کی پیروی میں آج بھی بعض وہابیہ اور اہلِ قرآن یعنی منکرینِ حدیث جن کو چکڑالوی بھی کہتے ہیں، اس کے منکر ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت ملک العلماء مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں پرنسپل تھے، وہاں کے اساتذہ کے پاس تمنا عمادی مجیبی پھلواروی کی طرف سے ایصالِ ثواب سے متعلق سوالات آئے، تو اساتذہ نے حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کو جواب کے لیے پیش کیا۔ حضرت نے اس کا نہایت مدلّل و مفصل جواب مرحمت فرمایا اور تمنا عمادی کے تمام شکوک و شبہات کو ہباءً منثورا کر کے رکھ دیا۔ تمام دلائل حوالوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ عربی و فارسی عبارتیں صفحات کی نشان دہی کے ساتھ درج ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار پٹنہ اور دوسری بار ادارہ احسن المعارف، نئی سڑک کان پور سے شائع ہوئی تھی، پھر اسی کا عکس لے کر المجمع العلمی ہزاری باغ سے دوبارہ شائع ہوئی۔

افسوس کہ کتاب جتنی عمدہ ہے اسی قدر خراب انداز سے شائع ہوئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو اچھے طریقے سے شائع کیا جائے۔

ایصالِ ثواب کے اثبات اور ایصالِ ثواب کی انواع کی

تفصیل میں یہ کتاب حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ اردو کیا عربی میں بھی خاص اسی موضوع پر ایسی کوئی کتاب دیکھنے میں نہ آئی۔ اس کتاب میں حضرت مصنف نے پچیس (۲۵) طریقے ایصالِ ثواب کے قرآن پاک واحادیث طیبہ اور اقوالِ ائمہ سے بیان کیے ہیں۔ پھر خاص امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ایصالِ ثواب سے متعلق وصیت نقل فرمائی ہے اور پھر آخر میں نفسِ ایصالِ ثواب پر بحث کرتے ہوئے معتزلہ جو اصلاً منکرِ ایصالِ ثواب ہیں، اُن کا رد فرمایا ہے۔ پوری کتاب باریک خط سے خورد سائز کے تقریباً دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ (یہ کتاب حال ہی میں المجمع الاسلامی مبارکپور سے خوبصورت شائع ہوگئی ہے)۔

یوں ہی جب عرسِ بزرگانِ دین سے متعلق سوال ہوا، تو حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اس کے جواب میں "مَواهِبُ اَرواحِ الْقُدس لِکشفِ حُکمِ العُرس" (۱۳۲۴ھ) نامی رسالہ تحریر فرما کر عرسِ بزرگانِ دین کے جواز پر دلائل کا ذخیرہ جمع کر دیا۔ جواب کی ابتدا خطبے کے بعد یوں کی ہے:

"عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجومِ زنان وتماشائے مردمان وآثارِ شرکیہ وارتکابِ معاصی ونظارۂ اجنبیہ ولہو ولعب وطوائفان ورقاصان وآلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، بلاشبہ جائز ودرست ہے کہ

الامور بمقاصدها كما فی الأشباه والنظائر لافضل المتأخرین مولانا زین العابدین بن نجیم الحنفی۔

(ہر چیز کا حکم اُس کے مقصد سے متعلق ہوتا ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر از ابن نجیم میں ہے۔م)

اور ظاہر ہے کہ غرضِ انعقادِ اس مجلس (عرس) سے ایصالِ ثواب، فاتحہ وقرآن خوانی ہے۔ تحصیلِ خیر وبرکات ہے اور یہ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔ اہلِ سُنّت وجماعت کثرهم اللہ تعالیٰ کی کتب تو اس سے مملوو مشحون ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ وہابی پارٹی کو بھی اس میں کلام کا موقع نہیں کہ سرگروہ طائفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" میں لکھتے ہیں:

"نہ پندارنہ کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنیٰ بہتر وافضل است۔"

(کوئی یہ گمان نہ کرے کہ مُردوں کو فاتحہ خوانی اور کھانے سے فائدہ پہنچانا اچھا نہیں، کیوں کہ یہ مقصد بہتر اور افضل ہے۔م)

ناصرِ ملّتِ وہابیہ مولوی رشید احمد صاحب کے فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۷ میں ہے:

"ایصالِ ثواب ہر روز درست اور موجبِ ثواب ہے۔"

ان کے محرّرِ مذہب مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی کے براہینِ قاطعہ ص ۱۳۷ میں ہے:

"اور مسلَّم تمام اُمّت کا ہے کہ ایصالِ ثواب مستحسن اور مندوب ہے۔"

رہا تحصیلِ خیر و برکات، کوئی جاہل سا جاہل بلکہ پاگل سا پاگل بھی بشرطیکہ وہابی نہ ہو، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے فائدہ کی طلب ٹھیک نہیں اور یہ بُرا اور ممنوع ہے۔

باقی تخصیص وتعیینِ یومِ رحلت اور ہر سال کے بعد اُسی دن کو کہ یومِ انتقال ہے خاص کرنے کا جواز متعدد اسناد سے ثابت۔"

(مواہب ارواح القدس، ص ۱۳، ادارہ افکارِ حق، بائسی، پورنیہ، بہار، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)

اِس کے بعد عباراتِ علمائے اسلاف سے دس سندیں نقل فرمائیں، پھر پوری دنیا میں جن مشاہیر اولیا وائمہ وعلما کا عرس ہوتا ہے اُن کے نام، مقام اور تاریخ کا پتہ دیا ہے۔ سند دہم میں ہے:

"عرف عام اہلِ اسلام ہے کہ اسے علماء وصلحاء، فقرا و اولیاء، مشائخ کرام و صوفیہ عظام غرباً شرقاً کرتے چلے آئے اور یہ بھی ایک دلیل استحسان کی ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

العادۃ محکمۃ واصلھا قولہ علیہ السلام ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

(عادتِ مسلمین اور اُن کا عرف بھی حکم کا سبب بنتا ہے اور اس کی اصل سرکارِ اقدس ﷺ کا وہ قول ہے کہ فرمایا: جسے مسلمان اچھا جانیں تو وہ اللہ کے وہاں بھی اچھا ہے۔ م)"

(مواہب ارواح القدس، ص ۴۴۔۴۵)

اسی مضمون کی چند عبارتیں برجندی، محیط برہانی، عینی شرح ہدایہ کی پیش کر کے فرماتے ہیں:

"اور شک نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علماء و صلحاء اور عامۂ اہلِ اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے اور اسے بہتر و مستحسن جانتے۔

○ دہلیز حرمین جدّہ میں ہفدہم (۱۷) رمضان المبارک کو عرس حضرت سید علوی

○ بست و چہارم (۲۴ر رمضان المبارک) کو عرس سید محمد ابوسریر

○ بست و ہفتم (۲۷ر رمضان المبارک) کو عرس حضرت شیخ محمد عقیلی

○ یمن میں یکم شعبان سے ۱۵ر دن تک عرس حضرت شیخ احمد بن علوان، جن کے نام کی برکت سے اشیائے گمشدہ کا مل جانا علمانے فرمایا اور بارہا تجربہ ہوا اور برابر ہوتا ہے۔ (جو اُن کی بزرگی اور مقبولیت کی دلیل ہے)

○ بغداد مقدس میں حضور پُر نور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس نہم ربیع الآخر کو ہوتا ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں

○ پاک پٹن شریف میں پنجم (۵) محرم الحرام کو عرس حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

○ اجمیر میں ششم (۶) رجب المرجب کو عرس خواجہ غریب نواز معین الحق والملۃ والدین

○ مارہرہ مطہرہ میں بست و ہفتم (۲۷) محرم الحرام کو عرس صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ

○ ۱۸ر ربیع الاوّل شریف کو عرس حضرت سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ

○ سیزدہم (۱۳) ذی الحجۃ الحرام کو عرس حضرت سید شاہ آلِ رسول صاحب قدس سرہ العزیز

○ ۱۰۔۱۱۔۱۲ کو کلیر شریف میں دوازدہم ربیع الاوّل شریف کو عرس حضرت علاء الدین صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

○ ردولی شریف میں ۱۱ر جمادی الآخرے سے ۱۳ر تک عرس حضرت شاہ احمد عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

○ دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے، گنج اولیاء ہے، شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہو جو کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔

○ مراد آباد میں بست و ہفتم (۲۷) صفر کو عرس شیخ المشائخ شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

○ نہم (۹) جمادی الآخر کو عرس شاہ محبوب علی صاحب۔

○ رام پور میں یازدہم (۱۱) صفر کو عرس مولوی عاشق احمد صاحب

○ ۱۵۔۱۶۔۱۷ جمادی الآخر کو عرس مولانا مولوی شاہ ارشاد حسین صاحب قدس سرہ

○ بریلی میں یکم جمادی الآخرے سے عرس مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

○ کان پور میں ۲ر صفر کو عرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

○ ۳۰ر رجب کو عرس مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب
○ گنج مراد آباد میں ۲۶ر ربیع الاوّل شریف کو عرس مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب
○ بیتھو شریف میں ۹ر شعبان کو عرس مخدوم شاہ درویش صاحب قدس سرہ
○ بہار شریف میں ۵ر شوال کو عرس مخدوم الملک مخدوم شاہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ
○ ۴ر جمادی الآخر کو عرس حضرت جناب حضور شاہ امین الدین صاحب قدسنا اللّٰہ تعالیٰ باروا حھم ونفعنا فی الدارین ببرکاتھم کا عرس ہمیشہ تعیین تاریخ وماہ وفات بلانکیر رائج ہے۔ وہابیۂ لیام خذلھم اللہ تعالیٰ اپنی بڑ کو بناحِ کلاب سے زیادہ تصور نہ فرمائیں۔

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند
ہر کسے بر خلقت خود می تند

(مواہب ارواح القدس، ص ۴۴ تا ۴۹)

اس کے بعد فرمایا:

"قرونِ ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر (یعنی حضور، صحابہ، تابعین کے عہد) میں بہ ہیئت کذائی موجود نہ ہونے سے کوئی چیز ممنوع و ناجائز نہیں ہوسکتی۔ علمانے صدہا اُمور میں کہ قرونِ ثلٰثہ میں رائج نہ تھے، باوجود محدَث (نو پیدا) ہونے کے حکمِ جواز بلکہ استحسان دیا (یعنی جائز و خوب ہونے کا حکم دیا)...... مثلاً نماز میں تلفظِ نیت باوجودیکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ خلفائے راشدین نہ ائمہ مجتہدین سے ثابت عامۂ متون وشروح وفتاوٰی میں مستحب فرمایا۔"

(ص ۴۹۔ ایضاً)

اب اس مدعٰی کے اثبات میں علماء وائمہ کی عبارات چوبیس (۲۴) صفحات میں پیش کر کے رسالے کو ختم کر دیا ہے۔ غرض رسالہ تحقیقاتِ نادرہ کے دریا بہا تا اور حضور ملک العلماء کے تبحرِ علمی کا ثبوت دیتا نیز آپ کے مسلکی تصلّب پر دلالت کرتا نظر آتا ہے۔ اس رسالے کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس پر اعلیٰ حضرت مجددِ دین وملت قدس سرہ العزیز کی تصدیق وتقریظ بھی ہے۔

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ پر اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمہ کو اعتماد تھا۔ اکثر مناظروں میں نمائندہ بنا کر بھیج دیا کرتے تھے۔ رنگون اور کلکتہ کا واقعہ تو مشہور ہے کہ آپ کے جاتے ہی مخالفین بھاگ نکلے۔ اُن کی تفصیلات مناظرے کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ یہاں بنظرِ اختصار صرف اُن کے اسماء دیئے جاتے ہیں۔

(۱) سجم الکنز علی الکلاب الممطرہ (۱۳۲۷ھ)
(۲) النبراس لدفع کلام المنھاس (۱۳۲۹ھ)
(۳) رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)
(۴) کشف الستور علی مناظرۃ رام پور (۱۳۳۴ھ)
(۵) ظفر الدین الجید (۱۳۲۲ھ)۔ مشتمل بر بست سوالات دربارہ عقائد علمائے دیوبند پیش کردہ بجناب تھانوی در بریلوی (مطبوعہ)
(۶) شکستِ سفاہت (۱۳۲۶ھ) روداد مناظرہ میوات نواح فیروز پور (مطبوعہ) اس کی کچھ تفصیل "حیاتِ اعلیٰ حضرت" اوّل میں بھی ہے۔
(۷) گنجینۂ مناظرہ (۱۳۴۴ھ) اس میں مناظرۂ کلکتہ کی روداد ہے۔
(۸) مشرقی کا غلط مسلک۔ بانی خاکسار پارٹی، عنایت اللہ مشرقی کے رد میں۔
(۹) ظفر الدین الطیب۔

"حیاتِ اعلیٰ حضرت" میں حضرت ملک العلماء نے جگہ جگہ

بدعقیدوں کے بارے میں سخت نوٹس لیا ہے۔حتی کہ علوم وفنونِ امام احمد رضا شمار کرتے ہوئے ردِّ تھانوی، ردِّ گنگوہی، ردِّ اسمٰعیل دہلوی، ردِّ نذیر حسین دہلوی وغیرہ کو مستقل فن کا درجہ دے کر ان میں ہر ایک سے متعلق کتب کی نشان دہی فرمائی ہے اور تمام فرقوں اور گم راہوں کا تفصیلی تعارف پیش کرتے ہوئے ان کے عقائد ونظریات کا بھی رد فرمایا اور جو لوگ صلح کلّیت کے دل دادہ ہوتے ہیں، اُن کی خوب خوب خبر لی ہے۔اس سلسلے میں دو اقتباسات حاضر ہیں۔فرماتے ہیں:

''مجھ سے میرے ایک ملنے والے صاحب نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کا علم وعمل، تقویٰ وفضل، جامعیتِ کمالات ظاہری وباطنی کا کوئی بھی منکر نہیں۔اگر اعلیٰ حضرت کسی کا ردّ اور مناظرہ وغیرہ نہ کرتے تو ان سے بڑھ کر ہندوستان میں کسی کی عزت نہ ہوتی اور از گنگ تا سنگ، واز کشمیر تاراج کماری، ان کی مقبولیت ہر طبقہ، ہر گروہ میں ہوتی۔

مَیں نے کہا یہ تو خدا پرستی نہ ہوئی، بلکہ خود بینی وخود پرستی ہوئی۔اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰه (اللہ کے بارے میں دوستی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی) بھی کوئی چیز شرعی ہے یا نہیں۔رہی عوام اور بدمذہبوں میں حق گوئی کی وجہ سے عدم مقبولیت، تو آپ نے مثنوی شریف کے یہ اشعار سُنے ہیں یا نہیں۔مولانا فرماتے ہیں:

گر دو سہ ابلہ ترا منکر بشوند — تلخ کے گردی چوہستی کان قند
گر دو سہ احمق ترا تہمت نہد — حق برائے تو گواہی می دہد
گر خفاشے از خورشیدے خورست — آں دلیل آمد کہ او خورشید نیست
نفرت خفاشگاں باشد دلیل — کہ منم خورشید تابان جلیل
گر گلابے را جُعل راغب شود — آں دلیل نا گلابی می شود

عزیزی نور العین مولوی مختار الدین احمد آرزو رضوی، فاضل شمس ایم اے، علیگ سلمہ، علی گڑھ سے ایک مرتبہ آئے تو، چند کتابیں اپنے ساتھ لیتے آئے، اُس میں ایک رسالہ ''استاذ العلماء'' مجھے دیکھنے کے لیے دیا، دیکھا کہ نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی رئیس حبیب گنج وصدر الصدور حیدر آباد دکن کی تصنیف حضرت استاذ الاساتذہ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے۔رسالہ اگرچہ بہت مختصر ہے مگر کافی معلومات سے پُر ہے۔اس میں ایک جگہ تحریر ہے کہ آپ کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ ''کبھی آپ کی زبان کسی کی تکفیر سے ملوث نہ ہوئی''۔اس کو دیکھ کر متردد ہوا کہ کیا لکھا ہے۔پھر ''حیاتِ شبلی'' دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ص ۳۰۲ پر اس میں بھی لکھا ہے، حضرت مفتی لطف اللہ صاحب کی دو خصوصیتیں قابلِ ذکر ہیں۔ایک یہ کہ انھوں نے عمر بھر کسی کی تکفیر نہیں کی۔دوسری یہ کہ کان پور کے ہی قیام کے زمانے میں انگریزی سے اتنے حروف شناس ہوگئے تھے کہ تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے۔اھ''

اس میں شک نہیں کہ علم شَی بہ از جہل شَی ہے۔اس وجہ سے اتنی انگریزی سے واقفیت کہ تار وغیرہ پڑھ لیں ضرور قابلِ تعریف اور خصوصیت میں شمار ہو سکنے کے لائق ہے۔لیکن ''عمر بھر کسی کی تکفیر نہیں کی'' میں بہت غور وفکر کرنے پر بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ کون سی تعریف کی بات ہے اور ان دونوں حضرات نے اس کو تعریف میں کس طرح شمار کیا ہے؟ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا ہے۔اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِي۔(اے اللہ! ہمیں اشیا کی حقیقت دکھادے)

حکمت کی تعریف بھی علما نے یہ فرمائی ہے:

علم يبحث فيه عن حقائق الأشياء على ماهي عليه في نفس الأمر بقدر الطاقة البشرية. وعرفه بعض المحققين. باحوال اعيان الموجودات على ماهي عليه في نفس الأمر بقدر الطاقة البشرية۔

تو اگر ''کسی کی'' سے مُراد کسی مسلمان کی ہے، تو یہ تعریف

بے شک تعریف ہے کہ کسی مسلمان کی جب تک وہ مسلمان ہے اور کوئی کلمۂ کفریہ اس سے سرزد نہیں ہوا، تو کبھی آپ نے تکفیر نہ کی، مگر یہ کوئی خصوصیت حضرت استاذ الاساتذہ کی نہیں۔ یہ صفت اور تعریف کل علماورنہ اکثر علمائے کرام کی ضرور ہے۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ باوجود کلمہ کفر، پھر بھی اسے کافر نہ کہا اور زبان دبائے رہے۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ یہ کسی طرح کی تعریف و توصیف کی شمار میں آسکتی ہے۔ جبکہ خداوندِ عالم نے علما سے عہد لیا ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے، تو اُسے حق بیان کر دینا، چھپانا نہیں۔ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمون۔ (پارہ۴)

ہوسکتا ہے کہ جناب صدر الصدور صاحب اپنے استاذ کی یہ تعریف پسند کرتے ہوں، اور ضرور پسند کرتے ہیں جبھی تو لکھا اور چھاپ کر شائع کیا۔ لیکن مَیں اپنے استاذ الاساتذہ کی یہ تعریف کرنا کسی طرح پسند نہیں کرتا ہوں کہ سب مسائل تو بیان فرما دیا کرتے تھے اور مطابق شرع شریف فتویٰ دیا کرتے۔ لیکن جب کسی مسئلۂ کفریہ سے سوال ہوتا، تو خاموشی اختیار فرماتے، زبان بند کر دیتے۔ آیتِ قرآنیہ مسطورہ بالا کے خلاف کرتے، عہدِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیتے۔ حدیث شریف میں ہے: اَلسَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ شیطان اخرس۔ ''حق سے سکوت کرنے والا گونگا شیطان ہے'' اس حدیث شریف کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کسی شخص نے اُن سے کسی کے اقوالِ کفریہ پیش کر کے اس کا حکم پوچھا ہی نہیں۔ اس لیے آپ نے کسی کی تکفیر نہ کی۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی مسئلہ ایسا پوچھا جائے، جس کا جواب شرعی یہ ہو کہ ''ایسا شخص کافر ہے'' مگر حضرت استاذ الاساتذہ نے معاذ اللہ غلط جواب دیا ہو اور کلماتِ کفریہ کے صدور کے بعد بھی مسلمان ہی بتایا ہو۔ جواب سے اعراض وسکوت کیا ہو۔

اور کسی کی کبھی تکفیر نہ کرنا کیوں کر قابلِ تعریف بات ہوسکتی ہے۔ جب خداوندِ عالم نے تکفیر کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکفیر کی، صحابہ نے تکفیر کی، تابعین عظام نے تکفیر کی، ائمہ اسلام مجتہدین مذاہب اربعہ نے تکفیر کی۔''

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، قلمی ص۶۹۔۷۰)

اِس کے بعد آیات و احادیث اور واقعاتِ عہدِ رسالت سے کافر کو کافر کہنے سے متعلق دلائل پیش کر کے فرمایا:

''پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک عالم کے لیے خلاف طریقۂ خدا اور رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام و فقہائے عظام روش کیوں کر قابلِ مدح وستائش ہوسکتی ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ زمانے میں دو ذہنیت کے انسان ہیں۔ بعض نرم طبیعت کے ہیں، اُن کے خیال میں ہے کہ کوئی کیسا ہی ہو، ہم کیوں اپنے زبان یا قلم سے ایسا حکم لکھیں، جو اس کی تکلیف اور دل آزاری کا سبب ہو اور بعض کا خیال ہے کہ ہم با اختیار نہیں، ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ عقائد سے لے کر اعمال تک، طہارت کے کتب مسائل سے فرائض تک، جو مسئلہ مجھ سے پوچھا جائے گا، اُس کا جواب دینا ہم پر فرض ہے، اس میں کسی شخص کی دل آزاری اور خوشنودی کے خیال سے بڑھ کر حضرت حق سبحٰنہ وتعالیٰ کی خوشی اور اس کی طرف کی ذمے داری ہے اور اگر یہ نہ کیا جائے، تو دین میں سخت فتنہ انگیزی ہوگی۔

جس مصلحت سے حضرات محدثین کرام نے رُواۃ (راویوں) کی جرح کی ضرورت جانی کہ بے رو رعایت کذّاب، وضّاع، متّہم، مختلط، سیّئ الحفظ، کثیر الوھم، جو جیسا ہو اس کو بیان کر دیں اس میں رو رعایت نہ کریں، ورنہ دین میں رخنہ اندازی ہوگی۔ اسی طرح یہ جماعت نہ ان لوگوں کو ذلیل اور بدنام کرنے کی

نیت سے بلکہ اُن کی صحیح حالت بتا کر دوسرے مسلمان بھائیوں کو ان کے شر سے بچانا مقصود ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

اَتَرعَونَ عَنْ ذِکْرِ الْفَاجِرِ مَتٰی یَعرِفُہُ النَّاسُ.
اُذْکُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِیْہِ یَحْذَرُہُ النَّاسُ۔

(کیا فاجر کے ذکر سے بچتے ہو، کب اسے لوگ پہچانیں گے۔ فاجر کا ذکر اس کے اس وصف کے ساتھ کرو جو اس میں ہے، تا کہ لوگ اس سے بچیں۔)

رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة والحکیم فی نوادر الاصول، والحاکم فی المستدرک والشیرازی فی الألقاب و ابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی السنن والخطیب البغدادی عن بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ۔

یہ وجہ صاف صاف ان کے حکمِ خداوندی کو بیان کر دینے کی ہے کہ اگر توفیقِ رفیق ہو، تو، توبہ کر کے دائرۂ اسلام یا ورع وتقویٰ میں آ ئیں، ورنہ دوسرے مسلمان اس کی ضلالت اور بے دینی کا شکار ہونے سے بچیں گے۔ جب فاجر کے ذکر کی یہ ترغیب ہے، تو کافر کے کفر پر پردہ ڈالنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔

علاوہ بریں، کسی شخص کی یہ تعریف کرنا کہ اس نے ہر اچھے بُرے کو اچھا ہی سمجھا، تمام گورے کالے کو گورا ہی سمجھا، کسی کو بُرا نہ کہا، نہ کسی کو کالا کہا۔ کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔ اسی لیے مَیں استاذ اور شیخ، پیر و مرشد مجدد مأۃِ حاضرہ مؤید ملّتِ طاہرہ جناب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرۂ العزیز کی نہ یہ تعریف کرتا ہوں، نہ ایسی تعریف کرنا پسند کرتا ہوں اور اگر اثر زمانہ سے متاثر ہو کر مَیں یہ تعریف کروں کہ انھوں نے کسی کی تفسیق تضلیل تکفیر نہ کی، تو واقعہ کے خلاف اور ان کے اصل کمال پر پردہ ڈالنا ہوگا۔" الخ

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، قلمی۔ ص ۶۸ تا ۷۳)

اس طویل اقتباس بلکہ طویل مضمون سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ حضرت ملک العلماء مولانا علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری رضوی علیہ الرحمہ کا تصلّب فی الدین کیسا تھا اور آپ اس سلسلے میں کس مسلک کے حامل تھے۔

اب مضمون کے آخر میں برائے اہلِ دیوبند جن کی گستاخانہ عبارتوں پر علمائے حرمین شریفین نے فتوائے کفر دیا، پھر علمائے ہندو سندھ نے ان کی تصدیق فرمائی اور حضرت شیر بیشۂ سُنّت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی قادری رضوی علیہ الرحمۃ نے انھیں "الصوارم الہندیہ" نامی کتاب میں جمع فرمایا، کے بارے میں حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کا موقف ملاحظہ ہو:

"فتاوائے حرمین طیبین ضرور حق ہیں۔ جن کی حقیت میں اصلاً شبہہ نہیں۔ اس کی حقیقت پر آفتاب سے روشن تر دلیل یہ ہے کہ ان اقوال کے قائلوں نے اس کے مقابل نہ صرف سکوت ہی کیا بلکہ حکم میں اتفاق کیا، جس کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ میں بنام "الختم علی لسان الخصم" دیوبند میں چھپ چکا ہے۔ جس میں ان ہی لوگوں نے تصریح کی کہ بے شک ایسے اعتقاد وخیال و اقوال والے کافر ہیں۔ رہی یہ بات کہ ایسے اقوال کن لوگوں کے ہیں جن پر بہ اتفاق علمائے بریلی وہابی دیوبندی پر کفر کا فتویٰ ہے، ان مطبوعہ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے، جن کا حوالہ "حسام الحرمین" میں ہے، جسے چھپے ہوئے پچیس سال ہوگئے۔ کیا قادیانیوں کے ارتداد اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کے کفر جیسے اتفاقی مسئلے میں بھی استفسار و سوال کی ضرورت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

(الصوارم الہندیہ، ص ۱۰۱، مطبوعہ مکتبۃ الجمال، رامپور، ۱۴۲۰ھ)

یہ چند شواہد اختصار کے ساتھ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے تصلب فی الدین کے سلسلے میں پیش کئے گئے، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ملک العلماء تصلب فی الدین کے پیکر عظیم تھے، اور مداہنت سے کوسوں دور، آپ کا کردار اور آپ کی تحریریں آج کے دور میں جو لوگ بے جا نرمی اور مداہنت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، ان کے لیے بہترین نمونہ اور قدوہ ہے۔ مولائے کریم ہم تمام سنی مسلمانوں کو مذہب کے بارے میں پوری پختگی اور بدمذہبوں کے لیے سختی کی اور ان سے اجتناب کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وآلہ التحیۃ والتسلیم۔

عصر حاضر میں اور اس سے قبل بھی جو لوگ گستاخانِ رسول اور بدعقیدہ لوگوں سے نرمی کے داعی تھے اور ہیں سب کی دلیلیں اور اعذار وہی ہیں، جن کا کافی رد حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اپنی تحریروں میں فرما دیا ہے۔ حضرت ملک العلماء کے تصلب کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ "حیات اعلیٰ حضرت" میں جہاں سوانح حیات بیان کرنی تھی آپ نے گنجائش نکال نکال کر سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تصلب پر روشنی ڈالی ہے اور آیات و احادیث سے اس پر استدلال بھی فرمایا ہے۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کا تصلب عالمانہ اور محققانہ ہوا کرتا تھا، مبتذل اور سوقیانہ انداز آپ نے کبھی نہیں اپنایا۔ یہ بھی ہمارے لیے ایک نمونہ ہی ہے۔

☆☆☆

حضرت ملک العلماء علیه الرحمه چوں که اپنے مسلک پر سختی سے صرف قائم ھی نه تھے، بلکه اس کی ترویج و اشاعت میں بھی تاعمر حتی الوسع سعی فرماتے رھے اور جب بھی ضرورت پڑی مسلکِ حق کے خلاف هرزه سرائیوں اور فاسد عقائد و نظریات کا رد بھی فرماتے رھے. یھی وجه ھے حضرت مرشدِ برحق سرکارِ اعلیٰ حضرت کو آپ پر بڑا اعتماد تھا. متعدد مقامات پر ضرورت پڑنے پر آپ کو مناظروں کے لئے بھی اپنا نمائنده بناکر بھیجا. آپ جهاں بھی گئے باطل پرستوں کو بھاگنے پر مجبور ھونا پڑا یا مخالف کو لاجواب کرکے مظفر و منصور لوٹے. یھی وجه ھے که اعلیٰ حضرت قدس سرهٗ نے اپنے منظوم ذکرِ احباب میں آپ کو تیسرے نمبر پر یاد فرمایا ھے اور وه بھی اِس دُعا کے ساتھ که آپ کو الله تعالیٰ فتح و ظفر عطا فرمائے اور اعدائے دین کو شکست دے. بلکه حقیقت یه ھے دشمنانِ دین آپ سے شکست کھاتے ھی ھیں اور آپ مظفر و منصور و غالب ھوتے ھیں. اعلیٰ حضرت فرماتے ھیں.

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(الاستمداد، ص ۸۹، ممبئی ۸)

معمارِ رضویات ملک العلماء کی اولیات

ایک چشم کشا تحریر

از قلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

یہ بستی کوئی اور نہیں ''میجرا'' ہے، جو عظیم آباد، پٹنہ کے مضافات میں واقع ہے، وہ بستی کس قدر خوش نصیب ہے، جو ملک میں منتخب نہیں، عالم میں انتخاب ہے۔ وجہ اس کی یہ، کہ چودھویں صدی ہجری کی پہلی دہائی کی تیسری کڑی ۱۳۰۳ھ میں وہاں وہ بچہ پیدا ہوا۔ جس نے اس بستی کیا، اپنے ملک وملت کے نام کو فرش سے اٹھایا، اوج کمال تک اچھال دیا، ہاں! اس بچہ کا نام تھا ''محمد ظفرالدین'' نسب سادات تھا، نسبت قادریت تھی، قادریت کی ڈور جوان کے ہاتھ میں آئی، وہ امام احمد رضا کے ہاتھوں سے آئی، اس لئے وہ رضوی قادری کہلائے۔ امام احمد رضا نے ہی ان کو ''ملک العلماء'' کا خطاب شب تاب سے نوازا۔ یوں وہ علمی حلقوں میں ملک العلماء حضرت مولانا شاہ سید محمد ظفرالدین رضوی قادری سے مشہور اکناف عالم ہوئے۔

ددھیال ونھیال کا ماحول علمی تھا، پاکیزہ تھا۔ ظاہر ہے، پرورش وتربیت پاکیزگی، عمدگی، پختگی، خوش سلیقگی سے ہوئی، ابجد خوانی گھر کے بزرگوں نے کرائی، ابتدائی تعلیم خاندانی حضرات سے پائی، اس عمر میں ذہن جو کورا کاغذ تھا، اس پر جو کچھ مرتسم ہوا، وہ مدت العمر رہا۔ پھر وہ پٹنہ آئے، جہاں علم وحدیث کے مشہور استاذ حضرت مولانا شاہ وصی احمد سورتی سے فقہ وحدیث کی تحصیل کی، تب وہ کانپور آئے، فن معقولات کے معروف عالم حضرت مولانا شاہ احمد حسن پنجابی ثم کانپوری سے منطق وفلسفہ کی تعلیم لی، ۱۳۲۱ھ میں وہ درسگاہ علم وعرفان بریلی وارد ہوئے، یہ وہ درسگاہ تھی، جہاں حجاز ویمن کے شائقانِ فن نے جان ودل کا نذرانہ نثار کیا دیکھئے: الاجازۃ المتینۃ، ملفوظ، خطوط علمائے عرب بنام رضا۔

یہی وہ کانپور ہے، جہاں ندوۃ العلماء کی تاسیس ہوئی تھی، مولانا محمد علی مونگیری بانی وداعی تھے، ندوہ کا نصب العین جب غیر صالح افراد کی دسیسہ کاریوں کا شکار ہونے لگا، تو یہی علامہ پنجابی اور محدث سورتی نے مولانا مونگیری کو دائرہ اہل سنت میں کسے رہنے کی بھرپور تلقین کی، دسیسہ کاروں کے پنجوں سے بچانے کی مکمل جدوجہد کی، مگر نتیجہ صفر رہا، چوں کہ تینوں آپس میں پیر بھائی تھے، سب سے مرشد گرامی قطب وقت حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی تھے، شاہ گنج مرادآبادی امام احمد رضا کے ممدوح تھے، اور شاہ صاحب امام احمد رضا کے نہایت قدردان تھے، مولانا مونگیری پر جو عقیدہ کا الزام تھا، وہ اس سے اپنے آپ کو مبرا نہ کرسکے، حضرت محدث سورتی اور علامہ پنجابی کے خطوط سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ ان حضرات نے مناظرہ اسلام بریلی کی صدارت کی ان کو پیش کش بھی کی تھی، اس الزام کو تقویت اس مناظرہ سے بھی پہنچتی ہے جو بھاگلپور میں ہوا تھا۔

بھاگلپور واطراف میں مخدومان ذیشان کچھوچھہ مقدسہ کا

عمل دخل تھا، مولانا مونگیری جو اسی علاقہ کے مقامی و پیدائشی تھے ان کی بھی آمد و رفت تھی، گو وہ مستقلاً کانپور رہنے لگے تھے۔ جب بھاگلپور و مونگیر کے مسلمانوں نے ان کی گھیرا بندی کی، پہلے تو وہ پہلو بدلنے لگے، جب اصرار بڑھا، تو ایک علمی مذاکرہ کیلئے تیار ہو گئے، رفتہ رفتہ یہ علمی مذاکرہ مناظرہ کا روپ اختیار کر لیا، کچھوچھہ سے سید شاہ احمد اشرف الجیلانی جن کا ذکر قصیدہ 'الاستمداد' میں عز و شرف کے ساتھ ہوا ہے، وہ اور ان کے بھانجے محدث اعظم سید شاہ محمد اشرف الجیلانی جب بھاگلپور تشریف لائے۔ تب مولانا مونگیری نے راہ فرار اختیار کر لی، یہ ساری سرگزشت جو خط و کتابت اور سوال و جواب کی صورت میں ہے، محدث اعظم ہند نے ''اتمام حجت'' کے نام سے دو حصوں میں مرتب کر دی ہے، جو مطبوع ہے، یہ عبارت جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آ گئی۔

ہاں! تو بات تھی، ملک العلماء کے بریلی آنے کی۔ یہ ۱۳۲۱ھ کا زمانہ تھا، وہی علم و عرفان کی درسگاہ، جو ذات واحد کے دم قدم سے آباد تھی، اور وہ ذات واحد امام احمد رضا کی تھی، ملک العلماء انہی سے وابستہ ہو گئے، وہ درختانِ سبز، جو خودرو ہوتے ہیں، راہگیروں کے قدم روک لیتے ہیں، لیکن وہ شجرہائے سرسبز جن کی حنا بندی کسی دل سوز باغبان نے کی ہو، ان کے برگہائے خوش رنگ قدم نہیں، رہ گزر کے دل تھام لیتے ہیں، بس یہی حاصل اس درسگاہ فیض بخش کا تھا، آنے والا تراشیدہ ہو یا ناتراشیدہ، اِدھر نظر پڑی، اُدھر آفتابوں کا آفتاب بن کر چمکنے لگا، ملک العلماء تو ملک العلماء تھے، رشک آفتاب بن کر چمکے، اہل سنن کے دلوں کی دھڑکن قرار پائے۔

۱۳۲۲ھ میں قیام منظر اسلام کے لئے ذہن سازی کی، راہ ہموار کی، یہی منظر اسلام برصغیر کا ''بغداد العلم'' کہلایا، ایشیاء کا ''ازہر'' ثابت ہوا۔ نابغۂ روزگار درسگاہ کہلائی۔ ۱۳۲۳ھ میں علاقہ میوات میں مناظرہ کیا۔ مجمع لوٹ لیا، فاتح ہو کر بریلی لوٹ آئے۔ دیکھئے روداد مناظرہ 'شکست سفاہت'، مطبوعہ بریلی۔ ۱۳۲۵ھ میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے، خانقاہ عالم پناہ حضرت مخدوم عبدالحق ردولوی کے آستانۂ حق پرستانہ میں دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے اس وقت کے سجادہ نشین غالباً شاہ التفات حسین اور امام احمد رضا نے یہ رسم ادا کی، یہ زریں موقع عرس کی تقریب کا تھا، سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے جب درسیات کی تکمیل کی، تو ان کے استاذ جلیل علامہ شیخ نور الحق فرنگی محلی نے ان کی دستار فضیلت کی رسم اسی آستانۂ مخدوم پر کرائی تھی، شاید اُس دور میں جشن دستار بندی کا یہ رواج نہیں تھا، جو اس دور میں ہے۔

ملک العلماء نے عہد تحصیل میں ہی قلم پکڑ لیا تھا۔ کئی عربی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا، فقہ کی نصابی کتاب 'قدوری' کی عربی میں شرح لکھی، فتویٰ نویسی کی، پڑھتے بھی تھے، پڑھاتے بھی تھے، امام احمد رضا کے فتاویٰ و تصانیف کی تبییض بھی کرتے تھے۔ منظر اسلام کی دیکھ ریکھ بھی ذمہ تھی، مطبع کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے، جب تحصیل علم سے فاتحۂ فراغ پڑھا، تو منظر اسلام میں باضابطہ مدرس رہے، مطبع اہل سنت و جماعت کے مہتمم رہے، بریلی دارالافتاء ملک العلماء فطرتاً اخاذ، نباض، حساس، دراک تھے چاق و چوبند رہتے، پھرتی، چستی، سرعت، نفاست، حذاقت، مہارت سے ہر کام بروقت انجام دیتے۔ ۱۳۲۹ھ تک وہ بریلی رہے، پھر وہ شملہ گئے، آرہ گئے، سہسرام گئے، واپس پٹنہ آئے، عمر کے دوا فیر سال بحر العلوم کٹیہار کو دیے، پھر 'ظفر منزل' شاہ گنج، پٹنہ آ کر متقاعد ہو گئے۔ تصنیف و تالیف، عبادت و ریاضت، اور اد و اذکار، سلوک و تصوف، بیعت و ارشاد، تربیت و تذکیر میں محو ہو گئے اور جب خدا

نے بلایا، تو اس کے حضور حاضر ہو گئے۔

امام احمد رضا کے تلامذہ و خلفاء میں ایک سے بڑھ کر ایک رشک مہر و ماہ گذرے ہیں، لیکن ملک العلماء کی درجنوں خصوصیات ایسی ہیں، جن میں وہ انفرادی شان رکھتے ہیں، جبھی تو امام احمد رضا نے ان کو ملک العلماء کہا، تمام علوم و علماء کا شہر یار، ہر فن مولیٰ ہر فن کے فنکار، کسی خاص فن کی تخصیص نہ فرمائی۔ ملک العلماء نے جو کتابیں دور تحصیل میں لکھیں وہ امام احمد رضا کی نظر سے گزریں، تقریظ رقم فرمائی، ایسی کتابوں کی تعداد نصف درجن سے زائد ہے۔ ان میں کئی ایک مطبوع بھی ہے۔ بیسویں صدی کی اولین دہائی کے نوجوان ملک العلماء اپنی عمر کی بیسویں بہار میں ہی مناظرۂ میوات جیت کر فن مناظرہ میں وہ بلند رتبہ حاصل کر لیا تھا جو ان کے ہم سفروں کو نصیب نہ ہوا۔ امام احمد رضا کے وہ علوم عجیبہ و فنون غریبہ، جن کے سمجھنے والے دنیا میں تقریباً ناپید ہیں، ان علوم و فنون کے امین وارث تنہا ملک العلماء ہی تھے۔ امام احمد رضا کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ حکم دیا تھا کہ بریلی کے اوقات صلوٰۃ و صوم و سحر کو وہی تیار کریں ملک العلماء نے جو یہ کام دور طالب علمی میں شروع کیا، تو حیات بھر کرتے رہے، گو کہ وہ یہاں وہاں آتے جاتے رہے، دیکھئے خطوط رضا بنام ملک العلماء۔

سب جانتے ہیں، امام احمد رضا زود نویس تھے، قلم ان کا صبا رفتار تھا، حضرت مولانا کرامت اللہ نقشبندی دہلی کے بقول اعلیٰحضرت کے ایک دن کے لکھے کو کئی دن لوگ صاف کرتے تھے، اس امر میں ملک العلماء ہر ایک سے زیادہ پیش پیش نظر آتے ہیں، چوں کہ ملک العلماء امام احمد رضا کے مزاج شناس تھے، خط آشنا تھے، تحریر کے تیور اور قلم کی نوک پلک سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے یہ کام ان سے بوصف خاص لیا جاتا تھا۔ ملک العلماء نے یہ کام زمانۂ طالب علمی میں تو کیا ہی، زمانہ مدرسی میں بھی کیا، شملہ، آرہ، پٹنہ، سہسرام جہاں کہیں رہے، علی الدوام کرتے رہے، حضر میں تو کیا ہی دوران سفر بھی کیا، اس کا سراغ بھی خطوط رضا ہی سے ملتا ہے۔ اس لئے کہ ملک العلماء کو یہ آگہی رہتی تھی کہ امام احمد رضا نے کس دن کیا لکھا، ہفتے میں کتنے فتوے، کتنے رسالے تیار کئے، اپنے مرشد کی تحریری و تصنیفی سرگرمیوں سے ملک العلماء باخبر رہتے تھے اور باخبر رکھا بھی جاتا تھا۔

تصانیف کی تعداد جب بڑھ گئی، تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کی ایک منضبط فہرست بنائی جائے، حیدرآباد کے حضرت مولانا عبدالجبار کی فرمائش پر ملک العلماء ہی آگے آئے، وہی اس کا استحقاق بھی رکھتے تھے، ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کو فہرست تیار ہوئی، نام رکھ کر چھوڑا تھا، "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" جو مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوئی۔

وہ معمار جو بنیاد کی پہلی اینٹ رکھتا ہے، وہی اس بنیاد پر سیدھی کھڑی کر سکتا ہے، جیسے جیسے تصنیفات رضا سامنے آتی گئیں، ملک العلماء کی فہرست میں اضافہ ہوتا رہا، صاحب کتب قیمہ کے وصال (۱۳۴۰ھ) کے بعد مفتی اعظم ہند نے ملک العلماء کو باصرار بریلی بلایا، تمام مصنفات، جو مظہانات یا منتشرات کی شکل میں تھیں، ازسر نو مرتب کرنے کو کہا، ملک العلماء جو اس کام کے خوگر تھے، بھلا کیوں نہیں پہنچتے سر آنکھوں کے بل پہنچے، تین چار ماہ قیام کیا، بڑی عرق ریزی، دل سوزی، پتاماری کے ساتھ مطلوبہ کام انجام دیا، تمام مخطوطات و منتشر اوراق کو ترتیب دے کر فہرست بنائی، یہ فہرست بر وقت طبع نہ ہو سکی، جس کا قلق ملک العلماء کے ساتھ ہر ایک دردمند کو تھا، سید ایوب علی رضوی لاہور اور حضرت مولانا نورالدین رضوی گوالیار کے نام خطوط ملک العلماء سے اس قلق کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۹۳۸ء میں ملک العلماء نے 'حیات اعلیٰ حضرت' لکھی، اس میں آپ نے اطلاع دی کہ اس کی اگلی جلد میں تصانیف رضا کی ایک فہرست شامل ہوگی، جو چھ سو سے زائد تصانیف پر مشتمل ہوگی، الغرض زیر موضوع فہرست کے تعلق سے ملک العلماء ہی اولین فہرست ساز ہیں، اب بعد کے دنوں میں جو بھی فہرست بنی، چھپی یا بنے گی، چھپے گی، سامنے آئے گی، اس کی اساس وہی فہرست ہوگی، جو ملک العلماء نے بنائی تھی۔

جس علم کو امام ابن حجر مکی نے 'زواجر' میں فرض کفایہ بتایا ہے، وہ ہے علم توقیت، علم توقیت و ہیئت کے معاملہ میں امام احمد رضا سدرۃ المنتہیٰ پر فائز تھے، جب ان کا وصال ہوا، تو یہ جگہ ملک العلماء کے لیے چھوڑ گئے، بلکہ اپنی حیات ہی میں اس منصب پر بٹھا دیا تھا اور اپنے احباب سے تحریراً کہہ دیا تھا کہ یہی (ملک العلماء) اس علم سے تنہا آگاہ ہیں، چنانچہ بریلی سمیت تمام اقطار ہند کے لیے نماز، روزے، سحری کے اوقات کا نقشہ ملک العلماء ہی بنایا کرتے تھے۔ سنی بڑی مسجد ممبئی میں امام وخطیب تھے، شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی لکھنوی۔ ان کے لیے اوقات الصلوٰۃ وغیرہ بنا کر پٹنہ سے ملک العلماء ہی بھیجا کرتے تھے، اسی ضرورت کے پیش نظر یا علامہ لکھنوی کی فرمائش پر ملک العلماء نے 'مؤذن الاوقات' لکھی، جو بعد میں مزید قواعد کے اضافوں سے پورے غیر منقسم ہندوستان کے لیے وہی 'مؤذن الاوقات' عام کردی گئی۔

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرؤف بلیاوی تھے، جو بہ نفس نفیس شاہ گنج پٹنہ تشریف لے گئے اور ملک العلماء سے اس علم میں استفادہ کیا، ان افادی و استفادی رابطوں کا ثبوت ان خطوط سے ملتا ہے، جو دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو لکھے ہیں، ان میں سے کچھ خطوط 'جہان رضا' لاہور اور 'افکار رضا' ممبئی میں چھپ چکے ہیں۔ مظہر اعلیٰ حضرت امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی خلیفۂ مفتی اعظم ہند، امام النحو حضرت مولانا بلال احمد رضوی خلیفۂ مفتی اعظم ہند سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی، حضرت مولانا عبدالرشید رشیدی دار العلوم دار العلوم مصطفائیہ، خانقاہ رشیدیہ چمنی بازار پورنیہ اور حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی شجنہ والد ماجد مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، یہ حضرات ملک العلماء کے شاگرد ہیں، جو بقید حیات ہیں، ان حضرات کے بیان کے مطابق حضرت مولانا بلیاوی بحر العلوم کٹیہار بھی تشریف لے گئے، چوں کہ ملک العلماء ان دنوں وہاں ہی تشریف رکھتے تھے، اس وصف میں ملک العلماء مرجع و مقتدا تھے اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو ان کے نام تمام بلاد ہند سے آئے۔ ان خطوط کا قلمی ذخیرہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علیگڑھ کے کتب خانہ میں دیکھا جاسکتا ہے، اس ذخیرہ کے تفصیلی مطالعہ سے بعید نہیں کہ اور مزید گوشے سامنے آئیں، حضرت ڈاکٹر موصوف کو یہ ذخیرہ عام کردینا چاہئے تاکہ حیات وعلوم ملک العلماء کھل کر اہل علم کے سامنے آسکیں۔

اس علم میں امام احمد رضا نے ایک ہی شاگرد پیدا کئے، وہ اکلوتے شاگرد ہیں ملک العلماء اور حضرت ملک العلماء نے بھی ایک ہی فرد فرید پیدا کیا اور وہ ہیں مظہر اعلیٰ حضرت امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، اب حضرت خواجہ صاحب نے ایک سے دو بھلے سہی کے مصداق دو شاگرد تیار کیے، ایک ہیں مناظر اسلام فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، دوسرے ہیں خاموش طبع عمل عالم دین حضرت مفتی قاضی شہید عالم رضوی استاذ جامعہ نوریہ بریلی۔ ابھی حال ہی میں قاضی صاحب نے امام احمد رضا کی مشہور زمانہ تصنیف ''کشف العلة عن سمت القبلة'' جو قلمی تھی

حضرت امام علم و فن کی مشورت و معاونت سے ایڈٹ کیا ہے، جو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے چھپ چکی ہے، یہ ساری علمی وفنی بہار امام احمد رضا ہی کی ہے، جو بواسطہ ملک العلماء دور دراز کے ملکوں تک پھیل رہی ہے۔

ابھی چند برس ہوئے، امریکہ میں شمال امریکہ کی سمت قبلہ زیر بحث آئی، مسائل پر گفتگو ہوئی، استفتا مرتب ہوا، کئی ملکوں کے کئی کئی علمی حلقوں نے جواب رقم کیا، مگر مسئلہ علی حالہ جوں کا توں برقرار رہا، ایک روایت کے مطابق چھ سات ملکوں کے جوابات و فتاوے آئے، جو کشف امر میں ناکام و ناتمام رہے، یہ امام علم و فن خواجہ صاحب ہی ہیں جنہوں نے اپنے ذہن اخاذ سے کام لیا، ''کشف العلة عن سمت القبلة'' کا قلمی مطالعہ کیا اور پھر ایسا فتویٰ تحریر کیا کہ تمام شبہات یکسر کافور ہو کر رہ گئے، مستفتی تھے حضرت مولانا قمر الحسن مصباحی بستوی اور حضرت مولانا احمد القادری مصباحی۔ فروری ۲۰۰۸ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں فقہی سمینار ہوا، اس علمی و فقہی مذاکرہ میں اپنا خطبۂ صدارت دیتے ہوئے جامعہ کے صدر المدرسین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے بجا فرمایا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ہمارے تمام مسائل حل فرما دیئے ہیں، اصول متعین کر دیے ہیں، ہمارے سامنے اہم ضابطے ہیں، ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں، البتہ اغیار ہمارے اصولوں کے ضرور محتاج ہیں، لہٰذا امام احمد رضا سے ہم کسی بھی مسئلہ میں قطعاً بے نیاز نہیں ہو سکتے، یہ بات بلاشبہ درست ہے۔

کہا گیا تھا کہ وہ حدیث میں فرومایہ تھے، چوں کہ یہ بات عربی زبان میں کہی گئی تھی، اس لیے دور وسیع حلقے تک پہنچی، دریائے سیحون جیحون کے دوش پر امام بخاری نے 'بخاری شریف' مدون کی تھی، دریائے گنگا کے ساحل پر ملک العلماء نے 'صحیح البہاری' تالیف فرمائی، اس کا ایک دوسرا نام 'جامع الرضوی' بھی، یا 'الجامع الرضوی لصحیح البهاری' ہے۔ عربی کا جواب عربی میں عملاً دیا گیا اور یہ سب سے پہلے دیا گیا، ساتھ ہی دنیائے حنفیت کے لیے یہ کتاب ابر نیساں ثابت ہوئی، جب کہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو ملک کے مؤقر جرائد میں اس پر تبصرہ شائع ہوا، اس کوشش کو بے حد سراہا گیا، دیکھئے معاصر جرائد۔ صاحب نظر، اہل قلم نے لکھا کہ اس کتاب نے جہاں حنفیوں کی لاج رکھ لی ہے وہیں مدارس اسلامیہ کی نصابی طور پر ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔

ایک تو ملک العلماء خود ہی فن حدیث کے ماہر و مشاق تھے، عربی زبان و ادب کے بے لاگ سلجھے ہوئے اسلوب کے مالک تھے، کتاب ماہرانہ فنی، تکنیکی ہنر مندی سے مدون کی گئی، دوسرے امام احمد رضا کے حدیثی و اصولی افادات نے سونے پر سہاگہ رکھ دیا، تیسری کوبی اس کتاب کی اس کا مقدمہ ہے، جو فن اصول حدیث کے اصول و جزئیات پر مبنی ہے، یہ پوری کتاب استاذ وتلمیذ کی فن حدیث وفن اصول حدیث میں مہارت و بصیرت منہ بولتا ثبوت ہے۔

'صحیح البہاری' کی چھ جلدیں ہیں، ہر ایک جلد قریب ہزار صفحات پر مشتمل ہے، ہر جلد کے چار حصے بنائے گئے ہیں، ترتیب اس کی فقہی ابواب پر طرز پر رکھی گئی ہے، لیکن تالیف کے بعد اس کی صرف دوسری جلد چھپی، بقیہ اب تک نامطبوعہ ہیں، جو جلد چھپی، وہ مرکزی درسگاہ جامعہ منظر اسلام، بریلی میں داخل نصاب ہوئی، اساتذہ پڑھاتے تھے، طلبہ پڑھتے تھے، پھر نہ جانے کب اور کیوں وہ نصاب و درس سے موقوف ہو گئی، یہ جلد فقیر کے پاس ہے، اس کی ایک قلمی جلد بھی فقیر کے پاس محفوظ ہے، جب کہ ساری جلدیں ملک العلماء کے اکلوتے فرزند علمی و عالمی اسلامی اسکالر پروفیسر

مختار الدین احمد صاحب کے پاس بحفاظت موجود ہیں۔

۱۹۹۲ء میں مطبوعہ جلد کی عکسی طباعت حیدر آباد سندھ سے ہوئی، دیرینہ کرم فرما محسن اہل سنت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے کرم فرمائی، دو نسخے موصول ہوئے، ابھی دو تین برس پہلے ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر کے قاضی حضرت مفتی اشرف رضا قادری میرے پاس آئے، اس کا ایک نسخہ اٹھالے گئے، جس کو پھول گلی مسجد کے امام وخطیب حضرت مولانا قاری سید سراج اظہر رضوی نے اپنی نگرانی میں چھپوائی، مگر عکس درعکس، بس فرق یہ ہوا کہ مال وہی رہا، لیبل نیا لگ گیا، جب کہ چھپنے سے قبل جب یہ بات میرے کانوں تک پہنچی تو میں نے مفتی صاحب سے گزارش کی تھی کہ سینوں کا جذبہ سوڈا واٹر باٹل کی طرح ہوتا ہے پل میں تولہ پل میں ماشہ، جب یہ جذبہ جاگ اٹھا ہے تو اسے فائدہ بھی اٹھانا چاہئے، ذرا تاخیر ضرور ہوگی، مگر کام پائیدار ہوگا۔ کتاب از سر نو مرتب کی جائے، پیراگرافنگ، تخریج، تحشیہ، کے ساتھ ملک العلماء کا سوانحی خاکہ بھی شامل کیا جائے، بلکہ ایک پروجیکٹ بنا کر قلمی جلدوں کو حاصل کرلیا جائے، پھر علی النظم سسٹم کے ساتھ کام ہو، جو دور حاضر میں جدید فن تدوین کا مزاج ہے۔ لیکن چوں کہ یہ کام وقت طلب تو تھا ہی دقت طلب بھی تھا، اس لیے میری گزارش، گزارش ہی رہی اور کتاب جیسی تھی، ویسی ہی چھپ گئی، خیر چھپی تو سہی، کچھ تو ہوا، جو نہ ہونے سے بہر حال بہتر ہے۔

ملک العلماء جو سراپا علم تھے، مجسم اخلاص تھے، یہی ایک کیا، ان کا ہر کام جماعتی ضرورت کے تحت ہوا کرتا تھا، کوئی اپنی ذات سے وابستہ یا جماعت سے ناوابستہ ہوتا ہی نہیں تھا، ایسی شخصیت، جو علم واخلاص کا مرقع ہو، ضروری ہے کہ ان کے تمام دفتر خدمات جو دفتر گاؤ خوردہ ہو کر رہا گیا ہے، کو تلاش وتحقیق سے منظر عام پر لایا جائے۔ اہل نظر، اہل قلم نوجوانوں کو آگے آنا چاہئے اگر ایسا نہ ہوا، تو یہ احسان فراموشی ہوگی، محسن کشی ہوگی، زندہ کر دار کی تدفین ہوگی، یہی نہیں، بلکہ وہ فضلا ونوجوان جو جماعتی جذبے سے دل سوزی کے ساتھ کام کر رہے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی، یہ ساری صورتیں بہر حال جماعت کے حق میں مفید نہیں نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ ایسی غیر مفید ضرر رساں صورتوں سے خدا ہمیں محفوظ رکھے۔

ابھی اوپر ذکر ہوا، صحیح البہاری کی ایک جلد چھپی بھی داخل درس بھی ہوئی، اور خارج ہوئی، اسباب جو بھی ہوں، مضیٰ، لیکن حنفی اصول فقہ ومسائل فقہ کی ایسی مستدل کتاب کی جو ضرورت تھی وہ اب بھی ہے۔ اس لیے وہ صاحبان علم جو ہماری جماعت کے ارباب مجاز ہیں، خصوصاً وہ جو مدارس اہل سنت کے نصاب پر غور وخوض کرتے ہیں یا نصاب کمیٹیوں کے ارکان واعضا ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اس طرف یقینی توجہ دیں، اس کام کو مذکورہ گزارشات کی روشنی میں یا اپنی صوابدید پر آگے بڑھائیں، مدارس اہل سنت کے درس میں شامل کرنے کی کوشش کریں، جب غیروں کی کتابیں ہماری درسگاہوں میں پڑھائی جاتی ہیں تو پھر یہ کتاب کیوں نہیں داخل نصاب ہوسکتی، جب کہ یہ کتاب جماعت کی ضرورت کو پورا بھی کرسکتی ہے اور جماعت کو خود کفیل بھی کرسکتی ہے۔ یہ کام علمی بھی ہے، اہم بھی، اس لیے کوئی ذمہ دار ادارہ ہی اس کام کو کرسکتا ہے، اس کے لیے ہندوستان میں بریلی شریف کا کوئی ادارہ امام احمد رضا اکیڈمی یا جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ پاکستان میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور یا ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی بھی کرواسکتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں رضا اکیڈمی بھی اس کام کو کرواسکتی ہے۔

حالیہ برسوں میں امام احمد رضا کی مہارت حدیث دانی پر کئی ضخیم جلدیں منشۂ شہود پر آئیں، مفتی محمد عیسیٰ رضوی کی 'امام احمد رضا اور علم حدیث' (۵رجلدیں) اور علامہ محمد حنیف رضوی کی 'جامع الاحادیث' (۱۰رجلدیں) ترتیب وطباعت کی منزلوں سے گزر کر اہل علم تک پہنچیں، جو علمی ہیں، اہم ہیں، قابل قدر ہیں، غالباً پاکستان سے بھی کسی صاحب نے یہ کام کیا ہے، جو پی ایچ ڈی کی سطح کا ہے۔ ان تمام کاموں کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلم ہے، گو ان تمام کتابوں کی عمارت اسی بنیاد پر اٹھی ہے، جو ملک العلماء نے ڈالی تھی، لیکن جو خصوصیات 'صحیح البہاری' کی ہیں، وہ مابعد کے کاموں کو حاصل نہیں، اس لیے صحیح البہاری حدیث کی کتاب ہے، حدیث ہی کی اپنی زبان عربی میں ہے، داخل نصاب کے لائق بھی ہے اور مطالعہ وافادہ کے قابل بھی۔ فخریہ طور پر غیروں کی میز پر بھی رکھ سکتے ہیں، حدیث بھی پڑھ سکتے ہیں، زبان وادب کا لطف بھی اٹھا سکتے ہیں، سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تمام حنفی مسائل کے اثبات و استنباط میں جن متدل حدیثوں کی ضرورت پڑتی ہے، وہ یہاں یکجا موجود ہیں، چوں کہ تالیف کتاب کی غرض ہی یہی ہے۔ جب کہ مابعد کی کتابیں ان خصوصیات سے خالی ہیں، خالی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مطالعہ وافادہ کے فوائد سے بھی خالی ہیں، جس طرح زمانی اعتبار سے صحیح البہاری کو اولیت حاصل ہے، اسی طرح فوائد کے اعتبار سے بھی اسے برتری حاصل ہے۔

معاصر جوائد کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حیات رضا کا ذکر حیات ہی میں ہونے لگا تھا، روزنامہ 'زمیندار' لاہور، ماہنامہ 'تصوف' لاہور، پندرہ روزہ 'الخطیب' دہلی ہفت روزہ 'الفقیہ' امرتسر ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' رامپور میں مختصر ومتوسط مضامین نظر سے گزر چکے ہیں۔ 'ذکر رضا' منظوم سوانح بھی پیش نظر ہے۔ اس منظوم سوانح کے مصنف تھے حضرت مولانا شاہ محمد محمود جان پشاوری ثم جام جودھ پوری، جام جودھ پور یہ کاٹھیاوار گجرات میں ہے۔ مولانا پشاوری عالم اجل تو تھے ہی، ولی العصر بھی تھے، امام احمد رضا سے بے حد عقیدت تھی، ان کو خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ اپنے مرشد سے مولانا پشاوری کو بڑی عقیدت تھی، لگاؤ تھا۔ ثبوت تحریر بھی ہے، عملی یہ کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کا کرتا، انگرکھا، رومات تبرکاً لے لیا تھا، جو بحفاظت تمام آج بھی محفوظ ہے، مجھے زیارت کا موقع ملا ہے۔ ہرارے، افریقہ کے قاری احمد رضا صاحب انہی کی نسل سے ہیں۔

جب امام احمد رضا کا وصال ہوا تو ہر طرف خاموشی رہی، فوری سوانح کا کوئی کام سامنے نہیں آیا، خدا جزائے خیر دے حضرت سید ایوب علی بریلوی کو کہ سوانح حیات کا تصور سب سے پہلے ان ہی کے ذہن میں پیدا ہوا، انہوں نے کچھ معلومات ومواد بھی اکٹھا کیا، لیکن حالات نے ساتھ نہ دیا اور وہ کام وہیں کا وہیں رکا رہا، حضرت سید موصوف امام احمد رضا کے خصوصی تربیت یافتہ حاضر باش جلیس مجلس تھے۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور تشریف لے گئے، وہاں انہوں نے رضوی کتب خانہ بھی قائم کیا، طباعت واشاعت کی راہ سے بڑا کام کیا، کار رضا سے ان کو خدا واسطے محبت تھی، ۱۹۲۱ء کے سترہ سال بھی ۱۹۳۸ء میں اس کام کے لئے ملک العلماء اٹھ کھڑے ہوئے اور 'حیات اعلیٰ حضرت' کی چار جلدیں لکھ ڈالیں، سید موصوف کے مواد کو بھی حسب ضرورت وموقع استعمال کیا۔ پورے ہندوستان کے علماء اہل تعلق مدارس، خانقاہوں سے رابطہ کیا، خطوط لکھا، پھر تمام مواد کو پیش نظر رکھ کر "حیات اعلیٰ حضرت" تالیف کی۔ دوران تالیف ہی اس کتاب کا پورا ہندوستان چشم براہ تھا، صاحب تذکرہ کے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ کے صاحب سجادہ جو امام احمد رضا کے ممدوح ومحترم

بھی تھے، سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی قدس سرہ کے خطوط سے اس شوق و جستجو کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں لکھی ہوئی کتاب ۱۹۵۵ء میں جب کراچی سے چھپی، وہ بھی صرف ایک ہی جلد، لاہور سے قسط وار بھی چھپی، بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئی، مگر تمام جلدیں نہیں، بس وہی ایک جلد ہند و پاک سے متعدد بار شائع ہوتی رہی، بقیہ تین جلدیں کنز مخفی قرار دے دی گئیں اور یہ کنز مخفی کبھی علیگڑھ، کبھی مظفر پور، کبھی پٹنہ کا سفر کرتا رہا، مگر بازار علم کی رونق نہ بن سکا۔ خدا جزائے خیر دے فقیہ النفس حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کو کہ انہوں نے اس گنج گراں مایہ کو برآمد کیا، بڑی دیانت داری سے ایڈٹ کیا، جب ہندوستان سے یہ شائع ہوئی تو لاہور سے پیرزادہ علامہ اقبال فاروقی نے اپنی مرتبہ 'حیات اعلیٰ حضرت' بھی پیش کردی، یہ سب کچھ تو ہوا، مگر ساٹھ ستر سال بعد۔ ان چھ سات دہائیوں میں حیات رضا، سوانح رضا، سیرت رضا، تذکرۂ رضا پر کم و بیش درجنوں کتب و مقالات تحریر کیے گئے، ان سب کتابوں، مقالوں کا ماخذ و مصدر بھی 'حیات اعلیٰ حضرت' ہے اور آئندہ جو کچھ اس موضوع پر لکھا جائے گا اس کا اصل سرچشمہ یہی 'حیات اعلیٰ حضرت' قرار پائے گی۔

خطوط رضا کی تدوین وطباعت حیات رضا ہی میں شروع ہوچکی تھی، اور کئی مجموعے شائع ہوچکے تھے، مگر سب کی نوعیت کتاب کی تھی اور وقت کے بطن سے ابھرنے والے مسائل کی نزاکت تھی، بطور خطوط کی نیت نہ تھی، یہ پہلا موقع تھا، ملک العلماء نے خطوط رضا بطور خطوط 'مکتوبات امام اہل سنت' جمع کیا اور چھاپا، یہی عمل اوروں کے لیے نمونہ بنا اور بعض مکاتیب حضرت مجدد، مکتوبات امام احمد رضا، اکرام امام احمد رضا جیسے مستقل کتابیں سامنے آئیں، خطوط و مواد مشترک ہونے کی وجہ سے تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ ہوسکا، تا آں کہ ابھی ابھی 'کلیات مکاتیب رضا' کی دو جلدیں اور اس کا دوسرا پارٹ 'خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا' کی دو جلدیں بھر انداز زیبائی اہل علم تک پہنچیں، جو تعداد و مواد اور کیف و کم ہر دو اعتبار سے سب سے جامع ترین مجموعۂ خطوط قرار دیا گیا۔ اس کام کی سیڑھی کا پہلا زینہ بھی ملک العلماء ہی کا فراہم کردہ ہے۔

اپنی تصنیفات کے اول طابع و ناشر خود امام احمد رضا ہیں، دوسرا اہم ستون ملک العلماء ہیں۔ طباعت و اشاعت کا تیسرا مضبوط پڑاؤ 'مطبع تحفۂ حنفیہ' پٹنہ ہے۔ ملک العلماء تصانیف رضا کے طابع و ناشر بھی ہیں، جامع و فہرست ساز بھی ہیں اور تسوید و تبییض کار بھی۔ فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد کی ایک فہرست میری نظر سے گزری ہے، جو بخط ملک العلماء ہے۔ تحفۂ حنفیہ نے جو کتب رضا شائع کیں، ان کی تعداد دو سو سے کہیں زائد ہوں گی، ۱۳۱۳ھ کو بریلی میں میٹنگ ہوئی مجلس اہل سنت کا قیام ہوا، جس کی شاخیں پٹنہ، کلکتہ، بہار، امرتسر اور دیگر شہروں میں قائم کی گئیں۔ اس میٹنگ میں ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ رضوی شریک تھے، انہوں نے سب سے پہلے بریلی میں پریس قائم کرنے کی تجویز پیش کی، اس طرح کتب رضا کی طباعت کی راہ ہموار و آسان ہوئی، انہی ابتدائی پرانی بنیادوں پر 'سنی دارالاشاعت' مبارکپور نے زبردست تاریخی کارنامہ انجام دیا اور 'سنی دارالاشاعت' کی رکھی ہوئی بنیاد کی پشت پر کھڑے ہوکر 'رضا فاؤنڈیشن' لاہور نے ایک فلک بوس عمارت کھڑی کردی، 'مطبع اہل سنت و جماعت'، بریلی، 'مطبع تحفۂ حنفیہ' پٹنہ اور ملک العلماء کے ہاتھوں ہی مرتب کئے ہوئے مسودوں اور مبیضوں کی بنیاد پر ہی 'مرکزی مجلس رضا' لاہور اور 'ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی اور 'رضا اکیڈمی' ممبئی نے کام کیا اور بڑا کام کیا۔ علمی نظم کے ساتھ کیا، جدید نہج سے کیا، دانشورانہ سطح پر کیا، بین الاقوامی سطح پر کیا،

پھر چراغ سے چراغ جلتے گئے، روشنی پھیلتی چلی گئی، کئی ادارے اور وجود میں آئے اور کام کی رفتار بڑھ گئی۔ تاہم شاید امام احمد رضا کی وہ کمک پوری نہیں ہوسکی ہے، جو ان کو اپنی کتب کے تعلق سے بھی، ابھی بھی ڈھیر سارے مخطوطات منتظر طباعت ہیں، اس لیے ابھی اور تندہی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ خیر ملک العلماء نے جس جگر سوزی اور دلداری سے فکر رضا کی مشاطگی کی ہے وہ انہی کیا کا حصہ ہے، ان کو اپنی کتابوں کی فکر نہیں تھی، کتب رضا کی فکر تھی، وہ اسی فکر میں دن رات بسر کرتے تھے، اس کا اندازہ ملک العلماء کے ان خطوط سے ہوتا ہے، جو انہوں نے مولانا سید ایوب علی لاہور، گوالیار کے ایک عالم دین، مارہرہ مقدسہ کے صاحب سجادہ تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری اور دیگر علماء و ہمدروان اعلیٰ حضرت کو لکھے ہیں، اس لیے یہ بے دغدغہ کہا جاسکتا ہے کہ آج جہاں کہیں اور جو بھی کام ہورہا ہے، اس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ملک العلماء کی کاوش علمی ضرور کارفرما ہے۔

شملہ و آرہ میں ملک العلماء کا قیام بہت مختصر رہا ہے، عمر کا طویل طاقتور حصہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ جس کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل تھا اور ہے، خانقاہ کبیریہ سہسرام میں گزرا ہے، اخیر عمر کے دو سال دارالعلوم بحر العلوم، کٹیہار (قدیم پورنیہ) کو دیئے، تدریس کی اس طویل مدت میں ہزاروں شاگرد پیدا کئے، ان ہزاروں نے ہزاروں ہزار اب ان ہزاروں ہزار نے لاکھوں، جو ہند و سندھ تو کیا، زمین کے کناروں تک پہنچے اور دینی خدمات کا ریکارڈ قائم کئے۔ یوں ملک العلماء کے شجر علمی کی شاخیں برصغیر کے باہر بھی افریقی، یورپی، امریکی جزائر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ امام النحو حضرت علامہ بلال احمد رضوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند، جو ساری عمر منظر اسلام بریلی کے منصب شیخ الحدیث پر فائز رہے، اب چند برسوں سے ممبئی میں ہیں، ملک العلماء کے شاگرد ہیں۔ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند جنہیں جیدا کابر علماء برادری، فخریہ امام علم و فن اور خیر الاذکیا کے لقب سے یاد کرتی ہے، ملک العلماء ہی کے شاگرد ہیں۔ خواجہ اپنے آپ میں ایک جہان علم بھی ہیں اور جہان حیرت بھی، منطق، فلسفہ اور تمام علوم گریبہ جن کی تعداد بیسوں تک پہنچتی ہے، میں ان کو امتیاز خاص حاصل ہے مگر فن کوئی بھی ہو، عقدہ کیسا بھی ہو، تمام لاینحل عقدوں کا حل انہی کا وصف خاص ہے۔ خواجہ صاحب کے شاگردوں میں ایک نام فقیہ النفس مناظر اہل سنت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کا ہے، ملک کے سارے مناظروں اور فقہی سیمناروں میں ان کی شرکت فیصلہ کن ثابت ہوتی ہے، دوسرا نام مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر صاحب کا ہے جو ملک کے کئی ممتاز دار العلوموں کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، جنہوں نے فن خطابت کو ایک نیا موڑ دیا، ایک نئی جہت دی، جب وہ خطاب فرماتے ہیں تو میں ابوالکلام آزاد کا نام تو نہیں لوں گا، البتہ علامہ الشاہ پروفیسر سید سلیمان اشرف بھاگلپوری کا نام ضرور لوں گا، لگتا ہے سید والاقدسی صفات کا شخصی جاہ و جلال، فنی عروج و کمال اور زبان و بیان کی لطافت و شستگی ان پر سوار ہوچکی ہوتی ہے۔ جب وہ کنیڈی ہال علیگڑ یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہیں تو پورا دانشور طبقہ اور طلبہ گوش برآواز ہوجاتے ہیں۔ مذہب، ادب، سماج، سیاست، تاریخ، موضوع کوئی سا ہو، اس کے ماہرین ششدر رہ جاتے ہیں اور یوں دم سادھے سنتے ہیں جیسے عالم بالا سے حضرت داغ کچھ فرما رہے ہوں، خواجہ صاحب کے شاگردوں میں تیسرا نام شارح کتب درسیہ، پیر طریقت حضرت مفتی محمد شبیر پورنوری صاحب کا ہے، جنہوں نے درسی کتابوں کی شروحات لکھ لکھ کر مدارس اہل سنت کے اساتذہ و طلبہ کو کفیل کر دیا اور غیروں کی شروحات سے بے نیاز بھی

کردیا ہے۔ کہاں تک ذکر کروں، تفصیل کا یہ موقع نہیں، بس ملک العلماء کے علم فیضان کا معاملہ تو بس یہ ہے

کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

ملک العلماء ہیئت وتوقیت کے شہسوار نہیں، حدیث وتفسیر پر بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے، فقہ وافتا اور کلام ومناظرہ ان کا خاص میدان تھا، متعدد فنون و موضوعات، علم قرآن، اصول تفسیر، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام ومناظرہ، عقائد، اخلاق، منطق، فلسفہ، تاریخ، سیرت، مناقب، فضائل، نصائح، نحو، صرف، ہیئت، توقیت، تکسیر، سوانح کوئی پچیسوں علم پڑھا بھی، پڑھایا بھی، ان پر کتابیں لکھیں، شروح لکھیں، ترجمے کیے، جن کی تعداد ستر سے متجاوز ہے، ان کی علمی سرگرمیوں اور قلمی کاوشوں کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ ہر فن کے فنکار تھے، ہر فن مولیٰ تھے، فخر الاقران اور فائق الامثال تھے، ملک العلماء۔

یہ جائزہ یہ بتلانے کے لئے کافی ہے کہ ملک العلماء ہی رضویات کے معمار اول ہیں، اولین بنیاد گزار ہیں، رضویاتی مشن کے مؤسس اول ہیں۔ ان خصوصیات وامتیازات میں ملک العلماء بالکل منفرد وممتاز ہیں، یہ سب ان کی اولیات ہیں۔ یہ بات اس لیے کہی جارہی ہے کہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ ماضی سے کٹ کرنہ کوئی جی سکتا ہے نہ ماضی کو کاٹ کر کوئی ایک قدم آگے بڑھ سکتا ہے، اس حقیقت کا بھلا کوئی کیوں کر انکار کرسکتا ہے۔

پس نوشت

فتاویٰ ملک العلماء۔۱۳۲۳ھ،۱۳۲۴ھ

فتاویٰ کی یہ جلد اس وقت کی ہے، جب ملک العلماء بریلی میں امام احمد رضا کے زیر تربیت وتعلیم تھے، اس میں پہلا استفسار حافظ عبدالکریم اعظم گڑھ کا ہے، جس پر تاریخ ۱۵؍محرم الحرام ۱۳۲۳ھ درج ہے، اس میں تمام سوالات وجوابات ۱۳۲۳ھ ۱۳۲۴ھ کے ہیں۔ اس مجموعہ میں دو تین مختصر فتاوے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بھی ہیں اور اخیر دو سوال وجواب ۱۳۶۹ھ وبعد کے ہیں۔ پہلا ۳۰؍ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کا ہے دوسرا ۱۲؍ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ کا ہے اس کے مستفتی جناب غلام دستگیر خان صدر جمعیت اہل سنت وجماعت بنگلور تھے۔

جامع الاقوال فی رویۃ الہلال۔ ۱۳۵۷ھ

اس کا موضوع بھی وہی ہے، جو ج ''عید کا چاند'' کا ہے، یعنی رویت ہلال کی شہادت کے معاملہ میں خطوط، تار، ٹیلی فون وغیرہ شرعاً معتبر نہیں ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ تین فصول، ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں امام احمد رضا کا رسالہ 'طرق اثبات الہلال' محررہ ۱۳۲۰ھ نقل کرکے محفوظ کردیا گیا ہے، جس کے صفحات ۲۶؍ ہیں۔ فصل دوم میں علمائے سابقین کے فتاویٰ و تصدیقات درج کیے گئے ہیں۔ تیسری فصل میں ہم عصر علماء کے جوابات وتصدیقات ہیں۔ یہ رسالہ دراصل حضرت مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری الجھری (متوفی ۱۳۵۸ھ) کے رسالہ 'احسن المقال فی رویۃ الہلال' کا علمی رد ہے۔ صفحات ۱۹۱ ہیں۔ ۱۳۵۷ھ میں یہ رسالہ شمس پریس گورہٹہ پٹنہ سٹی سے طبع ہوا تھا۔

☆☆☆

ملک العلماء مفتی سید محمد ظفر الدین فاضل بہار علیہ الرحمہ

ازقلم: مولینا محمد حامد سرفراز رضوی، سمندروی شریف، پاکستان

مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر محبِ گرامی جناب عبدالرزاق رضوی مدظلہ نے یہ خبر راحت بخش سنائی، کہ میرے مرشدِ معظم سراج، حضور مفتی اعظم رضوی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرن حضرت علامہ الحاج سید سراج اظہر رضوی دامت برکاتہم العالیہ، حضرت ملک العلماء وارث علوم سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ظفر الدین بہاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت ومناقب پرمبنی "جہان ملک العلماء" شائع فرمارہے ہیں۔
اور حکم فرمایا، کہ تم بھی اس عنوان پر کچھ لکھو۔ انجمن برکات رضا اور حضور سراج ملت سرمایۂ سنیت حضرت قبلہ سید سراج اظہر رضوی صاحب دامت فیوضہم العالیہ کا پاک وہند کے سنیوں پر احسان عظیم کہ وہ جہان ملک العلماء جاری فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ادبی علمی، سماجی و دینی خدمات کو شرف مقبولیت عطا فرمائے (آمین) اور یہ فقیر رضوی مشکور ہے۔ جناب گرامی قدر عبدالرزاق رضوی راجہ بھائی کا کہ جنہوں نے ملک العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مداحوں کی صف میں اس حقیر کو شامل ہونے کا موقع بخشا۔

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلق اللہ

ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام ان فیض یافتہ حضرات میں روشن ہے۔ جن کے فضائل ومناقب میں سب سے اہم سرکار اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ مبارک کلمات ہیں، جو آپ نے مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے۔ مرید اپنے مرشد پر ناز کرے، تو یہ اس کا حق ہے۔ ملک العلماء وہ بختاور مرید ہیں، جن پر سرکار اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناز تھا۔ قدرت نے ملک العلماء علیہ الرحمہ اور ان کی سرزمین پٹنہ کو کئی باتوں میں اولیت کا مقام بخشا۔

۱۔ امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجددیت کا خطاب پٹنہ ہی کی زمین پر حاصل ہوا۔

۲۔ آپ کی سیرت پر پہلی ضخیم ومربوط کتاب "حیات اعلیٰ حضرت" رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک العلماء نے لکھی۔

۳۔ امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدرسہ عالیہ منظر اسلام کی بنیاد کا سہرا بھی حضور ملک العلماء کے سر رہا۔

۴۔ اس مدرسہ کے اولین طالب علم بھی ملک العلماء ہی ہوئے۔

۵۔ سرکار اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بخاری شریف کا پہلا سبق پڑھا کر منظر اسلام کا افتتاح فرمایا۔

۶۔ اعلیٰ حضرت امام المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خزائن عالمیہ اور ذخائر فقہیہ کے مظہر فتاویٰ رضویہ شریف جلد اول کا آغاز بھی حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے استفتاء سے ہوا۔

ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ اپنے اوپر ہونے والی عطاؤں کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے، کتاب مستطاب "حیات اعلیٰحضرت" کے ابتدائیہ میں رقمطراز ہیں:

”پھر ان تمام نعمت ہائے الٰہیہ پر مستزاد کہ بعض وجوہ سے میرے لئے بہت اعلیٰ و بہتر، کہ اس دور انگریزی میں، کہ ہر شخص سلطنت کی زبان سیکھنے سکھانے کا گرویدہ ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکریہ، کہ اس نے میرے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مجھے مذہبی تعلیم دلانے کی توفیق بخشی۔ باوجودیکہ بعض خاص اعزہ واحباب نے حد سے زیادہ اصرار کیا، کہ زمانہ انگریزی سلطنت کا ہے۔ اپنے بچہ کو انگریزی تعلیم دلوایئے۔ مگر انہوں نے پرواہ نہ کی اور مجھے مذہبی عربی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا۔ انہیں کی نیک نیتی وخلوص قلبی کا اثر ہے، کہ زمانہ طالب علمی سے دینی خدمات درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتبلیغ، افتاء ومناظرہ کا شوق وذوق میرے دل میں جاگزیں ہوا اور برابر انہیں دینی خدمتوں میں انہماک وشغف کے ساتھ منہمک رہا۔“

دامن اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وابستگی کس قدر سعادت ہے۔ اس کا ذکر آپ ملک العلماء قدس سرہٗ سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

”اور پھر ان تمام نعمتوں پر مزید گویا سونے پر سہاگہ یہ، کہ اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ موید ملت طاہرہ مولانا مولوی قاری حافظ شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ القوی کی بیعت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ جو شریعت مطہرہ وطریقت منورہ کی علمی عملی تصویر ہے۔ جن کا ہر قول شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الٰہی کا اتباع، جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم شرعیہ واحکام فقہیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف وتصنیف، افتاء وتدریس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت ورہنمائی فرمائی۔ جزاللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الخیر۔“

ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر فیوضات رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراوانی، انہیں کے قلم حقیقت رقم سے ملاحظہ فرمایئے:

”۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے، اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا والد ماجد اعلیٰ حضرت نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں۔“ (حیات اعلیٰحضرت ج۱، ص:۱۵۴)

ملک میوات میں وہابیہ، دیوبندیہ کی سرکوبی کے لئے سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتخاب فرمایا اور ارشاد فرمایا، کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھر کا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے۔ آپ تشریف لے جایئے اور وہابیہ کو شکست دیجئے۔ ملک العلماء فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا، تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں۔ حضور کی دعا کی ضرورت ہے۔ حضور کی دعا شامل حال رہی، تو انشاء اللہ تعالیٰ وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت سرکار مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لاکر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا، کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ پھر کیا ہوا؟ رضوی کچھار کے شیر کے سامنے نجد کی لومڑیاں دم دبا کے بھاگ نکلیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا، مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطا کردہ جبہ شریف کی برکت اور دعا شامل حال تھی۔ کلکتہ میں ولی اللہ نامی وہابی حسب موافق عادت وہابیہ جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا تھا۔ حاجی لعل خاں صاحب مرحوم نے بارگاہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں خط لکھا کہ مولانا ظفر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو روانہ فرمادیں۔ امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو روانگی کا حکم ارشاد فرمایا۔ آگے انہیں کے مبارک قلم کی آواز سنئے:

"جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لئے سواری آگئی، اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا، کہ میرا ارادہ تھا، کہ امسال عید میں آپ یہیں رہیں گے، بچوں کے لئے کپڑے بنواؤں گا تو آپ کے لئے بھی بنواؤں گا۔ لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جارہے ہیں ۔اس لئے یہ روپے آپ کی نذر ہے۔ مجھے بہت شرم آئی، کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو میں نوکر ہوں، میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا، کہ الٹے پیر ہی سے روپے وصول کروں۔ میں نے کچھ تامل کیا، اعلیٰ حضرت سرکار نے باصرار عنایت فرمایا۔ میں قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لئے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہوگیا، اب کس میں مناظرہ کا دم ہے۔ اعلیٰحضرت سرکار کی دعا کا اثر ہے:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے — اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نوازشات کا تذکرہ ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں:

"میرے چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں، جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف امضا فرمائے۔ اس میں برابر ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین سے شروع فرمایا۔ فتاویٰ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا۔ جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزا۔ اسی سلسلے میں یہ بات بھی مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے، کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں میں بریلی رہنا ہوا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا، تو عید الفطر کے دن جس طرح تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے، مجھے اور دوسرے خاص طلباء سب کو اعلیٰ قدر مراتب تہواری عطا فرماتے۔" (حیات اعلیٰحضرت اول ص:۱۵۴)

امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص ساعت میں نقوش تیار فرماتے، جو کہ فوائد و برکات عظیمہ کا مجموعہ تھے۔ وقت قلیل تھا، پندرہ نقوش تیار ہوئے، ان میں ایک ملک العلماء کو بذریعہ ڈاک روانہ فرمایا۔ اسی مکتوب شریف کا ایک حصہ بنظر قارئین ہے۔ ان عظیم نقشوں کی قدر کی جائے، کہ ایسی ساعت کا پھر اجتماع بہت بعید ہے اور ہندوستان بھر میں پندرہ نام اس کے لئے مخصوص کئے گئے۔ جن میں ایک آپ ہیں۔ ایک مکتوب میں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لاڈلے مرید کو یوں دعائیں عطا فرماتے ہیں:

"آپ کی مستدعی بحمدہٖ تعالیٰ بہت جی خوش ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً و بارک فیکم و بکم و لکم و علیکم.

ممدوح عرب وعجم مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم سے ملک العلماء محبوب رضا علیہ الرحمہ کے فضائل ومحاسن کی عظیم فہرست بھی پڑھئے:

'مکرمی مولٰینا مولوی ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کرسکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت جیسے مرشد عظیم وامام وفقیہ جن کے مناقب اس انداز میں بیان فرمائے۔ یقیناً اس دور میں عوام وخواص کو ان کی سیرت کے ہر پہلو سے آگاہ ضروری واشد ضروری ہے۔ دیکھیں تو سہی جن کے لئے گستاخی وجہالت کے سوا کچھ نہ تھا ان کے پیروکاروں نے ان کو حکیم الامت امام ربانی اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرنے کے لئے زمین وآسمان کے قلابے ملادیئے مگر ان کے تذکرہ کرکے شکر ادا نہ کریں تو کفران نعمت بھی ہوگا اور اکابرین اہلسنت سے بے وفائی بھی جو قومیں اپنے اکابرین کے حالات سے صرف نظر کرتی ہیں ان کی مثال بے منزل کے مسافر جیسی ہوتی ہے۔

'ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں'

از قلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

یہ جملہ جوشہ رخی بنا ہے، امام احمد رضا کا ہے۔ اس جملہ میں جو جامعیت ہے، ایک مصروف ترین زندگی کی طرف اشارہ ہے، اس اشارہ پر ذرا سی روشنی ڈال دی جائے، تو ایک پوری کتاب تیار ہو جائے۔ جی ہاں! یہ اشارہ اتنا جامع ہے، بامعنی ہے۔ ایک جہان علم و عمل کا اشاریہ ہے۔ ایک عالم بزم و رزم کا استعارہ ہے، جو کسی کی پرشور علمی کائنات اور پر ہجوم افکار حیات کو حاوی ہے۔

اس جملہ کا پس منظر یہ ہے۔ ۱۳۳۴ھ کے شعبان کا مہینہ تھا، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تعطیل کلاں ہو چکی تھی، اسی ماہ اخیر یا رمضان کے شروع میں حضور ملک العلماء حسب معمول بریلی آگئے، امام احمد رضا کے تصنیفی کاموں میں ہمہ تن جٹ گئے۔ اچانک کلکتہ سے ایک تار آیا، جس میں ملک العلماء کی طلبی تھی۔ واضح ہو، اس زمانہ میں مواصلات کا سب سے زود رفتار ذریعہ تار ہی تھا۔ تار بھیجنے والے الحاج محمد لعل خان مدراسی تھے۔ الحاج مدراسی مولداً ویلور مدراس کے تھے، موطناً کلکتوی تھے۔ نہایت دیندار تجارت پیشہ تھے۔ حضور ملکی و غیر حضور ملکی سامان تجارت کی درآمدات و برآمدات میں ان کے چار جہاز دریاؤں کی لہروں پر رواں دواں رہا کرتے تھے۔ وہ امام احمد رضا کے محب تھے، مداح بھی، ممدوح بھی، خلیفہ بھی، سپہ سالار بھی۔ وہ باقاعدہ سند یافتہ عالم دین نہ تھے، دست قدرت کے تربیت یافتہ تھے۔ امام احمد رضا کے صحبت یافتہ تھے۔ یہ وہی الحاج مدراسی تھے، جن کے بارے میں امام احمد رضا نے فرمایا تھا: ان کی طرح قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی کی طرح اور حجۃ العصر مولانا شاہ محمد وصی احمد محدث سورتی کی طرح ہر شہر ایک ایک سُنی پیدا ہو جائے، تو سنیت کا طوطی بول جائے۔

خیر تار آیا، امام احمد رضا نے اجازت دے دی، حضور ملک العلماء کلکتہ روانہ ہو گئے۔ اب جو ملک العلماء کلکتہ تشریف لائے، بدعقیدہ مولوی ولی اللہ مارواڑی روپوش ہو گئے، جس نے اہل سنت کو مناظرہ کا چیلنج دیا تھا۔ اس کی ساری سرگزشت دیکھنی ہو تو 'گنجینۂ مناظرہ' مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۴ھ دیکھئے۔ رمضان گزرا، شوال آیا، مدرسہ شمس الہدیٰ کھل گیا۔ اب ملک العلماء پٹنہ آنے کے لئے بال و پر تولنے لگے، مگر کلکتہ کے الحاج مدراسی، الحاج عبد الرحمٰن مارواڑی و دیگر معززین ان کو کلکتہ ہی روکنے پر مصر ہو گئے۔ اس زمانہ میں دو ہزار روپے کی پیش کش ہوئی اعلیٰ حضرت کے ایک جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک العلماء نے صدر الشریعہ مولانا امجد علی رضوی کو بلانے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ جملہ یہ ہے 'مولوی امجد علی کے آنے پر رائے معلوم ہوگی' یہ جملہ ۲۶ر رمضان ۱۳۳۴ھ کا موقعہ ہے۔ ظاہر ہے اس وقت صدر الشریعہ اپنے وطن گھوسی میں تشریف رکھتے ہوں گے۔

ملک العلماء نے وہاں کئی ماہ قیام کیا، وعظ کیا، تقریریں

کیں، 'گنجینۂ مناظرہ' ترتیب دی، امام احمد رضا کا رسالہ 'تسہیل التعدیل' کی تبییض کی، جس کو وہ بریلی سے صاف کرنے کے لیے ساتھ لائے تھے۔ جس کی صاف کتابت پر امام احمد رضا کلمات تحسین لکھ کر بھیجا اور مزاحاً فرمایا "تین مہینے کی چھٹی لیں گے، تو کم از کم اس میں نصف کا میں مستحق ہوں، ورنہ تو دو ثلث چاہیے تھا"۔ ممکن ہے، ملک العلماء نے اپنے جواہر البیان ترجمہ الخیرات الحسان کی بھی دیکھ ریکھ کی ہوگی، جو انہیں دنوں الحاج مدراسی کے زیر اہتمام زیر طباعت تھی۔ اعلیٰ حضرت کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے، ملک العلماء وہاں دو تین مہینے رہے۔ نہایت مصروف تھے، جب حالات معمول پر آگئے تو آپ پٹنہ چلے آئے۔ پٹنہ میں پھر وہی مصروفیات، فقہ، حدیث، تفسیر کی تدریس، کتابوں کی تصنیف، مقالوں کی ترتیب، وعظ و خطاب، خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دن رات بیٹھ بیٹھ کر متون و شروح اور امہات الکتب سے عبارات و حوالہ جات کی تلاش اور اپنے استاذ و مربی کی خدمت میں ترسیل، یہ تھیں مصروفیات دراز قد خوب رو نوجوان حضور ملک العلماء کی، اس وقت ان کی عمر ۱۳؍ برس کی تھی۔

ملک العلماء کی عملی زندگی ۲۰؍ برس کی عمر سے شروع ہوئی تھی، یعنی سن فراغت سے تین سال پہلے ہی۔ ۱۳۲۳ھ ہی میں انہوں نے قلم پکڑ لیا تھا، ان کے ایک مجموعہ فتاویٰ میں ایک فتویٰ ۸؍ رمضان ۱۳۲۲ھ کا تحریر کردہ ہے، اس حساب سے دیکھا جائے تو ۱۹؍ برس میں مفتی کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔ ایک دوسرے مجموعہ فتاویٰ میں پہلا فتویٰ ۱۵؍ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ کا تحریر کردہ ہے۔ غالباً یہی وہ فتویٰ ہے، جس کا ذکر حضور ملک العلماء نے 'حیات اعلیٰ حضرت' میں کیا ہے۔ ۱۴؍ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کی پیدائش ہے۔ تو ٹھیک ۲۰؍ برس بعد آپ نے یہ فتویٰ لکھا، جو رضاعت کے متعلق تھا، جس کے درست ہونے پر امام احمد رضا نے ان کو ایک روپیہ شیرینی کھانے کے لیے دیا تھا۔ اہل علم جانتے ہیں، فتویٰ نویسی جس علمی رسوخ، مہارت، ممارت کا طالب ہے، وہ علمی رسوخ، مہارت، ممارت کا طالب ہے۔ وہ علمی رسوخ و مہارت گویا حضور ملک العلماء کو ۲۰؍ برس کی عمر میں حاصل ہو چکی تھی، وہ بھی امام احمد رضا کے زیر نگرانی امام احمد رضا کے زیر نگرانی امام احمد رضا کے دارالافتا بریلی میں۔ یہ تو رہی فتویٰ نویسی کی بات، جو ۲۰؍ برس کی عمر میں ہوئی تو وقت وصال ۱۳۸۲ھ تک جاری رہی۔

فن مناظرہ میں بھی ملک العلماء نے اسی عمر میں شدبد حاصل کر لی تھی، جس کے ثبوت میں 'ظفر الدین الجید' کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ بھی اشرف علی تھانوی کی موجودگی میں، دو بہ دو، رو برو بحث و مناظرہ، اس کی پوری کیفیت رسالہ مذکورہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی عمر میں آپ نے ظفر الدین الطیب لکھی۔ علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر 'الحسام المسلول علی منکر علم الرسول' لکھی، 'مواہب ارواح القدس لکشف حکم الوس' تحریر کی، اس پر امام احمد رضا کی تقریظ بھی ہے۔ ۲۱؍ برس کی عمر میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نظیر نہ ہونے کے ثبوت پر 'مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ' قلمبند کی۔ عمر کی اس اکیسویں بہار میں آپ نے 'شفا شریف للقاضی عیاض مالکی' کی عربی میں شرح لکھی۔ آغاز شرح کی بھی ماہ مبارک ۱۴؍ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کی ہے۔ اپنی عمر کے ۲۲؍ ویں سال آپ نے 'کتاب القدوری' پر عربی زبان میں تعلیق لکھی۔ رسالہ 'اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد' لکھا۔

یہ تمام تحریری نقوش عہد تحصیل کے ہیں اور عمر کا بائیسواں سال تھا۔ یعنی ملک العلماء فتاویٰ کے علاوہ مذکورہ آٹھ کتب و رسائل کے جامع و مصنف ہو چکے تھے۔ یہی سال (۱۳۲۵ھ) ان کی تکمیل

تحصیل کا سن بھی ہے۔ خانقاہ عالم پناہ حضرت مخدوم عبدالحق چشتی ردولوی کے آستانہ پر عرس کی تقریب میں صاحب سجادہ حضرت شاہ التفات حسین علیہ الرحمہ نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ امام احمد رضا بنفس نفیس موجود تھے۔ واضح رہے، اس زمانہ میں آج کی طرح دستار بندی کے جلسے دھوم دھڑا کے نہیں ہوا کرتے تھے، بس استاذ کے علاوہ دوسرے جید علمائے عصر امتحان لیا کرتے تھے اور فضیلت کی سند دے دی جاتی تھی۔ اسی سال امام احمد رضا نے ان کو ملک العلماء اور فاضل بہار کا خطاب دیا اور اسی برس اپنے پیر و مرشد سید شاہ آل رسول قدس سرہ العزیز کی تقریب عرس، جو بریلی میں منعقد ہوئی تھی۔ خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

غرض ان چار، پانچ سالوں (۱۳۲۱ھ - ۱۳۲۵ھ) میں پڑھائی کی، فتوے بھی لکھے، استاذ علام کے فتاویٰ کے املا بھی کیے، حوالوں کی تلاش بھی کی، کتب و رسائل کو صاف بھی کیا، کتابیں بھی لکھیں، رسائل ترتیب دیے، تعلیق لکھی، شرح لکھی، وہ بھی عربی زبان میں، مناظرہ بھی کیا، علمی وعرفانی فیوض و برکات سے شرخ رو بھی ہوئے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کس قدر ذہین تھے، چاق و چوبند تھے، بلند اقبال اور طالع آزما تھے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں، جو طالب علموں کی تاریخ میں نظر نہیں آتیں۔ شاید اسی لیے امام احمد رضا نے ان کو "ملک العلماء" کے بھاری بھرکم ذی وقار خطاب سے نوازا۔ یعنی تمام علوم وفنون اور علماء کا بادشاہ قرار دیا۔ امام احمد رضا جانتے تھے، اس معزز لقب کا وہی حقدار ہے اور وہی تمام فنون میں علماء کی تہنمائی و قیادت کرسکتے ہیں۔ چنانچہ حضور ملک العلماء امام احمد رضا کے معیار ومقیاس پر مکمل پورے اترے اور اپنے مرشد برحق کی سچی علمی جانشینی کا حق ادا کردیا۔

ملک العلماء اپنے دور کے ملک العلماء تو تھے ہی، اس دور کے بھی ملک العلماء ہیں۔ آج بھی ان کے فنی رشحات قلم سے عصر استفادہ کرتے ہیں اور انصاف پسند علماء اعتراف حقیقت کرتے ہیں۔ اس وقت میرے سامنے فیصلہ مقدسہ شرعیہ جو ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء میں یونیورسل لیتھو ورکس، نوروجی اسٹریٹ ممبئی سے چھپی ہے۔ اس میں وہی قصیدہ ہے، جو حدائق بخشش حصہ سوم سے متعلق ہے۔ اس میں حضور ملک العلماء نے جونپا تلا جواب دیا ہے۔ اردو، فارسی، عربی کے دواوین سے اشعار تشبیب نقل کرکے زیر بحث مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ حصہ سوم پر توبہ ورجوع سرے سے لازم نہیں آتی۔ جوانی جگہ ٹھیک ہیں ورقصیدہ اپنی جگہ ٹھیک ہے، صرف ترتیب اشعار کا فرق ہے۔ بات تھی، ملک العلماء کے اوائل عمر کی۔ شعبان میں درسیات کی تکمیل ہوئی۔ شوال ۲۵ھ میں مدرس سوم بنادیے گئے۔ اب ملک العلماء منظر اسلام میں پڑھانے لگے۔ جس تاسیس میں ان کا مؤسسانہ رول رہا تھا۔ مطبع اہل سنت و جماعت کے مہتمم قرار دیئے گئے۔ یہ مطبع ۱۳۱۳ھ کے بعد بریلی میں قائم ہوا تھا، مطبع کے قیام میں امام احمد رضا کے مسودات اور فتاوے کو صاف کرنے لگے، خطوط وفتاویٰ کا املا کرنے لگے، ان کاموں کے کتب و رسائل بھی تحریر کرنے لگے، ضرورت پڑی تو خطاب ومناظرہ کے لیے جانے لگے، مطالعہ وتدریس، مطبع کا اہتمام اور حساب و کتاب، فتویٰ نویسی، امام احمد رضا کے رشحات وتحریرات کی صفائی وترتیب و املا، اپنے کتب و رسائل کے مواد کی تلاش وترتیب، سوچا جاسکتی ہے، ملک العلماء کس مشینی رفتار سے کام انجام دیتے تھے اور ابھی عمر کا وہی بائیسواں سال تھا۔

۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۹ھ تک ملک العلماء کی وہی سرگرمیاں رہیں، جو اوپر مذکور ہوئیں۔ ۱۳۲۶ھ میں علاقہ میوات

گئے، عربی زبان میں مناظرہ کرنے مخالف مناظر کا پانی اتار دیا، دیکھئے، شکست شفاعت، روداد مناظرہ۔ اسی سال انہوں نے 'سبط الراد فی الظہر والاباحۃ' لکھی، 'الفیض الرضوی فی تکمیل العمری' لکھی، فتاوے لکھے، ۱۳۲۷ھ میں 'اجمل العدد لتالیفات المجدد' ترتیب دی جو تصانیف رضا کے تعین میں سنگ میل ثابت ہوئی۔ ۱۳۲۸ھ میں 'نجم اللفند و علی الاکلاب المطرۃ' لکھی، ۱۳۲۹ھ میں 'المعر اس لدفع غلام المعہاس' لکھی، یہ چھ کتابیں قیام بریلی کے دوران تدریس تصنیف کیں، دن رات مصروفیات کا عالم تو وہی تھا اور اوپر بیان ہوا۔ اس لیے ان برسوں میں شاید زیادہ کچھ نہ لکھ سکے۔ لیکن ان کے لکھنے زیادہ اہم اعلیٰ حضرت کے علمی کاموں میں ہاتھ بٹانا تھا۔ جو انہوں نے کیا اور آج تمام خواجہ تاشان رضویت کے لئے سرمہ چشم بنا، جب کہ سن کا وہی تیسواں چوبیسواں پچیسواں چھبیسواں برس تھا۔

کم و بیش ۹ رسال ملک العلماء بریلی میں رہے، قریب پانچ سال تو درسیات پڑھی اور چار سال درسیات پڑھائی۔ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم نعمانیہ لاہور سے درخواست بھی آئی اور امام احمد رضا اپنے نفس پر ایثار کے انہیں بھیجنے کی آمادگی بھی ظاہر کی۔ مگر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، حضور ملک العلماء لاہور نہیں گئے۔ شاید ان کے استاذ اور احباب کو اتنی دوران کا جانا پسند نہیں آیا۔ ۱۳۲۹ھ کو اعلیٰ حضرت کے معتقد قاضی الحاج عبدالرزاق رضوی نے بے حد اصرار کیا، تو امام احمد رضا نے ان کو جامع مسجد شملہ کے خطیب و امام بنا کر وہاں بھیج دیا۔ حضور ملک العلماء جو علمی شخصیت کے مالک تھے، منبر خطابت اور مصلی امامت پر کب رہ سکتے تھے، چنانچہ وہاں ان کا قیام بہت تھوڑا رہا، یہیں انہوں نے ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ملاقات کی اور اس مسئلہ کی تصدیق کی، کرائی۔ جو ڈاکٹر موصوف نے بریلی جا کر امام احمد رضا سے حل دریافت کے آیا تھا، وہ مسئلہ ریاضی سے متعلق تھا۔

اس سال یا اس کے اگلے سال حضور ملک العلماء مدرسہ حنفیہ آرہ تشریف لے گئے، یہ مدرسہ نیا تھا، بانی تھے حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب الٰہ آبادی، جو امام احمد رضا کے اخص الخاص احباب میں سے تھے۔ مولانا الٰہ آبادی کے بے پناہ اصرار اور امام احمد رضا کی اجازت و ایماء سے ملک العلماء علیہ سے آرہ بحیثیت صدر مدرس منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی وہ کچھ ہی مدت رہے، ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں مدرسہ شمس پٹنہ قائم ہوا، بانی تھے مسٹر سید نور الہدیٰ ڈسٹرکٹ شیشن جج، انہوں نے اپنے والد ماجد سید شمس الہدیٰ کے نام پر یہ مدرسہ بنوایا تھا۔ ملک العلماء کو پیش کش ہوئی، وہ وہاں مدرس اول کی حیثیت سے صدارت کا عہدہ سنبھالا وہ یہاں ۱۳۴۴ھ تک تعلیم دیتے رہے، فقہ، حدیث، تفسیر و دیگر فنون پڑھاتے رہے، اس چار سالہ دور قیام میں ملک العلماء نے یہاں درج ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

۱) فن توقیت میں 'الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت' ۱۳۳۰ھ
۲) فن تکسیر میں 'اطیب الکسیر فی علم التکسیر' ۱۳۳۰ھ
۳) فن فقہ میں 'التحقیق المبین لکلمات التو بین' ۱۳۳۰ھ
۴) فن نحو میں 'التعلیق علی شروح المغنی' ۱۳۳۱ھ
۵) فن مناظرہ میں 'رفع الخلاف من بین الاحناف' ۱۳۳۲ھ
۶) فن فقہ میں 'القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر' ۱۳۳۲ھ
۷) فن مناظرہ میں 'کشف الشور عن مناظر رامپور' ۱۳۳۲ھ
۸) فن حدیث میں 'نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینۃ' ۱۳۳۲ھ
۹) فن انساب میں 'خیر السلوک فی نسب الملوک' ۱۳۳۳ھ
۱۰) فن سیرت میں 'جواہر البیان ترجمہ خیرات الحسان' ۱۳۳۳ھ

۱۱) فن مناظرہ میں 'گنجینۂ مناظرہ' ۱۳۳۴ھ

امام احمد رضا کا پہلا خط ملک العلماء کے نام ۳۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ کا ملتا ہے، جو علم الاعداد میں ہے۔ دوسرا خط ۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ کا ہے۔ آخری خط ۱۳۳۹ھ کا ہے۔ یہ آخری ۱۴؍ذیقعدہ کے بعد یا ذی الحجہ کا ہے۔ یعنی مرشد کریم کے وصال سے دو ڈھائی مہینے پہلے تک ملک العلماء کو خط لکھا جاتا رہا۔ یہ کل ۴۴؍خطوط ہیں، ان خطوط کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے، ملک العلماء جہاں کہیں رہے، امام احمد رضا کی تربیت، ہدایت، مشورے سے ایک پل غافل نہیں رہے۔ نہ ہی امام احمد رضا اپنی نظر سے دور رکھا، سواد خطوط بتاتا ہے، ایک دوسرے کے دل میں کتنی محبت تھی، اپنائیت تھی، کتنا مضبوط تعلق خاطر اور احترام تھا۔ علمی، معنوی، روحانی فرزند تو تھے ہی لگتا ہے یعنی، حقیقی صلبی، فرزند ہو، پل پل نظر رکھی جارہی ہے۔ لمحہ لمحہ خبر دی اور لی جارہی ہے۔ یہ دلی تعلق، قلبی لگاؤ، ذہنی جھکاؤ آج کل کے مرید وشاگرد کے لیے بھی درس عبرت ہے، تو اساتذہ ومشائخ کے لیے بھی مقام عبرت ہے۔

۱۳۳۴ھ کے وسط یا اواخر میں ملک العلماء سہسرام تشریف لے گئے، جہاں وہ قریب ۱۳۳۸ھ تک علوم شرعیہ وشرقیہ کی تعلیم دیتے رہے وعظ وخطاب کرتے رہے مباحثہ ومناظرہ کے لیے دور دراز تک سفر کرتے رہے، اپنے علمی ذوق کی تسکین بھی کرتے رہے۔ امام احمد رضا کی تصنیفی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے، ملک العلماء کے نام خطوط رضا میں اس واضح ثبوت موجود ہے۔

ملک العلماء قیام سہسرام کی یہ علمی یادگاریں ہیں۔

۱) فن صرف میں 'عافیہ' لکھی یہ درسی کتاب ہے۔
۲) فن نحو میں 'وافیہ' لکھی یہ بھی درسی کتاب ہے۔
۳) فن منطق میں 'تقریب' لکھی یہ بھی درسی کتاب ہے۔
۴) فن فلسفہ میں 'تہذیب' لکھی یہ بھی درسی کتاب ہے۔
۵) فن ہیئت وتوقیت میں 'موذن الاوقات' لکھی جو تمام ہند کی ضروری کی اور آج تک کر رہی ہے۔
۶) فن ہیئت وتوقیت میں بدر الاسلام لکل الصلوٰۃ والصیام لکھی غیر مطبوعہ ہے۔
۷) فن فقہ میں 'تحفۃ الاحباب فی الکوۃ والباب' لکھ کر ایک بڑے فتنے کو سرد کر دیا۔
۸) فن نحو میں 'مغنی اللبیب' کی شرح لکھی جو عربی زبان میں ہے۔
۹) فن نحو میں 'نظم المبانی فی علم المعانی' لکھی جو غیر مطبوعہ ہے۔
۱۰) فن سیرت میں 'تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار' لکھی یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔
۱۱) فن تکسیر میں 'الاکسیر فی علم التکسیر' لکھی یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔
۱۲) فن ترجمہ میں 'امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور' کا ترجمہ کیا۔
۱۳) فن تنقید میں حکیم عبدالحیٔ کی رپورٹ ندوۃ العلماء پر تنقیدی احتسابی مقالہ لکھا جو دبدبہ سکندری رام پور میں چھ سات قسطوں میں چھپا۔

۱۳۳۸ھ ہی کے کسی مہینہ میں ملک العلماء دوبارہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ باصرار بلا لئے گئے، چنانچہ ملک العلماء سہسرام سے پٹنہ تشریف لے آئے، صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں بھی اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ مدرسہ میں پھر وہی فن فقہ، فن حدیث، فن تفسیر کی متداول دینی کتب زیر درس آگئیں۔ منطق، فلسفہ، ہیئت، توقیت تو وہ اپنے دور کے تاجدار تھے ہی، ان فنون میں بھی طلباء کے علاوہ اساتذہ وعلماء عصر کی تربیت کرتے رہے، ان علوم کو سیکھنے کے لیے علماء دور دراز سے خط وکتابت کرتے تھے۔ پٹنہ میں قیام کرکے بھی سیکھتے تھے

الغرض ملک العلماء ہر کام اپنے وقت پر نہایت منضبط انداز میں سر انجام دیتے تھے، تحریک ترک موالات کا طوفان اٹھا، تو ملک العلماء نے ایک طرف پٹنہ میں محاذ سنبھالا اور 'ہادی الہداۃ الترک الموالات' لکھ کر قوم پرست علماء اور سیاست دانوں کو متنبہ کیا، تو دوسری طرف علیگڑھ سے علامہ الشاہ سید سلیمان اشرف پروفیسر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی نے زبردست علمی مقالہ لکھ کر امام احمد رضا کے موقف کی حمایت کی۔

المختصر ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ملک العلماء دور رہ کر بھی امام احمد رضا سے فیض اٹھاتے رہے، وہ دوری کوئی اور نہیں، فقط زمینی اور مکانی تھی۔ ۱۸ برس کی عمر میں ملک العلماء امام احمد رضا سے جو قریب ہوئے وہ قربت امام احمد رضا کے وصال تک کوئی ۱۹/۲۰ برس تک اپنی قائم رہی۔ اس رشتہ قربت ومحبت کو بجا طور پر اٹوٹ رشتہ کہا جاسکتا ہے۔ اپنے حلقۂ مریدین میں یا امام احمد رضا کے چاہنے والوں میں اہل سنت یا مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم لہرائے رکھنا مشکل کام ہے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ میں ہر اسکول کے اساتذہ تھے، طلبہ تھے۔ ملک العلماء نے وہاں اہل سنت کا پرچم ایسی تاب و توانائی سے اٹھائے رکھا کہ کسی کو پل مارنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ یہ بھی ایک ملک العلماء کی انفرادی خصوصیت ہے، یہی خصوصیت ہمیں رئیس المتکلمین حضرت سید شاہ سلیمان اشرف بہاری کے صحیفہ میں نظر آتی ہے۔ جب کہ وقت علی گڑھ میں دینی بیزاری عروج پر تھی۔

زمینی دوری کے ان نو دس برسوں (۱۳۳۰ھ-۱۳۴۰ھ) میں بھی ملک العلماء کار رضا میں ہمہ تن مستعد رہے، ذکر رضا کرتے رہے، ترنہ رضا پڑھتے، پڑھاتے رہے۔ ان کی صحبت کے فیض اٹھانے والے، ان کی مجلس میں بیٹھنے والے، ان سے درس لینے والے سب کے دلوں میں نام رضا گھر کرتا گیا۔ سب کے ذہنوں پر ذکر رضا چھپتا رہا وہ خود بیعت نہیں کرتے۔ اپنے چاہنے والوں کو امام احمد رضا سے کراتے حجۃ الاسلام سے قریب کرتے مفتی اعظم ہند کے پاس بھیج دیتے طلباء کو منظر اسلام پہنچا دیتے پڑھاتے خود تھے۔ تیار خود کرتے دستار منظر اسلام سے کراتے تھے۔ جب منظر اسلام قائم ہو تب بھی انہوں نے خط لکھ لکھ کر طلبہ کو بلا کر منظر اسلام میں داخل کراتے تھے۔ خود سے انہوں نے کوئی مدرسہ نہیں بنایا ساری عمر منظر اسلام کی وفاداری میں کام کیا۔

بات تھی ملک العلماء کے ان نو دس برسوں کی، جب وہ بریلی بعد مکانی پر رہے۔ ان برسوں میں خط کتابت کا سلسلہ رہا اور خوب رہا۔ خط کتابت کے لفاف وملفوف سے باتیں سامنے آتی ہیں جو خط امام احمد رضا نے ارسال فرمایا ہے، ملک العلماء کی سیرت، حیات، علوم، تصانیف، خصوصیات لکھنے کے لیے بس وہی خط کافی ہے۔ امام احمد رضا ہی نے خاکہ کھینچ دیا ہے۔ ذیلی عنوانات قائم کردیئے ہیں۔ سنی خالص مخلص ہادی مہدی ہیں۔ یہ جملہ ملک العلماء کی شفاف سیرت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، کہہ کر باکمال مدرس ہونے کی ضمانت دے دی ہے۔ ملک العلماء درس کی خصوصیات پر باقاعدہ ایک باب لکھا جاسکتا ہے۔ ان کے تلامذہ پر کئی ابواب تیار ہوسکتے ہیں۔ 'مفتی ہیں' یہ جملہ بھی ایک بابا کا عنوان بن سکتا ہے۔ 'مصنف ہیں' اس جملہ پر تو ایک پوری کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ 'واعظ ہیں' وعظ وخطاب پر تو ملک العلماء کے کئی رسائل لاہور سے شائع ہوچکے ہیں۔ مزید اور غیر مطبوعہ ہیں۔ سب کو جمع کردیا جائے تو ایک ضخیم جلد 'خطبات ملک العلماء' کے نام سے چھپ سکتی ہے۔ 'مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کرسکتے ہیں' یہ جملہ فن مناظرہ میں مہارت وکمال کی کھلی شہادت ہے۔ اس سے

بھی مکمل ایک جلد کتاب بآسانی بن سکتی ہے۔ ’علمائے زمانہ میں توقیت سے تنہا آگاہ ہیں‘ یہ جملہ اس بات کے ثبوت کے لیے بہت کافی ہے کہ اس علم میں ملک العلماء علمائے عصر کے مرجع ومقتدا تھے اور آج بھی ہے۔

ملک العلماء کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے یہ جملے اس وقت لکھے (جو سند کا درجہ رکھتے ہیں) جب ملک العلماء صرف ۲۵ ر برس کے تھے، پچیس سالہ نوجوان ملک العلماء پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو اتنا اعتماد تھا۔ جب یہ صغر سنی کا عالم تھا تو کبر سنی کا عالم کیا رہا ہوگا۔ جو علمی رسوخ، فنی حذاقت ومہارت لوگ چھ سال کے بعد حاصل کرتے ہیں۔ ملک العلماء پچیس برس کی عمر میں حاصل کر چکے تھے، وہ بھی امام احمد رضا کی علمی وفنی تجربہ گاہ میں امام احمد رضا کی تحریری وقولی ثبوت وشہادت کے ساتھ۔ جبھی تو اعلیٰ ضحرت نے ملک النحو، ملک الحدیث، ملک التوقیت نہیں فرمایا، ملک العلماء فرمایا۔ تمام علوم کے ملک، تمام علماء کے ملک، شاہ، بادشاہ اور سچ یہ ہے کہ وہی اس عظیم خطاب کے مستحق بھی تھے۔ پھر وہ مدت مدید علوم رضا، فنون رضا، افکار رضا کی نیابت، نقابت کرتے رہے جو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

امام احمد رضا عالم علوم کثیرہ تو تھے ہی، عامل عملیات عجیبہ بھی تھے، مارہرہ مطہرہ کے حضرت نوری میاں نے ایسے اعمال و اسرار سربستہ کی تعلیم دی تھی، جو کسی بھی امر میں اکسیر، تریاق، تیر بہ ہدف، شہد کلید سے کم نہیں۔ چنانچہ امام احمد رضا نے ملک العلماء کو ان علوم واسرار سے کلی حصہ دیا اور حفاظت فرمائی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ”میں جن امور میں ہوں، اگر آپ تفصیل لکھوں تو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے مگر آپ کی یاد دل کے ساتھ ہے۔ جو عظیم ساعت میسر ہوئی محض عطیۂ الٰہی تھی اس میں یہ نقوش تیار کئے جو مرسل ہیں“۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں ”ایک کی ساعت وقت صبح کی تھی اور دوسرے کی افضل الساعات ساعت اخیرہ جمعہ اور بعد جماز جمعہ ایک نقش آپ کے لیے چاندی کندہ کرایا“۔

امام احمد رضا طبیب وحکیم بھی تھے ایک خط میں حکمت و طب کی تعلیم وہ بی کاشف الاسرار کے حوالہ سے دے رہے ہیں، جو مارہرہ مطہرہ کا مجرب وآزمودہ ہے۔ شب برأت کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہیں ایک پرچہ بھیج کر عوامی اصلاح واعمال کی ترغیب دیتے ہیں، ایک خط میں لکھتے ہیں:

”آپ اور مولانا حامی سنت، ماحی بدعت حاجی محمد لعل صاحب سلمہ کا جو کچھ خدمات دین کر رہے ہیں، اللہ عز وجل برحمتہ قبول فرمائے اور دو جہاں میں اس پر اجر جزیل دے اور ہمیشہ اعلائے دین پر منصور رکھے“۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں ”افسوس! ادھر نہ مدرس، نہ واعظ، نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں“۔

یہی جملہ عنوان مضمون بھی ہے اور ’ایک لعل خان کیا کیا بنائیں۔ حضرت مولانا محمد لعل خان مدراسی پر بھی آج تک کچھ نہیں ہوا، جو حقیقتاً مجاہد اہل سنت تھے، کوئی فاضل ان پر کام کرے تو یہ ایک نادر تاریخی باب ہوگا، مواد سب موجود ہے، مگر منتشر ہے۔ صرف جمع کر دینے کی ضرورت ہے۔ خود اعلیٰ حضرت کی تحریری شہادتیں درجنوں ہیں۔ ایسی گمنام کڑیوں پر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ سالار وقت حضرت مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی تاریخ رضویات کا دوسرا تابناک باب ہے۔ یہ وہی قاضی صاحب ہیں، جن کی خدمات کی سراہنا خود امام احمد رضا نے کی۔ دعوت قبول کی، بیمار ہوئے تو عیادت کی، وصال ہوا تو خود قبر میں اترے، قاضی کی نعش کو اتارا اور یہ کہتے ہوئے سلا دیا ع جا میری جاں خدا حافظ

قاضی صاحب کا انتقال عین عہد شباب میں ہوا اس کم عمر

میں بھی جوانہوں نے خدمت دین تاریخ رقم کی اس کا اعتراف زمانے کو ہے۔ یہ وہ شخصیات ہیں جو امام احمد رضا نورتنوں میں ہیں اور اپنی اپنی جگہ ایک عہد اور ایک تاریخ ہیں۔ ماضی کے ان آئینوں کو سامنے لانے کی ازحد ضرورت ہے تاکہ حالیہ نسلوں کو سوئے حرم بلانے میں مددمل سکے۔

موجوع تھا، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں، کیا کیا کریں، کب کب جائیں، کہاں کہاں جائیں درسگاہ میں پڑھائیں دارالافتاء میں فتویٰ لکھیں دارالتصنیف والترجمہ میں تصنیف کریں، ترجمہ کریں درسی کتابیں تیار کریں یا درسی کتابوں کی شرح لکھیں، کتابیں چھپوائیں، رسائل بٹوائیں، مضامین شائع کریں اخبارات وجرائد پر نظر رکھیں، خلاف شرع باتوں کی نوٹس لیں، کیا کیا کریں، کہاں کہاں جائیں وعظ کریں تقریر کے لیے دورے کریں، مناظرہ کے لیے میوات کائیں، کلکتہ جائیں، برما جائیں، مدراس ائیں، رامپور جائیں، بنارس جائین، کہاں کہاں جائیں، آریہ سماجوں سے مناظرہ کریں یا وہابیوں سے مناظرہ کریں، کیا کیا کریں؟ روداد سفر لکھیں یا سرگشت مناظرہ لکھیں کیا کیا لکھیں؟ علوم قدیمہ پڑھائیں یا علوم جدیدہ پڑھائیں حدیث وتفسیر کا درس دیں، یا ہیئت وتوقیت کی کلاس میں بیٹھیں پورے ہندوستان کی مسجدوں کے اوقات جماز کا نقشہ بنائیں، یا روزہ وافطار کا ٹائم ٹیبل بنائیں، خطوں پر کط ہے۔ تاروں پر تار ہے۔ فرمائش پر فرمائش ہے کیا کیا کریں؟ کیا کیا بنائیں۔ ۱۸ ربرس کی عمر میں امام احمد رضا وہ لاڈلا امام احمد رضا کی درسگاہ میں بیٹھا تو عمر کی ۸۲ رویں پائیدان تک اٹھنا نصیب نہ ہوتا ان کہ وہ دنیا اٹھ گئے۔ چند ہی سال وہ طالب علم رہے، ساری عمر طالب علموں میں گھرے رہے۔ ان طالب علموں میں صغیر السن بھی تھے، شاب السن بھی تھے، کبی السن بھی تھے۔ علماء وفقہاء تک ان کی درسگاہ میں بیٹھے، اکتساب علم کیا، جدید علوم سیکھے، وقت کے سجادہ نشین ہوں، صدرالمدرسین ہوں، شیخ الحدیث ہوں سب ان کی درگاہ فیض سے سیراب ہوئے۔ ایسی کثیر الجہات مصروف ترین شخصیت کے بارے میں امام احمد رضا کا یہ ریمارک 'ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں' کتنا برمحل ہے۔ خدا رحمت کندایں پاک طینت را۔

اب ایک بات کر کے رخصت ہوتا ہوں پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے لکھا ہے ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۰ء میں حضور ملک العلماء جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار (قدیم پورنیہ) تشریف لے گئے۔ ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے وہ ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ آکر مقیم ہوگئے۔ حضور ملک العلماء کا پورنیہ میں دوسال قیام کیسے رہا؟ ہوسکتا ہے، یہ کتاب کی غلطی ہو، دس سالہ کو دوسالہ بنادیا ہو۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ جو ملک العلماء کے قابل فخر تلمیذ ہیں اور بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں وہ فرماتے ہیں: پانچ سال ت میں نے خدمت کی ہے اور یہ کوئی ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا، للہذا پانچ سالہ قیام تو میرا آنکھوں دیکھا ہے، حسن اتفاق سے ملک العلماء کا ایک فتویٰ اس وقت سامنے ہے۔ جس پر ۴ نومبر ۱۹۵۴ء کی تاریخ درج ہے۔ اختتامیہ جملہ ہے: والسلام علی اہل الاسلام محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ پرنسپل جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار، ضلع پورنیہ، بقلم محمد عبدالرشید متعلم جامعہ لطیفیہ اب یہ ابہام زیادہ بہتر انداز میں حضرت پروفیسر موصوف دور کر سکتے ہیں۔

ایک اور بات یہ بقلم محمد عبدالرشید متعلم جامعہ لطیفیہ کون ہیں یہ وہی متعلم ہیں جو بعد میں حضرت مولانا محمد عبد الرشید رشیدی ہوکر دارالعلوم مصطفائیہ خانقاہ رشیدیہ جمخانہ بازار پورنیہ کے صدر مدرس اور ناظم اعلیٰ ہوئے۔ جس میں شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۳ء میں مدرس تھے۔ ☆☆☆

حضور ملک العلماء بحیثیت ایک پرسوز واعظ

از قلم: مفتی نورالحق حبیبی مصباحی، خادم الجامعۃ القادریہ مظہر العلوم، بنگال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

ہندوستان جنت نشان، جہاں اپنی زرخیزی و سرسبزی و شادابی، صنعت وحرفت اور خام پیداوار کی وجہ سے ہمیشہ ایک خاص شہرت کا مالک رہا ہے، وہیں ارباب علم و ہنر اور اہل فضل وکمال کا گہوارہ بھی بنا رہا ہے۔ انھیں ارباب علم و ہنر اور اہل فضل وکمال میں نادر روزگار، علامۃ الدہر، محقق بے مثال، خلیفہ اعلیٰ حضرت مجدد اسلام فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، حضرت ملک العلماء سید شاہ ظفرالدین الرضوی البہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات بھی نمایاں خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ مجدد اعظم اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مایہ ناز تلمیذ و خلیفہ، وقت کے جید عالم، زبردست مفتی اور درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں، جن کے علمی دبدبہ کا اپنے تو اپنے ہی ہیں، غیروں کو بھی برملا اعتراف واقرار پر مجبور ہونا پڑا ہے۔

لیکن افسوس کہ اس عبقری و دیدہ ور، محقق ومفکر کی علمی و فکری جدوجہد کو روشناس کرانے میں ہمارے بزرگ قلم کار حضرات نے صرف نظر کیا ہے۔ آپ کے معاصر مختلف علماء کے سوانح حیات اور ان کے کارناموں پر کتابیں ومقالات دیکھنے اور پڑھنے کو ملتے ہیں۔ لیکن اگر نہیں ملتا ہے، تو وہ ملک العلماء کی ذات وکمالات سے متعلق ہے۔ حالانکہ ملک العلماء ٹھوس علمی صلاحیتوں کے مالک، کامیاب اور مشفق استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین سحر بیان مقرر اور پرسوز واعظ تھے۔ آپ کی مطبوعہ تقریروں اور مواعظ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں علم وادب اور ذوق خطابت رکھنے والے حضرات کے علمی ذوق کی تسکین کا سامان اور معلومات میں اضافہ فکر ونظر میں وسعت اور تحفظ ایمان وعمل کے لئے قیمتی سرمائے ہیں۔ وعظ وتقریر کے ذریعہ موصوف علیہ الرحمۃ کی اسلامی خدمات، تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ حیات ملک العلماء میں ہے کہ:

''حضرت سید شاہ حمیدالدین صاحب! صاحب سجادہ خانقاہ تکیہ رکن الدین عشق رحمہا اللہ نے ۲۷؍ رجب الرجب ۱۳۵۳ھ کو رجبی شریف کی تقریروں کا اہتمام کیا اور حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ کو تقریر پر آمادہ کیا۔ حضرت ملک العلماء نے بھی حضرت سید صاحب کو اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ میں ضرور تقریر کروں گا، بشرطیکہ ہر سال ہندوستان کے مشاہیر سنی علماء میں سے ایک کو ضرور مدعو کیا جائے، چنانچہ یہ سلسلہ ۱۳۵۳ھ سے شروع ہوا اور مسلسل ۱۳؍ سال یعنی ۱۳۶۵ھ تک جاری وساری رہا۔''

حضرت ملک العلماء کی رجبی شریف کی ساری تقریریں ہر سال افادت عام اور مسلک حق، سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے اجماعی معانی ومفاہیم کی زیادہ سے زیادہ ترویج واشاعت کے خاطر ضبط تحریر میں لائی جاتی تھیں اور اس پر حضرت ملک العلماء نظر ثانی فرمالیا کرتے تھے۔ وہ ساری تقریریں کیا تھیں، جب زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آتیں، مطالعہ سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، تو

پورا پورا اندازہ ہوتا کہ حضرت موصوف علیہ الرحمۃ نے معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں کیا کیا جواہر پارے بکھیرے ہیں۔

راقم کے مطالعہ میز پر اس وقت دو تقریروں کا مجموعہ بنام تنویر السراج فی ذکر المعراج ۱۳۵۸ھ کی اور دوسری ۱۳۶۵ھ کی موجود ہے۔ ان تقریروں کے متعلق صاحبزادہ پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین صاحب رقمطراز ہیں:

"تنویر السراج، واقعات و حقائق و معارف معراج پر ایک مسلسل بیان ہے۔ جس میں ہر سال ایک کڑی کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ پہلے سال بسم اللہ الرحمن الرحیم پر دو ڈھائی گھنٹے تقریر ہوئی۔ دوسرے سال لفظ سبحان پر، تیسرے سال الذی پر۔ چوتھے سال اسریٰ پر، پانچویں سال بعبدہ کے حرف "با" پر چھٹے سال عبد کے مفاہیم و مصداق بیان کرتے ہوئے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات خاصہ بیان کیے گئے تھے۔ ساتویں سال بعبدہ کی اضافت کی تشریح کی گئی تھی۔ آٹھویں سال لیلاً کے متعلق گفتگو ہوئی نویں سال "لیلاً" کی تنوین کے متعلق۔ دسویں سال صرف حرف "من" پر تقریر ہوئی گیارہویں سال میں بھی پوری تقریر حرف "من" کے متعلق ہوئی بارہویں سال غالباً "المسجد الحرام" اور تیرہویں سال "الی المسجد الاقصی" پر تقریریں ہوئی ہوں گی۔

واقعی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی تقریر و وعظ آیات قرآنیہ کے عطر اور احادیث نبویہ علی صاحبھا افضل الصلوۃ والتسلیم کے خزینے کا ایک ایسا حسین و جمیل اور خوبصورت گلدستہ ہے، جس کی خوشبو اور مہک سے یقیناً مشام جاں معطر و معنبر ہے۔

آیات و احادیث کے مآخذ و مصادر و مراجع کے جواہر آبداروں کو برمحل جمع کرکے اس کی افادیت میں چار چاند لگا کر دو گنا اضافہ فرما دیا ہے۔ آپ کی وعظ و تقریر کیا ہے؟ بے جا الفاظ کی تک بندی اور لطائف و قصے کہانی سے یکسر پاک۔ ایک صاف و شفاف کوثر و سلسبیل سے دھلی ہوئی جامع مانع گرانقدر تقریر ہے۔ حضرت پروفیسر مختار الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"علمی تقریر کرنے والے، شگفتہ بیان مقرر، دلنشیں باتیں کرنے والے مؤثر واعظ، یہی وجہ ہے کہ آپ کے استاذ و مرشد مجاز مجدد اعظم اعلیٰ حضرت نے آپ کی وسعت مطالعہ، تفکر و تدبر، عالمانہ بصیرت، کردار و عمل کی شفافیت، حسن بیان کی جاذبیت اور مجسم خلوص وللہیت کو دیکھ کر ارشاد فرماتے ہیں۔

"مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، "عالم درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، "واعظ ہیں" آپ کے مجموعۂ تقریر تنویر السراج فی ذکر المعراج، بصیرت افروز، ولولہ انگیز، مدلل، و مبرہن، مفصل اور پرمغز و پرسوز علمی و فکری دستاویز کا نادر المثال مجموعہ عطر بیز ہے۔

آپ اپنی تقریر کا آغاز اس انداز سے فرماتے ہیں:

"نہایت ہی مسرت کی بات ہے کہ امسال کے جلسہ میں بقیۃ السلف حجۃ الخلف ملحق الاصاغر بالا کا برو وارث العلم، حامی سنت ماحی بدعت حضرت مولانا عبد المجید صاحب آنولوی بریلوی ارشد تلامذہ حضرت تاج الفحول محب الرسول مستغنی عن الالقاب والاوصاف مشہور باطراف واکناف جناب مولانا مولوی شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ فیض آباد سے تشریف لائے ہیں جو اپنے جوش مذہبی و حسن تقریر کی وجہ سے مشہور و معروف دیار و امصار ہیں۔

آپ حضرات نے اس امر کو بھی اپنے صفحہ خاطر عاطر سے محو نہ فرمایا ہوگا کہ میں نے گذشتہ سال عرض کیا تھا کہ میرا بیان امسال "بعبدہ" کے متعلق ہوگا، پہلے "با" کے متعلق مضامین اور آقائے دو جہاں کی نعت و صفت ہی کے بیان میں دو گھنٹے گذر گئے،

اس لئے (امسال) میرا بیان "عبدہ" کے متعلق ہوگا۔"

مذکورہ عبارت کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے کہ علماء اہل سنت سے ملک العلماء کو اس طرح قلبی لگاؤ تھا کہ ان کی قدر و منزلت کا آپ کے دل میں کس قدر خیال و احترام تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کوئی پیشہ ور مقرر و واعظ کی طرح پہلے ہی سے رٹ کرلائی تقریر کرنے والے مقرر و واعظ نہ تھے۔

ملک العلماء نے اپنی آغاز تقریر میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ مگر جامع و مانع اعزاز قرآن کو بیان فرمایا اور پھر واقعہ معراج کی موٹی موٹی سرخیوں کو حسین پیرایہ میں بیان فرمانے کے بعد۔ معراج جسمانی تھی، یا منامی؟ اس پر حاصل سیر گفتگو فرماتے ہوئے جس عالمانہ بصیرت، وسعت فکر و نظر سے اپنی بات کو مدلل و مبرہن کیا ہے، وہ چشم بصیرت سے پڑھنے کے لائق ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اہل تحقیق کا مسلک یہ ہے کہ اسراء و معراج دونوں روح و جسد کے ساتھ ہوا۔ کیوں کہ قرآن شریف میں واقعہ معراج بیان کرتے وقت اللہ تعالیٰ "اسریٰ بعبدہ" فرمانا روح مع جسد پر قوی دلیل ہے، اس لئے کہ عبد نام روح مع جسد کا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا "بعبدہ" فرمانا ہی معراج منامی و روحانی کے خیال کو رد کرتا ہے۔ غرض جہاں جہاں لفظ "عبد" قرآن شریف میں آتا ہے، تمام جگہ روح مع الجسد ہی مراد ہے۔"

نیز عقل سلیم شاہد ہے کہ استعجاب و استبعاد کو مذہبی و اعتقادی باتوں میں اصلاً دخل نہیں۔ ورنہ جس طرح جسم کثیف کا فرش زمین سے فوق السموات جانا مستبعد، بلاشبہ اسی طرح جسم لطیف روحانی کا فوق السموات سے زمین پر آنا اور وحی لانا بھی مستبعد، تو جبریل امین کا زمین پر آنا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس وحی لانا سب ممتنع ہوگا۔" حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ہر لحظہ آسمان و زمین، بحر و بر و فضا میں کتنے انسان، کتنے جانور، کتنے کیڑے مکوڑے کی کہاں کہاں روحیں قبض فرماتے ہیں وہ تخیل و بیان سے باہر مگر کسی کو سرعت سیر پر استعجاب نہیں ہوتا۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معراج جسمانی پر استعجاب و استبعاد کیوں؟

پھر ملک العلماء علیہ الرحمۃ نے سرعت سیر پر استعجاب و استبعاد کے پردے کو تار تار کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک درباری، ملک الجبال کی درخواست، حضرت شیخ الشیوخ شیخ ابن سکینہ رضی اللہ عنہ کا ایک سنار مرید، حضرت جنید بغدادی کے ایک مرید، تخت بلقیس کا چشم زدن میں آنا، کے اہم اہم واقعات سے معراج جسمانی پر جس مدبرانہ و محققانہ انداز سے روشنی ڈالی ہے وہ منصف مزاج محققین و مفکرین کے لئے ایک انمول و در نایاب تحفہ ہے۔ منکرین معراج جسمانی کی طرف سے پیش کردہ آیت قرآنی کی توضیح و تشریح میں، آیات و احادیث نبوی اور شعراء عرب کے اقوال و ابیات کے جواہر آبداروں کو کافی مقدار میں جمع فرما کر اس کے افادہ و استفادہ میں چار چاند لگا دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"وما جعلنا الرویا التی ارینک الا فتنۃ للناس" میں اللہ تعالیٰ نے "رویا" فرمایا۔ "رویا" کا اطلاق صرف خواب ہی نہیں، بلکہ جس طرح خواب پر ہوتا ہے، رویت بصری پر بھی ہوتا ہے، مشہور شاعر متنبی کے قول میں ہے ورویاک احلیٰ فی العیون من الغمض یہاں پر رویاک سے رویتک مراد ہے، ورنہ شعر بے معنی ہو جائے گا۔"

اسی طرح بخاری اور قرآن مجید کی کافی عبارتوں کو نقل فرما کر ثابت فرما دیا کہ رویاک کا معنی صرف خواب ہی نہیں آتا، بلکہ رویت بصری بھی ہوتا ہے۔ ثانیا یہ ہے کہ آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اس "رویا" سے مراد رویائے عالم حدیبیہ

ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رویائے واقعہ بدر ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد واقعات معراج ہیں۔ اذا جــــاء الاحتمال بطل الاستدلال اس قدر احتمالات واقوال میں تو اس سے استدلال ہی باطل ہے۔ ثالثاً معراج روحانی کے لئے براق کی کیا ضرورت تھی، اس لئے سواری تو انسان کے جسم کے لئے چاہئے، نہ فقط روح کیلئے، اسی طرح پوری تقریر کا مطالعہ کرتے جائیں، آسان زبان، علمی اسلوب بیان، کہیں بھی کسی طرح کی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا ہے، ہر بات حوالوں سے مزین ومدلل ہے۔

ملک العلماء علیہ الرحمۃ کا انداز خطابت جاذب و پرکشش ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی محققانہ ومفکرانہ ہے۔ لفظ "بعبدہٖ" کے عبد وعبدیت پر جس حسین انداز میں گفتگو فرمائی ہے، اس کے مطالعہ سے گلشن ایمان میں ایک تازہ بہار آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

"سبحٰن الذی اسریٰ برسولہ یا نبیبہ کیوں نہ فرمایا بعبدہ کیوں فرمایا؟ یعنی مقام مدح میں اعلیٰ وصف رسالت و نبوت قابل ذکر تھا نہ عبدیت کہ یہ تو بظاہر ایک معمولی وصف اور عام وصف ہے۔ اللہ کے بندے تو سب ہیں تو بات یہ ہے کہ کمال انسان کو محبوب بالذات ہے اور انسان کے جملہ احوال سے اکمل واقویٰ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو۔ اس لئے کہ اسی سے اس کا قلب نور الٰہی سے روشن ہوگا اور زبان ذکر وقرأت سے مشرف ہوگی اور اعضاء عبادت الٰہی کے جمال سے معزز ہوں گے اور اس وصف کے ساتھ مشعر تمام اسمائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فقط لفظ عبد ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عبادت امانت ہے، اور ادائے امانت شرعاً عقلاً عرفاً ہر طرح واجب ہے اور منجملہ صفات کمال ایک بہت بڑی صفت ہے اور ادائے امانت احدالجانبین سے دوسری جانب سے ادائے امانت کا سبب ہے۔ تو لفظ عبد کے ساتھ تعبیر کرنے میں حضور کے وصف عبادت کے ساتھ ساتھ وصف امانت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ تو لفظ عبد حضور کے ان دو صفتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ادائے امانت اور عطاء اجر فراواں کی طرف بھی مشعر ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عبادت الٰہی میں مشغول ہونا دار الفرور سے عالم سرور کی طرف منتقل ہونا ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک عبادت کے تین درجات ہیں، اول اللہ تعالیٰ کی عبادت بامید ثواب یا بخوف عقاب کریں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس لئے پوجے تا کہ اس کی عبادت سے شرف اور عزت حاصل کریں یا اس کی طرف انتساب کی عزت سے مشرف ہو۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت محض اس لئے کریں کہ وہ اللہ اور خالق ہے اور یہ اس کا بندہ ومخلوق۔ یہ شرف مقامات واعلیٰ درجات ہے۔ اس کو عبودیت کہتے ہیں اور عبودیت بہت ہی اعلیٰ مقام ہے۔ اگر عبودیت سے بڑھ کر بھی کوئی رتبہ ہوتا، تو اس وقت خاص میں اسی وصف سے خداوند عالم اپنے پیارے محبوب کو موصوف فرماتا۔

حضرت استاذ ابوعلی دقاق فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مخصوص ترین مقام پر اسی مبارک ومعزز لقب سے یاد فرمایا اور سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ اور فاوحی الیٰ عبدہٖ ما اوحی ارشاد فرمایا۔ تو اگر کوئی رتبہ اس سے زیادہ معزز ہوتا، تو ضرور اس خاص اختصاص کے وقت اسی نام سے یاد فرماتا کیوں کہ کوئی چیز نہ عبودیت سے افضل ہے، نہ کوئی مرتبہ عبدیت سے زیادہ معزز۔"

اس بحث کو حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ نے اس قدر علمی فکر ونظر، تحقیق وتدقیق کے انمول موتیوں سے مزین و مبرہن کیا ہے، جو بڑی فکر انگیز اور چشم کشا ہے۔ بڑے پرمغز اور بہت ہی پرسوز جامع اور جاندار تحقیق کا گلدستہ اور آئینہ دار ہے۔

موصوف نے مقام عبودیت، وعبدیت، عبادت اور نیکی، صوفیاء کے ہاں توحید کا تصور، رضا باللہ کا مقام، کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور شرعی معانی و مفاہیم کو بہترین اسلوب بیان میں سمویا ہے۔ عبادت و عبودیت اور عبدیت کی وجہ تسمیہ؟ اور اللہ کے نزدیک عبودیت کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ اس وعظ میں جگہ جگہ علامہ موصوف نے صوفیا اور تصوف کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کی افادیت و اہمیت اور محاسن و کمالات کا اپنی فکری و علمی لب و لہجہ میں بیان فرمایا ہے اور جابجا منکرین معراج جسمانی، وسرعت سیر پر اپنے مخصوص مفکرانہ اور مدبرانہ انداز میں ضربیں بھی لگائی ہیں۔ الغرض ''بعبدہ'' کے جملہ انواع و اوصاف کو بڑے ہی دلنشیں پر اثر بیان میں بیان فرمایا ہے۔

ملک العلماء علیہ الرحمۃ رجبی شریف کی تقریر میں ایک ایک لفظ پر ۲/۲ گھنٹے تقریر فرمایا کرتے تھے، صرف لفظ ''من'' پر مسلسل دو سال تقریر فرمائی ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں:

''معزز حضرات! گذشتہ سال میں نے لفظ ''من'' کے متعلق مضامین بیان کئے تھے۔ امسال بھی میرا بیان اس لفظ ''من'' کے متعلق ہوگا۔ گذشتہ سال میں نے ''مــن'' کے معنی ابتدائے غایت بیان کرکے اس امر کو دکھایا تھا کہ یہ صفت خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ آج ''مــن'' کے دوسرے معنی تعلیل بیان کرتا ہوں یعنی کبھی تعلیل یعنی علت وسبب کے لئے بھی آتی ہے۔''

اور پھر آیات قرآنی اور شعراء عرب کے بیات سے کافی اشعار پیش کرکے لفظ ''مــن'' کے معنی متعین فرمانے کے بعد فلفسیوں کے مسلم بیان علت کی چار قسمیں ہیں، علت غائی، علت صوری، علت مادی، علت فاعلی اور عام فہم کرنے کے لئے اس کی مثالیں بھی اپنے انداز میں پیش کی ہیں، جو کتب فلسفہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرت علامہ موصوف نے ان چاروں علتوں کو جس خوبی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منطبق کیا ہے وہ گلشن ایمان میں ایک تازگی پیدا کرتا ہے۔ آپ نے دل آویز نکات و وجد آفریں حکایات و روایات کو نہایت ہی عرق ریزی سے محققانہ و محدثانہ انداز میں اس طرح جمع فرمایا ہے کہ جس سے علوم و معارف کے چشمے موجزن ہیں۔

سب سے پہلے فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی چند نعتیہ اشعار، زمین و زمان تمہارے لئے، مکین و مکاں تمہارے لئے، یہ چنین و چناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے، پیش فرمایا اور پھر کافی آیات واحادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت فرمایا کہ حضور، ساری کائنات کے لئے علت ہیں۔ خواہ غائی ہو یا مادی وصوری لیکن رہے علت فاعلی تو عقیدہ اہل سنت میں فاعل مختار تمام چیزوں کا صرف ذات پاک وحدہ لاشریک ہے۔ اگر چہ مجاز ایسا اطلاق قرآن و حدیث میں وارد ہے لہٰذا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علت فاعلی نہیں جاننا اور حقیقی توحید یہی ہے۔ ساتھ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول مخلوقات ہیں، آپ کی نبوت سب پر مقدم ہے، باب شفاعت سب سے پہلے آپ ہی کے لئے کھلے گا، اس قسم کے سارے مسائل اور دیگر دوسرے بہت سے ضروری مسائل پر حاصل سیر گفتگو فرمائی ہے۔

الختصر یہ ہے کہ آپ کی تقریر خالصا لوجہ اللہ رشد و ہدایت اور دعوت الی الحق کیلئے ہوتی تھی نہ کہ ذریعہ معاش و تجارت۔ موصوف مجموعہ تقریر ''تنویر السراج فی ذکر المعراج'' اتنا مفصل جامع اور مبسوط ہے کہ معراج پر لکھے جانے والے دوسرے سیکڑوں مضامین سے بے نیاز کردینے کے لئے کافی ہے۔ معراج پر تحقیق و ریسرچ کرنے والے حضرات کے لئے ایک اہم ترین مآخذ و مصادر اور بقدر ذوق وظروف اس سے پورا پورا افادہ و استفادہ کرنے کا حسین جمیل مرقع ہے۔ رب تعالیٰ ان چند سطور کو قبول فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین۔

☆☆☆

حضور ملک العلماء کی علمی وجاہت

ڈاکٹر سراج احمد قادری، ایم اے پی ایچ ڈی، خلیل آباد، سنت کبیر نگر

مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ ''انجمن برکات رضا'' رضا جامع مسجد، پھول گلی، ممبئی شاگرد عزیز خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور ملک العلماء مفتی سید محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک یادگاری مجلّہ ''جہانِ ملک العلماء'' کے نام سے شائع کرنے جا رہی ہے۔ میں نے اس کا اشتہار ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی میں دیکھا تھا۔ فوراً میں نے انجمن کے ایک فعال و متحرک کارکن مولانا محمد احمد صاحب سے فون پر رابطہ قائم کیا، تو انہوں نے اظہار مسرت فرماتے ہوئے مضمون لکھنے کی دعوت دے ڈالی۔ میں نے بطیب خاطر قبول کیا اور قلم و قرطاس اٹھا لیا اور اپنی علمی استعداد کے مطابق چند صفحات پر مشتمل تحریر ''حضرت ملک العلماء کی علمی وجاہت'' قلم بند کر کے حاضر خدمت کر رہا ہوں۔

میں پیر طریقت حضرت علامہ سید سراج اظہر صاحب قبلہ خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند کا شکر گزار ہوں، کہ انہوں نے دنیائے سنیت کے ایک اہم موضوع کی جانب اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ جس پر برسہابرس قبل یہ کام ہونا چاہیے تھا۔ مگر حضور اعلیٰ حضرت کے فرمان کے مطابق

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

اپنے آپ میں معنی خیز ہے۔

ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی شخصیت خلفاء اعلیٰ حضرت میں منفرد المثال ہے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت پر کام کا بیڑا اٹھا کر ''انجمن برکات رضا'' کے کار پردازان نے اپنے آپ کو سعادت مند کیا ہے۔

میں چاہوں گا کہ حضرت پیر طریقت علامہ سید سراج اظہر رضوی صاحب قبلہ اس کو عالمی سطح پر انجام دیں اور پوری دنیا کے پڑھے لکھے طبقے میں حضرت ملک العلماء کی شخصیت کو روشناس کرائیں۔ اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں، جب ملک العلماء کی علمی وجاہت کا پرچم ارباب علم و فضل میں لہرائے گا۔

حضرت ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ملک عبدالرزاق اشرفی کے یہاں ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت ہوئی، خاندانی احوال و آثار اور آپ کی ولادت اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، رقم طراز ہیں:

''حضرت ملک العلماء سید محمد ظفر الدین، رسول پور میجرا، ضلع پٹنہ (اب نالندہ) صوبہ بہار میں ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ خاندان کے بعض لوگوں نے عبدالحلیم نام تجویز کیا۔ والد ماجد بچوں کے تاریخی نام رکھنے کا ذوق اور فن تاریخ گوئی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے، باعتبار سنہ فصلی کہ نواح عظیم آباد پٹنہ میں زیادہ تر وہی رائج تھا۔ تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد تجویز کیے۔ دوسرے اعزا

کی خواہش تھی کہ ہمارے رکھے ہوئے نام سے پکارے جائیں، آخر اذا التعارض تساقط پر عمل ہو کر ظفیر الدین نام پر اتفاق رائے ہوا اور وہ عرصے تک اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ جب وہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کے شاگرد ہوئے، تو انہوں نے ظفیر الدین پر ظفر الدین کو ترجیح دی۔ رسالہ اقلیدس کا خطی نسخہ کتب خانۂ خاص میں محفوظ ہے جو شعبان ۱۳۲۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ اس کے آخر میں "سید الفقیر محمد ظفر الدین" لکھا ہوا ملتا ہے۔ ۱۳۲۳ھ کی ان کے قلم کی ایک تحریر میں "ظفر الدین احمد" درج ہے۔ بعد کو وہ محمد ظفر الدین لکھتے رہے اور اسی نام سے وہ مشہور ہوئے۔ ان کی کنیت ابوالبرکات ہے، جیسا کہ متعدد استفتاء کے جوابات اور ان کی مملوکہ کتابوں میں ثبت کی ہوئی مہر سے معلوم ہوتا ہے۔ بریلی کے قیام کے دوران ان کی تحریروں میں کہیں عبید المصطفیٰ کا اضافہ بھی نظر آتا ہے۔(۱)

حضرت ملک العلماء کی تاریخ ولادت میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس اختلاف کو واضح کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد اپنی کتاب "حیات ملک العلماء" میں فٹ نوٹ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"ان کی کتاب یادداشت میں ایک جگہ ان کے قلم سے تاریخ ولادت ۱۴ محرم الحرام مطابق ۲۳ اکتوبر لکھا ہوا ملتا ہے، جو مشہور تاریخ ولادت سے ۴ دنوں کا فرق ظاہر کرتا ہے۔"(۲)

"تذکرہ اکابر اہلسنّت" کے موافق حضرت علامہ مفتی شفیق احمد شریفی نے حضرت ملک العلماء کی تاریخ ولادت ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۲ھ تحریر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"میجرا ضلع عظیم آباد، پٹنہ کے ساکن حضرت سید محمد ابراہیم ملک بیا بہاری سے نسلی تعلق ہے۔ والد کا نام عبدالرزاق ہے ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام غلام حیدر ہے۔(۳)

حضرت مفتی شفیق احمد شریفی کی تحریر میں ایک طرح کا عدم پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ انہوں نے حضرت ملک العلماء کی ولادت کا سن ۱۳۰۳ھ کی جگہ پر ۱۳۰۲ھ تحریر فرمایا ہے اور ۱۰ محرم کی جگہ پر ۱۴ محرم تحریر فرمایا ہے۔ اس کے مآخذ کی بھی نشان دہی انہوں نے نہیں کی ہے، تذکرہ یا تاریخی کی کتابوں میں اس طرح کی غلطیاں نا قابل فراموش ہیں۔

حضرت ملک العلماء کا خاندان ایک علم دوست خاندان تھا۔ بالخصوص حضرت ملک العلماء کے والد ماجد جناب عبدالرزاق اشرفی صاحب کی علم دوستی اور ان کی مذہبی رواداری کی جتنی بھی پذیرائی کی جائے وہ کم ہے۔ چنانچہ آپ خود بارگاہِ رب العزت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے اپنے والد ماجد کی علم دوستی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت حق عزت بحسنہ وتعالیٰ شانہ کا ہزار ہزار شکر کہ اس نے میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو مجھے مذہبی عربی تعلیم دلانے کی توفیق بخشی۔ باوجود یکہ بعض خاص اعزا واحباب نے حد سے زیادہ اصرار کیا، کہ زمانہ انگریزی سلطنت کا ہے اپنے بچے کو انگریزی تعلیم دلوایئے۔ مگر انہوں نے پرواہ نہ کی اور مجھے مذہبی عربی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا انہیں کی نیک نیتی وخلوص قلبی کا اثر ہے، کہ زمانہ طالب علمی ہی سے دینی خدمات درس و تدریس تالیف وتصنیف واعظ وتبلیغ، افتاء ومناظرہ کا شوق وذوق میرے دل میں جاگزیں ہوا اور برابر انہیں دینی خدمتوں میں انہماک وشغف کے ساتھ منہمک رہا۔"(۴)

جہاں تک حضرت ملک العلماء کی علمی وجاہت، علمی پائگاہ کی بات ہے، تو اس سلسلے میں ان کی شخصیت پر خامہ فرسائی کرنا

آفتاب کو چراغ دکھانے کے مانند ہے اس لئے کہ جس کی علمی وجاہت وفضیلت کی پذیرائی وقت کے امام ومجدد حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کی ہو تو اب اس کے بعد بچتا ہی کیا ہے۔ حضرت ملک العلماء کی عبقریت ان کی راسخ العلمی اور علم توقیت میں یکتائے عصر ہونے کی پذیرائی کرتے ہوئے حضور اعلیٰ حضرت خلیفہ مولانا تاج الدین صاحب دبیر انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو تحریر فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرم حامی سنت ماحی بدعت جناب خلیفہ تاج الدین صاحب زید کرمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مکرمی مولانا، مولوی محمد ظفر الدین قادری سلمہٗ، فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ افتاء میں میرے معین ہیں میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا۔

(۱) سنی خالص نہایت صحیح العقیدہ ہادی ومہدی ہیں۔

(۲) تمام درسیات میں بہ فضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔

(۳) مفتی ہیں۔

(۴) مصنف ہیں۔

(۵) واعظ ہیں۔

(۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔

(۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے۔ اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامہ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کیلئے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔ اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ ان کی جگہ مقرر کروں اگر چہ دو عظیم کام یعنی افتاء وتوقیت اور ان سے اہم تصنیف میں وہ ابھی ہاتھ نہیں بٹا سکتے اسی لئے واعظ ومناظرہ بھی نہیں کر سکتے۔ گر یہ وہاں گئے تو جس نے انہیں ان کاموں کا اپنے کرم سے بنا دیا ہے ان کو بھی بنا سکتا ہے والسلام فقیر احمد رضا قادری بقلم خود ۵/ شعبان المکرم ۱۳۲۸ھ۔ (۵)

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحریر اپنے آپ میں سند واعتبار کا درجہ رکھتی ہے۔ اس طرح حضور اعلیٰ حضرت نے ملک العلماء کی پذیرائی فرمائی ہے۔

حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان وقلم سے نکلے ہوئے یہ جملے جب مطالعہ کے مرحلے سے گزر کر شعور واحساس کی منزل سے گزرتے ہیں، تو جسم ان کی علمی جلالت کی ہیبت سے کانپ اٹھتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور بے ساختہ حیرت واستعجاب کے عالم میں زبان سے یہ کلمہ نکل ہی پڑتا ہے۔ اللہ اکبر عظیم تھا ان کا علم۔ چنانچہ ملک العلماء کی حیات کا ایک عظیم گوشہ ملاحظہ فرمائیں۔ جو ان کی علمی وجاہت کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ ملک العلماء خود تحریر فرماتے ہیں:

''علم تکسیر بھی اس زمانے میں انہیں علوم میں سے ہے جس کے جاننے والے ہر صوبہ میں ایک دو شخص ہوں گے۔ عوام کو

اس سے کیا دلچسپی علماء کو اس سے کیا غرض مشائخ کرام جس کے یہاں کی اور جس کے کام کی چیز ہے، سیکڑے میں اسی ایسی ملیں گے جو اپنے مشائخ کے مجموعہ اعمال یا مجربات دوسری یا "نافع الخلائق" سے نقوش الٹے سیدھے با قاعدہ یا بے قاعدہ لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں۔ ۱۸-۱۹ فی صدی نقش مثلث یا مربع قاعدہ مشہورہ سے بھر لینا جانتے ہیں اور پوری چال سے نقوش بھرنا تو شاید چار پانچ سو میں دو ایک ہی کا حصہ ہوگا۔ عرصہ کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ تشریف لائے اور محب محترم حامی دین واقف علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب دربھنگوی مدرس مدرسہ کے یہاں مہمان ہوئے اور اپنی عزت بنانے، وقار جمانے کو ادھر ادھر کی بات کرتے ہوئے فن تکسیر کی واقفیت کا ذکر کیا۔ مولوی صاحب بہت ظریف طبیعت ہیں یہ سن کر ایسا انداز ہوتا ہے، جس سے شاہ صاحب نے سمجھا کہ میرے فن دانی کے قائل اور معتقد ہوئے۔ چنانچہ مہینہ دو مہینہ میں ایک پھیرا ادھر ان کا ہونے لگا اور مولانا کے یہاں ایک دو وقت قیام ضرور کرتے۔ یہ بھی مہمان نوازی فرماتے جب ان کی ڈینگ بہت بڑھی تو ایک دن بہت ہوئی زبان سے فرمایا میرے مدرسہ میں بھی ایک مدرس مولانا ظفر الدین صاحب ہیں وہ بھی فن تکسیر جانتے ہیں۔ بہت حیرت ہوئی وہ تو سمجھ رہے تھے کہ مولانا مقبول خاں صاحب کے علم میں دنیا میں میں ہی ایک تکسیر جاننے والا ہوں اور اسی وجہ سے ایسے زبردست معقولی ہونے پر بھی میری عزت کرتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ اسی پٹنہ میں مولانا کے دوستوں میں اسی مدرسہ کے مدرسوں میں ایک شخص فن تکسیر جانتے ہیں تو حیرت کی حد نہ رہی۔ بولے کہ ان سے میری ملاقات کرا دیجئے گا۔ انہوں نے کہا اچھا وہ تو روزانہ مدرسہ کے وقت ۱۰ بجے مدرسہ تشریف لاتے ہیں اور ۴ بجے دریا پور واپس جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب کو لئے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور ان کا تعارف کراتے ہوئے بہت کی خوبیاں کرتے ہوئے خاص انداز سے فرمایا کہ سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ آپ فن تکسیر جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا، کہ آپ وہ فن جانتے ہیں جس کے جاننے والے روئے زمین سے معدوم و مفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا، کہ مجھے علم ہوا ہے، کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم ہے۔ میں نے کہا کہ یہ مخلص نوازی محض حسن ظن ہے۔ کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی ہے ہاں اس فن سے ایک گونہ دلچسپی ضرور ہے۔ اس کے بعد میں نے ان شاہ صاحب سے پوچھا کہ جناب مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں۔ بہت فخر سے فرمایا سولہ طریقے سے، میں نے کہا بس، اس پر فرمایا اور آپ، میں نے کہا گیارہ سو باون طریقے سے بولے سچ، میں نے کہا جھوٹ کہنا ہوتا، تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہیں تھا۔ گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی۔ یہ کہا میرے سامنے بھر سکتے ہیں میں نے کہا کہ ضرور بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔ آج ۴ بجے میرے ساتھ دریا پور تشریف لے جائیں، مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی میں دعوت دیتا ہوں وہیں ناشتہ چائے چلے وہ کتاب میں حاضر کر دوں گا۔ ایک ہی نقش ہے جو اتنے طریقوں سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں کوئی ایک دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے۔ پوچھا کن سے سیکھا ہے میں نے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کا نام لیا۔ حضرت کے معتقد تھے، نام سن کر ان کو یقین ہو گیا۔ مگر پوچھا اور اعلیٰحضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں۔ میں نے کہا تئیس سو طریقے سے۔ کہا کہ آپ نے اور کیوں نہیں سیکھا۔ میں نے کہا وہ تو علم کے دریا نہیں سمندر ہیں۔ جس فن کا ذکر آیا ایسی

گفتگو فرماتے کہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر اسی علم کو سیکھا ہے اور اسی کی کتاب بنی فرمائی ہے۔ ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کر سکتا ہوں۔ آخر ۴ ربجے وہ میرے ساتھ دریا پور تشریف لائے اور وہ کاغذ جس پر میں نے وہ نقوش لکھے تھے ملاحظہ فرمایا۔ بہت تعجب سے دیکھتے رہے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت کے مشتاق ہو کر بعد مغرب واپس ہوئے۔(۷)

اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فیض رسا سے نکلا ہوا دعائیہ شعر:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

کس قدر بارگاہِ رب العزت میں مستجاب ہوا۔ سبحان اللہ جناب شاہ صاحب جن کو علم تکسیر دانی میں طمطراق تھا۔ وہ اپنی ساری طمطراقی بھول گئے اور ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وجاہت و سربلندی کے دل کی گہرائیوں سے معترف ہو گئے ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدا ے بخشندہ

حضرت ملک العلماء نے اپنے علم سے خود تو فائدہ اٹھایا ہی، دوسروں کو بھی فیض یاب کیا۔ آپ کی علمی وجاہت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات سے فنون ہیئت وعلم توقیت سے متعلق حضرات آپ کے رابطے میں رہتے تھے۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب رقم طراز ہیں:

''متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات سے فنون ہیئت و توقیت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات خاصی تعداد میں مولانا سے بذریعہ خط و کتابت اپنا علمی شوق پورا کرتے رہے۔ ان میں مولانا مفتی محمد عمیم الاحسان استاد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ، حاجی محمد ظہور نعیمی مرادآباد (مرید سید العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ) کے استفسارات کے جواب میں متعدد خطوط مجموعہ مکتوبات میں محفوظ ہیں۔ جن علماء نے پٹنہ میں قیام کر کے ان سے یہ علوم سیکھے ان میں مولانا حافظ عبدالرؤف مدرس مدرسہ مظہر اسلام بریلی، نائب شیخ الحدیث مدرسہ اشرفیہ مبارکپور (متوفی ۱۹۷۱ء) مولانا نظام الدین بلیاوی مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔''(۹)

ملک العلماء کو مختلف علوم وفنون میں درک وملکہ حاصل تھا۔ جہاں وہ ایک بہترین مصنف ومولف کی حیثیت سے اپنی علمی عظمت کا لوہا ارباب علم وفضل سے منوا رہے تھے۔ وہیں ان کی عظمت کا پرچم ایک مترجم کی حیثیت سے بھی آسمان علم وادب میں لہرا رہا تھا۔ ان کی ایک مترجم کاوش ''الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان'' میری نظر سے گذر چکی ہے۔ اپنے زمانے کے جید عالم دین کی اس کتاب کا ترجمہ بہت ہی نفیس وسلیس انداز میں فرمایا ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ قصیدہ، قصیدہ نعمانیہ ہے۔ جس کا ترجمہ حضرت ملک العلماء نے اردو نظم میں فرمایا ہے۔ جس میں انہوں نے ترجمہ نگاری کے جملہ اوصاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ جسے اردو ادب کا عظیم سرمایہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کاوش ان کی علمی وجاہت وسربلندی کی آئینہ دار ہے۔ ملاحظہ فرمائیں چند اشعار

(۱) یاسید السادات جئتک قاصداً
ارجوا رضاک واحتمی بحماک
یا رسول اللہ بندہ حاضر دربار ہے

آپ کی خوشنودی وحفظ وامان درکار ہے

(۲) واللہ یا خیر الخلائق اِنّ لی
قلقاً شوقا لا یروم سواک
ہے میرے پہلو میں یا خیر الخلائق ایسا دل
جو ہے شیدا آپ کا اور غیر سے بیزار ہے

(۳) وبحق جاھک اننی بک مغرم
واللہ یعلم اننی اھواک (۱۰)
آپ کی عظمت میں کھا کر قسم کہتا ہوں سچ
یہ دل عاشق شراب عشق سے سرشار ہے

ماخذ و مراجع:

(۱) حیات ملک العلماء، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور ص ۹/۱۰

(۲) حیات ملک العلماء، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور ص ۹

(۳) تذکرۂ اکابر اہل سنت مفتی شفیق احمد شریفی۔ دار المصنفین
افضل المدارس، الہ آباد ص ۲۸۰

(۴) حیات اعلیٰ حضرت، علامہ محمد ظفر الدین بہاری، قادری بک ڈپو، نومحلہ مسجد، بریلی، ص دیباچہ

(۵) حیات اعلیٰ حضرت، علامہ محمد ظفر الدین بہاری، قادری بک ڈپو، نومحلہ مسجد، بریلی، ص ۲۴۴

(٦) ماہنامہ اشرفیہ، صدر الشریعہ نمبر، ماہ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، ص ٦۱

(۷) حیات اعلیٰ حضرت، علامہ محمد ظفر الدین بہاری، قادری بک ڈپو، نومحلہ مسجد بریلی ص ۱٦۱/۱٦۴

(۸) الاستمداد، امام احمد رضا بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی ص ۸۹

(۹) حیات ملک العلماء، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور ص ۱٦

(۱۰) الخیرات الحسان اردو ترجمہ علامہ ظفر الدین بہاری، المکتبۃ الحقیقہ، استاد بقول، ترکی ص ۱۹۴

☆☆☆

ملک العلماء کی عہد ساز شخصیت

از قلم: مولانا محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی، ممبئی

اللہ جل شانہ اپنی شان کریمی سے بندوں میں سے جب کسی کا انتخاب فرماتا ہے تو وہ انتخاب بڑا عظیم ہوتا ہے۔ زمانہ بے چوں چرا اسے قبول کرتا ہے۔ اس انتخاب پر کسی کو اعتراض کا ذرہ بھر کوئی حق نہیں ہوتا۔ وہ خالق حقیقی ہے، مالک و مولیٰ ہے، علیم و خبیر ہے، سمیع و بصیر ہے۔ اس کی نگاہِ قدرت سے کوئی ذرہ راز نہیں رہتا۔ عالم الغیب والشھادہ اسی کا خاصا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا، پہچانتا ہے۔ دلی کیفیات اور واردات قلب تک سے واقفیت ہے۔ انبیا و مرسلین کو اسی نے منتخب فرمایا۔ اپنے بندوں میں سے چنا۔ اس انتخاب میں کائنات کی کایا پلٹ دی۔ دنیا نے رب کو جانا، حق کو پہچانا، اجالا پھیلا، تیرگی دور و نفور ہوئی۔

قدرت کا یہ عمل انتخاب تا قیامت جاری رہے گا۔ قائد کی نشان دہی اسکے ذمہ کرم پر ہے، رہبر و رہنما اسے ہی چننا ہے۔ انبیا چنے گئے، مرسلین کا چناؤ ہوا۔ بالآخر نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر حضور سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبین علیہ افضل الصلوات والتسلیم پر منتہی ہو گیا۔ حضور کے بعد اب کوئی نیا نبی نیا رسول بن کر نہیں آئے گا۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا دائرہ قیامت تک کے لئے وسیع کر دیا گیا۔

حضور سرور کائنات ﷺ کا اس ظاہری دنیا سے وصال ہوا، انکے اصحاب کے ادوار گزرے، خیر القرون اختتام پذیر ہوا۔ اب دین کیسے پھیلے گا؟ حق کا اجالا کیوں کر عام ہوگا؟ باطل سے مقابلہ آرائی کس کے ذمہ ہے؟ خدا کی معرفت کا جام کون پلائے گا؟ سلسلہ نبوت و رسالت تو ختم ہو گیا، کیا اب بندوں کو احکامات الٰہیہ سے آگاہ نہیں ہونا ہے؟ کیا پیدا شدہ آوارگی کا سد باب نہیں ہوگا؟ اب دین کا قائد کون منتخب ہوگا؟ قائد ضرورت کی چیز ہے ضرور اس کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ بندوں کو بے قائد نہیں چھوڑا جائے گا۔ اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے حق کو انبیاء کی وراثت دے کر قیادت کا سہرا ان کے سر پر ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: انّ العلماء ورثۃ الانبیاء۔ علمائے امت انبیا کے وارث ہیں۔ (مشکوٰۃ)

سلسلہ نبوت کے اختتام پذیر ہونے کے بعد کائنات کی سب سے عظیم ذمہ داری علمائے امت نبھائیں گے۔ اب قدرت کی جانب سے انبیا کا انتخاب نہیں ہوگا۔ اب علماء منتخب کئے جائیں گے انھیں مشیت ربانی سے آگاہ کیا جائے گا۔ قرآن میں انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ تو انھیں کی خصوصیت کا واضح بیان ہے۔ اور علماء کی قیادت مجددین کے سپرد ہوگی۔ حدیث شریف: ان اللہ عزو جل یبعث لھٰذہ الائمۃ علی راس کل ماتہ سنۃ من یجدد لھا دینھا رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ) میں اسی قیادت کی جانب اشارہ ہے۔

تجدید دین کے لئے مجددین منتخب ہوں گے۔ دین و سنت کا احیاء ہوگا، اسلام کی تعمیر و ترویج ہوگی۔ بدعات و خرافات کا استیصال ہوگا۔ اسلامی رسوم کو رواج دیا جائے گا۔ مجددین کا انتخاب

بھی بڑا عظیم انتخاب ہے۔

آج ہمیں جس دور کے انتخاب پر کلام کرنا ہے وہ دور چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی کا ہے، اس صدی میں تجدید دین واحیائے سنت کے مقدس اور عظیم الشان ذمہ داری پوری کرنے کے لئے بریلی کی سرزمین پر بھیجے جانے والے اللہ عز و جل کے اس انتخاب کا نام "امام احمد رضا" ہے اور اس مجدد وفقیہ کے افکار، نظریات ،تعلیمات ،ارشادات ،فرمودات ، تصنیفات، تحقیقات کی اشاعت وتحقیق کے لئے کوشاں رہنے والے انتخاب کا نام "ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین قادری رضوی" ہے۔

یہ دونوں انتخابات یقیناً بڑے ہمہ گیر اور تاریخی ہیں۔ علامہ مفتی نقی علی خان قادری قدس سرہ کے گھر میں جس بچہ نے آنکھیں کھولیں، اسے خدائے وحدہ لاشریک نے "مجدد اعظم" بنادیا اور علامہ سید محمد ظفر الدین قادری کو "ملک العلماء" بنا دیا۔ بات اگر چہ طویل ہوگئی ،مگر کام کی لگتی ہے۔ اس لئے انتخاب کا پس منظر اچھی طرح جان لینا ضروری ہے، کیوں نہ ہو، قدرت کا انتخاب ہے۔

ہم اہل سنت و جماعت فیض وکرم اور کرامت و اختیار پر یقین رکھتے ہیں۔ سلسلہ کی پختگی سے فیض وعرفان کے آبشار پھوٹتے ہیں، نورونکہت کا سائبان نصیب ہوتا ہے۔ یہی فیض وکرم ہمارے لئے سرمایہ آخرت ہے۔ یہی نسبت ہماری کل پونجی ہے، کارناموں پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اعمال میں شکوک وشبہات ہو سکتے ہیں۔ مگر نسبت وارادت تو یقین کرنے کی چیز ہے۔ بے شک مبدأ فیاض فیض وعرفان اور نسبت کا یقین واحترام رکھنے والوں پر مہربان ہوگا۔ اس کی رحمت کاملہ مترشح ہوگی۔ ہم نے جس انتخاب کو موضوع تحریر بنایا ہے۔ وہ انتخاب بھی اسی سلسلہ فیض ونسبت کی ایک اہم کڑی ہے۔ بلکہ اصل الاصول ہے۔ ولی کے حیرت انگیز کارنامے کرامت بنتے ہیں اور ولی خود اپنے نبی کا معجزہ ہوا کرتا ہے۔ لائق وفائق مرید اور خلیفہ سے بھی بڑا کوئی کارنامہ ہو سکتا ہے۔ وہ بلند اقبال مرید جس پر پیرومرشد کو بھی فخر واعتماد ہو اور پیرزادے بھی اس پر اعتماد ویقین کی بنیاد رکھتے ہوں۔ وہ شاگرد جس پر استاد کو بھی بھرپور اعتماد ہو اور استاد زادے بھی اعتماد کا مظاہرہ کر رہے ہوں۔ بے شک امام احمد رضا آیات من آیات اللہ عز وجل ومعجزہ من معجزات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے مرید، خلیفہ وشاگرد حضور ملک العلماء ولی برحق، مردِ حق آگاہ، مجدد اعظم کی تابندہ کرامت ہیں۔

کرامتیں تاریخ کا اہم اور زریں ورق ہوتی ہیں، زمانہ ان کی شناخت بنتا ہے۔ وہ بھی زمانہ کی پہنچان کی شکل میں متعارف ہوتی ہیں۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی زمانے کی شناخت کا نام ہے اور حضور ملک العلماء ،اعلیحضرت فاضل بریلوی کی شناخت و تعارف کا نام ہے۔ مالیگاؤں کے ڈاکٹر محمد حسین شاہد رضوی نے حضور ملک العلماء کو رضویات کے موسس اوّل قرار دیا۔ اس کے قبل رضویات ایک نیا موضوع بن کر ابھرا، دنیائے علم ودانش حیرت میں پڑ گئی، بدعتیں بڑھتی جارہی ہیں، نئے نئے موضوعات جڑ پکڑ رہے ہیں۔ یہ رضویات کہاں سے ٹپک پڑا؟ دین کے محقق بنو، اسلام کے مبلغ بنو، رضویات کے چکر میں مت پڑو۔ اس کی تحقیق میں وقت مت گنواؤ۔ انھیں مغالطہ ہوا نہیں ہے۔ دنیا والوں کو مغالطہ میں سرگشتہ رکھنا مقصود ہے۔ کہیں دنیا بھٹک نہ جائے، حقیقت بے نقاب نہ ہو جائے ،حق واضح اور نمایاں نہ ہو جائے۔ رضویات کیا کوئی بلا ہے؟ مصیبت ہے؟ قرآن وسنت اجماع وقیاس کے علاوہ کوئی اصل ملتی ہے؟ دین ومذہب، وحدانیت ورسالت کے حوالے نہیں ہیں؟ کیا اس میں اسلام مبین، ایمان مبین قرآنی مباحث نہیں؟ ضرور ہیں۔

رضویات تو اسلام کی نکھری نکھری تعلیمات کے دوسرے حوالے کا نام ہے، نام بدلنے سے حقیقت میں تبدیلی نہیں آ جاتی مجدد دین کی تجدید کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نیا دین پیش کرتا ہے۔ بلکہ تجدید کا مفہوم اس کی روح میں جان پھونکنا، اس کو سنوارنا، نکھارنا اور اس کا احیا ہے۔

فکر رضا اسلامی افکار و تعلیمات کی ترجمان ہے۔ افکار رضا کو پھیلانا، اسلامی افکار کو بڑھاوا دینے کے مترادف ہے۔ گویا ملک العلماء قدس سرہ نے افکار رضا، تعلیمات رضا کی تحقیق و تاسیس کے ذریعہ اسلام کی بنیادی تعلیمات و عقائد کو محقق کیا ہے، عام کیا ہے۔ دین کی بقا اور اس کے تحفظ کے لئے کوشش کی ہے۔ فکر رضا کی ایک جھلک ہم بھی پیش کر دیتے ہیں۔ دینی تعلیمات پر کما حقہ عمل کرنے میں جن جن علوم و فنون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان کا سیکھنا فرض ہے۔ فرض عین و کفایہ ان الصلوة كانت على المومنين كتبا موقوتا (الاية) اتموا الصيام الى الليل (الاية)

نماز و روزے کی ادائیگی کے لئے وقت کی جانکاری بے حد لازمی ہے۔ نماز و روزہ کی صحت کے لئے وقت شرط لازم ہے۔ سمت قبلہ بھی اس منزل میں ہے۔ اس لئے علم توقیت کی افادیت و ضرورت سے انکار کی ذرہ بھر گنجائش نہیں۔ حضور ملک العلماء نے یہ علم مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے حاصل کئے اور باقاعدہ اس کے مسائل کو مدون فرمایا، بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰة والصیام ۱۳۳۵ھ اور موذن الاوقات ۱۳۳۵ھ اس کی زندہ مثال اور بہترین یادگار ہے۔

یہ کوئی چھوٹا موٹا کارنامہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی عظمت، اہمیت، ضرورت تاریخیت اپنے اندر ایک جہان سمیٹے ہوئے ہے اور حضور ملک العلماء اس میدان میں انفرادی نشان رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی نماز، روزہ کو ان کے متعینہ اوقات پر ادا کرنے کا کلیہ عطا کیا اور اس کی تدوین و تحقیق کی شعوری کاوش کی، یقیناً انھیں اس اہم کام کا بہترین اجر اللہ عزوجل اپنی شان کریمی کے لائق عطا فرمائے گا۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد ستر سے متجاوز ہے۔ بعض عربی زبان میں ہیں، جب کہ زیادہ تر کتابیں اردو زبان میں لکھی گئی ہیں، جن کے فنون اور موضوعات میں حدیث، اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، صرف و نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت تکسیر اور مناظرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ہم بطور خصوص ان کی ایک اہم بلکہ سب سے اہم کتاب کا ذکر کریں گے۔ جس کی تالیف میں عمر کا بڑا حصہ انھوں نے صرف کیا۔ یقیناً یہ بڑا تاریخی کارنامہ ہے اور وہ ہے الجامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری نام ہی میں فیضان رضا کی شمولیت بڑی دل کش ہے، اس کتاب پر ہم اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہ کر کے انھیں کے نامور فرزند پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی ایک مختصر تحریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ موصوف امام احمد رضا قدس سرہ کے انتقال ۱۳۴۰ھ کے چار برس قبل ۱۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے، معلوم ہونے پر امام احمد رضا نے بذریعہ مکتوب آپ کا تاریخی نام مختار الدین تجویز فرما کر حضور ملک العلماء کو روانہ فرمایا۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے مدارس اسلامیہ میں عام طور پر صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح اور بلوغ المرام وغیرہ کا درس دیا جاتا ہے۔ درس نظامی میں بھی یہی کتب احادیث میں رائج ہیں ان کے مؤلفین شافعی المسلک ہیں اور ان کتابوں میں زیادہ تر وہی احادیث ملتی ہیں، جو شافعی مسلک کی مؤید ہیں۔ ان میں مختلف فیہ مسائل کے متعلق وہی

روایات درج کی گئی ہیں یا ان کو ترجیح و تقدیم دی گئی ہے جو ان محدثین کے مسلک کے مؤید ہیں، مختارات مذہب حنفی کی بنیاد جن اخبار و آثار پر ہے۔ ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا کیا گیا تو رد و انکار کے ساتھ۔ شرحیں اور حواشی بھی انھیں کتابوں کے لکھے گئے اور کچھ اردو ترجمے بھی ہوئے تو انہی کتب حدیث کے۔ اس طرح غیر منقسم ہندوستان میں کئی صدیوں تک شافعی علماء کے تیار کردہ احادیث کے مجموعوں کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی۔

گیارہویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) شاید پہلے حنفی عالم ہیں۔ جنھوں نے مسلک احناف کی تائید میں ایک مجموعہ احادیث فتح المنان فی تائید مذھب النعمان کے نام سے مرتب کیا۔ اس کے بعد علامہ سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ) نے عقود الجواھر المنیفۃ فی ادلۃ امام ابی حنیفۃ تصنیف کی۔ یہ دونوں رسالے مسلک حنفی کی تائید میں لکھے گئے۔

خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں جو پہلا مجموعہ احادیث مرتب ہوا۔ وہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸۔۱۳۲۲ھ) کی آثار السنن ہے۔ یہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں ۲۱۱ صفحات پر قومی پریس لکھنو میں چھپی۔ افسوس کے یہ مکمل نہ ہوسکی۔ کتاب کا خاتمہ باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم پر اچانک ختم ہوگیا۔ اس کے بعد کے ابواب وہ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن بوجوہ اس میں تاخیر ہوگئی تا آں کہ مولف کی وفات ہوگئی۔ یہ مختصر سی کتاب علمائے احناف میں قدر کی نظر سے دیکھی گئی اور میری طالب علمی کے زمانے میں بہار کے مدارس میں ہمارے درس میں شامل تھی۔ ممکن ہے کہیں کہیں اب بھی پڑھائی جاتی ہو۔

یہ دیکھ کر کہ مختصر سی کتاب ہے اور اس سے احناف کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ملک العلماء فاضل بہاری نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ جو موید مسلک اہل سنت و احناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ و مصدر۔ انھوں نے وہ تمام روایات جمع کیں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو جس کی سند و استشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو"۔ (حیات ملک العلماء مطبوعہ ممبئی ص ۴۸)

یہ فقط ایک بچہ نہیں جو اپنے باپ کی تعریف و توصیف میں قلم چلا رہا ہے، بلکہ ایک نامور مورخ و محقق ہے جو صداقت و حقیقت کا ایک صحیح رخ پیش کر رہا ہے۔ یقیناً 'صحیح البہاری' ایک عظیم تاریخی کام ہے، جو احادیث نبویہ کا انسائیکلو پیڈیا تسلیم کئے جانے کا حق رکھتا ہے۔ یہ بھی اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے نوکِ خامہ کی جلوہ سامانیاں ہیں۔ جو نئی شکل و صورت میں چمک رہی ہیں۔ مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کے افکار حق کی پہچان ہیں۔ ان کی تعلیمات میں صداقت کا عنصر پوشیدہ ہے۔ ان کی شخصیت سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی مرکز و مصدر ہے۔ حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اس نشان کو ہمیشہ باقی رکھا۔ اس امتیاز کو لے کر چلتے رہے۔ جہاں کہیں بھی رہے اعلیحضرت فاضل بریلوی کا نام ان کی زبان پر رہا۔ میدان تدریس، تحقیق، تصنیف، تبلیغ، مناظرہ وغیرہ میں افکار رضا کے جلوے دکھاتے رہے۔ علم پھیلایا، دین پھیلایا۔ امام احمد رضا کا نام رکاوٹ نہیں بنا۔ کیا اپنے پنگھٹ کو کوئی بھلا سکتا ہے؟ اکثر لوگوں کی جرأت فقط اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنے حلقہ احباب میں اپنے محسن کا نام بڑی شان سے لیتے ہیں۔ ان کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

لیکن اجنبی ماحول، اجنبیوں کے درمیان یا مخالفین کی جمعیت میں ان کی زبان گنگ ہو جاتی ہے، اسے جرأت نہیں کہتے۔ جرأت تو یہ ہے کہ مخالفین کے درمیان رہ کر اپنے محسن کو یاد رکھا جائے، اس کا ذکر کیا جائے۔ اس کے افکار و تعلیمات کے اظہار و ابلاغ میں کوئی مصلحت بے جا رکاوٹ نہ بننے پائے۔ حضور ملک العلماء نے یہی کیا۔ جہاں کہیں رہے لبوں پر امام احمد رضا کا نغمہ رہا، فکر رضا کے گن گاتے رہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ جس وقت وہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس کے عہدے پر فائز تھے۔ وہاں کے اساتذہ میں کچھ بدمذہب بھی تھے۔ مگر وہاں بھی انھوں نے دب کر کوئی کام نہ کیا، مذہب حق کی ترجمانی و نمائندگی کی، امام احمد رضا کی تعلیمات کو پھیلانے کا ذوق و شوق اپنی کرنیں بکھیرتا رہا۔ یہ بھی ایک تاریخی کارنامہ ہی کہا جا سکتا ہے جن میں حضور ملک العلماء کو انفرادیت حاصل رہی۔

گزشتہ سطور میں بات آئی تھی کہ حضور ملک العلماء رضویات کے مؤسس اوّل ہیں، واقعی بڑی دل لگتی بات ہے۔ واقعیت سے میل کھاتی ہے۔ دین، مذہب، خدا کی عبادت اور معرفت، حق و صداقت، اسلامی تعلیمات و احکامات سب ذات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارد گرد گردش کرتے ہیں۔ حتی کے خدا شناسی بھی اسی ذات اعلیٰ صفات کا احسان عظیم ہے۔ ایمان، ایقان، روح ایمان، اصل ایمان، حاصل ایمان محبت رسول ﷺ تو ذاتِ رسول ہی ہے۔

دین کی اشاعت و تبلیغ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں اتار دی جائے۔ اسلامی احکامات و خدائی پیغامات سے انھیں آگاہ کر دیا جائے، اوامر و نواہی کی پوری تفصیل بتادی جائے اوامر کی بجا آوری پر اجر و ثواب اور خلاف ورزی پر عتاب و عذاب کے ارشادات سنا دیئے جائیں۔ ثواب اخروی و عذاب اخروی کی حقیقت سے اور جنت و دوزخ کی صداقت سے پردہ اٹھا دیا جائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی اسلامی شخصیت کی حیات و تعلیمات کی روشنی میں دین کو سمجھایا جائے۔ بلاشبہ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بہترین اسوہ ہے، نمونۂ عمل ہے، کامیابی کی ضمانت ہے، باوجودے صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی سیرت مبارکہ اور طریقہ ہائے حسنہ اختیار کرنے اور سختی سے ان پر عمل پیرا رہنے کی تلقین و حکم خود حضور ﷺ نے دیا۔ اصحابی کا لنجوم با یهم اقتدیم اهتدیتم اور علیکم بسُنّتِي و سنة الخلفاء الراشدين (الحديثان) جس کے واضح اور بین ثبوت ہیں۔

جب عشق رسول ایمان ٹھہرا، محبت رسول کامیابی کا راز بنی، تو اسے لوگوں کے دلوں میں بٹھایا جائے۔ نہاں خانہ قلب کو عشق احمدی کی کرنوں سے روشن کیا جائے۔ عشق کس شئے کا نام ہے؟ کس کیفیت کو محبت کا نام دیا جائے؟ صحابہ کرام و عاشقان مصطفیٰ ﷺ کی سیرت کی روشنی میں ہم بآسانی بتا سکتے ہیں کہ یہ کام عشق رسول کا متقاضی تھا، جو انجام دیا گیا۔ یہ محبت رسول کی جھلکیاں ہیں۔ اس عمل میں محبت کی عکاسی تھی۔ ادب و احترام، تعظیم و تکریم، اجازت طلبی اور دیگر امور میں عشق رسول کی کیا چاہت ہے؟ عشق کوئی خارجی وجود نہیں، کوئی مجسم و متشکل شئے نہیں کہ دیکھ کر معلوم کر لیا جائے۔ دکھا کر بتا دیا جائے، سمجھا دیا جائے، دلوں میں اتار دیا جائے۔ عاشقوں کے کردار و عمل، عادات و اطوار، انداز وجذبے سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے اور اس کی حقیقت بتائی جاتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی بلاشبہہ ایک عاشق صادق کا نام ہے۔ اگر اس عاشق صادق کی حیات کے گوشوں کو اجاگر کرنے کے بعد،

اس کی تجدیدی واحیائی کارناموں کی اصلی تصویریں دکھانے کے بعد عشق رسول سکھایا جائے، دین عام کیا جائے، ایمان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جائے، تو یہ طریقہ تبلیغ دین بڑا موثر اور یقینی ہوگا۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ نے حیات رضا کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹ کر ان کی سوانح عمری مرتب کی۔علوم رضا، موضوعات رضا، تصنیفات رضا، تحقیقات رضا، نوادرات رضا، ارشادات رضا، عشق رضا وغیرہ کو پورے شرح وسط کے ساتھ نمایاں کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔تاکہ لوگوں کو اس قریب کی درخشندہ حیات وسیرت سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو جائے۔دین کی تعلیمات ازبر ہو جائیں، تو بڑا اہم کام ہوگا۔حضور ملک العلماء نے یہی کیا۔حیاتِ رضا کی نئی نئی جہتوں سے نقاب الٹا۔تعلیمات رضا کو نمایاں کیا۔تعلیم وتربیت، اخلاق، کردار، تبحر علمی، فقاہت، شان تجدید، علمی عبقریت، شان وعظمت، عشق رسول ﷺ، رد بدعات و منکرات، استیصال خرافات وغیرہ۔بے شمار عنوانات پر کھل کر بحثیں پیش کیں، ان کے سوز دروں کو آشکار کیا۔ان کے شعور عشق سے نقاب اٹھایا۔ان کے جذبۂ ایمان کو بے حجاب کیا۔ان کے تصلب فی الدین اور عشق رسول ﷺ میں حد درجہ فنائیت کے روشن ابواب کھول کر ارباب دانش اور علماء وعوام کے سامنے رکھ دیے کہ سب جان لیں، پہچان لیں یہ دین کا اصلی چہرہ ہے۔اسلام کی سچی تعلیم ہے۔عشق رسول ﷺ کی نکہتیں ہیں۔نجات اخروی کے اسباب یہاں ملیں گے۔دنیوی وقار وعزت کے وسائل اس زندگی کا مطالعہ کرنے سے حاصل ہوں گے۔یقیناً اس طرز تبلیغ سے دین بھی عام ہوگا اور ایمان کی اصل وروح سے پردہ بھی اٹھے گا، اخلاق بھی سنوریں گے، امن وامان بھی پیدا ہوگا، اتحاد کی فضا قائم ہوگی۔یہی تو دین اسلام چاہتا ہے۔خالق کائنات کا منشا ہے۔حضور ملک العلماء نے وہی کیا، جو رضائے الٰہی اور خوشنودی حبیب رب والے کام ہیں۔بے شک یہ کارنامہ بڑا تاریخی اور گراں قدر ہیں۔جبھی تو حضور ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین قادری قدس سرہ کی شناخت اب بھی زندہ وتابندہ ہیں۔

حضور ملک العلماء نے ایک اور تاریخ ساز کام انجام دیا اور اس میدان میں بھی تمغۂ امتیاز اپنے نام کر لیا اور وہ ہے تصنیفات رضا کی تبییض وتہذیب وتبویب بڑا علمی، تحقیقی اور جاں گسل کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔اعلیحضرت فاضل بریلوی نے یہ سارا کام تن تنہا فقط دین کی اشاعت کے لئے کیا تھا کہ امت مسلمہ حق وباطل میں امتیاز کا ہنر جان لیں۔دین کی محقق اور صحیح تعلیمات سے آگاہ ہو جائیں۔یہ فتاویٰ لکھے گئے، کتابیں تصنیف ہوئیں، رسائل مرتب کئے گئے کہ مسلمان ان سے استفادہ کریں۔یہ افادہ واستفادہ کی صورت ان کی اشاعت وطباعت ہی سے ممکن ہے، ورنہ مصنف کا منشا پورا نہ ہو سکے گا۔اس کی آرزو ہوتی ہے کہ امت ان سے استفادہ کرے، بے دینی ختم ہو، دین داری آئے، ایمانی جذبات بیدار ہوا اور اسے ثواب واجر کی گراں بہا دولت میسر آئے، الماریوں میں مسودات پڑے رہیں، ان کی طباعت واشاعت کا اہتمام نہ ہو تو مصنف کی روح تڑپے گی نہیں؟

اس لئے حضور ملک العلماء نے اس اہم کام کی ذمہ داری اپنے سر قبول کی۔شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خطوط بنام ملک العلماء سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضور ملک العلماء پر کتنا اعتماد تھا، یقین تھا۔حضور ملک العلماء نے اپنے مرشد زادے کی درخواست پر کئی ماہ بریلی میں قیام فرما کر مسودات کی نقول تیار کیں۔ان کی تبییض کی، تبویب کی، کچھ کی کتابت کاتب سے کروائی، اشاعت کے لئے دیا، بڑا دل لگا کر کام کیا۔اس میں

دکھاوا نہیں تھا، خلوص تھا، دینی جذبہ تھا۔ یہ شرف تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں آپ کو ملا۔

اب بطور حوالہ خطوط کے چند تراشے قارئین کے روبرو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرلیں۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں خامہ فرسا ہیں۔

''میں آپ کا بریلی رہنا مدت سے چاہتا ہوں، کسی طرح ہو، خصوصاً اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات اور سوانح کی تیاری کے لئے آپ کو اگر کار تدریس سپرد کردیا گیا، تو آپ کا بہت وقت اسی کی نذر ہو جائے گا۔ اس لئے یہ چاہتا ہوں کہ زیادہ وقت تو آپ کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات کے مسودات کی تبییض وغیرہ میں صرف ہو اور ایک دو سبق حدیث کے بھی پڑھا دیں، تا کہ مدرسہ بھی آپ کے فیض سے مستفیض ہو۔'' (مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء، مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد ص ۴۶)

اس اقتباس کا ہر ہر جملہ اتنا واضح اشارہ دے رہا ہے کہ حضور ملک العلماء کس قدر اعتماد کے آدمی تھے اور تصنیفاتِ رضا کی تبییض و تہذیب کے سلسلے میں مفتی اعظم کی نگاہ آپ پر ٹکی اور جملوں کے بین السطور سے آپ کی محدثانہ بصیرت پر بھی روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اعلیحضرت فاضل بریلوی کے خلف اکبر حضور حجۃ الاسلام علامہ شاہ محمد حامد رضا قدس سرہ کو تحریک دی کہ اعلیحضرت کی ترتیب فتاوی، تبییض، کتابت وغیرہ پر توجہ دی جائے اور ان کی طباعت و اشاعت کا انتظام ہو جائے، تو بڑا کام ہوگا۔ حضور حجۃ الاسلام نے اپنے ایک خط میں حضور ملک العلماء کو لکھا، آپ بھی ملاحظہ کرلیں۔

''جناب کی یہ مبارک تحریک میرے لئے بہت مسرت افزا ہے اور نہایت مہتم بالشان اور اس کے مہتم بالشان ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن بڑے زر کثیر کی ضرورت ہے۔ (۱) ترتیب فتاوی (۲) تبییض (۳) کتابت (۴) تصحیح (۵) طباعت (۶) اصلاح سنگ (۷) اصلاح پروف (۸) نگرانی کار مطبع۔ ان سب باتوں کے واسطے تجربہ کار علماء اور عملہ کی ضرورت ہے۔'' (حوالہ سابق ص ۶۲، ۶۳)

حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کے حوالے سے حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کے یہ تاثرات کس قدر اہم ہیں ہر کوئی دقت نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد با آسانی سمجھ جائے گا۔

تصانیف اعلیٰ حضرت کی اشاعت و طباعت و حفاظت کا حضور ملک العلماء کو کس درجہ خیال تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ کاش ساری تصانیف یا کم از کم منتخب کتابیں چھپ جائیں، تو کتنا زبردست کام ہوتا، ملک العلماء کے ایک مکتوب کا یہ اقتباس دیکھیں۔ بریلی کے ایک مخلص دوست کو لکھتے ہیں۔

''میں نے تین مہینے کس جاں فشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا۔ مگر جو قدر دانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہوتا، تو وہ دینی فائدہ کثیر ہوتا۔''
(مکاتیب ملک العلماء قلمی بحوالہ سابق ص ۲۷)

حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کے خط کا ایک دوسرا اقتباس بڑا چشم کشا اور بصیرت افروز اور حوصلہ افزا ہے۔ مولانا امجد رضا خاں صاحب نوری مقیم گوالیار کو اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی جملہ تصانیف و تالیف و تحریرات چھپ جائیں، تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہو۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت و توقیت، حساب و مقابلہ، تکسیر و جفر، کون سے علوم ہیں۔ جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں، جس

وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت ومحنت وتوجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت نے کیا کہا تھا۔ واقعی جناب نے انھیں حیات جاوید بخشی اور ہر شخص کو ان کے علوم و فنون سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔" (مکتوب مورخہ ۲۹، رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ) (مکاتیب ملک العلماء قلمی بحوالہ سابق ص ۲۵)

ان اقتباسات سے معلوم پڑتا ہے کہ انھیں تصانیف رضا کی اشاعت میں کس قدر دلچسپی ہے اور چھپ جانے پر کس قدر خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو آپ سے کافی گہرا لگاؤ تھا۔ دل کی گہرائیوں سے آپ کو محبوب رکھتے تھے، ملاقات کے لئے بریلی آنے کے لئے کافی تڑپتے تھے، شفقت فرماتے، دعوتیں بھیجتے، عرس میں آنے کا دعوت نامہ ضرور بھیجتے اور آنے کی درخواست پیش کرتے۔ خط کا ایک چمکتا دمکتا اقتباس پڑھیں، کس قدر خیال ہے ملک العلماء کا، کیسی تڑپ ہے ملاقات کی؟ لکھتے ہیں۔

آپ کا مزاج کیسا ہے؟ بہت دن سے آپ کا انتظار شدید تھا۔ معلوم ہوا تھا کہ آپ کو کوئی آپریشن کرانا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر تشریف لائیں گے۔ آپ کا مزاج گرامی کیسا ہے؟ عرس میں بھی تشریف نہ لائے۔ اب تو تشریف لے آئیں۔" (مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء، مطبوعہ علی گڑھ ص ۴۸)

اب تک کی پیش کردہ باتوں سے یقیناً قارئین کا ذہن بیدار ہو چکا ہوگا اور یہ تاثر ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کا علمی کمال، سیاسی تخیل اور دینی جذبہ کس درجہ عالی مرتبت تھا۔ ان کی تدریسی، تصنیفی، سماجی، معاملاتی، دینی وملی، تبلیغی واشاعتی خدمات کا دائرہ کس قدر وسیع تھا۔ ان کے کارنامے کس نوعیت کے ہیں۔ کیا اب بھی ان کی تاریخی، علمی شخصیت میں اور اس کی ہمہ گیریت میں کسی شک کی گنجائش موجود ہے؟ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے یوں ہی بلا وجہ انھیں "ملک العلما" کا خطاب نایاب نہیں دیا، بڑے بہت احتیاط کے ساتھ کسی چھوٹے کا تعارف کرواتا ہے۔ اس کا کہنا سند بن جاتا ہے، اس کا بولنا دلیل بن جاتا ہے۔ بلا شبہ ملک العلماء ایک بہت عظیم، تاریخی اور بافیض سند ہے، دلیل ہیں اور علامہ محدث زماں سید محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس خطاب کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

"دونوں انتخابات یقینا بڑے ھمه گیر اور تاریخی ھیں۔ علامه مفتی نقی علی خان قادری قدس سره کے گھر میں جس بچه نے آنکھیں کھولیں، اسے خدائے وحده لا شریك نے "مجدد اعظم" بنا دیا اور علامه سیدمحمد ظفر الدین قادری کو "ملك العلماء" بنا دیا۔ بات اگرچه طویل ھو گئی، مگر کام کی لگتی ھے۔ اس لئے انتخاب کا پس منظر اچھی طرح جان لینا ضروری ھے، کیوں نه ھو، قدرت کا انتخاب ھے۔" (مولانا توفیق احسن برکاتی)

ملک العلماء: جہان علم و فضل

از قلم: مولانا محمد اسلم رضا قادری، مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، صدر بازار، پاسنی، ناگور شریف

اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ السامی جہاں تاجدار علم و فن تھے، وہیں پر بدرجہ اتم شخصیت ساز بھی تھے۔ جنہوں نے اپنے فضل و کمال، فیض و تربیت سے اہل سنت و جماعت کو کچھ ایسے افراد و اشخاص عطا فرمائے، جن کے وجود مسعود سے دین وسنیت اور ملت اسلام کو خوب فائدہ حاصل ہوا۔

حضور ملک العلماء، افضل الفضلاء، تاج الکملاء حضرت علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین رضوی (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۲ھ) ''فاضل بہار'' علیہ الرحمۃ والرضوان نے فاضل بریلوی کی ۲۰۔۲۱ سال صحبت پائی۔ اس مدت طویل میں فکر رضا نے انہیں ہر اعتبار سے نکھارا، سنوارا، علم وفن کے ہر ہر گوشے سے ''ملک العلماء'' کے ذہن و فکر کو چمکایا۔ علم و حکمت، حقیقت و معرفت کے دریچے وا ہوئے۔ آپ ایسے ذہین و فطین تھے کہ ادق سے ادق کتاب و مسئلہ کو منٹوں میں حل فرما دیتے۔ یہ کیا تھا فیضانِ رضا اور صحبت مجدد اعظم کا صدقہ وثمرہ۔

حضرت ملک العلما کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق آفتاب و ماہتاب کی مانند چمک رہا ہے، دمک رہا ہے۔ انہوں نے اپنے ذوق، فکر و فن سے ایک جہاں کو فیض پہنچایا۔ کیوں نہ ہو کہ وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نورِ نظر، تلمیذ ارشد، خلیفہ اجل تھے، کتنے ہی وہ علوم ہیں، اپنے عہد میں جن سے ''ملک العلماء'' تنہا آگاہ و آشنا تھے۔ اس میدان میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا، علم ہیئت و توقیت بہت ہی مشکل و ادق فن تھے۔ اپنے دور میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی واحد شخصیت تھی، جو اس علم سے حقیقی طور پر معرفت ومہارت رکھتی تھی۔ پھر آپ نے اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے ''ملک العلماء'' کو اس فن کا ماہر و کامل بنا دیا۔

فن توقیت کا امام: حضور ملک العلماء نے اپنے مرشد برحق فاضل بریلوی کی اس خصوصی عطا و نوازش کو تا حیات یاد رکھا۔ یہ علم امام احمد رضا فاضل بریلوی نے آپ کو یونہی نہ دے دیا تھا بلکہ قلب ملک العلماء پر ایک نظر کرم ڈال کر مومنانہ فراست سے سب کچھ محسوس کر لیا تھا کہ 'ظفر الدین' ہی اس ادق فن کا محافظ و پاسبان بن سکتا ہے، یہی شخص اس علم کو فروغ و ترقی دے سکتا ہے۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ آپ کے خلفاء میں علم وفن میں بڑے بڑے حضرات موجود تھے۔ جن پر خود علم و فضل کو ناز تھا، درس گاہیں جن کے علمی فیوض و برکات سے مالا مال تھیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ملک العلماء کے وجود میں اعلیحضرت امام احمد رضا کو وہ خوبیاں دکھائی دیتی تھیں جو دوسرے افراد و اشخاص میں اس وقت موجود نہ تھیں، تو حضور ملک العلماء کے سر پر اس امانتِ علم کا تاج رکھا گیا۔ آگے چل کر یہ علم حضور ملک العلماء کی شناخت و علامت بن گیا اور اسی علم کی بناء پر آپ اپنی معاصرین میں ممتاز نظر آئے۔ اسی خصوصی وصف و امتیاز کی وجہ سے اعلیحضرت امام احمد رضا

فاضل بریلوی نے اپنے ایک مکتوب میں اس طرح رقم فرمایا۔

"(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے "زواجر" میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں سے بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار، ہر روز و تاریخ کے لئے جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔" (کلیات مکاتیب رضا ص: ۲۱۰/۱۔ مطبوعہ کلیر شریف)

حضور ملک العلماء نے اس ادق علم کو امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ کی بارگاہ سے سیکھا۔ پھر اس میں مہارت تامہ حاصل کیا۔

معاصرین و اقران میں یگانہ و یکتا کہلائے، ہند و بیرون ہند کے دائمی اوقات تخریج کئے۔ صاحب علم و فن آپ کی مہارت و صلاحیت کا سکہ تسلیم کی۔ توقیت و ہیئت کا کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوا منٹوں میں حل فرما دیا۔ یہ سب صحبت اور تربیت فاضل بریلوی کا فیضان تھا جو "حضور ملک العلماء" کو ہر میدان میں کامیابیوں سے ہم کنار کر دیا تھا۔

پھر اس علم مبارک کو پوری زندگی تقسیم فرماتے رہے۔ قابلِ فخر تلامذہ پیدا کئے، جہاں تشریف لے گئے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علم و فضل کا چرچا کیا۔ اپنے محسن کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ فراموش کیسے کرتے کہ سب کچھ تو اسی بارگاہ سے ملا تھا۔ اپنی تشنگی تو یہاں سے ہی بجھائی تھی۔ ہر دم اسی بارگاہ سے رجوع کرتے تھے۔ مشکل سے مشکل پیش آمدہ مسائل ہوں یا دیگر ضروریات، ہر کام کیلئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے در کے سائل رہتے۔ خود امام موصوف کو بھی اپنے اس شاگرد رشید پر اعتماد کلی حاصل تھا۔ تاریخ شاہد ہیکہ حضرت ملک العلماء نے اپنے مربی و محسن کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ آج کے اس دور میں اگر استاد و شاگرد کا ایسا مستحکم رشتہ پیدا ہو جائے، دونوں جانب سے اس طرح کی حوصلہ افزائی، ادب و احترام نظر آئے، تو ایک نئی تاریخ تعلیم و تعلم رقم ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی کتاب "توضیح التوقیت" کی ترتیب کے سلسلے میں "ملک العلماء" اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے فوائد کتابی شکل میں مدوّن نہیں فرمائے، بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے۔ جس کو میں اردو میں لکھ دیتا اور میرے دوست ہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھا کرتے۔ بہر کیف ایک زمانہ تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کیلئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا ہے کہ اس کتاب کو پیشِ نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو با آسانی گھر بیٹھے سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہ ہو، تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے۔" (حیات ملک العلماء ص ۲۹)

یہ ہے حضرت ملک العلماء قدس سرہ کا فن توقیت میں صلاحیت و مہارت تامہ کا نظارہ، جسے پڑھ کر ہی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں کہ اتنے مشکل فن کو موصوف اپنی استعداد اور لیاقت کی بناء پر کیسے چٹکیوں میں حل فرما دیا کرتے تھے۔ اور کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو

سائل کے ذہن ودماغ میں فوراً اتار دیا کرتے تھے۔ میرا یقین کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''حضور ملک العلماء'' کو اس فن کا ماہر وکامل، استاذ اور امام بنا دیا تھا۔ اس اعتراف سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جب حضرت ملک العلماء کو علم توقیت وہیئت پر اس درجہ مہارت ودسترس حاصل تھی جو ادق فن ہے، تو دوسرے علوم وفنون پر آپ کی وسعت نگاہی کا کیا کہنا اور جب ملک العلماء کے علوم ومعارف کا یہ حال ہے تو مجدد اعظم فاضل بریلوی کے علوم وفنون کا عالم کیا ہوگا۔

وسعت علمی: حضرت علامہ مولانا مفتی ارشاد احمد رضوی مصباحی صاحب مرتب ''فتاویٰ ملک العلماء'' حضرت موصوف علیہ الرحمۃ والرضوان کی علوم وفنون پر دسترس ومہارت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حضرت ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ علم وفن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے۔ خصوصاً علوم اسلامیہ میں اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علمی وفکری جانشین تھے۔

علوم قرآن: تفسیر، اصول تفسیر، تجوید وقرآت۔

علوم حدیث: حدیث، اصول حدیث۔ فقہی علوم: فقہ، اصول فقہ، عقائد وتصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو وصرف، معانی وبیان۔

علوم فلکیات: نجوم، ہیئت، توقیت، تکسیر، جفر، رمل۔

علوم عقلی: منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔

اس وسعت علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکور سبھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستانِ رضا کے خوشہ چین جو ٹھہرے۔''

(فتاویٰ ملک العلماء ص: ۱۳)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حقیقت میں مولانا ظفر الدین کو ''ملک العلماء'' بنا دیا تھا کہ ہر میدان میں معاصرین کے اندر بازی لے گئے، تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ خود فاضل بریلوی قدس سرہ نے حضرت ملک العلماء کے اس علمی استعداد ولیاقت کا اکرامی اعتراف فرمایا ہے اور اپنے مخلص شاگرد کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ان کے بلند عزائم کو جلا بخشی ہے۔ جیسا کہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''مکرمی مولانا مولوی سید محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہیں، سب میں یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا سُنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضل تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علمائے زمانہ میں علم وتوقیت سے تنہا آگاہ ہیں، فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔''

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ص: ۱/۲۱۰)

رضویات کے معمار اول: حضرت ملک العلماء قدس سرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خاص فیض یافتہ تلمیذ مسترشد اور خلیفہ ہیں، جن کی حیات وزیست کا ایک ایک لمحہ دین وسنیت اور خصوصاً تصنیفات وتالیفات اعلیٰ حضرت کی ترتیب وتزئین اور نشر واشاعت کیلئے وقف تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے قیمتی

لحات سے اکثر حصہ فاضل بریلوی قدس سرہ کی تحریرات و نگارشات کی اشاعت و طباعت کیلئے چھوڑ رکھا تھا۔ ملک العلماء کے فکر رسا ذہن میں اگر کسی چیز کی پہلے فکر دامن گیر ہوئی، تو وہ تصانیف رضا کی نشر و اشاعت تھی۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک العلماء کو اپنے مشفق استاذ و مرشد کے علمی و تحقیقی ذخیرہ کے شائع کرنے کی کتنی فکر تھی اور وہ اس علمی ذخیرہ کو ارباب علم و دانش کے سامنے لا کر کیا بتانا چاہتے تھے۔ اس کا اندازہ ذیل کے مکتوب سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا امجد رضا خاں نوری کو تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں، تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہو گی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ کون سے علوم ہیں، جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائے گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔" (حیات ملک العلماء ص:۲۶)

علامہ موصوف بے پناہ فضل و کمال، استعداد و صلاحیت، ذہانت و فطانت اور فکری و دینی مہارت، تدریسی کمال کے مالک تھے۔ آج موصوف ہی کے فکر رسا ذہن کا صدقہ ہے کہ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی دنیا کی عظیم یونیورسٹیوں میں علم و تحقیق کا موضوع بنے ہوئے ہیں اور اصحاب فکر و تدبر فاضل بریلوی کی علمی و تصنیفی خدمات اور تجدیدی و اصلاحی کارناموں پر تحقیقی و ادبی مقالے سپرد قرطاس کر کے Ph.D کی ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی نے اس حیثیت سے حضرت 'ملک العلماء' کو رضویات کے فروغ و ارتقاء کا معمار اوّل لکھا ہے۔ اور اپنے مقالہ "ملک العلماء کی اولیات" (مشمولہ جام نور، دہلی اگست ۲۰۰۸ء، ص ۱۶ تا ۲۲) میں آپ کی وہ امتیازی و نمایاں خصوصیات ذکر کی ہیں جو تنہا آپ کی ہمہ جہت شخصیت میں پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف ایک جگہ لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا کے تلامذہ و خلفاء میں ایک سے بڑھ کر ایک رشک مہر و ماہ گذرے ہیں۔ لیکن ملک العلماء کی درجنوں خصوصیات ایسی ہیں، جن میں وہ انفرادی شان رکھتے ہیں، جبھی تو امام احمد رضا نے ان کو "ملک العلماء" کہا۔ تمام علوم و علماء کا شہریار، ہر فن مولی، ہر فن کے فن کار، کسی خاص فن کی تخصیص نہ فرمائی۔" (ص:۱۷)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اس شاگرد با کمال نے آخری دم تک علم و فضل، فکر و آگہی کا اجالا بکھیرا۔ ہر فن میں یادگاری تصانیف چھوڑی ہیں۔ خصوصاً علم حدیث موصوف کی شان دار و جان دار اور معرکۃ الآراء کتاب "صحیح البہاری" ہے۔ جو چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ روایت و درایت، اقوال فقہاء اور تطبیق و توفیق کا ایک عظیم ذخیرہ ہے۔ جسے دیکھ کر اور پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ملک العلماء قدس سرہ فن حدیث و اصول حدیث میں کس قدر درک و مہارت رکھتے تھے۔

اس عظیم و ضخیم کتاب میں فقہ حنفی کی مستند و معتمد احادیث جمع کی گئی ہیں۔ آپ کا ملت پر کتنا عظیم احسان ہے کہ ہمیں غیروں کی کتابوں کا محتاج نہیں رکھا۔ موصوف قدس سرہ کی اس مایہ ناز تصنیف لطیف سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ کو اتنی کثرت کے ساتھ احادیث یاد تھیں۔ جن کا سب کچھ سرمایۂ علم و فضل اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا عطا کردہ ہے تو خود فاضل بریلوی قدس سرہ کو کس قدر احادیث ازبر ہوں گی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علوم و معارف کا کیا پوچھنا، علم فقہ میں آپ کی مہارت و وسعت کا منہ بولتا ثبوت ''فتاوی رضویہ'' ہے، جو ضخامت میں ۳۰ جلدوں پر پھیلا ہوا ہے اور فقہی علوم کا انسائیکلوپیڈیا ہے اور علم حدیث میں موصوف کی بصیرت و وسعت کا بین ثبوت آپ کی ہزار ہا کتب میں پھیلی ہوئی احادیث کا مجموعہ ''جامع الاحادیث'' جو ۱۰ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس امام علم و فضل کا یہ عالم ہو تو اس کے شاگرد ''ملک العلماء'' بھی ممتاز و منفرد ہی ہونگے۔

میرے ممدوح حضرت ملک العلماء قدس سرہ کیا کیا کرتے تھے ایک نظر ملاحظہ کیجئے، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

''کتابیں بھی لکھیں، رسائل ترتیب دیے، تعلیق لکھی وہ بھی عربی زبان میں، مناظرہ بھی کیا، علمی و عرفانی فیوض و برکات سے سرخ رو بھی ہوئے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ کس قدر ذہین تھے، چاق وچوبند تھے، بلند اقبال اور طالع آزما تھے یہ وہ خصوصیات ہیں جو طالبِ علموں کی تاریخ میں نظر نہیں آتیں۔ شاید اسی لئے امام احمد رضا نے ان کو ''ملک العلماء'' کے بھاری بھرکم، ذی وقار خطاب سے نوازا یعنی تمام علوم و فنون اور علماء کا بادشاہ قرار دیا۔

امام احمد رضا جانتے تھے اس معزز لقب کا وہی حقدار ہے اور وہی تمام فنون میں علماء کی رہنمائی و قیادت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ملک العلماء امام احمد رضا کے معیار و مقیاس پر مکمل پورے اترے اور اپنے مرشد برحق کی سچی علمی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔'' (جام نور، دہلی، ص ۱۵، دسمبر ۲۰۰۸ء)

المختصر! حضرت ملک العلماء علامہ شاہ مفتی سید محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہاری قدس سرہ نے اپنے علم و فضل، دینی و علمی، فکری و تدریسی استعداد و صلاحیت سے ایک جہان کو مستفیض فرمایا، فقہ حدیث، مناظرہ، نحو، صرف، منطق، فلسفہ، توقیت، تکسیر، سیرت، تاریخ وغیرہا۔ فنون میں اپنے یادگاری نقوش چھوڑے ہیں اور اپنی مصروف ترین زندگی میں کیسے کیسے نادر اور حقیقی کارنامے انجام دے کر دین و سنیت کی عظیم خدمات کی ہیں۔ مولی عزوجل تربت ''حضور ملک العلماء'' پر انوار و تجلیات کی بارش کا نزول فرمائے اور موصوف کے علمی و تحقیقی کارناموں سے ہمیں زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔ آمین

''ملک العلماء'' اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے فوائد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے، بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے۔ جس کو میں اردو میں لکھ دیتا اور میرے دوست ہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھا کرتے۔ بہر کیف ایک زمانہ تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کیلئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا ہے کہ اس کتاب کو پیشِ نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو با آسانی گھر بیٹھے سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہ ہو، تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے۔'' (حیات ملک العلماء ص ۲۹)

(مولانا محمد اسلم رضا قادری)

ملک العلماء کا علمی تبحر

از قلم: مولانا محمد ذاکر حسین اشرفی جامعی کٹیہاری، مخدوم اشرف مشن، مالدہ (بنگال)

زمانۂ قدیم ہی سے بہار کی تاریخ میں پٹنہ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اسی کا ایک تاریخی و علمی نام عظیم آباد ہے۔ جسے حضور ملک العلماء حضرت علامہ مولانا شاہ سید محمد ظفر الدین قادری رضوی کا مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے، جہاں آپ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے اور علمی سیر کرتے ہوئے بریلی شریف پہونچے اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی اور آسمان علم و ادب پر مہر درخشاں بن کر چمکے۔

دوران تحصیل ہی میں آپ نے مختلف علوم و فنون پر آٹھ کتب و رسائل تصنیف کئے۔ جن میں سے بعض پر اعلحضرت علیہ الرحمہ کے کلمات تحسین بھی مرقوم ہیں، مناظرہ و مباحثہ کئے اور فتویٰ نویسی بھی کی۔ جس پر خوش ہوکر مجدد اعظم نے شیرنی کھانے کیلئے ایک روپیہ عنایت فرمایا۔

علم و حکمت کے اس بحر ناپیدا کنار نے جب بہار کا رُخ کیا، تو وہاں کے علم و ادب میں وسعت آئی اور آپ کے تبحر علمی کی دھوم چہار دانگ عالم میں مچنے لگی۔ دور دراز سے تشنگانِ علوم و فنون آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپکے دریائے علم و عرفان سے خوب خوب سیراب ہوئے۔

اِسی دبستان علم و حکمت کی ایک فصل بہار جناب مفتی خلیل الرحمٰن صاحب کٹیہاری نے بیان کیا کہ حضرت ملک العلماء کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ علم و فہم، ذہانت و فطانت سے نوازا تھا۔ اور آپکے اندر مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح، دین کی تبلیغ و اشاعت، سنت نبوی کی تنقید و احیاء، باطل رسم و رواج کی بیخ کنی اور غلط افکار و نظریات کی تردید کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اور علمی میدان میں خداداد شہرت حاصل تھی۔

جب آپ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار (قدیم پورنیہ) میں منصب تدریس پر رونق افروز ہوئے، تو آپ کا نام سُن کر بریلی شریف، مرادآباد، مبارک پور اشرفیہ اور دیگر مدارس کے طلباء جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علمی پیاس بجھانے لگے۔ یہاں تک کہ درسیات میں کامل درک رکھنے والے مدرسین نے بھی تدریسی خدمات موقوف کرکے آپکی بارگاہ میں زانوے ادب تہہ کرنے کی سعادت حاصل کیں اور علم توقیت، ہیئت، جفر، رمل جیسے دقیق علوم کے الجھے ہوئے مسائل کی گتھیاں سلجھانے لگے۔

جس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملک العلماء کا تبحر علمی کا کیا عالم تھا اور آپ علم و معرفت کے کیسے بحر ذخار تھے۔

آپ کے شاگرد مفتی عبدالجبار کٹیہاری بیان کرتے ہیں کہ ملک العلماء کا انداز درس و تدریس نہایت پرلطف تھا جس سے پڑھنے والے کو کبھی کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اور دل جمعی کے ساتھ آپکے علمی جواہر پارے کو اپنے دامن میں سمیٹتے نیز آپ

کے پڑھانے میں مناظرانہ پہلو غالب رہتا تھا۔ اگر کبھی دوران تدریس وھابیت و دیوبندیت کی بات چھڑ جاتی، تو اُن کے عقائد باطلہ اور افکار فاسدہ کی جم کر تردید کرتے اور نونہال قوم وملت کو ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید بھی فرماتے۔ مدرسہ محمودیہ سربہ بھاگلپور کے پرنسپل نے مجھ سے (مفتی عبدالجبار) بیان کیا کہ ملک العلماء علم کے سمندر تھے۔ ایک مرتبہ "مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ بہار" سے ملحق تمام مدارس کے جملہ صدر مدرسین انٹرویو کیلئے طلب کئے گئے اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں اس عربی مصرعہ کا حل بھی پوچھا گیا جو ذیل میں مذکور ہے۔ "انا کالذی احتاج مایحتاجه"

مگر کوئی اس مصرعہ کا تشفی بخش جواب نہ دے سکے، اسکو حل کرنے کیلئے بورڈ کی طرف سے آدھا گھنٹہ کا وقت ملا اور اِن دنوں بہار میں ملک العلماء کے علوم وفنون کی دھوم مچی تھی۔ اس کو حل کرنے کیلئے ہم لوگ ملک العلماء کے دولت کدہ پر پہونچے اور اس عربی مصرعہ کو پڑھ کر سنائے۔ مولانا نے فی البدیہہ بغیر کسی تامل کے حل فرمادیا، کہ اِس مصرعے کا مطلب یہ ہے "میں بیمار ہوں اور مجھے ایک عائد و تیماردار کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ لفظ "الذی" کو ایک عائد یعنی صلہ کی ضرورت ہے، پھر ہم لوگ ایجوکیشن بورڈ آ کر یہی جواب دیئے۔ جس سے ہم لوگوں کی کامیابی کا راستہ کھل گیا اور عزت وآبرو کا بھرم رہ گیا۔

اِس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملک العلماء کا تبحر علمی کیا تھا اور اعلحضرت کے علوم وفنون کے ایسے مظہر تھے۔ جس پر زمانہ جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔

آپ کے اندر اللہ نے ایسی قوت حافظہ ودیعت فرمائی تھی کہ کسی بھی کتاب کو ایک نظر دیکھ لیتے، تو وہ ہمیشہ کیلئے ذہن میں محفوظ ہوجاتی اور ضعیفی میں بھی قوت حافظہ کا یہی عالم رہا جیسا کہ مفتی عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں، کہ جب جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں کہیں سے کوئی استفتاء آتا تو مجھے بلا کر جواب لکھواتے اور صفحہ، جلد، مطبع تک زبانی لکھا دیتے، پھر میں وہ کتاب کھول کر دیکھتا، تو ٹھیک ویسا ہی پاتا جیسا کہ ملک العلماء نے لکھا دیا تھا۔

آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے سبق سبق دو سال میں بخاری شریف ختم کیا۔ جس کے سبب آپ کو حدیث میں کافی عبور حاصل تھا۔

جب آپ طالبان علوم نبویہ کو حدیث کا درس دیتے، تو دوران تدریس اپنے استاذ گرامی امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے تبحر علمی کو بیان کر کے اکثر رویا کرتے تھے۔

اِسی طرح ملک العلماء کو ردو مناظرہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ اُردو، عربی، فارسی تینوں زبان میں بلا جھجک تقریر بھی کرتے تھے۔ اور مناظرہ بھی یہی وجہ ہے کہ دوران طالب علمی ہی میں اعلحضرت علیہ الرحمہ اکثر دیوبندیوں کے مقابلے کیلئے آپکو بھیجا کرتے تھے اور آپ قلعہ باطل میں زلزلہ پیدا کردیتے۔ جس سے مجدد اعظم بہت خوش ہوتے اور بارگاہِ خداوندی میں اسطرح دعا فرماتے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اِس سے معلوم ہوتا کہ اعلحضرت کو اپنے شاگرد رشید کے علم پر دوران تحصیل ہی میں کتنا اعتماد و یقین ہو چکا تھا اور کیسی محبت تھی کہ "میرے ظفر" فرمایا اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ آپ کبھی وہابی و دیوبندی کے مقابلے میں شکست نہ کھائے۔ بلکہ ہمیشہ کامیاب وفتحیاب رہے۔

آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے والے مفتی عبدالجبار

بیان کرتے ہیں کہ جب کٹیہار میں دارالعلوم کی وجہ سے دیوبندیت بڑھنے لگی تو پٹنہ متن گھاٹ کے درگاہی میاں، اور ملک العلماء ظفر الدین بہاری نے مل کر کٹیہار میں بحرالعلوم قائم کیا، جس سے بہار و بنگال کی دیوبندیت پسپا ہو کر رہ گئی۔

ایک مرتبہ آپ دیوبندیوں کے مقابلہ کیلئے تشریف لے گئے، مناظرہ شروع ہوا۔ اس میں ایک دیوبندی عالم نے "النـــاس یفهمون" کی بجائے "الناس فی فهما" کہا اس پر آپ نے فرمایا، کہ اگر "فی سمجھا" کہتے، تو زیادہ فصیح اور بہتر ہوتا، تاکہ سب لوگ سمجھ جاتے۔

آپ کے شاگرد مفتی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بیان کرتے ہیں، کہ ملک العلماء دوران تدریس اپنے مناظرہ کا واقعہ سنا رہے تھے، کہ میں ایک مرتبہ دیوبندیوں کے مقابلہ میں مناظرہ کیلئے گیا تھا۔ جس میں ایک دیوبندی عالم نے کہا، کہ شہر میں شرک ہو رہا ہے اور آپ منع نہیں کرتے ہیں۔ میں نے کہا کیا شرک ہو رہا ہے؟ اس دیوبندی عالم نے کہا لوگ پیر صاحب کے مزار پر پھول اور چادر چڑھاتے ہیں یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ میں نے کہا یہ لوگ غلط کر رہے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اللہ کے مزار پر پھول اور چادر چڑھائیں تو دیوبندی عالم نے کہا۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں، کہ اللہ کا بھی مزار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب اللہ کا مزار نہیں ہے، تو شرک کہاں ہوا شرک، تو اس وقت ہوتا جبکہ پیر صاحب کے مزار کے ساتھ ساتھ اللہ کا بھی مزار ہوتا۔

یہ آپ کے تعمق و تبحر علمی کی کھلی دلیل ہے اور آپ علمی عرفانی سرمایہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، جو آنے والی نسلوں کیلئے مشعل راہ بھی ہے اور خزانہ معلومات بھی ہے۔

آپکا تبحر علمی مجھ جیسا کم علم کیا بیان کرسکتا ہے۔ اسلئے کہ جن کی تحریروں پر مجدد وقت حضور اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی تقریظات ہوں، جنہیں عہد تحصیل ہی میں فتویٰ نویسی پر خوش ہو کر آپ نے شیرنی کھانے کیلئے روپیہ عنایت کیا ہو، اور ملک العلماء و فاضل بہار جیسے بھاری بھرکم آداب والقاب سے نوازکر علم و عرفان کا خزانہ ہونے کا اشارہ فرمایا ہو تو ان کا تبحر علمی کا کیا عالم ہوگا اور علوم و فنون کے کیسے ذخائر ہوں گے۔

جب علم و عرفان کا یہ چراغ ۱۹۶۲ء میں گل ہوا تو اپنے پیچھے اپنا سرمایۂ افتخار چھوڑ گیا جو شب کی تاریکیوں میں مشعل راہ کا کام دیتا رہے گا۔

☆☆☆

آپ کے شاگرد مفتی عبدالجبار کٹیہاری بیان کرتے ہیں، کہ ملک العلماء کا انداز درس و تدریس نہایت پرلطف تھا جس سے پڑھنے والے کو کبھی کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اور دل جمعی کے ساتھ آپکے علمی جواہر پارے کو اپنے دامن میں سمیٹتے نیز آپ کے پڑھانے میں مناظرانہ پہلو غالب رہتا تھا۔ اگر کبھی دوران تدریس وھابیت و دیوبندیت کی بات چھڑ جاتی، تو اُن کے عقائد باطلہ اور افکار فاسدہ کی جم کر تردید کرتے۔

ملک العلماء کی ولایت وکرامت

مولانا عبد المقتدر خان جالوی، مہتمم دار العلوم ضیائے مصطفیٰ جالے در بھنگہ

حضور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ را کتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت میجرا ضلع پٹنہ میں آنکھیں کھولیں۔ آپ نسباً ملک، مسلکاً حنفی، مشرباً رضوی اور مولداً میجروی تھے۔ خاندان کے بعض افراد کا دیا ہوا نام عبد الحلیم اور کنیت ابوالبرکات ہے۔ تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد تجویز کیا گیا، مگر فتاوئی کی مہر، دستخط اور دیگر تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ظفیر الدین، ظفر الدین، ظفر الدین احمد، محمد ظفر الدین اور عبد المصطفیٰ محمد ظفر الدین سب آپ کے نام ہیں۔ والد گرامی ملک عبد الرزاق دادا ملک کرامت حسین پردادا ملک احمد علی اور چھڑ دادا ملک غلام قادر ہیں۔

ملک عبد الرزاق اپنے زہد و ورع، عبادت و تلاوت اور ریاضت ومجاہدے کی وجہ سے دیار وامصار میں کافی شہرت رکھتے تھے اور ہر شخص انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لہٰذا انھوں نے اپنے بلند اقبال شہزادہ ظفیر الدین کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا۔ خود پڑھایا اور چند جلیل القدر ہستیوں کے سپرد کیا۔ چنانچہ حضور ملک العلماء مختلف مقامات پر نامور علماء کرام سے اپنی علمی تشنگی دور کرتے رہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے پاس پہونچے تو ان کے بحر علم سے ایسی سیرابی حاصل کرلی، کہ یہ دعا ساتھ لے کر لوٹے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

حضور ملک العلماء کو فاضل بریلوی دل وجان سے چاہتے اور خاندانی بزرگوں کی طرح شفقت بھی فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ اعلیٰحضرت آپ کو کبھی حبیبی وولدی وقرۃ عینی کبھی ولدی الاعز کبھی ولدی اعزک اللہ فی الدنیا والدین کبھی ولدی الاعز حامی السنہ ماحی الفتن کبھی ولدی وقرۃ عینی کبھی جان پدر بلکہ از جان بہتر لکھ کر مخاطب کرتے۔ ملک العلماء سے متعلق اعلیٰ حضرت کا ایک خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو انھوں نے اپنے وصال سے تقریباً بیس سال پہلے خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو لکھا تھا۔

''......مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں میں یہ نہیں کہتا، کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا: (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب

بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انھیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔"

اعلیٰ حضرت کے مندرجہ بالا مکتوب سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضور ملک العلماء ایک سنی صحیح العقیدہ عالم دین، باعمل داعی، تجربہ کار مدرس، کہنہ مشق مفتی، عطارد رقم مصنف، شیریں مقال واعظ، لاجواب مناظر اور علم توقیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جسے اعلیٰ حضرت جیسی نادر الوجود ہستی نے سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی ہو اور ملک العلماء و فاضل بہار جیسے خطابات سے نوازا ہو، بھلا اس عظیم المرتبت شخصیت کی ولایت و کرامت مجھ جیسے ہیچ مداں سے کیا بیاں ہو۔

طہارت فکر، تقدیس خیال اور تزکیہ نفس آپ کو ورثہ میں ودیعت ہوا تھا۔ شب بیداری کا جواب نہ تھا۔ سنت کی پیروی، نماز پنجگانہ کی پابندی، قرآن شریف کی تلاوت، درود شریف کی کثرت، نفس امارہ سے جہاد، رشد وہدایت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کو انھوں نے اپنی زندگی کا معمول بنالیا تھا۔ وہ عرصہ دراز سے فشار الدم کے مہلک مرض میں مبتلا تھے اور کافی کمزور ہو گئے تھے، مگر اس کے باوجود ان کی عبادت میں کمی نہ آئی اور نہ ہی روز وشب کے معمولات میں فرق آیا، بلکہ معمول کے مطابق انھوں نے شب رحلت بھی شام کے وقت چار خطوط لکھے اور شب دوشنبہ کی ایک ارجمند ساعت میں ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء میں ذکر جہر اللہ اللہ کرتے ہوئے اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمایا۔

دوسرے دن خانقاہ رشیدیہ اسلام پور ضلع پٹنہ کے سجادہ نشین حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی جن سے آپ کو فردوسی، شطاری، سہروردی اور کچھ مزید سلسلوں کی اجازت وخلافت حاصل تھی انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں کے مزار شریف کے متصل شاہ گنج پٹنہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جہاں ہر جمعرات کو عقیدت و نیازمندی رکھنے والوں کا اژدہام ہوتا ہے اور ۱۹ر جمادی الاخریٰ کو مریدین، معتقدین، تلامذہ اور علماء ملک کران کا عرس بڑے تزک واحتشام کے ساتھ مناتے ہیں۔ عرس اور غیر عرس میں کئی بار مجھے وہاں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔

قاضی شریعت علامہ فضل کریم علیہ الرحمہ اور ان کے بعد والد گرامی فخر صحافت علامہ ضیاء جالوی رحمۃ اللہ علیہ کی رقت انگیز دعا پر لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ میرے والد نے حضور ملک العلماء کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں پڑھا بھی تھا اور ان سے جام ولایت پیا بھی تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ پٹنہ آیا کرو تو درگاہ شاہ ارزاں ضرور جایا کرو۔ وہیں اللہ کے مقبول بندے، عارف باللہ، ولی کامل، پیر طریقت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری رحمۃ الباری آرام فرما ہیں۔ آج تم لوگ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر تقریر کر کے پورے ہندوستان میں روٹی سینکتے ہو، یہ یاد رکھو کہ حضور ملک العلماء صرف میرے شفیق استاذ ہی نہیں ہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت کے شاگرد رشید، خلیفہ ومجاز ہیں اور اعلیٰ حضرت پر جو کام انھوں نے کیا ہے، وہ اب تک کسی نے نہیں کیا ہے۔ بہت بافیض بزرگ ہیں۔ ان کی تربت اقدس پر پہونچنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ میں پٹنہ میں نہیں ہوں، بلکہ بریلی شریف اور مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے بہرہ مند ہو رہا ہوں۔ ان کی بارگاہ

میں بڑے بڑے اصحاب طنطنہ وشہرت اور صاحبان جبہ ودستار کو میں نے گدائی کرتے دیکھا ہے۔ اگر صحت نے ساتھ دیا، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم کتاب لکھوں گا۔

صد حیف! کہ وہ اس کار خیر کے انجام دینے سے پہلے ہی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، لیکن ماہنامہ رفاقت پٹنہ میں حضور ملک العلماء کی دو کرامتیں تحریر فرمائی تھیں، جو اب ان کی کتاب ''طاقتور کون زندہ یا مردہ'' میں چھپ چکی ہیں۔ افادۂ عام کی خاطر ہم یہاں انھیں درج کر رہے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

''ایک دن ایک شخص حضرت ملک العلماء کے پاس آیا۔ آنے والا ان کا شناسا تھا۔ اس نے کہا میں نے آپ کے پاس ایک استفتاء کیا تھا، لیکن آپ نے اس کا جو جواب دیا ہے، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے صاحب سجادہ نے اس کے برعکس فتویٰ دیا ہے، جب میں نے ان سے آپ کے فتوے کا ذکر کیا، تو انھوں نے فرمایا، انھیں یہاں بلالاؤ۔ ہم لوگ آپس میں تبادلہ خیال کر کے یا تو ہم ہی اپنے فیصلے سے رجوع کر لیں گے یا پھر ان ہی کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں۔ اس لئے آپ پھلواری چلئے۔

حضرت ملک العلماء نے فرمایا۔ میں کیوں جانے لگا وہاں۔ جس کو ضرورت ہوگی، وہ خود میرے پاس آئے گا۔ میں نے جو فتویٰ دیا ہے، وہ ٹھیک ہی دیا ہے۔ اس پر وہ صاحب بولے خانقاہ کے سجادہ نشین آپ کے پاس اس لئے نہیں آسکتے کہ سجادہ نشین کے لئے وہاں یہ قید ہے کہ وہ اپنی خانقاہ کے حلقے سے باہر نہیں جاسکتا اور آپ کے ساتھ تو ایسی کوئی قید نہیں ہے۔ آپ تو جاتے آتے رہتے ہیں۔ اس لئے آپ ہی کو چلنا پڑے گا۔ حضور ملک العلماء نے برہم ہو کر کہا ایک مرتبہ کہہ دیا نہیں جاؤں گا، پھر بار بار اصرار کیوں کرتے ہو؟ اس شخص نے کہا جائیں گے کیوں نہیں؟ ایسے نہیں جائیں گے، تو میں کاندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔ حضور ملک العلماء ایک منٹ خاموش رہے، پھر فرمایا جب کاندھے ہی پر لے جانا ہے، تو جاؤ پرسوں آنا۔ وہ شخص مطمئن ہو کر چلا گیا۔ تیسرے دن جب وہ ان کو لے جانے کیلئے آیا، تو دور ہی سے اس نے دروازے پر بھیڑ دیکھی اور جیسے ہی وہ دروازے پر پہونچا، گھر سے ایک نعش برآمد ہوئی۔ اس کو معلوم ہوا کہ نعش حضرت ملک العلماء کی ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر کندھا دیا اور نعش کو مخاطب کر کے کہا۔ حضرت کاندھے پر لے چلنے کی بات میں نے اس لئے کہی تھی کہ میں آپ کو پھلواری شریف لے جانا چاہتا تھا۔ آپ کاندھے پر چل تو رہے ہیں، مگر آپ نے راستہ بدل دیا ہے۔''

اب لگے ہاتھ حضور ملک العلماء کی وفات کے بعد کی ایک کرامت ضیائے ملت علیہ الرحمہ کے قلم سے سنئے اور فیصلہ کیجئے، کہ آپ ولایت وکرامت کی کس منزل بلند پر فائز تھے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

''آپ کے بارے میں جناب خلیل صاحب مجیبی روایت کرتے ہیں کہ انتقال کے بعد جب آپ کو غسل دیا جانے والا تھا، تو جسم سے کپڑے اتارنے کی خدمت انہیں کے سپرد ہوئی۔ بھاری بھرکم جسم پر کرتہ اور اوپر سوئٹر تھا۔ سوئٹر تنگ ہونے کے سبب جسم میں بالکل پھنس گیا تھا، لیکن چونکہ نیا تھا، اس لئے وہ چاہتے تھے، کہ سوئٹر صحیح وسالم اتر آئے، تاکہ اسے وہ تبرک کے طور پر اپنے استعمال میں لاسکیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سوئٹر کا بغیر پھاڑے ہوئے نکلنا مشکل ہے، تو انھوں نے کان میں آہستہ سے کہا حضرت ذرا سا بدن ڈھیلا کیجئے، تاکہ سوئٹر آسانی سے اتار سکوں میں اسے پہننا چاہتا ہوں، اتنا کہنے کے بعد جسم اس قدر ڈھیلا اور نرم ہو گیا کہ نعش کو جدھر چاہا، موڑا، جیسے چاہا گھمایا اور نہایت آسانی سے سوئٹر اتار لیا۔ سوئٹر میں کہیں خراش تک نہیں آئی، لیکن جب کرتہ اتارنے لگے تو کرتہ ڈھیلا ڈھالا اور فراخ ہونے کے باوجود قینچی سے کاٹ کر الگ کرنا پڑا۔''

حضور ملک العلماء کی عبادت وریاضت

محمد حسن رضا نوری، دارالافتاء مرکزی ادارۂ شرعیہ سلطان گنج پٹنہ

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کی پیدائش ۱۳۰۳ھ میں ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی حضرت شاہ چاند بیتھوی سے مرید تھے۔ آپ اپنے مرشد کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ آپ نہایت دیندار متقی وپرہیزگار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ نماز وروزہ کے علاوہ نفس کشی اور مجاہدے وغیرہ بھی کیا کرتے تھے۔ خلوص وللّٰہیت اور عبادت وریاضت کی وجہ سے انہیں پورے معاشرہ میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آبادی اور اس کے قرب وجوار میں آپ کی ایک خاص پہچان اور شہرت ومقبولیت تھی۔ حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کا خاندان مذہبی اور اسلامی تھا۔ والد محترم صوم وصلوٰۃ کے پابند تو تھے ہی والدہ محترمہ کے اندر بھی للّٰہیت، خوف الٰہی اور دینداری بدرجہ اتم موجود تھی۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کی پرورش وپرداخت خالص دینی ومذہبی ماحول میں ہوئی۔ والدین کی صحبت کا اثر آپ پر صاف نمایاں تھا۔ بچپن سے ہی تعلیم وتعلم کے ساتھ صوم وصلوٰۃ پابند تھے۔ آپ کا اکثر وقت حصول علم میں گذرا، مگر عبادت وریاضت میں کمی نہیں آئی۔ آپ کی تعلیم وتربیت ایسے اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی جو مروجہ علوم وفنون میں مہارت تامہ کے ساتھ اپنے وقت کے قطب اور ولی کامل تھے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ ہیں۔ ان سے آپ نے پٹنہ اور پیلی بھیت میں علمی پیاس بجھائی۔ استاذ کی صحبت کا اثر طالب علم پر ضرور ہوتا ہے۔ ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اپنے اساتذہ سے صرف علوم ظاہری کی تکمیل نہیں کی بلکہ ان کی بارگاہ سے علم وحکمت کے ساتھ تصوف، عبادت، ریاضت، مجاہدے، نفس کشی اور صبر وقناعت کا بھی [illegible] لیا۔ مصدر عشق ومحبت سرکار اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ نے آپ کو کندن بنادیا۔ امام اہلسنت کی بارگاہ عشق ومحبت کا پروردہ اور فیض یافتہ صرف علوم ظاہر میں ماہر نہ ہوگا، بلکہ علوم باطنی سے بھی آراستہ ہوگا۔ ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ آپ کے مربی، مشفق استاذ پیر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف مروجہ علوم وفنون کے ماہر نہ تھے، بلکہ جملہ علوم پر کامل دسترس کے ساتھ ولی کامل اور قطب الاقطاب تھے۔ اپنے وقت کے قطب کی بارگاہ میں آپ نے علمی عروج وارتقا کے ساتھ روحانی ترقی بھی کی۔ اسی ولی کامل کے فیض کا نتیجہ ہے کہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، افتاء نویسی، مناظرے، پند ونصائح کی مشغولیت کے باوجود ریاضت ومجاہدے کے لئے وقت نکالتے۔

اس قدر اشتغال وانہماک کے بعد بھی آپ کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی۔ ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ صرف نماز ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اوراد ووظائف اور ذکر واذکار میں مشغول رہتے۔ ملک العلماء میں خشیت الٰہی بہت زیادہ تھی۔ آ

نے کبھی عبادت الٰہی میں کوتاہی نہیں کی۔ پنج وقتہ نماز کے علاوہ اشراق، چاشت، تہجد ونوافل بھی پابندی سے ادا کرتے رہے۔ اوراد وظائف میں بھی مشغول رہتے۔ تصنیف وتالیف، درس وتدریس کے بعد آپ کا وقت عبادت وریاضت میں گزرتا۔ ملک العلماء علیہ الرحمہ کا معمول تھا، کہ صبح صادق سے بہت پہلے بیدار ہوتے ضرورت سے فراغت کے بعد وضو کر کے نماز تہجد ادا کرتے۔ فجر کے وقت تک وظائف میں مشغول رہتے، اذان فجر ہوتی نماز فجر ادا کرتے اور گھر والوں کو بھی نماز کے لئے بیدار کرتے۔ فجر کی نماز کے بعد اوراد میں مشغول ہو جاتے۔

ملک العلماء علیہ الرحمہ امام اہلسنت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد اور خلیفہ تھے۔ آپ کو اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے ولدی الاعز سے خطاب فرمایا ہے۔ آپ اعلیٰحضرت کے مقربین میں تھے۔ آپ کے پاس وظیفہ کی ایک مجلد چھوٹے سائز کی ضخیم کتاب تھی۔ جس میں صرف اوراد وظائف اور ادعیہ ماثورہ ہی تھیں۔ اس کتاب کے شروع میں سیدنا سرکار اعلیٰحضرت کے دست مبارک سے لکھی ہوئی تھی۔ جس میں اعلیٰحضرت نے اوراد وظائف کی عظمت وفضیلت اور اس کے آداب پر مشتمل بطور تمہید اس پر عربی میں تحریر مرقوم کی تھی۔ ملک العلماء علیہ الرحمہ سفر وحضر ہر جگہ اس کتاب کو اپنے ساتھ رکھتے اور پابندی کے ساتھ روزانہ اس کو پڑھا کرتے۔ اس کتاب میں الوظیفۃ الکریمہ بھی شامل تھا۔ ملک العلماء کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے سلسلۂ قادریہ کے تمام عملیات کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر سلاسل سے بھی اجازت حاصل تھی۔ مگر آپ صرف سلسلۂ قادریہ ہی کے اوراد ووظائف پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے روزانہ کا معمول تھا، نماز فجر کے بعد نماز اشراق تک وظیفہ میں مشغول رہتے نماز اشراق ادا کرنے کے بعد ناشتہ تناول فرماتے۔ چائے نوشی وغیرہ کے بعد مدرسہ شمس الہدیٰ میں تشریف لاتے اور درس وتدریس میں مشغول ہو جاتے۔ ظہر کی نماز نوری مسجد میں پابندی سے ادا کرتے۔ اپنے دولت کدہ ''ظفر منزل'' شاہ گنج تشریف لاتے۔ ''ظفر منزل'' میں اہل وعیال کے ساتھ قیام فرماتے۔ آپ کی عبادت وریاضت تصنیف وتالیف کے لئے ایک کمرہ مخصوص تھا۔ اس میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ملاقاتیوں کے لئے الگ روم تھا۔ جب بھی کوئی ملنے والا آتا اسے نیچے مہمان خانے میں بٹھایا جاتا۔ آپ کو خبر دی جاتی، آپ نیچے تشریف لاتے۔ اس مہمان خانہ میں حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمۃ والرضوان بھی تشریف لا چکے ہیں۔ ملک العلماء اپنے مخصوص کمرہ میں تشریف رکھتے اور اس میں تصنیف وتالیف، نماز، ذکر، اذکار اور تلاوت کلام مقدس کرتے۔

ملک العلماء کی پوری زندگی عبادت وریاضت میں گذری ہے۔ آپ نے اپنی عمر کے کسی حصے کو فضولیات میں نہیں گذارا۔ آخرت کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پابند تھے۔ آپ کی کوشش یہ رہتی کہ کوئی بھی سنت ترک نہ ہونے پائے۔ آپ کی خشیت اور تقویٰ کا یہ عالم تھا، کہ کھانا کا وقت ہوتا دسترخوان پر کھانا چن دیا جاتا۔ آپ کو آواز دی جاتی آواز سنتے ہی تمام ضروریات کو چھوڑ کر فوراً دسترخوان پر تشریف لے آتے اور کھانا تناول فرمانے لگتے۔ ارشاد فرماتے انسان کے لئے مناسب نہیں، کہ رزق الٰہی اس کا انتظار کرے بلکہ رزق کا انتظار انسان کو کرنا چاہئے، مجھے گوارا نہیں کہ رزق خدا دسترخوان پر موجود ہو اور میں اپنی ضروریات میں مشغول رہوں۔

ملک العلماء علیہ الرحمہ نے درس وتدریس کے ساتھ

فتویٰ نویسی، تالیف وتصنیف اور مواعظ حسنہ کا سلسلہ بھی آخری دم تک جاری رکھا۔ ملک طول وعرض میں وعظ نصیحت کی مجالس میں جاتے اور رشد وہدایت ارشاد فرماتے۔ آپ پٹنہ میں جب بھی موجود ہوتے پابندی سے جمعہ کی نماز ٹریننگ اسکول کی جامع مسجد مہندرو میں ادا کرتے، اور نماز جمعہ سے قبل مختصر مگر بلیغ خطبہ ارشاد فرماتے۔ مقتدی میں حنفی غیر حنفی ہر مکتبۂ فکر کے لوگ صرف آپ کے خطاب نایاب کی ساعت کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ قرآن واحادیث کی روشنی میں شرح وبسط کے ساتھ خطاب فرماتے۔ آپ کی تقریر دل پذیر کون کر کتنے بدعقیدوں نے اپنی بدعقیدگی سے توبہ کی۔

۱۹۴۷ء کے قبل تک ہر اتوار کو مغرب کی نماز کے بعد حکومت بہار کے مسلم افسران اپنے اپنے گورنمنٹی بنگلہ پر سلسلہ وار قرآن کی مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔ جس میں آئی، اے، ایس افسران اور مختلف محکمہ جات کے سربراہ بھی خصوصی طور پر شرکت فرماتے۔ یہ مسلم افسران مختلف مکتبۂ فکر کے ہوتے۔ قرآن پاک کے درس سے قبل تمام افسران باضابطہ قرآن پاک کے مختلف تراجم وتفاسیر کا گہرہ مطالعہ کر کے آتے اور اپنے مسلک کی کتابیں بھی ساتھ لاتے اور ایک بڑے ہال میں دائرہ نما فرش پر بیٹھ جاتے اور ہر ایک اپنے سامنے اپنا مترجم کلام پاک اور کتابیں رکھتے۔ مجلس کی ابتداء میں ملک العلماء علیہ الرحمہ قرآن مقدس کی آیتیں تلاوت فرماتے۔ پھر ترجمہ کے ساتھ اس کی تفسیر حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی بیان فرماتے۔ اس کے بعد ہر ایک افسر اعتراضات وسوالات باری باری کرتا اور حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ ہر ایک کا مدلل جواب عنایت فرماتے۔ یہ سلسلہ دیر رات تک چلتا رہتا۔ اخیر میں آپ کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوتا۔ اس کے بعد حاضرین کو پر تکلف عشائیہ بھی دیا جاتا۔ اس طرح ہر ایک افسر کو اس مجلس خیر کی منعقد کرنے کا موقع دیا جاتا۔ اگلی نشست کے لئے آپس میں طے کرتے اعلان کر دیا جاتا، کہ آئندہ اتوار کو فلاں افسر کے بنگلہ پر مجلس منعقد ہوگی۔ مسلم افسروں میں ایک اتر پردیش کے آئی، اے، ایس افسر قرنی صاحب تھے اور ایک پنجاب کے تھے، جو محکمہ مویشیات کے ڈائرکٹر تھے، پکے قادیانی تھے، یہ دونوں افسران مجلس درس قرآن میں پیش پیش رہتے۔

اس کے علاوہ ہر اتوار کی صبح دریاپور پٹنہ کی جامع مسجد میں درس قرآن دیا کرتے۔ جس میں شہر کی معزز اور مشہور ہستیاں افسران، دانشوران اور خصوصیت کے ساتھ وکلاء حضرات شامل ہوتے۔ درس کے بعد مسائل فقہیہ کے علاوہ میراث کے تعلق سے استفسار ہوتا اور آپ سبھوں کو تشفی بخش جواب عنایت فرماتے۔ آپ کی عبادت کے تعلق سے آپ کے صاحبزادہ حضرت مختار الدین آرزو فرماتے ہیں:

"ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے۔ اور بہت کمزور ہو گئے تھے، لیکن ان کی عبادت وریاضت نے کبھی کوئی کمی نہیں آئی نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق۔ زندگی کے آخری دن تک وہ علمی ودینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔ شب دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کو سپرد کی۔ (صحیح البہاری ص: ۱۰)

ملک العلماء علیہ الرحمہ کے عرس کے دن ادارۂ شرعیہ پٹنہ میں میلاد وقرآن خوانی کی مجلس منعقد ہوتی ہے۔ جس میں ادارۂ شرعیہ کے اراکین، اساتذۂ کرام، طلبۂ عظام اور شہر کے معززین شامل ہوتے ہیں اور بعد نماز عصر مزار شریف پر فاتحہ خوانی وچادر پوشی ہوتی ہے۔

☆☆☆

حضور ملک العلماء کی تقویٰ شعاری

از قلم: مفتی محمد عابد حسین قادری نوری، شیخ الحدیث جامعہ فیض العلوم، جمشید پور

بلندی کی حدوں کو روندتا ہے متقی ہو کر
فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے انساں آدمی ہو کر

ایک بزرگ نے فرمایا ہے، سعادت جاودانی و نیک بختی دو جہاں کا دروازہ تقویٰ ہے۔ جتنی منزلیں عالم لا الہ الا اللہ میں آراستہ کی گئی ہے اور جتنے درجے جنت الفردوس میں بنائے گئے ہیں۔ سب کے سب متقیوں کے لئے سجائے گئے ہیں اور انہیں کے ناموں سے وہ نامزد ہیں''۔

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر تقویٰ کا ذکر آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بار بار تقویٰ کا حکم دیا۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔ یاایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدہ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدم) سے پیدا فرمایا کہیں فرمایا ہے''یا ایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ'' (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے) اور ایک جگہ فرمایا''یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم'' (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو اللہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کو درست فرما دے گا) اور کہیں فرماتا ہے ان اللہ یحب المتقین ''(یقیناً اللہ تقویٰ شعاروں کو محبوب رکھتا ہے)۔

جب بار ہا اللہ تعالیٰ بندے کو تقویٰ کی یاد دلا رہا ہے، تو اسی سے تقویٰ کی اہمیت وافادیت سمجھ لینا چاہئے اور ہر فرد بشر کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔

تقویٰ کے کئی معنی آتے ہیں۔ خوف کرنا، ڈرنا، پرہیز گاری اختیار کرنا اور خوف کی چیزوں سے بچنا۔

(۱) اور عرف شرع میں ممنوعات اور گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا''متقی وہ ہے جو شرک، کبائر اور فواحش سے بچے۔

(۲) بعض کا قول یہ ہے:۔ معصیت پر اصرار اور اطاعت پر غرور کا ترک تقویٰ ہے۔

(۳) بعض کا قول یہ ہے:۔ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کا نام ہے

(۴) اور ایک قول ہے:۔ تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا۔

ان معانی میں کوئی تضاد نہیں سب ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ ان تمام کا محصل یہ ہے، کہ اللہ کا ڈر دل میں بسا کر اس کی نافرمانی اور گناہوں سے بچے، اس کے اور اس کے رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام و شرائع کو بجالانے کا نام تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔ تقویٰ ایک خاص صفت ہے۔ جو توفیق الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اس صفت سے متصف ہونے کے بعد انسان تمام گناہوں سے بچکر فلاح وبہبود سے ہمکنار اور ہادی ومہدی بن جاتا ہے۔ یعنی وہ خود اللہ تعالیٰ کی عنایت و ہدایت سے ہدایت یافتہ

اور دوسروں کو ہدایت کی راہ پر گامزن کرنے والا ہوجاتا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت بہت ممتاز اور قد آور معلوم ہوتی ہے۔ آٹھ سال بریلی شریف کے قیام کا ہو یا پانچ سال سہسرام کا، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ہو خواہ جامعہ لطیفیہ کٹیہار، مدرسہ حنفیہ آرہ ہو یا ظفر منزل پٹنہ کے قیام کا دور، آپ جس مقام پہ تشریف فرما ہوں، یہ نہیں کہا جاسکتا ہے، کہ احکام شریعت کی ادائیگی میں کوئی کمی کی اور فتویٰ یا تقویٰ کے خلاف کیا ہو۔ آپ جہاں کہیں بھی رہے، عبادت و ریاضت کو اپنے لئے حرزِ جان وایمان سمجھتے رہے اور کبائر و فواحش سے احتراز کرتے ہوئے فرائض وواجبات اور سنن کے پابند رہے، جادۂ شریعت پر قائم ودائم رہے۔ اور کسی طرح اپنے معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دیا، خشیت الٰہی سے آپ کا دل لرزاں اور ترساں رہتا تھا۔ حتیٰ کہ آخری دم تک اسی پر ثابت قدم رہے۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت ذیل کے اقتباس سے بھی ہوتا ہے۔ آپ کے شہزادے ڈاکٹر مختار الدین آرزو رقمطراز ہیں:

"ملک العلماء عرصہ سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے۔ اور بہت کمزور ہوگئے تھے۔ لیکن ان کی عبادت و ریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی، نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق، زندگی کے آخری دن تک وہ علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔ (مقدمہ صحیح البہاری صفحہ ۱۰ از پروفیسر مختار الدین)

اس طرح تقویٰ کے تمام معنی آپ پر بالکل فٹ آتے ہیں، خواہ خوف الٰہی دل میں بسانے کا معنی ہو یا خوف کی چیزوں سے بچنے کا، کبائر و فواحش سے پرہیزگاری کا معاملہ ہو یا اتباع رسول واتباع صحابہ کا، معصیت پر اصرار اور طاعت پر غرور کے ترک کا معنی ہو یا حرام چیزوں کے ترک اور فرائض کی ادئیگی کا، ہر اعتبار سے آپ تقویٰ سے مزین وآراستہ تھے۔

حضور ملک العلماء متقی ہونے کی حیثیت سے:۔

حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز کی حیات طیبہ پر ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ تقویٰ کے اعلیٰ منزل اور اونچی سطح پر فائز ہیں۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہدایت سے صرف زبردست عالم وفاضل، اخلاق وکردار کے پیکر، مایہ ناز واعظ ومفتی، پچاسوں کتابوں کے مصنف نہ تھے، بلکہ وہ سراپا مہدی تھے۔ وہ رب کی نوازشات سے ہدایت یافتہ تھے اور شک نہیں کہ جو ہدایت یافتہ اور صراط مستقیم پر گامزن ہوگا وہ متقی ہوگا۔ آپ کی تقویٰ شعاری کی شہادت ہمہ وشما نے نہیں دی، وقت کے مجدد اعظم نے دی ہے، جو سخت محتاط تھے اور بہت ہی سوچ سمجھ کر کسی کو القاب وخطاب سے نوازتے تھے۔ اس ذات ستودہ صفات نے آپ کو مہدی (یعنی ہدایت یافتہ) کا خطاب دیا ہے۔ یہ نہ صرف ہدایت یافتہ، بلکہ منارۂ ہدایت اور ہزاروں کو رشد وہدایت کی ڈگر پر کھڑا کرنے والا فرماتا ہے۔

مجدد اعظم فاضل بریلوی قدس سرہ نے اپنی وفات سے بارہ سال قبل ۵ رشعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو (جبکہ حضور ملک العلماء ۲۵ رسال کے تھے) انجمن نعمانیہ لاہور کو ایک مکتوب لکھا تھا۔ جس میں ملک العلماء کی اور کئی خوبیوں کو جہاں شمار کیا، وہیں آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے "ہادی مہدی" ۳۲ (مکاتیب ملک العلماء) وقت کے اتنے عظیم محقق اور نقاد کا جو ایک لفظ فضول اور بے جا القاب وخطاب میں مبالغہ آرائی کا قائل نہ تھا، ہادی اور مہدی جیسے القاب سے نوازنا بلاشبہ ملک العلماء کے تقویٰ وطہارت اور فضل وکمال کا بین ثبوت ہے۔

آپ کا تقویٰ ثبات علی السنۃ کی جہت سے:۔

تقویٰ کے لئے ضروری ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر ثابت اور پابند رہے۔ بغیر سنت رسول اور اسوۂ حسنہ کے اپنائے ہوئے کوئی متقی نہیں بن سکتا۔ استقامت فی الدین اور ثبات علی السنہ حاصل ہوتا ہے تب کہیں جا کر انسان متقی کہلاتا ہے۔

حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ جہاں علم وفن کے بحر ذخار، متبحر عالم، بلند پایا فقیہ، ماہر مفتی اور بے شمار کتابوں کے مصنف تھے، وہیں آپ کو فرائض وواجبات پر مداومت کے ساتھ سنتوں پر ثبات واستقامت حاصل تھی۔ سیدنا اعلیٰحضرت قدس سرہ ایک دوسرے مکتوب میں آپ کو نوازتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنہ ہے''

سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی عنہ المولیٰ نے حضرت ممدوح کو ایک خط میں ''حامی السنہ ماحی الفتنہ بھی لکھا ہے یعنی سنت کی حمایت اور فتنوں کو مٹانے والا جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ملک العلماء سنت رسول پر عمل پیرا ہو کر تقویٰ کی اعلیٰ منزل کو چھو چکے تھے۔ کیونکہ سنتوں کی تبلیغ ودعوت اور اسکی حمایت وحفاظت کسی سے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس سے خود ہی سنتوں پر ثبات اور استقامت حاصل نہ ہو۔

ثبات علی النوافل کی جہت سے:۔

ملک العلماء قدس سرہ نوافل پر بھی مداومت اور التزام برتتے تھے۔ سنت نمازیں ہوں یا سنت روزے ہر ایک کو دوام کے ساتھ عمل میں تو لاتے ہی تھے، نوافل کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس باب میں وہ جمعرات وجمعہ کا بھی روزہ رکھتے تھے اور ایام بیض، یعنی ہر ماہ کی ۱۳/۱۴/۱۵/ تاریخ کے روزے پر بھی استقامت تھی۔ اہل خرد جانتے ہیں، کہ ان روزوں کی کی حیثیت مستحب ونوافل سے زیادہ نہیں۔ اس کے باوجود ان کی پابندی حضرت ملک العلماء کے کمال تقویٰ کی دلیل ہے۔ غالباً ان کے پیش نظر حدیث قدسی میں مذکور رب تبارک وتعالیٰ کا فرمان عالیشان تھا۔''وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ'' (میرا بندہ نوافل کے ذریعہ برابر قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں) پھر یہ حدیثیں بھی نظر میں ہونگی کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے! رمضان کے روزے اور ہر مہینے میں تین دن کے روزے سینے کی خرابی کو دور کرتے ہیں''۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''جس سے ہو سکے، ہر مہینے میں تین روزے رکھے، کہ ہر روزہ دس گناہ مٹاتا ہے اور گناہ سے ایسا پاک کر دیتا ہے، جیسا پانی کپڑے کو۔۔۔''

نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''جس نے چہار شنبہ وپنجشنبہ وجمعہ کو روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک مکان بنائے گا۔ جس کے باہر کا حصہ اندر سے دکھائی دیگا اور اندر کا حصہ باہر سے'' (بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۳۹/۱۴۰)

اب ہمارے اس دعوے کے ثبوت کے لئے ذیل کی شہادت ملاحظہ کیجئے:

۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱/ مئی ۱۹۹۹ء کو گرامی قدر جناب حافظ ضیاء الحق صاحب گیاوی جن کے والد گرامی حضرت سید عبد المنان صاحب مرحوم ہیں اور جن کے یہاں برابر حضرت ملک العلماء کا ورود مسعود ہوتا تھا، ایک نشست میں آپ نے راقم الحروف سے فرمایا:

''حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نماز اور دیگر فرائض کی

ادائیگی کے ساتھ ہر ماہ ۱۳/۱۴/۱۵/ تاریخ کو ضرور روزہ رکھتے تھے اور بہت سارے ایام میں جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھتے بھی دیکھا ہے۔"

عمامہ باندھنے کا التزام:

حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز کے تعلق سے یہ بات بھی ملحوظ نظر رکھنی چاہئے کہ جہاں آپ اور سنن ونوافل کے سخت پابند تھے، وہیں عمامہ جیسی سنت ادا کرنے میں بھی ممتاز نظر آتے ہیں۔ آج عوام تو کجا، خواص بھی عمامہ کی سنت سے غافل ہیں۔ اس کی فضیلتوں کو جانتے ہوئے بھی اپنے تکاسل وسستی سے اس پر عمل پیرا نہیں۔ جبکہ حدیث شریف سے ثابت ہے، کہ ایک جمعہ کی نماز عمامہ کے ساتھ پڑھنا بغیر عمامہ پڑھنے والی ستر نمازوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ وہی سید موصوف فرماتے ہیں:

"آپ کا چہرہ بہت وجیہہ اور پرکشش تھا۔ لمبا قد، گھنی ڈاڑھی، شیروانی اور علیگڑھی پائجامہ میں ہمیشہ ملبوس رہتے تھے۔ سر پر عمامہ ضرور باندھے ہوتے۔ آپ کا عمامہ موٹے کپڑے کا ہوتا تھا۔ رفتار میں سبک خرامی تھی۔ آپ کی یہ رفتار قرآن وحدیث کی پیروی میں تو تھی ہی، لیکن غالب یہ ہے کہ آپ نے سیکھا ہے، تو اپنے استاذ سیدنا اعلیٰحضرت قدس سرہ کے عمل سے۔ سیدنا اعلیٰحضرت عظیم البرکت کے چلنے کی کیفیت حضرت ملک العلماء خود ہی سید ایوب علی قادری کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ "(سیدنا اعلیٰحضرت کی) سبکِ خرامی کا یہ حال تھا کہ کبھی حضور کے چلنے میں پائے مبارک کی چاپ سننے میں نہ آئی۔ اکثر اوقات ایسا ہوا، کہ میں اور برادرم قناعت علی پھاٹک میں سہ دری کے اندر کام کر رہے تھے اور حضور پر نور کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لے آئے اور پورا صحن نشست گاہ طے فرما کر خود تقدیم سلام فرمائی، تب خبردار ہوئے۔ (حیات اعلیٰحضرت جلد اول ص ۲۷) اور ہاتھوں میں چھڑی لئے باوقار انداز میں خراماں چلتے"۔

ایک سوال کے جواب میں سید صاحب موصوف نے آپ کے اخلاق وکردار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: آپ کے اخلاق بہت اونچے اور بلند تھے۔ آواز بلند تھی۔ مگر کسی کو ڈانٹ پھٹکار کے لہجے میں تکلم نہیں فرماتے۔ مسلمانوں سے محبت واخلاص اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ایک خاص خوبی یہ تھی، کہ آپ متصلب سنی تھے اور کیوں نہ ہو کہ آپ سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے شاگرد تھے۔ بچوں کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ میرے بڑے بھائی سید بدرالدین صاحب مقیم لعل پاکستان سے بہت پیار کرتے تھے۔ کبھی کبھی محبت میں انہیں گود میں لے لیتے تھے"۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ:

"ملک العلماء ہم لوگوں کے مقابلے مالدار تھے، ان کی مالی حیثیت اچھی تھی۔ کیونکہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ان کی اچھی تنخواہ تھی اور ہم لوگوں کی مالی حیثیت اس وقت کمزور تھی۔ اس کے باوجود میرے یہاں بہت سادہ ہی کھانے پر اکتفا فرما لیتے۔ بلا تکلف سبزی۔ آلو کا بھرتا اور بھجیا بھی کھا لیتے تھے اور کبھی کسی طرح کا گلہ وشکوہ نہیں کرتے۔ دن میں چاول اور رات میں روٹی کھاتے تھے۔

حضور ملک العلماء کا تقویٰ جذبۂ ایثار کی جہت سے:

ایثار کے تعلق سے پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا ہے "ولم یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" (مسلمان اپنی جانوں کی نسبت دوسرے پر ایثار کرتے ہیں۔ اگر چہ انہیں تنگی ہو) یعنی ایثار کرنے والے اگر چہ کسی مخصوص چیز کے خود ضرورت مند ہوں۔ مگر اپنے نفس پر ایثار کرکے اسے اپنے مسلمان بھائی کو دے دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"لایومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه"(تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے، وہی اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کر لے) مطلب یہ ہے، کہ تقویٰ اور کمال ایمان اسی وقت حاصل ہوگا، جب آدمی اپنی پسند کو اپنے بھائیوں کے لئے قربان کردے، قربانی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ بھائی بھائی کے لئے، بیٹا ماں باپ کے لئے شاگرد استاذ کے لئے اور ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی بلکہ ہر انسان دوسرے انسان کے لئے جذبۂ ایثار رکھے، تب کہیں جا کر وہ مومن کامل اور متقی ہوگا۔

ایثار کے متعلق حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب "کشف المحجوب" میں حضرت ابوالحسن احمد نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"درویشوں کے لئے صحت فرض ہے اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ اور یہ کہ ہم نشیں کا دوسرے ہم نشیں کیلئے ایثار بھی فرض ہے ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ صحبت میں اپنے رفیق کے حق کی حفاظت رکھے اور اپنے حق سے اس کے حق کی خاطر دستبردار ہوجائے اور اپنے رفیق کو آرام وراحت پہونچانے میں خود تکلیف برداشت کرے اور اپنے آرام وراحت کو اس پر قربان کردے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی روح پر خرچ کرنے اور اپنی محبوب ومرغوب چیز سے دستکش ہونے سے زیادہ شدید چیز کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیوں کی کنجی سب سے زیادہ محبوب چیز خرچ کرنے کو بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔"لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون "(ہرگز ہرگز نہ پاؤ گے جب تک اپنی سب سے زیادہ محبوب چیز خرچ نہ کروگے) ایضاً ص ۲۸۲

ایثار کا معنی وحقیقت واضح ہوجانے کے بعد اس کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنی ہو، تو ایک لمحہ کے لئے یکسوئی کے ساتھ حضرت ملک العلماء کے حالات زندگی پر نظر ڈالئے پھر معلوم ہوجائیگا، کہ اسلامی اخوت اور مسلک وعقیدت کے رشتے کی بنیاد پر ایک عالم دین کی یاد میں ایثار وقربانی کا تحفہ نچھاور کرکے وہ تقویٰ اور کمال ایمان کی کس منزل سے ہم کنار ہوئے۔ اصل الفاظ سے محفوظ ہونے کے لئے واقعے کی تفصیل انہیں کی تحریر میں ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں:

"۱۳۳۴ھ کی سردی کا موسم ہے۔ میں ایک دن مراد پور چھینٹ دیکھنے کے لئے گیا۔ ایک دوکان پر سبز زمین پر بہترین چھینٹ نظر پڑی اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا تھان دیکھا، جو پڑیدار چھینٹ تھی۔ ان دونوں تھانوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوا، کہ اس کپڑے کا دولائی بنوائی جائے اور یہ بیل اس میں لگائی جائے، تو بہت ہی نفیس اور بہترین ہوگی، تو اس لئے مناسب ہے کہ بہتر ہی شخص کے لئے بنے اور میں نے ارادۂ مصمم کرلیا، کہ تیار کرکے اعلیٰحضرت کی خدمت میں بصیغۂ رجسٹر بپارسل روانہ کرادونگا۔ احباب نے کہا کہ استر کے لئے بیکرنگا ہی خرید لیجئے۔ میں نے اپنا قصد ظاہر کیا کہ اعلیٰحضرت کے لئے صندلی رنگ کا استر مناسب ہے۔ گفش ململ کر مراد پور (پٹنہ) ہی میں صندلی رنگنے کو دے دیا۔

الغرض جیسا میں چاہتا تھا، بہتر سے بہتر وہ دولائی سل کر تیار ہوئی۔ میں نے پارسل سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں روانہ کردی اور اس پر حضرت حسن میاں صاحب مرحوم مغفور کا یہ مصرعہ لکھادیا۔

سرکار میں یہ نظر محقر قبول ہو (حیات اعلیٰحضرت جلد اول ۵۸)

اگر ذہن پر بار نہ ہو، تو لگے ہاتھ ذرا سرکار اعلیٰحضرت کا ایثار زیب نظر کر لیجئے۔ ملک العلماء قدس سرہ واقعۂ بالا کے متصلاً ہی لکھتے ہیں:

جناب مولوی امجد رضا صاحب عرف ماموں میاں

صاحب قبلہ کا بیان ہے، کہ جس وقت وہ پارسل بریلی پہنچا، اس وقت میں بھی حاضر خدمت تھا۔ سیل و مہر جدا کرنے کے بعد پارسل کھولا گیا اور دولائی برآمد ہوئی اعلیٰ حضرت اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جتنے لوگ اس وقت کاشانۂ اقدس میں موجود تھے۔ سب نے بہت پسند کیا اور بہت تعریف کی اور واقعی وہ دولائی ہر حیثیت سے قابل تعریف تھی۔ اعلیٰحضرت نے سب کے اصرار سے اسے اوڑھا اور مسہری پر تشریف فرما ہوئے، کہ میری زبان سے بے اختیاری میں یہ فقرہ نکلا واقعی بہت عمدہ دولائی ہے، جوانوں کے لائق ہے۔ یہ سنتے ہی اعلیٰ حضرت نے وہ دولائی مجھے عطا فرمادی، کہ تم اسے اوڑھو حالانکہ میں نے اس غرض سے یہ نہیں جملہ کہا تھا۔ لیکن اعلیٰحضرت نے باصرار مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میری خوشی اسی میں ہے:۔ (حیات اعلیٰحضرت جلد اول ص ۵۸)

حضور ملک العلماء اور کثرت وظائف:۔

تقویٰ کے حصول میں واجبات وسنن کے بعد احادیث میں مروی اور قرآنی اوراد و وظائف کا خاص دخل ہے۔ جتنی دیر آدمی تلاوت قرآن اور وظائف میں مشغول رہتا ہے۔ یاد الٰہی میں مصروف اور گناہوں سے بچتا رہتا ہے، اس کی ترقی درجات ہوتی ہے، اس کے دل کو تازگی اور روح کو بالیدگی ملتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے "مثل الذین یذکر ربہ والذین لایذکر مثل الحی والمیت" (اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور ذکر سے غافل رہنے والے کی حالت زندہ اور مردہ کی سی ہے) یعنی ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر سے غافل رہنے والا مردہ۔ لہٰذا صحاح ستہ و دیگر کتب احادیث ان وظائف اور دعاؤں سے لبریز ہیں اور ان کے فضائل بھی وہیں مذکور ہیں۔ کوئی ہر نماز کے بعد پڑھنے کی، کوئی صبح و شام کی اور کوئی سوتے وقت بستر پر پہنچنے پر۔ ان سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ محبت الٰہی اور عشق رسول پیدا ہوتا، جو تقویٰ ہے پھر آدمی سلوک کی راہ طے کرتا اور رضائے مولیٰ اور جنت کا حقدار ہوتا ہے۔

تاریخی واقعات شواہد و گواہ ہیں کہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان عشق رسول میں سرشار شریعت مطہرہ کے سخت پابند، راہ سلوک کے مجاہد تصوف کے امام غزالی اور کثرت مشاغل کے باوجود قرآن وحدیث کے اوراد و وظائف میں منہمک رہنے والے عالم باعمل تھے۔

آپ کے لیل و نہار کے عینی شاہد ڈاکٹر آرزو تحریر فرماتے ہیں:

"وہ عالم باعمل تھے، شریعت کے سخت پابند، طریقت کی راہ کے مجاہد اور حب رسول میں سرشار، ان کی زندگی کا نظام الاوقات سخت منضبط تھا، انہوں نے اپنے اوقات اس طرح تقسیم کر رکھے تھے کہ گوں ناگوں مشغولیات کے باوجود ان کا خاصا وقت وظائف واوراد اور یاد الٰہی کے لئے مخصوص تھا" (مقدمہ صحیح البہاری)

کئی سال قبل حافظ سید ضیاء الحق صاحب گیاوی علیہ الرحمہ استاذ فیض العلوم جمشید پور نے ایک مجلس میں راقم سے فرمایا تھا:

"حضرت ملک العلماء سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور میرے والد گرامی سید مولانا عبد المنان صاحب مرحوم کے درمیان گہرے مراسم و روابط تھے۔ اس لحاظ سے میرے والد مرحوم کے پاس ان کا بہت آنا جانا تھا۔ حضرت موصوف مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس اول تھے اور بعد میں پرنسپل بھی ہوگئے۔ ہر جمعرات کو میرے یہاں پٹنہ سیٹی آجاتے تھے، جمعہ کو رہتے اور سنیچر کو مدرسہ جاتے۔ حضرت ملک العلماء نماز اور جماعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ امامت کبھی وہ کرتے اور کبھی میرے والد مرحوم۔ میں دیکھتا تھا کہ کھانا اور نماز عشاء سے فراغت

کے بعد حضرت ملک العلماء قدس سرہ اپنی آرام گاہ پر پہنچتے اور گھنٹوں قرآن شریف اور وظائف پڑھتے رہتے۔ سورۂ مزمل شریف، سورۂ یٰسین شریف وغیرھا اور کبھی دیگر وظائف واوراد۔ خیال ہیکہ ڈھائی سے تین گھنٹے تک پڑھتے ہوئے مثلاً دس بجے شروع کیا، تو ایک بجے رات کو پڑھنا موقوف کرتے تھے، اس کے بعد ہی سوتے۔

الوظیفۃ الکریمہ سے دلچسپی:۔

حضرت ملک العلماء کو عملیات اور وظائف سے عشق کی حد تک لگاؤ کے سبب رسالہ مبارکہ "الوظیفۃ الکریمہ" سے خاص دلچسپی تھی۔ "الوظیفۃ الکریمہ" قرآنی ادعیہ اور احادیث کے وظائف واعمال کا مجموعہ ہے، جنہیں سیدنا اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے جمع کیا ہے۔ اس کے سارے وظیفے آپ کے عمل میں رہے ہیں۔ ان اوراد ووظائف کی اجازت آپ نے حضرت ملک العلما قدس سرہ کو بھی دی تھی۔ حضرت ملک العلماء نے ان وظائف کو صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ "الدین النصح" کے تحت امت محمد یہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کے فیوض وبرکات سے متمتع اور مستفیض کرنا چاہتے تھے۔ اس کے متعدد نسخے منگوا کر لوگوں میں تقسیم کرتے رہتے تھے۔

اور اس کی اجازت دے کر پڑھنے کی تلقین فرماتے تاکہ عام مسلمان بھی تقویٰ وطہارت کی منزلیں طے کر سکیں۔ حضرت ملک العلماء قدس سرہ کو "الوظیفۃ الکریمہ" کے وظائف واعمال سے کس قدر محبت ووارفتگی تھی۔ اسکا اندازہ اس سے کیجئے کہ بارہا حضرت مولانا تقدس علی خاں رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان متوفی ۱۹۸۸ء کو خط لکھکر یاددہانی کراتے اور لاہور سے یہ رسالہ منگواتے تھے ان کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں۔

ابھی تک آپ نے "وظیفہ کریمہ" نہیں بھیجا۔ جس کی سخت ضرورت ہے، اسی کے ساتھ دو نسخے "النھی الاکید" اور ایک نسخہ "احسن الوعاء" اور چار نسخے "وظیفہ کریمہ" کے رجسٹری کرا کے بھیج دیجئے۔

اپ نے اپنے رسالہ مستطاب "تنویر المصابح عند حی علی الفلاح" کے اخیر میں نفع مسلمین کے لئے اس وظیفۂ کریمہ سے دعائیں منتخب فرما کر بھی چھپوائیں اور ان لفظوں میں سنی مسلمانوں کو اجازت دی:۔

فقیر حقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ المولیٰ اپنے سنی صحیح العقیدہ حنفی بھائیوں کو ان دعاؤں کے پڑھنے کی اجازت دیتا ہے "کما اجازنی شیخی ومرشدی قدس سرہ بسندہ المتصل المرفوع وھو حسبی ونعم الوکیل" (خاتمہ رسالہ تنویر المصباح)

دین خیر خواہی کا نام ہے (رواہ مسلم والبخاری فی کتاب الایمان) خاتمہ رسالہ تنویر المصباح عند حی علی الفلاح، شائع کردہ محمد صابر حسن خاں صابر فاروقی۔ مطبع جید برقی پریس دہلی ۱۹۵۱ء

وقت وفات وظیفۂ "اللہ"

حدیث شریف میں ہے کہ "انما العبرۃ بالخواتیم" اعتبار خاتمہ ہی کا ہے اور ایک دوسری حدیث میں "من کان آخر کلامہ لا الٰہ للہ دخل الجنۃ" (ابوداؤد شریف) یعنی موت کے وقت جس کا آخری کلام لا الٰہ الااللہ محمد رسول اللہ ہووہ جنت بلا داخل ہوگا۔

ان احادیث طیبہ کی روشنی میں بفضلہ تعالیٰ حضرت ملک العلماء قدس سرہ کا خاتمہ بھی اسی طرح یا الٰہی میں ہوا جس طرح ان

کی پوری حیات ذکر اللہ اور دیگر وظائف واوراد میں گزری۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو ارقام فرماتے ہیں:

''شب دوشنبہ ۱۹ر جمادالآخر ۱۳۸۲ھ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر ''اللہ اللہ'' کرتے انہوں نے اپنی جان جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہ ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔: (مقدمہ صحیح البہاری)

آپ کا تقویٰ اخلاص کی جہت سے:۔

عبادات کے مقبول ہونے کے لئے اخلاص سے مزین اور مخلص ہونا ضروری ہے۔ خلوص اور صدق نیت کے بغیر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ اخلاص کا معنی ہے محض رضائے الٰہی کے لئے عمل کرنا کسی کے دکھاوے کے لئے نہیں۔ حصول ثواب اور آخرت مطلوب ہو کسی بندے کی خوشنودی نہیں اس کی ضد ریا اور سمعہ ہے۔ ریا کا معنی ہی اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے دکھاوے اور نمائش کے لئے کام کرنا اور سمعہ کے معنی ہے دوسرے کو سنانے کے لئے ذکر و تلاوت وغیرہ عبادات کرنا، یعنی اس لئے عبادت کرنا تا کہ لوگ سنیں اور اچھا جانیں۔ یہ دونوں چیزیں بہت قبیح ہیں۔ ان کی وجہ سے عبادت کا ثواب نہیں ملتا، بلکہ الٹا گناہ سر پر عائد ہوتا ہے اور ایسا آدمی مستحق عذاب ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ریا کو چھوٹا شرک فرمایا ہے۔''الریاھو الشرک الاصغر'' اس کو شرک اس لئے فرمایا گیا کہ اللہ کی عبادت میں اسکی رضا طلبی کی بجائے غیر اللہ کی خوشنودی کو شریک کر لیا گیا۔

اور جب تک آدمی اپنے اندر سے اس شرک خفی یعنی ریا اور سمعہ نکال نہیں پھینکے گا، وہ خالص مخلص اور متقی نہیں ہو سکتا اور نہ اسے رضائے مولیٰ حاصل ہوگی۔ اس طرح کی لاکھ عبادت کرے۔ حقیقت ایمان اور توحید حقیقی کا مزہ نہیں پا سکتا۔ اس کے بر خلاف جوان خامیوں سے خود کو پاک اور بے داغ رکھتا ہے، وہ تقویٰ کی منزل پر فائز المرام ہوتا ہے۔ اسے رضائے مولیٰ اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کی آخرت سنور جاتی ہے۔ اسی شرک خفی یعنی ریا اور سمعہ سے اجتناب اور اخلاص سے متعلق حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''تو جان کہ اگرچہ یہ شرک ایمان کو نقصان نہیں پہونچاتا، مگر ایمان کی حقیقت اور ایمان کے فائدوں کو نقصان ضرور لاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے خالص سونا بھی سونا ہے اور وہ سونا جس میں ملاوٹ ہو۔ اس خالص سونے کے برابر نہیں ہو سکتا اور اس کی قیمت کم ہوگی اور حقیقت میں ایمان خداوند تعالیٰ کی توحید ہے اور توحید شرک کی ضد ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تک شرک نہیں اٹھ جائے گا، توحید نہیں حاصل ہو سکتی۔ جب شرک کی جڑ اکھڑ جائے گی، اپنی اصلی شکل میں توحید ظاہر ہوگی، اگر مقصود یہ ہے کہ ایمان اور توحید اصلی صورت میں سامنے آئے، تو جتنی صورتیں شرک کی ہیں، ایک ایک کر کے نکال دو اور وہ آلودگی شرک خفی ہی ہے اور شرک خفی کے معنی خدا کے سوا دوسری شخصیت سے نفع اور نقصان دیکھنا ہے اور امید اور ڈر خدا کے سوا کسی دوسری ذات سے کرنا ہے اور لوگوں کی تعریف سے خوش ہونا اور اپنی مذمت اور برائی سن کر رنجیدہ ہونا یہ سب شرک خفی میں داخل ہے۔ (مکتوبات صدی ۱۰۰ المکتوب)

حاصل کلام یہ کہ شرک خفی یعنی ریا کاری سے خود کو بچالے نے کا نام اخلاص ہے اور بغیر اخلاص کے سارا عمل ناکام ہے۔ اور اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ عمل کیا جائے گا، تو تقویٰ شعاری آئیگی اور اس کا فاعل صاحب تقویٰ وطہارت ہوگا۔

حضرت ملک العلما قدس سرہ اخلاص وللّٰہیت کے پیکر

تھے۔ آپ کا جو بھی قدم اٹھتا رضائے الٰہی اور طلب ثواب کے لئے اٹھتا تھا، آپ کے لیل ونہار آخرت کے سنوارنے میں گزرتے تھے، آپ کا کوئی کام ریا و تفاخر کے طور پر نہیں تھا۔

مجدد اعظم فاضل بریلوی قدس سرہ حضرت ملک العلما کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ''

(مکتوبات امام اہلسنت مشمولہ حیات اعلیٰحضرت ص ۲۴۴)

گو کہ ملک العلماء کے مخلص ہونے کے اثبات میں یہ جملہ مختصر ہے۔ مگر اپنے اندر کافی وسعت جامعیت لئے ہوئے ہے البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ مخلص ہونے کی جہت سے حضرت ملک العلماء کا تقویٰ جاننے کے لئے مجدد اعظم قدس سرہ کے اس فرمان عظمت نشان کے بعد کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں، کیونکہ مجدد اعظم خود سراپا مخلص اور کمال حزم واتقاء والے تھے اور اپنے خلفاء اور تلامذہ کو بھی تقویٰ اور طہارت کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔ وہ تقریروں میں نہ خود طلب نذرانہ کے کے قائل تھے اور نہ ہی اپنے شاگردوں کو اس روش پر چلتے دیکھنا چاہتے تھے، بلکہ وہ اپنے خلفاء تلامذہ اور عقیدت مندوں کو وصیت کرتے تھے۔ حاشا اللہ تبلیغ دین میں نذرانہ اور کسی دنیاوی منفعت کی امید ہو، تو کجا اس کا وہم وخیال بھی دل میں نہ ملایا جائے، محض خوشنودی مولیٰ اور دعوت و تبلیغ دین ونفع مسلمین کی نیت رکھی جائے۔ مجدد اعظم جیسا استاذ صدیوں سے دنیا نے نہ دیکھا، نہ ویسا مرشد کامل ان کے عصر میں پایا گیا اور نہ اب کہیں پایا جاتا ہے۔ ان کی تربیت کا انداز بڑا نرالا تھا، لمحے میں ایک جملے سے دلوں میں انقلاب پیدا کر دیتے تھے اور دنیا کی محبت دل سے نکال کر دین کی ڈگر پر لا کھڑا کر دیتے تھے۔ مشہور ہے کہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت قدس سرہٗ حکمت کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے اور طب یونانی کا مطب چلاتے تھے۔ جس میں صبح اٹھتے ہی مریضوں کا قارورا (پیشاب) دیکھنا ہوتا ہے حافظ احادیث حضرت محدث سورتی قدس سرہٗ العزیز کے حکم پر حاضر بارگاہ رضا ہوئے، تو مجدد اعظم نے صرف اتنا فرمایا ''حکمت کے پیشے میں صبح اٹھتے ہی قارورے پر نظر پڑتی ہے'' پھر کیا تھا، دل کی دنیا زیروزبر ہوگئی شعور وآگہی آگئی، کہ واقعی صبح اٹھتے ہی اللہ اور رسول جل وعلا ﷺ کے کلام وحدیث سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے بجائے ایک ناپاک چیز کی رویت سے آنکھوں کو آلودہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں اور فوراً پیشۂ حکمت وطب چھوڑ کر تقویٰ وطہارت کی مطب میں چلے آئے اور اسی مطب کے ساتھ ایسا جڑ گئے، کہ روح کے قفس عنصری سے پرواز کرنے کے بعد ہی فرصت ملی۔

اس مجدد اعظم نے حضور ملک العلماء قدس سرہ کو ایک دولحہ نہیں اپنی حیات کے بیس سال تک تربیت وتعلیم میں رکھا ۱۳۲۱ھ سے لیکر ۱۳۲۹ھ نو سال تک بریلی شریف میں اپنے سایۂ عاطفت میں رکھ کر پھر ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۰ھ تک جہاں بھی بھیجا مکتوبات اور دیگر ذرائع سے رابطہ بحال رکھا اور تعلیم وتربیت فرماتے رہے۔

جو وقت کا امام خود سراپا اخلاص ہو اور جس کی نگاہ کیمیا ساز لمحوں میں انقلاب برپا کرنے والی ہو۔ اس نے اپنے شاگرد اور مسترشد کو کس طرح اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وطہارت کے سانچے میں ڈھالا ہوگا اور سلوک کے کتنے مراتب طے کرائے ہوں گے۔ اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جب امام اہلسنت کی دوسروں پر نوازشات کا یہ عالم ہے، کہ کسی کو صدر الافاضل بنایا، کسی کو فقیہ اعظم، کسی کو مبلغ اعظم اور کسی کو برہان الملہ کہکر پکارتے تھے اور جسے انہوں نے اپنے مکتوبات میں ''جان پدر بلکہ از جان بہتر

وولدی وقرۃ عینی برادر دینی ویقینی، ولدی اعزک اللہ فی الدنیا والدین، حبیبی وولدی وقرۃ عینی" جیسے محبت آمیز، فکر انگیز اور بلند القاب وخطابات سے نوازا۔ وہ کس بلند رتبہ پر فائز ہوگا۔

ان تمام کے باوجود وقت کا عجیب المیہ اور افسوس وماتم کا مقام ہے۔ ایشیاء کا اتنا عظیم محقق جو علم وفن کا ہمالہ تھا، جس نے سو سے زیادہ محققانہ وفاضلانہ کتاب لکھ کر وقت کے تقاضے کو پورا کیا۔ کئی ایک دینی مراکز کو پروان چڑھایا، ہادی ومہدی کا خطاب پاکر ہزاروں گم کشتگان راہ کو رشد وہدیت کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا علم وفضل سے آراستہ ہوکر شاگردوں کی زبردست ٹیم عالم میں پھیلا دی، حزم واتقاء کے سانچے میں ڈھال کر تقوئی وپرہیز گاری کے انمٹ نقوش چھوڑے اور یادگار اعلیحضرت بن کر لاکھوں انسانوں کو اہلسنت وجماعت کی لڑی میں پرو دیا، اس کے وصال کو آج چالیس سال ہوگئے۔ مگر ابتک ان کی حیات پر کوئی کتاب نہ لکھی، جاسکی نہ ہی ان کی زبردست خدمات پر کسی ادارے میں تحقیقی کام ہوا۔

شاید اس لئے کہ وہ دنیادار نہیں دیندار تھے، بے علم نہیں علم کے بحر ذخار تھے، بدمذہب نہیں، حنفیت وسنیت کے علم بردار اور میدان مناظرہ کے شہسوار تھے اور بہار کی زمین بزرگوں، صوفیاء اور علما کی یاد منانے میں بہت سنگلاخ اور خوشک واقع ہوئی۔ اگر اتنی عظیم قد آور شخصیت کسی دوسرے خطہ ارض میں ہوتی، تو تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا اور اب تک اس کے تعلق سے ہزاروں صفحات سیاہ ہو چکے ہوتے۔

یہ ستم ظریفی صرف حضور ملک العلما کی ذات کے ساتھ خاص نہیں، مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بارہویں صدی کے مجدد حضرت قاضی محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ بھی ہوئی۔ انہوں نے دین کے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی حیات طیبہ پر کچھ بھی کام نہ ہوا۔ خدا جماعت کے دردمندوں کو جذبۂ اخلاص عطا فرمائے۔

☆☆☆

"مخلص ہونے کی جہت سے حضرت ملک العلماء کا تقویٰ جاننے کے لئے مجدد اعظم قدس سرہ کے اس فرمان عظمت نشان کے بعد کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں، کیونکہ مجدداعظم خود سراپا مخلص اور کمال حزم واتقاء والے تھے اور اپنے خلفاء اورتلامذہ کو بھی تقویٰاور طہارت کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے .وہ تقریروں میں نہ خود طلب نذرانہ کے کے قائل تھے اور نہ ھی اپنے شاگردوں کو اس روش پر چلتے دیکھنا چاہتے تھے." (مفتی محمد عابد حسین نوری)

حضرت ملک العلماء کی دو کرامتیں

از قلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

امام احمد رضا کی شخصیت کے نت نئے رنگ ہیں۔ ہر رنگ اپنی جگہ شوخ رنگ ہے۔ان کی زندگی کا ایک رنگ صوفیانہ رنگ بھی ہے۔حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی ایک قلمی کتاب میرے پلندۂ نوادرات میں ہے۔اس کتاب پر جگہ جگہ امام احمد رضا کا حاشیہ ہے۔مارہرہ مطہرہ کے تمام معمولات و مجربات پر ان کا عمل تھا۔خود بریلی میں بارہا اور سفر جبل پور کے دوران ایک بار ان سے ایسا عمل دیکھا گیا کہ لوگ حیران رہ گئے۔یہ سب امام احمد رضا کی حیات کے صوفیانہ پہلو ہیں۔

حضرت ملک العلما کو امام احمد رضا نے صرف علوم حدیث وتفسیر،فنون ہیئت وریاضی ہی نہیں پڑھائے،عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ جیسی امہات کتب تصوف بھی سبقاسبقا پڑھائی اور تصوف و سلوک،عرفان وتذکیر کی عمل تربیت بھی دی۔امام احمد رضا نے اپنے اس جوہر قابل شاگرد کو علم سفینہ سے بھی سنوارا ہے،علم سینہ سے بھی نوازا ہے۔مکتب کی کرامت،نظر کا فیضان،صحبت کا اثر،مشاہدۂ لیل ونہار،سفر وحضر،جلوت وخلوت،روز وشب،صبح وشام بہر گام بہر طور حضرت ملک العلما کی تراش خراش کی گئی۔قالب کی آزمائش بھی ہوگئی،قلب کی زیبائش بھی،تا آں کہ حضرت ملک العلما اسرار تصوف ،رموز معرفت کے شناور بھی ہوگئے۔یہ اور بات ہے،علما کے صوفیانہ رنگ پر عالمانہ رنگ کا غلبہ رہتا ہے اور وہ رازدار طریقت سے زیادہ رازدار شریعت سے مشہور ہوتے ہیں۔

حضرت ملک العلما کی اجلی سیرت کا مطالعہ ہمیں اس یقینی منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ وہ ہر منزل کے منزل آشنا تھے۔بحر شریعت ہو یا بحر طریقت،دونوں کے غواص وتیراک تھے۔ان کے وظائف واوراد کی کئی بیاضیں جو میری نظر سے گزری ہیں۔جس میں خود امام احمد رضا کے قلم سے لکھے گئے وظائف واوراد اور معمولات ومجربات درج ہیں،وہیں اور دیگر صوفیا ومشائخ کی تحریریں موجود ہیں اور حضرت ملک العلما کے جو تعلقات ومراسم دیگر خانقاہوں سے استوار تھے۔خود حضرت ملک العلما کے متعلقین ومسترشدین نے جو ان سے تصوف وطریقت کی باتیں پوچھی ہیں،وظائف ومعمولات کی اجازتیں لی ہیں۔اس سے ملک العلماء کا نکھرا ستھرا بلند مقام خوب واضح ہوتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے،حضرت ملک العلما کے پاس جو کچھ تھا،وہ سارا سرمایہ کل امام احمد رضا کی دین تھا۔جس کا اظہار حضرت ملک العلما کی کتاب حیات کے ہر ورق سے ہوتا ہے۔یہی وجہ تھی کہ خانقاہی حضرات جتنے ان سے متاثر،مرعوب،قریب تھے۔اوروں سے نہیں تھے۔خانقاہ برکاتیہ مارہرہ،خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ،خانقاہ رشیدیہ جونپور،پٹنہ واطراف پٹنہ کی ساری خانقاہوں کا رابطہ حضرت ملک العلما سے نہایت مستحکم تھا۔

حضرت ملک العلما اور خانقاہی روابط،یہ ایک مستقل موضوع ہے۔جو ایک مضمون نہیں بلکہ ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے۔یوں ہی ان کے مجموعہائے وظائف واوراد بھی مستقل ترتیب،طباعت،اشاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔یہاں تو صرف اجمالی اشارہ ہو رہا ہے۔اس موضوع سے

شغف رکھنے والے چاہیں، تو کام کریں۔ مواد فراہم کر دیا جائے گا۔

تحقیق کے میدان میں کشف و کرامت کا ذکر بھلے عجیب سا لگے، مگر شخصیت کا تعارف ہر زاویے سے کرا دینا یہ بھی تحقیق ہی کا ایک لازمہ ہے۔ کشف و کرامت کا صدور خدا والوں سے بعید از قیاس نہیں، بلکہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ جس پر عقلاً نقلاً شرعاً دلیلیں بصراحت موجود ہیں۔ حضرت ملک العلماء سے بھی دو ایسے واقعات منسوب ہیں، جو محض اتفاقات نہیں، شمار باب کرامت ہی میں کیا جائے گا۔ دونوں واقعات کے عینی شاہد ہیں، پیر طریقت حضرت شاہ محمد عطاء الرحمٰن علیہ الرحمہ اور دونوں کا تعلق قیام کٹیہار کے زمانہ سے ہے۔

ریاست بنگال ضلع مالدہ کی ایک بستی ہے چندی پور، جہاں ایک عظیم الشان اجلاس تھا۔ جس میں حضرت ملک العلما خصوصی خطیب تھے۔ پہلے دیہات کے جلسے صبح تک ہوا کرتے تھے۔ بلکہ دیہاتوں میں آج بھی ہوتے ہیں اور بڑی دھوم سے ہوتے ہیں۔ ان جلسوں کی رونق ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ رات ڈھلنے لگی، تو سہ پہر شب آپ کی باری آئی۔ کرسی خطابت پر تشریف فرما ہوئے، خطبہ پڑھا اور اپنی گفتگو کا ابھی آغاز ہی فرمایا تھا، کہ موسم کی بے وفائی شروع ہو گئی، گھٹائیں چھانے لگیں، بادل گرجنے لگے، ہوائیں تیز ہو گئیں، طوفانی جھکڑ چلنے لگے، یہ دیکھ کر انتظامیہ کمیٹی گھبرا گئی، سامعین درہم برہم، تتر بتر ہونے لگے۔ ایسی سنگین صورت حال میں حضرت ملک العلما ایمان ویقین کی پوری قوت سے یہ اعلان فرمایا۔ مسلمانو! آپ خدا پر بھروسہ رکھو، پنڈال کے اندر رہو ان شاء اللہ یہ برد و باران ہمیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ خدارا باہر نہ نکلو، باہر گئے تو مصیبت میں پڑ سکتے ہو۔ خدا کی شان دیکھئے، منبر، مجمع، شامیانے، قناطیں سب محفوظ رہیں۔ نہ پانی، نہ بارش، نہ ہوا، نہ طوفان نے کچھ بگاڑا، منبر و مجمع میں لوگ بحفاظت بیٹھے رہے، تقریر ہوتی رہی، جبکہ مجمع کے باہر بارش کا پانی جل تھل ہو گیا۔ جو لوگ پنڈال سے باہر نکلے تھے، برد و باراں اور طوفانی ہواؤں کے جھکڑ کی زد میں آ کر پھنس گئے۔ جب صبح جلسہ ختم ہوا تو لوگوں نے دیکھا جلسہ بدستور شان و شوکت سے اپنے اختتام کو پہنچا۔ جلسہ گاہ میں ایک قطرہ بارش نہیں۔ جو لوگ پنڈال کے اندر رہے محفوظ رہے۔ جب کہ جلسہ گاہ کے باہر پانی ہی پانی تھا، ندی نالے بہہ رہے تھے۔ جو لوگ پنڈال سے باہر ہو چکے تھے واقعی مصیبت سے دوچار ہو چکے تھے۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ملک العلما کی کھلی کرامت تھی، جو گاؤں اور اطراف کا ؤں میں پھیل گئی۔

دوسرا واقعہ راوی یہ بیان کرتے ہیں کہ شہر کٹیہار سے ذرا کچھ ایک بستی میں حضرت ملک العلما کے عقیدت مندوں نے دعوت کی۔ عقیدت مندوں نے گزارش کی تھی کہ حضور اپنے احباب، علما، طلبہ کے ساتھ تشریف لائیں۔ جن کی تعداد کم از کم دس ہو۔ جب وقت موعود آیا۔ میزبان لینے آئے۔ حضرت ملک العلما جب جانے لگے۔ تو چالیس پچاس آدمیوں کی ایک جمعیت حضرت ملک العلما کے ہمراہ ہو گئی۔ انتظام تو دس آدمیوں کا تھا آنے والے تین چار گنا تھے گھر والے یہ دیکھ کر ذرا پریشان سے نظر آئے۔ حضرت ملک العلما فوراً گھر والوں کی تشویش کو بھانپ گئے حضرت ملک العلما نے فرمایا، مجھے معلوم ہے دعوت دس آدمیوں کی ہے آنے والے کئی گنا ہیں، مگر آپ لوگ فکر نہ کریں۔ جو کچھ تیار ہے حاضر کیا جائے۔ الگ سے کچھ کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ لائیے، دسترخوان لگائیے۔ حکم کے مطابق دسترخوان چنا گیا ماحضر سامنے رکھا گیا۔ حضرت ملک العلما دیر تک زیرلب کچھ پڑھتے رہے اور پھر دسترخوان پہ جو کچھ موجود تھا اس پر دم کیا۔ پھر فرمایا، ہاں اب کھانا لگائیے اور کھائیے۔ راوی فرماتے ہیں، مہمان و میزبان، اندر باہر، عورت مرد، سب کھانا کھا لینے کے باوجود کھانا بچ گیا۔ لوگوں کا بیان تھا، دس آدمیوں کا کھانا پچاسوں کو پورا کیسے ہو گیا، یہی نہیں بلکہ بچ بھی گیا۔ یہ حضرت ملک العلماء کے وجود پاک کی برکت تھی، کرامت تھی، جو زبان زد عام ہو گئی۔

ان روایتوں سے یہ کہنا بجا نہ ہوگا، کہ امام احمد رضا نے ملک العلما کو پڑھایا بھی تھا، پلایا بھی تھا۔ تعلیم بھی دی تھی تربیت بھی کی تھی۔ جہاں علم کی تجربگاہ سے گزارا تھا وہیں عمل کی بھٹی میں بھی تپایا تھا۔ شریعت بھی سمجھائی تھی طریقت بھی بتائی تھی۔ روحانی قدروں کا رازدار بھی بنایا تھا۔ اس لئے حضرت ملک العلما جہاں علوم اعلیٰ حضرت کے مظہر اتم ہیں، وہیں اقدار تصوف وطریقت کے بھی علمبردار ہیں۔

یہ نکتہ انتہائی قابل توجہ ہے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ملک العلما کو خلافت واجازت اس وقت عطا فرمائی، جب ملک العلما کی عمر بائیس سال کی تھی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں ملک العلما اعلیٰ حضرت کے زیر تربیت آگئے تھے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں، کہ یہ اٹھارہ، بیس، بائیس، کی عمر بالکل نوجوانی اور شباب کی ہوتی ہے، اس عمر میں روحانی تربیت معمولی بات نہیں، یہی نہیں، بلکہ روحانیت کا امین بنا دیا۔ کتنا طالع آزما، بلند اقبال ہے وہ نوجوان، جن کے ظاہر و باطن کو چمکا دیا ہے وقت کے قطب الارشاد امام احمد رضا نے، یہ بریلی تھا، بائیس برس کی عمر تھی اور یہ کٹیہار ہے، حضرت ملک العلما کا بوڑھاپا ہے، بزرگی ہے۔ وہ تربیت تھی، یہ اس تربیت کا عملی مظاہرہ تھا۔ جس کم عمری میں ملک العلما کو اعلیٰ حضرت نے خلافت واجازت سے نوازا ہے، اعلیٰ حضرت کے خلفا میں شاید ہی اتنا کم سن خلیفہ دوسرا رہا ہو۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے، امام احمد رضا کی علمیت، روحانیت دونوں کی مکمل ترجمانی کی ہے حضرت ملک العلما نے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

یہ بات کس قدر دلچسپ ہے۔ امام احمد رضا کو جب خلافت واجازت ملی تھی تو اس وقت امام علام کی عمر بائیس ہی برس کی تھی اور جب امام احمد رضا نے اس جان پدر کو یہ دولت خلافت عطا فرمائی تو ان کے جان پدر کی عمر بھی بائیس برس ہی کی تھی۔ حضرت سید شاہ آل رسول احمدی نے اس وقت یہ فرمایا تھا: خدا جب مجھ سے پوچھے گا۔ میرے آل رسول، میرے لئے کیا لائے ہو تو میں احمد رضا کو پیش کردوں گا۔ اعلیٰ حضرت نے یہ تو نہیں فرمایا، کہ خدا نے اگر مجھ سے یہ سوال کیا تو میں محمد ظفرالدین کو پیش کردوں گا، مگر یہ ضرور فرمایا: جان پدر بلکہ از جان بہتر، اور بصد بار یہ ضرور فرمایا: ولدی، ولدی الاعز، برادر دینی ویقینی، ولدی وقرۃ عینی وغیرہ ہمیشہ بار بار فرماتے رہے۔ جب مرشد گرامی قدر یہ فرمائے، کہ یہ میرا بیٹا ہے، یہ جان سے زیادہ عزیز ہے، یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو اس مرید صادق، فدائے مرشد، شیدائے پیر، نثار مربی کی فنائیت، فدائیت، واریت، وللہیت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ اس کے رتبہ کی بلندی، اقبال کی ارجمندی، آخرت کی سرفرازی کا قد کیسے ناپا جاسکتا ہے۔ معاملہ جب اتنا اونچا ہے تو حضرت ملک العلما سے کشف وکرامات کے صادر ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

حضرت ملک العلما بچپن سے پاک طینت تھے۔ نیک سیرت تھے۔ سعادت شعار تھے۔ خوش اطوار تھے۔ بچپن میں جب تعلیم کی بات آئی، تو رشتہ داروں نے انگریزی تعلیم کی تجویز پیش کی تھی، کہ وہ دور ہی انگریزی تعلیم کی سیر کا تھا۔ مگر حضرت ملک العلما کے والد ماجد جو بزرگ صفت تھے، نے دینی تعلیم کی صف میں بٹھادیا۔ جس پر خود حضرت ملک العلما کو فخر تھا کہ انہیں دینی تعلیم دلوائی گئی۔ حضرت ملک العلما اس پر بھی نازاں تھے کہ عالم دین بنے، دین کی خدمت گار، دینداروں کی خدمت گزار بنے، پھر اللہ ان کو ایسا نوازا کہ دین، دنیا، مذہب، سماج، سیاست، فلسفہ، تاریخ، اخلاق، ہیئت، ریاضی، حدیث، فقہ، تصوف وطریقت، سائنس وروحانیت، عملیات، جدھر سے گذرے، حاملان جمائل و شمائل اور دانشوران زمانہ کو ورطۂ حیرت میں ڈالتے چلے گئے۔ امام احمد رضا سے حسن معذرت کے ساتھ ان کا یہ مصرع یہاں دوہرانا چاہوں گا۔

ع جس سمت آگئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں۔ ☆☆☆

امام احمد رضا اور ملک العلماء

ازقلم: حضرت سید صابر حسین شاہ بخاری، ناظم اعلیٰ ادارہ فروغ رضا برہان شریف، ضلع اٹک (پاکستان)

وہ بہرہ ورِ مکتب اعلیٰ حضرت — زہے یہ سعادت خوشا یہ فضیلت
وہ پروردہ فیض نگاہِ رضا کا — وہ لاریب سرمایۂ اہلِ سنّت
(طارق سلطان پوری)

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ عالم اسلام کی ایک ایسی یگانۂ روزگار ہستی ہے۔ جنہیں اپنے عہد میں ہمہ گیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ غالباً آپ کے معاصرین میں سے کسی کو اتنی شہرت حاصل نہ ہوسکی۔ آپ کے خلفاء و تلامذہ کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ تمام خلفاء و تلامذہ علم و عمل کے درخشاں آفتاب و ماہتاب ہیں۔ انہوں نے علمی، تدریسی، تبلیغی، تصنیفی، صحافتی اور سیاسی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی خدمات کے جائزے کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔ یہ ہستیاں شمع کی طرح جلیں اور چاندنی کی طرح پھیل گئیں۔ انہوں نے برصغیر کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں طوفان کا نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کیا، بلکہ روشنی کے مینار بن کر ناموس مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی پاسبانی کی کہ آنے والی نسلیں ان پر ہمیشہ ناز کرتی رہیں گی۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے تمام خلفاء و تلامذہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ہر ایک اپنی ذات میں ''انجمن'' سے کم نہیں ہیں۔ تمام کی خدمات قابل صد ستائش ہیں۔ ہر ایک کی اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے عقیدت و محبت اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ان پر شفقت اظہر من الشمس ہے۔

علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری رضوی علیہ الرحمہ اسی قافلۂ عشق و محبت کے ایک راہنما ہیں۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے خلفاء و تلامذہ میں آپ کا نام نہایت روشن اور نمایاں ہے۔ آپ گلستانِ سادات کے گل سرسید ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب متعدد واسطوں سے حضرت پیران پیر غوث الاعظم محی الدین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ ایک تبحر عالم، بہترین معلم، مایہ ناز خطیب، بیباک مبلغ اور نامور مصنف تھے۔ ستر سے زائد شاندار تصانیف آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ان میں ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری، حیات اعلیٰحضرت، اور مؤذن الاوقات، کو ہمیشہ شہرت عام حاصل رہی۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے خلفاء میں آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔

پیش نظر مقالے میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اور ان کے مرید صادق اور شاگرد رشید علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے خوشگوار تعلقات اور دلپذیر واقعات کو موضوع بنایا گیا ہے۔

کاشانۂ رضویہ پر حاضری اور قیام منظر اسلام:

حضور ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ نے ابتدائی کتب اپنے والد گرامی سید محمد عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ سے پڑھیں۔ دس برس کی عمر میں مدرسہ غوثیہ حنفیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں داخل ہوئے اور درسیات کی

متوسط کتابیں پڑھیں۔ پھر دار العلوم حنفیہ بخشی محلہ پٹنہ چلے گئے۔ یہاں شیخ المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ، صدر مدرس تھے۔ ان سے فیضیاب ہوئے۔ بعد ازاں کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری علیہ الرحمۃ سے معقول کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا شاہ عبید اللہ پنجابی سے بھی اکتساب کیا۔ شیخ المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ پٹنہ سے واپس آکر اپنے قائم کردہ مدرسۃ الحدیث میں درس دینے لگے تھے۔ وہاں ان سے درس حدیث کی سعادت حاصل کی۔ علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ اپنے درس کے دوران اپنے رفیق خاص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا ذکر خیر بار بار کرتے۔ علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ نے جب اپنے مشفق استاذ کی زبانی اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی شہرت سنی تو آپ کا اشتیاق بڑھا۔ آخر خوب سے خوب تر کی تلاش انہیں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی تک لے گئی۔ جن کے علم اور قلم کی طاقت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ پہلی ہی ملاقات میں بہت متاثر ہوئے۔

حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی دار الافتاء اور اپنی تصانیف میں اتنے منہمک رہتے تھے کہ آپ نے اس وقت تک کوئی باقاعدہ مدرسہ قائم نہیں کیا تھا۔ بس جہاں وقت ملتا، اپنے شاگردوں کو اہم کتابوں کا درس دے دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کوئی باقاعدہ مدرسہ قائم نہ ہوسکا۔ اس کمی کو علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری نے نہایت شدت سے محسوس کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے ہم وطن مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی بھی درس میں شریک تھے۔ آپ نے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ (فرزند اعلیٰ حضرت) سے اپنا خیال پیش کیا کہ یہاں کوئی باقاعدہ مدرسہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ مولانا سید حکیم امیر اللہ بریلوی علیہ الرحمۃ کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے اس موضوع پر گفتگو کے لئے آمادہ کیا گیا۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنی دینی مصروفیات کے باوجود مدرسے کے قیام کے لئے رضامندی کا اظہار فرمادیا۔ چنانچہ حضور ملک العلماء فاضل بہاری کی کوششوں سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء میں ایک مدرسہ قائم ہوا۔ جس کا تاریخی نام اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے منجھلے بھائی مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے "منظر اسلام" ۱۳۲۲ء رکھا۔ منظر اسلام بریلی شریف کے ابتدائی طالب علم بھی علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ اور ان کے ہم وطن دوست مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ تھے۔ اس مدرسے کے پہلے صدر مدرس مولانا بشیر احمد علی گڑھ علیہ الرحمۃ اور پہلے مہتمم مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ تھے۔ ملک العلماء نے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے بخاری شریف اور مسلم شریف از اول تا آخر پڑھیں۔ اس کے علاوہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی (مکمل) علم توقیت، علم جفر، اور علم تکسیر کی بھی تحصیل کی اور تصوف میں عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ بھی پڑھا۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں کثیر علماء کی موجودگی میں ملک العلماء دستار فضیلت اور سند فراغت سے ممتاز ہوئے۔ اور فارغ ہوتے ہی اس مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگے۔(۱)

بیعت وخلافت:

محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے حلقۂ بیعت میں ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان داخل ہوئے۔

تکمیل علوم کے بعد تمام سلاسل طریقت میں خلافت کا تاج سر رکھا گیا۔(۲)

آپ سے حد سے فزوں تھے مہربان احمد رضا
دی اجازت اور کی اپنی خلافت بھی عطا

حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنی زندگی میں اپنے پچاس خلفائے کرام کے ایک فہرست مرتب فرمائی جسے مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ ایڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی نے شائع کر دیا تھا۔ اس فہرست میں چوبیسویں نمبر پر آپ کا اسم گرامی اس کیفیت سے لکھا گیا۔

"جناب مولانا مولوی مفتی محمد ظفر الدین صاحب بہاری پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ سہسرام، عالم فاضل، کامل مفتی، مصنف، مدرس، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت، ملقب از جانب اعلیٰحضرت مدظلہ الاقدس بہ ولدی الاعز"۔ (۳)

حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے مختصر الفاظ میں حضور ملک العلماء کی تمام خصوصیات کا ذکر فرما دیا ہے۔ گویا سمندر کو کوزے میں بند فرما دیا ہے۔

حضور ملک العلماء کو بھی فیض قادریت پر انتہائی ناز ہے۔ اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر آپ خود لکھتے ہیں:۔

"اور پھر ان تمام نعمتوں پر مزید گویا سونے پہ سہاگہ یہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حاجی قاری حافظ شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کی بیعت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا جو شریعت مطہرہ وطریقت منورہ کی علمی عملی تصویر تھے جن کا ہر قول شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الٰہی کا اتباع، جنہوں نے بلاخوف لومت لائم مسائل شرعیہ واحکام فقہیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف وتصنیف، افتاء وتدریس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت ورہنمائی فرمائی"۔ (۴)

مسند افتاء پر جلوہ گری

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فتویٰ نویسی میں جو مہارت حاصل کی ہے۔ اس پر "فتاویٰ رضویہ" شاہد عادل ہے۔ فتاویٰ نویسی کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں سمجھتے۔ اپنے شاگرد رشید ملک العلماء فاضل بہاری کے نام ایک خط میں اظہار تشکر کے طور پر خود لکھتے ہیں:۔

"بحمدہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا، اگر سات دن اور بالخیر ہے، تو اسی شعبان ۱۳۳۹ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے، اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔ احباب سے گزارش ہے، کہ اس تاریخ کو جمع ہو کر درود مبارک جو حلقۂ جمعہ میں پڑھا جاتا ہے۔ خواہ کوئی اور درود سو سو بار پڑھیں اور مجلس میلاد مبارک منعقد کریں، تو بہتر اور رب عزوجل کی اس نعمت کا اعلان کریں، کہ قرآن عظیم میں اعلان نعمت کا حکم ہے اور حدیث میں فرمایا، اعلان نعمت شکر ہے۔ اور جو کاروائی فرمائیں، فقیر کو اطلاع بخشیں کہ دعائے خیر زائد کرے"۔ (۵)

یہ کس طرح ممکن تھا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے قابل فخر شاگرد اور لاڈلے خلیفہ ملک العلماء فتویٰ نویسی کی نعمت سے محروم رہتے۔ آپ کے فرزند ارجمند جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"ان کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی سے ہوا۔ جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاوے انہوں نے لکھے ان میں سے کچھ کی نقلیں

"نافع البشر فی فتاویٰ ظفر" میں موجود ہیں"۔(۶)

اعلیٰ حضرت نے انہیں فتویٰ نویسی سونپ دی
ان کو اپنے پاس رکھ کے التفات خاص کی

عہدۂ پیش کاری اور املاء وخطوط:

ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ نہ صرف فتویٰ نویسی میں اپنے پیرومرشد کے معین رہے بلکہ بیک وقت پیش کار بھی تھے۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی رقم طراز ہیں:

"امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ "رضوی دارالافتاء" کے نظم جدید کی رو سے ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ ۱۹۶۲ء امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے پیش کار ہوتے ان کا کام نماز عصر کے بعد باہر کی آئی ہوئی ڈاک پیش کرنا تھا، جن کا جواب امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ بولتے جاتے اور مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ لکھتے جاتے تھے۔ استناد کے موقع پر کتب فتاویٰ کی عبارتیں بھی امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ برجستہ ہی پڑھ دیتے، حالانکہ اس وقت کوئی کتاب بھی پاس نہ ہوتی تھی"۔(۷)

انعام واعزاز:

ملک العلماء کا پہلا فتویٰ دیکھتے ہی پیرومرشد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نہ صرف خوشی سے جھوم اٹھے، بلکہ اپنے لائق شاگرد کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے انعام بھی عطا فرمایا۔ اس کیفیت کو ملک العلماء کچھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰحضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز اس فتوے کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز (یعنی مولانا محمد نقی علی خان قدس سرہ العزیز) نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاءاللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اس اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں، غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ بول نہ سکا۔ اس لئے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیا تھا۔ اس لئے میں بھی اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے۔ جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا"۔(۸)

القاب وخطاب:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے خلفاء وتلامذہ کو ان کے مراتب کے پیش نظر اپنی طرف سے ایک خطاب عطا فرماتے تھے۔ جو نہایت مناسب وموزوں ہوتا تھا۔ بلکہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے لقب سے ملقب شخصیت کے اوصاف بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ میں علماء کے ایک بڑے مجمع میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی درخواست پہ چشتی مشرب کے مشہور بزرگ شیخ العالم حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولی قدس سرہ کی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہٗ نے ملک العلماء کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور سند تدریس وافتاء مرحمت فرمائی۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اسی سال آپ کی گوں ناگوں خصوصیات اور علمی

جلالت کی قدر کرتے ہوئے آپ کو "ملک العلماء، فاضل بہار" کا خطاب عطا فرمایا۔(۹)

تھوڑے ہی عرصے میں ان کے علم کی شہرت ہوئی
اعلیٰ حضرت کے یہاں ان کی بڑی وقعت ہوئی

محبت وشفقت :

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے محبوب خلیفہ اور نامور شاگرد ملک العلماء سے غایت درجہ شفقت والفت فرماتے تھے۔ انہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی اپنے لائق شاگرد وخلیفہ کے نام جو محبت نامہ روانہ فرماتے ہیں۔ ان میں ملک العلماء کو محبت آمیز انداز سے خطاب فرمایا ہے:

"حبیبی ولدی وقرۃ عینی مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری جعلہٗ اللہ کاسمہ ظفر الدین۔

ایک دوسرے خط کا آغاز ان القاب سے فرمایا:

"ولدی وزینی وقرۃ عینی برادر دینی ویقینی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب جعلہٗ اللہ کاسمہ ظفر الدین آمین"۔

ایک تیسرے خط میں فرمایا:

"ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدنیا والدین وجعلک کا سمک ظفر الدین آمین آمین آمین

ایک چوتھے خط میں فرمایا:۔

"جان پدر بلکہ از جان بہتر ولدی الاعز مولانا ظفر الدین جعلہٗ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین آمین۔(۱۰)

یہی نہیں بلکہ ہر خط کی ابتداء اعلیحضرت فاضل بریلوی نے نہایت خوبصورت القاب سے کی ہے۔ ملک العلماء خود فرماتے ہیں:

"میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضاء فرمائے۔ ان میں برابر "ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہٗ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین" سے شروع فرمایا۔ فتاویٰ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا ہے"۔(۱۱)

حضور اعلیحضرت فاضل بریلوی کی طرف سے ملک العلماء کو دئے گئے القاب سے اپنائیت، چاہت اور محبت کے ساتھ عزت اور قدر ومنزلت بھی اظہر من الشمس ہے۔ ملک العلماء کے لائق فرزند ارجمند جناب ڈاکٹر مختار الدین تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس ذات گرامی سے انہوں نے (حضرت ملک العلماء ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ) سب سے زیادہ علمی فیوض حاصل کئے وہ اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کی صحبت بابرکت میں وہ برسہا برس رہے اور جن سے یہ عزیزوں کی طرح ملتے رہے اور وہ خاندان کے بزرگوں کی طرح شفقت فرماتے رہے۔ ان دونوں کے گہرے تعلقات اور قلبی روابط کا اندازہ کچھ ان مکاتیب ومفاوضات سے ہو سکتا ہے۔ جو شفیق استاذ نے اپنے لائق شاگرد کو لکھے ہیں"۔(۱۲)

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور محبت وشفقت سے پیش آتے رہے۔ انہوں نے اپنے مریدوں اور شاگردوں پر نظر التفات رکھی۔ ملک العلماء پر بھی اعلیحضرت کی خاص نظر توجہ رہی۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"طالب علمی کے زمانے میں جب کبھی ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا تو عید الفطر کے دن جس طرح تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے مجھے اور دوسرے خاص طلبہ کو علی قدر مراتب تہواری عطا فرماتے۔

۱۳۲۵ھ میں حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں

صاحب علیہ الرحمۃ کے ہاں مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب سلمہٗ کی ولادت ہوئی۔ نہ صرف والدین اور اعلیٰ حضرت بلکہ تمام خاندان بلکہ متوسلین کو از حد خوشی ہوئی۔ اس خوشی میں منجملہ اور باتوں کے اعلیٰحضرت نے جملہ طلبائے مدرسہ اہل سنت و جماعت منظر اسلام کی ان کی خواہش کے مطابق دعوت فرمائی۔ اس وقت خاص عزیزوں مریدوں کے لئے جوڑا بھی تیار کیا گیا تھا۔ نہایت ہی مسرت سے لکھتا ہوں، کہ میں بھی انہی خاص لوگوں میں ہوں، جن کے لئے جوڑا بھی تیار کرایا گیا تھا۔ وہ کرتا پائجامہ جوتا ٹوپی تو اسی زمانے میں پہن لیا تھا۔ مگر انگرکھا بہت قیمتی کپڑے کا تھا۔ گاہے گاہے اس کو پہنا کرتا تھا۔ وہ بہت دنوں تک رہا۔ یہاں تک کہ چھوٹا ہو گیا تو اس کو تبرکاً رکھ دیا۔ بعدازاں یہ انگرکھا مخلص قدیم مولوی سید غیاث الدین صاحب چشتی ابوالعلائی رجھتی بہاری (ثم سہسرامی) کی نذر کر دیا۔ جو مجھ سے دبلے پتلے تھے اور ان کو ٹھیک آ گیا۔ ملخصاً۔(۱۳)

ملک العلماء فاضل بہاری کو بھی اپنے پیر و مرشد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے والہانہ محبت و عقیدت تھی۔ آپ ہمیشہ اپنے نام کے آگے قادری رضوی لکھنے کا التزام فرماتے اور اپنے پیر و مرشد کو بلند پایہ القاب سے یاد فرماتے تھے۔ اپنے پیر و مرشد سے آپ کا قلبی، ذاتی اور قلمی رابطہ باضابطہ تھا۔ فتاویٰ رضویہ کا آغاز ہی آپ کے ایک استفتاء کے جواب سے ہوتا ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے:

"بحر العلوم النقليه حبر الفنون العقليه مجدد المائة الحاضره متع الله المسلمين بطول بقائكم"۔

(علوم عقلیہ کے دریا، فنون نقلیہ کے ماہر موجودہ صدی کے مجدد اللہ تعالیٰ آپ کی عمر درازی سے مسلمانوں کو نفع عطا فرمائے)۔(۱۴)

ایک دوسرے استفتاء کا آغاز ان القاب سے فرماتے ہیں:

"بشرف ملاحظہ آقائے نعمت دریائے رحمت حضور پر نور" متع الله المسلمين بطول بقائكم "(۱۵)

"المجمل المعدد لتاليفات المجدد" کی ابتداء میں اپنے پیر و مرشد کو کچھ اس طرح یاد فرماتے ہیں:۔

"حضور پر نور صاحب تصانیف کثیرہ و تالیفات عزیزہ، عالم اہل سنت و جماعت، ماحی اہل بدعت و شناعت، مستغنی از القاب و اوصاف، مشہور اکناف و اطراف، مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ، ہادی و استاد مطلق، پیر و مرشد برحق اعلیٰحضرت جناب مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی قادری برکاتی چشتی سہروردی نقشبندی ادام الله بركاتهم بالدوام السرمدی"۔(۱۶)

پیر و مرشد نے اپنے لاڈلے خلیفہ اور شاگرد رشید کو جب تحفے میں جوڑا دیا، تو مرید و خلیفہ نے نہایت مسرت کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ اسی مرید و خلیفہ نے اپنے پیر و مرشد کی نذر ایک رضائی کی، تو آپ نے بھی اپنے پیارے ملک العلماء کے نام ایک خط میں اپنی مسرتوں کا اظہار یوں فرمایا:

"مولیٰ عزوجل آپ کو جزائے وافر عظیم عطا فرمائے۔ آپ کی رضائی بہت محل رضا میں کام آئی ہے۔ اس جاڑے میں جو رضائی یہاں بنی بھاری اور بہت روئی کی تھی، ایک ولایتی صابر قانع کو سخت ضرورت تھی، وہ ان کی نذر ہو گئی اور آپ کی مرسلہ رضائی میں نے اوڑھی۔ جزاكم خيراً جزاء كم كثيراً"۔(۱۷)

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے، کہ مرید صادق ہی اپنے شیخ کے تصور میں مستغرق رہتا ہے۔ لیکن یہاں شیخ کامل بھی اپنے لاڈلے مرید و خلیفہ کی یاد میں محو نظر آتے ہیں۔ ایک خط میں اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں:۔

''میں جن امور میں ہوں، اگر آپ کو تفصیل معلوم ہوتو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے۔ مگر آپ کی یاد، دل کے ساتھ ہے، جو عظیم ساعت میسر ہوئی محض عطیۂ الٰہی تھی۔ اس میں یہ نقوش تیار کئے جو مرسل ہیں''۔(۱۸)

عام طور پر مرید ہی اپنے پیر سے دعا کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پیر اور مرید کا کچھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ اعلیٰ حضرت بھی ملک العلماء سے دعا کراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شب برأت کی آمد پر آپ کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

''اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو و عافیت دارین کی دعا فرمائیں، فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے، کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے، نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو''۔(۱۹)

اولاد امجاد کے تاریخی نام:

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے خلفاء میں ملک العلماء علیہ الرحمہ وہ خوش نصیب خلیفہ ہیں کہ ان کی اکثر اولاد کے نام بھی پیر و مرشد کے تجویز فرمودہ ہیں:۔

''سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ۱۳۳۶ھ میں پنج شنبہ (جمعرات) کے روز امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ حجام سے خط بنوا رہے تھے اور میں قریب ہی تپائی پر بیٹھا تھا، مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری مدظلہٗ، صدر مدرس مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام کا خط بنام اعلیٰ حضرت آیا۔ حسب الارشاد میں نے پڑھ کر سنایا۔ خط میں ولادت فرزند کی بشارت کے ساتھ تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی۔ مجدد برحق رحمۃ اللہ علیہ نے سنتے ہی فرمایا کہ نام تو ''مختار الدین'' ہونا چاہئے، پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: دیکھئے سید صاحب! اس نام سے تاریخ بھی ہوگئی ہے یا نہیں؟ میں نے دیکھا تو عدد ۱۳۳۶ ہی نکلے اور یہی سنہ ولادت تھا۔(۲۰)

ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ اپنی بچیوں کے ناموں کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''۱۳۲۹ھ میں، میں شملہ جامع مسجد میں خطیب تھا کہ مکان سے خط آیا اور اس میں بڑی لڑکی کی پیدائش کی خوش خبری تھی۔ میں نے اس خط کو اور اس کے ساتھ ایک عریضہ لکھ کر بریلی شریف اعلیٰحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر کیا، جس میں تاریخی نام کے لئے عرض کیا تھا۔ بواپسی ڈاک جواب آیا۔ جس میں مبارک بادی اور بچی کے لئے دعائے خیر اور تاریخی نام ''زرینہ خاتون'' (۱۳۲۹ھ) تحریر فرمایا تھا۔ اسی طرح جب ۱۳۳۳ھ میں دوسری لڑکی پیدا ہوئی، تو میں نے پٹنہ سے عریضہ حاضر کیا اور تاریخی نام کی درخواست کی تو ولیہ خاتون، ۱۳۳۲ھ زبر و بینات سے تاریخی نام تجویز فرمایا، پھر عزیزی مختار الدین سلمہٗ کے بعد ۱۳۳۹ھ میں سہسرام میں لڑکی پیدا ہوئی تو میں نے اس کی ولادت کی خبر دی اور تاریخی نام کے لئے حضور نے ''ربیع خاتون'' (۱۳۳۹ھ) نام تجویز فرمایا۔(۲۱)

''ربیع خاتون'' نام رکھنے کی وجہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے ملک العلماء فاضل بہاری کے نام ایک خط میں یہ بتائی۔

''خط ملا۔ یہ نعمت تازہ مبارک ہو۔ اس کا نام وہ رکھئے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا یعنی حضرت ربیع بنت معوذ انصاریہ، صحابیہ بنت صحابی علیہا الرحمۃ والرضوان کے نام پر ربیع خاتون''۔ (۱۳۳۹ھ)(۲۲)

پیر و مرشد کا اعتماد

۱۳۲۸ھ/۱۹۰۹ء میں پاک و ہند کی مشہور انجمن نعمانیہ لاہور کی مجلس انتظامیہ کے رکن اور دبیر ثانی مولانا خلیفہ تاج الدین احمد علیہ الرحمۃ نے دارالعلوم نعمانیہ لاہور کی خدمت کے لئے جب

حضور اعلیٰحضرت سے درخواست کی، کہ آپ خود لاہور تشریف لا کر انجمن کی سرپرستی فرمائیں۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنی دینی اور علمی مصروفیات کی وجہ سے اپنی طرف سے معذرت تو کر دی لیکن اپنے نائب اور مظہر ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین علیہ الرحمۃ کو روانہ کرنے پر اپنی آمادگی کا اظہار فرما دیا۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کا وہ خط، جو انہوں نے مولانا خلیفہ تاج الدین احمد علیہ الرحمۃ کو اپنے معین ملک العلماء کی بابت تحریر فرمایا تھا، ملاحظہ فرمائیے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم

بملاحظہ مولانا المکرّم ذی المجد والکرم حامی سنت، ماحی بدعت جناب خلیفہ تاج الدین صاحب زید کرمہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مکرمی مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلبہ ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا، کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا: (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے ''زواجر'' میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے۔ اور اب ہند بلکہ عامۂ بلاد میں یہ علم، علماء بلکہ عامہ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے۔ جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔ اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے، کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے، کہ ان کی جگہ پر مقرر کروں، اگرچہ دو عظیم کام دینی افتاء و توقیت اور ان سے اہم تصنیف میں وہ ابھی ہاتھ نہیں بٹا سکتے۔ اسی طرح وعظ و مناظرہ بھی نہیں کر سکتے، مگر یہ وہاں گئے، تو جس نے انہیں ان کاموں کا اپنے کرم سے بنا دیا ہے، ان کو بھی بنا سکتا ہے۔

والسلام

فقیر احمد رضا قادری بقلم خود

۵؍ شعبان المکرّم ۱۳۲۸ھ (۲۳)

اس تاریخی خط سے اندازہ لگائیے کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے دل میں اپنے لائق شاگرد حضور ملک العلماء کی کتنی قدر و منزلت اور کیسی محبت تھی۔!!

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنے نامور شاگرد کی تمام صلاحیتوں اور خوبیوں کو خود ظاہر فرما دیا ہے اور ان کی عظمت و رفعت واضح فرما دی ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی فرماتے ہیں:

''اس مکتوب پر کوئی تبصرہ نہ کر کے صرف امام کے اس جملے ''فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے''۔ پر توجہ دلا کر نگاہ رضا میں ملک العلماء کی عظمت و اہمیت دکھانا چاہتا ہے۔ اہل نظر خود محسوس کریں''۔ (۲۴)

اس خط کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤرخ لاہور محمد دین کلیم قادری نے ''تذکرۂ مشائخ قادریہ'' محمد صادق قصوری، پروفیسر مجید اللہ قادری نے ''تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت'' اور پروفیسر ڈاکٹر سفیر

اختر نے اپنے مقالے "فیضان رضا پنجاب میں" (مشمولہ سالنامہ معارف رضا کراچی ۱۹۹۶ء) میں حضور ملک العلماء فاضل بہاری کے دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں مدرسی کے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ آپ کا انتخاب ضرور ہوا تھا۔ لیکن آپ بحیثیت مدرس دارالعلوم نعمانیہ میں کبھی بھی تشریف نہ لائے۔ آپ کے نامور صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد لکھتے ہیں: "لیکن شاید ان کے اعزہ واحباب کو ان کا اس قدر دور جانا منظور نہ ہوا اور وہیں مدرسہ منظر اسلام میں درس دیتے رہے۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار وطلب پر اعلیٰحضرت عبد الوہاب الہ آبادی نے اپنے قائم کردہ مدرسہ حنفیہ کے لئے جوآرہ (ضلع شاہ آباد، بہار) میں قائم ہوا تھا۔ فاضل بریلوی کو لکھا، کہ وہ مولانا ظفر الدین کو صدر مدرس کا عہدہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ آپ انہیں آمادہ کریں۔ صرف اس خیال سے کہ نئے دینی مدارس اوران کی ترقی بھی ضروری ہے۔ انہوں نے وہاں جانے کی اجازت دیدی۔ جہاں وہ کئی سال اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں بحیثیت مدرس اول ان کا تقرر عمل میں آیا۔ جہاں وہ تفسیر وحدیث وفقہ کا درس دینے لگے۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام کی فرمائش پر وہ صدر مدرس ہو کر سہسرام چلے گئے جہاں وہ پانچ سال مقیم رہے"۔ ملخصاً (۲۵)

مولانا محمد ارشاد احمد رضوی سہسرامی لکھتے ہیں:۔

"آپ (شاہ کبیر الدین قدس سرہٗ) کی عظیم خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ ملیح الدین صاحب کے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے بہت خوشگوار تعلقات تھے۔ اس گہری وابستگی کی وجہ سے جب حضرت مولانا حفیظ الدین صاحب، مدرس اول مدرسہ خانقاہ کبیریہ کا انتقال ہو گیا، تو تدریسی امور کی صدارت کے لئے کسی ذمہ دار عالم دین کے انتخاب کی ذمہ داری اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے سپرد کی۔ امام اہل سنت نے اپنے عزیز ترین شاگرد اور خلیفہ حضور ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین قادری علیہ الرحمۃ کو آپ کے پاس بھیجا۔ حضور ملک العلماء نے آکر پوری ذمہ داری کے ساتھ اس عظیم منصب کو سنبھالا اور نہایت حسن وخوبی کے ساتھ تدریسی و تعلیمی ذمہ داریاں نبھائیں۔ جس سے مدرسے نے علمی میدان میں کافی ترقی کی۔ (۲۶)

حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں جب بھی کسی مدرسے کے لئے قابل اور لائق مدرس کی طلب کی گئی تو آپ کی نگاہ انتخاب اکثر ملک العلماء پر جا کر ٹھہرتی۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی اپنے شاگرد سے محبت دل میں قدر ومنزلت اور دینی، علمی معاملات میں ان پر بھر پور اعتماد اظہر من الشمس ہے۔ اپنے ہی شاگرد کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں: "ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔ (۲۷)

امام اہلسنت حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے شہرہ آفاق قصیدہ "الاستمداد" کے آخر میں "ذکر احباب ودعائے احباب" کے تحت جہاں اپنے مخصوص خلفاء وتلامذہ کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ وہاں ایک شعر میں آپ نے حضور ملک العلماء کو بھی یاد فرمایا ہے۔ شعر کے پہلے مصرع میں ان کی کامیابی وکامرانی کے لئے دعا کی ہے اور دوسرے مصرع میں آپ سے دشمنان اسلام کی شکستیں کھانے کی خوشخبری دی ہے۔ شعر یہ ہے:۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں (۲۸)

جس طرح تدریس وافتاء اور تصنیف میں حضور ملک العلماء فاضل بہاری کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح میدان مناظرہ میں بھی آپ کی شاندار فتوحات تاریخ کا حصہ ہیں، جب بھی

کسی سنی مناظر کی ضرورت پیش آئی، تو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے حضور ملک العلماء ہی کا انتخاب فرمایا۔ فتح ونصرت کا مژدۂ جانفزا سنایا اور آپ کو روانہ فرمایا۔ آپ نے میدان مناظرہ میں دشمنان اسلام کا دام فریب ہمیشہ تارتار فرمایا۔

ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ خود لکھتے ہیں:۔

"۱۳۲۴ھ میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس اول تھا۔ رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اس زمانے میں اعلیٰ حضرت علم ہیأت میں ایک کتاب تصنیف فرمارہے تھے اور میں اسے صاف کررہا تھا۔ ارادہ تھا کہ ماہ رمضان المبارک تمام کرکے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا۔ پٹنہ واپس ہوں گا، لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خان صاحب مرحوم کا خط پہنچا، کہ یہاں ایک ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہوا ہے اور جگہ جگہ مناظرے کا چیلنج دیتا ہے، حضور والا! مولانا محمد ظفر الدین صاحب کو روانہ فرمادیں۔ اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی۔ اعلیٰ حضرت نے دودن میں اس کو تمام کردیا، لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا۔ اس لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا، کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لیتے جائیے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کردیجئے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لئے سواری آگئی۔ تو حضور اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دونوٹ دس دس روپئے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا، کہ امسال آپ عید میں یہیں رہیں گے۔ بچوں کے لئے کپڑے بنواؤں گا، تو آپ کے لئے بھی بنواؤں گا۔ لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جارہے ہیں۔ اس لئے یہ روپیہ آپ کی نذر ہیں۔ مجھے بہت شرم آئی کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا۔ اب تو میں نوکر ہوں میں پیر کی خدمت کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپئے وصول کروں، میں نے کچھ تأمل کیا، اعلیٰ حضرت نے عنایت فرمایا، میں نے قدمبوسی کرتے ہوئے وہ روپئے لے لئے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ اب کس میں مناظرے کا دم ہے۔ اعلیٰحضرت کی دعا کا اثر ہے:۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں (۲۹)

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ لکھتے ہیں:۔

"۱۳۲۶ھ علاقہ میوات میں وہابیہ دیوبندیہ نے بہت اودھم مچا رکھا تھا اور بیچارے سیدھے سادے میواتیوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسانہ چاہتے تھے، کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین الوری نے مولانا احمد حسین خان صاحب رامپوری مقیم درگاہ معلی اجمیر شریف حجرہ نواب رامپور کو کسی عالم مناظر کو لینے کے لئے بریلی شریف بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰحضرت سے وہاں کے حالات عرض کئے، اس وقت اعلیٰحضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کی میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکہ میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے، آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جائیے اور وہابیہ کو شکست دیجئے۔ میں نے عرض کیا، تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں، حضور کی دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شامل حال رہی تو انشاءاللہ تعالیٰ وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی، اس وقت اعلیٰحضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لاکر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا، کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے، میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لیکر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا، اعلیٰحضرت کی دعا اور اس جبۂ مبارک کی یہ برکت ہوئی، کہ وہابیہ کی طرف سے متعدد صاحبان مناظرے کے لئے آئے تھے۔ ان میں ایک

صاحب ایسے بھی تھے، جو بقول خود مکہ معظمہ میں تین چار سال قیام بھی کر چکے تھے۔ انہیں اپنے عربی دانی پر بڑا ناز تھا۔ وہ مصر رہے، کہ مناظرہ عربی زبان میں ہوگا۔ ان کی ناز برداری کے لئے یہ شرط مان لی گئی، لیکن چند منٹ میں ان کی عربی دانی کا بھرم کھل گیا اور مجبوراً انہیں اعلان کرنا پڑا، کہ اب مناظرہ اردو میں ہوگا۔ ابتدائی سوال پر ہی ان کی علمیت کا طول وعرض بھی سب کو معلوم ہوگیا، کہ مہر سکوت لگ گئی اور جواب کے لئے منہ کھولنا دشوار ہوگیا۔

ثالث اور حکم نے ان سے اور دوسرے علمائے دیوبند سے بار بار کہا جواب دیجئے اور آئے دن جو بلبلے کی طرح ابھرتے اور چیلنج دیتے تھے وہ جوش دکھایئے، یہ کیسی جوانمردی ہے کہ ابتدائی سوالات پر ہی سارے دیوبندی علماء جھاگ کی طرح تہہ نشین ہوگئے اور کوئی ایک بھی بولنے کا نام نہیں لیتا۔ متواتر تین گھنٹے جواب کا تقاضہ رہا لیکن ادھر جو مہر سکوت لگ چکی تھی۔ اس نے کسی طرح ٹوٹنے کا نام نہ لیا۔ آخر ثالث وحکم نے تین گھنٹے بعد اہلسنت والجماعت کی فتح اور دیوبندی حضرات کی شکست کا اعلان کرتے ہوئے کہہ دیا کہ صاف واضح ہوگیا کہ مولانا شاہ رکن الدین، مولانا ارشاد علی، مولانا ظفر الدین اور مولانا احمد حسین خان وغیرہ علماء حق پر ہیں اور دیوبندی علماء کا مذہب باطل ہے ورنہ لاجواب نہ ہوتے جب بخیر وخوبی کامیابی کے ساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰحضرت کو اس مناظرے کی روداد سنائی اور ان لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں، کہ مناظرے کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کردیئے جائیں۔ وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اعلیٰحضرت نے بھی اسے پسند فرمایا اور اس رسالے کا تاریخی نام ''پکے نجدیہ کا چپ مناظرہ'' ۱۳۳۴ھ رکھا۔ اور جناب مولانا حسن رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تاریخی نام ''شکست سفاہت'' (۱۳۲۶ھ) رکھا۔ چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانے میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔ ملخصاً (۳۰)

دوقومی نظریے کی پاسبانی:

ہندوستان جب مخالفین اسلام کا اکھاڑا بنا، اسلام اور اہل اسلام کو نیست ونابود کرنے والی تحریکیں اٹھیں تو ان حالات میں دوقومی نظریے کی حفاظت کے لئے مجاہد اسلام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے سات ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء کو جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کے نام سے ایک کل ہند تحریک کی بنیاد ڈالی۔ علمی، تصنیفی، اشاعتی، تبلیغی اور سیاسی محاذوں پر اس جماعت کی بیش بہا خدمات ہیں۔ جنہیں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضور اعلیٰ حضرت کی قائم کردہ اس جماعت کے عمومی سر پرستوں میں ملک العلماء نمایاں طور پر شامل تھے۔ جماعت کا ایک اہم شعبہ ''تبلیغ وارشاد'' جس کی جدوجہد سے نہ جانے کتنے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ وہابی اور غیر مقلد افراد نے توبہ کی اور اہل سنت سواد اعظم میں داخل ہوئے۔ ابتداء میں اس شعبے میں خصوصیت کے ساتھ پانچ علمائے کرام شامل ہوئے تھے۔ جن میں ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ کا نام نہایت روشن اور نمایا ہے۔ اسی طرح جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی نے ایک ''شعبۂ مناظرہ'' بھی قائم کیا اور اس میں اپنے زمانے کے جید علماء ومناظرین کو رکھا، جس کی مثال تاریخ نہیں پیش کرسکتی۔ ملک العلماء مولانا مفتی سید محمد ظفر الدین رضوی فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ اس شعبے کے صدر تھے۔ (۳۱)

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کے زیر اہتمام مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی شریف میں ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں ایک فیصلہ کن مناظرہ ہوا۔ گاندھی کی طرف سے مولانا نثار احمد کانپوری،

مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مفتی احمد سعید دہلوی شریک ہوئے۔ان کی قیادت ابوالکلام آزاد نے کی۔ اعلیٰ حضرت کی جانب سے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مفتی برہان الحق جبل پوری اور مولانا حسنین رضا خاں کے علاوہ حضور ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری شامل ہوئے۔

اہل سنت کے اکابرین نے ابوالکلام آزاد سے ستر سوالوں کے جواب طلب کئے اور ان کے اخباری بیانات، تقریروں اور بعض حرکات پر شدید اعتراضات کئے۔مولانا آزاد بوکھلا اٹھے اور کوئی جواب نہ دے سکے،اس طرح گاندھی علماء کو شکست فاش ہوئی۔(۴۲)

مولانا شہاب الدین رضوی ایک اہم مناظرے کی روداد ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رام پور کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

''موضع ہٹنا ضلع بوگرا میں پیر ابوبکر صاحب ایک بااثر ممتاز ہستی کے مالک تھے، مریدین ومعتقدین بکثرت تھے، وہاں کے وہابیوں اور غیر مقلدین میں اہلسنت سے حسد اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے مناظرے کا اعلان کر دیا۔پیر ابوبکر کے مریدین فوراً کچھ خرچہ وغیرہ جمع کر کے موصوف ممدوح کے خلیفہ مولانا روح الامین کلکتوی کے پاس آئے۔ انہوں نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے حامی ومبلغ مولانا عبدالعزیز خاں رضوی کے پاس بھیج دیا اور انہوں نے ایک زبردست جید مناظر کی ضرورت کا اظہار کیا۔مولانا عبدالعزیز خاں رضوی نے ملک العلماء فاضل بہاری مناظر جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی خدمت میں ایک صاحب کو حاضر کر کے منظوری حاصل کی۔ ملک العلماء وقت متعینہ پر مقام مناظرہ میں پہنچ گئے۔

مناظرے کے لئے دونوں جانب سے خوب تشہیر کی گئی تھی۔سنیوں نے ملک العلماء کی آمد پر ان کا شاندار استقبال کیا۔ غرضیکہ مناظرہ شروع ہوگیا۔ابتداء چند تحریرات کی آمدورفت بزبان عربی ہوئی ۔ جس سے غیر مقلدین کا مقصود علمی موازنہ تھا۔ مناظرے کا وقت ایک بجے سے پانچ بجے تک کا تھا۔ملک العلماء اسٹیج پر رونق افروز تھے،اور غیر مقلدین کو بھرے مجمع میں چیلنج پہ چیلنج کر رہے تھے۔مگر افسوس کہ وقت مقررہ پر میدان میں شیر اہلسنت کو دیکھ کر کوئی بھی نہ آیا۔حاضرین سے تمام جلسہ گاہ کا میدان بھرا ہوا تھا، ہر ایک گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھتا اور پھر رہ جاتا تھا۔غیر مقلدین کے مناظرین نے سنی شیر کو بلا تو لیا تھا مگر سامنے آنے کا یارا نہ تھا۔ غیر مقلد مناظر جلسے میں نہ آیا اور سب نے راہ فرار اختیار کی۔ان کے نہ آنے پر عوام بہت متاثر ہوئے اور یہ سمجھ گئے کہ سنیوں کی بات بالکل حق ہے اور یہی صراط مستقیم پر قائم ہیں۔فوراً دوسو آدمیوں نے وہابیت اور غیر مقلدیت سے توبہ کی اور اہل سنت میں داخل ہوگئے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کی فتح پر جشن منائے گئے''۔(۴۳)

یہی نہیں بلکہ آپ نے آریہ اور عیسائیوں کے ساتھ بھی نہایت کامیاب مناظرے کئے تھے۔آپ کے لائق فرزند ارجمند ڈاکٹر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ ساجیوں اور مسیح مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے،غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے''۔(۴۴)

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے روحانی فرزند کو اپنی حیات طیبہ ہی میں کامیابی وکامرانی کی نوید سنا دی تھی۔اس لئے ''بھیڑیا نما انسان'' اس شیر رضا کا ایک حملہ بھی برداشت نہ

کر سکے اپنے پیر ومرشد کی قائم کردہ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی سے آخر تک آپ کو قلبی محبت تھی۔خود فرماتے ہیں:

''فقیر اس مبارک جماعت کی خدمات کو نہایت ہی وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اور اپنی محرومی پر افسوس کرتا ہے کہ اس کی بدنی خدمت سے قاصر ہے اور اس جماعت کے مخلصین خدام پر رشک وغبط کرتا ہے۔اور ان کے لئے تثبت واستقامت کی دعا کرتا ہے''۔(۳۵)

تحریک ترک موالات کی اصلاح:

تحریک ترک موالات جو گاندھی کے اشارے پر چلائی گئی۔گاندھی کی اس آندھی میں کئی مسلم لیڈر بھی خس خاشاک کی طرح بہہ گئے۔لیکن مجاہد اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس موقع پر بھی اپنی نورانی بصیرت کا ثبوت دیا اور اس تحریک کے متعلق حکم شرعی بیان کرتے ہوئے'' المحجة المؤتمنة ''کے تاریخی نام سے ایک کتاب لکھی؟ جو مسلمانوں کے لئے ہدایت کا روشن مینار ثابت ہوئی۔ ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا، حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔(۳۶)

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ملک العلماء فاضل بہاری بھی اپنے پیر ومرشد اور استاذ گرامی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گاندھی کی اس خوفناک آندھی میں مسلمانوں کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئے۔

جماعت انصار الاسلام بریلی جو جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک اہم سیاسی ذیلی تنظیم تھی۔اس کے سرپرست بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تھے۔جماعت انصار الاسلام کی تین روزہ کانفرنس ۲۲،۲۳،۲۴، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ بمقام مسجد نو محلہ بریلی میں بہت آب وتاب اور شان وشوکت کے عظیم اجتماعوں کے ساتھ منعقد ہوتی رہی۔اس کانفرنس میں توقع سے زیادہ مجمع تھا اور ہندوستان کے مشہور علمائے کرام ومشائخ عظام شرکت کے لئے رونق افروز ہوئے تھے۔کانفرنس کے پہلے روز نعت وحمد کے بعد صدر کانفرنس مولانا شاہ سید محمد میاں مارہروی علیہ الرحمۃ نے اپنے خطبے میں مسائل حاضرہ اور مصائب دائرہ پر نظر ڈالتے ہوئے وقت کی نزاکت اور مسلمانوں کی حالت پر تبصرہ فرمایا۔پھر صدر کانفرنس کی اجازت سے ملک العلماء فاضل بہاری نے مسئلۂ ترک موالات پر محققانہ تقریر فرمائی اور ثابت کیا کہ ترک مولات انسان کا فطری وطبعی خاتمہ ہے۔اگر اس کے احساسات غلط نہیں ہو گئے ہیں، تو وہ نقصان رسانی سے طبعاً احتراز کرے گا۔اس مسئلے کو شواہد ودلائل سے خوب ذہن نشین کرایا اور بتایا، کہ جملہ کفار ومشرکین سے ترک موالات شرعاً فرض اور مسلمانوں پر لازم ہے''۔اس تقریر کے ضمن میں حضور ملک العلماء نے ایسی ایسی باتیں فرمائیں، کہ مجمع پھڑک اٹھا''۔(۳۷)

ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ نے تحریک ترک موالات کے رد میں ایک کتاب ''ھادی الھداۃ لترک الموالاۃ'' بھی لکھی ہے۔جس میں ایک تحریک کے مضر اثرات کی نشاندہی کی گئی تھی جو بعد کو صحیح نکلی۔(۳۸)

۱۹۴۶ء میں بنارس کے مقام پر منعقد آل انڈیا سنی کانفرنس تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دیگر اکثر خلفاء وتلامذہ کی طرح ملک العلماء بھی اس عظیم الشان کانفرنس میں رونق افروز ہوئے اور کانفرنس کی طرف سے جن کمیٹیوں میں آپ نامزد ہوئے۔ان میں سے نصاب تعلیم بنانے والی کمیٹی، عائلی قوانین مرتب کرنے والی کمیٹی اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے لئے آئین ساز کمیٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(۳۹)

علم توقیت میں مہارت:

ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ کو علم توقیت میں بڑی مہارت حاصل تھی بقول اعلیٰ حضرت علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں"۔

"مؤذن الاوقات آپ کی لاجواب کتاب ہے جو اپنے فن کی پہلی اردو کتاب ہے۔اس میں طلوع و غروب اوقات نماز اور تمام دوسرے بڑے شہروں کے فرق بتائے گئے ہیں۔یہ فن بھی آپ نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ سے سیکھا تھا۔"مؤذن الاوقات" کے آغاز میں آپ خود رقم طراز ہیں:

"خداوند عالم بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے،اعلیٰ حضرت امام اہلسنت استاذی وملاذی شیخی و مرشدی ذخری لیومی وغدی مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کو کہ مسلمانوں کی اس ضرورت کا آپ نے احساس فرمایا اور ۱۳۱۱ھ سے بریلی شریف کے اوقات صوم وصلوۃ رمضان شریف کے ہر سال مرتب فرما کر رفاہ عام کے لئے مع تفاصیل اوقات دیگر مفت شائع فرمانا شروع کیا۔جب ۱۳۲۵ھ میں میں نے اس فن کو حاصل کیا۔یہ خدمت میرے متعلق ہوئی"۔(۴۰)

علم تکسیر میں مہارت:

بحر العلوم امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جن پچاس علوم وفنون میں ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ان میں "علم تکسیر" بھی شامل ہے۔ملک العلماء فاضل بہاری نے اپنے مشفق استاذ سے جہاں دیگر علوم سیکھے،وہاں علم تکسیر میں بھی کمال اور مہارت حاصل کی تھی۔آپ خود لکھتے ہیں:۔

"عرصے کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ تشریف لائے اور محب محترم حامی دین،واقف علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا مولوی مقبول احمد خاں صاحب دربھنگوی مدرس مدرسہ کے مہمان ہوئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے فن تکسیر کی واقفیت کا ذکر کیا،مولوی صاحب بہت ظریف طبیعت ہیں،یہ سن کر ایسا اندازہ ہوتا،جس سے ان شاہ صاحب نے سمجھا کہ میری فن دانی کے قائل اور معتقد ہو گئے۔چنانچہ میں ایک پھیرا ادھر ان کا ہونے لگا اور مولانا کے یہاں ایک دو وقت قیام ضرور کرتے یہ بھی مہمان نوازی فرماتے،جب انہوں نے کئی دفعہ فن تکسیر سے اپنی واقفیت کا اظہار کیا تو مولانا مولوی مقبول احمد خاں صاحب نے ایک دن ان کے گوش گذار کیا کہ میرے مدرسے میں ایک مدرس مولانا ظفر الدین صاحب ہیں وہ بھی فن تکسیر جانتے ہیں،بہت حیرت ہوئی وہ تو سمجھ رہے تھے کہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کے علم میں دنیا میں،میں ہی ایک تکسیر جاننے والا ہوں اور اسی وجہ سے ایسے زبردست معقولی ہونے پر بھی میری عزت کرتے ہیں۔جب انہیں معلوم ہوا کہ اسی پٹنہ میں مولانا کے دوستوں میں اسی مدرسے کے اساتذہ میں ایک شخص فن تکسیر جانتے ہیں تو حیرت کی حد نہ رہی۔بولے کہ ان سے میری ملاقات کرا دیجئے گا۔انہوں نے کہا کہ اچھا وہ تو روزانہ مدرسے کے وقت دس بجے مدرسہ تشریف لاتے ہیں اور چار بجے دریاپور واپس جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک دن مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب کو لئے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور ان کا تعارف کراتے ہوئے بہت سی خوبیاں بیان کرتے ہوئے خاص انداز سے فرمایا،کہ سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ آپ فن تکسیر جانتے ہیں میں سمجھ گیا،میں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا،کہ آپ وہ فن جانتے ہیں کہ جس کے جاننے والے روئے زمین سے معدوم ومفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہیں اس پر شاہ صاحب نے فرمایا،کہ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم ہے۔ میں نے کہا مخلصوں کا محض حسن ظن ہے۔ کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی ہے۔ہاں !اس فن میں ایک گونہ دلچسپی ضرور ہے،اس کے بعد میں نے ان شاہ صاحب سے پوچھا کہ جناب مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ بہت فخریہ انداز میں فرمایا ''سولہ طریقے سے''۔ میں نے کہا بس،اس پر فرمایا اور آپ؟ میں نے کہا کہ گیارہ سو باون طریقے سے۔ بولے، سچ! میں نے کہا کہ جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دولاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی ،کہا میرے سامنے بھر سکتے ہیں ،میں نے کہا ضرور، بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔آج چار بجے میرے ساتھ دریا پور تشریف لے چلیں ،مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی میں دعوت دیتا ہوں ،وہیں ناشتہ چائے چلے،وہ کتاب میں حاضر کروں گا، کہ ایک ہی نقش ہے جو اتنے طریقوں سے بھرا ہوا ہے،جس میں کوئی ایک دوسرے سے ملتا ہوا نہیں۔ پوچھا کن سے سیکھا،میں نے اعلیٰحضرت امام اہلسنت کا نام لیا،حضرت کے معتقد تھے،نام سن کر ان کو یقین ہو گیا ،مگر پوچھا، کہ اور اعلیٰحضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں، میں نے کہا تئیس سو طریقے سے،کہا کہ آپ نے اور کیوں نہیں سیکھا، میں نے کہا وہ تو علم کے دریا نہیں سمندر ہیں۔جس فن کا ذکر آیا،ایسی گفتگو فرماتے ،کہ معلوم ہوتا، کہ عمر بھر اسی علم کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے۔ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کر سکتا ہوں۔ آخر چار بجے وہ میرے ساتھ دریا پور تشریف لائے اور وہ کاغذ جس پر میں نے وہ نقوش لکھے تھے۔ ملاحظہ فرمایا۔ بہت تعجب سے دیکھتے رہے اور اعلیٰ حضرت کے زیارت کے مشتاق ہو کر بعد مغرب واپس ہوئے۔ پھر نہ معلوم کہ بریلی شریف حاضر ہوئے یا نہیں۔ خیر بہر کیف جملہ علوم وفنون کی طرح فن تکسیر سے اعلیٰ حضرت کو نہ صرف واقفیت ہی تھی بلکہ اس فن میں کمال اور مہارت رکھتے تھے، بلکہ اگر مجتہد کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ملخصاً (۴۱)

فقہ حنفی کی ترویج واشاعت:

اس میں کوئی شک نہیں، کہ پاک وہند میں فقہ حنفی پر مختلف اہل علم نے کام کیا ہے۔ان سب کی کوششیں قابل صد ستائش ہیں۔لیکن سرتاج الفقہاء امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ان میں ممتاز ونمایاں نظر آتے ہیں۔آپ نے اپنی ساری زندگی فقہ حنفی کی تدوین وتشریح اور اسکی پاسبانی میں گذار دی۔ آپ نے ایک ایک مسئلے کو فقہ حنفی کی روشنی سے منور فرمایا۔ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں،ہر وقت آپ کے پیش نظر رہیں۔یوں تو فقہ حنفی پر آپ کی کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن انمیں ضخیم ترین ''فتاویٰ رضویہ'' فقہ حنفی کا ایک بے مثال انسائیکلو پیڈیا ہے۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''آپ نے فقہ امام ابوحنیفہ کی صرف ترجمانی ہی نہیں کی بلکہ اپنے رفقاء اور شاگردوں کا ایک ایسا ''مکتب فقہ'' ترتیب دیا جنہوں نے آپ کے بعد فقہی دنیا میں راہنمایانہ کردار ادا کیا''۔ (۴۲)

ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ اسی ''مکتب فقہ'' کے ایک فرد فرید ہیں۔ آپ نے بھی اپنے پیر ومرشد کی تقلید میں فقہ حنفی کی ترویج واشاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یوں تو فقہ حنفی کی حمایت وتائید میں آپ کی ستر سے زیادہ کتابیں ہیں۔ لیکن ان میں ضخیم کتاب ''الجامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری'' کو شہرت عام حاصل ہے۔ اس کتاب کے بارے میں آپ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر مختار الدین احمد فرماتے ہیں:

''ملک العلماء فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا

اٹھایا جو مؤید مسلک اہل سنت واحناف ہوں اور فقہ حنفی کا مآخذ ومصدر۔ انہوں نے وہ تمام روایات جمع کیں، جن پر مذہب حنفی کی امارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو جس کی سند واستشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو۔ ملک العلماء نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا خاصا حصہ صرف کیا، فقہی ابواب کی ترتیب پر انہوں نے اسے چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کا نام "الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری" رکھا"۔ (۴۳)

تحریک عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر:

کشتۂ نگاہ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) امام احمد رضا عاشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی لافانی تحریک کے بے مثال سفیر تھے۔ اس راہ میں آپ نے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ برداشت نہ کی۔ بلکہ آپ نے دوٹوک الفاظ میں اپنا منصفانہ فیصلہ یوں صادر فرمایا: "ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہاں پر تقدیم، تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاذ، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں۔ اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخیت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ آخر یہ جو کچھ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا۔ جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟ اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں"۔ ملخصاً (۴۴)

حضور ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ بھی اپنے پیر ومرشد کے رنگ میں رنگے ہوئے اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار نظر آتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:۔

"تو اصل ایمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوئی، بغیر حضور کی محبت کے خدا سے محبت کرنا بھی نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ جو شخص ایسا دعویٰ کرے محض لاغی ہے اس لئے کہ محبوب کا محبوب محبوب ہوتا ہے، جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں، خدا کی محبت بھی نہیں۔ خدا کی محبت اور اس کا راستہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دکھایا۔ بغیر حضور کے خدا تک رسائی ناممکن ہے۔ انعامات تو اس رحمۃ اللعالمین کے صدقے میں ملتے ہیں۔ بے وسیلہ وبغیر واسطہ کے کوئی شخص نعمت ایمان سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ پس اے اللہ والو! تم کو لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے کو فنا کر دو، دیکھو خداوند عالم خود ان سے محبت کرتا ہے تو ضروری ہے تم بھی تخلقوا باخلاق اللہ کے ساتھ متصف ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا جانو"۔ (۴۵)

ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں جانے کی ضرور تڑپ ہوتی ہے لیکن امام اہل محبت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو نہ صرف جانے بلکہ وہیں خاتمہ بالخیر ہونے کی آرزو ہے جس کا اظہار مولوی عرفان علی علیہ الرحمۃ کے نام ایک خط میں یوں فرماتے ہیں:۔

"وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا، اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب

ہو اور وہ قادر ہے۔ بہر حال اپنا خیال ہے"۔(۴۶)

آپ کے مرید صادق ملک العلماء فاضل بہاری بھی اسی کی خواہش رکھتے ہوئے دعا فرماتے ہیں:

"جب مرنے کا وقت ہو، مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو اور سبز گنبد کو دیکھ کر قفس عنصری سے روح پرواز کرے۔ جنت البقیع مدفن ہو۔ قیامت کے دن حضور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھتے ہوئے اٹھیں اور ان کے سایۂ دامن عاطفت کے نیچے ان کے غلاموں کے زمرے میں داخل جنت الماویٰ ہوں"۔(۴۷)

برصغیر پاک وہند میں گستاخان رسول ﷺ کے ایک طائفہ نے جب بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کئے تو کشتۂ نگاہ مصطفیٰ ﷺ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کی گرفت کرتے ہوئے خطوط بھیجے، رسائل لکھے، بڑا سمجھایا لیکن ان میں سے کوئی باز نہ آیا۔ کافی مدت کے بعد آپ نے ناموس مصطفیٰ ﷺ کی پاسبانی کا حق ادا کرتے ہوئے ان کفریہ عبارت کے بنا پر فتاویٰ کفر صادر فرمایا، حرمین شریفین کے جلیل القدر علمائے کرام نے بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتوے کی تصدیق فرماتے ہوئے ان گستاخوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔(۴۸)

بعد ازاں پاک وہند کے جلیل القدر علمائے کرام نے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتوے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کردی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے روحانی فرزند ملک العلماء فاضل بہاری نے بھی ناموس مصطفیٰ ﷺ کی پاسبانی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آپ نے بھی اپنے پیر و مرشد کے اس تاریخ ساز فتوے کی ان الفاظ میں تصدیق فرمائی:

"فتاویٰ حرمین طیبین ضرور حق ہیں، جن کی حقیقت میں اصلاً شبہ نہیں، اس کی حقیقت پر آفتاب سے بھی روشن تر دلیل یہ ہے، کہ ان اقوال کے قائلوں نے اس کے مقابل نہ صرف سکوت ہی کیا۔ بلکہ حکم میں اتفاق کیا۔ جس کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ بنام "الختم علیٰ لسان الخصم" دیوبند میں چھپ چکا ہے۔ جس میں انہیں لوگوں نے تصریح کی، کہ بیشک ایسے اعتقاد و خیال و اقوال والے کافر ہیں۔ رہی یہ بات کہ ایسے اقوال کن لوگوں کے ہیں جن پر باتفاق علمائے بریلی، وہابی، دیوبند کفر کا فتویٰ ہے۔ ان مطبوعہ کتابوں کو دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے، جن کا حوالہ حسام الحرمین میں ہے۔ جسے چھپے ہوئے بیس سال ہوگئے۔ کیا قادیانیوں کے ارتداد اور حضور اقدس ﷺ کی توہین کرنے والوں کے کفر جیسے اتفاقی مسئلے میں بھی استفسار و سوال کی ضرورت ہے"۔(۴۹)

خطوط کے جواب کا اہتمام:

حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کو خطوط کے جواب کا بہت اہتمام تھا۔ جس نے بھی آپ کی خدمت میں کوئی استفسار روانہ کیا، فوری جواب پایا۔ علالت میں بھی جواب دینے کی کبھی تاخیر نہ فرمائی۔(۵۰) حاجی کفایت اللہ علیہ الرحمۃ (خادم خاص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ) نے ایک خوبصورت ٹین کا بکس بنوا کر اور رنگ کرا کر آویزاں کر دیا تھا، جس میں ڈاکیہ خطوط پیکٹ وغیرہ ڈال دیا کرتا تھا، اس میں برابر تالا لگا رہتا تھا کہ کوئی ان خطوط کو نکال نہ لے، کنجی اس کی اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے پاس رہتی تاکہ خطوط ضائع نہ ہوں۔ عصر کی نماز کے بعد اس کی کنجی علامہ ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ کو عنایت فرماتے، بکس کھول کر ایک ایک خط پڑھا جاتا اور پھر مناسب جواب دیا جاتا تھا۔"(۵۱)

ملک العلماء نے بھی اپنے پیر و مرشد کی اتباع میں خطوط کے جواب میں کبھی تاخیر نہ فرمائی۔ آپ کے نامور فرزند ارجمند ڈاکٹر مختار الدین احمد فرماتے ہیں:

''حضرت ملک العلماء کثرت سے خطوط لکھا کرتے تھے اور خطوں کے جواب فوراً دینے کے عادی تھے۔ روزانہ تین خطوں کا اوسط ضرور رہا ہوگا۔ جس رات انہوں نے رحلت فرمائی اس شام بھی انہوں نے چار خط تحریر فرمائے تھے۔ جس میں ایک طویل خط وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلے کے سلسلے میں تھا۔ انہوں نے طویل عمر پائی، اس عرصے میں معلوم نہیں، انہوں نے کتنے ہزار خطوط لوگوں کو لکھے ہوں، اگر نصف خطوط کی بھی نقلیں رکھنے کا التزام کیا جاتا تو یہ خطوط متعدد مجلدات میں مرتب ہوتے''۔ (۵۲)

عصر حاضر میں بعض علماء و مشائخ کی خدمات میں جوابی لفافہ بھی ارسال کیا جائے، تو جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔ ان نازک مزاج علماء و مشائخ کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی اور ان کے مرید صادق حضور ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ کے عمل سے درس عبرت لینا چاہئے۔

پیر و مرشد کی سوانح نگاری:

حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے پردہ فرمانے کے بعد سترہ سال تک کسی نے آپ کی سوانح حیات مرتب کرنے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، ہر طرف سناٹا طاری رہا۔ ملک العلماء اپنے پیر و مرشد کے دامان عقیدت سے وابستگی اور غیر معمولی محبت کی بنا پر اس سناٹے کو توڑنے کے لئے خود ہی ہمت کر کے اٹھے اور نہایت محنت اور محبت سے ''حیات اعلیٰ حضرت'' مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے اور بارہ سال کے اندر ایک مفصل و مستند ''سوانح عمری'' چار جلدوں میں مکمل فرمائی۔ ملک العلماء فرماتے ہیں:

''افسوس صد ہزار افسوس کہ اس آفتاب عالم تاب کو غروب ہوئے آج ۱۹۳۸ء میں سترہ سال ہو گئے مگر سوا اس مختصر منظوم ''ذکر رضا (۱۹۲۱ء)'' حامی دین و ملت مولانا مولوی محمود جان صاحب جام جودھپوری کے کوئی مفصل سوانح عمری آپ کی شائع نہ ہوئی، پھر بھی ہم رضویوں کو جناب حاجی مولوی سید ایوب علی صاحب رضوی بریلوی کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور برادران طریقت کو توجہ دلائی۔ ان کی تحریر سے بعض احباب نے کچھ حالات ان کے پاس لکھ بھیجے اور زیادہ حصہ خود سید صاحب موصوف نے لکھا، جب ان کو میرے ''حیات اعلیٰ حضرت'' (۱۹۳۸ء) لکھنے کی خبر ہوئی تو جو کچھ مواد ان کے پاس تھا سب مجھے عنایت فرما دیا۔ خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر کہ عرصہ بارہ سال میں یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی اور باعتبار ختم ''مظہر المناقب'' (۱۳۶۹ھ) تاریخی نام تجویز ہوا، مولیٰ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور سب سنیوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین (۵۳)

''حیات اعلیٰ حضرت'' کی پہلی جلد ایک عرصے سے ہند و پاک میں اشاعت پذیر ہو رہی ہے اور سنیوں کو فائدہ پہنچا رہی ہے۔ اور اب تو ہند و پاک سے ساری جلدیں چھپ گئی ہیں اور اہل علم کی مشام جاں معطر ہو رہی ہے۔

'حیات اعلیٰ حضرت' کے لیے رضویات پر ملک العلماء کی مندرجہ ذیل کتابیں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

(۱) الافادات الرضویہ (اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے اصول حدیث سے متعلق وہ علمی فوائد جو مؤلف نے ان سے سن کر قلمبند کئے تھے)

(۲) النور والضیاء فی سلاسل الاولیاء (صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے ان ۱۶۲ سلسلوں کا شجرہ اور ان کے اسمائے گرامی درج ہیں جن میں حضور ملک العلماء کو بیعت و اجازت حاصل تھی اس میں پہلا شجرہ سلسلہ عالیہ قادریہ طیبہ مبارکہ رضویہ کا ہے)

(۳) المجمل المعدد لتالیفات المجدد (۱۹۰۹ء تک کی لکھی ہوئی اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی ساڑھے تین سو تصانیف کا ذکر ہے۔)

(۴) چودھویں صدی کے مجدد (اس میں اعلیحضرت کی شان مجددیت کا منفصل بیان ہے) (۵۴)

حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ کے اکلوتے فرزند پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد ہیں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی رہنے کے بعد اب مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی پٹنہ کے وائس چانسلر کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ بھی اپنے عظیم باپ کی طرح نہایت سختی سے حنفی المذہب عقائد کے پابند ہیں۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ سے عقیدت و محبت آپ کو ورثے میں ملی ہے۔ اس عقیدت پر آپ کے مندرجہ ذیل مقالات شاہد عادل ہیں:۔

(۱) امام احمد رضا کا تحقیقی جائزہ (۵۵)

(۲) برصغیر کا ایک بے حد ممتاز مصنف الشیخ امام احمد رضا فاضل بریلوی (۵۶)

(۳) ملفوظات فاضل بریلوی پر ایک نظر میں (۵۷)

سفر آخرت کے مناظر:

امام اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے وصال باکمال کے مناظر بڑے ہی روح پرور اور ایمان افروز ہیں۔ اپنے وصال سے قبل قرآن پاک کی آیت مبارکہ "ویطاف علیهم بـانية من فضة واكواب" سے اپنا مادۂ تاریخ ۱۳۴۰ھ نکالا سورہ یسین شریف اور سورۂ رعد شریف کی تلاوت سنی، بعد میں خود سفری دعائیں پڑھیں پھر کلمہ شریف پورا پڑھا۔ چہرۂ مبارک پر ایک لمعۂ نوری چمکا اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ آفتاب علم وہدایت ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو غروب ہوگیا۔ (۵۸)

اسی طرح آپ کے روحانی فرزند ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمۃ کا بھی سفر آخرت ایمان افروز اور قابل رشک ہے۔ آپ کے فرزند مختار الدین احمد فرماتے ہیں:

ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی عبادت و ریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی، نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق۔ زندگی کے آخری دن تک وہ علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔ شب دوشنبہ ۱۹ رجمادی الاخری ۱۳۸۲ھ / ۱۸ رنومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ کرتے انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں"۔ (۵۹)

شیخ کی نظر کرم تھی شفقت احمد رضا
مہرباں کیسے نہ ہوں ان پر خدا و مصطفیٰ (عزوجل و ﷺ)

اس طرح اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی وہ دعا بھی منظور ہوگئی جو آپ نے اپنے مشاہیر خلفاء و تلامذہ کے لئے ان الفاظ میں مانگی تھی:

ان پہ کرم رکھ سر پہ قدم رکھ — تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے گدا ہیں تجھ پہ فدا ہیں — تیرا ہی کھاتے گاتے یہ ہیں
صلی اللہ علیک وسلم — بارک شرف مجد و کرم

(۶۰)

قطعات وصال:

حضور اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے وصال باکمال پر مختلف تاریخ گو حضرات نے قطعات لکھنے کا شرف حاصل کیا ہے یقیناً ہر ایک نے نہایت محنت اور محبت سے قطعہ لکھا ہے۔ لیکن ان میں عصر حاضر کے تاریخ گو عبدالسلام طارق سلطان پوری نہایت ممتاز نمایاں ہیں انہوں نے سب سے زیادہ قطعات لکھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے ایک قطعۂ وصال پیش خدمت ہے:۔

وہ ثنا خوان جان رحمت ہے — اس پہ سرکار کی عنایت ہے

اس کا مقصود آبروئے حضور — اس کا منشا نبی کی عظمت ہے
عشق شہ سے اسے کیا سرشار — اس کے ممنون شہ کی امت ہے
شہباز اوج علم و دانش کا — آفتاب سپہر حکمت ہے
فقر میں ہے بلند اس کا مقام — شمع کا شانۂ بصیرت ہے
اک ادارہ وہ ذات میں اپنی — وہ مجدد تھا، یہ حقیقت ہے
اعتبار و وقار اہل نظر — نازش دین و فخر ملت ہے
والہ جان نور، وہ کف خاک — سر بسر عشق کی حرارت ہے
اس کے اوصاف کے تنوع پر — صاحبان نظر کو حیرت ہے
کل بھی لاریب وہ قد آور تھا — آج بھی وہ بلند قامت ہے
''خوگر مدحت نبی طارق — اس نظر ور کا سال رحلت ہے

(۶۱)

قطعات وصال کے علاوہ طارق سلطان پوری نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے مادہ ہائے سال وصال بھی نکالے ہیں۔ایک دو مادے نہیں بلکہ مادوں کے انبار لگا دیئے ہیں۔ چند تاریخی مادے پیش کئے جاتے ہیں:

''شیخ المفکرین''(۱۳۴۰ھ) ''سخن کا تاجدار''(۱۳۴۰ھ)
''اک نابغۂ دوراں''(۱۳۴۰ھ)''فیض گیر قاسم حجاز''(۱۳۴۰ھ)
''رضی الرحمان''(۱۳۴۰ھ) ''نقش فیض''(۱۳۴۰ھ)
''جلوہ چراغ محمدؐ''(۱۳۴۰ھ) ''مرغوب محمدؐ''(۱۳۴۰ھ)

(۶۲)

یہی نہیں بلکہ عبد القیوم طارق سلطان پوری نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے مشاہیر خلفاء تلامذہ کے قطعات وصال بھی لکھے ہیں۔ پیش نظر مقالہ ''امام احمد رضا اور ملک العلما'' مکمل کرنے کے بعد راقم الحروف آپ کے کاشانے پر پہنچا اور ملتمس ہوا کہ یہ مقالہ پورا پڑھنے اور اس کی روشنی میں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے لاڈلے خلیفہ وشاگرد سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا قطعۂ وصال اتخراج فرمایئے۔آپ نے پورا مقالہ پڑھا اور مندرجہ ذیل مادہ ہائے تاریخ راقم کو املاء کرادیئے:

''کمال العلما، فاضل بہار''(۱۳۸۲ھ)
''آوازہ ظفر الدین محمدؐ''(۱۳۸۲ھ)
''خورشید ادب ودانش وحکمت''(۱۹۶۲ء)
''خورشید آسمان علی''(۱۳۸۲ھ)
''جلوہ ہائے منظر اسلام''(۱۳۸۲ھ)

بعد ازاں مندرجہ ذیل قطعۂ وصال بھی راقم کے حوالے فرمادیا:

وہ بہرہ ور مکتب اعلیٰ حضرت — زہے یہ سعادت خوشا یہ فضیلت
وہ ''جان پدر، بلکہ از جان بہتر'' — یہ استاد کے سامنے اس کی وقعت
بلند علم و تحقیق میں اس کا رتبہ — سراج فقاہت وماہ بصیرت
بصیرت افروز لکھیں کتابیں — عیاں جن سے ہے اس کی علمی وجاہت
نصیر ورفیق سفر جیش حق کا — وہ دلدادۂ عاشقان رسالت
وہ پروردۂ فیض نگاہ رضا کا — وہ لاریب سرمایۂ اہل سنت
لحد میں، سرپل، سرحشر پائے — خدا کی، حبیب خدا کی عنایت
کہا مجھ سے ہاتف نے طارق کہ اس کا
سن وصل ہے ''زیب بام فضیلت''
۱۳۸۲ھ

(۶۳)

حوالے وحواشی:

(۱) تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل آخذ سے رجوع کریں:
(ا) محمد صادق قصوری، مجید اللہ قادری، پروفیسر: تذکرہ خلفائے

اعلیٰحضرت، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء
(ii) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر: خلفائے اعلیٰحضرت مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء
(iii) حسن رضا اعظمی، ڈاکٹر: فقیہہ اسلام مطبوعہ کراچی ۱۹۸۴ء
(iv) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء
(v) محمود احمد قادری، مولانا: تذکرۂ علمائے اہلسنت مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۹۲ء
(۲) محمد صادق قصوری، مجید اللہ قادری، پروفیسر، ڈاکٹر: تذکرہ خلفائے اعلیٰحضرت مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء ص: ۳۰۱
(۳) سالنامہ معارف رضا کراچی ۱۹۸۳ء ص: ۳۲۵
(۴) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت، ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ز
(۵) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۲۸۰
(۶) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء ص: ۱۴
(۷) ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور صدر الشریعہ نمبر اکتوبر نومبر ۱۹۹۵ء ص: ۲۶۹
(۸) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۴۶
(۹) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء ص: ۱۳
(۱۰) تفصیل کے لئے دیکھئے:
(i) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی
(ii) محمد احمد قادری، مولانا: مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء
(۱۱) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۴۷
(۱۲) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات مملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء ص: ۷
(۱۳) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۴۷
(۱۴) امام احمد رضا خاں بریلوی، مولانا: العطایا النبویہ فی الفتاوے الرضویہ ج ۱ جدید مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء ص: ۱۷۹
(۱۵) امام احمد رضا خاں بریلوی، مولانا: العطایا النبویہ فی الفتاوے الرضویہ ج ۱۰ قدیم نصف آخر مطبوعہ کراچی: ۴۱
(۱۶) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: المجمل المعدد لتالیفات المجدد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء ص: ۳
(۱۷) محمود احمد قادری، مولانا: مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء ص: ۵۹
(۱۸) محمود احمد قادری، مولانا: مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء ص: ۵۷
(۱۹) محمود احمد قادری، مولانا: مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء ص: ۱۷۶
(۲۰) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۱۴۲
(۲۱) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۱۴۷
(۲۲) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۳۰۳
(۲۳) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص: ۲۴۴

(۲۴) ماہنامہ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۵ء ص:۲۱

(۲۵) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء ص:۱۴

(۲۶) مجلہ پیغام رضا بمبئی امام احمد رضا نمبر ۱۹۹۷ء ص:۳۵۲

(۲۷) محمود احمد قادری، مولانا: مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء ص:۶۲

(۲۸) امام احمد رضا خاں بریلوی، مولانا: الاستمداد علی اجیال الارتداد مطبوعہ لاہور ۱۳۹۶ھ ص:۸۹

(۲۹) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص:۴۸

(۳۰) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص:۵۶

(۳۱) دیکھئے: محمد شہاب الدین رضوی، مولانا: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۵ء

(۳۲) دیکھئے: محمد جلال الدین قادری، مولانا: مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

(۳۳) محمد شہاب الدین رضوی، مولانا: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۵ء ص:۲۸۳

(۳۴) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء ص:۱۶

(۳۵) محمد شہاب الدین رضوی، مولانا: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۵ء ص:۴۱۸

(۳۶) دیکھئے: محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر: فاضل بریلوی اور ترک موالات مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء

(۳۷) محمد شہاب الدین رضوی، مولانا: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۵ء ص:۳۰۴

(۳۸) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء ص:۲۰

(۳۹) دیکھئے: محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص:۲۸۲ تا ۲۸۹

(۴۰) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: مؤذن الاوقات مطبوعہ ملتان ۱۴۰۰ء ص:۳

(۴۱) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت ج ۱ مطبوعہ کراچی ص:۱۶۲

(۴۲) ماہنامہ جہان رضا لاہور دسمبر ۱۹۹۵ء ص:۲۵

(۴۳) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلما مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء ص:۳۸

(۴۴) امام احمد رضا خاں بریلوی، مولانا: تمہید ایمان بآیات القرآن مطبوعہ لاہور ص ۸

(۴۵) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: میلاد رضوی مطبوعہ لاہور ۱۴۱۶ھ ص ۷

(۴۶) محمود احمد قادری، مولانا: مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۰۷

(۴۷) محمد ظفر الدین بہاری مولانا: میلاد رضوی مطبوعہ ۱۴۱۶ھ ص ۲۰

(۴۸) دیکھئے: امام احمد رضا خان بریلوی مولانا: حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبوعہ لاہور ۱۹۸۵ء

(۴۹) حشمت علی خان لکھنوی مولانا: الصوارم الہندیہ مطبوعہ لاہور ۱۰۲

(۵۰) دیکھئے: محمود احمد قادری، مولانا: مکتوبات امام احمد رضا

خان بریلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء
(۵۱) محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت، ۱۲۰ مطبوعہ کراچی ص ۶۸
(۵۲) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء ص ۲۳
(۵۳) محمد ظفر الدین احمد، ڈاکٹر: حیات اعلیٰ حضرت مطبوعہ کراچی صفحہ
(۵۴) دیکھئے: مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء
(۵۵) دیکھئے: ماہنامہ المیزان بمبئی امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء ص ۳۳۱ تا ۳۳۶
(۵۶) دیکھئے: ماہنامہ جہان رضا لاہور اپریل مئی ۱۹۹۸ء ص ۲۳ تا ۴۸
(۵۷) دیکھئے: ماہنامہ جہان رضا لاہور ستمبر ۱۹۹۸ء ص ۲۰ تا ۳۲
(۵۸) دیکھئے: حسنین رضا خان بریلوی، مولانا: ایمان افروز وصایا مطبوعہ لاہور
(۵۹) مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۶
(۶۰) امام احمد رضا خان بریلوی، مولانا: الاستمداد علےٰ اجیال الارتداد مطبوعہ لاہور ۱۳۹۶ھ ص ۱۰۰
(۶۱) دیکھئے: صابر حسین شاہ بخاری، سید: اذکار جمال رضا (۱۹۹۷ء قلمی)
نوٹ: عنقریب یہ مجموعہ رضا اکیڈمی لاہور کے زیر اہتمام چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے۔ صابر
(۶۲) دیکھئے: صابر حسین شاہ بخاری، سید: امام الوقت رضا بہ زبانِ طارق مطبوعہ لاہور ۱۹۹۷ء
(۶۳) طارق سلطانپوری سے راقم کی ایک یادگار ملاقات بتاریخ ۳۰ نومبر ۱۹۹۸ء

☆☆☆

وہ بہرہ ور مکتب اعلیٰ حضرت　　زہے یہ سعادت خوشا یہ فضیلت
وہ پروردہ فیض نگاہ رضا کا　　وہ لاریب سرمایۂ اہل سنت

(طارق سلطان پوری)

ملک العلماء اعلیٰ حضرت کی نظر میں

از قلم: مولینا مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی، معاون ناظم اعلیٰ: جامعۃ الرضا، مرکز نگر بریلی شریف

چاند شب دیجور میں اپنی چاندنی سے اس نیلگوں آسمان کو حسین وخوب رو بناتا ہے اور اس کے اطراف جگمگاتے ستارے اس کے حسن وجمال کو دوبالا کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح امام احمد رضا فلک علم وفضل کے اس آفتاب وماہتاب کا نام ہے، جس کی علمی ضیاباریوں سے آج پوری دنیا روشن ومنور ہے، اس آفتاب وماہتاب کے اردگرد بھی ستاروں کا ایک ہالہ نظر آتا ہے جس کی متنوع علمی شعاؤں نے چرخ علم وفضل کی چمک دمک کو مزید دوبالا کر دیا ہے۔

ان میں سے ہر ایک ستارہ اپنی علمی ضیاباری میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا پرتو نظر آتا ہے، ان کی علمی تابشوں سے ایک عالم جگمگا رہا ہے، ذرا دیکھئے تو: کوئی ''صدر الافاضل'' کی شکل میں علم وفضل کا نور بکھیرتا نظر آتا رہا ہے، تو کوئی ''حجۃ الاسلام'' کی شکل میں اسلامی حقانیت کو دنیا پر واضح کر رہا ہے۔ کوئی ''مفتیٔ اعظم'' بن کر دنیا کو اسلامی حمیت کا درس دے رہا ہے، تو کوئی ''شیر بیشہ اہل سنت'' بن کر باطل کو کیفر کردار تک پہنچا رہا ہے، کوئی ''صدر الشریعہ'' بن کر شریعت کے اسرار ورموز سمجھا رہا ہے، تو کوئی ''ملک العلماء'' بن کر علوم نادرہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نیابت کرتا نظر آرہا ہے۔

ان جگ مگ ستاروں میں سے حضور ملک العلماء اس وقت ہمارے ممدوح ہیں۔ جن کے بارے میں ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے یا لکھنے کے بجائے اعلیٰ حضرت ہی کے لفظوں میں کچھ کہنے یا لکھنے اور انھیں کی نظر سے انھیں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

اعلیٰ حضرت کے ۱۴۰ رشہرۂ آفاق خلفا وتلامذہ میں حضور ملک العلماء کی شخصیت کئی اعتبار سے خصوصیت کی حامل ہے، چنانچہ آپ نے ''الاستمداد'' میں اپنے خلف اکبر حضرت علامہ مفتی حامد رضا خاں قادری بریلوی اور اپنے بزرگ ترین خلیفہ حضرت علامہ عبد السلام جبل پوری علیہما الرحمہ کے بعد یعنی تیسرے نمبر پر ملک العلما کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

> میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
> اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اس سے بارگاہ اعلیٰ حضرت میں ملک العلما کے مقام ومرتبہ کے ساتھ ساتھ آپ سے قلبی تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے، آپ گلستان رضا کے وہ عطر بیز گل ہیں۔ جس کی رنگا رنگ عطر بیزی پر امام احمد رضا کو فخر تھا، ناز تھا، اعتماد تھا اور بھروسہ تھا، کیوں کہ آپ جملہ علوم وفنون خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے، تفسیر وحدیث، تجوید وقرأت، فقہ وعقائد، اخلاق وتصوف، عروض وبلاغت، ادب ولغت، نحو وصرف، معانی وبیان، نجوم وفلکیات، ہیئت وہندسہ، توقیت وتکسیر، رمل وجفر، منطق وفلسفہ، جرح وتعدیل، ریاضی ومناظرہ جیسے علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی، اس وسعت علمی پر آپ کی لگ بھگ ۱۰۰ رتصنیفات وتالیفات شاہد عدل ہیں۔

حضور ملک العلماء بچپن ہی سے دینی ومذہبی معاملات میں بیدار مغزی کے حامل تھے اور زمانہ طالب علمی سے ہی تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر، بحث ومناظرہ، درس وافتا میں خاصی دلچسپی اورمہارت رکھتے تھے، ان عظیم نعمتوں کے لئے انھوں نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے شرف بیعت وتلمذ کو سونے پر سہاگہ قرار دیا ہے، اسی لئے بارگاہ ایزدی میں بطور شکر تحریر فرماتے ہیں:

"زمانۂ طالب علمی ہی سے دینی خدمات، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتبلیغ، افتا ومناظرہ کا شوق وذوق میرے دل میں جاگزیں ہوا اور برابر انھیں دینی خدمتوں میں انہماک وشغف کے ساتھ منہمک رہا اور پھر ان نعمتوں پر مزید گویا سونے پر سہاگہ یہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حاجی قاری حافظ شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی نے بیعت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا، جو شریعت مطہرہ وطریقت منورہ کی علمی عملی تصویر تھے۔"
(حیات اعلیٰ حضرت، ۱/و)

حضور ملک العلماء کے علم وفضل کی عظمت وبلندی کا اندازہ آپ کے مرشد ومربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے اس مکتوب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:
(۱) سنی، خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں..........
فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انھیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے، اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ ان کی جگہ مقرر کروں۔ (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ۱/۲۰۹-۲۱۰)

اس خط میں سب سے پہلے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حضور ملک العلما کو من جملہ اپنے یہاں کے ہونہار طلبہ میں سے ایک، پھر منظر اسلام کے ایک ذی صلاحیت مدرس اور فتویٰ نویسی میں اپنے معاون کی حیثیت سے متعارف کرانے کے بعد تحریر فرمایا:

(۱) "سنی، خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں" اس جملہ سے اعلیٰ حضرت نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ حضور ملک العلما معتقدات اہل سنت کے مطابق نہ صرف خود سنی صحیح العقیدہ ہیں بلکہ سنی گر بھی ہیں، اس قول سے آپ کے ایمان واسلام اور عقیدے کی پختگی کا مکمل اظہار ہوتا ہے۔

(۲) "عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں" فرما کر آپ کی تدریسی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی ہے، چنانچہ جب ہم "قول رضا" کی روشنی میں آپ کی تدریسی خدمات کا جائزہ

لیتے ہیں، تو آپ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی چلتی پھرتی کرامت نظر آتے ہیں۔

۱۳۲۵ھ میں فراغت کے فوراً بعد ہی امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ملک العلما کو منظر اسلام، بریلی شریف کا مدرس سوم بنا دیا، یہاں تقریباً چار سالوں تک درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ کارافتا میں امام موصوف کی معاونت کی اہم ذمہ داری بھی انجام دیتے رہے، ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار تشریف لائے اور یہاں لگ بھگ دوسال تک علوم ومعارف کے خزانے لٹائے، پھر ۱۳۳۰ھ میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں مسند تدریس سنبھالی، جہاں چار سال تک تدریسی سرگرمیاں رہیں، ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ، سہسرام تشریف لے گئے، جہاں تقریباً چار یا پانچ سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیں، پھر دوبارہ اراکین مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ کے اصرار بسیار پر ۱۳۳۸ھ میں مدرسہ کی مسند صدارت کو زینت بخشی اور اسی منصب جلیل پر رہتے ہوئے غالباً ۱۳۷۰ھ میں سبکدوش ہوئے۔

۱۳۷۱ھ میں شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، متن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی تدریسی وانتظامی صلاحیتوں کے ذریعہ اسے بام عروج تک پہنچایا، جب یہ ادارہ کافی مستحکم ہو گیا، تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدہ "ظفر منزل" شاہ گنج پٹنہ تشریف لے آئے۔ (حیات ملک العلما، ص ۱۶)

درج ذیل کتابیں آپ کی اعلیٰ تدریسی صلاحیت کی روشن دلیل ہیں:

۱	علم منطق میں	تقریب
۲	علم فلسفہ میں	تذھیب
۳	علم فلسفہ میں	الانوار اللامعة من الشمس البازغة
۴	علم نحو میں	وافية
۵	علم نحو میں	التعليق علىٰ شروح المغني
۶	علم نحو میں	نظم المباني في حروف المعاني
۷	علم صرف میں	عافيه

(۳) اعلیٰ حضرت نے اپنے مذکورہ مکتوب میں حضور ملک العلماء کو "مفتی" ارشاد فرمایا ہے، اہل علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ علم فقہ و افتا اپنے اندر بے پناہ گہرائی وگیرائی اور وسعت و جامعیت رکھتا ہے ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کہ وہ مفتی وفقیہ بن جائے الا ما شاء الله! کہ یہ اسی کے فضل وکرم سے ہے، وہ جس پر بارش رحم وکرم کرنا چاہتا ہے، اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

چنانچہ معلم کائنات فخر موجودات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من يرد اللّٰه به خيرا يفقهه في الدين. یعنی اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا اسے دین کا فقیہ بناتا ہے۔" (مشکوۃ شریف)

محض درسی کتب پڑھ لینے سے علم فقہ وفتویٰ حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ درس نظامیہ کا ہر وہ فارغ التحصیل جو قدرے صلاحیت رکھتا، ہو فتویٰ دے سکتا ہے، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی قدس سرہ القوی فرماتے ہیں:

"آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔" (فتاویٰ رضویہ ۴/۵۶۵)

دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں:

"علم الفتویٰ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، جب تک کہ مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔" (فتاویٰ

رضویہ،۱۰/۲۳۱)

صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین عظام اور ائمۂ اسلام جو منصب افتاء پر فائز ہوئے، سب مجتہد اور مفتی مطلق تھے۔ لیکن حضرت امام شافعی کے بعد کوئی بھی مفتی مطلق نہیں ہوا، سب مفتی منتسب ہیں۔ جو اقوال مجتہد حفظ کر کے بطریق حکایت بیان کریں، یعنی ہمارے زمانے کا فتویٰ، فتویٰ نہیں بلکہ مفتی کے کلام کی نقل ہے جسے مستفتی کے لئے نقل کر دیا جاتا ہے۔ (ردالمختار ۱/۶۹)

مگر اللہ عالم الغیب والشہادۃ اسے بھی ایک گونہ قوت اجتہاد عطا فرماتا ہے، جس کے ذریعہ وہ درپیش مسائل کے حل کے لئے دلائل و براہین کا ادراک حاصل کرتا ہے، اس کے بغیر نوزائدہ مسائل کا حل ممکن ہی نہیں، چنانچہ حضرت علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

"مسائل جدیدہ کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مفتی اجتہادی قوت کا حامل اور لوگوں کے حالات کا عالم ہو"۔ (ردالمختار جلد ۲/ ۳۹۸)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ منصب عظمیٰ کس قدر جاں سوزی، بالغ نظری اور تبحر علمی کا متقاضی ہے، چنانچہ اعلیٰ حضرت کی دوررس نگاہوں نے حضور ملک العلما کی ذات میں وہ سارے جوہر دیکھ لئے تھے۔ جس کی ضرورت ایک "نقطہ رس مفتی" کو ہوتی ہے۔ جبھی تو ارشاد فرمادیا "مفتی ہیں" قول رضا کو سامنے رکھ کر "فتاویٰ ملک العلما" کا مطالعہ کیجئے، تو یہ عقدہ کھلتا چلا جاتا ہے کہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حضور ملک العلماء نے فتویٰ نویسی کا آغاز اعلیٰ حضرت کی زیر تربیت ۱۳۲۲ھ میں ہی کر دیا تھا۔ جب آپ کی عمر صرف ۱۹ رسال کی تھی یعنی آپ کم سنی میں ہی کبرسنی کے قاضی مفتی کے عظیم منصب پر فائز ہو چکے تھے، جس منصب کے لئے محض علمی کمال ہی کافی نہیں۔ بلکہ مدتوں کسی مفتی مجتہد صفت کی صحبت بھی نہایت ضروری ہے۔

آپ اپنے پہلے فتویٰ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

"۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو میں نے فتویٰ لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد (علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی) قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اسی لئے اُسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں، غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ بول نہ سکا۔"
(حیات اعلیٰ حضرت،۱/۴۶)

ملک العلما کی فتویٰ نویسی اور دیگر تحریری سرگرمیوں کا یہ زریں سلسلہ ۱۳۸۲ھ یعنی وقت وصال تک جاری رہا جو لگ بھگ ساٹھ سالوں پر محیط ہے۔

فقہ و افتا کا میدان اس قدر سنگلاخ ہونے کے باوجود بھی حضور ملک العلما کے فتاویٰ ادب سے پر اردوئے معلیٰ کے شاہکار نظر آتے ہیں، حالانکہ کہا تو یہی جاتا ہے کہ "فتوے کی زبان دوٹوک اور خشک ہوتی ہے" لیکن جب حضور ملک العلما کے فتاویٰ پر نظر پڑتی

ہے تو یہ مفروضہ یکسر غلط لگنے لگتا ہے اور یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اگر ''مفتی'' اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی آغوش تربیت کا پروردہ ہو، تو اس کے فتویٰ میں ادب کی چاشنی بھی ہوگی اور زبان وبیان کی حلاوت بھی! گویا اس کے فتوے کا ''ادبیت وسلاست'' کا مرقع ہونا ایک یقینی امر ہے۔

مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی کے ذریعہ مرتب کردہ آپ کے فتاویٰ بنام ''فتاویٰ ملک العلما'' حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری برکاتی بریلوی مدظلہ العالی کی اجازت اور آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی مدظلہ العالی کے اہتمام سے ''امجمع الرضوی نے پہلی بار ۲۰۰۴ء میں شائع کئے۔

اس کے علاوہ آپ کے کئی تفصیلی فتاوے جو مستقل ایک کتاب کی حیثیت رکھتے تھے، ہندو پاک کے مختلف اشاعتی اداروں سے چھپ کر منظور اہل علم وقلم اور مقبول خاص وعام ہو چکے ہیں۔

(۴) نیز آپ نے فرمایا ''مصنف ہیں'' جب ہم اس قول کی روشنی میں حضور ملک العلما کی تصنیفات کا جائزہ لیتے ہیں، تو یہاں بھی آپ کے تصنیفی کمالات اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی گہرشناس نگاہوں کی اعلیٰ بصیرت کا پتہ دیتے ہیں، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی دوررس نگاہیں یہ ملاحظہ فرمارہی تھیں کہ ملک العلماء ۱۳۲۳ھ میں ''مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس'' تصنیف فرمارہے ہیں، ۱۳۲۴ھ میں ''شرح الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ'' کا آغاز کر چکے ہیں، ۱۳۲۴ھ میں ''مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفےٰ''، ۱۳۲۵ھ میں ''التعلیق علی القدوری'' ۱۳۲۵ھ میں ''اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد'' کی تصنیف ہو رہی ہے، ۱۳۲۶ھ میں ''بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ'' ۱۳۲۶ھ میں ''الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی''، ۱۳۲۷ھ میں المجمل المعدد لتالیف المجدد، ۱۳۳۰ھ میں التحقیق المبین لکلمات التوابین تحریر فرمارہے ہیں۔

۱۳۳۰ھ میں ''اطیب الاکسیر فی علم التکسیر'' ۱۳۳۲ھ میں ''رفع الخلاف من بین الاحناف'' ۱۳۳۳ھ میں ''خیر السلوک فی نسب الملوک'' ۱۳۳۳ھ میں ''نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینہ'' ۱۳۳۳ھ میں ''القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر'' ۱۳۳۳ھ میں ''جواھر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان'' ۱۳۳۶ھ میں ''تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب'' ۱۳۳۷ھ میں ''تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار'' ۱۳۳۷ھ میں ''الاکسیر فی علم التکسیر'' ۱۳۳۸ھ میں ''سرور القلب المحزون فی الصبرعن نور العیون'' ۱۳۳۹ھ میں ''ھادی الھداۃ لترک الموالاۃ'' ۱۳۴۱ھ میں ''اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام'' ۱۳۴۳ھ میں ''نھایۃ المنتھی فی شرح ھدایۃ المبتدی'' ۱۳۴۴ھ میں ''الافادات الرضویہ'' کی تالیف ہو رہی ہے۔

۱۳۴۵ھ میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری'' تصنیف فرمارہے ہیں، ۱۳۴۷ھ ''دلچسپ مکالمہ'' ۱۳۴۸ھ میں ''تسھیل الوصول الیٰ علم الاصول'' ۱۳۵۳ھ میں ''تنویر السراج فی ذکر المعراج'' ۱۳۵۴ھ میں ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' ۱۳۵۷ھ میں ''الفوائد التامہ فی اجوبۃ

الامور العامۃ'' ۱۳۵۷ھ میں ''جامع الاقوال فی رویۃ الھلال'' ۱۳۶۰ھ میں ''مولود رضوی'' ۱۳۶۵ھ میں ''تحفۃ العظما فی فضل العلما'' ۱۳۶۶ھ میں ''سد الفرار لمہاجری بھار'' ۱۳۶۷ھ میں ''چودھویں صدی کے مجدد'' جیسی معرکۃ الآراتصانیف منصۂ شہود پر آرہی ہیں۔ اور ۱۳۶۹ھ میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' لکھ کر ''رضویات'' کی خشت اوّل رکھ رہے ہیں، ۱۳۷۰ھ میں ''عید کا چاند'' ۱۳۷۱ھ میں ''تنویر المصباح للقیام عند حیّ علیٰ الفلاح'' ۱۳۸۲ھ میں ''النور والضیا فی سلاسل الاولیا'' تصنیف فرما کر تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں نمایاں مقام حاصل کر رہے ہیں۔

(۵) امام اہل سنت حضور ملک العلما کی مزید علمی صلاحیتیں آشکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: واعظ ہیں، حضور ملک العلمانے وعظ وتقریر کے ذریعہ قوم وملت کی اصلاح کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ اس فن میں رسائل بھی تصنیف فرمائے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

''وعظ وخطاب پر تو ملک العلما کے کئی رسائل لاہور سے شائع ہو چکے ہیں، مزید اور غیر مطبوعہ ہیں، سب کو جمع کر دیا جائے تو ایک ضخیم جلد ''خطبات ملک العلما'' کے نام سے چھپ سکتی ہے۔'' (ماہنامہ کنز الایمان، دسمبر ۲۰۰۸ء، ص ۲۹)

(۶) نیز ارشاد فرماتے ہیں ''مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں'' اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ مناظرہ کے تعلق سے امام احمد رضا کو حضور ملک العلما پر یہ مکمل اعتماد واطمینان تھا کہ باطل سے نبرد آزمائی کے لئے آپ میں وہ ساری خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہیں، جن کی ضرورت ایک ''کامیاب مناظر'' کو ہوتی ہے، چنانچہ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، حضور ملک العلماء کو ایک مناظرے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیتے تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا المکرم ذی المجد والکرم ولدی الاعز مولانا محمد ظفر الدین جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا، بھاگلپور، فیروز آباد، راندیر! بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا، یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو، فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لئے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی، راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا، وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے، میں نے فاتحان بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں مگر انھوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انھیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو، لہٰذا آپ راندیر جانے کے لئے تیار رہیں، میرے تار کا انتظار کریں۔'' (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۶۴)

اس مناظرے کے لئے حضور ملک العلما کی مستعدی پر اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مولانا المکرم ذی المجد والکرم ولدی الاعز مولانا محمد ظفر الدین جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مستعدی پر بحمدہ تعالیٰ جی خوش ہوا، جزاکم خیراً وبارک فیکم وبکم ولکم وعلیکم، آج ۱۳ دن ہوئے، راندیر سے جواب نہ آیا، جواب آنے پر کچھ کیا جائے۔'' (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر

شریف ۱/۳۶۴)

۱۳۲۳ھ میں حضور ملک العلما نے امکان کذب باری تعالیٰ، علم غیب رسول اور اہل سنت کے ان مسائل سے متعلق جن پر اہل دیوبند کو اختلاف ہے ۲۰ سوالات اپنے زمانہ طالب علمی میں مرتب کر کے اشرفعلی تھانوی سے ان کے جوابات طلب کئے، جن کا کوئی بھی جواب تھانوی کی طرف سے نہ دیکھنے میں آیا نہ سننے میں آیا، اس تحریری مناظرے کے نتیجے میں "ظفر الدین الجید اور ظفر الدین الطیب" جیسے رسالے معرض وجود میں آئے۔

۱۳۲۶ھ میں فیروز پور میوات میں کچھ وہابیہ دیابنہ نے ضلالت وگمراہی کا طوفان برپا کر رکھا تھا، جس سے پریشان ہوکر حضرت مولانا صوفی شاہ رکن الدین الوری نے حضرت مولانا احمد حسین خان رام پوری مقیم درگاہ معلّٰی اجمیر شریف کو کسی مناظر کے لئے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بریلی شریف بھیجا، مولانا رامپوری بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضر ہوئے اور وہاں کے تمام حالات سنا کر کوئی مناظر روانہ فرمانے کی گزارش کی۔

اس سلسلے میں مزید حضور ملک العلما خود تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھر کا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے، آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جایئے اور وہابیوں کو شکست دیجئے، میں نے عرض کیا تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں، حضور کی دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شامل حال رہی تو وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی، اس وقت اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لا کر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ: یہ مدینہ طیبہ کا ہے، میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا، اعلیٰ حضرت کی دعا اور اس جبہ کی یہ برکت ہوئی کہ وہابیہ کی طرف سے متعدد صاحبان مناظرہ کے لئے آئے تھے مگر جب ابتدائی مباحث طے ہوگئے اور سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کے جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے، تقاضے پر تقاضے ہوتے مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹتا، تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے، آخر ثالث وحکم صاحب نے کہا:

مولانا کچھ تو بولئے تاکہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے، اس پر بھی وہ خاموش محض رہے، آخر مجبوراً ان لوگوں نے بھی اعلان کیا: صاحبو آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں، جب علمی باتوں کی نوبت آئی، مولانا ظفرالدین صاحب نے سوالات کئے، ان کے جواب میں ان تمام علمانے سکوت محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹہ وقت صرف کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں ورنہ کس دن کے لئے اٹھا رکھتے؟ ان لوگوں کا مذہب باطل اور مولوی شاہ رکن الدین صاحب ومولوی شاہ ارشاد علی صاحب، مولانا مولوی ظفرالدین صاحب، مولوی احمد حسین خاں صاحب وغیرہ علما کا مذہب حق ہے، آپ لوگ آتے وقت دو دروازے سے الگ الگ داخل ہوئے تھے، اب سب لوگ متفق ہوکر اس دروازے سے مولوی ظفرالدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جائیں،

چنانچہ ان چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علمائے اہل سنت کے ساتھ ساتھ آئے، والحمد للہ علی ذلک۔"

(حیات اعلیٰ حضرت ۱/۵۵-۵۶)

۱۳۳۴ھ میں کلکتہ کے ایک غیر مقلد مولوی ولی اللہ مارواڑی نے حنفیوں کو مناظرے کا چیلنج دیا تھا، حاجی محمد لعل خاں مدراسی کی دعوت پر امام احمد رضا نے اس غیر مقلد کے گمراہ کن اعتراضات کا دندان شکن جواب دینے کے لئے حضور ملک العلما کو کلکتہ بھیجا، جب آپ اس مناظرے کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے، تو بدعقیدہ مولوی مارواڑی فرار ہو گیا، اس کی مکمل تفصیل "گنجینۂ مناظرہ" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس مناظرہ میں کامیابی پر امام احمد رضا، ملک العلما کو مبارک باد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فتح مبارک ہو، پہلے معلوم تھا، مگر ہمارے حاجی صاحب کا استعجاب، جس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ یہاں سے چلے گئے، دیوبندیوں کے پیچھے نماز درست نہ ہونے کا یہ اشتہار جس میں مولوی برکات احمد صاحب کی تحریر ہے، غنیمت ہے، امید کی جاتی ہے کہ ان شاء اللہ المولیٰ رفتہ رفتہ آملیں۔" (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۵۷)

اسی سال رامپور میں بھی ایک مناظرہ کیا اور فتح یاب وظفر مند رہے۔

آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین آرزو مناظرے کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ سماج اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔" (حیات ملک العلما، ص ۱۶)

فن مناظرہ میں حضور ملک العلما کی مہارت تامہ کی روشن دلیل آپ کی درج ذیل تصانیف ہیں:

۱ الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ
۲ ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ
۳ شکست سفاہت ۱۳۲۶ھ
۴ ظفر الدین الطیب ۱۳۲۷ھ
۵ سجم الکنزۃ علی الکلاب المطرۃ ۱۳۲۸ھ
۶ النبراس لدفع ظلام المنہاس ۱۳۲۹ھ
۷ کشف الستور عن مناظرۃ رامپور ۱۳۳۴ھ
۸ ندوۃ العلما ۱۳۳۸ھ
۹ گنجینۂ مناظرہ ۱۳۳۴ھ
۱۰ رفع الخلاف من بین الاحناف ۱۳۳۲ھ

(حیات ملک العلما، ص ۲۴)

(۷) مزید ارشاد ہوتا ہے "علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں" اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اس جملہ سے علم توقیت میں حضور ملک العلما کی انفرادیت واضح ہوتی ہے یعنی اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بعد اس فن میں حضور ملک العلما کی شخصیت ہی یکتائے روزگار اور علمائے عصر کی مقتدا تھی اور آج بھی ہے، بریلی شریف اور اطراف کے علاوہ پورے ملک کے لئے اوقات صلوات خمسہ اور اوقات سحر وافطار کا استخراج آپ ہی فرماتے تھے، چنانچہ اس کا ذکر اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے خلیفہ تاج الدین ناظم انجمن نعمانیہ لاہور کو لکھے اپنے ایک مکتوب میں یوں فرمایا ہے:

"میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف

النہار، ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۲۱۰)

اس سلسلے میں ملک العلما تحریر فرماتے ہیں:

"فقیر سراپا تقصیر محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری میجروی غفرلہ جذبات ارباب دانش واصحاب بینش میں ملتمس کہ اس دور تمدن وترقی میں کہ قریب قریب ہر شخص اپنے اوقات کا انضبات ساعات سے کرتا ہے، شاذ و نادر ہی کوئی ایسا تعلیم یافتہ نکلے جس نے سیر شمس وقمر کی روایت پر اپنے کاروبار کا مدار رکھا ہو، اس لئے ضروری تھا کہ اوقات صوم وصلوٰۃ، صبح صادق، طلوع شمس، ضحوۂ کبریٰ، نصف النہار، وقت عصر ومغرب، افطار وعشا بھی حسب لواحت ساعت مرتب کئے جائیں، خداوند عالم بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت واستاذی وملاذی ومرشدی شیخ الاسلام والمسلمین جناب مولانا قاری شاہ احمد رضا فاضل بریلی قدس سرہ العزیز کو، مسلمانوں کی اس ضرورت کا آپ نے احساس فرمایا اور ۱۳۱۱ھ میں بریلی شریف کے اوقات صوم وصلوٰۃ رمضان شریف کے لئے ہر سال مرتب فرما کر رفاہ عام کے لئے مع تفاصیل اوقات دیگر بلاد شائع فرمانا شروع کیا، جب ۱۳۲۵ھ میں میں نے اس فن کو حاصل کیا، یہ خدمت میرے متعلق ہوئی، میں بھی ہر سال رمضان شریف کے اوقات صوم وصلوٰۃ مرتب کرتا جسے مطبع اہل سنت وجماعت بریلی شریف چھاپ کر شائع کرتا، اسی اثنا میں مجھے خیال ہوا کہ یہ اوقات قمری مہینے کے بنتے ہیں، اس لئے ہر سال بنانے کی ضرورت پڑتی ہے اور اشتہاری طرز پر شائع ہوتے ہیں، اس لئے لوگ بعد رمضان شریف ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا کرتے ہیں، اگر شمسی مہینوں سے بنائے جائیں، تو فقط ایک سال کا بنانا کافی ہے۔ جو ہمیشہ کے لئے کارآمد ہو، اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے بریلی شریف کے اوقات شمسی مہینوں سے مرتب کر کے بہ شکل 'مؤذن الاوقات' ۱۳۴۵ھ میں شائع کیا۔"

(مؤذن الاوقات، ص۲)

ملک العلماء ہیئت وہندسہ اور تقویم میں اچھی خاصی مہارت رکھتے تھے، چنانچہ اعلیٰ حضرت اس فن میں کسی نیم ملاّ کی غلطیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور ملک العلما کو لکھتے ہیں:

"ولدی اعز الاعز مولانا المکرم جعل کاسمہ ظفر الدین
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پرچہ آیا، نواب صاحب نے ترجمہ کیا، کسی عجیب بے ادراک کی تحریر ہے، جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا، سراپا اغلاط سے مملو ہے، آپ نے جو تقویمات کواکب لکھیں، ان میں بھی بعض میں فرق ہے، مجھے ۱۷ روز سے بخار آتا ہے، نقاہت بشدت ہوگئی ہے، طالب دعا ہوں، خیال ہے کہ بعد صحت ایک مضمون نہ صرف اس کے اغلاط کثیرہ کے بیان میں بلکہ ہیئت جدیدہ کے مسئلہ جاذبیت کے ابطال میں بھی، سید صاحب 'ہمدم' کو بھیج دیں، آپ مناسب جانیں تو آپ کے نام سے ہو، اردو ہمدم کو چلا جائے اور انگریزی اس کی آپ بانکی پور کے اخبار کو بھیج دیں، والسلام بچے کو دعا۔" (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۲۷۵)

اس فن میں آپ کی درج ذیل تصانیف اہل علم وقلم کی

رہنمائی کرتی نظر آرہی ہیں:

١ الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت ١٣٣٠ھ

٢ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام ١٣٣٥ھ

٣ موذن الاوقات ١٣٣٥ھ

٤ توضیح الافلاک ١٣٤٠ھ

٥ مشرقی اور سمت قبلہ ١٣٥٨ھ

اس خط میں ایک اور بات قابل غور ہے: کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حضور ملک العلما کو "مکرمی" تحریر فرمایا ہے جسے لوگ عموماً اپنے سے بڑے یا کم از کم ہم عمر افراد کے لئے لکھتے ہیں، اس سے جہاں بارگاہ اعلیٰ حضرت میں ملک العلما کی قدر و منزلت اور غایت شفقت کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ استاذ و شاگرد کے ساتھ کیسا ربط و ضبط ہونا چاہئے، اعلیٰ حضرت نے یہ لفظ اپنے شاگرد کے لئے لکھا ہے جبکہ آج کے شاگرد اپنے استاذ کے لئے ایسے جملے لکھنے کے روادار نہیں، استاد و شاگرد کے درمیان پاس ولحاظ، ادب و احترام اور شفقت و محبت میں کیسا انحطاط آیا ہے، اللہ رحم فرمائے۔

محض اسی ایک لفظ پر بس نہیں بلکہ امام احمد رضا نے آپ کو مختلف مواقع پر شفقت اور قدر و منزلت بھرے مختلف الفاظ سے یاد فرمایا ہے، چنانچہ آپ کو لکھے گئے امام اہل سنت کے ہر خط سے یہ شفقت و محبت آشکارا ہے:

"(١) ولدی الاعز حامی السنہ ماحی الفتنہ جعلہ المولیٰ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین (٢) ولدی الاعز المکین مولانا المکرم ذی العلم المتین جعلہ کاسمہ ظفر الدین (٣)۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف)

ملک العلما کو امام احمد رضا کی ان بے پناہ شفقت و محبت کا شدت کے ساتھ احساس تھا، چنانچہ 'حیات اعلیٰ حضرت' میں ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

"حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور اسکے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا، میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضا فرمائے، اس میں برابر 'ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین' سے شروع فرمایا، فتاویٰ شریف جلد اوّل میں میرا نام انھیں لفظوں سے تحریر فرمایا ہے۔"

(حیات اعلیٰ حضرت، ١/ ٤٧)

شفقت اصاغر اور خورد نوازی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے مکتوب مذکور کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں:

"اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔"

اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ ملک العلماء امام موصوف کے لئے کتابوں سے حوالوں کی تخریج، عبارات کا اصل سے مقابلہ، کتب خانوں اور لائبریریوں سے نادر و نایاب کتب کی تلاش و جستجو، عبارات کے لاحق و سابق سے اطلاع جیسے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے، نیز اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کو آپ پر یہ اعتماد کلی تھا کہ جو عبارتیں آپ نقل کر کے بھیج رہے ہیں، وہ من و عن وہی ہیں، جو کتاب میں مذکور ہیں، اس میں کسی قسم کا کوئی حذف و اضافہ نہیں، ردّ و بدل نہیں، ذرا غور فرمایئے کہ کتاب سامنے نہیں مگر عبارتیں دیکھی جارہی

ہیں، فتووں میں حوالہ کے طور پر مذکور ہو رہی ہیں، واللہ کیسی آنکھ تیار کی ہیں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کہ موجود ہیں بریلی میں، مگر پٹنہ میں کتابوں کی عبارتیں ملاحظہ فرما رہے ہیں، فقہی جزئیات دیکھ رہے ہیں سہسرام میں، ہیں بریلی میں اور کٹیہار میں حوالوں کے لاحق وسابق پر غور کر فرما رہے ہیں، شملہ میں نادر کتابوں کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ان سے کتب ورسائل کی عبارات طلب کرتے، عبارتوں میں مطابقت کی ہدایت فرماتے، خط وکتابت کے ذریعہ بدمذہبوں کی خبر لینے کا حکم فرماتے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"مسودۂ فتویٰ جو آپ نے بھیجا، اس میں مولوی دیانت حسین صاحب ومولوی مقبول احمد صاحب کے بھی دستخط تھے، اس مطبوعہ میں نہیں، اس کا کیا سبب ہوا؟ مبسوط سرخسی کتب خانہ میں ہو تو اس عبارت کو تطبیق کر لیجئے: والاصطفاف بین الاسطوانتین .... وذلک لایمنع صحة الاقتداء. یہ عبارت یونہی ہے کہ اس میں فرق ہے؟ اس کا سابق ولاحق کیا ہے؟۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۴۴)

مبسوط کی اسی عبارت کے تعلق سے اپنے دوسرے خط میں یوں رقم طراز ہیں:

"مبسوط سرخسی کی یہ عبارت طائفہ کذابیہ نے رسالہ 'تنشیط الاذان' میں کہ انیٹھی نے مسئلہ اذان میں سخت جہالات فاحشہ پر لکھا، استناداً نقل کی ہے، ان لوگوں کا کذب بدیہی اوّل ہے، آپ کسی شخص کے نام سے اسے خط بھجوائیے۔ بلکہ مناسب ہو، تو رجسٹری کہ آپ نے فلاں رسالہ میں یہ عبارت مبسوط امام سرخسی نقل کی ہے، آپ کے بعض مخالفین کہتے ہیں کہ یہ عبارت مبسوط میں کہیں نہیں، للہذا براہ مہربانی بواپسی ڈاک اطلاع دیجئے کہ عبارت مذکورہ مبسوط کے کس کتاب وباب وفصل وجلد وصفحہ میں ہے کہ مخالفوں کو دکھا کر ساکت کیا جائے۔

اس خط کی کارروائی باذنہ تعالیٰ جلد ہو، رجسٹری ہی مناسب ہے اور اگر وہ جواب نہ دے تو 'مبسوط' کے باب الامامۃ، باب مکروہات الصلوٰۃ وغیرہا ایسے استیعاب وغور سے پڑھے دیکھے جائیں کہ نفی چھاپ دینے کا موقع ملے، اس مہمل رسالہ کا رد اگرچہ اصلاً ضروری نہیں کہ سب وہی مردودات پیش کرتے ہیں اور ان کے رد کو ہاتھ نہیں لگاتے، پھر بھی عوام ہر تازہ تحریر کا جواب چاہتے ہیں، للہذا باذنہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ ہونا بہتر ہے، یہ جواب اس تحقیق وطلب تصحیح نقل پر موقوف ہے، للہذا عجلت واحتیاط کامل دونوں مطلوب ہیں۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۴۵)

ایک عبارت پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ولدی وزینی وقرۃ عینی برادر دینی ویقینی مولانا مولوی محمد ظفرالدین صاحب جعلہ اللہ کاسمہ ظفرالدین آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عبارت 'تاتارخانیہ' بہت عمدہ ہے، ایسی عبارتیں کہ اذان مکان عالی پر ہوں، کافی نہیں ....

......فقہ شافعی میں امام ابواسحاق کی کتاب 'تنبیہ' ہے، اس کی شرح امام ابوزکریا نووی نے فرمائی، جس کا نام

'تحریر' ہے، یہ متن وشرح اگر اس کتب خانے میں ہوں، تو جلوس امام علی المنبر وقیام موذن للاذان کے متعلق جو کچھ اس میں ہو، نقل کر کے بھیجئے، نیز باب الاذان میں اگر کچھ لکھا ہو۔" (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۴۳)

مزید ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدین والدنیا وجعلک کاسمک ظفر الدین آمین، آمین، آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پانچ رسالے اور آپ کا فتویٰ مرسل ملے، بارک اللہ فیک ولک وبک وعلیک، عبارت 'تحریر' کی زیادہ ضرورت ہے، نیز 'شرح وقایہ نقایہ فصیح ہروی' اگر وہاں ہو، اس مسئلہ کے قطان اور مرور بین یدی المصلی کی بحث دیکھو کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ یہاں قرب اضافی مراد ہے۔" (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۴۳)

ایک خط میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"حسب وعدہ کل روز یکشنبہ باوصف دردسر رسالہ لکھ دیا، مع نقل فتویٰ ہلال مرسل ہے، مجھے دربارۂ خضاب ان چند کتابوں کی پوری عبارات درکار ہیں، آپ کے پاس ہوں، تو فبہا، ورنہ ایک دن کے لئے پٹنہ جا کر لا یئے، تاتارخانیہ، زادالمعاد لابن القیم، عقد الفرید لابن عبد ربہ، نزہۃ المجالس، اس کے سوا اگر اور کتب سے کہ میرے پاس نہیں عبارات مستوعبہ ہو، تو 'احسن کتم' اور 'وسمہ' کی تفسیر (ماورائے صراح وقاموس وتاج العروس وخالق زمخشری ومغرب مطرزی ومصباح المنیر ومختار الصحاح ونہایہ ابن اثیر ومجمع البحار وتحفہ ومخزن الادویہ وتذکرہ انطاکی وجامع ابن بیطار وانوار الاسرار لابغدادی و مرقات واشعۃ اللمعات وفتح الباری وعمدۃ القاری وارشاد الساری وشرح مسلم للنووی وشرح شمائل ترمذی للقاری وشرح شرعۃ الاسلام علی زادہ وشرح مشارق الانوار لابن الملک وتیسیر وسراج المنیر وشروح جامع صغیر) اور کتابوں سے جو کچھ ملے تو عنایت ہو۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۶۷)

اتنی مسافت پر موجود ہونے کے باوجود بھی جس آنکھ سے یہ سارے علمی کام ہو رہے ہیں، امام احمد رضا نے اسی کو "ملک العلما" کا باوقار خطاب دیا ہے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو حضور ملک العلما کی ان جانفشانیوں کا اعتراف تھا اور وہ ان کی مصروفیتوں سے کامل واقف تھے، چنانچہ ایک خط میں سنیوں کی حالت زار اور ملک العلما کی غیر معمولی مصروفیتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے، انھیں دین کا خیال کم ہے اور جنھیں دین سے غرض ہے، افلاس کا مرض ہے ورنہ کلکتہ میں حمایت دین کے لئے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز نہ تھے اور ادھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت میں نے سنا کہ سولہ ہزار سالانہ جائداد اس کے لئے وقف ہے، اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے، مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہو جائے، والعیاذ باللہ تعالیٰ! افسوس کہ ادھر نہ مدرس، نہ واعظ، نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں؟"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۵۸)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کو ملک العلما پر کس درجہ وثوق تھا اور آپ کی نظر میں ملک العلما کے فتویٰ وتصدیق کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ اس خط سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''حبیبی ولدی وقرۃ عینی مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے، مدت سے ان کی امید تھی کہ اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے، اپنے موافق آپ کا تصدیقی خط ''دبدبۂ سکندری'' میں چھپ چکا ہے، مگر اس قدر کافی نہیں، رسائل ومسائل بھیجتا ہوں، ایک مختصر فتویٰ اگر چہ دو ہی سطر کا ہو، اپنی مہر سے اور جتنے لوگوں کی مہریں وہاں مل سکیں، فوراً فوراً ارسال کیجئے۔'' (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۳۲)

ملک العلما افتاوتوقیت، تصنیف وتالیف اور وعظ ومناظرہ میں عین امام احمد رضا کے منشا کے مطابق ماہر وکامل تھے، ملک العلماء کی انھیں اعلیٰ صلاحیتوں کے سبب بریلی شریف سے کہیں دور جانے کی صورت میں اعلیٰ حضرت کو کسی حد تک آپ کی کمی کا احساس رہتا تھا۔ پھر بھی دین متین کے لئے ''اپنے نفس پر ایثار'' کر کے جہاں ضرورت ہوتی، بھیجتے، چنانچہ آپ کا یہ احساس ان الفاظ میں سامنے آتا ہے:

''فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انھیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے، اگر منظور ہو، تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ ان کی جگہ مقرر کروں، اگر چہ دو عظیم کام یعنی افتاوتوقیت اور ان سے اہم تصنیف میں وہ بھی ہاتھ نہیں بٹا سکتے، اس لئے وعظ ومناظرہ بھی نہیں کر سکتے، مگر یہ وہاں گئے، تو جس نے انھیں ان کاموں کا اپنے کرم سے بنایا ہے، اِن کو بھی بنا سکتا ہے۔''

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۲۱۰)

پچپن سال کے اس طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تشنگان علوم آپ کے سرچشمۂ علم وحکمت سے سیراب ہوئے، اس دوران آپ اپنی ذاتی مصروفیات مثلاً فتویٰ نویسی، وعظ وتلقین، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، مناظرہ اور قضا کے علاوہ مسلسل اعلیٰ حضرت کے رابطے میں رہے اور ان کے کارناموں سے باخبر رہے اور اپنی سرگرمیوں سے انھیں باخبر کرتے رہے، ایک ساعت کے لئے بھی نہ امام موصوف سے آپ کا قلبی تعلق ٹوٹا اور نہ چندروز کے لئے بھی سلسلۂ مراسلت منقطع ہوا، جو آج کل کے استاد و شاگرد اور مرشد مسترشد کے لئے یقیناً درس عبرت ہے۔

ملک العلما اپنے مرشد ومربی کی بارگاہ میں سراپا نیاز رہتے اور جب کبھی انھیں خط لکھتے، نہایت ادب واحترام اور عقیدت ومحبت کے ساتھ مخاطب فرماتے، چنانچہ اپنے ایک خط میں اپنے مرشد کو ان الفاظ میں مخاطب فرماتے ہیں:

''بحضور پرنور آقائے نعمت دریائے رحمت متع اللہ المسلمین بطول بقائکم

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

خادم بارگاہ مع الخیر رہ کر خواہان عوافی مزاج میں مع متعلقین کرام ہے، تقریر پرتنویر مشرف ورود فرما کر معزز ومشرف فرمایا۔'' (خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا، ۱/۳۳۳)

حضور ملک العلما کو جب بھی کوئی دینی، دنیوی، علمی

پریشانی لاحق ہوتی یا کسی شرعی مسئلے میں رہنمائی کی ضرورت پڑتی فوراً اپنے مرشد کی بارگاہ میں رجوع کرتے ،چنانچہ ایک مسئلے میں رہنمائی کے لئے نہایت نیازمندی کے ساتھ لکھتے ہیں:

''یوم صومکم یوم نحرکم' یہ کیسی حدیث ہے اور کس کتاب میں ہے اور کس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا یہاں بالاتفاق روزشنبہ کو عید ہوئی ،مگر یہاں کے کسی شخص نے نہ عید کا چاند دیکھا،نہ ذی قعدہ کا،صرف میرے فتویٰ کے حکم کے مطابق ایسا ہوا،میں نے اپنی تسلی کے لئے یہ سوالات کئے ہیں،شامی ،قاضی خان،سراجیہ، بحرالرائق ،عالمگیری ،فتح القدیر ،کافی ،میں ثبوت نہیں ملا۔ اس لئے حضور کو تکلیف دی۔''

(خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا،مطبوعہ ممبئی،۱/۴۳۸)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اپنے اس لائق وفائق شاگرد سے قلبی لگاؤ اور ان کی صحت وطبیعت کا بھرپور خیال تھا،جب بھی موقع ملتا اور کوئی نقش تیار فرماتے تو اس ہونہار شاگرد کو کبھی فراموش نہیں کرتے ،چنانچہ اس قلبی لگاؤ کا اظہار اس خط سے ہوتا ہے،ملاحظہ فرمایئے کیسا پیار ،کیسی شفقت مترشح اس خط سے:

''میں جن امور میں ہوں ،اگر آپ کو تفصیل معلوم ہو،تو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے ۔مگر آپ کی یاد،دل کے ساتھ ہے ،جو عظیم ساعت میسر ہوئی ،محض عطیۂ الٰہی تھی ،اس میں یہ نقوش تیار کئے جو مرسل ہیں............ ان کے فوائد برکات عظیمہ مخلوق وخالق سب کے نزدیک عظیم وجاہت ،بعونہ تعالیٰ ہر ضیق سے نجات ،ہمیشہ وسعت رزق ،محبت الٰہی ،حیات طیبہ،قلوب خلائق میں محبت ،ان میں دو نقشوں میں مکتوب لہ کے نام کے اعداد بھی داخل کئے جاتے ہیں ،وقت بہت قلیل تھا،صرف پندرہ نام اس کے لئے تجویز کئے ،ان میں ایک آپ کا بھی نام تھا۔''

(کلیات مکاتیب رضا،مطبوعہ کلیر شریف،۱/۳۳۶)

ایک موقع پر آپ کے لئے چاندی کا نقش تیار کرایا تھا،فرماتے ہیں:

''ان ساعات میں دو نقش عظیم وجلیل آپ کے لئے لکھے، جن میں آپ کے نام کے اعداد بھی داخل تھے ،ایک کی ساعت وقت صبح کی تھی اور دوسرے کی افضل الساعات ساعت اخیرہ جمعہ اور بعد جمعہ ایک نقش آپ کے لئے چاندی کندہ کرایا،یہ تینوں نقوش معظم ایک ڈبیہ میں مع پرچہ ترکیب رکھ کر پارسل کر دیئے۔''

(کلیات مکاتیب رضا،مطبوعہ کلیر شریف،۱/۳۳۷)

یہ سب عنایتیں دیکھ کر حضور ملک العلما کی قسمت پر رشک ہوتا ہے کہ کیسا استاد ومربی پایا تھا آپ نے! جو کبھی استاد بن کر علم وہنر کے موتی سے آپ کا ظاہر تعمیر کر رہا ہے ،کبھی مرشد بن کر اصلاح باطن کے لئے راہ سلوک کی باریکیوں سے واقف کرا رہا ہے تو کبھی باپ بن کر دنیا کے نشیب وفراز سمجھا رہا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جس پدرانہ شفقت کے ساتھ حضور ملک العلما کے بچوں کی خیریت دریافت کی ہے،ان کے نام تجویز فرمائے ہیں اور انھیں دعائیں دی ہیں ،اس کی مثال ملنی مشکل ہے،یہ خط ملاحظہ فرمایئے:

''نعمت تازہ کی خیریت سے اطلاع دیجئے اور یہ کہ تہنیت کا تار مع تاریخی نام 'مختار الدین ۱۳۳۶ھ' کہ آپ کے نام

سے ملتا ہوا بھی ہے، جو میں نے ۲۸ / ذی القعدہ ۳۶ ھ روز جمعہ کو بھیجا، کیا آپ کو ملا؟"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۷۱)

ایک دوسرے خط تحریر فرماتے ہیں:

"پہلے آپ نے بہت کتابوں کی عبارتیں اس بارے میں کہ اذان جمعہ زمانۂ اقدس میں دروازہ پر ہوتی تھی، ان تفاسیر سے کہ میرے پاس نہیں، نقل کر کے بھیجی تھیں، وہ پرچہ باحتیاط رکھ دیا تھا، اب تلاش کیا نہ ملا، بچیوں کو دعا۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۶۷)

نیز ایک جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"خط ملا، یہ نعمت تازہ مبارک ہو، اس کا نام وہ رکھئے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا یعنی حضرت ربیع بنت معوذ انصاریہ صحابیہ بنت صحابی علیہما الرضوان کے نام مبارک پر ربیع خاتون ۱۳۳۹ھ۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۸۸)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے اس شاگرد رشید کی تصانیف کی تعریف کرتے، ان کے دیگر علمی کارناموں پر خوش ہوتے، دعائیں دیتے، ہدایات دیتے اور احباب سے مشورے کی تلقین فرماتے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا رسالہ 'موذن الاوقات' آیا نام بھی مناسب وموزوں پایا، اس کے مقصد اوّل اور خاتمہ کو ضرور دکھا لینا چاہئے اور 'تذہیب' کا حرف بہ حرف قبل طبع دکھا لینا فرض اہم ہے، مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے، آپ کی تصانیف 'عافیہ وافیہ وتقریب پر خوشی ہوئی، مگر کاش یہ وقت آپ نے بہشتی زیور و گوہر کی قلعی کھولنے میں صرف کیا ہوتا تو بحمدہ تعالیٰ ذخیرۂ عقبیٰ ہوتا، جہاں ان کتابوں سے گمراہ ہوئے جاتے ہیں. وحسبنا اللہ المولیٰ ونعم الوکیل۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۶۵)

آپ کے کسی رسالہ کی تعریف کرتے ہوئے ایک خط میں یوں فرماتے ہیں:

"دردِ سر کی حالت میں رسالہ کچھ دیکھا، بعونہ تعالیٰ بہت اچھا لکھا ہے، جزاکم خیراً کثیراً فی الدنیا والآخرۃ۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۶۷)

ایک اور مقام پر آپ کے کام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مولانا ظفر الدین صاحب نے 'تسہیل التعدیل' کا کام ماشاء اللہ بہت جلد کیا، جزاہ اللہ تعالیٰ خیر جزاء۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۲/۲۳۸)

بریلی شریف میں جو بھی علمی، مذہبی جلسے منعقد ہوتے، امام احمد رضا اس میں ملک العلما کی شرکت ضروری سمجھتے حتیٰ کہ باصرار انھیں شرکت کے لئے خط لکھتے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"مولانا المکرّم ذی المجد والکرم اکرم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حالات حاضرہ ومصائب دائرہ نے اسلام و مسلمین کو جس درجہ سراسیمہ و پریشان کیا ہے، آپ جیسے واقف کار حضرات سے مخفی نہیں، علمائے اہل سنت وجماعت اگر اب بھی بیدار نہ ہوں گے تو (خدانخواستہ) وہ دن دور نہیں کہ سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ چارۂ کار نہ پائیں گے، انھیں ضرورتوں کو محسوس کر کے علمائے اہل سنت

وجماعت کا ایک مہتم بالشان جلسہ ۲۲،۲۳،۲۴؍ شعبان المعظم روز دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ کو ہونا قرار پایا ہے، میں جناب کی اعانت دینی وتوجہ مذہبی سے امید واثق رکھتا ہوں کہ اس ضروری دینی کام کو سب کاموں پر مقدم سمجھیں گے اور تشریف لاکر اپنے مفید مشورہ اور مواعظ حسنہ سے مسلمانوں کی اصلاح احوال فرمائیں گے۔" (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۸۶)

گاندھویوں کے خلاف ایک جلسے میں شرکت کے لئے یوں لکھتے ہیں:

"ولدی الاعز حامی السنن مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب جعلہ کاسمہ ظفر الدین، آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

............۱۳ر تا ۱۵ر رجب مطابق ۲۴ر تا ۲۶ر مارچ سے گاندھویوں کا بھاری جلسہ بریلی میں ہونے کو ہے، احباب کی رائے ہے کہ اپنے علما بھی ایام ندوہ کی طرح جمع ہوں، یہ اگر قرار پایا تو آپ کو آنا ضرور ہوگا، تیار رہئے، اگر میں ۱۱ر یا ۱۲ر رجب کو تار دوں تو باذنہ تعالیٰ فوراً تشریف لایئے۔" (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۸۶)

ایک شفیق باپ اپنے عزیز ترین بیٹے کو جس طرح دنیا کی بے ثباتی اور اس کے نشیب وفراز سمجھاتا ہے اعلیٰ حضرت اسی طرح حضور ملک العلما کو دنیا کی بے ثباتی سے واقف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا خط در بارۂ پریشانی دنیا آیا تھا، جفتے ہوئے اور اس کا جواب آج دوں، کل دوں، مگر طبیعت علیل، بار بار بخار کے دورے اور اعدائے دین کا ہر طرف سے ہجوم، ان کے دفع میں فرصت معدوم............اس سے اعتماد رہتا ہے کہ عدم جواب کو اعذار صحیحہ پر خود محمول فرمائیں گے، اس خط کے جواب میں چاہتا تھا کہ آیات واحادیث در بارۂ مذمت دنیا ومنع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں، مگر وہ سب بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں، فلاں کو دست غیب ہے، فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے، یہ دیکھا، یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنہ ہے، ان کے پاس علم نافع نہیں یا علم مضر ہے، اب کون زائد ہے؟ کس پر نعمت حق بیشتر ہے، بشرط ایمان، وعدہ وعلو وغلبہ باعتبار دین ہے، نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق رہے، دنیا سجن مومن ہے، سجن میں اتنا آرام مل رہا ہے، کیا محض فضل نہیں؟ دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے، دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔"

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۹۲)

ایک جگہ حضور ملک العلما کے دینی خدمات کو سراہتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"آپ اور مولانا حامی سنت ماحی بدعت حاجی محمد لعل خاں صاحب سلکما جو کچھ خدمات دین کر رہے ہیں، مولیٰ عزوجل برحمتہ قبول فرمائے اور دونوں جہاں میں اس پر اجر جزیل دے اور ہمیشہ اعدائے دین پر مظفر ومنصور رکھے، آمین۔" (کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۵۹)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو ملک العلما کی پاسداری اور آپ کی خوشی اس قدر عزیز تھی کہ ہزار عدیم الفرصتی کے عالم میں بھی جانفشانی اور عرق ریزی سے گریز نہ فرماتے، چنانچہ آپ کے

نام اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

”آپ کی ’خوشی‘ کے لئے استخراج طالع ومراکز بیوت وتسویت البیوت کر کے میں بھیج سکتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ، مگر وقت ولادت کا دقیقہ ساعت اور موقع ولادت کے طول وعرض کا علم ضروری ہے، اس سے اطلاع دیجئے اور جب تک آپ تقویم کواکب سبعہ اس وقت خاص کے لئے استخراج کر کے مجھے بھیج دیجئے کہ اس کی جانچ کرلوں، تقویمات نکالنے کے متعدد برہانی قاعدے میرے رسالہ ’مسفر المطالع فی التقویم والطالع‘ میں ہے۔“

(کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف ۱/۳۵۱)

مذکورہ بالا حقائق سے جہاں حضور ملک العلما اور اعلیٰحضرت کے خصوصی تعلقات کا پتہ چلتا ہے وہیں ملک العلما کی پاکیزہ سیرت اور عبقری شخصیت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ملک العلما خلفا وتلامذہ اعلیٰ حضرت میں درج ذیل خصوصیات کے حامل ہیں:

۱) امام احمد رضا کے خلفا میں ملک العلما سے زائد کوئی دوسرا صاحب تصانیف کثیرہ نہیں۔

۲) ملک العلما ہی نے ”حیات اعلیٰ حضرت“ لکھ کر رضویات کی داغ بیل ڈالی اور پہلی بار دنیا کو امام احمد رضا کی عبقری شخصیت سے روشناس کرایا۔

۳) ملک العلما اعلیٰ حضرت کے خلفا وتلامذہ میں سب زیادہ علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے۔

۴) اعلیٰ حضرت نے سب سے زیادہ ملک العلما کو خطوط لکھے ہیں۔

۵) اعلیٰ حضرت کے بعد توقیت وتقویم، ہیأت وہندسہ جیسے علوم وفنون میں تنہا ماہر تھے۔

☆☆☆

”ملک العلماء گلستان رضا کے وہ عطر بیز گل ہیں۔ جس کی رنگا رنگ عطر بیزی پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو فخر تھا، ناز تھا، اعتماد تھا اور بھروسہ تھا، کیوں کہ آپ جملہ علوم وفنون خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے، تفسیر وحدیث، تجوید وقرأت، فقہ وعقائد، اخلاق وتصوف، عروض وبلاغت، ادب ولغت، نحو وصرف، معانی وبیان، نجوم وفلکیات، ہیئت وہندسہ، توقیت وتکسیر، رمل وجفر، منطق وفلسفہ، جرح وتعدیل، ریاضی ومناظرہ جیسے علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی، اس وسعت علمی پر آپ کی لگ بھگ ۱۰۰ تصنیفات وتالیفات شاہد عدل ہیں۔“ (مفتی عبدالرحیم نشتر فاروقی صاحب)

ملک العلماء ''مکتوبات رضا'' کے آئینے میں

ازقلم: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، بریلی شریف، یوپی

خطوط انسان کی سیرت و شخصیت کے بارے میں معلومات کا وسیلہ ہوتے ہیں اور ان سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کا پتہ ملنے کے ساتھ ساتھ مکتوب الیہ کی سیرت و شخصیت بھی کافی حد تک اُجاگر ہوتی ہے۔

دنیا کی عظیم شخصیتوں کے خطوط سے ان کی حیات و شخصیات کے بہت سے پوشیدہ گوشے سامنے آئے ہیں اور ان کے متعلقین و مخالفین (جن کو انہوں نے خطوط لکھے ہیں) کے مزاج و کردار اور شخصیت کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا شمار بھی دنیا کی عظیم شخصیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے احباب و اصحاب اور مخالفین معاندین کو خطوط لکھے ہیں۔ کاش! آج امام قدس سرہٗ العزیز کے مکاتیب یکجا ہوتے تو ان کی شخصیت کی اور بھی نئی جہتیں سامنے آتیں۔ اور علم و تحقیق کے نئے باب وا ہوتے، یہ ہم مسلمانان اہل سنّت بالخصوص رضویوں پر حضور ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا احسان ہے کہ اپنی تالیف ''حیات اعلیٰ حضرت'' (حصہ اول) کے توسط سے ۱۴ویں صدی کے عظیم ترمجدد اور متبحر عالم، اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی حیات و شخصیت اور ان کے کارناموں سے روشناس کرایا'' مکاتیب رضا'' کے جلوے دکھا کر ان کے مکتوب نگاری کے انداز، ان کی فنی اسلوب اور کئی اہم شخصیات کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائیں۔

حضور ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے تلمذ اور خلافت اور اجازت کا شرف حاصل تھا۔ وہ برسوں خدمتِ رضا میں رہے اور فضیلت و معرفت کے اس مہر درخشاں سے کسبِ ضیاء کرکے آسمان علم و فضل کا ماہِ تاباں بن گئے کہ آج بھی جن کی چاندنی سے علم و فن کے شہرستانوں سے لے کر فکر و نظر کے شبستانوں میں اُجالا پھیلا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلماء۔ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے صف اول کے ان ۱۴ خلفائے کرام میں ہیں جن کا ذکر انہوں نے ''الاستمداد علیٰ جیال الارتداد'' میں کیا ہے اور جنہیں بجا طور پر دربار امام احمد رضا کا چودہ رتن کہا جاتا ہے۔ ''الاستمداد علیٰ جیال الارتداد'' کے صفحہ ۱۹ پر اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حضور ملک العلماء کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے خلف اکبرو جانشین حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگ خلیفہ حضرت عبد السلام جبلپوری (والد حضرت برہان ملت) رحمۃ اللہ علیہم کے بعد تیسرے نمبر پر سیدنا حضور ملک العلماء کا ذکر کیا ہے اور میرے ظفر کہہ کر یاد فرمایا ہے، اس سے ان کے لئے امام کی اپنائیت و محبت اور قدر و منزلت کا جو اظہار ہوتا ہے وہ اہل نظر سے

پوشیدہ نہیں!

ملک العلماء علامہ مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری کی ولادت (۱۴ محرم ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء) وصال (۱۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء) کو ہوا۔ رسول پور، میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار کے ایک معزز اور علمی ودینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا نسب نامہ ۲۹ ویں پشت میں غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے (۲)

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالرزاق قدس سرہ العزیز ایک باعمل عالم دین تھے۔ آپ کو اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ''ملک العلماء'' اور ''فاضل بہار'' کے خطابات عطا فرمائے تھے۔

ملک العلماء نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے حصہ اول میں امام احمد رضا کے ۵۷ خطوط درج فرمائے ہیں۔ ان میں ۱۲ خطوط مولینا عرفان علی بیل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں۔ ایک خط خلیفہ تاج الدین صاحب اور ایک منشی محمد لعل خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نام اور ۴۲ خطوط خود ملک العلماء کے نام ہیں۔ خلیفہ تاج الدین اور منشی محمد لعل خاں صاحبان کے خطوط میں بھی ملک العلماء کا ذکر ہے اور انہی سے ان خطوط کا تعلق ہے۔

امام احمد رضا نے ملک العلماء کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں انہیں جن القابات سے یاد کیا ہے، ان کے بچوں کی خیریت دریافت کی ہے۔ ان کے لئے دعائیں کی ہیں اور حضور ملک العلماء سے جس طرح گھریلو قسم کی گفتگو کی ہے، ان سے کتب ورسائل اور کتابوں کی عبارات وغیرہ طلب کئے ہیں۔ فتاویٰ اور تصانیف کی تعریف کی ہے۔ فقہی مسائل، فلسفہ ومنطق، توقیت، تکسیر، ریاضی، نجوم، ہیئت وغیرہ علوم وفنون سے متعلق کھل کر گفتگو کی ہے۔ انہیں ہدایت دی ہیں۔ مکاتیب کے ذریعہ درس بھی دیا ہے۔ انہی مناظرہ کیلئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ سنیت کی فتح پر مبارکباد دی ہے، ان سے بہت سے دینی، تبلیغی اور اشاعتی امور پر مشورے طلب کئے ہیں، اور ہدایات دی ہیں۔ اور ملک العلماء کی سیرت وشخصیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ مکتوبات امام احمد رضا سے ملک العلماء کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) حضور ملک العلماء سے محبت اور دل میں ان کی قدر ومنزلت

(۲) دینی اور علمی معاملات میں ملک العلماء پر اعتماد

''حیات اعلیٰحضرت'' جلد اول صفحہ ۲۶۵ میں آپ کی محبت اور قدر ومنزلت میں امام احمد رضا نے حضور ملک العلماء کو مندرجہ ذیل القابات سے یاد کیا ہے:

''حبیبی وولدی وقرۃ عینی ومولانا ظفر الدین صاحب، ولدی وذینی وقرہ عینی، برادر دینی ویقینی، ولدی الاعز ولدی اعزک اللہ، میرے بجان عزیز، جان پدر بلکہ از جان بہتر ولدی الاعز مولانا ظفر الدین وغیرہ۔

ان القابات سے اپنائیت، چاہت اور محبت کے ساتھ عزت اور قدر ومنزلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے ملک العلماء کی صاحبزادیوں اور ان کے فرزند ارجمند صاحبزادہ ذی وقار پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب کو دعائیں دی ہیں۔ ہر ایک کی خیریت دریافت کی ہے ان کے لئے تعویذات بھیجے ہیں اور ٹھیک اسی طرح حضور ملک العلماء صاحب کو ان سب کے متعلق ہدایات دی ہیں جس طرح ایک شخص اپنے بیٹے کو اپنے پوتے اور پوتیوں کے بارے میں دھیان رکھنے کی ہدایات دیتا ہے۔ چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

(الف) ''ذی الحجہ میں آپ نے عزیزیہ زرینہ اور اس کی

بہن کا صبح وقت ولادت مع طول وعرض موضع ولادت کھینچنے کو لکھا تھا اب تک نہ آیا۔ مولیٰ عزوجل آپ کو جزاء وافر عظیم عطا فرمائے۔ آپ کی رضائی بہت محل رضا میں کام آئی۔ اس جاڑے میں جو رضائی یہاں یعنی بھاری اور بہت روئی کی تھی۔ ایک ولایتی صابر قانع کو سخت ضرورت تھی وہ ان کے نذر ہوئی اور آپ کی مرسلہ رضائی میں نے اوڑھی۔ جزاکم خیر جزاء کثیر"۔ (مکتوب ۱۲، صفحہ ۲۶، حیاتِ اعلیٰ حضرت)

(ب) "وہ پرچہ باحتیاط رکھ دیا تھا۔ اب تلاش کیا نہ ملا۔ بچیوں کو دعا"۔ (صفحہ ۲۸۱)

(ج) "آپ کا خط مژدہ ولادت صاحبزادہ وطلب نام تاریخی میں آیا۔ میں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اور اس میں تاریخی نام مختار الدین (۱۳۳۶) لکھا۔ اس کی کوئی رسید نہ آئی۔ میں نے سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھا۔ اب کہ خط آیا اس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں تو ظن ہوتا ہے کہ تار پہنچا ہی نہیں جسے بھیجے ہوئے آج ۱۶ دن ہوئے۔ اگر ایسا ہے اطلاع دیجئے کہ تار گھر سے مطالبہ ہو"۔

(د)(ا) نعمت تازہ کی خیریت سے اطلاع دیجئے اور یہ کہ تہنیت کا تار مع تاریخی نام مختار الدین (۱۳۳۶) کہ آپ کے نام سے ملتا ہوا بھی ہے جو میں نے ۲۸ ذی القعدہ ۳۶ھ روز جمعہ کو بھیجا۔ کیا آپ کو ملا" مکتوبات امام احمد رضا سے ظاہر ہے کہ صاحبزادہ حضور ملک العلماء عالی جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین صاحب کا یہ نام تاریخی سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ہی کا رکھا ہوا ہے۔ حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اس کا ذکر بحوالہ سید ایوب علی قدس سرہٗ "حیات اعلیٰ حضرت" ص ۱۴۶ پر بھی فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں: "انہیں کا بیان ہے پنجشنبہ کا دن ہے اور صبح کا وقت۔ حضور حجام سے خط بنوا رہے ہیں۔ قریب ہی تپائی پر بیٹھا ہوں کہ ڈاک میں ایک کارڈ مکرمی جناب مولانا مولوی سید ظفر الدین صاحب قادری رضوی فاضل بہاری صدر مدرس مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام مدظلہ العالی کا آیا۔ حسب ارشاد فقیر نے پڑھ کر سنایا۔ اس میں ممدوح نے فرزند ارجمند کی ولادت کی اطلاع دیتے ہوئے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی۔ حضور نے سنتے ہی فی البدیہہ فرمایا نام تو مختار الدین (۱۳۳۶) ہونا چاہیے اور دیکھئے تو سید صاحب شاید تاریخ ہوگئی میں نے جو شمار کیا تو پورے ۱۳۳۶ھ ہوئے اور یہی سن ولادت تھا"۔

یوں تو ہر سچا پیر اپنے مرید اور اپنے خلیفہ سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتا ہے اور ہر ایک پر یکساں اپنی شفقتیں لٹاتا ہے لیکن ہر ایک سے اس کی نیاز کیشی، حد ادب، سعادت مندی اور علم وفضل وغیرہ کے اعتبار سے محبت بھی کرتا ہے اور عزت بھی اور اس پر فخر وناز بھی کرتا ہے۔ ملک العلماء کے معاملے میں امام احمد رضا کا یہی انداز تھا۔ یہ ملک العلماء کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور اس سے ان کی سحر خیز شخصیت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

(۲) ملک العلماء پر اعتماد:

دینی، ملی، علمی، تبلیغی اور اشاعتی امور میں امام احمد رضا ملک العلماء پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے اور ظاہر ہے یہ ملک العلماء کے دینی درد کام کرنے کی لگن، جذبے کے خلوص اور علم وفضل ہی کے سبب تھا۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، حضور ملک العلماء کے علم وفضل کے بڑے معترف تھے۔ چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے اور ملک العلماء کی علمی شخصیت اور ان کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔

(الف) "وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے۔ مدت سے ان کی امید تھی کہ اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے۔ اپنے

موافق اپنا تصدیقی خط 'دبدبۂ سکندری'' میں چھپ چکا ہے مگر اس قدر کافی نہیں۔ رسائل و مسائل بھیجتا ہوں۔ ایک مختصر فتویٰ اگر چہ دو ہی سطر کا ہو اپنی مہر سے اور جتنے لوگوں کی مہریں وہاں مل سکیں فوراً فوراً ارسال کیجئے''۔

امام احمد رضا، ملک العلماء کی فتویٰ نویسی کے قائل تھے اور ان کے فتاوی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ امام احمد رضا جیسے عظیم فقیہ و مفتی اور اپنے زمانہ کے امام اعظم ابو حنیفہ کا کسی کے فتویٰ کی تعریف کرنا، اس سے فتویٰ لکھنے کو کہنا بلاشبہ اس مفتی کی فقہی عظمت کا ثبوت ہے اور یہ شرف ملک العلماء کو حاصل ہے۔ اپنے سب سے پہلے فتویٰ کے متعلق حضور ملک العلماء صاحب خود لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اسے دیکھ کر کتنے مسرور ہوئے اور انہیں انعام عطا فرمایا: ''سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیحضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں۔

اس واقعہ سے اپنے تلمیذ، مرید اور خلیفہ سے امام احمد رضا کی محبت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ فخر و ناز کا بھی کیسا اظہار ہوتا ہے؟

(ب) ''مبسوط سرخسی'' کتب خانہ میں ہو تو اس عبارت کی نقل بھیجیے.........

(عبارت)...... یہ عبارت یوں ہے یا کیا اس میں کیا نز[illegible] ہے، اس کا سابق و لاحق کیا ہے؟ ''مبسوط'' چھپ گئی ہے مگر یہاں ابھی نہیں آئی۔ اب کہ بار نقشہ ماہ مبارک کا کیا انجام ہوگا؟
یہ خط ابھی ڈاک کو نہ بھیجا کہ آپ کا نقشہ سحر و افطار آیا۔

''فجزاکم خیرا کثیرا''

(ج) ''یہ نقش جلیل ہیں۔ ان کے مختلف شرائط تھے اور بقدرت الٰہی اس جمعہ کو سب جمع ہو گئے اور ان سے اور زیادہ تھے...... ان میں دو نقشوں میں مکتوب کے نام کے اعداد بھی داخل کیے جاتے ہیں۔ وقت بہت قلیل تھا صرف پندرہ نام اس کے لئے تجویز کیے ان میں ایک آپ کا نام تھا۔ نقوش حاضر ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مبارک فرمائے''۔

امام احمد رضا کا ملک العلماء سے سرخسی کی عبارت طلب کرنا، عبارت کے بارے میں استفسار کرنا، ماہ مبارک کے نقشہ کے سلسلے میں انہیں پر اعتماد کرنا، انہیں نقوش کے سلسلے میں ۱۵ر آدمیوں میں ایک قابل قدر اور قابل اعتماد، نیز اس کا اہل سمجھنا وغیرہ ملک العلماء کے علمی وقار کو خوب خوب اجاگر کرتے ہیں۔

مکتوبات نمبر ۱۰، ۱۱ (حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول، ص ۲۵۳ تا ۲۶۱ و ص ۲۶۲ تا ۲۶۴) میں امام احمد رضا قاعدے سے بھی آگاہ فرما رہے ہیں۔ مکتوب نمبر ۲۷، ص ۳۹۰ تا ۳۹۸...... میں البرٹ ایف پورٹا سائنس دان و منجم کی جھوٹی پیش گوئی ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کہ ستاروں کے اجتماع سے دنیا میں تباہی و بربادی آئے گی اور زلزلہ برپا ہوں گے وغیرہ'' کے رد میں لکھے جانے والے مضمون کی نقل بھیج رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا یہی مضمون بعد میں رسالہ ''معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین'' کے نام سے شائع ہوا۔ البرٹ ایف پورٹا کی پیش گوئی کا

انگریزی سے اردو ترجمہ حضور ملک العلماء ہی سے کرا کے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو پیش کیا تھا۔

امام احمد رضا، ملک العلماء کے نام خط لکھتے ہیں:

''مسودہ کی پہلی نقل آپ کو مرسل ہے۔''دبدبہ سکندری'' وغیرہ جہاں چاہئے بھیجے مگر جلدی چاہئے کہ ۷ اردسمبر قریب ہے۔''

مسودہ کی پہلی نقل حضور ملک العلماء کو بھیجنے میں یہ بات بھی رہی ہوگی کہ اگر وہ چاہیں تو خود بھی مضمون کے سلسلے میں مشورے دیئے گئے ہیں ساتھ ہی ساتھ مضمون کے مطالعہ سے اپنے علم میں اضافہ بھی کریں۔ اس لئے کہ حضور ملک العلماء خود بھی ریاضی، نجوم اور ہیئت وغیرہ میں کافی مہارت رکھتے تھے اور اعلیٰ حضرت کو اس کا اعتراف بھی تھا۔

(د) مناظرہ کے سلسلے میں حضور ملک العلماء پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی بڑا بھروسہ رکھتے تھے اور ان کے فتح وظفر کی امید رکھتے تھے بلکہ ہر محاذ پر باطل سے نبرد آزمائی کے سلسلے میں امام کو اپنے اس روحانی اور لائق و فائق خلیفہ سے فتح یابی کی پوری پوری امید رہتی تھی تبھی تو فرمایا ہے ۔

میرے ''ظفر'' کو اپنی ظفر دے   اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

مناظرہ ہی کے تعلق سے ایک خط میں حضور ملک العلماء لکھتے ہیں:

''وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا۔ بھاگلپور، فیروز آباد، راندیر۔ بھاگل پور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا۔ یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لئے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ ہوگا۔ وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فاتحان بھاگل پور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اپنے اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لئے تیار رہیں۔ میرے تار کا انتظار کریں۔''

(۳) امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ نے مولانا محمد ظفرالدین علیہ الرحمہ کو جو ۳۴ خطوط لکھے ہیں، ان میں سے چند کے اقتباسات سے یہ بخوبی واضح ہے کہ...... امام احمد رضا ان سے از حد محبت کرتے تھے۔ ایک لائق اولاد اور سعادت مند مرید کی طرح چاہتے تھے اور ایک ذی علم اور متقی خلیفہ کی حیثیت سے ان پر ہر طرح اعتماد کرتے تھے اور انہیں اپنا سچا نائب ومظہر تسلیم کرتے تھے۔

امام احمد رضا کا وہ خط جو انہوں نے حضرت خلیفہ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ، مدیر انجمن نعمانیہ لاہور کو ملک العلماء کی بابت تحریر فرمایا تھا، اس میں ان کی تمام تر صلاحیتوں اور خوبیوں کو امام نے خود ظاہر فرمادیا ہے اور ان کی اہمیت وعظمت واضح کردی ہے۔ لکھتے ہیں:

''مکرمی مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد میں تحصیل علوم کی۔ اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

(۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔
(۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں۔
(۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی

نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق اس کا احیاء کیا اور سات اصحاب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر گھر جا بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔ اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے۔" (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اوّل مکتوب ۱)

اس مکتوب پر کوئی تبصرہ نہ کر کے صرف امام کے اس جملے "فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔" پر توجہ دلا کر نگاہ اعلیٰ حضرت میں ملک العلماء کی عظمت واہمیت دکھانا چاہتا ہے۔ اہل نظر خود محسوس کریں۔

امام احمد رضا دینی، روحانی اور علمی پیشوا، ایک عبقری اور ہمہ جہت شخصیت کے سچے نائب ومظہر میں جو خوبیاں ہونی چاہئے تھیں، وہ سبھی حضور ملک العلماء میں موجود تھیں۔

خلفائے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی میں حضور ملک العلماء سے زیادہ کثیر التصانیف دوسرا نہیں ہے۔ انہوں نے مختلف نقلی اور عقلی علوم وفنون پر بالخصوص فقہ، حدیث، سیر، نحو، فلسفہ، منطق، توقیت، ہیئت اور نجوم وغیرہ پر ستر کتابیں لکھی ہیں۔

"الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری" ان کی سب سے زیادہ مشہور اور علمی تالیف ہے۔ اس کے چھ حصے ہیں جو تقریباً ۴۸ ہزار احادیث کا عطر بیز گلدستہ ہے۔

رضویات پر ان کی تین کتابیں بہت ہی مشہور ہیں اور اولیات ملک العلماء میں شامل ہوتی ہیں۔ وہ ہیں (۱) حیات اعلیٰ حضرت (۲) چودھویں صدی کے مجدد (۳) المجمل المعدد لتالیفات المجدد۔ جہان سنیت اور دنیائے علم وادب کو اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی حیات وشخصیت اور کارناموں سے روشناس کرانے والی پہلی شخصیت سیدنا ملک العلماء ہی کی ہے۔ آج گلشن رضویات کی توسیع اور تزئین وآرائش میں جو باغبان و پاسبان مصروف عمل ہیں، انہیں عزم وحوصلہ عطا کرنے، گلشن کی آبیاری اور چمن بندی کا انداز سکھانے والوں میں پہلا نام حضور ملک العلماء کا ہے۔ آج کتاب "حیات اعلیٰ حضرت" ماہرین رضویات اور مسافران راہ رضویات کے لئے ماخذ اور مینارۂ نور بنی ہوئی ہے۔

☆☆☆

ملک العلماء: مکتوبات رضا کی روشنی میں

ازقلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین، دریائے گنگا کے لب پر آباد شہر عظیم آباد، پٹنہ میں پیدا ہوئے، شفقتِ پدری کی گھنیری چھاؤں میں تعلیمی سفر کا آغاز کیا، نہر نہر، دریا دریا، غواصی کرتے اور آبدار موتی مونگا چن چن کر دامنِ مراد بھرتے رہے۔ تاآنکہ توفیقِ ایزدی نے سعادت شعار جویائے علم کو فضیلتِ آثار استاذ، امام احمد رضا کی دہلیز پر پہنچا دیا، بلبل کو پھول اور پیاسے کو پنگھٹ چاہیے، بس یہیں انہوں نے ڈیرا ڈالا، آسن جمایا اور دھونی رمائی، ذہین و فطین، اخاذ و نباض، موفق من اللہ اور تراشیدہ کمالِ قدرت تو تھے ہی، اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی فیضِ صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور پھر یہیں سے آپ کی حیاتِ مستعار کا دوسرا زرّیں دور شروع ہوا، بریلی، آرہ، پٹنہ، کلکتہ، سہسرام اور کٹیہار کی کشتِ علم پر برکتِ علم برسا کر خیابانِ رضا سے اُٹھنے والا یہ ابر بارندہ اپنی ہی زمین کے افق پہ جا کر تھم گیا اور خاکِ ہند کے جس مردم خیز خطے سے علوم و معارف کا یہ سورج اُگا تھا، برصغیر کے ذرّے ذرّے کانٹے کانٹے کو چمکا کر اسی خطے کے ایک حصے ''شاہ گنج'' میں روپوش ہو گیا۔

ملک العلماء امام احمد رضا کے سب سے بڑے مکتوب الیہ ہیں۔ چونکہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے ذخیرۂ مکاتیب میں سب سے زیادہ مکتوب آپ ہی کے نام ملتے ہیں، جو کمیت و کیفیت اور قدر و قیمت ہر دو اعتبار سے نہایت وقیع ہیں، للہٰذا مکتوباتِ رضا کے اجالوں میں ملک العلماء کو تلاش کرنے سے پہلے، آیئے اس عظیم و محبوب تر مکتوب الیہ کی صدابہار زندگی کا اجمالی خاکہ پیشِ نظر رکھیے۔

۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ میں وہ پیدا ہوئے، ۱۳۲۰ھ میں اپنے زمانے کے ماہر و مشہور استاذِ حدیث مولانا وصی احمد محدث سورتی سے ''مدرسہ حنفیہ'' پٹنہ میں اخذِ علم کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں ماہرِ معقولات مولانا احمد حسین کان پوری سے معقولات میں استفادہ کیا، ۱۳۲۱ھ میں ہی مرکزِ علم و عرفان بریلی حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ ۱۳۲۲ھ میں ''منظرِ اسلام'' کے قیام میں بانیانہ کردار ادا کیا، ۱۳۲۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، سنہ مذکورہ ہی میں منظرِ اسلام کے استاذ نامزد ہوئے اور امام احمد رضا نے تمام سلاسلِ طریقت کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ نیز ''ملک العلماء'' اور ''فاضلِ بہار'' کے خطاب سے نوازا، ۱۳۲۶ھ میں اونی مدنی جبہ دے کر مناظرۂ میوات کے لیے روانہ فرمایا۔ ۱۳۳۶ھ ہی میں فرخندہ طالع لڑکا تولد ہوا، تو امام احمد رضا نے تہنیت کا تار بھیجا۔ ۱۳۲۹ھ تک بریلی رہے، دینی خدمات کا ریکارڈ قائم کیا، پھر شملہ اور آرہ ہوتے ہوئے ۱۳۳۰ھ کو ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' پٹنہ کی مسندِ فقہ و تفسیر کو زینت بخشی، ۱۳۳۴ھ میں ''خانقاہِ کبیریہ'' سہسرام تشریف لے گئے اور علم و فضل کے گوہر لٹائے، ۱۳۳۸ھ میں بحیثیت سینئر استاذ باصرار دوبارہ ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' بلا لیے گئے۔ ۱۹۴۸ء

میں ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' کے پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں شہر کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا۔ ۱۹۶۰ء تک یہیں آپ کا چشمۂ علم و فن بحرِ قلزم اور مہاساگر بن کر بہتا رہا، ملک العلماء کے شہکار شاگرد علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی، اسی زمانۂ خیر و برکت کی حسین یادگار ہیں۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو وصال فرمایا۔

اس تمہیدی خاکے کی روشنی میں حیات ملک العلماء کو مقالہ نگار تین ادوار میں تقسیم کرتا ہے، پہلا دور ۱۳۰۳ھ تا ۱۳۲۱ھ۔ دوسرا دور ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۴۰ھ۔ اور تیسرا دور ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء۔ پہلا دور اور تیسرا دور ظاہری ربط و تعلق سے خالی نظر آتا ہے، البتہ تیسرے دور میں نسبتِ علمی اور روحانی تعلق ضرور قائم ہے بلکہ اس رسمِ محبت کا رشتہ تو جنتی بہاریں لوٹنے تک استوار رہے گا۔ بچا دوسرا دور جو نہایت تابناک ہے اور تقریباً ۱۹ر سالوں پر محیط۔ پھر اس کی بھی تین حیثیتیں ہیں، (۱) ملک العلماء بحیثیت طالب علم ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۲۵ھ (۲) ملک العلماء بحیثیت مدرس 'منظر الاسلام' مصنف، مناظر، معتمد مفتی اور مشیر خاص امام احمد رضا ۱۳۲۵ھ تا ۱۳۲۹ھ، (۳) ملک العلماء بحیثیت مفسر، محدث، فقیہ، مناظر، مصنف، مرشدِ طریقت، مکتوب الیہ اور مسلکِ امام احمد رضا کا جاں نثار نقیب و ترجمان۔ راقم آثم کا موضوع گو تیسری حیثیت سے تعلق رکھتا ہے، مگر پہلی دونوں حیثیتوں پر ایک سرسری نظر ڈال لیجیے تا کہ ربط باہم کے نشاناتِ اُبھرا اُبھر کر خود سامنے آسکیں۔

۱۳۲۱ھ میں ملک العلماء بریلی شریف وارد ہوئے ہیں اور چند دنوں میں ہی وہ اپنی ذہانت ومتانت، بلند سیرت، حسنِ عمل، علمی اُٹھان اور فکری اُڑان کی بنا پر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے دل میں گھر بنا لیتے ہیں۔ وہ حلوہ کھاتے ہیں، عیدی و تہواری پاتے ہیں، خاص خاص موقع پر جوڑا ملتا ہے، اونی مدنی جبہ دیا جاتا ہے وہ بھی حرمِ نبوی کا، وہ پھولے نہیں سماتے ہیں، ان کے لیے کرتا، ٹوپی، پائجامہ اور بیش قیمت انگرکھا بنایا جاتا ہے، وہ برسوں تبرکا استعمال کرتے ہیں، اتنا سارا پیار کیوں نہ ملے، وہ مربی و مشفق اتالیق، یہ سراپا ادب و نیاز تلمیذ، آہ! کیسے کیسے الطاف وعنایاتِ خسروانہ اور کیا کیا انعام و اکرام کہ سو سو جان قربان! امام احمد رضا خود فرماتے ہیں ''جیسے مصطفےٰ (مفتی اعظم ہند) ویسے تم''شفیق استاذ نے اندر باہر کی تفریق مٹادی تھی، عربی مدارس کے اساتذہ سبق سیکھیں۔

درسِ نظامی کی تکمیل اور رسم فراغت سے تین سال پہلے ہی ۱۳۲۲ھ میں ملک العلماء نے پہلا فتویٰ لکھا، جھجکتے ہوئے اصلاح کے لیے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں پیش کیا، پھر کیا، اس کی منظر کشی انہیں کے لفظوں میں دیکھیے اور بلندیٔ اقبال پر رشک کیجیے:

''۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو میں نے فتویٰ لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا، حسنِ اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دستِ مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اعلیٰ حضرت (مولانا نقی علی خان) والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اس لیے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں۔''

علم و حکمت، بصیرت و تدبر، اصابتِ رائے، صلابتِ فکر، سچے شعور اور راست سوچ کے پیکر تھے حضور ملک العلماء۔ امام احمد رضا کی جوہر شناس نگاہوں نے نظرِ اوّل ہی میں پہچان لیا، اُن کی گھر

ی سوچ اور باوزن افکار کا کس قدر احترام تھا، یہاں "جامعہ منظر اسلام" کی تاسیس کے پس منظر میں ذرا جھانک کر دیکھیے، سب سے پہلا داعیہ جس کے دل میں انگڑائی لیتا ہے، وہ ملک العلماء ہی تھے اور "منظر اسلام" کے موسس علام اپنے ہونہار محرک اور ہنر مند مجوز کی خوب صورت تحریک و تجویز کو رد نہ فرما سکے، تحریک کی طاقت اور خلوصِ فکر نے رنگ لایا اور اسی سال منظر اسلام کا قیام عمل میں آ گیا۔ تفصیلات کے لیے مولانا محمود احمد قادری کی "تذکرۂ علمائے اہلِ سنّت" وغیرہ دیکھیے۔

بعد میں یہی "منظر اسلام" بغداد العلم کہلایا، رشکِ یونان و اصفہان بنا، غرناطہ سبکسار اور دہلی لکھنؤ شرمسار ہوا، بڑے بڑے علمی مراکز سرنگوں ہوئے، اونچی درسگاہیں اور نامور تعلیم گاہیں للچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہوگئیں، رحمتِ رب کی گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں اور باب العلم کے محافظ وامین نے درواکر دیا اور مدینۃ العلم رحمت بردوش معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش وکرم نے اعلیٰحضرت کو حجازی حافظانِ حدیث اور فاضلانِ علوم اسلامیہ کا معلم بنا دیا۔ اللہ اکبر! خدمتِ خلق، اشاعتِ علم اور حبِ نبی کا بیش بہا صلہ، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا، اس شہرۂ آفاق مرکزِ علم وحکمت کے پہلے برگ وبار اور اوّلین فصلِ بہار ہیں، ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین، خدا! اپنی تجلیوں سے تو ان کے شبستانِ خاکی کو جگمگائے رکھ، رحمتوں کے پھولوں سے مہکائے جا!!

مدارس و جامعات کی تاریخ میں شاید یہ پہلا واقعہ ہے کہ بانی، متعلم اور پھر معلم، کسی شخصِ واحد کو یہ تینوں حیثیتیں بیک وقت میسر ہوئی ہوں کہ ادارے کی تاسیسی تحریک میں مثلِ موسس رول ادا کرے، چٹائی پہ بیٹھے، زانوئے تلمذ تہہ کرے اور تکمیلِ درسیات ہوتے ہی اسی درسگاہ کی مسندِ تدریس کی زینت بنا دیا جائے، اس خصوص میں ملک العلماء منفرد نظر آتے ہیں۔

زمانہ شاہد ہے، برصغیر کے کرۂ زمین پر قدیم وجدید تعلیمی مراکز میں جو چراغِ علم فروزاں ہے اس کے روغن کا سرشتہ مجددِ اسلام اور منظرِ اسلام سے ضرور جڑا ہوا ہے، ماتم یہ ہے کہ تاریخ مرتب نہیں، منظر اسلام کی خدمات (جو شجر سایہ دار کی طرح پھیلی ہوئی ہیں) کا تاریخی تناظر میں جائزہ لیا جائے۔ تاریخ ہند میں خدمتِ علم اور اشاعتِ دین کا یہ سب سے روشن باب ہے، مگر ہائے صد حیف! یہی باب سب سے زیادہ تاریکیوں میں مستور ہو کر رہ گیا ہے، خزانے کھنگالے جائیں، دفینے اُچھالے جائیں، جامعہ منظر اسلام کے موجودہ اربابِ مجاز کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

"منظر اسلام" قائم ہوگیا۔ حضور ملک العلماء پڑھتے، اعلیٰحضرت کے مشاغلِ علمیہ میں ہاتھ بٹاتے، نقل وتبییض کرتے، حوالہ جات نکالتے، حوادثِ زمانہ پر بھی گہری نظر رکھتے، وقت کے سرکشوں کو کرارا جواب دیتے، الصحبۃ مؤثرہ کے بموجب رہوارِ قلم مہمیز لگ چکی ہوتی ہے، لہٰذا وہ تصنیف وتالیف بھی کرتے، عہد طالب علمی کی یہ پانچ کتابیں یادگار ہیں، (۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۳ھ (۳) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۴) شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ (۵) مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ۔ ان میں سے مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس کو عرس کی شرعی حیثیت کے عنوان سے ادارۂ افکارِ حق بائسی پورنیہ بہار نے پندرہ سولہ سال پہلے شائع کیا ہے اور اس پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تقریظ جلیل مرقوم ہے اور مطبع اہلِ سنّت بریلی سے چھپی بھی تھی۔

۱۳۲۵ھ میں ملک العلماء نے نصابِ تعلیم پورا کیا، تو خوب دھوم سے جشنِ بہاراں منایا گیا۔ اُن کی پیشانی مبارک پہ وِرثۃ

الانبیــــاء کا تاج سجا، عبا قرۂ عصر کے بابرکت ہاتھوں نے دستار باندھی، سند و شہادت سے نوازے گئے، بیعت مرشد کا شرف حاصل تو تھا ہی، جملہ سلاسلِ طریقت کی اجازت و خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ ''ملک العلماء'' اور ''فاضلِ بہار'' خطاب عطا ہوا، میکدے کا جو کبھی میکش تھا، ساقی مقرر ہوا، جو کبھی تشنہ تھا، سیراب ہو گیا، جو کبھی متعلم تھا، طالبانِ علومِ نبوت کا معلم نامزد ہوا، واہ رے سرفرازیاں!! ان سعادتوں میں بھی حضور ملک العلماء کی انفرادی شان معلوم ہوتی ہے۔

بحرِ شریعت و طریقت کے تیراک، امام احمد رضا کے علم و عمل کا مظہر، فکر و قلم کا پرتو، فیضانِ نظر کی کرامت اور خصوصی توجہات کے محور نے بصد اعجاز جب تدریس کی ابتدا فرمائی، تو عملِ تدریس، نصابِ تعلیم، نظامِ اخلاق، مدرسین و معلمین و متعلمین کی تعداد یا ان کے کھان پان اور رہائش وغیرہ اور منظر اسلام کی تعمیر و توسیع، کن کن جہتوں میں کی گئی۔ کیا کیا اصلاحات و ترمیمات ہوئیں، کیسی کیسی ترقیاں ہوئیں اور کس قسم کے اثرات و ثمرات رونما ہوئے۔

جس درسگاہِ فیض بخش کا ہر ذرّہ آفتاب و مہتاب بن کر چمکا، افسوس! اُن احوال تک دستِ قلم کی رسائی نہیں، لیکن ملک العلماء کے چاک و چوبندِ ذہن و دماغ اور زمینِ شور میں سنبل اگانے والی صلاحیت و قابلیت کے قرین قیاس یہی ہے کہ نمایاں ترین نتائج برآمد ہوئے ہوں گے۔

۱۳۲۶ھ میں ملک العلماء اپنی عمر کی تیئیسویں بہار سے گزر رہے تھے، علاقہ میوات فیروز پور میں توہب گاؤں کے ٹھیکے داروں نے اودھم مچا رکھا تھا، حضرت مولانا صوفی رکن الدین الوری، حضرت مولانا احمد حسین رام پوری کو بریلی بھیجا کہ وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو وہاں کے حالات کہہ سنائیں اور کوئی مناظر لیتے آئیں۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے مصنف کی تحریر پڑھیے:

''اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے۔ آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جایئے اور وہابیوں کو شکست دیجیے۔ مَیں نے عرض کی تعمیلِ ارشاد کو حاضر ہوں، حضور کے دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شاملِ حال رہی تو وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبّہ لا کر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ مَیں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔

اونی مدنی جبّہ کے جلوؤں نے اپنا اثر دکھایا اور امام احمد رضا کی دعا ''میرے ظفر کو اپنی ظفر دے'' کی تاثیر و برکت (جو آپ کے فرقِ اقدس کی جھومر تھی) کامرانیوں نے قدم چوما، وہابیوں کو سنگین شکست ہوئی اور آپ فاتح و غالب ہو کر واپس تشریف لائے۔ تمام تفصیلی روداد آپ کی کتاب ''شکستِ سفاہت'' میں موجود ہے۔ ''میرے ظفر'' میں جو پیار، اپنائیت اور اعتماد کا عنصر پایا جاتا ہے، اس سے ہر صاحبِ ذوقِ لطیف، لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

اقطارِ ہند میں لوگوں کو دینی ضرورتیں پیش آتیں، تو وہ امام احمد رضا کو خط لکھتے، درخواست بھیجتے۔ چنانچہ ۱۳۲۸ھ میں جامعہ نعمانیہ لاہور کے دبیر نے اعلیٰحضرت کو ایک باکمال عالم و فاضل کے لیے خط لکھا۔ تو جواب میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے محتاط قلم نے ملک العلماء کا تعارفی نقشہ یوں کھینچا:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین قادری صاحب سلمہ، فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیلِ علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرّس ہیں۔ اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں۔ سُنّی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں

بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔ مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار کے لیے روز وتاریخ کے لیے اور جملہ اوقات ماہِ مبارک رمضان شریف کے لیے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے۔''

دینی علوم کی جملہ شاخوں میں آپ کو دستگاہ کامل حاصل تھی۔ آپ کی بے مثال تدریسی خدمات اور قیمتی تصانیف اس امر پہ شاہد ہیں۔ مگر بعض وہ فنون جن کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے آپ کو خصوصاً سکھائے، پڑھائے، جن کے سبب وہ اپنے ہم عصروں میں فائق تر کہلائے، کم تروں میں تو کیا ہم سروں میں بھی برتر ثابت ہوئے۔ تفوق وبرتری کے سبب نامورانِ زمانہ اور استاذ جامعات آپ سے اخذ علم کرتے نظر آئے۔'' ۱۳

امام احمد رضا کی نگاہِ ناز میں ملک العلماء علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ ۱۴ دبدبۂ سکندری رام پور کے مدیر ایک سائل کی توجہ ان کی طرف پھیرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اس وقت آپ (ملک العلماء) ایسی علمِ ہیئت وحروف و اعداد کی ماہر دوسری ہستی کل ہند میں ہماری نظر میں نہیں ہے۔'' ۱۵

اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر علامہ ابرار حسین فاروقی معقولاتی علوم میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے عبور وکمال اور تحقیقات واکتشافات پر روشنی ڈالتے ہیں اور ثبوت کے طور پر ملک العلماء کو پیش کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

''حضرت اقدس (امام احمد رضا) کے ایک شاگرد رشید حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی لامثال تصانیف درج ذیل ہیں (۱) مؤذن الاوقات برائے بہار (۲) مؤذن الاوقات برائے بریلی (۳) مؤذن الاوقات برائے نینی تال (۴) الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت، علمِ ہیئت پر مفید تر تصانیف ہیں جو ہر اعتبار سے لامثال ہیں اور وہ استاذ کے تبحر علمی پر شاہد عدل ہیں۔'' ۱۶

ممبئی، کلکتہ، گوالیار، بریلی، نینی تال، ملتان اور لاہور جیسے شہروں کے اوقاتِ صلوٰۃ وصیام حضور ملک العلماء نے مرتب فرمائے اور علی الترتیب حسب ذیل ذی حشم ہستیوں نے اصرار وفرمائش کی۔ شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، حضرت الحاج لعل محمد خاں کلکتوی، حضرت مولانا امجد رضا خاں قادری، حضرت مولانا حسنین رضا خاں، حضرت مولانا حامد رضا خاں، جناب نیاز احمد قادری اور حضرت مولانا ابوالحسنات سید احمد، حزب الاحناف لاہور۔

۱۳۲۹ھ تک ملک العلماء صحبتِ شیخ کی حیات افروز پرچھائیوں میں رہے۔ اس مدّت میں علمِ نبوت کے طلب گاروں کی پیاس بجھاتے، فتویٰ نویسی کرتے، وعظ و خطاب کرتے، تصانیفِ رضا کی نقل وتبییض کرتے، ردّ ومناظرے اور علمی مذاکرے کے لیے جاتے، تعویذات لکھتے، طباعت واشاعت کے سارے اُمور انجام دیتے اور پھر خدا معلوم کتنی برکت تھی ان کے وقتوں میں کہ تصنیف وتالیف کرتے، دورانِ تدریس آپ کی حقیقت رقم نوکِ قلم کے خوش گوار نتائج دیکھیں۔

(۱) التعلیق علی القدوری ۱۳۲۵ھ (۲) اعلام الساجد بصرف الجلود الاضحیة فی المساجد ۱۳۲۵ھ (۳) الفیض الرضوی فی تکمیل الحمری ۱۳۲۶ھ (۴) بسط الراحة فی الحظر والاباحة ۱۳۲۶ھ (۵) شکستِ سفاہت ۱۳۲۶ھ (۶) المجمل المعدد لتالیفات المجدد ۱۳۲۷ھ (۷) سجم الکثرة علی کلاب المطرة (۸) النبراس

لدفع ظلام المنهاس ۱۳۲۹ھ۔" ۱۷

مندرجہ بالا رشحاتِ قلم اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی نگاہ سے ضرور گزرے ہوں گے۔ تقریظ و تصدیق لکھی گئی ہوگی اور شاید اصلاح و ترمیم بھی، کیونکہ مسترشد کی کاوشِ قلم مرشد کی نظر سے گزرتی تھی۔ مطالعۂ خطوط سے یہی اندازہ ہوتا ہے بلکہ گمان یقین میں بدل جاتا ہے۔ ۱۸ اے کاش! یہ جواہر پارے مقالہ نویس کی دسترس میں ہوتے، تو دونوں بزرگانِ ذیشان کی قلمی ارتسامات سے نگاہیں نور لیتیں۔

ملک العلماء بزمِ احباب میں بیٹھتے تو بزم کو کشتِ زعفران بنادیتے۔ علمی مجلس میں بات کرتے، تو اُلجھی گتھیاں سلجھا دیتے۔ ناقد و مبصر بنکر بحث کرتے، تو بڑے بڑے باکمالوں اور صاحبانِ جبہ و دستار کے چھکے چھوٹ جاتے۔ مناظرہ گاہ میں ہوتے تو مدّ مقابل کو یوں استدلالی چرکے لگاتے کہ خصم ڈھول چاٹتا رہ جاتا۔ صداقت آشکارا ہوجاتی اور مناظرے کا فیصل بورڈ مجمع کو آپ کے پیچھے لگا دیتا۔ وعظ کرتے، تو وعظ کو وجد آجاتا اور اہلِ دل اُچھل پڑتے۔ خطیب نہیں، روحِ خطابت تھے۔ مدرّس نہیں جانِ تدریس تھے وہ اور مسندِ افتاء اُن پر ناز کرتی، باوجود اس کے سراپا خلوص و ایثار تھے وہ، یہی وہ خوبیاں تھیں جو آپ کو کشاں کشاں لیے پھرتی تھیں۔

۱۳۳۰ھ میں اعلیٰحضرت کے حکم سے خطیب جامع کی حیثیت سے آپ شملہ تشریف لے گئے۔ پھر مرشد گرامی کے ایما پر مدرسہ حنفیہ فیض الغربا آرا چلے گئے۔ وہیں سے آپ کو مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ بلا لیا گیا۔ اوراقِ سیرت سے لگتا ہے کہ شملہ و آرہ میں آپ کا وقفۂ قیام تھوڑا تھوڑا رہا، اس لیے تصنیف و مراسلت کا تعلق سیدھے پٹنہ سے جوڑ دیا گیا ہے۔

ملک العلماء بریلی کی علم پرور بہاروں کو الوداع کہہ رہے ہیں، دل نواز فضاؤں کو سلام کہہ رہے ہیں۔ دِل بھر آیا، آنکھیں آب اشک سے وضو کرنے لگی ہیں، پاؤں سو سو من کے ہوگئے ہیں۔ مگر امام احمد رضا کی علمی چھاؤنی کا یہ سپہ سالار بھیگی پلکوں اور بوجھل قدموں کے ساتھ جب ہمہ جہت دینی مہمات پر روانہ ہوا ہے، تو بڑے بڑے معرکے از خود سر ہوگئے ہیں۔ وہ جدھر سے گزرا حق و ہدایت کے جھنڈے گاڑتا چلا گیا۔ لاہور ۲۰، ڈھاکہ اور بریلی ۲۱ تک ان کے نقوشِ پا نشانِ منزل بن گئے اور علم و دانش کی خوشبوؤں سے مسلم آبادیاں مہک اُٹھیں۔ مؤمن بستیاں مہک اُٹھیں۔ دوریاں پیدا ہوئیں، تو باہمی رابطوں نے خط و کتابت کا روپ دھار لیا۔ مراسلت کا یہ سلسلۃ الذہب ۱۳۳۰ھ سے شروع ہوکر ۱۳۴۰ھ تک رہا، مگر مقالہ نگار کے سامنے ۱۳۲۲ھ تا ۱۳۲۹ھ کا مکتوبی مواد ہے۔ بعید نہیں کہ قبل و بعد بھی مکاتبت ہوئی ہو اس عرصے میں امام احمد رضا کے مکتوب الیہ کو پٹنہ، کلکتہ اور سہسرام جانا پڑا ہو خود مکتوب منہ بھی بریلی کے سوا کبھی بھوالی، نینی تال رہے مگر محبوب مکتوب الیہ جدھر جدھر گیا، مکتوب منہ کی شفقت و کرم اور نوازشات کا دھارا اُدھر اُدھر بہتا چلا گیا۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" میں ملک العلماء کے نام مکاتیب کی فہرست ۴۵ ہے۔ ۴۳ خود ملک العلماء کے نام اور دو خطوط جو دوسرے حضرات کے نام ہیں ان میں بھی ملک العلماء کا ذکر بصد اندازِ زیبائی موجود ہے۔ ۴۳ مکاتیب کی فہرست بقید تاریخ و سنین یہ ہے:

مکتوبِ رضا بنام حضور ملک العلماء بزمانۂ قیام پٹنہ

مکتوب نمبر......۱	محررہ ۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ
ایضاً......۲	محررہ ۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ
ایضاً......۳	محررہ ۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ
ایضاً......۴	محررہ ۵؍ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ
ایضاً......۵	محررہ ۱۴؍ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ
ایضاً......۶	محررہ ۲۶؍ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ
ایضاً......۷	محررہ ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

ایضاً ......۸ محررہ ۵/شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ
ایضاً ......۹ محررہ ۵/شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ
ایضاً ......۱۰ محررہ ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ
ایضاً ...... ۱۱ محررہ ۵/ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ
ایضاً ...... ۱۲ محررہ ۲۱/رجب المرجب ۱۳۳۳ھ
ایضاً ۱۳ محررہ ۲۲/رجب المرجب ۱۳۳۳ھ
ایضاً ۱۴ محررہ ۱۱/شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ
ایضاً ۱۵ محررہ ۲۲/شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ

مکتوب رضا بنام ملک العلماء بزمانۂ قیام کلکتہ

ایضاً ۱ محررہ ۲۶/ماہِ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ
ایضاً ۲ محررہ ۱۳/شوال المکرم ۱۳۳۳ھ

مکتوب رضا بنام ملک العلماء بزمانۂ قیام سہسرام

ایضاً ۱ محررہ ۱۴/صفر المظفر ۱۳۳۵ھ
ایضاً ۲ محررہ ۹/ماہِ مبارک ۱۳۳۵ھ
ایضاً ۳ محررہ ۲۳/ربیع الاول ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۴ محررہ ۸/رجب المرجب ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۵ محررہ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۶ محررہ ۲۲/رجب المرجب ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۷ محررہ ۷/شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۸ محررہ ۱۵/شوال المکرم ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۹ محررہ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۱۰ محررہ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۱۱ محررہ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۱۲ محررہ ۱۵/ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ
ایضاً ۱۳ محررہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایضاً ......۱۴ محررہ ۵/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ
ایضاً ......۱۵ محررہ ۲۳/محرم الحرام ۱۳۳۷ھ
ایضاً ...... ۱۶ محررہ ۱۴/ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ
ایضاً ...... ۱۷ محررہ ۱۴/صفر المظفر ۱۳۳۸ھ
ایضاً ۱۸ محررہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

مکتوب رضا بنام حضور ملک العلماء بزمانۂ قیام پٹنہ

ایضاً ۱ محررہ ۳۰/رجب المرجب ۱۳۳۹ھ
ایضاً ۲ محررہ ۱۲/شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ
ایضاً ۳ محررہ ۱۵/ماہِ مبارک ۱۳۳۹ھ
ایضاً ۴ محررہ ۲۳/ماہِ مبارک ۱۳۳۹ھ
ایضاً ۵ محررہ ۲۵/ماہِ مبارک ۱۳۳۹ھ

مکتوبات رضا کے تراشے پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں حضور ملک العلماء کی اُن تصانیف کا تذکرہ کردیا جائے، تاکہ بعض مکتوباتی تراشوں کا پس منظر جاننے میں آسانی ہو۔ تصانیف بزمانۂ قیام پٹنہ ۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۲ھ:

(۱) التحقیق المبین لکلمات التوہین ۱۳۳۰ھ (۲) الطیب الاکسیر فی علم التکسیر ۱۳۳۰ھ (۳) التعلیق علی شرح المغنی ۱۳۳۱ھ (۴) رفع الخلاف من بین الاحناف ۱۳۳۲ھ (۵) خیر السلوک فی نسب الملوک ۱۳۳۳ھ (۶) نزول السکینہ باسانید الاجازات المتینہ ۱۳۳۳ھ (۷) القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر ۱۳۳۳ھ (۸) جواہر البیان ۱۳۳۳ھ (۹) گنجینۂ مناظرہ ۱۳۳۴ھ (۱۰) کشف الستور عن مناظرہ رام پور ۱۳۳۴ھ۔ ۲۳

تصانیف بزمانۂ قیام سہسرام اواخر ۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۸ھ:

(۱) بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام ۱۳۳۵ھ (۲) موذن الاوقات ۱۳۳۵ھ (۳) تقریب ۱۳۳۵ھ (۴) تذہیب

۱۳۳۵ھ (۵) عافیہ ۱۳۳۵ھ (۶) وافیہ ۱۳۳۵ھ (۷) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب ۱۳۳۶ھ (۸) القصر المبنی علیٰ بناء المغنی ۱۳۳۶ھ (۹) تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار ۱۳۳۷ھ (۱۰) نظم المبانی علیٰ حروف المعانی ۱۳۳۷ھ (۱۱) الاکسیر فی علم التکسیر ۱۳۳۷ھ (۱۲) سرور القلب المحزون فی المصر عن نور العیون ۱۳۳۸ھ۔ ۲۴

تصانیف بزمانۂ قیام پٹنہ بار دوم ۱۳۳۸ھ تا ۱۳۴۰ھ:

(۱) ندوۃ العلماء ۱۳۳۸ھ (۲) ہادی البداۃ لترک الموالات ۱۳۳۹ھ (۳) توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء ۱۳۴۰ھ

مکتوب ایک کیمرہ ہے جو مکتوب نگار کے عہد کی حالتوں، ان کی ذات، شخصیت، فکر و خیال، مسلک و عقیدہ حتیٰ کہ جلوت و خلوت تک کی تصویریں اُتار کر رکھ دیتا ہے۔ گرچہ مکتوب نگار کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ ان کا مکتوب کبھی شائع بھی ہوگا۔ بایں معنیٰ مکتوب نگار کی شخصیت کو پرکھنے کا مکتوب سب سے قوی ترین ذریعہ ہے۔ لیجیے اب اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مکتوباتی البم کھولتے جایئے اور قلمِ رضا کا جمال دیکھتے جایئے۔

مکتوب منہ کا قلم محبت آشنا ہے، شفقتیں ٹپکاتا ہے، خطوطِ رضا کے آئینے میں دیکھیے، مکتوب الیہ کا منور مکھڑا کتنا نکھرا نکھرا، پیارا پیارا اور سجیلا البیلا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے سرنامۂ خطوط پر ایک نظر ڈالیے کیسے میٹھے مدھر آداب اور کتنے موقر، معلّی القاب پڑھتے جایئے اور رنگا رنگ آداب و القاب کی رنگا رنگی سے لذتیں کشید کرتے جایئے۔

حبیبی وولدی وقرۃ عینی مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری جعلہ اللّٰہ کاسمہ ظفر الدین، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ، جان پدر بلکہ از جان بہتر ولدی الاعز مولانا محمد ظفر الدین جعلہ اللّٰہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین آمین السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ علیہ وبرکاتہ ولدی وزینی وقرۃ عینی، برادر دینی و یقینی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب جعلہ اللّٰہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ولدی اعزی اعزک اللّٰہ فی الدنیا والدین وجعلک کاسمک ظفر الدین آمین آمین آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ولدی الاعز حامی السنۃ ماحی الفتنۃ جعلہ اللّٰہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ، ولدی الاعز المکین مولانا المکرم ذی العلم المتین جعلہ کاسمہ ظفر الدین، السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ولدی الاعز حامی السنن مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب جعلہ کاسمہ ظفر الملۃ والدین آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ مولانا المکرم ذی المجد والکرم ولدی الاعز مولوی محمد ظفر الدین، السلام علیکم ورحمۃ للّٰہ وبرکاتہ۔ ۲۶ـ

مشتے نمونہ از خروارے، یہ چند آداب و القاب قارئین کی علمی ضیافت کے لیے نقل کر دیئے گئے ورنہ مکتوب نگار کی طرف سے حضور ملک العلماء کے نام بیسیوں خطوط لکھے گئے اور ہر خط کا سرنامہ الگ الگ رنگ و آہنگ لیے ہوئے ہے، آداب و القاب کی یہ بوقلمونی جہاں مکتوب نگار کی شانِ علم، حضوریِ قلب، مردم شناسی اور خلوص و محبت کا پتا دیتی ہے، وہیں مکتوب الیہ کے علم و فضل، شخصیت و عبقریت علوم و فنون میں تبحر اور قرار واقعی مقام و مرتبہ بھی متعین کرتی ہے۔ مکتوب شریف میں قارئین دیکھیں۔ حوالہ جاتی کتابوں کا انبار، شریعت کے مسائل و مباحث، طریقت کے رموز و اسرار، اس دور میں تحریکات و تغیرات کی جھلکیاں، مذہبی سیاسی نشیب و فراز، کتب و

رسائل اور مسودات و مبیضات کی لین دین اور ذاتی تعلق ولگاؤ۔

مکتوب ماضی کا آئینہ ہوتا ہے۔ آپ اس میں وہ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں جو اس دور میں وقوع پذیر ہوئے مکاتیب امام احمد رضا کے کئی پہلو ہیں۔ علمی، ادبی، اصلاحی، تاریخی، سیاسی، سماجی، تہذیبی کئی خطوط تو کئی کئی صفحوں پر پھیلے نظر آتے ہیں۔ جبکہ کچھ خطوط چھوٹے اور سلاست و سادگی کے آئینہ دار ہیں۔ اس مضمون میں ساری باتیں سمیٹنا مشکل ہے۔ اس لیے یہاں صرف چند گوشوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مثالاً دو چند ہی اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، گو کہ مقالہ طویل ہو ہی جائے گا، مگر مزید زخم طوالت سے چور نہ ہو۔

امام احمد رضا آیتِ ربانی، برہانِ دین، معجزۂ رسول اور مجددِ اسلام تھے۔ وہ آئے تو خزاں رسیدہ چمنِ اسلام ہرا ہوا، مُردہ سُنّتیں زندہ ہوئیں۔ وہ بلا دلیل کوئی بات نہیں کہتے، بلکہ ایک ایک مسئلے پر درجنوں دلیل دیتے۔ پاس میں کوئی کتاب موجود نہ ہوتی، تو وہ حضور ملک العلماء کو خط لکھتے اور نیاز مند شاگرد کتب و عبارات فراہم کرتے، علمی رفاقت کا ثبوت دیتے۔

''کل کے کارڈ میں اتنا لکھنا رہ گیا کہ نبیذ تمر سے وضو کے بارے میں جتنی بحث مبسوط سرخی وغایۃ البیان میں ہو وہ بھی بتمامہ درکار ہے۔ کافی سے اس بحث کی حاجت نہیں کہ وہ یہاں موجود ہے۔ ماء مطلق کی بحث سے چند اوراق میرے نسخے میں نہیں ہیں، اور ایک بات پہلے بھی شاید آپ کو لکھی تھی اور ممکن ہے کہ آپ نے جواب دیا ہو، جو مجھے یاد نہیں وہ یہ کہ فتاویٰ امام قاضی خان فصل ما یجوز به التیمم اس مسئلے میں جنب تیمم للظهر وصلى ثم احدث (الی قوله) ...... ما یکفی الاغتسال فتیمم۔ جتنے نسخے مطبوعہ ہیں سب میں عبارت ناقص اور مختل ہے۔ مصر، کلکتہ، لکھنؤ تینوں کے چھاپے کے علاوہ اگر وہاں کوئی قلمی نسخہ یا اور کسی مطبع کا ہو، اس سے پوری عبارت نقل کر کے بھیجئے۔'' محررہ ۲۲؍ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ......۲۷

''آج کئی روز ہوئے سند بھیج چکا ہوں۔ بحث ماء معتصر من شجرا و ثمرا او ماء علیه غیرہ طبخا او اجزاء' ضرور ہوگی۔ خیال رہے اگر نظر پڑے۔'' محررہ ۱۱؍ شعبان ۱۳۳۴ھ

ملک العلماء پر امام احمد رضا کا کلی اعتماد، مکتوب الیہ کی مستعدی، اس پر مکتوب نگار کی خوشی و دعا درج ذیل اقتباس میں دیکھیے......۲۸

''وہابیہ خزلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا۔ بھاگل پور، فیروز آباد، راندیر۔ بھاگل پور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا۔ یہ خط اصل ہے بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ وہاں حاجت نہ ہوگی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا، وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ مَیں نے فاتحانِ بھاگل پور کو آج ہی لکھ دیا کہ تیار رہیں، مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لیے تیار رہیں۔ میرے تار کا انتظار کریں۔''......
محررہ ۸؍ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ......۲۹

''آپ کی مستعدی پر بحمدہٖ تعالیٰ بہت جی خوش ہوا۔ جزاکم خیراً وبارک فیکم وبکم ولکم وعلیکم''۔
محررہ ۲؍ رجب ۱۳۳۶ھ......۳۰

۱۲؍۱۳؍۱۴؍ رجب ۱۳۳۹ھ میں مسٹر ابوالکلام آزاد کی قیادت میں تحریکِ خلافت و تحریکِ ترکِ موالات کا اجلاس بمقام بریلی منعقد ہوا۔ اس کے زہریلے اثرات سے فرزندانِ توحید کو بچانے کے لیے علمائے اہلِ سُنّت نے ۲۲؍۲۳؍۲۴؍ شعبان ۱۳۳۹ھ کو ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کیا، اس عظیم اجلاس میں ملک العلماء کو دعوت اور ان کی شرکت:

"۱۳ تا ۱۵ ر رجب مطابق ۲۴ تا ۲۶ ر مارچ سے گاندھیوں کا بھاری جلسہ ہونے کو ہے۔ احباب کی رائے ہے، کہ اپنے علماء بھی ایامِ ندوہ کی طرح جمع ہوں۔ اگر یہ قرار پایا تو آپ کو آنا ضرور ہوگا، تیار رہیے۔ اگر مَیں گیارہ یا بارہ رجب کو تار دوں، تو باذنہ تعالیٰ فوراً تشریف لائیے۔ اس کی رسید سے مطلع فرمائیے۔" محررہ ۳ ر رجب المرجب ۱۳۳۹ھ......۳۱

"حالاتِ حاضرہ و مصائب دائرہ نے اسلام و مسلمین کو جس درجہ سراسیمہ و پریشان کیا ہے۔ آپ جیسے واقف کار حضرات سے مخفی نہیں، علمائے اہلِ سُنّت و جماعت اگر اب بھی بیدار نہ ہوں گے تو (خدانخواستہ) وہ دن دور نہیں کہ سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ چارۂ کار نہ پائیں گے انہیں ضرورتوں کو محسوس کرکے علمائے اہلِ سُنّت والجماعت کا ایک مہتم بالشان جلسہ ۲۲ ر ۲۳ ر ۲۴ شعبان المعظم، دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ کو ہونا قرار پایا ہے۔ مَیں جناب کی اعانتِ دینی و توجہ مذہبی سے اُمید واثق رکھتا ہوں کہ اس ضروری دینی کام کو سب کاموں پر مقدم سمجھیں گے اور تشریف لاکر اپنے مفید مشورے اور مواعظ حسنہ سے مسلمانوں کی اصلاحِ احوال فرمائیں گے۔" محررہ ۱۲ ر شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ......۳۲

ملک العلماء کی شرکت اور مدلّل و پُرمغز خطاب:

"جماعت انصار الاسلام کی تین روزہ کانفرنس ۲۲ ر ۲۳ ر ۲۴ شعبان المعظم، بمقام مسجد نو محلّہ بریلی میں منعقد ہوئی تو ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری نے مسئلہ ترکِ موالات پر محققانہ تقریر فرمائی اور ثابت کیا کہ ترکِ موالات انسان کا فطری و طبعی خاصہ ہے اگر اس کے احساسات غلط نہیں ہو گئے ہیں تو وہ نقصان رسانی سے طبعاً احتراز کرے گا۔ اس مسئلے کو شواہد و دلائل سے خوب ذہن نشین کرایا اور بتایا کہ "جملہ کفار و مشرکین سے ترکِ موالات شرعاً فرض اور مسلمانوں پر لازم ہے" اس تقریر کے ضمن میں فاضل بہاری نے ایسی ایسی دل پذیر باتیں فرمائیں کہ مجمع پھڑک اُٹھا۔"۳۳

ملک العلماء کو امام احمد رضا سے کتنا اُنس تھا اور حضور ملک العلماء اور ان کی اولاد امام احمد رضا کو کتنے عزیز تھے، رشک آتا ہے ذیل کی عبارتیں ان خوش گوار تعلقات پر بھرپور روشنی ڈالتی ہیں:

"لڑکی کا تاریخی نام "ولیہ خاتون" سمجھ میں آتا ہے۔ یہ تاریخ جبر و بینات میں ہے۔ نقشہ ماہِ مبارک پہنچا جـزاکـم اللّٰـہ خیراً کثیراً۔" محررہ ۱۳۳۳ھ......۳۴

"خط آیا اس کا جواب تو بعد کو، پہلے یہ گذارش کہ ۲۸ ر ذی قعدہ روز جمعہ کو آپ کا خط مژدۂ ولادت صاحب زادہ طلب نام تاریخی میں آیا، مَیں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اور اس میں تاریخی نام مختار الدین لکھا۔ اس کی کوئی رسید نہ آئی۔ مَیں نے سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھی اب کہ خط آیا اس میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں تو ظن ہوتا ہے کہ تار پہنچا ہی نہیں۔ جسے بھیجے ہوئے آج سولہ دن ہوگئے۔ اگر ایسا ہے اطلاع دیجیے کہ تار گھر سے مطالبہ ہو۔" محررہ ۲۸ ر ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ......۳۵

"خط ملا۔ یہ نعمت تازہ مبارک ہو، اس کا نام وہ رکھیے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا۔ یعنی حضرت ربیع بنت معوذ انصاریہ صحابیہ بنت صحابی علیہم الرضوان کے نام پر ربیع خاتون۔" محررہ ۲۳ ر ماہِ مبارک ۱۳۳۹ھ......۳۶

"نعمت تازہ کی خیریت سے اطلاع دیجیے اور یہ کہ تہنیت کا تار مع تاریخی نام "مختار الدین" کہ آپ کے نام سے ملتا ہوا بھی ہے جو مَیں نے ۲۸ ر ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ روزِ جمعہ کو بھیجا۔ کیا آپ کو ملا؟" محررہ ۱۰ ر ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

اور اظہارِ مسرّت و دعا اور دل پذیر نصیحتوں کا نرالہ انداز بھی دیکھیے:

"آپ کی رضائی بہت محلِ رضا میں کام آئی۔ اس جاڑے میں جو رضائی یہاں بنی، بھاری اور بہت روئی کی تھی۔ ایک ولایتی

صابر، قانع کو سخت ضرورت تھی وہ ان کے نذر ہوئی اور آپ کی مرسلہ رضائی میں نے اوڑھی۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً۔" محررہ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ......۳۷

مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجیے وہ کریم، اکرم الاکرمین، برکاتِ وافرہ عطا فرمائے اور آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر موزر پہنچائے۔ آمین آمین بجاہ الکریم المعین علیہ وعلیٰ اصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ اور احسن یہ کہ استخارہ شرعیہ کر لیجیے۔ آپ کا خط دربارۂ پریشانی دنیا آیا تھا، ہنستے ہوئے...... اس کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات و احادیث دربارۂ ذم دنیا و منع التفات تمول اہلِ دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہٖ تعالیٰ پیشِ نظر ہیں۔ آپ کے پاس بعونہٖ تعالیٰ علمِ نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے بشرط ایمان وعدۂ علو و غلبہ باعتبارِ دین ہے نہ یہ کہ دنیوی اُمور میں مؤمنین کو تفوق رہے۔ دنیا سجن مؤمن ہے۔" محررہ ۱۳/۱۱/۱۳۳۹ھ......۳۸

کشکولِ مکتوبات سے یہ چند جرعہ، چند گھونٹ پیش کیا گیا، اگر جملہ جہتوں اور ساری سمتوں کا احاطہ کیا جائے، تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔

زمینِ بہار پر بہار بھی ہے، بہار اُثار بھی، مردم خیز بھی ہے، مردم خور بھی، تاریخ ساز بھی ہے تاریخ شکن بھی۔ کبھی اس جوئے خوش آب سے لالہ و گل کھل کھل پڑا اور معاً بادِ سموم کے قہر ساماں جھونکے ہاتھ دھوکر پیچھے پڑ گئے۔ کبھی اس کی گود میں نوابغ روزگار نے جنم لیا اور پھر نہ جانے کیوں وہ گمنامی کے گہرے غاروں میں دفن ہو گئے۔ دور کیوں جایئے، کسے نہیں معلوم۔ "تحفۂ حنفیہ" پٹنہ فکرِ رضا کی اشاعت کا پہلا پڑاؤ تھا۔ لکھتے امام احمد رضا تھے، چھپتا پٹنہ میں تھا۔ کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے؟ امام احمد رضا کی مانگ میں "مجدد" کے قد آور لقب کا سہرا کس نے سجایا؟ جو زبانِ زد خلائق ہو گیا۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کی شکل میں سیرتِ رضا کا اوّلین مآخذ کس نے مہیا کیا؟ جس سے ہر ادیب و خطیب اپنی تحریر و تقریر میں رنگ بھرا کرتے ہیں۔ "صحیح البہاری" کی صورت میں حدیثِ رسول ﷺ کا گراں قدر خرمن کس نے جمع کیا؟ جو آج تک مکمل چھپ نہ سکی۔ چہ جائے کہ مدارسِ اہلِ سنّت میں داخلِ نصاب ہو۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" تو چاپی جا رہی ہے اور دیگر علمی آثار و خدمات سے اغماز کیا جا تا رہا۔

کیا ان تاریخی حقائق سے انحراف ممکن ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ طلوعِ قیامت تک نہیں۔ تو آنکھیں کیوں میچی گئیں اور بے توجہی کا شکنجہ اتنا کیوں کسا گیا۔ اس غیر منصفانہ روش اور مجرمانہ چشم پوشی کا ذمے دار کون؟ محض اہلِ بہار یا پوری جماعت؟ خدا کرے میری قوم خاصانِ خدا کی راہ چلے اور پاکانِ خدا کے پاک پیغام اور افکارِ پاکیزہ کو دنیا کے سامنے لائے۔

مراجع و حواشی:

(۱) الف: حضرت ملک العلماء سیّد تھے۔ انہیں اپنی سیادت و شرافت نسب پر ناز تو تھا، مگر فخر و مباہات سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ آپ کے جدّ اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲ء۔۷۹۰ء) میں ہندوستان آئے تھے، ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ حیات ملک العلماء مشمول صحیح البہاری، مطبوعہ حیدر آباد

(ب): اسی عالی نسب، اعلیٰ خاندان میں بڑے بڑے مشاہیر اور عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ عالمِ اسلام کے مشہور بزرگ اور معقولی و اصولی عالم حضرت ملّا قاضی محب اللہ بہاری،

صاحب سلم العلوم و مسلم الثبوت اسی خاندان کے نامور فرزند تھے۔ پروفیسر ابوبکر احمد حلیم، پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی اور نامور سیاسی قائد و ماہر قانون مسٹر محمد یونس بیرسٹر سابق وزیر، وزیر اعلیٰ بہار اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ (سال نامہ "معارفِ رضا" کراچی، پاکستان ص ۲۲۷، شمارہ ۱۹۸۹ء)

(۲) علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب سنگھیا علاقہ بائسی، پورنیہ، بہار کے متوطن ہیں۔ حضرت ملک العلماء اور حضور مفتی اعظم ہند کے اخص الخاص فیض یافتہ ہیں۔ سینکڑوں شہرت یافتہ متبحر علماء کے استاذ اور درجنوں علمی و فنی مقالات و کتب کے مصنف ہیں۔ علمائے عصر انہیں خیر الاذکیا اور امامِ علم و فن جیسے پُر شکوہ لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ علومِ مذہبی کے علاوہ سائنس و حکمت میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا نے ملک العلماء کو علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ فرمایا تھا، یہی جملہ اگر آج خواجہ صاحب کے لیے کہا جائے، تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب مئی ۱۹۹۶ء میں ہندوستان آئے۔ بریلی میں عرسِ رضوی کے بعد شاہی مسجد فتح پوری، دہلی میں علماء کی ایک نشست ہوئی تو پروفیسر مسعود احمد نے فرمایا کہ "وہ فنون جن کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے یا تو مٹنے سے بچالیا یا ایجاد کیا ہے، اُن کو سامنے لایا جائے تو علمی دنیا پر احسان ہوگا اور سائنسی دنیا ششدر رہ جائے گی۔" علمائے مجلس نے کہا کہ ان افکار کی توضیح و تشریح کرنے والی شخصیتیں پاک و ہند میں دو ہی نظر آتی ہیں، پروفیسر شبیر احمد خاں غوری، علی گڑھ اور علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی۔

کاش! جماعتی سطح پر غور و فکر ہو، مذکورہ شخصیتیں آمادہ ہوں تا کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیق و انکشاف اور ایجاد و دریافت ضائع ہونے سے بچ جائے۔

(۳) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، صفحہ ۴۶، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی

(۴) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۴۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی

(۵) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۴۵، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی

(۶) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۴۸، مکتبہ رضویہ، فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی

(۷) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۴۶، مکتبہ رضویہ، فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی

(۸) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۴۶ تا ۴۷، مکتبہ رضویہ، فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی

(۹) امام احمد رضا نے دو بار حج کیا۔ حرمِ الٰہی اور حریمِ نبوی میں دوسری بار انہیں جو اعزاز ملا، شاید کبھی کسی ہندوستانی عالم کو ملا ہو۔ گویا کہ عمر بھر کی عطاؤں کی عطائیں مل گئیں۔ آپ کی خدمت میں علما آئے، سندیں پائیں، فضلا آئے اجازتیں چاہیں، مشائخ آئے خلافتیں حاصل کیں، ۳۲ سے زائد علمائے حرمین شریفین کو آپ نے اجازت نامے عنایت فرمائے۔ مولانا بدرالدین کی "سوانح اعلیٰ حضرت"، پروفیسر مسعود احمد کی "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" اور مولانا یٰسین اختر مصباحی کی "امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں" میں تفصیلات دیکھیں۔

یہ تو برکتوں کی سرزمین حرمین کی بات تھی، بریلی میں دیکھیے تو یہاں بھی آپ کو علمائے حرمین نظر آئیں گے۔ حضرت شیخ سید حسین مدنی بریلی آئے اور چودہ ماہ قیام کر کے علم اوفاق اور علم تکسیر کی تحصیل کی۔ موصوف ہی کے لیے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر" لکھی۔ (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، ص ۶۵، مرتبہ پروفیسر مسعود احمد، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

۱۳۳۰ھ میں مکہ مکرمہ کے زبردست پائے کے عالم فضیلۃ الشیخ سید اسمٰعیل خلیل علیہ الرحمہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ملنے بریلی تشریف لائے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی اپنے ایک مکتوب بنام حضرت شاہ عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ میں لکھتے ہیں: "اعلیٰ حضرت عالم اجل، حامی سنت، ماحی بدعت، دشمنِ وہابیت، حضرت سیدنا سید اسماعیل خلیل آفندی عالم مکہ معظمہ حافظ کتب حرم شریف کہ وہاں کے بہت بڑے حامی دین، عالم ہیں۔ اس فقیر ذلیل کی ملاقات کے لیے مکہ معظمہ سے تشریف لائے۔ ایسا جلیل القدر عالم وسید عربی ومکی وحامی دین نہ آج تک میرے زمانے میں ہندوستان تشریف لایا اور نہ آئندہ امید۔" (محررہ ۲۰ ر صفر ۱۹۳۰ء)

(۱۰) حیاتِ ملک العلماء متفرق صفحات، مشمولہ صحیح البہاری، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۹۹۲ء

(۱۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ، آرام باغ، کراچی

(۱۲) تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۳۰۲، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

(۱۳) حضور ملک العلماء کے شاگردوں میں جو ہزاروں ہزار ہونگے کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے۔ یہاں ان بلند و بالا ہستیوں کے چند نام لکھے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح ملک العلماء سے علمی استفادہ کیے ہوئے ہیں اور اس عمل سے ان علماء کا ایک دوسرے کے تئیں اخلاص واحترام بھی نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد عمیم الاحسان، استاذ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ، الحاج مولانا محمد ظہور نعیمی (مرید سید العلماء مولانا محمد نعیم الدین، مرادآباد) حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ نائب شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، حضرت مولانا نظام الدین بلیاوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ (حیاتِ ملک العلماء، مشمولہ صحیح البہاری، ص ۱۰)

(۱۴) تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۳۰۳، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

(۱۵) تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۳۰۱، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، بحوالہ دبدبہ سکندری، رامپور

(۱۶) ماہنامہ قاری، امام احمد رضا نمبر، ص ۲۵۰، مطبوعہ دہلی

(۱۷) حیاتِ ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری، مطبوعہ حیدرآباد

(۱۸) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی تقریظ جلیل موجود ہے۔ مکاتیب کے مطالعے سے یہ بات یقینی ہوجاتی ہے کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی، حضور ملک العلماء کی تصانیف دیکھ کر تحسین وآفرین کہتے۔ وقتِ ضرورت اصلاح وترمیم بھی کرتے اور تقریظ بھی لکھتے۔ مکتوبِ رضا کا یہ جملہ اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ "تقریظ نہ لکھی کہ کتاب ہمیں سے منسوب ہوجائے گی اور یوں بعونہ تعالیٰ زیادہ مفید ہوگی۔" (ص ۳۰۰)

(۱۹) شملہ کے دورانِ قیام حضور ملک العلماء کی ملاقات مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین سے ہوئی، ڈاکٹر موصوف نے اس بات کی تصدیق کی کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی سے انہوں نے ریاضی کا مسئلہ حل کیا تھا۔
(سالنامہ معارفِ رضا، کراچی، ص ۲۳۰، شمارہ ۱۹۸۹ء)

(۲۰) "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت" کے مرتبین مولانا محمد صادق قصوری اور پروفیسر مجید اللہ قادری کے مطابق حضرت ملک العلماء جامعہ نعمانیہ، لاہور تشریف لے گئے۔ (تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۳۰۲) اور پروفیسر ڈاکٹر سید محمد مختار الدین احمد کی تحریر میں سفرِ لاہور کے بارے میں شک پایا جاتا ہے۔
(حیات ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری، ص ۸)

(۲۱) حضرت ملک العلماء جید عالم زبردست مصنف اور نہایت دبنگ مناظر تھے، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے سرپرست تھے اور شعبۂ مناظرہ کے صدر بھی (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص ۲۸۲، بحوالہ افکارِ رضا ممبئی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء ایک مناظرے کے لیے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیاتِ ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری)

(۲۲) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۴۵ تا ۳۰۸

(۲۳) حیاتِ ملک العلماء متفرق صفحات مشمولہ صحیح البہاری مطبوعہ حیدر آباد

(۲۴) حیاتِ ملک العلماء متفرق صفحات مشمولہ صحیح البہاری مطبوعہ حیدر آباد

(۲۵) حیاتِ ملک العلماء متفرق صفحات مشمولہ صحیح البہاری مطبوعہ حیدر آباد

(۲۶) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، متفرق صفحات، ص ۲۴۵ تا ۳۰۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

(۲۷) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۶۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی

(۲۸) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۶۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی

(۲۹) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۷۴، مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی

(۳۰) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۷۹، مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی

(۳۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی

(۳۲) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی

(۳۳) تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ بحوالہ سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

(۳۴) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۷۸ تا ۲۷۹، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

(۳۵) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۸۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

(۳۶) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

(۳۷) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۶۵، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

(۳۸) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۳۰۷۔۳۰۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

☆☆☆

حضور ملک العلماء خطوط رضا کے آئینے میں

از قلم: مولانا خالد ایوب شیرانی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ

"نسبت سے شئی ممتاز ہوتی ہے" ہر کہ ومہ اس حقیقت سے آشنا اور اس کا معترف ہے۔ چودہویں صدی میں سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تجدیدی کارنامے انجام دیے۔ دنیا کے ہر حقیقت پسند نے تہہ دل سے ان کی قدر شناسی کی اور کررہے ہیں۔ اسی نسبت سے ان سے استفادہ کرنے والوں اور ان کے خوشہ چینوں کو جو قدر ومنزلت حاصل ہوئی وہ بیان سے مستغنی ہے۔ پھر ان کے خوان علم وفکر سے استفادہ کرنے والے بھی ایرے غیرے نہ تھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود علم وفن کا بحر ذخار تھے۔ اگر حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے منسوب نہ بھی ہوتے تب بھی اپنے گراں مایہ کارناموں کی بنیاد پر عرصۂ دراز تک یاد کیے جاتے۔ مگر نسبت رضا نے ان کی یادوں میں دوام واستحکام پیدا کردیا، اب وہ تاریخ کا جزو لاینفک بن چکے ہیں، پہلے اگر وہ کامل تھے، تو اب اکمل ہیں پہلے اچھے تھے، تو اب بہتر ہیں اور بہتر تھے، تو اب بہترین ہیں۔ ان کا کمال حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بے لوث عقیدت کی بنا پر درجۂ کمال کو پہنچ گیا۔ لیکن ہمارے ممدوح محمود ملک العلماء حضور علامہ مولانا سید محمد ظفر الدین علیہ الرحمہ فاضل بہار نہ صرف اعلیٰ حضرت سے منسوب تھے۔ بلکہ ان کے محبّ ومحبوب بھی تھے۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ انہیں حد درجہ پیار کرتے تھے۔ جس کے دلائل آگے آتے ہیں، مگر وہ حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ مولانا ارشاد احمد مصباحی ساحل سہسرامی (مرتب فتاویٰ ملک العلماء) کے بولوں میں:

"مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قادری برکاتی سے آپ کو گہری عقیدت تھی۔ آپ نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اتباع رسول اور عشق مصطفےٰ ﷺ کی خوشبوؤں میں لبے شب وروز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم وفن اور فکر وقلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ "من احب شئیا اکثر ذکرہ" محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔ اس لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ذکر بھی حضور ملک العلماء کی تسکین روح کا سامان تھا جلوت وخلوت ہر جگہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔ آپ کے خواجہ تاش، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، مولانا سید غیاث الدین حسن سہسرامی جب کبھی "ظفر منزل" پٹنہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گزر جاتی۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کے لفظوں میں: "رات کے کھانے کے بعد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل ومناقب میں پوری رات گزر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے۔ اور عبارتیں پڑھیں جاتی تھیں

اوران کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے عاشق جو ٹھہرے"۔ (بحوالہ۔ ماہنامہ "جہان رضا" لاہور جون ۱۹۹۹ء ص ۶۱)

اسی کی چند سطر کے بعد رقم طراز ہیں:

"آپ حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب سے زیادہ منت کش تھے۔ اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اوران کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، انکی نگارشات کے تحفظ وطباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلماء یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو "ظفری" کے بجائے "رضوی" لکھنے کی تاکید فرماتے"۔ (فتاویٰ ملک العلماء)

چھوٹے بڑوں سے عقیدت رکھیں، تو کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ اس کا موجب بڑوں کا کمال ہے۔ ہم اسلاف سے گہری محبت کرتے ہیں اوراس پر کسی کو تعجب نہیں، ہاں ان آقاؤں کی بارگاہوں سے سند قبولیت فراہم ہوجائے، تو ہماری معراج ضرور ہے۔ مگر ملک العلماء نے بڑوں کے بڑے، حضرتوں کے حضرت، سیدنا اعلیٰ حضرت کے محتاط ترین بارگاہ سے نہ صرف قبولیت کی سند حاصل کی۔ بلکہ اعلیحضرت فاضل بریلوی نے آپ کے متعلق وہ کلمات تحسین وآفریں، آداب اور حوصلہ افزا جملے ارشاد فرمائے، کہ بس پڑھئے اور پڑھ کر حضرت ملک العلماء کی شخصیت کے بارے میں سوچتے ہی رہ جایئے۔ شہزادۂ ملک العلماء پروفیسر مختار الدین صاحب لکھتے ہیں:۔۔۔۔لیکن جس ذات گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علمی فیوض حاصل کئے، وہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ جن کی صحبت بابرکت میں وہ برسہا برس رہے اور جن سے یہ عزیزوں کی طرح ملتے رہے اوروہ خاندان کے بزرگوں کی طرح شفقت فرماتے رہے ان دونوں کے گہرے تعلقات اور قلبی روابط کا اندازہ کچھ ان مکاتیب اور مفاوضات سے ہوسکتا ہے جو شفیق استاذ نے اپنے لائق شاگرد کو لکھے ہیں اور جن میں وہ انہیں کبھی "ولد الاعز"، (میرے عزیز ترین بیٹے) لکھ کر مخاطب کرتے ہیں اور کبھی انہیں "حبیبی وولدی قرۃ عینی"، کبھی ولدی قرۃ عینی "برادر دینی ویقینی"، کبھی ولدی الاعز کہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا والدین" لکھتے ہیں۔ تو بعض خطوں میں "ولدی الاعز حامی السنن ماحی الفتن"۔ ایک خط میں جان پدر بلکہ از جان بہتر" لکھ کر خطاب فرماتے ہیں"۔ (التصحیح البہاری)

محترم قارئین! قابل غور مقام ہے، کہ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسا عبقری، جن کا کلام حشو وزوائد سے بالکل منزہ اور بات نپی تلی ہوتی ہے، اپنے شاگرد کو کن کن اعلیٰ آداب سے خطاب فرمارہا ہے۔ کیا یہ استاذ کی فیاضی، دریادلی، شفقت، حوصلہ افزائی، قدر شناسی اور شاگرد اعتمادی کے ساتھ ساتھ تلمیذ رشید کی غیر معمولی لیاقت، انتہائی قربت اور نہایت محبت کی بین دلیل نہیں؟ کیا ایسے امام وقت اور عبقری سے مذکورہ آداب حاصل کرنے کے بعد بھی ملک العلماء کی شخصیت شناسی میں کسی دلیل کی حاجت ہے؟ اسی پر بس نہیں بلکہ: "حضور اعلیحضرت فاضل بریلوی کے دل میں اپنے شاگرد کی کیا قدر وقیمت اور کیسی محبت تھی اس کا اندازہ ان کے اس مکتوب سے ہوتا ہے، جو انہوں نے ان کے بارے میں خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور کو اپنی رحلت سے بارہ سال پہلے ۵ رشعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو تحریر کیا ہے۔

مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی

کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس ہیں اور اس کے علاوہ کارافتا میں میرے معین۔ میں یہ نہیں کہتا، کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا: (۱) سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کرسکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے ''زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز ہر تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے''۔

(صحیح البہاری، بحوالہ، مکاتیب ملک العلماء'' قلمی۔)

زمانہ کی نیرنگیاں کس کو اپنے لپیٹ میں نہیں لیتیں؟ ملک العلماء پر بھی حوادث زمانہ اور انقلابات دہر نے اپنے ستم آزمائے۔ فکر معاش سے دوچار کیا۔ آخر انسان ہی تو تھے دل بیٹھنے لگا، یارائے صبر وشکیب نہ رہا۔ گردش دوراں کے حالات اور شکوے لکھ کر مرکز عقیدت کی بارگاہ میں روانہ کرتے ہیں۔ خط پہنچتا ہے اور بارگاہ رضوی سے جواب لکھا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب کے قلم سے:

''ایک بار یہ عزیز شاگرد ومسترشد جب بعض خاندانی علائق اور دنیوی مصائب میں گرفتار تھے۔ اپنے استاذ اور پیر ومرشد سے اپنے پریشانیوں کا اظہار کرتے ہیں تو وہ ان الفاظ میں تسلی دیتے ہیں: آپ کا خط در بارۂ پریشانی دنیا آیا تھا۔ اس خط کے جواب میں یہ چاہا تھا، کہ آیات واحادیث در بارۂ ذم دنیا ومنع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں۔ مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں۔ فلاں کو دست غیب ہے۔ فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا، مگر یہ نہ دیکھا، کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے۔ ثبات علی السنۃ ہے۔ ان کے پاس علم نہیں یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد؟ کس پر نعمت بیشتر ہے؟ بشرط ایمان وحدہ وعلو غلبہ باعتبار دین ہے نہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق رہے دنیا سجن مومن ہے۔ سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے، کیا محض فضل نہیں؟ دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔''

شفیق استاذ ومرشد اسی پر بس نہیں کرتا، وہ کچھ رقم بھی اخراجات کے لئے بھیجتے ہوئے لکھتا ہے: مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے۔ (دس دس روپے کے یہ نوٹ اعلیحضرت فاضل بریلوی کے وصال کے بیسویں سال بعد میں (پروفیسر مختارالدین صاحب) نے والد مرحوم کے قلمدان میں ایک لفاف میں حفاظت سے رکھے ہوئے دیکھے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے استاذ کی محبت وشفقت کی یادگار سمجھ کر بطور تبرک محفوظ رکھ چھوڑا تھا) وہ کریم، اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے اور آپ کو دین اور دین کو آپ سے نصر موزر پہنچائے۔ آمین آمین بجاہ الکریم المعین علیہ وعلی آلہ واصحابہ الصلوۃ والتسلیم''۔ (صحیح البہاری'')

جی! یہ بارگاہ رضا ہے۔ جسے نوازا جاتا ہے، تو اس کے کشکول میں پھر کسی چیز کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ میرے رضا ہر میدان کے شہسوار ہیں، ہر فن کے امام ہیں۔ وہ صرف اردو کے بادشاہ نہیں عربی وفارسی بھی ان کی جولان گاہیں ہیں جسے ثبوت

چاہئے ''قصیدتان رائعتان'' اور ''حدائق بخشش'' اٹھا کر دیکھ لے۔ وہ فقہ وفتاویٰ کی طرح شعروسخن کے بھی امام ہیں۔ وہ فطرت شناس تھے۔ جبلّت آشنا تھے۔ جانتے تھے کہ اکابر کی حوصلہ افزائی اصاغر کے لئے دست وبازو ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے خلفاء وتلامذہ کی جی بھر مناسب حوصلہ افزائی کی ہے۔ حضور ملک العلماء کی نثر میں انہوں نے کس پیار سے نوازا ہے گزر چکا ہے۔ نظم میں ان کی دعا ملاحظہ کیجئے۔ پروفیسر صاحب کے لفظوں میں: اعلیحضرت فاضل بریلوی کا رسالہ ''رسالۃ الاستمداد'' (۱۳۳۷ھ) تین سو ساٹھ اردو اشعار کا قصیدہ ہے۔ جس میں ۱۳۲ ر قافیے تو اصلاً مکرر نہیں، باقی میں یہ التزام ہے، کہ کوئی قافیہ نو شعر سے پہلے مکرر نہ ہو۔ اسمیں عنوان ''ذکر اصحاب ودعائے احباب'' کے تحت ۱۳ ر شعر درج ہیں جن میں اپنے مخصوص خلفاء وتلامذہ کا ذکر ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، عید السلام مولانا عبد السلام جبلپوری کے بعد حضور ملک العلماء فاضل بہار کا ذکر انہوں نے فرمایا ہے''۔ (ایضاً)

الغرض! سیدنا اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک العلماء کو بہت چاہتے تھے۔ انہیں اپنے اس تلمیذ رشید پر بھرپور اعتماد تھا۔ ان کے معمولی الفاظ بھی شخصیت شناسی کے لئے سنگ میل ہیں چہ جائیکہ بارہا ''ولد الاعز'' اور جان پدر بلکہ از جان بہتر'' جیسے باوزن آداب والقاب جو ایک عبقری کو حاصل ہونے کی وجہ سے ملک العلماء کے دیگر کارناموں، اوصاف وخصائل اور علمی سطوت وحشمت سے قطع نظر اور اغماض کر لینے کے باوجود ان کی عظمت کو دوبالا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ جگہ ''صحیح البہاری'' اور ''حیات اعلیٰ حضرت'' اور ان کے علاوہ تقریباً ساٹھ سے زائد قیمتی نگارشات ان کے علمی کروفر، جاہ وجلال اور عظمت وکمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اور زمانہ کی ضرورت اور علمائے زمانہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ خصوصاً اول الذکر تو فقہ حنفی کا وہ شاہکار ہے، جس کی ضرورت ہر حنفی کو قدم قدم پر ہے۔ اور ثانی الذکر وہ نایاب تحفہ، جو صرف ملک العلماء ہی دے سکتے تھے۔ ان دونوں کتابوں نے غیر معمولی خراج تحسین وصول کر کے اپنے مصنف کو امر بنا دیا ہے۔ خدائے قدیر ان کی تربت پر ہر لحظہ گوہر باری کرے ہمیں ان کے خوان علم سے خوشہ چینی کرنے کی توفیق خیر مرحمت فرمائے اور استاذ وشاگرد کے فیوض سے مالامال۔ اللھم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

☆☆☆

''ملک العلماء نے بڑوں کے بڑے، حضرتوں کے حضرت، سیدنا اعلیٰ حضرت کے محتاط ترین بارگاہ سے نہ صرف قبولیت کی سند حاصل کی۔ بلکہ اعلیحضرت فاضل بریلوی نے آپ کے متعلق وہ کلمات تحسین وآفریں، آداب اور حوصلہ افزا جملے ارشاد فرمائے۔'' (خالد ایوب شیرانی)

ملک العلماء ایک جامع کمالات شخصیت

ازقلم: مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی، علیگ

جلیل الشان خاندان کے عظیم المرتبت فرد ملک العلما فاضل بہار مولانا شاہ محمد ظفرالدین قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۰ء۔۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) ان رجال اسلام میں شمار ہوتے ہیں جن کے نقوش قدم رہتی دنیا تک راہ نما ہوتے ہیں۔آپ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے جید تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ تھے اور اہل سنت کے ممتاز عالم دین۔آپ کی پوری زندگی علمی و تعلیمی مصروفیات، دین متین کی نشر واشاعت اور یاد الٰہی میں گذری۔کمالات ومحاسن کا یہ گلدستہ، چمن رازِ مصطفوی سے خاص تعلق رکھتا ہے۔

خاندان:

ملک العلما ایک وجیہ اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کا خاندان عراق سے غزنی اور غزنی سے ہندوستان آیا۔ہندوستان میں سب سے پہلے تشریف لانے والے خاندانی بزرگ سید ابراہیم ہیں، جو اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کے بل بوتے پر فیروز شاہ تغلق کی فوج میں ملازم ہوگئے۔حضرت سید ابراہیم زندگی بھر لشکر اسلام کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے رہے اور فوجی مہم میں کامیاب حصہ لیتے رہے۔بالآخر ۱۳/ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (سہسرام ضلع شاہ آباد، بہار) کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔بہار شریف (نالندہ) کی ایک اونچی پہاڑی پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔مزار مبارک پر قدیم طرز کا عالیشان گنبد تعمیر ہے۔جس کے جنوبی دروازے پر درج ذیل اشعار کندہ ہیں:

دریں گنبد کہ ہست از روئے معنی	بقدر از گنبد افلاک برتر
نہفتہ شیر مردے کز بہ ہیبت	نخفتے شیر اندر بطن شبر
مدار الملک ابراہیم بوبکر	کہ تیغ از بہر حق می زد چو حیدر
چنیں لشکر کش وکشور کشائے	نہ خیزد دوم اندر ہفت کشور
کنوں چوں بردرت افتاد یارب	زر راہِ لطف بکشائے بر ودر
بہ مشک رحمت وکافور رافت	کنی دیوار خاکش رامعطر

ترجمہ: اس گنبد میں جو رتبے اور عظمت میں آسمان کے گنبد سے برتر ہے۔ایک شیر دل انسان آرام فرما ہے جس کی خداداد ہیبت کا یہ عالم ہے کہ اس کے ڈر سے شیر اپنے ٹھکانوں کے اندر بھی چین سے نہیں سو پاتے۔یعنی مدار الملک سید ابراہیم ابوبکر جو حیدر کرار کی مانند حق کی حمایت میں شمشیر زنی کرتے تھے۔ایسا سپہ سالار اور کشور کشا فاتح تو سات ملکوں میں بھی ڈھونڈ ہے سے نہ ملے گا۔رب کریم یہ شیر دل بندہ اب تیرے آستانۂ رحمت پر حاضر ہے۔ازراہ کرم اس پر اپنی رحمتوں کے دروازے کشادہ فرمادے۔اپنی مشک بار رحمت اور کافور زا مہربانی سے اس کی قبر کی دیوار معطر کردے۔(۱۲ساحل)

گنبد ابراہیمی کے مشرقی دروازے پر یہ اشعار ثبت ملتے ہیں:

یہ عہد دولت شاہ جہاں گیر	کہ باد اورہ بہار ملک نوروز
شہنشاہ جہاں فیروز سلطان	کہ بر شاہان گیتی گشت فیروز

ملک سیرت، ملک بیو ابراہیم | کہ بود در دین ابراہیمی سوز
بہ ۱۳ ذی الحجہ یک شنبہ از دہر | بود چون سیزدہ از صد و ین روز
بہ ہجرت ہفت صد و شصت و ہفت | مسافر شد ملک در جنت امروز
خداوندا! بہ فضل خویش بروے | کنی آسان حساب آخرین روز

ترجمہ: سارے جہاں پر حکمراں بادشاہ کا دورِ حکومت سراپا بہار، ملک ہندوستان کے لئے عید سے کم نہ تھا۔ (کون بادشاہ؟) وہی سلطان فیروز تغلق جو دنیا کے سارے حکمرانوں پر فیروز مند رہا۔ فرشتہ صفت ملک بیو ابراہیم جو دین ابراہیمی کی اشاعت کے لئے ہمہ دم کمربستہ رہتے۔ ۱۳ ذی الحجہ ۷۶۳ھ اتوار کے دن جنت کو سدھارے۔ اے اللہ! اپنے فضل خاص سے ان سے قیامت کے دن آسان حساب لینا۔ (۱۲ اساحل) (حیات اعلیٰحضرت جدید جلد اول ص: ۷۷، ۷۸ مطبوعہ گجرات)

ولادت:

ایسے عظیم المرتبت خاندان میں حضرت ملک العلماء نے آنکھ کھولی۔ آپ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ / ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے (ایک روایت ۱۴ محرم الحرام / ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۰ء کی بھی ملتی ہے) آپ کے والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمہ پابند شریعت سیدھے سادے بزرگ تھے اور اپنی سادگی کے بدولت اعزاز واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ حضرت شاہ چاند بیتھوی ولد شاہ غلام رسول علیہ الرحمہ سے سلسلۂ اشرفی میں بیعت تھے اور اوراد مشائخ کے عامل۔ فارسی خاصی جانتے تھے اور عربی کی بھی ابتدائی تعلیم تھی۔ کاشتکاری گذر بسر تھی، اس لئے ملازمت سے دست کش رہے۔ ۱۳۱۲ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ آپ کی نسبت شیخ مبارک حسین کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی، جو شاہ چاند بیتھوی سے سلسلۂ قادریہ میں مرید تھیں۔ ان کے شکم سے صرف ایک صاحبزادے ملک العلماء پیدا ہوئے، باقی صاحبزادیاں تھیں۔ ملک العلماء کی والدہ [illegible] حضرت غوث اعظم سے خاص عقیدت تھی۔ وہ ہر سال گیارہویں شریف بہت اہتمام سے کرتی تھیں، اسی کی برکت ہے کہ آپ کا وصال ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہا۔

سلسلۂ نسب:

حضرت ملک العلماء کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

۱۔ ملک محمد ظفر الدین قادری بن ۲۔ ملک منشی عبد الرزاق بن ۳۔ ملک کرامت علی بن ۴۔ ملک احمد بن ۵۔ ملک غلام قادر بن ۶۔ ملک سعادت یار بن ۷۔ ملک حمید بن ۸۔ ملک رزاق بن ۹۔ ملک محمد علی بن ۱۰۔ ملک فتح اللہ بن ۱۱۔ ملک غلام نبی بن ۱۲۔ ملک محمد معصوم بن ۱۳۔ ملک محمد سعید الدین عرف ملک سدن بن ۱۴۔ ملک احمد اللہ بن ۱۵۔ ملک تاتار بن ۱۶۔ ملک بہاء الدین بن ۱۷۔ ملک محمد اسماعیل بن ۱۸۔ ملک اللہ داد بن ۱۹۔ ملک غلام محی الدین عرف ملک گدن بن ۲۰۔ ملک خطاب الملک بن ۲۱۔ ملک علاء الملک بن ۲۲۔ ملک داؤد (خلف اکبر) بن ۲۳۔ حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بیو شہید بن ۲۴۔ حضرت سید ابوبکر بن ۲۵۔ سید ابو القاسم عبد اللہ بن ۲۶۔ سید محمد فاروق بن ۲۷۔ سید ابو منصور عبد السلام بن ۲۸۔ سید عبد الوہاب بن ۲۹۔ غوث الثقلین، غیث الکونین سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم۔ سرکار غوث اعظم کا سلسلۂ نسب کافی شہرت رکھتا ہے۔ اس لئے اتنے ہی اجداد کرام بیان ہوئے۔ (حیات اعلیٰحضرت جلد اول ص: ۷۹)

ان میں ملک خطاب الملک سے لے کر ملک بیو شہید تک

بہار شریف میں پہاڑی مقبرے کے اندر آرام فرما ہیں۔ حضرت سید ابوبکر غزنی سے تین میل کے فاصلے پر مشرقی قصبہ بت نگر میں مدفون ہیں۔ حضرت ملک غلام قادر نے بہار شریف سے منتقل ہو کر مضافاتی قصبہ رسول پور میجرا میں سکونت اختیار کی، اس لئے ان کی نسلیں وہیں مدفون ہیں۔ ملک العماء دینی خدمات کے سلسلے میں مختلف جگہوں پر تشریف لے گئے۔ آخری آرام گاہ قبرستان شاہ ارزاں پٹنہ میں بنی۔ ان کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد علی گڑھ میں اقامت رکھتے ہیں۔

اس خاندان میں ملک کا لقب حضرت سید ابراہیم غزنوی ہندی سے رائج ہوا۔ بادشاہ وقت نے آپ کو ''ملک بیا'' کا خطاب دیا تھا، ورنہ ان سے پہلے افراد خاندان خود کو سید لکھا کرتے تھے۔ اس اعزازی نسبت کے احترام میں یہ حضرات اپنے رشتے صرف اپنے ملک خاندان میں ہی کیا کرتے ہیں۔ ان کی خاندانی شاخیں پٹنہ، گیا، مونگیر، شاہ آباد، نالندہ، علی گڑھ، دہلی، کراچی اور لاہور میں پھیلی ہوئیں ہیں۔

بچپن:

ملک العلماء کا بچپن رسول پور میجرا میں گذرا۔ جو ایک قدیم طرز کا گاؤں اور شرفا کی بستی ہے۔ نالندہ اور راجگیر کے بیچ میں ''سیلاؤ'' نامی قصبہ ہے جس سے چار میل دور مغرب کی سمت میں رسول پور میجرا آباد ہے۔ یہ بستی بہار شریف، نالندہ اور راجگیر کی آغوش میں واقع ہے، اس لئے زمانہ قدیم سے ثقافت وتہذیب کے آثار رکھتی ہے۔ بہار شریف مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فردوسی (م۷۸۴ھ) کی آرامگاہ، متعدد جلیل القدر صوفیا، علماء، حکماء اور ادبا کا مدفن ہے۔ نالندہ یونیورسٹی ہزاروں سالہ قدیم علم و دانش کے آثار رکھتی ہے اور راجگیر ہندو، جین اور بودھ مذہب کا مرکز عقیدت ہے۔ اس لئے اس علاقے میں دین وادب، تہذیب وثقافت اور علم ودانش کا دیرینہ چلن رہا ہے۔ ایسی سرزمین کی آب وہوا میں حضور ملک العلماء کا بچپن گذرا۔ اس لئے دین وادب سے وابستگی لازمی سی چیز تھی۔

تعلیم:

اسلامی طرز کے مطابق جب ملک العلماء چار سال چار مہینے چار دن کے ہوئے تو رسم بسملہ خوانی ادا کی گئی۔ یہ بہت اچھی اسلامی رسم تھی، جس کی برکتیں پوری زندگی ساتھ رہتی ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق بھی کہتی ہے کہ اتنی مدت میں بچے کا شعور اس قابل ہوجاتا ہے کہ کتابی تعلیم کی دشواریاں جھیل سکے۔ اس سے پہلے بچوں کو مختصر زبانی تعلیم دینی چاہئے۔ موجودہ دور کی انگریزی طرز تعلیم اس افادیت سے خالی ہے۔ حضرت ملک العلماء کی رسم بسملہ خوانی شاہ چاند بیتھوی علیہ الرحمہ نے ادا فرمائی۔ جس کی برکت اس صورت میں ظاہر ہوئی، کہ دنیا نے آپ کو ملک العلماء کی صورت میں دیکھا۔

ابتدائی تعلیم والد ماجد منشی عبد الرزاق نے دی۔ قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں گھر پر ہی حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف نے پڑھائی ۱۳۱۲ھ میں اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ تشریف لے گئے جہاں مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا شیخ محی الدین اشرف، مولانا شیخ بدر الدین اشرف کے علاوہ مولانا مہدی حسن میجروی، حافظ محمد اسماعیل بہاری، مولانا فخر الدین، مولانا محمد مجاہد، منشی اکرام الحق، مولانا معین از ہر رئیس بین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اس ادارے میں بیشتر عربی کتابیں مولوی حکیم محمد ابراہیم موی سے پڑھیں جو حاذق طبیب بھی تھے۔ یہاں کے اساتذہ میں مولوی

شیخ محی الدین اشرف صاحب، ملک العلماء پر خاص شفقت فرماتے۔ملک العلماء کو بھی ان کی محبتوں کا اعتراف تھا۔ فرماتے:''میں ان کے احسانات میں از سرتا پا غرق ہوں''(حیات ملک العلماء ص:۱۱) مدرسہ حنفیہ غوثیہ بین کے رفقائے درس میں مولوی اشرف الحق (م۱۳۱۸ھ) ولد منشی اکرام الحق،حکیم ابوالحسن خلف سید شاہ مظفر حسین،مولوی عبد القدوس،مولانا حکیم وصی احمد،مولوی حکیم محمد رضا خاں،ماموں زاد بھائی مولوی عبد الماجد،مولوی محمد سعید،مولوی محمود عالم گھٹوی قابل ذکر ہیں۔

عظیم آباد(پٹنہ) عرصۂ دراز سے تہذیب،ثقافت،ادب اور علم کا نمائندہ رہا ہے۔یہیں بخشی محلہ کے اندر ۱۳۱۸ھ میں مدرسہ حنفیہ قائم ہوا جسے قاضی عبدالودود(۱۹۸۴ء) کے والد ماجد قاضی عبد الوحید فردوسی (م۱۳۲۶ھ) (قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ کو اعلیٰحضرت سے خاص عقیدت تھی۔جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی کے مرید خاص تھے۔پٹنہ میں روندوہ پر مشتمل اہل سنت کی عظیم کانفرنس(۱۳۱۸ھ) آپ نے ہی کرائی تھی۔جس میں اعلیٰحضرت بھی تشریف لے گئے تھے اور وہیں اکابر علماء نے اعلیٰحضرت کو ''مجدد'' کا خطاب دیا۔اس وقت کی تقریباً نصف تصانیف رضا آپ نے اپنے خرچ سے طبع کرائیں۔آپ ہی کی تحریک پر اعلیٰحضرت نے المعتقد المنتقد کا حاشیہ المعتمد المستند تحریر فرمایا۔اعلیٰحضرت نے قاضی صاحب کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور قبر میں اتارا۔(حیات اعلیٰحضرت،ص:۵۶)خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے قائم کیا اور جید علمائے اہلسنت کی خدمات حاصل کیں۔ان میں محدث سورتی شاہ وصی احمد پیلی بھیتی ہندوستان گیر شہرت رکھتے تھے۔

ملک العلماء نے حضرت کی آمد کو غنیمت جانتے ہوئے درس حدیث کے لئے ۲۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۰ھ کو اس ادارے میں داخلہ لیا اور محدث سورتی علیہ الرحمہ سے مسند امام اعظم،مشکوۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔محدث صاحب نے اپنی علالت کے سبب شعبان میں پیلی بھیت واپس ہوئے تو ملک العلماء نے بھی اپنے ہم درس حکیم ابوالحسن کے ہمراہ کانپور کا رخ کیا۔یہاں امداد العلوم میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید اور مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد مولانا قاضی عبد الرزاق(م ۱۹۴۲ء) سے خصوصی درس لیا۔احسن المدارس میں مولانا احمد حسن کانپوری(م۳صفر۱۳۲۲ھ) سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا عبیداللہ پنجابی(م۶ جمادی الاولیٰ۱۳۴۳ھ) سے ہدایہ آخرین مکمل کی۔پھر محدث سورتی کی کوشش وکشش انہیں پیلی بھیت لے گئی جہاں محدث صاحب کے مدرسہ دارالحدیث میں حدیث کی فنی کتابیں پڑھیں۔

پھر ۱۳۲۱ھ بانس بریلی پہنچے اور مصباح التہذیب نامی مدرسے میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے جو سنی بن کر تعلیم دے رہے تھے۔دوران درس جب مولوی غلام یٰسین کی دیوبندیت آشکارا ہوئی،تو امام اہلسنت اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے تفسیر وحدیث،فقہ وتصوف کی فنی کتابیں اور بعض نادر علوم کا درس لینا چاہا،لیکن اعلیٰحضرت ہمہ دم افتاء وتصنیف میں مصروف رہتے،اس لئے آپ کے پاس درسگاہی مصروفیات کے لئے وقت کہاں تھا۔کہتے ہیں،کہ دل کی لگن اپنی راہیں خود نکال لیتی ہے۔ ملک العلماء دھن کے پکے تھے۔ انہوں نے اعلیٰحضرت کے درسگاہی فیض کو دوبارہ جاری کرنا چاہا،جس کے لئے بصد اصرار دارالعلوم منظر اسلام کے قیام کی راہیں ہموار کیں۔اعلیٰحضرت کے منجھلے بھائی استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی(م۱۳۲۶ھ) بڑے شاہزادے حضور حجۃ الاسلام

مولانا حامد رضا خاں (م۱۳۶۲ھ) مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہم سے ملاقاتیں کیں اور اپنا عندیہ ظاہر فرمایا۔ ان حضرات نے ملک العلماء کے مبارک خیال کی تائید فرمائی اور اس مشن کی تکمیل کے لئے ہمہ دم مستعد ہوئے۔

بالآخر اعلیٰحضرت نے اس ادارے کے قیام اور سرپرستی کی ذمہ داری قبول فرمائی اور منظر اسلام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں قائم ہوا جس کے پہلے ناظم استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمہ اور اولین طلباء ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی ہوئے۔ (سید عبدالرشید عظیم آبادی، ملک العلماء کے رفیق درس اور اعلیٰحضرت کے تلمیذ وخلیفہ تھے۔ ملک العلماء کی کئی کتابوں پر آپ کی تقریظات ہیں۔ انہوں نے ملک العلماء کے ساتھ مل کر زمانۂ طالب علمی میں چند سوالات مرتب کئے اور اشرفعلی تھانوی کے سامنے بریلی میں پیش کئے۔ لیکن وہ جناب ان سوالات کا جواب نہ دے سکے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ملک العلماء کا رسالہ "ظفر الدین الجید"۔ سید عبدالرشید صاحب کے ہی چھوٹے صاحبزادے ہیں مولانا حکیم سید شاہ عزیز احمد ابوالعلائی الہ آباد، جن کے صاحبزادوں میں سید شمیم گوہر مشہور عالم، ادیب، طنز نگار اور شاعر ہیں۔)

انہیں دو طالب علموں سے اس ادارے کا افتتاح ہوا۔ ایک سال کے اندر اندر ہی اس ادارے نے جید اساتذہ اور ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے علماء کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ ان میں مولانا حکیم سید امیر اللہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری تلمیذ خاص مولانا ارشاد حسین فاروقی رامپوری (م۱۳۱۱ھ)، مولانا سید بشیر احمد علیگڑھ تلمیذ رشید استاذ العلماء مولانا لطیف اللہ علیگڑھی (م۱۳۳۴ھ) منظر اسلام کے نامور اساتذہ ہیں، جن سے ملک العلماء نے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دیگر درسیاتی کتب کی تکمیل فرمائی۔ ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک آپ کا تعلیمی سفر جاری رہا۔ آپ نے ان چار سالوں میں جو کتابیں پڑھیں، اس کی تفصیل اپنے قلم سے یہ تحریر فرمائی:

۱۳۲۲ھ: عروض المفتاح، مقامات حریری، میر زاہد، ملا جلال، نسائی شریف، جبر ومقابلہ، بخاری شریف، مساحت اقلیدس۔

۱۳۲۳ھ: دیوان متنبی، مطول، حمد اللہ، قاضی مبارک، تفسیر مدارک، تاریخ یمینی، تصریح، شرح چغمینی، سبع شداد، مسلم الثبوت۔

۱۳۲۴ھ: سبعہ معلقہ، مقامات بدیع الزماں ہمدانی، سدرہ، شمس بازغہ، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی مع خیالی، صحیح مسلم۔

۱۳۲۵ھ: توضیح تلویح، بیضاوی شریف، شرح مواقف (امور عامہ) عبدالعلی میر زاہد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، طحاوی شریف، درمختار۔ (حیات ملک العلماء ص:۱۳)

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ملک العلماء کو بخاری شریف کا درس دیا، افتاء نویسی کے اسرار سکھائے، ریاضی، ہیئت، توقیت، جفر اور تکسیر جیسے پیچیدہ علوم کی تعلیم دی۔ رسالۂ اقلیدس کی چھ مقالے، تصریح، شرح چغمینی پڑھائی اور فن تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے عوارف المعارف اور رسالۂ قشیریہ کا درس دیا۔ ۱۳۲۵ھ کا تعلیمی سال مکمل ہونے کے بعد ماہ شعبان کے اخیر میں ملک العلماء کو ان کے رفقائے درس کے ساتھ دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ اس تاریخی جلسے کے خصوصی مہمان تھے درگاہ شیخ العالم مخدوم عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ کے سجادہ نشین مخدوم شاہ التفات احمد علیہ الرحمہ، جنہوں نے اعلیٰحضرت کی ایما پر ملک العلماء کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور تدریس وافتاء کی سند مرحمت فرمائی۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اسی سال ملک العلماء کو سلاسل عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت

وخلافت عطا فرمائی اور ملک العلماء اور فاضل بہار کا ممتاز لقب بخشا۔

تدریس:

فراغت کے بعد اعلیٰحضرت کی خدمت میں تقریباً چار سال مزید رہے۔ دارالعلوم منظر اسلام میں تدریسی ذمہ داریاں نبھائیں، اعلیٰحضرت کی سرپرستی میں فتاویٰ لکھے اور بوقت ضرورت مناظرے بھی کئے۔ خاص ذمہ داری یہ تھی کہ منظر اسلام کے انتظام وانصرام میں بھی ہاتھ بٹائیں اور ہر سال کے اوقات صلوٰۃ وصوم کی تخریج کریں۔ یہاں آپ کی تدریس سے تلامذہ کی اچھی تعداد نے فائدہ اٹھایا۔ شوال ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰحضرت کے حکم سے انجمن نعمانیہ ہند لاہور تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر اعلیٰحضرت نے انہیں خطیب اور مفتی کی حیثیت سے شملہ بھیجا۔ اگلے سال ۱۳۳۰ھ میں مولانا عبدالوہاب الہ آبادی کے قائم کردہ جدید ادارہ مدرسہ حنفیہ، آرہ بہار میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ یہ عہدہ بھی اعلیٰحضرت کے حکم سے قبول فرمایا۔ اس ادارے کو سنبھالا دینے کے بعد ڈسٹرکٹ سیشن جج سید نورالہدیٰ ولد شمس الہدیٰ کے قائم کردہ ادارے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس اول کی حیثیت سے طلب کئے گئے۔ آپ نے یہاں چار سال تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام کی درخواست پر مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام تشریف لے گئے۔ حضرت نے یہاں مدرس اول کی حیثیت سے ۱۳۳۸ھ کے اوائل تک تدریسی خدمات انجام دی۔ یہیں آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختارالدین احمد اور صاحبزادی ربیع خاتون کی ولادت ہوئی۔ جن کا تذکرہ آگے آتا ہے۔ یہاں کے رفقائے ادارہ میں مولانا سید ابوالحسن خوشدل سہسرامی (م ۱۹۳۵ء) مولانا نجم الدین سہسرامی، مولانا رحم الٰہی مظفر نگری (م ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی (م ۱۹۵۲ء) مولانا فرخند علی مدرس خانقاہ کبیریہ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان سے روابط کی تفصیلی کے لئے دیکھئے: "ملک العلماء اور علمائے سہسرام"۔

۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ حکومت بہار کے حوالے ہوگیا۔ حکومت کے زیر نگرانی اس کے انتظامات کی تجدید ہوئی اور نئی تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت بھی ملک العلماء کو سینئر مدرس کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ حضرت نے ۱۳۳۸ھ میں یہ منصب سنبھالا اور اسے خوبی تدبیر کے ساتھ نبھایا۔ آپ ۳۰/۳۲ سال تک اس ادارے سے وابستہ رہے اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کی حیثیت سے رٹائرڈ ہوئے۔ یہاں کے رفقائے ادارہ میں ان کے دیرینہ رفیق مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی، مولانا سید عبید اللہ قادری انجھری، (م ۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ) مولانا سید عبد السبحان دسنوی، مولانا حاجی معین الدین ندوی (۳۱ رمئی ۱۹۱۴ء) مولانا مشتاق احمد کانپوری (م ۱۳۵۲ھ) ولد علامہ احمد حسن کانپوری، مولانا مقبول احمد خاں دربھنگوی (م ۱۹۷۹ء) مولوی سید دیانت حسین دربھنگوی (م ۱۹۴۹ء) قابل ذکر ہیں۔ ان میں کچھ تو اخیر تک ساتھ رہے، کچھ پہلی بار پٹنہ کی شفٹنگ میں ساتھ رہے اور بعض چند سال ہی رہ سکے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد ملک العلماء اطمینان کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔ لیکن دولت کدے پر بعض حضرات ان دنوں بھی حصول علم کی غرض سے حاضر ہوتے، یوں تدریس کا سلسلہ بھی ضمنی طور پر جاری رہا۔ بارگاہ عشق متین گھاٹ کے سجادہ نشین شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں کی فرمائش پر ۲۱ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ کو ملک العلماء نے کٹیہار (بہار) میں جامعہ

لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنے محنت وکوشش سے اسے کافی فروغ بخشا۔ منصب صدارت کو خود رونق بخشی، تدریس کے لئے اچھے اساتذہ مدعو کیے۔ جن میں مولانا احسان علی ظفر پوری، مولانا محمد یوسف، مولانا محمد مشتاق، مولانا شہاب الدین، مولانا محمد سلیمان رضوی طاور مولانا سید عبدالمنان قادری (م ۱۰ر نومبر ۱۹۵۶ء) کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ حضرت ملک العلماء تفسیر بیضاوی، اور تفسیر مدارک، صحیح بہاری، صحیح مسلم، ہدایہ آخرین مناظرۂ رشیدیہ کا درس دیتے۔ فتویٰ نویسی، تصنیف اور وعظ کی مصروفیات علاحدہ تھیں۔ اس ادارے نے کٹیہار اور اس کے مضافات کو دین اور علم سے منسلک کیا اور قابل قدر علماء پیدا کئے۔ اپنے وصال سے دو سال پہلے ۱۳۸۰ھ میں حضرت ظفر منزل پٹنہ تشریف لے آئے اور خود کو تصنیف وافتاء اور ذکر الٰہی کے لئے خاص کر لیا۔ البتہ درس قرآن اور وعظ کا سلسلہ اب بھی جاری رہا۔

انداز درس:

ملک العلماء مستعد، جفاکش، توانا تھے اور علم سے والہانہ شغف رکھتے تھے۔ اس لئے پوری لگن اور محنت سے درس دیتے۔ وہ بھی تسلسل کے ساتھ۔ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار عمر کی آخری منزلیں تھیں اور ادارے نوخیزی کے سبب انتظامی ذمہ داریاں بھی سر پر تھیں۔ ان سب کے باوجود ملک العلماء روزانہ چھ گھنٹہ پڑھاتے تھے۔ اس سے آپ کے تدریسی شغف اور توجہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی ادارے کے فیض یافتہ، ملک العلماء کے چہیتے شاگرد مولانا شہاب الدین اشرفی نے اپنے مشاہدات پر مشتمل ایک مضمون تحریر کیا ہے: ''ملک العلماء کی زندگی کے چند گوشے''۔ اس میں وہ حضرت کے طرز تدریس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ سے جو چند فنون کی کتابیں پڑھیں ہیں، مثلاً بخاری شریف، طحاوی شریف، مسند امام اعظم، تفسیر مدارک، ہدایہ آخرین، تصریح، مسلم الثبوت، دیوان حماسہ وغیرہ اس لئے نہ صرف ایک فن بلکہ مختلف فنون میں طریقۂ تدریس کا انداز میرے دل پر اب بھی نقش ہے۔ تمام فنون کی کتابوں میں طریقۂ تدریس کی عمدگی، مضامین کی تفہیم اور انداز منفرد اور نرالا تھا۔ حدیث میں بخاری پڑھانے میں حدیث کا مفہوم، حسب ضرورت راویوں کے حالات کا بیان، حدیث سے متخرج مسائل کی وضاحت، مسائل کے مختلف فیہ ہونے کی صورت میں تہذیب، تقریب کے حوالے سے روایان حدیث کے جرح وعدالت کا ذکر، مذہب حنفی کی دیگر احادیث سے تائید وغیرہ آپ کے حسن تدریس کے جلوے تھے۔

فقہ واصول فقہ پڑھانے کا انداز بڑا دلنشیں تھا۔ فقہ پڑھانے پر اس بات پر بھی روشنی ڈالتے کہ یہ مسئلہ ادلۂ اربعہ میں سے کس دلیل سے ثابت ہے۔ اگر مسئلہ نص سے ثابت ہوتا تو حسب ضرورت یہ بھی بتاتے کہ عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص میں سے کس نص سے یہ مسئلہ مستنبط ہے۔ اسی طرح یہ بتاتے کہ یہ مسئلہ قیاسی ہے یا اجماعی؟ یا خلاف قیاس استحسان بالاثر وغیرہ ہے۔ علم ہیئت میں ہم نے حضرت ملک العلماء سے صرف تصریح پڑھی۔ جس میں فلک اور کرہ کی تفصیل، رات ودن کے اختلاف، کسوف وخسوف کے وجوہات، برزخ واقالیم کی تفصیل، صبح وشفق، سمت قبلہ کے استخراج کا طریقہ بتاتے اور مسائل کو پوری وضاحت سے سمجھاتے۔ علم ہیئت میں ان کی سلم الافلاک کا ایک قلمی نسخہ تھا، جسے متعدد طلبہ نے نقل کیا۔ حضرت ملک العلماء کی طرف سے درسگاہ میں طلبہ کو اعتراض کی کھلی چھوٹ تھی۔ مگر عموماً خود ہی اعتراض کی بھی وضاحت کرتے اور خود ہی جواب بھی دیتے

تھے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ علم کا دریا موجیں مار رہا ہے۔ دوران درس کسی سبق سے متعلق کوئی واقعہ ہوتا تو اسے بھی بیان فرماتے۔ اور اس سے نتیجہ اخذ کر کے نصیحت فرماتے جو بڑا دلنشیں ہوتا۔ (ماہنامہ جہان رضا اگست ۲۰۰۳ء ص:۲۲-۲۳)

تلامذہ:

حضرت ملک العلماء نے بریلی شریف، آرہ، پٹنہ، سہسرام اور کٹیہار میں درس دیا۔ سب سے زیادہ اوقات پٹنہ میں گذرے۔ اس کے علاوہ مسجد میں درس قرآن، مراسلاتی سطح پر ہیئت اور توقیت کی تعلیم، کاشانۂ اقدس پر خارجی اوقات میں طلبہ کے درس کی ذمہ داریاں بھی رہیں۔ غرض زندگی کا ہر لمحہ افادات سے لبریز تھا، تو مستفدین کی تعداد بھی اسی تناسب سے ہوگی۔ ہزاروں افراد نے آپ سے علمی فیض اٹھائے۔ جن کا کوئی باضابطہ ریکارڈ محفوظ نہیں۔ چند ممتاز تلامذہ کے تذکرے ضمنی طور سے ملتے ہیں۔ انہیں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں:

☆سید شاہ احسن الہدیٰ سجادہ نشین خانقاہ شاکریہ پنڈ شریف ضلع مونگیر بہار☆سید شاہ فرید الحق عمادی (م ۱۷ مارچ ۲۰۰۱ء) سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سٹی☆سید شاہ عاشق حسین شمسی (وسط اپریل ۲۰۰۱ء) سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں شاہ گنج پٹنہ☆مولانا حافظ عبد الروف (م ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور☆شمس العلماء مفتی محمد نظام الدین بلیاوی، الہ آبادی (م ۱۹۹۴ء) ☆مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی (م ۲۰۰۲ء)☆مولانا محمد محمود رفاقتی مصنف تذکرۂ علمائے اہلسنت، مظفر پور☆خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، پورنیہ☆مولانا شہاب الدین اشرفی☆مولانا عبد الرشید رشیدی، چمنی بازار، پورنیہ ☆مولانا شفیق احمد سہسرامی مرحوم۔

ذخیرۂ مکاتیب کی روشنی میں حضرت کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد تلامذہ کا ایک جامع تعارف ترتیب دے رہے ہیں۔ خدا کرے جلد تکمیل کو پہنچے۔

فنی کمالات:

ملک العلماء ایک باعمل عالم دین، صاحب کردار انسان، اخلاق مند ہمدرد، رائج فنون کے ساتھ کئی ایک نادر فنون میں بھی مہارت رکھنے والے فرد امت تھے۔ دوسرے مضامین میں ان کی فنی مہارت پر مختصر تبصرہ موجود ہے۔ میں یہاں صرف ہیئت وتوقیت اور جفر وتکسیر میں فنی قدرت کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں۔

ہیئت وتوقیت میں حضرت ملک العلماء قدس سرہ کو خاص مہارت تھی اور اسی فن نے آپ کو زیادہ شہرت عطا کی۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے جن افراد کو اس فن کے بنیادی اصول سکھائے، ان میں ممتاز شخصیت ملک العلماء کی تھی۔ اس فن میں آپ کے توسط سے اعلیٰحضرت کا علمی فیض آئندہ نسلوں تک پہنچا۔ آپ نے اس فن میں چار کتابیں تصنیف کیں اور کئی ایک تلامذہ پیدا کئے جن میں ممتاز حضرت علامہ حافظ عبد الروف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور شمس العلماء مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آبادی، امام علم وفن خواجہ محمد مظفر حسین رضوی ہیں۔ تصانیف میں توضیح التوقیت، موذن الاوقات، توضیح الافلاک اور مشرقی کا غلط مسلک کافی شہرت رکھتی ہیں۔

ملک العلماء اس فن میں اپنے تلمذ کی کیفیت بیان کرتے ہیں لکھتے ہیں:

"ہیئت ونجوم میں کمال کے ساتھ علم توقیت میں کمال تو حد ایجاد کے درجہ پر تھا یعنی اگر اس فن کا موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ علماء نے جستہ جستہ اس کو مختلف مقامات پر لکھا ہے۔ لیکن

میرے علم میں کوئی مستقل کتاب اس فن میں نہ تھی۔اس لئے جب میں نے اور میرے ساتھ مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری، مولانا مولوی حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب بریلوی، مولوی سید محمود جان صاحب بریلوی، حضرت حجۃ الاسلام صاحب زادہ والا جاہ مولانا شاہ حامد رضا صاحب بریلوی، مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی نے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا، تو کوئی کتاب اس فن کی نہ تھی، جس کو ہم لوگ پڑھتے۔اسی وجہ سے اعلیٰحضرت خود ہی اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے۔اسی کو ہم لوگ لکھ لیتے اور اسی کے مطابق عمل کر کے اوقات نصف النہار، طلوع، صبح صادق، عشاء ضحوۂ کبریٰ، عصر نکالتے، ایک زمانہ تک تو وہ قواعد ہم لوگوں کی کاپیوں میں لکھے رہے۔پھر میں نے ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر کے پوری توضیح وتشریح کے ساتھ مع مثال بلکہ امثلہ لکھ کر اس کا نام الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت رکھا۔الحمد للہ کہ یہ رسالہ مطبع نعیمی مرادآباد میں چھپ کر شائع کیا گیا ہے اور اس سے بہت لوگوں نے اس علم کو حاصل کیا۔

اسی زمانے میں مجھے بریلی شریف جانے کا اتفاق ہوا، تو ایک نسخہ گرامی جناب محب مکرم مخلص محترم جناب حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب کے لئے لیتا گیا۔انہوں نے دیکھا، تو بہت خوش ہوئے اور مولوی صاحب بھی فارسی زبان میں اس فن میں تصنیف فرما رہے تھے۔وہ رسالہ مجھے دکھایا کہ میں نے اس طرح لکھنا شروع کیا تھا۔لیکن اب توضیح التوقیت کے بعد اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔میں نے بہت اصرار کیا کہ آپ ہرگز ایسا خیال نہ فرمائیں۔آپ اس کتاب کو ضرور مرتب کر ڈالئے۔یہ بھی اعلیٰحضرت کا فیض اور ان کے علم کی اشاعت ہے ع

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است۔

(حیات اعلیٰحضرت۔جلد اول ص:۲۷۷تا۲۷۹)

جفر وتکسیر بھی ان علوم میں ہیں۔جن کے واقف کار خال خال ملیں گے۔اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کو اس فن میں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔اعلیٰحضرت سے اس فن کو جن حضرات نے حاصل کیا۔ان میں حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں قادری، مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری اور ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری قدست اسرار ہم بہت نمایاں تھے۔ملک العلماء کی تکسیری مہارت کا یہ حال تھا کہ گیارہ سو باون طریقے سے صرف مربع بھرا کرتے تھے۔اس سلسلے میں حضرت نے تحدیث نعمت کے طور پر اپنا ایک بیان کیا ہے۔جسے یہاں نقل کر دینا افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ملک العلماء رقم طراز ہیں:

''عرصہ کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ تشریف لائے اور محب محترم حامی دین، واقف علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب دربھنگوی مدرس مدرسہ کے مہمان ہوئے اور اپنی عزت بنانے، وقار جمانے کو اِدھر اُدھر کی بات کرتے ہوئے، فن تکسیر کی واقفیت کا ذکر کیا۔مولوی صاحب بہت ظریف طبیعت ہیں۔یہ سن کر ایسا انداز برتا، جس سے ان شاہ صاحب نے سمجھا، کہ میرے فن دانی کے قائل اور معتقد ہو گئے۔چنانچہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دو پھیرا ادھر ان کا ہونے لگا اور مولانا کے یہاں ایک دو وقت قیام ضرور کرتے۔یہ بھی مہمان نوازی فرماتے۔جب ان کی ڈینگ بہت بڑھی، تو ایک دن بہت ہلکی زبان سے فرمایا میرے مدرسہ میں بھی ایک مدرس مولانا ظفر الدین صاحب ہیں، وہ بھی فن تکسیر جانتے ہیں۔بہت حیرت ہوئی، وہ تو سمجھ رہے تھے، کہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کے علم میں دنیا میں، میں ہی تکسیر جاننے والا ہوں اور اسی وجہ سے ایسے زبردست

معقولی ہونے پر میری عزت کرتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا، کہ اس پٹنہ میں مولانا کے دوستوں میں اسی مدرسہ کے مدرسوں میں، ایک شخص فن تکسیر جانتے ہیں تو حیرت کی حد نہ رہی۔ بولے، کہ ان سے میری ملاقات کرادیجئے گا۔ انہوں نے کہا: اچھا! وہ تو روزانہ مدرسہ کے وقت ۱۰ بجے مدرسہ تشریف لاتے ہیں اور چار بجے دریاپور واپس جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک دن مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب کو لئے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور ان کا تعارف کراتے ہوئے اور بہت سی خوبیاں بیان کرتے ہوئے خاص انداز سے فرمایا، کہ سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے، کہ آپ فن تکسیر جانتے ہیں۔ میں سمجھ گیا۔ میں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا، کہ آپ وہ فن جانتے ہیں، جس کے جاننے والے روئے زمین سے معدوم ومفقود نہیں، تو قلیل الوجود ضرور ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے، کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم ہے؟ میں نے کہا یہ مخلصوں کا محض حسن ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی ہے۔ ہاں اس فن سے ایک گونہ دلچسپی ضرور ہے۔

اس کے بعد میں نے ان شاہ صاحب سے پوچھا: جناب مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ بہت فخر سے یہ فرمایا: سولہ طریقہ سے۔ میں نے کہا: بس۔ اس پر فرمایا: اور آپ؟ میں نے کہا: گیارہ سو باون طریقے سے۔ بولے: سچ؟ میں نے کہا: جھوٹ کہنا ہوتا، تو لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا، گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی؟ کہا: میرے سامنے بھر سکتے ہیں؟ میں نے کہا: ضرور، بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔ آج چار بجے میرے ساتھ دریاپور تشریف لے چلیں۔ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی میں دعوت دیتا ہوں، وہ کتاب میں حاضر کروں گا۔ ایک ہی نقشہ ہے جو اتنے طریقے سے بھرا ہوا ہے، جس میں کوئی ایک دوسرے سے ملتا ہوا نہیں۔ پوچھا کن سے سیکھا؟ میں نے اعلیٰحضرت امام اہلسنت کا نام لیا۔ حضرت کے معتقد تھے، نام سن کر ان کو یقین ہوگیا۔ مگر پوچھا: اور اعلیٰحضرت کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ میں نے کہا: تئیس سو طریقے سے۔ کہا: آپ نے اور کیوں نہیں سیکھا؟ میں نے کہا: وہ تو علم کے دریا نہیں، سمندر ہیں۔ جس فن کا ذکر آیا، ایسے گفتگو فرماتے، کہ معلوم ہوتا، کہ عمر بھر اسی کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے۔ ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کرسکتا ہوں؟ آخر چار بجے وہ میرے ساتھ دریاپور تشریف لائے اور وہ کاغذ جس پر میں وہ نقوش لکھے تھے، ملاحظہ فرمایا۔ بہت تعجب سے دیکھتے رہے اور اعلیٰحضرت کی زیارت کے مشتاق ہوکر بعد مغرب واپس ہوئے پھر نہ معلوم کہ بریلی شریف حاضر ہوئے یا نہیں۔ (حیات اعلیٰحضرت۔ جلد اول ص: ۲۸۱ تا ۲۸۴)

ذوق مطالعہ:

ذوق مطالعہ ہی فنی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے اور فکری حسن کو نکھارتا ہے۔ ملک العلماء کو قدرت نے یہ ذوق بہت فیاضی کے ساتھ عطا کیا تھا۔ آپ کو طالب علمی کے زمانے سے ہی کتب بینی کا شوق تھا جو رفتہ رفتہ عشق کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''انہیں کتابیں جمع کرنے کا شوق طالب علمی کے زمانے سے تھا۔ ایک مجلد میں ''فہرست کتب علو کہ فقیر ظفر الدین احمد مورخہ ۱۰/ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ'' کے عنوان کے تحت کتابوں کے نام درج کئے ہیں۔ اس وقت بریلی میں ان کے پاس ۹۸/ کتب ورسائل تھے۔ (حیات ملک العلماء ص: ۱۰)

ملک العلماء خود ہی مطالعہ سے شغف نہ رکھتے تھے، بلکہ

طلبہ کو بھی مطالعہ اور کتابیں خریدنے کی ترغیب دیتے۔ یہاں بھی مولانا شہاب الدین اشرفی صاحب کا مشاہداتی بیان پیش کرتا ہوں کیونکہ یہ ان کی آنکھوں دیکھی ہے:

ضعف پیری اور علمی تبحر کے باوجود حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے مطالعہ کا یہ عالم تھا، کہ ضرورت کی تکمیل کے بعد وقت ضائع نہ فرماتے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے، قیلولہ کے وقت عموماً اخبار ورسائل کا مطالعہ کرتے۔ جب میں یا کوئی اور طالب علم خدمت کے لئے جاتا، تو ان سے علمی گفتگو فرماتے یا واقعات بیان کرتے اور ان پر اپنا ناصحانہ تبصرہ بھی کرتے۔ طلبا کو کتابوں اور اہم رسالوں کا مطالعہ کی ترغیب دیتے۔ خصوصاً امام احمد رضا قدس سرہٗ کے رسائل کے مطالعہ کی تاکید فرماتے۔ ''الاشباہ والنظائر لابن نجیم حنفی'' کے فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے مجھے اس کے مطالعہ کی خصوصی ترغیب دی۔ کتابوں کے خریدنے کی نصیحت کرتے اور فرماتے تھے، کہ علماء کے ہتھیار ہیں۔ نیز فرماتے جب بھی سنی علمائے کرام کی کوئی تصنیف منظر عام پر آجائے، تو اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ اس کے حاصل کرنے میں صرف کرو۔ انہیں کی ترغیب کا اثر تھا، کہ وہاں کے محنتی باذوق طلبہ کچھ نہ کچھ کتابیں ضرور خریدتے۔ میں نے بھی بفضلہٖ تعالیٰ خاصی کتابیں دوران طالب علمی میں ہی خرید لیں۔ چند کتابیں خود حضرت ملک العلماء نے مجھے باہر سے منگوادی تھیں۔ جن میں شرح جامی کی معروف شرح ''محرم آفندی'' بھی شامل ہے۔ (جہان رضا اگست ۲۰۰۳ ص: ۲۳)

تصنیف:

قلم سے ملک العلماء کا زمانہ طالب علمی سے رابطہ رہا۔ فتویٰ نویسی نے اس ذیل میں خاصی کمک پہنچائی۔ لیکن خاص بات یہ رہی کہ آپ کا قلم ہمیشہ دین اور لوازمات دین کے گرد گھومتا رہا۔ آپ کو بھی ادیبانہ شوق نہیں چرایا۔ جس سے آپ کی عالمانہ شان پر دھبہ آئے۔ آپ کی باضابطہ تصنیف کا آغاز ۱۳۲۳ھ سے ہوتا ہے یعنی سال فراغ سے دو سال پہلے۔ پھر یہ سلسلہ اخیر دم تک جاری رہا اور تقریباً سو کتابیں متعدد فنون میں منظر عام پر آئیں۔ موضوعات قلم میں فنون حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، سوانح، اخلاق، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، عقائد، مناظرہ، ہیئت، توقیت، تکسیر، اذکار، اوفاق آتے ہیں۔ بیشتر کتابیں اردو زبان میں ہیں، لیکن چند اہم تصانیف عربی میں بھی لکھی گئیں۔ جن میں صحیح البہاری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ حضرت ملک العلماء کی تحریروں کی خصوصیت یہ ہے، کہ ان میں اعلیٰحضرت کے افادات ملتے ہیں اور انہیں کا طرز تحقیق جھلکتا ہے۔ سوز دل پایا تھا، اس لئے پرخلوص جذبے بھی ہر جگہ اپنی اہمیت تسلیم کراتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت ملک العلماء کی تصانیف اور مختلف فنون میں ان کی مہارت پر اگلے صفحات میں کہیں جزوی اور کہیں مفصل تبصرہ موجود ہے۔ اس لئے یہاں صرف حضرت کی تصانیف کی فہرست موضوعات اور اور سن تصنیف کی تعین کے ساتھ پیش ہوتی ہے:۔

(سیرت) ☆شرح کتاب الشفا للقاضی عیاض (۱۳۲۴ھ) میں آغاز تصنیف۔ مکمل نہ ہوسکی ☆تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) اس کے کئی حصے لاہور سے شائع ہوئے۔ گھوسی، مبارکپور اور ہزاری باغ نے اس کی بعض جلدیں شائع کیں ☆مولود رضوی (۱۳۶۰ھ) پاکستان سے شائع ہوئی۔

(حدیث) ☆نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینہ (۱۳۳۳ھ) ☆جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری (۱۳۴۵ھ) سن آغاز۔ چھ

جلدوں میں فقہ حنفی کی مؤید احادیث جمع کرنے کا ارادہ تھا لیکن غالباً تین جلدیں ہی ترتیب پا سکیں کہ وقت موعود آ گیا۔ دوسری جلد جو چار اجزا اور دس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ مصنف کی حیات میں ہی شائع ہو چکی تھی، ابھی حال میں پاکستان سے بھی اشاعت ثانیہ ہوئی ہے۔ پہلی جلد پر بھی پاکستان میں کام ہو رہا ہے۔ جو کتاب العقائد پر مشتمل ہے ☆الافادات الرضویہ۔ اصول حدیث (۱۳۴۴ھ)

(**فقہ واصول**) ☆مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ) ☆اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیہ فی المساجد (۱۳۲۵ھ) ☆التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ) ☆بسط الراحتہ فی الحظر والاباحتہ (۱۳۲۶ھ) ☆الفیض الرضوی فی تکمل الحموی (۱۳۲۶ھ) ☆رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) ☆القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ) ☆تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۲ھ) ☆نہایہ المنتہی فی شرح ھدایت المبتدی (۱۳۴۳ھ) ☆تسھیل الوصول الیٰ علم الاصول (۱۳۴۸ھ) ☆نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ) ☆نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ☆جامع الاقوال فی رویۃ الھلال (۱۳۵۷ھ) ☆عید کا چاند (۱۳۷۰ھ) ☆تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) ☆اصلاح الایضاح۔ ان میں مجموعہ فتاویٰ نافع البشر ناچیز نے مرتب کر کے شائع کیا جس میں چھ فقہی رسائل بھی شائع ہوئے۔ جامع الاقوال بوجوہ پٹنہ سے شاہ محمود حسین عرف شاہ بودا برادر شاہ حامد حسین سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا۔ باقی رسائل غیر مطبوعہ ہیں۔

(**عقائد ومناظرہ**) ☆ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ) مطبوعہ ☆الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ) ☆مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ) یہ خاص مناظراتی تحریر ہے جو ابھی قلمی صورت میں ہے۔ ☆شکست سفاھت (۱۳۲۶ھ) مطبوعہ۔ ☆ظفر اللعن الطیب (۱۳۲۷ھ) یہ ظفر الدین الجید کے ساتھ متعدد بار شائع ہوا۔ ☆سجم الکنزہ علی الکلاب الممطرۃ (۱۳۲۸ھ) ☆النبراس لدفع المنھاس (۱۳۲۹ھ) ☆کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ) ☆گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ) مطبوعہ ☆ندوۃ العلماء (۱۳۳۸ھ) ☆الفوائد التامہ فی اجوبتہ الامور العامتہ (۱۳۵۷ھ)۔

(**فضائل ومناقب**) ☆تحفہ الاحبار فی مناقب الاخبار (۱۳۳۷ھ) ☆تحفۃ المظافی فضل العلماء (۱۳۶۵ھ) ☆النور والضیاء فی سلاسل الاولیاء (۱۳۸۲ھ) سبھی قلمی صورت میں ہیں۔

(**تاریخ وسوانح**) ☆المجمل المعدد لتالیفات المجدد (۱۳۲۷ھ) دسیوں ایڈیشن نکلے ہیں ☆جواھر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ) ☆حضرت ابن حجر مکی (م ۹۷۳ھ) نے امام اعظم کی سوانح "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" تحریر فرمائی۔ ملک العلماء نے حاجی لعل خاں کی فرمائش پر اس کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۳۴۳ھ میں کلکتہ سے شائع ہوا پھر اس کے

متعدد ایڈیشن ہندوستان، پاکستان اور ترکی سے شائع ہوئے۔ ☆خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ) ☆چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ) ☆حیات اعلیحضرت / مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ) یہ کتاب چار جلدوں میں ہے جو بارہ سال کے عرصے میں تصنیف ہوئی۔ پہلی جلد مصنف کی حیات میں شائع ہوئی۔ باقی دو جلدیں ۲۰۰۲ء میں مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کی ترتیب سے۔

اخلاق ونصائح) ☆سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (۱۳۳۸ھ) یہ رسالہ متعدد بار شائع ہوا۔ ناچیز نے اسے ایڈٹ کر کے 'اسلامی نظر موت' کے نام سے المجمع العلمی ہزاری باغ کے زیر اہتمام شائع کرایا۔ ☆ھادی الھدیٰ ترک الموالات (۱۳۹۳ھ) ☆دلچسپ مکالمہ (۱۳۴۷ھ) ہجرت پاکستان کے بعد ۴۵ رلاکھ مسلمان عورتیں بیوگی کا داغ لئے بیٹھی تھیں۔ عقد بیوگاں کی ترغیب میں یہ رسالہ تحریر ہوا جس کے دو ایڈیشن ۱۳۴۷ھ اور ۱۳۵۵ھ میں پٹنہ سے شائع ہوئے۔ ☆سد الفرار لمھاجری بھار (۱۳۶۶ھ) ہجرت بنگال کے نام سے مشہور یہ رسالہ پٹنہ سے شائع ہو کر مفت تقسیم ہوا۔

نحو وصرف) ☆التعلیق علی شروح المغنی (۱۳۳۱ھ) ☆وافیہ (۱۳۳۵ھ) ☆القصر المبنی علی بناء المغنی (۱۳۳۶ھ) ☆نظم المبانی فی حروف المعانی (۱۳۳۷ھ) ☆عافیہ، صرف (۱۳۳۵ھ) ۱۹۴۶ء میں بریلی سے شائع ہوا۔

منطق وفلسفہ) ☆تقریب (۱۳۳۵ھ) ☆تذھیب (۱۳۳۵ھ) ☆الانوار الامعتہ من الشمس البازغہ (۱۳۵۷ھ) سبھی قلمی ہیں۔

ھیئت وتوقیت) ☆الجواھر والیواقیت معروف توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ) مطبوعہ ☆بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ مؤذن الاوقات (۱۳۳۵ھ) مطبوعہ ☆توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ) ☆مشرقی اور سمت قبلہ / مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) ۱۹۴۰ء جنوری فروری کے معارف اعظم گڑھ میں قسط وار اشاعت ہوئی۔ ابھی چند سال پہلے لاہور سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

جفر وتکسیر) ☆اطیب الاکسیر فی علم التکسیر (۱۳۳۰ھ) ☆التحقیق المبین لکلمات التوبین (۱۳۳۰ھ) متفرق۔

افتاء:

ملک العلماء ۱۳۲۱ھ میں بریلی پہنچے اور ۱۳۲۲ھ میں اعلیحضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ درسیات کے ساتھ مشق افتاء بھی شروع ہوئی۔ پہلا فتویٰ لکھ کر جب اعلیحضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا، تو حسن اتفاق کی بالکل صحیح نکلا۔ اعلیحضرت خوش ہوئے، دعائے دیں اور انعام سے بھی نوازا۔ ملک العلماء افتخاریہ انداز میں اس نوازش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیحضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا۔ حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز اس فتویٰ کو لئے

ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰحضرت والد ماجد قدس سرہٗ العزیز نے مجھے شیرنی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرنی کھانے کے لئے دیتا ہوں۔ غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ بول نہ سکا۔ اس لئے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کررہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط۔ مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیا تھا، اس لئے میں بھی اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں۔ حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں، اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضا فرمائے۔ اس میں برابر ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین سے شروع فرمایا۔ فتاویٰ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا۔ (حیات اعلیٰحضرت جلد اول ص: ۱۵۴)

افتاء کا سلسلہ پوری زندگی چلتا رہا حتیٰ کہ وصال کے دن بھی وراثت کے متعلق ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"زندگی کے آخری دن صبح دریاپور کی مسجد جا کر حسب معمول انہوں نے قرآن پاک کا درس دیا اور اسی شام کو چار خط لکھے۔ والدۂ مرحومہ فرماتی تھیں کہ دو خطوط کے بارے میں تو یاد نہیں، تیسرا خط تمہارے نام تھا اور چوتھا خط بہت طویل تھا جو وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلے کے بارے میں تھا"۔ (مؤذن الاوقات ص: ۳۶)

احقر نے ممکنہ وسائل سے حضرت ملک العلماء کے جتنے فتاویٰ اور فقہی رسائل دستیاب ہو سکتے تھے، انہیں کتابی صورت دیدی ہے۔ یہ فتاویٰ ملک العلماء ۵۱۲ رصفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

مناظرہ:

ملک العلماء نے غیر مقلدوں، دیوبندیوں، آریوں اور پادریوں سے کئی ایک کامیاب مناظرے کئے۔ کئی مناظروں میں اعلیٰحضرت کے حکم سے تشریف لے گئے اور کئی جگہ انہیں خود طلب کیا گیا۔ رنگون (برما)، رامپور، بریلی، کلکتہ، میوات، راندیر کے مناظروں کا تذکرہ تحریری صورت میں ملتا ہے۔ کئی تحریریں بھی مناظراتی انداز کی ہیں۔ جن میں مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ میں حضرت کا جدلیاتی علم شباب پر ہے۔ کلکتہ کے مناظرے کی روداد "گنجینۂ مناظرہ" (۱۳۳۴ھ) کے نام سے چھپ چکی ہے۔ رامپور کے مناظرے کی تفصیل کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ) میں موجود ہے۔ ظفر الدین الجید میں تھانوی کا گھیراؤ ہے اور ظفر الدین الطیب میں غیر مقلدیت کے فتنے کو لگام دی گئی ہے۔ میں یہاں کلکتہ، میوات اور راندیر کے مناظرے کی تفصیلات نقل کرتا ہوں جو حضرت نے خود بیان فرمائی ہیں۔ فیروز پور میوات کے مناظرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"۱۳۲۶ھ ملک میوات میں وہابیہ دیوبندیہ نے بہت اودھم مچا رکھا تھا اور بے چارے سیدھے سادے میواتیوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسانا چاہتے تھے، کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین صاحب الوری نے مولانا مولوی احمد حسین خاں صاحب رامپوری مقیم درگاہ معلیٰ اجمیر شریف اندرون حجرہ نواب رامپور کو کسی عالم

مناظر کو لینے کے لئے بریلی شریف بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰحضرت سے وہاں کے حالات عرض کئے۔ اس وقت اعلیٰحضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکہ میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے۔ آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جائیے اور وہابیہ کو شکست دیجئے۔ میں نے عرض کیا تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں۔ حضور کی دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شامل حال رہی تو انشاء اللہ وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰحضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لاکر مجھے عنایت فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لیکر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ اعلیٰحضرت کی دعا اور جبۂ مبارکہ کی یہ برکت ہوئی کہ وہابیہ کی طرف سے متعدد صاحبان مناظرہ کے لئے آئے تھے۔ ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جو بقول خود مکہ معظمہ میں تین چار سال قیام بھی کر چکے تھے، اور اسی بنا پر بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ تقریریں سب عربی میں ہوں۔ ادھر سے کہا گیا کہ مولانا یہ مجلس مناظرہ ہے، دونوں طرف کے عوام بکثرت شریک جلسہ ہوئے ہیں۔ عربی فریقین کی تقریر ہونے سے یہ کیا سمجھیں گے؟ لیکن وہ نہیں مانے اور اسی پر اصرار کیا۔ دو تین مرتبہ فریقین کی تقریریں ہوئی تھیں کہ مولوی صاحب موصوف تقریر کرتے بول اٹھے: والناس می فہمند۔ مولوی احمد حسین خاں صاحب رامپوری نے فوراً ٹوکا مولانا! یہ تو فصیح عربی نہیں ہوئی، فصیح عربی 'والناس می تجھند ہے۔ کیا ایسی ہی عربی مکہ معظمہ سے سیکھ کر آئے ہیں؟ اس پر زبردست قہقہہ پڑا اور مولوی صاحب کھسیانے سے ہوگئے۔ اس کے بعد بقیہ تقریر اردو میں کی۔ پھر فریقین کی تقریریں عربی کی جگہ اردو ہی میں ہونے لگیں۔ جب ابتدائی مباحث طے ہوگئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کے جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ تقاضے پر تقاضے ہوتے مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹتا۔ تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے۔ آخر ثالث و حکم صاحب نے کہا۔ مولانا! کچھ تو بولئے تاکہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقعہ ملے اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے۔ آخر مجبوراً ان لوگوں نے بھی اعلان کیا۔

صاحبو! آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں۔ جب علمی باتوں کی نوبت آئی، مولانا ظفرالدین صاحب نے جو سوالات کئے ان کے جواب میں ان تمام علماء نے سکوت محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹہ وقت صرف کر دیا۔ اس سے علوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں، ورنہ کس دن کے لئے اٹھا رکھتے۔ ان لوگوں کا مذہب باطل اور اور مولوی شاہ رکن الدین صاحب، مولوی شاہ ارشاد علی صاحب و مولانا مولوی ظفرالدین صاحب مولوی احمد حسین خاں صاحب وغیرہ علماء کا مذہب حق ہے۔ آپ لوگ آتے وقت دروازے سے الگ الگ داخل ہوئے تھے۔ اب سب لوگ متفق ہوکر اس دروازہ سے مولوی ظفرالدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جائیں۔ چنانچہ ان چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علمائے اہلسنت کے ساتھ ساتھ آئے۔ جب بخیر وخوبی کامیابی کے ساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰحضرت کو اس مناظرہ کی روداد سنائی اور ان لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں کہ مناظرہ کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کر دیئے جائیں۔ وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اعلیٰحضرت نے بھی اس کو پسند فرمایا اور اس رسالہ کا تاریخی نام

"کیفے نجدیہ کا چپ مناظرہ" رکھا اور جناب مولانا حسن رضا خاں صاحب نے اس کا تاریخی نام "شکست سفاہت" رکھا چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔(حیات اعلیٰحضرت۔اول ص:۱۷۸۔۱۸۱)

۱۳۳۴ھ میں کلکتہ کا مناظرہ ہوا ہے اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"۱۳۳۴ھ میں جب میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس اول تھا۔رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰحضرت کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔اس زمانہ میں اعلیٰحضرت ہیأت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اور میں اسے صاف کر رہا تھا۔ارادہ تھا کہ ماہ رمضان المبارک تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا،پٹنہ واپس ہوں گا۔لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خاں صاحب مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہوا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے۔حضور والا مولانا ظفر الدین صاحب کو روانہ فرما دیں۔اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی،اعلیٰحضرت نے دو دن میں اسے تمام کر دیا۔لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا،اس لئے حضرت نے فرمایا کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس دیجئے گا۔جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لئے سواری آگئی،اعلیٰحضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپئے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال عید میں آپ یہیں رہیں گے۔بچوں کے لئے کپڑے بنواؤں گا تو آپ کے لئے بھی بنواؤں گا۔لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جا رہے ہیں،اس لئے یہ روپئے آپ کی نذر ہیں۔مجھے بہت شرم آئی،کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا،اب تو میں نوکر ہوں۔میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپئے وصول کروں۔میں کچھ تامل کیا۔اعلیٰ حضرت نے باصرار عنایت فرمایا۔میں نے قدس بوسی کرتے ہوئے وہ روپئے لے لئے اور کلکتہ روانہ ہوا۔میرے پہنچنے کی خبر سنتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا،کس میں مناظرہ کا دم ہے۔اعلیٰحضرت کی دعا کا اثر ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے — اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(حیات اعلیٰحضرت۔اول ص:۱۵۷،۱۵۸)

رانديرکے مناظرے میں آپ کی طلب اس وقت ہوئی جب ملک العلماء مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس اول کے فرائض انجام دے رہے تھے۔اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اس مناظرے میں مناظر کی حیثیت سے آپ کا انتخاب فرمایا۔مکتوب رضا ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

مولانا المکرّم ذی المجد والکرم ولدی الاعز مولانا مولوی ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہٗ ظفر الدین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا۔بھاگل پور، فیروز آباد،راندیر،بھاگل پور کا نتیجہ تو یہ ہوا،کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا۔یہ خط اصل ہے،بعد ملاحظہ واپس ہو۔فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی۔راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا۔وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔میں نے فاتحان بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ طیار رہیں،مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں

اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لئے تیار رہیں۔ میرے تار کا انتظار کریں۔

والسلام مع الاکرام۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۸؍رجب المرجب ۱۳۳۶ھ (حیات اعلیٰحضرت، دوم ص:۶۹۲)

اعلیٰحضرت اپنے دوسرے مکتوب محررہ ۲۲؍رجب ۱۳۳۶ھ میں رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولدی الاعز مولانا المکرم اکرمکم وجعلک کاسمک ظفر الدین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی مستعدی پر بحمدہٖ تعالیٰ بہت جی خوش ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً وبارک فی کم وبکم ولکم وعلیکم۔ آج ۱۳ دن ہوئے راندیر سے جواب نہ آیا۔ جواب آنے پر کچھ کہا جائے گا۔ ظاہراً وہی تحریر کافی ہوگی۔ (حیات اعلیٰحضرت، دوم ص:۷۰۱) مناظرہ اگر ہوا تو اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔

شکل نورانی:

گندمی رنگ، دراز قد، کشادہ چہرہ، جسم توانا، بھرا بھرا، کشادہ پیشانی، آنکھیں بڑی بڑی، ریش مبارک گھنی اور خوبصورت، ہاتھ دراز اور چوڑے، آواز بلند اور بارعب تھی۔ مزاج میں شوکت تھی لیکن متواضع، جبروت تھا لیکن سادہ، رعب تھا لیکن شفیقانہ۔

عائلی زندگی:

ملک العلماء ۱۳۲۵ھ میں بریلی شریف سے فارغ التحصیل ہوئے اور وہیں تدریسی ذمہ داریاں نبھالیں۔ دو سال کے بعد ۱۳۲۷ھ کے اواخر میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ آپ کی اہلیہ رابعہ خاتون منشی محمد واعظ الحق استھانوی (پٹنہ) کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی ولادت ۱۲؍ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ کو ہوئی۔ اس طور سے آپ ملک العلماء سے عمر میں دس سال چھوٹی تھیں۔ ان کے بطن سے دو بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جب تک اعلیٰحضرت حیات رہے، سبھی بچوں کے نام آپ ہی نے تجویز فرمائے۔ یہ ملک العلماء کی اعلیٰحضرت سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ حضرت خود تحریر فرماتے ہیں:

"۱۳۲۹ھ میں، میں شملہ میں جامع مسجد میں خطیب تھا کہ مکان سے خط آیا اور اس میں بڑی لڑکی کی پیدائش کی خوشخبری تھی۔ میں نے اس خط کو اور اس کے ساتھ ایک عریضہ لکھ کر بریلی شریف اعلیٰحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر کیا۔ جس میں تاریخی نام کے لئے عرض کیا تھا۔ بواپسی ڈاک جواب آیا، جس میں مبارک بادتھی اور بچی کے لئے دعائے خیر اور تاریخی نام "زرینہ خاتون" (۱۳۲۹ھ) تحریر فرمایا تھا۔ اسی طرح رجب ۱۳۳۳ھ میں دوسری لڑکی پیدا ہوئی، تو میں نے پٹنہ سے عریضہ حاضر کیا اور تاریخی نام کی درخواست کی تو ولیہ خاتون (۱۳۳۳ھ) زبر و بینات سے تاریخی نام تجویز فرمایا۔ عزیزی مختار الدین سلمہٗ کے بعد ۱۳۳۹ھ میں سہسرام میں لڑکی پیدا ہوئی۔ میں نے اس کی ولادت کی خبر دی اور تاریخی نام کے لئے عرض کیا، حضور نے ربیع خاتون (۱۳۳۹ھ) تاریخی نام تجویز فرمایا۔" (حیات اعلیٰحضرت، اول، ص:۳۱۷)

پہلی بچی زرینہ خاتون ۱۳۲۹ھ میں تولد ہوئی۔ دوسرا بچہ پیدا ہوا جو عالم شیر خوارگی میں انتقال کر گیا۔ پھر ایک صاحبزادی ۱۳۳۳ھ میں پیدا ہوئیں۔ ملک العلماء نے ان کا تاریخی نام رئیسہ خاتون تجویز کرنا چاہا۔ جس کا تاریخی سال حضرت کی صواب دید کے مطابق ۱۳۳۳ھ نکل رہا تھا۔ اس سلسلے میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی رائے مبارک دریافت کرنا چاہی تو بریلی شریف سے یہ جواب موصول ہوا:

''رئیسہ خاتون کے عدد ۱۳۴۲ھ ہیں، کہ کتاب میں دو (ی) ہیں۔ ہمزہ کے لئے کوئی عدد نہیں، نہ اس کے عدد کبھی لئے جائیں۔ اگر مرکز یعنی واؤ پر ہے تو اس مرکز کے عدد لیں گے جیسے رأس، رؤس، رئیس میں ،۱، ۶، ۱۰۔ اور کچھ نہیں جیسے علاء، نساء، خبء، ہبؤ، جئ۔ میرے خیال میں دل آرام خاتون (۱۳۴۳ھ) آیا تھا۔ اسی زمانے میں مگر کچھ پسند نہ تھا۔ لہٰذا آپ کو نہ لکھا (حیات اعلیٰحضرت ۱۲۰/۲) پھر آپ نے ولیہ خاتون، نام تجویز فرمایا:

''لڑکی کا تاریخی نام ولیہ خاتون سمجھ میں آیا ہے۔ یہ تاریخ زبر و بیات میں ہے۔

و	ل	ی	ہ	خ	ا	ت	و	ن	
۱۳	۷۱	۱۱	۶	۶۰۱	۱۱۱	۴۰۱	۱۳	۱۰۶	= ۱۳۴۳

(مکتوب رضا، حیات اعلیٰحضرت، دوم، ص: ۶۹۹)

قیام سہسرام کے دوران ۱۳۳۶ھ میں صاحبزادہ مختار الدین احمد کی ولادت ہوئی۔ اعلیٰحضرت نے مبارک باد کا تار دیا۔ مکتوب تحریر فرمایا اور ملک العلماء کے فرمائش پر تاریخی نام بھی تجویز ہوا:

مولانا المکرم اکرمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط آیا، اس کا جواب تو بعد کو ہو۔ پہلے یہ گذارش کہ ۲۸/ ذی قعدہ روز جمعہ کو آپ کا خط مژدہ ولادت صاحبزادہ وطلب نام تاریخی میں آیا۔ میں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اور اس میں تاریخی نام مختار الدین ۱۳۳۶ھ لکھا۔ اس کی کوئی رسید نہ آئی۔ میں نے سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھی۔ اب کہ خط آیا، اس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں، تو ظن ہوتا ہے، کہ تار پہنچا ہی نہیں، جسے بھیجے ہوئے آج سولہ دن ہوئے۔ اگر ایسا ہے، اطلاع دیجئے، کہ تار گھر مطالبہ ہو۔ فقیر قادری غفرلہٗ

(حیات اعلیٰحضرت ۔ ۲۰۸/۲)

انہیں صاحبزادے کے تعلق سے اعلیٰحضرت نے ایک خواب دیکھا۔ اس کے بعد یہ ہدایت فرمائی: نور العین مختار الدین کو تول کر اناج تصدق کیجئے اور ایک راس اس کی طرف سے ذبح کر کے تصدق مع پوست کر دیجئے۔ میں نے ایک خواب دیکھا، انشاء اللہ العزیز اچھا ہے۔ یہ صدقہ مناسب ہے''۔ (حیات اعلیٰحضرت ۔ ۲۱۷/۲)

۱۳۳۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے پھر ایک صاحبزادی عطا کی۔ یہ ملک العلماء کے قیام سہسرام کا آخری زمانہ تھا۔ اعلیٰحضرت کی خدمت میں اطلاعی عریضہ حاضر کیا اور نام تجویز کرنے کی فرمائش کی تو اعلیٰحضرت نے یہ مفاوضۂ عالیہ تحریر فرمایا:

''خط ملا۔ یہ نعمت تازہ مبارک ہو۔ اس کا نام وہ رکھئے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا، یعنی حضرت ربیع بنت معوذ انصاریہ صحابیہ بنت صحابی علیہما الرضوان کے نام پر ربیع خاتون (۱۳۳۹ھ) (حیات اعلیٰحضرت، دوم، ص: ۲۳۸)

۱۳۴۰ھ میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد تین صاحبزادیاں اور تولد ہوئیں۔ ملک العلماء نے صفیہ خاتون (۱۳۴۲ھ) شمیمہ خاتون (۱۳۴۵ھ) اور نعیمہ خاتون (۱۳۴۸ھ) نام تجویز کیا۔ ایک صاحبزادے عالم شیر خوارگی میں اور ایک صاحبزادی ولیہ خاتون پانچ سال کی عمر میں ۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ ۱۵/ اگست ۱۹۲۰ء میں فوت ہوگئیں۔ حضرت نے مرحومہ کو ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بارش میں عریاں پریشان ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے اس خواب کی تعبیر چاہی تو اعلیٰحضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ خواب مبارک ہے:

''بچی مرحومہ کو جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے،

انشاء اللہ تعالیٰ بہت مبارک ہے۔ نہانا رحمت و برکت ہے اور برہنگی دلیل حاضر بارگاہ ہے کہ دربار عزت میں حاضری یوں ہی ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: لقد جئتمونا کما خلقنکم اول مرة. وقال صلی اللہ علیہ وسلم :انکم تحشرون حفاةً عُراةً ۔اور دیکھنے والے کو تصحیح اعمال کی تنبیہ و انذار ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم: انا النذیر العریان۔ حضرت سرمد کا شعر ہے۔

پوشاندہ لباس ہر کرا عیبے دید بے عیباں را لباس عریانی داد

(حیات اعلیٰحضرت ۔ ۲/۳۲-۲۷)

والسلام

صاجزادہ پروفیسر مختار الدین احمد کا تعارف اخیر میں آتا ہے۔ ان کا عقد مسنون ان کی سگی خالہ نجم النساء بیگم کی چھوٹی ناظمہ بیگم کے ہمراہ جولائی ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ ان سے دو صاجزادے طارق مختار، اقبال احمد اور دو صاجزادیاں یاسمین مختار اور فریدہ مختار ہیں۔ طارق مختار (M.A.M.Phil.Arabic) اور اقبال احمد (Studies.B.Com.M.A.Islamic) کی شادیاں ان کی والدہ ناظمہ بیگم کی بھتیجیوں فرزانہ اور ناہید سلطانہ سے ہوئیں۔ یاسمین مختار کی شادی ڈاکٹر طارق چھتاری (شعبۂ اردو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ) کے ہمراہ ہوئی اور فریدہ مختار اعجاز احمد (ایڈوکیٹ) کشمیر سے منسوب ہیں۔ سبھی صاحب اولاد اور شادو آباد ہیں۔

حضرت ملک العلماء کی اہلیہ محترمہ رابعہ خاتون ۷۵ رسال کی عمر میں ۸ ر رجب ۱۳۸۸ھ/۱۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں حضور ملک العلماء کے وصال سے چھ سال بعد دنیا سے رخصت ہوئیں اور درگاہ شاہ ارزاں میں شوہر کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ رحمہما اللہ رحمۃً واسعۃ۔

وابستگی رضا:

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ملک العلماء کو ہمیشہ اپنی خصوصی نوازش کا مستحق سمجھا، اس لئے ملک العلماء کے دل میں بھی اعلیٰ حضرت سے والہانہ وابستگی کے جذبات تھے۔ شفقت و اکرام کے یہ سلسلے ادبیات سے لیکر معاملات تک تھے۔ تصنیف، تدریس، خطابت، مناظرہ، خانگی معاملات، معمولات حیات حتی کہ اذکار و اوراد میں بھی ملک العلماء اعلیٰحضرت کی پیروی اپنے لئے لازم سمجھتے۔ اعلیٰحضرت کے حضور بالکل چوں قلم در دست کاتب تھے۔ اپنی پسند، ناپسند کا کوئی دخل نہ تھا۔ ہر کام اعلیٰحضرت کے مشورے اور حکم سے ہوتا۔ اعلیٰحضرت نے جہاں تدریس کے لئے متعین کیا وہاں تشریف لے گئے۔ جہاں سے طلب کیا، فوراً حاضر ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ تک بریلی شریف میں ہی رہے۔ اس کے بعد اعلیٰحضرت کے حکم پر شملہ تشریف لے گئے۔ بریلی واپسی ہوئی پھر اعلیٰحضرت نے آرا بھیجا، متعدد جگہ مناظرے کے لئے روانہ کیا۔ پٹنہ اور سہسرام کے دوران قیام مراسلات کا سلسلہ قائم رہا جن میں کتابوں کی تصحیح، متعدد کتب کے حوالوں کی تخریج، ہیئت و توقیت کے نقشہ جات تیار کرنے کا حکم ہوتا اور ملک العلماء خوشی خوشی ساری ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہو کر ان احکام کی تعمیل کو اولین ترجیح دیتے اس سلسلے میں کبھی کبھی سہسرام سے پٹنہ خدا بخش لائبریری کا سفر کرنا پڑتا اور وہاں قیام کر کے مطلوبہ کتابوں کی عبارتیں تلاش کی جاتیں۔ حیات اعلیٰحضرت کے اخیر میں جو مکاتیب رضا درج ہیں، ان سے ان معاملات پر روشنی پڑتی ہے۔

ملک العلماء نے حسن ادب کا خاص حصہ پایا تھا اور بارگاہ رضا سے شیفتگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اس لئے دربار رضا کی ہر شئی سے والہانہ انس تھا۔ اس جناب سے بھی ویسی ہی نوازش تھی۔ ملک العلماء ایک مرتبہ کچھ پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ دل گرفتہ ہو کر عریضہ ارسال خدمت کیا اور طالب دعا ہوئے۔ اعلیٰحضرت قدس

سرہٗ نے مفصل تسلی نامہ تحریر فرمایا اور ساتھ ہی قدرے مالی امداد بھی فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد کا بیان ہے:

"دس دس روپئے کے یہ نوٹ فاضل بریلوی کے وصال کے بیسیوں سال بعد میں نے والد محترم کے قلمدان میں ایک لفافے میں حفاظت سے رکھے ہوئے دیکھے تھے۔ آپ نے انہیں اپنے استاذ و مرشد کی محبت و شفقت کی یادگار سمجھ کر بطور تبرک محفوظ رکھ چھوڑا تھا۔" (حیات ملک العلماء ص:۸)

اب وہ گرامی نامہ ملاحظہ کیجئے اور شاگرد کی محبت کے ساتھ ساتھ استاذ کی شفقت بھی دیکھتے چلئے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ولدی الاعز مولانا المکرم جعل کاسمہ ظفر الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے۔ وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے۔ اور آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر موزر پہنچائے۔ آمین آمین بجاہ الکریم المعین علیہ وعلی آلہ اصحابہ الصلاۃ والتسلیم اور احسن یہ کہ استخارۂ شرعیہ کر لیجئے۔

آپ کا خط دربارۂ پریشانی دنیا آیا تھا۔ ہفتے ہوئے اور سا کا جواب آج دوں کل دوں مگر طبیعت علیل۔ بار بار بخار کے دورے اور اعدائے دین کا ہر طرف سے ہجوم۔ ان کی دفع میں فرصت معدوم۔ علاوہ اس کے سو سے زیادہ جواب فتاویٰ کے اس مہینہ کے اندر چار رسالے تصنیف کر کے بھیجتے ہوئے اور میری تنہائی اور ضعف کی حالت معلوم۔ وحسبنا ربی ونعم الوکیل، اس سے اعتماد رہتا ہے کہ عدم جواب کو اوزار صحیحہ پر خود محمول فرمائیں گے۔

اس خط کے جواب میں یہ چاہتا تھا کہ آیات واحادیث دربارۂ ذم دنیا ومنع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں۔ مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں۔ فلاں دست غیب ہے۔ فلاں کو حیدر آباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے۔ ان کے پاس علم نہیں یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے، کس پر نعمت حق بیشتر ہے؟ بحر ط ایمان وعدہ علو وغلبہ باعتبار دین ہے، نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق رہے۔ دنیا سجن (قید خانہ) مومن ہے۔ سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں؟ دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف (ضروریات کی کفالت کرنے والا رزق) بس ہے۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۳۔۱۱۔۱۳۳۹ھ (حیات اعلیٰحضرت، دوم ص:۲۴۴، ۲۴۵)

اعلیٰحضرت کی رضامندی ملک العلماء کو اس قدر مطلوب تھی کہ جو باتیں اعلیٰحضرت کو لوجہ اللہ ناگوار ہوتیں، اس سے دست کش ہو جاتے، چاہے اس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے اور دوسروں کو کیسے ہی افادیت کیوں نہ ہو۔ آپ نے منطق، فلسفہ، صرف، نحو میں تقریب، تذہیب، وافیہ، عافیہ تصنیف کیں اور انہیں بغرض اصلاح اعلیٰحضرت کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ ان فنون میں کثیر کتابیں پہلے ہی سے موجود ہیں، اسی لئے اس میں شہرت پسندی اور ذوق مصنفی کا پہلو نکلتا ہے جبکہ اعلیٰحضرت اپنے وابستگان کو سراپا خلوص اور دین کا مجاہد دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ جوابی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا رسالہ مؤذن الاوقات آیا، نام بھی نہایت مناسب وموزوں پایا۔ اس کے مقصد اول وخاتمہ کو ضرور دکھالینا چاہئے اور تذہیب کا حرف بحرف قبل طبع دکھالینا فرض اہم

ہے۔ مولانا! کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے۔ آپ کی تصانیف عافیہ، وافیہ، تقریب پر خوشی ہوئی، مگر کاش یہ وقت آپ نے بہشتی زیور و گوہر کے قلعی کھولنے میں صرف کیا ہوتا تو عمدہ ذخیرۂ عقبیٰ ہوتا۔ جہاں ان کتابوں سے گمراہ ہوئے جاتے ہیں۔ (مکتوب محررہ ۲۲ر رجب ۱۳۳۶ھ بحوالہ حیات اعلیٰحضرت ۲؍۱۰۷)

اس مکتوب سے جب اعلیٰحضرت کی ناپسندیدگی کا پتہ چلا، تو وہ گرامی اوراق جو محنت شاقہ کے بعد سپرد قلم ہوئے۔ ان کی اشاعت یکلخت روک دی گئی۔ آج کے دور میں استاذ اور مرشد کا ایسا ادب بے نظیر ہے۔ حالانکہ اعلیٰحضرت نے ان کتابوں کی تصنیف پر خوشی کا اظہار کیا تھا، ان کی اشاعت پر روک نہیں لگائی تھی۔ انہوں نے صرف اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ان کے چہیتے شاگرد اور مسترشد اپنی توجہ دینی اور مذہبی موضوعات پر مرکوز رکھیں۔ جو عمدہ ذخیرہ عاقبت ہے۔ یہ ادب اور قلبی وابستگی یوں ہی نہیں تھی بلکہ اعلیٰحضرت اپنے تلامذہ اور متعلقین کو اتنا نوازتے تھے، ان سے ایسی شفقت سے پیش آتے تھے، کہ دل خود بخود ان کے قدموں جھکے جاتے تھے۔ صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں جسے ملک العلماء نے خود بیان فرمایا ہے:

''حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کے برابر لڑکیاں ہی پیدا ہوئیں۔ اس لئے سب لوگوں کی دلی تمنا تھی کہ کوئی لڑکا ہوتا تا کہ اس کے ذریعہ اعلیٰحضرت کا نسب وحسب وفضل وکمالات کا سلسلہ جاری رہتا۔ خداوند عالم کی شان کہ ۱۳۲۵ھ میں مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب سلمہٗ کی ولادت ہوئی۔ نہ صرف والدین اور اعلیٰحضرت بلکہ تمام خاندان بلکہ جملہ متوسلین کو از حد خوشی ہوئی۔ اس خوشی میں منجملہ اور باتوں کے اعلیٰحضرت نے جملہ طلبائے مدرسہ اہل سنت وجماعت منظر اسلام کی، ان کی خواہش کے مطابق دعوت فرمائی۔ بنگالی طلبہ سے دریافت فرمایا: آپ لوگ کیا کھانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا مچھلی بھات۔ چنانچہ روہو مچھلی بہت وافر طریقہ پر منگائی گئی اور ان لوگوں کے حسب خواہش دعوت ہوئی۔ بہاری طلباء سے دریافت فرمایا: آپ لوگوں کی کیا خواہش ہے؟ ہم لوگوں نے کہا: بریانی، زردہ، فیرنی، کباب، میٹھا ٹکڑا وغیرہ۔ بہاریوں کے لئے پرتکلف کھانا تیار کرایا گیا۔ پنجابی اور ولایتی طلباء کی خواہش ہوئی دنبہ کا خوب چرب چرب گوشت اور تنور کی پکی گرم روٹیاں۔ غرض ان لوگوں کے لئے وافر طور پر اسی کا انتظام ہوا اس وقت خاص عزیزوں مریدوں کے لئے جوڑا بھی تیار کیا گیا تھا۔ نہایت ہی مسرت سے لکھتا ہوں کہ میں بھی انہیں خاص لوگوں میں ہوں، جن کے لئے جوڑا بھی تیار کرا یا تھا۔ وہ کرتا، پائجامہ، جوتا، ٹوپی تو اسی زمانہ میں پہن لیا تھا مگر انگرکھا بہت قیمتی کپڑے کا تھا، گاہے گاہے اس کو پہنا کرتا تھا۔ وہ بہت دنوں تک رہا، یہاں تک کہ چھوٹا ہو گیا، تو اس کو تبرکاً رکھ دیا۔ جب مدرسہ خانقاہ سہسرام میں مدرس ہوا اور مخلص قدیم مولوی سید غیاث الدین صاحب چشتی ابوالعلائی رجہتی بہاری کو حسب طلب مخلص محترم حامی دین متین جناب حاجی محمد لعل خاں صاحب کلکتہ بھیجنے لگا، اس وقت میں نے وہ انگرکھا مولوی صاحب موصوف کی نذر کر دیا، جو مجھ سے دبلے پتلے تھے اور ان کو ٹھیک آ گیا۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی مولوی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ اولاً مولانا کے میرے تعلقات دوستانہ قدیم زمانۂ طالب علمی کے ہیں، ثانیاً یہ انگرکھا تاریخی تبرک ہے، یہ اعلیٰحضرت کا عطیہ ہے یہ مولانا ظفر الدین صاحب کی محبت وخلوص ہے جو انہوں نے مجھے عنایت فرمایا، جو قیمتی ہونے کے علاوہ تبرک اور عزیزی مولوی محمد ابراہیم

رضا خاں عرف جیلانی میاں کی پیدائش کی یادگار ہے"۔(حیات اعلیٰحضرت، اول ص:۱۵۶،۱۵۵)

ایسی شفقتوں سے پوری داستان حیات بھری پڑی ہے۔ تفصیل دیکھنی ہو، تو حیات اعلیٰحضرت کے صفحات مطالعہ کیجئے۔

اسی لئے ان کے تلامذہ اور وابستگان ہمہ دم جاں نثاری پر آمادہ رہتے۔ اس سلسلے میں سبھی یکساں جذبات رکھتے ہیں ۔لیکن اس خصوص میں صدر الشریعہ، صدر الافاضل، ملک العلماء، قاضی عبد الوحید علیہم الرحمہ کی جاں نثاریاں بے نظیر ہیں۔ اسی جاں نثار جذبے کا اثر تھا کہ اعلیٰحضرت کے وصال کے بعد بھی ان حضرات نے اپنی پوری زندگی رضوی مشن کے لئے وقف کردی۔ چند مکاتیب دیکھئے۔ اندازہ ہوگا کہ آثار رضا سے ملک العلماء کو کیسی گہری دلچسپی تھی۔

(مولوی سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی متعلم دار العلوم حزب الاحناف ہند لاہور کے نام مکتوب)

مولانا (مصطفیٰ رضا خاں) صاحب یقیناً اپنے سفر سے بریلی شریف پہنچ گئے ہوں گے۔ وہ اعلیٰحضرت کی تصنیفات اگر طباعت کے لئے تم عزیز کو روانہ فرمائیں تو از یں چہ بہتر۔ سلطنۃ المصطفیٰ میں نے بہت تلاش کی تھی کہیں پتہ نہ چلا۔ ہاں علوم الغیب کو مسودہ مجھے ملا تھا جس کو بڑی محنت و کاوش سے مبیضہ کرکے تبویب اس کی کرکے مجلد کراکے الماری میں رکھوادیا ہے۔ مفتی اعظم صاحب سے اس کے متعلق خط و کتابت کیجئے کہ وہاں سے روانہ فرمادیں۔ واقعی عجیب و غریب کتاب ہے۔ علم غیب کے مسئلے میں اس کتاب کو دیکھ کر کسی کو شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس قدر مواد جمع کردیا ہے کہ شاید و باید، وہ کتاب اگر چھپ جائے تو سبحان اللہ و بحمدہٖ"۔ (مکاتیب ملک العلماء)

مولانا امجد رضا صاحب نوری مقیم گوالیار کو اپنے مکتوب (مورخہ ۲۹؍رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سینوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰحضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کے ہمت و محنت کے توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ اعلیٰحضرت کیا تھے۔ واقعی جناب نے انہیں حیات جاودانی بخشی اور ہر شخص کو ان کے علوم و فنون سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔

میرے بریلی سے آنے کے بعد سے اس وقت تک ربیع الاول تا رمضان شریف تین رسالے چھپیں۔ ایک تو وہی نشان السالکین جس کی نصف سے زیادہ کا پیاں میرے سامنے لکھی جاچکی تھیں اور دوسرا رسالہ الاسد السئول، تیسرا غایۃ التحقیق۔ یہ رسالے نمبر ا سے ۱۳ تک میں نے منگوالئے ہیں۔ افسوس ہے کہ ۳،۴،۵ جو لاہور میں چھپنے کے واسطے بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک انہوں نے چھپوا کر نہیں بھیجا۔ مولوی ابو البرکات سید احمد صاحب سے ایسی توقع نہ تھی۔ اور تین سالے نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، بہت خراب چھپے ہیں، صحت کا بھی التزام نہیں کیا ہے۔ بریلی شریف والے منشی صاحب جنہوں نے رسالہ ۱ تا ۱۰ کی کتابت کی تھی۔ بہت ہی خوشخط ہیں۔ یہ بیچارے بدایونی صاحب ٹھیک نہیں ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں منشی صاحب سے کتابت کا کام لیا جائے۔ خدا جناب کو اپنے مقصد عالی میں کامیاب کرے تاکہ تصنیفات (کی اشاعت) کا کام حسب خواہش انجام پائے"۔ (مکاتیب ملک العلماء قلمی ۱۴۔۱۵)

سید پیارے علی بریلوی اور مولانا تقدس علی خاں کے نام

ایک مکتوب ۱۵ رمحرم الحرام ۱۳۶۵ھ/یکم جنوری ۱۹۴۵ء میں سطریں ملتی ہیں: ''خداوند عالم نعمانی میاں صاحب کو مقدرت دے کہ صرف ترجمہ کیا، جملہ تصنیفات حضرت حجۃ الاسلام بلکہ تمام تصنیفات اعلیحضرت امام اہل سنت شائع فرمائیں۔''
(حیات ملک العلماء، ص:۲۶، ۲۷)

حلقۂ احباب:

ملک العلماء کا دائرۂ احباب بے حد وسیع تھا۔اس میں ان کے کریمانہ اخلاق، رواداری اور مرنجاں مرنج طبیعت کا بھی خاصا دخل تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی فرمائش پر جب میں ملک العلماء کے نام آئے مکاتیب کی فائل مرتب کررہا تھا تو اکابر، احباب اور تلامذہ کے سینکڑوں خطوط دیکھنے کو ملے، جن میں مفتی اعظم، صدرالشریعہ، محدث اعظم، نوری گدا امجد رضا خاں نوری، نواب مرزا، پیارے علی بریلوی، سید حسام الدین احمد منعمی، مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، مولانا سید غیاث الدین حسن اصدقی رضوی، مولانا سید ملیح الدین کبری، مولانا سید ابوالحسن خوشدل سہسرامی، مولانا نجم الدین سہسرامی، مولانا سید وصی احمد سہسرامی، مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی کے متعدد خطوط نظر آئے۔ان کے علاوہ مولانا سید غلام محمد بہاری، مولانا حکیم سید عزیز غوث بریلوی، مولانا سید محمود جان بریلوی علم توقیت کے ہم درس احباب تھے۔ان میں بعض حضرات کی مکاتیب اگلے صفحات میں شامل ہیں۔ان خطوط کے مطالعے سے ملک العلماء طرز وفا، خلوص ومحبت، احباب کی غمگساری کا اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ اپنے ذاتی مسائل اسی سے کہے جاتے ہیں جن سے ہمدردی اور تعاون کی امید ہوتی ہے۔

معمولات شب وروز:

ملک العلماء کے اوقات زندگی بہت منضبط اور ایک متعین نظام کے تحت تقسیم تھے۔آخری عمر کے معمولات بزمانہ قیام جامعہ لطیفیہ کٹیہار حسب ذیل تھے:

فجر سے ذرا پہلے بیدار ہوکر نماز فجر کی تیاریوں میں مصروف ہوجاتے۔سنت پڑھ کر وظائف میں مشغول رہتے پھر نماز فجر با جماعت پڑھ کر مختصر وظائف ادا کرکے کبھی صباحی سیر پر نکل جاتے، ساتھ ہی ذکر الٰہی کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور کبھی مصلے پر ہی بیٹھے مصروف عبادت رہتے، پھر ناشتہ سے فراغت کے بعد تالیف وتصنیف کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔مدرسے میں درس کے اوقات میں مسلسل چار پانچ گھنٹے درس دیتے، صرف ظہر کی نماز، ظہرانے اور قیلولے کا وقفہ ہوتا۔اس وقفے میں اخبارات اور مسائل کا مطالعہ ہوتا پھر درس میں مصروف ہوجاتے۔عصر کی نماز کے بعد اکابر علمائے اہلسنت کی طرح علمی نشست ہوتی اور زبانی افادات کے سلسلے جاری رہتے۔مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد مطالعہ میں مصروف ہوجاتے۔عشائیہ کے بعد بھی مطالعہ ہوتا، تصنیفی معاملات رہتے یا وعظ اور سیرت کے جلسوں میں تشریف لے جاتے۔اخیر کے دنوں میں جب آپ جامعہ لطیفیہ سے سبکدوش ہوکر ظفر منزل پٹنہ میں مقیم تھے، درس کم ہوگئی تھی لیکن گھر پر تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔شاہ احسن الہدیٰ، شاہ فرید الحق عمادی، شاہ سید عاشق حسین ارزاں شاہی حضرت کے گھر پر آکر درس لیتے رہے۔عوامی سطح پر آپ نے درس قرآن کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ہر یک شنبہ صبح ۱۰ بجے دریاپور کی مسجد میں تشریف لے جاتے اور قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرماتے۔ہاں! معمول کے شب وروز میں کبھی کبھی سفر کا معاملہ ضرور خلل ڈالتا، چاہے وہ سفر کسی دینی مقصد کے لئے ہو یا وعظ وتقریر کے لئے۔

شمائل کریمانہ:

مولانا شہاب الدین اشرفی بیان فرماتے ہیں:

حضرت ملک العلماء لباس لمبا زیب تن فرماتے، لمبی پگڑی سر پر باندھتے، کھانے میں کریلا بہت پسند فرماتے۔ جب بازار میں کریلا نہیں ملتا تو پرول خریدواتے نیم کی چھوٹی چھوٹی شاخ منگواتے۔ ایک دن طرح پرول کا کریلا تیار ہوا۔ دسترخوان پر آیا۔ میں (شہاب الدین) اور مولانا عبداللہ صاحب حضرت کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کس قدر عمدہ بنا ہے۔ سبحان اللہ! مگر ہم لوگوں سے بالکل کھایا نہیں جاتا تھا۔ حضرت کے ڈر سے ہم لوگ بالجبر والاکراہ کھاتے رہے۔ کٹیہار اسٹیشن کی ٹنکی کا پانی مستقل منگوا کر نوش فرماتے تھے۔ کیونکہ مدرسہ کے ٹیوب کا پانی بہت اچھا نہ تھا۔ گوشت میں بڑا ٹکڑا پسند فرماتے۔ میرے خسر مولانا قاضی ثمیر الدین صاحب رشیدی علیہ الرحمہ بندوق سے شکار کرتے اور میں گھر آتا تو میرے ہاتھوں چڑیا کا گوشت حضرت کی خدمت میں بھیجتے۔ پہلی بار گوشت کے ٹکڑے چھوٹے چھوٹے تھے۔ فرمایا ٹکڑا بڑا بڑا ہونا چاہیے۔ اس کے بعد جب کبھی بھی ان کی خدمت میں گوشت لے جاتا، بڑے بڑے ٹکڑے کرکے لے جاتا تو بہت پسند فرماتے۔ ایک بار خالص دودھ کا جریہ آگ پر جلا کر عمدہ دہی تیار کرکے گھر سے لے گیا۔ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حکم فرمایا۔ ابھی دہی تیار نہیں ہے۔ رکھ دو۔ پھر دوسرے دن دہی منگوایا، اس میں ترشی پیدا ہو چکی تھی۔ فرمایا: اب دہی تیار ہوا ہے۔ پھر آپ نے رغبت سے تناول فرمایا۔ پھل بھی بڑا پسند فرماتے تھے۔ کٹیہار شہر میں نیا مچھلی ملتی بے سوئی کھاتے تھے۔

جلال علم کا نور حضرت ملک العلماء کے چہرہ پر ایسا برستا تھا کہ جو دیکھتا آپ کی علمی جلالت کا احساس وادراک کر لیتا۔ چہرے سے رعب اس قدر ظاہر تھا کہ کسی کو آپ کے سامنے مجال سخن نہ ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء کو میں نے دیکھا کہ آپ سے گفتگو کرنے میں لکنت لسانی کے شکار ہو جاتے۔ یا تو بولنے کی تاب نہ ہوتی یا پھر ڈرے سہمے انداز میں اپنی بات پیش کرتے۔

حضرت ملک العلماء علمی وجسمانی دونوں اعتبار سے بارعب تھے۔ آواز گرجدار تھی، چہرہ کشادہ جسم بھرا ہوا، آنکھیں بڑیں بڑیں پیشانی چوڑی، عالمانہ رعب ودبدبہ کے ساتھ رہتے، گفتگو پوری شان وشوکت وعالمانہ وقار سے کرتے، ایسا معلوم ہوتا کہ واقعی ایک زبردست عالم دین ہیں۔ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے سچے خلیفہ ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء آتے تو ان کے علمی رعب سے مرعوب ہو جاتے۔ مجلس میں جب گفتگو فرماتے تو سب پر حاوی رہتے۔ گفتگو میں کافی وزن ہوتا، بے تکی باتیں نہیں کرتے، جو کہتے پورے اعتماد سے کہتے کسی سے دب کر گفتگو نہ کرتے بلکہ پورے عالمانہ شان سے پیش آتے۔ ایک بار سفر کے دوران چند سیاسی لیڈروں سے سیاسی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ آپ غالب رہے۔ مگر ان سیاستدانوں نے بور بنانے کے انداز میں کہا: ملاجی! آپ کا گھر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا! عظیم آباد (پٹنہ) ان لیڈران نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا! یہ عظیم آباد کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا عظیم آباد کو پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں۔ چنانچہ داغ دہلوی نے کہا ہے۔

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

(جہان رضا اگست ۲۰۰۳ء ص:۲۳۔۲۴)

زھد وورع:

زہد وورع، احتیاط اور تقویٰ ایک عالم دین کی شان ہے۔ اسے ان اوصاف سے متصف ہونا ہی چاہئے۔ ملک العلماء ایک ممتاز عالم دین تھے، اس لئے تقویٰ اور احتیاط کی بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ نماز جماعت کے مکمل پابند، سنتوں کا آئینہ، مستحبات کے شیفتہ، شریعت سے آراستہ اور طریقت سے رمز آشنا تھے ملک العلماء۔ اعلیٰحضرت نے انہیں باطنی خوبیوں کی بدولت آپ کو فراغت کے بعد ہی خلافت واجازت سے سرفراز کردیا تھا، ورنہ اعلیٰحضرت خلافتیں تقسیم نہیں کرتے تھے۔ ان کے یہاں اس معاملے بہت احتیاط برتی جاتی تھی۔ دیگر سلاسل کے اوراد ومشائخ کی اجازتیں بھی آپ کو عطا کی گئی تھیں۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اپنا مجموعۂ وظائف آپ کے حوالے کردیا تھا کہ جہاں سے چاہیں نقل کرلیں۔

آپ کے افکار واوراد کا سلسلہ زندگی کے آخری سانس تک قائم رہا حتی کہ ذکر بالجہر کرتے کرتے جان، جان آفریں کے حوالے کردی۔ آپ کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ اجازت وخلافت ملنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک کسی کو مرید نہیں بنایا۔ بہت اصرار کے بعد ارادات کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن اس پر بھی اپنے مریدوں کو ظفری کی جگہ رضوی لکھنے کی تلقین فرماتے، تاکہ اعلیٰحضرت کی نسبت کا چرچا ہی عام ہو۔ آپ کی اسی احتیاط کی بنا پر آپ کے مریدین کی تعداد محدود ہے۔ یہ آپ کی بے نفسی ہی ہے، کہ آپ نے اپنے دشمنوں سے بھی انتقام نہیں لیا۔ بلکہ ہمیشہ عفو ودرگذر کا معاملہ رکھا۔ اسی تقویٰ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں برکت دی، اوقات کو مفید کاموں میں مصروف رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دلوں کو آپ کی جانب متوجہ کیا اور قبول خاص وعام کیا۔

استقامت فی الدین:

ملک العلماء اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے فیض یافتہ تھے۔ اس لئے مذہبی تصلب میں پختہ تھے۔ البتہ تصلب کو تشدد کی حد تک پہنچانے کے قائل نہیں تھے۔ شریعت مصطفویہ اور مذہب مہذب اہلسنت پر خود بھی مضبوطی کے ساتھ گامزن تھے اور دوسروں کو بھی گامزن رکھتے۔ آپ کی تصانیف، فتاویٰ اور مکاتیب اس پر بجا طور پر شاہد ہیں۔ ''مواہب ارواح القدس'' اور دیگر مناظراتی اور تحقیقی تحریروں میں آپ کا دینی تصلب خوب ظاہر ہے۔ اس راہ میں پٹنہ کی ملازمت کے دوران آپ کے صبر وضبط کا خوب امتحان لیا گیا۔ لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ بدمذہبوں کی صحبت سے خود بھی دور رہتے اور دوسروں کو بھی دور رہنے کی تلقین کرتے۔ اس ذیل میں آپ کے شاگرد مولانا شہاب الدین اشرفی کا بیان بہترین سند ہے:

''ایک بار آپ نے سلسلۂ کلام میں ''الصحبۃ موثرۃ'' پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ، واقعی اچھوں کی صحبت نیک بنا دیتی ہے اور بروں کی صحبت برا بناتی ہے۔ پھر یہ واقعہ ارشاد فرمایا:

''ایک متصلب سنی عالم کا ایک ہی لڑکا تھا۔ سوئے اتفاق کہ وہ لڑکا بھاگ کر کسی قادیانی کے مدرسے میں پہنچ گیا اور وہیں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور عقیدتاً بھی وہ قادیانی ہوگیا، جب وہ گھر آیا تو اس کے والد نے اسے دیکھتے ہی بھگا دیا اور کہہ دیا کہ آج سے تم مجھے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتے۔ وہ لڑکا اسی شہر میں کسی قادیانی کے یہاں پناہ گزیں رہا۔ اس کی والدہ اپنے لڑکے کی جدائی کا غم برداشت نہیں کرپاتی۔ وہ اپنے شوہر سے چھپ چھپ کر اپنے لڑکے سے ملنے جاتی۔ کئی بار آنے جانے کے بعد ایک دن اپنے شوہر کو اس نے اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا۔ کہنے لگی آخر وہ تمہارا لڑکا ہی تو ہے۔ اس کی باتوں سے متاثر ہوکر اس نے اپنے لڑکے کو آنے

جانے کی اجازت دیدی اور وہ تین ماہ بعد بھی اس قادیانی کے گھر آنے جانے لگا، آخرکار وہ بھی قادیانی ہو کر مرا۔"

پھر ہم لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ "جب بڑے بڑے متبحر عالم کا یہ حال ہے کہ صحبت بد اثر کر جاتی ہے۔ تم کم پڑھے لکھے بچوں کو بروں کی صحبت اور بدعقیدوں کی صحبت سے سخت دور رہنا چاہئے۔ (ایضاً ص: ۴۴)

ملی درد:

حضرت ملک العلماء نے دل دردمند پایا تھا۔ دوسروں کی ذرا سی تکلیف دیکھی نہ جاتی۔ احباب و متعلقین کی ہر ممکن دستگیری اور غم گساری کرتے۔ جب دردمندی کے یہ عام جذبات ہیں تو ملت کے تئیں ان کے جذبوں کی فراوانی کیسے ہوگی؟ خوب اندازہ ہوسکتا ہے۔ ملت پر جب بھی افتاد پڑتی، آپ نے اپنے خون جگر سے درد ملت کا مداوا پیش کیا ہے۔ بادی البداۃ ترک الموالات، دلچسپ مکالمہ اور سد اقرار لبا جری بہاری جذبے نے تحریر کرائے ہیں۔ سد اقرار کا یہ اقتباس دیکھئے، ملی اضطراب لفظ لفظ سے برستا محسوس ہوتا ہے۔ فسادات بہار سے متأثر ہوکر ہزاروں مسلمان ترک وطن کرکے بے تحاشا بغیر غور و فکر کے سراسیمگی کی حالت میں بنگال اور کراچی منتقل ہو رہے تھے۔ ملک العلماء انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آپ خوف و ہراس سے بھاگ کر اپنے اسلاف کے کارناموں پر پانی پھیر رہے ہیں، اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار کررہے ہیں، مسلمانوں کو جو یہاں اقلیت میں ہیں، ان کے اقلیت در اقلیت میں مبتلا کررہے ہیں۔ کیا آپ کی غیرت اس کی مقتضی ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد نے تو دارالکفر میں آکر اسلام کا چراغ روشن کرکے خدا کے یہاں سرخروئی حاصل کی تھی۔ آپ اپنے اس فعل سے دار الاسلام سے اسلام کا چراغ بجھا کر اسے دارالکفر بنارہے ہیں۔ کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ وہ مساجد جہاں آپ اور آپ کے آباؤ اجداد اپنی پیشانیاں گھسا کرتے تھے، ان کو ویران چھوڑ کر چلے جائیں؟ کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ بزرگوں کے مزارات جن پر آپ پھول لگا کر اور چادر چڑھا کر اپنی سعادت اور قلب ایمان کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں، آپ بھاگ کر ان کو کفار و مشرکین کی پامالی اور ذلت کے لئے چھوڑ جائیں کہ ان کے جانور انہیں ناپاک کریں؟" (حیات ملک العلماء، ص: ۳۲، ۳۳)

ملی درد کی نشانی یہ بھی ہے کہ ملت کے باوقار افراد کی حوصلہ افزائی کی جائے، ان کی کوششوں کو سراہا جائے، ان کے بچھڑنے پر روئیں اور ان کے ارتحال پر دل تڑپ اٹھے۔ شاہ حمید الدین صاحب پٹنہ کے ایک متحرک سنی بزرگ تھے، درگاہ حضرت کے صاحب سجادہ تھے۔ رجبی شریف کے جلسوں کا انہوں نے جو سلسلہ شروع کیا جو برسوں جاری رہے۔ سنیت کے فروغ میں ان کی بڑی کوششیں ہیں۔ انہیں کے صاحبزادے اور متوسلین کی توجہ سے جامعہ لطیفیہ کٹیہار (ضلع پورنیہ بہار) قائم ہوئی۔ ان کی وفات ہوئی تو ملک العلماء تڑپ اٹھے۔ صدر مدرس کے نام ایک مکتوب محررہ ۲؍شوال المکرم ۱۳۶۴ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

"جناب کا کرمت نامہ مورخہ ۲۳؍رمضان المبارک شب کے ایک بجے مجھ کو ملا۔ محب مخلص جناب سید شاہ حمید الدین صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف متن گھاٹ پٹنہ جن کے یہاں جلسہ رجبی شریف میں جناب دو مرتبہ تشریف لائے ان کا انتقال پرملال ہوا۔ اس حادثے نے میری کمر توڑ دی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس شاخ صوبہ کی کانفرنس کی کامیابی کا اعتماد انہیں کے باعث ہمت

پڑھا۔ یہاں مشائخ اور علماء ہیں۔ لیکن ایسا شیر دل باہمت کائی نہ رہا۔" (حیات ملک العلماء، ص:۱۵)

قناعت وتوکل:

رزق کی کثرت وقلت رب تبارک وتعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔اس راہ میں صلاحیت اور دانشمندی کا دخل نہیں ہوتا۔ملک العلما علیہ الرحمہ بھی ایک زمانے میں وسائل کی کمی اور اخراجات کی زیادتی سے پریشان رہے۔ملک العلما کے نام اعلیٰحضرت کے مکاتیب اس کے شاہد ہیں۔لیکن ان سب کے باوجود ملک العلماء کشادہ دست رہے اور قناعت وتوکل کے سائے میں آپ کی زندگی کے ایام گذرے۔اسے رب کی رحمت پر اعتماد ہی کہا جائے گا کہ صاحبزادہ کو اعلیٰ تعلیم دلائی اور بہت سارے مدارس، اداروں اور افراد کی جیب خاص سے امداد فرماتے رہے۔میں نے پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کے پاس ان منی آرڈروں کی رسیدیں خاصی تعداد میں دیکھیں جنہیں ملک العلما نے امدادی طور سے اداروں یا افراد کو روانہ کیا تھا۔

میانہ روی:

اعتدال اور توازن کامیابی کا تلازمہ ہے۔اسلام ہر سطح سے اس کی تعلیم دیتا ہے۔ملک العلماء اس اسلامی وصف سے پوری طرح آراستہ تھے۔معمولات حیات سے لیکر مذہبیات تک ہر جگہ آپ نے اسی معتدل برتاؤ کا مظاہرہ فرمایا۔سخت کلامی، انتہا پسندی، کہیں اور کبھی دیکھنے کو نہ ملی۔ ہر جگہ متانت، وقار، اعلیٰ ظرفی، سیر چشمی اعتدال اور نرم برتاؤ کا مشاہدہ ہوا۔ملک العلماء میں یہ متانت، اعتدال، موقع شناسی، فہم وتدبر اور مشکل حالات سے مقابلہ کی خداداد صلاحیت نہ ہوتی، تو وہ برٹش گورنمنٹ اور کانگریسی حکومت کی نگرانی میں ایک سرکاری درسگاہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں کامیابی کے ساتھ اپنی زندگی کے دس پندرہ سال نہ گذار پاتے، جبکہ ان کے رفقاء میں تین ندوۃ العلماء کے اور تین مدرسہ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ان کے عہد کے دونوں پرنسپل مولوی محمود حسن دیوبندی (جو شیخ الہند کے لقب مشہور ہے) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔مدرسے کے کچھ اساتذہ غیر مقلدین میں تھے۔ان سبھوں کی موجودگی میں ملک العلماء اس سرکاری مدرسے میں مدرس پھر سینئر استاذ اور آخر میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے اور ہزاروں طلباء کو اپنے فیوض سے مستفیض کیا۔میں نے حضرت کی زیارت تو نہیں کی، البتہ دیکھنے والوں سے یہی سنا، ہاں آپ کی تحریریں دیکھی ہیں۔سنا ہے کہ تحریر میں کہیں نہ کہیں مصنف کے اندرونی جذبات جھلک ہی جاتے ہیں، اسی لئے تحریروں کو مصنف کا آئینہ کہا جاتا ہے۔اگر اس تناظر میں کوئی دیکھنا چاہے، تو آج بھی ہر کوئی آپ کے فکری اعتدال اور جذباتی میانہ روی کو محسوس کرسکتا ہے۔کچھ شواہد تنقید کے عنوان سے میں نے فتاویٰ کے تعارف میں پیش کردئے ہیں۔

البتہ آپ کی اعتدال پسندی میں مسکنت نہیں تھی، آپ کی فکر عالی، حوصلے بلند تھے۔آپ کہا کرتے تھے: خاک از تودۂ کلاں بردار۔مٹی جیسی بے قدر چیز بھی لینی ہو، تو بڑے ڈھیر سے لیا کرو۔خود آپ نے اپنے صاحبزادے مختار الدین احمد کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔مسلم یونیورسٹی جہاں مولانا سید سلیمان اشرف اور مولانا راغب بدایونی رہے ہیں، آپ کا ہی انتخاب کردہ ادارہ تھا جہاں آپ نے اپنے لخت جگر کی تعلیم کا بندوبست فرمایا۔وہ انہیں جامعہ ازہر بھی بھیجنا چاہتے تھے اور اس دور کے شیخ الازہر مصطفیٰ مراغی سے مراسلت بھی ہوچکی تھی۔لیکن دوسری جنگ عظیم شروع ہوجانے کی وجہ سے مصر

جانے کا ارادہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ان کے صاحبزادے نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بھی تکمیل کی۔ انہوں نے ہندوستان کے بہترین درسگاہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں آٹھ سال تعلیم پاکر عربی میں ایم۔اے۔اور۔پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں لیں تو تین سالہ یورپ میں رہ کر دنیا کے شہرۂ آفاق درسگاہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے عربی واسلامیات میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ علیگڑھ میں ان کی علمی تحقیقات کے نگراں علامہ عبدالعزیز میمنی جیسا متبحر عالم ومحقق تھا تو آکسفورڈ نے ان کے استاذ اور نگران کار یورپ کے مشہور مستشرق پروفیسر سرہملٹن گب تھے جو یورپ اور عالم اسلام میں اپنے علمی کاموں کی وجہ سے بے حد شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب علیگڑھ کے شعبۂ عربی واسلامیات میں لکچرر، پھرریڈر اور بعد کو پروفیسر اور اپنے استاد علامہ میمن کی جگہ پر صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ وہ ادارۂ علوم اسلامیہ کے ڈائریکٹر، فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین، مسلم یونیورسٹی ایکزیکیوکونسل کے ممبر، مسلم یونیورسٹی کورٹ رکن بھی مقرر ہوئے۔ کو برسوں جامعہ اردو کے پرووائس چانسلر رہے۔ ۱۹۷۰ء میں وہ مولانا مظہرالحق عربی وفارسی یونیورسٹی پٹنہ کے پہلے وائس چانسلر مقرر کیے گئے۔ مسلم یونیورسٹی سے وظیفہ یابی کے علیگڑھ ہی میں مقیم ہیں اور ضعف اور کبرسنی کے باوجود اپنے ذاتی وسیع کتب خانہ میں بیٹھے علمی وادبی کاموں میں مشغول ہیں۔

خیر خواہی اور غم گساری:

نرم نرم طبیعت کے مالک ملک العلماء ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے حتیٰ کہ مخالف کو بھی اذیت پہنچانے سے باز رہتے اور اس کی ایذا رسانیوں اور عفوودرگذر سے کام لیتے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی ملازمت کے دوران کئی ندوی اور دیوبندی سے ان کا سابقہ پڑا۔ ملک العلماء کی ان سے خوب [illegible] بچھائے اور ہر پہلو کے عہدے سے عداوت کی [illegible] رکھا۔ حضرت نے ان تمام مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کو بڑے تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور ہر ایک کے ساتھ رواداری اور اخلاق سے پیش آتے رہے لیکن رواداری اور صلح کلی کے ہم معنی نہیں [illegible] نے کبھی مداہنت نہیں کی۔ بوقت ضرورت مخالفت بھی کی اور ان کے رد میں کتابیں بھی لکھیں۔ ندوۃ العلماء کے رد میں ایک رسالہ کے دوران ملازمت ہی تصنیف فرمایا۔ معقولیت سے [illegible] عمل ہے کہ بوقت ضرورت ہی تردید کا انداز اپنایا جائے۔ ملک العلماء اور دیگر اکابر اہلسنت نے یہی معقول روش اختیار فرمائی۔

آپ کی غم گساری کا یہ پہلو بھی خاصا پرکشش ہے کہ آپ اپنے ذاتی رسوخ سے کام لیکر ضرورت مند احباب کے لئے ملازمت کی حتی الامکان کوشش کرتے رہتے۔ سید وصی احمد صاحب کے مکاتیب سے جو اسی کتاب میں درج ہیں، اس کی تائید ہو [illegible] جاسکتی ہے۔

شفقت ومحبت:

رحم دلی اور شفقت ملک العلماء کی بنیادی خوبیاں تھیں۔ عام طور سے علمی جلال کی ہیبت چہرۂ مبارکہ پر طاری رہتی لیکن طلباء کے ساتھ بے حد کریمانہ انداز سے پیش آتے۔ خصوصاً محنتی اور ذہین طالب علم کو بہت نوازتے۔ ان فکری دلچسپی، ذہنی تربیت کا ہر ممکن سامان کرتے۔ ان کے اخیر دور حیات کے چہیتے شاگرد مولانا شہاب الدین اشرفی اپنے استاذ کی شفقتوں کی میٹھی یادیں آج بھی دل میں لئے بیٹھے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ "اگر شہر سے کوئی آدمی طلباء کو دعوت دینے آتا تو حضرت ملک العلماء اسے بلاتے اور پوچھتے کہ تانگہ یا رکشہ کرایہ پر لائے ہو؟ اگر نہ لائے تو کرایہ پر

لے لو۔ میرے طلبہ بغیر سواری کے دعوت میں نہ جائیں گے۔ مزید کچھ اور واقعات شفقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

طلبہ کو جہاں غلطیوں پر ڈانٹتے تھے، وہیں بے پناہ شفقت بھی فرماتے تھے۔ طلبہ کی اخلاقیات پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ جو طلبہ حضرت ملک العلماء سے قریب تھے، ان کی خدمت میں رہتے تھے، آج ان میں جو بھی حیات سے ہیں وہ اپنی جگہ حسن اخلاق کے پیکر ہیں۔ ادب و تہذیب سے کما حقہٗ آراستہ ہیں۔ مدرسین اور طلبہ کے کھانے پینے کا انتظام مطبخ سے تھا۔ کبھی ترکاری میں نمک زیادہ ہو جاتا تو باورچی کو بلاتے اور ڈانٹتے ہوئے فرماتے ''مولوی یوں ہی غریب ہوتا ہے۔ نمک زیادہ کھلاکر مزید غریب کرنا چاہتا ہے'' باورچی محی الدین کو اچھا کھانا پکانے کی ہدایت فرماتے۔ وہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ آپ نے اسے قرآن کریم کے کئی پارے تک تھوڑے وقت نکال کر پڑھایا۔ جہاں وہ پڑھنے میں غلطی کرتا آپ فرماتے ''میں پڑھتا ہوں لالٹین اور تو پڑھتا ہے سیلچی''، مختصر یہ کہ مدرسین، طلبہ اور ملازمین سب آپ کی محبت و شفقت سے بے پناہ متأثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی سب کے سب حضرت ملک العلماء کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ان کی شفقت و محبت اور انداز تربیت کا تذکرہ کرکے تسلی حاصل کرتے ہیں''۔ (جہان رضا، ص:۲۴)

ادب و تواضع:

اکابر اور مشائخ کے حضور ملک العلماء بہت مؤدب رہتے۔ تاج العلماء اور سید العلماء کے مکاتیب سے حضرت کا یہ وصف خوب آشکار ہے۔ سبھی سلاسل طریقت کا احترام آپ کو ملحوظ رہتا، اس لئے قادری، چشتی، سہروردی، اور نقشبندی بزرگوں کے فیوض سے بھی سرفراز رہے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کے تو آپ مرید و مرشد ہی تھے لیکن چشتی، اشرفی، صابری، شاکری، مجیدی، ایوبی سلاسل میں بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی۔ تواضع کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ خود کو دوسروں سے کمتر سمجھتے۔ اکابر میں اکابر ٹھہرے، اصاغر کے ساتھ بھی احترام و خلوص کا معاملہ رکھتے۔ انہیں آپ سے مخاطب کرتے ان سے بھی سلام میں پہل کرتے۔ خود پسندی تو آپ کو چھو کر نہ گذری تھی۔ صرف اپنا چراغ جلانا کبھی مطمح نظر نہ رہا بلکہ احباب کے لئے خصوصی محفلوں میں نشستیں مخصوص رکھتے۔ ایک زمانہ تھا کہ رجبی شریف کی محفلوں میں تسلسل کے ساتھ کئی سال تک آپ ذکر معراج فرماتے رہے۔ ان میں سے بعض تقریریں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ اس اجلاس کے لئے آپ نے شرط قرار دی تھی کہ اکابر اہلسنت میں سے کسی ایک کو ضرور مدعو کیا جائے۔ پروفیسر مختار الدین احمد کا بیان دیکھئے:

''ملک العلماء نے شاہ حمید الدین مرحوم و مغفور کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ میں ضرور تقریر کروں گا بشرطیکہ ہر سال ہندوستان کے مشاہیر سنی علماء میں کسی ایک کو ضرور مدعو کیا جائے چنانچہ پہلے سال ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ سجادہ نشین خانقاہ پنڈ ضلع مونگیر، دوسرے سال مولانا مشتاق احمد کانپوری استاذ مدرسۂ عالیہ کلکتہ (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۳ء) تیسرے سال مولانا عبد الواحد بدایونی، چوتھے سال مولانا سید شاہ محمد صاحب محدث کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) پانچویں سال مولانا عبد الحامد قادری بدایونی (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) چھٹے سال مولانا عبد المجید آنولوی بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) تلمیذ رشید تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۹ھ) ساتویں سال مولانا سید وصی احمد سہسرامی صدر مدرس جامعہ نعیمیہ مراد آباد، آٹھویں سال صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین اشرفی مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) اور دسویں سال مولانا قاضی

اسلام مجتبیٰ اشرفی بہرائچ مدعو کئے گئے اور انہوں نے اپنے مواعظ حسنہ سے حاضرین جلسہ کو فیضیاب کیا۔ جلسہ یازدہم اور بعد کے جلسوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی لیکن ان جلسوں میں کئی بار ملک الاساتذہ استاذ العلماء مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ بھی تشریف لائے تھے۔ (سیرت ملک العلماء ص ۲۱۔۲۲)

اپنی حسن ادب، تواضع، کشادہ قلبی اور ظرف کی وسعت کا اثر تھا کہ احباب و اکابر بھی ملک العلماء کے لئے اپنے دل میں جگہ رکھتے تھے اور عوام و خواص دونوں حلقے میں آپ کو خداداد مقبولیت حاصل تھی۔

فہمی مزاجی:

ملک العلماء بڑے تدبیروں کے آدمی تھے۔ وہ مسائل کو بڑی حاضر دماغی اور ذہنی قوتوں کے سہارے چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔ اس ذیل میں ان کے شاگرد مولانا غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب کی دو روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔

☆ملک العلماء کے رشتے کے ماموں جبریہ فرقے کے حامی تھے۔ رمضان کے مہینے میں دونوں ایک شخص کی دعوت میں اکٹھا ہوئے۔ رات میں دونوں صاحبان کا قیام ایک ہی کمرے میں ہونے جانے کا موقع تھا۔ اتفاق سے جبریہ ماموں کو استنجے کی حاجت ہوئی۔ جب وہ کمرے سے باہر گئے تو ملک العلماء نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ وہ فارغ ہو کر واپس آئے اور دروازہ بند پاکر اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ ملک العلماء بہت دیر تک ان سنی کرتے رہے تو انہوں نے ڈپٹ کر کہا دروازہ کھولو باہر ٹھنڈک ہے۔ ملک العلماء نے جواب دیا میں ایک مجبور محض انسان، بھلا دروازہ کیسے کھول سکتا ہوں۔ جب تک اللہ کی مرضی نہیں ہے کہ دروازہ کھولوں۔ جب اللہ کی مشیت ہوگی تو دروازہ کھول دوں گا۔ غرض انہیں بہت دیر تک باہر رکھا، جب وہ منت سماجت پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پتھر کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا بلکہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت عامہ سے کچھ اختیار بھی دیا ہے۔ میں اپنے جبری عقیدے سے توبہ کرتا ہوں۔ ملک العلماء نے جب انہیں ہدایت کے راستے کی جانب لوٹتے ہوئے دیکھا تو دروازہ کھول دیا۔

☆پٹنہ کے مضافات میں ایک شخص اتحاد الوجود کا قائل تھا۔ وہ ہر ایک کو خدا کہا کرتا۔ ملک العلماء نے منظم پلان کے تحت ایک مجسٹریٹ دوست کو ساتھ لیا اور اس کے گھر پہنچے اس نے ہر ایک کو خدا کہتے ہوئے مخاطب کیا: کہئے خدا کیسے آنا ہوا خدا! وغیرہ مجسٹریٹ نے اسے ڈنڈے سے پیٹنا شروع کر دیا۔ اس نے کہا ارے! یہ کیا؟ ملک العلماء نے فرمایا: یہ تمہارے خدا ہیں، تمہیں پیٹ رہے ہیں۔ تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا: تم نے مجھے خدا کہا مجھ پر اعتراض کروگے یا فرار ہوگے تو کافر ہو جاؤ گے۔ جب پٹ پٹا کر ہوش میں آیا بہت شرمندہ ہوا پھر اپنی گندی سوچ سے توبہ کر لی۔ (ماہنامہ اعلیحضرت، صد سالہ نمبر آخری قسط ۲۰۰۴ء ص: ۱۷۸)

بذلہ سنجی:

ملک العلماء علمی اور تحقیقی مصروفیات رکھنے کے باوجود ایک مجلسی انسان تھے کسی انسان کو پرکھنے کے لئے اس کے احباب معیار ہوتے ہیں۔ حضرت ملک العلماء کا وسیع دائرۂ احباب ان سے بے تکلف رابطے آپ کی خوشگوار طبیعت کے شاہد ہیں۔ میں نے حضرت کے نام آئے خطوط کی فائل دیکھی، تو اس میں کئی ایک حضرات کے خطوط بہت بے تکلف اور پرلطف مزاحیہ انداز کے ملے۔ ان میں نوری گدا مولانا امجد رضا خاں نوری، پیارے علی

بریلوی، مارہرہ مطہرہ کے ایک بزرگ جو بڑی سرکار سے غیر متعلق تھے، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ البتہ عام طور سے حضرت ملک العلماء خود کو لئے دئے رہتے۔ حلم، متانت، وقار کا بارعب پیکر ہوتے، لیکن بے تکلف احباب کی معیت میں خوب کھیلتے اور محفل زعفران زار بن جاتی۔

فتویٰ نویسی ایک خشک موضوع ہے۔ جس میں سیدھے سادے انداز میں حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے، یا کسی بے راہ روی کی جم کر خبر لی جاتی ہے۔ لیکن ایسے موضوع میں بھی حضرت کی ظریفانہ طبیعت خوشگواریاں بکھیرتی ہے۔ ایک صاحب کی خبر لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مگر آپ جیسے عالی دماغ، روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ 'فیہ مافیہ' کا مطلب بجز اس میں وہ ہے، جو اس میں ہے کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں، تو ضرور 'فتدبر' دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے۔ الخ......

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا لکھا سمجھ سکتا ہے، کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ''اگر چہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں۔ الخ۔ (فتاویٰ ملک العلماء ص: ۴۶۰، ۴۶۲)

ان جملوں میں ''فیہ مافیہ'' اور'' آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا'' سے جو ظرافت کی فضا پیدا کی گئی ہے وہ ہر صاحب علم پر روشن ہے۔ آپ کے مارہروی دوست کا مکتوب بھی'' ملک العلماء کے چند احباب'' میں شامل ہے۔ اس کا ابتدائیہ بہت بے تکلفانہ ہے:

''گدا فراموش، نامہربان، مہربان مولانا معظم ہدیۂ سلام مسنون دعا سلامی خان وانجان! یہ ناکارہ فقیر مارہرہ، خدا جانے آپ کے فیض کرم سے باوجود شوق دیدار کیوں محروم ہے۔ واللہ کس طرح کا فلسفہ ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ نہ یہ بھید کھلتا ہے، کون مرد غیب پیدا ہو جو طلسم توڑے۔ آخر آپ کے عدم کرم بخشنے کی وجہ موجہ کیا ہے؟''

ایسا طرز تخاطب صرف اس سے روا ہوتا ہے جو خود بھی بے تکلفی سے پیش آتا ہو۔

وصال:

تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۹ر جمادی الاوخری ۱۳۸۲ھ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اتوار کا دن گذار کر پیر کی رات میں وقت متعین آپہنچا اور آپ نہایت سکون کے ساتھ اسم جلالت اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ واعطاہ رتبۃ علیانی جنۃ عالیہ۔ پیر کے دن فردوسی، شطاری سلسلے کے بزرگ حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (م ۱۹۶۷ء) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جو آپ کے مذکورہ سلاسل میں مرشد اجازت بھی تھے۔ درگاہ شاہ ارزاں (م ۱۰۲۸ھ) کے جوار میں محلہ شاہ گنج کے قبرستان میں اس گنجینۂ سعادت کو سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے تربت پر رحمت ورضوان کے پھول برسائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

☆☆☆

> **''ملک العلماء بڑے تدبیروں کے آدمی تھے۔ وہ مسائل کو اپنی حاضر دماغی اور ذہنی قوتوں کے سہارے چٹکیوں میں حل کردیتے تھے۔''** (مفتی ارشاد ساحل سہسرامی)

منظر اسلام کا پہلا طالب علم

از قلم: استاذ العلماء شیخ الحدیث مفتی عبدالقیوم ہزاروی، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان

فاضل شہیر ادیب لبیب پروفیسر مختار الدین احمد آرزو نے صحیح البہاری کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق ۷؍ مارچ ۱۲۲۹ء میں مصنف اور کتاب کا تعارف قلم بند فرمایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ تعارفی مقالہ جو ۴۳؍ صفحات پر مشتمل ہے، جو دوسرے ایڈیشن میں کتاب کی ابتداء میں شامل اشاعت ہے، جو مستند اور جامع بھی ہے۔ اگر چہ وہ تحریر مختصر ہے، مگر دلالۃً مبسوط ہے، جس کے متعلق انہوں نے خود فرمایا:

"یہ چند صفحات مصنف علامہ ملک العلماء فاضل بہار پر جن میں صرف انکی زندگی اور تصانیف پر گفتگو کی گئی ہے، ارتجالاً لکھ دیئے گئے، یہ اوراق انشاء اللہ ایک مکمل سوانح عمری کے لئے جس کی ترتیب و اشاعت کی ضرورت ہے، پیش خیمہ ثابت ہوں گے"۔

(مختار الدین احمد)

پروفیسر آرزو صاحب مدظلہ کے بیان سے ماخوذ ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا خلاصہ درج ذیل ہے ملک العلماء کو دار العلوم منظر اسلام کا پہلا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہے۔

نام: (علامہ مولانا مولوی) ظفر الدین

کنیت: ابو المختار

لقب: ملک العلماء بہاری قادری رضوی

ولدیت: عبد الرزاق اشرفی

ولادت: ۱۰؍ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ

وفات: ۱۱؍ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ

مشہور اساتذہ:

اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی...... مولانا وصی احمد سورتی...... مولانا احمد حسن کانپوری...... مولانا بشیر احمد علی گڑھی...... مولانا حامد حسن رامپوری...... مولانا کبیر الدین...... مولانا ابراہیم...... مولانا عبد اللطیف...... مولانا محی الدین اشرف...... مولانا بدر الدین اشرف...... مولانا مہدی حسن...... مولانا اسماعیل بہاری...... قاضی عبد الرزاق...... مولانا فخر الدین...... مولانا منعم...... مولانا اکرام الحق...... مولانا معین اظہر...... مولانا عبد اللہ کانپوری۔

مدارس جہاں تعلیم حاصل کی:

گھر، مدرسہ غوثیہ حنفیہ بین پٹنہ، مدرسہ حنفیہ پٹنہ، دار العلوم کانپور، امداد العلوم کانپور، احسن المدارس کانپور، دار الحدیث پیلی بھیت، مصباح التہذیب بانس بریلی، منظر اسلام بریلی شریف۔

مدارس جہاں تدریس فرمائی:

منظر اسلام بریلی شریف...... دار العلوم جامع مسجد شملہ...... مدرسہ حنفیہ آراء ضلع شاہ آباد...... شمس الہدیٰ پٹنہ...... جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار ضلع پورنیہ...... مدرسہ ظفر منزل پٹنہ...... جبکہ

جامعہ لطیفیہ لاہور کے لئے تقرری ہوئی مگر بریلی شریف سے شملہ کے لئے اچانک منتقل ہونا پڑا۔

جن مدارس کے قیام میں سعی فرمائی:

اعلیٰ حضرت کے ہاں حاضری کے بعد دار العلوم منظر اسلام کے قیام کے لئے مولانا حامد رضا خاں، مولانا حسن رضا خاں کے اشتراک سے اعلیٰ حضرت سے منظوری لی۔ اور خود اور ایک ساتھی سید عبداللہ عظیم آبادی سمیت پہلے طالب علم بنے، جامع مسجد شملہ میں مدرسہ قائم فرما کر تدریس کی زندگی کے آخری دور میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار میں دو سال تدریس کے بعد، اور کچھ پہلے اپنے گھر پٹنہ میں ظفر منزل کو مدرسہ کی صورت دی۔

بعض شریک درس حضرات:

مولانا عبدالرشید عظیم آبادی...... مولانا غلام مصطفیٰ...... مولانا محمد ابراہیم روگانوی...... سید غلام محمد بہاری...... سید عبدالرحمٰن بتھوی...... مولانا محمد اسماعیل بہاری...... مولانا نذیر الحق رمضان پوری...... وغیرہم۔

چند مشہور تلامذہ:

مولانا احسن الہدیٰ، مولانا قمر الہدیٰ، مولانا سید فرید الحق، مولانا سید عاشق حسین فاضل شمسی، مولانا عمیم الدین، مولانا ظہور نعیمی، مولانا حافظ عبدالرؤف صدر مدرس بریلی، مولانا نظام الدین بلیاوی، مولانا محمد یحییٰ بلیاوی۔

چند مشہور معاصرین:

مولانا حامد رضا خاں ...... مولانا حسن رضا خاں ...... مولانا مصطفیٰ رضا خاں...... مولانا محدث کچھوچھوی...... مولانا نعیم الدین مرادآبادی...... مولانا امجد علی صدر الشریعہ...... مولانا عبد السلام جبل پوری...... مولانا احمد اشرف...... مولانا دیدار علی ...... مولانا احمد مختار...... مولانا عبدالعلیم میرٹھی...... مولانا رحیم بخش...... مولانا لعل خان ...... مولانا عبدالاحد...... مولانا برہان الحق ...... مولانا عبدالباقی...... مولانا شفیع احمد...... مولانا حسنین رضا خان۔

تصانیف :

تصنیف	سن
شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ	۱۳۲۴ھ
خیر السلوک فی نسب الملوک	۱۳۳۳ھ
بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام	۱۳۳۵ھ
مؤذن الاوقات	۱۳۳۵ھ
تنویر السراج فی ذکر المعراج	۱۳۵۴ھ
نافع البشر فی فتاویٰ ظفر	۱۳۶۹ھ
حیات اعلیٰ حضرت	۱۳۲۷ھ
اجمل المعد لتالیف المجدد	۱۳۳۰ھ
الیواقیت والجواہر فی علم التوقیت	۱۳۳۰ھ
جواہر البیان	۱۳۳۳ھ
عافیہ (صرف)	۱۳۳۵ھ
چودھویں صدی کے مجدد	۱۳۶۷ھ
الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری	۱۳۴۵ھ

اجمالی تعارف کے بعد مناسب تھا، کہ ملک العلماء علیہ الرحمۃ کے متعلق کچھ تفصیلی تعارف قارئین کی نذر کیا جاتا، لیکن پروفیسر آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالہ میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شخصی اور نجی معلومات، دین وملت کے لئے ان کے پرخلوص جذبات، احقاق حق و ابطال باطل میں مجاہدانہ مصروفیات، علوم وفنون کی کثرت و بہتات، تدریس و تالیف میں کثیر باقیات، زہد وتقویٰ پر دال قابل اعتبار واقعات اور ان کو آغوش تربیت میں رکھنے والی یکتا شخصیات کو جامع انداز میں بیان کر دیا ہے اگرچہ ملک

العلماء علیہ الرحمہ کی ظاہری اور باطنی عظمت کے اظہار میں پروفیسر صاحب کا اتنا ذکر کر دینا کافی تھا۔

جس ذات گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علمی فیض حاصل کئے وہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ تھے۔ جن کی صحبت بابرکت میں برسہا برس رہے۔ یہاں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفتاج الدین لاہور کے نام ایک مکتوب کو بیان کر دینا مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کا جامع بیان ہوگا۔

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین قادری فقیر کے ہاں اعز طلباء سے ہیں، اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتاب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی، اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معاون ہیں، میں اتنا ضرور کہوں گا، کہ سنی خالص مخلص، صحیح العقیدہ ہادی مہدی، عام درسیات میں عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ کر سکتے ہیں علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ''۔

اور پھر اعلیٰ حضرت نے مصنف کے نام ایک مکتوب میں یوں فرمایا:

''آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے ثبات علی السنۃ ہے اب کون زائد ہے کسی پر نعمت بیشتر ہے آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نعز''۔

اور کبھی یوں اظہار تعلق فرمایا

''حبیبی ولدی قرۃ عینی''

اور کبھی یوں خطاب فرمایا:

''ولدی الاعزہ، حامی سنت، ماحی فتن، جان پدر بلکہ از جان بہتر''۔

کلام الامام کے اس امام الکلام نے ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے متعلق ہمہ پہلو با کمال بلکہ انتہائی با کمال اور جامع بے مثال ہونے کی شہادت دے دی تو امام اہل سنت مجدد ملت رہبر شریعت و طریقت، مخزن علوم و حکمت، مظہر عجائبات قدرت کی اس جامع توصیف کے بعد کسی دوسرے کی کیا ہمت ہے کہ وہ ملک العلماء کی توصیف و تعریف کا دعویٰ کرے ہاں ''اما بنعمۃ ربک فحدث '' کے تحت اس نعمت الٰہی کی مدح ہر ممنون پر لازم ہے کہ یہ شکر الٰہی ہے، نفس نعمت کا ذکر اور اس کی مدح بھی منعم کا شکر ہے۔

☆☆☆

''اعلیٰ حضرت کے ہاں حاضری کے بعد دار العلوم منظر اسلام کے قیام کے لئے مولانا حامد رضا خاں، مولانا حسن رضا خاں کے اشتراک سے اعلیٰ حضرت سے منظوری لی۔ اور خود اور ایک ساتھی سید عبد اللہ عظیم آبادی سمیت پہلے طالب علم بنے، جامع مسجد شملہ میں مدرسہ قائم فرما کر تدریس کی زندگی کے آخری دور میں جامعہ لطیفیہ کٹیھار میں دو سال تدریس کے بعد، اور کچھ پہلے اپنے گھر پٹنہ میں ظفر منزل کو مدرسہ کی صورت دی۔'' (مفتی عبد القیوم ہزاروی صاحب)

منظر اسلام کی اولین فصل بہار

از قلم: ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی، ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں۔ آپ اس ذات گرامی عالم لاثانی کے شاگرد رشید اور خلیفہ نامدار ہیں، جن کو دنیائے اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے نزدیک "ملک العلماء" کا کیا مقام اور مرتبہ تھا اور ان سے انہیں کس قدر پیار، لگاؤ، محبت الفت تھی اس کا اندازہ ذیل کے جملوں سے لگا سکتے ہیں:

"مکرمی مولانا مولوی مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعز طلباء سے ہیں، اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی۔ اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آتی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔" (حیات ملک العلماء، مطبوعہ لاہور ص ۸:۷)

مذکورہ خط میں اعلیٰحضرت نے اپنے تلمیذ ارشد حضرت ملک العلماء کی شخصیت، صلاحیت کا پورا جائزہ اور ان کی حیات وخدمات کا مکمل آئینہ پیش کر دیا ہے۔ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کہاوت جو مشہور ہے، وہ اس خط سے عیاں ہیں۔ جن کو امام اہلسنت مجدد دین وملت اپنے قلم سے سنی خالص مخلص ہادی مہدی، مفتی، مصنف، واعظ، مناظر کہیں اور علماء زمانہ میں علم توقیت میں انہیں تنہا اور منفرد کہیں ان کی صلاحیت، علمی لیاقت، کا اندازہ ہم اور آپ کیا لگا سکتے ہیں۔ ہاں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں، کہ آپ کو "ملک العلماء" کا خطاب اس عالی مرتبت شخصیت نے دیا ہے، کہ جن کو دنیا "اعلیٰحضرت" کہتی ہے اور مانتی بھی ہے، جن کی حق گوئی وبے باکی اور کمالات علمی کا چرچا آج پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت بھی ہے کہ انہوں نے اپنی حیات میں کسی کی بے جا اور مبالغہ آمیز تعریف نہیں کی۔ نواب نانپارہ کیلئے جب قصیدے کی فرمائش کی گئی تو اعلیٰحضرت نے اس کا ایسا جواب دیا تھا کہ آج بھی وہ شعر تاریخ کے صفحات میں آپ کی حق گوئی اور بے باکی کا آئینہ دار ہے۔

> کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
> میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

(حدائق بخشش مطبوعہ بریلی ص ۱۵)

اسی سے اندازہ لگایئے، کہ جو شخص اتنا محتاط ہو اور فرمائش

کے باوجود تعریف وتوصیف کے الفاظ سے احتراز کرتا ہو۔ مگر اپنے شاگرد کو ہر قسم کے القابات سے نوازتا ہوا ساتھ ہی ساتھ اپنی تصنیف ''رسالہ الاستمداد'' جو تین سو ساٹھ اردو اشعار کا قصیدہ ہے، اس میں ملک العلماء کیلئے مندرجہ ذیل شعر تحریر فرماتا ہو۔

میرے ظفر کو اپنے ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ایسے شخص کی عبقریت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ بہر کیف یہ تو استاد شاگرد کی بات تھی۔ لیکن اب اس وقت کے ممتاز عالم دین مفتی شرع متین کی نظر میں ''ملک العلماء'' کا تبحر علمی ملاحظہ فرمائیں، فاضل بہار کی شخصیت اور علمی لیاقت بالخصوص علم ہیئت پر مکمل دسترس کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت مفتی مظہر اللہ نقشبندی علیہ الرحمہ شاہی امام مسجد جامع فتحپوری دہلوی رقمطراز ہیں:

''آپ کو یہ فتاویٰ مولانا محمد ظفر الدین صاحب بہاری دامت برکاتہم کی خدمت میں ارسال کرنے چاہئے تھے۔ وہ دیوبندی فتویٰ کو ملاحظہ کر کے بڑے خوش ہوتے اور تعجب تھا کہ ان کی صفت وثناء میں کوئی رسالہ بھی تحریر فرمادیتے کہ میری نظر میں آج ہند میں اس فن میں ان کا کوئی ثانی نہیں'' (فتاویٰ مظہری مطبوعہ کراچی ۸۶)

مذکورہ فتویٰ پر حاشیہ نگاری کرتے ہوئے ماہر رضویات جناب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب پاکستان لکھتے ہیں:

''سمت قبلہ کیلئے قدر انحراف کے سلسلے میں ایک فتویٰ دیوبند کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ جس کا جواب مولوی بشیر احمد (مدرس مدرسہ دیوبند) نے لکھا تھا اور اس پر مولوی سید مہدی حسن (مفتی دارالعلوم دیوبند) مولوی محمد جمیل الرحمن (نائب مفتی) مولوی مسعود احمد وغیرہ کی تصدیقات تھیں۔ یہ جواب ۷/جنوری ۱۹۰۹ء کو لکھا گیا جب حضرت کے سامنے پیش کیا تو حضرت نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ جواب مرحمت فرمایا (حاشیہ فتاویٰ مظہری):

''مذکورہ دونوں عبارتوں سے واضح ہوگیا کہ اگرچہ لوگ اس وقت ہیئت جانتے تھے، لیکن مہارت نہیں تھی۔ اگر مہارت اور دسترس تھی، تو صرف ملک العلماء کو حاصل تھی۔ جبھی تو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ ''علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔''

مندرجہ بالا پیراگراف سے ملک العلماء کی عبقریت اور علوم وفنون میں کمال دسترس کا اندازہ قارئین کرام کو ہوگیا ہوگا۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ مثل مشہور ہے ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' زیر نظر مضمون میں ان کا مختصر سا سوانحی خاکہ پیش کر کے ان کی دینی وملی خدمات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

سوانحی خاکہ :

حضرت ملک العلماء ۲۹/اکتوبر ۱۸۸۰ء بمقام موضع رسول پور، میجرا، ضلع نالندہ صوبۂ بہار میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر ۱۳۰۷ھ میں والد ماجد نے تعلیم شروع کرادی۔ رسم بسم اللہ خوانی حضرت شاہ چاند صاحب کی مبارک زبان سے انجام پائی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد مشفق کے سایۂ عاطفت میں حاصل کی۔ پھر متوسطات کی تعلیم مدرسہ حنفیہ پٹنہ، دارالعلوم کانپور، مدرسہ امداد العلوم بانس منڈی کانپور، احسن المدارس کانپور میں حاصل کی۔ جب ان مدارس سے طلب علم کی تشنگی دور نہ ہوسکی۔ تو آپ تشنہ کاموں کی طرح آب شیریں کی تلاش میں رواں دواں افتاں وخیزاں علم وفن کے بحر بیکراں کے پاس پہونچ گئے۔

جامعہ رضویہ منظر اسلام کا قیام :

اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ ملک العلماء کے دم قدم سے منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ وہ اس طرح سے کہ جب آپ بریلی شریف اعلیٰحضرت کی خدمت بابرکت میں حصول علم کے لیے حاضر ہوئے تو اس وقت وہاں کوئی درسگاہ (مدرسہ) نہیں تھی۔ یہ آپ کے قدم میمنت لزوم کا صدقہ اور مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ اسی سال ۱۹۰۴ء میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے چند احباب کے اصرار پر مدرسہ منظر اسلام کا قیام فرمایا۔ اور اس کا افتتاح صرف دو طالب علموں سے ہوا جیسا کہ حیات ملک العلماء مطبوعہ لاہور ص۱۲ پر درج ہے۔

"مولانا ظفر الدین کے ایک دوست اور ہم وطن مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی آگئے تھے انہیں صرف دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا اور انہوں نے بہار خطوط لکھ کر مدرسے کے قیام کی اطلاع دی اور دوستوں کو بریلی بلایا۔"

گویا کہ آپ کی ذات ستودہ صفات "منظر اسلام" کے لئے خشت اول ثابت ہوئی۔

مذکورہ بالا اقتباس سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے وہیں سے اس بات کا واضح ثبوت بھی ملتا ہے کہ منظر اسلام میں روز اول سے بہار کی بہار رہی ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری و ساری ہے خدا کرے "منظر اسلام" کی بہار قائم و دائم رہے۔ آمین

ملک العلماء نے منظر اسلام میں اپنے مشفق استاد سے ان تمام علوم و فنون کو حاصل کیا جن کے وہ متلاشی تھے۔ شمس العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب قبلہ شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف نے راقم الحروف سے دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ ملک العلماء بیان کرتے تھے کہ:

"اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ جتنے علوم و فنون جانتے تھے ان تمام کو اس وقت انہوں نے صرف مجھے بتایا۔ سبقاً سبقاً مجھے پڑھایا۔"

تکمیل تعلیم کے بعد ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ میں فاضل بریلوی کی درخواست پر شیخ العالم حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہ کی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہٗ نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ اور سند تدریس واقامت مرحمت فرمائی۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اسی سال آپ کو اپنے سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور "ملک العلماء" "فاضل بہار" کا خطاب بھی عطا فرمایا۔

خدمات:

حضرت ملک العلماء کی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے جس کا احاطہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں انہوں نے اپنی پوری زندگی دین وملت اور اصلاح معاشرہ کیلئے وقف کر دی تھی۔ جب جب جہاں موقع آیا آپ نے کسی کی پرواہ کئے بغیر بلا خوف وخطر خدمت انجام دی۔ تحریر وتقریر، درس وتدریس، مناظرہ ومکالمہ، فتویٰ نویسی ومکتوب نویسی، وعظ ونصیحت، اس طرح کے مختلف عنوانات قائم کر کے ان کا تعارف کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہم ان کی تدریس وتصنیف اور مناظرہ کا اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں۔

تدریس:

حضرت ملک العلماء نے حصول تعلیم کے بعد اپنی تدریس کا آغاز مادر علمی جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی ہی سے کیا۔ چند سال آپ نے بڑے ذوق وشوق، محنت ولگن کے ساتھ اپنے شفیق استاذ کے زیر سایہ تدریس کا کام انجام دیا۔ پھر اپنے استاذ کے حکم پر بحیثیت خطیب وواعظ شملہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک سال کی مدت پوری کر کے اعلیٰحضرت ہی کے حکم پر مدرسہ حنفیہ آرا بہار حاضر ہوئے۔ تقریباً وہاں بھی آپ ایک ہی سال رہے۔ وہاں سے مستعفی ہونے کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں صدر مدرس

کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کی صلاحیت اور قابلیت کی شہرت سن کر سید شاہ فلیح الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام نے اپنے مدرسے کی صدارت کیلئے آپ سے فرمائش کی۔ ان کی دلجوئی اور خواہش کا احترام کرتے ہوئے آپ نے صدر مدرس کی حیثیت سے پانچ چھ سال کا عرصہ وہاں گزارا۔ پھر جب ۱۹۲۱ء میں سید نورالہدیٰ صاحب مرحوم نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کو حکومت بہار کے انتظام میں دے دیا۔ تو آپ اس مدرسے میں سینئر مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ اس مدرسے کے پرنسپل نامزد ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں حسب ضابطہ مدت ملازمت مکمل کر کے سبکدوشی حاصل کی۔ (ماخوذ حیات ملک العلماء)

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شاگردوں میں ایک قابل قدر ذی استعداد شاگرد جناب مولانا الحاج انعام الرحمٰن صاحب صدیقی شمسی ساکن موضع کھوپڑا پوسٹ بیلباری ضلع کٹیہار بہار سے ابھی گزشتہ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ میں راقم الحروف کی ملاقات ہوئی۔ ان سے میرا ناتا نواسہ کا رشتہ بھی ہے۔ موصوف بہت نحیف ولاغر اور ضعیف العمر بھی ہیں، فالج زدہ بھی ہیں، رب قدیر انہیں صحت وتوانائی عطا فرمائے۔ آمین

انہوں نے آپ کے اخلاق وعادات اور دوران درس افہام وتفہیم اور ملکہ تدریس کا ذکر بہت ہی حسین پیرائے میں کیا۔

پھر جب جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں تشریف رکھتے تھے وہاں کی ملاقات کا ایک حسین نقشہ انہوں نے میرے سامنے پیش کیا اور اپنی عقیدت ومحبت اور اظہار نیاز مندی کا واقعہ، جو اس وقت رونما ہوا تھا۔ اختصار کے ساتھ سنایا۔ جس سے میری معلومات میں اضافہ ہوا۔

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا قیام:

کٹیہار جس وقت ضلع نہیں بنا تھا بلکہ ضلع پورنیہ کا ایک بڑا سب ڈویژن تھا۔ اس وقت وہاں دارالعلوم لطیفی کا چراغ جل رہا تھا۔ اس کی روشنی گردونواح میں پھیل رہی تھی، علاقے کے لوگ مستفید ہو رہے تھے۔

لیکن صد حیف! کہ اس میں کچھ اساتذہ دیوبندی خیالات کے آگئے۔ ابتداءً ان کے نظریات وخیالات کا کوئی اظہار نہیں ہوا۔ مگر جب ان کے پیر جم گئے، تو آہستہ آہستہ ان سے صلح کلیت پھیلنے لگی۔ جب یہ مرض متعدی ہوگیا، تو بتدریج عقائد باطلہ کی اشاعت بھی ہونے لگی۔ علاقے میں وہابیت کی وبا عام گھروں تک دستک دینے لگی، توحید کے نام پر عظمت انبیاء وبزرگان دین کے اعراس پر کفر وشرک کے گولے داغے جانے لگے۔ غرض کہ باپ دادا کے طور طریقے اور دینی مراسم کو بدعت وحرام کہا جانے لگا۔ جس کی وجہ سے دارالعلوم کے اساتذہ میں چپقلش پیدا ہوگئی۔ اراکین میں بھی اختلاف وانتشار پیدا ہوگیا۔

انہیں حالات کے پیش نظر پیر طریقت، راز دار شریعت مجاہد سنیت حضرت علامہ مولانا سید شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں سجادہ نشین حضرت شاہ رکن الدین عشق پٹنہ نے دارالعلوم لطیفی کے مقابل جامعہ لطیفیہ بحر العلوم قائم فرمایا۔ اور داخلی انتظام آپ (ملک العلماء) کے سپرد کیا۔ ڈاکٹر پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب رقمطراز ہیں:

''شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں خلف سید شاہ حمید الدین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق (متوفی ۱۲۰۳ھ) کی استدعا پر ۲۱ر شوال ۱۳۷۱ھ کو کٹیہار ضلع پورنیہ بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا انہوں نے افتتاح فرمایا۔ اور صدر مدرس کے عہدے پر رونق بخشی۔ صرف اس بناء پر کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی خاص

آبادی کے باوجود کوئی قابل ذکر دینی مدرسہ نہ تھا۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۵)

جامعہ لطیفیہ کے قیام سے قرب وجوار کے تمام علاقوں کو فائدہ پہونچا۔ مسلک اعلیٰحضرت کی اشاعت ہوئی سنیت کو فروغ ملا۔ سیکڑوں گم گشتہ راہ صراط مستقیم پر آگئے، اور دین حق کی اشاعت پر گامزن ہوگئے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"جامعہ لطیفیہ کے قیام سے شمالی بہار کے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا۔ اور اس علاقے میں دین کو فروغ ہوا۔ سیکڑوں طلباء وہاں سے فارغ ہوکر دوردراز علاقوں میں پھیل گئے۔ بعضوں نے نئے مدارس بھی قائم کئے۔

اس لحاظ سے ملک العلماء کا پورنیہ میں نو سالہ قیام بہت مفید رہا۔ جب انہوں نے دیکھا، کہ ان کا لگایا ہوا پودا مضبوط توانا ہوکر شجر بارآور ہوگیا، تو ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے وہ ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ آکر مقیم ہوگئے۔ اور یہاں انہوں نے سلسلۂ رشد وہدایت شروع کیا۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۶،۱۵)

شاگرد:

ملک العلماء نے جتنے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، اگر ان مدارس کے طلبہ کی فہرست ترتیب دی جاتی تو ایک دفتر ہوتا۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب اس بات کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ملک العلماء سے مختلف مدارس کے جن طلباء نے علمی فیوض حاصل کئے، ان کی تعداد بتانا آسان نہیں۔ صرف مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے مستفرجین (فارغین) کی تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۶)

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست تھی۔ ان میں سے چند مخصوص کے نام درج ذیل ہیں۔

۱) شمس العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

۲) خواجہ علم وفن علامہ مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد

۳) امام النحو حضرت علامہ مولانا بلال احمد نوری صاحب سابق شیخ الحدیث جامع اشرف کچھوچھہ شریف

۴) حضرت علامہ مولانا عبد الرشید رشیدی صاحب صدر مدرس مصطفائیہ درگاہ چمنی بازار شریف پورنیہ

۵) حضرت علامہ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب طیب پوری شیخ الحدیث جامعہ لطیفیہ، بحر العلوم کٹیہار

۶) حضرت مولانا علیم الدین صاحب بھوپلا مالک علمی کتب خانہ بہادر گنج ضلع کشن گنج

۷) حضرت مولانا طیب صاحب چوپڑا پائسی، پورنیہ

۸) حضرت مولانا طاہر صاحب بتہا سعدی پور، بائسی، پورنیہ

۹) حضرت مولانا عبد القادر صاحب چکلہ چندرگاؤں، بائسی پورنیہ

۱۰) حضرت مولانا شہاب الدین صاحب ساکن بھینس بندھا کدوا کٹیہار

۱۱) حضرت مولانا مقیم الدین صاحب ساکن گورکھپور ضلع مالدہ بنگال

۱۲) حضرت مولانا عبد اللہ صاحب اچھے پور کدوا ضلع کٹیہار

۱۳) حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب اچھے پور کدوا ضلع کٹیہار

۱۴) حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اچھے پورا کدوا ضلع کٹیہار

۱۵) حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بلیہار پور کدوا کٹیہار

(بروایت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب)

تصنیفی خدمات:

ملک العلماء نے تقریباً پچپن سال تک مسلسل تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ بریلی، آرا، سہسرام، پٹنہ، کٹیہار، کے مدارس میں ہزاروں طالبان علوم کو اپنے علمی فیوض سے سیراب کیا۔ تدریس کے ساتھ آپ نے تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد ستر (۷۰) سے بھی زائد ہے۔ ایسی ایسی نادر تصنیفات ہیں کہ اگر وہ طبع ہو کر منظر عام پر آجائیں تو اہلسنت وجماعت کیلئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوں۔ خدا کرے وہ دن جلد نصیب ہو۔

کتابوں کی تعداد اور فنون کی نشاندہی کرتے ہوئے شہزادۂ گرامی وقار ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب لکھتے ہیں:

''ملک العلماء کی تالیفات وتصنیفات کی تعداد ستر سے زائد ہے۔ ۱۳۲۳ھ سے شروع ہو کر تقریباً ان کی رحلت ۱۳۸۴ھ یعنی پچاس سال تک جاری رہا۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں، لیکن زیادہ تر افادہ عام کی خاطر اردو میں لکھی گئی ہیں۔ یہ متعدد فنون اور موضوعات، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر، اور مناظرہ پر مشتمل ہیں۔ کچھ اب تک غیر مطبوعہ ہیں، اور کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۷)

مناظرہ:

ملک العلماء نے مختلف فرقوں کے حامیوں سے مناظرہ کیا۔ اور اس کیلئے دور دراز کا سفر بھی کیا۔ ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں:

'' مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کیلئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرہ کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرہ کیلئے وہ برما بھی تشریف لے گئے''۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۶)

ملک العلماء کے بہت سے مناظرے کی روداد کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ معلومات کیلئے ایک مناظرے کی مختصر روداد پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

۱۳۲۶ھ کی بات ہے کہ علاقہ میوات میں دیوبندی مولویوں نے بڑا اودھم مچایا ہوا تھا۔ میواتی حضرات کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے دیوبندی مولوی جگہ جگہ علمائے اہلسنت پر تبرا بازی کرتے اور مناظرے کا چیلنج دیتے رہتے تھے۔ ریاست الور کے اندر مولانا شاہ محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) بھی جلوہ افروز تھے۔ آپ علم وعرفان کی دولت سے مالا مال، اور اسلاف کی مقدس نشانی تھے۔ مذکورہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے، مولانا محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احمد حسین خان رام پوری علیہ الرحمہ کو بریلی شریف بھیجا، تا کہ مجدد دین وملت کسی سنی مناظر کو وہاں سے روانہ فرمائیں، جو دیوبندی مذہب کی بے دینی کا راز طشت ازبام کر دکھائے۔ چنانچہ جب وہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مدعا بیان کیا تو امام اہلسنت نے مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کو طلب کیا، اور فرمایا کہ یہ علاقہ میوات، نواح فیروز پور جھرکہ میں دیوبندی مولویوں سے جا کر مناظرہ کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ فتحیاب ہو کر لوٹو گے۔ فتح کی بشارت کے ساتھ آپ نے مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ کو مدینہ طیبہ کا ایک بیش قیمت اونی جبہ بھی مرحمت فرمایا۔ یوں تو حضرت ملک العلماء کو اعلیٰحضرت اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، لیکن اللہ والے کسی خاص موقع پر جب کسی کو

تبرکات سے نوازتے ہیں، تو وہ ایسا راز ہوتا ہے، جس کے سمجھنے سے عقل ہمیشہ قاصر رہتی ہے۔ جب ملک العلماء پہنچے تو مناظرے کے لئے کئی دیوبندی مولوی بپھرے ہوئے تھے۔ پہلے جو صاحب مناظرے کیلئے مقرر ہوئے وہ تین چار سال مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ اس لئے اپنی عربی دانی پر انہیں بڑا ناز تھا۔ جس کے باعث مصر رہے، کہ مناظرہ عربی زبان میں ہوگا ان کی ناز برداری کیلئے یہ شرط مان لی گئی۔ لیکن چند منٹ میں ان کی عربی دانی کا بھرم کھل گیا، اور مجبوراً اعلان کرنا پڑا کہ اب مناظرہ اردو میں ہوگا۔ ابتدائی سوالات پر انکی علیت کا طول وعرض بھی سب کو معلوم ہوگیا۔ کہ مہر سکوت لگ گئی، اور جواب کیلئے منہ کھولنا دشوار ہوگیا۔ ثالث اور حکم نے ان سے اور دوسرے علمائے دیوبند سے بار بار کہا، کہ جواب دیجئے، اور آئے دن جو بلبلے کی طرح ابھرتے، اور چیلنج دیتے تھے، وہ جوش دکھایئے، یہ کیسی جوانمردی ہے، کہ ابتدائی سوالات پر ہی سارے دیوبندی مولوی جھاگ کی طرح تہہ نشین ہوگئے۔ اور کوئی ایک بھی بولنے کا نام نہیں لیتا۔ متواتر تین گھنٹے جواب کا تقاضا رہا، لیکن ادھر جو مہر سکوت لگ چکی تھی۔ اس نے کسی طرح بھی ٹوٹنے کا نام نہ لیا۔ آخر ثالث وحکم نے تین گھنٹے بعد اہل سنت وجماعت کی فتح اور دیوبندی حضرات کی شکست کا اعلان کرتے ہوئے کہہ دیا، اب معاملہ صاف ہوگیا، کہ مولانا شاہ رکن الدین، مولانا ارشاد علی، مولانا ظفر الدین اور مولانا احمد حسین وغیرہ علماء حق پر ہیں، اور دیوبندی علماء کا مذہب باطل ہے ورنہ لاجواب نہ ہوتے۔

جب مولانا ظفر الدین فاضل بہار رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو مناظرے کی ساری روداد سنائی، اور یہ بھی سنایا کہ میوات کے اہلسنت کی یہ خواہش ہے، کہ اس مناظرے کی ساری کاروائی ایک رسالے کی شکل میں مرتب کی جائے، اور اس کی طباعت کے جملہ مصارف وہ لوگ خود برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں۔ مجدد برحق اس بات پر بہت خوش بھی ہوئے، اور فرمایا، اس رسالے کا تاریخی نام "یکے وہابیہ کا چپ مناظرہ" (۱۳۲۶ھ) رکھنا۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تاریخی نام "شکست سفاہت" ۱۳۲۶ھ رکھا۔ چنانچہ ساری کاروائی کو ایک رسالے کی شکل میں اکٹھا کیا گیا، اور وہ رسالہ زیور طبع سے آراستہ کر کے متحدہ ہندوستان کے ہر گوشے میں بھیجا گیا۔
(القول السدید بتمبر ۱۹۹۱ء ص ۲۰۳، ۲۰۲)

حضرت ملک العلماء چلتے پھرتے مناظرہ کرلیا کرتے تھے اور اپنے حریف کو شکست دے کر تائب ہونے پر مجبور کرتے تھے۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔ حضرت شمس العلماء مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب علیہ الرحمہ نے راقم الحروف کو بر سبیل تذکرہ سنایا، کہ ملک العلماء دوران درس طلبہ کو اس طرح کے واقعات اکثر سنایا کرتے تھے، دوران درس کے دو واقعات اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ راقم نے ان سے فرمائش کی، کہ حضور وہ واقعات سنادیں تاکہ میں قلمبند کروں۔ حضرت شمس العلماء نے ارشاد فرمایا، کہ ملک العلماء کے رشتے میں ایک ماموں جبریہ فرقے کے حامی تھے۔ حسن اتفاق کہ دونوں کا بستر ایک ہی کمرے میں لگادیا۔ دونوں آرام کرنے لگے۔ رات میں جبریہ عقیدہ رکھنے والے ماموں کو استنجا کی حاجت درپیش آئی، جھٹ پٹ بستر سے اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول کر وہ استنجا کرنے چلے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت ملک العلماء نے اندر سے دروازے کی چٹخنی بند کردی۔ جب وہ استنجا سے فارغ ہوکر واپس ہوئے تو دروازہ بند دیکھ کر دروازہ پیٹنے لگے جب دیر ہوگئی تو انہوں نے ملک العلماء کو مخاطب کر کے کہا کہ:

باہر ٹھنڈک شدید ہے، جلدی سے دروازہ کھولئے۔ حضرت ملک العلماء نے ان سنی کردی۔ جب بہت دیر ہوگئی، تو ملک العلماء نے فرمایا، کہ میں لیٹا ہوا ہوں اور مجبورِ محض ہوں کیسے اٹھ کر دروازہ کھولوں، ابھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہوا ہے، کہ میں دروازہ کھولوں، جب اللہ کی مشیت ہوگی تو کھول دونگا۔ بہت دیر تک جاڑے میں وہ ٹھٹھرتے رہے، اور دروازہ پیٹتے رہے، اور حیران وپریشان ہوگئے۔ بالآخر انہوں نے اقرار کیا، اور کہا، کہ مجھ گیا انسان مجبورِ محض نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی قدرت عطا فرمائی ہے۔ میں اب تک گمراہی میں مبتلا تھا۔ آج تمہاری اس حرکت سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔

میں تمہارے سامنے اس بدعقیدگی سے توبہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ اب آپ برائے کرم دروازہ کھول دیجئے۔ جب انہوں نے توبہ کرلی، تو حضرت ملک العلماء نے دروازہ کھول دیا۔ اسی طرح دوسرا واقعہ شمس العلماء نے سنایا، کہ پٹنہ سے قریب کسی دیہات میں ایک شخص اتحاد الوجود کا قائل تھا۔ ہر چیز کو خدا سے تعبیر کرتا تھا۔ خواہ وہ انسان ہو، یا کوئی دوسری مخلوق۔ ملک العلماء کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے اپنے ایک دوست کو جو مجسٹریٹ بھی تھے، اپنا سارا پلان بتلایا۔ اور دن تاریخ طے کر کے اچانک دونوں اس کے پاس حاضر ہوگئے۔ جب اس نے ان لوگوں کو دیکھا تو عادت کے مطابق بلا کسی جھجک کے کہنا شروع کیا۔ آیئے خدا، بیٹھئے خدا، کیسے آنا ہوا خدا، غرضیکہ اس نے ہر بات پر ان دونوں کو خدا کہہ کر مخاطب کیا یہ سننا تھا کہ مجسٹریٹ صاحب نے پلان کے مطابق اس پر ڈنڈا برسانا شروع کردیا۔ اتحاد الوجود کے قائل نے کہا کہ آپ کیا کررہے ہیں۔ مجھے بلا قصور کیوں مار رہے ہیں۔ ملک العلماء نے جواب دیا کہ آپ نے ابھی ان کو خدا کہہ کر مخاطب کیا تھا لہٰذا آپ کا خدا آپ کو مار رہا ہے۔ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا جب میں بقول تمہارے خدا ہوں، اور تم کو مار رہا ہوں، تو تم کو انکار کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر مجھ سے گریز کروگے تو کافر ہوجاؤ گے۔ مجسٹریٹ صاحب کی اس بات سے وہ بہت شرمندہ ہوا، اور اپنی بد عقیدگی سے تائب ہوا۔ سبحان اللہ

حضرت ملک العلماء کی شانِ رفیع میں یہ شعر پیش کرتے ہوئے اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

☆☆☆

ملک العلماء بیان کرتے تھے کہ:

"اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ جتنے علوم وفنون جانتے تھے ان تمام کا وارث انہوں نے صرف مجھے بنایا۔ سبقاً سبقاً مجھے پڑھایا۔" (ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی)

حیات ملک العلماء پر ایک طائرانہ نظر

ازقلم: ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی

ملک العلماء فاضل بہار حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رسول پور میجرا ضلع پٹنہ (موجودہ ضلع نالندہ) صوبہ بہار میں ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی ملک عبدالرزاق اشرفی تھا۔ جو سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی کی اولاد تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب صرف چھ واسطوں سے حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ سلسلۂ نسب جو کتب سوانح میں مذکور ہے، وہ اس طرح ہے:

"سید ابوبکر غزنوی بن سید ابوالقاسم عبداللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابوالمنصور رعبدالسلام بن سید عبدالوہاب بن شیخ محی الدین عبدالقادر حسنی حسینی الجیلانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

آپ کے مورث اعلیٰ میں سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آکر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے اور بالآخر ۱۲ ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (شاہ آباد، بہار) کی جنگ میں شہید ہو گئے۔

ولادت کے بعد خاندان کے بڑے بوڑھوں نے آپ کا نام عبدالحلیم تجویز کیا۔ تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد رکھے گئے۔ کچھ لوگوں نے ظفیر الدین کی تجویز پیش کی۔ تمام ناموں سے آپ کو پکارا گیا۔ جب آپ بریلی شریف میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ظفیر الدین پر ظفر الدین کو ترجیح دی اور پھر اسی نام سے آپ کو شہرت ملی اور دنیا نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا۔ (حیات ملک العلماء۔ مختار الدین احمد صفحہ ۱۰، لاہور ۱۹۹۳ء)

چار سال کی عمر ۱۳۰۷ھ میں آپ کے والد ماجد نے حضرت شاہ چاند بابا صاحب کے مقدس ہاتھوں بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کرائی۔ ابتدائی تعلیم خود والد ماجد نے دی۔ قرآن مقدس اور ابتدائی فارسی حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے گھر پر ہی پڑھیں۔ بروز اتوار شوال ۱۳۱۳ھ مدرسہ حنفیہ غوثیہ موضع بین میں داخل ہوئے اور شیخ محی الدین اشرف مولوی مہدی حسن سیجروی اور جناب حافظ محمد اسمٰعیل بہاری وغیرہم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ۱۳۲۰ھ میں قاضی عبدالوحید فردوسی مرحوم رئیس کرہ پٹنہ سٹی (۱۳۲۶ھ) کے قائم کردہ مدرسہ حنفیہ بخشی محلہ پٹنہ میں داخل ہوئے، جہاں آپ نے حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ) سے اکتساب فیض کیا اور جب محدث سورتی مولانا وصی احمد قدس سرہ بوجۂ علالت وہاں سے سبکدوش ہو کر پیلی بھیت تشریف لائے تو آپ اپنے رفقائے درس کے ہمراہ کان پور چلے گئے۔ وہاں حضرت مولانا احمد حسن کان پوری (۱۳۲۳ھ) اور مولانا عبیداللہ پنجابی کانپوری (م ۱۳۴۳ھ) اور دوسرے ارباب علم سے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۲۲ھ میں کانپور سے پیلی بھیت آکر اسی مدرسہ

میں داخلہ لیا۔ شیخ المحدث سورتی نے مدرسہ دارالحدیث کے نام سے قائم کیا تھا۔ ان کی خدمت میں رہ کر حدیث میں مہارت حاصل کی۔ ان دنوں امام اہل سنت اعلیحضرت احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے علم اور فضل کی شہرت شباب پر تھی۔ ذوقِ علم کشاں کشاں آپ کو بریلی لے آیا۔ امام اہل سنت کی خدمت میں حاضری دی۔ ایک ہی ملاقات میں ان کے علم وفضل کے آپ اس طرح گرویدہ ہوئے کہ انہی کی خدمت میں درسیات کی تکمیل کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا۔ مگر وہاں نہ تو کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہی دارالعلوم جہاں آپ کی خواہش کی تکمیل ہوتی۔ جب ۱۳۲۲ھ میں مدرسہ "منظرِ اسلام" کا قیام عمل میں آگیا۔ تو آپ اور آپ کے ایک ہم وطن دوست مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی اس مدرسے میں بحیثیت طالب علم داخل ہوگئے اور انہی دو طالب علم سے اس مدرسے کے تعلیمی سال کا آغاز ہوا۔ پروفیسر مختار الدین احمد درج بالا عبارت کی تائید میں لکھتے ہیں:

"۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظرِ اسلام، محلہ سوداگران، بریلی میں قائم ہوا۔ یہ تاریخی نام ہے۔ اس سے ۱۳۲۲ھ کے اعداد مستخرج ہوتے ہیں۔ مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمہ اس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔ ملک العلماء کے ایک دوست اور ہم وطن مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی آگئے تھے۔ انہی صرف دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔" (حیات ملک العلماء، صفحہ ۱۲)

درسیات کی تکمیل کے بعد ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ کی کسی تاریخ کو منعقد ہونے والے بڑے مجمع میں حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہٗ سجادہ نشین خانقاہ مندوئی شریف کے مقدس ہاتھوں دستارِ فضیلت اور سند تدریس وافتاء تفویض ہوئی اور اسی سال فاضل بریلوی امام اہل سنت اعلیحضرت فاضل بریلوی نے آپ کو اپنے سلاسلِ عالیہ یعنی سلسلۂ عالیہ قادریہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز کرکے ملک العلماء، فاضلِ بہار کے لقب سے مشرف فرمایا۔

حضرت ملک العلماء نے ۱۳۲۹ھ سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ شملہ کی جامع مسجد میں امام وخطیب کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۱۳۳۲ھ میں جب مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) قائم ہوا تو مدرس حدیث کی حیثیت سے وہاں آگئے۔ ۱۳۳۵ھ میں حضرت سید شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام کے مدرسے میں مدرس اول ہوکر آگئے اور جب شمس الہدیٰ گورنمنٹ کے زیرِ انتظام آگیا تو اس کے پرنسپل منتخب ہوئے۔ جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار میں بھی صدر مدرس کے فرائض انجام دیئے ہیں۔

حضرت ملک العلماء نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور اشاعتِ دینِ حق میں گزار دی۔ بے شمار بندگانِ خدا آپ کے علمی چشمے سے سیراب ہوئے اور اپنی علمی تشنگی بجھائی اور متعدد علوم وفنون پر کئی ایک کتابیں آپ کے نوکِ قلم سے منصۂ شہود پر آئیں۔ مولانا حسن رضا نے ماہنامہ "رفیق" کے علمائے بہار نمبر میں آپ کی ۲۷ر کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (ماہنامہ رفیق، علمائے بہار نمبر، جنوری ۱۹۸۴ء، صفحہ ۱۱۷)

لیکن آپ کے فرزندِ سعید عربی واردو کے نامور عالم راقم الحروف کے استاذِ محترم پروفیسر مختار الدین احمد نے آپ کی چھوٹی بڑی ۷۰ر کتابوں کی ایک تفصیلی فہرست دی ہے۔ جس سے آپ کی علمی عبقریت اور فنی مہارت کا اہل علم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے، کہ اس فہرست میں کتابچے اور چھوٹے چھوٹے رسائل بھی شامل ہیں لیکن ساتھ میں "صحیح البہاری" جیسی چھ مجلدات پر مشتمل اہم کتابیں بھی شامل ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف کی فہرست اس طرح ہے:

(۱) الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری

(۲) ظفر الدین الجید
(۳) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول
(۴) النبراس لدفع ظلام الناس
(۵) جواھر البیان
(۶) حیاتِ اعلیٰ حضرت
(۷) الاکسیر فی علم التکسیر
(۸) تحفۃ الاصبار
(۹) رفع خلاف من بین احناف
(۱۰) توضیح التوقیت، وغیرھا

''صحیح البہاری'' پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

حضور ملک العلماء فاضلِ بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیثِ صحیحہ جمع کرنے کا بیڑہ اُٹھایا جو مؤید مسلکِ اہلِ سُنّت و احناف ہوں اور فقۂ حنفی کا ماخذ و مصدر انہوں نے وہ تمام روایات جمع کیں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقۂ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو جس کی سند و استشہاد میں کوئی خبر اور اثر نہ پیش کی گئی ہو۔''
(حیات ملک العلماء، صفحہ ۳۸)

سلسلۂ قادریہ میں امامِ اہلِ سُنّت اعلیٰحضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور انہی سے خلافت بھی حاصل تھی۔ جب تک آپ بقید حیات رہے اسی سلسلے کی اشاعت فرمائی اور اس کا فیضان عام کیا۔ آپ کے شیخ نے ہی آپ کی گونا گوں صلاحیت کے پیش نظر آپ کو ''ملک العلماء'' کا خطاب دیا تھا۔

۱۹؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸؍ نومبر ۱۹۶۲ء شب دوشنبہ پیدۂ سحر نمودار ہونے سے پہلے ذکر جہر اللہ کرتے جان جانِ آفریں کے سپرد کرکے واصل الی اللہ ہوگئے۔ حضرت شاہ ایوب ابدالی شاہدی رشیدی اسلام پوری نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ (تذکرہ علمائے اہلِ سُنّت، صفحہ ۱۱۲)

گیارھویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں (م ۱۰۴۰ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ ''فاضلِ بہار'' مادۂ تاریخ وصال ہے۔

☆☆☆

آپ کے مورث اعلیٰ میں سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲۔۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آکر شاہی فوج میں ملازم ہوگئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے اور بالآخر ۱۲؍ ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (شاہ آباد، بہار) کی جنگ میں شہید ہوگئے۔

حضرت ملک العلماء نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور اشاعتِ دینِ حق میں گزار دی۔ بے شمار بندگانِ خدا آپ کے علمی پنگھٹ سے سیراب ہوئے اور اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ (ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم)

ملک العلماء کی مثالی شخصیت

از قلم: مفتی محمد فیض الرحمن اشرفی، شیخ الحدیث دار العلوم شیخ احمد، احمد آباد، گجرات

العلماء ورثة الانبياء :- علماء انبیاء کے وارث ہیں اسلام کی نشو ونما علماء ربانین کی تحریری، تبلیغی، تدریسی کوششوں سے ہوتی رہی ہے اور جب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، ہوتی رہے گی۔ ایک عالم سے مردہ قلوب زندہ ہوتے ہیں، روح کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ قلب ایمان وعرفان کے نور سے معمور ہوتا ہے۔ ان کی موت عالم کی موت ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے علماء کی حیات کے لئے دریا میں مچھلیاں، سوراخ میں چیونٹیاں، ہرے بھرے درخت، چرندو پرند دعا کرتے ہیں۔ ان ہی علماء عاملین میں سے حضرت ملک العلماء مولانا العلام سید محمد ظفر الدین قادری رضوی کی ذات تھی۔ آپ تمام علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی خداداد صلاحیت واستعداد میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ آپ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے۔ اعلیٰحضرت کا نام نامی اسم گرامی سن کر بڑی عقیدت غائبانہ محبت رکھتے تھے، ابتدائی تعلیم کے مرحلے سے گزر کر متوسطات و منتہیات کے لئے اعلیٰحضرت کی خدمت میں منظر الاسلام بریلی شریف تشریف لے گئے۔ ۱۲ رسال تک کمال ذوق و شوق کے ساتھ حصول علم میں مشغول رہے، آپ فرماتے تھے میں نے ۱۲ رسال تک اعلیٰحضرت کے آستانہ کی جاروب کشی کی ہے۔ اعلیٰحضرت نے عالی ظرف، لائق و ہونہار دیکھ کر سند فراغت کے ساتھ خلافت سے بھی نوازا۔ آپ کی علمی شہرت زمانۂ طالب علمی ہی سے ہو چکی تھی، اسلئے بعد فراغت اسی سال منظر اسلام میں پھر مدرسہ حنفیہ آرہ میں بحیثیت صدر مدرس مامور ہوئے۔ تھوڑے عرصے بعد مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کو علم وفن کا مرکز بنایا۔

ملک العلماء :- نزاعی مسئلہ کے سلسلہ میں مخالفین نے اعلیٰحضرت پر مقدمہ دائر کیا، لیکن اعلیٰحضرت کبھی کورٹ میں خود حاضر نہ ہوئے۔ ان کی طرف سے وکالت کے لئے حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ اور ان کے ساتھ دیگر علماء کو بھیج دیتے۔ دشمنوں نے حاکم کا کان بھر دیا کہ مولوی احمد رضا خاں مغرور آدمی ہیں، اجلاس میں حاضر ہونے کو کسر شان سمجھتے ہیں، یہ سن کر حاکم بہت برہم ہوا، اس کے متعلق حاکم کے استفسار پر حضور ملک العلماء نے اعلیٰحضرت کی عدم حاضری کی وجہ دنیا سے قطع تعلق و بے رغبتی اور گوشہ نشینی بتائی، اور اس کی فضیلت کو دلیل کی روشنی میں ایسا مدلل بیان کیا کہ حاکم کو خاموش رہنا پڑا۔ دشمن خائب و رسوا ہوا۔ آخر مقدمہ میں فتح و کامیابی ملی، گورنمنٹ کی طرف سے آپ کی ذہانت و فطانت دیکھ کر آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔ مگر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ملک العلماء کا خطاب عطا فرمایا، اس لئے آپ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ فرماتے تھے، جب سے اعلیٰحضرت نے یہ دعا دی ہے کہ:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

میں اپنے مخالف سے گفتگو کرنے میں مطلق جھجک محسوس نہیں کرتا ہوں۔ نہ مرعوب ہوتا ہوں، بلکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ مخالفین مجھے

دیکھ کر ہی مرعوب ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام اعظم ابو حنیفہ تھے۔ ایک دفعہ جب آپ کچھوچھہ مقدسہ عرس مخدومی کے موقع پر تشریف لے گئے، تو حضرت سید محمد محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے خانقاہ کے ایک کمرہ میں آپ کے قیام کا انتظام کیا۔ آپ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس دوران ایک زائر اسی کمرہ میں آکر آپ کے بستر پر دراز ہو گیا، جب آپ تشریف لائے، تو اس کو دیکھ کر فرمایا: یہ بستر میرے لئے انتظام کیا گیا ہے، اس نے ایک عام مولوی سمجھ کر تحقیرانہ انداز میں کہا کہ میں یہاں سے نہ ہٹوں گا، آپ کسی دوسرے کمرے میں چلے جائیں۔ آپ نے محدث اعظم ہند کو خبر کیا۔ جب محدث اعظم ہند اس کو مغرورانہ انداز میں دراز دیکھا تو فرمایا۔ آپ کس کی اجازت سے اس کمرے میں آئے؟ آپ کو نہیں معلوم یہ کون ہیں؟ **یہ اپنے وقت کے امام اعظم ابو حنیفہ ہیں**۔ پھر وہ معافی مانگتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

مدرسہ شمس الہدیٰ کا قیام :-

نواب سید نور الہدیٰ گاؤں گھومنے کے لئے اپنے مصاحبوں کے ساتھ ٹمٹم گاڑی پر سوار ہو کر اپنی آبادی سے باہر نکلے تو دیکھا ایک جنازہ رکھا ہوا ہے۔ حاضرین کسی کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ نواب صاحب کے پوچھنے پر ان لوگوں نے بتایا کہ اس آبادی میں کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا نہیں ہے۔ سامنے گاؤں سے کسی پڑھانے والے کو بلانے کے لئے آدمی گیا ہے۔ اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ نواب صاحب کے دل کو ایک دھچکا لگا۔ کرب محسوس کیا، ضمیر نے ملامت کیا، ہم لوگ نام کے مسلمان ہیں کہ ہم میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں ہے۔ شام کو جب گھر لوٹ کر آئے، تو ایک مدرسہ کے قیام کا منصوبہ بنایا، جہاں سے علم دین حاصل کر کے طلبہ قوم کی دینی خدمت انجام دے سکیں۔ پھر وہ ذہنی منصوبہ آپ کے والد سید شمس الہدیٰ کے نام مدرسہ کی شکل میں قیام پذیر ہوا۔

نواب صاحب کو کسی دین دار جید عالم کی بحیثیت صدر مدرس کی فکر لاحق ہوئی۔ ان مصاحبوں میں سے کسی نے حضور ملک العلماء قدس سرہ کا پتہ بتایا اور کہا کہ علم و فضل میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ کو نواب صاحب نے بلا کر جہالت و بے دینی قوم کا ماتم کرتے ہوئے حضرت کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور آپ وہاں سے منتقل ہو کر یہاں چلے آئے۔ ابھی مدرسے کے قیام کو صرف چھ ماہ ہوئے تھے۔ نواب صاحب نے مدرسے کی ساری ذمہ داری آپ کے ذمہ سونپ دی۔ ایک نصاب بنا کر تعلیم و تعلم کا کام شروع کر دیا۔ منطق و فلسفہ کے امام مولانا مقبول احمد خان دربھنگوی کو نائب صدر مدرس مقرر کیا۔ نواب صاحب کو مدرسہ کے استحکام و استقامت کی فکر دامن گیر تھی۔ اپنے ایک دوست انگریز انسپکٹر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے مدرسے کے لئے ایک بورڈ بناتا ہوں۔ جو ڈائریکٹر ایجوکیشن کے ماتحت ہوگا، آپ کے مقرر کردہ درجات کی پڑھائی کا جو بورڈ سالانہ امتحان لے گا اور کامیاب لڑکے کو حسب لیاقت ڈگری دیگا۔ مزید یہ کہ مدرسہ اور مدرسین کو بطور امداد کچھ رقم دی جائے گی۔

مگر شرط یہ ہے کہ مدرسہ کے نصاب میں ہر درجہ میں انگریزی حساب وغیرہ داخل کر دیں۔ وہ دور انگریزی تعلیم سے تنفر کا دور تھا۔ اس لئے نواب صاحب نے حضرت سے مشورہ لیا۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ دین کے ساتھ دنیاوی علم بھی طلبہ کو حاصل ہو جائے تو دنیا کمانے کے لئے دنیاوی علم بھی ضروری ہے۔ چنانچہ آج بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ مدرسہ کا اصل نصاب وہی ہے۔ آپ نے اس کا نام درس نظامیہ کے مقابلہ

درس عالیہ رکھا۔ مدت پوری کرنے کے بعد جب آپ پرنسپل ہوکر ریٹائر ہوئے، تو شاہ عبد اللطیف صاحب قدس سرہ متن گھاٹ پٹنہ کے سجادہ نشین نے آپ سے مشورہ لے کر باب الابہار کلیہار کے محلہ عملہ ٹولی میں مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور آپ بحیثیت صدر مدرس پھر درس و تدریس کے کام میں مصروف ہو گئے اور امام معقولات و منقولات استاذی علامہ مولانا سلیمان صاحب اشرفی بھاگلپوری کو نائب صدر مدرس اور معاون مدرس حضرت مولانا عبد المنان صاحب، مولانا یوسف صاحب کو تدریس کی خدمات پر مامور فرمایا۔ قیام مدرسہ کے تقریباً دو سال کے بعد فقیر راقم الحروف کو استاذی و والدی حضرت علامہ مولانا محمد اشرف الدین صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) نے ۱۹۵۴ء میں حضرت کی خدمت میں تحصیل علم و فن کے لئے سپرد کر دیا۔

۱۴ سال والد صاحب علیہ الرحمہ کے زیر سایہ رہ کر شرح وقایہ، شرح جامی، قطبی وغیرہ پڑھ کر حضرت کے نام ایک دستی خط لے کر آیا تھا جس کا ایک جملہ ہے۔

"میں حضور کی خدمت میں اپنے فرزند ارجمند عزیز محمد فیض الرحمٰن سلمہ کو بھیج رہا ہوں امید ہے کہ آپ اپنے خادموں میں اسے قبول فرمائیں گے۔"

اور واقعی حضرت نے قبول فرمایا۔ اپنے بغل والے کمرے میں جگہ دیا جس میں مولوی عبد الرشید وغیرہ اوپر درجے کے چند اور طلبہ تھے۔ حضرت اپنی شفقت و عنایت سے نوازتے رہے۔ استفتاء کے جواب کی تحقیق کتابوں سے کراتے، فتویٰ لکھنے کے بعد اپنی بیاض میں مجھ ہی سے نقل کراتے، اس طرح فتویٰ نویسی کا بھی علم حاصل ہوتا رہا۔

۷ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ برطابق ۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو فراغت حاصل کر کے شعبان ۸ مارچ کو حضرت [illegible] صاحب اشرفی بھاگلپوری جو ایک سال قبل اپنے [illegible] اشرفیہ اظہار العلوم میں درس دینے گئے تھے [illegible] ہو جب مدرسہ فرقانیہ میں طلبا کی خدمت پر [illegible] خدمت عالیہ پر فائز ہوں۔ الحمد للہ رب العالمین۔

یہاں پر حضرت کی غائبانہ مہربانی [illegible] نہ ہوگا کہ تقرری کے بعد میں نے حضرت کو یہاں کے احوال سے مطلع کرتے ہوئے لکھا تھا [illegible] روپیہ تنخواہ سناتے ہوئے کہا ہے کہ ابھی آپ نئے ہیں۔ [illegible] اکتفا کریں۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔ حضرت کے جواب [illegible] مشفقانہ اور مناظرانہ ہے۔ "تعجب ہے اراکین کی [illegible] نے یہ سوچا کہ تم نئے ہو مگر یہ نہ سوچا جو کتابیں تم پڑھاتے [illegible] ہیں، وہ تو نئی نہیں ہیں۔ وہ تو پرانی اوپر درجہ کی کتابیں ہیں" [illegible] وقت تک مدرسہ فوقانیہ تک منظور تھا۔ کافیہ سے علاوہ قدوری، مرقات، ترجمہ پارہ ۲۹، قصیدہ بردہ، بدیع المیزان [illegible] تھیں۔ اس وقت یہ مدرسہ فاضل تک منظور ہے۔

تبحر علمی: [illegible] قرآن شریف [illegible] سال تک آپ نے بیان فرمایا اور سبحٰن الذی اسریٰ سے [illegible] کرلیا تک تفسیر بیان کر سکے تھے کہ ریٹائر ہو کر مدرسہ بحر العلوم کلیہار تشریف لائے اور تفسیر کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ [illegible] سال کی [illegible] کا خلاصہ کتاب کی شکل میں چھپ جاتا تھا [illegible] جاتا ہے۔ مگر افسوس ایک بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

تدریسی خصوصیات: تدریسی خصوصیات [illegible] ایک یہ ہے کہ آپ طلبہ کے مختلف الطبائع ہونے کا لحاظ فرماتے تھے۔ عبارت کا مطلب خیز ترجمہ کرنے کے بعد [illegible]

پیچیدگیوں کو تمثیلی حکایات، روزمرہ کے معمولات ومشاہدات وتشبیہات سے اس طرح دور فرماتے کہ ہر طبیعت کے لڑکے باآسانی عبارت کو سمجھ جاتے۔

ہدایہ آخرین، طحاوی شریف اور مناظرہ رشیدیہ پڑھانے کا حق صرف آپ کو تھا۔ چونکہ آپ کا دماغ مناظرانہ تھا اور یہ کتابیں مناظرانہ انداز میں لکھی گئی ہیں۔ اس لئے ان کتابوں کے پڑھانے کا حق ادا کرتے تھے۔ علامہ طحاوی حدیث پاک بیان کرنے کے بعد ائمہ کے مستنبط مسائل اور ان کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر حنفی مسلک اور اس کی دلیل بیان کرکے اس کی وجہ ترجیح بیان کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ کا بھی یہی طرز تحریر اور طریقہ استدلال ہے۔ اس لئے ان کتابوں کو وہی کما حقہ پڑھا سکتے ہیں۔ جن کا دماغ مناظرانہ ہوگا۔ آپ کے اندر اس کی خداداد بھرپور صلاحیت تھی۔ علم ہیئت کے بادشاہ مانے جاتے تھے۔

شرح ہدایۃ الحکمت اس روز قیام گاہ کے کمرہ میں پڑھا رہے تھے۔ کھڑکی کے سامنے باہر سڑک کے کنارے ایک بکری چر رہی تھی، اس کے بدن کا نصف رنگ کالا اور نصف سفید تھا۔ **جزء لا یتجزیٰ** کی بحث چل رہی تھی۔ اچانک آپ کی نگاہ بکری پر پڑی۔ آپ نے فرمایا بکری کا رنگ دیکھ رہے ہو، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بدن دو حصہ میں بٹا ہوا ہے۔ قسمت کی چار قسموں میں سے قسمت وہمی اسی کو کہتے ہیں۔

ہدایہ آخرین کا سبق ہو رہا تھا، کتاب الاجارہ کی بحث چل رہی تھی، اجرت کی کمی وبیشی کے سلسلے میں ایک تمثیلی حکایت بیان فرمایا، ایک زمیندار کے یہاں دو نوکر تھے۔ ایک کی تنخواہ زیادہ تھی، دوسرے کی کم۔ کسی نے اس سے پوچھا کام ایک ہی ہے، تنخواہ کم وبیش کیوں؟ اس نے کہا تھوڑی دیر بیٹھو، اتفاق سے کچھ دور سڑک پر بڑی دھوم دھام اور ڈھول باجے کی آواز تھی، کم تنخواہ والے ملازم کو بلایا۔ کہا جاکر دیکھو، کیسی دھوم دھام ہے۔ اس نے واپس آکر کہا، کسی کی بارات جارہی ہے۔ زمیندار نے پوچھا، کس کی بارات ہے؟ جواب دیا، معلوم نہیں۔ پوچھا کہاں سے آرہی ہے؟ کہا معلوم نہیں، کہاں جائے گی؟ کہا، معلوم نہیں۔ کتنے آدمی ہوں گے؟ کہا، معلوم نہیں۔ زمیندار نے اس کو پاس بٹھایا اور زیادہ تنخواہ والے ملازم کو بلایا، کہا دیکھو کیسی دھوم دھام ہے؟ اس نے واپس آکر کہا، بارات جارہی ہے۔ پوچھا کہاں سے آئی؟ کہا فلاں جگہ سے۔ کہاں جائے گی؟ کہا فلاں جگہ۔ کس کی بارات ہے؟ کہا غیر مسلم کی۔ کتنے آدمی ہونگے؟ کہا تقریباً اتنے ہونگے۔ زمیندار نے سائل سے کہا، تنخواہ کم وبیش کی وجہ سمجھ میں آئی، وہ ہاں کہہ کر خاموش ہوگیا۔

عمل بالسنۃ :- پٹنہ نیز دیگر علاقوں میں نکاح بیوگاں کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ حضرت نے نکاح بیوگاں پر ایک رسالہ لکھ کر اس جہالت کے نظریے کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا اور سب سے پہلے اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ کا جو بیوہ ہوگئی تھیں، نکاح کرکے اس کار خیر کی طرف اقدام فرمایا۔ اپنی وضع قطع اور ہر عمل وقول میں سنت کا لحاظ رکھتے تھے۔ حتی کہ درزی معمول کے مطابق کرتا کے گریبان میں چار کاج بٹن لگا دیتا۔ مگر آپ دو ہی کاج بٹن استعمال کرتے، فرماتے کہ یہ بلا ضرورت ہے۔ دو بٹن کھلوا دیتے اور کاج بند کرا دیتے۔ آپ کے کئی پیراہن شریف میں راقم الحروف نے ایسا کیا۔

تصنیفات :- حضرت کی تصنیفات کی تعداد اس وقت ۷۲ تک پہنچ چکی تھی۔ جس میں بعض مطبوعہ، بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ حدیث پاک کی خصوصی سند جو غیر مطبوعہ تھی۔ فارغین میں جو اہل ہوتے، ان کو عطا فرماتے۔ ان میں سے ایک راقم الحروف بھی ہے۔ غیر مطبوعہ کتابوں میں ''توضیح الافلاک'' بھی ہے۔ اس کی

ایک نقل میرے پاس موجود ہے۔ مطبوعہ میں ''صحیح البہاری'' مشہور و جامع کتاب ہے۔ جو حدیث کی چالیس کتابوں کا خلاصہ ہے۔ تمام حنفی مسلک کی حدیثیں جو احادیث کی مختلف کتابوں میں منتشر تھیں۔ سب کو ''صحیح البہاری'' میں جمع کر دیا ہے۔ علم ہیئت میں ''جواہر والیواقیت'' بہت ہی مقبول و مشہور کتاب ہے۔ جس سے اہل فن بخوبی واقف ہیں۔ علم توقیت میں ''مؤذن الاوقات'' بہت مفید رسالہ ہے۔ جس سے ہر مکتبہ فکر کے اہل علم مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ لیکن اب نایاب ہے۔ ''حیات اعلیحضرت'' فاضل بریلوی قدس سرہ جو چار جلدوں میں ہے۔ اعلیحضرت کی حیات مبارکہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس موضوع پر لکھی گئی کسی کی تصنیف میں اتنی تفصیل نہ ملے گی۔ اس کی بیاض کے نقل میں راقم الحروف کا غالی حصہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر علم و فن میں آپ کی تصنیف ہے۔

دادو دھش : کمرہ کے سامنے کوئی سائل آجاتا، تو محروم نہ جاتا۔ آدھ آنہ، ایک آنہ، دو آنہ جو میسر ہوتا، ضرور دیتے۔ ایک روز ایک فقیرن (بھکارن) باہر کھڑی، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ شعر پڑھ رہی تھی:

ع سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی

بہت غور سے سنتے رہے، جب پڑھنا ختم کر چکی، تو آپ نے چار آنہ پیسہ میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے فرمایا، جاؤ اس کو دے آؤ۔ واضح ہو کہ یہ چار آنہ اس وقت کا چار آنہ تھا۔ جب کہ چاول کا بھاؤ ۱۲۔۱۴ روپیہ من تھا۔ جب وہ چلی گئی، تو آپ نے فرمایا، یہ اعلیحضرت علیہ الرحمہ کا شعر بڑے پر درد انداز میں پڑھ رہی تھی۔ سبحان اللہ اپنے پیر و استاذ سے قلبی لگاؤ، بے پایاں محبت اس کو کہتے ہیں۔

حاضر جوابی :۔ ایک دن دو دیوبندی مولوی آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے، آپ نے کچھ سنا ہے۔ پوچھا کیا، کہنے لگے، مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے سود کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا، جی ہاں، اس پر مولوی اشرفعلی تھانوی کی بھی دستخط ہے۔ وہ دونوں بہت بوکھلائے اور کہنے لگے، کہاں دستخط ہے، دکھلائیے۔ آپ نے فرمایا، اعلیٰ حضرت نے جہاں جائز لکھا ہے، اس کے نیچے الجواب صحیح کر کے ان کی دستخط ہے۔ آپ وہ فتوی دکھائیے، میں ان کی دستخط دکھاؤں گا، دونوں ٹپٹا کر خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک مناظرہ میں غیر مقلد مولوی نے کہا، امام ابوحنیفہ کو امام اعظم کہنا جائز نہیں، یہ شرک ہے، اس لئے کہ اعظم کے معنی ہے، سب سے بڑا اور سب سے بڑا اللہ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ پہلے یہ بتائیے کہ آپ کتنے بھائی ہیں؟ اس نے کہا، چار بھائی۔ آپ نے دریافت کیا، آپ سب سے بڑے ہیں یا چھوٹے؟ اس نے کہا، میں سب سے بڑا ہوں، آپ نے فرمایا آپ مشرک ہو گئے، پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا، سب سے بڑا اللہ ہے، ابھی آپ نے کہا کہ غیر اللہ کو سب سے بڑا کہنا شرک ہے۔ آپ اپنے فتوی سے مشرک ہو گئے۔ لوگوں نے تالی بجادی، مناظرہ اسی پر ختم ہو گیا۔

ایک شخص نے آپ کے سامنے اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا، حضرت پاکستان کے وزیر اعظم نماز پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہمارے یہاں کے گورنر صاحب کھانا کھاتے ہیں، اس نے کہا، یہ کیا تعریف کی بات ہوئی۔ آپ نے جواب دیا، اگر کوئی مسلمان نماز پڑھتا ہے، تو یہ کوئی تعریف کی بات نہیں، یہ تو فرض ہے، ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہیے۔ خاص کر وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا فضل و احسان ہو کہ پورے ملک کا رہنما ہے۔ اگر وہ نماز نہ پڑھے، تو اس سے بڑا بدبخت اور ناشکرا کون ہوگا، وہ شرمندہ خاموش ہو گیا۔

آپ فرماتے تھے، جب کوئی مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتا ہے، تو اس کے سوال کرنے سے پہلے میرے ذہن میں اس کا جواب

آجاتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں دیوبندی خیال کے دولڑکے سبق کے دوران حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب واختیارات اور بشریت وغیرہ نزاعی مسائل پر حضرت قدس سرہٗ سے بحث کرنے لگے، حضرت نے فرمایا، اچھا ایک بات کا جواب دو؟ دو کمرہ ہے۔ ایک میں بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم خیال کے آنے کو گاؤ خر کے خیال آنے سے بدتر کہہ رہے ہیں اور دوسرے کمرہ کے لوگ آپس میں علم غیب اور اختیارات کو ثابت اور اپنے جیسا بشر ہونے کا انکار اور نماز میں تصور کرکے سلام کرنے کو بیان کررہے ہیں، اتفاق سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کمرے کے پاس سے گزریں اور کچھ دیر رک کر دونوں کی گفتگو سنیں، تو صحیح صحیح بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کی گفتگو سن کر خوش ہونگے، جو علم واختیارات کی تنقیص کررہا ہے۔ عام بشر جیسا بشر کہہ رہا ہے۔ آپ کے تصور کو گاؤ خر کے تصور سے بدتر کہہ رہا ہے۔ اس کی گفتگو سے خوش ہونگے یا ان لوگوں کی باتوں سے جو آپ کے وسعت علم واختیارات اور عام بشریت سے بالاتر ہونے اور سلام کرتے وقت آپ کا تصور کرنے کو بیان کررہا ہے۔ ایک کی بات توہین وتنقیص پر مبنی ہے اور دوسرے کی بات تعریف وتوصیف پر، دونوں لڑکے سوال کی حقیقت تک پہنچ گئے اور اسی وقت دیوبندیت سے تائب ہوکر سنی صحیح العقیدہ کے عقیدے پر چلنے کا عہد کرتے کلاس سے باہر ہوئے۔

ایک ٹرین کے سفر میں ڈبہ میں کچھ ذی ہوش لوگ بیٹھے ہوئے تفریحی گفتگو کررہے تھے، اچانک ان میں سے ایک شخص حضرت کی طرف مخاطب ہوا، حضرت نے اپنا تعارف کرانے کے دوران پٹنہ کے بجائے عظیم آباد کا لفظ استعمال کیا، ایک منچلے نے ازراہ تمسخر پوچھا عظیم آباد کون سی جگہ اور کہاں ہے آپ نے برجستہ جواب دیا عظیم آباد کو اہل علم جانتے ہیں۔ اس لئے آپ نہیں جانتے ہیں۔

ایک دوسرے سفر میں ڈبہ میں بیٹھے ہوئے سبھی لوگ خاموش تھے۔ بہت دیر تک خاموش دیکھ کر سامنے کی دوسیٹ پر بیٹھے ہوئے دو شخص سے آپ نے پوچھا کہ آپ دونوں آدمی کے درمیان کب سے اَن بَن ہے؟ دونوں چونکے اور کہنے لگے، ایسا تو نہیں، ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں کہ کہاں کے رہنے والے ہیں، آپ نے کیسے جانا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، ہم لوگ بہت دیر سے ایسا خاموش ہیں، جیسے آپس میں ان بن ہو۔ پھر سارے لوگ ہنس پڑے اور گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت کی مزاحیہ سکوت توڑنے والی تدبیر سے لوگ بہت محفوظ ہوئے۔

شاعرانہ ذوق :- آپ شاعر نہ تھے۔ مگر شاعرانہ ذوق رکھتے تھے۔ اشعار کے وزن اور ترتیب الفاظ کے اعتبار سے اصلاح فرماتے تھے۔ ۵۴۔۵۵ء کی بات ہے۔ کشن گنج میں بزم مشاعرہ منعقد کی گئی تھی۔ جس میں فراق گورکھپوری جیسے بڑے بڑے شعراء رونق بزم تھے۔ دو مصرع طرح دیا گیا تھا (۱) تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں۔ (۲) ہورہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ دونوں مصرعوں پر میں نے بھی تک بندی کی تھی اور یہ پہلی تک بندی تھی۔ حضرت کے سامنے پیش کیا آپ نے اشعار کو موزوں پایا، صرف ایک جگہ لفظی ترمیم فرمایا تھا۔

مضمون نگاری کا عنوان تھا۔ ''آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔'' اس عنوان پر بھی پہلی طبع آزمائی تھی مگر میں سب سے اول آیا۔ رنگ کپ انعام ملا، حضرت بے حد خوش ہوئے اور اس سال کے مدرسے سے نکلنے والے اشتہار میں بے حد مسرورانہ انداز میں اس کا ذکر فرمایا۔ رب کریم ان کی قبر انور پر رحمت وانوار کے

پھول برسائے، جب تک آفتاب و ماہتاب گردش کرتا رہے، اس وقت تک ان کے فیوض و برکات سے ہم سبھوں کو مالا مال فرماتا رہے۔ آمین آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

معمولات:- علماء عاملین جن کے افعال و اقوال، عادات و اطوار نمونۂ عمل اور شمع راہ ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ساعت یادِ خدا اور ذکر رسول میں گزرتی ہے۔ جنھیں خاصان خدا کہا جاتا ہے۔ انکی تاریک راتیں ہمارے روشن دنوں سے زیادہ تابناک ہوتی ہیں۔ ان ہی نفوس قدسیہ سے حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفرالدین صاحب کی ذات گرامی تھی۔

آپ کے لیل و نہار کا جائزہ لیتے ہیں تو کوئی لمحہ یادِ خدا، ذکر رسول اور خدمت خلق سے خالی نہیں ملتا۔ آپ کے روز مرہ کا معمول تھا کہ بعد نماز فجر اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے بعد دن چڑھنے تک قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد مخصوص طریقہ پر چنا کا ناشتہ کرتے۔ مخصوص طریقہ یہ تھا کہ شام کو چنا بھگو دیا جاتا صبح کو سل پر یا کھرل میں چور کر کے اس میں نمک گول مرچ ملا دیا جاتا۔ خدمت میں باریابی کے بعد یہ خدمت فقیر راقم الحروف کے ذمہ تھی۔ بعدہ چائے نوش فرماتے۔ بجائے دودھ کے اکثر لیمن کا عرق ڈال کر نوش فرماتے۔ خصوصاً برسات میں کہ یہ موسمی مرطوب آب و ہوا کے مضر اثرات کو زائل کرنے کے لئے بے حد مفید ہے۔ بعد نوش چائے پان کھاتے اس میں چونا اور چھالیا کم سے کم استعمال کرتے۔ زردہ برائے نام۔ پھر اس کے بعد مدرسہ کا وقت ہو جاتا اور درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے، بعد ختم اوقات مدرسہ خطوط کے جوابات اور فتویٰ نویسی میں مشغول ہو جاتے۔

حضرت کے پاس خطوط کے انبار لگے ہوتے، کسی دن کی ڈاک چار، پانچ خطوط سے خالی نہیں جاتی۔ پھر سبھوں کے یکے بعد دیگرے، جوابات تحریر فرماتے۔ استفتاء کا جواب کبھی خود تحریر فرماتے اور کبھی اسی فقیر کو املا کراتے۔ پھر سب کی نقل ایک قلمی کاپی میں فقیر ہی سے کراتے۔ ہندوستان کے علاوہ پاکستان سے بھی کئی رسالے حضرت کے پاس آتے جن کے اکثر ایڈیٹر حضرت کے شاگرد ہوتے لیکن آپ اس کو اچھا نہیں سمجھتے کہ وہ اخلاقی طور پر پابندی کے ساتھ ہر ماہ بغیر سالانہ چندہ رسالہ بھیج دے اور میں مفت میں پڑھا کروں۔ فرماتے کہ یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اور اس کا سالانہ چندہ بغیر طلب بھیج دیا کرتے۔ دوپہر کا وقت کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے۔ حضرت کسی زمانے میں مستقل سونے کے عادی نہ تھے۔ بس لیٹے ہوئے کتاب دیکھتے اور دیکھتے دیکھتے سو جاتے۔ جب آنکھ کھلتی، پھر کتاب میں مشغول ہو جاتے۔ بعد نماز ظہر مدرسے کا وقت ہو جاتا اور تدریس میں مشغول ہو جاتے درس اکثر مسجد میں دیا کرتے۔ کبھی کبھی کمرہ ہی میں درس دینے لگتے۔ بعد نماز عصر حسب معمول چائے نوش فرماتے، غروب آفتاب تک لوگوں کا سلسلہ لگا رہتا، کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، تو کوئی دیگر علم و فن کی بات کر رہا ہے اور ہر ایک کو جواب باصواب عنایت فرما رہے ہیں۔ ملنے والوں میں سے اگر کسی کی طبیعت علیل ہو جاتی، تو آپ عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔ کبھی یوں بھی محض ملنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ بعد نماز مغرب تا وقت عشاء سر میں کڑوا تیل لگواتے، اکثر اس خدمت کا شرف اس فقیر کو بھی حاصل ہوا ہے۔ اس درمیان بھی ملنے والے آتے اور ان کے سوالوں کے جوابات عنایت فرماتے۔ بعد نماز عشاء کھانا تناول فرماتے۔ کھانا بالکل سادہ ہوتا، روٹی کے ساتھ دال ضرور ہوتی۔ ان کے علاوہ کبھی سبزی، کبھی گوشت ہوتا۔ کھانے کے کچھ دیر بعد نہ جانے کتنی دیر تک کتب بینی فرماتے اور کتنی دیر آرام۔

ابتدائی چار سال وکیل عبدالسلام صاحب ناظم مدرسہ کے اس چو بنگلہ میں قیام پذیر رہے۔ جس کے تین طرف کمرہ اور ایک

طرف سے باہر نکلنے کا دروازہ تھا۔ دروازے سے متصل دائیں جانب دو اینٹ بچھوائے ہوئے تھے، جس پر کتے کو کھانا دیا کرتے۔ اس کے آس پاس گھاس کا جنگل ہو گیا تھا۔ فقیر راقم الحروف سے اس کو صاف کروا کر مٹی برابر کرا کے قاعدے سے اینٹ کو بچھوایا تا کہ کتے کو جو لقمہ دیا جائے، آلودہ نہ ہو۔ والد صاحب علیہ الرحمہ سے زمانہ طالب علمی میں فرماتے سنا تھا کہ کتا لقمہ کھانے کے بعد کھلانے والے کے لئے دعا کرتا ہے۔ "اے اللہ جس نے مجھے کھلایا، تو اس کو کھلا" حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کو اس کا پابند عمل پایا، فرماتے ہیں، جب کھانے کے وقت آ جائے، اس کو محروم نہ کرنا چاہیے۔

ملفوظات :-

۱) آپ فرماتے تھے ماں باپ، پیر اور استاد کی بارگاہ میں کبھی خالی ہاتھ نہ جانا چاہیے بلکہ کچھ نہ کچھ تحفہ لے کر جانا چاہیے۔ جو شخص اس کا التزام رکھے گا وہ کبھی محتاج و تنگ دست نہ ہوگا۔

۲) جو طالب علم چاہے کہ علم نحو و صرف کے قواعد پر عبور حاصل ہو تو اسے چاہیے کہ تلاوت قرآن کو لازم کریں، اس کی ہر آیت میں نحوی، صرفی تراکیب کا لحاظ کرتا رہے۔

۳) کھانے میں نمک کم استعمال کرنا چاہیے، نمک کی زیادتی افلاس پیدا کرتی ہے۔

۴) طالب علم کو چاہیے کہ نماز کا پابند ہو۔ نماز سے علم میں برکت ہوتی ہے۔

۵) استاذ نا المکرم مولانا سلیمان صاحب ایک جلسہ کی واپسی پر پٹنہ اتر کر حضرت ملک العلماء سے ملنے چلے گئے۔ دوران گفتگو مولانا صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بہت سے لوگ مرید ہونا چاہتے ہیں، مگر میں کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ میں اپنے کو خالی پاتا ہوں، اندر کھوکھلا ہے، حضرت نے فرمایا، ضرور مرید کر لیں، قوم کو جہالت و ضلالت سے بچانے کی کوشش کریں۔ کم از کم ان کا صحیح العقیدہ تو رہے گا۔ اس زمانے میں کون مرید فخر الدین رازی ہے، جس کے لئے نجم الدین کبریٰ جیسا پیر چاہیے۔ آپ میں کس بات کی کمی ہے، علم ہے، عمل ہے، تقویٰ ہے۔ ایک پیر ہونے کے لئے یہ اوصاف کافی ہیں۔

وہ کیسی بابرکت، روح پرور، اور سہانی رات تھی۔ جب دستار فضیلت سے فارغ ہو کر حضرت قدس سرہ اندرون مسجد سے باہر تشریف لائے، تو کھڑے ہو کر پورب جانب آسمان کی جانب نگاہ اٹھایا، ایک ستارہ اپنے آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ مجھے مخاطب کر کے پوچھا، یہ روشن ستارہ دیکھ رہے ہو، میں نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، یہی زہرہ ستارہ ہے، اس وقت آپ مسکرا رہے تھے۔ معاً دل میں آیا کہ میری قسمت کا ستارہ روشن ہے اور واقعی حضرت کا زہرہ ستارہ دکھانا میرے لئے فال نیک ثابت ہوا کہ زندگی کے ہر گوشے میں فضل الٰہی شامل حال ہے۔ بامراد و کامیاب زندگی گزر رہی ہے۔ اہل و عیال علم و فضل، عزت و جاہ میں روز افزوں ترقی پر ہیں۔ للّٰہِ الحمد وھو حسبی و نعم الوکیل۔

وفات :-

تقریباً اسی سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الآخری ۱۳۸۲ھ دو بجے شب بعد نماز تہجد آرام کرنے کے لئے لیٹے تھے کہ ہمیشہ کے لئے آرام فرما ہو گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون رب کریم و رحیم آپ کی قبر انور پر رحمت و انوار کے پھول برسائے۔ جب تک آفتاب و ماہتاب کی نورانی کرنیں دنیا کو روشن کرتی رہیں۔

☆☆☆

جہانِ ملک العلماء
باب
نہم
تحریکی خدمات

حضرت ملک العلما بحیثیت استاذ جامعہ منظر اسلام بریلی

ازقلم: ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفرالدین قادری بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کی گراں قدر عبقری شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں۔ کیونکہ محتاج تعارف تو وہ شخص ہوتا ہے، جس کی کوئی خدمت نہ ہو، جس کا کوئی علمی کارنامہ نہ ہو۔ گرچہ وہ اپنے آپ بہت کچھ ہو، خدمت اور کوئی علمی کارنامہ نہ ہونے کی وجہ سے عوام وخواص میں ایسے شخص کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ ان کی علمی صلاحیت سے لوگوں کو متعارف کرلیا جاتا ہے۔ لیکن جو سراپا کارنامہ ہو علمی خدمات مختلف جہتوں سے انجام دینے کی وجہ سے اپنے آپ متعارف ہو، ایسے شخص کا تعارف کرانا میرے نزدیک سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

ملک العلماء فاضل بہاری کی وہ بلند اقبال ذات گرامی ہے، کہ جن کو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے فراغت کے سال ۱۳۲۵ھ میں ہی ملک العلماء (علماء کا بادشاہ) کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ یہاں پر یہ بات واضح رہے، کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کبھی بھی کسی انسان کی تعریف مبالغہ آرائی سے نہیں کی۔ بلکہ جس کے اندر جو خوبی پائی، اس خوبی کا آپ نے اعتراف کیا اور برملا اس کا اظہار کیا، جیسا کہ رسالہ الاستمداد کے اشعار سے واضح ہو رہا ہے اور مشہور معروف مقولہ بھی ہے کہ "عالم را عالم می داند و ولی را ولی می شناسد" یعنی عالم کو عالم ہی جانتا ہے اور ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے۔

طالب علمی کا دور ختم ہوتے ہی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مولانا سید محمد ظفرالدین بہاری کو ملک العلماء فرمایا تھا، جن کو مجدد دین ملت نے علماء کا بادشاہ فرمایا ہو، ان کے علم وفضل اور تبحر علمی کا اندازہ ہما شما کیا لگا سکتے ہیں اور ان کی علمی شخصیت کا تعارف کیا کرسکتے ہیں۔
بس انجمن برکات رضا ممبئی کا دعوت نامہ قبول کرتے ہوئے اراکین کے پیہم اصرار پر منتخب شدہ عنوان "حضرت ملک العلماء بحیثیت استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف" پر کچھ قلم بند کرنے کی میں کوشش کررہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

ابتدائی حالات :

حضرت ملک العلماء ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء بمقام موضع رسول پور میجرہ ضلع نالندہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد بزرگوار کے سایہ عاطفت میں حاصل کی۔ پھر متوسطات کی تعلیم مدرسہ حنفیہ پٹنہ، اس کے علاوہ کانپور کے مختلف مدارس میں حاصل کی۔ جب ان مدارس دینیہ سے علم کی تشنگی دور نہ ہوسکی، تو آپ حدیث رسول "اطلب العلم ولو کان بالصین" کے پیش نظر تشنہ کاموں کی طرح آب شیریں کی تلاش میں رواں دواں افتاں و خیزاں علم وفن کے بحر بیکراں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

اسے اتفاق ہی نہیں، بلکہ حسن اتفاق کہا جائے، کہ حضرت ملک العلماء کے قدوم میمنت لزوم سے ہی "جامعہ رضویہ

منظر اسلام" کا قیام عمل میں آیا۔ وہ اس طرح سے کہ جب آپ بریلی شریف بغرض تعلیم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس وقت بریلی شریف میں کوئی درسگاہ نہیں تھی۔ اسی سال ۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے چند احباب کے اصرار پر جامعہ منظر اسلام کا قیام فرمایا اور اس کا افتتاح حضرت ملک العلماء اور ان کے ساتھی جناب مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی انہیں دو طالب علموں سے ہوا۔

جیسا کہ حیات ملک العلماء مطبوعہ لاہور میں درج ہے۔ مولانا ظفر الدین کے ایک دوست اور ہم وطن مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی آ گئے تھے، انہیں صرف دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔

ملک العلماء نے منظر اسلام میں اپنے مشفق استاذ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے ان تمام علوم و فنون کو حاصل کیا، جن کے وہ متلاشی تھے۔ شمس العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف نے راقم الحروف سے دوران گفتگو ارشاد فرمایا تھا:

"کہ ملک العلماء اکثر دوران درس بیان کیا کرتے تھے کہ اعلیٰ حضرت جتنے علوم و فنون کو جانتے تھے۔ ان تمام علوم و فنون کا وارث انہوں نے صرف مجھے بنایا اور سکھا سکھا کر مجھے پڑھایا۔"

خدمات :

حضرت ملک العلماء کی خدمات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جس کا احاطہ کرنا اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی مذہب و ملت کی اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ اور استحکام کے لئے وقف کر دی تھی، جب جب جہاں کہیں بھی جیسا موقع آیا، آپ نے کسی کی پرواہ کئے بغیر بلا خوف و خطر خدمت دین متین انجام دی۔ تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف، تعلیم و تدریس، مناظرہ و مکالمہ، فتویٰ نویسی، تعویذ نویسی، وعظ و نصیحت اس طرح کے مختلف عنوانات قائم کر کے ان کی خدمات کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت ہم اپنے موضوع سے متعلق کچھ تاثرات لکھنے کی جسارت کر رہے ہیں۔

منصب تدریس :

حضرت ملک العلماء نے حصول تعلیم کے بعد اپنی تدریس کا آغاز مادر علمی جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی ہی سے کیا، چند سال تک آپ نے بڑے ذوق و شوق، محنت و لگن کے ساتھ اپنے مشفق کرم فرما استاذ کے زیر سایہ تدریس کا کام انجام دیا جیسا کہ آپ کے شہزادہ گرامی وقار جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب قبلہ نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے:

"ان (ملک العلماء) کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا" جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے۔۔۔۔ اس زمانے کے مدرسے کے رفقاء کار اور ان کے تلامذہ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا کہ چار سال کے عرصے میں خاصی تعداد میں طلبا نے شرف تلمذ حاصل کیا ہوگا۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۴)

حضرت ملک العلماء جن ایام میں منظر اسلام میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، ان ایام کا اس وقت جامعہ رضویہ منظر اسلام میں کوئی ریکارڈ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسی شخصیت ہے، کہ جن سے معلومات فراہم کی جا سکے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے کافی جدوجہد کی اور ریکارڈ تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن کسی قسم کا نہ تو کوئی رجسٹر ملا، نہ کوئی اور دستاویز کہ

جن سے مزید معلومات فراہم ہوتیں۔ البتہ تلاش بسیار کے بعد ۱۹۰۸ء میں جامعہ رضویہ منظر اسلام کا جو دوسرا سالانہ جلسہ دستار بندی ہوا تھا، اس کی رپورٹ دبدبہ سکندری میں شائع ہوئی تھی، اس رپورٹ سے بہت سی باتوں کی نشاندہی ہورہی ہے۔ اس لئے اس رپورٹ کے کچھ اقتباسات کو میں یہاں تحریر کررہا ہوں۔

''اراکین انتظامیہ کی سعی عرق ریزی سے مدرسہ اہل سنت و جماعت اپنے مقاصد میں بخوبی ترقی کررہا ہے۔ آبیاری منتظمین و عرق ریزی طلباء کی مدرسین سے اس نونہال جشن شریعت کی کامیاب طلباء کے عمدہ ثمرے نے حسن تعلیم کے خوشنما شگوفے۔ دارالافتاء کے معرکۃ الآرا فتوے۔ کامیابی طلباء کے عمدہ نتیجے گزشتہ رودادوں میں شائع ہو چکے۔ گزشتہ سال چار طلباء فارغ التحصیل ہوئے۔ جن کی دستار بندی کا جلسہ تشریف آوری اکثر مشائخ عظام و علماء کرام و عمائد و رؤساء ذوی الاحترام بحسن انتظام نہایت دھوم دھام سے سرانجام ہوا۔ اس سال بھی بمنہ و کرمہ ۸ طلباء فارغ التحصیل ہوئے جن کے نام نامی درجہ ذیل کروں تو زائد مناسب ہوگا۔ (۱) جناب مفتی و مولانا نواب مرزا صاحب سابق مفتی دارالافتاء بریلی (۲) جناب مولانا ظہیر الدین صاحب اعظم گڑھی (۳) جناب مولانا حفیظ احمد صاحب اعظم گڑھی (۴) جناب مولانا نعمت اللہ صاحب نواکھالوی (۵) جناب مولانا صدیق احمد صاحب نواکھالوی (۶) جناب مولانا عظیم اللہ صاحب مچھلی شہری (۷) جناب مولانا احمد عالم صاحب رجھتی (۸) جناب مولانا ابراھیم احمد بہاری۔

ان صاحبان کی دستار بندی جناب مولانا شاہ غلام جیلانی صاحب سجادہ نشین بانسہ شریف اور جناب مولانا مفتی نواب مرزا صاحب سابق مفتی دارالافتاء کی دستار بندی اعلیٰ حضرت موصوف نے اپنے دست حق پرست سے کی۔ تاریخہائے ۱۰؍۱۱؍۱۲؍ شعبان المعظم ۱۳۲۶ء مطابق ۷؍۸؍۹؍ ستمبر ۱۹۰۸ء یومہائے دوشنبہ۔ سہ شنبہ۔ چہار شنبہ کو جلسہ بمقام بریلی مسجد بی بی صاحبہ، میں منعقد ہوئے۔ دوشنبہ کو پہلا جلسہ ہوا اور اسی روز مولانا مولوی شاہ محمد عمر صاحب حیدرآبادی مع سات عالموں کے بریلی تشریف لائے۔ اسٹیشن پر فاضل نوجوان فاضل ابن فاضل قبلہ و کعبہ جناب مولانا مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ اہلسنّت و جماعت و جناب مولانا مولوی مصطفیٰ رضا خان صاحب صاحبزادہ خرد اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مدظلہم و جناب مولوی محمد ظفرالدین بہاری مدرس سوم مدرسہ اہلسنّت و جناب سید برکت علی صاحب رئیس و جناب مولانا اسماعیل صاحب واعظ پیلی بھیتی برائے استقبال بوقت شب اسٹیشن پر حاضر تھے، کہ ۸ بجکر ۴۰ منٹ پر مولانا ممدوح تشریف فرما ہوئے۔ جائے قیام پہلے سے مقرر کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ پہلے جناب مولانا مولوی عبدالمقتدر نے وعظ فرمایا اور بعد کو مجدد مائۃ حاضرہ و موید ملت طاہرہ امام اہلسنّت حاوی معقول و منقول جناب مولوی حاجی قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب نے وعظ فرمایا۔
(ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر پہلی قسط ۲۳۲۔۲۳۱)

مذکورہ بالا رپورٹ سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ حضرت ملک العلماء جامعہ رضویہ منظر اسلام سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ ہی میں مدرس سوم کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔

متعلم و معلم دونوں حیثیت سے اولیت :

ملک العلماء منظر اسلام میں سب سے پہلے متعلم ہوئے اور فراغت کے بعد سب سے پہلے معلم بھی ہوئے۔ یہاں پر اس بات کی وضاحت میرے خیال سے قارئین کے لئے باعث مسرت اور قابل رشک ہوگی۔ وہ یہ ہیکہ یوں تو اب تک نہ جانے کتنے مدارس اسلامیہ قائم ہوئے اور نہ جانے کتنے فارغین مدارس سے

فارغ بھی ہوئے۔ لیکن ان تمام مدارس اور فارغین میں منظر اسلام کو جو خصوصیت اور امتیازی حیثیت حاصل ہے، وہ آج تک کسی کو حاصل نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔ مدارس کے فارغین میں بہت ہی کم ایسے طلبہ ہونگے، کہ جنہوں نے فراغت حاصل کرنے کے بعد فوراً اسی مدرسے میں بحیثیت مدرس منصب تدریس پر تقرر حاصل کرلیا ہو۔ اور بہت ہی کم ایسے مدارس ہونگے، کہ قیام کے دوسرے تیسرے سال میں ان سے طلبہ فارغ التحصیل ہوگئے ہوں۔ لیکن قربان جائیں اعلیٰ حضرت کے قائم فرمودہ جامعہ رضویہ منظر اسلام کی عظمت ورفعت پر اور اعلیٰ حضرت کی عبقریت پر، کہ آپ کے شاگرد حضرت ملک العلماء فارغ ہوتے ہی، آپ ہی کے قائم فرمودہ ادارے میں بحیثیت استاذ خدمت انجام دینے لگے۔ اس امر واقعہ سے ملک العلماء کی صلاحیت اور قابلیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایسے کمالات واوصاف کے حامل شخص کو لوگوں نے پردۂ خفا میں رکھا۔ تذکرہ نگاروں نے حق دیانت ادا نہیں کیا، بعض نے تو ایسی بات لکھ ماری ہے، کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے اس انکشاف کرنے پر لوگوں کو حیرت ہوگی۔ مگر مجھے کوئی تردد اور جھجک نہیں، کیونکہ تاریخ ایک ایسی حقیقت ہے، کہ اس سے چشم پوشی قطعاً ممکن نہیں۔

تاریخی مغالطہ :

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ پاکستان نے منظر اسلام کی روداد ۱۳۲۳ھ کا حوالہ پیش کرتے ہوئے ابتدائی دور کے اساتذہ کا ذکر کیا ہے، اساتذہ کے اسماء گرامی بیان کرتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں:

"مولانا بشیر احمد علی گڑھ، مولانا علامہ رحم الٰہی مظفر نگر (منگلوری)، صدر الشریعہ مولانا امجد علی گھوسی اعظم گڑھ، مولانا بدرالطریقہ، مولانا عبدالعزیز خاں بجنور حجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا خاں بریلی شریف" (فرزند اکبر امام احمد رضا)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی علوم شرعیہ نقلیہ میں اور مولانا رحم الٰہی علوم عقلیہ میں ممتاز تھے۔ ان میں سے کسے صدر مدرس بنایا جائے اس بارے میں آراء مختلف ہوگئیں۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا، انہیں باری باری صدر مدرس بنایا جائے اور ۵۰/ روپے مشاہرہ دیا جائے۔ (ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر دوسری قسط ص ۵۷/۵۸/)

جب کہ امر واقعہ یہ ہیکہ صدر الشریعہ ۱۳۲۳ھ میں بریلی شریف تشریف نہیں لائے تھے۔ صدر الشریعہ کے تذکرہ نگار فتاویٰ امجدیہ جلد اول کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔ صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی ابن حکیم مولانا جمال الدین قدست اسرارہم ۱۲۹۶ھ میں مدینۃ العلماء گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے جد امجد بعد ازاں اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق علیہ الرحمہ سے علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کے لئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد حجۃ العصر مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کی خدمت میں مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) میں حاضر ہوکر درس حدیث لیا اور سند فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی علمی صلاحیت وحسن لیاقت کا شہرہ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حاذق الملک حکیم عبدالولی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے علم طب حاصل کیا۔ ۲۴ر سے ۲۷ر تک حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ پھر ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔ اس اثناء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو دار العلوم منظر اسلام بریلی کے لئے ایک لائق وفائق

مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ استاذ گرامی حضرت محدث سورتی کے ارشاد پر حضرت صدر الشریعہ مطب چھوڑ کر بریلی شریف چلے گئے۔ ابتداً درس وتدریس کا کام شروع ہوا۔ (فتاوی امجدیہ اول ص ۱)

مندرجہ بالا عبارت پڑھنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے، کہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمہ منظر اسلام کے فارغین میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے منظر اسلام میں بحیثیت طالب علم تعلیم حاصل کی ہے۔

اس کے علاوہ اس بات کا بھی پتہ ملتا ہے، کہ ۱۳۲۳ھ میں آپ بریلی شریف تشریف ہی نہیں لائے۔ چہ جائیکہ آپ کا منظر اسلام میں مدرس ہونا۔ صدر الشریعہ بحیثیت مدرس بریلی شریف تقریباً ۱۳۲۸ھ میں تشریف لائے، ۱۳۲۲ھ کی روداد میں صدر الشریعہ کا نام بحیثیت صدر مدرس درج ہونا یہ ایک تاریخی مغالطہ ہے یا علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب سے کتابت میں سہو ہوئی ہے۔

میرے اس دعوے کی تائید مفتی عبد الواجد قادری ادارۃ القرآن اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ موصوف رقمطراز ہیں:

۱۳۲۶ھ میں مدرسہ کے مہتمم اول استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے وصال پرملال کے بعد سربراہی علاوہ مدرسہ کے اہتمام کی بھی پوری ذمہ داری حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ السلام پر آگئی، حضور حجۃ الاسلام نے اہتمام ونظامت کے علاوہ باضابطہ درس وتدریس کا بھی سلسلہ جاری فرمایا۔ مدرسہ کے مدرس اول حضرت علامہ مولانا رحم الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مستعفی ہوجانے کے بعد، کتب معقول ومنقول کے ساتھ ساتھ دورۂ حدیث کی کتابیں بھی زیر درس آگئیں۔ (ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ نمبر پہلی قسط ص ۱۳۴)

۱۳۲۶ھ تک جب منظر اسلام میں حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب بحیثیت مدرس اول خدمت انجام دے رہے تھے، تو پھر ۱۳۲۲ھ کی روداد کا حوالہ پیش کر کے صدر الشریعہ اور مولانا رحیم الٰہی منگلوری کے درمیان صدر مدرس کے عہدے کو لیکر اختلاف رائے کا قضیہ پیش کرنا چہ معنی دارد؟

اس کے علاوہ دوسری شہادت یہ ہے، کہ منظر اسلام کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا بشیر احمد علی گڑھی منتخب ہوئے تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر حسن رضا الحسنی نے اپنے مقالے میں تحریر کیا ہے۔

"منظر اسلام کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ رشید حضرت مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی سے بھی آپ (ملک العلماء) نے اکتساب فیض کیا۔ صحیح بخاری ومسلم از اول تا آخر آپ نے فاضل بریلوی سے پڑھی۔ ۱۳۲۵ھ میں فاضل بہاری اور مولانا عبد الرشید صاحب عظیم آبادی، جو اس مدرسہ کے سب سے پہلے طالب علم تھے، ان کی دستار بندی ہوئی۔ حضرت ملک العلماء اس مدرسہ میں مدرس مقرر کر لئے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حاجی عبد الرزاق قادری رضوی مقام شملہ کے شدید اصرار پر فاضل بریلوی نے آپ کو (ملک العلماء) جامع مسجد شملہ کی امامت وخطابت پر مامور کر دیا۔ (ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر دوسری قسط ص ۱۳۲)

مذکورہ بالا اقتباس سے بھی واضح ہوتا ہے، کہ جب ۱۳۲۲ھ یعنی قیام منظر اسلام سے ہی حضرت مولانا بشیر احمد علی گڑھی صدر مدرس کے منصب پر فائز تھے۔ تو ان کی موجودگی میں دوسرے حضرات کو صدر مدرس بنانے اور اختلاف رائے کرنے کا قضیہ کیوں کر در پیش آیا؟

بہر کیف اتنی بات تو واضح ہوگئی، کہ حضرت ملک العلماء

نے جامعہ رضویہ منظر اسلام میں بحیثیت مدرس خدمت انجام دیں۔ منظر اسلام کے فروغ و استحکام کے لئے آپ نے دور طالب علمی سے لے کر دور تدریس تک کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

منظر اسلام کی یہ خصوصیت روز اول ہی سے ہے کہ ہر دور میں اس کے اساتذہ لائق و فائق رہے ہیں اور اس کے فارغین بھی کامیاب و کامراں رہے ہیں۔ اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دور حاضر کے ایک لائق و فائق مدرس و محقق حضرت علامہ مولانا محمد عیسیٰ رضوی فارغ التحصیل جامعہ رضویہ منظر اسلام اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:

"منظر اسلام سے ایسے لائق و فائق علماء وافر پیدا ہوئے، کہ ان میں سے ہر ایک کا مفصل ذکر و تذکرہ ایک مستقل ضخیم کتاب کا خواہاں ہے۔ تاریخ کے اوراق جن کے ذکر سے آج بھی روشن و فروزاں ہیں۔ بعض افراد ایسے ہوئے ہیں، جن کا تاریخ میں ذکر یا نام ہو، اس سے وہ نامور و مشہور ہوئے ہیں۔ ان کو تاریخ کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ تاریخ کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر منظر اسلام سے کسب فیض کرنے والے افراد وہ ہوتے ہیں، جن کو تاریخ کی نہیں، بلکہ تاریخ کو ان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ وہ اشخاص ہیں، جن کا ذکر تاریخ میں آنے سے مشہور و معروف نہیں ہوتے ہیں، بلکہ تاریخ ان سے مشہور و مرکز توجہ ہوتی ہے اور تاریخ کو ان پر ناز ہوتا ہے۔ یہ جو کچھ ہے سب ان نابغہ روزگار وجود اور شاہین پرواز مفکر کا فیض ہے، جس نے بریلی کی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر کہکشاں کی نظر سے قوم کے مستقبل کا مقدر دیکھا اور اس نے فریب خوردہ قوم کو پستیوں اور درماندگیوں سے نکال کر وہ لازوال تمغہ کمال عطا فرمایا جس کی مثال صدیوں میں نہیں ملتی۔ اس عبقری مجدد کا یہی وہ طرۂ امتیاز و کمال و وصف ہے جو ہمارے لئے سرمایہ حیات اور فقید المثال نمونہ ہے۔

☆☆☆

"ایسے کمالات و اوصاف کے حامل شخص کو لوگوں نے پردۂ خفا میں رکھا تذکرہ نگاروں نے حق دیانت ادا نہیں کیا، بعض نے تو ایسی بات لکھ ماری ہے، کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے اس انکشاف کرنے پر لوگوں کو حیرت ہوگی۔ مگر مجھے کوئی تردد اور جھجھک نہیں، کیونکہ تاریخ ایک ایسی حقیقت ہے، کہ اس سے چشم پوشی قطعاً ممکن نہیں۔"

(ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی)

حضرت ملک العلما بحیثیت پرنسپل جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار

از قلم: مولینا خواجہ ساجد عالم مصباحی، استاذ مدرسہ لطیفیہ خانقاہ رحمن پور، بارسوئی، کٹیہار، بہار

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم عملہ ٹولہ کٹیہار بہار میں حضور ملک العلماء حضرت مولانا شاہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہار کی تشریف ارزانی اور قیام ہماری جماعتی تاریخ کا ایک مستقل باب اور دلچسپ موضوع ہے۔ مستقل وہ اس لئے کہ حضرت ملک العلماء نے جب بحر العلوم کٹیہار میں نزول اجلال فرمایا تو مشرقی بہار اور بعض اضلاع بنگال کے اس عظیم خطے میں ہر چار سو انقلاب کی آمد کا احساس ہوا۔ یہ جگہ جہاں پہلے علماء وفضلا کی قابل تعداد نہیں تھی۔ تعلیم وتربیت اور علوم معارف کی تحصیل و دریافت کا کوئی مستقل مرکز نہیں تھا۔ تبلیغ و اشاعت اور اصلاح وتعمیر کے رُخ سے کوئی پلیٹ فارم نہیں دیکھا جاتا تھا۔ تحریک ومشن کے حوالے سے درد مند وذی ہوش اور بالغ نظر مبلغین وداعین کی کوئی جماعت نظر نہیں آتی تھی۔ صالح و پاکیزہ افکار کے نظریات کی ترسیل وابلاغ اور ان کے تحفظ و بقاء اور فروغ وارتقاء کے تعلق سے کوئی میدان موجود نہیں تھا۔

مگر آپ کیا قدم رنجہ ہوئے کہ امور و مسائل کے حوالے سے ہر سمت بہار آگئی اور ایک زمین شور رشک خلد ولالہ زار بن گئی۔ دلچسپ بھی اس لئے کہ آپ جس جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں وارد ہوئے وہ جا معرکہ حق وناحق کی آویزش، دینی وبے دینیم عرکہ آرائی کے مابین نزاع، نظریات وعقائد حقہ اور باطل افکار وخیالات کے درمیان کی کشمکش، مثبت وتعمیری اقدامات اور تخریبی وغیر اصلاحی احکامات کی باہمی معرکہ آرائی کے بطن سے منصۂ شہود پر آیا تھا۔ جامعہ کی داغ بیل ڈالنے کے پس منظر اور اس کی تعمیر وتشکیل کی داستان دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ دل گداز بھی ہے۔ سر دست اس واقعہ کا بھی تجزیہ کیا جائے گا۔

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم اور حضور ملک العلماء:

آپ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں صرف بطور شیخ الحدیث یا صدر المدرسین ہی نہیں تھے۔ بلکہ خانوادہ عشق، متن گھاٹ، پٹنہ کے چشم وچراغ اور صاحب سجادہ خانقاہ عشق اور بانی جامعہ حضرت سید شاہ خواجہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں (م ۱۹۸۷ء) کی طرح آپ کا مبارک وجود بھی جامعہ کیلئے موسس ومعمار جیسا تھا۔ اگر جامعہ کے ماضی کو کریدا جائے مرور ایام کے اوراق پارینہ کو دیکھا پرکھا جائے اور عہد رفتہ کے گرد آلود احوال ونشانات کو منصفانہ تحقیقی دست ہنر سے صاف کیا جائے، تو یہ حقیقت طشت از بام ہوگی۔ جامعہ کے قیام و تاسیس اور تعمیر وتشکیل میں کلیدی رول دو ہی مردان حق کا رہا ہے۔ ایک ہیں حضرت درگاہی میاں اور دوسرے ہیں حضرت ملک العلماء۔

حضرت ملک العلماء یہاں فقط دینی درد، مسلکی خدمت، جماعتی خیر خواہی خصوصاً علوم نبویہ کی ترویج واشاعت سے لبریز جذبات عشق کے زیر اثر تشریف لائے تھے۔ ورنہ ان دنوں آپ جس پیرانہ سالی، نقاہت ولاغری اور ضعف وپژمردگی کے ہمت شکن دور سے گزر رہے تھے۔ اس عالم میں آپ کی جگہ پر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ بظاہر اس دور افتادہ وغیر مانوس مقام کی طرف رخ کرنا بھی گوارا نہ کرتا۔ حضرت مولانا قاضی نور پرویز رشیدی تلمید

حضور ملک العلماء فرماتے ہیں:

"حضرت ملک العلماء جامعہ بحر العلوم کٹیہار میں عمر طبعی کے اُس حصے میں رونق افروز ہوئے تھے، کہ قیام کے آخر میں ضعف پیری و کمزوری کے سبب درس اکثر اوقات بستر پر دراز ہو کر دیتے تھے اور بیرون جامعہ کی کسی مذہبی تقریب اور اجلاس و محافل وغیرہ میں شرکت سے معذور تھے۔"

آپ نے اپنی حیات مبارکہ کے دس قیمتی سال جامعہ کو دیئے اور اس دوران آپ نے اپنے ہاتھوں سے علم و عرفان کے لگائے ہوئے اس ننھے پودے کی جانسوزی سے سینچائی کی اور اخلاص و للّٰہیت، ایثار و قربانی اور عشق و وفا کے خون جگر سے اس کو پروان چڑھایا اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ جب آپ کی نگاہِ کیمیا اثر کے طفیل تعلیم و تعلم کے لحاظ سے یہ ادارہ مشرقی بہار اور بنگال کی شناخت قرار پایا۔ آیئے اب قیام جامعہ لطیفیہ کے دلچسپ پس منظر کو دیکھیں۔

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کے قیام و تشکیل کا پس منظر:

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم جس ضلع شہر کٹیہار میں قائم ہے وہ اس وقت قدیم ضلع پورنیہ کے ماتحت ایک سب ڈویژن تھا۔ بحر العلوم کے قیام سے پیشتر پورنیہ میں اور کئی دیگر مدارس و دار العلوم تھے۔ سب سے پہلا مدرسہ محمدیہ اسٹیٹ کا تھا۔ جس کا نام مدرسہ 'اسافت رحمت' رکھا گیا تھا۔ اس کے قیام کا ایک صدی سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ اس کے بعد رحمٰن پور خانقاہ لطیفیہ میں مدرسہ معرض وجود میں آیا، جو مدرسہ لطیفیہ سے معنون ہوا۔ ان دونوں اداروں کو صاحب تصانیف جلیلہ اور اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مخلص و رفیق کار قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلا، حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ العزیز (م ۱۳۴۳ھ) کی تحریک اور جدو جہد عمل نے قائم کیا تھا۔ حضرت لطیفی کسمر یا موضع چشتی نگر نزد اعظم نگر ضلع کٹیہار کے باشندہ تھے۔ آپ ایک عبقری مدرس جلیل القدر عالم دین اور قد آور مصنف و محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زاہد مرتاض قدسی صفت بزرگ بھی تھے۔ آپ کو بیعت و ارادت و اجازت و خلافت بارہویں صدی ہجری میں قائم شدہ خانقاہ عشق متن گھاٹ پٹنہ کے تاجدار ولایت و طریقت حضرت شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ العزیز (م ۱۲۹۹ھ) سے حاصل تھی۔ حضرت لطیفی نے چودھویں صدی ہجری کی پہلی دہائی میں قریہ رحمٰن پور بارسوئی ضلع کٹیہار کے اندر ایک خانقاہ بنام خانقاہ لطیفیہ کی بنیاد رکھی۔ جو تا حال زندہ و تابندہ اور ان کی تاریخی کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ کے ایک خادم خاص اور قریبی شاگرد میں مولانا عابد حسین چندی پوری تھے۔ مولانا چندی پوری عہد شعور سے ہی دیوبندیت کی جانب مائل تھے اور عقائد باطلہ کے مقرر بھی یہ سب چھپ چھپا کر ہوتا تھا۔ مگر بعض مجبوری و مصالح کی وجہ سے حال باطن کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ حضرت لطیفی جب تک بقید حیات رہے۔ مولانا چندی پوری نے اپنی قلبی کدورت اور دینی فطور کی پردہ پوشی کی۔ لیکن جب حضرت لطیفی کا وصال ہو گیا اور کچھ مدت بھی بیت گئی تو انھوں نے کینچلی بدلی اور دیوبندیت کا روپ دھارن کر لیا۔ مولانا چندی پوری نے اپنی فرقہ وارانہ و گمراہ کن فکر اور فاسد و کاسد اعتقادات و خیالات کی اشاعت و تشہیر، ترویج و تنفید کے خاطر شہر کٹیہار میں ایک ادارہ بموسوم 'دار العلوم لطیفی'' کی اساس رکھی اور اس میں دو فاضل دار العلوم دیوبند مولانا منور حسین و مولانا عبد الرزاق اور ایک فاضل ندوۃ العلماء مولانا عبد الغفار کو بطور استاد بحال کیا۔

مولانا کے اس اقدام سے حضرت لطیفی کے مریدین و متوسلین اور خوش عقیدہ مسلمانوں میں شدید برہمی و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے اس معاملے کو لے کر جابجا مولانا چندی پوری کا گھیراؤ

کیا اور ان سے باز پرس کرتے ہوئے، جلد از جلد دار العلوم سے ملایان دیو بند وندوۃ کو نکال باہر کرنے کے لئے سخت احتجاج کیا۔ مگر مولانا چندی پوری تھے کہ جواپنے کئے پر نظر ثانی کرنے یا ندامت یا خجل کے آنسو بہانے کے بجائے پوری ڈھٹائی کے ساتھ اٹل رہے۔

جماعت اہلسنت کے اعیان وعمائدین اور دیگر ارباب نظر نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ اس قضیہ نامرضیہ کو لئے حضرت لطیفی کے پیر خانہ خانقاہ عشق متن گھاٹ پٹنہ پہنچے۔ اس وقت خانقاہ کے صاحب سجادہ حضرت سید شاہ خواجہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں تھے۔ انھوں نے وفد کی باتیں کامل توجہ سے سنیں اور پھر معاملے کے تصفیہ وحل کے لئے خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور کے مقام کا انتخاب فرمایا۔ مقررہ تاریخ پر خانقاہ رحمٰن پور کے اندر فریقین جمع ہوئے۔ اہلسنت کی نمائندگی حضرت لطیفی کے صاحب زادہ اصغر حضرت شاہ خواجہ وحید اصغر کررہے تھے۔ جب کہ مخالف مکتب فکر کی ترجمانی کے لئے مولانا چندی پوری اور ان کے دوسرے اعوان وانصار موجود تھے۔ حَکم وفیصل کی حیثیت سے حضرت درگاہی میاں نے سب سے پہلے فریقین کی گفتگو سماعت کی اور ان کی شکایات وحکایات معلوم کی۔ بعد میں مولانا چندی پوری سے خصوصیت کے ساتھ مخاطب ہوئے اور کئی سوالات کئے۔

پہلا سوال تھا، آپ دیوبندی فرقہ کے عناصر اربعہ کو ان کے اقوال کفریہ کے سبب کافر گردانتے ہیں یا نہیں؟ اس پر مولانا چندی پوری کا جواب تھا "ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کون کافر ہے اور کون مومن؟ اگر پتہ کرنا مقصود ہو تو عالم برزخ میں جا کر دیکھئے"۔

اس جواب پر علمی دلائل وبراہین کے ساتھ خاصی دیر تک بحث ومباحثہ ہوا، لیکن مولانا صاحب اپنے موقف سے بال برابر بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ نتیجتاً بھری محفل میں خواص کے ساتھ عوام کو بھی اس امر کا قطعی علم ہو گیا کہ مولانا چندی پوری نے جادۂ حق و صراط مستقیم سے ہٹ کر اپنی ایک الگ راہ بنائی ہے اور اب وہ اعلانیہ دیوبندی ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر جہاں حضرت خواجہ وحید اصغر صاحب نے مولانا چندی پوری سے اپنے دیرینہ خانقاہی تعلق کے انقطاع کا اعلان کیا اور سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کو ان سے دور ونفور رہنے کی تلقین کی۔ وہیں حضرت درگاہی میاں نے حاضرین کے روبرو دار العلوم لطیفی کے ردعمل میں "جامعہ لطیفیہ بحر العلوم" کے قیام کا پرزور اظہار کیا اور آنے والے بداعتقادی سیلاب بلا کے آگے بندھ باندھنے کے عزم مصمم کو آشکار کیا۔ اس کے بعد حضرت درگاہی میاں اپنی خانقاہ عشق پٹنہ کیلئے روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے والد ماجد حضرت شاہ خواجہ حمید الدین ابو العلائی قدست اسرارھم کے دیرینہ رفیق وہم مجلس حضرت ملک العلماء سے ملے۔ پہلے انہیں اپنے پورنیہ سفر کی سرگذشت سنائی اور پھر جامعہ کی سربراہی کی درخواست پیش کی۔ حضرت ملک العلماء نے درگاہی میاں کے آباواجداد سے اپنے دیرینہ تعلق خاطر واحترام اور دینی علوم کی اشاعت وترویج کے جذبات سے مغلوب ہو کر محض رضائے الٰہی و اُسوۂ حسنہ کی پیروی میں اس درخواست کو بطیب خاطر قبول فرمالیا اور آنکھیں موند کر سیدھے جامعہ بحر العلوم کٹیہار کے لئے پابہ رکاب ہوئے ۲۹ رشوال المکرم ۱۳۷۱ھ میں ایک اجلاس کے اہتمام کے ساتھ جامعہ کا افتتاح فرمایا اور بخاری شریف کے طلبہ کو پہلا درس دیا۔

حضرت ملک العلماء جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں بحیثیت مدرس:

جب سطح زمین پر جامعہ لطیفیہ کے خاکے کو اتارنے کا حتمی منصوبہ بنا اور حضرت ملک العلماء کی آمد آمد کی نوید جانفزا ہر خاص و عام تک پہنچی، تو جامعہ میں داخلے کیلئے طالبانِ علوم نبوت وشائقین معارف شریعت کی لمبی قطار کھڑی ہو گئی۔ قدیم پورنیہ کے شہرو

دیہات سے طلبہ تو آئے ہی، بیرون دیار سے بھی ان کے قافلے در قافلے اترے۔ یہاں تک یوپی اور دیگر صوبوں کے مدارس سے طلبا جوق در جوق آ گئے۔ طلبہ داخلہ لے کر ملک العلماء کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے اور درسگاہ فیض میں خوشہ چینی کر کے دارین کی دولت و نعمت حاصل کرنے لگے۔ حضرت ملک العلماء نے یہاں تدریسی عمل میں معاون کی حیثیت سے بڑے بلند پایہ و تجربہ کار اور کہنہ مشق اساتذہ کا بندوبست کیا تھا تا کہ تعلیمی نظام اور جامعہ کے بنیادی اغراض ومقاصد (یعنی بہترین وذی استعداد فارغین وفضلا کی جماعت تیار کرنا اور باشعور وبیدار مغز دعاۃ ومبلغین کی اہلی ٹیم کے طور پر آپ کے ساتھ حضرت مولانا یوسف عظیم آبادی، مولانا عبد المنان گیاوی حضرت مولانا سلیمان بھاگلپوری وغیرہ جیسے اساطین علم وفن تھے کہ جن کی علمی گہرائی وگیرائی اور فنی کمالات کا شہرہ وغلغلہ پورے ملک میں تھا۔

طرز تدریس :

حضرت ملک العلماء علم وفضل اور تدریسی مہارت و ممارست کے اعتبار سے برصغیر پر چند گنے چنے مدرسین واساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کا انداز تدریس بڑا منفرد ونرالا تھا۔ آپ کو جملہ علوم وفنون میں یکساں طور پر محیر العقول درک ویدطولی حاصل تھا۔ آپ جس فن اور جس علم کی بھی کوئی کتاب پڑھاتے اپنی بے نظیر تدریسی لیاقت واستعداد کا نقش جاوید چھوڑ جاتے۔ حضرت علامہ مفتی شہاب الدین اشرفی تلمیذ حضور ملک العلماء گویا ہیں:

"میں نے حضرت ملک العلماء قدس سرہ سے جو چند فنون کی کتابیں پڑھی ہیں مثلاً بخاری شریف، طحاوی شریف، مسند امام اعظم، تفسیر مدارک، ہدایہ آخرین، تصریح، مسلم الثبوت، دیوان حماسہ وغیرہ اس لئے نہ صرف ایک فن، بلکہ مختلف فنون میں آپ کے طریقہ تدریس کا انداز میرے دل پر اب بھی نقش ہے۔ ان تمام کتابوں میں طریقہ تدریس کی عمدگی، مضامین کی تفہیم کا انداز نرالا تھا۔ حدیث میں بخاری پڑھانے میں حدیث کا مفہوم، حسب ضرورت راویوں کے حالات کا بیان، حدیث سے متفرع مسائل کی وضاحت، مسائل کے مختلف فیہ ہونے کی صورت میں تہذیب، تقریب کے حوالے سے راویان حدیث کی جرح وعدالت کا ذکر، مذہب حنفی کی دیگر احادیث سے تائید وغیرہ آپ کے حسن تدریس کے جلوے تھے۔ فقہ واصول فقہ پڑھانے کا انداز بڑا دلنشین تھا۔ فقہ پڑھانے میں اس بات پر بھی روشنی ڈالتے، کہ یہ مسئلہ ادلہ اربعہ میں سے کس دلیل سے ثابت ہے۔ اگر مسئلہ نص سے ثابت ہوتا تو حسب ضرورت یہ بھی بتاتے، کہ عبارۃ النص اشارۃ النص، دلالۃ النص واقتضاء النص میں سے کس نص سے یہ مسئلہ مستنبط ہے۔ اسی طرح یہ بتاتے کہ یہ مسئلہ قیاسی ہے یا اجماعی؟ یا خلاف قیاس استحسان بالاثر وغیرہ ہے۔"

مطالعہ سے شغف :

کبر سنی ونقاہت اور جملہ علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ کے شناور ٹھہرنے کے باوصف آپ کے مطالعہ کا یہ حال تھا، کہ روز مرہ کی ضرورت کی تکمیل کے بعد وقت کی ایک گھڑی بھی ضائع نہ فرماتے۔ بلکہ کتب بینی اور ورق گردانی میں مصروف نظر آتے۔ شب میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ جبکہ دن میں قیلولہ کے وقت عموماً اخبار ورسائل پڑھتے۔ یا کسی علمی مباحثے میں شریک ہو کر علمی فیضان تقسیم کرتے۔ اس دوران خدمت میں اگر کوئی طالب علم آ جاتا، تو اسے بھی علمی وفنی زر وجواہرات سے مالا مال کرا دیتے۔

علمی طنطنہ :

اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو بے پناہ علمی طنطنہ ورعب عطا فرمایا تھا۔ رخ زیبا سے ایسا جلال علم ہویدا تھا کہ بیگانے تو ایک طرف رہے اپنے بھی جلد آپ کے آمنے سامنے ہونے کا تاب وتواں نہیں رکھتے تھے۔ حضرت علامہ شہاب الدین اشرفی کہتے ہیں:

"چہرہ سے رعب اس قدر ظاہر تھا کہ کسی کو آپ کے سامنے مجال سخن نہ ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علما کو میں نے دیکھا کہ آپ سے گفتگو کرنے میں لکنت لسانی کے شکار ہو جاتے یا تو بولنے کی تاب نہ ہوتی یا پھر ڈرے سہمے انداز میں اپنی بات پیش کرتے۔ میں نے جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کے ناظم اعلیٰ وکیل عبد السلام صاحب رشیدی کو دیکھا جو کہ اپنے علاقے کے مانے ہوئے وکیل تھے۔ پھر آج کل کے ناظموں کا مزاج سب کو معلوم ہے۔ اس کے باوجود حضور ملک العلماء سے کچھ عرض کرنا ہوتا، تو ڈرے سہمے مودب انداز میں عرض کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مجھ سے کہتے "مولانا شہاب الدین صاحب آپ حضرت سے قریب ہیں آپ میری طرف سے عرض کر دیجئے۔"

شفقت و نوازش :

حضرت ملک العلماء اپنی درازیٔ عمر، وسیع تجربات وطویل مشاہدات اور وفور دانائی و تبحر علمی کے سبب اپنے معاون اساتذہ پر نا قابل تسخیر تفوق و برتری کے حامل تھے۔ مگر باں فضل و کمال آپ ان حضرات پر حد درجہ مہربان اور ان کے دکھ سکھ کے بڑے قدر دان تھے۔ انتظامی امور ہو، یا تعلیمی مسائل یا پھر درسگاہی مراحل سے متعلق معاملات آپ ہر موڑ پر ان حضرات کا ہاتھ بٹاتے۔ حضرت مولانا قاضی نور پرویز رشیدی سخن طراز ہیں:

"حضرت ملک العلماء نے اپنے معاون اساتذہ کو یہ خصوصی رعایت دے رکھی تھی، کہ جب وہ چاہیں انتظامی و تعلیمی امور پر تبادلہ خیال کریں۔ ان کے حل کیلئے خدمت میں پہنچیں اور بلا جھجک و عار کے ہر چھوٹی بڑی بات سامنے پیش کریں۔ یہی وجہ تھی، کہ جب انہیں دوران مطالعہ یا اثنائے تدریس کوئی پیچیدہ مسئلہ یا کوئی لاینحل عبارت درپیش ہوتی، تو بغیر کسی جھجک کے آپ کے در خدمت پر دستک دیتے اور پھر سرخرو بامراد ہو کر لوٹتے۔" طلبہ و شاگردوں کیلئے تو آپ کی شفقت نوازش ابر باراں کے طور پر تھی کہ جس کے سائے تلے جہاں وہ تعلیم پاتے تربیت لیتے اور اوصاف و خصائل حمیدہ کے سانچے میں ڈھلتے، وہیں جہاں بینی و جہاں داری کے اسرار و رموز بھی سیکھتے اور باشعور و پختہ کار عالم و فاضل بن کر ملت وقوم کا سرمایا قرار پاتے۔

حضرت علامہ مولانا مفتی شہاب الدین اشرفی تلمیذ حضور ملک العلماء و سابق نائب صدر المدرسین جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کہتے ہیں:

"طلبہ کو جہاں غلطیوں پر ڈانٹتے تھے، وہیں بے پناہ شفقت بھی فرماتے تھے۔ طلبہ کے اخلاقیات پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ جو طلبہ حضرت ملک العلماء سے قریب تھے، ان کی خدمت میں رہتے تھے آج ان میں جو بھی حیات سے ہیں۔ وہ اپنی جگہ حسن و اخلاق کے پیکر ہیں، ادب و تہذیب سے کما حقہ آراستہ ہیں۔"

یہ تھی موضوع و عنوان سے وابستہ منتشر مواد و معلومات کی وہ ایک جھلک کہ جسے میں محنت و تلاش سے اپنی کج مج تحریر میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکا۔ ضرورت ہے کہ رضویات کے محققین اپنے حوالے سے بھی کام میں تیزی کریں۔ چنانچہ حضرت ملک العلماء محفل رضا کے چراغ درخشاں ہیں خیر خواہی اور ہمدردیٔ غلامان رضا میں پیش رو ہیں اور فاضل بریلوی کے مشن کے امین و پاسدار تھے۔ بلکہ ہر وہ کچھ کہتے تھے کہ جس سے حیات رضا معنون ہے۔ جامعہ حضرت ملک العلماء کی پچپن سالہ بے لوث خدمت دعوتی، تبلیغی، قلمی و تدریسی زندگی کا آخری پڑاؤ ہے۔ یہاں عالم نقاہت میں آئے اور پھر شدت علالت کی وجہ سے ۱۳۸۰ھ میں رخصت ہوئے۔ اس دوران کی دس سالہ قیمتی مدت بحر العلوم کی حدود اربعہ میں یونہی بسر نہ ہوئی، بلکہ اس سیماب صفت مرد کبیر و بطل جلیل کا پل پل علم و ادب، فکر و فن، تبلیغ و ارشاد اور تحریک و تنظیم کے طلاطم سے عبارت رہا۔ ارباب علم و قلم کو چاہیئے کہ جب وقت کے اس عبقری شخصیت کے اوراق زیست کو سمیٹیں تو بحر العلوم جوان کی زندگی کا ایک اہم پڑاؤ ہے اور ایک تاریخی موڑ ہے۔ اسے بہر صورت فراموش نہ کریں۔ ☆☆☆☆

حضور ملک العلماء کا انداز تدریس

از قلم: تلمیذ رشید حضور ملک العلماء مولانا شہاب الدین صاحب اشرفی، بارسوئی، کٹیہار

مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بارگاہ علم و فن سے ہمارے جن اکابرین نے براہ راست استفادہ فرمایا، ان میں جو مجمع علوم عقلیہ ونقلیہ ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ رحمۃ والرضوان کا نام نامی اسم گرامی جلی حرفوں اور سرخیوں میں آتا ہے۔ میرے ذہن وفکر میں حضرت ملک العلماء کی پُر وقار علمی فکری شخصیت کا سکہ اس وقت بیٹھ چکا تھا جب میں عربی کے ابتدائی درجات کا طالب علم تھا۔ میرا تعلق چونکہ بفضلہ تعالیٰ علمی گھرانے سے رہا ہے اور بے۔ اس لیے بزرگوں، علمی شخصیتوں اور دانشوروں کے تذکرے سننے کا موقع بچپن ہی سے میسر آیا۔ پھر جب گھر سے باہر عربی مدارس میں داخل ہوا، تو اپنے اساتذہ اور دور و نزدیک سے آنے والے مشائخ سے بھی حضرت ملک العلماء کے تذکرے سنا کرتا۔ اس طرح ان کی علمی جلالت کا غائبانہ تعارف ہوتا رہا۔ پھر جب عربی کے متوسطات تک پہنچا، تو ان کے بعض علمی و تحقیقی رسائل کے مطالعے کا بھی شرف ملا۔ جس سے ان کی عظمت مزید نکھر کر سامنے آئی پھر جب میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں زیر تعلیم تھا۔ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار بہار کی جانب سے ایک پوسٹر شائع ہوا۔ جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا۔ کہ خلیفۂ اعلیحضرت ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری شیخ الحدیث وصدر مدرس کی حیثیت سے جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار بعد رمضان تشریف لا رہے ہیں۔ پوسٹر پڑھتے ہی دل باغ باغ ہوگیا۔ یہ میرے لیے بڑی خوش آئند خبر تھی اور اس سے بڑھ کر علمی دنیا میں میرے لیے خوشی کی اور کیا بات ہوتی کہ گویا ہمارے گھر میں وہ ذات تعلیم وتدریس کے لیے بلکہ ظاہر و باطن کو سنوارنے کے لیے تشریف لا رہی تھی، جو مجمع البحرین، شریعت وطریقت کا سنگم ہے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کی جامع ہے۔ میں نے پوسٹر پڑھ کر عزم مصمم کرلیا کہ آئندہ سال مجھے بہر حال حضرت والا مرتبت کی خدمت بابرکت میں رہ کر زیور علم وادب سے آراستہ ہونا ہے۔ تعطیل کلاں کے بعد جامعہ میں داخلے کے لیے درخواست پیش کی۔ بفضلہ تعالیٰ وہ قبول ہوئی۔ حضرت ملک العلماء کی آمد سے ہر طرف چہل پہل تھی۔ ہر شخص فرحاں وشاداں تھا۔ اب معلوم ہو رہا تھا کہ یہاں کوئی عظیم جشن منعقد ہونے والا ہے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ:

جھوم جھوم اٹھے شجر کلیوں نے آنکھیں کھول دیں
جانب گلشن کوئی مست خرام آہی گیا

اب تو میرے شب وروز اس ہستی کی سرپرستی اور عنایات علمی وروحانی میں گزرنے لگے۔ جنہیں غیر منقسم ہندوستان کے باشندگان نام سے کم ان کے معروف لقب "ملک العلماء" سے زیادہ جانتے پہچانتے تھے۔ جب اپنے رفقائے درس کے ساتھ میں نے حضرت کی درسگاہ میں بخاری شریف کا پہلا درس لیا، تو آپ کی علمی جلالت کا سکہ گویا مشاہداتی طور پر دل ودماغ میں بیٹھا اور بیٹھتا ہی چلا گیا۔ دل جھکا اور جھکتا ہی چلا گیا۔

مَیں نے تعلیم کے علاوہ حضرت ملک العلماء کی خدمت کو بھی اپنی اہم مشغولیات کا حصہ بنالیا۔ جلسوں، مناظروں اور محفلوں میں شرکت کے لیے خادم کی حیثیت سے آپ نے چند مخصوص طلباء کی جو فہرست بنائی، اس میں مجھ حقیر کا نام بھی از راہ کرم گستری درج فرمایا۔ اس طرح مجھے سفر وحضر، درس اور غیر درس کے اوقات میں جلوت وخلوت میں حضرت کی زندگی کے مطالعے کا شرف ملا اور اسے اپنے لیے نمونۂ عمل بنانے کا موقع نصیب ہوا۔

مَیں نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا۔ کانوں سے جو علمی مباحث اور موشگافیاں سنیں۔ ان کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔ اپنی دیکھی اور سنی ہوئی چند چیزیں یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

طریقۂ تدریس:

مَیں نے حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ سے مختلف فنون کی کتابیں پڑھی ہیں۔ مثلاً بخاری شریف، طحاوی شریف، مسند امام اعظم، تفسیر مدارک شریف، ہدایہ آخرین، تصریح، مسلم شریف، دیوان حماسہ وغیرہ اس لیے نہ صرف ایک فن بلکہ مختلف فنون میں آپ کے طریقۂ تدریس کا انداز میرے دل پر اب بھی نقش ہے۔

تمام فنون کی کتابوں میں طریقۂ تدریس کی عمدگی، مضامین کی تفہیم کا انداز منفرد اور نرالا تھا۔ حدیث میں بخاری شریف پڑھانے میں حدیث کا مفہوم حسب ضرورت راویوں کے حالات کا بیان، حدیث سے متخرجہ مسائل کی وضاحت، مسائل کے مختلف فیہ ہونے کی صورت میں تہذیب، تقریب کے حوالے سے راویانِ حدیث کی جرح وعدالت کا ذکر، مذہب حنفی کی دیگر احادیث سے تائید وغیرہ آپ کے حسنِ تدریس کے جلوے تھے۔

فقہ، اصولِ فقہ پڑھانے کا انداز بھی بڑا دل نشیں تھا۔ فقہ پڑھانے میں اس بات پر بھی روشنی ڈالتے کہ یہ مسئلہ ادلۂ اربعہ میں سے کس دلیل سے ثابت ہے۔ اگر مسئلہ نص سے ثابت ہوتا، تو حسب ضرورت یہ بھی بتاتے کہ عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص میں سے کس نص سے یہ مسئلہ مستنبط ہے۔

علم ہیئت میں ہم نے ملک العلماء سے صرف تصریح پڑھی، جس میں ''فلک'' اور ''کرے'' کی تفصیل، رات و دن کے اختلاف، کسوف وخسوف کے وجوہات، بروج وا قالیم کی تفصیل صبح و شفق، سمت قبلہ کے استخراج کا طریقہ جیسے مسائل کو پوری وضاحت سے سمجھائے۔ علم ہیئت میں ان کی 'مسلم الافلاک' کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ جسے متعدد طلبہ نے نقل کیا۔ حضرت ملک العلماء کی طرف سے درسگاہ میں طلبہ کو اعتراض کی کھلی چھوٹ ہوتی تھی۔ مگر عموماً خود ہی اعتراض کی بھی وضاحت کرتے اور خود جواب بھی دیتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ علم کا دریا موجیں مار رہا ہے۔ دوران درس کسی سبق سے متعلق کوئی واقعہ ہوتا، تو اسے بھی بیان فرماتے۔ اسباق کے بعد ترتیب کے انداز میں کبھی کبھی بزرگوں کے حالات و واقعات بھی بیان کرتے اور اس سے نتیجہ اخذ کرکے نصیحت فرماتے۔ جو بڑا دل نشین ہوتا۔

ذوق مطالعہ:

ضعف پیری اور علمی تبحر کے باوجود حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے مطالعے کا یہ حال تھا کہ ضروریات کی تکمیل کے بعد کوئی وقت ضائع نہ فرماتے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے، قیلولہ کے وقت عموماً اخبار ورسائل کا مطالعہ کرتے، جب مَیں یا کوئی اور طالب علم خدمت کے لیے جاتا، تو ان سے علمی گفتگو فرماتے یا واقعات بیان کرتے اور ان پر اپنا ناصحانہ تبصرہ بھی کرتے۔

طلبہ کو مطالعے کی ترغیب:

طلبہ کو کتابوں اور اہم رسالوں کے مطالعے کی ترغیب دیتے۔ خصوصاً اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے رسائل کے مطالعے کی۔ الاشباہ والنظائر لابنِ نجیم حنفی کے فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے مجھے اس کے مطالعے کی ترغیب دی۔ کتابوں کے خریدنے کی نصیحت کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ علماء کے ہتھیار ہیں۔ بے کتاب کے مولوی ایسے ہیں، جیسے بے ہتھیار کے سپاہی۔ انہی کی ترغیب کا اثر تھا کہ وہاں کے محنتی باذوق طلبہ کچھ نہ کچھ کتابیں ضرور خریدتے۔ مَیں نے بفضلہٖ تعالیٰ خاصی کتابیں دورانِ طالب علمی میں ہی خرید لیں۔ چند کتابیں خود حضرت ملک العلماء نے مجھے باہر سے منگوا دیں، جس میں شرح جامی کی معروف شرح ''محرم آفندی'' بھی شامل ہے۔

عالمانہ رعب:

حضرت ملک العلماء علمی و جسمانی دونوں اعتبار سے بارعب تھے۔ آواز گرجدار تھی۔ چہرہ کشادہ جسم بھرا ہوا۔ آنکھیں بڑی بڑی، عالمانہ رعب و دبدبے کے ساتھ رہتے، گفتگو پوری شان و شوکت اور عالمانہ وقار سے کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ واقعی ایک زبردست عالم دین ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے سچے خلیفہ ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء آتے، تو ان کے علمی رعب سے مرعوب ہو جاتے۔ مجلس میں جب گفتگو فرماتے، تو سب پر حاوی رہتے۔ گفتگو میں کافی وزن ہوتا۔ بے تکی باتیں نہ کرتے۔ جو کہتے پورے اعتماد کے ساتھ کہتے۔ دنیاوی و سیاسی معلومات بھی غیر معمولی رکھتے تھے۔ ایک بار سفر کے دوران چند سیاسی لیڈروں سے سیاسی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ آپ غالب رہے۔ مگر ان سیاست دانوں نے بور بنانے کے انداز میں کہا۔ ملا جی! آپ کا گھر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا ''عظیم آباد'' (پٹنہ)۔ ان سیاسیوں نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ یہ عظیم آباد کہاں ہے، آپ نے فرمایا کہ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں۔ چنانچہ داغ دہلوی نے کہا ہے۔

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

کبھی کبھی اپنے مناظروں کی روداد سناتے۔ آریہ سماجیوں مسیحی مبلغین اور غیر مقلدین سے آپ نے بہت کامیاب مناظرے کیے اس کی روداد ہم لوگوں کو کبھی کبھی سناتے۔ سچ ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اذان ثانی سے متعلق اعلیٰ حضرت اور اہل بدایوں کے واقعات بھی سناتے تھے۔ حدائق بخشش حصہ سوم کے استفتاء کا جو تنازعہ کھڑا ہوا تھا، اس سے متعلق حضرت ملک العلماء کی تحریر کی نقل مولانا عبدالرشید صاحب رشیدی کے پاس اور میرے پاس اب بھی موجود اور محفوظ ہے۔

علماء و مشائخ کی آمد:

کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج کے علاقے میں جلسوں، کانفرنسوں میں اس دور کے جید علماء و خطباء جب بھی شرکت فرماتے تو حضرت ملک العلماء سے ضرور ملاقات کرتے۔ عموماً وہ حضرات جامعہ لطیفیہ بحر العلوم تشریف لاتے۔ آنے والوں میں حضور محدث اعظم ہند، شیر بیشۂ اہلِ سُنّت مولانا حشمت علی، علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب، علامہ مشتاق احمد نظامی، وغیرہم جیسی اہم شخصیتیں تھیں۔ مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے علم ہیئت و توقیت سیکھنے کے لیے تین ماہ کی رخصت پر تشریف لائے تھے۔ حضرت ملک العلماء نے صرف چند ہفتے میں ان کو علم توقیت سکھا دیا۔

علمی رعب:

جلال علم کا نور حضرت ملک العلماء کے چہرے سے ایسا برستا تھا کہ جو دیکھتا، آپ کی علمی جلالت کا احساس و ادراک کر لیتا۔ چہرے سے رعب اس قدر ظاہر تھا کہ کسی کو آپ کے سامنے مجال سخن نہ ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء کو میں نے دیکھا کہ آپ سے گفتگو کرنے میں ہچکچاہٹ کے شکار ہو جاتے۔ یا تو بالکل ہی بولنے کی تاب نہ ہوتی۔ یا پھر ڈرے سہمے انداز میں اپنی بات پیش کرتے۔ میں نے جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کے ناظم اعلیٰ وکیل عبد السلام صاحب رشیدی کو دیکھا جو اپنے علاقے کے مانے ہوئے وکیل تھے اور بڑے زمیندار بھی، پھر آج کل کے ناظموں کا مزاج سب کو معلوم، مگر اس کے باوجود حضرت ملک العلماء سے کچھ بھی عرض کرنا ہوتا تو ڈرے سہمے مؤدب انداز میں عرض کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مجھ سے کہتے۔ مولانا شہاب الدین صاحب! آپ حضرت سے قریب ہیں، آپ میری طرف سے عرض کر دیجیے۔

تقویٰ و پرہیزگاری:

نورِ علم کے ساتھ اگر جمال تقویٰ بھی ہو، تو آدمی بہت بلند ہوتا ہے۔ حضرت ملک العلماء جہاں علم کے پہاڑ تھے، وہیں تقویٰ و پرہیزگاری اور نیک نفسی کے عظیم درجے پر فائز تھے۔ نماز باجماعت کی سختی سے پابندی، اذکار و وظائف کی کثرت، ادلۂ شرع پر عمل درآمد، منہیات شرع سے پرہیز، یہ سب آپ کے تصوّ فانہ کردار کے جلوے تھے۔ ضعف و نقاہت کے باوجود اُن کی عبادت و ریاضت میں فرق نہیں آتا۔ وہ روزانہ کے معمولات حسب سابق انجام دیتے تھے۔ ایک بار اپنے سلسلۂ کلام میں "الصحبۃ مؤثرۃ" پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ واقعی اچھوں کی صحبت نیک بناتی ہے اور بروں کی صحبت بد بناتی ہے۔ پھر یہ واقعہ ارشاد فرمایا۔

"ایک متصلّب سنی عالم کا ایک ہی لڑکا تھا۔ سوئے اتفاق کہ وہ لڑکا بھاگ کر کسی قادیانی کے مدرسے میں پہنچ گیا اور وہیں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ اور عقیدۃً بھی وہ قادیانی ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا۔ تو اس کے والد نے اسے دیکھتے ہی بھگا دیا اور کہہ دیا کہ آج سے تم مجھے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتے۔ وہ لڑکا اسی شہر میں کسی قادیانی کے یہاں پناہ گزیں رہا۔ اس کی والدہ اپنے لڑکے کی جدائی کا غم برداشت نہیں کر پائیں۔ وہ اپنے شوہر سے چھپ چھپ کر اپنے لڑکے سے ملنے جاتیں۔ کئی بار آنے جانے کے بعد ایک دن اپنے شوہر کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا۔ کہنے لگی کہ آخر وہ تمہارا لڑکا ہی تو ہے۔ اس کی باتوں سے متاثر ہو کر وہ سنی عالم بھی اس قادیانی کے گھر آنے جانے لگا۔ آخر کار وہ بھی قادیانی ہو کر مرا۔"

پھر ہم لوگوں کو نصیحت فرمائی۔ کہ "جب بڑے بڑے متبحر عالم کا یہ حال ہے کہ صحبت بد اثر کر جاتی ہے، تو کم پڑھے لکھے یا جاہلوں کو بروں کی صحبت اور بدعقیدوں کی صحبت سے کتنا دور و نفور رہنا چاہیے۔

عادات:

حضرت ملک العلماء لباس لمبا زیب تن فرماتے۔ لمبی پگڑی سر پر باندھتے۔ کھانے میں کریلا بہت پسند فرماتے۔ جب بازار میں کریلا نہیں ملتا۔ تو پرول خریدواتے، نیم کی چھوٹی چھوٹی شاخ کٹواتے۔ ایک دن اسی طرح پرول یا کریلا تیار ہوا۔ دسترخوان پر آیا۔ میں (شہاب الدین) اور مولانا عبد اللہ صاحب حضرت کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں۔ کس قدر عمدہ بنا ہے۔ سبحان اللہ! مگر ہم لوگوں سے بالکل کھایا نہیں جاتا تھا۔ حضرت کے ڈر سے ہم لوگ بالجبر والا کراہ کھاتے رہے۔ کٹیہار اسٹیشن کی ٹنکی کا پانی منگوا کر نوش فرماتے تھے۔ کیونکہ مدرسے کا ٹیوب ویل کا پانی اچھا نہ تھا۔ گوشت میں بڑا انگڑا پسند فرماتے۔ میرے خسر مولانا قاضی

تمیز الدین صاحب رشیدی علیہ الرحمہ بندوق سے شکار کرتے اور مَیں گھر آتا، تو میرے ہاتھوں پرند کا گوشت حضرت کی خدمت میں بھیجتے۔ پہلی بار گوشت کے ٹکڑے چھوٹے چھوٹے تھے۔ فرمایا ٹکڑا بڑا بڑا ہونا چاہیے۔ اس کے بعد جب کبھی ان کی خدمت میں گوشت لے جاتا، بڑے بڑے ٹکڑے کر کے لے جاتا، تو بہت پسند فرماتے۔ ایک بار خالص دودھ کو مزید آگ پر جلا کر عمدہ دہی کر کے گھر سے لے گیا۔ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ چکھ کر فرمایا۔ ابھی دہی تیار نہیں ہے۔ اسے رکھ دو۔ پھر دوسرے دن دہی منگوایا، اس میں ترشی پیدا ہو چکی تھی۔ فرمایا اب دہی ہوا ہے۔ پھر آپ نے رغبت سے تناول فرمایا۔ پھل بھی بہت پسند فرماتے۔ کٹیہار شہر میں ٹیا مچھلی ملتی تھی۔ وہی کھاتے تھے۔

شفقت و محبت:

طلبہ کو جہاں غلطیوں پر ڈانٹتے تھے، وہیں بے پناہ شفقت بھی فرماتے تھے۔ طلبہ کی اخلاقیات پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ جو طلبہ حضرت ملک العلماء سے قریب تھے۔ ان کی خدمت میں رہتے تھے۔ آج ان میں جو بھی حیات سے ہیں، وہ اپنی جگہ حسن اخلاق کے پیکر ہیں۔ ادب و تہذیب سے کماحقہٗ آراستہ ہیں۔ مدرسین اور طلبہ کے کھانے پینے کا انتظام مطبخ سے تھا۔ کبھی ترکاری میں نمک زیادہ ہو جاتا، تو باورچی کو بلاتے اور ڈانٹتے ہوئے فرماتے: "مولوی یوں ہی غریب ہوتا ہے نمک زیادہ کھلا کر مزید غریب کرنا چاہتا ہے باورچی محی الدین کو اچھا کھانا پکانے کی ہدایت فرماتے۔ وہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ آپ نے اسے قرآن کریم کے کئی پارے تک تھوڑا وقت نکال کر پڑھایا۔ جہاں وہ پڑھنے میں غلطی کرتا، آپ فرماتے۔ مَیں پڑھاتا ہوں لاثین اور تو پڑھتا ہے سلیچی" مختصر یہ کہ مدرسین، طلبہ اور ملازمین سب آپ کی محبت و شفقت سے بے پناہ متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی سب کے سب حضرت ملک العلماء کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ان کی شفقت و محبت اور انداز تربیت کا تذکرہ کر کے تسلی حاصل کرتے ہیں۔

مجھ پر شفقت:

حضرت ملک العلماء کا مجھ پر بے پناہ کرم و احسان ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں مجھے اپنی بارگاہ کے مقربین میں رکھا مجھے اپنی خدمت کا موقع عطا فرما کر بہت کچھ سیکھنے کا موقع عنایت فرمایا۔ حد درجہ شفقت فرماتے۔ سفر میں بھی مجھے ساتھ لے جاتے۔ علمی باتیں پوچھتے رہتے۔ بزرگوں کے واقعات سناتے، میری فراغت کے بعد جب جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کے شعبۂ عالیہ میں مدرس کی ضرورت محسوس ہوئی، تو آپ نے مدرس کے انتخاب میں میرا نام پیش کیا جسے کمیٹی نے بطیب خاطر منظور کر کے میری تقرری کر لی۔ اس طرح مجھے حضرت کی شفقتوں کے سائے میں مزید علمی استفادے کا موقع نصیب ہوا۔ عمر کے اخیر حصے میں جب حضرت ملک العلماء ضعف پیری کی وجہ سے کٹیہار سے چلے گئے، تو اس کے بعد بھی کوئی پانچ سال تک مَیں نے وہاں تدریسی فرائض انجام دیے۔ جب وہ مدرسہ بورڈ سے ملحق ہونے لگا، تو چونکہ میرے ملحقہ مدارس میں رہنا درجنوں شرعی ممنوعات کے ارتکاب کے مترادف تھا، اس لیے مَیں اراکین کے اصرار کے باوجود وہاں سے مستعفی ہو گیا۔ حضرت ملک العلماء کی ایک یادگار تحریر اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ جس میں انہوں نے "نافع الخلائق" نامی تعویذ کی ایک کتاب کی مجھے اجازت دی ہے، اس میں اپنے قلم سے حضرت نے یہ الفاظ تحریر فرمائیں:

"الحمد لله رب العالمين حمد الشاكرين وافضل الصلاة واكمل السلام على سيد المرسلين محمد وآله وصحبه اجمعين الى يوم الدين اما بعد: فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ وحقق املہٗ نے عزیزی وتمیذی مولوی محمد شہاب الدین اشرفی سلمہٗ کو چونکہ اہل دیکھا، اس لیے جمیع اوفاق واعمال و

نقوش وتعویذات کی اجازت دی، جو مجھ کو اپنے مشائخ کرام و مرشدان عظام سے پہنچی ہیں۔ خصوصا کتاب 'نافع الخلائق' کی اجازت عام وتام بخشی اور اس امر کا بھی مجاز وماذون کیا کہ جس سنی صحیح العقیدہ کو اہل دیکھیں، اس کو مجاز وماذون بنائیں۔ واللہ النافع وصلی اللہ علیہ وسلم خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین الی یوم الدین آمین ثم آمین.

محمد ظفرالدین قادری رضوی چشتی اشرفی صابری شاکری مجیدی ایوبی غفرلہ وحقق املہ۔

تاریخ ۲۹رذیقعدہ الحرام روز سہ شنبہ ۱۳۷۷ھ

آج بھی جب ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں، تو آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں۔ دل رونے لگتا ہے، یوں تمام اساتذہ کی شفقت میرے اوپر بے پناہ رہی۔ جہاں بھی رہا، اساتذہ کی دعائیں ساتھ رہیں۔ مگر دو شخصیتوں کی یادیں دل کو اضطرابی کیفیت میں مبتلا کردیتی ہیں۔ ایک حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ ہیں اور دوسرے حضرت مولانا سکندر علی صاحب رشیدی علیہ الرحمہ بنی باڑی کٹیہار۔ (جو علماء وصوفیاء کے بقول قطب پورنیہ تھے۔)

رحلت:

۲۰رجمادی الآخر کے بعد ہم لوگوں کو یہ جانکاہ خبر ملی کہ ۱۹ر جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ/۱۸رنومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہری کرتے کرتے علم وفن کا آفتاب غروب ہوگیا۔ جس کی ضیا بار کرنوں سے ہزاروں کو روشنی مل رہی تھی۔ انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کو سپرد کردی۔ معروف بزرگ حضرت شاہ ارزاں علیہ الرحمہ کی درگاہ کے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔ یہ خبر سنتے ہی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، دل غمزدہ ہوگیا۔ اور میرا پورا گھر حضرت کی وفات حسرت آیات پرغم کدہ بن گیا اور سب کی زبان سے "انا للہ وانا الیہ راجعون" نکلا۔

للّٰہ ما اعطیٰ ولہ ما اخذ وکل شیء عندہ باجل مسمیٰ

خدا جو دے وہ اس کا جو لے وہ اس کا اور ہر چیز کے لیے اس کے یہاں وقت مقرر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے وقت میں غیبی ندا دینے والے نے ندا دی ہوگی۔ "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" "اے مطمئن جان تو اپنے رب کی طرف پلٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت وانوار کی بارش برسائے اور ان کے فیضان کرم سے حظ وافر عطا فرمائے۔ (آمین)

> "حضرت ملک العلماء علمی وجسمانی دونوں اعتبار سے بارعب تھے۔ آواز گرجدار تھی۔ چہرہ کشادہ جسم بھرا ہوا۔ آنکھیں بڑی بڑی، عالمانہ رعب ودبدبے کے ساتھ رہتے، گفتگو پوری شان وشوکت اور عالمانہ وقار سے کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ واقعی ایک زبردست عالم دین ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے سچے خلیفہ ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء آتے، تو ان کے علمی رعب سے مرعوب ہوجاتے۔ مجلس میں جب گفتگو فرماتے، تو سب پر حاوی رہتے۔ گفتگو میں کافی وزن ہوتا۔ بے تکی باتیں نہ کرتے۔ جو کہتے پورے اعتماد کے ساتھ کہتے۔ دنیاوی وسیاسی معلومات بھی غیر معمولی رکھتے تھے۔"

ملک العلماء کی پچپن سالہ تدریسی زندگی کا عمومی جائزہ

از قلم: مولانا محمد ساجد رضا مصباحی خادم تدریس جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

ملک العلماء ابو البرکات علامہ سید محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۲ھ) جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف اور امام العصر، ماہر مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ با فیض مدرس بھی تھے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ۔۱۳۴۰ھ) کے تلامذہ میں آپ کی شخصیت امتیازی حیثیت کی حامل تھی، وہ آپ سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے، آپ کی علمی وفنی صلاحیتوں کے معترف تھے، انہیں آپ کے علم وعمل پر کامل اعتماد تھا، آپ کی ہمہ جہت شخصیت اور گونا گوں خصوصیات کو اجاگر کرنے کے لئے اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ کے وہ تاریخی جملے نہایت اہمیت کے حامل ہیں، جو آپ نے انجمن نعمانیہ لاہور کے نام ۵ر شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرمائے۔

''مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تعلیم حاصل کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ سُنی خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں ہیں۔ مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔''

ملک العلماء کی عبقری شخصیت کا ہر پہلو اس بات کا متقاضی ہے کہ اس پر مستقل کام ہو، ہر ہر گوشے پر تفصیل سے لکھا جائے، شایانِ شان لکھا جائے، انصاف کے ساتھ لکھا جائے، ان کی تحقیقات اور تصنیفات کو منظر عام پر لایا جائے، ان کی گراں قدر خدمات کو تحقیق و ریسرچ کا موضوع بنایا جائے، نئی نسل کو ان کے افکار و نظریات سے روشناس کرایا جائے۔ لیکن اپنے اس عظیم محسن کے ساتھ اب تک ہمارا رویہ مجرمانہ رہا ہے، ہم نے شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی علمی وفنی خدمات اور بلند قامت شخصیت کو نظر انداز کیا ہے، بھلا ہو انجمن برکات رضا کے ارباب حل وعقد کا جنہوں نے معتمد علمائے کرام اور ارباب فکر وقلم کی ایک صحت مند جماعت کا انتخاب کر کے حضرت ملک العلما کی حیات مبارکہ کے درخشندہ پہلوؤں کو منظر عام پر لانے اور آپ کی قابل قدر خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کیلئے ''جہان ملک العلما'' کی اشاعت کا منصوبہ بنایا ہے۔

حضور ملک العلما کی تاریخ ساز کارناموں میں ایک اہم اور قابلِ قدر کارنامہ ''افراد سازی'' بھی ہے۔ آپ نے دین حق کی ترویج اور اہل سنت و جماعت کی نصرت وحمایت کیلئے تصنیف و تالیف، دعوت وتبلیغ، خطابت ومناظرہ کے علاوہ زندگی کا ایک قیمتی حصہ درس وتدریس کی پاکیزہ خدمت میں بھی گزارا، آپ عمر کے مختلف مراحل میں متعدد اداروں کے مسند تدریس پر جلوہ افروز

رہے، کبھی منظر اسلام بریلی شریف میں علم وفن کی بزم آراستہ کی ہے، تو کبھی مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ میں علوم وفنون کے جواہر لٹاتے نظر آتے ہیں، کبھی سہسرام مین فیضان علم تقسیم ہو رہا ہے، تو کبھی پورنیہ میں حکمت ومعرفت کی محفل سجی ہے، عجب اہتمام ہے، عجب رنگارنگی ہے، شائقین علم وفن کا ایک ہجوم ہے، جو مختلف علاقوں کے ہیں، مختلف عمر کے ہیں، چھوٹے بھی ہیں، بڑے بھی ہیں، نوجوان بھی ہیں، ادھیڑ بھی ہیں، طلبہ تو طلبہ کہنہ مشق اساتذہ بھی دور دراز علاقوں سے سفر کر کے حاضر بارگاہ ہو رہے ہیں۔ کبھی کلام الہیٰ کے رموز واسرار کا انکشاف ہو رہا ہے، تو کبھی احادیث نبویہ کے معانی و مفاہیم ذہن نشین کرائے جا رہے ہیں، نحو ہو یا صرف، بلاغت ہو یا کلام، جفر ہو یا تکسیر ہر میدان میں وہی روانی ہے، وہی اعتماد ہے، وہی لطافت ہے، وہی چاشنی ہے، بیک وقت آپ شیخ الحدیث بھی ہیں، شیخ التفسیر بھی ہیں، امام النحو بھی ہیں، امام الحکمت بھی ہیں، بلاغت وکلام کے رمز شناس بھی ہیں، تصوف وروحانیت کے تاجدار بھی ہیں، کیا کیا ہیں؟ سچ یہ ہے کہ علم کے ایک بحر ناپیدا کنار ہیں، جس کی نہروں سے علوم وفنون کی تمام شاخیں سیراب ہو رہی ہیں، حکمت ومعرفت کا ہر پودا توانائی حاصل کر رہا ہے، جن کے دم سے گلستانِ علم وفضل کی ہر کلی مشک بار اور ہر پھول عطر بیز ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

زیر نظر مضمون میں اسی ہشت پہلو شخصیت کی تدریسی زندگی کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ و الرضوان کی تدریسی زندگی کا آغاز دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے ہوتا ہے، یہ وہی منظر اسلام ہے جس کے قیام کیلئے آپ نے بڑی جدو جہد کی اور اس کی تعمیر وتاسیس میں بنیادی کردار ادا کیا۔ بات ان دنوں کی ہے جب ۱۳۲۱ھ میں آپ مختلف اداروں اور متعدد ارباب علم وفضل سے اکتساب فیض کرتے ہوئے امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ کی بارگاہ میں پہنچے، خانقاہ عالیہ رضویہ میں قیام پذیر ہوئے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے علم وفضل کا مشاہدہ کیا، ان کے تقوی وطہارت کو دیکھا، ان کی علمی مصروفیات کو ملاحظہ کیا، مذہب وملت کے تئیں ان کے پاکیزہ جذبات کو محسوس کیا، تو حد درجہ متاثر ہوئے، دل میں ان کی عظمت بیٹھ گئی، عقیدت ومحبت میں اضافہ ہو گیا، جان ودل سے ان کے گرویدہ ہو کر رہ گئے، شرف تلمذ کا شوق فزوں تر ہو گیا اور درسیات کی تکمیل کیلئے اسی میکدۂ علم وفن کا انتخاب کر لیا، ان دنوں خانقاہ عالیہ رضویہ میں کوئی باضابطہ مدرسہ نہ تھا اور نہ ہی مستقل درس وتدریس کا کام ہوتا تھا۔

اعلیحضرت علیہ الرحمہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے، جو وقت بچتا مطالعہء کتب کے لئے وقف ہوتا، حضور ملک العلماء نے اپنے شوق کی تسکین کیلئے ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے معتمدین میں برادر عزیز استاد زمن مولانا حسن رضا بریلوی قدس سرّہ (۱۲۷۶۔۱۳۲۶ھ) فرزند ارجمند حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرّہ (۱۲۹۲۔۱۳۶۲ھ) اور حکیم سیّد امیر اللہ شاہ بریلوی سے تبادلہ خیال کر کے خانقاہ عالیہ میں ایک مدرسے کے قیام کی تجویز رکھی۔ ان نفوس قدسیہ کی مشترکہ کوششوں سے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ نے ۱۳۲۲ھ میں دارالعلوم منظر اسلام قائم فرمایا، استاد زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی قدس سرّہ (۱۲۷۶۔۱۳۲۶ھ) اس کے ناظم اول مقرر ہوئے، حضور ملک العلما اور آپ کے ہم وطن مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی کو امام احمد رضا فاضل بریلوی

علیہ الرحمہ کے مدرسے کا پہلا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہوا، مدرسے کا افتتاح ہو گیا، باضابطہ تعلیم بھی شروع ہوگئی، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ بنفس نفیس تعلیم دینے لگے۔

حضرت ملک العلماء نے اپنے باکمال استاذ سے خوب خوب کسب فیض کیا، بخاری شریف پڑھی، درسیات کی تکمیل کی، فتوی نویسی سیکھی، اقلیدس کے چھ مقالے پڑھے، چغمینی کا درس لیا، علم تکسیر اور ہیئت وتوقیت میں کامل دسترس حاصل کی، ۱۳۲۵ھ میں شیخ العالم مخدوم عبدالحق ردولوی کی خانقاہ میں صاحب سجادہ حضرت مخدوم شاہ التفات حسین قدس سرّہ کے ہاتھوں دستار فضیلت باندھی گئی، اسی موقع پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کو ملک العلماء کا خطاب دیا، سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور منظر اسلام میں مسند تدریس پر بٹھا دیا۔ یہاں آپ چار سال تک علوم وفنون کے جوہر لٹاتے رہے، مختلف علوم وفنون کی منتہی و متداول کتابیں زیر درس رہیں، طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے کسب فیض کیا، مفسر قرآن مولانا ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں اور مفتی نانپارہ مفتی رجب علی نانپاروی بھی ان ہی خوش نصیبوں میں ہیں، لیکن اس زمانے میں اکثر تلامذہ اور رفقائے کار کی تفصیل محفوظ نہیں رہ سکی، حضور ملک العلماء کے فرزند ارجمند پروفیسر سید محمد مختار الدین احمد آرزو سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ "حیات ملک العلماء" میں لکھتے ہیں:

"اس زمانے کے مدرسے کے رفقائے کار اور ان کے تلامذہ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا کہ چار سال کے عرصے میں خاصی تعداد میں طلبہ نے شرف تلمذ حاصل کیا ہوگا۔"

۱۳۲۹ھ میں حضور ملک العلما اپنے استاد ومربی اور پیرو مرشد کے حکم سے شملہ تشریف لے گئے اور جامع مسجد شملہ کی امامت وخطابت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، اسی دوران مولانا عبدالوہاب الہ آبادی جو اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ کے مخصوصین میں تھے، انہیں خط لکھ کر حضور ملک العلما کے لئے اپنے مدرسہ فیض الغربا آرہ بہار کی صدارت کا عہدہ پیش کرنا چاہا اور امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ سے اس کی سفارش کیلئے گذارش کی اور شدید اصرار بھی کیا، شملہ میں امامت وخطابت کا مسئلہ تھا اور مدرسہ حنفیہ بہار میں درس وتدریس کا کام، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت کے لئے خود تو وقف تھے ہی، اپنے شاگردوں سے بھی یہی خدمت لینا چاہتے تھے، آپ کا نظریہ یہ تھا کہ دین کی تبلیغ واشاعت کا کام صحیح طور پر اسی وقت ممکن ہے، جب دینی تعلیم عام ہو، باقاعدہ مدارس کھولے جائیں اور تعلیم کا صحیح نظم ونسق قائم ہو، اس نظریے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نئے مدارس کا قیام اور قائم شدہ مدارس کو استحکام بخشنا نہایت ضروری تھا۔

چنانچہ اس خیال سے حضور ملک العلماء کو جامع مسجد شملہ کے منصب امامت وخطابت سے مستعفی ہو کر مدرسہ حنفیہ جانے کی اجازت دے دی، آپ شملہ سے آرہ بہار تشریف لے گئے اور مدرسہ حنفیہ میں صدارت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، نہایت خلوص اور اعتماد کے ساتھ منصبی فرائض انجام دینے لگے، یہاں آپ کا قیام ایک برس یا اس سے کچھ کم ہی رہا۔

۱۳۳۰ھ میں مسٹر سید نورالہدی ڈسٹرکٹ سیشن جج پٹنہ نے اپنے والد بزرگوار سید شمس الہدی کے نام پر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی قائم فرمایا، عہدۂ صدارت کے لئے حضور ملک العلماء کو پیش کش ہوئی، آپ مدرس اول کی حیثیت سے عہدۂ صدارت پر متمکن ہوئے اور فقہ وحدیث، تفسیر، ہیئت وتوقیت، جفر، تکسیر وغیرہ علوم و

فنون کا درس دینے لگے، آپ کے علم و فضل اور تدریسی کمالات کا شہرہ ہوا، طلبہ جوق در جوق آپ کے درس میں پہنچنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے علم و فضل کا ایک سرسبز و شاداب چمن آباد ہوگیا، آپ چار سال تک اس گلشن علم و حکمت کی آبیاری کرتے رہے اور علم و ہنر کے بے شمار شہ سوار پیدا کئے۔ ادیب شہیر علامہ ضیا جالوی در بھنگوی نے پٹنہ ہی میں آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

خانقاہ کبیریہ سہسرام سے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲-۱۳۴۰ھ) کے گہرے روابط تھے، ملک العلماء ۱۳۳۴ھ میں خانقاہ کبیریہ کے سجادہ نشین سید شاہ ملیح الدین قدس سرہٗ کی خواہش اور اپنے استاذ و مربی کے حکم کی تعمیل کے لئے سہسرام تشریف لے گئے اور خانقاہ شریف کے مدرسہ کبیریہ میں عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے، جہاں مسلسل چار سال تک اپنا علمی فیضان تقسیم فرماتے رہے اور تعلیمی نظم و نسق کی تمام تر ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے نبھائیں۔ سہسرام کے زمانہ تدریس میں آپ کے رفقاء کار میں مولانا سید ابوالحسن خوش دل سہسرامی (۱۸۶۱-۱۹۳۵ء)، مولانا رحم الٰہی مظفر نگری (متوفی ۱۳۶۳ھ) مولانا سید محمد موسیٰ رضا کاکوی اور مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی چشتی ابوالعلائی، نظامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، آخر الذکر بریلی شریف میں آپ کے ہم سبق رہ چکے تھے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ و مجاز بھی تھے۔

۱۳۳۸ھ میں مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ حکومت کے زیر انتظام آ گیا، مدرسے کے نظام و نصاب میں تبدیلی ہوئی۔ نئی تقرریاں عمل میں آئیں، تعلیم کا معیار بدلا، غرض کہ علم و فن کا یہ قدیم کارخانہ نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوگیا۔ معاملہ اس چمنستان علم و حکمت کی قیادت کا آیا۔ پھر وہی حضور ملک العلماء یاد کئے گئے۔ آپ کو باصرار دوبارہ پٹنہ بلالیا گیا۔ عہدہ صدارت پر فائز ہوئے۔ تعلیمی نظم و نسق کی نگرانی کے ساتھ مختلف فنون کی متداول اور منتہی کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ منطق و فلسفہ، ہیئت و توقیت، جفر و تکسیر وغیرہ علوم میں آپ اپنے دور کے امام تھے۔ خاص ان علوم کے حصول کے لئے بھی طلبا کی ایک بڑی تعداد آپ کے درس میں شریک ہوا کرتی تھی، طلباء کے علاوہ علمائے عصر بھی آپ سے کسب فیض کیا کرتے تھے۔ بعض علماء پٹنہ آکر مہینوں قیام کرتے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر زانوئے ادب تہ کرتے۔ ایک طویل عرصہ تک آپ اسی شان و شوکت کے ساتھ مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ کے مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے۔ حضور ملک العلماء کی قیادت میں مدرسہ شمس الھدیٰ کی اس علمی تحریک کو آگے بڑھانے میں جو سعادت مند اہل علم رفیق کار رہے ان میں مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری، مولانا اصغر حسین بہاری، مولانا سید دیانت حسین دربھنگوی، مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری انجہری (متوفی ۱۳۵۸ھ) مولانا سید عبدالسبحان دسنوی، مولانا سید عبدالرشید کے نام خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

ابتدائی زمانے میں علامہ احمد حسن کانپوری کے خلف ارشد مولانا مشتاق احمد کانپوری (متوفی ۱۳۰۴ھ)، مولانا مقبول احمد خان دربھنگوی، مولانا شاہ محمد الیاس مونگیری بھی مدرسہ شمس الھدیٰ سے وابستہ رہے، لیکن کچھ ہی دنوں میں مولانا مشتاق احمد صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس مقرر ہوگئے اور مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ سے مستعفی ہو کر کلکتہ چلے گئے۔ اسی طرح مولانا مقبول احمد صاحب مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ کے ناظم منتخب ہونے کے بعد مدرسہ شمس الھدیٰ سے علیحدہ ہوگئے۔

مدرسہ شمس الھدیٰ کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد آپ

اپنے دولت خانہ ظفر منزل میں قیام پذیر ہوئے لیکن یہاں بھی علمی مشاغل جاری رہے، درس و تدریس کا سلسلہ چلتا رہا۔ مولانا شاہ احسن الہدیٰ جو بعد میں خانقاہ شاکریہ پنڈ شریف ضلع مونگیر کے سجادہ نشین ہوئے ایک عرصہ تک آپ کے دولت خانہ ظفر منزل میں قیام کر کے مختلف علوم وفنون کا درس لیتے رہے۔ سید شاہ عماد الحق فریدی سابق سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سٹی اور سید شاہ عاشق حسین فاضل شمسی سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ آپ کے آخری شاگردوں میں ہیں جو ظفر منزل میں آکر درس لیا کرتے تھے۔ ان شخصیتوں میں ہر ایک علم وفضل کے آفتاب اور رشد و ہدایت کے پیکر تھے۔ جنہوں نے اپنے اسلاف کی جانشینی کا فریضہ صحیح معنوں میں ادا کیا۔ اور خلق خدا کو اپنے علم وفضل اور تقویٰ وطہارت سے فائدہ پہنچاتے رہے۔ ان چند شخصیتوں کے علم وفضل سے دوسرے تلامذہ کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

۱۳۷۱ھ سید شاہ شاہد حسین درگاہی میاں خلف سید شاہ حمید الدین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق (متوفی ۱۲۰۳ھ) کی گذارش پر کٹیہار تشریف لے گئے اور مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرما کر عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے۔ کٹیہار ان دنوں قدیم پورنیہ کا ایک حصہ تھا۔ اب مستقل ڈسٹرکٹ کی حیثیت حاصل کر چکا ہے، بلکہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے ملک بھر میں معروف ہے۔ یہاں کے ریلوے کو کشن گنج، نیو جلپائی گوڑی، بارسوئی، کھگڑیا جیسے معروف اسٹیشنوں کے منڈل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں سے تیز بہاؤ والی کئی ندیاں بھی گذرتی ہیں، جن سے آبادی والوں کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ برسات کے موسم میں تباہ کن سیلاب یہاں کا معمول بن چکا ہے۔ جس سے کھیتیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ مکانات منہدم ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں لوگوں کو سال کے کئی مہینے سڑکوں اور خیموں میں گذارنے ہوتے ہیں۔

یہاں کئی معروف خانقاہیں بھی ہیں جن میں خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ ضلع اتر دیناج پور، کشن گنج، پورنیہ اور قرب و جوار کے علاقوں کے عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد یہاں سے وابستہ ہے۔ یہاں باصلاحیت اور ذی استعداد علماء بھی بڑی تعداد میں ہیں، جو ملک کے مختلف شعبوں میں دینی و مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آج ہندوستان کا شاید ہی کوئی مذہبی ادارہ ہو، جہاں کٹیہار پورنیہ کے طلبہ زیر تعلیم نہ ہوں لیکن جن دنوں مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کا قیام ہوا، اس علاقے کی علمی حالت نہایت ابتر تھی۔ مسلمانوں کی کثیر آبادی کے باوجود اہلسنت و جماعت کا کوئی قابل ذکر ادارہ نہیں تھا اس کے برعکس دیابنہ نے اپنی گمراہیت کے فروغ کے لئے زمین دوز تحریک شروع کر رکھی تھی اور یہاں کے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھانسنا شروع کر دیا تھا۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ والرضوان نے ان حالات سے نپٹنے کے لئے مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی اور تعلیمی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے ذی صلاحیت اساتذہ کا انتخاب کیا۔ جن میں مولانا احسان علی مظفر پوری سابق شیخ الحدیث دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد مشاق، مولانا محمد سلیمان رضوی، مولانا شاہ عبدالمنان قادری چشتی فردوسی سابق مدرس 'مدرسہ عربیہ محمدی جان' پٹنہ کے نام ملتے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ کی شبانہ روز کی محنتیں رنگ لائیں اور پورے علاقے میں ایک علمی انقلاب برپا ہو گیا۔ دیابنہ کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے، اہل سنت کا بول بالا ہو گیا۔ یہ

ساری کا میابیاں حضور ملک العلماء ہی کی حسن تدبیر اور خلوص وللّٰہیت کا نتیجہ تھیں۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار کی قیادت سنبھالی۔ آپ تقریباً اپنی عمر کی ۷۰ ویں منزل تک پہنچ چکے تھے۔ مسلسل جدو جہد اور محنت ومشقت سے ضعف ونقاہت کا طاری ہونا فطری امر تھا۔ اس کے باوجود مدرسے کے انتظامی امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ مختلف فنون کی منتہی کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے، بقول پروفیسر مختار الدین احمد آرزو ان دنوں آپ نے اپنے ذمہ مدارک التنزیل، تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ہدایہ آخرین اور مناظرہ رشیدیہ جیسی معرکۃ الآرا کتابوں کی تدریس رکھی تھی۔ انتظامی امور میں مہارت تھی ہی، صدارت کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کا معیار بہت بلند ہوگیا تھا، آپ کے زمانۂ تدریس میں مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ علم وفن کے ماہ ونجوم بن کر چمکے اور دین متین کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی نے کٹیہار کے زمانۂ تدریس ہی میں آپ سے اکتساب کیا۔ خواجہ صاحب مختلف علوم وفنون پر کامل دسترس رکھتے ہیں اور علم ہیئت وتوقیت میں ملک العلماء کی آخری یادگار ہیں۔ آج سے سو سال قبل ۱۳۲۸ھ ہجری میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے چہیتے شاگرد ملک العلماء کے لئے لکھا تھا۔ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ آج بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ یہی جملہ حضور ملک العلماء کے شاگرد خواجہ مظفر حسین صاحب کیلئے کہا جائے اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم میں آپ سے اکتساب فیض کرنے والوں میں درج ذیل سعادت مندوں کے نام معلوم ہو سکے۔ حضرت مولانا شاہ چراغ عالم صاحب قبلہ سابق سجادہ نشین خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور، بارسوئی کٹیہار، بہار، حضرت مولانا عین الہدیٰ صاحب رحمٰن پوری سابق شیخ الحدیث مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار، حضرت مولانا خلیل الرحمٰن رضوی طیب پوری کٹیہاری سابق استاد منظر اسلام بریلی شریف یوپی، حضرت مولانا شاہ خواجہ شمس العالم صاحب قبلہ زیب سجادہ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور کٹیہار، حضرت مولانا شہاب الدین صاحب شجنہ، کٹیہار، حضرت مولانا قاضی نور پرویز صاحب، کٹیہار بہار۔

کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کی تاسیس اور حضور ملک العلماء کے دس سالہ قیام سے بہار کے شمالی علاقوں میں جو علمی انقلاب برپا ہوا اس کے اثرات آج بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اس وقت یہاں سیکڑوں مدارس قائم ہیں۔ علماء کی ایک متحرک جماعت سرگرم عمل ہے۔ جس کی تفصیل مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔

۱۳۸۰ھ میں آپ کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لائے۔ لیکن درس وتدریس کا سلسلہ عمر کے اخیر دنوں تک یہاں بھی بند نہ ہوا۔ شائقین علم وفن پٹنہ میں قیام فرما کر آپ سے مختلف علوم وفنون سیکھا کرتے تھے۔ محقق عصر مولانا نظام الدین بلیاوی مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد، مولانا یحییٰ بلیاوی اور بقول پروفیسر سید محمد مختار الدین آرزو نمونہ سلف علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب قبلہ نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے بھی یہیں آپ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ بعض اہل علم جو اپنی دینی ومذہبی مصروفیات کے سبب آپ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ انھوں نے خط وکتابت کے ذریعہ اپنے علمی ذوق کی تسکین کی۔ ان میں مفتی عمیم الاحسان استاد مدرسہ عالیہ

ڈھاکا، حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد، مرید سید العلماء علامہ نعیم الدین مراد آبادی کے نام خاص طور سے شامل ہیں۔

حضور ملک العلماء کی پچپن سالہ تدریسی زندگی کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ جس میں کئی گوشے اب بھی تحقیق طلب ہیں۔ مثلاً مختلف اداروں میں آپ سے اکتسابِ فیض کرنے والے تلامذہ کے اسماء زیر درس کتب کی فہرست، رفقائے کار اساتذہ کے نام و حالات۔ میں نے ان میں سے بعض امور کی نشاندہی کے لئے اپنی کوشش کی ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ یہ نقش اول ہے، نقش ثانی کے لئے انشاء اللہ جد و جہد جاری رہے گی۔ واللہ مستعان علی کل حال۔

ماخذ و مراجع

۱)حیات اعلیحضرت:
ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ
۲)حیات ملك العلماء :
پروفیسر مختار الدین آرزو
۳)مقدمه فتاویٰ ملك العلماء :
مولانا ارشاد احمد مصباحی ساحل سہسرامی
۴)ماهنامه اشرفیه جنوری ۱۹۷۹ء:
مضمون مولانا محمود احمد رفاقتی
۵)ماهنامه اشرفیه فروری ۲۰۰۳ء:
مضمون مولانا ارشاد احمد مصباحی ساحل سہسرامی
۶)حیات مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی:
مضمون مولانا ارشاد احمد مصباحی ساحل سہسرامی

☆☆☆

حضور ملك العلماء نے اپنے شوق کی تسکین کیلئے ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ اعلیٰ حضرت علیه الرحمه کے معتمدین میں برادر عزیز استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی قدس سرّہ (۱۲۷۶-۱۳۲۶ھ) فرزند ارجمند حجته الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرّہ (۱۲۹۲-۱۳۶۲ھ) اور حکیم سیّد امیر الله شاہ بریلوی سے تبادله خیال کر کے خانقاہ عالیه میں ایك مدرسے کے قیام کی تجویز رکھی۔ ان نفوس قدسیه کی مشترکه کوششوں سے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرّہ نے ۱۳۲۲ھ میں دارالعلوم منظر اسلام قائم فرمایا، استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی قدس سرّہ (۱۲۷۶-۱۳۲۶ھ) اس کے ناظم اول مقرر ہوئے، حضور ملك العلما اور آپ کے ہم وطن مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی کو امام احمد رضا فاضل بریلوی علیه الرحمه کے مدرسے کا پہلا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہوا، مدرسے کا افتتاح ہو گیا۔(محمد ساجد رضا مصباحی، پھپھوند شریف)

جہانِ ملک العلماء
باب
دہم
تعارف تصانیف

ملک العلماء: علوم جدید وقدیم کے ممتاز مصنف

ازقلم: مولانا محمد شبیر عالم مصباحی، دارالعلوم انوار مصطفیٰ رضا دہرول، جام نگر، گجرات

ملک العلماء ابوالبرکات حضرت علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ) اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم دین، جلیل القدر محدث، نکتہ سنج مفتی، بالغ نظر فقیہ، زبردست مناظر، سحر بیان خطیب، علوم قدیم و جدید کے عظیم مصنف، ماہر مدرس، مصلح قوم وملت، پرسوز داعی اور بندۂ طاعت شعار تھے۔

حضرت ملک العلماء ملک کے طول وعرض کے اکابر علماء اور عبقری شخصیات کے خوان علم سے لقمے چنے، پھر مصور عشق ومحبت، عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور فقید المثال مفتی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کے دبستاں کے خوشہ چین ہوئے اور تفسیر، اصول تفسیر، تجوید وقرأت، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد وتصوف، سیر وتاریخ، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو وصرف، معانی وبیان، نجوم، ہیئت، توقیت، تکسیر جفر، رمل، منطق وفلسفہ اور ریاضی جیسے علوم قدیم وجدید سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کی اس وسعت علمی اور علمی لیاقت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا وہ مکتوب منہ بولتا ثبوت ہے جسے اعلیٰ حضرت نے ناظم انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵ر شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ میں تحریر فرمایا تھا:

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں، اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی، اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس، اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئیں ہوں، سب سے زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا: (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد۲، ص ۶۵۱-۶۵۲۔ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات)

حضرت ملک العلماء نے درس وتدریس، فتاویٰ نویسی، وعظ وتلقین، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد اور مناظرہ وقضا جیسی گوناگوں خدمات انجام دیں اور ہر ایک تفصیل کا طالب ہے، لیکن سردست ہمیں موضوع کی مناسبت سے آپ کی تصنیفات سے گفتگو کرنا ہے۔ حضرت نے تصانیف کا سلسلہ ۱۳۲۳ھ سے شروع کیا اور تقریباً اپنی رحلت ۱۳۸۲ھ تک جاری رکھا، اور ایک اندازہ کے مطابق آج علوم قدیم وجدید پر مشتمل آپ کی تصنیفات وتالیفات ایک سو پچاس سے زائد ہیں، ان میں سے اکثر اردو زبان میں ہیں۔ کچھ کتابیں عربی میں بھی ہیں اور معدودے ہی زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہیں۔ ورنہ اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ پہلو ہماری جماعت

کے لئے قابل افسوس ہے جو توجہ کا طالب ہے۔

حدیث، اصول حدیث:

ملک العلماء نے درس و تدریس، وعظ و تقریر اور فتاویٰ وغیرہ میں احادیث کے جو جواہر بکھیرے ہیں، ان سے اس فن میں حضرت کی دسترس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ان سب پر بھی نمایاں کارنامہ (۱) ''صحیح البہاری'' ہے جو چھ جلدوں میں فقہ حنفی کی مؤید احادیث پر مشتمل ہے اور ہر جلد ہزاروں احادیث کا اوسط لئے ہوئے ہے۔ آپ کے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین اس تصنیف کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''ملک العلما فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا جو مؤید مسلک اہل سنت و احناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ و مصدر۔ انہوں نے وہ تمام روایات جمع کیں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو جس کی سند و استشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو۔'' (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۳۸-۳۹، ممبئی)

آپ کے اس گرانقدر علمی کارنامے کو اپنے غیر سب نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور خراج تحسین پیش کیا اور اس فن میں آپ کی مہارت کے معترف ہوئے۔

(۲) ''الافادات الرضویة'' (۱۳۴۴ھ) اس رسالہ میں فاضل مؤلف نے فاضل بریلوی قدس سرہ کے اصول حدیث سے متعلق نہایت قیمتی باتیں جمع کی ہیں جو حدیث کے پڑھنے، پڑھانے اور علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے مفید ہے۔

(۳) نزول السکینة باسانید الاجازات المتینة (۱۳۳۲ھ)

فقہ وافتاء:

حضرت ملک العلماء کی فقہی و افتائی تصانیف کے مطالعہ کے بعد یہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ منصب فقہ و افتا کے جو تقاضے ہیں اور ایک مفتی و فقیہ میں جو خصوصیات درکار ہیں وہ حضرت کی ذات ستودہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی (علیگ) ''مقدمہ فتاویٰ ملک العلماء'' میں لکھتے ہیں:

''جب ہم حضرت ملک العلماء کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو آپ ایک ممتاز فقیہ، متبحر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چون سال تک افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے۔'' (ص ۳۴)

(۱) ''فتاویٰ ملک العلماء'' یہ بارہ فقہی ابواب اور چھ فقہی رسالوں پر مشتمل ہے جو یہ ہیں۔

(۱) تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)
(۲) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)
(۳) تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)
(۴) اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیة فی المساجد (۱۳۲۵ھ)
(۵) نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)
(۶) مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)

علاوہ ازیں کتب و رسائل، شروح و حواشی اور تعلیقات وغیرہ کچھ اس طرح ہیں۔

(۲) التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ) غیر مطبوعہ۔ فقہ کی مشہور کتاب ''قدوری'' پر تعلیقات عربی زبان میں ہے۔

(۳) بسط الراحة فی الحظر والاباحة (۱۳۲۶ھ) غیر مطبوعہ۔

(۴) الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ) غیر مطبوعہ۔

(۵)القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ) غیر مطبوعہ۔
(۶)نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۳۳ھ) غیر مطبوعہ۔
(۷)تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۲۸ھ) اصول فقہ غیر مطبوعہ۔
(۸)جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)

یہ رسالہ مسئلہ رویت ہلال، اختلاف مطالع، طریق موجب، خطوط اور تار کے عدم اعتبار میں علمائے سابقین وحال کے بتیس فتاوٰی کا نایاب مجموعہ ہے۔ اس میں ایک مقدمہ، تین فصل اور ایک خاتمہ ہے اور زیور طبع سے بھی آراستہ ہو چکا ہے۔

(۹)"اصلاح الایضاح" یہ رسالہ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف ضلع پٹنہ کے ایک مولانا صاحب جن کا نام معلوم نہ ہوسکا کے رسالہ "ایضاح" کے رد اور اس کی اصلاح میں ہے۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۳۶)

(۱۰)التحقیق المبین لکلمات التوابین (۱۳۳۰ھ)

عقائد ومناظرہ:

حضور ملک العلماء نے غیر مقلدوں، دیوبندیوں، آریوں اور مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بحث ومناظرے کر کے عقائد ومناظرہ میں عظیم خدمات انجام دیں اور اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے اس موضوع پر کئی ایسے کتب ورسائل بھی تصنیف کئے ہیں جو وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی مہارت وملکہ پر شواہد فراہم کرتی ہیں۔

(۱) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ) غیر مطبوعہ
(۲)ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ)

کذب باری سبحنہ وتعالیٰ، علم غیب اور دوسرے مسائل کے متعلق جن میں اہل سنت کے علماء اور علمائے دیوبند میں اختلافات ہیں، حضور ملک العلماء نے زمانہ طالب علمی ۱۳۲۳ھ میں بیس سوالات مرتب کر کے مولانا اشرفعلی تھانوی کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ اس رسالہ میں ان کے سوالات کے ساتھ ساتھ ان سے ملاقات اور بعد کے دوسرے حالات وکوائف بھی درج ہیں، یہ رسالہ مطبوعہ ہے۔

(۳)"ظفر الدین الطیب" یہ رسالہ "ظفر الدین الجید" کے بعد ہی مرتب ہوا۔

(۴)مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفی (۱۳۲۴ھ)
(۵) شکست سفاہت (۱۳۲۶ھ)

مولانا شاہ رکن الدین الوری اور مولانا احمد حسین خاں رام پوری مقیم درگاہ اجمیر شریف کی استدعا پر فاضل بریلوی نے میوات، نواح فیروز پور جھرکا مناظرے کے لئے ملک العلماء کو بھیجا۔ مناظرہ میں آپ کو فتح وکامرانی ملی، پھر میوات کے لوگوں کی خواہش پر روداد اور مناظرے کے پورے حالات کو زیر گفتگو رسالہ میں شائع کیا گیا۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۲۴، ۲۵)

(۶)رجم الکنزہ علی الکلاب الممطرہ (۱۳۲۸ھ) غیر مطبوعہ
(۷)النبراس لدفع ظلام المنہاس (۱۳۲۹ھ) غیر مطبوعہ۔
(۸)رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) غیر مطبوعہ۔
(۹)کشف الستور عن مناظرہ رامپور (۱۳۳۴ھ) غیر مطبوعہ۔
(۱۰) گنجینہ مناظرہ (۱۳۳۴ھ)

کلکتہ کے ایک مولوی ولی اللہ صاحب نے ۱۳۳۴ھ میں حنفیوں کو مناظرے کا چیلنج دے رکھا تھا۔ حاجی محمد لعل خاں صاحب مدراسی نے فاضل بریلوی کو خط لکھ کر حضرت ملک العلماء کو مناظرے کیلئے بلایا، اس رسالہ میں اسی مناظرہ کی روداد ہے۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۳۰)

(۱۱)ندوۃ العلماء (۱۳۲۸ھ)
(۱۲)الفوائد التامۃ فی أجوبۃ الأمور العامۃ (۱۳۵۷ھ)

سیرو سوانح:

حضرت ملک العلماء میں عشق رسول اور بزرگوں سے جو محبت وعقیدت تھی اس کا اظہار انہوں نے وعظ ونصیحت میں اور عملی طور پر بھی کیا، اور سیر وسوانح کے موضوع پر قیمتی تصنیفات بھی چھوڑیں، اور ہر ایک تصنیف زبان وبیان کی شائستگی اور لب ولہجہ کی شگفتگی سے آراستہ ہے۔

(۱) شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفی (۱۳۲۴ھ) بزبان عربی غیر مطبوعہ غیر مکمل ہے۔

(۲) جواهر البیان فی ترجمة خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ) امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی (متوفی ۹۷۳ھ) کی تصنیف ''الخیرات الحسان فی مناقب الامام اعظم أبی حنیفة النعمان'' کا اردو ترجمہ ہے جو کئی بار زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے۔

(۳) تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) یہ معراج کے حقائق وواقعات پر مشتمل ایک سلسلہ تقریر ہے، یہ سلسلہ ۱۳۵۳ھ، ۱۹۲۴ء میں شروع ہوا اور ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء کے بعد تک مسلسل پندرہ سال تک جاری رہا، ساری تقریریں غیر مطبوعہ ہیں صرف جلسہ یازدہم کی تقریر شائع ہوئی ہے۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۳۱)

(۴) مولود رضوی (۱۳۶۰ھ) خواتین اور عام لوگوں کے لئے عام فہم زبان میں یہ میلاد نامہ ہے۔

(۵) ''حیات اعلیٰ حضرت'' اس تصنیف کے تعلق سے مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی (علیگ) کا یہ تبصرہ نقل کر دینا مناسب ہوگا جس میں آپ فرماتے ہیں۔

''امام احمد رضا کے حوالے سے آپ (ملک العلماء) کا سب سے عظیم کارنامہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی تدوین ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی کام نہ ہو سکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت موومنٹ اور نان کوآپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنت عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ سماج کا شدھی سنگھٹن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دوقومی نظریے میں آئی شدت اور قیام پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس نے اسلامیان ہند کے دل ودماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جما رکھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہو چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اسی جمود کے حصار سے جو ذات گرامی سب سے پہلے نکلی وہ منظور نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلماء کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمر ہمت کسی اور اس 'ہفت خواں'' کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگان رضا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا۔ بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلماء کے حوالے کر دیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔'' (مقدمہ فتاوی ملک العلماء، ص ۱۹)

نحو و صرف:

دیگر علوم وفنون کی طرح نحو وصرف میں بھی حضور ''ملک العلماء'' کو مکمل عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں انہوں

نے درس و تدریس کے ذریعہ اس فن کے گوہر لٹائے ہیں وہیں تصنیف وتالیف کے بھی انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

(۱) التعلیق علی شروح المغنی (۱۳۳۱ھ) نحو کے مشہور رسالہ 'مغنی اللبیب' متداول شرحوں پر عربی زبان میں تعلیقات ہے۔

(۲) وافیہ (۱۳۳۵ھ) اس میں 'نحو میر' سے 'مغنی اللبیب' تک کے مسائل عام فہم زبان میں مذکور ہیں۔

(۳) القصر المبنی علی بناء المغنی (۱۳۳۶ھ)

(۴) نظم المبین فی حروف المعانی (۱۳۳۷ھ)

(۵) عافیہ (۱۳۳۵ھ) یہ رسالہ علم صرف میں لکھی گئی کتاب "میزان" سے "شافیہ" تک کے مسائل کو جامع ہے، اور اس کی طباعت بھی ہوئی ہے۔

ھیئت و توقیت:

چودھویں صدی عیسوی کے بعد فروغ پانے والے علوم و فنون کو علوم جدیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس دور میں علوم وفنون کی جن شاخوں نے عروج و ارتقاء کے منازل طے کئے وہ ہیئت (Astronomy) توقیت (Timings) ریاضی (Mathematics) تکسیر، ارثماطیقی (Arithmetic) حیاتیات (Biology) حیوانیات (Zoology) نباتات (Botany) جغرافیہ (Geography) اقلیدس (Geometry) مثلث سطح (Plane Trigonometry) مثلث کروی (Spherecal Trigonometry) کیمیا (Chemistry) جیسے علوم وفنون ہیں۔

علوم جدیدہ میں ہیئت وتوقیت تو حضرت ملک العلماء کی پہچان تھی، اور اس میں آپ یکتائے رزگار تھے۔ اس کا اکرامی اعتراف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

"مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں، امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامۂ بلاد میں یہ علم، علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا، اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہِ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج۲، ص ۱۵۱-۱۵۲ مرکز اہل سنت، برکات رضا)

حضور ملک العلماء نے ان علوم کو نہ صرف سینوں میں منتقل کیا بلکہ تحریری شکل میں ہمیشہ کے لئے انہیں محفوظ کر کے آنے والی نسلوں پر احسان عظیم کیا ہے۔

(۱) الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ) اس تصنیف کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین کچھ اس طرح رقمطراز ہیں۔

"یہ کتاب فن توقیت میں ہے۔ نصف النہار، طلوع و غروب، ضحوۂ کبریٰ، عصر، ضرب ستینی، تقسیم ستینی، کسور اعشاریہ، حبیب لوگارثمی، دھوپ گھڑی، سمت قبلہ اور دوسرے اہم اور علمی مسائل، نہایت سیدھی سادی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ توضیح وتشریح کے لئے مثالیں دی ہیں اور متعدد جداول بھی درج کئے ہیں۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۴۸)

(۲) بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (۱۳۳۵ھ) اس رسالہ کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے فاضل بہار مصنف

علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

"تقریباً گیارہ سال سے خاکسار، برادران دینی کی خدمت اوران کے روزوں کی درستی وصحت کے لئے ہر سال رمضان شریف کے نقشہ اوقات صوم وصلاۃ زیج وتوقیت کے قواعد خاصہ سے ترتیب دیتا ہے اور مخلص قدیم حاجی محمد لعل خاں صاحب مدراسی شائع کرتے ہیں۔ باقی گیارہ مہینوں میں نمازوں کی ابتری دیکھ دیکھ کر دل پریشان ہوتا تھا کہ اوقاتِ نماز صحیح طور پر نہ معلوم ہونے کے سبب بعض لوگ تاخیر کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور اکثر لوگ جلدی کرتے ہیں کہ قبل از وقت نماز پڑھ لیتے ہیں۔ خصوصاً عصر وعشا میں تو قبل از وقت حنفی نماز پڑھنا ہندوستان میں عام طور پر رائج ہو گیا ہے۔ انہی ضرورتوں کے پیش نظر میں نے ایک رسالہ مسمی بنام تاریخ "بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام" تصنیف کیا ہے جسے علاوہ تمہید تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا۔" (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۱۸)

ہندوستان کے ۱۲ر درجہ عرض سے ۳۴ر درجہ عرض تک ۲۳ر رسالوں کو مرتب کرنے کی ضرورت تھی، فاضل بہار نے حسب ضرورت پہلے بہار شریف عرض ۲۵ر کے لئے رسالہ مرتب کیا جس کا نام (۳) "مؤذن الاوقات" (۱۳۵۳ھ) رکھا، اس رسالہ کے بارے میں فاضل بریلوی ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا رسالہ مؤذن الاوقات آیا۔ نام بھی نہایت مناسب وموزوں پایا۔" (حیات اعلیٰ حضرت، ص ۱۰۷، ج ۲، مرکز اہل سنت برکات رضا)

پھر احباب کی فرمائش پر درج ذیل شہروں کے اوقات صوم وصلوٰۃ پر رسالے مرتب کئے جن میں سے کچھ شائع ہوئے اور اکثر طباعت کے منتظر ہے۔

بمبئی عرض ۱۹ر درجہ۔ کلکتہ عرض ۲۲۔ کانپور عرض ۲۶۔ گوالیار عرض ۲۶۔ بریلی عرض ۲۹۔ نینی تال ۲۹۔ ملتان عرض ۳۰۔ لاہور عرض ۳۱۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۱۸-۱۹)

(۴) توضیح الافلاک معروف بسلم العلوم (۱۳۴۰ھ) علم ہیئت کے بیش بہا ذخائر پر مشتمل اس رسالہ میں ایک مقدمہ، پانچ ابواب اور ایک خاتمہ ہے، کتاب کی ابتداء امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے "من لم یعرف الهیئة والتشریح فهو عنین فی معرفة الله تعالٰی" ۷۷ر صفحات ہیں اور غیر مطبوعہ ہے۔ (ایضاً، ص ۲۰)

(۵) مشرقی اور سمت قبلہ (۱۳۵۸ھ) "خاکسار" تحریک کے بانی جناب عنایت اللہ خاں مشرقی (۱۸۸۸ء-۱۹۶۳ء) نے ایک رسالہ مسمی "مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹" لکھا تو حضور ملک العلماء نے اس کے جواب میں ۱۹۳۹ء کو "مشرقی کا غلط مسلک" سپرد قلم کیا، اور یہ رسالہ "معارف" (اعظم گڑھ) کے دوشماروں ۱۹۴۰ء میں "مشرقی اور سمت قبلہ" کے عنوان سے شائع ہوا مگر کتابی شکل میں اب تک شائع نہ ہوسکا۔ (ایضاً، ص ۳۲)

تکسیر:

حضور ملک العلماء کے ہمعصر علماء میں معدودے ہی ایسے تھے، جو نقش مثلث یا مربع مشہور قاعدہ سے بھرنا جانتے تھے، لیکن آپ کو اس میں کتنی دسترس حاصل تھی۔ اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، کہ آپ کو ایک صاحب ملے جن کا خیال تھا، کہ فن تکسیر کا علم صرف مجھ کو ہے۔ دورانِ گفتگو فاضل بہار نے ان سے دریافت کیا کہ جناب نقش مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں تو انہوں نے بڑے فخریہ انداز میں جواب دیا، کہ سولہ طریقے سے، پھر انہوں نے فاضل بہار سے پوچھا، کہ آپ کتنے طریقے سے بھرتے

ہیں۔تو آپ نے جواب دیا، کہ الحمد للہ میں نقش مربع کو گیارہ سو باون طریقے سے بھرتا ہوں۔(سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۱۶۲، بحوالہ تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۴۲۷)۔

اس فن میں (۱) اطـب الاکسیـر فـی علم التکسیر (۱۳۳۰ھ) اور (۲) الاکسیر فی علم التکسیر (۱۳۳۷ھ) جیسی آپ کی قیمتی تصانیف ہیں۔

منطق و فلسفہ:

منطق و فلسفہ جیسے عقلی علوم کو حضور ملک العلماء نے جہاں درس و تدریس کے ذریعہ عام کیا ہے وہیں انہیں تحریری شکل بھی دی ہیں۔

(۱) تقریب (۱۳۳۵ھ) فن منطق میں یہ رسالہ "صغریٰ" سے "سلّم" تک کے مسائل پر مشتمل ہے۔اساتذہ، طلبہ اور علمی ذوق رکھنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے یکساں مفید ہے۔

(۲) تذہیب (۱۳۳۵ھ) یہ رسالہ فلسفہ کے ابتدائی مسائل کو حاوی بزبان اردو ہے۔ اس کا تذکرہ سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے ایک مکتوب میں ملتا ہے۔

"تذہیب کا حرف بحرف قبل طبع دکھالینا فرض اہم ہے۔"

(حیات اعلیٰ حضرت، ص ۱۰۷، ج ۲۔ مرکز اہل سنت برکات رضا)

(۳) الانوار الامعہ من الشمس البازغۃ (۱۳۵۷ھ) غیر مطبوعہ۔فلسفہ کی مشہور کتاب "الشمس البازغۃ" کے اہم مباحث و مسائل کی تشریح سوال و جواب کے انداز میں ہے۔(مقدمہ صحیح البہاری، ص ۱۷)

تاریخ و انساب:

اکثر و بیشتر تاریخ نگار گرد و پیش کے کوائف، قوم کی سرگرمیوں، ماضی کے معاشرہ اور موجودہ حالات کی عکاسی کرتا ہے، اور یونہی نسب نگار کسی قصبہ، شہر کے بادشاہ حضرات یا کسی خاندان کا شجرۂ نسب قید تحریر کرتا ہے یا کسی ولی، بزرگ کا شجرۂ خلافت محفوظ کرتا ہے۔جس کا آج عام چلن ہے۔اس فن میں بھی جب ہم ملک العلماء کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں، تو تاریخ و انساب کے سارے تقاضے پر کھرا اترتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

(۱) المجمل المعدد لتالیفات المجدد (۱۳۲۷ھ)

اس رسالہ میں فاضل مؤلف نے فاضل بریلوی قدس سرہ کے ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء تک کے تحریر کردہ تین سو تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔(اب تصانیف کی تعداد پچاس سے زائد علوم وفنون پر مشتمل ایک ہزار سے زائد ہے۔پھر تحقیق و تفتیش کے بعد اس میں ترمیم کر کے خود مؤلف نے تصانیف کی تعداد ۶۰۷ ر بتائی ہے اور پھر یہی رسالہ تصانیف رضا کے تعین میں سنگ میل ثابت ہوا۔ترمیم شدہ نسخہ شاید زیور طبع سے آراستہ نہ ہو۔البتہ پہلا ایڈیشن مختلف مطبع سے شائع ہوا ہے۔(مقدمہ صحیح البہاری، ص ۲۵)

(۲) خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ)

صوبہ بہار کے ملک خاندان کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم معروف "بملک بیو" جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲-۷۹۰) میں شاہی فوج میں اچھے عہدے پر سرفراز تھے اور قلعہ رہتاس (بہار) کی جنگ میں ۱۳ رذوالحجہ ۷۵۳ھ کو جام شہادت نوش کیا۔جن کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت غوث صمدانی سیدنا شیخ محی الدین قادری حسنی حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، حضور ملک العلماء نے اس کتاب میں ۲۴ ر قصبات و مواضع کے اسی ملک خاندان سے تعلق رکھنے والے کا شجرۂ نسب قلم بند کیا ہے، جو ۴۳ ر صفحات پر مشتمل ہے اور اب تک طباعت سے محروم ہے۔ (ایضاً، ص ۱۷)

(۳) اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ) غیر مطبوعہ ہے۔

(۴) چودہویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ)

اس رسالہ میں حضور ملک العلماء نے حدیث شریف ''ان اللہ یبعث لھذہ الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا'' کی صحت کی تصریح سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، معرفۃ بیہقی، جامع صغیر سیوطی، مسند بزاز، معجم طبرانی کامل ابن عدی اور حلیہ ابونعیم سے کرنے کے بعد ابوالفضل عراقی اور ابن حجر کے اقوال سے اس حدیث کی مزید توثیق پیش کی ہے۔ پھر ایک صدی ہجری سے چودہویں صدی ہجری تک کے مجددین کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مجددیت پر کلام کرتے ہوئے شاہ صاحب کے فرزند دلبند حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ والرضوان کے تیرہویں صدی ہجری کے مجدد قرار دیتے ہیں اور چودہویں صدی ہجری کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''چودھویں صدی کے مجدد، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی ہیں، جنہوں نے تیرہویں صدی کے ۴۸؍سال پائے اور علم وفنون، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتقریر میں مشہور دیار وامصار ہوئے اور چودہویں صدی کے ۳۹؍سال پائے جس میں حمایت دین ونکایت مفسدین، احقاق حق وازہاق باطل، اعانت سنت واہانت بدعت میں جان ومال، علم وفضل صرف کیا اور جس طرح بنا ہمیشہ شرع ومذہب کی نصرت اور مخالفین دین متین کا رد کیا اور اس میں کبھی نہ لومۃ لائم کی پروا کی اور نہ کسی بڑی شخصیت کا خیال آڑے آیا، نہ کبھی شہرت ومدح کی پروا، نہ کسی کے طعن وقدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی۔'' (بحوالہ مقدمہ صحیح البہاری، ص ۳۳، ۳۴)

(۵) النور والضیاء فی سلاسل الاولیاء:

اس رسالہ میں فاضل بہار نے صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے ان ۱۶۲؍سلسلوں کا شجرہ اور ان کے اسمائے گرامی لکھے ہیں، جن میں آپ کو بیعت واجازت حاصل تھی۔

فضائل و مناقب:

ملک العلماء جہاں خود ایک ممتاز عالم دین تھے، وہیں علم اور اہل علم کے قدردان بھی تھے، یہی وجہ ہے، کہ جہاں آپ نے وعظ وتقریر میں علم، علماء اور بزرگان دین کے فضائل ومناقب بیان کئے ہیں۔ وہیں انہیں زینت قرطاس وقلم بھی کئے ہیں۔

(۱) تحفة الاخبار فی اخبار الأحبار (۱۳۲۷ھ)

(۲) تحفة العظماء فی فضل العلماء (۱۳۶۵ھ)

علم اور علما کی فضیلت میں آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے اور مطبوعہ ہے۔

اخلاق:

حضرت ملک العلماء خود اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ تصویر تھے اور اخلاقیات پر مشتمل علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی ''شرح الصدور فی شرح حال الموتی فی القبور'' کا اردو ترجمہ ''سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون'' (۱۳۳۹ھ) کیا اور چند ضروری مسائل بطور تتمہ کے آپ نے اضافہ بھی فرمایا۔

نصائح:

۱۹۲۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوا تھا کہ ہندوستانی مسلمان بیوہ عورتوں کی تعداد ۴۵؍لاکھ سے زائد ہے اور اکثر وبیشتر غربت وافلاس کی زندگی گذار رہی ہیں۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں یہ تعداد بڑھ کر ۵۰؍لاکھ سے زائد ہوگئی تو حضور ملک العلماء نے ان

کے پندونصائح کے لئے ۱۹۴۵ء میں (۱)''زواج الایامیٰ'' لکھی پھر عام فہم زبان میں (۲)''تدبیر اکثریت'' لکھی۔ جس کی اشاعت ''دلچسپ مکالمہ'' (۱۳۴۷ھ) کے نام سے کئی بار ہوئی۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۳۱)

(۱۳) سد الفرار لمهاجری بهار (۱۳۶۶ھ)

۱۹۴۶ء میں بہار کے شرپسند ہندوؤں نے بربریت، بہیمیت اور درندگی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے، تو مسلمان بنگال اور سندھ جانے لگے، تو ملک العلماء نے اس تصنیف میں اس بھگدڑ کو روکنے اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی یہ ہجرت نہیں فرار ہے۔ (ایضاً ص ۳۲)

سیاست:

(۱) ھادی الھداۃ لترک الموالاۃ (۱۳۳۹ھ) ملک العلماء کے دورِ حیات میں مسلمانوں کے دین و مذہب کو نیست و نابود کرنے کے لئے مختلف تحریکیں چل رہی تھیں، اور علمائے ربانیین اپنی حقانیت کی بنا پر سب کے تار و پود اکھیڑ رہے تھے، درج بالا تصنیف بھی ۱۹۲۰ء میں پرورش پانے والی برطانوی حکومت سے ''ترکِ موالات'' کی تحریک کے رد میں ہے۔ اس میں مسئلہ خلافت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس کا آغاز ۱۹۱۹ء ہی میں ہوا تھا اور اس زمانہ میں اس کا بہت زور تھا۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۲۰)

حضرت ملک العلماء کثرت سے خطوط بھی لکھا کرتے تھے اور خطوں کے جواب فوراً دینے کے عادی تھے۔ روزانہ تین خطوں کا اوسط ضرور رہا ہوگا۔ اس طرح آپ کے وہ سارے خطوط جو آپ نے علماء، احباب، تلامذہ اور اعزا کے نام لکھے اگر جمع کر دیئے جائیں تو تقریباً پانچ سو خطوط کا مجموعہ ہوگا۔ آپ کے کچھ خطوط ''اخبار دبدبہ سکندری'' (رام پور) ''اخبار مشرق'' (گورکھپور) ''صدق جدید'' (لکھنؤ) ''رسالہ معارف'' (اعظم گڑھ) اور دوسرے اخبارات، کتب اور رسائل میں شائع ہوتے تھے۔ (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۲۳)

☆☆☆

''ملک العلماء جہاں خود ایک ممتاز عالم دین تھے، وہیں علم اور اہل علم کے قدر دان بھی تھے، یہی وجہ ہے، کہ جہاں آپ نے وعظ و تقریر میں علم، علماء اور بزرگان دین کے فضائل ومناقب بیان کئے ہیں۔ وہیں انہیں زینت قرطاس وقلم بھی کئے ہیں۔

(۱) تحفة الاخبار فی اخبار الأحبار (۱۳۳۷ھ)

(۲) تحفة العظماء فی فضل العلماء (۱۳۶۵ھ)

علم اور علما کی فضیلت میں آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے اور مطبوعہ ہے۔'' (مولانا محمد شبیر عالم مصباحی)

حضور ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ

از قلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، ممبئی

حضرت ملک العلماء ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۸۲ھ میں وفات پائے، ۷۹۔۸۰ سال کی زندگی پائی، ۲۲ ربرس پرورش وحصول علم میں گزرے، کوئی ۵۸ یا ۶۰ سال دین کی خدمت کی اور خوب کی۔ درس وتدریس، تعلیم وافادہ تصنیف وتالیف، تقریر ومناظرہ دعوت تبلیغ، اصلاح وتذکیر، بیعت وارشاد، غرض ہر جہت سے انہوں نے دین واہل دین کی خدمت یوں کی کہ دین اور دین داروں کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ تعلیم وتدریس اور تصنیف وتحقیق بطور خاص ان کا میدان تھا۔ اس میدان میں انہوں نے بے حد مال حاصل کیا، بلکہ ذروۂ کمال تک پہنچے۔

حدیث میں مشہور استاذ حدیث حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، معقولات میں مشہور معقولی عالم حضرت مولانا شاہ احمد حسن پنجابی ثم کانپوری اور اعلیٰحضرت ان کے اساتذہ تھے۔ لیکن سب سے زیادہ علمی کمالات اور فنی برتری انہوں نے امام احمد رضا سے حاصل کی۔ ملک العلماء تو اس پر نازاں تھے ہی امام احمد رضا کو بھی اپنے اس شاگرد پر بے حد ناز تھا۔ اس کا اظہار خطوط رضا سے بھی ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کے علوم وفنون کے وہ سچے جانشین تھے، افکار ونظریات کے بے باک ترجمان تھے، ان کی تصانیف وتحقیقات اور منہج واسلوب سے یہ عیاں ہے۔ ان کی تحریر ونگارش پر امام احمد رضا کے اسلوب تحقیق کی گہری چھاپ بھی دکھائی دیتی ہے۔

ان کی علمی وفنی خوبیاں اتنی گوناگوں ہیں کہ وہ حقیقتاً مظہر اعلیٰحضرت معلوم ہوتے ہیں۔

ملک العلماء تعداد علوم اور تعداد تصانیف میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں، امام احمد رضا کے خلفا وتلامذہ میں یہ امتیاز کہیں اور نظر نہیں آتا۔ وہ کثیر التصانیف بزرگ تو تھے ہی، صاحب مآثر واخلاق حسنہ بھی تھے۔ انہوں نے ۱۳۲۲ھ سے لکھنا شروع کیا، جب عمر کی انیسویں بہار تھی، طالب علمی کا عہد تھا، وہ بھی کوئی معمولی کتاب نہیں، حضرت قاضی عیاض مالکی کی 'کتاب الشفا' کی شرح لکھی اردو میں نہیں، عربی کتاب کی شرح عربی زبان میں لکھی۔ یہ ان کا آغاز تھا، اولین نقش تھا، پھر تو کتابوں پر کتابیں لکھتے گئے، تحقیقات وتراجم اور تعلیقات وشروح کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی، ان کے رشحات قلم کی تعداد ستر سے بھی زائد ہے۔ پروفیسر مختار الدین صاحب نے 'حیات ملک العلماء' میں ستر کتابوں کا ذکر کیا۔ امام علم وفن مظہر اعلیٰحضرت حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی فرماتے ہیں:

ملک العلماء کی تصانیف کی مطبوعہ فہرست میری نظر سے گزری ہے۔ جس میں ایک سو کتابوں کے نام درج تھے۔ وہ فہرست کسی کتاب کے آخر میں چھپی تھی۔ 'مختار نامہ' مطبوعہ عیگڑہ کے مطالعہ سے پتا چلا کہ ڈیڑھ سو کتب ورسائل کے مصنف تھے حضور ملک العلماء۔ 'مختار نامہ' کے مرتبین ہیں ڈاکٹر خورشید اور میر الٰہی ندیم (علیگڑھ)۔

کتاب خوانی آسان ہے، کتاب فہمی مشکل ہے۔ اسی طرح کتاب بنی آسان ہے کتاب نویسی مشکل ہے۔ یہ مشکل اس وقت اور بڑھ جاتی ہے، جب کہ وہ زیر تصنیف کتاب علمی، اصولی، کلامی ہو۔ نقل واخذ اور مختصرات، ملخصات، متلقطات سے کتاب تیار کر لینا کوئی مشکل نہیں۔ مشکل تو جب ہے کہ وہ کتاب کسی خاص دقیق فن میں، متن تحقیق، مخطوط شناسی، فن تدوین کے اصول وقواعد کی رعایت بھی کرتا ہو۔ ملک العلماء اس خصوص میں خاصے منفرد تھے، ان کی کتابیں نقل واقتباس کا مجموعہ نہیں، تحقیقات عالیہ وتدقیقات غالیہ کا مرقع ہیں۔ جس طرح امام احمد رضا کی عام تحقیقات کے سمجھنے سے زمانہ قاصر ہے۔ اسی طرح حضور ملک العلماء کی بعض تحقیقات سے علمائے عصر حیران وششدر ہیں۔ اس مختصر تحریر میں حضور ملک العلماء کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس جائزہ میں درسی، غیر درسی، تصنیف، تالیف، تحقیق، ترجمہ، تعلیق، تشریح، تاریخ، تذکرہ، سیرت، سوانح، فضائل ومناقب، شجر ونسب سب شامل ہے۔ ابتداء درسی کتابوں سے کرتے ہیں۔

درس نظامیہ کی پہلی جماعت کی پہلی کتاب 'میزان' ہے۔ یہ علم صرف میں ہے۔ ملک العلماء نے علم صرف میں ایک کتاب لکھی اس کا نام 'عافیہ' ہے۔ علم نحو میں چار (۴) کتابیں لکھی ہیں۔ پہلی 'وافیہ' ہے دوسری 'التعلیق علی مغنی اللبیب' ہے، تیسری 'القصر المبنی علی بناء المغنی' ہے۔ علم منطق میں ایک کتاب لکھی ہے، نام 'تقریب' ہے۔ علم فلسفہ میں دو کتابیں لکھی ہیں، پہلی 'تہذیب' ہے۔ دوسری 'الانوار اللامعۃ من الشمس البازغۃ' ہے۔ علم کلام میں ایک کتاب ہے، نام 'الفوائد التامۃ فی اجوبۃ الامور العامۃ' فن حدیث میں تین کتابیں لکھی ہیں، پہلی حضرت قاضی عیاض کی 'کتاب الشفا شریف' کی شرح ہے۔ دوسری 'نزول المکیۃ باسانید الاجازۃ المتنیۃ' ہے، تیسری 'الجامع الرضوی بصحیح البہاری' ہے۔ اصول حدیث میں اکلوتی کتاب 'الافادۃ الرضویۃ' ہے۔ فقہ میں پندرہ کتابیں تحریر کی ہیں، اصول فقہ میں وہی ایک کتاب ہے، اس کا نام 'تسہیل الوصل الی علم الاصول' ہے۔ ردومناظرہ میں دس کتابیں تحریر کی ہیں۔ فن ہیئت، توقیت، ریاضی، تکسیر میں سات کتابیں ہیں۔ تاریخ وتذکرہ اخلاق ونسائح، فضائل ومناقب، انساب وشجرات میں قریب بیس کتابیں ہیں۔

موضوعی اعتبار سے ایک خام فہرست یہ ہے۔

(۱) عافیہ (۲) وافیہ

(۳) التعلیق علیٰ شروح المغنی

(۴) القصر المبنی علیٰ بناء المغنی

(۵) تقریب (۶) تہذیب

(۷) الانوار الامعۃ من الشمس البازغہ

(۸) الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ۔

(۹) شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ۔ ۱۳۲۴ھ سال تصنیف

(۱۰) الجامع الرضوی بصحیح البہاری

(۱۱) نزول المکیہ باسانید الاجازات المتنیہ

(۱۲) الافادات الرضویہ

(۱۳) التعلیق علی القدوری. ۱۳۲۵ھ سال تحریر

(۱۴) تسہیل الاصول الی علم الاصول

(۱۵) نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

(۱۶) تحفۃ الاحباب فی الکوۃ والباب. ۱۳۲۶ھ۔

(۱۷) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس. ۱۳۲۳ھ۔

(۱۸) اعلام المساجد جلود الاضحیۃ فی المساجد۔ ۱۳۲۵ھ غیر مطبوعہ

(۱۹) بسط الراحۃ فی الخطر والا باحۃ۔۱۳۲۶ھ غیر مطبوعہ
(۲۰) الفیض الرضوی فی تکمیل العربی۔۱۳۲۶ھ غیر مطبوعہ
(۲۱) القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر۔۱۳۳۳ھ غیر مطبوعہ
(۲۲) نہایۃ المنتہی فی ہدایۃ المبتدی۔۱۳۴۳ھ غیر مطبوعہ
(۲۳) مفرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب۔۱۳۵۴ھ مطبوعہ
(۲۴) تنویر المصباح عند حی علی الفلاح۔۱۳۷۱ھ مطبوعہ
(۲۵) اصلاح الایضاح (۲۶) مجموعہ فتاویٰ
(۲۷) جامع الاقوال فی رویۃ الھلال ۱۳۵۷ھ مطبوعہ
(۲۸) ھادی الھداۃ لترک الموالات۔۱۳۳۹ھ غیر مطبوعہ
(۲۹) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول۔۱۳۲۳ھ غیر مطبوعہ
(۳۰) سجم اللنزہ علی الکلاب الممطرہ۔ ۱۳۲۸ھ غیر مطبوعہ
(۳۱) النبراس لدفع ظلام المنھاس۔ ۱۳۲۹ھ غیر مطبوعہ
(۳۲) رفع الخلاف من بین الاحناف۔۱۳۲۲ھ غیر مطبوعہ
(۳۳) کشف الشور عن مناظرۃ رامپور۔۱۳۳۲ھ غیر مطبوعہ
(۳۴) ظفر الدین الجید۔۱۳۳۲ھ مطبوعہ
(۳۵) ظفر الدین الطیب۔۱۳۲۳ھ مطبوعہ، بریلی
(۳۶) شکست سفاھت۔ ۱۳۲۶ھ مطبوعہ بریلی
(۳۷) گنجینۂ مناظرہ۔۱۳۳۴ھ بریلی
(۳۸) بدر الاسلام لمیقاۃ کل الصلوۃ والصیام۔۱۳۳۵ھ غیر مطبوعہ
(۳۹) مؤذن الاوقات۔۱۳۳۵ھ مطبوعہ متعدد مقامات
(۴۰) توضیح الافلاک المعروف بسلم السماء۔۱۳۳۰ھ غیر مطبوعہ
(۴۱) مشرقی کا غلط مسلک۔۱۳۸۴ھ مطبوعہ، اعظم گڑھ
(۴۲) الاکسیر فی علم التکسیر۔۱۳۳۷ھ غیر مطبوعہ
(۴۳) الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بتوضیح التوقیت،۱۳۳۰ھ مطبوعہ، مرادآباد
(۴۴) مشرقی اور ست قبلہ۔۱۳۵۸ھ مطبوعہ اعظم گڑھ
(۴۵) حیز السلوک فی نسب الملوک۔ ۱۳۳۲ھ غیر مطبوعہ
(۴۶) تنویر السراج فی ذکر المعراج۔ ۱۳۵۲ھ مطبوعہ وغیر مطبوعہ
(۴۷) مولود رضوی۔۱۳۶۰ھ غیر مطبوعہ
(۴۸) تحفۃ العظما فی فضل العلماء۔ ۱۳۶۵ھ غیر مطبوعہ
(۴۹) حیات اعلیٰحضرت۔۱۳۶۹ھ چار جلد مطبوعہ
(۵۰) النور والضیا فی سلاسل الاولیا۔ غیر مطبوعہ
(۵۱) مکاتیب ملک العلماء۔ قلمی
(۵۲) مبین الھدی فی نفی امکان المصطفیٰ۔۱۳۲۳ھ غیر مطبوعہ
(۵۳) تحفۃ الحبار فی اخبار الاخیار۔ ۱۳۳۷ھ غیر مطبوعہ
(۵۴) اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام۔۱۳۳۱ھ غیر مطبوعہ
(۵۵) المجمل المعدد لتالیفات المجدد۔۱۳۲۷ھ مطبوعہ پٹنہ
(۵۶) جواہر البیان۔۱۳۳۳ھ مطبوعہ، کلکتہ
(۵۷) سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العیون۔ ۱۳۳۸ھ غیر مطبوعہ
(۵۸) دلچسپ مکالمہ۔۱۳۴۷ھ غیر مطبوعہ
(۵۹) زواج الایافی۔ ۱۳۴۵ھ غیر مطبوعہ
(۶۰) تدبیر اکثریت۔ ۱۳۴۷ھ مطبوعہ پٹنہ
(۶۱) تنویر السراج فی ذکر المعراج۔ ۱۳۵۳ھ مطبوعہ وغیر مطبوعہ
(۶۲) سد الفرار لمہاجری البھار۔ ۱۳۶۶ھ مطبوعہ پٹنہ
(۶۳) چودھویں صدی کے مجدد۔۱۳۶۷ھ مطبوعہ، رام پور، لاہور دیناج پور
(۶۴) ندوۃ العلماء۔۱۳۳۸ھ، مطبوعہ، رام پور
(۶۵) رسالہ۔ مطبوعہ، مبارکپور
(۶۶) التحقیق المبین لکمات التربین
(۶۷) اطیب الاکسیر فی علم التکسیر۔ ۱۳۳۰ھ غیر مطبوعہ

(۶۸)معظم المبانی فی حروف المعانی ۱۳۲۷ھ غیر مطبوعہ

(۶۹)عید کا چاند ۱۳۷۰ھ مطبوعہ دہلی ۱۳۵۲ھ

(۷۰)مکتوبات مشاہیر بنام ملک العلماء

بعض کتابوں کا قدر تفصیلی تعارف یہ ہے۔آغاز پھر درسی کتابوں سے کرتے ہیں۔درس نظامیہ کے نصاب کا تعین ملا نظام الدین سہالوی نے صدیوں پہلے کیا تھا۔درس وتعلیم کی مدت سولہ سال تھی۔آج کے دور میں یہ مدت اور نصاب پھر زیر بحث ہے۔نصاب کی تبدیلی پر بطور خاص غور وخوض کیا جارہا ہے۔دقیق درسی کتابوں کی تسہیل پر زور دیا جارہا ہے۔مختصرات وملخصات کی تیاری بھی زیر غور ہیں۔اسی طرح حواشی، تعلیقات، تشریحات کی بھی ضرورت پیش نظر ہے۔ان تقاضوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے، تو سواد اعظم کے خیمہ میں حضور ملک العلماء وہ پہلی شخصیت ہیں۔جنہوں نے ان تقاضوں کو آج سے قریب نوے سال پہلے محسوس کرلیا تھا اور صرف نحو، منطق، فلسفہ کے خلاصے تیار کردیئے تھے۔یہ خلاصے ومختصرات ٹھیک آج کی ضرورت کے عین مطابق ہیں۔مدارس اسلامیہ کے ارباب مجاز اور نصاب ساز حضرات ملک العلما کی دی ہوئی گائیڈ لائن سے بھرپور فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔الگ سے لکھنے لکھانے، سر کھپانے سے بھی نجات مل سکتی ہے۔یہ وہ اہم چیزیں ہیں جن کی نقلیں لے کر اس دور میں طلبہ پڑھا کرتے اور اساتذہ استفادہ کیا کرتے تھے۔خیر یہ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے، اس جملہ معترضہ (جو نہایت اہم ہے) کے بعد درسی وغیر درسی کتب ورسائل پر ایک تعارفی نظر ڈالتے ہیں۔

۱) **عافیہ**: سن تصنیف ۱۳۳۵ھ موضوع علم صرف ہے۔اردو زبان میں نہایت عام فہم، آسان انداز میں لکھی گئی ہے۔مبتدی طلباء کی استعداد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔'میزان' سے 'شافیہ' تک کے مسائل کا باحسن اسلوب احاطہ کیا گیا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مطبع حسنی پریس بریلی سے شائع ہوئی ہے۔صفحات کی تعداد ۶۰ ہے۔

۲) **وافیہ**: سن تصنیف ۱۳۳۵ھ ہے۔موضوع علم نحو ہے۔یہ کتاب بے مثال وبے نظیر ہے، زبان وہی آسان عام فہم ہے۔پیرایہ بیان دلنشیں ہے۔'نحومیر' سے 'مغنی اللبیب' تک کے نحوی قواعد، مسائل مثالیں دے دے کر ذہن نشیں کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔صفحات کی تعداد ۱۲۸ ہے۔

۳) **التعلیق علی شروح المغنی**: سن تحریر ۱۳۳۱ھ ہے۔موضوع وہی علم نحو ہے۔مشہور زمانہ نحوی کتاب 'مغنی اللبیب' پر جتنی متداول شرحیں لکھی گئی ہیں، ان تمام شروح پر حضور ملک العلماء نے تعلیقات لکھی ہیں۔اس کی زبان عربی ہے۔

۴) القول المبنی علی بناء المغنی: سال تحریر ۱۳۳۶ھ ہے۔یہ عربی زبان میں 'مغنی اللبیب' کی شرح ہے۔یہ کتاب ناقص الآخر ہے، اس کی تکمیل ہوسکتی ہے۔قلمی نسخہ موجود ہے۔

۵) **معظم المبانی فی حروف المعانی**: ۱۳۲۷ھ سن تالیف ہے۔اس کا موضوع بھی وہی علم نحو ہے۔اس کا بھی قلمی نسخہ محفوظ ہے۔

۶) **تقریب**: ۱۳۳۵ھ کی تصنیف ہے۔موضوع علم منطق ہے، زبان وہی عام فہم، سلیس وسادہ ہے۔انداز وہی دلنشیں ہے، منطق کی سب سے چھوٹی کتاب 'صغریٰ' سے منطق کی بڑی کتاب 'سلم' تک کے مسائل پر حسین پیرایہ میں گفتگو کی گئی ہے۔

۷) **تذھیب**: یہ بھی ۱۳۳۵ھ کی تصنیف ہے، اس کا موضوع علم فلسفہ ہے۔علم فلسفہ کے جملہ ابتدائی مسائل کو حاوی ہے۔زبان وہی اُردو ہے۔اسلوب وہی آسان وعام فہم ہے۔

۸) **الانوار الامعۃ من الشمس البازغہ**: ۱۳۵۷ھ کی تصنیف ہے، موضوع ظاہر ہے۔ فلسفہ ہی ہے۔ فلسفہ کی مشہور مشکل کتاب شمس بازغہ کے اہم مسائل و مباحث کی اس میں تشریح کی گئی ہے۔ طلباء کی تقریب فہم کے لیے سوال و جواب کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ ۴۷ سوالات ہیں۔ ظاہر ہے اتنے ہی جوابات بھی ہیں تقطیع کلاں پر صفحات کی تعداد ۴۲ ہے۔ مخطوطہ موجود ہے۔

۹) **الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامۃ**: ۱۳۵۷ھ کی تصنیف ہے، اس کا موضوع علم کلام ہے، یہ بھی اہم درسگاہی کتاب ہے، طلباء کو علم کلام کے اہم مباحث و مسائل کو آسان انداز میں سمجھانے کیلئے وہی سوال و جواب کی صورت اپنائی گئی ہے، خطی نسخہ بخط مصنف موجود ہے۔

ملک العلماء نے فن حدیث میں قریب پانچ چھ کتابیں لکھی ہیں۔ اس میں سے دو کا تعلق براہ راست مدارس اسلامیہ کے نصاب سے ہے۔ اس طرح فن فقہ و فتاویٰ میں قریب بیس کتب و رسائل تصنیف کئے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلق نصاب درس نظامیہ سے ہے تینوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۰) **الجامع الرضوی بصحیح البہاری**: ۱۳۴۵ھ کی تصنیف ہے اس کی تصنیف کی غرض ہی نصاب نظامیہ کی تکمیل تھی اور ہے۔ فوراً سے پیشتر اس کو نصاب درس میں شامل کر لینا چاہیئے، اس کا ذکر ذرا بعد میں ہم پھر کریں گے۔

۱۱) **الافادات الرضویہ**: ۱۳۴۴ھ کی تالیف و ترتیب ہے۔ موضوع اصول حدیث ہے۔ علم حدیث میں یہ وہ علمی و اصولی فوائد و افادات ہیں۔ جن کو حضور ملک العلماء نے امام احمد رضا سے لیے، یادداشت کے طور پر لکھ بھی لئے جوان کا طریقہ تھا۔ بعد میں مرتب کر دیئے، بعید نہیں، یہی فوائد حضور ملک العلماء 'صحیح البہاری' کے مقدمہ میں منظم شکل میں پیش کر دیئے ہیں۔ جو بعض فوائد بھی منتشر اوراق میں موجود ہیں۔ مذکورہ مقدمہ اور ان اوراق منتشرہ کو سامنے رکھ کر اصول حدیث کی بہترین کتاب تیار کی جاسکتی ہے۔ جو اپنی افادیت کے اعتبار سے نہایت اہم ہوگی۔

۱۲) **تسهیل الوصول الی علم الاصول**: ۱۳۳۶ھ کی تصنیف ہے۔ قلمی نسخہ موجود ہے اس کا موضوع اصول فقہ ہے۔ حضور ملک العلماء کی طبع اخاذ سے بعید نہیں، جس طرح انہوں اصول حدیث کے فوائد سن کر جمع کئے، ہیئت، توقیت، ریاضی کے بہت سے قواعد، مسائل سن کر ہی بعد میں ضبط تحریر میں لائے۔ اسی طرح ملک العلماء فقہ کے بارے میں بھی جو فوائد و نکات انہوں نے امام احمد رضا سے سنے، بعد میں ترتیب دے دی ہو۔ یا خود بھی فقیہ و مفتی تھے، خود سے ہی لکھی ہو، مگر بافیض استاذ کا فیض تو ہوتا ہی ہے۔

یہ بارہ کتابیں ہیں، جو درسیات و نصابیات سے متعلق ہیں۔ ان میں تصنیف بھی ہے، تالیف بھی تشریح بھی ہے، تعلیق بھی، ان میں بیشتر ایسی ہیں، جو دور حاضر کے نصابی تقاضہ کو پورا کرتی ہیں۔ ان علمی، فنی اصولی کتابوں سے حضور ملک العلماء کی درسی و نصابی صلاحیت و مہارت بھی خوب واضح ہوتی ہے۔ منظر اسلام بریلی کو چھوڑ کر جوان کا آغاز تدریس کا زمانہ تھا، جہاں کہیں رہے، مدرس اعلیٰ رہے، صدر المدرسین رہے، پرنسپل رہے، فقہ، حدیث، تفسیر ہی ان کا موضوع و میدان رہا۔ منطق، فلسفہ، ہیئت، توقیت ریاضی تو ان کا اپنا میدان تھا ہی۔ اس میدان میں تمام علمائے عصر کے مرجع و مقتدار ہے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، جس کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل تھا اور ہے اس کے تدریسی و نصابی جملہ امور حضور ملک العلماء نے ہی سرانجام دیئے۔ مدرسہ و خانقاہ کبیریہ سہسرام میں بھی حال رہا۔ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار کو بام عروج تک پہنچایا۔ ان

صلاحیتوں کو خود امام احمد رضا نے بھانپ لیا تھا، جانچ لیا تھا۔ تبھی تو لاہور کے خلیفہ تاج الدین کو لکھا، تمام خصوصیات کا ذکر فرمایا اور اپنے نفس پر ایثار کر کے ملک العلماء کو انجمن نعمانیہ بھیجنے کی آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ تدریس، تصنیف، مناظرہ جہاں کہیں جیسی ضرورت آن پڑی، اطراف ہند لاہور، شملہ، آرا، پٹنہ، کلکتہ، راندیر، مدراس امام احمد رضا نے انہیں بے دغدغہ روانہ کیا اور وہ ملک العلماء ہی تھے۔ جنہوں نے میدان جیسا بھی رہا، سر کر کے ہی چھوڑا۔ امام احمد رضا نے جس اعتماد کا اظہار کیا، ملک العلماء نے اسے نبھایا ہی نہیں، زائد ہی کر دکھایا۔ مدرس، مفتی، مناظر، خطیب، واعظ، ان خصوصیات کا ذکر امام احمد رضا نے اس وقت فرمایا۔ جب ملک العلماء فاضل جوان تھے، جب نوجوانی کا یہ عالم تھا تو پختہ عمری، بالغ شعوری کا عالم کیا رہا ہوگا۔ عافیہ، وافیہ، تقریب، تذھیب وغیرہ جو ۱۳۳۵ھ ۱۳۳۶ھ کی تصانیف ہیں۔ یہ ساری درسی کتابیں امام احمد رضا کی نظر سے گذریں اور امام احمد رضا نے ان کتابوں کو سراہا بھی۔ یہ نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے۔ لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ ان مذکورہ کتابوں میں سے بیشتر جو داخل نصاب کے لائق ہیں۔ زمانہ کی گرد جھاڑ کر داخل نصاب کر لیا جائے۔ پس و پیش سے قوم پسپا ہوتی ہے۔ قبول میں عافیت ہے، استرداد میں اضطراب ہے۔ درسی و نصابی میدان میں بھی ملک العلماء کی ایک اہم خصوصیت ہے، جو ان کے معاصرین میں کہیں نظر نہیں آتی۔

اب ایک نظر ان کتابوں پر جو ملک العلماء نے اپنے عہد تحصیل ہی میں تحریر فرمائی۔ یہ بھی حضور ملک العلماء کا انتہائی اہم امتیاز ہے، سب جانتے ہیں۔ اس دور میں درسی کتابوں ہی کا سمجھنا، سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائے کہ قلم پکڑنا، وہ بھی تشریح و تعلیق کی حد تک، یہ بھی نہیں کہ وہ کتابیں عام فہم ہوں۔ اہم کتابوں کی شرح و تعلیق لکھی، وہ بھی اردو نہیں عربی زبان میں۔ اسی طرح ردو مناظرہ میں سوالات مرتب کرنا مخاصم سے بحث کرنا اور لاجواب کر دینا۔ ملک العلماء کی خاص باتیں بھی اپنے ہم عصروں میں منتخب ہونے کی کھلی شہادت ہیں۔ کیونکہ یہ وصف ان کے کسی معاصر کی سیرت و سوانح میں نظر نہیں آتا۔ ملک العلماء ہی اس میں بالکل انفرادی شان لئے دکھائی دیتے ہیں خیر آئیں اور دیکھیں۔

۱۳) ۱) **شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ**: ۱۳۲۴ھ کی کاوش ہے۔ سن فراغت ۱۳۲۵ھ ہے۔ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت قاضی عیاض بن موسیٰ (م ۵۴۴ھ) کی مشہور تصنیف 'کتاب الشفاء شریف' کی شرح ملک العلماء نے لکھی اور عربی زبان میں لکھی، مخطوطہ بخط شارح محفوظ ہے۔

۱۴) ۲) **التعلیق علی القدوری**: یہ تعلیق ۱۳۲۵ھ میں لکھی اور عربی زبان میں لکھی۔ درس نظامیہ کی یہ فقہی کتاب ہے۔ اس پر یہ تعلیق اہمیت کا حامل ہے۔

۱۵) ۳) **ظفر الدین الجید**: ۱۳۲۳ھ کی کوشش ہے۔ علمائے بریلی و دیوبند کے اختلافات ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ امکان کذب باری تعالیٰ، علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسائل پر حضور ملک العلماء نے بیس سوالات مرتب کئے۔ تحریر کی تاریخ ۱۴ر جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ ہے۔ اشرف علی تھانوی جو اس وقت بریلی میں موجود تھے، ان کے روبرو پیش کیا، اس رسالہ میں دونوں کی ملاقات و بحث و مذاکرہ کی کیفیت درج ہے۔ یہ کتاب اس زمانہ میں مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے چھپی بھی ہے۔

۱۶) ۴) **ظفر الدین الطیب**: یہ بھی ۱۳۲۳ھ کی کوشش ہے۔ یہ ظفر الدین الجید کے بعد کی تحریر ہے۔

۱۷) ۵) **مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس**: ،سال تصنیف ۱۳۲۳ھ ہے۔کتاب کے آخر میں امام احمد رضا کی تقریظ بھی ہے۔قریب سو صفحہ کا یہ رسالہ دوسری بار ترتیب جدید کے ساتھ 'عرس کی شرعی حیثیت' کے عنوان سے ادارہ افکار حق بائسی، پورنیہ کے اہتمام میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۸) ۶) **اعلام المساجد بعرف جلود الاضحیة فی المساجد**: ،یہ ۱۳۲۵ھ کی تصنیف ہے۔جو غیر مطبوعہ ہے عنوان کتاب سے موضوع ظاہر ہے۔

۱۹) ۷) **الحسام المسلول علی منکر علم الرسول**: ،سال تحریر ۱۳۲۳ھ ہے۔موضوع علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔غیر مطبوعہ ہے۔

۲۰) ۸) **مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ**: ۱۳۲۴ھ کی تصنیف ہے۔موضوع وہی امتناع نظیر کا اثبات ہے اور امکان مثل مصطفیٰ کا ابطال ہے۔یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔

۲۱) ۹) **الافادات الرضویه**: ،اس کا موجوع اصول علم حدیث ہے۔یہ وہی فوائد و نکات ہیں، جو حضور ملک العلماء نے امام احمد رضا سے دوران درس ساعت کیے۔یہ اور بات ہے کہ ترتیب واضافہ کا کام بعد میں ہوا۔

۲۲) ۱۰) **تسھیل الوصول الی علم الاصول**: ،اس کا موضوع علم اصول فقہ ہے۔عجب نہیں یہ بھی 'الافادات الرضویہ' کے طرز پر ترتیب دی گئی ہو۔یہ دس کتابیں حضور ملک العلماء کے عہد طالب علمی کی یادگار ہیں۔کتابوں کے اسماء اور موضوعات سے واضح ہے کہ وہ کس قدر اہم فالا اہم ہیں۔

۲۳) **صحیح البھاری**: علم حدیث ملک العلما نے وقت کے سب سے مشہور ترین اساتذۂ حدیث سے حاصل کیا۔ایک تو وہی مشہور استاذ حدیث حضرت مولٰینا شاہ وصی احمد محدث سورتی تھے، دوسرے بقول علمائے عرب راس المحدثین والمصنفین امام احمد رضا تھے۔علم حدیث، تفسیر، فقہ سے ملک العلماء کو خصوصی شغف تھا۔ان تینوں میں وہ مہارت تامہ رکھتے تھے۔فن حدیث میں ملک العلما نے پانچ چھ کتابیں تصنیف کیں۔ان میں سب سے اہم اور معتبر 'صحیح البہاری' ہے اس کی عظمت واہمیت کے لئے فن حدیث کا ہونا ہی کافی سے زائد ہے۔دوسری اہمیت اس کی یہ ہے، یہ کتاب جماعت حنفیہ اور سواد اعظم کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ یہ کتاب فقہی ابواب کے طرز پر مرتب کی گئی ہے اور فقہ حنفی کے تمام مسائل کی متدل احادیث صحیحہ معتبرہ متندہ یکجا جمع کردی گئیں۔صحرا سر کرنے اور دریا عبور کرنے کی حاجت باقی ہی نہ رہی۔اس کتاب نے حنفی مسائل فقہ کے استخراج واستنباط میں علماء وطلبائے احناف کو دوسری کتب احادیث کے دفاتر چھاننے، کھنگالنے سے بے نیاز کر دیا۔

اس سے قبل فقہ حنفی کی تائید میں حضرت شیخ محدث دہلوی (۹۰۵۸ھ۱۰۵۲ھ) نے فتح المنان فی تائید مذہب النعمان لکھی تھی اس کے دو نسخے جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دارالعلوم مئوناتھ بھنجن کے کتب خانوں میں ہیں۔اس نوع کی دوسری کوشش علامہ سید شاہ محمد مرتضیٰ حسین زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵ھ۔۱۲۰۵ھ) کی ہے۔جنہوں نے 'عقود الجواھر المنیفه فی ادلة امام ابی حنیفه' تحریر کی۔اس طرز کی تیسری کتاب 'آثار السنن' بھی ہے۔جس کے مصنف علامہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸ھ۔۱۳۲۲ھ) ہیں۔۳۱۱ صفحے کی کتاب 'آثار السنن' ۱۳۱۸ھ میں قومی پریس لکھنؤ سے چھپی۔بعض مدارس کے نصاب میں شامل بھی ہوئی۔شاید اب

بھی کہیں داخل نصاب ہو۔ ان سب کے باوجود علمائے احناف کی وہ ضرورت پوری نہ ہو سکی۔ خالص محدثانہ طرز پر کئی مجلدات پر مشتمل یہ 'صحیح البہاری' ہی ہے جو اس ضرورت کو پورا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ چونکہ یہ کتاب عقائد، اعمال، عبادات، معاملات تمام شعبوں کو محیط ہے۔ اس میں وہ تمام احادیث و آثار اکٹھے جمع ہیں، جن پر مذہب احناف کی پوری عمارت کھڑی ہے اور فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ہو، جس کی سند استشہاد میں کوئی نہ کوئی خبر، اثر، حدیث پیش نہ کی گئی ہو۔

سبھی خواص جانتے ہیں، ملک العلماء نے اس کتاب کو خالص محدثانہ اسلوب میں چھ جلدوں پر مشتمل لکھنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ دوسری جلد جو کتاب الطہارۃ کی احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کے مجموعی صفحات قریب ایک ہزار ہیں اور احادیث کی تعداد قریب دس ہزار ہیں۔ پہلی جلد کتاب العقائد ہے۔ دوسری جلد کتاب الطہارۃ۔ تیسری جلد کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم ہے، چوتھی جلد کتاب النکاح تا کتاب الوقف ہے۔ پانچویں کتاب البیوع تا کتاب الغصب ہے۔ چھٹی جلد کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض ہے۔ دوسری جلد جو کتاب الطہارۃ و الصلوٰۃ پر ہے، بربنائے سہولت اسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلا حصہ جو کتاب الطہارۃ ہے، یہ ۱۹۳۱ء میں شیخ غفور بخش کے اہتمام سے ابوالعلائی الیکٹرک پر آگرہ سے چھپا۔ کتاب الصلوٰۃ کے بقیہ تین حصے سید مظفر علی دسنوی کے برقی پریس، سبزی باغ پٹنہ سے شائع ہوئے۔ جس کا دورانیہ ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۷ء ہے۔ پھر ایک عرصہ دراز کے بعد دوسری جلد قریب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۴۱۲ھ میں حیدر آباد، سندھ پاکستان سے عکسی شائع ہوئی۔

جب 'صحیح البہاری' چھپ کر سامنے آئی، تو اس وقت کے جید مستند علماء نے ملک العلماء کو خوب خراج تحسین پیش کیا۔ پذیرائی کی اور کتاب کو وقت کا سب سے بڑا علمی، دینی، حدیثی کارنامہ قرار دیا۔ تقریظیں لکھیں، تبصرے لکھے۔ حضرت محدث سورتی کے تلمیذ رشید حضرت مولانا حکیم سعید الرحمٰن خان، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر عثانی پروفیسر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد، دکن، حضرت مولانا سید شاہ محی الدین زیب سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، حضرت مولانا سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری ناظم اعلیٰ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور، مدراس، حضرت مولانا شاہ حبیب الحق عمادی شاہ سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ اور دیگر کثیر علمائے عصر زبردست قلمی خراج تحسین و آفرین پیش کیا۔ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور، حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی، شاہ سلیمان پھلواری، مولانا سعید احمد اکبرآبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ مولانا حیدر شریف مہتمم امدادالمعارف، حیدر آباد، مولانا عزالدین پھلواروی استاذ ادب ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا سید اصغر علی جعفری، پٹنہ۔ وغیرہ نے 'صحیح البہاری' کی قدر و قیمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور مصنف علام حضرت ملک العلماء کی علمیت و خدمت کے معترف و مداح رہے۔ اختلاف عقاید کے باوجود سید سلیمان ندوی نے زبردست تبصرہ لکھا اور ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ میں چھاپا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے کتاب پر کھل کر اظہار خیال کیا اور اپنے یومیہ اخبار 'سچ' لکھنؤ میں شائع کیا۔ اسی طرح غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے کتاب و صاحب کتاب کی عظمت و اہمیت پر روشنی ڈالی اور اپنے ہفت روزہ اخبار 'الفقیہ' امرتسر میں شائع کرایا۔

غرض کہ ملک کے طول و عرض سے کتاب کی بھرپور پذیرائی ہوئی۔ سنی، غیر سنی، مقلد، غیر مقلد تمام مکاتیب فکر کے اہل علم نے 'صحیح البہاری' کو ایک شاندار علمی کارنامہ تسلیم کیا۔ بیسویں

صدیٔ عیسوی کا یہ عظیم الشان حدیثی کارنامہ جو سوادِ اعظم کی اہم ترین نصابی ضرورت بھی ہے۔ آج پھر اہل سنت و جماعت کی خاص توجہ کا طالب ہے۔ اس حوالہ سے کچھ اہم اشاریئے ہم نے اپنے مضمون 'ملک العلماء کی اولیات ایک چشم کشا تحریر' میں لکھ دیئے ہیں۔ جو روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی ۴؍جولائی ۲۰۰۸ء اور ماہنامہ 'جام نور' دہلی شمارہ اگست ۲۰۰۸ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ اپنے زمانہ کی سب زیادہ مشہور و ممدوح کتاب 'صحیح البہاری' کی جدید ترتیب و تخریج جدید اصول تدوین کی روشنی میں ہونی چاہئے اور حسن طباعت کے بعد مدارس اہل سنت کے نصاب میں داخل کر لینی چاہئے۔ یہ ضرورت بھی ہے اور زمانہ کا تقاضہ بھی۔

ہیئت، توقیت، تکسیر، جفر، ریاضی، جومیٹری، الجبرا، علم مسطح، علم مثلث کروی، علم مناظر، علم مرایا، علم اکر، علم زیج، علم زائچہ وغیرہ ایسے بیسوں علوم و فنون عجیبہ و غریبہ ہیں، جن میں امام احمد رضا اپنے وقت میں تمام عرب و عجم، اکناف عالم کے تنہا مرجع و پیشوا تھے۔ ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بقدر کفاف یہ فنون حاصل کئے، جس کا اظہار امام احمد رضا نے اپنے ایک خط میں یہ کہہ کر کیا 'یہ (ملک العلماء) فن توقیت سے تنہا آگاہ ہیں'۔ الغرض جس طرح امام احمد رضا اپنے دور میں متذکرہ فنون کے تنہا نہ صرف رمز شناس تھے، بلکہ واضع قواعد و شارح مسائل بھی تھے۔ اسی طرح ملک العلما اپنے وقت میں ان علوم و فنون کے تنہا مرجع و مقتدا قرار پائے۔ پہلے وہ بریلی کے اوقات صلوٰۃ و صوم و سحری کا نقشہ تیار کرتے تھے۔ بعد میں نینی تال، کان پور، بہار شریف، کلکتہ، گوالیار، بمبئی، لاہور، ملتان وغیرہ کے اوقات الصلوٰۃ والصوم کے نقشے اور جداول تیار کئے۔ ان میں سے کثیر جداول 'دبدبۂ سکندری' رام پور کی متعدد اشاعتوں میں شائع بھی ہوئے ہیں جو خاکسار کی نظروں سے گزرے ہیں۔ کچھ ذاتی ذخیرہ میں موجود بھی ہیں۔ ملک العلماء نے ہیئت و توقیت میں سات آٹھ کتابیں یادگار چھوڑیں ہیں۔ یہاں چند کتب و رسائل کا تعارف درج کیا جاتا ہے۔

(۲۴) ۱) **الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت، معروف بتوضیع التوقیت**: فن توقیت میں حضور ملک العلماء کی یہ پہلی تصنیف ہے جو ۱۳۳۰ھ میں لکھی۔ اس میں نصف النہار، ضحو کبریٰ، طلوع و غروب، عصر، ضرب ستینی، تقسیم ستینی، کسور اعشاریہ، حبیب لوگارثمی، دھوپ گھڑی، سمت قبلہ اور اس نوع کے دوسرے اہم و علمی مسائل سادہ و سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ مثالیں بھی دی ہیں، نقشہ جات بھی درج کئے ہیں۔ اس کتاب کا تہدیہ ملک العلماء نے اپنے مخلص دوست صدر الافاضل حضرت مولٰینا سید شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی کے نام کیا ہے جنوری ۱۹۴۳ء میں یہ کتاب زیر اہتمام الحاج مولانا محمد ظہور نعیمی، اہل سنت برقی پریس مرادآباد سے شائع ہے۔

(۲۵) ۲) **بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام**: یہ تاریخی نام ہے، جس سے ۱۳۳۵ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ یہ کتاب ایک تمہید، تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقصد اول: قواعد استخراج اوقات و بیان کتب ضروریہ۔

مقصد دوم: میل کلی ۲۳ درجے، ۲۷ دقیقے مان کر پٹنہ کے لئے نمازوں اور روزوں کے اوقات، جو تقریباً پچاس سال کے لئے کارآمد ہوں گے۔

مقصد سوم: عرض ۵ درجے سے ۲۷ درجے تک جملہ بلاد و قصبات و مشہور قریات کا پٹنہ سے فصل کا اس قدر منٹ یا سکنڈ گھٹانے یا بڑھانے سے ان تمام آبادیوں کے لئے وہی وقت کارآمد ہوگا۔

خاتمہ: میں فن زیج و توقیت کے نہایت نایاب و قیمتی مسائل ہیں۔ جن کا جاننا مسلمانوں کو ازبس ضروری اور غایت درجہ مفید ہے۔ یہ کتاب سات جزو کی ہے۔ پورا رسالہ آج تک شائع نہیں ہوا ہے۔

۲۶) ۳) **مؤذن الاوقات:** یہ رسالہ ۱۳۲۵ھ میں لکھا گیا۔ ہندوستان کے لئے ۱۲ درجہ عرض سے ۳۴ درجہ عرض تک ۲۳ رسالوں کو مرتب کرنے کی ضرورت تھی۔ جیسے جیسے یہ ضرورت درپیش آتی گئی، ملک العلماء 'مؤذن الاوقات' کے نسخے تیار کرتے رہے۔ درج ذیل دس شہروں کے اوقات صلوٰۃ وصوم مختلف احباب کی ضرورت و فرمائش پر دس رسالے تیار کئے۔

بمبئی...... عرض ۱۹ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا مفتی حشمت علی خان لکھنوی، خطی نسخہ بخط ملک العلماء محفوظ ہے۔

کلکتہ...... عرض ۲۲ درجہ، حسب فرمائش حضرت الحاج لعل محمد خان مدراسی، ذکریا اسٹریٹ، کلکتہ، یہ نسخہ بھی محفوظ ہے۔

بہار شریف...... عرض ۲۵ درجہ...................... بخط محفوظ ہے۔

کانپور...... عرض ۲۶ درجہ...................... بخط محفوظ ہے۔

گوالیار...... عرض ۲۶ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا امجد رضا خان قادری برکاتی تاریخ ترتیب یکم عید الفطر ۱۳۵۴ھ

بریلی...... عرض ۲۹ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا حکیم حسنین رضا خان

نینی تال...... عرض ۲۹ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا حامد رضا خان قادری۔

ملتان...... عرض ۳۰ درجہ حسب فرمائش حضرت مولینا نیاز احمد قادری لوہاری دروازہ، ملتان

لاہور...... عرض ۳۱ درجہ حسب فرمائش ابوالحسنات حضرت مولینا سید احمد، مرکزی حزب الاحناف لاہور۔

ان میں بیشتر کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ قصبہ بہار شریف، کلکتہ، گوالیار، بریلی، نینی تال اور بمبئی کے نسخے کئی کئی بار شائع ہوئے۔

۲۷) ۴) **توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء:** یہ ۱۳۴۰ھ کی تصنیف ہے۔ علم ہیئت کی یہ کتاب ایک مقدمہ، پانچ ابواب، ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ صفحات کی تعداد ۱۷۷ ہے۔ قلمی نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔

۲۸) ۵) **مشرقی کا غلط مسلک:** ۱۳۵۸ھ کی کاوش ہے۔ خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ خان مشرقی (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۶۳ء) کے رسالہ، مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹، کے رد میں ہے۔ جس میں مشرقی کے اس دعویٰ کا رد وابطال علمی وفنی انداز میں کیا گیا ہے۔ مشرقی کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان کی تمام مسجدوں کی سمت قبلہ غلط ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کی بناء پر سید سلیمان ندوی نے ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ کے دو شماروں، جنوری، فروری ۱۹۴۰ء میں 'مشرقی اور سمت قبلہ' کے عنوان سے شائع کیا۔ کتابی صورت میں اب تک شائع ہو نہ سکی۔ قلمی نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔

ملک العلماء ہیئت وتوقیت میں گویا سدرۃ المنتہیٰ پر فائز تھے۔ اس فن سے شوق رکھنے والے اہل علم خط کتابت سے بھی ان سے استفادہ کرتے تھے، ایسے حضرات میں حضرت مولانا مفتی عمیم الحسان استاذ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ (یہ مدرسہ عالیہ کلکتہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ جو تقسیم ہند کے بعد تقسیم ہو کر ڈھاکہ منتقل ہوا) حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور اور حضرت الحاج مولانا محمد ظہور احمد نعیمی مراد آباد مرید خاص صدر الافاضل حضرت مولانا شاہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی بطور

خاص قابل ذکر ہیں۔ ان کے خطوط مکتوبات مشاہیر بنام ملک العلما قلمی میں موجود ہیں جن حضرات نے پٹنہ یا کٹیہار میں قیام کر کے ملک العلماء سے ان علوم فنون میں اخذ و اکتساب کیا۔ یہ تینوں نام خصوصیت کے حامل ہیں۔

حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی (متوفی ۱۹۷۱ء)

سابق نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، حضرت مولینا نظام الدین بلیاوی مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد اور حضرت مولانا محمد یحییٰ بلیاوی کے اسما نمایاں ہیں اب ان فنون کے تنہا وارث و امین ملک العلماء کے شاگرد رشید مظہر اعلیٰ حضرت امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند ہیں، خدا ان کی عمر دراز فرمائے۔

رضویات کے حوالے سے ملک العلماء کی جو محنت 'جد و جہد' جاں سوزی، والہیت، وارفتگی اور گونا گوں خدمات ہیں، وہ اظہر من الشمس ہیں، اس پر خاص گفتگو 'ملک العلماء' کی اولیات - ایک چشم کشا تحریر' میں ہو چکی ہے، جس کی پذیرائی ہند و پاک کے طول و عرض سے ہوئی۔ یہاں صرف دو چند کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

(۲۹) **حیات اعلیٰ حضرت**، چار جلدیں، سن تالیف ۱۳۶۹ھ

(۳۰) **المجمل المعدد لتالیفات المجدد:**

سن ترتیب و طباعت ۱۳۲۷ھ۔ رضویات سے شغف و اشتغال رکھنے والے ان دونوں کتابوں کی داستان بلبل رنگیں نوا سے خوب واقف ہیں۔ یہاں دونوں کا تذکرہ طول مبحث کا باعث ہوگا۔

(۳۱) **چودھویں صدی ھجری کے مجدد**: سن تالیف ۱۳۶۷ھ۔ یہ طویل مقالہ پہلے پہل ہفت روزہ 'دبدبہ سکندری' رامپور نے قسطوار چھ قسطوں میں (۳۰ اپریل ۱۹۴۰ء تا ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں) طبع ہوا۔ جس پر محقق اہل سنت علامہ ڈاکٹر جلال الدین قادری کھاریاں، گجرات پاکستان کی تقدیم و تحشیہ ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے تمہید لکھی ہے۔ یہ اشاعت مکتبہ رضویہ لاہور کی ہے، اس کی تیسری اشاعت رضا دار المطالعہ گلشن آداب رضا متعلقہ الجامعۃ النظامیہ ملک پور ہاٹ، ضلع کٹیہار نے کی۔

(۳۲) **القول الاظهر من بين يدى المنبر**: سن تالیف ۱۳۳۲ھ اس موضوع پر حضور ملک العلماء کا ایک فتویٰ 'دبدبہ سکندری' رامپور میں بھی شائع ہوا ہے۔ خطوط رضا میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ رسالہ غیر مطبوعہ ہے۔

(۳۳) **هادى الهداة لترك الموالات**: سن تحریر ۱۳۳۹ھ ہے۔

تحریک ترک موالات، تحریک خلافت کے اتار چڑھاؤ سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں۔ ان تحریکوں کے مضر اثرات سے قوم کو متنبہ کیا۔ جن خدشات کی نشاندہی امام احمد رضا اور ملک العلماء نے اپنی کتابوں، رسالوں میں کی تھی۔ بعد کو وہ صد فی صد درست نکلی۔ یہ کتاب امام احمد رضا کی نظر سے گزر چکی تھی۔ خطوط رضا میں اس کتاب کے تعلق سے یہ جملے ملتے ہیں، آپ کا رسالہ اب تک نہ دیکھ پایا، متفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً .... بہر حال اسے دیکھ کر اللہ چاہے، تو جلد واپس کرنے کا ارادہ ہے" اس کا قلمی نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔

(۳۴) **ندوۃ العلماء**: ۱۳۲۸ھ کی تصنیف ہے۔ سید عبدالحیٔ ناظم ندوۃ العلماء کی ایک سالانہ رپورٹ و روداد پر یہ تنقیدی تحریر ہے۔ یہ رسالہ ہفت روزہ 'دبدبہ سکندری' رامپور میں چھ سات قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ کتابی صورت میں اب تک چھپ نہیں سکا۔ مؤخر الذکر تین کتابوں کا راست تعلق گو رضویات سے نہیں۔ لیکن انہیں

رضویات سے الگ رکھ کر دیکھا بھی نہیں جاسکتا۔

۳۵) **عید کا چاند**: ۱۳۷۰ھ کی تحریر ہے۔ ملک العلما کے ایک مرید خاص ماسٹر قیس محمد خان استاذ محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ کے سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا۔ رویت ہلال کے بارے میں تار، ریڈیو، ٹیلی فون، وائرلیس، اخبارات کی خبر شرعاً معتبر نہیں۔ اس میں ۱۹۵ علمائے سابقین ومعاصرین کی تحریرات وتصدیقات بھی درج ہیں۔ ان کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے ہے، اس میں امام احمد رضا کا نادر رسالہ جو چھ صفحوں پر مشتمل ہے، نقل کر کے محفوظ کر دیا گیا ہے، نام ہے، ازکی الهلال بابطال ما احدث الناس فی امر المحال، مؤیدین کے اسماء یہ ہیں، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی، حضرت سید شاہ بدر الدین قادری سجادہ نشین خانقاہ حبیبیہ پھلواری، مولینا مفتی مظہر اللہ نقشبندی دہلوی، معروف دیوبندی عالم رشید احمد گنگوہی واشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع دیوبندی دارالافتا دارالعلوم دیوبند، غیر مقلد مولانا عبدالخبیر صدر جماعت اہل حدیث پٹنہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ، جناب قیس محمد خان نے اسے ۱۹۵۲ء میں ہی شاہ محمد صابر حسن خان صابری فاروقی کے زیر اہتمام برقی پریس دہلی سے شائع کرایا تھا۔ صفحات کی تعداد ۱۱۱ ہے۔ اس کا مخطوطہ موجود ہے۔

۳۶) **جواهر البیان**: یہ الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان، کا اردو ترجمہ ہے۔ جو نویں صدی ہجری کے مشہور مصنف علامہ شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۳ھ) کی اہم تصنیف ہے حضرت مولانا لعل محمد خان مدراسی کلکتہ کی فرمائش پر ملک العلماء نے یہ ترجمہ کیا اور انہوں نے ہی اپنے مطبع اہل سنت وجماعت زکریا اسٹریٹ کلکتہ سے ۱۳۳۳ھ میں شائع کیا۔ ترجمہ کا سن بھی وہی ہے۔ دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا۔ تیسرا ایڈیشن مکتبہ رضویہ نوریہ گلبرگہ لائل پور نے چھاپا، اسی طباعت کا عکسی ایڈیشن مکتبہ ایشق استنبول، ترکی حضرت شیخ حسین حلمی بن سعید نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ یوں اس مقبول عام ترجمہ کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ تاہم یہ اہل علم کی نظروں سے اوجھل ہے۔

۳۷) **سرور القلوب محزون فی صبر عن نور العیون**: حضرت امام جلال الدین سیوطی (۹۹۱ھ) کی مشہور آفاق تصنیف 'شرح الصدر فی شرح حال الموتی فی القبور' کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ جو حضور ملک العلماء نے اواخر ۱۳۳۸ھ میں کیا۔ اصل ترجمہ مع اضافہ مسائل ضروریہ صفحات ۱۱۲ بخط مترجم محفوظ ہے۔ ملک العلماء کے وصال (۱۳۸۲ھ) کے بعد ۱۴۰۳ھ میں یہ ترجمہ پٹنہ ہی سے شائع ہوا۔ طابع وناشر تھے حضور ملک العلما کے ایک جاں نثار عقیدت مند مرید خاص حضرت مولانا حافظ عبدالحفیظ صاحب صدر مدرس ادارۂ شرعیہ پٹنہ۔

۳۸) **سد الفرار بمهاجری بهار**: ۱۳۶۶ھ کی تصنیف ہے۔ ۳۲ صفحے کا یہ رسالہ ربیع الاول شریف ۱۳۶۶ھ میں لکھا گیا، اسی مہینہ میں طبع ہوا۔ دو ہزار کی تعداد میں لیتھو آرٹ پریس دریاپور پٹنہ سے شائع ہو کر دور دراز کے علاقوں تک تقسیم کرایا گیا۔ وجہ تالیف اس کی یہ ہوئی، ۱۹۴۶ء میں بہار کے غیر مسلموں نے وہ سفاکیت، درندگی، بربریت کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ جس سے مسلمان دل برداشتہ ہو کر خاصی تعداد میں بنگال اور سندھ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ اس افراتفری کے ماحول میں ملک العلماء نے مسلمانوں کی ڈھارس یہ کتاب لکھ کر بندھائی اور مسلمانان بہار یک گونہ طمانیت محسوس کرنے لگے۔ یہ رسالہ 'ہجرت بنگال' کے نام سے بھی معروف ہے۔

دراصل اس دور میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان جو سیاسی تصادم تھا۔ وہ بھی مسلمانوں کے لئے خوف وہراس اور سراسیمگی کا باعث تھا۔ اس معاملہ میں امام احمد رضا کے خلفاء وتلامذہ اور وہ جوان کے زیر اثر تھے، دوخانوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک گروہ مسلم لیگ کا حامی تھا۔ جس کی قیادت صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی فرمارہے تھے۔ دوسرا گروہ نہ مسلم لیگ کا حامی تھا، نہ کانگریس کا۔ اس کی اپنی اسلامی وشرعی پالیسی تھی۔ اس کی قیادت ورہنمائی امام احمد رضا کے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ کے زیب سجادہ ممدوح امام احمد رضا تاج العلماء حضرت مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری فرمارہے تھے۔ حضرت ملک العلماء کا تعلق حضور تاج العلماء کی اسلامی پالیسی سے تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے اور بعد میں مسلمانوں میں جوابتری پھیلی، جانی ومالی نقصان ہوا، لوٹ، قتل، ہجرت کا بازار گرم ہوا۔ نفسانفسی کے اس عالم میں خانقاہ مارہرہ کا رول انتہائی تاریخی ہے۔ اسی تاریخی رول کا ایک اہم حصہ تھے حضرت ملک العلماء۔ ضرورت ہے کہ مارہرہ مقدسہ کے اس اہم تاریخی باب پر کام کیا جائے۔ کوئی فاضل قلم کار آگے آئیں، بھرپور مواد فراہم کیا جائے گا۔ خاکسار کے پاس اس حوالہ سے بھی کافی مواد ہے۔

(۳۹)　**تنویر السراج فی ذکر المعراج**: ۱۳۵۳ھ و بعد۔ اس کی تقریب یوں ہوئی، خانقاہ عالیہ تکیہ حضرت رکن الدین عشق (متوفی ۱۲۰۳ھ) کے سجادہ نشیں حضرت سید شاہ حمید الدین (متوفی ۲۲ر رمضان ۱۳۶۴ھ) جلسہ رجبی یعنی بیان معراج کا اہتمام کیا۔ یہ جلسہ رجبی رجب ۱۳۵۳ھ سے شروع ہوا اور کوئی پندرہ سولہ سال تک ہر سال ہوتا رہا۔ ملک العلماء اس جلسہ کے خاص خطیب ہوتے تھے۔ ملک العلماء کی فرمائش پر ہر سال ایک مہمان خطیب بھی بلائے جاتے تھے۔ پہلے سال خانقاہ شاکریہ بنڈ ضلع مونگیر کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ (متوفی ۲۹ رمضان ۱۳۸۵ھ) مدعو تھے۔ آپ کے صاحبزادے سید شاہ احسن الہدیٰ ملک العلماء کے شاگرد خاص تھے۔ دوسرے سال حضرت مولانا مشاق احمد کانپوری (متوفی ۱۳۵۵ھ) استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ، تیسرے سال حضرت مولانا عبدالواحد بدایونی، چوتھے سال محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی (متوفی ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۳ء) پانچویں سال حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی (متوفی ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء) چھٹے سال حضرت مولانا عبدالمجید آنولوی بریلوی (متوفی ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء) تلمیذ خاص تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ) ساتویں سال حضرت مولانا وصی احمد سہرامی صدر مدرس جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔ آٹھویں سال صدر الافاضل حضرت مولانا سید شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی اور دسویں سال حضرت مولانا شاہ قاضی احسان الحق نعیمی اشرفی مفتی بہرائچ مدعو کئے گئے۔ ملک العلماء کا یہ انتہائی اخلاص تھا، وسیع النظری تھی۔ اپنے قابل فخر معاصرین کو بلا کر اپنے اسٹیج پر تقریر کرواتے تھے۔ ورنہ وہ خود اس جلسہ کے خطیب خاص وشہ نشین تھے۔

ملک العلماء نے پہلے سال بسم اللہ الرحمن الرحیم پر ڈھائی گھنٹے تقریر کی۔ دوسرے سال لفظ 'سبحان' پر تیسرے سال 'الذی' پر، چوتھے سال، اسریٰ پر، پانچویں سال، 'بعبدہٖ' کے 'با' پر چھٹے سال 'عبدٗ' پر، ساتویں سال 'بعبدہٖ' کی اضافت پر، یعنی مسلسل تین سال حرف بعبدہٖ پر تقریر ہوئی۔ آٹھویں سال، لیلاً پر گفتگو ہوئی، نویں سال لیلاً کی تنوین پر پورا خطاب ہوا۔ دسویں سال حرف من پر، گیارہویں سال پوری تقریر من کے متعلق پر ہوئی۔ بارہویں سال اور تیرھویں سال ظاہر ہے المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ، پر تقریریں ہوئی ہونگی، اس طویل المدت تقریری سلسلہ سے حضور

ملک العلماء کی دو اہم خصوصیت آئینہ ہو کر سامنے آتی ہیں۔ ایک تو قرآنی علوم و تفاسیر پر عبور و کمال و استحضار پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسرے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعہ معراج پر کیسے کیسے واقعات، حقائق معارف بیان کئے گئے ہوں اور حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے کیسے کیسے اوصاف، کمالات، محاسن و مناقب، فضائل، خصائص کے تحت خطاب ہوئے ہوں گے۔ بالیقین یہ کہا جاسکتا ہے یہ تقریریں علم کا خزانہ ہونگی اور حمائد و محامد رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گنجینہ ہوں گی۔ افادۂ عام کی غرض سے یہ تقریریں لکھی جاتی تھیں۔ ملک العلماء ان پر ایک نظر ڈال لیتے تھے۔ یوں یہ تمام تقریریں محفوظ ہوگئیں۔ قریب سب تقریروں کے مسودے موجود ہیں۔ ان میں صرف گیارہویں تقریر ہی شائع ہوسکی ہے۔ پہلا ایڈیشن حضرت مولانا عبدالرتضیٰ، و سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی کے زیر اہتمام رضوی دارالکتب سرائے سلطان لاہور نے تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور سے شائع کیا۔ پھر یہی تقریر ذکر معراج، کے نام سے ۱۹۷۸ء میں ادارہ روضۃ المعارف گھوسی، ضلع مئو سے شائع ہوئی، ذکر معراج کی ایک تقریر، بیان معراج، کے عنوان سے ادارہ افکار حق بائسی، پورنیہ نے بھی شائع کی ہے۔ ضرورت ہے، یہ تمام خطبات، خطبات معراج کے نام سے شائع کیا جائے اس سے عوام و خواص و خطبا سبھی مستفیض ہوں گے۔

(۴۰) **خیر السلوک فی نسب الملوک**: ۱۳۴۳ھ

صوبۂ بہار میں جو ملک حضرات آباد ہیں، ان کی زیادہ تعداد پٹنہ، نالندہ، گیا، مونگیر وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ تقسیم ہند کے وقت کچھ ملک خانوادوں میں سے کچھ بنگلہ دیش منتقل ہوگئے اور کچھ پاکستان جاکر آباد ہوگئے۔ ۴۳ صفحہ کی اس کتاب میں ۲۴ قصبات و مواضع کے ملک حضرات کا شجرہ نسب بیان کیا گیا ہے۔ ملک حضرات کے مورث اعلیٰ حضرت سید ابراہیم ہیں۔ جو ملک بیو سے معروف ہوئے۔ وہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ۔ ۷۹۰ھ) میں شاہی فوج میں شامل تھے اور اچھے اونچے عہدے پر فائز تھے۔ قلعہ رہتاس بہار کی جنگ میں ۱۳ ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو شہید ہوئے۔ جسد خاکی وہاں سے قصبہ بہار شریف لایا گیا اور ایک اونچی پہاڑی پر سپرد خاک کیا گیا۔ مزار شریف پر عالی شان گنبد بنا ہوا ہے، جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ حضرت سید ابراہیم کا نسب ساتویں پشت میں حضرت عزت پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے، قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۴۱) **النور و الضیافی سلاسل اولیا**:

بزرگان دین کے ۱۶۲ سلسلوں کا شجرہ اور اسمائے گرامی اس میں درج ہیں۔ جن میں حضرت ملک العلماء کو بیعت، اجازت، خلافت، حاصل تھی، پہلا شجرہ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا ہے اور آخری سلسلہ علیہ فردوسیہ منعمیہ شاکریہ کا ہے۔ اول سلسلہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۳۸ واسطے ہیں اور آخری سلسلہ میں ۴۱ واسطہ ہیں۔ ۳۰۹ صفحات کا یہ شجرہ و نسب نامہ بخط ملک العلماء محفوظ ہے۔

(۴۲) **مولود رضوی**: ۱۳۶۰ھ۔ میلاد پاک کے موضوع پر یہ کتاب حضور ملک العلماء نے محرم الحرام ۱۳۶۰ھ میں لکھی۔ پٹنہ کی مشہور خانقاہ درگاہ شاہ ارزاں کے سجادہ نشین سید شاہ حامد حسین حامد (متوفی ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء) کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی گئی۔ حضور ملک العلماء نے اس میں میلاد پاک کے موضوع پر مستند آثار و روایات درج کی ہیں۔ آسان اور دلکش پیرایۂ بیان اپنایا گیا ہے، تاکہ مرد و خواتین ہر دو حضرات بآسانی پڑھ سکیں۔ مولود پاک کے خواص و برکات سے حصہ لیں۔ اس میں استاذ زمن حضرت حسن بریلوی (متوفی ۱۳۲۶ھ) شاگرد داغ دہلوی اور اعلیٰ حضرت کی

نعتیں بھی شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کا نعتیہ کلام و سلام بھی درج کتاب ہے۔ آخر میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مشہور مناجات 'یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو' بھی زینت کتاب ہے۔ ۲۲ رصفحے کا یہ رسالہ آج تک شائع نہیں ہوا، البتہ اس زمانہ میں اہل شوق و محبت نے اس کی نقلیں لے کر ضرور پڑھیں، مسودہ موجود ہے۔

۴۳) اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام:

۱۳۴۱ھ۔ عنوان سے ظاہر ہے، یہ کتاب عربوں کے احوال، نسلوں، خصوصیتوں پر مشتمل ہے۔ قبائل، انساب، جغرافیہ پر بھی بحث ہوئی ہوگی۔ جو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد سے پہلے تھی۔ ۱۳۴۱ھ میں یہ اہم موضوع کی کتاب معرض وجود میں آئی۔ جو آج تک اشاعت پذیر نہ ہوسکی۔ مزید تفصیلات معلوم نہیں۔

۴۴) نصرۃ الاصحاب بقسام ایصال الثواب:

۱۳۵۴ھ۔ بہار کے مشہور اہل قرآن عالم سید محی الدین تمنا عمادی پھلواروی (۱۸۸۸ء - ۱۹۴۰ء) کے قائم کردہ چار سوالوں کے جواب میں تحریر کیا گیا۔

۱) ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہدہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی معمول یا دستور تھا، یا نہیں؟

۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اہل سنت و اصحاب میں سے جو وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت خبیب، حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و حنین و تبوک وغیرہا ان کے لئے آپ خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابۂ کرام یا اہل بیت نے بھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا، تو کس طریقے سے؟

۴) فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا ہے یا نہیں؟ اگر ہے، تو وہ کیا ہے؟ اور خود حضرت امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

اس استفسار کے جواب میں ملک العلماء نے ایک مستقل کتاب تصنیف کی اور وہیں پٹنہ سے شائع کی، تاکہ عام مسلمان اس سے مستفید ہوسکیں۔ پہلے سوال کے جواب میں ۴۰ صفحات تحریر کیے، ایصال ثواب کے طریقوں پر بحث فرمائی، جو صدر اسلام سے سلفاً و خلفاً مسلمانوں میں رائج ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب ۶۴ صفحوں میں قلمبند کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد ہائے مبارک میں ایصال ثواب کے پچیس طریقے احادیث قولی و فعلی سے ثابت کئے۔ علمائے کرام سے صراحۃً و دلالۃً ماثور دلائل سے مسئلہ زیر بحث کو روشن کیا۔ پھر مزید تائید و تقویت کے لئے صوفیا و مشائخ کے تعامل و توارث کا تفصیلی حوالے پیش کئے۔ اس طرح چوتھے سوال کے جواب میں دس صفحے رقم کئے۔ یہاں بھی دلائل و براہین کا ڈھیر لگا دیا۔ یوں علمی اسلوب میں نقلی و عقلی دلیلیں دے کر مستفتی کے تمام شبہات و شکوک کے ازالہ کی کوشش فرمائی اور عام مسلمانوں کو تمنا عمادی کی دسیسہ کاری سے محفوظ فرمایا۔

یہ تاریخی کتاب اولاً پٹنہ ہی سے شائع ہوئی، دوسری اشاعت روضۃ المعارف گھوسی، مؤ، یوپی کی ہے۔ تیسری اشاعت غالباً حضرت مولانا سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کی ہے۔ چوتھی اشاعت 'المجمع العلمی' ہزاری باغ بہار کی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جو اب بھی چھپنے چھپانے کی ضرورت ہے۔

فن مناظرہ و روداد مناظرہ پر ملک العلماء کی قریب دس

کتابیں ہیں، ان کتابوں کا ایک سرسری جائزہ یہ ہے۔

۴۵) **گنجینۂ مناظرہ** : ۱۳۳۴ھ۔ اس کی تقریب یوں ہوئی، علاقہ مارواڑ، راجستھان کا ایک بدعقیدہ مولوی ولی اللہ نام تھا، کلکتہ آمد و رفت تھی، شعبان، رمضان ۱۳۳۴ھ میں وہ کلکتہ کے اہل سنت و جماعت کو ورغلانا چاہا اور مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ جسے اہل سنت نے قبول کر لیا۔ حضرت مولانا الحاج لعل محمد خان زکریا اسٹریٹ نے اعلیٰ حضرت کو خط لکھا اور حضور ملک العلماء کو فوراً کلکتہ بھیجنے کی درخواست کی۔ حضور ملک العلماء کا طریقہ تھا، شعبان کی چھٹی گزار کر وہ رمضان میں بریلی آجاتے تھے، اعلیٰ حضرت کے تصنیفی کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے، ملک العلماء بریلی میں موجود تو تھے ہی، اعلیٰ حضرت نے انہیں فوراً کلکتہ روانہ کر دیا، ساتھ میں کئی مسودات بھی دے دیے، جن کو صاف کر کے لکھنا تھا۔ اس سفر میں ملک العلماء نے امام احمد رضا کی تسہیل التعدیل وغیرہ کی تبییض کی تھی، خطوط رضا میں ان باتوں کا ذکر ملتا ہے۔ خیر ملک العلماء جب کلکتہ تشریف لے گئے، تو مناظرہ کا چیلنج دینے والا کلکتہ سے فرار ہو چکا تھا یا روپوش تھا، بار بار دعوتِ مناظرہ دینے پر بھی وہ ظاہر نہیں ہوا۔ پیش نظر کتاب اسی واقعہ کی تفصیل ہے۔ یہ کتاب اسی زمانہ میں الحاج عبدالرحمٰن نے چھپوائی تھی، جو اسی علاقہ مارواڑ راجستھان کے رہنے والے تھے، کلکتہ مقیم تھے، قریب سو برس ہونے کو آئے، ظاہر ہے، کتاب نایاب ہے۔

۴۶) **ظفر الدین الجید** ۱۳۲۳ھ

یہ وہی کتاب ہے، جو بیس علمی سوالات اور مناظراتی و مواخذاتی استفسارات پر مشتمل ہے۔ خبر ہوئی کہ اشرف علی تھانوی بریلی میں ہیں، حضور ملک العلماء نے یہ سوالات مرتب کئے اور لے کر ان کے پاس پہنچ گئے، حضور ملک العلماء کے عہد طالب علمی کا یہ زمانہ تھا، اس رسالہ میں اسی ملاقات کی کیفیت و سرگزشت درج ہے۔ تاریخ ترتیب ۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ ہے، یہ رسالہ اسی دور میں مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے شائع ہوا تھا، خاکسار کے ذخیرہ میں بھی ہے۔

۴۷) **شکستِ سفاہت** : ۱۳۲۶ھ۔ یہ مناظرہ میوات، اطراف فیروز پور جھرکا کی روداد مناظرہ ہے۔ حضرت مولانا شاہ رکن الدین نقشبندی الوری اور حضرت مولانا احمد حسین خان رامپوری کی درخواست پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ملک العلماء کو ایک جبہ عنایت کیا اور فرمایا یہ مدینہ طیبہ کا ہے، اس مناظرہ میں حضرت مولانا شاہ رکن الدین نقشبندی الوری اور حضرت مولانا شاہ ارشاد علی الوری بھی شریک تھے۔ بدمذہب مناظر نے عربی زبان میں گفتگو کی شرط لگائی تھی، مگر تھوڑی ہی دیر میں اس کا پتا پانی ہو چکا تھا، خود ہی اردو سلسلہ گفتگو پر اتر آیا۔ ملک العلماء نے بھی تفہیم عوام کے لئے اردو میں گفتگو کی اور مخالف ہر طرح ہر موڑ پر پسینہ پوچھتا رہا، بالآخر راہ فرار کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ خیر یہ اسی مناظرہ کی روداد ہے۔ یہ رسالہ وہیں کے مقامی حضرات کی خواہش کے پیش نظر چھپ کر عام ہوا۔

۴۸) **كشف الشور من مناظرة رامپور**: ۱۳۳۲ھ

یہ مناظرہ رامپور کی روداد ہے، اس کی تفصیلات میری نظر میں نہیں۔

یہ رہا حضرت ملک العلماء کی تصانیف و تراجم کا ایک موضوعاتی جائزہ، ایسی کثیر التصانیف، کثیر الجہات شخصیت پر جو ایک جہان علم ہے، پردۂ خفا میں ہے۔ جائے افسوس بھی ہے، مقام حیرت بھی۔ ملک العلماء کی شخصیت جماعت کی میراث ہے، آبرو ہے، ان کی تصانیف جماعت کی پونجی ہیں، سرمایہ ہیں۔ اب وقت آگیا ہے، ان کی شخصیت، علمیت، تصانیف، خدمات پر کام کیا جائے۔ فضلائے عصر آگے بڑھیں، مل جل کر کام کریں۔

☆☆☆

ملک العلماء کی تین مہریں

از قلم: پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، علیگڑھ

مہروں کی قدیم زمانے سے لے کر گزشتہ صدی تک اہمیت رہی ہے، فرمان، دستاویز اور مکتوب پر جب تک مہر ثبت نہ ہو اس کو مستند نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مغل بادشاہوں کے عہد میں مہر برداری وقیع اور عزت والا عہدہ تھا جو کسی ذمہ دار اور معتمد شخص کو دیا جاتا تھا۔ ہندوستان اور دوسرے مشرقی ممالک میں قدیم مہروں کو جمع کرنے کی شاید کبھی کوشش نہین کی گئی۔ آکسفرڈ یونیورسٹی کے ایشمولین میوزیم میں ایک کمرہ صرف مہروں کے لئے مخصوص ہے۔ انگلستان میں قیام کے دوران (۱۹۵۳ء-۱۹۵۶ء) اس کمرے کو جس میں دنیا جہان کی مہریں بھری پڑی تھیں متعدد بار دیکھنے کا مجھے موقع ملا۔ ہر طرح کی مہریں تھیں، پختہ مٹی، لکڑی، لوہے، پیتل، چاندی اور قیمتی پتھروں پر عہد وسطیٰ سے انیسویں صدی تک کی رنگ برنگ کی اور چھوٹی بڑی ہر طرح کی مہریں دیکھنے کو ملیں۔ عقیق جڑی ہوئی کچھ انگوٹھیاں بھی دیکھیں جن پر خوبصورت نسخ اور نستعلیق میں نام کھدے ہوئے تھے۔ بالکل اتفاق سے ایک دن مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کی مہر بھی دیکھنے کو مل گئی جو ہندوستان کے آخری مغل فرمانروا بہادر شاہ ظفر کے عہد کے مشہور مُہر کن بدر الدین کے ہاتھ کی کندہ کی ہوئی تھی۔ (یہ انگوٹھی میوزیم میں نہیں تھی ڈاکٹر محمد نظام الدین ڈائریکٹر دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد کے ساتھ ایک صاحب میوزیم دیکھنے آئے تھے، ان کا تعلق مرزا غالب کے خاندان سے تھا اور اسی مناسبت سے اب مرزا غالب کی انگوٹھی ان کے ہاتھ میں تھی)۔

مصنفوں، شاعروں، ادیبوں وغیرہ بلکہ خوش نویسوں کے تذکرے بھی لکھے گئے، مجھے نہیں معلوم اگر کسی نے مہر کندہ کرنے والے ماہروں کی زندگی اور ان کے کارناموں پر ایک مفصل مضمون بھی لکھا ہو۔

منشی نول کشور کے مطبع کی چھپی ہوئی غالب کے عہد کی ایک مطبوعہ کتاب کئی سال پہلے نظر سے گذری۔ اس میں ایک ادبی لغوی مسئلے پر، جو تنازع کی شکل اختیار کر گیا تھا، اس عہد کے مختلف ادیبوں، عالموں اور شاعروں کے خطوط اور ان کی رائیں درج ہیں۔ ان پر عام طور پر نام کے ساتھ ان کی مہریں بھی ثبت ہیں، پچاسوں مہروں کے نقوش اس کتاب میں دیکھنے کو ملے۔

اسی طرح لندن یونیورسٹی کے ایک انگریزی رسالے میں کوئی نصف صدی پہلے اردو زبان کا ایک سپاس نامہ چھپا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک افسر جون پینٹن گبس کو، جس نے اپنے آخری سات سال دہلی میں سیشن جج کی حیثیت سے گزارے تھے، دہلی والوں نے ان کی انگلستان واپسی کے موقع پر ۱۸۵۲ء میں پیش کیا تھا۔ یہ شاید اردو کا قدیم ترین سپاس نامہ ہے۔ سپاس نامہ کے آخر میں دہلی کے پچاسوں اصحاب کے دستخط اور مہریں ہیں۔ ان میں کچھ اصحاب یہ ہیں:

سرسید احمد خاں، مفتی صدر الدین آرزدہ دہلوی، خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق، پروفیسر رام چندر (استاد دہلی کالج)، مولوی ذکاء اللہ دہلوی، مولوی کریم بخش (استاد دہلی کالج)، مولوی سبحان بخش (دہلی کالج)، نواب ضیاء الدین احمد خاں خلف نواب احمد بخش خاں، معین الدولہ عمدۃ الامراء ذوالفقار الدین حیدر، محمد حسین آزاد دہلوی خلف مولوی محمد باقر دہلوی۔

بعض حضرات نے دستخط کئے ہیں بعضوں نے اپنا پورا نام اور عہدہ لکھا ہے اور بعض اصحاب نے اپنی مہریں بھی ثبت کی ہیں۔ یہ مہریں بہت خوبصورت کندہ کی ہوئی ہیں۔

دہلی کے رہنے والوں میں اس سپاس نامے پر مرزا شمس الدین احمد خلف نواب احمد بخش خاں اور مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے نام کہیں نظر نہیں آئے۔

گذشتہ صدی کے علماء ومفتیان کرام کا بھی قاعدہ رہا ہے کہ اپنی تحریروں، اپنے مکتوبات اور اپنے فتاووں پر اپنے نام کے بعد اپنی مہر ضرور ثبت کرتے تھے۔ علمائے بریلی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمہم اللہ اور وہاں کے متعدد علماء ومفتیان کرام کی مہروں کے نقوش بریلی کی مطبوعات میں اب بھی دیکھنے کو مل جائینگے، محدث صاحب کچھوچھ شریف، سید العلماء مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مؤلف بہار شریعت مولانا امجد علی صاحب اعظمی وغیرہ کی مہریں مختلف فتاووں پر میری نظر سے گذری ہیں۔

حضرت ملک العلماء کی تین مہریں یا ان کے نقوش راقم کی نظر سے گزرے ہیں:

پہلی مہر:

یہ مہر جو ۱۳۲۱ھ کو کندہ کی گئی ہے، ان کی طالب علمی کے آخری زمانے کی یادگار ہے۔ اسی سال وہ کانپور اور پیلی بھیت کے مدارس میں درس لیتے ہوئے طلب علم میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں بریلی پہنچے تھے۔ یہاں آکر وہ مدرسۂ مصباح التھذیب میں، جس کا نام انہوں نے کانپور میں سن رکھا تھا، مولوی محمد یٰسین کے درس میں شریک ہوگئے۔ وہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھی حاضر ہونے لگے، جن کے علم اور قلم کی طاقت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں ان سے مل کر اور ان کی گفتگو سن کر بہت متاثر ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد وہ پابندی سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے علمی فیوض حاصل کرنے لگے۔ ابھی محلّہ سوداگران میں مدرسۂ منظر اسلام قائم نہیں ہوا تھا۔ یہ مہر ملک العلماء کی ایک درسی کتاب کے پہلے صفحے پر ثبت ہے۔ جس پر اعلیٰ حضرت کی دس شعروں کی ایک نعت نقل کی ہوئی ہے، اس کا عنوان ہے "اشعار نعتیہ از حضور مولانا صاحب قبلہ"، نعت کا پہلا شعر ہے:

وہ گل ہیں یا بادِ صبا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
مہتاب یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

عنوان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بارگاہِ رضوی میں ان کی حاضری کے بالکل ابتدائی دنوں کی تحریر ہے۔ مہر پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے:

محمدی سنّی حنفی قادری ابوالبرکات محمد ظفیر الدین ۱۳۲۱ھ

پہلے حضرت ملک العلماء اپنی کنیت ابوالبرکات لکھتے تھے اور نام محمد ظفیر الدین، اعلیٰ حضرت نے محمد ظفیر الدین پر محمد ظفر الدین کو ترجیح دی اور وہ آخر حیات تک اسی نام سے موسوم رہے۔

دوسری مہر:

یہ مہر حضرت کی بعض کتابوں اور تحریروں پر ملتی ہے، اس کی عبارت یہ ہے:

"سنی حنفی قادری رضوی عبید المصطفےٰ ظفر الدین احمد"

اس مہر پر تاریخ پڑھی نہیں جاتی لیکن "رضوی" اور "عبید المصطفےٰ" کے اضافے سے واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں قربت کے بعد پہلی مہر مسترد کر کے یہ مہر کھدوائی گئی ہے، راقم کا خیال ہے کہ یہ مہر ۱۳۲۲ھ یا ۱۳۲۳ھ میں بنوائی گئی ہوگی۔

تیسری مہر:

یہ مہر ۱۳۳۸ھ میں کندہ کرائی گئی ہے جب آپ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاد حدیث و تفسیر و ھیئت تھے۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے:

"ملک العلماء فاضل بہار محمد ظفر الدین قادری رضوی ۱۳۳۸ھ"۔

حضرت آخر زندگی تک یہی مہر فتاویٰ وغیرہ پر استعمال کرتے رہے۔ پہلی دو اصل مہریں تو اب موجود نہیں لیکن یہ آخری مہر جو اعلیٰ حضرت کے وصال کے دو سال پہلے کندہ کرائی گئی ہے۔ بحمدہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔

حضرت ملک العلماء کی پہلی مہر ۱۳۲۱ھ کس کی کندہ کی ہوئی ہے معلوم نہیں، لیکن آخری دونوں مہریں مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مسترشد خاص، بریلی کے مشہور مہر ساز حافظ یقین الدین کے ہاتھ کی کندہ کی ہوئی ہیں۔ حافظ یقین الدین اپنے دور میں اس فن کے ماہروں میں شمار کیے جاتے تھے اور ملک العلماء سے ان کا گہرا قلبی تعلق تھا۔

اب ذیل میں تینوں مہروں کے چربے شائع کیے جاتے ہیں:
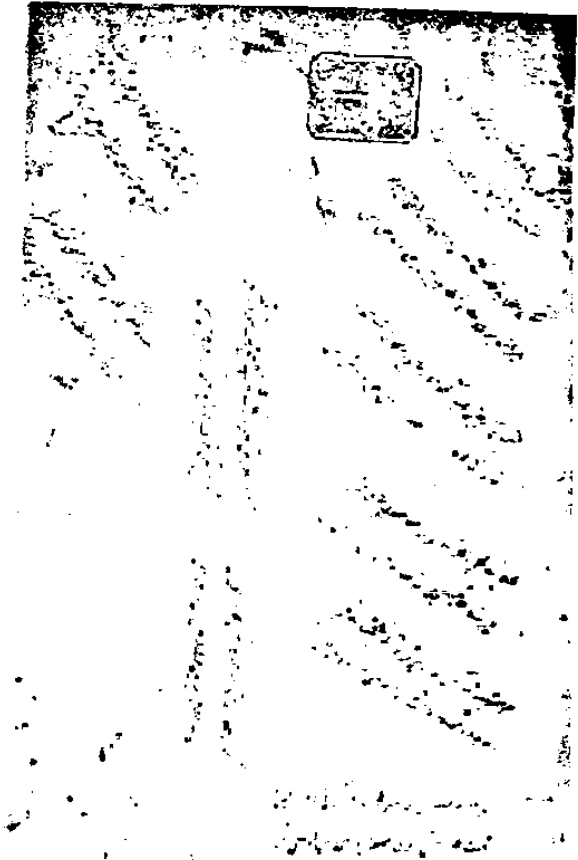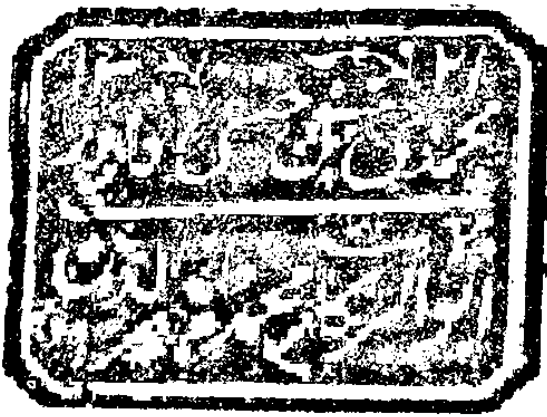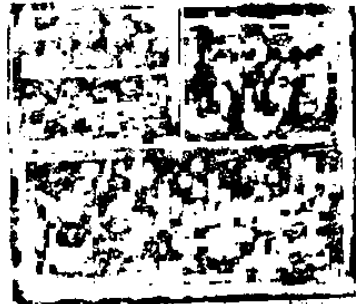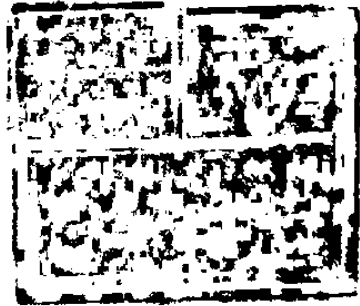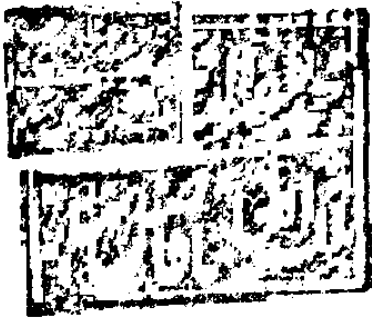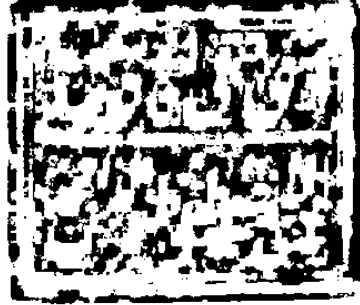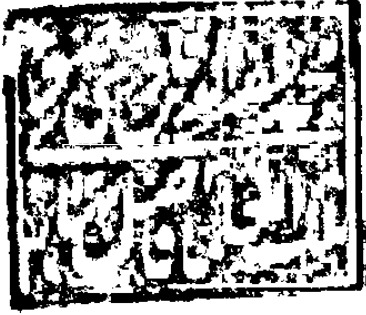
حضور ملک العلماء بحیثیت فقیہ اسلام

راقم: مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی دارالعلوم امام احمد رضا، مقام و پوسٹ بھاتول، ضلع اتر دیناجپور، مغربی بنگال

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ملک العلماء ابوالبرکات، حضرت مولانا ومفتی سید شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان اہلسنت و جماعت کے ممتاز عالم، جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق نامور مصنف، صاحب طرز ادیب، ماہر مدرس، متبحر فقیہ اور دقیقہ رس مفتی تھے۔

حضرت ملک العلماء (ولادت ۱۳۰۳ھ، وفات ۱۳۸۲ھ) کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ملقب بمدار الملک و مخاطب بملک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابوبکر غزنی کے رہنے والے تھے۔ وہ غزنی سے تین فرسنگ کے فاصلے پر بمقام بت نگر مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲۔۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہیں آکر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳؍ ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (شاہ آباد بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبہ بہار شریف (جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۸۴ھ آسودہ ہیں) کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے۔ جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

(۱) سید ابوبکر غزنوی بن (۲) سید ابوالقاسم عبداللہ بن (۳) سید محمد فاروق بن (۴) سید ابوالمنصور عبدالسلام بن (۵) سید عبدالوہاب بن (۶) شیخ محی الدین عبدالقادر حسنی و حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ (مقدمہ صحیح البہاری از پروفیسر مختار الدین احمد دام مجدہ ص۹)

حضرت ملک العلماء قدس سرہ پچیس سے زائد علوم و فنون پر کامل مہارت رکھتے تھے۔ خصوصاً علوم اسلامیہ میں مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے سچے علمی وفکری جانشین تھے۔ قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید و قرات، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد، تصوف، مناظرہ، عروض، ادب، لغت، نحو، صرف، معانی و بیان، نجوم، ہیت، توقیت، تکسیر، جفر، رمل، منطق، فلسفہ، تاریخ اور ریاضی جیسے علوم وفنون پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔

غرض یہ کہ ایک فقیہ اسلام کے لئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب حضور ملک العلماء کو حاصل تھے۔ اس علمی وفنی وسعت و گہرائی پر آپ کی ایک سو ساٹھ سے زائد تصنیفات و تعلیقات بین شہادت ہیں۔ جن مین مذکورہ سبھی علوم وفنون کی تابناک کرنیں بکھری ہوئی ہیں۔ بلکہ ان میں بعض علوم ایسے ہیں، جن میں آپ اپنے اقران میں ممتاز ومنفرد نظر آتے ہیں۔ جس کی تائید وتصدیق آپ کے مربی و مشفق استاذ و مرشد امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے اس مکتوب گرامی سے بحسن وخوبی ہو رہی ہے۔ جو انھوں نے انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵؍ شعبان المکرم ۱۳۲۸ھ

میں تحریر فرمایا ہے:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ھادی مھدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔''

امام ابن حجر مکی نے ''زواجر'' میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کی اور سات صاحب بنانا چاہے۔ جن میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت چھوڑ بیٹھے۔ انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔'' (حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۴۴)

میرے مقالے کا عنوان چونکہ ''ملک العلماء بحیثیت فقیہ اسلام'' ہے۔ لہٰذا حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ سپرد قرطاس کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ و افتاء اور فقیہ و مفتی کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے۔ تاکہ بحیثیت فقیہ اسلام، حضرت کی خدمات و زریں کارنامے واضح طور پر سامنے آجائیں۔

فقہ :

لغت میں فقہ کا معنی ہے کسی شئے کا جاننا اور اصطلاح فقہاء میں فقہ نام ہے احکام و مسائل شرعیہ کا علم حاصل کر کے اسے حفظ کر لینے کا۔ (ضمیمہ بہار شریعت حصہ نوزدہم ص ۱۹)

فقیہ :

علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ الفقیہ العالم الذی یشق الاحکام و یفتش عن حقا نقھا۔ ''فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں، جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔ (مقدمہ نافع البشر از ساحل سہسرامی)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب فقیہ کی جامع تعریف ردالمحتار و فتاوی رضویہ وغیرھما کی روشنی میں یہ فرماتے ہیں:

''فقیہ، وہ سنی صحیح العقیدہ عالم دین ہے، جو کثیر فروغ فقہیہ کا حافظ ہو اور پیش آمدہ مسائل کے احکام صحیحہ، رجیحہ، مفتی بہا مذہب کی کتب معتمدہ سے نکال سکے۔'' (ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۰۵ء)

سیدنا امام غزالی علیہ الرحمۃ فقیہانہ اوصاف کی تشریح احیاء العلوم میں اس طرح فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے۔'' دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں ہر وقت خوف الٰہی کا غلبہ ہو (مقدمہ نافع البشر ص ۲۰)

فقہ و افتاء مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی

ہیں۔ البتہ افتا، فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔

افتاء :

افتاء کا لغوی معنی ہے "جواب دینا" اسی معنی کے اعتبار سے قرآن مجید میں بادشاہ مصر کا یہ قول منقول ہے۔"یا ایھا الملاء افتونی فی رؤیای" یعنی اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو (سورہ یوسف آیت ۴۳) اور اصطلاح میں افتاء کا معنی ہے حکم مسئلہ اور شرعی فیصلہ بتانا۔ حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔"الافتاء بیان حکم المسئلة "حکم مسئلہ بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں (التعریفات ص ۲۶) اور حضرت علامہ شامی قدس سرہ السامی رقم طراز ہیں "الافتاء فانہ افادة الحکم الشرعی " یعنی شرعی فیصلہ سے آگاہ کرنے کو افتا کہتے ہیں (ردالمحتار ۴/۳۳۶) اور اعلیحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے افتاء کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا "انما الافتاء ان تعتمد علی شئی و تبین لسائلک ان ھذا حکم الشرع فیما سئلت "افتا کے معنی یہ ہیں کہ آپ کسی چیز پر اعتماد کریں اور سائل کو بتائیں کہ تم نے جو سوال کیا ہے اس میں شرع کا یہ حکم ہے (فتوی رضویہ ازا/۳۸۲)

مفتی :

لویس معلوف نے المنجد میں مفتی کی تشریح ان الفاظ میں بیان کی ہے "المفتی الفقیه الذی یعطی الفتوی و یجیب عما القیی علیه من مسائل المتعلقةبالشریعة "مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں، کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں، تو وہ ان کو جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے (المنجد ص ۹۸)

حضرت علامہ سید ابن عابدین شامی قدس سرہ "ردالمحتار علی الدرالمختار" میں تحریر فرماتے ہیں "المفتی ھو المجتھد فاما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفت والواجب علیه اذاسئل ان یذکر قول المجتھد کا لامام علی وجه الحکایة فعرف ان مایکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل ھو نقل کلام المفتی لیا خذبه المستفتی۔ (درالمختار ا/۴۷)

مفتی تو مجتہد ہوتا ہے، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم، کا قول بطور حکایت بیان کردے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتوی درحقیقت فتوی نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے۔

فقیہ اعظم اسلام اعلیحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ رسالہ مبارکہ "اجلیٰ الاعلام بان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام "میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں "الرابعة": الفتوی حقیقیة وعرفة فالحقیقیة ھو الافتاء من معرفة الدلیل التفصیلی واولئک الذین یقال لھم اصحاب الفتوی ویقال بھذا افتیٰ الفقیه ابو جعفر والفقیه ابو اللیث واضرا بھما رحمھم الله تعالیٰ. والعرفیة : اخبار العالم با قوال الامام جا ھلا عنھا تقلیداله من دون تلک المعرفة کما یقال فتاوی ابن نخیم والغزی والطوری وا لفتاوی الخیر یه و ھم تنزلا زمانا ورتبته الی الفتاویٰ الرضویه جعلھا الله تعالیٰ مر ضیة مرضیة آمین ."(الفتاوی الرضویہ ا/۳۵۸)

چوتھا مقدمہ، فتوی کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی و عرفی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتوی دیا جائے اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اصحاب فتوی کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہی فتوی دیا فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان کے امثال نے اور عرفی فتوی یہ ہے کہ عالم امام کے اقوال کو بتادے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو۔ محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فتاوی ابن نجیم، فتاوی غزنی، فتاوی طوری اور فتاوی خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاوی رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے۔ آمین۔"

فقہ وافتاء وفقیہ ومفتی کی اہمیت وعظمت اس سے صاف ظاہر ہے کہ رب ذوالجلال نے تفقہ کے بارے میں یوں حکم فرمایا "فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم" تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔" (سورۂ توبہ، آیت ۱۲۲)

اور خدائے عزوجل یہ نعمت عظمیٰ اسی کو عطا فرماتا ہے، جس کے ساتھ بھلائی کا قصد فرماتا ہے۔ جیسا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے تفقہ کو خیر سے تعبیر فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں ہے "من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین" اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کا فقیہ بناتا ہے۔ (بخاری شریف ۱/۱۶) دوسری حدیث شریف میں ہے "لا عبادة الا بفقهٍ و مجلس فقه خیر من عبادة ستین سنة" رواہ الدار قطنی۔ فقہ کے بغیر کوئی عبادت نہیں اور فقہ کی مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (کنز العمال ۱۰/۱۰۰)

بالخصوص افتاء کی فضیلت وبرتری کیلئے یہی کافی ہے، کہ رب تبارک وتعالیٰ نے افتاء کی نسبت خود اپنی جانب فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "یستفتونک قل الله یفتیکم فی کلالة" اے محبوب تم سے فتوی پوچھتے ہیں، تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔ (سورۂ نساء، آخری آیت)

خداوند قدوس نے سب سے پہلے فقہ وافتاء کے منصب جلیل سے اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا۔ آپ کے وصال فرمانے کے بعد جلیل القدر صحابہ کرام ان عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ ان میں سے چند مشہور حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (مقدمہ عجائب الفقہ، ص ۲۸)

پھر صحابۂ کرام کے بعد تابعین عظام کے دور میں حضرت علقمہ بن قیس نخعی، حضرت سعید بن میسب، حضرت ابراہیم بن یزید نخعی، حضرت حماد بن مسلم اور حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء مبارکہ سرفہرست ہیں۔ جنہوں نے فقہ وافتاء کے منصب جلیل کو سنبھالا۔ لیکن ان میں حضرت امام اعظم ہی نے فن کی صورت میں فقہ وافتاء کا آغاز فرمایا اور آپ ہی نے سب سے پہلے تدوین فقہ کا کام کیا اور افتاء کے قواعد وضوابط مقرر فرمائے۔ (ردالمحتار ۱/۴۷)

اور جب تبع تابعین کا دور آیا، تو افتاء کی ذمہ داری ان کے سر آئی۔ اس زمانہ میں جن حضرات نے اس فریضہ کو انجام دیا ان میں سے چند مخصوص لوگوں کے اسماء یہ ہیں۔ حضرت امام مالک،

حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت امام اعظم کے مقرر کردہ اصول وقواعد سے احکام ومسائل کے استنباط کو آپ کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف ہی نے فروغ دیا اور امام اعظم کے اصول فقہ پر سب سے پہلے آپ ہی نے کتابیں لکھیں۔ پھر محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے اسے تنقیح وتہذیب کے بعد اتنے بام عروج پر پہونچا دیا کہ اس میں کسی اضافہ کی حاجت نہ رہی۔ (شامی ۱/۲۷ بحوالہ مقدمہ فتاویٰ مصطفویہ)

صحابۂ کرام سے تبع تابعین تک مذکورہ بالا حضرات جو منصب فقہ وافتاء پر فائز ہوئے سب مجتہد اور مفتی مطلق تھے پھر امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کوئی مفتی مطلق نہ ہوا۔ سب مفتی منتسب ہوئے۔ مگر رب بے نیاز نے ان کو بھی حسب درجہ ایک طرح کی اجتہادی قوۃ سے سرفراز فرمایا اس لئے کہ اس کے بغیر کوئی مفتی نت نئے مسائل کا حل پیش کر ہی نہیں سکتا۔ حضرت علامہ شامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں "التحقیق ان المفتی فی الوقائع لابدلہ من ضرب اجتھاد و معرفۃ باحوال الناس" یعنی نو پید مسائل کو حل کرنے کیلئے مفتی کو ایک طرح کے اجتہاد سے منصب اور لوگوں کے احوال سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ (شامی ۲/۳۹۸)

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس سلسلے میں ایک غامض پہلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں "طب کی طرح افتاء بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتا۔ اس میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے" "علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔" (فتاویٰ رضویہ ۱۰/۲۳۱)

فقہ وفقیہہ اور افتاء ومفتی کی مذکورہ بالا تشریحات کی روشنی میں حضرت ملک العلماء کی ذات اور فقہی نگارشات کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک بالغ نظر فقیہ، تبحر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے ۵۴ رسال تک افتاء نگاری فرمائی۔ کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں مسائل بیان فرما کر دین و مذہب کی آبیاری فرمائی اور سونے پر سہاگہ یہ کہ عبقری فقیہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری کی تربیت واصلاح نے آپ کے تفقہ اور افتاء نگاری تو بام عروج پر پہونچا دیا۔

(۱) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)
(۲) اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)
(۳) التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ)
(۴) بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)
(۵) الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)
(۶) رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)
(۷) القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)
(۸) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)
(۹) نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدیٰ (۱۳۴۳ھ)
(۱۰) تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ)
(۱۱) نافع البشر فی فتاوی ظفر (۱۳۴۹ھ)
(۱۲) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)
(۱۳) جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)
(۱۴) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)
(۱۵) تنویر المصباح للقیام عندحی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ)

جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ وافتاء کے سمندر میں گوہر آبدار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

علم وفن کے میدان میں حضرت ملک العلماء کی جامعیت اور تبحر کا ایک زمانہ شاہد ہے۔علوم مروجہ کا وہ کون سا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہیں رہا۔جن پر واضح ثبوت آپ کی تصنیفات وتالیفات کا عظیم ذخیرہ ہے۔فقہی نقطہ نگاہ سے چند شواہد یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت ملک العلماء جملہ اسلامی وفلکیاتی علوم وفنون میں ماہر تھے۔ان کی تصانیف کی لمبی فہرست سے ہی ان کی علمی وفکری وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔حضرت ساحل سہسرامی دام مجدہ نافع البشر کے مقدمہ میں حضرت کی وسعت نگاہ سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں انھیں کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

''احقر نے جب حضرت ملک العلماء کے موجودہ فتاویٰ (نافع البشر) کے ماخذ کتب کی فہرست تیار کی، تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔''

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر و حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے سے پیش کرنے پر آتے ہیں، تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ ''فمن شهد منكم الشهر'' کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوئے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی میں ہے واللفظ الاول ''فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافر فلیصمه'' یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے واللفظ للبیضاوی، ''فمن شهد منكم هلال شهر فليصمه'' یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا ''وتيقن به'' یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ میں شہدت الہلال نہیں کہتے۔ بلکہ شاہدت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعہ (نافع البشر فی فتاویٰ ظفر) میں ملتے ہیں۔ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

''دوسری حدیث میں ہے ''من يبنى لله مسجداً'' جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وفی روایة ''ولو كمفحص قطاة'' اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی وفی روایة. او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وفی روایة ''يذكر الله فيه عزوجل'' تا کہ اس

میں ذکر خدا ہو (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی اللہ له بیتاً فی الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا وفی راویة من درر ویاقوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجہ و ابن حبان و سیدنا ابوحنیفہ و ابن خزیمہ والبزار فی مسندہ والطبرانی والصغیر والترمذی فی الکبیر والاوسط و ابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان و عمرو جابر بن عبداللہ و ابی ذر و انس بن مالک و ابی امامہ و ابی ہریرہ و اسماء بنت صدیق و عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت ملک العلماء کے فتاوی میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ جو آپ کے علم و مطالعہ کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعہ فتاویٰ (نافع البشر) میں شامل فقہی رسالے ''تنویر المصباح'' ''نصرۃ الاصحاب'' ''اعلام المساجد'' میں کثیر در کثیر فقہی حوالے موجود ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے دیکھے جاسکتے ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جا سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔''

آداب افتاء:

ایک فقیہ اور مفتی کے لئے نہایت ضروری ہے کہ طبقات فقہائے احناف اور مستند کتب مذہب کی درجہ بندیوں کے ساتھ ہی رسم المفتی سے بھی مکمل واقفیت رکھتا ہو اور آداب افتاء کی ضیاؤں میں فتاویٰ صادر کرتا ہو۔ حضرت ملک العلماء کو طبقاتِ فقہائے احناف سے مکمل آگاہی کے ساتھ رسم المفتی اور اداب افتاء پر بھی کامل بصیرت و عبور حاصل تھا۔ اپنی فقہی نگارشات اور فتاوی میں ان کا پورا پورا لحاظ رکھتے بلکہ غیروں کو جب آداب افتاء کی خلاف ورزی کرتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انھیں ان کی ذمہ داریوں ہ پورا پورا احساس دلاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں حضرت ملک العلماء کی تصانیف میں موجود ہیں یہاں (نافع البشر فی فتاویٰ ظفر) سے چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

طبقات فقہائے احناف سے متعلق رسالۂ مبارکہ ''عید کا چاند'' میں رقمطراز ہیں:

''اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی۔ بشرط، ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروایۃ ہے یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رسم المفتی میں محقق ابن کمال پاشا سے ناقل کہ فقہاء کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم، دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام خصاف، امام طحاوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسین قدوری صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقۂ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت نادرہ میں تمیز پر قادر ہیں۔ جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین سے جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے۔ جیسے آج کل کے علماء۔ انہیں کے بارے صاحب در مختار لکھتے ہیں:

''واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ و صححوہ

کمالوا فتوافی حیاتھم" ہم مقلدین کو ان کی اتباع کرنی ہے جسے ان علماء نے ترجیح دی اور جس کی تصحیح کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے، نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول وضوابط مقرر فرما دیئے تو ہمارا فرض مذہبی و منصبی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انھیں کا لحاظ کریں اور عوام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔"

رسم المفتی کے خلاف ورزی پر قاضی لطف اللہ صاحب رامپوری کی حضرت ملک العلماء نے جو علمی گرفت فرمائی ہے: وہ قابل دید ہے ۱۳۲۲ھ میں مولانا عبدالشکور صاحب نے، دیہات میں نماز جمعہ کے جواز وعدم جواز سے متعلق ایک استفتا قاضی صاحب کے جواب کے ساتھ حضرت ملک العلماء کی بارگاہ میں پیش کیا۔ قاضی صاحب کا جواب رد المحتار کے حوالے سے غیر ظاہر الروایۃ کی روشنی میں جواز کا ہے۔ اس پر حضرت ملک العلماء نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے اور آداب افتاء کی خلاف ورزی پر جو تنبیہ کی ہے: انھیں کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

"فی الواقع نماز جمعہ نزدیک سادات حنفیہ خصھم اللہ تعالیٰ باللطف العام کے دیہات میں درست نہیں۔ اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے۔ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ مگر تعریف مصر غیر ظاہر الروایۃ وغیر معتمد کو اختیار کرنا، فقاہت سے ازبس دور، حسب اقرار خود و تصریح علماء کرام ظاھر الروایۃ لہ امیر و قاضی یقدر علی اقامۃ الحدود کما فی الھندیہ والظھیریہ والخانیہ والغایہ والبحر والدر المختار وغیرھا من معتمدات الاسفار، علماء نے غیر ظاہر الروایہ پر فتویٰ دینے کو جہالت ونادانی اور خرق اجماع فرمایا ہے۔

بحر الرائق میں ہے۔"ما خرج عن ظاھر الروایہ فھو مرفوع عنہ" درمختار میں ہے "ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع اقول فکیف بالافتاء بالمرجوع فیہ"

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی سے نقل کیا "المقلد لا یجوز لہ ان یحکم الا بما ھو ظاھر الروایۃ" اس پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہونا اور والوالجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی وجہ نہیں ہوسکتی ہے کہ تعریف کل موضع الخ پر بھی اکثر فقہاء میں کما فی العنایۃ وعلی ھذا شارح منیہ نے اس کی بھی تصریح فرمائی ہے۔ پس جبکہ تصحیح فتویٰ مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بحر الرائق میں ہے "الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاھر الروایۃ" اسی میں ہے "اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایۃ والرجوع الیھا' علی ھذا توالی فی الاحکام" کو وجہ اس روایت کی گردانا بھی بعد غور معلوم ہوسکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں "یقدر علی اقامۃ الحدود" ہے نہ کہ یقیم الحدود. بالجملہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔ وجوہ مذکورہ یا مشترک یا مردود (اولا غیر ظاہر الروایہ ہونا۔ ثانیا اس تعریف کی رو سے مکہ معظمہ ومدینہ منورہ، جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ قائم ہے، کا مصریت سے خارج ہونا) موجود۔

غنیہ میں ہے "والفصل فی ذالک ان مکۃ والمدینۃ مصران تقام بھما الجمعۃ من زمنہ علیہ السلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصرو کل تفسیر لا یصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ المتاخرین

کصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو ما لو اجتمع اهله في اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما، اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة فلا يعتبر هذا التعريف" (غنية شرح منية المصلي، ص ۵۰۰)

اور سبب اختیار موضع لہ امیر وقاضی الخ ظاہر و بین، ولہٰذا اسی کا اختیار انسب واللہ تعالیٰ اعلم (نافع البشر، ص ۱۳۶، ۱۳۷)

مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، میں حضور ملک العلماء نے مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہوئے ایسی شرعی وفنی ضرب لگائی ہے کہ مولوی صاحب کے لئے "نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن" بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہم اس جگہ مذکورہ بالا رسالہ سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"اہل علم پر مخفی نہیں کہ مولوی صاحب نے ان چند سطری عبارت میں کتنی غلطیاں کھائیں، علم وفضل کے جوہر دکھائے، محدثیت کے گل کھلائے۔

اولاً یہ کہنا کہ "یہ حدیث صحاح کی نہیں، کہ محل سخن نہ ہو" محض عامیانہ کلام ہے اور بے اصل محض ہے کیا صحاح کی سب حدیثیں صحیح ہی ہیں، کہ محل سخن نہ ہوں؟ نہیں نہیں بلکہ صحاح میں بھی ہر طرح کی حدیثیں موجود حتی کہ بعض محدثین نے بعض احادیث صحیح بخاری کو موضوع تک کہا ہے۔ دیکھو حدیث اسرا مروی از شریک کہ عبدالحق جمع بین الصحیحین میں اور امام قاضی عیاض مالکی وغیرہما نے اس حدیث میں کلام فرمایا اور ابوالفضل بن طاہر نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا اور اس میں ابن حزم سے نقل کیا: قال لم نجد البخاري ومسلم في كتابيهما شيئاً لا تحتمل مخرجا الا حديثين ثم عليهما في تخريجه الوهم وقال الخطابي ليس في هذا الكتاب حديث اشنع ظاهراً ولا البشع مذاقاً من هذا الفصل وقد جزم ابن القيم في الهداية بان في رواية شريك عشره اوهام

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں حدیث در بارۂ اسلام ابی سفیان عکرمہ ابن عمار کے مروی کہ ابن حزم نے کہا: هذا حديث موضوع لاشك في وضعه آه قال في تصحيح المسائل، صحاح کو صحاح کہنا امر تغلیبی ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحاح ہیں۔

ثانیاً: یہ کہنا کہ "بلکہ اس کتاب کی ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ موضوع بھی موجود ہے" محض لچر اور پوچ ہے کہ حال صحاح کا بھی یہ ہے کہ ان میں صحیح، حسن وضعیف ہر طرح کی حدیثیں ہیں۔ بلکہ بعض صحاح مثل جامع ترمذی وابن ماجہ میں بعض احادیث وہ بھی ہیں، جن پر حکم وضع کیا گیا، کہ حدیث صحیح نہ صحاح میں محصور نہ صحاح، حدیث صحیح پر مقصود۔ پس اس حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا اور محمد بن جریر طبری اور ابن ہردویہ اور ابن منذر اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم کی کتاب میں ہونا ہرگز ہرگز باعث طعن وعدم قبول نہیں۔ البتہ اگر نقاد حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہوتا، تو ایک بات تھی یا حکم امتناعی کلی دیا ہوتا، کہ ابن جریر کی یا سوائے صحاح کے کوئی حدیث قابل قبول نہیں۔ تو یہ عذر البتہ قابل قبول ہوتا۔ واذ ليس فليس۔ علاوہ بریں جب اجلۂ اکابر علماء مثل امام جلال الدین سیوطی وابن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم وخاتم الحفاظ ابن حجر ومولانا شاہ عبدالعزیز وامام فخر الملت والدین رازی وصاحب شرح لباب المناسک وابن عابدین شامی وغیرہم نے اسے قبول کیا اور رد نہ فرمایا تو پھر بلا وجہ کیوں کر رد ہو سکتی ہے؟ آخر وہ تو مولوی صاحب سے علم وفضل میں بھی زائد ہی تھے،

جنہیں حدیث کی تصحیح و تحسین و تضعیف کا مرتبہ خود صاحب حدیث سے حاصل تھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وبارک وسلم

ثالثاً: خدا جانے ان حضرات کو "یجوز للوھابی مالایجوز لغیرہ" کا فتویٰ کہاں سے مل گیا؟ حضرت کی ایسی مایۂ ناز مسائل واربعین میں کتنی استناد ان روایات سے موجود جو صحاح نہیں اور ان سے جو متصل الاسناد ہیں اور ان سے جو مرفوع نہیں، اپنے لئے سب کچھ حلال اور دوسرے پر محض بزور زبان یا غیظ و جلال ناجائز ہے، حرام ہے، استدلال جائز نہیں"

ان اقتباسات کے بعد حضرت ملک العلماء نے مولوی اسحٰق ہی کی کتابوں سے ایسے متعدد حوالے پیش فرما کر (جن میں موصوف نے غیر صحاح سے استدلال کیا ہے) مولوی صاحب کے تعصب اور علمی خیانت کو طشت از بام کر دیا ہے۔

تفقہ :

حضرت ملک العلماء کی فقیہانہ بالغ نظری اور تبحر علمی کے ساتھ آپ کی ذہانت وفطانت نیز تیقظ واستحضار کو اجاگر کرنے والا ایک فتویٰ کے چند اقتباسات حوالوں کی عبارت حذف کر کے پیش کرتا ہوں۔ جنہیں پڑھ کر یقیناً آپ محسوس کریں گے کہ ایک کثیر الاذیال، مغلق و پیچیدہ سوال کے جواب میں آپ نے سوال کے سبھی بہتر ممکنہ صورتوں کو اجاگر فرمانے کے بعد جس طرح ہر ایک کا جامع و مختصر جواب تحریر فرمایا ہے اس سے صرف آپ کی دقیقہ رسی و جزئیات نگاری ہی واضح نہیں ہوتی بلکہ آپ ہمیں حکم شرعی کے اخذ کے لئے اصل کلی بھی عطا فرما رہے ہیں۔

سوال ہے: "(۱) فرائض خمسہ و نماز عیدین و جمعہ و نوافل میں بعد قرأت فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دوبار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عمداً یا سہواً پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور برتقدیر سہو، سجدۂ سہو لازم ہے کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سہوں میں تکرار سورہ خاص، موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدۂ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لئے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورۂ فاتحہ مکرر عمداً یا سہواً پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورہ فاتحہ کی تکرار اور ضم سورہ کی تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا توجروا

جواب یہ ہے "آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔ بعد قرأت فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رُکے، برتقدیر ثانی عمداً یا سہواً فان التکرار لاجل الحصر انما یکون عمدا تو یہ تین صورتیں ہیں۔ پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر وعیدین کو مشتمل یا سنن موکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو متناول یا نفل مطلق میں یہ چار ہوئیں اور بلحاظ وانقسام بہ منفرد و امام ولاثالث لھما لان المقتدی لاحظ لہ فی القراۃ۔ واز آنجا کہ جمعہ وعیدین میں انفراد نامتصور، یہ چار بحق امام چھ کی طرف منحل ہوں گی۔ خمسہ، جمعہ، عیدین، وتر، سنن ونوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ تیس صورتیں ہوں گی کما لا یخفی ان سب کا حکم مجمل یہ ہے کہ صور مذکورہ میں سہواً کچھ نہیں اور عمداً غیر فرائض میں منفرد کو مطلقاً جائز۔ ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طول فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقاً ناجائز جبکہ مقتدیوں پر ثقیل

کرے۔ رہے فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو، تو دوہری کراہت اور ثقیل ہو، تو امام کے حق میں معصیت۔ عالمگیریہ میں فرمایا: اذا کرر آیة واحدة الخ

"باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ فرائض میں عمداً ہوا، تو صرف کراہت ہے اور عمداً میں سجدہ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا، کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا، نماز میں قصور تھا۔ جس کی جبر وتلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورۃ میں تکرار سورۃ موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بتکرار، سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو۔ ولہذا علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کرکے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورۂ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قرأت اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں کما سیاتی تصریحه من العلامة الشامی قدس سره السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے۔ مگر مشائخ کرام نے جمعہ وعیدین میں (کہ عادۃ ان کی جماعت بڑی ہوتی ہے، مجمع عام، عوام وخواص ہوتا ہے) فتنہ و تشویش بے علماں کے خیال سے سجدۂ سہو ساقط جانا۔ عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے السھو فی الجمعة ......الخ

سورہ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورت کئی بار پڑھنے سے ہوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل و بعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہر حال عمداً یا سہواً یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمۃ القرأۃ میں ہوگی کہ خمس غیر الفجر کی ماعدا الاولین ہے۔ یا لازمۃ القرأۃ میں کہ مذکورہ کے سوا جملہ رکعت فرائض و واجبات وسنن ونوافل ہیں۔ پھر بلحاظ انقسام بمنفرد و امام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر از انجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق منفرد میں چار ہیں، کما تقدم ساٹھ، جملہ بہتر صورت ہوگی کما لا یخفی علی متعلم ذھین فضلا عن فاضل مثلکم فطین، ان بارہ میں تکرار مطلقاً موجب سجدۂ سہو نہیں۔ شرح منیہ میں ہے وقید بالاولین......الخ

ہاں قصداً ہو تو تکرار دو صورت اخیرہ جن میں بعد سورت قرأت فاتحہ ہے مطلقاً ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولیٰ امام کیلئے مکروہ تحریمی جبکہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

اور ان ساٹھ میں اگر عمداً ہو تو مطلقاً ناجائز وگناہ مگر دو صورت اخیر میں کہ تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں۔ صرف ممانعت ہے لترک واجب القرأة نماز کی حاجت نہیں لعدم ترک واجب الصلوٰة اور صورت اولیٰ میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترک الواجب وھو ضم السورہ اور اگر سہواً ہو تو صورت اولیٰ میں سجدہ آئے گا کما مر اور دو صورت اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترک شئی من الواجبات" (فتاویٰ ظفر ۹۱/۴۹۰)

امت مسلمه کی خیر خواهی:

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک فقیہ اسلام کے جو اوصاف بیان فرمایا ہے، انھیں میں سے ایک خاص وصف یہ ہے کہ "مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو" اس کی روشنی میں احقر نے جب حضور ملک العلماء کے فتاوی اور تصنیفات کا مطالعہ کیا اور حالات زندگی کا جائزہ لیا تو آپ ہمیں قدم قدم پر مخلص امت، مصلح امت، پرسوز داعی، فتنوں سے بیزار، سوز دروں سے لبریز، ملت کے مفاد پر اپنے مفاد کو بے دریغ قربان

کردینے والا اورامت مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرماتے نظر آتے ہیں۔

مذکورہ بالا اوصاف کی تائید وتصدیق دیکھنی ہوتو فتاوٰی ظفر میں شامل ''تحفۃ الاحباب فی الکوۃ والباب'' کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ''ہادی الہداۃ لترک الموالات (۱۳۳۹ھ)'' اور ''سدالفرار المہاجری بہار (۱۳۶۶ھ)'' جیسی انمول تحریروں میں بھی آپ نے سوز دروں کے ساتھ ملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں ''نافع البشر فی فتاوٰی ظفر'' کی کتاب السیر سے ایک فتوے کے دو اقتباس قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ جس سے حضرت کے سوز دروں اور امت مسلمہ کی خیر خواہی کا قدرے اندازہ ہوجائے گا۔ ہنود سے وداد واتحاد اوران کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(۱) ''میں ان خداوند اتحاد سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت کے اتحاد واتفاق میں ''جس کی ہر جگہ چیخ وپکار ہورہی ہے'' امور مذہبی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر شخص نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذہب کے فرائض، واجبات، سنن موکدہ، وغیر موکدہ، مستحبات، مباحات، بجالائے اور خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام سے بچے، کوئی کسی طرح کسی پر اعتراض نہ کرے اور دوسرے کے اعمال وافعال شرعیہ میں حارج نہ ہوا شارۃ کنایۃً کسی طرح مذہبی دست اندازی نہ کرے اور اگر اس اتحاد میں امور مذہبی کو بھی دخل ہے۔ اس لئے جس بات سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہو مسلمانوں کو ترک کردینا چاہئے۔ تو ہنود کی جن جن باتوں سے مسلمانوں کی دل آزادی ہوئی ہے، مثلاً مندروں میں سنکھ پھونکنا، گھنٹا بجانا وغیرہ کیا برادران وطن ان سب کے چھوڑنے پر آمادہ ہیں؟ اگر ہاں تو بسم اللہ! پہلے کانگریسی اور دیگر انجمنوں، پبلک جلسوں میں اس کے متعلق ریزولیشن پاس کرلیں۔ پھر ترک اضحیۂ بقر کیلئے مسلمانوں سے کہیں اور اگر نہیں تو یہ اتحاد کی ایک طرفہ تالی کیسی؟ ہندوؤں کی خاطر ہم اپنا شعار چھوڑ دیں، جسے ہم اپنے گھروں میں پوشیدہ طور سے کرتے ہیں اور وہ سنکھ اور گھنٹوں کی مکروہ اور دلخراش آوازوں سے ہماری اعلانیہ دل آزاری سے بھی باز نہ رہیں۔

علاوہ بریں جب ہنود کی مذہبی کتاب ویدوں سے ذبیحۂ بقر کی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے مذہب میں گائے کا ذبح کرنا جائز اور خود ان کے پیشواؤں کے فعل سے ثابت۔ جیسا کہ رسالہ سوط الجبار وغیرہ سے ظاہر تو اپنے مذہب کے احکام اور پیشواؤں کے افعال سے دل آزاری کیوں؟ ولوفرضنا کہ گایوں کا ذبح ہونا ہنود کی دل آزاری کا سبب ہے، تو کیا صرف انہی تین دن میں جب کہ غریب مسلمان قربانی کے لئے ذبح کرتے ہیں، دل آزاری ہوتی ہے اور بقیہ سال بھر جو برابر کم ریٹ وغیرہ میں روزانہ تیس چالیس ہزار گائیں کٹا کرتی ہیں اس سے کانوں پر جوئیں تک نہیں رینگتی۔ تو ظاہر ہوا، کہ سب مذہبی عناد وعداوت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی اور ان کو قربانی جیسے ثواب عظیم سے روکنے کی حیلہ سازی ہے۔ مسلمانوں کو عقل وحواس سے کام لینا چاہئے۔ ایسے دھوکے بازوں کے دام میں نہ آئیں فرضی، وہمی اعزاز دنیوی کی خاطر دین سے دست برداری نہ دیں۔''

(۲) ''سلطان اسلام کیلئے سچے دل سے مساجد وجمعات و جماعت میں دعا کرنا بے شک پسندیدہ کام ہے، علماء کرام نے اپنی کتابوں میں انیس شخص ایسے ذکر کئے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ازانجملہ مسلمان، کہ مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعا مانگے حدیث شریف میں ہے کہ یہ دعا نہایت جلد قبول ہوتی ہے۔

فرشتہ کہتے ہیں ولک بمثل ذالک آمین۔ دوسری حدیث میں فرمایا یہ دعا حاجی اور نمازی، مریض و مظلوم کی دعاؤں سے بھی زیادہ جلد قبول ہوتی ہے۔ تیسری حدیث میں ارشاد ہوا اس سے زیادہ جلد قبول ہونے والی کوئی دعا نہیں۔ رواہ الترمذی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

مگر اس کے لئے نہ کسی وقت کی تخصیص، نہ کاروبار بند کرنے کی تخصیص، ہر وقت کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنا چاہئے۔ خصوصاً بعد صلوٰت خمسہ شورش، ہنگامہ، فتنہ، فساد سے مسلمانوں کو ہر وقت بچنا چاہئے قال اللہ تعالیٰ والفتنۃ اشد من القتل (البقرہ، آیت ۱۹۱) فتنہ کرنا قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے بالجملہ جو لوگ عامیانہ ہڑتال، وحشیانہ افعال کے شریک نہ ہوئے اور انہوں نے مساجد میں باتثال امر "ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ" (الاعراف، آیت ۵۵) اپنے رب سے دعا کرو گڑ گڑاتے اور آہستہ (کنز الایمان) خلیفۃ المسلمین کی فتح ونصرت و بقاو جاہ و عزت کی دعا کی، وہ ہر طرح مستحق تعریف و توصیف ہیں، نہ الٹا قابل مذمت و ملامت واللہ اعلم۔"

مذکورہ بالا امثال و نظائر و دلائل و شواہد سے حضور ملک العلماء کی تبحر علمی، گہری فقاہت، ذہانت و بیدار مغزی، شریعت کے بنیادی مصادر سے واقفیت اور امت مسلمہ کی خیر خواہی پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح "نافع البشر" اور اس کے مشمولات "تنویر المصباح" "عید کا چاند" "تحفۃ الاحباب" "نصرۃ الاصحاب" "مواہب ارواح القدس اور اعلام الساجد" (جو اس وقت احقر کے پیش نظر ہیں) میں حضرت کی ژرف نگاہی اور فقیہانہ بصیرت کا جوہر اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے بالخصوص نصرۃ الاصحاب اور اعلام الساجد میں تو عبقری فقیہ امام احمد رضا کا فقہی کمال و جمال دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی و کثیر در کثیر حوالہ جات اور حسن استدلال و ندرت استنباط کا رنگ دونوں رسالوں میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

"ملک العلماء بحیثیت فقیہ اسلام" کے عنوان پر احقر نے اپنی کم علمی و بے مائیگی اور محدود مطالعہ کے باوجود جو کچھ زینت قرطاس کیا ہے۔ آیا اس سے موضوع کا حق ادا ہوا ہے یا نہیں یہ قارئین کی آرا پر منحصر ہے۔ البتہ ملک العلماء کے فقیہ اسلام ہونے پر ایک ایسی مستحکم و ٹھوس شہادت پیش کرنے جا رہا ہوں، جس کے آگے کسی بھی منصف مزاج شخص کو چون وچرا کی یقیناً گنجائش نہ ہوگی۔

عبقری الشرق، فقیہ اعظم جن کی شان فقاہت اور علمی ہمہ گیری کے سامنے علم وفن کے بڑے بڑے قد آور بونے دکھائی دیتے ہیں جن کی ژرف نگاہی اور فقیہانہ بصیرت کا اعتراف اپنے تو اپنے بیگانوں کو بھی ہے اور جن کی جلالت علمی کا خطبہ بیک زبان علماء عرب وعجم نے پڑھا۔ یعنی اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے ہونہار شاگرد اور مظہر اتم ملک العلماء کے فقیہ اسلام ہونے کی تائید وتوثیق فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "کار افتاء میں میرے معین ہیں" "مفتی ہیں" ملاحظہ ہو آغاز مقالہ میں مرقوم اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا گرامی نامہ جو انہوں نے انجمن نعمانیہ لاہور کو تحریر فرمایا ہے۔

حضرت ملک العلماء ۱۹ ربرس کی عمر میں مفتی کے منصب جلیل پر فائز ہو چکے تھے۔ ان کے مجموعہ فتاویٰ میں ایک فتویٰ آٹھ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کا تحریر کردہ ہے۔ یعنی سن فراغت سے تین سال پہلے دور طالب علمی ہی میں آپ نے فتویٰ لکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بھی اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے زیر نگرانی۔ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دارالافتاء میں غالباً یہی

وہ فتویٰ ہے جس کا ذکر ملک العلماء نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے صفحہ ۲۴۶ رمیں اسطرح فرمایا ہے:

''فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے، کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں۔''

اللہ اللہ!! جن کا علمی رسوخ و مہارت اور فقیہانہ عبور و بصیرت کا یہ عالم ہو کہ زمانہ طالب علمی میں صرف انیس برس کی عمر میں سب سے پہلا فتویٰ لکھ کر اپنے استاذ و مرشد، فقیہ اعظم اسلام کی بارگاہ میں پیش کرنے پر ''ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے'' کا انمول تمغہ عنایت فرمایا جائے اور اپنے بزرگوں کی اتباع میں فتویٰ سے خوش ہو کر ایک روپیہ مٹھائی کھانے کے لئے دیا جائے اور جن کے بارے عبقری فقیہ یہ تحریر فرمائیں ''کار افتاء میں میرے معین ہیں'' اور ''مفتی ہیں''۔

کیا ایسا نکتہ سنج، دقیقہ رس اور فقیہانہ بصیرت کی حامل شخصیت کے مفتی اور ''فقیہ اسلام'' ہونے پر کسی طرح کا شبہ کیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ بلا شبہ حضرت ملک العلماء ایک بیدار مغز مفتی اور بالغ نظر فقیہ اسلام تھے۔

علم و فضل کا کوہ گراں، سادگی و رواداری کا مرقع، میدان فقہ و افتاد کا شہسوار حضرت ملک العلماء کے وصال فرمائے تقریباً نصف صدی بیت چکی۔ لیکن حضرت سے متعلق چند مضامین، آپ کے کچھ رسائل اور فتاویٰ ظفری کی اشاعت کے سوا، آپ کی ذات پر کوئی خاطر خواہ کام نہ ہو سکا۔ بلکہ اپنے مربی و مشفق استاذ و مرشد کی طرح آپ بھی ایک طویل عرصہ تک اپنوں اور بے گانوں کے عدم التفات اور بے توجہی کا شکار رہے۔ مگر ''انجمن برکات رضا'' رضا جامع مسجد پھول گلی ممبئی کی پہل، حضرت سراج ملت سید سراج اظہر رضوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند کی سرپرستی و نگرانی میں ''جہان ملک العلماء'' کی گرما گرم پیش کش کی تیاریوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ اب جمود ٹوٹ چکا ہے تحقیقی پیش رفت ہو چکی ہے۔ حضور ملک العلماء کی ذات پر جو دبیز پردہ اب تک پڑا ہوا تھا عنقریب چاک ہونے والا ہے اور یقین ہو چلا ہے کہ رضویات سے عالم اسلام کو باخبر کرنے والا پہلا نقیب حضرت ملک العلماء کے حق میں آپ کے شفیق استاد اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی دعا سحر گاہی باب اجابت سے ٹکرا چکی ہے۔ حیاتِ ظاہری کی طرح بعد ممات بھی فتح و ظفر آپ کا مقدر بن چکی ہے اور اسی مشہور دعائیہ شعر پر مقالہ اختتام کو پہونچتا ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اور

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

☆☆☆

ملک العلما اور ان کے فتاویٰ

از قلم: مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی، علیگ

ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آشنا فقیہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آگئی، تو اس کی شادابی اور درخشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

حضرت ملک العلما کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک و مخاطب بہ ملک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت ملک العلما کی ولادت مبارکہ ۱۰؍ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹؍ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجرا ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی چاند شاہ بیتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداء والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا۔ جہاں تفسیر جلالین اور میر زاہد تک کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔

قاضی عبد الودود کے والد ماجد قاضی عبد الوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کٹرہ و خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما (۱۲۸۹ھ۔۱۳۲۶ھ) نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی، جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہل سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبد الوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا، جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ "تحفۂ حنفیہ ملقب بہ مخزن تحقیق" جاری کیا، جو عرصۂ دراز تک علم وفن اور دین وسنیت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلما نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا، تو ۲۵؍ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم،

مشکوۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلما بھی وہاں سے رخصت ہوکر کانپور پہنچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔

(۱) مدرسہ امداد العلوم، ہانس منڈی۔ (۲) مدرسہ احسن المدارس۔ (۳) دار العلوم ... یہاں کے اساتذہ میں شہرۂ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۳ ر صفر ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۶ ر جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلما کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز آستاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہو گئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیو بندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوب کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدر عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہوکر رہ گئے۔ بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کردی۔

حضرت ملک العلما کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

(۱) ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی (۲) مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلما نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالۂ قشیریہ اور عوارف المعارف کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہوکر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سال فراغ کے آخیر میں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔ سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلما نے منظر اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتا نویسی کا سلسلہ شروع کردیا۔ آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔

۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے:

(۱) مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ)
(۲) مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۴ھ)
(۳) مدرسہ خانقاہ کبیریہ، سہسرام (۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۸ھ)
(۴) مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)
(۵) جامعہ بحر العلوم کٹیہار (۱۳۷۱ھ تا ۱۳۸۰ھ)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۴۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، متین گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہوگیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے "ظفر منزل" شاہ گنج پٹنہ آگئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ

آپ کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ و تلقین، تصنیف و تالیف، بیعت و ارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گوناگوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کر رکھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاصا دخل تھا۔

حضرت ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے رض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہوگئے تھے۔ اس عالم نقاہت میں بھی آپ کے معمولات شب و روز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گزار کر دوشنبہ کی شب میں ۱۹ر جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہوسکا کہ آپ لذت وصال سے شادکام ہوچکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ علم و فن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔ علوم قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید و قرأت، علوم حدیث، حدیث، اصول حدیث، فقہی علوم، فقہ، اصول فقہ، عقائد و تصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو و صرف، معانی و بیان، فلکیاتی، علوم، نجوم، ہیئت، توقیت، تکسیر، جفر، رمل، عقلی علوم منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔ اس وسعت علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ سبھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستان رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔

ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں۔

(۱) علوم حدیث (۲) فقہ و تصوف (۳) عقائد و مناظرہ (۴) ہیئت و توقیت (۵) اور سوانحی ادب۔

فقہ و تصوف پر آپ کو کس قدر عبور حاصل تھا، اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقالہ ہی تحریر کیا جارہا ہے۔ باقی گوشوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علوم حدیث میں عبقریت :

حضرت ملک العلماء نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا۔ وہاں علمی صدارت کی شہ نشینی آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی۔ اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔ اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی۔ وعظ و تذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔ فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں۔ لیکن اس فن شریف میں آپ کی سب سے انمول یادگار ہے "جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری"۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب حنفی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار

احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہوسکی، جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وصی احمد پیلی بھیتی، مولانا عبدالقدیر پروفیسر حدیث وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، غیر مقلد عالم ثناءاللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلما کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ رصفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر صاحب ذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے بحر علم کی چند قیمتی موجیں ہیں۔ جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلما نے ان کلمات سے کیا ہے:

"ھذا نھر اصغر من البحر الاکبر من بحار علوم سیدی و شیخی نفعنا ببر کانہ فی الدنیا و الآخرۃ" (صحیح البھاری، کتاب الصلوۃ، ۱/۲۶)

مناظرانہ مہارت:

حضرت ملک العلما کا دور متقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور لوگ نت نئے خیموں میں داخل ہوتے جارہے تھے۔ ابن عبدالوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسمعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے ذریعہ ہندو پاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاسبان بھی شیرازۂ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسمعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیرآبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا۔ اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا۔ جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلما بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوق لطیف پر ذرا سی بھی خراش نہ آئی۔ شائستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان کہی جاسکتی ہے۔

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دار و گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلما نے بھی اس محاذ پر اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خداداد آپ کی رفیق

رہی۔آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو شفیقانہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلما کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلما) آریہ ساجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔(حیات ملک العلما ص ۱۶)

حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھرکا میں دیابنہ سے مناظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہوکر بریلی شریف واپس ہوئے۔"اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اونی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔"(حیات اعلیٰ حضرت ۱/۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ "شکست سفاہت" (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

(۱) الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ) (۲) ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ) (۳) نجم الکنزہ علی الکلاب المطرۃ (۱۳۲۸ھ) (۴) النبر اس لدفع ظلام المنہاس (۱۳۲۹ھ) (۵) رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) (۶) کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ) (۷) گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ) (۸) ظفر الدین الطیب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ ان کے مجموعۂ فتاویٰ میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں۔جن پر گفتگو بھی آتی ہے۔یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلما کے مناظراتی معیار فن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابلِ ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیئت و توقیت میں درجۂ امتیاز:

یہ فنون حضرت ملک العلما کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔اس امتیاز کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

"(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب ونصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔"(حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

حضرت ملک العلما نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندو پاک کے دائمی اوقات صلوٰۃ تخریج کئے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے: (۱) الجواہر و الیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۴۰ھ) (۲) بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ)

(۳) توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ) (۴) مشرقی اور سمت قبلہ/مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسی حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلما اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست و ہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہہ ہو، تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے۔" (حیات ملک العلما ص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے۔ بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہتیرے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندو پاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم و صلوٰۃ "ظہور الاوقات" کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (متوفی ۱۹۷۱ء) مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد (م ۱۹۹۴ء) اور مولانا یحیٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

سوانحی ادب پر عبور:

حضرت ملک العلما بہت شستہ اور نکھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے، جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سوقیانہ لب و لہجے کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت و سوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں۔

(۱) المجمل المعدد لتالیف المجدد (۱۳۲۷ھ) (۲) خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ) (۳) جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ) (۴) اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ) (۵) تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) (۶) مولود رضوی (۱۳۶۰ھ) (۷) چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ) (۸) حیات اعلیٰ حضرت/مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ) (۹) شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر معرض تحریر میں آئیں۔ لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفاء قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۴ر ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ بروز چہارشنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"انی نذرت للرحمن انه لماتمت هذه الحاشية اصلی مائة ركعة ان شاء الله."

"میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ نفل کی پڑھوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔(۱۲۔ ساحلؔ)

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خوشبوؤں میں بسے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم و فن اور فکر و قلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ "من احب شيئا اكثر ذكره۔" محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلما کی تسکین روح کا سامان تھا۔ جلوت و خلوت ہر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔ آپ کے خواجہ تاش، خلیفۂ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہسرامی جب کبھی "ظفر منزل" پٹنہ تشریف لاتے، تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گزر جاتی۔ پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

"رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل و مناقب میں پوری رات گزر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جو ٹھہرے۔" (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء ص ۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلما نے ہمہ دم خود کو ان کی ہر ممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔ کار افتا میں معین رہے، منظر اسلام کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی، حضرت صدر الشریعۃ اور ملک العلما نے بڑی تند ہی سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی رحلت کے بعد حضرت مفتیِ اعظم شاہ مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہ کی خواہش پر ملک العلما بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ڈھیروں تصانیف کے مبیضے تیار کئے، منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتیری تصانیف رضا کو ضائع ہونے سے بچا لیا، لیکن ایک شیفتۂ رضا کی یہ جاں نثارانہ خدمت کچھ تنگ نظر حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیف رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔ اس سے کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ملک العلما بریلی شریف کے ایک دوست کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچا لیا مگر جو قدر دانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔" (حیات ملک العلما ص ۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد،

اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔" (حیات ملک العلماص ۲۶)

احسان شناسی کے جذبوں سے لبریز حضرت ملک العلما کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوق محبت ادا کئے۔ آپ کے ذخیرۂ مکاتیب اور قلمی یادداشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اور ان کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلما یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو "ظفری" کے بجائے "رضوی" لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شیرازہ بندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ "المجمل المعدد لتالیف المجدد" میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ "حیات اعلیٰ حضرت" کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی کام نہ ہو سکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت مومنٹ اور نان کوآپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنت عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ سماج کا شدھی سنگھٹن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دو قومی نظریے میں آئی شدت اور قیام پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس نے اسلامیان ہند کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جما رکھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہو چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذات گرامی سب سے پہلے نکلی وہ منظور نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلما کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمر ہمت کسی اور اس "ہفت خواں" کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگان رضا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا۔ بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلما کے حوالے کر دیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہو سکی۔ تیسری اور چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جا رہی ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلما نے سوانحی ادب پر بھی خاصے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

فقہ و تصوف:

"من تفقه و لم يتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم يتفقه فقد تزندق" (امام مالک)

"جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں۔" (۱۲ ساحل)

اس ارشاد مالکی کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے۔ بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرہ علم میں آتے تھے۔

"ان الفقه في الزمان القديم كان متناولا لعلم الحقيقة وهي الالهيات من مباحث الذات والصفات و علم الطريقة وهي مباحث المنجيات و المهلكات و علم الشريعة الظاهرة"

"زمانۂ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا، جسے علم الٰہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے۔" ۱۲۔ ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی الگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

"فقیہ وہ ہے، جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔" (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں، تو حضرت حضرت ملک العلما قدس سرہ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی، لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں حضرات صوفیہ کی روا داری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب و روز معمولات صوفیہ اور اذکار و اشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت باطن کا نگار خانہ تھی آپ کی ذات گرامی معاند سے بھی کبھی آپ کو سوقیانہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ کے کتاب الحظر والاباحۃ میں کئی صوفیانہ فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک العلما کی پاکیزہ، تقویٰ شعار، خدا ترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ و افتا کے تعلق سے بھی کچھ بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کر سکیں۔

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے

تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق و جستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) اور افتا (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آرہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ۔(النحل: ۴۳) (تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو، اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین، دعاۃ و مبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں بھی رہنما، فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ و افتا مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتا فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

"الفقيه : العالم الذي يشق الاحكام و يفتش عن حقائقها ۔"

"فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔"

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے تابع فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور راجح، مرجوح، مفتیٰ بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہ "الرد علی الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں:

" المفتى هو المجتهد فاما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت و الواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كالامام على وجه الحكاية فعرف ان مايكون في زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتى لياخذ به المستفتى

(رد المحتار ۱/ ۴۸)

" مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے، تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حکایت بیان کردے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ در حقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے۔"

اسی لئے لوئیس معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

" المفتي : الفقيه الذي يعطي الفتوى ويجيب عما ألقي عليه من مسائل المتعلقة بالشريعة"

" مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں، تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔" (المنجد ص ۹۸)

عبقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ رسالہ

مبارکہ " اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام "(۱۳۳۴ھ) میں چند بنیادی

مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" الرابعة : الفتویٰ حقیقیة و عرفیة .
فالحقیقیة هو الافتاء عن معرفة ج الدلیل التفصیلی و اولئک الذین یقال لهم اصحاب الفتویٰ ویقال " بهذا افتی الفقیه ابو جعفر و الفقیه ابو اللیث و اضرابهما رحمهم الله تعالیٰ . والعرفیة : اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقلیداله من دون تلک المعرفة کما یقال فتاویٰ ابن نجیم و الغزی و الصوری والفتاویٰ الخیریة وهلم تنزلا زمانا ورتبة الی الفتاویٰ الرضویة جعلها الله تعالیٰ مرضیة مرضیة . امین ."

" چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان کے امثال نے اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتادے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنا دے۔ آمین!" (الفتاویٰ الرضویۃ۔ مترجم۔ ۱/۱۰۹)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ و صحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفتا اور افتا کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم ﷺ کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ و افتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

فقہ وافتا کا دوسرا دور :(۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ و بو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہو گیا، تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں، تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل درآمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیان تفقہ نے کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الٰہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے، جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے۔ حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبد اللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عنھم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

تیسرا دور :(۴۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصاغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق و غرب جنوب و شمال کی وسعتوں کو اپنے

دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی کساد بازاری، اور عرب و عجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبوں میں بڑی تیز گامی پیدا کر دی تھی۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس و افادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔ چنانچہ اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ) (۲) حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ) (۳) حضرت عبد اللہ بن عمر (م ۷۳ھ) (۴) حضرت سعید بن مسیب مخزومی (م ۹۴ھ) (۵) حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۴ھ) (۶) حضرت ابو بکر بن عبد الرحمٰن (م ۹۴) (۷) حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۴ھ) (۸) حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر (م ۱۰۶ھ) (۹) حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ) (۱۰) حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ) (۱۱) حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ) (۱۲) حضرت نافع (م ۱۱۷ھ) (۱۳)۔ حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) (۱۴) حضرت ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ) (۱۵) حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۴۸ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

(۱۶) حضرت عبد اللہ بن عباس (م ۶۸ھ) (۱۷) حضرت مجاہد بن جبیر (م ۱۰۳ھ) (۱۸) حضرت عکرمہ ابن عباس (م ۱۰۷ھ) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔ (۱۹) حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ) (۲۰) حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ) (۲۱) حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (م ۹۲ھ) (۲۲) حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ) (۲۳) حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ) (۲۴) حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) (۲۵) حضرت عمر (م ۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔ (۲۶) حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ) (۲۷) حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ) (۲۸) حضرت ابو الشعثاء جابر بن یزید (م ۹۳ھ) (۲۹) حضرت قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۸ھ) (۳۰) امام التعبیر والرویا حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ) کے جلووں سے بصرہ کی سرزمین جگمگا رہی تھی۔ (۳۱) حضرت عبد الرحمٰن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ) (۳۲) حضرت ابو ادریس خولانی (م ۸۰ھ) (۳۳) حضرت قبیصہ بن ذویب (م ۸۱ھ) (۳۴) حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) (۳۵) حضرت رجاء بن حیوۃ کندی (م ۱۱۲ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ (۳۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ) (۳۷) حضرت ابو الخیر مرشد بن عبد اللہ (م ۹۰ھ) حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی ایوانوں میں اجالا کر رکھا تھا۔ (۳۹) حضرت طاؤس بن کیسان جندی (م ۱۰۶ھ) (۴۰) حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م ۱۱۴ھ) (۴۱) حضرت یحییٰ بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔

اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔ اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور :

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزۂ سرور کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا:

''فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی۔ حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے۔''

اس دور میں امام الائمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی کے مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳ھ۔۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد ادریس شافعی (۱۵۰ھ۔۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ) کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ) بغداد میں امام ابو ثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی (۸۸ھ۔۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے، جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذہبی پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی، مباحثات کی روش عام یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چار مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الٰہی، امام الائمہ سراج الامۃ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات ۲/۲۴) اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

الناس في الفقه عيال على ابي حنيفة : لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) صاحب ''مجمع البحار''، ''المغنی'' میں بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم يكن لله سر خفي فيه لما جمع له شطر الاسلام اوما يقاربه على تقليده حتى عبدالله بفقهه و عمل برائه الى يومنا ما يقارب اربع مائة و خمسين سنة و فيه اول دليل على صبحته ." (المغني ص ۸۰)

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا، تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عنداللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔''

(تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دہلی۔ ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہا اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحر و بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یارا ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار

کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہا کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) مجتہد فی الشرع/مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے، جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

(۲) مجتہد فی المذہب/مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں، جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذۂ امام اعظم قدمت اسرارہم۔

(۳) مجتہد فی المسائل/مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں، جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول و فروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں، جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خصاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ)، امام ابو الحسن کرخی (م ۳۴۰ھ) شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ھ) شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)

(۴) اصحاب تخریج:

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے۔ جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابو بکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۵) اصحاب ترجیح:

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول و فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابو الحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔

"ھذا اولیٰ، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس" جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

(۶) اصحاب تمیز:

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

(۷) مقلد محض:

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے

حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں۔ جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔

حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ (۱) کتب اصول (۲) کتب نوادر (۳) کتب واقعات۔

(۱) کتب اصول :

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمہ ثلثہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی ہیں۔ ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذۂ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے:

(۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامعہ کبیر (۴) سیر صغیر (۵) سیر کبیر (۶) زیادات۔ یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ راویوں نے روایت کیا ہے۔ موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں۔ ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتمد ہیں۔

(۲) کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں۔ جو مذکورہ بالا کتابوں میں نہ ہوں۔ جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات رقیات، زیادۃ الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہا۔

(۳) کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں، جنہیں ائمہ ثلثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو، جیسے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطفی، واقعات صدر الشہید، واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایات کے مجموعے ہوتے ہیں۔ اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی ماخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں۔

(۱) اصول بزدوی۔ امام علی بن محمد بزدوی (م ۴۸۲) (۲) المبسوط۔ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) (۳) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہا۔ ملک العلما امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م ۵۸۷ھ) (۴) فتاویٰ قاضی خاں۔ امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م ۵۹۲) (۵) الھدایۃ۔ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) (۶) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب شباہ والنظائر (م ۹۷۰ھ) (۷) درمختار شرح تنویر الابصار۔ علامہ محمد علاء الدین بن علی حصکفی (۱۰۸۸ھ) (۸) ردالمحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) (۹) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔ علامہ سید احمد طحطاوی (م ۱۳۰۲ھ)۔ (۱۰) طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ علامہ سید احمد طحطاوی۔ (۱۱) فتاویٰ عالمگیری۔ مفتی نظام الدین وعلما کا بورڈ (۱۲) العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی۔ (م ۱۳۴۰ھ) قدست اسرارہم۔

متوسطین فقہا نے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی، متون، شروح، اور فتاویٰ۔ سب سے مقدم اور اہم متون

ہیں۔ پھر شروح پھر فتاویٰ۔ چند مستند متون، شروح اور فتاویٰ یہ ہیں:

مستند متون:

(۱) مختصر امام طحاوی (۲) مختصر امام کرخی (۳) مختصر امام قدوری (۴) کنز الدقائق (۵) وافی (۶) وقایہ (۷) نقایہ (۸) اصلاح (۹) مختار (۱۰) مجمع البحرین (۱۱) مواہب الرحمٰن (۱۲) ملتقی۔

مستند شروح:

مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں (۲) کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) کی شرحیں۔ (۳) مبسوط امام سرخسی (۴) بدائع الصنائع (۵) تبیین الحقائق (۶) فتح القدیر (۷) عنایہ (۸) بنایہ (۹) غایۃ البیان (۱۰) درایہ (۱۱) کفایہ (۱۲) نہایہ (۱۳) حلیہ (۱۴) غنیہ (۱۵) البحر الرائق (۱۶) النہر الفائق (۱۷) درر احکام (۱۸) درمختار (۱۹) جامع المضمرات (۲۰) جوہرہ نیرہ (۲۱) ایضاح، وغیرہ۔

امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں۔ جیسے غنیۂ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، رد المحتار، منحۃ الخالق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریہ للشامی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ المجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج وہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں۔

مستند فتاویٰ:

۱۔ خانیہ ۲۔ خلاصہ ۳۔ بزازیہ ۴۔ خزانۃ المفتیین ۵۔ جواہر الفتاویٰ ۶۔ محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں) ۷۔ ذخیرہ ۸۔ واقعات ناطفی ۹۔ واقعات صدر الشہید ۱۰۔ نوازل فقیہ ۱۱۔ مجمع النوازل ۱۲۔ ولوالجیہ ۱۳۔ ظہیریہ ۱۴۔ عمدۃ ۱۵۔ کبریٰ ۱۶۔ صغریٰ ۱۷۔ تتمۃ الفتاویٰ ۱۸۔ صیرفیہ ۱۹۔ فصول عمادی ۲۰۔ فصول استروشنی ۲۱۔ جامع صغار ۲۲۔ تاتارخانیہ ۲۳۔ ہندیہ فتاویٰ عالمگیری ۲۴۔ الاشباہ والنظائر ۲۵۔ منیہ وغیرہ۔ قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں۔

فتاویٰ طور، فتاویٰ محقق ابن نجیم ناقابل اعتماد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً متفرق جلدیں)

اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر۔

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے۔ جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں۔ یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمہ فتاویٰ مظہریہ ص ۵۲) عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے۔ اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جاسکے۔ یا لائے گئے، لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہوسکا۔ خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے، تو پھر فتاویٰ، اور قضایا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہوسکی، تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے، جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب واشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی کا ہے۔ "کتاب النوازل"۔

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

فتاویٰ ابی بکر، فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)، فتاویٰ ابن قطان، فتاویٰ ابی اللیث، فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)

،فتاویٰ ابن الصباغ،فتاویٰ اسبیجابی،فتاویٰ خواہر زادہ،فتاویٰ خجندی (پانچویں صدی) فتاویٰ تمرتاشی،فتاویٰ حسام الدین،فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ ظہیریہ،فتاویٰ قاضی خاں،فتاویٰ کبریٰ،فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)،فتاویٰ ابن رزین،فتاویٰ صوفیہ،فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)، فتاویٰ ابن عقیل، فتاویٰ زرکشی، فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی) فتاویٰ قاری الہدایۃ،فتاویٰ حمادیہ،فتاویٰ ابن شلبی،فتاویٰ ابی السعود،فتاویٰ زینیہ (دسویں صدی)،الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ، العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ (تالیف ۱۲۳۸ھ)،فتاویٰ جامع البرکات،فتاویٰ نقشبندیہ۔یہ معدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے۔جتنی ہندستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہو چکی تھی۔جب سلاطین اسلام نے ہندستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔خود سلاطین اسلام،اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی،ظہیر الدین محمد بابر،سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی "التفرید فی الفروع"۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دولاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی، کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکی۔ بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ۔(۲) فتاویٰ فیروز شاہی۔(۳) فتاویٰ ابراہیم شاہی (۴) فتاویٰ اکبر شاہی (۵) فتاویٰ عادل شاہی (۶) فتاویٰ تاتارخانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی،اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ان میں چند اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (۱۳۱۰ھ) عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (م ۱۳۴۰ھ) فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ھ) علامہ ارشاد حسین رامپوری (۳) فتاویٰ محبوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ) مولانا احمد حسین (۴) فتاویٰ امجدیہ علامہ مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی قادری رضوی (۵) فتاویٰ عبد الحی فرنگی محلی (۶) فتاویٰ قیام الملۃ والدین۔مولانا عبد الباری فرنگی محلی فتاویٰ نعیمیہ۔مفتی احمد یار خاں نعیمی (۸) فتاویٰ نظامیہ۔مفتی رکن الدین۔م طبوعہ آباد دکن (۹) فتاویٰ صداقت العالیہ۔مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)(۱۰) واحدی۔علامہ عبد الواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ) (۱۱) فتاویٰ مسعودی علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی (۱۲) مجموعہ فتاویٰ۔مہر علی شاہ گولڑوی (قلمی) (۱۳) فتاویٰ ملک العلماء ملک العلما مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ

وغیرہ۔..................

فقہ وافتا کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے کے بعد آئیے یہ دیکھتے ہیں کہ افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟

فقہ اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست وامارت، قوانین جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات ومعاملات سبھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھئے تو نکاح طلاق، نسب، پرورش و پرداخت، نفقہ، میراث، ان سبھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید وفروخت، اجارات، رہن، کفالت، شرکت، قرض، وفائے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں جملہ فرائض وواجبات، سنن ومستحبات سبھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیہ اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے۔ جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصائص کا ہونا ضروری ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ وہ خصائص کیا ہیں؟

کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے، کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو خصوصاً کتاب وسنت، تفسیر و حدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے، تاکہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمہ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نت نئے مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی جاں بخش ضیاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہوتا، کہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل وروایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو۔ بلکہ پوری پوری بصیرت کے ساتھ افتا کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو راجح اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تاکہ کہیں بے علمی میں قول قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں میں متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔ (۱) متون (۲) شروح (۳) فتاویٰ۔ ہر

ایک درجے میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سے کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتمد ہے بھی یا نہیں؟

(۵) معتمد اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمہ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتا کی دفعات کی پابندی کرنی چاہیے، یعنی روایت، درایت، ترجیح تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے۔ ورنہ زبردست فساد کا اندیشہ ہے۔ "من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل ۔" (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقیہانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات، مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے، تاکہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں، پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقہ امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتباع کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) "طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے، کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کردے۔ اسی پر علامہ ابن شلبی اپنے فتاویٰ میں گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے، کہ عمل قول امام پر ہوگا۔ اگر چہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو، کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحتاً تصحیح کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔"

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں۔ مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو، کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰۰۔۱۰۱)

لیکن کسی بھی امام کا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) قول صوری (۲) قول ضروری۔

اس کی توضیح عبقری الشرق، بے مثل حنفی فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے جلیل الشان رسالہ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قوم الامام" میں تحریر فرماتے ہیں:

"الخامسة" اقول و بالله التوفيق : " القول قولان، صوری و ضروری . فالصوری هو المقول المنقول و الضروری مالم يقله القائل نصا بالخصوص لكنه قائل به فی ضمن العموم الحاكم ضرورة بان لو تكلم فی هذا الخصوص لتكلم كذا و ربما يخالف الحكم الضروری الحكم الصوری وح يقضی عليه الضروری حتیٰ ان الاخذ بالصوری يعد مخالفة للقائل و العدول عنه الیٰ الضروری موافقة او اتباعا له كأن كان

زید صالحا قامر عمرو خدامه باکرامه نصا جهارا و کرر ذلک علیهم مرارا و قد کان قال لهم " ایاکم ان تکرموا فاسقا ابدا" . فبعد زمان فسق زید علانیة فان اکرمه بعده خدامه عملا بنصه المکرر المقرر لکانوا عاصین و ان ترکوا اکرامه کانوا مطیعین و مثل ذلک یقع فی اقوال الائمة . (الفتاوی الرضویة ۱/ ۱۰۹ لاهور)

''پانچویں مقدمہ'' میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: (۱) قول صوری اور (۲) قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے، جو کسی نے صراحتاً کہا اور اس سے نقل ہوا اور قول ضروری وہ قول ہے، جسے قائل نے صراحتاً اور خاص طور پر نہ کہا ہو۔ مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو۔ جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے، کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا، تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحتاً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق معلن ہو گیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے۔''

اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی ہوگی، کہ ائمہ احناف بعض اوقات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:
(۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو (۶) کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں، فساد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعامل پر کاربند ہونا، یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں، جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو، پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو، تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا، کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی، تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر

اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا، ان کے پیروی نہ کہلائے گی۔'' (فتاویٰ رضویہ ۱/۱۱۰)

اس کی بہت سی نظریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں۔ بلکہ خود نص شارع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے، جو زمانہ رسالت مآب ﷺ میں روا تھی۔ بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے۔ لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے سختی سے روک دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

"لو ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم راى من النساء ما راينا لمنعهن من المسجد كمامنعت بن اسرائيل نسائها۔"

''اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے، تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے۔ جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا۔''

(۸) اصحاب ترجیح فقہا نے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے میں مختلف اقوال مصحح پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکد اور راجح ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔

اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے بیان فرمائے ہیں۔ میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

(۱) تصحیح کا زیادہ موکدا ہونا (۲) تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا (۳) تصحیح کا شروح میں اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا۔ (۴) فقہا نے اس تصحیح کی علت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ (۵) تصحیح کا استحسان ہونا۔ (۶) ظاہر الروایۃ ہونا۔ (۷) وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا۔ (۸) قول اکثر ہونا۔ (۹) اہل زمانہ کیلئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ (۱۰) اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔ (۱۱) احوط ہونا۔ (۱۲) ارفق (زیادہ سہل العمل) ہونا۔ (۱۳) معمول بہ ہونا۔ (۱۴) مذہب امام ہونا۔

(مترجم فتاویٰ رضویہ ملخصا جلد اول ص ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور و خوض، تلاش و جستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے، تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور و خوض سے کام نہیں لیا گیا معاملہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سائے میں جواب صاف ستھرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شق در شق کی پیچ داریوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو، تو سائل سے سوال قائم کرنے کی نوعیت متعین کر لے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لفاظی اور صناعی سے بالکل احتراز کرے، دوٹوک لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی مستحسن رہے گی۔

فقہ و افتا اور ان کے لوازمات کے اس قدرے تفصیلی جائزے کے بعد جب ہم حضرت ملک العلماء کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو آپ ایک ممتاز فقیہ، متجر مفتی اور تجربہ کار اسلامی

دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چون سال تک افتا نگاری کی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان کیے۔

(۱) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ) (۲) اعلام الساجد۔ بصرف جلود الأضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ) (۳) التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ) (۴) بسط الرحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ) (۵) الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ) (۶) رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) (۷) القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ) (۸) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ) (۹) نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ) (۱۰) تسہیل الوصول الیٰ علم الاصول (۱۳۴۸ھ) (۱۱) نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)، (۱۲) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) (۱۳) جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ) (۱۴) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ) (۱۵) تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ و افتا کے موضوع سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتا کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کیے تھے۔ جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گذشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلما کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خودنوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرانقدر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص امت، مصلح ملت، پرسوز داعی، خداترس، بندۂ طاعت شعار، دردمند طبیعت اور سوز دروں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص و آز کا گزر نہیں، قناعت پسندی شیوۂ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد کرتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا۔ بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بے زار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو، تو آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ "تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب" کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح "ہادی الھداۃ لترک الموالات (۱۳۳۹ھ) اور "سد الفرار لمہا جری بہار" (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہی امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"لایالو نکم خبالا" کی تصدیق دیکھیے، کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے۔ مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) و مساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ

حالت ہے کہ سیکڑے تیں، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے، کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلاف چلانا، صرف اپنا الّو سیدھا کرنے، گاؤکشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی "انسداد گاؤکشی پر مسلمانوں کا شکوہ" ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ انسداد گاؤکشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کرلیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔" (فتاویٰ ملک العلما، ص ۲۲۵، ۲۲۶)

علمی سطح پر حضرت ملک العلما کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج دینی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہوچکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلما جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارٹی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ زیر نظر مضمون فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلما کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی، تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں۔ ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر و حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں، تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ "فمن شهد منكم الشهر" کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"فمن شهد منكم الشهر فليصمه" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، در منثور، فیسر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر في الشهر و لم يكن مسافرا فليصمه" یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منكم هلال شهر فليصمه" یعنی جو

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بسااوقات دلائل اتنے اہم نہیں ہوتے جتنے کے مسئلے کی وضاحت، مولانا نے اس بات کاالتزام کیا ہے کہ دلائل چاہے مختصر ہوں یا مفصل، لیکن ان کی پیچیدگی اصل مسئلے کو متاثر نہ کرے بلکہ سائل کو مسئلہ واضح طور پر معلوم ہوجائے، چونکہ سائل کی نظر میں اصل اہمیت مسئلے کی ہوتی ہے۔ دلائل کی نہیں، دلائل صرف اس کی تشفی کرتے ہیں کہ مسئلہ نصوص شرعیہ سے مستفاد ہے اور مفتی کا اپنا اجتہاد نہیں، مولانا جواب دیتے ہوئے پہلے صورت مسئلہ کو واضح کرتے ہیں اور اس کے بعد دلائل بیان کرتے ہیں۔ دلائل میں اگر قرآن وحدیث ہو، تو اس کا ترجمہ یا توضیحی ترجمہ کر دیتے ہیں اور اگر فقہ کی کتابوں سے حوالہ ہو، تو اکثر بلا ترجمہ چھوڑ دیتے ہیں، کسی دلیل کی وضاغت کرنی ہو، تو وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص نے سر پر سہرہ باندھنے کے بارے میں سوال کیا کہ درست ہے یا نہیں۔ مولانا نے جواب دیا' سہرا صرف پھولوں کا ہو تو جائز ہے۔ بعدم المانع ولان الوصل فی الاشیا الاباحة شرعاً. بعض اصحاب کا اس کو ناجائز ٹھہرانا اور تشبہ بالکفار بتانا محض جہالت ہے: جوامر فی نفسہ مذموم نہ ہو، اس میں بلا قصد مشابہ ہونا منع نہیں ہے۔ بلکہ اس نیت سے کرنا کہ کفار کی سی مشکل پیدا ہو یا اگر چہ ارادہ نہ کرے، مگر وہ فعل خود شعار کفار ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں، تو ناجائز ہے اور اس کی بعض صورتوں پر 'مَنْ تشبه بقوم فهو منهم' بھی صادق ہے، ورنہ اگر مطلقاً اشتراک موجب ممانعت ہو، تو انگرکھا، کرتہ، ٹوپی پہننا وغیرہ وغیرہ بھی حرام ہوجائیں گے یہ سب ہندو بھی پہنتے ہیں (ص ۴۹۔۵۰)

اسی طرح ایک شخص نے شیخ سدو وغیرہ کے نام مرغا، بکرا پالنا اور ان کے کھانے کا حکم دریافت کیا، مولانا نے جواب میں لکھا کہ 'اصل اس میں وقت ذبح خاص ذابح کی نیت وقول کا اعتبار ہے، اگر چہ پہلے سے شیخ سدو یا کسی کے نام سے مشہور کیوں نہ ہو ردالمحتار میں ہے 'المدار علی المقصد عند ابتداء الذبح' اور یہی معنی آیت شریف وما اهل لغير الله به کے ہیں، کسی جانور کا کسی نام سے فقط مشہور ہوجانا موجب حرمت نہیں، ورنہ چاہئے کہ تمام جانور حرام ہوجائیں۔ کیونکہ ہر جانور کسی نہ کسی کے نام سے مشہور ہوتا ہے (مثلاً عمر کی گائے۔ زید کا بکرا وغیرہ) (ص ۵۰) آگے دلائل کی مزید تفصیلات اور ذبیحے کا حکم بیان ہوا ہے۔

تنقیح مسائل: حضرت ملک العلماء نے اپنے فتاوے میں اس بات کا بھی التزام کیا ہے، کہ صورت مسئولہ کی تنقیح وتوضیح کرکے اس کے جزئیات اور متنوع پہلوؤں کی وضاحت کر دیں تاکہ سائل کو اصل مسئلہ اور اس کے لواحق کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس طرح کی تنقیح کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بسااوقات کسی مسئلے میں مطلق حکم نہیں ہوتا، بلکہ اسی مسئلے میں محض نیت کے بدل جانے سے یا مقام وشکل بدل جانے سے حکم تبدیل ہوجاتا ہے اور ایسا ہوسکتا ہے کہ جواب کو سائل کسی دوسرے مفہوم میں لے لے، جو مفتی کا مطلب نہ ہو، مسئلے کی تنقیح کے بعد اس طرح کی غلط فہمی یا معنی مراد کے سمجھنے میں غلطی کی گنجائش ختم ہوجاتی ہے۔

تنقیح مسائل کی مثالیں مولانا کے فتاوے میں متعدد جگہ وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک سائل نے دریافت کیا کہ تعزیہ بنانا ملیدہ اور کھچڑے وغیرہ کا تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم اٹھانا اور مرثیہ پڑھنا کیسا۔ مولانا نے اس کے جواب میں یہ وضاحت کردی کہ فاتحہ دینا اور تعزیہ کو فاتحہ دینا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ اسی طرح مرثیہ پڑھنے اور مرثیہ کے ذریعہ انبیا وصحابہ کی توہین کرنا (جو فی الوقت ہوتا ہے) دو الگ الگ باتیں ہیں۔ اس لئے دونوں کے حکم بھی علیحدہ

ہیں۔دلچسپی کے لئے پورا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

''تعزیہ داری رائج الوقت قطعاً بدعت ناجائز اور حرام ہے۔ہاں روضۂ اقدس حضور سید الشہداء (امام حسین) کے صحیح نقشے بقصد تبرک بغیر آمیزش منہیات جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ اور روضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں۔اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔فاتحہ امام ہمام ودیگر شہدائے کرام واولیاءعظام وسائر اہل اسلام کھچڑا ملیدہ پر ہونا اور کسی دوسرے ماکولات و مشروبات پر یا تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے،مگر وہ فاتحہ تعزیہ کا نہ ہو کہ تعزیہ کے ثواب پہنچانے کو کوئی معنی نہیں،نہ تعزیہ رکھ کر ہو،کہ یہ محض فضول بلکہ قرآن شریف کے ساتھ اسائت ادب ہے،خصوصاً جبکہ تعزیہ میں پری یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں کہ اس میں قرآن شریف کی زیادہ بے حرمتی ہے۔ذکر شہادت شہید شریف نظم میں ہوں یا نثر میں جبکہ روایات صحیحہ مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاومرسلین وملٰئکۂ مقربین واہلبیت طاہرین وصحابۂ مکرمین وغیرہ محرمات سے بالکل خالی ہو،بلاشبہ جائز و مستحسن وموجب ثواب ونزول رحمت وہاب ہے اور اگر شناعات مذکورہ پر مشتمل ہو،تو حرام وگناہ ہے۔نص علیہ الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرکۃ اس لئے یہ مرثیہ کہ رائج ہیں،مطلقاً حرام ہیں اور ان کا پڑھنا سننا اور سینہ کوبی وماتم ونوحہ خوانی سب حرام ہیں حدیث شریف میں ہے کہ نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المراثي۔(۵۷۔۵۸)

کثرت مراجع: مولانا ظفر الدین قادری کے فتاوے کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بکثرت مراجع ومصادر استعمال کرتے ہیں،ان کے مراجع میں بنیادی اصول قرآن وسنت کے علاوہ فقہ وفتاوی کی بیشتر متداول کتابیں شامل ہیں۔فتاوی کی امہات کتب جیسے درمختار، ردالمحتار،فتاوی قاضی خان،حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح،خزانۃ المفتین، فتح القدیر،مجمع الانہر،جوہرہ،بدائع الصنائع،بحر الرائق،بہجۃ الاسرار،الکافی، ہدایہ،ہندیہ،تبیین وغیرہ کے علاوہ ثانوی مراجع جیسے وجیز امام کردی، فتاوی القرویہ،برجندی،فتاوی ظہیریہ،شرح کنز ملا مسکین،نظم الفرائد اور واقعات المفتین وغیرہ ہیں غیر فتاوی کی کتب بھی ان کے مراجع میں دیکھنے میں آتے ہیں،جیسے تفسیر کی کتابیں تفسیر بیضاوی،تفسیر جلالین،اور تفسیر مدارک اور متعدد کتب تفاسیر،میزان الشریعہ (عبدالوہاب شعرانی) قصیدہ بردہ (امام بوصیری) وغیرہ،روزے کے سلسلے میں ایک استفتا کے جواب میں حسب ذیل مراجع استعمال کئے گئے۔تفسیر بیضاوی،جلالین، خازن، ابن جریری طبری،در منثور،واحدی،تفسیر حسینی معالم التنزیل، تنویر المقیاس،روح المعانی،بحر المحیط،النحر،تفسیر کبیر، کشاف،ابن کثیر،فتح البیان قنوجی،بحر المحیط،تفسیر مخدوم علی مہائمی، نووی،لسان العرب، (ص۱۳۰) وراثت کا ایک استفتا مولوی عبدالکریم خان حنفی موضع ابوسعید پور،ڈاکخانہ،مجید پور،ضلع اعظم گڑھ کے جواب میں حسب ذیل بیس کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔درمختار، طحطاوی،خلاصہ،خزانۃ المفتین،فتح القدیر،وجیز امام کردی،جوھرہ نیرہ تبییض،بدائع،اتحاف الابصار والبصائر،فتاوی قرویہ،واقعات المفتین،برجندی،فتاوی ظھریہ،مجمع الانھر،شرح کنز ملا مسکین، نظم الغرائد،تیسر المقاصد،بحر الرائق،حاشیہ علی علامہ شبلی علی التبیین،الشفا قاضی عیاض (۵۱)

مولوی ولی اللہ بنگالی متعلم مدرسہ عالیہ رامپور کے استفسار کے جواب میں حسب ذیل کتابوں کے نام آئے ہیں:الکنز، الوافی، الملتقیٰ، الکافی، الھندیہ، الشامی، المحیط،

جواهر الاخلاطی، المراقی، شرح الوقایہ، فتح القدیر، المحیط، تکملة الرازی، الحلیة، فتاویٰ عالمگیری، القنیه شرح منیة، فتح القدیر، الطحطاوی، البحر الرائق، مجمع الانهار، شرح المجمع، نحر الفائق، فتاویٰ ظهیریه، الحجة، خزانة المفتین، مختار الفتاویٰ، سراجیه، شرح الکنز ملامسکین، تاتارخانیه، فتاویٰ صوفیه، جامع المضمرات، درمختار، فتاویٰ رحمانیه، خزانة الروایات، التمرتاشی، ابن الشحنة، المقدسی، ابو السعود، قاضی بدیع الدین، شیخ الاسلام، الحبلی، وغیرهم (۳۰)

مقبولیت : مولانا کے فتاوے کا جو مجموعہ راقم الحروف کے پیش نظر ہے، اس میں بہت کم عرصے کے فتاوے ہیں اور وہ بھی ابتدائی عہد کے، لیکن مولانا کی شہرت اور ان کے فتاووں کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے اور قریب اور دور دراز علاقوں (میرٹھ، بیتھو شریف، (بہار) بریلی، تلہر، شاہ جہاں پور) یہ فتاوے مختلف دیار امصار (اعظم گڑھ، گوالیار، نینی تال، گجرانوالیہ، گورکھپور، بنارس ردولی، (بارہ بنکی) رام پور، راندیر، نواکھالی، (بنگال) علی گڑھ، احمد آباد، مارہرہ، بین، (ضلع پٹنہ) بہار شریف، (ضلع پٹنہ) پیلی بیت، گجرات، راولپنڈی، پونی ضلع جمتارہ......محا یک متوسط (مدھیہ پردیش کا قدیم نام) کانپور، مراد آباد، مہولی، (ضلع مونگیر) سلہٹ، بنارس، کاٹھایاواڑ، مارہرہ، اور بیدر (جنوبی ہند) وغیرہ سے ان کے پاس آتے رہے۔

فتاویٰ کے پیش نظر مجلّہ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی کو اپنے تلمیذ خاص کی فقہی بصیرت واصابت رائے پر اس درجہ اعتماد تھا کہ جب بعض اہم مسائل پر ان کے بعض مقتدر حضرات اپنے استفسارات فاضل بریلوی کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ وہ یہ فتاوے مولانا قادری کو جواب کے لئے مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ مسئلہ مسئولہ اعلیٰحضرت تاج العارفین حجۃ الخلف سیدنا شاہ ابوالحسین صاحب احمد نوری مارہروی (ص ۵۲) مسئلہ مرسلہ جناب شاہ سلامت اللہ صاحب مع رسالہ مبارکہ الشمس الطالع از رامپور (ص ۸۵) مسئلہ مرسلہ مولانا نثار احمد صاحب خلف مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ص ۹۳): مسئلہ مرسلہ مولوی نعیم الدین صاحب مدرسہ امدادیہ، مراد آباد (ص ۴۸) مولانا نثار احمد کانپوری اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی تو خیر ملک العلماء کے معاصرین واحباب میں تھے۔ انہوں نے اپنے استفسار انہیں ممکن ہے بھیجے ہوں، لیکن مولانا سید شاہ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب نے یقین ہے کہ اپنے استفتا فاضل بریلوی ہی کو بھیجے ہوں گے۔

ایک امر اور اس خیال کی موید ہے۔ ایک مستفسر نے اپنے استفسار میں انہیں 'مقتدائے زماں پیشوائے اہل ایماں' کہکر خطاب کیا ہے۔ (ص ۸۰) تو دوسرے نے انہیں 'زبدة العارفین وقدوة الواصلین، خاتم المحدثین، وارث کلام سید المرسلین حضرت استاذنا ومرشدنا دام فیوضهم علینا وعلیٰ سائر المسلمین' لکھا ہے (ص ۳۲) یہ انداز خطاب بیس سال کے ایک نوعمر عالم کیلئے کسی طرح موزوں نہیں، پھر اس مجلّہ کے ص ۸۶/ پر ایک سوال کرنے والے نے 'مجدد مأة حاضرہ، عالم اہلسنت، مولانا وبالفضل اولانا' کے الفاظ سے مخاطب کر کے مسئلہ بالکل واضح کر دیا، کہ دارالافتا بریلی میں جو استفسارات آتے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ استفسارات جو فاضل بریلوی کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے، ان میں سے کچھ وہ خود اپنے جواب دینے کے لئے رکھ لیتے تھے اور کچھ مولانا قادری کو دے دیتے تھے، کہ وہ جواب لکھ کر

بھیج دیں۔

مولانا کے اس مجموعے میں صرف فتاوے نہیں ہیں، بلکہ بعض غیر فقہی مسائل اور ان کے متعلقات بھی درج ہیں، جیسے تحریک خلافت، سوراج اور ہندو مسلم اتحاد سے متعلق بھی مباحث ہیں۔ مولانا کے عہد کی سیاسی اور ملی سرگرمیوں اور ان کے سلسلے میں علمائے اہلسنت والجماعت کا موقف بھی سامنے آجاتا ہے، جو بعض اوقات دوسرے مسلک کے علما سے مختلف ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے پیش نظر مجلہ میں طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، معاملات بین الزوجین (عدت نان ونفقہ، مہر وغیرہ)، معاملات بین المسلمین (وراثت وغیرہ)، اوقاف اور دوسرے مسائل پر استفسارات اور ان کے جوابات ہیں۔ تعجب ہے، کہ حج کا کوئی مسئلہ نہیں پوچھا گیا۔ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول کے ہندوستان میں جو مذہبی اختلافی مسائل مسلمانوں کے درپیش تھے، اس سلسلے کے بھی استفسارات ہیں۔ حضور سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جا حاضر وناظر ہونا، علم غیب، محفل میلاد اور اس میں قیام، عرس وایصال ثواب، رویت ہلال کے سلسلے میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کا عدم اعتبار وغیرہ وغیرہ۔

اس مجموعۂ فتاویٰ میں عام فقہی موضوعات سے ہٹ کر بھی کچھ استفسارات اور ان کے جوابات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ یہ ہیں:

عالم رویا میں بیعت (ص ۵۳) محمد واحمد نام رکھنے کا جواز (ص ۵۴) ہنود کو السلام علیکم کہنا اور ان کے یہاں کھانا پینا (ص ۵۵) ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالسلام (ص ۵۸) دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا (ص ۵۹) لولاک لما خلقت الافلاک کیسی حدیث ہے (ص ۶۱) ذکر جلی کا حکم (ص ۶۴) مصارف مسجد کے لئے مسجد کی دکانوں سے انتفاع (ص ۱۱) قادیانیوں کا مذہب (ص ۷۷) دیہات میں نماز جمعہ (ص ۸۲) بنو ہاشم کو زکوٰۃ وصدقات (ص ۸۷) گھاس یعنی پھوس وغیرہ پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اس کے مصارف کیا کیا ہیں؟ (ص ۸۹) باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے، یا وصلی؟ اگر کوئی شخص قرآن شریف میں قد افلح کی جگہ قد فلح پڑھے، تو جائز ہے یا نہیں اور اس طرح کی قرأت سبعہ میں کسی سے مروی ہے یا نہیں؟ (ص ۱۰۵) اور اسی طرح کے دوسرے مسائل ہیں۔

آخر مضمون میں ایک استفسار اور ملک العلما کا جواب اور کچھ علما کی تصدیقات نقل کی جاتی ہیں۔

☆☆☆

”حضرت ملک العلماء نے اپنے فتاوے میں اس بات کا بھی التزام کیا ہے، کہ صورت مسئولہ کی تنقیح وتوضیح کرکے اس کے جزئیات اور متنوع پہلوؤں کی وضاحت کردیں تاکہ سائل کو اصل مسئلہ اور اس کے لواحق کو سمجھنے میں آسانی ہو۔“ (مفتی ابوالاخلاص قادری)

حضور ملک العلما: اپنے خطوط وفتاویٰ کے اجالے میں

از قلم: فیض احمد فیض

علیم وخبیر خدائے قدیر کا ہزار ہا ہزار شکر واحسان کہ اپنے بندوں کی رہبری کے لیے اپنے خاص بندوں کو پیدا فرماتا رہا اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت چلتا رہے گا۔ عالم اسلام میں ہندوستان کو فخر ہے کہ یہاں کی مردم خیز زمین بھی دنیا کے کسی ملک سے پیچھے نہیں۔ بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ علمائے ہند نے ہر دور میں حسب ضرورت گلشن علم وفن کی آبیاری اور خون جگر سے سینچائی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مگر ہمارا المیہ رہا کہ فرنگیوں کے بُنے سازشی جال کے شکار ہوتے رہے۔ عوام تو عوام خواص کی زبوں حالی اور بے حسی بھی محتاج بیان نہیں۔ اسلاف کے علمی سرمایہ سے زیادہ غیروں کی کتابیں لائق اعتنا سمجھی گئیں۔ فحش، گندے لٹریچر سے دل بہلائے جانے لگے۔ دوسری طرف علاقائی عصبیت، ذات پات کے جھگڑے کی بنیاد پر انا پرستی کے شکنجے میں جکڑے چلے گئے۔ ساتھ ہی انجام سے بے پرواہ سالاران قافلہ کے اشارۂ ابرو پر ایک دوسرے کے خلاف مواد اکٹھا کرنا اور کتابوں کا ڈھیر کرنا، ہمارا پسندیدہ مشغلہ بنا رہا۔ اگر فرصت نہیں ملی، تو اسلاف کے علمی کارنامہ اُجاگر کرنے کی۔ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ ملک العلماء کی روح پاک نے مولینا ملک الظفر کے نوکِ قلم کو آواز دی۔

ذیل میں پیش ہیں بطور تبرک حضرت ملک العلماء کے مکتوبات اور کچھ غیر مطبوعہ فتاوے، امید ہے کہ احباب اہل سنت کو نفع ہوگا۔ یہ تمام مکتوبات انہوں نے اپنے شاگرد رشید میرے دادا جان حضرت علامہ مولانا سید عزیز حسن رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ارسال کیے یا ان کے سوالات کے جوابات میں لکھے ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

الحمد لولی الحمد والرضا و الصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد واله الاتقیاء.

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت غراء ومفتیان شریعت بیضاء علی صاحبہا الصلوٰۃ والثناء ذیل کے مسائل میں:

۱) زید اس بستی کی جامع مسجد کا امام ہے، قرأت میں ع، غ، ش، ق اور دوسرے ہم آواز حروف میں فرق نہیں کرسکتا، حتی کہ اس قرأت پر مکتب کے وہ لڑکے جو تیسری جماعت میں پڑھتے ہیں، قوت حافظہ کا یہ حال ہے کہ پارہ عم کی آخری سورتیں بھی اچھی طرح یاد نہیں۔ الم نشرح اور انا انزلنا کی سورتوں میں بھی جملہ کا جملہ اور کبھی آیتیں چھوڑ دیتے ہیں، نماز کے اندر لقمہ دینے سے بہت ناگوار ہوتا ہے اور ان کے چند طرفدار لقمہ دینے والے سے جھگڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، امام صاحب نے ملا جماعت کی تعلیم پائی ہے اور چار سال کی مسلسل محنت پر بورڈ کا امتحان پاس نہ کرسکے، مگر اپنے کو فاضل سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں، لہٰذا عرض ہے کہ ایسے شخص کی اقتداء شرعاً جائز ہے اور جو لوگ ان کی اقتداء نہیں کرتے شرعاً گنہگار ہوں گے یا نہیں اور جو لوگ ایسے امام کی امامت پر زور دیتے ہیں یا ان کی امامت کی تائید کرتے ہیں۔ عند الشرع اس تائید کرنے والے کا کیا حکم ہے۔

۲) جو شخص کہ کسی مسجد کا امام مقرر کیا جائے کیا مفروض الطاعت ہو جاتا ہے، اور جو اس کی اطاعت نہ کرے گنہگار ہوگا، مثلاً زید ایک مسجد کا امام ہے وہ مسجد میں لوگوں کو کہتا ہے کہ چارزانو نہ بیٹھو یہ فرعون کی نشست ہے، مسجد میں دوزانو بیٹھو، کیا فرعون علیہ اللعن چارزانو بیٹھا کرتا تھا، اگر کوئی دوزانو نہ بیٹھے، تو کیا وہ گنہگار ہوگا کہ امام کی نافرمانی کی ہے۔

۳) نماز عصر اور نماز صبح کے بعد دعاؤں میں لوگ اپنا رخ داہنے جانب کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص بقیہ فرائض کے بعد بھی اپنا رخ داہنے یا بائیں جانب موڑ کر دعا کرے، تو یہ فعل صرف خلاف سنت ہوگا یا کسی گناہ کا بھی سبب ہوگا۔

۴) نمازوں میں کم از کم تین آیتوں کا جو چھوٹی یا ایک آیت کا جو بڑی ہو مثلاً آیت الکرسی شریف پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص نصف آیت پڑھ کر رکوع کر دے یا کبھی پہلی رکعت میں ایک کامل رکوع اور دوسری رکعت میں ایک چھوٹی آیت کا نصف پڑھ کر رکوع کر دے، تو مذکورہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔ حالانکہ دوسری آیتیں اسے یاد تھیں۔

حضور کا غلام، عزیز حسین الرضوی از مقام لکھن پور

۷ رشعبان المعظم

الـجـواب : نمبر۱: قرأت نماز میں فرض ہے، اور قرأت اس کا نام ہے کہ تمام حروف مخارج سے ادا ہوں کہ ہر حرف غیر سے ممتاز ہو، ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی، اس لیے کہ تھوڑا فرق کر دینے سے نہ صرف نماز باطل ہوتی ہے، بلکہ بہت جگہ زوال ایمان کا خوف ہے، قل هو الله احد ○ کہہ دیجیے کہ وہی اللہ ایک ہے۔ اس کو اگر آپ نے حائے حطی کی جگہ ہائے ہوز سے پڑھا قل هو الله اهد تو اس کے یہ معنی ہوئے کہہ دیجیے وہی اللہ پست ہے، نعوذ باللہ من ذالک۔ تو حروف صحیح طور پر ادا نہیں کرتا ہے اوسکی امامت درست نہیں اور جو لوگ ایسے امام کی امامت پر زور دیتے ہیں سخت گنہگار ہیں کہ لوگوں کی نماز خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نمبر۲: امام مسجد خلیفۂ وقت نہیں، کہ مفروض الطاعت ہو، رہا یہ کہ اگر کوئی بات جائز یا ادب کی سکھائے، تو خواہ مخواہ اس کی مخالفت بھی نہ کرنی چاہیے، رہا یہ کہ چارزانو بیٹھنا فرعون کی نشست تھی، اس کا ثبوت امام صاحب سے مانگنا چاہیے، کہ کس کتاب میں لکھا ہے، جو شخص دوزانو نہ بیٹھے گا گنہگار ہوگا۔ امام صاحب کو ایسے تشدد بیجا سے احتیاط کرنا چاہیے۔ ملفوظات حضرت مخدوم شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری بہاری مسمّی بہ معدن لعانی جلد دوم ص ۴۸۴ باب شصت دوم درذکر آداب میں ہے، خدمت قاضی اشرف الدین عرض داشت کہ درسراج العارفین ملفوظ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ آوردہ است کہ رسول علیہ السلام ہیچ وقت مربع نہ نشستہ بود معنی دریں چہ بود مخدوم عظمہٗ اللہ فرمود کہ واللہ اعلم ایں محمول در بیشتر احوال خواہد بود کہ در کافی آوردہ است کہ پیغامبر علیہ السلام در بعضے احوال مربع نشستہ است عامہ جلوس عمر رضی اللہ عنہ مربع بودہ ست در مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم و از امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ روایت است در جو ہر کہ نفل گزار شب مربع نشیند از اول صلوٰۃ تا آخر و آنکہ روایت ست در ہدایہ ولا یتربع فی الصلوۃ نہ باعتبار آنکہ مربع مشروع نیست بلکہ باعتبار آنکہ در وترک سنت ست و درانحالت نشستن بدوزانو بہمہ وجوہ و معانی ادب ست و نشستن مربع بروجہ رخصت ست ولہذا گفت در بعضے احوال حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مربع نشستہ است و دانی کہ شرعش این است ادبنی ربی فاحسن تادیبی صفت ادبش در تقریر کے آید و در تحریر کے گنجد الخ۔ واللہ اعلم۔

نمبر۳: سب نمازوں میں سلام کے بعد دعا کے لیے داہنے یا بائیں یا مقتدی کی جانب منہ کر کے دعا کرنا چاہیے۔ اس سے آدمی گنہگار بلکہ اسی طرح ہیأت نماز پر بیٹھے رہ کر دعا کرنا نہ چاہیے۔ حلیہ

شرح منیہ میں ہے سلام کے بعد سنت یہ ہے کہ امام داہنے یا بائیں کو انحراف کرے اور داہنی طرف افضل ہے اور مقتدیوں کی طرف بھی منہ کرکے بیٹھ سکتا ہے۔ جبکہ کوئی مقتدی اس کے سامنے نماز میں نہ ہو۔ اگرچہ کسی پچھلی صف میں نماز پڑھتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر۴: نماز میں ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں یا تین چھوٹی آیتوں کے قدر پڑھنا ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ ایک بڑی آیت جیسے آیت الکرسی یا اگر ایک رکعت میں اس کا بعض پڑھا اور دوسری رکعت میں بعض تو جائز ہے، جبکہ ہر رکعت میں جتنا پڑھا بقدر تین آیت کے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے، کہ ایسی صورت میں نماز ہو جائے گی۔ لیکن قرآن شریف یاد رہتے ہوئے تین آیتوں پر اکتفا کرنا بتاتا ہے، کہ اس کو نماز سے دلچسپی نہیں صرف اپنی گردن سے بوجھ اتارنا چاہتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدہ العاصی ظفر الدین قادری
عفی عنہ محمدن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک جواب خط ملاحظہ فرمایئے۔ جو ملک العلماء نے اپنے عزیز شاگرد کو لکھا ہے۔ اس خط سے ملک العلما کے کئی علمی و ذاتی پہلو سامنے آتے ہیں۔ خط طویل ہے۔ من وعن نقل کرتا ہوں۔

محمد ظفر الدین قادری غفرلہٗ
از میجرا ڈاک خانہ مدہور ضلع پٹنہ

بمطالعہ سعید ازلی عزیزی مولوی سید عزیز حسین صاحب سلمہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا خط مورخہ ۲۵ر رمضان المبارک مجھے مکان پر موصول ہوا۔ اس کے بعد ۳ر شوال کو میں مکان سے بانکی پور گیا۔ وہاں سے پھر ۶ر شوال کو واپس آیا۔ کاموں کی کثرت اور الجھن میں ایسا پریشان رہا، کہ خود آپ کو جواب نہ دے سکا۔ خیر آج آپ کو خط لکھتا ہوں، اس میں شک نہیں، کہ علمائے حرمین، محترمین نے قادیانی روافض اور دیوبند یہ سب کے کفر کا فتویٰ دیا اور ان کے احوال و اعتقاد کو کفر قرار دیا۔ بنظر غائر دیکھنے سے ایک فرق ان دونوں میں بہت ہی واضح ہے۔ وہ یہ ہے، کہ علمائے حرمین نے اور اعلیٰحضرت نے روافض اور قادیانی کے جن اقوالِ کفریہ کو کفر قرار دیا۔ یہ لوگ اس کو اقرار کرتے ہیں اور اس کو اپنا اعتقاد ظاہر کرتے ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، مثلاً روافض کے اقوال کفریہ میں، قرآن مجید کا معاذ اللہ محرف ہونا شیخین کا جنتی ہونا، کیا معنیٰ ان کے اسلام کا ہی انکار، اسی طرح قادیانیوں کے متعلق مرزا کا نبی ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کا افضل ہونا وغیرہا من الکفریات، تو یہ لوگ اسی کو اپنا اعتقاد ظاہر کرتے ہیں اور ہر رافضی اور قادیانی اسی قول کا قائل اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے تو قادیانی اور رافضی نہ ہوتا۔ مگر انہی اقوال کفریہ کا ماننے والا تو ان لوگوں کے لیے اس کی ضرورت ہی نہیں کہ فلاں کافر کو وہ مسلمان کہتا اور عدم کفر کی بنا پر اس کو کافر قرار دیا جائے۔ بلکہ ہر شخص ان کا اسی عقائد کفریہ کا قائل اور اس کا معتقد تو سب براہِ راست کافر ہیں، نہ اس وجہ سے کہ قادیانی نے اقوال کفریہ لکھے اور باقی ان کو مسلمان مانتے ہیں۔ اس لیے کافر ہیں۔ بلکہ ہر فرد کا وہی قول ہے وہی اعتقاد ہے بخلاف دیوبندیوں کے کہ وہ کچہری کے مدعا علیم کی طرح ہرگز اس کا اقرار نہیں کرتے اور اس عقیدۂ کفریہ کو اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ جس سے پوچھئے کہ تمہارا اعتقاد ہے کہ ہر صبی و مجنون و جمیع وحیوانات و بہائم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں مساوی ہیں، تو ہرگز ان لفظوں کا اقرار نہ کریں گے۔ اسی طرح اگر ان سے پوچھیے، کہ شیطان و ملک الموت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلم ہیں اور ان کا علم زیادہ ہے، تو زبان سے نہ کہیں گے، نہ اس کا اقرار کرتے ہیں، نہ اس موافق اپنا اعتقاد ظاہر کرتے ہیں، نہ ان

لفظوں کے ساتھ لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف بلاتے ہیں۔ بخلاف روافض و قادیانی کے اس لیے یہاں تمام دیوبندیوں کا ایک حکم نہیں۔ چونکہ علماء نے تصریح فرمائی، کہ جیسے کفریہ اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ یونہی کفر کا بول زبان سے بولنا بھی کفر ہے۔ اسی لیے جو لوگ ایسے کلمات کے قائل ہوں، جنہوں نے لکھا چھاپا، شائع کیا اور اچھا جانا اس لکھنے کو حق سمجھا وہ ضرور کافر ہیں۔ مگر جو دیوبندی یا غیر دیوبندی نہ اس کے قائل نہ اس کو حق مانتے ہیں نہ اس طرز تحریر کو پسند کرتے ہیں بلکہ اس طرز تحریر کو ناپسند کرتے ہیں وہ ان الفاظ کے قائل ہوئے ایسا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے کافر نہیں کہے جاسکتے۔ اگر ان کی تکفیر ہوگی، تو من شک فی کفرہ کی وجہ سے اس کے متعلق اپنی تحقیق اس پہلے خط میں آپ کو پورے طور پر لکھ چکا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ قادیانی اور روافض میں اور دیوبندیوں میں فرق یہ ہے کہ دیوبندیوں سے اختلاف ان الفاظ کی وجہ سے ہے۔ کیوں کہ ان الفاظ کفریہ کے مضمون کا وہ اقرار نہیں کرتے۔ مگر الفاظ ضرور لکھا ہے، اس لیے کافر کہتے ہیں۔ جب الفاظ کو واپس لے لیں، جھگڑا ختم ہوگیا، بخلاف قادیانی و روافض کے، کہ وہ خاص کسی قول و عبارت کی وجہ سے کافر نہیں، بلکہ ان کا تو یہی اعتقاد ہے، جن لفظوں میں بولیں گے، یہی بولیں گے اور جب طرز سے لکھیں گے، یہی لکھیں گے نہ کسی خاص لفظ پر جھگڑا نہ کسی خاص عبارت پر نزاع ہے کہ اس کے بدلنے سے وہ جھگڑا طے ہوجائے۔ علاوہ بریں عدم تکفیر سے یہ ضرور نہیں، کہ ان کے پیچھے نماز بھی جائز ہو۔ اس لیے کہ مفسدات نماز کا ارتفاع و فرائض و ارکان کا وقوع بھی، تو اس کے لیے ضروری ہے۔ تو دیوبندی چونکہ فروعاً حنفی ہیں۔ اس لیے کہ ان کی نماز کے فرائض و ارکان وہی ہیں جو ہمارے نزدیک ہیں اور مفسدات نماز ان کے یہاں بھی وہی ہیں جو ہمارے یہاں ہیں۔

بخلاف روافض و قادیانی کے کہ ان کی فقہ کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری، جس سے یہ معلوم کیا جاسکے، کہ ان کے یہاں ارکان و فرائض کیا ہیں، مفسدات نماز کیا کیا چیز ہیں۔

ہاں ایک مقدمہ میں بنارس جانا ہوا تھا، جو ایک مسجد کے بارے میں حنفیوں سے تھا۔ اس وقت ان کی فقہ کی کتاب فروع کافی دیکھنے سے معلوم ہوا، کہ ستر عورت ان کے یہاں صرف سوء نہیں ہے بس اور ستر کے معنی یہ ہے، کہ کسی طرح سے جسم کی رنگت بدل جائے، مثلاً نورہ لگا دیا جائے، تو جس کے یہاں صرف نہیں ہے، چونہ لگا دینے سے ستر عورت ہو جاتا ہو۔ ننگ دھڑنگ نماز پڑھے گا نماز ہو جائے گی۔ مگر ہمارے یہاں وہ بالکل ننگا ہے۔ ہرگز نماز نہ ہوگی۔ وعلی ہذا القیاس۔ دیگر مسائل فقہیہ کی بنا پر نماز کا فرق ظاہر ہوگا۔ میں بین گیا تھا۔ برادرم ولی سلمہ سے کہہ دیا تھا، کہ ایک لڑکا اور آئے گا، اس کا انتظام کرو۔ آج پھر اس کے متعلق لکھ دیتا ہوں۔ اطمینان رکھیے۔ آپ نے جو خط ولی کے خط میں مجھے لکھا تھا وہ مجھے نہیں ملا۔ استفتاء کا جواب اس وقت لکھنا بے سود سمجھتا ہوں اور آپ کا خط ۲۵؍ کا لکھا ہوا ۲۷؍ کو بانکی پور پہنچا پھر ۳۰؍ رمضان شریف کو شام کے وقت مجھے ملا۔ ورنہ فوراً میں جواب دیتا جواب خط سے بانکی پور کے پتہ پر روانہ کیجیے میں ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۴؍ شوال کو یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا۔ ۱۵؍ شوال بروز شنبہ کو مدرسہ کھلتا ہے یا اگر کوئی بات اس کے متعلق دریافت کرنا ہو اور جلدی ہو تو میجرا ہی کے پتہ سے لکھیے موضع میجرا ڈاک خانہ مدہور ضلع پٹنہ۔

دعا گو: ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ذیل کے مسائل میں جواب باصواب سے سرفراز فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

۱) تار، ٹیلی فون، ریڈیو، جنتری، علم نجوم و ہیئات کی خبر پر یا ریڈیو کے نشری اعلان پر ۳۰؍ شعبان المعظم کو یکم رمضان قرار دے کر

روزہ رکھنا اور ۳۰؍رمضان المبارک کی صبح کو عید کرنا جائز ہے جبکہ مطلع ابرآلود ہو؟

۲) ریڈیو سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گذشتہ شعبان کی ۲۹ کی شام کو چار عالم صاحبانِ ہوائی جہاز سے پرواز کرکے چار ہزار فٹ کی بلندی پر گئے اور وہاں دوربین لگا کر چاند دیکھا۔ پھر اس دنیا میں واپس آکر اعلان کیا کہ ہم لوگوں نے چار ہزار کی بلندی پر جا کر دوربین سے چاند دیکھا ہے، اس لیے اے دنیا والو تم کل سے روزہ رکھو۔ یہ واقعہ کراچی کا ہے، کیا علمائے مذکورین کا یہ فعل شریعت مطہرہ کے موافق ہے، اور ان کے نشری فتویٰ کے مطابق ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں پر ۳۰؍شعبان کو روزہ رکھنا واجب ہے، جب کہ ۲۹؍کا دن گذار کر شام کو ہر جگہ مطلع ابرآلود تھا اور کہیں بھی رویت نہیں ہوئی اور جو لوگ اس حکم کو نہ مانے اس پر عندالشرع کوئی مواخذہ ہے اور جو اس اعلان پر روزہ رکھے، اس کا روزہ رمضان میں شمار ہوگا اور اسے اجر صوم کی امید رکھنی چاہیے اور پھر اس اعلان والا روزہ دار ۳۰؍دن پورا کرکے افطار کرے یا نشری روزہ کو چھوڑ کر ۳۰؍روزے پورے کرے جبکہ مطلع ابرآلود ہو؟

۳۔ ہماری بستی مونگیر اور بھاگلپور سے تیرہ تیرہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں ۲۹؍شعبان کو مطلع ابرآلود تھا۔ بہت کوشش کی گئی، مگر چاند نظر نہیں آیا۔ بلکہ کہیں سے بھی رویت کی خبر نہیں آئی۔ اس لیے ۳۰؍دن شعبان کا پورا کرکے لوگوں نے روزہ رکھا وہ اتوار کا دن تھا۔ اور ۳۰؍شعبان سنیچر کے دن چاند بھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اب ۲۹؍روزہ پورا کرکے شام کو مطلع ابرآلود تھا، کوشش بلیغ کرنے پر بھی چاند نظر نہیں آیا۔ سوموار کے دن ۳۰؍رمضان کی صبح کو قریب کے ایک دیہات سے کہ وہاں ریڈیو ہے خبر آئی ہے، کہ ڈھاکہ، ممبئی اور دہلی میں کل عید ہے، پھر ایک غیر معروف شخص ننگے سر ٹھیونے تک دھوتی باندھے داڑھی منڈائے سلطان گنج کی طرف سے آیا سڑک پر ہم لوگ کھڑے تھے، کہ اس نے سلام کیا اس سے چاند کی خبر پوچھی گئی، تو بولا مَیں بردوان سے آ رہا ہوں۔ بنڈل اسٹیشن کے قریب گاڑی پر ہم نے چاند دیکھا ہے۔ میرے ساتھ چھ سات آدمی اور تھے، چاند دیکھ کر افطار کیا وہ شخص اپنی سسرال جا رہا تھا، پھر چند منٹ کے بعد ایک شخص بھاگلپور سے آیا اس نے کہا کہ کل مغرب کے بعد مَیں نے لوگوں سے کہا کہ چاند ہو گیا ہے اور کل عید ہے، ان تینوں بیان کو سن کر بستی کے چند لوگوں نے کہا، کہ تب تو عید ہونی چاہیے، اس بستی کے رہنے والے ایک سنی عالم نے جو دونوں گواہی کے وقت موجود تھے اور تمام دینی امور میں ان کی رائے پر عمل ہوتا تھا، فرمایا کہ ریڈیو اور تار وغیرہ کی خبر پر روزہ رکھنا اور افطار کرنا جائز نہیں ہے اور چونکہ پہلے شخص کی کوئی کیفیت معلوم نہیں ہے اور دوسرے شخص نے افواہی خبر بیان کی اس لیے انتیس روزہ کے بعد افطار جائز نہیں ہے۔ اس لیے عید نہ کی جائے، بستی کے پیش امام صاحب کے پوچھنے پر مولوی صاحب نے سب باتیں ان کو سمجھا دی، تو انہوں نے بھی مولوی صاحب کی رائے کو تسلیم کر لیا اور بات طے ہوگئی، کہ عید نہ منائی جائے مولوی صاحب کے اس جگہ سے چلے جانے کے بعد بستی کے امرا نے پیش امام صاحب پر زور ڈالا کہ نماز پڑھا دیجیے، ورنہ ہم لوگ ضرور عید منائیں گے اور دوسرے امام سے نماز پڑھوائیں گے اور آپ کو ہمیشہ کے لیے امامت سے معزول کردیں گے۔ مجبوراً امام صاحب نماز پڑھانے پر راضی ہوئے نماز پڑھا دی۔ نماز پڑھنے والوں میں بستی کے اکثر اشخاص شامل تھے محض چند حضرات جنہوں نے افطار نہیں کیا اور مولوی صاحب کی رائے پر قائم رہے اور دوسرے روز مولوی صاحب کی اقتداء میں عید کی نماز ادا کی، جن کی تعداد چھوٹے بڑے ملا کر تقریباً پچاس تھی۔

اب دریافت طلب یہ ہے، کہ از روئے شرع شریف ان دو

جماعتوں میں کون برسر حق ہے، ۳۰ رمضان کو عید منانے والی جماعت یا دوسرے دن افطار کرنے والی جماعت اور مولوی صاحب کا شہادت قبول نہ کرنا اور ریڈیو کی خبر کو قابل اعتبار نہ سمجھنا کہاں تک شریعت مطہرہ کے مطابق ہے اور پہلی جماعت یعنی امراء وعوام کا امام صاحب کو مجبور کرکے افطار کرانا شرع شریف کے موافق ہے اور مولوی صاحب نے جو روزہ رکھا اور لوگوں سے رکھوایا ان پر شریعت کا کیا مواخذہ ہے کیونکہ دوسرے دن خبر ملی کہ بعض جگہ رویت ہوئی چنانچہ مونگیر سے خبر آئی کہ وہاں رویت ہوئی تھی اور سوموار کے دن عید منائی گئی اور سوموار کے دن سوائے ریڈیو اور خبر واحد کے اس بستی میں کوئی خبر رویت کی نہیں آئی۔

۴) دو صاحب اعتکاف میں تھے، انہوں نے پہلی جماعت یعنی پیش امام صاحب کے ساتھ افطار نہیں کیا اور مولوی صاحب کی رائے پر اعتکاف میں رہے اتنے میں بستی کی تیسری جماعت جو پیش امام کے ساتھ جمعہ وغیرہ نہیں پڑھتی ہے اور اس جماعت کے رئیس و سردار نے اتوار کے دن اعلان کر دیا تھا کہ کل چاند ہو یا نہ ہو ہم لوگ عید ضرور کریں گے واضح ہو کہ دوسرے گواہ صاحب اس تیسری جماعت کے ممبر ہیں اور جمعہ کی نماز اسی جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں جامع مسجد میں عید کی نماز ادا کرنے آئی اور نماز کی امامت کے لیے ایک حافظ کو لایا جو دوسری بستی کے رہنے والے ہیں ان معتکفین نے ان سے پوچھا کہ ہم کیا کریں، اعتکاف سے نکل جائیں۔ جیسا حکم دیجیے حافظ صاحب نے کہا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اعتکاف سے نکل جایئے، ہاں نماز پڑھ لیجیے۔ چنانچہ دونوں صاحبوں نے روزہ رکھتے ہوئے نماز میں شریک ہوئے اور نماز کے بعد بھی افطار نہ کیا بلکہ دوسرے دن مولوی صاحب کی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، ان معتکفین کا اعتکاف کب تک رہا نماز پڑھنے کے بعد بھی روزہ رکھنا اور دوسرے دن بروز سہ شنبہ عید کی نماز پڑھنا اس کا کیا حکم ہے۔؟

۵ اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ مقدسہ میں تار، ٹیلی فون یا ریڈیو کا کوئی واقعہ ہوا ہے کہ حضرت قبلہ قدس سرہ نے ان کے عدم اعتبار کا فتویٰ دیا ہے، اور کسی سبب سے علماء حق اس کو عدم اعتبار سمجھتے ہیں، اور اب کہ پاکستانی علماء ریڈیو پر احکام شرعی خصوصاً رویت ہلال صوم وافطار کا اعلان کرتے ہیں تو پاکستان ہونے کی وجہ سے ان پر عمل واجب ہے جیسا کہ سوال نمبرا میں عرض کیا ہے؟

۶۔ جمعہ کے خطبہ ثانی کے بعد دعا ماثورہ اللھم رب ھذہ الخ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اکثر لوگ منع کرتے ہیں۔ یونہی عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنی جائز ہے یا نہیں، جیسا کہ پنجگانہ اور جمعہ کی نمازوں میں دعا کی جاتی ہے۔

۷۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے، کہ اگر رمضان کا روزہ ایک گواہ کی گواہی سے رکھا جائے، تو ۳۰ روزہ پورا کرنے کے بعد بھی افطار جائز نہیں، عند الشیخین علیہما الرحمہ اور جائز ہے عند محمد رحمۃ اللہ علیہ اور یہاں تو ۲۹ دن پورا کرکے افطار کیا گیا اور کرایا گیا، اب امراء وعوام اور بستی کے مولوی صاحب میں کون برسر حق ہے اور کس پر شریعت کا کیا مواخذہ ہے مطلع فرمائیں اور تیسری کے حافظ صاحب کا کہ اعتکاف میں رہتے ہوئے اور روزہ رکھتے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور صاحبان اعتکاف کا اعتکاف پورا ہو گیا یا قضا کرنا ہوگا۔

بینواء تو جرواجزاکم اللہ خیر الجزاء وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ وبارک و سلم۔

الراقم: حضور کا غلام

عزیز حسین عفی عنہ رضوی از موضع لکھنپور رڈاکخانہ اتر گنج وایہ سلطان گنج، ضلع بھاگلپور، ۲۱ر جولائی ۱۹۵۰ء جمعہ

الجواب: قبل تحریر جواب ان چند امور کا لکھنا مفید معلوم ہوتا ہے اور ان سے جواب مسائل پر کافی روشنی پڑے گی۔

لاؤڈسپیکر کے متعلق ملک العلماء کا فتویٰ

از قلم: مفتی محمد ارشاد ساحل سہسرامی، علیگ

لاؤڈسپیکر ایک بالکل نئی چیز ہے جس کا صریح حکم کتب احادیث وفقہ میں نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن خداوند عالم ہمارے فقہائے کرام کی قبور کو انوار سے بھردے۔ کہ مسائل کا بیان ایسے لفظوں سے فرمایا کہ بہت سے نئے مسائل کا حل انکی طرز تحریر و طریقہ تعبیر سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لاؤڈسپیکر کی وضع آواز کو بڑھانے اور دور تک پہنچانے کے لئے ہوتی ہے، لیکن آہستہ بھی جو بات کہی جائے یا جو بولی جائے اس کو دور تک پہنچادے۔ اور شرع شریف کا مشہور اصول ہے: الامور مقاصدھا. حدیث شریف میں ہے: انما الاعمال بالنیات و لکل امری مانوی امور کا اعتبار اس کے مقاصد سے ہے اور اعمال کا ثواب اس کی نیت پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملیگا جو اس نے نیت کی ہے۔ اس لئے ایک ہی کام ہے اگر اچھی نیت سے کریگا اچھا ہوگا، بری نیت سے کریگا برا ہوگا، تو جہاں شریعت کا مقصود اعلان اور اعلام ہو جیسے اذان وخطبہ، وعظ ونصیحت اس میں لاؤڈسپیکر لگانا نا جائز نہ ہوگا کہ یہ مقاصد شرع کی تکمیل وتعجیل ہے اور اصل غرض کی تاکید وتائید ہے یعنی اذان کی آواز دور دور تک پہنچے اور دور کے رہنے والے اس اذان کو سن کر جماعت میں حاضر ہوں۔ اور خطبہ و وعظ ونصیحت سے جس طرح نزدیک والے مستفید ہوں، دور والے بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ جیسے مقررین کی تقریروں کو نشر کرنے کے لئے تمام ہندوستان میں بلانکیر رائج ہے اور کسی عالم کو اس سے منع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن نماز کی عبادت محض ہے۔ ہر شخص کو خشوع وخضوع سے دربار الٰہی میں حاضر ہوکر عبادت الٰہی میں مشغول ہونا چاہیے کوئی ایسی چیز درمیان میں حائل نہ ہونا چاہیے۔ جو مانع خشوع وخضوع ہو اور لاؤڈسپیکر کی آواز اور اس کی گھڑگھڑاہٹ اور کبھی کبھی مہمل اور بے معنی الفاظ کا ظاہر ہونا، خیالات بانٹنے والا خشوع وخضوع کو مانع ہوگا، اس سے احتراز چاہیے۔

اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ نماز میں قرأت فرض ہے تو اس آلہ کے ذریعہ سے قرأت قرآن مجید کی آواز جہاں نہیں پہنچ سکتی، دور دور تک اس آلہ کے ذریعہ پہنچ جائے گی تو اس مقصد کے حاصل کرنے کو اگر لاؤڈسپیکر نماز میں لگایا جائے تو نا جائز نہیں ہونا چاہیے تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ پنج وقتہ نمازوں میں نصف قلیل یعنی ظہر وعصر میں تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ رہی وہ نماز جس میں قرأت جہری یعنی مغرب وعشاء، فجر، جمعہ، عیدین وغیرہ تو فقہائے کرام نے تو اس کے متعلق فرمایا: والجھر فیما یجھر والمخافتہ فیما یخافت یعنی جہری نماز میں قرأت جہر سے کرنا اور سری نماز میں قرأت آہستہ کرنا، یہ نہیں فرمایا کہ والاسماع قرأتہ للمصلین فما یجھر یعنی جہری نماز میں سب مصلیوں کو قرأت سنانا۔ رہا جہر مخافتہ کی حد کیا ہے۔ جہر یہ ہے کہ غیر سن سکے اور ادنی مخافتہ یہ ہے کہ خود سنے اور جو قریب ہو۔ در مختار ۳۸۲ میں ہے: ادنی الجھر اسماع غیرہ و ادنی

المخافتہ اسمع نفسہ من بقرہ ۔ علامہ شامی نے ردالمحتار ص ۲۹۵ میں قہستانی اور مسعودیہ سے نقل فرمایا: ان جھر الامام اسماع صف الاول ۔ جہر کرنے کے معنی یہ ہے کہ صف اول کے لوگ قرأت سن لیں۔ تو جب شریعت نے امام کے اوپر فرض نہیں کیا کہ سب مقتدیوں کو قرأت سنائیں تو اس کے لئے خواہ مخواہ تکلف کرنا اور ایک آلہ کا سہارا پکڑنا بے فائدہ بات ہے۔ خصوصا اس حالت میں جب کہ اکثر درمیان قرأت یہ آلہ فیل کر جاتا ہے اور طرح طرح کی واہی تباہی آوازیں مسموع ہوتی ہیں جو مقتدیوں کی پریشانی کا باعث ہوتی ہیں۔

علاوہ بریں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ سے جو آواز مسموع ہوتی ہے، وہ امام ہی کی آواز ہے یا امام کی آواز اس سے ٹکر کھا کر ایک آواز نکلتی ہے جس کو عربی میں صدا کہتے ہیں تو صدا کا حکم دوسرا ہے۔ اس لئے قرآن شریف پڑھتے وقت آیات سجدہ غیر کے پڑھنے سے پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہے لیکن اگر صدا سے آیت سجدہ سنا تو سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ درمختار ص ۵۶۹ میں ہے: لا تجب بسملہ من الھدی والطیر ومن کل قالہ صرفا ولا با لتھجی ۔ اشباہ شامی اسی صفحہ میں ہے: (قولہ من الصدی) ھو ما یجب مثل صوتک فی الجبال والصحاری و نحوھما کما فی الصراح۔ تو اس صورت میں امام کی قرأت نہیں بلکہ خارج سے ایک قرأت سن رہا ہے اور اس کی اقتدا کرتا ہے۔ اس صورت میں آلہ کو نماز میں لگانا اپنی نماز کو مشتبہ کرنا ہے، اس لئے احتراز ہی کرنا چاہیے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہ آلہ قرأت سنانے کو نہیں لگاتے ہیں بلکہ تکبیرات انتقالیہ تکبیر تحریر رکوع وقومہ وسجود کے لئے لگاتے ہیں تو یہ توجیہہ بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کا انتظام شریعت نے بذریعہ مکبروں کے کر دیا ہے۔ جہاں مختصر جماعت ہوتی ہو وہاں امام کی ہی تکبیرات کافی ہیں اور جہاں بڑی جماعت ہوتی ہے تو تیسری یا چوتھی صف میں مکبر متعین کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ امام کی تکبیرات کے ساتھ تکبیرات کہتے ہیں اور تمام مصلیوں تک پہنچتی ہیں۔ اس سے نظم درست ہو جاتا ہے اور سب لوگوں کو امام کی تکبیرات انتقالیہ کا علم ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اس میں سخت دقت یہی ہے کہ پہلی تکبیر تحریمہ کے لئے حسب تصریح فقہائے کرام یہ ضروری امر ہے کہ مکبر کی نیت تکبیر افتتاح سے صرف اعلام نہ ہو بلکہ احترام مقصود ہو۔ اگر صرف اعلام کے لئے مکبر نے تکبیر کہی اور تکبیر تحریمہ کہنا مقصود نہ تھا تو اس کی نماز نہ ہوئی اور ان لوگوں کی جنھوں نے اس کی تکبیر پر تکبیر کہی، اس لئے کہ اس نے ایسے شخص کی اقتدا کی جو داخل نماز نہیں ہے۔ ردالمحتار ص ۳۵۱ میں ہے: ثم اعلم ان الام اذا کبر الافتتاح فلا بد لصحتہ صلو تہ من قصدہ با لتکبیر الاحرام والا فلا صلوتہ لہ اذا قصد الا علام فقط فان جمع بین الا مرین بان قصد الاحرام والاعلان الا علام فذا لک ھو المطلوب منہ شر عا و کذا لک المبلغ اذا قصد التبلیغ فقط خا لیا عنی قصد الاحرام فلا صلوتہ لہ ولا لمن یصلی بتبلیغہ فی ھذہ الحا لۃ لا نہ اقتدی لمن لم یدخل فی الصلاۃ فا ن قصد بتکبیرہ الا حرام مع التبلیغ للمصلین فذا لک ھو المقصود منہ شر عا کذا فی فتاوی الشیخ محمد ابن محمد الغزی المقلب بشیخ الشیوخ وجھہ ان التکبیر الا فتتاح شرط اور کن فلا بد فی تحقیقھا من قصد الاحرام ای الد خول فی الصلاۃ۔

اس عبارت سے بہت واضح طور پر معلوم ہوا کہ مبلغ جب

پہلی تکبیر کہے تو اس کی نیت نماز شروع کرنے کے ساتھ زور زور سے کہنا اعلان کے لئے ہو اور اگر صرف اعلام ہی کی غرض سے مکبر نے تکبیر کہی تو اس کی نماز نہ ہوگی، اس لئے اقتدا غیر مصلی کے ساتھ ہوئی اور یہ بھی جائز نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص نے لاؤڈ سپیکر کی آواز پر تکبیر کہی، اس نے بھی غیر مصلی کے ساتھ اقتدا کیا، اس لئے کہ لاؤڈ سپیکر کو مصلی نہیں بلکہ وہ ایک آلہ بے جان ہے جو امام کی آواز سے ٹکرا کر ایک آواز پیدا کرتا ہے اور بجلی کی قوت سے صاف طور پر لوگوں کو سناتا ہے تو اقتدا کرنے والوں کی نماز درست نہ ہو گی، اس لئے کہ انہوں نے امام کی اقتدا میں نہ تکبیر کہی، نہ دیگر تکبیرات انتقالیہ بلکہ ایک غیر مصلی کی اقتدا کر کے قرأت اور تکبیرات سنی اور کہی۔ ایسی صورت میں لاؤڈ سپیکر نماز میں ہرگز نہ لگانا چاہیے۔ یہی قرین عقل اور مقتضائے فقہ ہے اور مقتضائے عقل وورع ہے، کیوں اپنی نماز کو بے وجہ خطرہ میں ڈالیں اور دوسروں کی نماز ضائع ہونے کا وبال اپنے سر لیں۔ واللہ اعلم جل مجدہ اتم و احکم

☆☆☆

"جہاں مختصر جماعت ہوتی ہو وہاں امام کی ہی تکبیرات کافی ہیں اور جہاں بڑی جماعت ہوتی ہے تو تیسری یا چوتھی صف میں مکبر متعین کر دئیے جاتے ہیں. یہ امام کی تکبیرات کے ساتھ تکبیرات کہتے ہیں اور تمام مصلیوں تک پہنچتی ہیں. اس سے نظم درست ہو جاتا ہے اور سب لوگوں کو امام کی تکبیرات انتقالیہ کا علم ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اس میں سخت دقت یہی ہے کہ پہلی تکبیر تحریمہ کے لئے حسب تصریح فقہائے کرام یہ ضروری امر ہے کہ مکبر کی نیت تکبیر افتتاح سے صرف اعلام نہ ہو بلکہ احترام مقصود ہو."

فتاویٰ ملک العلماء: ایک تجزیاتی مطالعہ

از قلم: مولانا ممتاز عالم رضوی، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، یوپی

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ملک العلماء ابو البرکات حضرت علامہ الشاہ سید محمد ظفر الدین قادری برکاتی قدس سرہ العزیز اپنے عہد کے صف اول کے علمائے اہلسنت میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت ریاست بہار کے ضلع نالندہ میں واقع موضع رسول پور میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی مبارک پر بزرگی، ہوشمندی اور ذہانت وفطانت کے آثار ہویدا تھے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

آپ پٹنہ اور کانپور کی متعدد تعلیم گاہوں میں اپنے وقت کے جلیل القدر اور نامور اساتذہ مثلاً: مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی (متوفی: ۱۳۳۴ھ) حضرت علامہ الشاہ احمد حسن کانپوری (متوفی: ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبد اللہ صاحب پنجابی (متوفی: ۱۳۴۳ھ) سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۲۱ھ کو بریلی شریف حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے، لیکن چونکہ وہ درپردہ سنیت کے خلاف کام کر رہا تھا، اسلئے آپ یہاں سے اوب کر مجدد اعظم، امام اہلسنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جہاں آپ ہی کے اصرار در اصرار پر ۱۳۲۲ھ میں مدرسہ منظر اسلام قائم ہوا۔ یہاں آپ نے اعلیٰحضرت سے بخاری شریف اقلیدس کے چھ مقالے تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی وغیرہ کا درس لیا۔ علاوہ بریں علم ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے اہم فنون میں بھی آپ ہی سے مہارت حاصل کی۔ اسی کے ساتھ فتویٰ نویسی کے آداب بھی سیکھے۔ تصوف کی مشہور ومعروف کتابیں رسالۂ قشیریہ اور عوارف المعارف بھی آپ نے اعلیٰ حضرت سے سبقاً سبقاً پڑھا با لآخر ۱۳۲۵ھ میں وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے اور ہندوستان کے سپہر علم وفضل میں نیر تاباں بن کر اپنی روشنی بکھیرنے لگے اور اپنے انوار وتجلیات سے اس کے خطوں کو مستفیض کرنے لگے اور تادم واپسی مسند ارشاد وتدریس کی زینت اور منصب تعلیم وتربیت کا وقار آپ کی ذات ستودہ صفات سے قائم رہا۔

حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز یوں تو ہیئت و توقیت اور حدیث میں زیادہ معروف تھے، لیکن آپ ایک بلند پایہ اسلامی وسیاسی دانشور، نامور مصنف ومحقق، زبردست مناظر ومقرر اور باریک بین، نکتہ سنج مفتی وفقیہ بھی تھے۔ فتویٰ نویسی میں آپ کو جو ثقاہت ومہارت حاصل تھی۔ اس کے ثبوت کے لئے صرف یہ ذکر کر دینا کافی ہے، کہ آپ نے حضرت مجدد اعظم قدس سرہ العزیز کی ہدایت پر منظر اسلام میں تقریباً چار سال تک تدریس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔

مقدمہ صحیح البہاری میں ہے:

"ان کی (حضور ملک العلماء کی) تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی،

تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے"۔(۱/۸)

آپ کے فقہی مقام و مرتبہ کا اندازہ آپ کے گراں قدر فتاویٰ سے بھی ہوتا ہے کہ کیونکہ آپ کی فقہی نگارشات اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ آپ آداب افتاء اور جزئیات فقہیہ پر نظر رکھنے والے ایک ماہر و ممتاز مفتی وفقیہ ہیں۔

مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی اپنی تقدیم مشمولہ "فتاویٰ ملک العلماء" میں رقمطراز ہیں۔

ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے:

۱) مذہب کے متون، شروح فتاویٰ پر اس کی گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو۔
۲) عرف ناس و حالات زمانہ سے باخبر ہو۔
۳) سوال فہم ہو، سائل کے خلجان اور اس کی الجھن کو سمجھ سکے۔
۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزئیات مفتیٰ بہا سے استناد کرے۔
۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی و محیط ہو۔
۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ سائل یا کوئی بد مذہب اس کے فتویٰ سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

ان اوصاف کا تذکرہ کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں۔

"ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں، تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو، کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درسگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی بین دلیل ہیں، کہ حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لئے سند و حجت ہیں"۔(مقدمہ: فتاویٰ ملک العلماء:۸)

فتاویٰ ملک العلماء کے سعادت مند مرتب حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مصباحی (ساحل سہسرامی) اپنے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں۔

" حضرت ملک العلماء (علیہ الرحمہ) آداب افتاء پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے"۔ (مقدمہ: فتاویٰ ملک العلماء:۳۸)

دوران طالبعلمی ہی میں آپ کو فقہ میں اس قدر لیاقت حاصل تھی کہ آپ نے اسی دور سے فتویٰ نویسی کا آغاز کر دیا تھا۔ فراغت کے بعد بھی آپ دیگر خدمات کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن چند وجوہ سے بریلی شریف میں قیام کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جا سکیں۔

آپ کے گرامی قدر صاحبزادے عالی جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب دام اقبالہ وائس چانسلر مظہر الحق عربی، فارسی یونیورسٹی پٹنہ و سابق صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اسی پہلو کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنی طالبعلمی کے زمانے ہی سے کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ ۱۳۲۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتویٰ ۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضل بریلوی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مصروفیات میں گوں ناگوں اضافہ ہو گیا لیکن فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا، گرچہ وقفے کے ساتھ ہی سہی، لیکن قیام بریلی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے

فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جاسکیں۔ اس میں ملک العلماء کی نقل مکانی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے، ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سیمابی کیفیت رہی۔ بعد کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے۔ چنانچہ زیرِ نظر مجموعے میں بھی شامل کئی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں"۔ (مقدمہ: فتاویٰ ملک العلماء: ۵)

اس تناظر میں یہ بات دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہوگئی، کہ "فتاویٰ ملک العلماء" آپ کے تمام فتاویٰ کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ غالباً صرف ایک چوتھائی حصہ کا ہی مجموعہ ہے۔ اگر آپ کے سارے فتاویٰ محفوظ ہوتے، تو مزید کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جاتیں اور اس طرح آپ کی علمی وراثت میں ہمیں ایک بہت بڑا اہم ذخیرہ مل جاتا۔ خیر جو کچھ حصہ محفوظ رہ سکا اور دیر سے سہی طبع ہو کر سامنے آیا ہے، وہ بھی بہت اہم سرمایہ ہے۔ بلاشبہ یہ مختصر مگر قیمتی علمی ذخیرہ ہے۔ فقہ کی معتبر اور مستند کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ہے۔ دورِ حاضر کے علماء واصحابِ افتاء کے لئے بھی یہ کتاب ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

فتاویٰ ملک العلماء کتاب وسنت کی تائیدات سے مزین ہے۔ تحقیق کے مواقع پر فتاویٰ میں تو احادیث رسول کا سیلِ رواں موجیں مارتا نظر آتا ہے۔ قواعد اصولیہ اور فقہی کلیات وجزئیات اور نظائر وشواہد بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اور آپ کے طرزِ استدلال اور حسن استنباط نے تو گویا سونے پہ سہاگا کا کام کیا ہے۔ اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے فتاویٰ بھی ہیں اور طویل بھی کئی اہم فتاویٰ مستقل رسالہ کے نام سے بھی اس میں شامل ہیں جو یہ ہیں:

۱) تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)
۲) عید کا چاند (۱۳۷۰)
۳) مواھب ارواح القدس لکشف حکم العروس (۱۳۴۴ھ)
۴) اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)
۵) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)
۶) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)

انشاء اللہ تعالیٰ قارئین کرام اس کتاب کی محققانہ اور مدلّلانہ فتاویٰ اور حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز کے اسلوب تحریر وتفہیم کے پاکیزہ جلوے دیکھ کر بے ساختہ یہ کہتے ہوئے نظر آئیں گے کہ

دامانِ نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چیں جمال تو ز داماں گلہ دارد

کوئی متعصب قاری بھی صرف اس کتاب کے ماخذ و مراجع پر ہی نظر کرلے، تو ضرور اس کے دل میں کتاب اور صاحب کتاب حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز کی علمی وفقہی حیثیت و اہمیت گھر کر جائے گی۔ آپ نے فتاویٰ نویسی میں تفسیر، حدیث، عقائد، اصول، فقہ، سیرت اور تصوف وغیرہ اہم علوم وفنون کی جس قدر کتابوں سے رجوع کیا ہے۔ انہیں فاضل مرتب حضرت مولانا ساحل سہسرامی صاحب نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں اس کتاب کے اخیر میں یکجا فرما دیا ہے۔ مرتب نے ہر کتاب کے ساتھ اس کے مصنف اور ان کی تاریخِ وفات کو بھی بیان کرنے کا التزام کیا ہے، جو فقہ وافتاء سے دلچسپی رکھنے والے افراد خصوصاً نو آموز مفتیوں کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ ان کتابوں کی اجمالی تعداد یہاں پر درج کی جاتی ہے۔

		تعداد
۱)	کتب تفاسیر	۳۲
۲)	کتب احادیث	۸۳
۳)	کتب عقائد، اصول فقہ	۱۸۹
۴)	کتب سیرت وتصوف	۳۴

مجموعی تعداد ۳۸۸

اس کتاب میں مندرجہ ذیل کل ۱۲ فقہی ابواب ہیں۔

۱) کتاب الطہارت	۳	(۲) کتاب الصلوٰۃ	۳۲
۳) کتاب الزکوٰۃ	۵	(۴) کتاب الصوم	۶
۵) کتاب النکاح	۲۱	(۶) کتاب الطلاق	۹
۷) کتاب السیر	۵	(۸) کتاب الوقف	۴
۹) کتاب القضاء	۱	(۱۰) کتاب الاضحیہ	۸
۱۱) کتاب الحظر والاباحۃ	۲۶	(۱۲) کتاب الفرائض	۶

علاوہ بریں ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں متفرق مسائل کا تذکرہ ہے۔

حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز تمام متداولہ علوم فنون میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ نفس سوختہ سے معمور ایک خوش طبع صوفی درویش بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحریروں میں صوفیانہ رنگ و آہنگ بھی صاف طور پر دکھائی دیتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مبارک ارشاد ہے:''من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسّق ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق'' یعنی جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیاء کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، وہ زندیق ہو گیا۔(مقدمہ: فتاویٰ ملک العلماء:۱۹)

آپ کا تصوف سے حد درجہ ربط و لگاؤ ہی ہے کہ آپ نے عام صوفیانہ روش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔ کتاب الحظر والاباحۃ مشمولہ فتاویٰ ملک العلماء میں اس نوعیت کے متعدد فتاویٰ درج ہیں، طوالت کے خوف سے یہاں صرف دو ہی نمونے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب کی طرف مراجعت کی جائے۔

تصوف کے نمونے: ص ۳۱۲ پر پیرو مرشد سے توجہ لینے، اولیاء کرام کے مکاشفہ اور بزرگانِ دین کے ہاتھ یا قدم چومنے کے متعلق کئے گئے ایک سوال کے جواب میں بڑے ہی محققانہ اور صوفیانہ انداز میں ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: توجہ لینا اپنے پیرومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ پر ہے۔''عن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس عن عبادۃ بن الصامت حاضر یصدقہ قال کنا عند النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فقط فقال ھل فیکم غریب یعنی اھل الکتاب؟قلنا لا یا رسول اللہ! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا الہ الا اللہ. فرفعنا ایدینا ساعۃ ثم قال الحمد للہ اللھم انک بعثنی بھٰذہٖ الکلمۃ ووعدتنی علیھا الجنۃ وانت لاتخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ قد غفر لکم۔''

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادہ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعاء فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے

ہیں۔ یاالٰہی! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا، کہ خوش ہو کہ اللہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔" (رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہما)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزیہ ہے، ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کے لئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ "ھل فیکم غریب" تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے پر بس نہ فرمایا، بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا، کہ غیر کا دخل نہ ہو۔ تو معلوم ہوا، کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی، جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

اولیائے کرام کے مکاشفہ کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا:

اولیائے کرام کا مکاشفہ بلاشبہ حق ہے۔ کتب تصوف اس سے مملوء و مشحون ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله"۔ تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے"۔ (رواه البخاری فی التاریخ والترمذی عن ابی سعید الحکم والطبرانی فی الکبیر و ابن عدی فی الکامل عن امامة وابن جرید عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهم ذکره الامام الجلیل السیوطی فی الجامع الصغیر ص: ۷)

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم فرماتے ہیں:

نظرت الی بلاد الله جمعا　كخردلة علی حکم اتصال

"میں نے خدا کے تمام شہروں کو بحکم اتصال رائی کے دانہ کی طرح دیکھا۔"

نیز فرماتے ہیں۔ "وان بوء بوء عینی فی اللوح المحفوظ" اور یقیناً میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہے۔ یعنی میں تمامی مکتوبات لوح محفوظ کو مشاہدہ کر رہا ہوں"۔ (بهجة الاسرار شریف)

"نفحات الانس فی حضرات القدس" کے صفحہ ۲۴۹ میں عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ می فرمود کہ حضرات عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین درنظر ایں طائفہ چوں سفرۂ ایست کہ ما می گوئیم کہ چوں روی ناخن است۔ ہیچ از ایشان غائب نیست"۔

یعنی سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے سوا اور مکاشفہ نام کس کا ہے؟

حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز اس کے بعد بزرگان دین، مرشدان عظام اور اساتذۂ کرام کی دست بوسی اور قدم بوسی کے متعلق فرماتے ہیں: "بیشک بزرگان دین، مرشدان عظام واساتذۂ کرام وآبائے کرام وبادشاہان اسلام ودیگر معززان واجب الاحترام کے دست و پا کا بنظر محبت اسلامی وتکریم چومنا جائز ودرست ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع باب المصافحۃ والمعانقہ ص ۴۰۲ میں ہے: "وعن زارع وكان فی وفد القیس قال: لمّا قدمنا المدینة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل ید رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ورجله"۔

یعنی مروی ہے زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ تھے عبدالقیس کی جماعت میں، کہا جب ہم حاضر ہوئے مدینہ میں، تو جلدی کی ہم نے اپنی سواریوں سے اترنے میں پس چوما ہم نے دست و پا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا"۔

شیخ محقق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی جواز تقبیل الرجل وجاء فی غیر هذا الحدیث ایضاً "(حدیث میں قدمبوسی کے جواز پر دلیل ہے اور اس کے علاوہ احادیث میں بھی یہ بات آئی ہے)۔
ردالمختار جلد ۵ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۷۸ س ۵ میں رسالہ علامہ شرنبلالی سے حدیث نقل کی:
"قال ثم اذِن له فقبل راسه ورجليه" (ماخوذ: از فتاوٰی ملک العلماء: ص ۳۱۲ تا ۳۱۴)

فتاوٰی ملک العلماء ص ۳۱۷ پر ایک طویل استفتاء ہے، جس میں ۱۲ ضمنی سوالات کئے گئے ہیں، ان میں ایک سوال ہے منقطع سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

"منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں۔ اس لئے کہ اصل مبدء فیض حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور یہ مشائخ کرام کی ذات بمنزلہ جداول نہر ہے۔ تو اگر جداول سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہے گا اور جو جداول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرابی ممکن نہیں۔

کتاب جامع الاصول فی الاولیاء میں ہے:
"والتعليم من شيخ ماذون اجازة صحيحة مستندة الى شيخ صاحب طريق وهو الى النبى صلى الله عليه وسلم"۔
یعنی تعلیم ایسے شیخ ماذون سے چاہئے جس کی اجازت مستند ہو شیخ صاحب طریق تک اوران کا طریقہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک مسلسل ہو"۔

سبع سنابل شریف میں ہے: "اے پسر! شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف است" یعنی اے لڑکے! طریقت میں بیعت کے صحیح ہونے کی شرط سلف کی اجازت ہے"۔ اسی میں ہے:

"اما نخست از شرائط پیری یکے آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد" دوم از شرائط پیری آنست کہ پیر درادائے حق شریعت قاصر و متہاون نہ باشد۔ سوم از شرائط پیری آنست کہ پیرارا عقائد درست بود موافق مذہب سنت و جماعت" واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوٰی ملک العلماء ص ۳۱۸-۳۱۹)

ترجمہ: پیری کے شرائط سے اول شرط یہ ہے، کہ پیر کا مسلک صحیح ہو (یعنی اس کا سلسلۂ بیعت تسلسل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو)۔ پیری کے شرائط سے دوسری شرط یہ ہے، کہ پیر حقوق شرع ادا کرنے میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کا عقیدہ صحیح و درست ہو، عقیدۂ اہلسنت و جماعت کے موافق ہو۔ بدمذہب نہ ہو۔ ۱۲

دیکھا، آپ نے حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز نے کیسے خالص صوفیانہ انداز اور کس قدر ٹھوس و مضبوط دلائل و براہین سے ان امور کو بیان فرمایا۔ تصوف کے ساتھ آپ کے فتاوٰی میں نقد ونظر کے جلوے بھی خوب ملتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بطفیل آپ کو نقد ونظر کی بھی خاص قسم کی صلاحیت و لیاقت عطاء کیا تھا۔ تیکھی تنقید کی جھلک آپ بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

تنقید کے جلوے: پیرو مرشد سے توجہ لینا، ان کا اپنے مریدین کو توجہ دینا، اولیائے عظام کے مکاشفہ کو صحیح جاننا اس کا قائل ہونا اور بزرگان دین، مرشدان عظام، اساتذۂ کرام، آبائے کرام، بادشاہان اسلام وغیرہم کی دست بوسی وقدمبوسی کو وہابیہ کفر یا شرک کہتے ہیں۔ ان کے اس عقیدہ پر تنقید کرتے ہوئے حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز بڑے ہی خوبصورت انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

......رہا حضرات وہابیہ کا ان سب باتوں کو کفر یا شرک

کہنا، ان سے ان کی کیا شکایت"، مثل مشہور ہے۔ الاناء یترشح بما فیہ۔ (یعنی برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے) ان بزرگوں کو آبائی ترکہ مسلسلاً عن النکنوی عن الدہلوی عن النجدی عن مجتہد المذہب الساذج، اسی شرک وکفر کا ملا ہے۔ اب اس کے سوا لوگوں کو کیا دیں اور کہاں سے دیں"۔ بات بات میں شرک وکفر نہ ہو تو پھر سولویت کیسی؟ جس کو ان کے کفریات کی بہار دیکھنا ہو، ان کی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھے۔ ہر ورق کیا ہر صفحہ میں کفریات بھری ہیں اور وہ کسی ایک دو کی تکفیر نہیں، عامہ، تامہ، شاملہ، کاملہ جس سے کوئی انسان کیا کوئی مخلوق بلکہ خالق تک مبرّا نہیں۔

(فتاویٰ ملک العلماء: ۳۱۲)

قارئین کرام! ذرا غور فرمایئے کس قدر رزالی اور تیکھی تنقید ہے یہ آپ کی، جس میں آپ حضرات طرز انشاء کی خوشگواری اور دلچسپی ہجو کے بلیغ نمونے بھی اچھی طرح دیکھ رہے ہیں۔

"اس کے بعد حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز مزید فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت ختام المحققین، مجدد مأۃ حاضرہ، سیدی وسندی، اعلیحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب "الامن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلا" میں ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے ثابت فرمایا کہ مذہب وہابیہ اگر حق ہے تو آدمیوں سے لے کر فرشتوں اور امتوں سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر خدا تک کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔ سب مشرک ومشرک گر ہیں۔ وہ قرآن شریف جو شرک کو بیخ برکندہ کرنے کے لئے آیا، معاذ اللہ ان کے (ان وہابیہ کے) طور پر شرک سے مملوء ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ توحید سکھانے کو مبعوث فرمائے گئے۔ عیاذاً باللہ ان کے مذہب پر سب خود مشرک ومشرک گر تھے۔ نعوذ باللہ من شرور الشیطان و الا بالسنۃ والدہ جاجلۃ اجمعین۔

اشراک نجدیین کہ ناحق برسد   مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

"قاتلہم اللہ انی یوفکون" (التوبہ: ۳۰ المنافقون: ع) اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ کنز الایمان واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ ملک العلماء ۳۱۵)

۱۹/ اگست ۱۹۵۱ء کو مراد آباد جمعیۃ علمائے ہند نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا تھا کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جا سکتی ہے۔ اس فتویٰ کے متعلق جناب قیس محمد خاں قادری رزاقی مرحوم، مغلپورہ پٹنہ سٹی نے ۲۲/ اگست کو حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز سے اپنے ایک طویل استفتاء میں آپ کی رائے گرامی دریافت کی تو آپ نے اس پر بہت ہی عمدہ تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

"ہر واقف کار جانتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند ایک سیاسی جماعت ہے اور سیاست ہی کے لئے اس کی وضع وتشکیل ہوئی تھی۔ اس نے آج تک جو کچھ کام کیا من حیث جماعت اسی دائرہ میں قدم رکھے ہوئے کیا، اگر چہ حصول مقصد انگریزوں کی ہندوستان سے روانگی اور حکومت ہند پر ہنود کے تسلط کے بعد بظاہر سیاست سے علیحدہ ہوگئی ہے، لیکن زمانۂ دراز سے مجلس بازی، رزولیوشن سازی کی جو عادت پڑ گئی ہے، ۱۸،۱۹/ اگست کے جلسہ میں بھی وہی روش اختیار کی۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے، کہ جمعیت علمائے ہند کے ۳۵/ افراد مراد آباد میں جمع ہوئے۔ لیکن انہوں نے عالمانہ طرز پر عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی فتویٰ تحریر نہ کیا، جس کے حکم کو قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ کی عبارات سے مدلل کرتے۔ بلکہ سیاسی طرز پر رزولیوشن سازی سے کام لیا۔ اگر چہ شرط در شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ سے وہ رزولیوشن علمائے محققین کے فتویٰ کے خلاف نہیں، لیکن عوام کو دھوکا اور ہر سال عیدین کے موقع پر ایک

جھگڑے کا نیا سامان پیدا کر دیا، کہ ہر عید میں جھگڑا ہوا اور لطف یہ کہ فریقین کے ہاتھوں میں جمیعت العلماء ہی کا فیصلہ ہوا اور دونوں اسی قرارداد سے سند پکڑے ہوئے سر پھٹول کر رہے ہوں"۔ (فتاویٰ ملک العلماء ص ۱۷۵)

پھر آگے جمیعت علماء ہند کے اصل فیصلہ کو تحریر کرنے کے بعد حضور ملک العلماء اس پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

"ہر شخص جانتا ہے، کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی پنچایت کا بلکہ جمیعت العلماء کے تین درجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ ہے اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار الجمعیہ سنڈے ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے دوسطری سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے" (سرخی یہ ہے)

"رویت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطۂ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جا سکتا ہے" آپ اس سرخی پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: "اس سرخی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آئی ہوئی خبر جمیعت علمائے ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی مضمون میں ہے: "ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جا سکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کر سکتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دے دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتنا نہیں۔ کیونکہ خبر دینے ولا ایک ایسا شخص ہوتا ہے، جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں، جو شرعی نقطۂ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی، جس کی بناء پر کسی خاص صورت کے علاوہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا"۔

اس عبارت کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں:

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے، کہ ریڈیو کی خبر کی حیثیت شہادت کی نہیں، بلکہ خبر کی ہے اور خبر بھی شخص واحد کی جو نہ جامع شرائط ہے نہ سننے والے اس کو جانتے ہیں، تو اس کو شہادت کی حیثیت ہرگز نہیں دی جا سکتی، بلکہ بعدِ شہادت فیصلہ و حکم علماء کا اس کے ذریعہ صرف اعلان کیا جا سکتا ہے، تو اس کی حیثیت ایک ڈگڈگی یا نقارہ کی سی ہوئی اور اناؤنسر اس کے ذریعہ نشر کرنے والا ہوا اور وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ مشروط اور ہر شخص مشروط حکم کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی حیثیت خواب میں سلطنت کرنے والے شخص کی ہے۔ جب خواب دیکھ رہا ہے سلطنت کے پورے سامان ہیں، آنکھ کھلی تو ہوا کا میدان۔ یہی حالت مشروط حکم کی ہے۔ اگر شرط پائی گئی حکم برقرار و موجود ورنہ ہباء منثور۔ اذافات الشرط فات المشروط اور جبکہ ایک شرط نہیں، بلکہ چند شرطوں کے ساتھ حکم مشروط ہو تو سب شرطوں کا پایا جانا ضروری ورنہ حکم بے سیاہ مرچ کا کافور ہوگا"۔ (ایضا ص ۱۷۶-۱۷۷)

اس کے بعد آپ نے اس فیصلہ کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان پر خاص طویل تنقید فرمائی جسے اس مختصر مضمون میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اخیر میں آپ نے فرمایا کہ "میرے خیال میں یہ فیصلہ لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشیں ہے
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے (ایضا ۱۷۹)

خلاصۂ بحث: کہاں تک بیان کیا جائے اور کیا کیا لکھا جائے۔ حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز اس قدر جامع شخصیت کے مالک تھے اور آپ کے فتاویٰ ایسے ایسے محاسن و خوبیوں سے مملو و مشحون ہیں کہ ان پر جس قدر لکھا جائے، پھر بھی آپ اور آپ کے فتاویٰ کا کما حقہ تعارف کرایا جانا باقی ہی رہے گا۔

☆☆☆

تنویر المصباح ایک تحقیقی مطالعہ

از: مولانا فہیم احمد ثقلینی ازہری، پرنسپل دارالعلوم فیضان شاہ ثقلین، قصبہ ککرالہ، ضلع بدایوں شریف، یوپی

زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ بہار وخزاں کے ہزاروں دور آتے جاتے ہیں۔ رب کریم کے فضل وکرم کی بارش ہوتی ہے۔ اس کا دریائے کرم موجزن ہوتا ہے۔ تب کہیں کوئی باکمال ہستی اور ممتاز شخصیت وجود میں آتی ہے جو فضل وکمال کا آفتاب بن کر دمکتی اور ماہتاب بن کر چمکتی ہے اور اپنے فیوض و برکات سے عالم کو فیضیاب کرتی ہے۔ عوام وخواص پر اس کا فیضان کرم برستا ہے۔ سبھی اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ مگر جب وقت آتا ہے، تو وہ ذوات قدسیہ آن واحد میں رخصت ہو جاتی ہیں اور ان کے وجود گرامی سے دنیا خالی ہو جاتی ہے۔ وہ فضل وکمال کا آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ زمانہ اسی رفتار پر چلتا رہتا ہے۔

انھیں صاحب فضل وکمال اور ممتاز اشخاص میں ایک نمایاں شخصیت اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم دین، جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف، بالغ نظر فقیہ اور ماہر مفتی حضور ملک العلماء حضرت علامہ مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہار ''رحمت حق تعالیٰ علیہ'' (۱۳۸۲ھ) بھی تھے۔

فقہ وفتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت ومہارت کے ثبوت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور مذہب حنفی کے فقید المثال وکیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں حنفی قادری فاضل بریلوی کے زیر سایہ کرم رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی اور پچپن سال تک اپنے فتاویٰ کے ذریعہ خلق خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔

حضرت ملک العلماء کا علمی قد کیا تھا، تلامذہ امام علام میں آپ کا کیا مقام تھا، ہم عصر علماء میں آپ کی کیا پوزیشن تھی، آپ کی ہمہ جہت شخصیت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا یہ مکتوب گرامی بہت کافی ووافی ہے۔ امام موصوف انجمن حزب الاحناف لاہور کے نام رقم طراز ہیں۔

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضروری کہوں گا: (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں۔ (۴) مصنف ہیں۔ (۵) واعظ ہیں۔ (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے ''زواجر'' میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے، فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا

چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔"

(حیات ملک العلماء صفحہ:۳۰)

ملک العلماء اور رسائل و مجلات:

راقم الحروف کے پیش نظر اس وقت اہل سنت و جماعت کے مختلف رسائل و جرائد اور مجلات ہیں، جو کم وبیش گذشتہ نصف صدی پر مشتمل ہیں۔ ۱۹۵۵ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک، جو عارف باللہ حضرت مولانا شاہ شرافت علی میاں نور اللہ مرقدہ قادری مجددی گکرالوی بریلی شریف کی خدمت کے حاضر باش محبوب العلماء مولانا اظہر علی خاں صاحب شرافتی قادری سابق چیئر مین گکرالہ نے راقم الحروف کو عنایت کئے۔ محترم چیئر مین صاحب کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے، کم ہے۔ جیسے ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف، ماہنامہ سنی لکھنؤ، ماہنامہ تاجدار کائنات رامپور، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ماہنامہ سلطان الہند اجمیر معلیٰ، ماہنامہ المیزان بمبئی، ماہنامہ نقیب حق بدایوں، ماہنامہ مظہر حق بدایوں، ماہنامہ مومن بدایوں، ماہنامہ حجاز جدید دہلی، ماہنامہ پاسبان الہ باد، ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف، ماہنامہ قاری دہلی، استقامت ڈائجسٹ کانپور وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ملک العلماء کی تاریخ وصال ۱۹ر جمادی الآخریٰ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۳ء ہے۔ ان رسائل میں حضرت ملک العلماء کے وصال اور ان کی خدمات کے تعلق سے ایک مضمون بھی نہیں ہے۔ راقم الحروف نے تمام رسائل کا بنظر غائر مطالعہ کیا، مگر مذکورہ بالا رسائل میں کچھ بھی پانے سے محروم رہا۔

حضور ملک العلماء سے قبل وبعد جتنے علماء ومشائخ نے وصال فرمایا۔ سب کے بارے میں کچھ نہ کچھ مواد اور ان کی علمی خدمات کے تعلق سے متعدد مضامین موجود ہیں۔ بعض علماء اہل سنت پر مستقل نمبرات بھی شائع ہوئے ہیں۔

ذہن کے پردے پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں؟ حضرت ملک العلماء کے ساتھ یہ متعصبانہ رویہ کیوں روا رکھا گیا؟ آخر آپ کے تعلق سے کیوں نہیں لکھا گیا؟ آپ کی حیات وخدمات کا اعتراف کیوں نہیں کیا گیا؟ یہ بات ان رسائل و جرائد اور مجلات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ جو میرے پاس موجود ہیں۔ اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

حضرت ملک العلماء محافظ سنیت، رضویات کے ماہر اور محقق اول اور مدون اول تھے۔ تلامذۂ امام موصوف میں ہر پہلو سے ممتاز اور نمایاں تھے۔ اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے اس عبقری شخصیت اور ماہر علوم نادرہ پر اب تک کوئی باضابطہ اور مستقل کام نہ ہوا، جہانِ ملک العلماء اس سلسلہ کی پہلی کوشش ہے، محبان حضور ملک العلماء خواب خرگوش سے بیدار ہوئے اور جہان ملک العلماء سے پہلے اگر چند کتابیں منظر عام پر آجاتیں، تو کتنا بہتر ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی بھی توفیق خیر مرحمت فرمائے آمین۔

یہ بہت بڑا المیہ ہے، کہ حضور ملک العلماء کے وارثین اور تلامذہ وخلفاء نے آپ کی تصنیفات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ تقریباً نصف صدی گذرنے کے باوجود دو کتابیں بھی اپنی کامل صورت میں ہمارے درمیان موجود نہیں۔ تلامذۂ امام موصوف میں حضور ملک العلماء کے علاوہ دوسری کوئی شخصیت ایسی نظر نہیں آتی، جس نے اتنے زیادہ موضوعات پر ہمارے لئے علمی مواد چھوڑا ہو۔ حضور ملک العلماء کی تمام تصنیفات کا مجھے علم نہیں ہے،

میری ناقص معلومات کے مطابق آپ کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے۔ جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں۔ بعض ایسے علوم ہیں کہ عصر حاضر میں ان علوم کے سمجھنے والے نایاب نہیں، تو کمیاب ضرور ہیں۔ ان علوم کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ مدارس سے رخصت ہو چکا ہے۔ آپ نے علم مناظرہ، علم عقائد وکلام، ہیئت وتوقیت، منطق وفلسفہ، حدیث، اصول حدیث اور فقہ، اصول فقہ میں شاندار خامہ فرسائی کی ہے، اور ہمارے لئے بیش از قیمت گراں قدر علمی ذخیرہ چھوڑا۔

حضور ملک العلماء جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ اور کامل صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ کی شخصیت کا مطالعہ چاہے، جس جہت سے کیا جائے، آپ ہر علم میں امام ہر فن میں یگانۂ روزگار تھے۔ آج بھی اگر آپ کی جملہ تصنیفات وتالیفات اشاعت کے مراحل سے گذر کر منظر عام پر آ جائیں، تو آپ آج بھی اہل علم کے اذہان وقلوب پر حکومت کرتے نظر آئیں گے۔

راقم الحروف کی نظر سے اب تک آپ کی دو کتابیں گذری ہیں، ایک فتاوی ملک العلماء اور دوسری الجامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری، فتاوی ملک العلماء میں یہ چھ فقہی رسالے بھی شامل ہیں۔

(۱) تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح ۱۳۳۰ھ

جماعت کی نماز میں امام اور مقتدی سب کو مکبر کے حی علی الفلاح کہنے کے وقت اٹھنے اور اس سے قبل بیٹھے رہنے کے ندب و استحباب پر یہ رسالہ تصنیف کیا گیا ہے۔

(۲) عید کا چاند ۱۳۷۰ھ رویت ہلال کے مسائل پر ہے۔

(۳) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب ۱۳۳۶ھ کھڑکی کا فیصلہ۔

(۴) اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد ۱۳۲۵ھ قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے تعمیر مسجد کا حکم

(۵) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب ۱۳۵۴ھ ایصال ثواب کے شرعی طریقے۔ اس میں ایصال ثواب کے پچیس طریقے مع دلائل کتاب وسنت تحریر فرمائے ہیں۔

(۶) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۴ھ عرس کے جواز کا ثبوت۔

راقم الحروف تنویر المصباح کی روشنی میں حضرت ملک العلماء کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ کی فقہی بصیرت اور محدثانہ عظمت پر کچھ جرأت ارقام کرے گا۔

حضرت ملک العلماء کا فقہی رسالہ ''تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح'' کتاب الصلوٰۃ کا پہلا فتوئ ہے، جو صفحہ ۸۱/ سے صفحہ ۱۰۵/ تک تقریباً پچیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں۔

حضرت ملک العلماء نے اس رسالہ کو چھ شکلوں پر تقسیم کیا ہے۔ جس سے کہ زیر بحث مسئلہ ہر جہت سے آشکارا ہو جائے اور مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔

شکل اول:

زیر نظر رسالہ کی پہلی شکل یہ ہے کہ امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں آ کر تکبیر شروع کی، تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہو جائے، مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو۔ شکل اول کے ثبوت میں حضور ملک العلماء نے سات فقہی کتابوں کے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ مثلاً درمختار، فتاویٰ عالمگیریہ، فتح اللہ المعین حاشیہ کنز ملا مسکین، جامع الرموز، بحر الرائق، ملتقی الابحر، مجمع الانھر۔

شکل دوم:

تنویر المصباح کی دوسری شکل یہ ہے کہ امام اور مکبر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام ائمہ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

اس شکل کے دلائل پانچ فقہی کتابوں سے نقل فرمائے ہیں۔ جامع الرموز، فتح اللہ المعین حاشیہ کنز ملا مسکین، فتاویٰ عالمگیریہ، درمختار، محیط۔

شکل سوم:

زیر بحث مسئلہ اقامت کی تیسری شکل یہ ہے کہ امام اور موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں، باہر ہے اور جانب قبلہ سے مسجد میں آ رہا ہے، تو نہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں، نہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے، بلکہ جب مقتدی امام کو دیکھ لیں، اس وقت کھڑے ہوں۔

حضور ملک العلماء شکل ثالث کو بھی سات کتابوں کے حوالہ سے مزین کرتے ہیں۔ چار کتابیں علم فقہ سے متعلق ہیں۔ درمختار، فتاویٰ عالمگیریہ، بدائع الصنائع، تبیین الحقائق، شرنبلالیہ دو حوالہ کتب حدیث سے پیش کئے ہیں۔ پہلا حوالہ صحیح البخاری کی مشہور شرح فتح الباری للامام ابن حجر العسقلانی مصری سے نقل کیا ہے۔ جب کہ دوسرا حوالہ امام ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی کی عالمی سطح پر مشہور کتاب التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد سے نقل کیا ہے۔ جس میں امام لکھنوی نے بخاری و مسلم کی ایک روایت جس کے راوی اعلیٰ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ہیں سے استدلال کیا ہے اور اپنا یہ موقف حدیث وفقہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔

شکل چہارم:

زیر نظر رسالہ میں شکل رابع یہ ہے کہ امام و موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آ رہا ہے، تو جس جس صف سے آگے گزرے گا، وہ لوگ کھڑے ہو جائیں، تکبیر شروع ہو... یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑا ہونے کا حکم نہیں۔

اس سلسلہ میں حضور ملک العلماء شکل رابع کو دس کتابوں کے دلائل سے مزین کرتے ہیں۔ درمختار، ردالمحتار، شرح درمختار للعلامۃ الحلبی، فتاویٰ عالمگیریہ، بدائع الصنائع، تبیین الحقائق، شرنبلالیہ، فتح اللہ المعین حاشیہ کنز ملا مسکین، بحرالرائق، طحطاوی علی مراقی الفلاح، یہ کتب فقہ حنفی کی مستند اور اصل ہیں۔

شکل پنجم:

اقامت کے سلسلہ میں پانچویں شکل یہ ہے کہ امام محراب کے قریب مسجد میں موجود ہے، مقتدی بھی موجود ہیں۔ تکبیر شروع ہو چکی ہے۔ بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے، تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہونچے، تب کھڑے ہوں اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ شکل خامس کے ثبوت میں حضور ملک العلماء نو حوالے سپرد قلم فرماتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ، جامع المضمرات، در مختار، ردالمحتار، طحطاوی علی مراقی الفلاح قهستانی، وقایہ، جامع الرموز، فتاویٰ بزازیہ، عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ۔

شکل ششم:

تکبیر و اقامت کے سلسلہ میں آخری اور چھٹی شکل یہ ہے کہ امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موذن غیر امام ہے جو صورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ کرام، فقہاء

عظام اور مجتہدین ذوی الاحترام کے پانچ اقوال ہیں۔

قول اوّل:

اس مسئلہ میں پہلا قول سیدنا حضرت امام محمد بن ادریس شافعی مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام النقباء، سیدنا حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور ان کے ساتھ علماء کی ایک جماعت ہے اور وہ قول یہ ہے کہ امام و مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، صرف مکبر کھڑا ہو اور تکبیر کہے، جب تکبیر سے فارغ ہو جائے، تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔ امامین کے اس قول کی تائید میں کتب حدیث سے پانچ حوالے سپرد قرطاس فرماتے ہیں۔ عمدة القاری للامام بدر الدین العینی، ارشاد الساری للامام شهاب الدین القسطلانی، نووی شرح مسلم، التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد، للامام ابی الحسنات اللکنوی، اور مبسوط للام السرخسی۔

قول دوّم:

یہ دوسرا قول سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ جس وقت مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے، اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے۔

قول ثانی کی تائید میں کتب حدیث و شروح حدیث سے آٹھ حوالے زینت قرطاس ہیں۔ نووی شرح مسلم، عمدۃ القاری للامام بدر الدین العینی تین جگہ، فتح الباری للامام بن حجر العسقلانی چوتھے حوالہ کے ضمن میں ایک روایت ابن منذر اور ایک روایت سعید بن منصور سے بھی نقل کی ہے۔ ساتواں حوالہ مصنف سے نقل کیا ہے مگر یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ مصنف ابن ابی شیبہ ہے یا مصنف ابن عبد الرزاق یا اس کے علاوہ کوئی تیسرا۔

قول سوم:

تیسرا قول سیدنا امام زفر اور سیدنا امام حسن بن زیاد کا ہے، جو قول ثانی سے قریب تر ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوۃ کہے، تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔

اس قول ثالث میں چھ حوالہ سپرد قرطاس ہیں۔ عمدة القاری للامام بدر الدین العینی بدائع الصنائع، رد المحتار، ذخیرہ جامع الرموز، محیط۔

قول چہارم:

حضرت ملک العلماء رقم طراز ہیں کہ چوتھا قول امام دار الهجرۃ سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ تحدید وقت کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی، امام موصوف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ تکبیر میں کھڑے ہونے کے سلسلہ میں مقتدیوں کے احوال و کوائف کی رعایت کی جائے۔ اس وجہ سے ائمہ مالکیہ کا آپس میں اختلاف ہے لیکن جمہور ائمہ مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ تکبیر ختم ہونے کے بعد امام و مقتدی کھڑے ہوں۔

حضور ملک العلماء، مذہب مالکی کے مطابق کتب حدیث سے چھ حوالے رقم فرماتے ہیں۔ عون المعبود شرح سنن ابی دائود للعظیم آبادی، فتح الباری للامام ابن حجر العسقلانی، عمدة القاری للامام بدر الدین العینی، نووی شرح صحیح مسلم، التعلیق الممجد للامام اللکنوی، شرح مؤطا للامام الزرقانی، مذکورہ بالا کتب کی روشنی میں امام مالک اور علماء مالکیہ کے تین قول ہیں۔ (۱) اصل مذہب اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ مقتدیوں کو ضعف و قوت کے

اعتبار سے کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔ (۲) عام علماء مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہو جائیں۔ (۳) اکثر علماء مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ تکبیر ختم ہونے کے بعد کھڑے ہوں۔

قول پنجم:

امام الائمہ سراج الامہ کشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے شاگرد امام شافعی کے استاذ امام الفقہاء، سیدنا امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام ومقتدی سب کھڑے ہوں۔

حضرت ملک العلماء نے امام اعظم کے مذہب کی تائید میں پچاس کتابوں کے حوالے زینت فتویٰ فرمائے۔ جس میں تقریباً سات کتابیں علوم حدیث سے متعلق ہیں۔ مابقیہ فقہ اصول فقہ سے تعلق رکھتی ہیں وہ چار کتب حدیث یہ ہیں۔ عمدة القاری للامام بدرالدین العینی، فتح الباری للامام ابن حجر العسقلانی، نووی شرح صحیح مسلم ارشاد الساری للامام القسطلانی، عون المعبود للامام العظیم آبادی، مرقاة المفاتیح للامام علی القاری، مؤطا للامام محمد۔

مذہب حنفی کی مؤید ما بقیہ فقہی کتابیں یہ ہیں۔

تنویر الابصار، ردالمحتار، کنزالدقائق، نورالایضاح، الاصلاح للوقایه فی الفروع، فتاویٰ ظهیریه، بدائع الصنائع درر الاحکام، غرر الاحکام، عیون المذاهب، فیض، وقایه، نقایه، الحاوی للفتاویٰ المختار، ملتقی الابحر، ذخیره، مراقی الفلاح، طحطاوی علی مراقی الفلاح، الایضاح، تبیین الحقائق، فتح الله المعین حاشیه شرح کنز ملامسکین، بحرالرائق، مجمع الانهر، محیط، فتاویٰ هندیه، جامع الرموز، فتاویٰ بزازیه، حاشیه شیخ شلبی علی تبیین الحقائق، الوجیز للامام الکردری، مبتغی، الدرر المنتقی شرح الملتقی، عینی شرح کنز، شرح الیاس، مبسوط للامام السرخسی، کتاب الاثار للامام محمد، عمدة الرعایه حاشیه شرح وقایه.

حضور ملک العلماء نے "تنویر المصباح للقیام عندحی علی الفلاح" میں ایک سو گیارہ دلائل مع حوالہ تحریر فرمائے ہیں جن میں پچیس حوالے کتب علوم حدیث سے نقل کئے ہیں بقیہ فقہ اصول فقہ کی معروف ومشہور معتبر ومستند کتابوں سے نقل فرمائے ہیں۔ آپ نے اس مسئلہ میں جس شرح وبسط اور تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے، وہ صرف حضرت ملک العلماء کے قلم کا حصہ ہے، ایک سو گیارہ حوالوں کے علاوہ اور بھی ضمنی حوالہ جات موجود ہیں۔ ضمنی حوالوں میں تیرہ حوالے کتب حدیث سے ہیں اور کچھ ضمنی دلائل فقہ اصول فقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

فقہ اور فقیہ کی تشریحات کی روشنی میں اور تنویر المصباح کے مطالعہ کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں، تو حضرت ملک العلماء ایک ممتاز فقیہ اور زبردست مفتی نظر آتے ہیں۔ فتویٰ تحریر کرتے وقت جب آپ تفسیر وحدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں، تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتب حدیث، طرق حدیث، اسنادِ حدیث، اختلاف الفاظ حدیث، اسماء رجال حدیث، تضعیف حدیث اور تصحیح حدیث پر حضور ملک العلماء کی نظر بہت وسیع تھی۔ گیارہ حدیث کی کتابوں سے پچیس سے زائد حوالے

اسی رسالہ میں موجود ہیں۔ ایک مضمون کی متعدد حدیثیں مختلف طرق سے پیش کر جاتے ہیں۔ حضرت ملک العلماء کے فتویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے ملتے ہیں، جو آپ کے علم اور وسعت مطالعہ کا روشن ثبوت ہے۔

زیر نظر رسالہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ آپ صرف مذہب حنفی کے ماہر اور مفتی نہ تھے، بلکہ مذاہب اربعہ پر مالہ ماعلیہ حاوی تھے۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ کرام کے مسلک اختلاف مذاہب اور ان کی مستدل احادیث آپ کے سامنے ایک کھلی کتاب تھی آپ نے ہر شق اور ہر پہلو پر اتنی زبردست بحث کی ہے کہ معترض اور مخالف کو مجال دم زدن نہیں رہتا اور نہ اس کے پاس اعتراض کے لئے کوئی موقع رہتا ہے۔

ڈاکٹر محمد مختار الدین احمد آرزو ''تنویر المصباح'' کے تعلق سے مقدمہ صحیح البہاری میں ارقام فرماتے ہیں کہ اس رسالہ پر ایک سو اسّی مشاہیر علماء ہند کی تصدیقات موجود ہیں، مگر یہ تصدیقات ''فتاویٰ ملک العلماء'' میں اس رسالہ کے ساتھ شائع نہیں ہوئی ہیں۔ اگر وہ موجود ہوتیں، تو ناظرین وقارئین ان کی زیارت کرتے اور اس رسالہ کی قدر و منزلت اور اہمیت میں مزید اضافہ ہوتا۔ جب وہ تصدیقات اس رسالہ کی زینت ہیں، آخر انہیں شامل اشاعت کیوں نہیں کیا گیا؟

ایک نظر ادھر بھی:

تمام اہل سنت و جماعت کی یہ حرماں نصیبی اور محروم الفیضی ہے کہ تصانیف حضور ملک العلماء کی اشاعت نہ کر سکے اور آپ کے علمی فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض نہ ہو سکے بمشکل تمام ''صحیح البہاری جلد دوم'' اور ''فتاویٰ ملک العلماء'' منظر عام پر آ سکے، راقم الحروف نے ''تنویر المصباح'' کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علامہ ساحل سہسرامی نے فتاویٰ ملک العلماء، بہت عجلت اور لاپرواہی سے شائع کیا ہے۔ بغیر پروف ریڈنگ اور نظر ثانی کئے بغیر شائع کر دیا ہے اور اس رسالہ میں پروف ریڈنگ کی تیس غلطیاں ہیں، جو اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ سہسرامی صاحب نے اشاعت میں توجہ سے کام نہیں لیا ہے، آپ کی خدمت میں بصد ادب و احترام عرض ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا خیال رکھیں، اگر میری تحریر باعث آزار ہو، تو گستاخی معاف فرمائیں۔

کچھ صحیح البہاری کے بارے میں:

جب ہم کتب حدیث کے مدونات و مصنفات پر نظر ڈالتے ہیں، تو کوئی ایسا مجموعہ حدیث نظر نہیں آتا، جو فقہ حنفی کی مستدل احادیث کا مجموعہ ہو۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث سب کی سب علماء شوافع کی ہیں۔ جن میں احناف کی مؤید احادیث نہیں ہیں۔ اگر ہیں بھی تو رد و انکار کے ساتھ۔ جس کی وجہ سے آج پوری دنیا میں مسلک حنفی متہم ہے اور یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ مسلک حنفی ذاتی آراء اور قیاس پر مبنی ہے۔ قیاسی، صاحب الرائے اور اہل الرائے جیسے نازیبا کلمات کا استعمال کیا جاتا ہے کہ احناف کا حدیث سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنفہ میں مستقل ایک باب اسی موضوع پر رکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ علم حدیث سے کورے تھے۔ اسی طرح کے بعض مسائل امام خطیب بغدادی نے بھی اپنی کتاب تاریخ بغداد اور دیگر کتابوں میں بھی اٹھائے ہیں۔ اس طرح کے اعتراضات کے جوابات امام زاہد الکوثری دمشقی نے النکت الطریفة اور تانیب الخطیب میں کافی و شافی دیئے ہیں۔ بلفظ دیگر اینٹ کا جواب بندوق سے دیا ہے۔ امام زاہد الکوثری دمشقی نے اپنی دیگر تصنیفات اور ان کے تلمیذ رشید علامہ عبد الفتاح ابوغدہ زاہدی حلبی نے اپنی تمام تصنیفات میں

احناف کی طرف سے دفاع کیا ہے، یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے یہاں پر اشارہ کرنا کافی ہے۔ مقصود نگارش یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم سے لے کر اب تک (ھذا ما عندی) احادیث کا کوئی مجموعہ ایسا نہیں ہے، جو مسلک حنفی کی مستدل اور مؤید احادیث کا ذخیرہ اور مجموعہ ہوا اور ان اعتراضات کا کافی ووافی جواب ہو۔

اللہ تعالیٰ حضرت ملک العلماء کے مرقد انور کو منور فرمائے کہ آپ نے تن تنہا عمر عزیز کا بیشتر حصہ اس کتاب کی جمع و تدوین اور ترتیب میں صرف کیا اور فقہ حنفی کی مستدل احادیث جمع کیں اور اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ اصول فقہ حنفی کے تمام جزئیات اور قواعد احادیث میں موجود ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔

صاحب ثروت علماء کرام اسباب و وسائل کے حاملین مشائخ عظام کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ اولین فرصت میں ''الجامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری'' کی اشاعت کے بارے میں غور و فکر کریں۔ جلد دوم جس حالت میں ہمارے سامنے موجود ہے، اس سے مقصد پورا نہیں ہوسکتا، بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق جدید طرز پر تخریج، تبویب اور ترتیب کی اشد ضرورت ہے۔ جب ہم عالم اسلام کے علمی مرکز کعبۃ العلم والعلماء منارۃ العلم'' جامعۃ الازہر الشریف'' مصر کے علم دوست ماحول میں صحیح البہاری کی زیارت کرتے ہیں، تو دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے کہ ازہر شریف میں علوم حدیث کے ماہرین کی ایک عظیم الشان جماعت موجود ہے جو کتاب وسنت کی خدمت اور نشر و اشاعت میں شب و روز ہمہ تن مصروف ہے، جب علماء ازہر شریف تک صحیح البہاری جدید اشاعت کے بعد اپنی کامل واکمل صورت میں پہنچے گی تو وہ داد و تحسین سے بھی نوازیں گے اور جب فقہ حنفی کی مؤید و مستدل احادیث کی زیارت کریں گے، تو متعجب اور حیران بھی ہوں گے۔

جملہ علماء کرام اہل سنت و جماعت کی خدمت میں بصد ادب و احترام بعد از قدم بوسی عرض ہے کہ صحیح البہاری کو اولین فرصت میں تخریج کر کے شائع کرنے کا عزم مصمم فرمالیں اور فقہ حنفی کی خدمت میں ایک نئے باب کا اضافہ کریں اور احناف کے مخالفین کا منہ بند کردیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ملک العلماء کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے اور آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

ملک العلماء خود ارشاد فرماتے ہیں:
''حضور اعلیٰ حضرت نے مجھے اپنے تمام علوم کا وارث بنایا ہے۔''

ملک العلماء اور عرس کی شرعی حیثیت

از قلم: مفتی آل مصطفیٰ مصباحی کٹیہاری، جامعہ امجدیہ گھوسی

عُرس و فاتحہ اور میلاد و قیام کا تعلق اصول عقائد سے نہیں، بلکہ یہ فروعی مسائل ہیں۔ اہلِ سُنّت انہیں فرض اور واجب بھی نہیں کہتے صرف جائز و مستحسن مانتے ہیں۔ لیکن وہابیہ انہیں نہ صرف حرام و ناجائز بلکہ کفر و شرک گردانتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر و مشرک سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مسائل اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کی اصلیت و حقیقت سے ناآشنائی نے مخالفین کو تکفیر مسلم جیسے عظیم ترین وبال و گناہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان کی افترا پردازیوں، گستاخیوں سے نہ ذاتِ باری محفوظ رہی اور نہ ہی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کا دامنِ عصمت و عظمت مامون و محفوظ رہا۔ اور ان افکار فاسدہ اور عقائد باطلہ کی ترویج کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے۔ امتِ مسلمہ کی وحدت و یگانگت کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا، اور امت کی تعمیری صلاحیت تخریب کی نذر ہوگئی۔

عرس سے متعلق سردست چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں جن سے ان کے عقائد و افکار کا بھرپور اندازہ ہوگا۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی "تقویۃ الایمان" میں لکھتے ہیں:

مشکل کے وقت پیروں، پیغمبروں، اماموں، شہیدوں اور فرشتوں کو پکارنا شرک، ان سے مرادیں مانگنا شرک، منّتیں مانگنا شرک، حاجت برآری کے لیے ان کی نذر و نیاز شرک۔ (ملخصاً ص:۵)

صاحبِ "تقویۃ الایمان" جب اس وضاحت سے مطمئن نہ ہوئے تو چند صفحے بعد مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو سفارشی ماننے والے مسلمانوں پر کفر و شرک کا فتویٰ اس طرح صادر کیا۔

"جو کوئی کسی سے یہ معاملہ (پکارنا، منت مانگنا، نذر و نیاز کرنا، وکیل اور سفارشی ماننا) کرے گا گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے۔ سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔" (ص ۱۰)

عرس واعراس کا معاملہ شرک و بدعت ہی تک محدود نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ابن عبدالوہاب نجدی کی طرح مولوی اسمٰعیل دہلوی نے بھی اولیاءِ کرام کے مزارات کو بت خانوں سے تعبیر کیا۔ حتیٰ کہ دہلی کے جلیل القدر بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پاک کو ڈھانے کی مکمل سازش بھی کر لی۔

چنانچہ وحید احمد مسعود اپنی تصنیف 'سید احمد شہید کی اصل تصویر' میں رقم طراز ہیں:

"تقویۃ الایمان اور صراطِ مستقیم نامی کتابوں کا ذکر کرتے ہی خانقاہی حلقے وہابیت کے خطرے سے چونک پڑتے ہیں، اور ان کے سامنے وہ روایت آجاتی ہے کہ شاہ اسمٰعیل جب سکھوں سے لڑنے جانے لگے، تو دلّی میں انہوں نے درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی بابت کہا۔ "سکھوں کی مہم سے فارغ ہو جاؤں، تو اس بت خانے کو بھی ڈھاؤں گا۔" (ص:۸،۹)

یہ ہے وہابیت کی ترویج و تبلیغ! جس سے ہر زندہ ضمیر اور صحت مند شعور رکھنے والا آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جس مذہب کی

بنیاد اللہ ورسول کی شان میں گستاخی اور اولیائے کرام کی بے حرمتی پر ہو اس مذہب کے عقائد ونظریات کیا ہوں گے؟ اگر ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص عرس وفاتحہ یا میلا د وقیام کو شرک وبدعت قرار دیتا ہو، تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں۔

علمائے اہلسنّت نے تحریر وتقریر کے ذریعہ ہر دور میں ان افکار فاسدہ اور عقائد باطلہ کا رد بلیغ کیا اور قوم مسلم کی صحیح رہبری فرمائی۔

عرس سے متعلق زیر نظر کتاب "مواهب ارواح القدس لكشف حكم العرس" ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ کی ہے، جو ایک بالغ نظر مفکر اور دیدہ ور مفتی ومحدث تھے۔ جنھوں نے امام اہل سنّت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے براہِ راست علمی وروحانی فیوض حاصل کر کے اپنے کو مستنیر کیا۔ مختلف علوم وفنون پر ان کی تحقیقی تصانیف ان کے علم وفضل کی کھلی شہادت دیتی ہیں۔ ملک العلماء علیہ الرحمہ کی تصانیف کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ انداز تحریر اور طریق استدلال میں امام اہلِ سنّت علیہ الرحمۃ والرضوان کی فکر بلیغ کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ جس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں، اس کے تمام اطراف وجوانب اور مضمرات ونتائج پر سیر حاصل بحث ہوتی ہے۔ کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہیں رہتا۔ عرس کا موضوع ایک خشک موضوع ہے۔ مگر ایک استفتاء کے جواب میں آپ نے اس مسئلہ پر جس نئے اسلوب کے ساتھ بحث کی ہے اور اپنے موقف ومسلک کو جن دلائل وشواہد کے ساتھ مبرہن کیا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ کتاب کی اہمیت وافادیت اور صاحب کتاب کی بصیرت وبصارت پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان الفاظ کریمہ کے ساتھ اس کی تصدیق جلیل فرمائی ہے۔

سمعت هذه الرسالة الغلالة لذى فضل ونبالة الولد الأعز الأغر قرة عيني وبهائي وديني الفاضل المولوى ظفر الدين جعله الله كاسمه ظفر الدين ومن حماة السنن و محاة الفتن و كماة المؤيدين للدين المتين و نفعه بعلمه والمسلمين آمين الخ (ص ۴۳)

ترجمہ: مَیں نے صاحب فضل وشرف ولد اعز روشن ضمیر میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میری رونق وزینت فاضل جلیل مولوی ظفر الدین کے اس قیمتی رسالہ کو سُنا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نام ظفر الدین کی طرح اسم بامسمّیٰ بنائے اور ان کو سُنن کے حامیوں اور فتنوں کو مٹانے والوں اور دین کے محافظوں میں سے بنائے اور ان کے علم سے ان کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔ آمین (۱۲ مترجم)

اب آیئے! کتاب کی تفصیلات سے قبل اس کا اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائیں تا کہ اصل کتاب کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

عُرس کی حقیقت:

ہر سال بزرگانِ دین کی تاریخ وفات پر حاضر ہو کر اُن کے لیے فاتحہ پڑھنا، قرآن کی تلاوت کرنا، صدقات وخیرات کرنا، چادر پوشی وگل پاشی کرنا مسلمانوں کے نزدیک عُرس کہلاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عرس چند اُمور کے مجموعے کا نام ہے۔ (۱) تاریخ کی تعیین وتخصیص (۲) ایصالِ ثواب، فاتحہ، قرآن خوانی (۳) مزار پر چادر پوشی وگل پاشی، اور یہ تمام چیزیں بجائے خود جائز ودرست ہیں۔

(۱) سال میں کوئی تاریخ عرس کیلئے متعین کر لینا۔ تخصیص وتعیین دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) شرعی (۲) عادی۔ پھر شرعی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرعی غیر منفک (۲) شرعی منفک۔

تخصیص شرعی غیر منفک:

شریعت کی جانب سے ایسی تخصیص کہ مخصوص ایام کے علاوہ

درست ہی نہ ہو۔ جیسے ایامِ نحر قربانی کے لیے۔

تخصیص شرعی منفک:

شرعاً تخصیص تو ہو۔ مگر ایام مخصوصہ یا اوقاتِ مخصوصہ کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی درست ہو۔ جیسے روزہ، نماز وغیرہ۔

تخصیص عادی:

شریعت کی جانب سے کوئی تخصیص نہیں۔ بندہ جب چاہے کرے۔ جیسے کہ صدقات وخیرات وغیرہ۔

یومِ عرس کی تخصیص وتعیین بھی ''عادی'' ہے، اور اس تخصیص میں شرعاً نہ کوئی قباحت اور نہ ہی شناعت۔ ظاہر ہے کہ جب بھی ''عرس'' ہوگا، خاص ہیئت اور خاص زمانہ ہی میں ہوگا۔ یونہی لوگوں کا اکٹھا ہونا اسی وقت ممکن ہوگا، جب تاریخ کا تعیین ہو۔ جس طرح مساجد میں جماعت کے لیے وقت متعین کیا جاتا ہے، تاکہ نمازی وقت پر حاضر ہوکر جماعت سے نماز ادا کرسکیں۔ کیا تبلیغی جماعت کے ''اجتماع'' کی تاریخ متعین نہیں کی جاتی؟ کیا دیوبندیوں کے جلسے جلوس کی تاریخ متعین نہیں ہوتی۔ ضرور ہوتی ہے، مگر یہاں معاملہ یہ ہے کہ۔ ع

جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

عرس کا دن اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ دن اُن کی وفات کی یاد دلاتا ہے۔ کوئی مسلمان تعیینِ یوم کو واجب نہیں سمجھتا۔ اس طرح کے افعال میں تعیینِ یوم خود سرورِ کائنات ﷺ سے ثابت ہے...... چنانچہ علامہ شامی ردّ المختار میں فرماتے ہیں:

روی ابن ابی شیبة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی قبور الشھدآء باُحد علیٰ رأس کل حول۔ (ردالمختار، باب زیارۃ القبور، ج۱)

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے سرے پر شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ (۱۲ مترجم)

حضرت انس بن مالک کی ایک روایت میں ہے کہ خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل تھا۔ مسلم شریف میں پیر کے دن روزہ رکھنے سے متعلق یہ حدیث مروی ہے:

عن ابی قتادۃ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سُئل عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدتُ وفیہ اُنزل علیَّ. (ج۱ص:۳۶۸)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اسی دن مَیں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔ (۱۲ مترجم)

الغرض یہ سب توقیتاتِ عادیہ سے ہیں، جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان مخصوص ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں درست نہیں، یا دوسرے ایام میں ثواب کم ہوگا۔ اسی طرح عرس کے لیے یوم رحلت کی تعیین وتخصیص جس کو نہ کوئی فرض سمجھتا ہے نہ ہی واجب۔

البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ضرور ہے۔ کَمَا مَرّ اور جس کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے۔ ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین ۔'' تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔

(۲) ایصالِ ثواب، قرآن خوانی وغیرہ تمام علمائے اہلِ حق کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مردوں کو زندوں کے اعمالِ خیر کا ثواب ملتا ہے۔ عہدِ رسالت میں ایصالِ ثواب کے مختلف طریقے رائج تھے۔

جس کی قدرے تفصیل حضرت انس کی روایت میں ملتی ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ!

انا نتصدق عن موت ونحجُّ عنهم وندعوالهم فهل يصل اليهم ذٰلک فقال نعم انه يصل اليهم ويفرحون كما يفرح احدكم بالطبق اذا اهدى اليه.

ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے اور دعا کرتے ہیں، تو کیا ان سب کا ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ فرمایا ہاں! ضرور پہنچتا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں، جس طرح تم ہدیہ ملنے پر خوش ہوتے ہو۔ (۱۲ مترجم) خود دیوبندیوں کے پیشوا خلیل احمد انبیٹھی نے براہین قاطعہ میں لکھا ہے:

اور مسلّم تمام امت کا ہے کہ ایصالِ ثواب مستحسن اور مندوب ہے۔ (ص:۱۳۷)

رہا ایصالِ ثواب کا مروجہ طریقہ جس میں کھانے کی چیزیں سامنے رکھ کر قرآن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، یہ بھی بلاشبہ جائز و مستحسن ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ عزیزیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"طعام یہ کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند برآں قُل و فاتحہ و درود خواندن متبرک می شود و خوردن بسیار خوب است۔" (ص:۷۵)

ترجمہ: یعنی جس کھانے پر حضرت حسنین کریمین کا نیاز کریں۔ اس پر قُل و فاتحہ اور درود پڑھنا باعثِ برکت وثواب ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔

(۳) مزار پر چادر وگلِ پاشی۔ یہ دونوں چیزیں بھی مستحسن ہیں۔ چادر پوشی کے سلسلہ میں علامہ شامی یوں رقم طراز ہیں:

قال فی فتاوی الحجة وتكره الستور على القبور ولكن نحن نقول الأن اذا قصدبه التعظيم فی عيون العامة حتى لا يحتقروا صاحب القبربل لجلب الخشوع والادب للغافلين الزائرين فهو جائز لان "الاعمال بالنيات"۔ (ج۱،ص:۳۹۳)

ترجمہ: فتاویٰ حجہ میں کہا ہے کہ چادر قبروں پر مکروہ ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل جب کہ عوام کی نظر میں تعظیم مقصود ہو کہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ جانیں، بلکہ حضور دل اور غافل زائرین کا ادب مطلوب ہو تو جائز ہے۔ کیونکہ عمل کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ (۱۲ مترجم)

رہی گل پوشی، اس کی اصل یہ حدیثِ نبوی ہے۔

عن ابن عباس قال مرّ النبی صلى الله عليه وسلم بقبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان فی كبير اما احدهما فكان لايستتره من البول واما الأخر فكان يمشى بالنّميمة ثم اخذ جريرة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز فی كلّ قبر واحدة قالوا اما صنعت هذا فقال لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا۔ (مشکوٰۃ باب آداب الخلاص ۴۲، مسلم ج ۱ ص ۱۴۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا۔ فرمایا ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ اور یہ عذاب کسی بڑی چیز سے نہیں ہو رہا ہے۔ ایک تو پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تر شاخ لی اور اس کو پھاڑ کر ایک ایک دونوں قبروں پر گاڑ دی۔ صحابہ نے عرض کیا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا جب تک یہ خشک نہ ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (۱۲ مترجم)

اس سے ثابت ہوا کہ تر پھول مزار پر ڈالنا جائز و مستحسن

ہے۔ اِن اقوال وارشادات کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ عرس میں ہونے والے تمام تقریبات انفرادی طور پر مستحسن اور باعث برکت وثواب ہیں۔ اس کے باوجود عرس کو ناجائز وحرام یا شرک و بدعت قرار دینا ایسے ہی ہے، جیسے کوئی شخص دودھ، شکر، چائے کی پتی کو تو جائز مانتا ہو، لیکن چائے کو ناجائز وحرام بتاتا ہو، جو ذہنی تعیش کے سوا کچھ بھی نہیں۔ رہا مخالفین کا یہ کہنا کہ عرس کی موجودہ تقریبات قرون ثلثہ میں نہ تھی، لہٰذا یہ بدعت ہے۔ یہ بھی علم وتحقیق سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اکابر علماء اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہے۔ (۱) حسنہ (۲) سیئہ

سیئہ: ہر وہ نو پید مسائل ہیں، جو سنت کے مزاحم ہوں، ہر نئی چیز بدعت سیئہ نہیں، عرس کی تقریبات میں کوئی ایسی چیز نہیں، جس سے اس کا بدعتِ سیئہ ہونا ثابت ہو، جیسا کہ گزرا۔ بلکہ علماء و مشائخ اور دنیا کے مسلمانوں کا عمل اس کے بدعتِ حسنہ ہونے پر شاہد ہے۔ چنانچہ سُنّی اور دیوبندی دونوں کے معتمد علیہ بزرگ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ عزیزیہ میں رقم طراز ہیں:

''دوم آنکہ بہ ہیئت اجتماعیہ مردماں کثیر مجتمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی نمودہ تقسیم درمیانِ حاضراں نمایند ایں معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفاءِ راشدین نہ بود، اگر کسے ایں طور مکند باکے نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست بلکہ فائدہ احیاء واموات را حاصل می شود۔'' (فتاویٰ عزیزیہ ص ۴۰۱)

ترجمہ: قبروں پر سال میں ایک دن متعین کرکے جانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اجتماعی شکل میں بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں، اور شیرینی یا کھانے پر فاتحہ دے کر حاضرین میں تقسیم کردیں۔ یہ طریقہ زمانہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں معمول نہیں تھا۔ اگر کوئی اس طرح کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ اس طریقہ میں کوئی برائی نہیں۔ بلکہ زندوں اور مُردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

الغرض ''مروجہ عرس'' اگر منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ تفصیل کے لیے رسالہ کا مطالعہ کریں۔ مسئلہ دائرہ کو محققانہ انداز سے پیش کیا گیا ہے اور حوالہ جات کا ترجمہ بھی کردیا گیا ہے۔ ورق الٹئے اور کتاب کے مطالعہ سے قلوب و اذہان منور کیجیے۔ اللہ عزوجل تمام مسلمانوں کو قبولِ حق کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

☆☆☆

شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **فتاویٰ عزیزیہ میں تحریر فرماتے ھیں:**

''طعام یہ کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند برآں قل و فاتحہ و درود خواندن متبرک می شود و خوردن بسیار خوب است۔''

(مفتی آلِ مصطفیٰ رضوی)

نصرۃ الاصحاب: تعارف وجائزہ

از قلم: مولانا محمد امتیاز رضا مصباحی، مبارکپور

پیش نظر کتاب امام العصر ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین بہاری عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) کی وقیع اور گراں قدر تصنیفات میں سے ایک ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو بڑی دقت نظر اور دیدہ ریزی کے ساتھ قلیل عرصہ میں مرتب کیا ہے۔ موصوف خلفائے اعلیٰ حضرت میں خصوصی امتیاز کے حامل ہیں، خلیفہ ہی نہیں، ان کے فیضان علوم نبوی سے استفادہ کرنے والوں میں بھی سرفہرست ہیں۔ اعلیٰ حضرت انہیں بے حد عزیز رکھتے۔ ملک العلماء کا خطاب خود آپ ہی نے دیا ہے۔ 55 برس تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور حکمت کے گنجینے خوب لٹائے، اس دوران اہم اور مستند کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان میں سے زیادہ تر زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں اور بعض قلمی نسخے کی صورت میں محفوظ ہیں۔ کچھ ہی کتابیں ہیں جو طباعت کے مرحلے سے گزر کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ایسی ہی معتبر اور گراں مایہ شخصیت سے منسوب ہے، اس کتاب کا نام "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب" معروف بہ "ایصال ثواب کے طریقے" ہے، جو 1354ھ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب 164 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، ابتدا میں پیش لفظ کے بعد سات صفحات پر مصلح قوم وملت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور کا ایک وقیع مضمون ہے، جو ملک العلماء کے مختصر تعارف کے حوالے سے بے مثال ہے۔ یہ اس کتاب کی پانچویں اشاعت ہے، جس کا سہرہ خالص مذہبی، دینی وملی ادارہ المجمع الاسلامی کے سر ہے۔ اس سے قبل یہ کتاب 1354ھ میں ملک العلماء کی حیات ہی میں پٹنہ سے شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ادارہ احسن المعارف کانپور سے مولانا محمد ادریس رفاقتی کے اہتمام سے 1385ھ میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فارسی عبارتوں کا ترجمہ بھی مولانا محمد یوسف عظیم آبادی (مدرس مدرسہ احسن المدارس) کانپور نے کردیا ہے، پھر اسی دوسرے ایڈیشن کا عکس المجمع العلمی ہزاری باغ بہار سے شائع ہوا، اور اس کا ایک ایڈشن پاکستان سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس پانچویں ایڈیشن کی اشاعت کا اہتمام مولانا نصر اللہ رضوی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور نے کیا ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں ایصال ثواب کے ان شرعی طریقوں کا ذکر ہے، جن طرق کی تعداد پچیس تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے جس طریقہ پر بھی عمل کیا جائے، میت کو ثواب ملے گا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(پہلا طریقہ) سورۂ یٰسین شریف پڑھنا، جس کا کرنا مرنے کے بعد بلکہ وقت احتضار ہی سے ثابت ہے، (دوسرا طریقہ) بزرگوں کی میت کو چومنا اور بوسہ دینا (تیسرا طریقہ) کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں دفن دینا (چوتھا طریقہ) میت

کے کفن پر کوئی آیت کریمہ، کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا (پانچواں طریقہ) جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا (چھٹا طریقہ) نماز جنازہ پڑھنا اور تکثیر مصلیان مطلوب و مرغوب ہے، اس لئے یہ نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔ (ساتواں طریقہ) مقدس جگہوں اور صالحین کے پڑوس میں دفن کرنا۔ (آٹھواں طریقہ) جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا یا قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں، اس کے بعد مردے کو دفن کر دیں۔ (نواں طریقہ) قبر پر پانی چھڑکنا۔ (دسواں طریقہ) بعد دفن میت کو تلقین کرنا۔ (گیارہواں طریقہ) دعائے تثبیت کرنا۔ (بارہواں طریقہ) بعد دفن قبر پر اذان دینا (تیرہواں طریقہ) قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا۔ (چودھواں طریقہ) دفن کے بعد سرہانے فاتحہ بقریہ اور پائتی خاتمہ سورۂ بقرہ پڑھنا۔ (پندرہواں طریقہ) قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے تقسیم کیا جا سکے۔ (سولہواں طریقہ) زیارت قبور کرنا، خصوصاً اپنے اعزا و اقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے۔ (سترہواں طریقہ) اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا۔ (اٹھارہواں طریقہ) جمعہ، جمعرات کے دن خصوصاً والدین کی قبر کی زیارت کرنا۔ (انیسواں طریقہ) سال بہ سال ہر سال پر زیارت کو جانا۔ (بیسواں طریقہ) ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا کہ امین مغفرت ہے۔ (اکیسواں طریقہ) قرآن شریف پڑھ کر بخشنا (بائیسواں طریقہ) میت کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا۔ (تیئیسواں طریقہ) کنواں کھودوا کر میت کی طرف سے واقف کر دینا۔ (چوبیسواں طریقہ) میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔ (پچیسواں طریقہ) میت کی طرف سے قربانی کرنا۔

میت کو ثواب پہنچانے کے ان پچیس طریقوں کو نہایت ہی جامع اور دل پذیر انداز میں قرآن و حدیث اور محدثین و مفسرین، علماء، ائمہ کرام و صوفیہ اعلام کے اقوال سے مزین کیا گیا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے ایصال ثواب کے تعلق سے تمام حقائق منکشف ہو جاتے ہیں، جن میں صحت روایت و درایت کے ساتھ خلوص و عقیدت کی چاشنی بھی شامل ہے۔ ایصال ثواب کے ثبوت اور اس کے طریقوں کے تعلق سے اس طرح مبرہن اور مدلل کتاب دیکھنے میں نہیں آئی۔ مصنف کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ معیار پر فائز ہے۔

مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اسلام دشمن عناصر کے اشاروں پر سرے سے ایصال ثواب ہی کا انکار کر بیٹھی، حالانکہ اسے قرن اول سے ہی مستحسن اور کار خیر شمار کیا جاتا رہا ہے اور جس پر صحابہ و تابعین، اہل بیت کرام اور ائمہ دین کا ہمیشہ سے عمل رہا ہے اور کچھ ایسے افراد بھی ہوئے جنہوں نے انکار تو نہیں کیا لیکن تذبذب کا شکار ضرور ہوئے۔ انہیں لوگوں میں بہار کی مشہور و معروف خانقاہ عمادیہ مجیبیہ، پھلواری شریف کے ایک فرد مولانا محی الدین تمنا عمادی مجیبی ہیں، انہیں ایصال ثواب کے طریقوں میں کسی باہری اثر کی وجہ سے شک پڑ گیا۔ اس لئے انہوں نے رفع شک کے لئے جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے اساتذہ کی خدمت میں سوال نامہ بھیجا۔ اساتذہ نے خود جواب نہ دے کر یہ سوال نامہ اسی مدرسہ میں ہیئت و حدیث کے ممتاز استاذ امام العصر ملک العلماء حضرت مولانا سید ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ موصوف نے قلیل مدت میں اس استفتاء کے جواب میں دلائل و

براہین کے انبار لگاتے ہوئے ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا، جس کی مخالف وموافق علمانے تصدیق کرکے مولانا تمنا عمادی کو پہنچادیا۔

واضح رہے کہ یہ رسالہ مولانا تمنا عمادی کے چار سوالات کے جواب میں تحریر کیا گیا، لیکن چونکہ عوام وخواص سب کے لئے یکساں مفید ہے، اس لئے اشاعت کے مراحل طے کرتے ہوئے یہ رسالہ ہم تک پہنچا، چنانچہ کتاب کے مصنف خود فرماتے ہیں:

''قصد تھا کہ ان چاروں سوالات کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کردیئے جائیں، مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی، تو مناسب معلوم ہوا، کہ تاریخی نام ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال ثواب'' 1354ھ رکھا جائے۔

خداوندا اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل و تصانیف کی طرح مقبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس کا فائدہ پہنچا۔''

درحقیقت ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' ضرورت ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچایا جائے تاکہ ایصال ثواب کے تعلق سے جو حضرات تذبذب کے شکار ہیں انہیں ٹھوس جواب مل سکے اور ان کا شک دور ہوجائے اور جو حضرات اس پر عمل پیرا ہیں ان کے اعتماد و یقین میں پختگی آجائے۔

یہ ایڈیشن حسن ظاہری و باطنی دونوں طرح کی خوبیوں سے مزین ہے۔ کتاب کا گیٹ اَپ، کاغذ، طباعت، کتابت عمدہ ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مصنف، مہتمم اور ناشر کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے اور انہیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔

''میت کو ثواب پہنچانے کے ان پچیس طریقوں کو نہایت ھی جامع اور دل پذیر انداز میں قرآن و حدیث اور محدثین و مفسرین، علماء ائمہ کرام و صوفیه اعلام کے اقوال سے مزین کیا گیا ھے، اس کتاب کے مطالعه سے ایصال ثواب کے تعلق سے تمام حقائق منکشف ھو جاتے ھیں، جن میں صحت روایت و درایت کے ساتھ خلوص و عقیدت کی چاشنی بھی شامل ھے. ایصال ثواب کے ثبوت اور اس کے طریقوں کے تعلق سے اس طرح مبرھن اور مدلل کتاب دیکھنے میں نہیں آئی. مصنف کی دیگر کتابوں کی طرح یه کتاب بھی تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ معیار پر فائز ھے.'' (علامہ محمد امتیاز رضا مصباحی)

ملک العلماء اور نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب

از قلم: مولانا عبد الہادی خاں رضوی، جامعہ فاروقیہ، بنارس

اصحاب قبر کی زیارت اور ان کی بارگاہ میں نذرانۂ ایصال ثواب پیش کرنا ہر قرن وطبقہ میں خوش نصیبوں کا وطیرہ رہا ہے، ان کی بارگاہ میں ایصال ثواب کر کے ان کے ساتھ اپنے کو بھی فیضیاب وکامراں کرتے ہیں۔ اللہ والوں کا عرس منانا، ان کی بارگاہ میں نذر ونیاز پیش کرنا، ان کی یادگاریں قائم کرنا، لوگوں کو ان کی بارگاہ میں حاضری کی دعوت دینا، ان کی بارگاہ سے سعادت حاصل کرنا، خوش عقیدہ حضرات کا مقبول ومحبوب طریقہ رہا ہے، سلف وخلف نے ہر زمانے میں اس کار ثواب کو پسند کیا ہے، اللہ عزوجل قرآن مجید میں اصحاب کہف کے مزار اور ان کی بارگاہ میں حاضری وقیام مسجد وغیرہ کا یوں تذکرہ فرماتا ہے:

"اذ یتنازعون بینھم امرھم فقالوا ابنوا علیھم بنیاناً ربھم اعلم بھم قال الذین غلبوا علیٰ امرھم لنتخذن علیھم مسجداً ط یعنی اصحاب کہف کے انتقال کے بعد جب لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑانے لگے، تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بناؤ، ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے، وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے، قسم ہے ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے، تاکہ لوگ اس میں نمازیں ادا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ بزرگوں کے مزار پر جانا اور ان کے مزارات کے قریب مسجدیں تعمیر کرنا اہل ایمان کا قدیم وپرانا طریقہ ہے اور قرآن کریم کا اس کو ذکر کرنا اور اس کو منع نہ کرنا ان کاموں کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے، مدارک شریف جلد سوم ص: ۷ میں آیت مبارکہ لنتخذن علیھم مسجداً کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"علی باب الکھف یصلی فیه المسلمون ویتبرکون بمکانھم، یعنی اصحاب کہف جس غار میں تشریف فرما ہیں اس غار کے دروازے پر ایک مسجد تعمیر کرائیں گے، تاکہ مسلمان اس میں نمازیں ادا کریں اور ان کے مزار ومکان سے برکت حاصل کریں۔"

تفسیر خازن جلد چہارم، تفسیر بغوی جلد چہارم میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وامر الملک ان یتخذوا علی باب الکھف مسجداً یصلی فیه وجعل لھم عیداً عظیماً وامران یوتی کل سنة، یعنی بیدروس بادشاہ نے اس بات کا حکم دیا، کہ غار کے دروازے پر مسجد بنائیں، تاکہ لوگ اس میں نماز ادا کریں اور ان کے وصال کے تاریخ کو عظیم الشان عید کے دن سے تعبیر کریں اور سالانہ عرس لگائیں، کتب تفاسیر واحادیث اس قسم کے احکام پر مشتمل روایتوں سے لبریز ہیں۔ جس کو قلم کرنے کے لئے دفاتر درکار ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے، کہ آج کل کچھ گندم نما جو فروش، مسلم نما اسلام فروش کلمہ گو پیدا ہو گئے ہیں، جو صیہونی ثروت وسرمایہ

اور نصرانیت کی آغوش میں آکر اسلاف کرام کے مسلمات و مقبولات سے انحراف و برگشتگی کا اظہار کرتے ہوئے زیارت قبور و فیوضات بزرگاں وایصال ثواب اور اسلامی رسوم ورواج کے منکر ہورہے ہیں۔ یہودیت ونصرانیت کے ظل طاغوتیت میں پناہ گزیں ہوکر مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنے وباہم جنگ وجدال کے ساتھ بزرگوں کی بارگاہ سے منہ پھیرنے اور دور رہنے کی بے سود ولایعنی ترغیب میں ایسے مصروف ہیں، کہ ان کی دولت ثروت کے سایہ میں خیالات فاسدہ سے لبریز سیکڑوں کتابیں لکھ کر صحیح عقائد ونظریات کو اپنے اوہامات کاذبہ وتصورات فاسدہ کے مسموم ہواؤں سے متاثر کرنے کی پوری کوشش میں مصروف ہیں۔ ہندوستان میں یہ اسماعیلی باطل وفاسد نظریہ انگریزی دور حکومت میں معرض وجود میں آیا، اور انگریزی حکومت کے سایہ میں پروان چڑھتے ہوئے پورے ملک میں اس طرح پھیل گیا، کہ عوام کے ساتھ وہ لوگ بھی تذبذب وشبہ کے شکار ہوگئے۔ جن کا سونا جاگنا، اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا ہی نیاز وفاتحہ تھا۔ ایصال ثواب کی محفل سجانا ان کی زندگی کا اہم مشغلہ تھا۔ تعظیم بزرگاں اور رسومات اہلسنت ومعمولات اخیار امت کو فروغ دیناتھا، معمولات بزرگاں سے تذبذب اور اسماعیلی توہمات وافکار سے متاثر بہار کی ایک مشہور خانقاہ، خانقاہ عمادیہ مجیبیہ، پھلواری شریف کے ایک فرد مولانا محی الدین تمنا عمادی بھی ہیں۔ جناب والا کو بھی ایصال ثواب کے کار خیر ہونے اور معمولات سلف وخلف کے سلسلے میں شک وتردد واقع ہوگیا۔ انہوں نے اپنے شک وشبہ کے ازالے کے لئے جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے اساتذہ کی خدمت میں ایک استفتاء پیش کیا۔ سوئے اتفاق، کہ ان اساتذہ میں اکثریت اسماعیلی خیالات خبیثہ کے پرچارک اور فاتحہ ونیاز کے منکرین ہی کی تھی۔ یہ مدرسین سوچنے لگے، کہ اگر جواب اثبات میں دیتا ہوں، تو اپنے عقائد باطلہ وخیالات فاسدہ کے محلات مسمار ہوں گے اور منفی میں دیتا ہوں، تو اپنی جہالت کی قلعی کھلتی ہے اور دیگر اساتذہ وارباب علم کے سامنے ذلت ورسوائی ہوتی ہے۔ لہٰذا مناسب ہے، کہ یہ استفتاء فوراً نازش علم وفن، فخر قوم ووطن، امام زمین وزمن، علوم عقلیہ ونقلیہ کے کوہ محن، حامی اہل سنن، ماحی بدع وفتن، رازدار مسلم وبخاری، جانشین رازی وغزالی، کشت سنیت کے باد بہاری، پیکر علوم لیاقت، فاضل بہاری، ہیئت وتوقیت، الجبر وریاضی کے امام اعظم، فقہ وتفقہ کے فقیہ اعظم، حدیث واصول حدیث کے محدث اعظم، ملک العلماء سند الفضلاء ہمام الصلحاء حضرت علامہ مولانا الشاہ مفتی سید شاہ محمد ظفر الدین فاضل بہاری، شاگرد ارشد ومرید اوحد حجۃ السلف مرجع الخلف امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بارگاہ میں پیش کردیا جائے۔ باتفاق رائے، یہ استفتاء حضرت ممدوح کی بارگاہ میں پیش کردیا گیا۔ حضرت ممدوح علیہ الرحمہ نے قلم برداشتہ مسئلہ ایصال ثواب پر آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ اور ارشادات ائمہ وتصریحات علمائے ملت وتعامل سلف وخلف سے مدلل ومبرہن ایسا جواب مقبول ومحبوب پیش کیا، کہ منکرین ومذبذبین مبہوت ومغلوب ہوگئے۔ مولوی محی الدین تمنا عمادی مجیبی کے سوالات کے جوابات کے ضمن میں کچھ خصوصی مفید بحثیں بھی قلمبند فرمایا اور موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے یہاں ایصال ثواب کے جو طریقے رائج ہیں، اس کے اثبات میں ایسا جامع رسالہ تحریر فرمایا، کہ ویسا جامع رسالہ ابھی تک مارکیٹ میں نظر نہیں آیا۔ اس رسالہ کا مطالعہ بصیرت وبصارت، فکر وشعور کو ایسی جلا بخشتا ہے، کہ برسہا برس سے قعر تذبذب میں گرا ہوا انسان اگر منصف مزاجی سے مطالعہ کرے تو ہدایت کے بام ثریا پر پہنچ سکتا ہے۔ حضرت مخدوم نے ایسے علمی جواہر پارے جمع

فرمائے ہیں، کہ جس کے مطالعہ کے وقت دست بدنداں وحیرت زدہ سمندر کے کنارے سیپ چنتا محسوس کرتا ہے اور حضرت مخدوم کے تبحر علمی کے سامنے دست بستہ یہ گنگناتا نظر آتا ہے:

نکالی سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

آپ نے اس جامع ومقبول ومرغوب جواب کا نام "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب" رکھا۔

آپ نے اس رسالہ میں ایصال ثواب کے پچیس طریقے تحریر فرمائے۔ ہر طریقوں کو ایک مستقل عنوان سے قلمبند فرمایا اور اس کے ذیل میں آیات واحادیث اور معمولات اخیار امت کو ذکر فرما کر اپنے نظریات ومسلمات اہلسنت کو مؤید فرمایا ہے۔

ایصال ثواب کے پچیس طریقے یوں قلمبند ہیں، کہ آپ نے یہ ثابت فرمایا، کہ کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، بدنی یا مالی یا دونوں کا مجموعہ ایصال ثواب کسی کے نفع اخروی کی نیت سے انجام دینا، یا خود اپنے لئے کرنا، یا اس عمل خیر کے انجام دیتے وقت یا بعد میں اپنی زبان یا دل سے یہ کہنا، کہ یا اللہ یہ میرے فلاں عمل کا ثواب، فلاں زندہ شخص یا فلاں مردہ شخص کو پہنچے، تو یہ ثواب خود یا اس شخص یا جس کی نیت کرتا ہے، اس کو ضرور پہنچتا ہے، اور اگر کسی دوسرے کی مغفرت، درجات کی بلندی کے لئے ان اعمال کو ادا کرتا ہے، تو اس کی مغفرت تو ہوتی ہی ہے، خود اس کار خیر کا عامل بھی اس کے برکات سے مستفیض ومستنیر ہوتا ہے۔

لیکن افسوس کی بات ہے، کہ یہ رسالہ عوام وخواص کی نگاہ سے اوجھل ہوتے جارہا ہے۔ اگر اہل خیر اس کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوکر جدید پیرایہ میں اشاعت کرادیں، تو معمولات اہل سنت کی حقانیت وصداقت کا سورج بے شمار قلب وجگر کو منور ومجلی اور کور باطن کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہوسکتا ہے۔ اس دور تعصب میں حضرت ملک العلماء اور ان کے تصنیفات کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے، تاکہ کجکلاہی وکجروی کا تاریک بادل چھٹ جائے اور ان کی ذات سے عوام خواص کو کما حقہٗ فائدہ پہنچ سکے۔

دلی مبارکباد پیش کرتاہوں، اپنے مخدوم ومطاع، سرچشمۂ جود وسخا، نور دیدۂ مالک کون ومکاں، گل گلزار قادریت، نوشۂ بزم فضیلت، بقیۃ السلف حجۃ الخلف کی بارگاہ والا میں، کہ حضور عالیجاہ نے حضرت ملک العلماء کے خدمات وتعلیمات کو آشکارا فرما کر ہم اہلسنت ومحبت پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور مخدوم امت، سراج ملت مدظلہ العالی کو عمر خضر کے ساتھ سایہ فگن رکھے اور حضور سے خوب خوب مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا کام لے۔ آمین۔

☆☆☆

ملک العلماء بحیثیت دیدہ ور فقیہ

از قلم: علامہ شبیہہ القادری، مہتمم غوث الوریٰ عربی کالج، سیوان، بہار

امام التوقیت والتکسیر۔ ملک العلماء حضرت مولانا سید شاہ محمد ظفرالدین صاحب علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت اپنی گونا گوں خوبیوں کی وجہ سے نامور علماء میں ایک امتیازی حیثیت کی متحمل ہے، اور دنیائے اہلسنت میں آپ جلیل القدر عالم دین، رأس المحدثین، زبردست مناظر اور عمدۃ المحققین اور بلند پایہ معلم۔ بالغ النظر فقیہ کے لحاظ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اعلیٰحضرت، امام اہلسنت، مجدد دین وملت حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے زیر سایہ رہ کر جہاں تفسیر وحدیث، اصول ہیئت، جفر وتکسیر، توقیت و فرائض ودیگر علوم عقلیہ ونقلیہ سے آراستہ پیراستہ ہوئے۔ وہیں فتویٰ نویسی میں یدطولیٰ کی سعادت سے سرفرازی حاصل کی۔ خود حضور اعلیٰحضرت نے ایک مکتوب میں آپ کی صلاحیت علمی اس طرح ذکر فرمایا:

''مولانا مولوی ظفرالدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں، سنی خالص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کرسکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ (حیات اعلیٰحضرت)

حضرت ملک العلماء ماہر مدرس، قابل مفتی، اور لائق صد تعریف مصنف اور دیگر بے شمار صلاحیت وقابلیت اور اعلیٰحضرت کے شاگردوں اور خلفاء میں عبقری شخصیت کے باوجود بعض متعصبین کے ڈالے گئے پردہ میں چھپے رہے، گرچہ لوگ آپ کی تصنیفی وتالیفی کارگردگی سے آشنا رہ کر ذخائر معلومات سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

لائق صد ہزار داد وتحسین ہیں ناشر مسلک اعلیٰحضرت پیر طریقت خلیفۂ حضور مفتی اعظم سراج ملت حضرت الحاج الشاہ مولانا سید سراج اظہر صاحب رضوی بانی وسربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی جنہوں نے بنام 'جہان ملک العلماء' لکھوا کر ایک بہت بڑے خلاء کو طرح طرح کے مضامین اور معلومات حقہ سے پُر کردیا ہے۔ حضرت ملک العلماء کی تقریباً پچاس ساٹھ کتابوں کی مدد سے فقہ حنفی کی مؤید حدیثوں کے ذخائر سے مرصع کتاب صحیح البہاری تالیف فرمائی، جس کی ضرورت تمام مدارس ہر دارالافتاء میں ہے، مگر افسوس کہ لوگوں نے اس کی قدر ومنزلت اور اس کی ضرورت کو کالعدم سمجھ کر فراموش کردیا ہے۔ اب انشاء اللہ

تعالیٰ جہان ملک العلماء کی رہنمائی سے لوگ ملک العلماء اور تصنیفات ملک العلماء سے متعارف ہوکر مالا ئقہ ضرورتوں سے روشناس ہوں گے۔

مقام ملک العلماء: ملک العلماء کا مقام جہاں علمی فنی لحاظ سے اونچا نظر آتا ہے، وہیں نسبی حیثیت سے بھی ممتاز دکھائی دیتا ہے، کہ حیات اعلیٰحضرت میں آپ نے جو اپنا نسب نامہ بیان کیا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب آپ کے مورث اعلیٰ حضرت شہید سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ملقب "بمدار الملک" ومخاطب "ملک بیا" سے جاملتا ہے۔ جن کا شجرۂ نسب تقریباً سات پشتوں سے غوث الثقلین تاجدار اولیاء محبوب سبحانی سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ شہر عظیم آباد پٹنہ بہار سے متصل موضع میجرا رسول پور میں آپ پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم سے متوسطات تک کی تعلیم مدرسہ غوثیہ حنفیہ موضع بین قدیم ضلع پٹنہ اور قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی رئیس اودی کٹرہ پٹنہ تی خلیفۂ اعلیٰحضرت امام اہلسنت کے مدرسہ حنفیہ میں بعدہٗ کانپور احسن المدارس اور پیلی بھیت میں محب اعلیٰحضرت حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی کے مدرسہ میں حاصل کیا۔ پھر بریلی شریف آکر شریعت وطریقت کے دریائے ناپیدا کنار سے مستفیض ہوئے۔

ملک العلماء کا تفقہ فی الدین: حضرت ملک العلماء کو آداب افتاء، کتب فقہ سے حوالہ جات کا استخراج اور رسم المفتی کی واقفیت اور سوالات کے جوابات لکھنے اور اس کی ترتیب میں ستھرے پاکیزہ، سنجیدہ الفاظ، فصاحت وبلاغت سے عبارت کو سجانے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ کے فتاوے میں پوری پوری تجلی فتاویٰ رضویہ کی ملتی ہے۔ ایک مختصر فتویٰ جمعہ اذان ثانی کا تحریر فرمایا، تو اس میں آپ نے تقریباً بائیس کتابوں سے اسے مبرہن فرمادیا، جیسے فتاویٰ ملک العلماء کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے اس بارے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا جس کا نام رکھا "القول الاظہر فی الآذان بین یدی المنبر" آپ نے اعلیٰحضرت کی تقریباً تیرہ سو تصنیفات وکتب کی طرح کتابوں کا نام مقفی رکھا۔ صرف فرق یہ کہ اعلیٰحضرت کی تمام کتابوں رسالوں کا نام تاریخی ہے، اور آپ کی بعض کتابوں سے تاریخ نکل آتی ہے۔ غرضیکہ آپ کی تمام تر تصانیف کی عبارت کا لہجہ وانداز اعلیٰحضرت کے انداز بیان کا پرتو ہے۔ مندرجہ ذیل روزہ کے متعلق ایک سوال کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا روزہ ارکان اسلام میں شامل ہے؟ اور قرآن کریم میں "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" کی آیت میں "شَهِدَ" سے کیا مراد ہے؟ اہم کتابوں کے حوالے سے مزین کرکے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بلاشبہ روزہ ماہ مبارک بھی اہم واعظم فرائض اسلام سے ہے۔ جس کی فرضیت خود قرآن شریف میں مذکور اور احادیث صحیحہ ثابتہ سے مدلل ہے۔ قَالَ تَعَالىٰ: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِى اُنْزِلَ فِيْهِ القرآن هدىً للناس وبَيِّنٰتٍ مِنَ الهدىٰ وَالفرقان فمن شَهِدَ مِنْكم الشَّهر فَلْيَصُمْه".

(البقرة:۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے (متبرک مہینہ) جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن باتیں، تو جو شخص پائے، تم میں سے اس مہینہ کو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ فمن شهد منكم الشهر فليصمه' کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، در منثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم يكن مسافرا فليصمه" یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو، تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی " فمن شهد منكم هلال شهر فليصمه " یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے، تو اسے چاہئے، کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا "وتيقن به". یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو، تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا، کہ محاورہ شهدت الهلال نہیں کہتے بلکہ شاهدت۔

اقول وهذا كما ترى لانك تقول شهدت الهلال لما رائيته وشهدت الهلال اعم منه كما صرح به فی نفسه لقوله وشهد من الشهود والتركيب يدل على الحضور اماذاتا اوعلما وقد قيل لكل منهما.

(۳) تفسیر فتح الرحمان علامہ شیخ علی مہائی میں ہے: "(فمن شهد) ای علم (منكم الشهر) باستكمال شعبان او شاهدالهلال (فليصمه)۔" یعنی تم میں سے جس کو ماہ رمضان کا علم ہو شعبان کے دیکھنے سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۴) تفسیر کبیر میں ہے: "(فمن شهد) ای من شاهد الشهر بعقله ومعرفته (فليصمه) " یعنی جو شخص ماہ رمضان کو حاضر جانے اپنی عقل سے، معرفت سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ اگر چہ بظاہر متعدد اقوال ہوتے ہیں۔ مگر سب ایک ہیں لما فيه بمنزله قيود واحترازات۔ خلاصہ یہ، کہ جسے رمضان شریف کا علم ہو، خواہ چاند دیکھ کر یا ثقہ عادل کی گواہی سے، ورنہ شعبان کے تیس دن پورا کرکے اس پر فرض ہے، کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب کہ عاقل بالغ مکلف مقیم تندرست غیر معذور ہو۔ اس لئے کہ شہود کا معنی علم کے ہیں۔ كما صرح به المهائمی فی فتح الرحمان واشار اليه النووی فی "روح المسائل فی الفروع" لقوله شهود الشهر امابالروية والسماع والخازن لقوله "وقيل هو محمول على العادة شهود الشهر ای روية الهلال ولذالک قال النبی صلى الله

تعالیٰ علیہ وسلم صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ اخرجاہ فی الشیخین ولا خلاف انہ یصوم رمضان من رای الھلال ومن استکمل شعبان وفصلہ الامام الرازی فی الکبیر کماھو دابہ حیث قال: "اعلم ان قولہ تعالیٰ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ یستدعی بحثین. البحث الاول ان شھود الشھر بماذایحصل؟ فنقول امابالرویۃ واما بالسماع فنقول اذارأی انسان ھلال رمضان فأما ان یکون منفردا بتلک الرویۃ أولایکون؟فان کان منفردا بھافأما ان یرد الامام شھادتہ أولایردھا؟فان تفرد بالرویۃ ورد الامام شھادتہ لزمہ ان یصوم لأن اللّٰہ تعالیٰ جعل فی حقہ فوجب ان یجب علیہ الصوم واماان انفرد بالرویۃ وقبل الامام شھادتہ أولم ینفرد بالرویۃ فلاکلام فی وجوب الصوم واما السماع فنقوُل اذا شھد عد لان علیٰ رویۃ الھلال حکم بہ فی الصوم والفطر جمیعا واذاشھد علیٰ ھلال رمضان یحکم بہ احتیاطٗ لامر الصوم۔"(التفسیر الکبیر ۵/۲۵۶)

ان دونوں اکابر مفسرین کی تصریح سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی، کہ من شھد منکم الشھر کے معنی من علم کے ہیں اور یہی مفہوم حدیث شریف "صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ" کا ہے۔ کما نص علیہ الخازن وبعد تصریحات العلماء فی کتب الغةلسان العرب بین الرویۃ النظر بالعین والقلب۔ اسی میں ہے: "ورویۃ القلب ھوالعلم۔"

تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ رکھو رمضان کا، خود چاند دیکھ کے یا دو عادل کی رویت پر بھروسہ کرکے یا شعبان کے تیس دن پورے کرلو کہ اس کے بعد کا دن ضرور رمضان ہی کا ہے۔ یونہی افطار کرو عید کا چاند دیکھ کر ورنہ دو عادل کی رویت پر بھروسہ کرکے ورنہ ماہ رمضان کا تیس دن پورا کرکے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

بہر حال آپ جس قدر تمام خوبیوں کے جامع تھے، ان تمام کا احاطہ صفحۂ قرطاس اور کسی مضمون میں سمیٹ لینا مشکل ہے۔ مذکورہ بالا چند سطور لکھ کر میں نے گویا آپ کے ان مخلصین کی صفوں میں، جنہوں نے مقالے، مضامین، کتابچے، رسالے کے ذریعہ آپ کی اہم خدمات دینیہ کو روشن کیا ہے خصوصاً حضور سراج ملت خلیفۂ حضور مفتی اعظم کے اس سنہرے کارنامے کی فہرست میں اپنا نام اندراج کرانے کی سعادتیں حاصل کی ہیں۔ جب یہ بات محبوب العلماء خلیفۂ حضور مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محبوب رضا روشن القادری پوکھریروی شیخ الحدیث دارالعلوم فیضان مفتی اعظم ممبئی سے معلوم ہوئی، کہ ناشر مسلک اعلیٰحضرت خلیفۂ مفتی اعظم حضور سراج ملت 'جہان ملک العلماء' نکال رہے ہیں، تو بے حد خوشی ہوئی، دل مچل گیا۔ چاہا تھا، کہ اپنی معلومات کے مطابق طویل مضمون رقم کروں، مگر بقول مفتی صاحب کہ وقت کم ہے۔ 'جہان ملک العلماء' کی کاروائی آخری مرحلہ سے گذر رہی ہے۔ بایں وجہ ہی گوہر نایاب کو صفحۂ عقیدت پر بکھیرنے کی سعادت حاصل کی۔ باقی انشاءاللہ آئندہ۔

☆☆☆

صحابہ کرام اور ایصال ثواب

ازقلم : مولانا محمد ولی اللہ قادری، پٹنہ

ایک معروف و مقتدر عالم دین کی حیثیت سے حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی قادری بہاری کی شخصیت اور ان کے کارنامے یقیناً باعث صد افتخار ہیں۔ مولانا موصوف کی ولادت ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں ہوئی اور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں انہوں نے اس دارفانی کو الوداع کہا۔ وہ علمی حلقوں میں ''ملک العلما'' اور ''فاضل بہاری'' کے لقب سے جانے جاتے ہیں اور بلاشبہ وہ عہد انگلیشی کی صبح و شام اور حصول آزادی کے بعد، کم و بیش پندرہ برسوں کا زمانہ پانے والے ان بزرگوں میں محسوب ہونے کے سزاوار ہیں، جنہوں نے مختلف موضوعات پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ اظہار خیال فرمایا ہے اور دلائل و براہین سے آراستہ اپنی متعدد کتابیں، اہل ذوق کے لئے یادگار چھوڑی ہیں۔

یہاں حسب عنوان، ان کی جس کتاب کا ذکر ہمیں مقصود ہے وہ اصل میں ایک فقہی رسالہ ہے اور اس کا پورا نام:

''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' ہے۔

اس نام سے ہی کتاب کے موضوع اور اس میں آنے والے مباحث کا اندازہ ہو جاتا ہے ''ایصال ثواب'' کا مسئلہ، امت مسلمہ کے درمیان، ایک متفق علیہ اور معمول بہ مسئلہ ہے۔ ثواب پہونچانے یا ثواب بخشنے کی ایک علمی و تحقیقی بحث ہے، جو اس کتاب میں پیش کی گئی ہے اور ''ایصال ثواب کے شرعی طریقے'' پوری تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کردیے گئے ہیں۔

حضور ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کی اس کتاب کے نام سے ۱۳۵۴ھ برآمد ہوتا ہے جو کتاب کا سال تصنیف ہے اور عیسوی تقویم کی رو سے ۱۹۳۵ء اس کا سن تطبیق قرار پاتا ہے۔ اگر ہم اس رسالہ کے مصنف کی پیدائش کا سال مدنظر رکھیں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ اپنے وقت کے ایک ''پچاس سالہ'' عالم دین کی تحریری یادگار ہے۔

یہ ۱۳۳۸ھ/۲۰-۱۹۱۹ء کی بات ہے، جب ملک العلماء سید مولانا محمد ظفر الدین فاضل بہاری کو سہسرام سے پٹنہ بلایا گیا تھا اور ایک مدرس کی حیثیت سے، ''مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ'' میں انہوں نے اپنی منصبی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں۔ یہاں سے ۱۳۷۰ھ/۵۱-۱۹۵۰ء میں وہ سبکدوش ہوئے۔ جس زمانہ میں مولانا موصوف اس درس گاہ کے تشنگان علم و ادب کو اپنے تدریسی فیضان سے نواز رہے تھے، اس زمانے میں عظیم آباد کی علمی و دینی فضا اپنا خاص اثر و سوخ رکھتی تھی اور یہاں کے علمی حلقے، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے تعلیمی ماحول اور وہاں کے ذی وقار اساتذہ کی بے پناہ علمی استعداد سے حد درجہ متاثر ہی نہیں، اس کے اعلانیہ معترف بھی تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب کوئی خالص علمی موضوع سامنے آتا تھا، تو اس دینی درس گاہ کے علمائے عظام کی طرف رجوع کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔

جس دور کا ذکر ہو رہا ہے، اس دور کی ایک اہم علمی

شخصیت وہ بھی تھی، جسے تمنا عمادی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سید محی الدین تمنا عمادی مجیبی پھلواروی کی پیدائش کا سال ۱۳۰۵ھ /۸۸-۱۸۸۷ء ہے۔ اس لحاظ سے وہ فاضل بہاری کے ہم عصری نہیں" بالکل ہم عمر" کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ تمنا عمادی تقسیم وطن کے بعد، پاکستان چلے گئے اور انہوں نے وہیں زندگی کی آخری سانس لی، ان پر لکھے گئے، اپنے ایک مضمون میں، ان کے خواہرزادہ ڈاکٹر خواجہ افضل امام نے بتایا ہے کہ انہوں نے ایک منظوم وصیت نامہ لکھا تھا، جس میں چہارم، چہلم، فاتحہ، نذر و نیاز اور ایصال ثواب کی ممانعت فرمائی تھی۔ (ماہنامہ "رفیق" پٹنہ علمائے بہار نمبر، ج ۷ ش ۱-۲، ص ۱۴۱) "وصیت نامہ" عام طور پر زندگی کے آخری دور میں لکھا جاتا ہے۔ قرینۂ اغلب یہ ہے کہ تمنا عمادی نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا، مگر حقیقت یہ ہے "ایصال ثواب" کے موضوع پر شکوک و شبہات کے پہلو، عرصہ دراز سے ان کے ذہن میں تھے۔ تمنا عمادی کا انتقال تو ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں ہوا۔ جب کہ ان کی عمر تقریباً پچاسی سال تھی، لیکن سچی بات یہ ہے، کہ پچاس سال کی عمر کے آس پاس سے ہی وہ اس موضوع پر، بحث و تمحیص کے دروازے کھولنے کی کاوشوں پر متوجہ ہو چکے تھے۔

بات ۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ/۲۰، اگست ۱۹۳۵ء کی ہے جب کہ انہوں نے "دارالادب" پھلواری شریف سے، بصورت مکتوب ایک استفتا لکھا تھا اور اسے پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے توسط سے "علمائے ملت اسلامیہ" کی خدمت میں بغرض "مفصل جوابات" بھیجنا مناسب سمجھا تھا۔ اپنے اس مکتوب میں ایصال ثواب کے تعلق سے انہوں نے چار شرعی سوالات قلم بند کئے تھے اور آخر میں مولانا عبیداللہ اجھری، مولانا اصغر حسین، مولانا عبدالسبحان اور مولانا دیانت حسین کے ساتھ ساتھ ملک العلماء کا نام بھی لیا تھا اور ان سب سے "خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ" فرمانے کی "باادب استدعا" کی تھی۔ تمنا عمادی کا یہی وہ مکتوب ہے جو بحیثیت استفتا، حضور ملک العلماء کے اس فقہی رسالہ کی تصنیف کا سبب بنا ہے۔

یہ رسالہ مولانا عبدالسبحان، مولانا عبیداللہ اور مولانا دیانت حسین کے علاوہ مولانا محمد عبدالرشید قادری عظیم آبادی کی تقریظات سے آراستہ ہے۔ یہ بھی بزرگ اس وقت کے مدرسین مدرسہ ہیں۔ تقریظ نگاروں میں تین شخصیتیں تو ایسی ہیں کہ تمنا عمادی نے خود اپنے مکتوب میں ان کے نام لئے تھے اور چوتھی شخصیت وہ ہے، جس کا اگرچہ نام نہیں لیا گیا تھا مگر اساتذۂ مدرسہ میں وہ شامل تھے۔ یہاں برسبیل تذکرہ، یہ وضاحت بھی شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ مصنف کتاب حضور ملک العلماء اور موخرالذکر تقریظ نگار مولانا عبدالرشید قادری ایسے بزرگوں میں ہیں کہ ان دونوں کی دستار بندی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قادری کی درخواست پر، ایک ہی محفل میں اور ایک ہی پیر طریقت حضرت شاہ التفات احمد علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔

رسالہ "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب" میں تقریظ نگاروں نے اپنے دستخط کے ساتھ جو تاریخ لکھی ہے، اس میں تمنا عمادی کے نام کے ساتھ جو تاریخ درج ہے اور مصنف نے رسالہ کے صفحۂ اختتام پر جو تاریخ رقم کی ہے ان سب پر تقابلی انداز سے غور کریں، تو واضح ہو جاتا ہے کہ جمادی الاول/اگست میں جو سوالات بھیجے گئے تھے ان کے جوابات جمادی الثانی/ستمبر میں تیار کر لئے گئے تھے اور اس کے بعد چند ماہ کے اندر میں، تقریظ نگاروں کی تحریریں بھی حاصل کر لی گئی تھیں۔ اگرچہ اس رسالہ کی اشاعت اول کا نسخہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ مگر قیاس غالب یہی ہے کہ اسے

بلا تاخیر منظر عام پر لایا گیا ہوگا۔ ''نصـرة الاصحاب'' حضور ملک العلماء کے ان علمی رسائل میں سے ایک ہے جس کی کئی اشاعتیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس وقت اس کتاب کا وہ نسخہ ہمارے سامنے ہے جو ''مدرسہ گلشن ابراہیم'' پٹنہ سیٹی کی ''مجلس اشاعت'' کے زیر اہتمام ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے۔

آج سے تقریباً پچھتر سال پہلے لکھے گئے اس رسالے کے بارے میں یہ ذکر آچکا ہے کہ اس کے نام ''نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' سے اس کا سال تصنیف برآمد ہوتا ہے، لیکن بات یہیں مختصر نہیں ہوتی، کہ مولانا موصوف نے اس رسالہ کا تاریخی نام تجویز فرمایا ہے بلکہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس طرح رسالہ کا جو عربی نام رکھا گیا ہے اس کا ایک ایک ٹکڑا معنوی تہداریوں کا حامل ہے۔ اگر ''ایصـال الثـواب'' سے اس فقہی رسالہ کا موضوع سامنے آتا ہے، تو لفظ ''اقسـام'' اس رسالہ میں آنے والی بحث و تفصیل کے خاص رخ کا بھی اشارہ دے جاتا ہے۔ ''نصـرة الاصحاب'' کا ٹکڑا، رسالہ لکھنے کے منظر و پس منظر، اس کاوش کی مقصدیت و ضرورت اور اس موضوع کی اہمیت کی طرف ہمیں صدہا اشاراتی لطافت کے ساتھ متوجہ کر لیتا ہے۔ جو تفصیلیں بیان ہو چکی ہیں، ان کی روشنی میں دیکھیں تو ''نصـرة الاصحاب'' کی گوناگوں معنویت ہے۔ اس رسالہ کا مقصد دراصل ان لوگوں کی فکری، ذہنی اور مطالعاتی مدد ہے، جو اخلاص کے ساتھ، اس موضوع کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ ''نصرة الاصحاب'' سے موضوع کی اہمیت کا رخ یوں سامنے آتا ہے، کہ گویا ایصال ثواب اور اس کی مختلف قسمیں، مصنف کے نزدیک وسیع معنوں میں دوستوں کی مدد کی مختلف صورتیں ہیں۔

اس رسالہ کی ترتیب ہم منصب مدرسین کی علمی مدد بھی تھی، کیوں کہ مستفتی نے مدرسہ کے متعدد اساتذہ سے سوال پر توجہ کی استدعا کی تھی، اس منظر و پس منظر میں بھی ''نصـرة الاصحاب'' کا معنوی اور اشاراتی دائرہ مخفی نہیں رہتا۔ غرض کہ حضور ملک العلما نے اس رسالہ کے نام کا انتخاب کرتے ہوئے بڑی ہی جامعیت، دوراندیشی اور علمی و فکری معنویت و نفاست سے کام لیا ہے۔ اس نام سے رسالہ کا سال تصنیف مل جانا اتنی اہم بات نہیں، جتنی اہم بات یہ ہے کہ اسے استعارے کی زبان میں ''نصرة الاصحاب'' کہہ دینے سے موضوع کے افہام و تفہیم کے لئے ایک مناسب علمی و نفسیاتی فضا ہاتھ آجاتی ہے۔

فقہی رسائل کی ترتیب کا جیسا کہ عام طریقہ ہے، یہاں بھی مصنف نے سب سے پہلے مستفتی کی تحریر، قارئین کے سامنے رکھ دی ہے، چوں کہ یہ استفتا، ایک خط کی صورت میں ہے۔ اس لئے اس کے جواب میں بھی وہی صورت اپنائی گئی ہے۔ جیسا کہ وضاحت ہو چکی، یہاں نہ تو مستفتی کوئی عام اور نامعروف آدمی ہے، نہ ہی کوئی کم عمر نوجوان، لہٰذا بصورت مکتوب، جواب استفتا لکھتے ہوئے، مولانا موصوف نے اس کی شخصیت اور اس کے علمی مرتبہ کا مناسب خیال رکھا ہے اور خطاب میں کوئی ایسا طریقہ نہیں اپنایا ہے، جس سے مخاطب کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ کوئی تکدر اور سبکی محسوس کرے۔ بلکہ مفتی یا مکتوب نگار یا بحیثیت نویسندہ جواب ملک العلماء نے بہت ہی ہوشیاری اور علمی و مقصدی احتیاط کے ساتھ اپنی تحریر کا آغاز کیا ہے۔

مثلاً یہ کہ مستفتی نے اپنے سوالات چوں کہ ذاتی طور پر صرف اور براہ راست مولانا موصوف کے نام نہیں بھیجا تھا، اس لئے مولانا نے یہ نہیں لکھا، کہ آپ کے سوالات میرے پاس پہونچے۔ بلکہ صرف اتنا ہی لکھا کہ ''سوالات پہونچے'' یہ اظہار مطلب میں الفاظ کو غایت درجہ احتیاط اور انتہائی برجستگی و بلاغت کے ساتھ

استعمال کرنے کی مثال ہے۔ دوسرے جملہ میں بھی یہی اشتباہ ملتا ہے کہ فاضل ظہیر مسلم لانے انہیں صرف اتنا ہی تحریر فرمایا کہ:

"دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو
نفس مسئلہ ایصال ثواب میں کلام نہیں"

بظاہر یہ سادہ سی عبارت ہے، لیکن اصلاً مسرت و اظہار مسرت کا پہلو یہ ہے کہ اس میں مصنف نے الہام و تفہیم کی انتہا کر دی ہے اور اپنے مخاطب یا متعلق یا مکتوب الیہ کو اپنی بات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک کامیاب اسلوب بیانی طریقہ اپنایا ہے اور وہ نکتہ تلاش کر لیا ہے، جس پر دونوں کا اتفاق ہے۔ مزید غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے، کہ اس میں مخاطب کے لئے مخاصمانہ حوصلہ افزائی ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے ایک خاموش تنبیہ بھی ہے، کہ زمانے کے لحاظ سے وہ جو سوالات اٹھا رہا ہے اور جن خطوط پر سوچ رہا ہے وہ نہایت خطرناک ہیں اور مزید خطرناک بن سکتے ہیں۔ تمنا عمادی کے اعتقادی احوال کی تفصیل سے جو حضرات ناواقف نہیں وہ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں، کہ حضرت ملک العلماء کی بڑی دوراندیشی اور مستقبل بینی تھی، کہ انھوں نے اپنے امکانات بھانپ لئے تھے، جو بالآخر تمنا عمادی کے اس منظوم وصیت نامے کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ جس کا ذکر تھوڑی دیر پہلے اس مضمون میں آچکا ہے۔

"نصرۃ الاصحاب" میں جواب استفتا کے ابتدائی دو پیراگراف کئی لحاظ سے کافی اہم ہیں۔ یہاں نہ صرف یہ کہ مستفتی نے سوال کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے بلکہ مولانا موصوف نے نہایت علمی داؤ پیچ اور بلاغت سے کام لیا ہے اور شاید یہ لکھ کر طنز بلیغ کا خوبصورت حق بھی ادا کر دیا ہے کہ:

"بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصال ثواب ہی میں کلام کرتے
ہیں، ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔"

پھر واقعاتی طور پر، یہاں ایک فرضی مکالمہ کا سہارا لے کر گفتگو آگے بڑھائی گئی ہے اور منطقی انداز سے سوال قائم کر کے اصل موضوع کو سمجھایا گیا ہے اور ان لوگوں کے خیال کی تردید کی گئی ہے، جو ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں، اسی پر بات ختم نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ مصنف نے ایصال ثواب کا ثبوت مانگنے والوں کے سامنے چار چیزیں رکھ دی ہیں۔ "نبی" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات، جن لوگوں نے جہان کا مشاہدہ اور جن کے لئے بھیجا گیا، ان کی تصدیق۔" اور اس طرح ایک اعتقادی اور علمی موضوع کو احساساتی و مشاہداتی سطح تک لا کر، اصلاح فکر کی راہ نہایت آسان بنادی ہے۔

حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری نے "نصرۃ الاصحاب" میں "اصل سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ" ہونے سے پہلے بقول خویش اگر "ایک علمی بات" کے طور پر، ایصال ثواب یعنی ثواب پہونچنے کے علمی ثبوت حاضر کر دیا ہے تو تحریر جواب سے پہلے "تمہیدات" کی صورت میں الفاظ "ثواب" اور "ایصال" کی علمی تحقیق بھی سامنے لادی ہے اور بتایا ہے کہ:

"ثواب، مزد عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور کام کرنے والے کو ملے...... بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو، اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے اس لئے اس کی کوئی حد نہیں ...... اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں، کہ اس امر کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے، بلکہ فلاں کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اور اس کو دیا جائے۔ اس لئے کہ توکیل اس میں صحیح ہے، جو کام انسان خود کر سکتا ہے ...... اور ظاہر ہے، کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں

کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کرسکتا، بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے، کہ خداوندا، میں نے یہ نیک کام تیرے لئے کیا ہے۔اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل و کرم سے عطا فرما......ایصال ثواب جس طرح مردوں کے لئے ہوتا ہے، زندوں کے لئے بھی ہوسکتا ہے......قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے، اس کو حق ہے کہ اس کا ثواب غیر کو دے، چاہے وہ غیر زندہ ہو یا مردہ۔"(نصرۃ الاصحاب ص ۲۱ص ۲۲ و ص ۲۴)

تمہیدی باتیں کتاب کے تقریباً آٹھ صفحات پر محیط ہیں۔ ان کا سلسلہ ص ۸ سے ص ۱۵ تک پہونچتا ہے۔ان باتوں کے بعد، اصل سوالوں کے جوابات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔تمنا عمادی کا پہلا سوال تھا کہ مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں "نصرۃ الاصحاب" کے اوراق بتاتے ہیں، کہ قرآن پاک سے مردوں کے لئے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہیں۔یعنی دعائے مغفرت، دعائے رحمت، نماز جنازہ، قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ پہلے سوال کا مدلل و مفصل جواب، کتاب کے تقریباً ۲۲ صفحات کا احاطہ کرتا ہے جو ص ۲۵ سے ص ۴۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

تمنا عمادی کا دوسرا سوال تھا، کہ رسول پاک اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی طریقہ دستور تھا یا نہیں؟ اور اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے "نصرۃ الاصحاب" میں لکھا گیا ہے، کہ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے دور میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے متداول رہے اور پھر تفصیل کے ساتھ ایسے پچیس طریقوں کی واضح و مدلل نشاندہی کی گئی ہے۔ دوسرے سوال کے جواب کا سلسلہ، کتاب کے تقریباً ۹۰ صفحات کا احاطہ کر لیتا ہے اور ص ۴۸ سے ص ۱۴۰ تک پہونچتا ہے۔

تمنا عمادی کا تیسرا سوال تھا، کہ رسول پاک کے عہد میں اہل بیت اور اصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے ان کے لئے رسول پاک نے خود یا آپ کے حکم سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور بعد از وصال یا قبل از وصال، خاص رسول پاک کے لئے، یا اپنے وقت کے اموات و شہدا کے لئے خلفائے راشدین نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا، تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ پہلے اور دوسرے سوالوں کے جوابات میں آنے والے بعض نکات کی طرف اشارہ کے ساتھ ساتھ اس تیسرے سوال کا اثباتی اور قدرے اجمالی، مگر مدلل جواب دیتے ہوئے حضور ملک العلماء نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ کتاب کے تقریباً دس صفحات پر مشتمل ہے اور ص ۱۴۰ سے ص ۱۵۱ تک پہونچتا ہے۔ یہاں ایک بہت ہی اہم گفتگو وہ ہے جو حضرت مخدوم جہاں کی کتاب "مسخ المعانی" کے حوالہ سے کی گئی ہے۔

تمنا عمادی کا چوتھا سوال تھا، کہ فقہ حنفی میں ایصال ثواب کا کوئی طریقہ لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا ہے تو وہ کیا ہے؟ اور خود امام اعظم اور صاحبین سے اس کی کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟ ان باتوں کا مثبت جواب کتاب کے تقریباً چودہ صفحات پر محیط ہے۔ جو ص ۱۵۱ سے آخری صفحہ کتاب یعنی ۱۶۴ تک پہونچتا ہے۔ کتاب کی اختتامی سطروں میں، دعائیہ کلمات اور عبارت ترقیمہ سے پہلے مصنف نے ایک بات لکھی ہے۔ جو بہت ہی نکتہ کی بات ہے، کہ ایصال ثواب کے طریقوں کو محض بدعت کی روک تھام کے نام پر مشکوک و مشتبہ قرار نہیں دیا جا سکتا، مصنف کے لفظوں میں:

''دیکھیے کہ جو لوگ بدعت پر سخت دار و گیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور ادو اشغال کے نکالتے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کر کے دوسروں کو ان نئے نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا، کہ اگر یہ طریقے شرعاً جائز ہوتے، تو ہم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کا حکم ضرور دیتے۔ یہ سب اوہام و خیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ: نہی عن المنکر کے پردے میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔''

یہ عبارت بتا رہی ہے، کہ حضور ملک العلماء نے صرف تمام سوالوں کے مدلل اور کافی وشافی جوابات لکھ دینے ہی کا فریضہ انجام نہیں دیا ہے۔ بلکہ علمی و منطقی لحاظ سے اس طرح ذہن سازی کا فریضہ بھی ادا کیا ہے، کہ اگر کہیں، کسی کے دماغ میں تشکیک کے دروازے کھل رہے ہوں، تو وہ کھلنے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں اور بدعت پر دار و گیر میں شیطانی غلو کی راہ پیدا نہ ہو۔

تمنا عمادی چونکہ خود ایک بہت پڑھے لکھے آدمی تھے، اس لئے جب انہوں نے اپنے سوالات مرتب کئے، تو حسب موقع یہ شرط بھی جابجا شامل کردی، کہ جوابات مع نقل آیات، مع نقل روایات و حوالہ کتب و تعیین صفحہ و نام مطبع ہو اور حوالہ میں پوری عبارت لکھی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ''نصرۃ الاصحاب'' کے مصنف نے، سائل کے ان مطالبوں کی تکمیل کا بطریق احسن پورا پورا خیال رکھا ہے اور نہ صرف یہ کہ مفصل حوالہ جات قلم بند کئے ہیں۔ بلکہ اخذ مطلوب کے لئے حوالہ جات کا بہترین علمی و عملی تجزیہ بھی فرمادیا ہے اور یہ حوالے زیادہ سے زیادہ مفید مطلب ہوں، اس خیال سے اکثر مقامات پر ترجمہ کا اہتمام بھی رکھا ہے۔ مطالعہ کتاب کے دوران بعض جزوی محاسن بھی قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بوسۂ قبر کے جواز ورواج پر برسبیل تذکرہ جو گفتگو آئی ہے، وہ بہت ہی کمیاب اور بہت ہی نفیس پہلو رکھتی ہے۔ اسے کتاب کے ص ۱۵۱ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کتاب کے ص ۱۰۰ پر نظر ڈالیں اور کتاب کا ص ۱۰۵ دیکھیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ملک العلماء نے اس رسالے میں حسب موقع، اپنی علمی رائے کا بھی نہایت خوبی سے اظہار کیا ہے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی ہے تو خالص طریق تدریس کا استعمال کرتے ہوئے بعض ممکنہ اعتراضات سامنے لاکر ان کے جوابات بھی مہیا فرمادیا ہے۔

جہاں تک برجستہ اور متعلقہ حوالہ جات کی فراہمی کا تعلق ہے بلاشبہ اس لحاظ سے ''نصرۃ الاصحاب'' کا تحقیقی مرتبہ بہت ہی بلند اور بہت ہی روشن ہے اور اس سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ حضور ملک العلماء بہت ہی وسیع مطالعہ اور معلومات رکھنے والے عالم دین تھے اور انہوں نے زبردست تحقیقی مزاج پایا تھا۔ قرآن پاک اور احادیث نبویہ کے علاوہ اس کتاب میں متعدد تفاسیر قرآن، حدیثی شروح وحواشی اور فقہی کتابوں کے مستند ومتداول اور خصوصی حوالے موجود ہیں۔ فاضل بہاری نے صرف عربی ہی نہیں، بلکہ متعدد فارسی کتب فقہ وتفسیر سے بھی استفادہ کیا ہے اور نفس مضمون کو واضح، مدلل اور بیش از بیش مبرہن بنانے کی خاطر بزرگان علم و تصوف کے مکاتیب وملفوظات سے بھی خوب کام لیا ہے۔

یہاں جو حوالے ہیں، عموماً بنیادی حوالے ہیں، ثانوی نوعیت کے حوالوں سے کام چلانے کی کوشش رسماً بھی نہیں کی گئی ہے۔ مصنف نے اگر حسب ضرورت، اپنے ایک علمی رسالہ کا حوالہ لایا ہے یا اپنے استاد اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دو

فقہی رسالے اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے والد گرامی علامہ نقی علی خاں کی کتاب "حسن الوعا" سے استفادہ کیا ہے، تو دیوبند مکتب فکر کے مشہور عالم کی کتاب "تحذیر الناس" سے بھی کام لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی ہے۔ جو اصلاً علمی وسعت نظر کا ایک مناسب رخ ہے۔

ایک اندازہ کے بموجب "نصرۃ الاصحب" میں مجموعی طور پر ساٹھ سے زیادہ کتابوں کے حوالے موجود ہیں اور پھر ان حوالہ جات کے توسط سے جو اقوال نقل ہوتے چلے گئے ہیں، ظاہر ہے، کہ ان کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے۔ مگر اتنے حوالہ جات و اقتباسات سمیت لینے کے باوجود بھی یہ کتاب بوجھل یا محض حوالوں کی کھتونی معلوم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ان حوالوں سے ترتیب و تسلسل بیان پر کوئی ناگوار اثر پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حوالے وہیں لئے گئے ہیں، جہاں ان کی واقعی ضرورت ہے اور اقتباسات اتنے ہی لئے گئے ہیں، جتنے نفس مضمون کی وضاحت وصراحت کے لئے ناگزیر ہیں۔ یہ الفاظ دیگر بہت ہی علمی و تحقیقی اور تجزیاتی تہذیب وشعور کے ساتھ "نصرۃ الاصحب" میں حوالوں کا استعمال ہوا ہے۔ یہاں محض معروف و متداول حوالے اور اقتباسات ہی نہیں، بلکہ بعض حوالے بہت ہی نادر، کمیاب اور بہت ہی خاص بھی ہیں۔ ایسی مذہبی تصانیف میں عموماً فارسی حوالہ جات سے کام لینے پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ جب کہ یہاں فارسی کی مستند کتابوں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا گیا ہے اور اہل طریقت مصنفین کی باتوں اور صوفی شعرا کے کلام سے بھی پرہیز نہیں رکھا گیا ہے۔ غرض کہ "نصرۃ الاصحاب" مجموعی لحاظ سے بہت ہی بلند پایہ، موثر اور منفرد علمی رسالہ ہے اور اس کا مطالعہ قاری کو بہر صورت اس کے علمی مرتبہ کا معترف بنادیتا ہے۔

☆☆☆

فتاویٰ ملک العلماء میں اصلاح وموعظت کا عنصر

ازقلم: مولانا شہاب الدین رضوی، المجمع الاسلامی، مبارکپور، اعظم گڑھ

ملک العلماء حضرت علامہ سید محمد ظفرالدین قادری برکاتی قدس سرہ العزیز اپنے دور کے ایک بلند پایہ عالم دین اور زبردست فقیہ معقولات ومنقولات کے بحرِ زخار تھے۔

آپ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور میجرا ضلع نالندہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی نے خاندانی روایت کے مطابق چار سال چار مہینہ چار دن کی عمر میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند بیتھوی کے دست حق پرست سے آپ کی بسم اللہ خوانی کرائی۔

آپ کے اساتذہ یہ ہیں:۔ حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین، مولوی عبد اللطیف، مولانا شیخ محی الدین اشرف، مولانا شیخ بدر الدین اشرف، مولانا مہدی حسن میجروی، مولانا فخر الدین حیدر، مولانا معین الدین، مولوی محمد ابراہیم، حافظ محمد اسمٰعیل، منشی اکرام الحق وغیرہ۔

درس نظامی کی اہم کتابیں حضرت محدث سورتی سے پڑھیں ۱۳۲۱ھ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر انہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ ہی کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا۔ دوران تعلیم اعلیحضرت ملک العلماء کو بے حد محبوب رکھتے تھے۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوب میں آپ کو بہت سے اہم خطابات سے نوازا ہے۔ اور بہت شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

مکرمی مولانا، مولوی محمد ظفرالدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا: سنی خالص، مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں (حیات ملک العلماء: پروفیسر مختارالدین آرزو ص۳)

فراغت کے بعد ہی سے بلکہ زمانہ طالب علمی ہی سے دین متین کی گوناگوں خدمات میں مشغول رہے تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، درس وتدریس، فتویٰ نویسی اور دیگر ذرائع سے آپ نے ایک عالم کو فیضیاب کیا۔

آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں علامہ ساحل سہسرامی کے ترتیب وتقدیم کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں اعلیحضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ جیسا فقہی تبحر جھلکتا ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں جہاں وسعت مطالعہ، آداب افتا کی رعایت، اصول وضوابط کے ایجاد، مخالفین کا تعاقب، تفقہ، حدیث اور اسماء الرجال پر مہارت کا عنصر دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہیں

آپ نے اصلاح وموعظت کا وہ انوکھا انداز اپنایا ہے جو ایک دین کا دردر کھنے والے سچے خادم دین ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ آپ نے تدبر، نکتہ سنجی اور دقت نظری کے جوگل کھلاتے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہے، آپ کے فتاویٰ سے اصلاح وموعظت کی چند مثالیں پیش ہیں۔ سلسلہ مداریہ میں بیعت ہونے نہ ہونے کے متعلق ایک تفصیلی سوال کے جواب میں آپ نے جس وقار ومتانت کے ساتھ مصلحت آمیز جواب عنایت فرمایا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے آپ فرماتے ہیں۔

واقعی طریقہ بیعت حضرت سیدنا بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز کا سوخت ہے، حضرت نے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بیعت نہ کیا اور جن لوگوں کو مرید کیا، ان میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔

بغیر شرائط پیری بیعت لینا جائز نہیں ...... منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں، اس سے کہ اصل مبتدأ حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک ہے اور یہ مشائخ کرام کی ذات بمنزلہ جداول نہر ہے، تو اگر نہر سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہیگا اور جو جداول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرابی ممکن نہیں ـــ لوگوں کو اختیار ہے، جس سلسلہ میں چاہے، مرید ہوں، مگر بہتر ہے سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ شریفہ میں داخل ہوں۔

پیری کے تینوں شرائط بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسے سے دستار فضیلت پائے ہو، بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ وبے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر آنکھوں پر ہے، مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں، بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔ (فتاوی ملک العلماء ص ۳۱۸۔۳۲۰)

ان اقتباسات میں جہاں اصلاح وموعظت کا رنگ جھلک رہا ہے، وہیں یہ ایجاز اور اختصار کے ساتھ معانی ومفاہیم کی بھرپور افادیت سے بھی لبریز ہیں، یہ تمام باتیں بے اصل وسند نہیں لکھیں، بلکہ ہر حکم کا حوالہ بھی درج ہے، اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کر دیا گیا۔

قاضی کو نکاح خوانی کا نذرانہ لینے اور اجنبی شخص جس نے دلہن کو دیکھا نہیں ہے، اس کی شہادت پر نکاح ہونے نہ ہونے کے سلسلہ میں سوال ہوا، اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اگر دولہا نکاح کرنے والے قاضی کو کچھ بطور ہدیہ پیش کرے اگر چہ وہ شخص مالدار ہو، صاحب ثروت ہو، لینے میں مضائقہ نہیں، اس لئے کہ یہ زکوۃ کا پیسہ نہیں کہ اغنیا کو لینا حرام ہو، بلکہ ہدیہ وتحفہ ہے، اس کے لینے میں مضائقہ نہیں۔

مسئلہ نکاح میں عام طور پر ایک غلط فہمی ہورہی ہے وہ یہ کہ جو لوگ عورت سے توکیل کے لئے جاتے ہیں، جن کے سامنے عورت توکیل کا اقرار کرتی ہے، انہیں کو نکاح کا گواہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ وہ دو شخص جو زنانے میں جا کر عورت سے اجازت لیتے ہیں، وہ صرف توکیل کے گواہ ہیں، یعنی ان دونوں کے سامنے عورت نے فلاں شخص کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی، نکاح کے گواہ وہ سب مجمع والے ہیں اور وہ لوگ جن کے کہنے سے شوہر نے اقرار وقبول کیا، غرض جن جن لوگوں نے اقرار وقبول کے الفاظ سنے، وہ سب کے سب نکاح کے گواہ ہیں (ایضاً ص ۲۷۷)

حضرت ملک العلماء نے اصلاح امت کے لئے رد ومناظرہ تصنیف وتالیف میں اپنی ساری عمر گذار دی۔ آپ کے فتاویٰ میں بھی ملی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔ اخلاص اور شائستگی کے ساتھ نرم لب ولہجہ میں موقع محل کی مناسبت

سے دل پذیر انداز میں حکم شرع سناتے ہیں۔

باپ کی رضا کے بغیر سلوک کے منازل طے کرنا کیسا ہے؟

باپ کا لڑکے کو اذکار و اشغال سے روکنا غلط ہے یا صحیح؟ یہ سوال آپ کی بارگاہ میں ہوا!

اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:۔

یہ شخص (یعنی لڑکا) ضرور گنہ گار ہے، اسے ہرگز روا نہیں کہ رضائے والد واجب کو چھوڑ کر شغل و اشغال ایک مستحب کام میں مشغول ہو۔ کسی عبادت کو قبول کرنا یا اس کے منہ پر مار دینا اللہ کی مرضی ہے، اس کا ہمارے پاس ٹھیکہ نہیں کہ قبولیت یا مردودیت عبادت کا پروانہ دیا جائے کہ مجھے اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا معاذ اللہ نہیں۔ ہاں اس کے فضل سے امید کی جاتی ہے جو اسکی مرضی کے موافق ہو، اپنی رحمت سے قبول فرمالے، مگر والدین کی ناراضگی میں ہرگز اس کی رضا نہیں ۔۔۔ اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہو یا اسے اپنی ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں، اگر اس کا کوئی حرج نہیں، تو ذکر و فکر شغل و اذکار سے اپنے بیٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو (ایضاً ص ۳۰۹)۔

اس مفصل فتویٰ میں اصلاح و موعظت کے انداز میں مزید فرماتے ہیں:۔

پس صورت مستفسرہ میں جبکہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہے، ہرگز اسکو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔۔۔ باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیونکر اجازت دی جائیگی، اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے والد کی فرمابرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اسکی قدر کرے۔ (ایضاً ص ۳۰۵)

زید فضولی نے بالغہ باکرہ کا نکاح مجمع عام اس کے والد کی اجازت سے گواہ متعین بغیر کر دیا، اس زید نے یا اس کے باپ نے لڑکی سے قبل نکاح یا بعد نکاح اجازت لے لی تھی، ساتھ ساتھ لڑکی کو معلوم تھا کہ آج اس کا نکاح خالد کے ساتھ ہونے والا ہے، جب اس کو اطلاع دی، تو وہ چپ رہی، نکاح کے بعد خلوت صحیحہ بھی ہوگی، اس صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح ضروری ہے۔

اس سوال کے جواب میں دو مفتیان کرام نے ٹھوکر کھائی اور بے احتیاطی میں حکم شرع کے خلاف مسئلہ بتا دیا کہ نکاح کی صحت محل نظر ہے۔ حضور ملک العلماء نے اس کا مفصل مصلحانہ جواب عنایت فرمایا جس کے چند اقتباسات پیش ہیں: صورت مسئولہ میں نکاح صحیح و نافذ ہوا، اب نہ تصریح اذن ہندہ کی ضرورت نہ تجدید نکاح کی حاجت۔

مفتی صاحب کو تنبیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

مولوی صاحب یہاں تک کہ جو لکھا محض اجتہاد تھا اور اپنے خیال پر احکام تھے، اب عوام کے نزدیک فتویٰ کی عزت اور اسے بھاری بھر کم بنانے کو عربی عبارت تحریر فرمائی، مگر اس سے تو نہ لکھنا ہی اچھا تھا (فتاویٰ ملک العلماء ص ۱۹۴۔۱۹۷)

یہ آپ کے فتاویٰ کی چند مثالیں تھیں، ورنہ آپ کی پوری زندگی اصلاح امت تبلیغ و ارشاد سے عبارت تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے نوک قلم سے ستر سے زائد کتابیں معرض وجود میں آئیں، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہیں، آپ کا زیادہ وقت درسی مشاغل میں گزرتا تھا، لیکن اسی میں سے کچھ وقت نکال کر کار افتا اور رد و مناظرہ کی خدمات خوب انجام دیں، آپ کے فتاویٰ کی تعداد اگر چہ کم ہے، لیکن تحقیق و جستجو کے لحاظ سے بہت سی ضخیم جلدوں پر بھاری ہیں۔

حضورِ ملک العلماء: صحیح البہاری کی روشنی میں

از قلم مفتی عبد القیوم ہزاروی سرپرست شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان

ائمہ مجتہدین کا وجود اسلام اور ملت اسلامیہ کیلئے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت خصوصی ہے جنہوں نے مختلف جہات میں اسلام کی تدوین کیلئے کام کیا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ محدث اور ائمہ محدثین کے استاد ہونے کے باوجود انہوں نے اجتہاد و استنباط کی راہ کو ترجیح دی جبکہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد اگرچہ مجتہد مطلق اور فقیہ ہیں مگر اس کے باوجود روایت حدیث کا پہلو ان پر غالب رہا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اسلاف اور محدثین میں شمار کیا اور اپنی فقہ کو فقہ الحدیث تک محدود رکھا اسی بناء پر ان ائمہ کے مقلدین اور تلامذہ ائمہ حدیث قرار پائے کہ انہوں نے اپنے مسلک کی مؤید احادیث کو مرتب فرما کر جوامع سنن معاجم اور مسانید کی صورت میں پیش کیا۔ خصوصاً شوافع حضرات نے اس میدان میں سبقت دکھائی ہے اور اپنی اس خدمت کے پیش نظر انہوں نے یہ تاثر قائم فرمانے کی کوشش کی کہ شافعی مسلک احادیث کے موافق ہے۔

حالانکہ انہوں نے کتب میں اپنی تمام مسائل ان احادیث کی تخریج پر صرف فرمائی جو ان کی نظر میں اپنی فقہ کی مؤید تھیں اور احادیث کا وہ ذخیرہ جو حنفی مسلک کا مؤید تھا اس کو انہوں نے نظر انداز فرمایا پھر غیر متعلقہ ابواب کے تحت ذکر کیا اور اگر ان میں سے بعض نے غیر جانبداری سے کام کیا تو صرف اتنا کہ ایسی روایات کو متعلقہ باب کے تحت صرف اپنی بحث میں درج فرمایا۔ لیکن باب کے تحت مطلوب و مقصود انہی روایات کو رکھا جن کو انہوں نے اپنی نظر میں اپنے لئے مؤید سمجھا مثلاً امام مسلم نے "قراءۃ خلف الامام" کے مسئلے میں احناف کے مؤید روایات کا ذکر نہیں فرمایا اور ایک روایت "اذا قرأ القرآن فانصتوا" کو ذکر تو فرمایا لیکن غیر متعلق باب تشہد میں اور بھی بحث کے دوران ایک سوال کے جواب میں ذکر کیا، امام ترمذی اس مسئلے میں حنفی مسلک کی مؤید بعض روایات کو غیر متعلق باب میں لائے۔ مگر زیر بحث ذکر فرمایا۔

غرضیکہ ان محدثین نے اپنی کتب میں شافعی مسلک کی مؤید روایات کو ہی درج فرمایا اور ان کا حق تھا، لیکن اپنے اس عمل پر جو نتیجہ انہوں نے مرتب فرمایا، وہ افسوسناک ہے کہ حنفی مسلک احادیث سے مؤید نہیں، بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ کی فقہ اپنی رائے پر مبنی ہے جو احادیث کے مخالف ہے اس تاثر سے انہوں نے احناف کو "اصحاب الرائے" اور کبھی "اہل الرائے" اور کبھی "بعض الناس" وغیرہ نا مناسب الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا اور یہاں تک کہ فقہاء میں امام اعظم ابوحنیفہ کا نام تک ذکر نہ فرمایا اور اگر شاذ و نادر ذکر کیا بھی، تو رد اور طعن کرنے کیلئے۔ ورنہ عام طور پر اہل کوفہ، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک کو ذکر کر کے حنفی مسلک کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جبکہ اکثر طور پر ان حضرات کی طرف منسوب قول حنفی مسلک نہیں ہوتا۔ میری نظر میں شافعی محدثین خصوصاً صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے امام ترمذی علوم حدیث اور فقہ الحدیث اور اختلاف مسالک کے

امام ابوحنیفہ کے لئے یہ حکم کیوں مختص ہے۔

۴۔ آپ کے معیار کے مطابق فقہ شافعی کے بانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑے اہل الرائے اور تارک الحدیث، مخالف الحدیث قرار پائیں گے۔ کیونکہ ہر مسئلے میں انکے دو مختلف قول ہیں، بغداد میں فقہی مسلک کچھ تھا۔ پھر مصر تشریف لے جانے کے بعد ہر مسئلے میں فقہی مسلک مختلف ہوگیا، ظاہر ہے کہ مسلم محدث ہونے کی حیثیت سے ان کا پہلا اور دوسرا دونوں مسلک احادیث سے مستنبط ہیں جب پہلا مسلک متروک قرار پایا، تو لازم آیا کہ موجودہ شافعی مسلک ان ذخیرۂ احادیث کے مخالف ہے جو پہلے مسلک کا مبنی تھا، تو اتنے بڑے ذخیرۂ احادیث کے مخالف مسلک والے حضرات کا خود کو موافق حدیث اور امام ابوحنیفہ کو مخالف حدیث یا تارک حدیث قرار دینا باعث افسوس ہے۔

لہٰذا لاکھوں احادیث میں سے اپنے مسلک کی تائید کے خیال سے چند ہزار احادیث کو مرتب کر کے یہ دعوی کرنا کہ فلاں امام کا مسلک مطلقاً احادیث کے خلاف ہے۔ یہ بہت بڑی زیادتی اور نا انصافی ہے۔ اس کے باوجود ردعمل کے طور پر ائمۂ احناف کا شوافع حضرات کے مقابلے میں اپنے مسلک کے موافق اور مؤید احادیث کو کتابی صورت میں مرتب نہ کرنا، تعجب خیز ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع حضرات پر حقیقت واضح کرنے کیلئے معرکۃ الآراء کتاب ''شرح معانی الآثار'' مرتب فرمائی، لیکن پھر بھی احناف نے صرف معروف صحاح ستہ پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھی اور اپنے درس و تدریس میں ''شرح معانی الآثار'' کو وہ مقام نہ دیا، جس کی وہ حقدار تھی احناف کے اس استغناء سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شافعی محدثین کے دعوے کو قابل اعتناء نہ سمجھا ورنہ امام طحاوی کی خدمات کو اپنے لئے غنیمت سمجھتے کہ انہوں نے حنفی مسلک کی مؤید احادیث یکجا مرتب کر کے نہ صرف کتابی صورت میں پیش کیا، بلکہ شافعی حضرات پر حقیقت کو واضح کر کے انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر طعن کا مؤثر اور مسکت جواب دیا احناف کے اس طرز عمل نے سوچنے پر مجبور کیا، تو غور وفکر کے بعد جو بات سمجھ میں آئی، وہ یہ ہے، کہ لکل فن رجال ایک حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کام کیلئے جس کو پیدا فرمایا۔ اس کو اسی کام کی لگن دے دی لاکھ عوارضات ہوں وہ سب کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی توجہ کو اپنے کام پر مرکوز رکھتا ہے، دیگر ائمہ اور ان کے متعلقین سے اللہ تعالیٰ نے روایت حدیث کے ساتھ ساتھ درایت حدیث کا کام لیا اور انہوں اپنے اس کام کو بام عروج تک پہونچایا۔

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے متعلقین کو اللہ تعالیٰ نے جس کام کیلئے منتخب فرمایا، وہ کام انتہائی دقیق اور بلند ہے۔ جس کیلئے فہم وفراست کی انتہائی گہرائی اور تدقیق کے ساتھ ساتھ فہم بلند پرواز بھی ضروری تھی۔ کیونکہ دقیق ورفیع چیز کو حاصل کرنے کیلئے ادق وارفع جدو جہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ احناف کے حصے میں جو کام آیا، وہ قرآن وحدیث کے دقیق معانی اور تاویلات کا فہم واستنباط ہے۔ جو مقاصد شرع اور فطرت انسانی دونوں کے مطابق وموافق ہوں تا کہ ''الدین یسر'' ''یسروا ولا تعسروا'' اور ''لا یرید اللہ بکم العسر'' کے معیار پر شرائع واحکام کی تدوین ہو سکے، یسر کیلئے ضروری ہے کہ اسکے اصول قطعی اور جامع ہوں کیونکہ شک و انتشار قدم قدم پر مشکلات کا باعث ہوتے ہیں۔ جو اجتماعیت میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ احناف کے وضع کردہ اصول جہاں مقاصد شرع کے مطابق ہیں وہاں وہ فطرت انسانی کے بھی قریب ہیں اور

جیسے وہ قطعی ہیں ایسے ہی وہ جامع بھی ہیں اسی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی دوتہائی اکثریت حنفی مسلک پر عمل پیرا ہے۔ بلکہ مالکی، شافعی، حنبلی بھی بعض مسائل میں حنفی مسلک پر عمل کیلئے مجبور ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ قرآن وحدیث نے تفقہ اوراجتہاد کا جو اعلیٰ معیار بیان فرمایا، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد وتفقہ ہی اس معیار کا ہے، اب قرآن وحدیث کی روشنی میں معلوم کرنا چاہئے کہ اجتہاد اور تفقہ فی الدین کے مراتب کیا ہیں، اور ائمہ میں سے کس نے کس مرتبے کا کام کیا اور کون سا مرتبہ مقصود شارع ہے اور اس مطلوبہ معیار کو کس نے پایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جائیگا، کہ امام ابوحنیفہ اوران کے متعلقین حدیث روایت کی طرف کیونکر متوجہ نہ ہوئے۔ ترمذی، ابوداؤد، احمد وغیرہم کی روایت کردہ حدیث میں رسول علیہ السلام کا ارشاد ہے رب حامل فقه لیس بفقیه ورب حامل فقهٍ الی من هو افقه منه یعنی حامل حدیث اور راوی حدیث فقیہ نہ ہوگا یا ہوگا لیکن جس کو وہ سنا رہا ہے وہ زیادہ فقیہ اور افقہ ہوگا یہاں افقہ کو حامل اور راوی نہیں فرمایا بلکہ اس تک پہونچ کر روایت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں فرب مبلغ اوعیٰ له من سامع (اوعی ای افهم واتقن) یعنی سننے سنانے اور روایت والے جس کو پہونچا رہے ہیں، وہ افہم و اتقن ہوگا، یہاں بھی جس کو اوعیٰ فرمایا۔ وہ مبلغ ہے یعنی اس کو راوی سے بالا ذکر فرمایا۔ ابونعیم کی روایت ہے عن ابن مسعودٍ رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ من یرد اللّٰه به خیراً یفقه فی الدین یلهمه رشدهٗ یعنی بہترین فقیہ وہ ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اپنا رشد الہام فرمائے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ نصوص کے الفاظ ومعانی کے علاوہ الہامی رشد کا بھی حامل ہو اور صرف روایت کی بجائے الہامی ملکے سے بھی کام لے، امام حسن بصری نے فقیہ کی تعریف میں فرمایا البصیر با مر دینه یعنی نصوص کے الفاظ ومعانی اسے باطنی ادراک اور ینظر بنوراللہ کا مقام بھی عطا کرے جبکہ یہ باطنی ادراک منصب روایت سے وراء ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ اعلیٰ وافضل فقیہ کا منصب روایت نہیں۔ بلکہ روایات کا باطنی ادراک وبصیرت ہے، جس کو بروئے کار لا کر اوعیٰ افقہ اور افہم کے منصب پر فائز ہونا ہے۔

ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں امام محی السنہ صاحب المصابیح کا قول معالم التنزیل سے نقل فرمایا۔ لکل آیه منها ظهر وبطن اور بطن کی تفسیر میں فرمایا البطن تاویله وقد یفتح اللّٰه علیٰ المتدبر والمتفکر من التاویل والمعانی ما لا یفتحه علیٰ غیره و فوق کل ذی علم علیم۔ یعنی نصوص میں تدبر اور تفکر سے وہ معانی اور تاویل حاصل ہوتے ہیں۔ جو محض روایت سے حاصل نہیں ہوتے۔ امام محی السنہ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہوا، کہ نصوص میں تدبر اور تفکر فقیہ کا اعلیٰ منصب ہے، جو کہ روایت کا منتہیٰ ومقصود ہے۔ ابوداؤد وابن ماجہ کی روایت العلم ثلاث آیةٌ محکمةٌ او سنةٌ قائمةٌ اوفریضةٌ عادلةٌ فریضهٔ عادلہ میں ملا علی قاری نے تین قول نقل فرمائے۔ قیل المراد بها الحکم المستنبط من الکتاب والسنة بالقیاس، قیل فریضة معدلةٌ بالکتاب والسنة ای مزکاة بهما قیل ما اتفق علیه المسلمون۔

غرض کہ فریضۂ عادلہ سے مراد استنباط واجتہاد سے حاصل شدہ حکم ہے تینوں اقوال مؤید ہوا اور ایسا کہ اس پر مسلمان متفق ہو پائیں۔ یعنی وہ مستنبط حکم فطری اور قطعی وجامع ہوتا، کہ اس کے معیار پر وہی مستنبط حکم ہوگا، جو کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں سے

مطابقت رکھتا ہو دونوں پر عمل سب کیلئے آسان ہو سکے۔ اس معیار کو قرآن نے یوں بیان فرمایا۔ لعلمه الذین یستنبطونه منهم یہاں علم یستنبطون کے ذریعے اسکی قید منھم کی طرف راجع ہے یعنی استنباط کرنے والوں میں سے بعض ادراک کر لیتے ہیں۔ سب کو یہ مقام حاصل نہیں، اس شان کے استنباط والے مجتہدین میں کون ہے، تو متفق علیہ روایت لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من ھؤلاء اور ترمذی کی روایت لو کان الدین عند الثریا لتناوله رجال من الفرس. جبکہ حلیہ ابونعیم کی روایت میں یوں ہے۔ لو کان العلم معلقا بالثریا لتناوله قوم من ابنائے فارس.

ان روایات میں ایمان دین اور علم پھر عند الثریا معلقا بالثریا اور نال تناول نیز رجال من ا لفارس والفرس پر نگاہ اور منھم قابل غور ہیں قرآن وحدیث کی اصطلاح میں علم کا استعمال قطعی اور یقینی معنی میں ہوتا ہے پھر علم کا تعلق یستنبطون ڈالتے ہی واضح ہو رہا ہے کہ ایمان کے مرتبے کا علم جو خود اعلیٰ وارفع یقین ہے عند الثریا فرما کر اس کی رتبی بلندی کو حسی بلندی کی طرح بدیہی قرار دیا پھر معلقا کی روایت نے یہ بتا دیا کہ وہ یقینی علم دوسروں کے لئے ثریا کے جھرمٹ میں پھنسا ہوا ہے۔ جس کے حصول سے وہ عاجز ہیں اور کنال لتناول من رجال الفارس کے الفاظ والی خبر نے اس کے یقینی حصول کو مؤکد بنا کر فارسی الاصل شخصیت کیلئے مختص کر دیا۔

لہٰذا لعلمه الذین یستنبطون منهم کے مصداق کو ان روایت نے متعین کر دیا کہ استنباط کرنے والوں میں سے یقینی اور قطعی علم یعنی شارع کی مراد اور مقاصد کو پانے والا صرف امام الائمہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ غرضیکہ امام ابوحنیفہ کو جس کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا، وہ روایات وحکایات نہیں، بلکہ نصوص اور مرویات سے ایسے قطعی اور جامع اصول مستنبط کرنا ہے۔ جو انسانی فطرت کے قریب ہوں، تاکہ لوگ ان کو تسلیم کریں اور فطری رہنمائی پا کر عمل کر سکیں۔ امام ابوحنیفہ کی اس یکتائی کا اعتراف خود ائمہ حدیث اور فقہاء نے فرمایا۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ شریف میں نقل فرمایا کہ ائمہ شافعیہ فرماتے ہیں، کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدارک ایسے دقیق ہیں جن کو اکابر اولیاء ہی پہچانتے ہیں اولیائے کرام فرماتے ہیں، کہ امام اعظم و ابویوسف سرداران اہل کشف و مشاہدہ ہیں ''استاد المحدثین امام اعمش'' شاگرد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واستاد امام اعظم نے امام سے کہا: اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے ابوحنیفہ تم نے تم دونوں کنارے لئے ''امام اجل سفیان ثوری نے فرمایا'' ابوحنیفہ کا خلاف کرنے والا اس کا محتاج ہے کہ ان سے مرتبے میں بڑا، علم میں زیادہ ہو اور ایسا ہونا دور ہے ''امام شافعی نے فرمایا'' تمام جہاں میں کسی کی عقل ابوحنیفہ کی مثل نہیں'' امام علی بن عاصم نے کہا اگر ابوحنیفہ کی عقل تمام روئے زمین کے نصف آدمیوں کی عقل سے تولی جائے، تو امام ابوحنیفہ کی عقل غالب آئیگی امام بکر بن جیش نے کہا'' اگر ان کی عقل کا تمام اہل زمانہ کی مجموع عقلوں کے ساتھ کریں، تو ایک ابوحنیفہ کی عقل ان تمام ائمہ وا کابر و مجتہدین ومحدثین وعارفین سب کی عقل پر غالب آئے'' امام شافعی نے فرمایا: ''الناس عیال ابی حنیفه فی الفقه'' امام نضر بن شمیل نے فرمایا'' کان الناس نیا ما عن الفقه حتیٰ ایقظهم ابو حنیفة لفقهه بما فتقه وبینه.. خطیب بغدادی نے کہا، عوام کیلئے رفق ورافت ہی ابوحنیفہ کی فقہ ہے امام شعرانی شافعی نے فرمایا

عوام ابو حنیفہ کے وجود پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، کہ انہوں نے انکے لئے وسیع گنجائش پیدا کی ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا، مذہب حنفی کی کتاب میں جس طرح مضبوط قواعد واصول موجود ہیں ایسے شافعیوں کے ہاں نہیں ہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا: "ما خالفته (ابی حنیفه) فی شیء الدرایت الذی ذهب الیه اتجیٰ فی لآخرة وربما کنت ملت الیٰ الحدیث وکان هو الصبر بالحدیث وقال مارایت اعلم بشرح الحدیث من ابی حنیفه رضی الله عنه امام ترمذی نے فرمایا 'الفقهاء اعلم المعانی الحدیث" کو صاف اعتراف ہے، کہ رب حامل فقه لیس بفقیه 'ورب حامل فقه الیٰ من هو افقه منه کما قال ﷺ کہ امام ابو حنیفہ ہی افقہ کے مصداق ہیں،

جہاں تک حدیث کے میدان میں خدمات کا تعلق ہے، تو یہاں بھی احناف کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ خود امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو فقہ کی طرح حدیث میں بھی تقدیم حاصل ہے اور کوئی بھی محدث امام صاحب کے سلسلۂ تلمذ سے خارج نہیں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے ائمۂ ثلاثہ کے مقابلے میں امام اعظم کے تلامذۂ احادیث زیادہ ہیں۔ اگر چہ خالص کتب حدیث اور روایات کی ترتیب میں کثرت دیگر ائمہ کو حاصل ہے۔ لیکن وسعت فقہ اور کثرت کتب فقہ کا فخر احناف کو حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ کثرت اور وسعت احادیث کی کثرت کو مستلزم ہے۔ کیونکہ فقہ فرع ہے اور وہ بغیر اصل محقق نہیں ہوتی لیکن اصل بغیر فرع متحقق ہوتی ہے محدثین معترف ہیں کہ نحن صیادلة وانتم یا معشر الفقهاء الاطباء اور فرمایا الفقهاء اعلم بمعانی الحدیث تو معانیء حدیث بغیر حدیث اور طبیب بغیر صیادلت ممکن نہیں۔

چنانچہ فقہاء احناف نے کتب فقہ میں جزئیات فقہ کو جابجا احادیث سے مؤید فرمایا ہے۔ اسکے علاوہ کتب حدیث خصوصا صحاح ستہ کی شروح اور تعلیقات میں جو مقام احناف نے پیدا فرمایا ہے۔ دوسروں کو حاصل نہیں، باقی رہا، حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کا مسئلہ، تو اس میں خود شافعی حضرات زیادہ مبتلا ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں حدیث ضعیف کے وجوہ زیادہ ہیں، تو ضعیف احادیث کی تعداد بھی ان کے ہاں زیادہ ہے۔ جبکہ ضعیف حدیث مفید احکام نہیں۔ لہٰذا ان حضرات کو احکام کے لئے حدیث کی بجائے قیاس کی طرف رجوع کی ضرورت زیادہ ہے۔ مثلاً صرف متصل حدیث ان کے ہاں حجت ہے باقی تمام اقسام ان کے ہاں ضعیف ہے اس طرح مرفوع کے مقابلے میں باقی دونوں قسموں کو حجت نہیں مانتے نیز مجمل جرح سے بھی حضرت راوی کو ساقط الاعتبار قرار دیکر اسکی روایت کو ضعیف بناتے ہیں۔

جبکہ احناف کے ہاں ہر قسم کی حدیث قیاس سے مقدم ہے بشرط کہ قطعی یا مشہورہ متواتر نص یا شرعی مسلمہ قاعدے کے خلاف نہ ہو، پھر ان حضرات کے ہاں، تو صحیح حدیث بلکہ قرآن کے مجمل میں بھی قیاس کو دخل ہے۔ کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے قاعدے نے ان کو مطلق نص (خواہ قرآن ہو یا صحیح حدیث ہو) کو مقید پر قیاس کرنے پر مجبور ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن کے اطلاق کو بھی حدیث سے مقید کرنے کے لئے قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ یونہی.. مامن عام الا ان یخص منه البعض. انکے اس قاعدے نے ان کو ہر عام قطعی ہو یا ظنی، کو قیاس سے متاثر کرنے پر مجبور کیا ہے، بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا، کہ یہ حضرات اپنے قیاس کے اتنے پکے ہیں کہ اپنے قیاس کے مقابلے میں سینکڑوں احادیث کو صحیح کہہ کر متروک العمل قرار دیتے ہیں، ان حضرات کے ہاں ایسے بھی مراحل ہیں کہ وہاں عاجز ہو کر کہہ دیتے ہیں، کہ یہ حدیث ممکن العمل نہیں ہے، وہاں احناف کو بتانا پڑتا ہے کہ آپکا قیاس وقاعدہ ناقص

ہے ورنہ حدیث ممکن العمل ہے۔

ان حقائق کے باوجود یہ کہنا کہ احناف اہل الرائے ہیں اور حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ سادگی یا بے خبری کے سوا کچھ نہیں۔ احناف کے یہاں یہ عادت نہیں کہ کسی کو جرح کا نشانہ بنایا جائے یا احادیث کو ضعیف کہہ کر متروک قرار دیا جائے، بلکہ وہ قیاس کو استعمال ہی وہاں کرتے ہیں، جہاں کوئی نص یا حدیث نہ ہو مثلاً قہقہے والی حدیث کے مقابلے میں احناف نے قیاس و قاعدے کو برطرف رکھ دیا۔ احناف نے امام طحاوی، امام زیلعی، علامہ عینی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی شخصیات بطور نمونہ دکھائی ہیں۔ جن کا جواب ابھی تک سامنے نہیں آیا، ویسے بھی کثرت روایات اگر اہم فضیلت ہوتی، تو حضرات خلفائے اربعہ اور دیگر اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس فضیلت سے خالی نہ ہوتے اور حضرت ابو ہریرہ، عمرو بن عاص اور حضرت انس جیسے کثیر الروایات صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین سے کم از کم افضل تو نہ ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں۔ پھر اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ علیہم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر و حضر میں معیت زیادہ حاصل رہی اور احادیث کے حفظ و جمع اور کتابت کے مواقع زیادہ پائے۔ اس کے باوجود انہوں نے احادیث کے حفظ و جمع اور کثرت الروایات کو ترجیح نہ دی بلکہ قرآن و حدیث کے فہم و ادراک میں دلچسپی رکھی اور اسی خدمت کو انہوں نے اہم سمجھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی روایت و حکایت کے مقابلے میں فہم مقاصد اور ادراک معانی کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا.. لیلنی منکم اولو الا حلام والنھی.. اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم چونکہ اس اہم خصوصیت میں کامل تھے اسی خصوصیت کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا.. علیکم بسنتی وسنۃ خلفائی..

ائمہ مجتہدین میں سے خلفاء اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خصوصیت کو کس نے پایا، وہ احناف ہی ہیں جنہوں نے مجرد روایات کے جمع و تدوین پر اہم مقاصد میں مصروفیات کو ترجیح دی اور آج دنیا میں قابل عمل مکمل اور جامع فقہی مسلک اگر موجود ہے، تو وہ احناف کی کاوش اور محنت سے ہے۔ جس کا اعتراف تمام ائمۂ مسالک نے فرمایا۔

ہندوستان میں حنفی مسلک کی تائید کے لئے خالص احادیث کے مجموع کا احساس احناف کی فقہی کتب میں چونکہ فقہی جزئیات کو قرآن، حدیث، اجماع و قیاس ادلۂ اربعہ میں کسی نہ کسی دلیل سے مدلل کیا گیا ہے۔ اس لئے اہل علم نے مجرد احادیث کے مجموعے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی اور نہ ہی وہ اس طرف متوجہ ہوئے البتہ بعض اہم فقہی ابحاث کو مدلل کرتے ہوئے، بعض حنفی اکابر نے اپنے ذوق کے مطابق علمی انداز میں حسب ضرورت احادیث کے کچھ مجموعے مرتب فرمائے، مثلاً ہندوستان میں، حضرت الشاہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی نے گیارہویں صدی ہجری میں حنفی مسلک کی تائید کے لئے احادیث کا پہلا مجموعہ مرتب فرمایا۔ جس کا نام، فتح المنان فی تائید مذھب النعمان.. رکھا۔ پھر اسکے بعد بارہویں صدی ہجری میں علامہ سید مرتضٰی بلگرامی نے اس موضوع پر.. عقود الجواھر المنیفه فی ادلة امام ابو حنیفه.. کے نام سے مجموعۂ احادیث مرتب فرمایا تاہم ان مجموعوں کی حیثیت خالص علمی ذوق کے مظہر کی سی رہی ان کو لابدی ضرورت نہ سمجھا گیا۔

برصغیر ہندوستان پر انگریز نے اپنے تسلط کے بعد مسلمانوں میں افتراق و تشتت پیدا کرنے کی غرض سے اپنی سرپرستی میں ایک گروہ کو ائمۂ اربعہ کے مقابلے میں کھڑا کیا۔ جس نے ائمۂ اربعہ کی

تقلید کو شرک قرار دیتے ہوئے براہ راست حدیث پر عمل کا دعویٰ شروع کر دیا۔ انگریز کے کاشت کردہ اس پودے نے اپنی جہالت کی بناء پر صحاح ستہ کو ہی تمام ذخیرۂ احادیث قرار دیا۔ احادیث کو صرف صحاح ستہ میں محصور سمجھا اور شور مچایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی حنفی اکثریت کا مذہب احادیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ صحاح ستہ کی حدیث کے موافق نہیں ہے اس موقع پر ہندوستان کے بعض علماء نے عوام کو تردد سے محفوظ رکھنے کے احساس سے حنفی مسلک کی مؤید احادیث کو محدثانہ انداز میں مرتب کرنے کا اقدام فرمایا۔ چنانچہ اس دور کی پہلی کوشش علامہ ظہیر احسن شوق بہاری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمائی انہوں نے چودہویں صدی ہجری کی ابتداء میں ''آثار السنن'' کے نام سے فقہی ابواب کی ترتیب پر کتاب کو مرتب کرنا شروع کیا۔ لیکن افسوس! کہ ابھی یہ کتاب ''کتاب الحج'' کے آخری ابواب پر تھی کہ مصنف علیہ الرحمہ کا ۱۳۲۲ھ میں وصال ہو گیا۔ علامہ پروفیسر مختار الدین آرزو کے بقول اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۱۸ھ میں مصنف علیہ الرحمہ کی حیات میں لکھنؤ قومی پریس میں طبع ہوا جس کے کل صفحات ۲۱۱ تھے جو علماء احناف کے یہاں نہایت مقبول ہوئی اور پروفیسر صاحب مدظلہ کے بیان کے مطابق انکے دور میں یہ کتاب صوبۂ بہار کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل تھی، جس سے اس کتاب کی اہمیت اور مقبولیت عیاں ہوتی ہے۔
اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن پاکستان میں ملتان سے شائع ہوا ہے، جس کا راقم الحروف نے مطالعہ کیا ہے میری نظر میں یہ کتاب صحاح ستہ کا درس دینے والے حنفی مدارس کیلئے طہارت، صلوٰۃ اور جنائز کے اختلافی مسائل میں بے حد مددگار ہے۔ اگر مصنف علیہ الرحمۃ کی مساعی سے یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو نہ صرف باقی تمام کتب سے مستغنی کر دیتی بلکہ سنن میں اپنا امتیازی مقام حاصل کر لیتی۔

آثار سنن اور اس کے مؤلف کا مختصر تعارف

نام، کنیت اور لقب : ظہیر احسن بن سبحان علی صدیقی، ابوالخیر شوق
ولادت : بروز بدھ ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ
وفات : بروز جمعہ ۱۷/ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ
شیخ واستاذ: محدث شہیر مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی و مولانا عبدالحی لکھنوی انصاری
سن تالیف آثار سنن: ۱۳۱۴ھ
طبع اول : قومی پریس لکھنؤ ۱۳۱۸ھ دو اجزاء میں کل صفحات ۲۱۱
طبع ثانی مع التعلیقات: مکتبۂ امدادیہ ملتان پاکستان ۱۴۱۸ھ ایک جلد میں کل صفحات ۳۴۲
ابتداء کتاب الطہارۃ.. باب المیاہ عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لایبولن احدکم فی الماء الدائم الذی یجری ثم یغتسل فیه اختتام کتاب.. باب زیارة قبر النبی ﷺ عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال ان بلالاً رایٔ فی منامه رسول الله ﷺ وهو یقول ما هذا الجفوة یا بلال اما ان لک ان تزورنی.. احادیث کی کل تعداد.. ۱۱۱۴ صفحات کل تعداد.. ۲۱۱

اس سلسلے کی دوسری اور تیسری کوشش چودہویں صدی میں ہوئی۔ اس دور میں مذکورہ موضوع پر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد عبداللہ بن مولانا سید مظفر حسین حیدر آبادی نے ''زجاجة المصابیح'' اور حضرت ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین رضوی فاضل بہار نے ''جامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری'' کے نام سے کتابیں مرتب فرمائیں، اول الذکر (زجاجة المصابیح) کو علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہد صاحب حیدر آبادی نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے انداز پر مرتب فرمایا۔ اس کے ابواب اور ان کے عنوانات بالکل

مشکوٰۃ کے موافق ہیں۔ لیکن ہر باب میں حنفی مسلک کے مؤید روایات کو یکجا کردیا گیا ہے۔ جس میں احادیث، آثار، سنن اور فتاویٰ صحابہ کا کثیر ذخیرہ موجود ہے، جو حنفی مسلک کیلئے مآخذ کا کام دیتا ہے۔ اس کے ساتھ مصنف علیہ الرحمہ نے بعض ضروری مقامات پر حواشی کے ذریعے حدیث کے مقصد کو قرآن اور دیگر روایات سے مؤید فرمایا ہے یہ کتاب پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ جس کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

جلد اول: کتاب الایمان تا باب الاعتکاف کل صفحات ۵۹۰

جلد ثانی: فضائل القرآن تا باب النذور کل صفحات ۶۰۹

جلد ثالث: کتاب القصاص تا کتاب الرؤیا کل صفحات ۴۶۴

جلد رابع: کتاب الاداب تا باب بدالخلق و ذکر الانبیاء ۴۱۴

جلد خامس: فضائل سید المرسلین تا ثواب ھذہ الامۃ کل صفحات ۴۰۵

''مشکوٰۃ المصابیح'' کے مقابلے میں ''زجاجۃ المصابیح'' کو بعض خصوصیت نے ممتاز کیا ہے۔

۱۔ بخاری شریف کے انداز پر ہر کتاب کے ابتداء میں متعلقہ قرآنی آیات کو جمع کیا گیا۔

۲۔ مشکوٰۃ میں جہاں شافعی مسلک کی رعایت سے عنوان قائم کئے گئے ہیں۔ ان مقامات میں یہاں حنفی مسلک کی رعایت سے عنوان قائم کئے گئے ہیں۔

۳۔ مشکوٰۃ میں مسئلے سے متعلق احادیث کو تین فصلوں پر منتشر کیا گیا ہے۔ جبکہ یہاں ان احادیث کو یکجا کردیا گیا ہے۔

۴۔ کسی مسئلے میں اگر احناف کے اقوال کا اختلاف ہوتو یہاں مفتیٰ بہ قول کی مؤید روایات کو فراہم کیا گیا ہے۔

۵۔ اگر مؤید روایات پر کچھ فنی اعتراض تھا، تو حواشی میں اس اعتراض کو رفع کیا گیا ہے۔

۶۔ مشکوٰۃ میں تقریباً ہر باب کو تین فصلوں پر منقسم کیا گیا ہے۔ مگر یہاں فصلوں کا التزام نہیں کیا گیا۔

۷۔ زجاجۃ کو پانچ اجزاء پر منقسم کر کے قاری کیلئے استفادے میں آسانی پیدا کی گئی ہے اور اس مقصد کیلئے جلد کا سائز بھی متوسط رکھا گیا ہے۔

۸۔ حدیث کی یہ واحد مکمل کتاب ہے، جو کسی ہندوستانی عالم نے کتب حدیث کے موافق تمام فقہی ابواب پر حنفی مسلک کی تائید میں مرتب فرمائی۔

''زجاجۃ المصابیح'' اور اس کے مؤلف کا مختصر تعارف

نام، کنیت اور لقب: سید عبد اللہ بن سید مظفر حسین شاہ، ابوالحسنات، محدث حیدرآبادی

استاذ: مولانا علامہ مولوی محمد عبدالرحمن بن مولانا احمد علی سہارنپوری

سن تالیف: ۱۳۶۸ھ

مقام تالیف: حیدرآباد (دکن)

طبع اول: ۱۳۷۳ھ حیدرآباد

طبع ثانی بمساعی جمیلہ: مصنف کے تلمیذ وخلیفہ، مولانا عبدالستار ہیں۔ ۱۴۱۱ھ خیریہ کتب خانہ کوئٹہ پاکستان۔

جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری

و حضور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفرالدین رضوی

تعارف کتاب ومصنف:

مصنف کے فرزند ارجمند فاضل شہیر، ادیب لبیب، پروفیسر مختارالدین احمد آرزو نے ''صحیح البہاری'' کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے موقعہ پر یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق ۷ر مارچ ۱۹۹۲ء میں مصنف اور کتاب کا تعارف قلم بند فرمایا، پروفیسر صاحب کا یہ تعارفی مقالہ ۳۴ر صفحات پر مشتمل

ہے۔ تحریر مختصر ہے، مگر دلالۃً مبسوط ہے۔ جس کے متعلق انہوں نے خود فرمایا۔

یہ چند صفحات مصنف علام حضور ملک العلماء فاضل بہار پر جن میں صرف انکی زندگی اور تصانیف پر گفتگو کی گئی ہے ارتجالاً لکھ دیئے گئے یہ اوراق انشاء اللہ ایک مکمل سوانح عمری کیلئے جس کی ترتیب و اشاعت کی ضرورت ہے، پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔

(مختار الدین احمد)

پروفیسر آرزو صاحب مدظلہ کے بیان سے مؤلف اور تالیف کے متعلق معلومات کا خلاصہ درج ذیل ہے، نام، کنیت، لقب اور ولدیت، (علامہ مولانا مولوی) ظفر الدین ابو المختار، حضور ملک العلماء فاضل بہاری قادری رضوی ابن عبد الرزاق اشرفی۔

پیدائش: ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ۔ وفات ۱۱ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ

مشہور اساتذہ:

اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا بشیر احمد علی گڑھی، مولانا حامد حسن رامپوری، مولانا کبیر الدین، مولانا ابراہیم، مولانا عبد الطیف، مولانا محی الدین اشرف، مولانا بدر الدین اشرف، مولانا مہدی حسن، مولانا محمد اسماعیل بہاری، قاضی عبد الرزاق، مولانا فخر الدین، مولانا منعم، مولانا اکرام الحق، مولانا معین اظہر، مولانا عبد اللہ کانپوری۔

مدارس جہاں تعلیم حاصل کی:

گھر، مدرسہ غوثیہ حنفیہ بین پٹنہ، مدرسہ حنفیہ پٹنہ، دار العلوم کانپور، امداد العلوم کانپور، احسن المدارس کانپور، ''دار الحدیث پیلی بھیت، مصباح التہذیب بانس بریلی، منظر اسلام بریلی شریف،

مدارس جہاں تدریس فرمائی:

منظر اسلام بریلی شریف، دار العلوم جامع مسجد شملہ، مدرسہ حنفیہ آرہ ضلع شاہ آباد، مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار ضلع پورنیہ، مدرسہ ظفر منزل پٹنہ، جبکہ جامعہ نعمانیہ لاہور کیلئے تقرری ہوئی مگر بریلی سے شملہ کیلئے اچانک منتقل ہونا پڑا۔

جن مدارس کے قیام میں سعی فرمائی:

اعلیحضرت کے یہاں حاضری کے بعد منظر اسلام بریلی کے قیام کیلئے مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی سمیت پہلے طالب علم بنے۔ جامع مسجد شملہ میں مدرسہ قائم فرما کر تدریس کی۔ زندگی کے آخری دور میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار میں دس سال تدریس کے بعد اور کچھ پہلے، اپنے گھر پٹنہ میں ظفر منزل کو مدرسے کی صورت دی۔

بعض شریک درس حضرات:

مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی، مولانا غلام مصطفےٰ، مولانا محمد ابراہیم اوگانوی، سید غلام محمد بہاری، سید عبد الرحمن بیتھوی، مولانا محمد اسمٰعیل بہاری، مولانا سید عاشق حسین فاضل شمسی، مولانا مفتی عمیم الدین، مولانا ظہور نعیمی، مولانا حافظ عبد الرؤف نائب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور، مولانا نظام الدین بلیاوی، مولانا محمد یحییٰ بلیاوی۔

چند مشہور تلامذہ:

مولانا احسن الہدیٰ، مولانا قمر الہدیٰ، مولانا سید فرید الحق، مولانا نذیر الحق رمضان پوری وغیرہم۔

چند مشہور معاصرین:

مولانا حامد رضا خان، مولانا حسن رضا خان، مولانا مصطفےٰ رضا خان، مولانا محدث کچھوچھوی، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا امجد علی صدر الشریعہ، مولانا عبد السلام جبلپوری،

مولانا احمد اشرف، مولانا دیدار علی، مولانا احمد مختار، مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا رحیم بخش، مولانا لعل خان، مولانا عبد الاحد، مولانا عبد الباقی، مولانا شفیع احمد، مولانا حسنین رضا خان۔

تصانیف:

مختلف فنون کے مختلف موضوعات پر کل ستر کتابیں مرتب فرمائیں۔ جن میں بعض مشہور درج ذیل ہیں۔

شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ	۱۳۲۴ھ
خیر السلوک فی نسب الملوک	۱۳۳۳ھ
بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ و الصیام	۱۳۳۵ھ
مؤذن الاوقات	۱۳۳۵ھ
تنویر السراج فی ذکر المعراج	۱۳۵۳ھ
نافع البشر فی فتاویٰ ظفر	۱۳۴۹ھ
حیات اعلیٰ حضرت	۱۳۴۹ھ
المجمل المعدد لتالیف المجدد	۱۳۲۷ھ
الجواھر و الیواقیت فی علم التوقیت	۱۳۳۰ھ
جواھر البیان	۱۳۳۳ھ
عافیہ (صرف)	۱۳۳۵ھ
چودھویں صدی کے مجدد	۱۳۶۷ھ
الجامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری	۱۳۴۵ھ

اجمالی تعارف کے بعد مناسب تھا، کہ مصنف علیہ الرحمہ کے متعلق کچھ تفصیلی تعارف قارئین کی نظر کیا جا تا۔ لیکن پروفیسر آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالے میں مصنف علیہ الرحمہ کے متعلق شخصی اور نجی معلومات، دین وملت کیلئے ان کے پر خلوص جذبات، احقاق حق و ابطال باطل میں مجاہدانہ مصروفیات، علوم وفنون کی کثرت و بہتات، تدریس و تالیف میں کثیر باقیات، زہد و تقویٰ پر دال قابل اعتبار واقعات اور ان کو آغوش تربیت میں رکھنے والی یکتا شخصیات کو جامع انداز میں بیان کر دیا ہے، اگر چہ مصنف علیہ الرحمہ کی ظاہری اور باطنی عظمت کے اظہار میں پروفیسر صاحب کا اتنا ذکر کر دینا کافی تھا، ''جس ذات گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علمی فیوض حاصل کیے، وہ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کی صحبت بابرکت میں برسہا برس رہے'' یا اعلیٰحضرت کے خلیفہ تاج الدین لاہوری کے نام ایک مکتوب کو بیان کر دینا ہی مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت کا جامع بیان تھا۔''

مکرمی مولوی ظفر الدین قادری فقیر کے ہاں اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی، اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں، میں اتنا ضرور کہوں گا، کہ سنی، خالص مخلص، صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی، عام درسیات میں عاجز نہیں، مفتی ہیں، واعظ ہیں، مصنف ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ'' اور پھر اعلیٰحضرت نے مصنف کے نام اپنے ایک مکتوب میں یوں فرمایا'' آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے ثبات علی السنہ ہے اب کون زائد ہے، کس پر نعمت بیشتر ہے، آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر'' اور کبھی یوں اظہار فرمایا'' حبیبی، ولدی، قرۃ عینی، اور کبھی یوں خطاب فرمایا'' ولدی الاعز، حامی سنت، ماحی فتن، جان پدر بلکہ از جان بہتر'' کلام الامام کے اس امام الکلام نے مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کے متعلق ہمہ پہلو با کمال بلکہ انتہائی با کمال اور جامع بے مثال ہونے کی شہادت دیدی، تو امام اہلسنت، مجدد ملت رہبر شریعت وطریقت، مخزن علوم، مظہر عجائب قدرت کی اس جامع توصیف کے بعد کسی دوسرے کی کیا ہمت ہے کہ وہ مؤلف کی

توصیف و تالیف کا دعویٰ کرے ہاں "اما بنعمت ربک فحدث" کے تحت اس نعمت الٰہی کی مدح ہر ممنون پر لازم ہے کہ یہ شکر الٰہی ہے نفس نعمت کا ذکر اور اسکی مدح بھی منعم کا شکر ہے۔

تعارف کتاب :

علامہ پروفیسر آرزو صاحب نے اپنے مقالے میں تعارف کتاب مختصر مگر جامع انداز میں بیان فرمایا، لہٰذا راقم الحروف پروفیسر صاحب کے بیان کی روشنی میں کتاب سے متعلق کچھ وضاحتی معروضات پیش کریگا۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا، اس کتاب کا نام "الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری" رکھا، اس پر حاشیے میں پروفیسر صاحب نے فرمایا جلد اول، کتاب العقائد کے اس نسخے پر جو بخط مصنف ہے۔ جلی قلم سے نام "سنن الرضوی" لکھا ہے۔ ناموں کی تطبیق بیان کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے حاشیے میں فرمایا، ممکن ہے پہلے یہی نام رکھا ہو۔ لیکن جب کام زیادہ پھیلا، تو سنن پر جامع کو ترجیح دے کر مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الرضوی" رکھ دیا ہو"۔

پروفیسر صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کا نام پہلے "سنن الرضوی" تھا۔ پھر وسعت کی وجہ سے "الجامع الرضوی" کو ترجیح دی گئی، جبکہ معروف نام "صحیح البہاری" رہا، اصطلاح محدثین میں فقہی ابواب و احکام پر مرتب احادیث کے مجموعے کو، سنن، اور مخصوص آٹھ ابواب جن میں، آداب، تفسیر، فتن، اشراط، اور مناقب شامل ہیں کے تحت مجموعۂ احادیث کو جامع کہتے ہیں، اگر محدثین کی اصطلاح کا لحاظ کیا جائے، تو "سنن الرضوی" بترکیب اضافی کتاب کا نام درست ہے۔ کیونکہ پروفیسر صاحب نے اپنے تعارفی مقالے میں اور خود مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مقدمے میں جو مشمولات کتاب ذکر فرمائے۔ ان کے مطابق اصطلاحی نام، سنن ہی مناسب ہے۔ ان مشمولات میں الجامع، کے

آٹھ ابواب میں سے کم از کم چار ابواب تفسیر، فتن، اشراط اور مناقب کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اصطلاحی طور پر کتاب کا نام "الجامع الرضوی" یا "جامع الرضوی" ترکیب توصیفی ہو یا اضافی کسی طرح درست نہیں۔ پھر پروفیسر صاحب نے اپنے تعارفی مقالے میں ایک جگہ بترکیب اضافی "جامع الرضوی" لکھا اور جہاں کتاب کا مستقل تعارف دیا۔ وہاں اسی کے حاشیے پر بترکیب توصیفی "الجامع الرضوی" ذکر فرمایا، جبکہ شمولیت کے پیش نظر اصطلاحی طور پر اس کتاب کا نام "الجامع" درست نہیں ہے۔ حالانکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں جلد ثانی، کے مطبوعہ حصص کے ٹائٹل پر بھی جلی قلم میں بترکیب اضافی "جامع الرضوی" لکھا ہے۔

میری نظر میں اس کتاب کا نام "جامع الرضوی" دو طرح سے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک یوں کہ جامع اصطلاحی مراد لیا جائے اور توجیہہ یہ کی جائے، کہ مذکورہ مشمولات کو مصنف علیہ الرحمہ نے ابتدائی خاکے کے طور پر فرمایا، جبکہ جامع، کے بقیہ ابواب کا اضافہ بھی مقصود تھا، دوسری توجیہہ جو کہ ظاہر ہے، مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے نام میں، جامع، کو اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں فرمایا، بلکہ لغوی معنی سے، جامع کو مضاف قرار دیا۔ یعنی رضوی کا مرتب کردہ مجموعۂ احادیث، اس لغوی معنی کے اعتبار سے ترکیب توصیفی بھی درست ہو جاتی ہے، کیونکہ لا مشاحة في الاصطلاح لیکن بترکیب اضافی "جامع الرضوی" بالکل درست ہے۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے خود مقدمے میں ذکر کیا اور فرمایا ھذا ثانِ المجلدات الصحاح الست لجامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری مجلد اور مطبوعہ کتاب کے ٹائٹل پر بھی بہ عنوان جلی "جامع الرضوی" منظور فرمایا۔ اس کی تائید مزید یہ ہے کہ معروف نام میں بھی صحیح البہاری بترکیب اضافی مقدمے میں ثبت فرمایا۔ پروفیسر صاحب

کے مقالے میں جہاں بترکیب توصیفی ''الجامع الرضوی'' لکھا گیا۔ وہ تصرف ناسخ معلوم ہوتا ہے معروف نام صحیح البہاری مصنف نے مقدمے میں اور پروفیسر صاحب نے بھی ہر جگہ یہ نام بترکیب اضافی ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ متعین ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں ''صحیح'' حدیث کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے۔ جس میں مصنف نے صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا ہو۔ جبکہ ہر مصنف کی شرائط صحت مختلف ہیں۔ لہٰذا کسی کتاب کے ''صحیح'' ہونے کا معیار مصنف خود متعین کرتا ہے۔ اس لئے کتاب کو ''صحیح'' سے معنون کرنا ہر محدث کی اپنی اصلاح پر موقوف ہے۔

حضرت فاضل بہار محدث رضوی نے ''صحیح'' کے متعلق اصطلاح یوں بیان فرمائی ہے:

''ان احادیث الکتاب اما صحاح او حسان لما صرح العلماء ان الحدیث المروی من طرق ضعیفة لیصل الیٰ درجة الحسن کما سیاتی فلما وصل الحدیث الضعیف بکثرة الطرق الیٰ درجة الحسن لم یبق ضعیف اصلاً ولذا لم جهدافی تکثیر الاحادیث ما استطعت لیر تقی الضعیف الیٰ درجة الحسن والحسن الی الصحیح (مقدمۃ الکتاب، الفائدۃ الاولیٰ)

یعنی اس کتاب کی احادیث صحیح ہیں یا حسن ہیں۔ کیونکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے، کہ ضعیف حدیث، جب متعدد طرق ضعیفہ سے مروی ہو، تو وہ درجہ حسن کو پہونچتی ہے۔ جب ضعیف کے طرق متعدد ہو جائیں، تو پھر وہ ضعیف نہیں رہتی۔ اسلئے میں نے اپنی پوری کوشش سے ہر حدیث کے کثیر طرق جمع کیے ہیں۔ تاکہ حدیث، ضعف سے حسن اور حسن سے درجۂ صحیح تک پہنچ جائے۔

لہٰذا ''صحیح البہاری'' میں ''صحیح'' منسوب الیٰ المصنف ہے۔ تو بترکیب اضافی یہ عنوان، اصطلاحی طور پر بھی درست ہے ویسے بھی معروف کتب صحاح کی طرح مصنف علیہ الرحمہ کو بھی تقلیب کا حق ہے۔ جس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس کتاب کو جو حقیقتاً زمرۂ سنن میں ہے'' جامع الرضوی'' المعروف بصحیح البہاری'' سے معنون کرنا برحق ہے اور مصنف کا ابتداءً مقدور مقدمہ میں ''هذامجلدتان من المجلدات الصحاح الست'' فرمانا بھی صحیح اور درست ہے، کہ المجلدات کو الصحاح اور الست دو صفات سے موصوف فرمایا۔ کیونکہ یہ صحیح البہاری کی چھ مجلدات ہیں، تو ظاہر ہے، مجلدات بھی صحاح ہیں۔

پروفیسر علامہ آرزو صاحب نے فرمایا: ملک العلماء نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا خاصہ حصہ صرف فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فقہ حنفی کی تائید میں یہ کتاب مرتب فرما رہے تھے۔ چونکہ فقہ جزئیات کے احکام سے بحث کرتی ہے خصوصاً فقہ حنفی، جس کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جزئیات کے دائرے کو وسیع تر بناتی ہے۔ اسکی موافقت میں احادیث کی تخریج کا دائرہ بھی وسیع کرنا ضروری تھا، جس کے لئے مصنف علیہ الرحمہ کو ممکن الحصول کتب احادیث کی تلاش۔ حصول۔ اور پھر ان کی ورق گردانی کرنا پڑی۔ پھر وہ دور بھی ایسا تھا، کہ ماسوائے چند تمام کتب حدیث مطبوعہ نہ تھیں، تو قلمی نسخوں کیلئے سفر بھی ضرور کرنا ہوا، اس سلسلے میں مصنف علیہ الرحمہ کی محنت اور کاوش کا اندازہ صحیح البہاری کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ کتاب میں ایک ایک مسئلے پر جمع کردہ ذخیرۂ احادیث دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے، کہ اتنا بڑا ذخیرہ مصنف کو کہاں سے اور کیسے میسر ہوا۔

مثلاً ایک مسواک کے مسئلے میں ۱۲ر فصلیں اور ہر فصل میں کثیر احادیث جو ۲۵ر سطری ۷ر صفحات میں پھیلی ہیں۔ جن کی تعداد

ایک سو کے قریب ہے۔ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا کتنا حصہ صرف کیا ہوگا، حالانکہ انہوں نے تمام عمر تدریس، تبلیغ اور افتاء میں بسر فرمائی اور مزید یہ کہ ''صحیح البہاری'' کے علاوہ مختلف فنون میں ستر کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ اس سے ان کے قلم اور عمل کی سرعت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، پروفیسر صاحب نے مقالے میں فرمایا:

''اسے چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا، اس منصوبے کی تفصیل کو مصنف علیہ الرحمہ نے خود اپنے مقدمے میں ذکر فرمایا ہے۔ جس کی تلخیص پروفیسر صاحب نے فرمائی ہے لہٰذا اس خاکے کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے مصنف علیہ الرحمہ کے مقدمے کو دیکھا جائے۔ جس میں عقائد سمیت طہارت سے لیکر فرائض تک فقہ کے تمام ابواب کو چھ جلدوں میں تقسیم کرتے ہوئے ہر جلد کے مشمولات کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر اس سنن صحیح البہاری کی تالیف مکمل ہوجاتی اور مطبوعہ جلد ثانی کے اندازے پر ہر باب کی فقہی جزئیات کی مؤید احادیث کا ذخیرہ یکجا جمع ہوجاتا، تو نہ صرف فقہ حنفی کی احادیث کے ساتھ مکمل مطابقت عیاں ہوجاتی، بلکہ حدیث کے میدان میں بھی احناف کا دیگر محدثین پر تفوق واضح ہوجاتا، نیز یہ کہ فقہ کو حدیث کے مقابل اور جدا سمجھنے والوں کی جہالت نمایاں ہوجاتی اور نافہم لوگوں کو معلوم ہوجاتا، کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ کی طرح حدیث میں بھی امام اعظم ہیں۔

صحیح البہاری کی تقسیم کے متعلق پروفیسر صاحب مدظلہ کی بیان کردہ تلخیص کا خلاصہ یہ ہے، کہ کتاب العقائد تا کتاب الفرائض تمام ابواب و چھ جلدوں پر تقسیم کرکے ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مرتب کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن اس پروگرام پر عمل کی مکمل تفصیل کے بیان سے اعراض فرمایا، عملی کام کے متعلق صرف اتنا بیان کیا کہ جلد اول یعنی کتاب العقائد میں اختلافی مسائل تھے اس لئے اسے پہلے نہ شائع کرکے دوسری اور تیسری جلد جو طہارۃ، نماز، زکوٰۃ اور حج پر مشتمل تھی، شائع کرنے کا منصوبہ فاضل مؤلف نے بنایا۔ اس لئے کہ عام مسلمانوں کو ان مسائل کی واقفیت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اشاعتی منصوبے میں دوسری اور تیسری دونوں جلدوں کا ذکر ہے۔ لیکن اشاعتی عمل میں صرف جلد ثانی کی اشاعتی تفصیلات کو بیان فرمایا، یہاں تیسری جلد کی اشاعت کا بیان چھوڑ دیا اشاعت کے منصوبے میں تیسری جلد کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے، کہ تیسری جلد کا کم از کم مسودہ ضرور موجود تھا، جبکہ یہاں حاشیے میں صرف پہلی جلد کے مسودے کا ذکر کیا کہ میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے، لیکن تیسری جلد کے مسودے کا ذکر نہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ جلدوں کی طرح تیسری جلد کا مسودہ بھی موجود نہیں ہے، اگر ہوتا تو ضرور ذکر فرماتے۔ حالانکہ مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مقدمے میں جس طرح چھ جلدوں اور ان کے مشمولات کو تفصیل سے بیان فرمایا۔ اس سے تمام جلدوں کی مسودات کے وجود کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن مقدمے کی عبارت میں یہ بھی ہے۔ هٰذا مجلد ثان من المجلدات الصحاح الست لجامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری الذی اردت جمعه و تر تیبه. الخ.

جس سے ایک احتمال ابھرتا ہے ہذا کا مشار الیہ ذہنی ترتیب ہے، اور کسی جلد کا مسودہ تیار نہیں جیسا کہ ''اردت'' کا لفظ دال ہے۔ بعد میں جلد ثانی مرتب کرکے شائع کی گئی جبکہ مقدمہ مرتب ہوچکا تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہے، کہ ہذا کا مشار الیہ جلد ثانی کا مسودہ ہے اور، ''اردت'' کا تعلق بقیہ مجلدات سے ہے یعنی جلد ثانی کیلئے یہ مقدمہ الحاقی ہو بقیہ جلدوں کے لئے غیر الحاقی ہو، جبکہ دوسرا احتمال ظاہر ہے۔ پروفیسر صاحب کی مسودات سے خاموشی بھی اس

کی تائید کررہی ہے۔ اس صورت میں مصنف علیہ الرحمہ کے چھ جلدوں اور انکے مشمولات کے تفصیلی بیان کو ذہنی خاکے پر محمول کیا جائیگا۔ تاہم پروفیسر صاحب مدظلہ کا تیسری جلد کو اشاعتی منصوبے میں ذکر کرنا قابل فہم ہے پروفیسر صاحب نے پہلی جلد کتاب العقائد کے متعلق جو ذکر فرمایا، کہ وہ اختلافی مسائل پر مشتمل ہے درست ہے اور اس سے پہلے دوسری جلد کی اشاعت کی بیان کردہ وجہ بھی درست ہے۔

لیکن پہلی جلد کو سرے سے اشاعتی منصوبے میں ذکر نہ کرنے کی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔ کم از کم دوسری جلد کے ساتھ تیسری جلد کی طرح پہلی جلد کو بھی اشاعتی منصوبے میں ذکر تو کیا ہوتا، جبکہ اسکا مسودہ بھی تیار تھا، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے حاشیے میں ذکر فرمایا کہ ''جلد اول کا مسودہ بخط مؤلف رحمۃ اللہ علیہ راقم کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے، صفحات ۲۶۱ر سطور فی صفحہ ۲۱ر اس میں ۶۰۰ر ابواب ہیں اور احادیث کی تعداد کا تخمینہ تین ہزار کے قریب ہے، اسکی ابتداء ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ کو ہوئی'' تو تیسری جلد (جس کا مسودہ معلوم نہیں) کو اشاعتی منصوبے میں ذکر کرنا اور جلد اول (جس کا مسودہ بالکل تیار اور محفوظ ہے) کو ذکر نہ کرنا قابل غور ہے، جہاں تک راقم الحروف کے فہم کی رسائی ہے اس کے مطابق دوسری جلد کی اشاعت کے مقابل میں پہلی جلد کی اشاعت عام مسلمانوں کیلئے زیادہ اہم تھی۔ کیونکہ عقائد کا معاملہ ہر مسلمان کیلئے مقدم اور ضروری ہے۔ خصوصاً دیوبندیت وہابیت کے فتنے کے دور میں جس کے خلاف مصنف اور ان کے شیوخ رحمہم اللہ تعالیٰ مصروف جہاد تھے۔ لہٰذا جلد اول کا مسودہ مکمل ہونے کی صورت میں دوسری جلد کی اشاعت کو مقدم اور ضروری سمجھنا ناقابل فہم ہے، پھر عقائد کو اتنا غیر اہم قرار دینا، کہ اشاعت کے منصوبے سے ہی خارج رکھا جائے یہ کم از کم مصنف علیہ الرحمہ کے مشن کے خلاف ضرور ہے۔

لہٰذا جلد اول کتاب العقائد کو اشاعت میں مؤخر کرنے کی کوئی معقول وجہ ضرور ہے وہ میری نظر میں یہ ہے کہ جلد اول کا مسودہ در اصل ابھی مکمل تیار نہ تھا۔ مسودے کے جس حصے کا ذکر فرمایا وہ بیشک محفوظ ہے لیکن مکمل نہیں اس کی ایک دلیل جو بالکل واضح ہے کہ مسودے کے ابواب کی فہرست سے پہلے ابتدائی صفحے کی پیشانی پر ایک طرف بخط مصنف علیہ الرحمہ تحریر ہے۔

فهرس مايقال صحيح البهاري بحسب الكتب والرسائل الرضويه پھر اس عنوان کے تحت اعلیٰحضرت کی کتب ورسائل کو ذکر کرتے ہوئے پہلی سطر میں ''سبحان السبوح'' از صفحہ ۱ر تا ۱۴ر اسی طرح پورے صفحے کتب ورسائل کو نمبر وار ذکر کرکے فہرست تیار کی گئی ہے اور اس فہرست کی آخری کتاب ''تجلی المشکوٰۃ'' کو نمبر ۶۲ر دے کر از ۲۶۱ر تا ۲۶۱ر لکھا ہے۔ اس صفحے کی آخر میں ''ختم شد خاتمہ'' کے الفاظ بھی تحریر شدہ ہیں جب ابواب کی فہرست اور کتاب کو دیکھا۔ صفحہ ۱ر تا ۱۴ر ''سبحان السبوح'' میں ذکر کردہ احادیث کو ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب جیسا کہ عنوان سے عیاں ہے، کہ اعلیٰحضرت کی کتب ورسائل میں ذکر کردہ احادیث متعلقہ عقائد کو جلد اول میں قائم کردہ مناسب ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس فہرست میں اعلیٰحضرت کی جن کتب کو ذکر کیا گیا ہے، ان کی کل تعداد ۶۲ر ہے۔ جبکہ ابھی سینکڑوں ایسی کتب باقی ہیں، جن میں اعلیٰحضرت نے احادیث متعلقہ عقائد ذکر فرمائی ہیں۔ دیگر رسائل وکتب کا ذکر چھوڑ یئے، اس فہرست میں فتاویٰ رضویہ کی جلد اول دوم کے سوا بقیہ جلدوں کا ذکر نہیں۔ حالانکہ فتاویٰ کی چھٹی جلد عقائد وکلام سے متعلق ہے۔ جس کا ذکر یہاں ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ تو معلوم ہوا، کہ ابھی مصنف علیہ

الرحمہ کی نظر میں اس جلد کا کام باقی تھا، باقی رہا یہ سوال، کہ اس مذکورہ صفحے کے آخر میں ختم شدہ خاتمہ کے الفاظ ہیں تو اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جلد ثانی کی طرح جلد اول کی بھی کئی حصص پیش نظر ہوں تو جلد اول کے حصہ اول کا خاتمہ۔ ختم شد۔ ہو اور مسودے کے نامکمل ہونے کی دوسری دلیل یہ کہ متعدد صفحات میں متعدد جگہ حدیث نامکمل درج ہے۔ متن مکمل نہیں، یا ابتداء میں راوی صحابی کا ذکر یا آخر میں منقول عنہ کتاب حدیث کا ذکر نہیں ہے۔ ایسے تمام مقامات میں بیاض ہیں، جس کا مطلب واضح ہے، کہ ابھی مصنف علیہ الرحمہ کا ان بیاضات کو پر کرنا باقی تھا اور تیسری دلیل یہ ہے، کہ ابواب کی فہرست کو کتب ورسائل کی مرتبہ فہرست کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ جس کتاب میں عقائد سے متعلق جو حدیث ملی ہے اس کے مناسب باب قائم کر دیا گیا ہے۔ یعنی ابواب کی ترتیب میں مناسبت کا کام بھی باقی تھا ورنہ ابواب کی موجودہ فہرست میں انتشار ہے جو کسی بھی سلیم الطبع کے ہاں قابل تہذیب ہے۔

غرضیکہ کتاب میں بہت سے بیاضات ہیں جس کا مطلب واضح ہے کہ ابھی مصنف علیہ الرحمہ کا ان بیاضات کو پر کرنا باقی ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ مسودے میں ابواب کی فہرست کو کتب ورسائل کی مرتبہ فہرست کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، جس کتاب میں عقائد سے جو حدیث ملی وہیں۔ اس کا مناسب باب قائم کر دیا گیا ہے، یعنی ابواب کی ترتیب میں ابھی مناسبت کرنا باقی ہے ورنہ ابواب کی موجودہ فہرست میں انتشار ہے جو مصنف علیہ الرحمہ کی طبع سلیم سے بعید ہے۔

اس لئے اس کی تہذیب ضرور ان کے پیش نظر ہوگی،

یہاں ایک خدشہ ہے، جو مذکورہ وجوہ کے نتیجے کو مشکوک بناتا ہے، وہ یہ کہ اس ابتدائی صفحے میں جس پر کتب ورسائل اعلیحضرت کی فہرست ہے۔ فہرست کے آخر میں ختم شد، خاتمہ، کے الفاظ بخط مصنف درج ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جلد ثانی کی طرح جلد اول کے بھی کئی حصص مصنف علیہ الرحمہ کے پیش نظر ہو سکتے ہیں، تو جلد اول کے حصہ اول کی فہرست کا، خاتمہ، اور ختم شدہ، مراد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس جلد اول کتاب العقائد کے سرنامے کے مطابق ابھی کام خصوصاً ''فتاویٰ رضویہ'' کی چوتھی جلد کتاب السیر عقائد وکلام والے اہم حصے کی احادیث کو شامل کرنا باقی ہے۔

جلد اول کتاب العقائد :

مکرمی پروفیسر علامہ آرزو صاحب کے تعارفی مقالے میں جلد اول کے تعارفی ذکر اور اس پر ان کا لکھا ہوا حاشیہ راقم الحروف کے ناقص فہم پر مبنی تبصرے کو مرتب کر دیا جائے، تو جلد اول کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے کہ جلد اول، عقائد کی مختلف ابحاث پر مشتمل ہے۔ اس کے کل صفحات ۲۶۱ رہیں اور ہر صفحہ ۲۱ رسطری ہے۔ اس میں تقریباً ۷۰۰ ریعنی ۶۵۸ رابواب ہیں۔ آخری باب ..۶۵۸ رکا عنوان حرمت الزکوۃ علیٰ بنی ہاشم ہے، اور احادیث کی تعداد کا تخمینہ تین ہزار کے قریب ہے۔ مسودے کی صورت میں مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے پروفیسر علامہ مختار الدین آرزو صاحب سابق صدر شعبۂ عربی اور اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ہاں ان کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ مسودہ بخط مؤلف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محفوظ ہے۔ جس پر مؤلف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جلی قلم سے ''سنن الرضوی'' لکھا ہے اگر چہ یہ مسودہ بادی النظر میں مکمل معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض وجوہ کے بناء پر اس کو مکمل قرار دینا قرین؟

اس مسودے کی فوٹو کاپی (فوٹو اسٹیٹ) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سرپرست اعلیٰ ادارۂ تحقیقات ''امام احمد رضا'' کراچی نے حضرت پروفیسر علامہ آرزو سے حاصل کی اور اس کی ایک فوٹو کاپی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے راقم الحروف کو دی اور فرمایا ''صحیح البہاری''

کی جلد اول پر کام نہایت ضروری ہے، لہٰذا ''رضا فاؤنڈیشن'' لاہور کے تحت یہ کام مکمل کیا جائے۔ اگر چہ ''فتاویٰ رضویہ'' پر بھاری کام اور اس کی اشاعت کا بندوبست بھی ''رضا فاؤنڈیشن'' نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس کے باوجود ''صحیح البہاری'' کی اہمیت کے پیش نظر اس ذمہ داری کو راقم الحروف نے قبول کیا۔ کیونکہ اس جلد اول پر کئی جہات سے کام کی ضرورت ہے۔ اس لئے ابھی نصف مسودے پر کام باقی ہے، متن حدیث کی تصحیح، روایت کرنے والے صحابی کا نام، اصل منقول عنہ کتاب کا نام (مآخذ) کی جہاں ضرورت تھی مکمل کرنے کے بعد تخریج کا کام کیا جارہا ہے۔ پورے مسودے پر اس کام کے بعد ابواب کی طبعی ترتیب کیلئے تقدم و تاخر کا کام کیا جائیگا۔ ''فتاویٰ رضویہ'' پر کام میں عجلت کی وجہ سے ''صحیح البہاری'' کی جلد اول پر کام سست ہے اس کے علاوہ درمیان میں کئی اہم کتب پر کام کو اشاعت تک پہونچایا جاتا ہے، جبکہ اس وقت ''الدولۃ المکیہ'' بمع حواشی کی تخریج کا کام زیر تکمیل ہے اور ساتھ ''مالی الحبیب '' (جس کا ''الدولۃ المکیہ'' کیساتھ گہرا تعلق ہے) کو بھی زیر عمل رکھا گیا ہے، تا کہ ساتھ ساتھ اسکی تخریج بھی مکمل ہو جائے۔ صرف تخریج و تحقیق کا کام ہوتا تو کچھ آسانی ہوتی۔ مگر ''رضا فاؤنڈیشن'' کو ہی اشاعت کا کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ اس کے باوجود الحمدللہ دس سال میں ''فتاویٰ رضویہ'' کی چودہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ جبکہ پندرہویں اور سولہویں جلدیں زیر کتابت ہیں، اس دوران کئی کتب ورسائل پر کام مکمل ہوا اور وہ شائع بھی کی گئیں۔

صحیح البہاری ، جلد دوئم
(طہارۃ وصلوٰۃ) کا پہلا ایڈیشن

حضرت علامہ پروفیسر آرزو صاحب نے جلد دوم کے پہلے ایڈیشن کے متعلق تفصیل کو یوں بیان فرمایا۔ ''صحیح البہاری کی جلد دوم جو طہارت اور صلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے، آسانی کیلئے چار حصوں میں شائع کی گئی ، پہلا حصہ یعنی کتاب الطہارۃ ۲۲۰؍ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۲؍۲۳۴ احادیث درج ہیں، یہ حصہ شیخ غفور بخش کے ابوالعلائی الیکٹرک پریس آگرہ سے ۱۹۳۱ء میں چھپا بقیہ تین حصے جو کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہیں، سید منظر علی دسنوی کے برقی پریس سبزی باغ پٹنہ سے ۱۹۳۲ء میں چھپنے شروع ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں اختتام پذیر ہوئے (جلد دوم) کا دوسرا حصہ ۲۸۸؍ صفحات پر مکمل ہوا۔ اس میں ۶۸؍۳۰ حدیثیں ہیں تیسرے حصے کے صفحات ۲۱۶؍ ہیں، اور حدیثوں کی تعداد ۲۱۳۶؍ ہے، چوتھے حصے کے صفحات کی تعداد ۲۳۹؍ ہے ۱۸۴۹؍، احادیث پر مشتمل ہے، مکمل (جلد دوم) کے صفحات ۹۶۰؍ ہیں اور احادیث کی مجموعی تعداد ۹؍۲۸۷ تک جا پہنچی ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں، کہ صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد دوم تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار ہے۔

وضاحت :

پہلے حصے کتاب الطہارۃ کے ۲۲۰؍ صفحات میں سے پہلے ۲۶؍ صفحات خطبے اور مقدمے پر مشتمل ہیں لہٰذا کتاب الطہارۃ کی احادیث کے صفحات کی تعداد ۱۹۴؍ اور جلد دوم کے مجموعی صفحات کی تعداد ۹۳۴؍ رہوئی جس کو آسان لفظوں میں تقریباً ایک ہزار کہہ سکتے ہیں، اس وضاحت کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ خطبے اور مقدمے کا تعلق صرف جلد دوم یا اس کی کتاب الطہارۃ سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق جملہ کتاب صحیح البہاری سے ہے، صحیح البہاری جلد دوم کے حصۂ اول، کتب الطہارات کی ابتداء، کتاب الوضوء ، باب فوائد الوضو ، حدیث ''عن ابن عمر رضی للہ تعالیٰ عنہ قال قال

رسول الله ﷺ لا یقبل صلوٰة بغیر طهور ولا صدقة من غلولٍ رواه مسلم والترمذی الخ اور اختتام، باب استعمال المدر بعد البول، حدیث عن امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه انه کان یبول ثم یمسح ذکر بحجر ثم یمسه الماء رواه عبد الرزاق" اور اس کے افتتاحی الفاظ یہ ہیں۔ هٰذا آخر ما اردنا ایراده و تبویبه و جمعه و ترتیبه من الاحادیث فی کتب الطهارة بعدہ درود شریف۔

حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ کی ابتداء، باب فریضة الصلوٰة، آیة کریمه قال الله تعالیٰ، اقیمو الصلوٰة ولا تکونوا من المشرکین اور اختتام، باب الرعاف فی الصلوٰة حدیث عن ابن عمر رضی لله تعالیٰ عنه قال من رعف فی الصلوٰة فلینصرف فلیتوضا فان لم یتکلم بنی علی صلوته وان تکلم استانف رواه ابن شیبه اس کے آخر میں اختتامی الفاظ یہ ہیں هٰذا آخر ما اردنا جمعه فی الحصة الثانیة للمجلد الثانی من جامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری بعده درود شریف حصہ سوم کتاب الصلوٰة المکتوبة کی ابتداء، باب الصلوٰة الخمس، حدیث عن ابن الصامت رضی لله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ خمس صلوٰتٍ کتبهن الله تعالیٰ علی العباد، الخ رواه الامام مالک الخ" اور اختتام باب قراة المعوذتین فی السفر "حدیث عن عقبة بن عامر رضی لله تعالیٰ عنه قال سالت رسو ل الله ﷺ عن المعوذتین امن القرآن هما فامنا رسول الله ﷺ فی صلو ةالفجر بهما. رواه الحاکم فی المستدرک" اس کے آخر میں اختتامی الفاظ یہ ہیں هٰذا آخر ما اردنا جمعه فی الحصة الثالثه للمجلد الثانی من جامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری" بعدہ درود شریف۔

حصہ چہارم: کتاب الجنائز کی ابتداء "باب المرض وثوابہ" حدیث عن ابی سعید رضی لله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم لا حزن ولا اذیٰ ولا غم حتیٰ الشوکة یشاکها الا کفر الله بها من خطایا رواه البخاری ومسلم اور اختتام باب الصلوٰة والسلام عند قبر رسول ﷺ حدیث عن ابن عمر رضی لله تعالیٰ عنه غیر انه اذا قدم من سفر اتیٰ قبر النبی ﷺ فقال السلام علیک یا رسول الله، السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا اباه رواه عبد الرزاق فی مصنفه باسناد صحیح " اس کے آخر میں درود شریف کے بعد التجا اور دعا۔

مصنف علیہ الرحمہ نے جلد دوم کے حصۂ اول کتاب الطہارۃ میں کتاب الغسل اور کتاب التیمم کو اور حصۂ دوم (کتاب الصلوٰۃ) نے کتاب صفة الصلوٰة اور کتاب الجماعة والامامة، کو حصۂ سوم کتاب الصلوٰة المکتوبة) میں، کتاب الصلوٰت المستحبة، کو حمد و صلوٰۃ سے شروع کیا ہے، اور حصۂ سوم کے آخر میں درود شریف کے بعد ۲۵ رصفر ۱۳۵۶ھ کی تاریخ درج ہے۔

صحیح البھاری جلد دوئم کا دوسرا ایڈیشن

حضرت پروفیسر علامہ آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالے کے آخر میں صحیح البہاری کے دوسرے ایڈیشن کے متعلق لکھا ہے "صحیح البہاری آج سے نصف صدی پہلے شائع ہوئی تھی۔ اس کے نسخے کمیاب ہی نہیں، اب نایاب ہو گئے تھے۔ دوسرا ایڈیشن

شائع کرنے کی عرصے سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی لیکن "کل امر مرھون باوقاتہ" احادیث نبوی کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی سعادت یعنی "بلغو اعنی ولو آیۃ" والے ارشاد گرامی کی تعمیل پاکستان کے عزیز کرم فرما حضرات کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔ جن کی توجہ اور عنایت سے یہ کتاب دوبارہ شائع ہو کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ خدا انہیں جزائے خیر دے اور توانا اور تندرست رکھے کہ وہ بدستور دینی و علمی خدمات انجام دیتے رہیں۔ اس مقالے کے اختتام پر پروفیسر صاحب کے نام۔ مختار الدین احمد سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، کے ساتھ، تاریخ یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مارچ ۱۹۹۲ء لکھی ہے اور پتہ یہ درج ہے، ناظمہ منزل ۴/۱۲۸۶ امیر نشان روڈ علی گڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲ (ہندوستان) اس صفحے کے آخر پر حاشیے میں پروفیسر صاحب نے اشاعت میں حصہ لینے والے حضرات کا نام اور اشاعت پر کل اخراجات کا ذکر کیا ہے، دوسرے ایڈیشن، کتاب کے ٹائٹل والے ورق کے دوسرے خالی صفحے کے آخر میں پریس کا نام خواجہ پرنٹنگ پریس کھوکھر محلہ حیدر آباد چھپا ہوا ہے۔

دوسرے ایڈیشن کے تعارف کیلئے پروفیسر صاحب کی یہ تحریر، پتہ اور تاریخ، اور پھر پریس کے نام اور پتے سے واضح ہو گیا ہے کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں خواجہ پرنٹنگ پریس حیدر آباد سندھ پاکستان سے شائع ہوا اس موقعہ پر بعض حضرات کی درخواست پر جناب پروفیسر آرزو صاحب خلف الرشید حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یکم رمضان ۱۴۱۲ھ مطابق ۷/ مارچ ۱۹۹۲ء کو مصنف اور مصنّف پر تعارفی مقالہ قلم بند فرمایا، یہ ۳۴/ صفحات پر مشتمل مقالہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ابتداء میں شامل ہے اس کا عنوان "حیات و تصانیف ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین قادری" ہے حضرت پروفیسر مختار الدین احمد

آرزو صاحب نے عنوان کے مطابق مصنف کی شخصی، نجی احوال اور قومی، دینی، ملی اور ملکی خدمات کے ساتھ زندگی بھر درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور اشاعت و تبلیغ کے مشاغل کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ مختصر، مگر جامع انداز میں بیان فرمایا اور آخر میں مصنف علیہ الرحمہ کی تالیفات کا تفصیلی تعارف بھی دیا ہے۔ یہ مقالہ کیا ہے، کوزے میں دریا نہیں سمندر بند ہے، جزاہم اللہ خیراً۔

وضاحت: صحیح البہاری جلد ثانی کے مطبوعہ چار حصے دو جلدوں میں یہاں پاکستان میں بعض علماء کے پاس موجود تھے اس علمی خزانے سے مستفید ہونے والے حضرات نے اس مجموعے کو عجوبۂ روزگار قرار دیا اور اس کی دوبارہ اشاعت کو نہ صرف علمی خدمت بلکہ تدریس حدیث وفقہ میں مصروف علمائے احناف کے لئے سرمایۂ تدریس قرار دیا، حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سرپرست اعلیٰ "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" کراچی نے اس کی اشاعت کیلئے بعض مخلصین کو متوجہ کیا، جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تحریک پر سرمایہ فراہم کیا۔ چونکہ کتاب کی اشاعت پر ہونے والے اخراجات میں زیادہ تر حیدر آباد سندھ کے احباب نے فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس لیے اشاعت کا مکمل انتظام ان کے سپرد کر دیا گیا۔ لہٰذا کتاب کراچی یا لاہور کے بجائے حیدر آباد سے طبع و تقسیم ہوئی، اشاعت کے اخراجات کے پیش نظر اس دوسرے ایڈیشن میں تین تصرف کئے گئے۔

۱۔　صحیح البہاری شریف کے جلد ثانی کے چاروں حصوں کو متفرق یا دو مجلدات کے بجائے ایک ہی جلد میں جمع کر دیا گیا۔

۲۔　پہلے ایڈیشن میں صفحات کے بڑے سائز کو قدرے کم کر دیا گیا۔

۳۔　نئی کتابت کے بجائے پہلے ایڈیشن سے ہی فوٹو کاپیاں تیار کی گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ پہلے ایڈیشن اور دوسرے ایڈیشن کے

صفحات نمبر مطابق ہیں، اگر چہ دوسرے ایڈیشن میں وہ حسن اہتمام نہ ہو سکا، جو پہلے پر وقار ایڈیشن میں ہوا تاہم ایک نایاب علمی خزانہ اہل علم کے ہاتھ آگیا ہے، الحمد لله علیٰ ذالک و جزی الله تعالیٰ من سعی فی ذالک "

جامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری (سنن الرضوی) کا مجموعی تعارف :

یہ کتاب سنن کے انداز پر مرتب کی گئی ہے۔ جس کی کل چھ جلدیں مصنف علیہ الرحمہ کے پیش نظر تھیں۔ جنکی تفصیل مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے مقدمے میں ذکر فرمائی۔ جن میں سے پہلی جلد کتاب العقائد (الایمان) کا مسودہ زیر تکمیل صورت میں موجود ہے، جس میں مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ و استاذ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی مختلف تصانیف سے اخذ کردہ احادیث کو ابواب پر مرتب فرمایا۔ جبکہ راقم کی نظر میں ابھی یہ کام تکمیل کو پہنچنے کا منتظر ہے۔ کتاب کی دوسری جلد کتاب الطہارت و کتاب الصلوٰۃ سے متعلق احادیث کا مجموعہ ہے۔ جو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاعت میں آسانی کی خاطر خود مصنف علیہ الرحمہ نے اسے چار حصوں میں منقسم فرما کر سپرد اشاعت کیا۔ یہ چاروں حصے مختلف اوقات میں آگرہ اور پٹنہ سے شائع ہوئے ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۷ء ان کی پہلی اشاعت مکمل ہوئی۔ چونکہ جلد دوم نے اشاعت میں تقدم حاصل کیا۔ اس لئے صحیح البہاری کتاب کا خطبہ اور مقدمہ اس سے پہلے شائع ہونے والی جلد کی ابتداء میں شامل اشاعت کیا گیا، تاکہ شائع ہونے والی کتاب جز ربط و معرفت کے ساتھ پڑھا جائے اور قاری کو آئینے کا کام دے، پھر ۱۹۹۲ء میں جلد دوم کے چاروں حصے دوبارہ یکجا ایک ہی جلد میں حیدرآباد سندھ سے شائع ہوئے۔ اس دوسرے ایڈیشن میں حضرت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو کا تعارفی مقالہ بھی کتاب کے ابتداء میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

صحیح البھاری کی امتیازی حیثیت :

یہ کتاب فن حدیث کی کتب میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ خصوصاً فقہ حنفی کی مؤید احادیث کے مجموعات میں خصوصیت کی حامل ہے۔ خصوصیات و امتیازات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بنیادی طور پر اس کتاب کا فنی اصطلاح کے اعتبار سے سنن میں شمار ہے، جن میں فقہی ابواب کی ترتیب پر احادیث کو مرتب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے مقدمے میں کتاب کے مشمولات کو ذکر کر کے ظاہر فرمایا۔ جبکہ صحیح البہاری باقی تمام سنن کے مقابلے میں سب سے جامع ہے۔ کیونکہ اس میں نہ صرف سنن بلکہ جامع، مسانید، معاجم، اور ان کے مستدرکات و مستخرجات سمیت حتیٰ کہ اجزاء، امالی اور اطراف تمام کے منفردات کو شامل ہے جس کا اندازہ اس کتاب کے ابواب اور ان کی مشمولہ احادیث سے کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ دیگر سنن کے مقابلے میں اس کتاب کا دائرہ سب سے وسیع ہے مثلاً سنن اربعہ میں عنوانات باب میں سنن نسائی سب سے وسیع ہے اگر چہ باب کی احادیث کے متابعات و شواہد میں سنن ترمذی میں فی الباب عن فلاں وفلاں کہہ کر احادیث کی تعداد مذکورہ دونوں سنن کے ابواب اور مشمولہ احادیث کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ مثلاً نسائی کتاب الطہارۃ کے کل ابواب ۱۹۹؍ ہیں اور ان کے تحت احادیث کی تعداد تقریباً ۵۰۰؍ ہے اور ترمذی کی کتاب الطہارۃ کے تحت ۱۰۹؍ باب ہیں۔ جن کے تحت احادیث کی تعداد شواہد ۶۰۰؍ سے زائد نہیں ہے، جبکہ صحیح البہاری کے طہارت کے کل ابواب کی تعداد ۱۳۶۲ اور ان کے تحت احادیث کی مجموعی تعداد ۲۲۰۰ سے زائد ہے۔ یونہی نسائی اور ترمذی کے ''کتاب الجنائز'' کے ابواب اور ان کی احادیث کی مجموعی تعداد سے ''صحیح البہاری'' کی

کتاب الجنائز کے ابواب و احادیث کی تعداد زیادہ ہے۔ کیونکہ ''نسائی'' میں جنائز کے ابواب ۱۲۱/ ہیں اور ان کی احادیث ۴۰۰ کے قریب ہیں۔ اور ترمذی کے جنائز کے ابواب کی تعداد ۷۶/ اور احادیث کی تعداد ۳۰۰ کا اندازہ ہے، تو دونوں کے مجموعی ابواب ۱۹۷ اور احادیث اندازاً ۷۰۰ سو ہیں جبکہ صحیح البہاری کے جنائز کے ابواب کی تعداد ۲۴۷ اور احادیث کی تعداد تقریباً۔ دو ہزار ہے، کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ مصنفات اور کنوز کی احادیث کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے، تو بھی ابواب کی تعداد میں صحیح البہاری کو امتیازی حیثیت حاصل رہے گی۔ وللہ الحمد

۳۔ حنفی مسلک کی مؤید احادیث کے سلسلے میں، حضرت محمد ظہیر حسن شوق النیموی متوفی ۱۳۲۲ھ کی تالیف ''آثار السنن'' جو صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد دوم کی طرح باب زیارت قبر النبی ﷺ، پر اختتام پذیر ہے اور تقریباً اسی دور کی تصنیف ہے اس کی کتاب الطہارت کے ابواب کی تعداد ۴۱ ہے اور احادیث کی تعداد ۱۹۱ ہے اور اس کے کتاب الجنائز کے ابواب ۱۹ اور احادیث کی تعداد ۶۶ ہے جبکہ اسی موضوع اور اسی دور کی دوسری تالیف ''زجاجۃ المصابیح'' مصنفہ سید عبداللہ بن مظفر حسین حیدرآبادی جو ''مشکوۃ المصابیح'' کے انداز پر حنفی مشکوۃ کے نام سے تعبیر کی جاتی، اور یہ واحد کامل کتاب ہے، جو فن حدیث کے طور پر تمام ابواب فقہ سے متعلقہ حنفی مسلک کی مؤید احادیث کا مجموعہ اور پانچ جلدوں میں مطبوعہ ہے، اس کی کتاب الطہارت ۱۴/ ابواب اور ۲۴۷/ احادیث پر اور کتاب الجنائز ۸ ابواب اور ۱۲۷/ احادیث پر مشتمل ہے۔ جبکہ صحیح البہاری کی کتب صلوٰۃ ۷ عدد اور ابواب بصیغہ جمع کے عنوانات ۴۱ اور ان کے تحت مفرد ابواب کی تعداد ۱۴۸۸/ اور احادیث کی تعداد تقریباً سات ہزار ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ ''صحیح البہاری'' اپنے ابواب اور احادیث کی عدد کے اعتبار سے تمام سنن پر فائق ہے۔

۴۔ حدیث سے استنباط و استخراج کردہ مسئلے کو ترجمۃ الباب قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا جس کتاب کے تراجم کثیر ہونگے، اس میں مستنبط مسائل کا ذخیرہ بھی زیادہ ہوگا، اسی طرح یہ کثرت ابواب مصنف کی قوت استنباط و استخراج مسائل اور اس کی وسعت پر بھی دال ہوگی، تو صحیح البہاری جہاں دیگر سنن کی نسبت اپنے موضوع میں اتم و اکثر ہے۔ وہاں اس کے مصنف بھی دیگر اصحاب سنن کی نسبت تفقہ و استنباط میں اکمل ہیں۔ کیونکہ فقہ ادلہ سے مسائل جزئیہ کے استنباط و استخراج کا نام ہے، تو جب تراجم کی کثرت، احادیث اور استنباط کی کثرت پر دال ہے، تو لازم ہے مستنبط و مترجم اسی نسبت سے افقہ ہوگا۔ جس نسبت سے اس کا استنباط و استخراج اکثر ہوگا تو ثابت ہوا، کہ صاحب صحیح البہاری نہ صرف ملکۂ استنباط میں وسیع و کثیر ہیں، بلکہ ذخیرۂ احادیث میں بھی وسیع النظر ہیں، تو حضور ملک العلماء محدث بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کردیا، کہ حنفی فقہ میں جزئیات کی اکثریت ائمۂ احناف کے ہاں ذخیرۂ احادیث پر دلیل ہے۔ جبکہ ان کی تصنیف کا ایک مقصد یہ دلیل قائم کرنا بھی تھا۔ سعیہ مشکور والاتمام من اللہ۔

۵۔ عام کتب احادیث میں کتاب اس کے تحت ابواب مفردہ میں سے ہر باب کے تحت متعلقہ احادیث کو ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ بعض مثلاً مشکوٰۃ شریف میں باب کی جگہ فصل ذکر کی گئی۔ مگر صاحب صحیح البہاری نے اپنی اس کتاب میں مرکزی عنوان ''کتب بصیغہ جمع'' ذکر فرمایا۔ پھر اس کو متعدد کتب پر تقسیم فرمایا اور ہر کتاب ''ابواب بصیغہ جمع'' پر تقسیم کیا۔ پھر اس کے تحت مفرد باب پھر باب کے تحت متعلقہ احادیث کو ذکر کیا۔ مثلاً ''کتب الطہارۃ'' اس کے تحت، کتاب الوضوء، وکتاب کذا وکذا ہٰکذا سات عنوان قائم کئے اور

پھر ہر کتاب مثلاً کتاب الوضو کے تحت ابواب فرائض الوضوا بواب کذا و کذا ہکذا گیارہ عنوان اور پھر مثلاً ابواب فرائض الوضو کے تحت باب کذا باب کذا ذکر کر کے ہر باب کے تحت مثلاً باب مسح الرأس کے تحت متعدد احادیث کو ذکر فرمایا۔ اس کاوش کی وجہ وہی حدیث وفقہ کی تقریب ہے، چونکہ فقہ حنفی کی خصوصیت کثرت جزئیات ہے، جن کی تفصیل کے پیش نظر مؤید احادیث کی تفصیل بھی ضروری تھی۔ اس لئے مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کتاب کے عنوانات میں تفصیلی تقسیم کرنا پڑی۔

(نوٹ) باب المسواک کے تحت مصنف علیہ الرحمہ نے بارہ فصلیں ذکر فرمائیں۔ جبکہ یہ انداز باقی تمام کتاب سے مختلف ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے چونکہ مسواک سے متعلق تمام احادیث فضیلت سے متعلق ہیں۔ اس لئے یہاں ابحاث کو ابواب کی نوعیت کی بجائے فصلوں پر تقسیم فرمایا۔

۶۔ صحیح البہاری میں مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہی جزئیات کی طرح تراجم میں، من، ما، این، متیٰ، کم، اور کیف وکذا یونہی احکام سبعہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، حرام، اور مکروہ کو انواع اور احکام کے طور پر سمونے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ فقہ کی حتی الامکان حدیث وتقریب ہو سکے، یہ عمل مصنف علیہ الرحمہ کے فقیہ النفس ہونے کی دلیل ہے۔

۷۔ کتاب کے تراجم میں مسواک الزیتون والاراک ارسال الماء من فوق الوجہ مراعاۃ ادلۃ المواقیت الشفق ھو البیاض کون الاذان خارج المسجد کسر اصابع الرجلین فی السجود ضم اعضاء للنساء جعل الاصابع الی القبلۃ فی السجدۃ لم سمیٰ صلوۃ لیالی رمضان بالتراویح جیسے ابواب قائم کر کے کتاب میں ندرت پیدا کر کے اس کا ترجمان حنفیت ورضویت ہونا ظاہر فرمایا۔

۸۔ پھر تراجم میں ایک مسئلے کے احکام کی تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھنا اس کتاب کو کتب حدیث میں ممتاز کرتا ہے مثلاً طہارۃ البیر کو، انسان، سنور، دجاجہ، فارہ، منفسخہ اور غیر منفسخہ پر اور امامت کو خیار، ان احسن وجہا والیٰ امام الحی، صاحب البیت، کے اقسام پر تراجم قائم کر کے مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حنفی مسلک کو ترجمان الحدیث ثابت کیا۔

۹۔ صحیح البہاری میں مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب اور ابواب تحت ابتداء میں متعلقہ عمل کے فوائد اور فضائل کے لئے علیحدہ علیحدہ باب ذکر کئے۔ مثلاً کتاب الوضو کے تحت ایک باب بعنوان فوائد الوضوء پھر دوسرا باب فضائل الوضو کے عنوان سے قائم فرمایا ہکذا تقریباً ہر کتاب کے تحت یہ دو عنوان قائم فرمائے۔ غالباً انہوں نے دنیاوی حسی ثمرات کو فضائل سے تعبیر فرما کر دونوں کا فرق ظاہر فرمایا، جبکہ یہ دقیق فرق عام کتب میں ملحوظ نہ رکھتے ہوئے صرف فضائل کا باب بیان کیا ہے۔

۱۰۔ صحیح البہاری کے خطبے میں حدیث کے انواع واقسام کتب واصطلاحات کو حمد صلوٰۃ اور نعت کے طور پر استعمال فرما کر مصنف علیہ الرحمہ نے نہ صرف فن حدیث بلکہ ادب العربی میں بھی اپنی خداداد صلاحیت کا مظاہرہ فرمایا جس کا ادراک رکھنے والا کرنے والا ہر شخص یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نہ صرف ملک العلماء ہیں بلکہ ملک الفنون بھی ہیں۔

۱۱۔ کتاب کی ابتداء میں فاضل بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک جامع مقدمہ پیش کیا۔ جو فن حدیث کو مختلف جہات سے محیط ہے۔ جس کا مطالعہ فن حدیث میں بصیرت کیلئے ضروری ہے، بلکہ یہ مسلک اہلسنّت کے متعلق فرق باطلہ کی تمام تشکیکات واغلاط کے جوابات کیلئے ضروری ہے، کہ جو سیکڑوں کتب کے مطالعے کا

حاصل ہے۔ مقدمے کو مصنف علیہ الرحمہ نے حدیث سے متعلق ۳۲ رفوائد کے عنوان سے مرتب فرمایا ہے۔ اس مقدمے کے متعلق پروفیسر علامہ مختار الدین آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالے میں یوں تحریر فرمایا ہے "مقدمہ جو ۲۵ رصفحات پر پھیلا ہوا ہے ہر طرح قابل قدر ہے، اس میں اصول حدیث کے فوائد ۳۲ رفصلوں میں لکھے گئے ہیں۔ جن میں نہایت قیمتی معلومات درج ہیں جن کا جاننا حدیث شریف کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ مقدمہ تحریر کرتے وقت مؤلف علام کے پیش نظر امہات کتب تھیں۔ لیکن سب سے زیادہ استفادہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے ان تفردات سے کیا ہے، جنہیں برسوں پہلے انہوں نے بڑی توجہ وانہماک سے جمع کر کے "الافادات الرضویہ" کے نام سے مرتب فرمایا۔ خود مصنف علیہ الرحمہ نے اس مقدمے کو یوں متعارف فرمایا،

ولنقدم قبل الشروع فی المقصود مقدمةیشتمل فوائد التقدمها من تصانیف العلماء لاسیما سیدی وملاذی شیخی واستاذی شیخ الاسلام والمسلمین وارث علوم سید المرسلین مؤید الملة الطاهره مجدد الامائة الحاضره مولانا شاه احمد رضا خان القادری البرکاتی البریلوی نفعنا الله تعالیٰ ببرکاته فی الدنیا والآخرة.

جناب پروفیسر آرزو صاحب نے جہاں مقدمے کو قیمتی معلومات بے حد ضروری حدیث دانی کے لئے لابدی قرار دیا۔ وہاں مصنف علیہ الرحمہ نے مقدمہ اور فوائد کو نکرہ ذکر فرما کر خود ان کی عظمت و اہمیت کا اظہار فرمایا ہے۔ پھر جس طرح خود مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان فوائد کا ماخذ خصوصیت سے اپنے پیر ومرشد واستاذ شیخ الاسلام مجدد ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتب کو قرار دیا ہے اسی طرح پروفیسر صاحب نے اپنے والد گرامی کی اس علمی تحقیقی اہم خدمت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان فوائد کو اعلیٰحضرت عظیم البرکت کے خصوصی فیوض وبرکات قرار دیے۔ اس نسبت سے عظمت حاصل کرنے پر باپ اور بیٹے دونوں کی اعظمیت کو سلام۔ نہ خود مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو اپنی عظمت وفخر کے خلاف سمجھا اور نہ ہی قابل قدر بیٹے نے بڑائی کا اظہار کرنے کے لئے اس کو اپنے عظیم المرتبت باپ کی عظمت کے خلاف محسوس کیا عظمت فہمی کا یہ عروج انہی خوش نصیبوں کا حصہ ہے جنہوں نے اپنے تمام تر کمالات کو اپنے اسلاف واکابر کے دامن سے وابستہ کر رکھا ہے۔

☆☆☆

"میری نظر میں اس کتاب کا نام "جامع الرضوی" دو طرح سے درست قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک یوں کہ جامع اصطلاحی مراد لیا جائے اور توجیہہ یہ کی جائے، کہ مذکورہ مشمولات کو مصنف علیہ الرحمہ نے ابتدائی خاکے کے طور پر فرمایا، جبکہ جامع، کے بقیہ ابواب کا اضافہ بھی مقصود تھا، دوسری توجیہہ جو کہ ظاہر ہے، مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے نام میں، جامع، کو اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں فرمایا، بلکہ لغوی معنی سے، جامع کو مضاف قرار دیا۔" (مفتی عبدالقیوم ہزاروی)

صحیح البہاری مسائل حنفیہ کا مستند ماخذ

از قلم: مفتی محبوب رضا روشن القادری صاحب، شیخ الحدیث، دار العلوم فیضان مفتی اعظم، ممبئی۔۳

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ قرآن حکیم اور احادیث کریمہ دین اسلام کے دو بنیادی ماخذ ہیں۔ جملہ تعلیمات دین کی اساس انھیں سے ہے۔ ان دونوں کی حیثیت لازم وملزوم کی ہے۔ کلام اللہ دین پاک کا اصل الاصول ہے، تو احادیث مبارکہ اس کی تشریح وتوضیح ہیں۔ یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے، کہ بغیر حدیث نبویہ کے اسلامی زندگی نامکمل وناقص ہے، اجماع امت اور قیاس واصول فقہ انھیں کی تجلی کا مظہر ہے۔ عہد رسالت میں پھر دور صحابہ سے لے کر تابعین بعدہ تبع تابعین، ائمہ کرام محدثین عظام، مفسرین ذوی الاحترام اور مجتہدین ومحققین نے اپنے اپنے زمانے میں تصنیفی وتالیفی کارنامے جس قدر انجام دیئے ہیں، وہ سب اس دین متین کی صداقت ہی ہے کہ ہر زمانے میں لاکھوں لاکھ صاحبان علوم نے رنگہا رنگ انداز وتحقیق میں بیشمار کتابیں لکھ کر دفتر کے دفتر بھر دیئے۔

انھیں محققین کی ایک کڑی چودھویں صدی کے اوائل میں ابھر کر آنے والی ذات حضرت ملک العلماء کی تھی جو صوبہ بہار کی صوبائی راجدھانی، شہر عظیم آباد پٹنہ کے نواحی علاقہ موضع رسولپور میجرا میں ۱۳۰۳ھ کو عالم وجود میں آئی۔ آپ کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ملقب بمدار ملک ومخاطب بملک بیا ہیں۔ آپ کا روضہ بہار شریف میں زیارت گاہ ہر خاص وعام ہے جن کا نسب نامہ ساتویں پشت میں غوث اعظم محبوب سبحانی، غوث صمدانی، قندیل نورانی، شہباز لامکانی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ سید ابراہیم سلطان فیروز شاہ کے عہد میں ہندوستان پہونچے اور شاہی فوج میں ملازم ہو کر ۷۳۵ھ کو قلعہ رہتاس شاہ آباد بہار کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ سیدنا مخدوم الملک، مخدوم جہاں ومخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین احمد نور دیدۂ عارف باللہ، صاحب عرفان حضرت سیدنا یحییٰ منیری علیہما الرحمۃ والرضوان متوفی ۷۸۴ھ کے روضہ پرانوار سے چند فرسنگ دور بلند پہاڑی پر آسودہ ہیں۔ حضرت سید ابراہیم وقت کے شب زندہ دار ولی کامل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے آستانے پر بہت سارے اشعار پتھر پر کندہ ہیں، جنھیں حضرت ملک العلماء نے حیات اعلیٰ حضرت میں نقل کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دریں گنبد کہ ہست از روئے معنی
بقدر از گنبد افلاک برتر
مدار الملک ابراہیم بوبکر
کہ تیغ از بہر حق می زد چو حیدر
بعہد دولت شاہ جہانگیر
کہ باد آور بہار ملک نوروز
شہنشاہ جہاں فیروز سلطاں
کہ بر شاہان گیتی گشت فیروز

(ملک سیرت ملک بیو براہیم ـ کہ شد در دین ابراہیم تن سوز)
(بہجرت ہفت صد پنجہ سہ تاریخ ـ مسافر شد ملک در جنت امروز)

حضرت ملک العلماء کے والد گرامی ملک عبدالرزاق اشرفی پابند صوم وصلوٰۃ اور عابد وزاہد تھے۔ والدہ ماجدہ بھی نیک خصلت و پاک طینت دیندار تھیں غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارہویں کے اہتمام میں مشہور تھیں۔ موضع بین سابق ضلع پٹنہ کے زمیندار شیخ مبارک حسین کی صاحبزادی تھیں۔ نانیہالی سہولتوں کے مدنظر حضور ملک العلماء نے یہاں کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین شریف، رسالہ میر زاہد وغیرہ کی تعلیم حاصل فرمائی۔ چونکہ ناشر ملک اعلیٰ حضرت پیر طریقت، ضیغم رضویت، خلیفہ حضور مفتی اعظم حضور سراج ملت حضرت مولانا الحاج الشاہ سید سراج اظہر صاحب، قادری رضوی سربراہ اعلیٰ و بانی رضوی نوری دارالافتاء و دارالعلوم فیضان مفتی اعظم و مہتمم انجمن برکات رضا خطیب وامام رضا جامع مسجد پھول گلی ممبئی کا آبائی وطن موضع بین ہے۔

بایں وجہ آپ کے والد ماجد استاذ القراء صوفی باصفا حضرت مولانا قاری سید محمد ابوالہاشم علیہ الرحمۃ والرضوان سابق خطیب وامام رضا جامع مسجد ممبئی کو حضور ملک العلماء سے مراسم و لگاؤ بہتر تھا نیز ان کا بھی نسب نامہ حضرت سید ابراہیم ملک بیا سے جا ملتا ہے۔ اس طرح خاندانی اور نانیہالی رشتوں کی بنا پر دونوں حضرات کے تعلق ہمیشہ بہت خوشگوار رہے۔ حضور ملک العلماء جہاں بھی رہے، مگر اکثر و بیشتر موضع بین کا آنا جانا ہوتا رہتا تھا۔ حضرت ملک العلماء دور طالب علمی ہی سے بہت ذہین وفہیم تھے، اس لئے ہر نظر میں محبوب ومقبول رہا کرتے گویا گلشن صوبہ بہار کی ذات گرامی تازہ بہار تھی۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے بعد آپ نے قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی پٹنہ کی دینی مذہبی درسگاہ جو ۱۳۱۸ھ میں قائم ہوئی، آکر داخلہ لیا۔ اور تعلیم حاصل کی، اس وقت اس ادارہ کے بڑے بڑے نامور اساتذہ کرام تھے۔ انھیں میں ایک ممتاز شخصیت محب اعلیٰ حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ کی تھی، جن کی شفقت وعلم وحکمت سے آپ زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوئے۔ جب محدث سورتی بوجہ علالت یہاں سے چلے گئے، تو حضور ملک العلماء کانپور آ گئے۔ یہاں تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر جب معلوم ہوا کہ محدث صاحب اپنے ہی مدرسہ پیلی بھیت میں درس حدیث دے رہے ہیں، پھر پیلی بھیت آ گئے۔

حضور ملک العلماء عالمگیر پیمانہ پر شہرت پذیر شخصیت اعلیٰ حضرت کا مسلسل نام سنتے آرہے تھے۔ مزید محدث سورتی کی خدمت میں اس عبقری ذات کا پیہم تذکرہ سن کر مضطرب تھے کہ اس مرکز عقیدت کی حاضری کا شرف حاصل ہو جائے۔ بالآخر حضرت محدث صاحب کی اجازت سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، تو عقیدت ومحبت کی آنکھیں بچھا کر ادب سے صحبت میں رہ کر تعلیم کے حصول کی خواہش کا اظہار کیا۔ پیشانی ملک العلماء کی ذہانت دیکھ کر بنفس نفیس درس دینے کا وعدہ فرمالیا، حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت کے شہزادے حضرت حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند اور حضرت علامہ حسن بریلوی اور دیگر حضرات کی کوششوں سے منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا، آناً فاناً میں مدرسین وطلبہ کی ایک بڑی جماعت نے دارالعلوم منظر اسلام کی رونق کو دوبالا کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ حضور ملک العلماء کے ہم سبق کی کثیر وطویل جماعت ہوگئی اور اعلیٰ حضرت نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود مستعدی کے ساتھ انھیں اپنے مختلف علوم و فنون کے علاوہ تفاسیر وحدیث کے اسباق سے انھیں مستفیض کرنا شروع کر دیا۔

حضور ملک العلماء دستار فضیلت کے بعد اسی ادارہ میں

مدرس ہو گئے اور تربیت افتاء کی مہارت کے بعد اعلیٰ حضرت نے انھیں مسند افتاء پر بیٹھا دیا۔ غرضیکہ شب و روز کی صحبت مجدد اعظم دین وملت نے انھیں یکتائے روزگار بنا دیا۔ بریلی شریف کے علاوہ چند مشہور مدارس میں آپ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے قیام پذیر رہے اور بہار کے مشہور ومعروف مدرسہ شمس الہدیٰ میں ایک مدت مدید اور زمانہ بعید تک پرنسپل رہے۔ یہاں خدابخش لائبریری کی وجہ سے تالیفی وتصنیفی کام آپ کا آسان سے آسان تر ہوتا چلا گیا۔ حضور ملک العلماء پر جہاں اساتذہ کرام اور مشائخ عظام کی نگاہ عنایت تھی وہیں اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد اعظم دین وملت امام اہل سنت حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے فیضان کرم بے شمار تھے۔

بایں وجہ آپ کی مقبولیت ہم عصر علماء و مشائخ اور ارباب علم وہنر میں بے پناہ تھی۔ آج بھی آپ کسی نہ کسی حیثیت سے مدارس اسلامیہ، دارالافتاء خانقاہوں میں یاد کیے جاتے ہیں۔ ہر کوئی آپ کی رفعت شان، وسعت نظر، جودت علم اور مختلف مضامین وعلوم اور نوع بنوع فنون پر تالیف وتصنیف کی مہارت کا معترف ہے۔ علم توقیت وتکسیر، ہیئات و جفر، نجوم فلکیات، فقہ و اصول فقہ، سیرت وتاریخ، اعمال وتصوف، صرف ونحو، مناظرہ و ادب، علم رمل وریاضیات، حکمت وادویات اور اوروظائف وغیرہ جس قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، وہ سب خدمات یقیناً لائق صد تحسین وآفریں ہیں، مگر ان سب میں عموماً حدیث میں خصوصاً آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جو حضور ملک العلماء نے جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری تالیف فرمائی ہے، جس کی پہلی جلد عقائد دوسری جلد طہارت وصلوٰۃ، تیسری جلد زکوٰۃ و روزہ و حج، چوتھی جلد کتاب النکاح تا کتاب الوقف، پانچویں جلد کتاب البیوع تا غصب، چھٹی جلد کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض کے بیان میں ہے، دوسری جلد کی طباعت بار بار ہو چکی ہے۔ اسے ایک بار ناشر مسلک اعلیٰ حضرت پیر طریقت سراج ملت خلیفہ مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ سید سراج اظہر صاحب، بانی و سربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی نے بھی انجمن برکات رضا کی جانب سے طباعت کروا کر ہندو پاک کے اکثر مدارس میں بلاعوض ارسال کروایا تھا۔

دوسری جلد میں تقریباً کم وبیش سات ہزار نو سو پچیس احادیث کریمہ ہیں اور یہ نو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل فقہ حنفی کی تائید کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔ الجامع الرضوی المعروف صحیح البہاری کی تالیف پر ہر ذی علم خصوصاً مقتدر ہستیوں میں جو پزیرائی ہوئی ہے، وہ اس کی مقبولیت کی روشن دلیل ہے کہ اس تحسین وداد کا نجم درخشاں مرکز ثریا سے کہیں اونچا اصحاب محدثین کی صفوں میں روشن نظر آتا ہے، جس کا شاندار اسلوب اور روایات کا حسن انتخاب فقہ حنفی کی رعایت سے واضح احادیث کی ترتیب اپنی بے شمار خوبیوں اور خصوصیات کی آئینہ دار ہے۔ یہ سب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بحر علوم کی چند علمی قیمتی موجیں ہیں، جن کا اعتراف خود حضور ملک العلماء نے اپنے ان کلمات سے کیا۔ ھذا نھر اصغر من البحر الاکبر من ابحار علوم سیدی و شیخی نفعنا اللہ ببر کاتہ فی الدنیاء والآخرۃ (مقدمہ صحیح البہاری) یعنی یہ ذخیرہ حدیث کی ایک چھوٹی نہر ہے، جو میرے ہاتھوں جاری ہوئی میرے مخدوم وشیخ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ابحار علوم کے بڑے سمندر سے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے برکات وفیضان سے دنیا وآخرت میں نفع بخشے۔ (آمین)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے عزیز خاص

اور محبوب ترین شخصیت کو دنیا فراموش نہیں کر سکتی اور نہ کسی عصبیت کی تاریکی سے اعلیٰ حضرت کا یہ روشن کردہ چراغ کبھی بجھ سکتا ہے، یہ تو معجزہ ہے ہمارے آقا سید المرسلین رحمۃ للعلمین شفیع المذنبین بزم کونین کے دولہا، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ عرب کی سرزمین جو سنگلاخ بن چکی تھی۔ ہر چہار جانب جہالت کے حنظل و اندرائن اور خاردار جھاڑیاں نظر آتی تھیں۔ آپ نے آب رحمت سے سینچ کر اخلاق و کردار اور اسوۂ حسنہ کی تجلیوں سے زمین ہموار فرمائی اور عشق و محبت اور انسانیت کا ایسا گلشن سجایا کہ جس کا ہر شجر و پودا گلاب و بیلا، شہلا و چمپا عود و اگر عنبر اور چندن بن کر دنیا کو معطر کر دیا۔ سرکار نے ہر دائرہ اسلام میں آنے والے کو صحابیت کا تاج پہنا دیا اور ایسی سرفرازی و کرامت بخشی کہ ان میں کا ادنیٰ فیروز مندی و خوش بختی پانے والا زمانے کے ہزار برسوں تک زندہ رہ کر عبادت کرنے والا زاہد و عابد اس کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ ہر عشاق صحابہ کے سینہ کو انوار علم اور تجلیات معرفت کا گنجینہ بنا دیا۔ بایں وجہ یہی مستفیض و مہدیین مادبین کی زندگی کا نصب العین اور معمول و دستور بن گیا کہ سرکار کے ہر قول و فعل جہاں آنکھوں میں بسا کر اس پر عمل کو خوشنودیٔ خالق موجودات اور رضائے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم خیال کرتے، وہیں ان مقتدر ہستیوں نے حضور کے ہر قول و فعل کو حرف بحرف اپنے سینے کے نہاں خانے میں محفوظ رکھنا شروع کر دیا۔

صرف یہی نہیں بلکہ آئندہ کے خطرات کے پیش نظر ارشادات و فرمودات، افعال و کردار کو صفحۂ قرطاس پر لانا شروع کر دیا غرضیکہ عہد رسالت میں ہی تدوین حدیث کا کام شروع ہو چکا تھا۔ جس کی اجازت سرکار کی جانب سے مل چکی تھی، جیسے فتح مکہ کے موقع پر جو آپ نے طویل خطبہ فرمایا تھا، سامعین میں ایک وہ بھی یمن کے تھے، جنہوں نے کہا تھا اکتب لی یا رسول اللہ (میرے لئے یہ خطبہ لکھ دیجئے یا رسول اللہ) تو آپ نے فرمایا اکتبوا لابی فلاں تم فلاں شخص کے لئے خطبہ لکھ دو۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اجازت ملی۔ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ حفاظت کی غرض سے میں رسول اللہ سے سن کر ہر بات لکھ لیا کرتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق کہ مجھ سے زیادہ صحابہ میں کسی کے پاس حضور کی حدیثیں محفوظ نہ تھیں سوائے عبداللہ ابن عمر کے، چونکہ وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں سن کر سینے میں محفوظ کر لیا کرتا تھا۔ ابوداؤد اور بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہے نسیان کی شکایت پر جب چادر و دامن پھیلانے کا حکم ہوا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نصیبے کا ستارہ محور اوج ثریا کے بلند مینارۂ نور پر چمک اٹھا۔

منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے
(اعلیٰ حضرت)

سرکار اپنے دونوں ہاتھوں کے لپ خزانہ عرفان میں بڑھاتے اور لے کر ابو ہریرہ کے پھیلائے ہوئے دامن میں ڈالے جاتے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صرف ہاتھوں کے لپوں کو دیکھ رہے تھے اور پھیلی ہوئی چادر تک آتے دیکھتے، جب چادر بھر دیا، تو حکم کے مطابق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اب عالم ہی بدل گیا ایسے ذہین و فہیم اور قوی الحافظہ ہو گئے کہ کبھی نسیان کا شبہ تک نہ ہوا اور حرف بحرف بلفظہ و بعینہ سرکار کی حدیث کو سینے میں ضبط کرتے چلے گئے۔ اس کے باوجود روایت کے مطابق ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کریمہ کا کتابی شکل میں دفتر محفوظ تھا۔ جس طرح دور صحابہ میں احادیث کو جمع کا اہتمام زور

دار قطنی ۳۸۵ھ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ ۳۳۱ھ، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ۳۷۱ھ، ابونعیم اصبہانی ۴۳۰ھ، احمد بن قانی ۴۲۵ھ، احمد بن حسن بیہقی ۴۵۸ھ، احمد بن خطیب بغدادی ۴۶۳ھ، عبدالرحمٰن بن منده ۴۷۰ھ، علی بن عساکر ۵۷۱ھ، عبدالرحمٰن جوزی بکری ۵۹۷ھ، محمد بن ذہبی ۷۴۸ھ، علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ، جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ، احمد بن قسطلانی ۹۲۳ھ اور ان جیسے بے شمار محدثین آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، عراق، کوفہ، سمرقند و بخارا، مصروشام، نیشاپور، بجستان، یمن و نسا، ایران وغیرہ امصار ومضافات۔

مختلف ممالک کی طرح سرزمین ہندوستان پر مختلف زبان واقدار میں سب سے زیادہ تفسیر وحدیث، فقہ واصول، فقہ ادب واخلاقیات وغیرہ کے کارہائے نمایاں انجام پزیر ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری وساری ہے۔ دور جہانگیری واکبری اور عہد شاہجہانگیری میں اہم سے اہم تصنیفات کا کام سرانجام دیا گیا۔ عہد جہانگیری کی مشاہیر شخصیت اور عبقری ذاتوں میں ایک شمس بازغہ کی طرح روشن نام حضرت محقق اطلاق علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہے، جنھوں نے اس دور میں عروج پانے والی زبان فارسی کے پیش نظر آپ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف نہایت محققانہ چھ جلدوں میں تصنیف فرمائی اور اسی مشکوٰہ شریف کی شرح مرقاۃ المفاتیح شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد ہروی مشہور بالقاری فقہ حنفی کی مناسبت سے عربی میں تحریر فرمائی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے احادیث کا مجموعہ فتح المنان فی تائید مذہب النعمان معرکۃ الاراء کتاب تحریر فرمائی۔ اسی طرح حضرت ملاجیون اور حضرت مجدد الف ثانی ودگرنا مور علمائے ربانیین کی خدمات کو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ مغلیہ دور اقتدار میں دینی خدمات کا موقع

علماء کو خوب خوب موقع میسر آیا۔ خصوصاً شہنشاہ اعظم ہند، مجدد اسلام حضرت محی الدین ابوالمظفر محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کے زمانہ میں تفسیر واحادیث، عقائد وفقہ وغیرہ کی کتابوں کی تدوین و تالیف اور تصنیف کا زبردست کام ہوا۔ خود بادشاہ دیندار عالم دین، مجدد کو اس کا زیادہ سے زیادہ شغف رہا ہے۔ دربار میں بڑے بڑے تصنیفی کارنامے انجام دیئے گئے۔ انھیں میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری اپنی پوری جامعیت کے ساتھ وجود میں آئی، یہ شغف مغلیہ شاہی حکومت کے آخری چراغ حضرت بہادر شاہ ظفر شہنشاہ ہند کے عہد میں بھی کافی عروج پر تھا۔

مگر جب انگریز کا جور وظلم اور اس کی بربریت کا طوفان برپا ہوا تو علماء کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور افراط وتفریط میں بہت سارے کام رک گئے۔ اس کے باوجود علمائے جانباز نے اپنی حقانیت و صلاحیت کو برروئے کار لانے میں کسر باقی نہ رکھی اور مسلسل انگریز کے تسلط کے بعد بھی تصنیفی کارہائے مالا تقہ وجود میں آتے رہے، بلکہ بعض اہم اہم امور دینیہ کے لئے علمائے حق نے اپنے اپنے قلم کو تیز تر کردیا۔ جہاں دیوبندیوں وہابیوں کے نامور علمائے سوء نے انگریز کے زرخرید غلام بن کر تفریق بین المسلمین پر کتابیں لکھنی شروع کردی، وہیں علمائے حقانیین کی سیف حقانیت نے ان بدباطنوں کا قلع قمع کیا اور اپنے دین کی حقانیت کا اظہار صفحات قرطاس پر موتی کی طرح بکھیرنا شروع کردیا۔ حتی کہ انگریزی زوال کا پس منظر حضرت علامہ فضل الحق اور ان کے ہم عصر حق گو سینکڑوں علماء کی تاریخ تابناک بناتا دکھائی دیتی ہے۔ انھیں میں شہر بریلی کی وہ ممتاز عبقری شخصیت جنھیں دنیا مجدد اعظم دین وملت، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، فاضل بریلوی، قاطع صف شکن نجدیت ماحی کفر و بدعت کے القابات سے یاد کرتی ہے۔ وہ

الفوائد عجيبة ولطائف غريبة مشتملا لمسائل الطهارة والصلوٰة على منهج صاحب المشكوٰة حاويا على المتون المتكاثرة والطرف المتوافره فيليق على كل منتظم المدرسة العربية ان يدخله في الكتب الدرسية ويلزم على المعلم تعليمه وعلى المتعلم تتميمه الخ

عبارت بالا میں حضرت شاہ صاحب نے حضور ملک العلماء کو بڑے بڑے القابات وخطابات سے نوازتے ہوئے صحیح البہاری کی جامعیت وافادیت اور فقہائے حنفی کے لئے ماخذ ٹھہرایا اور نہج تالیف کو بیان کیا ہے اور اس کو مدارس دینیہ میں داخل نصاب کرنے کو منتظمین ومعلمین کو ترغیب دی ہے اور مدرسین ومتعلمین کے پڑھنے پڑھانے کی طرف ذہن کو مبذول کروایا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ بہت سارے اداروں نے نصاب میں داخل کر کے اس کی افادیت سے طلبہ کو مستفیض کرتے جارہے ہیں۔ تمام حنفی اداروں میں اس کی تعلیم کی ضرورت ہے، تاکہ طلباء مسائل حنفی میں مضبوط ہوں اور حدیث کی معرفت سے کسی مسئلہ حنفی پر زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کر سکیں۔ آج کل وہابی، غیر مقلد، مسائل حنفیہ پر طرح بطرح اعتراض کرتے اور الٹے لعن وطعن کرتے نظر آتے ہیں اور سراج الامت، امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہی پر ہوا یہ اڑاتے ہیں کہ ان کے فقہ کا ماخذ قیاس یا حدیث ضعیف ہے، ان دریدہ دہنوں کے لئے صحیح البہاری دندان شکن جواب ہے۔

حضرت ملک العلماء نے وقت کی نزاکت اور عصری تقاضے کے پیش نظر حدیثوں کا یہ ایک ذخیرہ جمع فرما کر یہ ثابت کردیا کہ وہابی، غیر مقلد کا عمل منسوخ حدیثوں پر ہے اور احناف کا عمل قرآن وسنت اقوال امت اور قیاس کے ارکان آئینی پر ہے۔ مثال کے طور پر یہ سمجھیں کہ وہابی تحریمہ کے علاوہ بھی جب رکوع میں جاتے ہیں قومہ میں آتے ہیں ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں، جو سراسر خلاف سنت اور ممنوع ومنسوخ ہے، تحریمہ میں ہاتھوں کو کندھے کے برابر جھکا دے کر سینہ پر ہاتھ باندھ لیتے ہیں، جب کہ صرف تحریمہ میں ہاتھوں کا کانوں تک اٹھانا سنت ہے اور زیر ناف باندھنا مسنون ہے۔ نیز یہ لوگ ہاتھوں پر ہاتھ اس طرح رکھتے ہیں کہ انگلیاں کہنیوں تک پہونچی ہوتی ہیں حالانکہ طریقہ اصل اس کے خلاف ہے۔

جسے حضرت ملک العلماء نے باب رفع اليدين عند التحريمه میں فقہ حنفی کے مطابق سات حدیثیں اور رفع اليدين الى الاذنين یعنی کانوں تک ہاتھوں کو اٹھانے سے متعلق باب میں چودہ حدیثیں اور باب وضع اليمنى على اليسرىٰ یعنی دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنے کے باب میں دس حدیثیں اور باب اخذ اليسرىٰ باليمنى فى لصلوٰة یعنی نماز میں دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ کو پکڑنے سے متعلق باب میں گیارہ حدیثیں اور باب وضع اليمين على الشمال تحت السره یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنے سے متعلق باب میں بارہ حدیثیں نقل فرمائی ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ دشمنوں، الزام تراشوں کے سارے دعوے جھوٹے اور باطل ہیں۔ سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن جن مسائل کو وضع کیا ہے، وہ سب احادیث کریمہ کے آئینہ دار ہیں۔ جن پر ہزاروں محققین فقہاء نے بے شمار کتابیں لکھ کر دنیائے سنیت پر احسان فرمایا ہے اسی طرح آپ سے حدیثیں سماعت کرنے والے محدثین کی کثیر جماعت نے ہزاروں شاگرد کے حوالہ کیا۔ پھر مختلف مقامات کے ائمہ محدثین جنہیں امام اعظم کی شاگردی کی سعادت حاصل ہے، فن حدیث میں بڑی بڑی کتابیں تحریر فرمائیں۔ انھیں کی ایک تجلی حضرت ملک العلماء کی تالیف صحیح البہاری ہے۔

رفع الیدین الی الاذنین سے متعلق حدیث کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں جسے آپ نے نقل فرمائی ہے عن البراء قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لایعود رواہ ابو داؤد یعنی براء بن عازب سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ نماز شروع فرماتے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے، پھر تحریمہ باندھنے کے بعد ہاتھ نہ اٹھاتے۔ حضرت وائل بن حجر سے ہے، جسے ابوداؤد اور طحاوی نے روایت کیا۔ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع ابھامیہ فی الصلوٰۃ الی شحمۃ اذنیہ یعنی وائل نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں تحریمہ باندھتے وقت اپنے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کو اپنے کانوں کے شحموں تک اٹھاتے اخذ الیسری بالیمنی فی الصلوٰۃ سے متعلق ایک حدیث بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ عن وائل بن حجر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین کبر اخذ شمالہ بیمینہ (رواہ ابن شیبہ) وائل بن حجر سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ تحریمہ میں تکبیر کہہ کر بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے باندھ لیتے۔

وضع الیمین علی الشمال تحت السرہ یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنے سے متعلق حدیث پاک بطور مثال ملاظہ کریں عن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ انہ قال السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرہ (رواہ احمد وابوداؤد والدارقطنی والبیہقی) امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہی دوسری روایت ہے۔ قال ثلاث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضع الکف علی الکف تحت السرۃ فی الصلوٰۃ (رواہ ابن شاہین) یعنی انہوں نے کہا کہ تین چیزیں نبوت کے عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا، نماز میں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔

فقہ حنفی کی کتب عامہ میں ہے کہ نماز میں بعد تکبیر تحریمہ فوراً ہاتھ باندھ لینا چاہئے، وہ اس طرح کہ مرد ناف کے نیچے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی کلائیں کے جوڑ پر رکھے، چھنگلیا اور انگوٹھا کلائی کے اغل بغل رکھے اور باقی انگلیوں کو بائیں کلائی کی پشت پر بچھائے، اس سلسلے میں حضور ملک العلماء نے حضرت عباس کی روایت کردہ حدیث جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے نقل فرمائی ہے وضع یدہ الیمنی علی ظھر کفہ الیسری والرسغ والمساعد اور طبرانی نے وضع یدہ الیمنی علی ظھر الیسریٰ فی الصلوٰۃ قریبا من الرسغ کے لفظ سے روایت کیا۔ یعنی رکھے اپنا داہنا ہاتھ اس طرح بائیں ہتھیلی کی پیٹھ پر کہ گٹا اور کلائی تک انگلیاں پہونچ جائیں اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ رکھے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر اس طرح نماز میں کہ گٹا پکڑ جائے۔ غرضیکہ حضرت ملک العلماء نے اپنی کتاب صحیح البہاری میں فقہی ابواب میں بیان کردہ مسائل کی مطابقت میں حدیثیں جمع فرمائی ہیں اور ایک اہم خلاء کو پر کردیا ہے۔ جس کی اشد ضرورت تھی، مگر افسوس یہ ہے کہ چند طرح کی عصبیت کی بنیاد پر یہ کتاب اپنی شہرت وضرورت کی اصل منزل تک نہ پہونچ سکی، گرچہ اہم اہم مواقع پر لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے اور اٹھا رہے ہیں، مگر حوالے کی نشان دہی میں کتمان سے کام لیتے ہیں۔

حضرت ملک العلماء کی تصنیفات سے یہ بات شمس

بازغہ کی طرح روشن نظر آتی ہے کہ آپ نے پوری زندگی درس و تدریس افتاء و وعظ اور جس وقت جس کی ضرورت درپیش ہوئی تصنیف و تالیف کے کام کو تیز کرنے میں گذار دی۔ جب دیوبندیوں نجدیوں نے مجددین کی لسٹ تیار کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ نے پختہ حوالوں اور محقق براہین و دلائل سے مرصع **چودھویں صدی کے مجدد** نام کی کتاب لکھ کر حقیقت کو آشکارا کیا اور اپنی نیاز مندانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے یہ ظاہر فرمادیا، کہ اس دور میں اعلیٰ حضرت کا ہم پایہ اور آپ کا ثانی کوئی نہیں ہے، یقیناً **چودھویں صدی کے مجدد** اعلیٰ حضرت ہیں۔ جیسا کہ اہل علم و عرفان کی ڈھونڈ نے والی آنکھیں اسی منزل پر آ کر مرکوز ہوئیں اور وقت کے اس امام کی شناخت مجدد کی صورت میں وقت پر ہوئی اور بالاتفاق علمائے مشاہیر نے اپنے انتخاب پر خوشی کا اظہار کیا کتابوں رسالوں کے ذریعہ یہ بات دنیا میں پہونچانا شروع کردیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو سب سے پہلے شہر عظیم آباد پٹنہ بہار کے عظیم الشان اجلاس میں مجدد مائۃ حاضرہ کہا گیا۔ قاضی عبدالوحید رئیس پٹنہ کے زیر اہتمام ایک تاریخی عظیم الشان جلسہ ۱۳۲۶ھ میں منعقد ہوا، جس میں ملک وملت کے کثیر تعداد مشاہیر علمائے اہلسنت شرکت فرماتے۔ انہیں علماء میں ایک ممتاز شخصیت اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بھی موجود تھی۔ یہ اجلاس چند لحاظ سے اہم تھا لاکھوں لاکھ مشائخ وصوفیاء علماء عوام کو مخاطب فرماتے ہوئے برسر اجلاس حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو دگر القابات کے ساتھ لقب مجدد مائۃ حاضرہ سے پہلے پہل یاد کیا، جس لقب کی سارے مشاہیر علماء کرام نے بھرپور تائید کی بعدہ اعلیحضرت کی پر مغز علمی تقریر ہوئی جسے حضور ملک العلماء فاضل بہاری نے اپنی تالیف حیات اعلیٰ حضرت میں مرقوم فرمایا ہے۔ حضور ملک العلماء نے چودھویں صدی کے مجدد نامی کتاب لکھ کر وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے، چونکہ چودھویں صدی میں مجدد ہونے کا ارمان بہت سارے دلوں میں انگڑائیاں لے رہا تھا، مگر مجدد کے میزان پر نہ اترنے کی وجہ سے ہندوستان میں ایک خلا سا محسوس کیا جارہا تھا، لیکن صرف ایک ذات بابرکت اعلیٰ حضرت کی اہل علم و عرفان کو نظر آئی، تو بلا قیل وقال ہندو بیرون ہند عرب وعجم نے اعلیٰ حضرت کو مجدد اعظم دین وملت تسلیم کیا، کہ آپ کے اندر ہر وہ کمالات وصفات اور ہر وہ علم وکردار وشرائط موجود تھے، جو مجدد کے لئے متقاضی ہیں، جیسا کہ حضور ملک العلماء فاضل بہاری نے چودھویں صدی کے مجدد میں تحریر فرمایا، لکھتے ہیں کہ مجدد کے لئے ضروری ہے کہ وہ سنی صحیح العقیدہ عالم فاضل، علوم وفنون کا جامع، اشہر مشاہیر زمانہ، بے لوث حامی دین متین، بے خوف قامع مبتدعین ہو۔ حق کہنے میں نہ خوف لومۃ لائم ہو، نہ دین کی ترویج میں دنیوی منافع کی طمع، متقی، پرہیزگار، شریعت وطریقت کے زیور سے آراستہ، رذائل وخلاف شرع سے دل برداشتہ ہو اور بحسب تصریح علامہ حقی مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہوا اس کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے اس کے اول میں مشہور و معروف ہو پھر تحریر فرمایا، کہ مجدد کے لئے یہ بھی ضروری ہے، کہ علماء عصر قرائن واحوال اور اس کے علوم سے انتفاع دیکھ کر اس کے مجدد ہونے کا اقرار کریں۔ اسی لئے علوم دینیہ ظاہرہ وباطنہ کا عالم، حامی السنۃ، قامع البدعۃ ہونا چاہئے۔ آپ نے چند حوالہ سے یہ بھی تحریر فرمایا، کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر صدی میں ایک ہی مجدد ہو۔ بلکہ چند ہو سکتے ہیں۔ متذکرہ بالا خوبیوں کے اعلیٰ حضرت جامع تھے اس لئے عرب وعجم

نے مجدد مانا لکھا اعلیٰ حضرت شرع و مذہب کی نصرت اور مخالفین دین متین کا رد کرنے میں کسی کو خاطر میں نہ لائے اور نہ کبھی شہرت و مدح کی پرواہ کی اور نہ کسی کے لعن وطعن کا خیال حق گوئی میں حائل ہوا بلکہ یہ رباعی بالکل حسب حال فرمائی۔۔۔۔۔

نہ مرانوش زتحسیں نہ مرانیش زطعن
نہ مراہوش بمدحے نہ مرا گوش زمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جزمن و چند کتاب و دوات قلمے

چودھویں صدی کے مجدد میں یہ بات بھی درج کی گئی، کہ ہر کس و ناکس کو مجدد کہنا حدیث پاک کی تحقیر ہے۔ اس میں یہ بھی شرح وبسط کے ساتھ لکھی گئی کہ ہر بڑا عالم مجدد نہیں ہوسکتا، اگر ایسا ممکن ہو، تو گذشتہ صدیوں کے صدہا مجتہدین کو مجدد کہا جاسکے گا مگر اس کا کوئی عالم قائل نہیں۔

بعض روایات کے پیش نظر اس کتاب میں مجددین کے اسماء کی فہرست تیار کرتے ہوئے مجدد مائۃ ثانیہ میں خلیفہ مامون رشید، حسن بن زیاد، اشہب مالکی، علی بن موسیٰ، یحییٰ بن معین، حضرت معروف کرخی کو اور مجدد مائۃ ثالثہ میں خلیفہ مقتدر باللہ، حضرت امام جعفر طحاوی حنفی کو اور مجدد مائۃ رابعہ میں خلیفہ قادر باللہ، امام ابو احمد اسفرائنی، ابوبکر محمد خوارزمی حنفی کو اور مجدد مائۃ خامسہ میں خلیفہ مستنظہر باللہ قاضی فخر الدین حنفی کو بھی بیان کیا ہے۔

مگر تفصیل علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے رسالہ الفوائد الحجه فی من یبعثه الله لهذه الامه اور حضرت جلال الدین کے رسالہ متنبه فیمن یبعثه الله علی رأس الماته کے مطابق مندرجہ ذیل اسمائے مجددین کا ذکر فرمایا، جنہیں بعض کے علاوہ حضور ملک العلماء فاضل بہاری کے حوالے سے سوانح اعلیٰ حضرت میں حضرت علامہ بدر الدین صاحب نے بھی جمع فرمایا ہے، وہ یہ ہیں۔

صدی	اسمائے گرامی مجددین عظام	تاریخ وصال
مجدد مائۃ اولیٰ	بالاتفاق خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۰۱ھ
مجدد مائۃ ثانیہ	بالاتفاق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۲۰۴ھ
مجدد مائۃ ثالثہ	حضرت قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی حضرت امام ابوالحسن اشعری حضرت محمد بن جریر طبری علیہم الرحمہ	
مجدد مائۃ رابعہ	حضرت امام ابوبکر باقلانی حضرت ابوطیب صعلو کی وغیرہ علیہم الرحمہ	
مجدد مائۃ خامسہ	حضرت امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
مجدد مائۃ سادسہ	حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۶۰۶ھ
مجدد مائۃ سابعہ	حضرت امام تقی الدین ابن دقیق العید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
مجدد مائۃ ثامنہ	حضرت امام زین الدین عراقی حضرت علامہ شمس الدین جوزی حضرت امام سراج الدین بلقینی علیہم الرحمہ	
مجدد مائۃ تاسعہ	حضرت امام جلال الدین سیوطی حضرت علامہ شمس الدین سخاوی علیہما الرحمہ	۹۱۱ء

مجدد	اسمائے گرامی	سنہ
مجدد مائۃ عاشرہ یعنی الف	حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ حضرت امام شہاب الدین رملی	سنہ ۱۰۱۴ھ
مجدد مائۃ حادی عشر یعنی الف ثانی	حضرت امام ربانی سیدنا شیخ احمد سرہندی فاروقی اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ، زاہرہ، باہرہ	سنہ ۱۰۳۴ھ ۲۷ رصفر
	حضرت محقق علی الاطلاق سیدنا علامہ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
	اور حضرت میر واحد بلگرامی صاحب سنابل شریفہ علیہم الرحمہ	سنہ ۱۰۱۷ھ
مجدد مائۃ ثانی عشر	سلطان دین پرور، مالک بحر و بر، شہنشاہ اعظم ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر شاہ غازی اور	۱۱۱۷ھ
	حضرت شاہ کلیم اللہ فانی فی اللہ چشتی	۱۱۳۴ھ
	وحضرت سیدنا علامہ قاضی محب اللہ بہاری علیہم الرحمہ	۱۱۱۹ھ
مجدد مائۃ ثالث عشر	حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابن	۱۱۱۹ھ
	حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہم الرحمہ	۱۱۳۹ھ
مجدد مائۃ رابع عشر یعنی مجدد حاضرہ	مجدد مائۃ حاضرہ، موید ملت طاہرہ، صاحب تصانیف باہرہ، عظیم البرکت، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، سیدنا امام احمد رضا قادری برکاتی، حنفی، نفعنا اللہ ببرکاتہ فی الدنیا والآخرہ	۱۱۳۹ھ ۱۳۴۰ھ

اعلیٰ حضرت سے سچی عقیدت رکھنے والے تلامذۂ ذیشان اور خلفائے عالیشان جن میں ایک سے ایک اپنے دور کے قطب اور تقویٰ شعار اور نامور عالم دین گذرے ہیں، جنہوں نے کسی نہ کسی طور پر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے اور اظہار محبت وعقیدت کی سعادتیں حاصل کی ہیں۔ اور آپ کی شان ورفعت کو اجاگر کر کے حقیقت کو آشکارا کیا ہے۔ ایسے ہی حضور ملک العلماء فاضل بہاری نے تقریباً اپنی ہر تصنیفات میں احسان عظیم کا اظہار کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے، کہ جو کچھ میں نے لکھا یا کہا وہ سب اعلیٰ حضرت ہی کی دین اور آپ کا ہی عطا کردہ ہے۔ چودھویں صدی کے مجدد نامی کتاب میں آپ نے کسی اہل دل کے کلام کو پیش فرمایا ہے جو منقبت عربی میں ہے۔ بحسب فرمان ناشر مسلک اعلیٰ حضرت خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت سراج ملت الحاج الشاہ مولانا قاری حافظ سید سراج اظہر صاحب مدظلہ العالی بانی وسربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم خطیب وامام رضا جامع مسجد پھول گلی ممبئی راقم الحروف خادم العلماء محبوب رضا روشن القادری شیخ الحدیث دارالعلوم ہذا ترجمہ کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوا پیش کرنے کی سعادت سے فیروز مند ہو رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

منقبت درشان والا، عظیم المرتبت امام اہل سنت، مجدد اعظم دین و ملت، اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز

اَیُّھَا الْبَحْرُ الْغَطْمَطَمْ اَیُّھَا الْحِبْرُ الْعَلَمْ
اَنْتَ شَیْخُ الْکُلِّ فِی کُلِّ سَیِّدِی اَحْمَدْ رَضَا

اے قوم کے سرداروں کے پیشوا اور علم کے عظیم سمندر
اے میرے امام احمد رضا بہر صورت آپ ہر صاحبان علم کے شیخ ہیں

اَنْتَ مِفْضَالٌ کِرَامٌ اَنْتَ مِقْدَامٌ ھُمَامْ
رُحْلَۃُ قَرْمٌ ھُمَامٌ سَیِّدِی اَحْمَدْ رَضَا

آپ بزرگی میں اونچے فضل والے اور بلند ہمت والے قائد ہیں
عالی ہمت سرداران علم کے لئے میرے امام احمد رضا آپ ہی مرجع ہیں

اِنْتِسَابِی مِنکَ یَکْفِینِی لِحُسْنِ الْخَاتِمَۃ
اَنتَ لِی نُورٌ لِقَبْرِی سَیِّدِی اَحْمَدُ رَضَا

میرے حسن خاتمہ کے واسطے بس آپ کی نسبت (رضوی) کافی ہے
اے میرے امام احمد رضا آپ مری قبر کے نور و سکون ہیں

اَنتَ مَولٰینَا الْفَخِیمُ اَنتَ مَلْجَا الْعَظِیم
اَنتَ مَولٰینَا الْکَرِیمُ سَیِّدِی اَحْمَدُ رَضَا

آپ عظیم المرتبت ہمارے مادی اور سب سے بڑے ہمارے ملجا ہیں
اے میرے امام احمد رضا آپ ہی ہمارے کرم نواز آقا ہیں

اَنتَ کَنزٌ لِیَ لِیَومِی اَنتَ ذُخرِی فِی غَدِی
اَنتَ غَوثِی اَنتَ غَیْثِی سَیِّدِی اَحْمَدُ رَضَا

آپ ہی میرے حیات دنیوی کیلئے کنز کرامت ہیں
اور آپ کل قیامت میں میرے لئے خزانہ بخشش ہیں
اے میرے امام احمد رضا آپ ہی میری فریاد سننے والے
اور میرے فریاد رس ہیں

متذکرہ بالا کلام بلاغت نظام سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ حضور ملک العلماء کے دل میں سرکار اعلیٰ حضرت کی کتنی محبت تھی، اور معیار عقیدت کتنی اونچی تھی انھیں باتوں اور والہانہ عقیدت کا ثمرہ تھا، کہ مجدد اعظم دین وملت نے بھی مکتوب میں ولدی الاعز لکھا، کبھی مولانا المکرم ذی المجد والکرم ولدی الاعز سے یاد فرمایا۔ حضور ملک العلماء فاضل بہاری حیات میں جس طرح اعلیٰ حضرت کے فیضان سے مستفیض تھے، بعد وصال ان کے فیضان کے لئے رب العالمین کے حضور میں دعا کرتے رہے صحیح البہاری میں بھی لکھا، نفعنا اللہ ببرکاتہ فی الدنیا والآخرہ

نبی کے چاہنے والے مسلماں کی زبانوں پہ
رہے گا تا قیامت نام امام احمد رضا تیرا

جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری:

حضرت ملک العلماء نے اپنے شیخ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نسبت سے جامع الرضوی اور مقام وسکونت کے لحاظ سے صحیح البہاری اس کتاب کا نام رکھا جیسے سیدنا حضرت امام بخاری نے صحیح البخاری جامع کا نام رکھا۔ یہ غایت درجہ کی عقیدت کا اظہار اور محسن اعظم کے احسان کا بیان ہے۔ اقسام کتب احادیث اور حدیثوں کی بہت ساری قسموں میں سے بعض زیر قلم ہیں تاکہ حضور ملک العلماء کی صحیح البہاری کا حسن انداز آشکارا ہو ملاحظہ فرمائیں:

اصطلاحات

صحیح۔ جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیح کا التزام لیا ہو جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

جامع۔ جس میں آٹھ عنوانات احادیث لائی جائیں۔ سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب جیسے بخاری ترمذی جامع الرضوی وغیرہ

سنن۔ جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں، جیسے سنن ابی داؤد و نسائی

مسند۔ جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں، جیسے مسانید امام اعظم و امام احمد بن حنبل

معجم۔ جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے حدیثیں لائی جائیں جیسے معجم طبرانی پھر مستدرک، اربعین، مستخرج، جز، امالی وغیرہ

حدیث مرفوع۔ جس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

حدیث موقوف۔ جس میں صحابہ کرام کے اقوال و افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

حدیث مقطوع۔ جس میں تابعین کے اقوال و افعال اور تقریرات بیان ہو۔

حدیث مشہور۔ جس کے بہت سارے راوی ہوں۔

حدیث متواتر- وہ ہے جس کے راوی اس قدر زیادہ ہوں کہ نبی کریم کے زمانہ سے لے کر آج تک اتنی تعداد ہو جن کو جھٹلانا عادۃً محال ہو۔

حدیث اثر- وہ ہے جو کسی طریقے سے حضور سے منقول ہو۔

حدیث خبر- وہ ہے جس میں نبی کریم، صحابہ اور تابعین سے روایت ہو اور تاریخی واقعہ ہو۔

حدیث مرسل- وہ ہے جس کی اسناد تابعی تک ہو صحابی کا ذکر نہ ہو۔

حدیث صحیح- وہ ہے جس کا راوی مکمل عدل وضبط میں مشہور ہو۔

حدیث منقطع- وہ ہے جس کی رواۃ سے درمیان میں ایک یا زیادہ راوی کا پتہ نہ ہو۔

حدیث موضوع- وہ ہے جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

اسی طرح مراتب ارباب احادیث ہیں۔

طالب - حدیث کا متعلم

شیخ - حدیث کا معلم یا محدث کہلاتا ہے

حافظ - جس شخص کو متناً، سنداً ایک لاکھ احادیث یاد ہوں۔

حجۃ - جس کو تین لاکھ حدیثیں متناً، سنداً، جرحاً، تعدیلاً محفوظ ہوں۔ حاکم احادیث مرویہ متناً، سنداً تمام محفوظ ہوں۔

ظاہر ہے مختصر اشارہ سے آپ کا ذہن تازہ ہو گیا ہوگا، کہ ایک محدث کو کن کن امور میں کیا کیا ضروری مسائل درپیش ہوتی ہیں۔ لہٰذا ابواب وفصول کی تزیین کاری تو انھیں علوم کے نتائج کے جلوے ہیں۔

حدیث کی قسمیں اور ملک العلماء کا بیان فن مناظرہ

صحیح البہاری کے مقدمہ میں حضرت ملک العلماء نے مشاہیر ائمہ محدثین کے حوالہ سے حضرت سیدنا عبدالحق محدث دہلوی کی طرح اقسام احادیث کی بالدلیل تعریف فرمائی ہے۔ یہاں محض تین قسموں کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، جسے حضرت علامہ شیخ الحدیث مفتی احمد یار خان صاحب اشرفی بدایونی مترجم مشکوٰۃ المصابیح نے بھی جاء الحق میں تحریر کیا ہے۔ چوں کہ غیر مقلد ہر اس حدیث کو ضعیف کہہ بیٹھتے ہیں، جو ان کے منشاء کے خلاف ہو اور یہ ضعیف سے مراد جھوٹی، گڑھی ہوئی حدیث لیتے ہیں اور لوگوں میں یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں، کہ ضعیف حدیث کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا کوئی مقام نہیں۔ حالانکہ مقدمہ صحیح البہاری میں حوالہ جات سے اظہر من الشمس ہے، کہ حدیث ضعیف فضائل میں معتبر ہے۔ یعنی کسی کی عظمت وفضیلت کے باب میں اس کا عمل ثابت ہے۔ اس لئے کہ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں آتا صحیح البہاری کے مقدمہ میں ملک العلماء نے لکھا۔

الحديث الضعيف يكون قويا بعمل اهل العلم

یعنی اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے اسی طرح ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا اور ترمذی میں ہے۔ ھــــذا الحديث حسن صحيح غريب یعنی یہ حدیث ضعیف بھی ایک اسناد میں حسن ہے، دوسری میں صحیح تیسری میں غریب اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد کا ضعف اگلے محدث ومجتہد کے لئے مضر نہیں۔ مثلاً امام بخاری وامام ترمذی کو جو حدیث ضعیف ہو کر ملی ہو تو یہ ضرور نہیں، کہ سیدنا امام اعظم کو بھی ضعیف ملے چونکہ امام اعظم تابعین میں سے ہیں۔ لہٰذا تابعی کو صحیح سند سے ملنے والی حدیث پیچھے چل کر ضعیف ہو سکتی ہے۔

اس لئے وہابیوں کا امام اعظم پر لعن کرنا کھلی جہالت ہے۔ جس امام کی باتوں پر یہ چلتے ہیں، وہ جابر جعفی وہ امام اعظم کے بعد پیدا ہوا، امام اعظم پہلے، تو پھر ان وہابیوں کا الزام لگانا، کہ امام اعظم حدیث ضعیف سے مسئلہ حرام وحلال اخذ کرتے ہیں۔ یہ ان

ناپاکوں کا فریب اور جھوٹ ہے، جو یہ غیر مقلدین گڑھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) واضح ہو کہ جابر جعفی سیدنا امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ کے بعد پیدا ہوا۔ امام اعظم کی پیدائش ۸۰ھ میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا زمانہ قریب ہے۔ اس وقت حدیث ضعیف کم تھی، جیسے جیسے زمانہ بڑھتا گیا راویوں میں تبدیلی آتی گئی۔ بعض راوی غیر متقی یا غیر قوی الحافظہ بیچ میں آ گیا، اس طرح ضعف کا اندیشہ بڑھتا چلا گیا۔ حدیث صحیح وہ ہے جس میں چار خوبیاں ہوں (۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ نہ چھوٹا ہو (۲) اس کے سارے راوی اول درجے کے متقی پرہیزگار ہوں کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو (۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں، کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بوڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔ (۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔ حدیث حسن وہ ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں یعنی کسی کا حافظہ یا تقویٰ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔ حدیث ضعیف جس کے راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہو یعنی جو صفات صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔ راویان حدیث کے سلسلہ کو اسناد حدیث اور الفاظ حدیث کو جس پر اسناد ختم ہو متن کہتے ہیں۔ بلا وجہ کسی حدیث کو ضعیف کہنا غیر معتبر ہے، اس لئے کہ وجہ ضعف ائمہ کے اختلاف سے ہے، بعض ایک چیز کو عیب جانتے ہیں بعض نہیں، جیسا کہ نور الانوار بحث طعن علی الحدیث میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ملک العلماء نے اس موضوع پر جو حوالہ جات جمع فرمایا ہے، یہ ایک علمی کارنامہ ہے۔ آپ نے باب قول لا الہ الا اللہ واھدا ثوابہ میں حدیث نقل کی عن الشیخ محی الدین بن العربی قال بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من قال لا الٰہ الا اللہ سبعین الفا غفر اللہ تعالیٰ لہ الخ اس حدیث کو مکمل مقدمہ میں لکھا یعنی شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک حدیث سنی تھی، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کسی کے نام ہدیہ ایصال ثواب کر دے، تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ ایک جوان صاحب کشف نے اپنی ماں کو دستر خوان پر جب کھانا حاضر ہو گیا، تو دیکھا کہ وہ جہنم میں ہے، جب رونے لگا تو ملا علی قاری کے مرقات میں بیان کے مطابق کہ ایک شیخ نے سبب پوچھا، تو اس نے کہا اریٰ امی فی العذاب یعنی میں اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھتا ہوں۔ شیخ نے خود جو تسبیح میں ستر ہزار پڑھا تھا، اس کی ماں کو ایصال کر دیا فضحک فقال اراھا الآن فی حسن المآب وہ جوان ہنسنے لگا، اور کہا اب اس کو ابھی اچھی حالت میں جنت میں پا رہا ہوں فقال الشیخ نعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ و صحۃ الکشف بصحۃ الحدیث تو فرمایا شیخ نے کہ میں نے جان لیا حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف کی صحت سے اور اپنے کشف کی صحت سے معلوم ہوا علمائے کاملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ھذا الحدیث غریب ضعیف والعمل علیہ عند اھل العلم.

مذکورہ بالا مضمون حدیث ضعیف سے متعلق غیر مقلد تو غیر مقلد ہیں، حنفی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے وہابیوں کے مقلدین دیوبندی بھی اپنے موقف کے پیش نظر بلا دلیل سنیوں کی جانب سے پیش کی جانے والی احادیث کو برجستہ ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ خصوصاً فضائل نبوت اور مناقب اولیاء کے باب میں، اگر علم غیب کے ثبوت میں، اگر حدیث متواترہ، مشہورہ بھی پڑھی جاتی ہے تو یہ بدمذہب صرف اپنا عیب چھپانے کے لئے بکواس کرتے رہتے ہیں۔ جیسا

کہ ۱۳۴۹ھ کا مدرسہ رضاء العلوم کنہواں وایہ پریہار ضلع سیتا مڑھی بہار کا تاریخ ساز مناظرہ تھانہ بیلا میں دیوبندیوں نے اس طرح کی بکواس سے منہ کی کھائی، یہ مناظرہ دیوبندیوں سے علم غیب رسالت کے باب میں تھا، جس کو والدی شیخ العلام، کشف الظلام حضرت مفتی محمد عظیم الدین صاحب فاضل بہاری علیہ الرحمہ بانی مدرسہ رضاء العلوم نے وضع دیا تھا، جس میں حضرت ملک العلماء، حضرت صدر الافاضل، حضرت محدث اعظم ہند، حضرت علامہ عارف باللہ لاہور کے علاوہ مقامی و بیرونی علماء کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے۔ یہ دو روزہ مناظرہ طے شدہ تھا، جس کے پہلے اجلاس کے مناظر سنیوں کی طرف سے حضرت علامہ مفتی محمد عظیم الدین صاحب فاضل بہار اور دوسرے دن کے دوسرے اجلاس کے مناظر حضرت ملک العلماء تھے۔ دیوبندیوں کی جانب سے دیوبند، سہارنپور، لکھنؤ، مئو وغیرہ کے مولویوں کی کافی تعداد تھی۔ مگر اسٹیج پر چند ادھر سے چند ادھر سے علماء شریک ہوسکتے تھے بالآخر سنا ہے، کہ جب لاکھوں کی تعداد میں آئے ہوئے عوام کے روبرو ایک جج فیصل کی موجودگی میں مناظرہ ہوا، اس کے مناظر بھی عجیب تھے۔

علم غیب رسالت سے متعلق مناظرہ شروع ہوا دیوبندیوں کے پیشوا کی اس گندی عبارت کو بھی پڑھ کر سنایا گیا جس میں حضور کے علم پاک کو پاگل، چوپائے جملہ بہائم سے تشبیہ دے کر علوم نبوت کی توہین کی ہے، شان نبوت میں گستاخی ہے۔ ابھی مناظرہ دو گھنٹے بھی نہ چل پایا تھا کہ دیوبندیوں کے مناظر بدلتے رہے اور ہر مناظر کسی نہ کسی بیماری کے بہانے پانی پیتا رہا بالآخر ایک دیوبندی نے بخاری شریف کی ایک ایسی کوئی حدیث پڑھنا شروع کیا، جس سے اپنے کفر کی صفائی دینا چاہی تھی، مگر درمیانی جملہ کوئی کلمہ ایسا تھا، جس کے شروع میں ب تھی اس نے یہ سمجھا کہ حرف جارہ ہے اس لئے کلمہ کو مجرور پڑھتا رہا۔ بار بار روکنے پر بھی سمجھ میں نہ آیا اور مبہوت ہوگیا، جب کہ اسٹیج کے دیگر معاونین دیوبندی مولوی اپنے مناظر کی خلاف دستور مدد کرنے لگے۔

مگر ادھر سے سنی مناظر کی للکار حق گوئی سے وہ مناظر بالکل لاجواب ہوکر بیٹھا رہا تو سرزمین پوکھریرا سے آئے ہوئے معاون مناظر حکیم عطاء الرحمٰن صاحب نے سخت سخت جملے میں دیوبندیوں کی جہالت کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا، پھر یہ لوگ یکے بعد دیگرے اسٹیج چھوڑ کر حکم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھاگنے لگے۔ لوگوں نے فتح سنیت کا اعلان کیا۔ فلک شگاف نعروں سے مناظرہ گاہ کو دہلا دیا۔ بھاگتے ہوئے دیوبندیوں کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ جب فتح کا اعلان ہوا، تو اس کے ساتھ ہی جلسہ فتح کا شب میں پروگرام لوگوں کو بتا دیا گیا۔ آخر جلسہ گاہ لاکھوں لاکھ کی تعداد سے بھر گیا۔ پہلی تقریر حضور ملک العلماء کی علمی نکات پر مشتمل ہوئی، جس میں فن مناظرہ اور اسباب فتح کو شاندار انداز میں بیان کرتے ہوئے احادیث کی ضرورت اور اسلام میں ان کی افادیت کو روشن فرماتے ہوئے اسے حرمت وحلت کے ضوابط کو بتاتے ہوئے، حدیث ضعیف پر علمی روشنی ڈالی اور باب قول لا الٰہ الا اللہ کے مدنظر واقعہ کی صداقت کو تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے واقعہ سے مسکت جواب کے طور پر خطاب کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ علمائے کاملین کے عمل سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ اور ہر طرف سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ماننے والے سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہی حق پر ہیں اور اشرفعلی کے چاہنے والے سب باطل پرست، دھوکہ باز ایمان کے لٹیرے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وما توفیقی الا باللہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین

صحیح البہاری کی اہمیت وافادیت

از قلم: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی (ایم. اے.) صدر المدرسین مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

فاضل بہاری، حضرت ملک العلماء کی ذات وشخصیت اب محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایسے بلند آسماں تھے۔ جس کے دامنِ تقدس میں ہزاروں، ستاروں نے پناہ لے رکھی تھی۔ ان کی وجہ سے ایک انجمن سجی ہوئی تھی۔ عشق ومحبت، فکروشعور، علم وادراک کی بزم آراستہ تھی۔ حضرت ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اصول ونظریات اور مراسم اہل سنت کو فروغ دینے میں بہت زیادہ کوشش کی، جہاں کہیں رہے اعلیٰ حضرت کا ہوکر رہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں لگے رہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس دور میں مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح وجود میں نہیں آئی تھی، مگر انھوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے جن نظریات علم وفن، اصول واعتقادیات اور مراسم اہل سنت کی اشاعت کو دل وجاں سے قریب رکھا وہ مسلک اعلیٰ حضرت سے جدا نہ تھے۔ اس مقالہ میں حضرت ملک العلماء کے علمی نظریئے اور فنی تبحر کا ذکر کیا جائے گا۔ تاکہ آپ ان کی شخصیت اور ان کی علمی لیاقت سے روشناس ہوسکیں۔

تبحر علمی کیا ھے؟

تبحر عربی زبان کا لفظ ہے اور باب تفعل سے آیا ہے۔ اس باب کی خاصیات میں تحول بھی ایک خاصیت ہے۔ تحول کا مطلب عین ماخذ یا مثل ماخذ ہونا ہے۔ جیسا کہ بولا جاتا ہے، زید تبحر فی العلم یعنی زید علم میں سمندر یا مثل سمندر ہوا۔ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ارباب ادب نے تبحر علمی کا استعمال کیا، جو رواج پاتے پاتے روز مرہ کی زبانوں میں آگیا۔ تبحر علمی ایک ایسی ترکیب ہے، جو تشبیہ پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں تبحر محسوس اور علمی معقول ہے۔ معقول کو محسوس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، علم کو سمندر سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہاں وجہ تشبیہ وسعت اور گہرائی ہے۔ لہٰذا اب علمی تبحر سے علمی وسعت فکری معنویت، درک تام، قدرت کاملہ اور ذہنی صلاحیت مراد لی جاتی ہے۔ علمی تبحر کے یہ تمام اوصاف وخصوصیات حضرت ملک العلماء کی ذات وشخصیت میں جمع تھیں۔ وہ ایک پر جوش سمندر تھے، جس میں ندرت فکر اور لطافت معانی کی موجیں اٹھتی تھیں اور تحقیق وتلاش کی لہریں سر اٹھاتی تھیں۔ حضرت ملک العلماء کو یہ وسعت وکشادگی اور علمی گہرائی کس طرح حاصل ہوئی؟ کہاں سے ملی؟ وہ کون تھا؟ جس نے انھیں علمی تبحر، فنی کمال اور تحقیق کا جمال عطا کیا اور ان کی شخصیت میں معنویت کی چاندنی بکھیر دی۔ وہ کوئی اور نہیں؟ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات تھی، جن کی عبقریت کو زمانہ سلام کرتا ہے اور دنیا خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔ ہاں وہ اعلیٰ حضرت جو علی الاطلاق اعلیٰ حضرت تھے۔ ان کے روشن ہوتے ہی بہت سے چراغوں کی روشنیاں مدھم پڑ گئیں۔ علم وشعور کی نخوتیں بھی چور ہوگئیں۔ جس میدان کی طرف انھوں نے رخ کیا، فتح وظفر ان کے ساتھ گئے اور میدان جیت کر ہی دم لیا اور کیوں نہ ہو کہ خود امام احمد رضا نے ارشاد فرمایا:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

تاریخ بتاتی ہے، امام احمد رضا ۵۵/۷۰/۱۰۵ علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے۔ ان کی ذات سے علم وشعور فکر وآگہی کو جلا ملی، جس علم نے جو چاہا ان سے لیا، خوب لیا اور اتنا لیا کہ وہ فن کی بہاروں، نزاکتوں میں کھو گیا۔ امام احمد رضا ایسے دریا دل تھے کہ انھوں نے دونوں ہاتھوں سے دیا۔ شعور وادراک کو بھی دیا اور فکر وتدبر کو بھی مروجہ علوم بھی مستفیض ہوئے اور فنون جدیدہ بھی۔ افراد ورجال بھی امام احمد رضا کے آستاں پر حاضر ہوئے اور علم وفن کے پر جوش سمندر سے سیراب ہوئے اور ایسا آب شیریں پیا کہ زندگی بھر اس کی سرخوشی نہ گئی اور مستی چھائی رہی۔ خالی ہاتھ آئے تھے گوہر مراد سے جھولی بھر کر گئے۔ خاک بن کر آئے تھے اور سونا بن کر گئے۔ ایسے گئے کہ ان کے ہاتھوں میں علم وشعور، فکر وادراک کے جواہرات بھرے پڑے تھے اور ان کی شخصیتیں اجالوں سے پرنور تھیں۔ دیکھنے والی نگاہیں انھیں دیدۂ حیرت سے دیکھ رہی تھیں، کوئی ملک العلماء بن کر گیا اور کوئی صدر الافاضل اور صدر الشریعہ کے منصب پر فائز ہوا۔ شیر بیشہ اہل سنت کو جو کچھ ملا امام احمد رضا ہی سے ملا۔ اس دور میں ان کے سوا اور کون تھا جو کسی کو دیتا۔ ان کے دینے کا انداز کتنا انوکھا، نرالا تھا کہ یہ انداز، انداز نہ رہ کر عجیب وغریب اور نادر و نایاب کرشمہ بن گیا۔ جس آستاں کی ذرہ نوازی کا یہ دستور و عالم ہو؟ ماشاء اللہ اس کا کیا کہنا؟ کیا عجب؟ کہ ایسے آستانوں میں چاند تارے بھی اجالے جاتے ہوں اور خورشید تاباں بھی ڈھالے جاتے ہوں؟ انھیں چمک پانے والوں میں حضرت ملک العلماء فاضل بہاری بھی تھے۔

امام احمد رضا اور ملک العلماء:

امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت، علم وشعور کی جامعیت اور شعور و ادراک کا پر جوش سمندر نیز اس میں اٹھنے والی لہروں کو دیکھ کر کس کا دل نہیں چاہے گا کہ ان سے اکتساب نور وضیا کیا جائے اور فائدہ اٹھایا جائے۔ ملک العلماء کے دل میں بھی ایک خوبصورت خواہش نے جنم لیا اور انھوں نے اپنے آپ کو اس پر جوش سمندر کے حوالہ کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی انھیں اپنا لیا۔ ان کے دل میں چمک کی خواہش تھی اور ان کے قلب میں چمکانے کی۔ جب ولولہ وشوق میں ایک جیسی چاہت ہوتی ہے، تو اس کے نتائج اچھے، مثبت اور خوشگوار ہوا کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا دیا، ملک العلماء نے کیا لیا؟ اس کو جاننے کے لئے درج ذیل عبارت کا مطالعہ کیجئے۔ مولانا ساحل سہسرامی رقم طراز ہیں..........

> پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی میں حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام کل کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلدی اوب کر سرچشمۂ علم و ادب اور مصدر عشق ومحبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انھیں کے ہو کر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی۔ حضرت ملک العلماء کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں منظر اسلام قائم فرمایا، جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا (۱) ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی، (۲) مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلماء نے حضرت امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے ٦

مقالے، تشریح الافلاک، تصریح شرح چغمنی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں، تصوف کی مشہور کتابیں، رسالہ قشیریہ اور عوارف المعارف کا سبقاً سبقاً درس لیا۔ سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلماء نے مدرسہ منظر اسلام میں تدریس وتصنیف اور افتا نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ (تقدیمات فتاویٰ ملک العلماء، ص:۱۱،۱۲)

حضرت ملک العلماء پورے ۸ سال تک امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت بابرکت میں رہے۔ نہایت ہی محنت و مشقت اور پوری لگن کے ساتھ علم و ادراک، نور وضیا کا اکتساب کرتے رہے۔ اس مدت میں انھوں نے اخذ وحصول کے کسی بھی دقیقہ کو فروگذاشت نہ کیا۔ برابر اپنی دھن میں لگے رہے اور شدید انہماک کے ساتھ تحصیل علم وشعور کرتے رہے۔ جب آدمی کسی کام میں یکسوئی اور جوش وخروش کا مظاہرہ کرتا ہے، تو ہر طرف سے اس پر فیضان ہونے لگتا ہے اور علوم وفنون کے تمام دریچے کھل جایا کرتے ہیں۔ یہی کچھ حال حضرت ملک العلماء کا تھا وہ ہر علم، ہر فن کی وادی میں سیر کرنے لگے۔ فکر وآگہی کے تمام ابواب ان کے لئے وا ہو گئے۔ ہر قسم کے گلستانِ فکر سے انھوں نے خوشنما پھولوں کا انتخاب کیا اور اپنی ذات وشخصیت اور دامن تقدس میں سجاتے رہے، نکہتوں میں بساتے رہے اور بہاروں کے موسم سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ جذب وکشش اور علوم وفنون کی تمام تر تابانیاں ان کی شخصیت کے عناصر میں تبدیل ہو گئیں۔ امام احمد رضا کی بارگاہ میں جب وہ حاضر ہوئے، تو ظفر الدین بہاری تھے لیکن امام عشق ومحبت کی نگاہ ناز کے پڑتے ہی ملک العلماء اور ماہر علوم وفنون ہو گئے۔ وہ نیر تاباں تھا اور یہ ماہ شب چہار دہم اُن کی پرنور شعاعیں تھیں اور ان کی شخصیت کا انگ انگ اجالوں اور سنہری کرنوں سے تابناک ہو رہا تھا۔ حضرت ملک العلماء کی انھیں تابشوں، اجالوں، کرنوں اور بے پناہ خوبیوں سے ان کی شخصیت کا جوہر کمال تاباں ہوا۔ فکر ودانش والوں نے انھیں مانا، تسلیم کیا، بڑے بڑے ماہرین علوم جدیدہ نے انھیں سلام کیا۔ عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کے روبرو سر تسلیم خم کیا۔ امام احمد رضا نے اپنے اس پیارے کو کس قدر چاہا؟ کیسا چاہا؟ امام احمد رضا صرف استاذ ہی نہ تھے، بلکہ ان کے مربی بھی تھے، انھیں دل کے قریں رکھا، اپنی دعاؤں سے نوازا اور فتح وکامرانی کے لئے التجائیں کیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اس التجا میں اعتماد ویقین کا جلوہ تھا، پر درد لب ولہجہ تھا، اجابت نے اسے جھوم کر لیا، قدرت کا کرشمہ دیکھئے۔ جس طرح کی التجا تھی، ملک العلماء اس التجا کی واضح تفسیر وتعبیر تھے۔ انھیں کامیابی ملی اور خوب ملی اور ایسی ملی، کہ آج تک ان کی یادیں ارباب بصیرت کے دلوں میں تازہ ہیں اور فکر ودانش کے متوالے ان کی یادوں سے جودت و ندرت کشید کرتے ہیں اور پھر ابدی مسرتوں میں کھو جاتے ہیں۔

ملک العلماء ایک لقب ہے، جس میں زبردست گہرائی اور معنویت پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا لقب ہے، جس کی فطرت میں سیادت، قیادت کی توانائی پائی جاتی ہے اور سرخمیدگی کے تمام تقاضے، اس لقب کے جس قدر عناصر اور تقاضے ہونے چاہیے وہ

سب حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ کی شخصیت میں موجود تھے۔ اس کے شواہد تو آنے والے صفحات میں بیان کئے جائیں گے، جن کے تجزیاتی مطالعہ سے حقیقت حال عیاں ہو جائیگی، یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے، شواہد پر نظر رکھنے والی شخصیتیں خطا کر سکتی ہیں، بے راہ روی کا شکار ہو سکتی ہیں، لیکن جس نگاہ نے اندرونی علمی، فکری صلاحیتوں کا اندازہ کر کے انھیں اس لقب سے ملقب کیا، اس میں دور دور تک خطا نہیں، کیونکہ وہ کسی اور کی نگاہ نہ تھی۔ ان کے استاذ و مربی کی نگاہ تھی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نگاہ تھی۔ انھوں نے القاب دینے میں غلو سے کام نہ لیا، بلکہ اس بارے میں انھوں نے نہایت ہی دقت نظر سے کام لیا۔ شخصی توازن اور علمی فکری اعتدال کو بروئے کار لاتے ہوئے، القاب عطا کئے، خطابات دیئے، اپنے اکابر کی بارگاہ میں بھی القاب کا گلدستہ پیش کیا، ہم عصر علماء کو بھی خطابات دیئے۔ اپنے شاگردوں کو بھی محروم نہ رکھا۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں، جب امام احمد رضا نے انھیں ملک العلماء کہا، تو یقیناً مولانا اس کے مستحق تھے۔ استاذ و مربی ہونے کے اعتبار سے انھیں معلوم تھا، حضرت ملک العلماء کیا ہیں؟ ان کی علمی صلاحیت کیا ہے؟ اور ان کی فکری پرواز کہاں تک ہے؟ سچ پوچھئے، تو حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ بلند حوصلہ، پر جوش ولولہ رکھتے تھے، وہ عقاب کی نگاہ رکھتے تھے، بلند پروازی ان کا شیوہ تھا، اس لئے انھوں نے علمی میدان میں کبھی تکان محسوس نہیں کیا۔

تندی بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

حضرت مولانا سید ظفر الدین علیہ الرحمۃ صحیح معنی میں ملک العلماء فاضل بہاری تھے۔ اعلیٰ حضرت کے جس مشن کو لے کر آگے بڑھے تھے، اسے پورا کیا۔ اس کی ترویج و اشاعت میں ولولہ و ہمت سے کام لیا اور ضعف و تکان سے بہت دور رہے۔ آج انھیں کی کوششوں کا ثمرہ ہے، کہ عوام و خواص مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگا رہے ہیں اور ناہموار فکروں پر ضرب کاری پڑ رہی ہے۔ حضرت ملک العلماء کی شخصیت اور ان کی نفسیات کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہیں، تو مجھے زبردست حیرت ہوتی ہے، کہ کاتب ازل نے انھیں کس قدر حساس طبیعت کا مالک بنایا تھا، کہ انھیں ہر کام، ہر جذبہ کے پس منظر، روشن مستقبل کا خیال رہتا تھا، کہ جس مقصد کے تحت انھوں نے کام کی ابتدا کی خداوند قدوس نے اسے یہ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ چند کاموں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

قیام مدرسہ کا خیال :

حضور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی سوانح میں صرف اس قدر آیا ہے، کہ اعلیٰ حضرت نے ملک العلماء کے اصرار پر ۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا۔ اس سے زیادہ نہیں، لیکن مقام غور یہ ہے، کہ صرف انھیں کے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا؟ خیالوں کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے، جو پانی کے بلبلوں کی طرح اٹھتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔ مگر یہ خیال حباب کی مثل نہ تھا، اس میں پائیداری تھی، اسی لیے حضرت ملک العلماء نے اس پر اصرار کیا اور ایک مدرسہ کے قیام پر زور دیا۔ اس اصرار پر تعمق فکر سے کام لیجئے، تو اس کے پس منظر ایک خوشگوار جذبہ کی جھلک نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے، کہ ملک العلماء نے امام احمد رضا کی شخصیت، علمی صلاحیت اور کثرت فنون و مضامین کو دیکھ کر یہ محسوس کر لیا تھا، کہ آنے والے دنوں میں اعلیٰ حضرت کے علمی، فکری اصول و نظریات، مستقل آف اسکول کی صورت اختیار کر لیں گے۔ تو پھر اس کا ایک مرکزی ادارہ ہونا چاہیے۔ اس لیے حضرت ملک العلماء نے اس پر اصرار کیا اور مدرسہ منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے، جیسا ملک العلماء نے خواب دیکھا تھا وہ حقیقت میں تبدیل ہو گیا اور

مدرسہ منظر الاسلام کو تمام اداروں پر فوقیت حاصل ہوگئی اور وہ مرکزی حیثیت کا حامل بن گیا۔ حضرت ملک العلماء، منظر اسلام کے لئے علت باعثہ ثابت ہوئے اور علت غائی بھی۔ امام احمد رضا جیسی علمی، فکری اور باکمال شخصیت اور ان کے مرکزی ادارہ سے ملک العلماء کی قربت، صرف قربت نہ رہ کر، کمال قرب اور جوہر محبت کی واضح مثال ہو گئی اور ملک العلماء کی شخصیت میں انفرادیت، ندرت و بانکپن جیسے غیر معمولی اوصاف راہ پائے گئے۔ یہ وہ ویژن تھا، جسے ہر ایک انسان نہیں دیکھ سکتا تھا، صرف فاضل بہاری کی یہ خصوصیت تھی، کہ انھوں نے اس ویژن کو دیکھا اور اس کو عملی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

منظر اسلام میں تعلیم کا آغاز:

بسا اوقات ایسا دیکھا گیا ہے، کہ نظریہ کوئی پیش کرتا ہے، اسے عملی صورت کوئی دوسرا شخص دیتا ہے اور پھر اس نظریہ کا تجربہ کسی تیسرے شخص پر کیا جاتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ قطعی اس کے برعکس تھا۔ ملک العلماء نے خود نظریہ پیش کیا، اس کو عملی صورت میں لانے کی کوشش بھی کی اور اس کا تجربہ بھی خود اپنی ذات پر کیا۔ یعنی خود منظر اسلام میں طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئے اور امام اہل سنت سے علم وفن کا استفادہ کیا، انھوں نے کیا پڑھا؟ یہ بتایا جا چکا ہے۔ اسے مزید دوبارہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تعلیمی اصول و نظریات کے فروغ و ارتقاء میں طلبہ اور شاگردوں کی کیا اہمیت و افادیت ہے۔ اس سائنسی دور میں سانس لینے والا کوئی بھی فرد انساں اس کا انکار نہیں کرسکتا ہے، نیر تاباں، خورشید فلک کی روشنیاں اپنی جگہ ہیں، مگر شب دیجور کی ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے چاند تاروں کا ہی سہارا لیا جاتا ہے۔ امام اہل سنت کے مشن کی ترویج و اشاعت میں ان کے شاگردوں کا بھی اہم رول رہا ہے۔ خواہ ملک العلماء ہوں یا صدر الشریعہ، صدر الافاضل ہوں یا محدثِ اعظم، شیر بیشہ اہل سنت ہوں یا عبد العلیم صدیقی میرٹھی، یہ تمام حضرات اپنے اپنے دور میں تابندہ ستارے تھے، جن کی نورانی کرنوں سے غیر متوازن افکار ونظریات کے اندھیرے چھٹے، مثبت اور صداقت پر مبنی نظریوں کا سویرا نمودار ہوا۔ غیروں نے اسلام وسنیت پر جو تیر چلائے، ان حضرات نے اسے بھی روکا اور نہایت ہی سنجیدہ انداز میں انھیں اس طرح دندان شکن جواب دیا، کہ ان کا سارا جوشِ تعصب سرد پڑ گیا اور غیض وغضب کا آتش فشاں پھٹنے سے رہ گیا۔ ان کے ان علمی خدمات اور فکری کارناموں کو یاد رکھنا چاہیے۔ مگر یہ بھی خیال رہے، کہ ان کارناموں میں جن کی تابانیاں پائی جاتی ہیں، ان کا تذکرہ نہ کرنا، اور انھیں نظر انداز کردینا، نہ صرف انصاف ودیانت کے خلاف ہے، بلکہ یہ حرکتیں شرافت کش اور انسانیت سوز بھی ہیں۔ دور حاضر میں میں کچھ اسی قسم کے جذبے ابھر رہے ہیں اور نظریئے جنم لے رہے ہیں، جو افراد ذی شعور ان منفی اور غیر صالح نظریوں کو اپنے دامن تقدس سے ہوا دے رہے ہیں۔ انھیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور سائنٹفک انداز سے اس پر غور کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو، کہ ان کے احمقانہ رویوں سے پانی سر سے اونچا ہو جائے اور جذبۂ انحراف کا زہر ہلاہل ملت کو ضعف واضمحلال سے دوچار کر دے اور سوچنے کی بات یہ بھی ہے، کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے شاگردوں نے جب انھیں فراموش نہیں کیا، تو پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے، کہ ان تلامذہ کا سہارا لے کر ہم انھیں نظر انداز کردیں اور ان کے خلاف موقف اختیار کریں۔ یہ کوئی انصاف نہیں۔ جہاں تک فروعی مسائل میں اختلاف کی بات ہے، تو یہ ضرورت وافادیت اور دلائل کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے لئے صحیح اور مناسب تناظر ہونا چاہیے۔ سستی شہرت، یا جلب منفعت کے سبب ایسا کرنا، نہ کل مناسب تھا، نہ آج ہے اور نہ ہی آئندہ کل ہوگا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے جس قدر بھی شاگرد تھے، انھوں نے امام احمد رضا کے مشن، اور ان کے مقاصد حسنہ کی ترویج واشاعت کو ترجیح دی، بلکہ جی توڑ کوشش کر کے اسے فروغ دیا اور کمال عروج تک پہنچایا۔ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کو ہی لے لیجئے، انھوں نے کیا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے سب کچھ کر کے دکھایا، جو ان کے بس میں تھا۔ انھیں کی نکہتیں تھیں، جسے انھوں نے دور دور تک پہنچا دیا۔ کبھی تحریر سے، کبھی تقریر سے، کبھی مناظرہ سے اور کبھی درس و تدریس سے، نظریوں کی صورت میں بھی اور تخلیقی عمل میں بھی۔ اس سلسلے میں انھوں نے ہر طرف رُخ کیا۔ جہاں ان کی ضرورت محسوس کی گئی، آپ بصد شوق گئے اور نہایت ہی خوش اسلوبی سے اپنے کاموں کو انجام دیا۔ اس معاملہ میں کبھی بھی کوئی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی۔ کیا یہ کوئی ادنیٰ کمال ہے، نہیں، بلکہ ایسی انمول خوبی ہے، اس پر جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے۔ آپ کی انھیں خوبیوں کو دیکھ کر امام اہل سنت نے فرمایا تھا، **ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں۔**

امام احمد رضا کا یہ جملہ بڑا ہی انمول اور نادر، نایاب جملہ ہے بہت سے استادوں نے اپنے شاگردوں کے لئے تاثراتی کلمات لکھا اور بہت لکھا، مگر امام احمد رضا جو کلمہ اور جملہ وعبارت اپنی نوک قلم سے تحریر فرما گئے، اس میں بہت زیادہ گہرائی بھی ہے اور بے پناہ وسعتیں بھی۔ ان کا یہی ایک جملہ حضرت ملک العلماء کی پوری شخصیت کو پیش کر دیتا ہے اور ان کی ذات میں پوشیدہ تمام تر تابانیوں کو خورشید فلک کی مانند نمایاں کر دیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں اس جملہ کے تعلق سے کچھ اہم باتیں پیش کر دی جائیں، تاکہ فہم وادراک اور فکر وشعور والے ان کی شخصیت کے تعارف ومطالعہ میں کچھ آسانیاں محسوس کر سکیں۔

ایک ظفر الدین! کدھر کدھر جائیں

پس منظر:

یہ تو ایک توصیفی جملہ ہے، مگر اس کا اسلوب استفہامی ہے، جو باب تحیر کو کھولتا ہے۔ یہ جملہ کب اور کس موقعہ پر کہا گیا اور اس موقعہ کی نزاکت کیا تھی۔ ان تمام پہلوؤں کی وضاحت سے ایک پس منظر تیار ہوتا ہے، اس کی مکمل توضیح کے لئے درج ذیل عبارت کا مطالعہ کریں......

> سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے، کہ جن کے پاس مال ہے، انھیں دین کا کم خیال ہے اور جنھیں دین سے غرض ہے افلاس کا مرض ہے، ورنہ کلکتہ میں حمایت دین کے لئے دو ہزار روپئے ماہوار بھی کوئی چیز تھے۔ اِدھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت میں نے سنا کہ سولہ ہزار روپئے سالانہ جائداد اُس کے لئے وقف ہے، اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے۔ مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہو جائے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ! افسوس کہ اِدھر نہ مدرس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔
>
> (حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۲۷۰)

اوپر جو عبارت لکھی گئی، اعلیٰ حضرت کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہے، جسے امام اہل سنت نے حضرت ملک العلماء کے نام ۲۶ ر ماہ مبارک ۱۹۳۴ء جمعہ کے دن تحریر فرمایا تھا۔ اس کے مطالعہ کرنے سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں......

(۱) سنیوں کی عام حالت کی توضیح

(۲) ارباب دولت میں دینی جذبے کا فقدان

(۳) دینی جذبہ سے سرشار افراد میں افلاس کا ہونا

(۴) شمس الہدیٰ کے اوقاف کا تحفظ

(۵) سرزمین کلکتہ میں شدید ضرورت کا پایا جانا

(٦) دیوبندیوں کی ریشہ دوانیوں پر نظر رکھنا

یہ وہ اسباب وعوامل تھے، جن پر توجہ دینا بہت ضروری تھا۔ انھیں ضرورتوں کا احساس حضرت ملک العلماء کو تھا، جنھیں پورا کرنے کے لئے انھوں نے ہر طرف تگ ودو شروع کی۔ آپ کی اسی جدوجہد، سعی مسلسل اور ولولہ وامنگ، جوش وخروش کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ارشاد فرمایا: ''**ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں**''؟ ایسا نہیں، کہ اس وقت علماء نہ تھے۔ تھے اور ضرور تھے، مگر مذکورہ ضرورتوں پر جو کھرا اترا، انھیں کو مولانا ظفر الدین اور ملک العلماء کہا جاتا ہے۔ اس تناظر میں حضرت ملک العلماء کی شخصیت کی جو ہمہ جہتی، رنگا رنگی اور جاذبیت نکھر کر سامنے آتی ہے، اس پر دل وجاں نثار کرنے کو جی چاہتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے، کہ اب ایسے عالم، فاضل، واعظ ومدرس کہاں؟ یہ سب کرشمہ تھا، امام احمد رضا کے انداز تربیت کا، کہ انھوں نے ملک العلماء کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اگر یہ کہا جائے، تو کوئی غیر مناسب بات نہ ہوگی، کہ انھوں نے ملک العلماء کو اوج ثریا کی بلندی اور سمندر کی گہرائی عطا کی اور اپنے مخصوص رنگ میں اس طرح رنگ دیا، کہ عمر کے کسی بھی حصہ میں ان کے سر کی مستی نہ گئی اور ان کے بادۂ عرفاں کا خمار نہ اترا۔

حق وفاداری:

شاگرد کوئی بھی ہو، اپنے استاد ومربی کی علمی صلاحیتوں اور مذہبی ذوق وشوق کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ شاگرد جہاں بھی رہتا ہے، اپنے استاد کے مشن کو پورا کرتا ہے اور اس کے فروغ وارتقا میں پوری تندہی سے کوشش کرتا ہے۔ یہ اخلاقی جمالیات بھی ان کے حصہ میں آئی تھیں اور اس سلسلہ میں ملک العلماء سے کوئی بھی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی۔ کلکتہ میں رہے، جب بھی ان کے مشن کو انجام دیا۔ شمس الہدیٰ پٹنہ میں بعہدہ صدر مدرس رہے، تو امام اہل سنت کے نظریوں کی اشاعت کی اور ان کی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور اہل زمانہ کو بتا دیا، کہ اعلیٰ حضرت جیسی علمی صلاحیت نہ ماضی میں تھی، نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔ کیونکہ ان کی صلاحیت کوئی عام صلاحیت نہ تھی، بلکہ ایسی صلاحیت تھی، جہاں سے حیرت وکشمکش اور استعجاب کی تازہ ہوائیں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اسی باب تحیر سے متعلق درج ذیل تحریروں کا مطالعہ کیجئے، صداقت خود آپ کے روبرو آجائے گی......

> مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں شاہ صاحب نامی ایک شخص آیا، جسے علم تکسیر میں اچھی خاصی شدبد تھی، مگر وہ اس شدبد پر کافی نازاں تھا، اتراتا بھی تھا اور تصور کرتا تھا، کہ مجھ جیسا اس فن میں کوئی کامل نہیں ہے۔ اپنے ان خیالات کا اظہار وہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے ایک مدرس مولوی مقبول احمد خاں دربھنگوی سے کیا کرتے تھے۔ انھیں ان کا اترانا زیادہ پسند نہ آیا، مولوی مقبول احمد خاں صاحب نے فرمایا: میرے مدرسہ میں بھی ایک مدرس ہیں، جو اس علم کو جانتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان کی ملاقات حضرت ملک العلماء سے کرائی گئی۔ دونوں کے مابین جو گفتگو ہوئی ملاحظہ فرمائیں:
>
> ''چنانچہ ایک دن مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب کو لئے ہوئے میرے پاس تشریف لائے

اور ان کا تعارف کراتے ہوئے بہت سی خوبیاں بیان کرتے ہوئے خاص انداز سے فرمایا، سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے، کہ آپ فن تکسیر جانتے ہیں، میں سمجھ گیا، میں نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا، کہ آپ وہ فن جانتے ہیں، جس کے جاننے والے روئے زمین سے معدوم ومفقود نہیں، تو قلیل الوجود ضرور ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا، کہ مجھے معلوم ہوا ہے، کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم ہے۔ میں نے کہا یہ مخلصوں کا حسن ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی۔ ہاں اس فن سے یک گونہ دلچسپی ضرور ہے۔ اس کے بعد میں نے اُن شاہ صاحب سے پوچھا کہ جناب مربع کتنے طریقہ سے بھرتے ہیں۔ بہت فخریہ فرمایا، سولہ طریقہ سے۔ میں نے کہا، بس! اُس پر فرمایا اور آپ؟ میں نے کہا گیارہ سو باون طریقہ سے۔ بولے سچ! میں نے کہا جھوٹ کہنا ہوتا، تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا۔ گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی۔ کہا، میرے سامنے بھر سکتے ہیں، میں نے کہا ضرور، بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔ آج ۴ بجے میرے ساتھ دریاپور تشریف لے چلیں۔ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی میں دعوت دیتا ہوں، وہیں ناشتہ چائے چلے، وہ کتاب میں حاضر کردوں گا، ایک ہی نقش ہے، جو اتنے طریقوں سے بھرا ہوا ہے، جس میں کوئی ایک دوسرے سے ملتا ہوا نہیں۔ پوچھا کن سے سیکھا؟ میں نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا نام لیا۔ حضرت کے معتقد تھے نام سن کر ان کو یقین ہو گیا، مگر پوچھا اور اعلیٰ حضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں؟ میں نے کہا تیئس سو طریقے سے۔ کہا آپ نے اور کیوں نہیں سیکھا، میں نے کہا، وہ علم کے دریا نہیں سمندر ہیں۔ جس فن کا ذکر آیا ایسی گفتگو فرماتے، کہ معلوم ہوتا، کہ عمر بھر اسی علم کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے۔ اُن کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کرسکتا ہوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۶۲، ۱۶۳)

مذکور بالا اقتباس کو پڑھیے اور خوب غور سے پڑھیے۔ اس میں جو مضمرات ہیں، ان کے تناظر میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت اور حضرت ملک العلماء کی شخصیتوں اور ان کی علمی، فنی، صلاحیتوں کا اندازہ لگایئے، ایسی گہرائی جوان دونوں کی شخصیتوں میں پائی جاتی ہے، کہیں نظر نہیں آتی اور نہ ہی سننے کو ملتی ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں، اس دور میں کوئی بھی کسی نقش کو ۱۶ طریقوں سے نہیں بھرتا اور جو مذکور بالا تمام طریقوں سے بھرلے دور حاضر میں وہ فن تکسیر کا امام تصور کیا جائے گا۔ ۱۱۵۲ / یا ۲۳۰۰ طریقوں سے بھرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ خصوصیت تو صرف ملک العلماء کی تھی یا پھر امام اہل سنت کی۔ علم وفن کا ایسا سمندر اب دیکھنے کو کہاں ملتا؟ چراغ لے کر بھی ڈھونڈیے، اس کے باوجود نہیں مل سکتا۔ ملک العلماء نے اس فن کے تعلق سے جہاں اپنی مہارت، درک تام کا اظہار کیا، وہیں امام اہل سنت کی تبحر علمی اور فنی برتریت کا ان لفظوں سے اظہار فرمایا......

''وہ علم کے دریا ہی نہیں سمندر ہیں۔ جس فن کا ذکر آیا،

ایسی گفتگو فرماتے، کہ معلوم ہو، تاعمر بھر اسی علم کو سیکھا اور اس کی کتب بینی فرمائی ہے" اور جب ملک العلما کی شخصیت اور کمالِ فن کے اظہار کی بات آئی، تو عجز وانکساری اور تواضع کو بروئے کار لاتے ہوئے فرمایا...... مخلصوں کا حسن ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی۔ اس پورے اقتباس میں حق وفاداری نبھایا گیا اور استاذ کے تئیں جذبہ عزت و وقار کا اظہار کیا گیا۔ گلوں کا حسن و بانکپن اور مشک کی خوشبو چھپتی نہیں، جس قدر چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے اسی قدر نمایاں ہوتی ہے اور ارباب بصیرت کو اپنی طرف مرکوز کرلیتی ہے۔ حضرت ملک العلماء کی شخصیت بھی کچھ اسی انداز کی تھی وہ اگر چہ بہار کی سرزمیں پر رہے اور علمی خدمات بھی وہیں انجام دیتے، اس کے باوجود ان کی خوبیاں، کمالات اور جمالیاتی صلاحیتیں سرحدوں کی پابندیوں سے آزاد ہو کر گلشن نو بہار میں اپنا جلوۂ حسن دکھا رہی ہیں اور نظام گلشن میں کسی نئے انقلاب کا پیغام دے رہی ہیں۔ دور حاضر کے مفکروں، دانشوروں کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ وہ آئیں اور اپنے قلم و قرطاس کی جولانیاں دکھائیں۔ اہل سنت و جماعت کے لئے انھوں نے جو خدمتیں انجام دی ہیں، انھیں نذر نسیاں کردینا حقیقت کی جلوہ سامانیوں سے نظریں چرانا ہے۔

استاذ کو بھی پیار آھی گیا:

حضرت ملک العلماء کے مطالع شخصیت و سیرت کے دوران بہت سی ایسی خوبیوں اور زہرہ جمال خصوصیتوں کا انکشاف ہوا، جنھیں دیکھتے ہی استاذ و مربی امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو بھی ملک العلماء پر پیار آ ہی گیا ہوگا اور انھوں نے بڑے ہی فخر و ناز سے زندگی کی کسی نہ کسی ساعت میں اس کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا۔ جب ہم اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر ملک العلماء کی عالمانہ شخصیت کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں، تو اس طرح کے چند زاویے اپنی تبسم ریزی سے پوری فضا کو خوش گوار بناتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس خوبصورت زاویہ کا مطالعہ فرمائیں......

> مکرمی، مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے جان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں، میں یہ نہیں کہتا، کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔
>
> آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کرکے انھیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔ (تقدیمات فتاویٰ ملک العلماء، ص:۱۳)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ملک العلماء کے جن اوصاف کا ذکر فرمایا وہ کسی طرح بھی، گلہائے رنگارنگ سے کم نہیں بلکہ ان کی موجودگی سے کسی بھی شخصیت میں تہہ در تہہ جمالیات کا احساس بیدار ہوتا ہے اور یہ جمالیات اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں، کہ ملک العلماء کی تابندگی منظر اسلام کے آئینہ خانہ پر رہے، تو بہتر و مناسب ہے۔ مگر منظر اسلام کے بجائے کسی اور مدرسہ کے لئے ملک العلماء کو پیش کرنا، یقیناً سیدی اعلیٰ حضرت کا جذبۂ ایثار تھا اور اس

جذبہ ایثار کی اصل وجہ ملک العلماء کی ذات گرامی تھی۔

حضرت ملک العلماء کے تعلق سے اب تک جو باتیں پیش کی گئیں، آغاز تعلیم و تربیت سے سال فراغ تک اور اس مدت میں ان کی جو علمی، دینی مصروفیات رہیں، ٹھیک اسی طرح عمر کے اواخر تک انھوں نے تدریس و تالیف اور بحث و مناظرے جو کئے سب کے سب ان کے علمی تبحر پر شاہد عدل ہیں۔ ان خدمات میں بہت سے ایسے علمی کارنامے اور فکری خدمات نظر آتی ہیں، جن سے علمی تبحر اور فکری تفوق کا شگفتہ نظام تبسم ریز ہوتا ہے اور پھر اس سے پوری زندگی نکہتوں میں بس جاتی ہے۔ ایسی باکمال، پروقار شخصیت کا وجود مسعود ہم اہل سنت کے لئے زبردست نعمت تھی، اس سے استفادہ اور اس کی صیانت و حفاظت ہمارا ملی فریضہ تھا۔ مگر ہمیں افسوس ہے، کہ ہم ان کے کارناموں کی کماحقہ حفاظت و صیانت نہ کر سکے اور نہ ہی ان کے علمی خزانوں اور فکری جواہر پاروں سے نقاب کشائی۔ یہ ایسی جماعتی سرد مہری ہے، جو کرب و اضطراب بن کر ہمارے دلوں میں تکدر پیدا کر رہی ہے اور اشک شوئی پر مجبور بھی کر رہی ہے۔ لیکن اب یہ آنسو بہانے کا وقت نہیں۔ وہ زمانے گئے، جب ہم ویرانوں، کھنڈرات پر آٹھ آٹھ آنسو بہایا کرتے تھے اور ماضی کے خوشگوار لمحوں کو یاد کیا کرتے تھے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے، کہ ہم اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں۔ نیا جوش اور نئی امنگ بیدار کریں اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرائیں اور غبار آلود خدمات کی جلوہ نمائی کریں۔ ہماری جماعت میں اب کسی چیز کی کمی نہیں۔ خدا کا فضل ہے سب کچھ ہے، افراد و رجال بھی ہیں اور اعوان و انصار بھی، ارباب فکر بھی ہیں اور جلوۂ تحقیق بکھیرنے والے اصحاب بھی۔ ہاں کمی ہے تو صرف توجہ کی، التفات و عنایت کی اور مستقل مزاجی کی۔

اس تناظر میں حضرت ملک العلماء کی کچھ ایسی بھی خدمات ہیں جن پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے ان کی قوس قزح اور دلکش رنگا رنگی، کچھ خاص التفات و توجہ کا مطالبہ کرتی ہے اور وہ ہے علم حدیث میں ان کی روشن و تابناک خدمتیں۔

علم حدیث اور ملک العلماء:

حضرت ملک العلماء نے جہاں دیگر علوم و فنون کے تعلق سے عظیم خدمتیں انجام دی ہیں، وہیں علم حدیث میں ان کی خدمت اس قدر عظیم، روشن و تابناک ہے، کہ رہتی دنیا تک یہ خدمت ہماری جماعت اور ملت حنفیہ کے لئے باعث سعادت دارین اور اخروی فلاح و بہبودی کی ضامن رہے گی اور اس کی وجہ سے حضرت ملک العلماء کی یادیں ہمیشہ تازہ رہیں گی اور ہم ان یادوں کی نکہتوں، لطافتوں اور نزہتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ علم حدیث میں ان کی مشہور و معروف کتاب "الجامع الرضوی المعروف به صحیح البهاری" ہے۔ یہ معرکۃ الآرا کتاب ۶ ر جلدوں پر مشتمل ہے۔

جلد اول۔۔۔۔۔۔باب عقائد اہل سنت

جلد دوم۔۔۔۔۔۔کتاب الطہارت و کتاب الصلوٰۃ

جلد سوم۔۔۔۔۔۔کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الحج

جلد چہارم۔۔۔۔۔۔نکاح، رضاعت، طلاق، عتق، ایمان، حدود، سیر لقیط، لقطہ، اباق، مفقود، شرکت وقف وغیرہ

جلد پنجم۔۔۔۔۔۔بیع و صرف، کفالت، حوالہ، قضا، شہادت، رجوع عن الشہادۃ، وکالت، دعویٰ، اقرار، صلح، مضاربت ودیعت، عاریت، ہبہ، اجارہ، اکراہ، حجر، ماذون اور غصب کے مسائل۔

جلد ششم۔۔۔۔۔۔شفعہ، قسمت، مزارعت، ساقات، ذبائح، اضحیہ، حظر و اباحت، احیاء اموات، اشربہ، صید، رہن، جنایات دیت، معاقل، وصایا، خنثیٰ، علم فرائض وغیرہ۔

ان مذکورہ مجلدات میں ابواب کی ترتیب خالص فقہی ترتیب ہے، جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کا نام سنن الرضوی ہونا چاہیے۔ خود حضرت ملک العلماء کی ابتدائی تحریر سے بھی اس کتاب مستطاب کا سنن ہونا ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت کے صاحبزادہ ذی وقار پروفیسر مختار الدین صاحب آرزو تحریر کرتے ہیں......

> جلد اول کتاب العقائد کے اس نسخہ پر جو بخط مصنف ہے، جلی قلم سے نام سنن الرضوی لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے، پہلے یہی نام رکھا ہو۔ لیکن جب کام زیادہ پھیلا، تو سنن پر جامع کو ترجیح دے کر مؤلف نے الجامع الرضوی رکھ دیا۔ جلد اول کا مسودہ بخط مؤلف رحمۃ اللہ علیہ راقم کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ صفحات ۶۶۱، سطور ۲۱ فی صفحہ اس میں ۶۰۰ ابواب ہیں اور احادیث کی تعداد کا تخمینہ تین ہزار کے قریب ہے۔ اس جلد کی ترتیب کی ابتدا ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ کو ہوئی۔ (حاشیہ مضمون اردو، صحیح البہاری)

پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر میں سنن پر جامع کی جو وجہ ترجیح بیان فرمائی کچھ زیادہ سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ باعتبار مضامین و ابواب، سنن میں زیادہ وسعت پائی جاتی ہے اور جامع میں یہ وسعت نہیں ہے، کہ جامع صرف ۸ مضامین پر مشتمل ہوا کرتا ہے اور وہ آٹھ مضامین یہ ہیں...... سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب وغیرہ اور سنن میں یہ ابواب فقہی ترتیب سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب کا نام الجامع الرضوی رکھنے کی وجہ وہ نہیں، جو پروفیسر صاحب نے بیان فرمائی۔ اس کی وجہ ترجیح کو سمجھنے کے لیے چند مقدمات بطور تمہید بیان کئے جا رہے ہیں......

اولاً – اس بات کا جاننا ضروری ہے، کہ صحیح البہاری کی جمع و تالیف کا مقصد کیا تھا؟ کیا مؤلف علیہ الرحمہ خود کو اس تالیف کے ذریعہ محدثین کے زمرہ میں شامل کرنا چاہتے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ حاشا کلا آپ کا قطعی یہ مقصد نہ تھا، کہ یہ سراسر عجب اور شخصیت نمائی ہوتی۔ آپ تو نہایت ہی منکسر المزاج اور بقول امام احمد رضا، خالص و مخلص تھے۔ اس لیے آپ نے اپنی تالیف کو محدثین کی کتابوں کی مانند نہ سنن کہا اور نہ ہی جامع۔

ثانیاً – اس مذکور بالا تالیف کا مقصد صرف یہ تھا، کہ فقہ حنفی میں وارد تمام مسائل و جزئیات کے مصادر احادیث ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں اور وہ آپ نے کر دکھایا۔ اس اعتبار سے آپ کی یہ تالیف تخریج احادیث کے زمرہ میں آتی ہے۔ اس مقصد کے تحت جو تالیف معرض وجود میں آتی ہے، اسے نہ سنن کہا جائے اور نہ ہی جامع، کیونکہ سنن یا جامع علم حدیث کی مصطلحات میں سے ہیں۔ علم تخریج کی مصطلحات میں سے نہیں۔

ثالثاً – اگرچہ صحیح البہاری کی واقعی ترتیب اس کے سنن ہونے کو متقاضی ہے، مگر یہ نام صرف معنی اصطلاحی پر دلالت کرتا ہے اور مؤلف اس نام کے ذریعہ خود کو زمرۂ محدثین میں شامل نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے آپ نے اپنی تالیف کو سنن سے تعبیر نہیں کیا۔ جامع اگرچہ یہ بھی ایک اصطلاح ہے، لیکن اس کا اصطلاحی معنی اس تالیف پر صادق نہیں آتا، جو اس بات پر قرینہ ہے،، کہ الجامع الرضوی میں الجامع سے معنی اصطلاحی مراد نہ لیا جائے، بلکہ معنی لغوی مراد لیا جائے اور اس لغوی معنی کے اعتبار سے مؤلف نے سنن پر جامع کو ترجیح دی۔ اسے صحیح البہاری اس لئے کہا گیا، کہ اس میں زیادہ تر صحیح حدیثیں ہیں۔ لہٰذا یہ نام تغلیباً دیا گیا اور یہ نام دینا ایک مجبوری تھی، تاکہ فقہ حنفی پر اعتراض کرنے والوں کو بتا دیا جائے، کہ امام اعظم نے جن احادیث سے مسائل کا استخراج فرمایا۔ ان میں زیادہ تر احادیث صحیحہ ہیں۔ اسی

واقعی حیثیت کو اجاگر کرنے کے مقصد سے صحیح البہاری نام رکھا گیا۔

صحیح البهاری کی اهمیت و افادیت :

میں واضح کر چکا ہوں، کہ صحیح البہاری کا تعلق علم تخریج احادیث سے ہے اور علم حدیث سے بھی، اسی لیے میں نے اس کتاب مستطاب کا بیان عنوان علم حدیث کے تحت کیا ہے، کیونکہ علم تخریج، علم حدیث کی ذیلی قسم ہے۔ لغت میں تخریج کا معنی ظہور اور وضوح بتایا گیا ہے اور یہ دونوں معانی بیان و عبارت کے متقاضی ہیں، کہ کسی بھی معنی و مفہوم یا مافی الضمیر کا اظہار بیان و عبارت کے بغیر ممکن نہیں۔ مگر علمائے حدیث اس لفظ کا استعمال چند معانی میں کرتے ہیں......

(الف)- احادیث کا اس کے مخارج کے ساتھ ذکر کرنا، جیسے یہ کہا جائے یہ حدیث بخاری یا مسلم میں ہے وغیرہ۔ اس معنی میں علمائے احادیث کی جو کتابیں ہیں انھیں دو گروپوں میں بانٹا جا سکتا ہے......

(۱) وہ کتابیں، جن میں احادیث کی تخریج احکام فقیہ پر کی گئی ہے۔

(۲) وہ کتابیں، جن میں احادیث کی تخریج سند و روایت پر کی گئی ہے۔

(ب) تخریج کا ایک معنی یہ بھی ہے، کہ مصنف کی مرویات احادیث کا اپنی سندوں کے ساتھ اس طرح ذکر کرنا، کہ سند میں مصنف کے شیوخ کا ان کے شیوخ کے ساتھ اتصال ہو جائے۔

(ج) کسی بھی مصنف کی مرویات کے مصادر، اسانید اور شیوخ کے ذکر کو بھی تخریج کہا جاتا ہے۔

(د) کسی بھی مروی حدیث کے مصادر اصلیہ اور رجال روایت کی تحقیق و تفتیش کو بھی تخریج کا نام دیا گیا ہے۔ دور حاضر میں لفظ تخریج سے یہی آخری معنی مراد لیا جاتا ہے، جو اس فن میں تھوڑی سی بھی شد بد رکھتا ہے۔ وہ تخریج کے اس معنی سے واقف ہے، دوسرے علوم و فنون کی طرح، تخریج بھی ایک فن ہے اور دور حاضر میں اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ گذشتہ ادوار میں ہندوستانی علماء اگر چہ اس طرف زیادہ راغب نہ تھے۔ لیکن اب رفتہ رفتہ اس طرف دلچسپی لے رہے ہیں اور تخریج کی اہمیت و افادیت کو سمجھ رہے ہیں۔

علم تخریج بحیثیت فن اس میں احادیث کا ماخذ یا اس کے مصادر اصلیہ اور اصول حدیث کے اعتبار سے اس کے مراتب کا ذکر کیا جاتا ہے، کہ حدیث صحیح ہے یا حسن، مرسل ہے یا ضعیف وغیرہ۔ حضرت ملک العلماء کی کتاب صحیح البہاری بھی فن تخریج پر کھری اترتی ہے اور اس فن میں اس کی جو اہمیت ہے، اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت ملک العلماء نے کہیں عزو اجمالی سے کام لیا اور کہیں عزو تفصیلی سے اور کہیں ضرورت محسوس ہوئی، تو درایت احادیث پر تفصیل سے گفتگو فرمائی، لیکن اس قسم کی بحث بہت کم نظر آتی ہے۔

فنی تجزیہ : جب ہم فن تخریج اور اس کے پسندیدہ طریقوں کو پیش نظر رکھ کر صحیح البہاری کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو اس میں بنیادی طور پر چند خصوصیات نظر آتی ہیں......

(۱) **خصوصیت اولیٰ :** حضرت ملک العلماء نے اپنی کتاب میں ہر حدیث کے راوی اعلیٰ کا ذکر فرمایا ہے، کہیں یہ راوی اعلیٰ صحابیٔ رسول ہیں اور کہیں تابعی ہیں۔

(۲) **خصوصیت ثانیه :** اس تالیف میں یہ خوبی بھی نظر آتی ہے، کہ حضرت والا نے جو احادیث بیان فرمائیں، ان میں متن حدیث کے الفاظ و عبارات کا زبردست التزام پایا جاتا ہے۔

یہ دو خوبیاں ایسی ہیں، جن سے احادیث کی صحت اور تیقن کو فائدہ پہنچتا ہے۔ روایت و درایت پر دل مطمئن ہوتا ہے۔

(۳) **خصوصیت ثالثه :** حضرت ملک العلماء نے ہر حدیث کے آخر میں اس کے مصادر کا بھی ذکر کر دیا ہے، کہ یہ حدیث بخاری شریف کی ہے یا مسلم شریف کی، مصنف عبد الرزاق میں ہے یا جامع صغیر و کبیر میں وغیرہ وغیرہ۔

(۴) خصوصیت رابعہ : اصول حدیث کے اعتبار سے جو حدیث جس مرتبہ میں پائی جاتی ہے، حضرت نے اسے بھی بیان فرمادیا ہے، کہ صحیح ہے یا حسن مقطوع ہے یا موقوف، ضعیف ہے یا مرسل۔ یہ تمام خوبیاں جو اوپر ذکر کی گئیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں، کہ صحیح البہاری فن تخریج پر بالکل کھری اترتی ہے اور اہل علم کو بھی اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوگیا ہے۔ ایسے بے نظیر اور نادر و نایاب فوائد و نکات پر مشتمل کتاب کو نظر انداز کر دیا جائے۔ انصاف و دیانت اور علم وفن سے دلچسپی اس کی قطعی اجازت نہیں دیتی۔ علم دوستی کا جذبہ جس دل میں ہے یقینی طور وہ صحیح البہاری پر اپنی توجہ مبذول کرے گا اور اسے پسندیدہ نظروں سے ضرور دیکھے گا۔

ہمارے چاروں اماموں نے فقہ کی تدوین فرمائی، احکام و مسائل کا استخراج فرمایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں، کہ ان اماموں نے نصوص قطعیہ اور احادیث سے مسائل و جزئیات استنباط کیا۔ مگر انھیں اتنی فرصت کہاں تھی؟ کہ وہ احادیث پر اصول حدیث کے تناظر میں بحث کرتے؟ اور مسائل کے مصادر احادیث کے درجات کا تعین فرماتے، ان کے بعد ان کے شاگردوں نے بھی انھیں کے مسالک کو اختیار کیا۔ فقہ کی کتابوں کی تدوین تو کی، مگر احادیث کے درجات کے تعین میں اپنی قوت اجتہاد کو صرف نہیں کیا، بہت بعد میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی اور علمائے کرام نے کتب فقہیہ میں مروی احادیث کی تخریج فرمائی اور ان کے علوئے مرتبت کو بھی نمایاں کیا، درجات بھی متعین کئے۔ اس سلسلہ میں چند کتابوں کا ذکر کیا جارہا ہے:

(۱) کتاب معرفة السنن والآثار - علامہ بیہقی
(۲) التحقیق فی احادیث الخلاف - علامہ ابن جوزی
(۳) مسند الشهاب - علامہ قضاعی شافعی
(۴) عمدة الاحکام عن سید الانام - علامہ مقدسی
(۵) الاحکام الشریعة الکبریٰ - علامہ عبدالحق اشبیلی
(۶) الاحکام الشریعة الوسطیٰ - علامہ عبدالحق اشبیلی
(۷) الاحکام الشریعة الصغریٰ - علامہ عبدالحق اشبیلی

ان کتابوں میں زیادہ تر کا تعلق فقہ شافعی سے ہے اور کچھ کا فقہ مالکی سے فقہ حنفی سے متعلق کسی تخریجی کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ پوری تاریخ اس بارے میں سونی نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے، کہ غیروں نے فقہ حنفی پر ایرادات کئے، جرح وتعدیل سے کام لیا اور یہ الزام بھی عائد کیا، کہ امام اعظم قیاس کو احادیث پر مقدم رکھتے تھے۔ حالانکہ یہ الزام کسی بھی نوعیت سے درست نہیں۔ کیونکہ علمائے احناف، ضعاف و مراسیل احادیث کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے ہیں، تو پھر یہ الزام کیوں؟ اسے غلط فہمی قرار دی جائے، یا پھر جوشِ تعصب میں حواس پختگی، مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ ایسا الزام کیوں عائد ہوا؟ عائد کرنے والوں سے ہمیں کوئی غرض نہیں، مگر عائد ہوا کیوں؟ کاش فقہ حنفی کے مسائل وفروعیات کے مصادر اصلیہ کی تخریج کردی جاتی، تو یہ صورت حال پیدا نہ ہوتی۔ علم وشعور، فکر وفن کے میدان میں ہمارا ہندوستان بھی کسی ملک سے کم نہیں۔ یہاں کی فضاؤں میں ایسی خنکی اور نمو پذیری پائی جاتی ہے، کہ علم وفکر کی کھیتیاں ازخود سبز وشاداب اور شعور ودانش کی برہم زلفیں سنور جاتی ہیں۔ اسی علمی فضا کے خوش گوار اثرات تھے، کہ ہندوستان میں گیارھویں صدی کے آس پاس فقہ حنفی کی موید احادیث جمع کرنے کی کوشش کی گئی۔ پروفیسر مختار الدین صاحب آرزو سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ رقم طراز ہیں......

> گیارھویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ/ ۱۰۵۲ھ شاید پہلے حنفی عالم ہیں جنھوں نے مسلک حنفی کی تائید میں ایک مجموعۂ احادیث فتح المنان فی تائید مذهب

النعمان کے نام سے مرتب کیا۔اس کے بعد سید علامہ مرتضیٰ زبیدی نے ۱۱۴۵ھ/۱۲۰۵ھ میں **عقود الجواھر المنیفه فی ادلة امام ابی حنیفه** تصنیف کی۔یہ دونوں رسالے مسلک حنفی کی تائید میں لکھے گئے، خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں جو پہلا مجموعہ احادیث مرتب ہوا، وہ علامہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری ۱۲۷۸ھ/۱۳۲۲ھ کی آثار السنن ہے یہ کتاب ۱۳۰۸ھ میں ۳۱۱ رصفحات پر لکھی گئی جو قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔افسوس! کہ یہ مکمل نہ ہوسکی، کتاب کا خاتمہ باب زیارۃ قبر النبی ﷺ پر اچانک ختم ہوگیا۔اس کے لئے مزید ابواب لکھنا چاہتے تھے، بہ وجوہ اس میں تاخیر ہوتی گئی، تا آنکہ مؤلف علامہ کی رحلت ہوگئی۔

(مضمون پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب)

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ فقہ حنفی کی موید احادیث کی تخریج کی کوشش ہندوستان میں ضرور کی گئی۔مگر یہ کوشش مکمل طور پر کامیاب نہ ہوسکی، اس کے وجوہات کچھ بھی رہے ہوں، اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔مگر اس بات کا بھی احساس ہوگیا، کہ ایسی کتاب کی نہایت ہی اشد ضرورت تھی، جس میں فقہ حنفی کی موید احادیث ابواب فقیہ پر ترتیب دی گئی ہوں، ہزاروں بلکہ کروڑوں سلام ہو، حضرت ملک العلماء پر، کہ انھوں نے اس ضرورت کا شدید احساس کیا اور شب و روز ایک کرکے صحیح البہاری کی ترتیب و تدوین فرمائی، تاریخی اعتبار سے یہ کتاب یگانہ اور منفرد ہے۔اس کی شان انفرادیت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور اللہ نے چاہا، تو آئندہ کل بھی رہے گی۔افادی نقطۂ نظر سے دیکھئے، تو اس کتاب کو ہمہ گیریت اور بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے۔یہ حیثیت ملکی سرحدوں میں گھر کر نہیں رہ سکتی۔اسے تو آزاد فضا چاہیے میں سمجھتا ہوں۔جہاں جہاں علم وفن کی قدریں ہیں اور باذوق افراد سانسیں لے رہے ہیں، وہاں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی اور ارباب علم وفن اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ لیکن اس بارے میں جماعتی طور پر کچھ ہماری بھی ذمہ داریاں ہیں۔

اقدامات و تجاویز:

اگر فکر وعقل کو بروئے کار لاتے ہوئے غور کریں، تو صحیح البہاری پوری ملت اسلامیہ اور مسلک اعلیٰ حضرت کا عظیم سرمایا نظر آتا ہے۔اس سرمایہ پر جس قدر فخر و ناز کیا جائے کم ہے۔اس کی صیانت و حفاظت ملی فریضہ ہے۔کیا ہم نے اس فریضہ کو ادا کیا اور اس کی ذمہ داری نبھائی۔جماعت کے تمام ذی ہوش افراد کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور اس کا احتساب کرنا چاہیے۔یہ کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ اب تک اس کی تمام جلدیں زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں۔کیا اس طرح اس کی حفاظت ہوسکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔لہٰذا محرک اور حوصلہ مند افراد اور اداروں کے ذمہ دار حضرات سامنے آئیں۔اس کے لئے کچھ خوشگوار اقدامات کریں۔اس سلسلہ میں کچھ مشورے پیش کئے جارہے ہیں......

اول: صحیح البہاری کی تمام جلدیں حاصل کئے جائیں، جن کے پاس ہوں، وہ نہایت ہی فراخدلی سے جذبۂ ایثار کا مظاہرہ کریں، کہ کتابوں کا شائع ہونا ہی اس کے باقی رہنے کی دلیل ہے۔تہہ خانوں میں بند کئے جانے سے کرم خوردہ ہوسکتی ہیں۔اس کے اوراق بوسیدہ ہوکر برباد ہوسکتے ہیں۔

دوم: اسے جدید ترتیب اور نئی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا جائے۔

سوم : حالات حاضرہ کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے، اس میں مندرجہ تمام احادیث کی تخریج کرائی جائے اور اس کے درجات کا تعین بھی کیا جائے۔

چہارم : تخریج آیات واحادیث کے ساتھ اسے کم از کم ۱۵؍جلدوں میں شائع کیا جائے۔

پنجم : صحیح البہاری کی اشاعت کر کے منظم انداز میں اسے غیر ممالک بھی بھیجے جائیں، تاکہ اہل ذوق حضرات اس سے کامل استفادہ اٹھا سکیں۔

ابھی گزشتہ ادوار میں ''مکتبہ ایشین ترکی'' نے ارسال کتب کے سلسلے میں جو اقدامات کئے ہیں۔ اسی طرز وروپہ کو اپناتے ہوئے کوششیں کریں اور جد وجہد جاری رکھیں۔ آج کے دور کا یہی تقاضہ ہے اور ضرورت بھی۔

اب وقت آ گیا ہے، کہ صحیح البہاری کو نصاب تعلیم میں داخل کیا جائے اور طلبہ کو سبقا سبقا پڑھایا جائے، تاکہ طلبہ فقہ حنفی کے مرویات اور موید احادیث سے اپنے کام وذہن کو شاد کام کر سکیں اور لطف اٹھائیں۔

اب تک حضرت ملک العلماء کے تعلق سے جو تفصیلی گفتگو کی گئی، اس سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا، کہ ان کی شخصیت کیا تھی؟ ذہنی صلاحیت اور علمی تبحر کا کیا عالم تھا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جو علمی خدمات انجام دیئے ہیں، ان کی علمی، افادی اور تاریخی حیثیت کیا تھی؟ اس کا بھی یقین ہو گیا ہوگا۔ علمی تبحر کبھی جزوی طور پر پایا جاتا ہے اور کبھی کلی طور پر۔ میں نے تبحر علمی کے جو حالات وکوائف بیان کئے ہیں، وہ سب کلی طور پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت ملک العلماء کی شخصیت میں علمی تبحر کے جو عکوس وظلال نظر آتے ہیں۔ وہ نہایت ہی تاباں ودرخشاں نظر آتے ہیں۔ ان میں دھندلا پن یا کسی بھی گرد و غبار کی پرچھائیاں نہیں پائی جاتی ہیں اور یہی ان کی شخصیت، علمیت و جامعیت کا کمال ہے۔ حضرت ملک العلماء کے علمی تبحر کا ایک اور نمونہ میرے پیش نظر ہے، جسے میں زینت قرطاس کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ اس پیش کش کو آپ تتمہ اور خاتمہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسے بیان نہ کرنا، اس مضمون کے ساتھ سراسر حق تلفی اور ظلم و زیادتی ہوگی۔ مضمون اگر چہ طویل ہو چکا ہے، اس کے باوجود میں اپنی اس تحریر کا مطالعہ کرنے کی درخواست کرنا چاہتا ہوں۔

ملک العلماء اور علم توقیت

توقیت : وہ علم ہے، جس کے ذریعہ اوقات صلوٰۃ وصوم اور غروب وطلوع کی تخریج کی جاتی ہے۔ اس کی تعریف سے ہی واضح ہو رہا ہے کہ اس علم کی بھی اہمیت وافادیت ہے کیونکہ نماز وروزہ جیسے پسندیدہ اعمال وعبادات کا دار ومدار اسی علم پر ہے۔ علامہ ابن حجر نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ میں شمار کیا ہے۔ مگر یہ علم عوام وخواص کے درمیاں سے اٹھ چکا تھا۔ کسی بھی اہل علم کی اس کی طرف دلچسپی نہ تھی۔ لیکن قربان جایئے، اعلیٰ حضرت کی ذات وشخصیت پر، کہ انھوں نے اس علم کا احیاء فرمایا۔ اسے بال وپر عطا کئے، اس کی برہم زلفوں کو سنوارا، پژمردہ چہرہ پر ہنسی لوٹا دی اور بہتر شگفتگی عطا فرما دی، خود امام اہل سنت ارشاد فرماتے ہیں:

''مولانا محمد ظفر الدین قادری علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اسے فرض کفایہ لکھا ہے۔ اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انھوں نے بقدر

کفایت اسے اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۲۴۴)

علم توقیت نہایت ہی مشکل اور دقیق علم ہے۔ اسی لئے اس کی صعوبت سے بعض نے اسے سیکھنا بند کر دیا۔ لیکن حضرت ملک العلماء ڈٹے رہے۔ ہمت و حوصلہ اور پختہ عزم و ارادہ سے اسے حاصل کیا۔ بقدر کفایت اخذ بھی کرلیا۔ اس کا مطلب یہ ہے، کہ اوقات کی تخریج کے لئے جس قدر ضرورت تھی، انھوں نے حاصل کیا اور پھر اپنی خداداد ذہانت و فطانت سے وقتوں کی تخریج فرمانے لگے۔ اس علم کے تعلق سے حضرت ملک العلماء کا یہ تخلیقی عمل تھا جو لطیف و خوشگوار تھا اور جاذب و دلکش بھی، لیکن مولانا کا یہ علم حاصل کرنا، سماجی معاشرتی اور مذہبی تقاضوں کو کس قدر پورا کر رہا ہے۔ کوئی بھی دانشور اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ حضرت ملک العلماء نے اس علم کو صرف علم تک محدود نہ رکھا، بلکہ اسے فن کی حیثیت عطا کی اور دوسرے علوم وفنون کے زمرے میں اسے بھی شامل کر دیا۔ ایسا وہی کر سکتا ہے، جس کو اس فن میں عبور، اور تبحر حاصل ہو، جو اس علم کی وسعت و گہرائی میں اترا ہی نہ ہو۔ وہ اسے فن کا درجہ کیونکر دے سکتا ہے؟ فن کا درجہ دینے کا مطلب یہ ہے، کہ اس کی جامع، مانع تعریف کی جائے، موضوع اور غرض و غایت کا تعین کیا جائے اور اس کے اغراض و مقاصد کی تشریح بھی کی جائے۔ حضرت ملک العلماء نے یہ سب کر کے دکھا دیا اور اہل علم کے ہاتھوں میں ایک زبردست علمی، فکری اور تخلیقی خزانہ دے دیا۔ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔ اس بات کا آپ بخوبی اندازہ لگالیں گے......

(۱) الجواهر و اليواقيت في علم التوقيت

(۲) بدر الاسلام لميقات كل الصلوٰة و الصيام

(۳) توضيح الافلاک (۴) مشرقی اور سمت قبلہ

یہ وہ کتابیں ہیں، رسائل ہیں، جن سے توقیت کی فنی حیثیت اجاگر ہوتی ہے۔ علم رفتہ رفتہ فن کی طرف ارتقاء کرتا ہے اور اس کے علوئے مرتبت کو چھوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ کسی بھی علم کو فنی حیثیت دینے میں اس علم کے ماہرین کا دخل تام ہوا کرتا ہے۔ ان کی کوششوں کے بغیر علم فن کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی لئے میرا ماننا ہے، علم توقیت کو وسعت دینے میں حضرت ملک العلماء کا زبردست ہاتھ رہا ہے۔ ایسا وہی کر سکتا ہے، جن کو اس علم میں تبحر حاصل ہو۔ یہ اس علم تبحر کا معاملہ تھا، جو نادر الوجود تھا اور عوام و خواص جس کو بھلا بیٹھے تھے، تو پھر ان علوم وفنون میں انھیں کس قدر تبحر رہا ہوگا، جو پہلے ہی سے فن کی حیثیت اختیار کر کے فنون مروجہ ہو چکے تھے۔ علم فقہ ہو یا علم تفسیر، علم قرآن ہو یا علم حدیث، منطق ہو یا فلسفہ، اصول حدیث کی بات ہو یا تدوین حدیث کی، اصول فقہ سے واقفیت کا معاملہ ہو یا اصول تفسیر کا، ان تمام علوم میں انھیں تبحر و تفوق، برتری اور کمال حاصل تھا۔ ایسی شخصیتیں بار بار جنم نہیں لیتی ہیں۔ برسوں میں رونق بزم کا ثبات ہوتی ہیں اور پھر اپنی بہار و قار دکھلا کر رخصت ہو جاتی ہیں۔ ایسی شخصیتوں کے مرقد نور پر پھولوں کی بارش ہو، بس میری یہی دلی خواہش ہے۔ ☆☆☆

"افراد و رجال بھی امام احمد رضا کے آستاں پر حاضر ہوئے اور علم و فن کے پر جوش سمندر سے سیراب ہوئے اور ایسا آب شیریں پیا کہ زندگی بھر اس کی سرخوشی نہ گئی اور مستی چھائی رہی، خالی ہاتھ آئے تھے گوہر مراد سے جھولی بھر کر گئے۔"

تصانیف ملک العلماء

خصوصاً صحیح البہاری کی طباعت وقت کی اہم ضرورت

از قلم: وارث ریاضی کاشانہ ادب سکٹا (دیوارج)، بہار

ریاست بہار ہر دور میں علمائے کرام مشائخ عظام کا مرکز رہی ہے۔ انہی علمائے ربانیین میں حضور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کی ذات گرامی بھی تھی۔

حضور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی سلطان فیروز کے عہد میں ہندوستان آئے اور شاہی فوج میں ملازمت اختیار کرلی۔ قلعۂ رہتاس کی جنگ میں شہادت پائی۔ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر آج بھی ان کا مقبرہ مرجع خلائق ہے۔ (حیات ملک العلماء ص ۹)

ملک العلماء کا خاندان راجگیر کے قریب رسول پور، میجرا میں کب آکر آباد ہوا؟ معلوم نہیں۔ بہر حال ملک العلماء رسول پور، میجرا (سابق ضلع پٹنہ اور موجودہ ضلع نالندہ) میں ۱۹/ اکتوبر یا ۲۳/ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ملک العلماء کے پدر بزرگوار ملک عبدالرزاق صوم وصلوٰۃ کے پابند، نہایت صالح انسان تھے اس لیے ملک العلماء کی پرورش و پرداخت خالص مذہبی ماحول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور دیگر اساتذہ سے گھر پر حاصل کی۔ بعدۂ مدرسہ غوثیہ حنفیہ موضع بین میں داخلہ لے کر جلالین شریف اور میر زاہد وغیرہ کا درس لیا۔ پھر ملک العلماء مدرسہ حنفیہ پٹنہ سٹی کی شہرت سن کر پٹنہ آگئے اور یہاں ملک العلماء نے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال کی تعلیم پائی۔

۱۳۲۰ء میں ملک العلماء حصول علم کے لیے کانپور چلے گئے جہاں ایک سال قیام کر کے کانپور کے مدارس میں اکتساب علم کیا۔ ۱۳۲۱ء میں مولانا نے بانس بریلی جاکر مدرسہ مصباح التہذیب میں مولانا غلام یٰسین سے درس لیا۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۱/۱۲)

آخر میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی علمی شہرت سن کران کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ ۱۳۲۲ھ میں محلہ سوداگران بریلی میں جب مدرسہ منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا، تو ملک العلماء نے منظر اسلام میں داخلہ لے کر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے علوم ومعارف سے خوب خوب استفادہ کیا۔ پروفیسر مختار الدین احمد رقم طراز ہیں:

''مولانا ظفر الدین صاحب نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری پڑھی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی۔ بعد کو جب مدرسے میں کچھ جید علماء اور مستند مدرسین کی خدمات حاصل کی گئیں تو انہوں نے مولانا حکیم امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسین رامپوری تلمیذ خاص حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین فاروقی رامپوری (۱۳۴۹-۱۳۱۱ھ) مولانا سید بشیر احمد علیگڑھی تلمیذ رشید استاذ حضرت مولانا لطف اللہ علیگڑھی (۱۲۴۴ھ-۱۳۳۴ھ) سے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دوسری درسیات کی تکمیل کی، فاضل بریلوی سے انہوں نے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی تمام کر کے علم ہیئت، ریاضی، توقیت، جفرو تکسیر وغیرہ فنون حاصل کیے۔ تصوف کی کتابوں میں ان سے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا بھی درس لیا۔'' (حیات ملک العلماء ص ۱۳)

۱۳۲۵ھ میں ملک العلماء نے منظر اسلام سے فراغت حاصل کی، اسی سال ان کی دستار بندی ہوئی۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی نے ان کو درس و تدریس اور افتاء کی اسناد کے ساتھ سند خلافت بھی عنایت کی اور سید محمد مفتی ظفر الدین صاحب کو ملک العلماء فاضل بہار کے خطاب سے سرفراز کیا۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۳)

فراغت کے بعد فاضل بریلوی کی ہدایت پر تقریباً ۴ رسال تک ملک العلماء نے مدرسہ منظر اسلام میں تدریسی خدمات کے ساتھ فتویٰ نویسی کا فریضہ بھی بہ طریق احسن انجام دیا۔ فاضل بریلوی کے مشورے سے منظر اسلام سے سبکدوشی کے بعد مولانا نے مدرسہ حنفیہ آرا (ضلع شاہ آباد بہار) کچھ عرصہ تک تعلیمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں جب حکومت بہار کی تحویل میں آگیا، تو ملک العلماء کا تقرر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں ہوگیا۔ جب وہ پرنسپل کے عہدے پر فائز تھے وہ حسن کارکردگی پر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

(حیات ملک العلماء، ص ۱۴)

مدرسہ شمس الہدیٰ سے سبکدوشی کے بعد وہ تقریباً ۱۰ رسال تک بحر العلوم جامعہ لطیفیہ کٹیہار میں تشنگان علوم کو اپنے فیضان علم سے سیراب کرتے رہے۔ جب جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا تعلیمی معیار اونچا ہوگیا، تو ملک العلماء سید محمد ظفر الدین صاحب، ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ آگئے اور دعوت و ارشاد سے عوام و خواص کو فیضیاب کرنے میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۶)

پروفیسر مختار الدین احمد تحریر فرماتے ہیں:

''حضور ملک العلماء سے مختلف مدارس کے جن طلباء نے علمی فیوض حاصل کیے، ان کی تعداد بتانا آسان نہیں، صرف مدرسہ شمس الہدیٰ کے متخرجین کی تعداد ہزاروں تک پہنچے گی انہوں نے کوئی پچپن سال تک مسلسل تدریس کا سلسلہ قائم رکھا اور بریلی، آرا، سہرام، پٹنہ (اور) کٹیہار (پورنیہ) کے مدارس میں ہزاروں طالبان علم کو اپنے علمی فیوض سے سیراب کیا۔ تدریس کے ساتھ افتاء اور مواعظ کا سلسلہ جاری رہا۔''

ملک العلماء صرف ایک باصلاحیت استاذ، ایک جید مفتی اور فصیح و بلیغ واعظ و خطیب ہی نہیں، بلکہ وہ ہندوستان کے ایک کثیر التصانیف عالم دین تھے۔ جن کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد ستر سے بھی زائد ہے۔ پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''ملک العلماء کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد ستر سے زائد ہے۔ تصانیف کا سلسلہ ۱۳۲۲ھ سے شروع ہوکر تقریباً ان کی رحلت ۱۳۸۲ھ یعنی پچاس پچپن سال تک جاری رہا۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں، لیکن زیادہ تر، افادۂ عام کی خاطر اردو میں لکھی گئی ہیں۔ یہ متعدد فنون، اور موضوعات، حدیث، اصول حدیث، فقیہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، نصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام ہیئت، توقیت، تکسیر اور مناظرہ پر مشتمل ہیں۔ کچھ اب تک غیر مطبوعہ ہیں اور کچھ زیور طبع سے آراستہ ہوکر شائع ہوچکی ہیں۔''

(حیات ملک العلماء ص ۱۷)

افسوس ہے ملک العلماء کی پچاسوں کتابیں اب تک شائع نہیں ہوسکیں۔ تقریباً ۲۵ رکتابیں شائع ہوچکی ہیں جو اب نایاب ہوچکی ہیں اور اگر اب دستیاب ہیں، تو بہت کم اور تقریباً ۱۸ رکتابوں کا ذکر حضور ملک العلماء کی تصنیفات ہی میں ملتا ہے، لیکن یا تو وہ ضائع ہوچکیں، یا دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔ جو کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ان میں **المجمل المعدد لتالیف المجدد**، **الجواهر و اليواقيت في علم التوقيت** معروف **بتوضيح التوقيت**، **مؤذن الاوقات**، **نصرة الاصحاب**

باقسام ایصال الثواب، مشرقی اور سمت قبلہ، سد الفرار لمهاجری بهار، چودھویں صدی کے مجدد، حیات اعلیٰحضرت، عید کا چاند، جامع الاقوال فی رویۃ الهلال اور صحیح البہاری قابل قدر تصانیف ہیں جن میں سب سے اہم صحیح البہاری ہے۔ اس آخری کتاب کی وجہ تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر مختار الدین احمد رقم طراز ہیں:

''ہندوستان کے مدارس اسلامیہ میں عام طور پر صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور بلوغ المرام وغیرہ کا درس دیا جاتا ہے، درس نظامی میں بھی یہی کتب احادیث رائج ہیں، ان کے مولفین شافعی المسلک ہیں اور ان کتابوں میں زیادہ تر وہی احادیث ملتی ہیں جو شافعی مسلک کی مؤید ہیں، ان میں مختلف فیہ مسائل کے متعلق وہی روایات درج کی گئی ہیں، یا ان کو ترجیح و تقدیم دی گئی ہے جو ان محدثین کے مسلک کی مؤید تھیں۔ مختارات مذہب حنفی کی بنیاد جن اخبار و آثار پر ہے، ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا کیا گیا تو ردّ و انکار کے ساتھ، شرحیں اور حواشی بھی انہی کتابوں کے لکھے گئے اور کچھ اردو ترجمے بھی ہوئے، تو انہی کتب حدیث کے، اس طرح کئی صدیوں تک شافعی علماء کے تیار کردہ احادیث کے مجموعوں کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی۔

گیارہویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) شاید پہلے حنفی عالم ہیں، جنہوں نے مسلک احناف کی تائید میں ایک مجموعۂ احادیث ''فتح المنان فی تائید مذہب النعمان'' کے نام سے مرتب کیا۔ اس کے بعد علامہ سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ) نے ''عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ امام ابی حنیفہ'' تصنیف کیا یہ دونوں رسالے مسلک حنفی کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔

خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں جو پہلا مجموعۂ احادیث مرتب ہوا، وہ علامہ ظہیر احسن شوق بہاری (۱۲۷۸۔۱۳۲۲ھ) کی ''آثار السنن'' ہے یہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں ۲۱۱ صفحات پر قومی پریس لکھنؤ میں چھپی، افسوس ہے کہ یہ مکمل نہ ہوگی۔ کتاب کا خاتمہ باب فی زیارت قبر النبی ﷺ پر اچانک ختم ہوگیا۔ اس کے بعد کے ابواب وہ لکھنا چاہتے تھے، لیکن بوجوہ اس میں تاخیر ہوتی گئی، تا آنکہ علّام موصوف کی وفات ہوگئی۔ یہ مختصر سی کتاب احناف میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔

یہ دیکھ کر کہ یہ مختصر سی کتاب ہے اور اس سے احناف کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، ملک العلماء فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا، جو مؤید مسلک اہلِ سُنّت و احناف ہو اور فقہ حنفی کا مآخذ و مصدر۔ انہوں نے وہ تمام روایات جمع کیں، جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے، اور حتیٰ الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو، جس کی سند و استشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہ کی گئی ہو۔''

(حیات ملک العلماء ص ۳۸۔۳۹)

صحیح البہاری میں ملک العلماء سید محمد ظفر الدین قادری نے حنفی مسلک کی متدل احادیث کو فقہی ابواب پر مرتب کرتے ہوئے اپنی عمر عزیز کا قیمتی حصہ صرف کیا اور اسے چھ جلدوں میں مرتب کرنے کا پروگرام بنایا۔ پہلی جلد چونکہ عقائد سے متعلق احادیث پر مشتمل تھی اور اس میں اختلافی مسائل زیر بحث آ گئے تھے، اس لیے اس کی اشاعت بعد کے لیے ملتوی کر کے جلد ثانی (جو کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے) اور جلد ثالث (جس میں کتاب الصوم، کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الحج کی احادیث جمع کی گئی ہیں) کو شائع کرنے کا منصوبہ بنایا۔

صحیح البہاری کی پہلی جلد چار حصوں پر مشتمل ہیں۔ جس میں ۹۲۸۷ر احادیث تقریباً ایک ہزار صفحات پر مندرج ہیں۔ جب یہ پہلی جلد شائع ہو کر منظر عام پر آئی تو بلا امتیاز مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے علمائے عظام نے اسے نہ صرف قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا بلکہ اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا اور معیاری جرائد و اخبارات نے اس پر گراں قدر تبصرے شائع کیے۔ اب یہ مجموعۂ احادیث نایاب ہو چکا ہے۔ (ایضاً ص ۳۹)

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پاکستان کے کچھ ارباب علم و دانش اسے شائع کرنا چاہتے ہیں۔ اگر صحیح البہاری کی مکمل جلدیں شائع ہو کر منظر عام پر آگئیں تو یہ عالم اسلام کے حنفی مسلک کے اہل علم کے لیے اس صدی کا تحفۂ عظیم ثابت ہوں گی۔

صحیح البہاری جیسے مجموعۂ احادیث کے جامع و مؤلف علام، اعلیٰحضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے ممتاز شاگرد اور ان کے علوم و معارف کے وارث اور شارح و ترجمان ملک العلماء سید محمد ظفر الدین قادری ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کر کے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے رحمۃ اللہ الرحمٰن وادخلہ فی الجنان:

حضور ملک العلماء فاضل بہار کے صاحبزادۂ محترم برصغیر کے مشہور مصنف و ادیب اور بالغ نظر محقق پروفیسر مختار الدین احمد آرزو (سابق صدر شعبۂ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) "الولد سر لابیہ" کے مصداق ہیں۔ موصوف علی گڑھ میں علم و ادب اور تحقیق کی بزم آراستہ کیے ہوئے ہیں۔ خدائے کارساز تادیر انہیں زندہ رکھے اور کوئی ایسی صورت و سبیل پیدا کردے، کہ وہ ملک العلماء فاضل بہار سید محمد ظفر الدین قادری علیہ الرحمۃ کی غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کی اشاعت کراسکیں اور ملک العلماء کی جو کتابیں شائع ہو کر کم یاب یا نایاب ہو چکی ہیں وہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آجائیں!

ایں دعا از من و من جملہ جہاں آمین باد۔

☆☆☆☆

"صحیح البہاری میں ملک العلماء سید محمد ظفر الدین قادری نے حنفی مسلک کی متدل احادیث کو فقہی ابواب پر مرتب کرتے ہوئے اپنی عمر عزیز کا قیمتی حصہ صرف کیا اور اسے چھ جلدوں میں مرتب کرنے کا پروگرام بنایا۔ پہلی جلد چونکہ عقائد سے متعلق احادیث پر مشتمل تھی اور اس میں اختلافی مسائل زیر بحث آگئے تھے، اس لیے اس کی اشاعت بعد کے لیے ملتوی کر کے جلد ثانی (جو کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے) اور جلد ثالث (جس میں کتاب الصوم، کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الحج کی احادیث جمع کی گئی ہیں) کو شائع کرنے کا منصوبہ بنایا۔"

صحیح البہاری کا مقدمہ: ایک علمی وفنّی شاہکار

از قلم: مولانا محمد افروز رضا نظامی، دہلی

چودہویں صدی ہجری کے عظیم مجدد امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات ایک علمی اور مرکزی حیثیت کی تھی، جہاں بہترین دل ودماغ جمع ہوگئے تھے، ان کی تربیت نے طالبان علوم میں تلاش وجستجو اور تحقیق وتفحص کا ایسا ذوق دیا کہ دنیا آج بھی اس کی لذت محسوس کر رہی ہے، ان کی بارگاہ میں جو بھی علمی پیاس بجھانے آیا اور زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ وہ تمام علم وفضل کے مہر وماہ بن کر چمکے۔ جس کی کرنوں سے آج بھی علمی دنیا روشن وتاباں ہے۔

حضور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ (۱۸۸۰ء۔۱۹۶۲ء) کی شخصیت انہی کے فیضان کرم کا آئینہ تھی، جس نے ظفر الدین سے ''ملک العلماء'' بنادیا اور ان کے علمی مذاق کو پروان چڑھایا۔ اسی صحبت وتربیت کا اثر تھا کہ جن علوم وفنون پر فاضل بریلوی کو کمال ودسترس حاصل تھا۔ ان کے تلامذہ میں ان علوم غریبہ کے جاننے والے واحد ملک العلماء کی ذات تھی۔

حضور ملک العلماء کی علمی اور عملی زندگی خدمتِ دین واشاعت اسلام سے عبارت ہے، ان کی ذات اس اعتبار سے بھی خصوصی اہمیت کی حامل رہی کہ اپنے عالمانہ جلال وکمال اور شکوہ فکر وعمل سے عظیم کارہائے نمایاں انجام دیا، آپ کی نادر اور انوکھی شخصیت جدید وقدیم علوم کا حسین امتزاج تھی، مذہب ومسلک کی ترویج واشاعت اور فکر رضا کے فروغ میں ہمہ وقت مصروف رہے اور خدمت دین میں اپنی قیمتی زندگی صرف کردی۔ درس وتدریس، تقریر وتحریر اور مناظرہ کے ذریعہ اسلام وسنیت کا پرچم لہراتے رہے۔

حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ گوناں گوں صفات کے حامل تھے، قلم دوستی ان کا خاص طرہ تھا، وہ ایک باصلاحیت وباکمال قلمکار تھے۔ دور طالب علمی سے ہی تصنیف وتالیف کا ذوق اور جذبہ رکھتے تھے۔ اسی زمانہ میں کئی اہم کتب تصنیف فرمائی، اپنے شفیق استاذ فاضل بریلوی کی بارگاہ میں پیش کی۔ استاد خوش ہوئے، دعائیں دیں، ساتھ ہی تقریظ رقم فرمائی۔ قلم وتحریر سے ان کی پوری زندگی وابستہ رہی، مختلف علوم وفنون پر ستر (۷۰) سے زائد کتابیں نوک قلم سے وجود میں آئیں۔ ان میں سے ہر ایک اہمیت وافادیت کی حامل رہی ہے۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ملک العلماء'' کی تالیفات وتصنیفات کی تعداد ستر سے زائد ہے۔ تصانیف کا سلسلہ ۱۳۲۲ھ سے شروع ہوکر تقریباً ان کی رحلت ۱۳۸۲ھ یعنی پچاس پچپن سال تک جاری رہا۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں لیکن زیادہ تر افادۂ عام کی خاطر اردو میں لکھی گئی ہیں۔ یہ متعدد فنون اور موضوعات: حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف، نحو، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر اور مناظرہ پر مشتمل ہیں۔ کچھ اب تک غیر مطبوعہ

ہیں اور کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔''

حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفی وتالیفی کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ ان کا وہ مجموعہ احادیث ہے، جو حنفی مسلک ومذہب کی تائید وتوثیق والی حدیثوں کو بڑی دقت نظر، باریک بینی، عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ جمع فرمایا۔ یہ تمام ذخیرۂ احادیث میں منتشر اور پھیلی ہوئی تھیں۔ کتب احادیث، صحاح وسنن، جوامع ومسانید اور معاجیم وامالی میں موجود تھیں۔ مفید احادیث جمع فرمایا۔ مذہب حنفی کی صحیح احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ ترتیب دے کر مؤلف علام نے قابل فخر اور عظیم کارنامہ انجام دیا، صدیوں سے بلند ہونے والی مخالف آواز کو اپنی اس تالیف لطیف کے ذریعہ خاموش کر دیا۔ بلاشبہ یہ پوری جماعت کے لئے سرمایۂ افتخار اور قابل فخر ہے۔ مؤلف علام نے اس مجموعہ کا نام ''الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری'' تجویز فرمایا یہ ضخیم مجموعہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۱) جلد اول: کتاب العقائد (۲) جلد دوم: کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ (۳) جلد سوم: کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج اور کتاب الصوم (۴) جلد چہارم: کتاب النکاح تا کتاب الوقف (۵) جلد پنجم: کتاب البیوع تا کتاب الغصب (۶) جلد ششم: کتاب الشفعہ یا کتاب الفرائض۔

کتاب کی ابتداء میں کئی صفحات پر مشتمل ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو اصول حدیث کی اہم باتوں کو فوائد کے طور پر ذکر فرمایا۔ جس سے اصول حدیث کی کافی معلومات ملتی ہیں، ساتھ ہی صاحب کتاب کی علمی تبحر اور فکر کی گہرائی وگیرائی کا پتہ چلتا ہے۔ طالبان علوم حدیث کے لئے خاص معلومات جمع کر دی ہے یقیناً اس کا مطالعہ نفع بخش ہوگا۔

ڈاکٹر مختار الدین صاحب مقدمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ مقدمہ جو ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ہر طرح قابل قدر ہے، اس میں اصول حدیث کے ضروری فوائد ۳۲ فصلوں میں لکھے گئے ہیں۔ جن میں نہایت قیمتی علمی معلومات درج ہیں جن کا جاننا حدیث شریف کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ مقدمہ تحریر کرتے وقت مؤلف علام کے پیش نظر اصول حدیث کی امہات کتب تھیں لیکن سب سے زیادہ استفادہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے ان تفردات سے کیا ہے جنہیں برسوں پہلے انہوں نے بڑی توجہ اور انہماک سے جمع کر کے ''الافادات الرضویۃ'' کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔''

جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری کی دوسری جلد مجموعہ ۲۰۰۳ء انجمن برکات رضا، رضا جامع مسجد، پھول گلی، ممبئی طابع وناشر ہے، اس میں مقدمہ کا خطبہ تقریباً ایک صفحہ کو محیط ہے۔ جس میں حدیث شریف کے تمام انواع واقسام کو بڑے شگفتہ اور نرالے انداز میں شامل فرمایا ہے۔ اس کے بعد اپنی کتاب کے چھ جلدوں کی تفصیل ذکر کی ہے، صفحہ ۴ سے ۲۵ تک ۳۱ فوائد ذکر فرمائے ہیں، جن میں حدیث کے اقسام ذکر کرتے ہوئے ہر ایک کے رد وقبول کو واضح فرمایا۔ ساتھ ہی احناف پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب میں علمائے حنیفہ کا قول نقل فرمایا، حدیث کی صحت وعدم صحت پر دیگر محدثین عظام کے اقوال بھی شامل ہیں۔ حدیث کے درجات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کون سی حدیث باب عقائد میں قابل قبول ہے اور کون سی قابل رد، پھر فضائل کے باب میں ضعیف احادیث قابل عمل ہیں یا نہیں۔ فائدہ نمبر ۹ میں محدثین کا کسی حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ ''صحیح نہیں'' اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط اور باطل ہے، بلکہ صحیح ان کی اصطلاح میں ایک

اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے، جس کی شرائط سخت اور دشوار ہیں۔ شرائط کی عدم موجودگی کے سبب فرمادیتے ہیں۔ "یہ حدیث صحیح نہیں"، یعنی اس درجۂ علیا کو نہیں پہنچتی۔ فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے کو نہیں پہنچتا۔

حلیہ شرح منیہ میں وضو کے بعد رومال سے پوچھنے کے بارے میں ہے:

قول الترمذی "لایصح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ہذا الباب شئ (انتہی) لاینفی وجود الحسن ونحوہ والمطلوب لا یتوقف ثبوتہ علی الصحیح بل کما یثبت بہ یثبت بالحسن أیضاً

ترجمہ: امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں ملی (انتھی) حسن اور اس کے مثل کی نفی نہیں کرتا اور ثبوت مقصود کچھ صحیح ہی پر موقوف نہیں، بلکہ جس طرح اس سے ثابت ہوتا ہے، یونہی حسن سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

دوسری جگہ صفۃ الصلوٰۃ کے آخر میں ہے:

فیما کرہ فعلہ فی الصلاۃ سے تھوڑا پہلے اسے ذکر کیا ہے۔ علی المشی علی مقتضی الاصطلاح الحدیثی لایلزم من نفی الصحۃ نفی الثبوت علی وجہ الحسن

ترجمہ: اصطلاح علم حدیث کی رو سے صحت کی نفی حسن ہو کر ثبوت کے خلاف نہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی اذکار امام نووی کی تخریج اُحادیث میں فرماتے ہیں: "من نفی الصحۃ لا ینتفی الحسن" "صحت کی نفی سے حدیث کا حسن ہونا منتفی نہیں ہوتا۔"

مذکورہ محدثین کے دلائل کے علاوہ علامہ علی قاری سید نورالدین سمہودی علامہ عبدالباقی زرقانی رحمھم اللہ کے اُقوال درج ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کو کسی محدث کا صحیح نہ کہنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ ضعیف ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کو درجے کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے۔ کچھ مشہور اور متواتر ہیں۔ کچھ حدیث کے قبول کرنے میں قوت وسند اور صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے فائدہ نمبر ۱۳ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔" جو معنی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل:

جن چیزوں کا ثبوت حدیث سے پایا جاتا ہے، وہ سب ایک منزل میں نہیں، بعض تو اس اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور اور متواتر نہ ہو، اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ احادیث اگر چہ کیسے ہی قوت وسند اور اعلیٰ صحت پر ہوں، اس معاملہ میں کام نہیں دیتیں، کیونکہ عقائد کے باب میں خاص یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔"

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علی جمیع الشرائط المذکورۃ فی اصول الفقہ لا یفید الاالظن ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادات۔

ترجمہ: حدیث اُحاد اگرچہ تمام شرائط کی جمع ہو، ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظن کا کچھ اعتبار نہیں۔

علامہ علی قاری "منح الروض الازھی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"الأحاد لایفید الاعتماد فی باب الاعتقاد"

ترجمہ: احادیث اُحاد باب عقائد میں قابل اعتماد نہیں۔

دوم:

دوسرا درجہ احکام کا ہے، اسمیں گرچہ اتنی قوت درکار نہیں، پھر

بھی حدیث کا صحیح لذاتہ یالغیرہ یاحسن لذاتہ ہو یا کم ازکم حسن لغیرہ ہونی چاہیے۔ یہاں ضعیف احادیث کا کوئی اعتبار نہیں۔

سوم:

تیسرا درجہ فضائل ومناقب کا ہے۔ یہاں بالاتفاق ضعیف کافی ہے۔ شیخ ابوطالب المکی قوت القلوب فی معاملة المحبوب میں تحریر فرماتے ہیں:

الأحاديث في فضائل الأعمال وتفضيل الأصحاب متقبلة محتملة على كل حال مقاطيعها ومراسيلها لا تعارض وترک كذلک كان السلف يفعلون.

ترجمہ: فضائل اعمال وتفضیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں، ہر حال میں مقبول ہیں۔ خواہ حدیث مقطوع ہوں یا مرسل۔ ان کی مخالفت کی جائے، نہ رد کریں۔ اسلاف کا یہی طریقۂ کار رہا ہے۔

مقاصد حسنہ میں ہے: قد قال عبدالبر انهم يتساهلون في الحديث اذا كان من فضائل الأعمال.

فتح القدیر میں ہے: ''الضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل الأعمال''۔

کسی حدیث پر موضوعیت کا حکم اس وقت لگا سکتے ہیں جبکہ ائمہ حدیث کے وضع کردہ قواعد کے خلاف ہو۔ محدثین نے پندرہ وجوہ ذکر کئے ہیں اگر اس کے خلاف ہو تو موضوعیت کا حکم لگا سکتے ہیں۔ پندرہ وجوہ کی تفصیل کے لئے مقدمہ کا مطالعہ کریں نیز اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کا رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین کا مطالعہ بھی سودمند ہوگا۔

''محدثین اگر کسی حدیث پر وضع کا حکم لگاتے، جو مضمون قرآن وحدیث یا اجماع قطعی اور عقل صریح وغیرہ کے خلاف ہو، تو اس سے نفس حدیث پر حکم لگانا لازم نہیں آتا بلکہ صرف سند حدیث پر جو اس وقت اس کے پیش نظر ہے۔ یعنی نفس حدیث ثابت ہے۔ مگر اس سند سے ضعیف یا موضوع ثابت ہو، ایک سند دیکھ کر ضعیف کا قول کرنا یقیناً درست نہیں، کیونکہ ایک حدیث کئی سندوں سے مروی ہوتی ہے فقط ایک سند کو بنیاد بنا کر باطل نہیں کہہ سکتے۔

میزان الاعتدال میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

ابراهيم بن موسى المروزي عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما حديث ''طلب العلم فريضة'' قال احمد بن حنبل ''هذا كذب'' يعني بهذا الاسناد والافالمتن له طرق ضعيفة''

ترجمہ: ابراہیم بن موسیٰ المروزی مالک سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ امام احمد رضی اللہ عنہ نے جو طلب العلم فريضة کو کذب فرمایا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس سند سے کذب ہے ورنہ اصل حدیث تو کئی ضعیف سندوں سے وارد ہے۔

امام ابوعمر بن عبدالبر نے ''التمہید'' میں حدیث ''صلاة بسواک خير من سبعين صلاة غير سواک'' کا امام ابن معین سے اس کا بطلان نقل کیا۔ علامہ شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ میں اسے ذکر فرماتے ہیں:-

قول ابن عبدالبر في التمهيد عن ابن معين انه حديث باطل، هو بالنسبة لما وقع له من طرقه.

یعنی امام ابن معین کا یہ فرمانا کہ ''حدیث باطل ہے'' اس سے سند کی نسبت ہے، جو انہیں پہنچی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

'ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان

امرأتي لا تدفع يد لا مس قال طلقها قال اني احبّها قال استمتع بها.'

ترجمہ: ایک شخص بارگاہِ نبوی میں آیا اور عرض کیا: میری بیوی کسی بھی چھونے والے ہاتھ کو منع نہیں کرتی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اسے طلاق دے دو۔ عرض کیا: میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: اس سے نفع حاصل کر۔

اس حدیث کو جو حافظ ابو الفرج نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد 'لیس له أصل ولا يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم'' کی اتباع کرتے ہوئے لا أصل له کہا ہے۔ امام الشان کتاب اللآلي میں اواخر النکاح میں اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں''۔ یہاں صرف ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

''ابو الفرج ابن جوزی کی اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کہ انہوں نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کیا۔ اس کی دوسری اسناد ذکر نہیں کیں ماسوائے اس سند کے جس کے حوالے سے خلال نے ابو الزبیر عن جابر روایت کیا اور اس کے بطلان میں اسی پر اعتماد کرلیا جو خلال نے احمد سے نقل کیا ہے۔ یہ بات ابن جوزی کے قلت مطالعہ اور غلبۂ تقلید کو واضح کرتی ہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے امام سے منقول محض رائے کی بنیاد پر حدیث کو موضوع کہہ دیا، حالانکہ یہ سندیں اگر ان کے امام کے سامنے پیش کی جائیں، تو وہ ضرور اعتراف کر لیتے کہ حدیث اصل ہے لیکن ایسا نہ ہوسکا، اس وجہ سے یہ حدیث اصلاً ان کی سند میں نہیں آئی اور نہ ہی روایات میں جو ان سے مروی ہیں، نہ سند ابن عباس سے اور نہ ہی سند جابر سے، علاوہ اس سند کے جس کے بارے میں خلال سے سوال کیا تھا اور امام احمد اسی کے جواب میں معذور ہیں، اس سند کے اعتبار سے۔''

مذکورہ بالا چند فوائد کی تفصیل ہے، دیگر فوائد کے تحت حدیث مرسل کے قبول کرنے نہ کرنے میں احناف کے ساتھ دیگر مسالک کے علماء کا قول نقل فرمایا، آگے چل کر بتایا کہ حدیث ضعیف کن وجوہات کے تحت تقویت پاتی ہے۔ پھر علیحدہ علیحدہ ذکر کیا کہ مجتہد کے استدلال سے حدیث ضعیف قابل عمل ہو جاتی ہے۔ اہل علم کے عمل کی وجہ سے کشف و تجربہ کے ذریعۂ اہل علم کے اتفاق سے اور امت کی تلقی بالقبول سے ضعیف احادیث صحت پا جاتی ہیں۔

حاصل یہ کہ مقدمہ صحیح البہاری کافی معلوماتی اور اصول حدیث کا خزانہ ہے، جس کے مطالعہ سے احادیث کے اقسام اس کی صحت و سقم معلوم ہوتی ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے بڑی ہی دقت نظر سے مقدمہ تحریر فرما کر اذہان میں اٹھنے والے خلجان کو دور فرمایا ہے۔ نیز مسلک احناف کی مؤید احادیث کے ذریعہ تائید و توثیق فرمائی کہ اس کی بنیاد خالص قیاس ورائے پر نہیں، بلکہ مسائل کے استخراج واستنباط میں ان کا ماخذ و مرجع احادیث نبویہ ہیں۔

مراجع:

۱) حیات ملک العلماء
ناشر انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئی

۲) حیات ملک العلماء
ناشر انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئی

۳) مقدمہ از صحیح البہاری ص ۹۔۸ مطبوعہ ۲۰۰۳ء
ناشر انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئی

۴) مقدمہ از صحیح البہاری ص ۱۳۔۱۲، مطبوعہ ۲۰۰۳ء
ناشر انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئی

۵) مقدمہ از صحیح البہاری ص ۲۴۔۲۳ مطبوعہ ۲۰۰۳ء
ناشر انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئی

☆☆☆

صحیح البہاری: ایک مختصر جائزہ

ازقلم: مولانا محمد سلیمان قادری، پٹنہ

ہندستان میں علم حدیث کی تاریخ معلوم و مشہور بھی ہے اور معتبر و مستند بھی۔ یہ دراصل اقوال رسول کے مبارک علم کی عالمی تاریخ کا ایک شاندار حصہ ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اس موضوع کا مطالعہ کیا ہے، اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ شمالی ہند، خصوصاً صوبہ بہار میں علم حدیث کی تاریخ کئی اعتبار سے نہایت ممتاز مقام رکھتی ہے۔

بہار کا حدیثی مکتب، تاریخی لحاظ سے ''مکتب مخدوم'' کہلاتا ہے۔ جو کہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے ان چار حدیثی مکاتیب میں سے ایک ہے۔ جو کہ ہندستان میں مختلف مقامات پر صوفیائے عظام کی بدولت قائم ہوئے۔ جیسا کہ بتایا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے اس حدیثی مرکز کی ایک بہت ہی خاص بات یہ ہے کہ، یہی وہ مرکز ہے۔ جہاں سب سے پہلے بخاری شریف اور مسلم شریف کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

بلاشبہ بہار میں آٹھویں صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک کے مابین، پھلواری شریف اور بھاگلپور کے علاوہ تاریخی تقدم اور کئی دوسری خصوصیتوں کے لحاظ سے حضرت مخدوم بہاری کا حدیثی مرکز ہرگز فراموش نہیں ہوسکتا، لیکن بہرصورت یہاں ہمیں اس کی تفصیلوں میں جانا مقصود نہیں، بلکہ صرف یہ اشارہ مقصود ہے کہ ہندستان اور بالخصوص صوبہ بہار میں علم حدیث کی عہد بہ عہد تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے، تو اس سرزمین پر نہ صرف عہد قدیم میں بلکہ تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں بھی جو محدثین پیدا ہوئے، ان کی خدمات بھلائی نہیں جاسکتیں۔ اگرچہ یہاں انہیں نام بنام یاد کرنے کا موقع نہیں، لیکن بہر حال یہ ایک سچائی ہے کہ اس تعلق سے نہ جانے کتنی ہی ایسی اہم شخصیتیں ہیں، جنہوں نے مذکورہ دور میں یا یوں کہا جائے کہ گزشتہ صدی ہجری میں علم حدیث کی خدمت کا یوں شرف حاصل کیا ہے کہ ہندستان میں حدیثی مؤلفات کی تاریخ انہیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ ایسی ہی گرانمایہ شخصیتوں میں ایک ممتاز نام حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری کا بھی ہے۔ جو کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے شاگرد ہیں۔

ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری کو یقینی طور پر اُس سلسلہ کی ایک سنہری کڑی کہا جاسکتا ہے جو علم الحدیث کے تعلق سے ''مکتب مخدوم'' کی صورت میں صدیوں پہلے سامنے آیا تھا۔ واقعی جیسا کہ ابھی کہا گیا، یہ بات کچھ کم دلچسپ نہیں کہ ہندستان میں سب سے پہلے صحیح البخاری کی موجودگی کا پتہ جس حدیثی مرکز میں ملتا ہے۔ وہ حضرت مخدوم بہاری کی خانقاہ ہے اور چودھویں صدی ہجری میں ''صحیح البہاریؒ'' کے نام سے جو کتاب مرتب ہوتی ہے۔ اس کے مؤلف کا تعلق بھی بہار شریف سے ہے۔

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ ملک العلما فاضل بہاری ایک کثیر التصانیف عالم دین ہیں اور متعدد علوم وفنون کے علاوہ بیان الاسانید

میں انہوں نے "نزول السکینہ باسانید الاجازات المتینہ" اور اصول حدیث میں "الافادات الرضویہ" مرتب فرمایا ہے۔ جو کہ بالترتیب ۱۳۳۲ھ/۱۵-۱۹۱۴ء اور ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء کی یادگاریں ہیں۔ مگر کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان میں سے اول الذکر، خود ان کے صاحبزادے جناب آرزو کے بیان کے مطابق محض "منتشر اوراق" کی صورت میں ہی ہے اور ثانی الذکر کا شمار ایسی باقیات میں ہے۔ جو خود حضرت آرزو کے کتب خانے میں بھی جیسا کہ انہوں نے وضاحت کی ہے دستیاب نہیں۔

البتہ علم الحدیث میں ملک العلما کا نام ان کی جس کتاب سے زندہ ہے۔ وہ "صحیح البہاری" کے نام سے جانی جاتی ہے اور اس مضمون میں دراصل اسی کتاب کا مختصر تعارف پیش کرنا مطلوب ہے۔

"صحیح البہاری" درحقیقت احادیث نبویہ کا ایک عظیم مجموعہ ہے جو کہ متعدد جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنے استاد گرامی حضرت شاہ امام احمد رضا بریلوی کے ایک شاہکار حدیثی خطبہ سے تیمناً و تبرکاً لفظی استفادہ کیا ہے، بلکہ آغاز کتاب میں ہی صاف صاف لفظوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"ولنقدم قبل الشروع فی المقصود مقدمة یشتمل فوائد التقطها من تصانیف العلما لا سیما سیدی و ملاذی و شیخی و استاذی ...... مولانا الشاہ احمد رضا خان القادری" (۱)

بہر کیف آغازِ مقصد سے قبل ہم (اس کتاب کا) ایک مقدمہ پیش کر رہے ہیں، جو تصانیف علما بالخصوص سیدی و ملاذی و شیخی و استاذی مولانا...... شاہ احمد رضا خاں قادری کی تصانیف سے ماخوذ فوائد پر مشتمل ہے۔)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں الحدیث اور اصولِ حدیث سے متعلق جو قیمتی نکات و فوائد پیش کیے ہیں، ان کی تعداد ۳۲ تک پہونچتی ہے اور وہ کتاب کے تقریباً [illegible] صفحات پر محیط ہیں، ان میں خصوصیت کے ساتھ علمی غذا، امام احمد رضا کی حدیث دانی اور ان کے تدریسی فیضان سے ہی حاصل کی گئی ہے۔

مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری کی متذکرہ تصنیف بلاشبہ شمالی ہند اور خصوصاً صوبہ بہار میں علم الحدیث کے ارتقا کا ایک اہم جزو قرار پاتی ہے اور اصولِ حدیث اور علی الخصوص "متونِ حدیث" کے تعلق سے علمائے ہند کے مؤلفات کا ذکر کرتے ہوئے کوئی انصاف پسند اور بالغ نظر مورخ اسے بھلا نہیں سکتا ہے۔ اگرچہ صحیح ہے کہ مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری کی اس کتاب سے چند دہائی قبل صوبہ بہار کے ایک محدث ظہیر احسن شوق نیموی کی "آثار السنن" ترتیب پا چکی تھی، جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"یہ ہندستان میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ جس میں مسلکِ احناف کو سامنے رکھتے ہوئے صحیح احادیث مرتب کی گئی ہیں اور اسلوب وہی اختیار کیا گیا ہے۔ جو فقہی کتابوں کا ہوتا ہے۔" (۲)

بیشک مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے شاگرد رشید حضرت شوق نیموی کی اس کتاب کے مرتبہ سے انکار نہیں، لیکن ایک تو یہ کہ اس کتاب کا نام حدیثی اصنافِ کتب کے لحاظ سے براہ راست "مجموعۂ صحیح" کی طرف اشارہ نہیں کرتا اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ متذکرہ کتاب اس معنی میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکی کہ اس کے صرف دو جزو ہی مرتب ہوئے۔ ان میں پہلا جزو "کتاب الطہارت" سے "باب فی صلوٰۃ بحضرۃ الطعام" تک اور دوسرا جزو "ما علی الامام" سے "باب فی زیارۃ قبر النبی"

صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم ‘‘ تک ہے۔ جب کہ امام احمد رضا کے شاگرد حضرت فاضل بہاری کی ’’صحیح بہاری ‘‘ اس سے کہیں زیادہ جامع، مفصل اور مکمل ہے۔ یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے یعنی جلد اول عقائد ،جلد دوم طہارت و صلوٰۃ اور جلد سوم زکوٰۃ اور صوم وحج سے متعلق ہے اور جلد چہارم کتاب النکاح تا وقف، جلد پنجم کتاب البیوع تا غصب اور جلد ششم کتاب الشفعہ سے فرائض تک ہے(۳) اس طرح اس کتاب میں اس کے ناشر و مشتہر پروفیسر مختار الدین احمد آرزو کے کہنے کے بموجب تخمیناً نو دس ہزار حدیثیں ہیں (۴) مزید برآں اس کتاب کی علمی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بھی اس کے تقریظ نگاروں نے غلط نہیں کہا ہے کہ:

’’عام طور سے حضرات اہل حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ مسلک حنفی کا دارومدار صرف حضرت امام اعظم یا ان کے شاگردوں کی رایوں پر ہے اور اس کو احادیث سے کوئی تعلق نہیں، اس کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا...... اور اس بات کو واضح کر دیا کہ مسلک حنفی کا کوئی جزئیہ بھی حدیث کے خلاف نہیں (۵) مولانا نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں مذہب حنفیہ کی ایک لازوال اور بے نظیر خدمت انجام دی ہے...... مولانا نے یہ کتاب لکھ کر علماء حنفیہ کے اس دعویٰ کو کہ احادیث و آثار کے اطاعت و اتباع میں مقلدین مذہب حنفی اعتقاداً اور عملاً دونوں طرح مذہب اہلسنّت کے ہر دوسرے فرقہ سے پیش پیش ہیں، نہ صرف ثابت و مبرہن بلکہ ایک اعتبار سے محسوسات کی طرح بدیہی بنا دیا...... علامہ سید محمد ظفر الدین نے اپنے مذہب کی تائید و تقویت میں بجائے اس کے کہ محض الفاظ کے الٹ پھیر اور دل خوش کن و پر جوش تقریر سے کام لیں، احادیث کا ایک ایسا مجموعہ تیار (کذا) کیا۔ جس میں ایک طرف وہ تمام روایات جمع ہیں۔ جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا کوئی مسلمہ مسئلہ ایسا نہ رہ جائے۔ جس کی سند و استشہاد میں کوئی خبر اور اثر نہ پیش کی گئی ہو اور دوسری طرف مقدمہ لکھ کر بحوالہ مستند محدثین و اکابر علمائے اصول یہ ثابت کیا کہ سلسلۂ رواۃ میں محض کسی راوی کے مجروح ہونے سے روایت نا قابلِ استناد نہیں ہو جاتی اور نہ اصطلاحاً کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ روایت قطعاً بے اصل اور نا قابلِ اعتماد ہے۔ بلکہ یہ سب الفاظ محض فنی اصطلاح کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا کہ کون سی روایت قابلِ اعتماد ہے اور کس پر عملدرآمد کیا جا سکتا ہے، مجتہدین و فقہائے امت کا کام ہے...... اگر اس کتاب کی تدوین اس زمانے میں ہوئی ہوتی۔ جب دینی حکومت برسرِ عروج اور مسلمانوں کا مذہبی و ملی قانون فقہ اسلامی تھی۔ تو کوئی شبہہ نہیں کہ مصنف کا شمار ائمہ فقہ و حدیث میں ہوتا۔‘‘(۶)

یوں تو ’’صحیح البہاری‘‘ کے تعلق سے ایک مضمون کیا، پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے، لیکن یہاں فی الوقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تقریظی اقتباسات پر ہی گفتگو مختصر کر دی جائے۔

☆☆☆

صحیح البہاری.....قدیم وجدید تبصرے کی روشنی میں

ازقلم: مولانا محمد ادریس رضوی، ایم۔اے، سنّی جامع مسجد، پتری پُل، کلیان، مہاراشٹر

"صحیح البہاری" برسوں کی محنت ومشقت اور تلاش وجستجو کا نتیجہ ہے، حضور سرور عالم ﷺ کی پیاری پیاری احادیث مبارکہ کا ضخیم مجموعہ ہے، علما، فضلا، فقہا، مفسرین ومحدثین کی نظروں میں پسندیدہ ہے، دینی درسگاہوں کے طلبہ کے لئے سودمند ہے، حضرت ملک العلما علامہ سید محمد ظفرالدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی کاوش ہے، جمع وترتیب کے لحاظ سے بہارِنو کی خوشبو لئے ہوئی ہے۔ جو دماغ کو معطر اور روح کو مجلّا کرتی ہے، "صحیح البہاری" کے صفحات کو زبان "وَ مَایَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی" سے نکلے ہوئے جملہ والفاظ سے سجائے گئے ہیں، وہ زبان جس کے جملہ والفاظ پر دونوں جہاں قربان کئے جاسکتے ہیں، نبی دو عالم ﷺ کی ذات وہ ذات ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال میں فنا کے اس مقام پر پہنچی کہ اپنا کچھ باقی نہ رکھا، اسی کو قرآن مجید نے کہا "وَ مَایَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی" ترجمہ! اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں، وہ وحی الٰہی ہوتی ہے "صحیح البہاری" کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ حدیث کی متعدد کتابوں سے ماخوذ کتاب ہے، ماخذ کتابوں میں سے چند کتب اور مصنفین کے نام ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) صحیح بخاری: امام عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری قدس سرہٗ ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ

(۲) صحیح مسلم: امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری قدس سرہٗ ولادت ۲۰۴ھ وفات ۲۶۱ھ

(۳) سنن ابوداؤد: امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجتانی قدس سرہٗ ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ

(۴) جامع ترمذی: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی قدس سرہٗ ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ

(۵) سنن ابن ماجہ: امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی قدس سرہٗ ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۳ھ

(۶) نسائی: عبدالرحمٰن بن احمد بن شعیب نسائی قدس سرہٗ ولادت ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ

(۷) مشکوٰۃ: شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی قدس سرہٗ ولادت (..) وفات ۷۴۰ھ

(۸) مؤطا امام مالک: امام ابوعبداللہ مالک بن انس اصبحی قدس سرہٗ۔ ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ

(۹) مسند احمد ابن حنبل: احمد بن محمد بن حنبل قدس سرہٗ ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ

(۱۰) دارمی: ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی قدس سرہٗ ولادت ۱۸۱ھ وفات ۲۵۰ھ

(۱۱) دارقطنی: ابوالحسن بن علی بن عمر دارقطنی قدس سرہٗ ولادت ۳۰۵ھ وفات ۳۸۵ھ

(۱۲) بیہقی: ابوبکر احمد بن حسین قدس سرہٗ

ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۸ھ

(۱۳) شعب الایمان: ابوبکر احمد بن حسین قدس سرہٗ
ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۸ھ

(۱۴) طحاوی: ابوجعفر احمد بن محمد ازدی طحاوی قدس سرہٗ
ولادت ۲۲۹ھ وفات ۳۲۱ھ

(۱۵) طبرانی: ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی قدس سرہٗ
ولادت ۲۶۰ھ وفات ۳۶۰ھ

ان کتابوں کے علاوہ ذیل کی کتابوں کے بھی حوالے ہیں۔
الدیلمی، الشاشی، ابونعیم، مسند الفردوس، البغوی، کے علاوہ بھی دیگر کتابوں کے حوالے ملتے ہیں، اس لئے ''صحیح البھاری'' بخاری، مسلم، مشکوۃ، ابوداؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ کی صف میں رکھی جاتی ہے اور رکھی جائے گی کہ یہ حدیث پاک کا عمدہ مجموعہ ہے، جو تاریک دل کے لئے نور آنکھوں کے لئے سرور اور غم کے لئے کافور ہے، حدیث پاک کے پڑھنے اور پڑھانے والوں، سننے والوں اور حفاظت کرنے والوں پر رب تبارک تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

کتابیں کسی بھی موضوع اور عنوان پر ہوں، اس پر ''تقریظات وتبصرے'' لکھنے کا عمل پرانا ہے، ''تقریظات وتبصرے'' تعصب وتنگ نظری کی آلودگیوں سے پاک وصاف ہوں اور مصنف، مؤلف، مرتب اور مترجم کے کاموں کو مستحسن نظر سے دیکھ کر لکھے گئے ہوں، تو محرر کے دل کے غنچے چٹک اٹھتے ہیں، ہمت کی شعاعیں بڑھ جاتی ہیں، کام کرنے کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اور قلم کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

''تقریظات وتبصرے'' کے راست فائدے قارئین کو پہنچتے ہیں، کیونکہ چند صفحات یا سطور میں کتاب کی حقیقت اور اس کا خلاصہ سامنے آجاتا ہے، تقریظات وتبصرے عمدہ ہوں تو کتاب پڑھنے والے کا ذوق مطالعہ بڑھنے لگتا ہے، اگر مطالعہ میں وہی چیزیں پائی جاتی ہوں جو تقریظات وتبصرے میں کہی گئی ہیں تو پھر شوق کا شیر خرام بھرنے لگتا ہے، روح کی روانی اچھال کھانے لگتی ہے، علم کے کشکول میں اضافہ ہونے لگتا ہے، معلومات کی کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔

''تقریظات وتبصرے'' کے فائدے ان لوگوں کو زیادہ ملتے ہیں، جو دنیا داری یا دین داری کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں اور صرف تقریظات وتبصرے پڑھ کر پوری کتاب کو جاننا چاہتے ہیں، اگر یہ حلوہ مزیدار ہے، قرینے سے بنایا گیا ہے، اور سلیقے سے دسترخوان پر سجایا گیا ہے، تو اس کا ذائقہ قارئین کو اصل پونجی کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیتا ہے ''تقریظات وتبصرے'' راہ بھی ہیں، رہنما بھی، مہمان بھی ہیں، میزبان بھی، خاموش تماشائی بھی ہیں، تماشے کے مبلغین بھی، کسی کو بلاتے بھی نہیں ہیں اور جو آجاتے ان کو آگے کی راہ دکھا بھی دیتے ہیں۔

کتاب خریدنے والوں کے لئے تقریظات مفید ہیں اور نہیں خریدنے والوں کے لئے تبصرے سودمند ہیں کہ تبصرے پڑھ کر بہت سارے لوگ کتاب تک پہنچ جاتے ہیں، یہ دونوں کنویں کے مبلغ ہیں جو پیاسے کو کنویں تک پہنچا دیتے ہیں، اس لئے تحریری دنیا میں ان کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، عظیم مصنفین ومؤلفین، مرتبین ومترجمین کو بھی ان کی ضرورت محسوس ہوئی ہیں، اور وہ ان کے لئے دور دراز کے اسفار کئے ہیں، دور حاضر کے بعض ناقدین ان کو حالی موالی کہہ کر ان کو ختم کرنے کی سعی کرتے ہیں، لیکن جب وہ خود چار ورقی کتابچہ مرتب کرتے ہیں، تو اس کو تقریظات سے سجاتے سنوارتے، تبصرے کے انتظار میں آنکھیں بچھائے ہوئے

رہتے ہیں، پوچھئے کہ جناب آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، آپ ان حالی موالی کے لئے بے چین و بے تاب کیوں ہیں؟ تو کہتے ہیں صاحب! زمانے کا مطالبہ ایسا ہی ہے، قارئین کی مانگ ایسی ہی ہے، گویا کہ آ گیا صیاد دام میں۔

"تقریظات وتبصرے" کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ "صحیح البہاری" عربی زبان میں ہے، عربی زبان پڑھنے اور سمجھنے کے لئے عوام کو تو چھوڑ دیجئے، بہت سارے سند یافتہ مولوی عالم کہلانے والے بھی عربی پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، لیکن جب ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے "صحیح البہاری" پر لکھے گئے تبصرے کو تلاش کر کے مضمون کی شکل میں شائع کیا، لوگوں نے پڑھا، عوام کے طبقہ نے بھی مطالعہ کیا تو، ان کا دل بھی "صحیح البہاری" کی زیارت کے لئے تڑپنے لگا، تو وہ مدارس کے مدرسین اور مساجد کے ائمہ سے پوچھتے پھرنے لگے کہ "صحیح البہاری" آپ کے پاس ہے تو دکھا دیجئے؟ "صحیح البہاری" نایاب تو نہیں، کم یاب ضرور ہے دکھائیں تو کہاں سے؟ اس کے بارے میں بتائیں تو کیا بتائیں؟ کیا اپنی غلطی کو دہرائیں کہ جناب "صحیح البہاری" کی ایک ہی جلد کبھی چھپی تھی، ہمارے پاس نہیں ہے، کہیں تو ہوگی؟ پتا تو بتا دو، پتا بتانے سے بھی ہم قاصر ہیں، یہاں پر آ کر ہم مات کھا جاتے ہیں، دوستوں کے سامنے میدان میں آ کر ہاتھ ملانے سے پہلے ہی چت ہو جاتے ہیں، جس قیمتی دولت کو لوگوں تک پہنچا کر ناز کرنے کی بات تھی، ہم بغیر پہنچائے ہوئے ناز کرتے ہیں، چلئے یہ اپنی اپنی سمجھ ہے، کوئی لُٹانے پر ناز کرتا ہے، تو کوئی لُٹ کر فخر کرتا ہے، لیکن ہم تو نہ لُٹا رہے ہیں نہ لوٹ رہے پھر یہ ناز کیسا؟ آیئے اب "صحیح البہاری" کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس پر کیسے کیسے لوگوں نے اظہار خیال کیا ہے۔

تبصرہ (۱)

مولانا حیدر شریف مہتمم امداد المعارف مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن نے ان الفاظ میں صحیح البہاری کو سراہا:۔

"............وجدته كتابا انيقا جامعا لجميع المسائل من الطهارة وجيزا فى علوم الحديث على منهاج المشكوٰة والتيسير مفيد الطلبة الحنفية لمشتاقى الحديث النبوى عليه الصلوٰة والسلام (۱)

چونکہ "صحیح البہاری" عربی میں ہے، اس لئے موصوف نے عربی میں ہی تقریظ لکھ کر اپنا تاثر پیش کیا اور بہت ہی عمدہ طریقے پر پیش کیا کہ "صحیح البہاری" کے شایانِ شان تقریظ تحریر فرمائی، عمدہ تعارف کرایا اور بتایا کہ "اس کے تعلق سے میں نے ایک جامع اور خوش کن کتاب پائی، جس میں طہارت (پاکی) سے متعلق تمام مسائل موجود ہیں، مشکوۃ اور تیسیر کے طریقے پر علوم حدیث میں مختصر ہے حدیث نبوی ﷺ کے مشتاق حنفی طلبہ کے لئے مفید ہے" اس تقریظ کو متعدد مدبر ومبصر نے سراہا "صحیح البہاری" پر قلم اٹھایا تو اپنی تحریر کو اس سے مزین کیا اور نصف صدی پیشتر لکھی ہوئی تحریر کو زندہ رکھا۔

تبصرہ (۲)

حضرت مولانا سیّد شاہ محمد حبیب الحق قادری، سجادہ نشین عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ کی تقریظ کا یہ حصہ ملاحظہ کیجئے:۔

"........عام طور پر حضراتِ اہل حدیث کہا کرتے ہیں کہ مسلک حنفی کا دارومدار صرف حضرت امام اعظم یا ان کے چند شاگردوں کی رایوں پر ہے اس کو احادیث سے کوئی تعلق نہیں، اس کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا اور واضح کر دیا کہ

مسلکِ حنفی کا کوئی جزئیہ حدیث کے خلاف نہیں (۲)

مذکورہ بالا تبصرہ کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علاّمہ مفتی ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''صحیح البہاری'' لکھ کر حنفیوں کے سر سے بہت بڑے الزام دفعہ کر کے یہ ثابت کر دکھایا کہ مسلک احناف کا دارومدار صرف رایوں پر نہیں بلکہ حدیث کی مضبوط و مستحکم بنیاد پر اس کی عمارت کھڑی ہے، معترض اپنی معلومات کی کمی کی وجہ سے حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں، ''صحیح البہاری'' کو دیکھ کر اہل حدیث کے عالم مولوی اصغر علی جعفری کیا کہا مندرجہ ذیل تبصرہ میں ملاحظہ کیجئے۔

تبصرہ (۳)

مولوی اصغر علی جعفری، اہلِ حدیث، صدر مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین، پٹنہ:۔

موصوف صحیح البہاری کے تعلق سے اپنے تبصرہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اگر اس کتاب کی تدوین اس زمانہ میں ہوئی ہوتی جب دینی حکومت برسرِ عروج اور مسلمانوں کا مذہبی و ملکی قانون فقہ اسلامی تھی، تو کوئی شبہ نہیں کہ مصنف کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا.....الخ (۳)

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ہی اتنا پُر مغز اور قیمتی تبصرہ سامنے آیا ہے، یہاں ''من تراحاجی بگویم تو مُرا حاجی بگو'' والا معاملہ نہیں ہے، یہاں علوم وفنون کی میزان ہی کام آئی ہے، علم وآگاہی کے جوہر ہی ساتھ دیئے ہیں، حدیث شناشی کا عمل ہی سرچڑھ کر بول رہا ہے، فکرو دانشمندی کے سورج کو دیکھ کر ہی اتنی قیمتی باتیں کہی گئی ہیں، ملک العلماء لعلماء کا محدّ ثانہ انداز ہی نہیں ہے بلکہ اگر جوہر سناش زمانہ ہوتا تو ملک العلما کا ائمہ حدیث میں شمار ہوتا، ہیرے کے پرکھنے والے ہوتے، تو ملک العلماء انعام واکرام سے نوازے جاتے ،بغداد کے جیسا علم کا بازار ہوتا، تو ملک العلما کے علم کی دھوم ہوتی، صحیح البہاری سے درس گاہیں مزّین ، لائبریریاں پُر ہوتیں، نجی کتب خانے سجے ہوئے ہوتے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دھیان کی کرنیں ابھی تک اس جانب ملتفت نہیں ہوئی ہیں، دھرتی کا سینہ سوکھ جانے کے بعد بادلوں کو بھی رحم آجاتا ہے اور وہ اپنی آنکھیں اشکبار کرکے زمین کو سیراب کردیتے ہیں ،اپنی صفات کے دروازے کھول دیتے ہیں، سخاوت کی دھوم مچا کر زمین کا سینہ سیراب کر کے اپنی حقیقت بتلاتے ہیں کہ ہم ہیں کیا! لیکن ''صحیح البہاری'' کے نہ چھپنے پر ہم سینوں کو کوئی افسوس نہیں ہے، اتنی قیمتی دولت کے منظر عام پر ابھی تک نہ آنے سے ہماری آنکھیں اشک بار نہیں ہوئیں، ہمارا دل نہیں تڑپا، ہماری نیندیں اُچاٹ نہیں ہوئیں، ہماری صفات کا باب وا نہیں ہوسکا، ہماری سخاوت کا در کھُل نہیں سکا ، نہ ہمارے دل میں کسک پیدا ہوئی، نہ ہم اس پر آہ کر سکے نہ اُف..... ''صحیح البہاری'' کے لئے ہم ابر کی طرح برسنا بھول گئے، ''صحیح البہاری'' کو ہم شائع کریں گے، تو ملک العلماء کے اوپر نہیں، بلکہ اپنے اوپر، اپنی نوجوان نسل کے اوپر، اپنی قوم کے اوپر احسان کریں گے، اللہ کرے کہ ''صحیح البہاری'' چھپ جائے تاکہ انتظار کی گھڑی ختم ہو۔

تبصرہ (٤)

مولانا علی احمد مصباحی سیوانی نے ۱۹۹۰ء صحیح البہاری پر تبصرہ تحریر کیا:۔

حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم عالم دین اور مجاہد سنیت کے علمی کارناموں کی قدر نہیں ہوسکی، جس کا نتیجہ ہے کہ اہل علم کا طبقہ بھی اور خاص طور پر نئی نسل کے پروردہ ملک العلماء کی علمی خدمات سے

نا آشنا ہیں، آپ کی تصانیف میں ''جامع الرضوی المعروف به صحیح البهاری '' چھ جلدوں پر مشتمل ہے، ہر جلد میں تقریباً آٹھ سو صفحات ہیں، اس کتاب میں اندازاً نو ہزار احادیث درج ہیں (۴)

مولانا علی احمد مصباحی صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ کتاب اس لائق تھی کہ اس کو احناف کی تمام عربی درس گاہوں میں داخل نصاب کیا جاتا۔ وہ ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے اہلسنّت کے بڑے بڑے مدارس مثلاً اشرفیہ مبارکپور، جامعہ اہلسنّت ناگپور، جامعہ نعیمہ مرادآباد، دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف جو مرکزیت کے دعویدار ہیں، نے بھی اس کو درخور اعتنائی نہیں سمجھا بالخصوص دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف نے بھی جس کا قیام ہی ملک العلماء کا رہین منت ہے، اس کتاب کو داخل نصاب نہیں کیا، ان میں کسی درسگاہ کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اعلیحضرت کے اس مایہ ناز شاگرد کو اس کتاب کے ذریعہ یاد رکھے جانے کا اہتمام کرے (۵)

موصوف کی باتیں قابل غور ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''صحیح البہاری'' کو ہندوستان میں شائع ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے، کتاب عام نہیں ہے، کتب خانوں سے دستیاب نہیں ہے تو اس کو داخل نصاب کیسے کریں گے؟ داخل نصاب کرنے کی باتوں سے زیادہ ضرورت ہے ''صحیح البہاری'' کو شائع کرنے کے بارے میں غور وفکر کرنا، شائع کرنے کی راہ ڈھونڈنا اور شائع کر کے عام کرنا، کتاب عام ہوگی، تو داخل نصاب بھی ہوگی، کتاب عام ہو تب تو مدارس کے مدرسین کو منصرمین کو منتظمین کو آواز دی جائے، تب نہ دردمندوں کی آواز پر لوگ آگے بڑھیں گے، لبیک کہیں گے، طلبا کو راغب اور کتاب کو داخل نصاب کریں گے، دوسرے اداروں کو داخل نصاب کرنے کی ترغیب دیں گے، اہمیت بتائیں گے، لہذا اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے احساسات کے پیش نظر عملی دنیا میں آکر ''صحیح البہاری'' کو شائع کرنے کا انتظام کریں۔

تبصرہ نمبر (۵)

ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ نے ۱۹۹۲ء لکھا کہ:۔

''ملک العلماء فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا جو موید مسلک اہل سنّت واحناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ ومصدر، انہوں نے وہ تمام روایات جمع کیں، جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو، جس کی سند واستشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو''۔ (۶)

مذکورہ تحریر پر غور کیجئے کہ ''صحیح البهاری '' کتنی محنت اور جانفشانی سے لکھی گئی ہے، تقریباً ۶۰۰۰ رصفحات پر پھیلی ہوئی ''صحیح البهاری '' کے لئے کتنی احادیث کی کتابوں اور کتنے صفحات کا مطالعہ کیا گیا ہوگا، ایک باب کے لئے ایک حدیث ایک کتاب سے، دوسری حدیث دوسری کتاب سے اس طرح نہ جانے کتنی کتابوں سے احادیث اخذ کر کے ایک باب مکمل کیا گیا ہوگا، اس میں کتنا عرصہ لگا ہوگا، اس کا اندازہ تو قلم پکڑنے والے اور تصنیف وتالیف کی راہوں سے گزرنے والے ہی لگا سکتے ہیں، اس تعلق سے ڈاکٹر مختار الدین احمد نے جو لکھا ہے، اس کا مطالعہ کیجئے۔

''ملک العلما نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا خاصا حصّہ صرف کیا، فقہی ابواب کی ترتیب پر، انہوں نے اسے چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کا نام 'الجامع الرّضوی المعروف بصحیح البهاری '' رکھا، ترتیب اس طرح تھی، جلد اوّل: کتاب العقائد۔ جلد دوم: کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ۔ جلد سوم: کتاب الزکوۃ، کتاب الحج، کتاب

الصوم۔ جلد چہارم: کتاب النکاح تا کتاب الوقف۔ جلد پنجم: کتاب البیوع تا کتاب الغصب۔ جلد ششم: کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض، ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مرتب کرنے کا خیال تھا، جلد اول یعنی کتاب العقائد میں اختلافی مسائل تھے اس لئے اسے پہلے نہ شائع کرکے دوسری اور تیسری جلد جو طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ وحج پر مشتمل تھی شائع کرنے کا منصوبہ فاضل مصنف نے بنایا، اس لیے کہ عام مسلمانوں کو ان مسائل کی واقفیت کی زیادہ ضرورت ہے۔

"صحیح البہاری" کی جلد دوم جو طہارت وصلوۃ کی احادیث پر مشتمل ہے، آسانی کے لئے چار حصوں میں شائع کی گئی، پہلا حصہ یعنی کتاب الطہارۃ، ۲۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۲۲۴ر احادیث درج ہیں، یہ حصہ شیخ غفور بخش کے ابو العلائی الکٹرک پریس آگرہ سے ۱۹۳۱ء میں چھپا، بقیہ تین حصے جو کتاب الصلوۃ پر مشتمل ہیں، سیّد منظر علی دسنوی کے برقی پریس، سبزی باغ پٹنہ سے ۱۹۳۲ء میں چھپنے شروع ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں اختتام پذیر ہوئے، دوسرا حصہ جو ۲۸۸ر صفحات پر مکمل ہوا، اس میں ۳۰۶۸ر حدیثیں ہیں، تیسرے حصے کے صفحات ۲۱۶ر ہیں اور حدیثوں کی تعداد ۲۱۳۶ر ہے، چوتھے حصے کے صفحات کی تعداد ۲۳۹ر ہے اور یہ ۱۸۴۹ر احادیث پر مشتمل ہے، مکمل جلد کے صفحات ۹۶۰ر ہیں اور احادیث کی مجموعی تعداد ۹۲۸۷ر تک جا پہنچی ہے، مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں "صحیح البہاری" کی مطبوعہ جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

'صحیح البہاری' کی اشاعت کے بعد اسے عظیم الشان علمی ودینی کارنامہ قرار دیا گیا اور ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں نے اس کتاب کی پذیرائی کی، علما نے اس پر تقریظات لکھیں، اور علمی ودینی اخبارات ورسائل میں بہت اچھے تبصرے شائع ہوئے اور اس کتاب کو علم حدیث وفقہ حنفی کی بہت مفید خدمت بتائی۔

'صحیح البہاری' آج سے نصف صدی پہلے شائع ہوئی تھی، اس کے نسخے کمیاب ہی نہیں اب نایاب ہوگئے تھے، دوسرے اڈیشن شائع کرنے کی عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی لیکن "کُلّ اُمر مرھون باوقاتہ" احادیث نبوی کی وسیع پیانے پر اشاعت کی سعادت یعنی "بَلِّغُوْعَنِّی وَ لَوْ ایۃً" (بخاری) والے ارشاد گرامی کی تعمیل، پاکستان کے چند عزیز کرم فرما حضرات کیلئے مقدر ہوچکی تھی، جن کی توجہ وعنایت سے یہ کتاب دوبارہ منظر عام پر آرہی ہے، خدا انہیں جزائے خیر دے اور انہیں توانا وتندرست رکھے کہ وہ بدستور دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہیں (۷)

ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس تبصرے سے بہت حد تک "صحیح البہاری" کا پس منظر سمجھ میں آجاتا ہے کہ پہلی جلد کے چاروں حصے میں کتنے صفحات اور کتنی احادیث ہیں، پہلے اڈیشن کو مصنف علام نے کتنی محنت سے شائع کیا ہے، اس کے شائع ہونے میں کتنا عرصہ لگا وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے تبصرے سے معلوم ہوا کہ "صحیح البہاری" کے دو ایڈیشن شائع ہوئے ہیں پہلا ایڈیشن، ۱۹۳۱ء میں شروع ہوکر ۱۹۳۷ء میں مکمل ہوا، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء میں حیدرآباد سندھ سے اس کے بعد تیسرا ایڈیشن برکات رضا ممبئی سے ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں، اور "تاریخ جماعت رضائے مصطفٰے" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "جامع الرّضوی المعروف بہ صحیح البہاری" کا ایک ایڈیشن "جماعت

رضائے مصطفےٰ'' بریلی کے اشاعتی شعبہ نے '' قادری پریس بریلی، سے شائع کیا تھا، دوسو بتیس (۲۳۲) کتابوں کی فہرست میں سب سے اخیر میں درج ہے ''جامع الرّضوی المعروف به صحیح البهاری'' مولانا ظفر الدین بہاری (۸)

اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ کتاب کی کتنی جلدیں اور کس سن میں شائع ہوئیں، اس فہرست کو دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مذکورہ اشاعتی شعبہ نے ملک العلماء کی ''مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرش'' بھی شائع کیا تھا۔

تبصرہ نمبر (۶)

پروفیسر مجید اللہ قادری نے ۱۹۹۲ء میں اس طرح اظہار خیال فرمایا:۔

''جامع الرّضوی المعروف به صحیح البهاری'' علم حدیث کی تدوین میں یہ ایک ایسی روشن خدمت ہے جو کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی، اس کتاب نے فقہ حنفی پر طعنہ زنی کرنے والوں کی زبان گنگ کردی ہے، جامع الرّضوی چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس میں فقہی ابواب کی ترتیب اس طرح ہے۔

(ا)..........المجلد الاوّل..............در بیان عقائد

(ب)..........المجلد الثانی.............در بیان طہارت، صلوۃ

(ج)..........المجلد الثالث.............در بیان زکوۃ، صوم، حج

(د)......المجلد الرابع..............در بیان کتاب النکاح تا وقف

(ہ)......المجلد الخامس........در بیان کتاب البیوع تا غصب

(و)........المجلد السادس.............کتاب الشفعہ تا فرائض

ہر جلد میں تقریباً آٹھ سو صفحات ہیں، اس کتاب میں اندازاً نو ہزار احادیث درج ہیں احادیث کا یہ ایک ایسا مجموعہ ہے۔ جس میں مصنف نے ایک طرف وہ تمام روایات جمع فرمائیں، جن پر مسلکِ حنفی کی عمارت تعمیر ہوئی ہے اور کوشش کی ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ مسلمہ ایسا نہ رہ جائے جس کی سند واستشہاد میں خبر واثر نہ پیش کی گئی ہو اور دوسری طرف ایمان افروز مقدمہ لکھ کر مستند محدثین وا کابر علمائے اصول سے یہ ثابت کیا ہے کہ سلسلہ رواۃ میں کسی راوی کے مجروح ہونے سے روایت نا قابلِ استناد نہیں ہوجاتی اور نہ اصطلاحاً کسی حدیث کو ضعیف یا متروک کہنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ روایت قطعاً بے اصل یا نا قابلِ اعتماد ہے، بلکہ یہ سب محض فنی اصطلاحات ہیں'' (۹)

مذکورہ بالا تبصرہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ ''صحیح البہاری'' کے اوراق کی مجموعی تعداد کتنی ہیں اور وہ اپنے سینے میں نو ہزار (۹۰۰۰) احادیث کے ذخیرہ کو سموئے ہوئے ہے۔ مصنف کی خوبی اور ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے انہیں احادیث کو جمع فرمایا ہے جن پر مسلک حنفی کی عمارت تعمیر ہوئی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مستند محدّثین اور اکابر علمائے اصول کے قول کی روشنی میں ان مسائل کو بھی سلجھا دیا ہے کہ راوی کے قول وفعل وعمل کی کمزوری کی بنیاد پر روایت نا قابلِ عمل نہیں ہوسکتی ہے اور ضعیف یا متروک تو صرف فنی اصطلاحات ہیں، یہ بہت ہی عمدہ بات ہے، ضعیف یا متروک کی رٹ لگانے والوں کے لئے بہترین سند ہے، کتاب کی انہیں خوبیوں کو دیکھ کر اہل علم نے کتاب کو سراہا، داد دی، مصنف کو سپاس نامہ پیش کیا، گلے سے لگایا اور کتاب پر تبصرے تحریر کئے، اسی سلسلے کا ایک اور تبصرہ پڑھیے۔

تبصرہ (۷)

پروفیسر مجید اللہ قادری ۱۹۹۲ء میں ہی ایک جگہ اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:۔

''جامع الرّضوی المعروف بصحیح

البھاری" (۱۳۴۵ھ) خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطۂ نظر سے اس کتاب میں صرف ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو مؤید مسلک اہلسنّت واحناف ہوں اور فقہ حنفیہ کا ماخذ ومصدر، آپ نے احادیث کی تمام کتب کھنگال کر وہ تمام روایات جمع کی ہیں، جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے، یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور حال ہی میں اس کی دوسری جلد جو ۱۰۰۰ رصفحات پر مشتمل ہے حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے (۱۰)

تبصرہ نمبر (۸)

حضور سراج ملت مولانا سیّد سراج اظہر قادری رضوی نے ۲۰۰۲ء میں لکھا کہ:۔

"جامع الرّضوی المعر و ف به صحیح البھاری"
آج سے پچاس سال پہلے چھپی جس کے نسخے اب نایاب ہو چکے تھے، اس کا عکس خواجہ پرنٹنگ پریس حیدر آباد سندھ پاکستان والوں نے چھاپا ہے، ہندوستان میں اس کے حصول اور استفادہ کی کوئی سبیل نہیں ہے، اشاعت سنّیت ورضویت میں عالمگیر شہرت یافتہ "رضا اکیڈمی" بمبئی کے روح رواں برادر دینی الحاج محمد سعید نوری حفظہ اللہ جنہوں نے کنز الایمان فی ترجمۂ قرآن، صحیح بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، فتاویٰ رضویہ متن وشرح کے علاوہ درسی وغیر درسی چھوٹی بڑی سینکڑوں کتابیں افادۂ عام کے لئے شائع فرمایا، مولیٰ تعالیٰ اشاعت خیر کے لئے انہیں سلامت رکھے" جامع الرّضوی" کی طرف توجہ کردیں، توسنّیت وحنفیت کی بے مثال اشاعت ہوجائے، اس کی اشاعت ان کی گردن پر فرض کفایہ ہے، مولیٰ تعالیٰ، رسول اعظم، امام اعظم، مجدد اعظم، مفتی اعظم کے صدقے جلد از جلد طباعت کرانے کی توفیق عطا فرمائے (۱۱)

پُر درد لہجے میں دی گئی صدا پر بھی کوئی جنبش نہیں ہوئی، نہ کوئی فرد ہلا نہ ارادہ کیا، نہ کوئی آگے بڑھا نہ کوئی "صحیح البھاری" کی اشاعت کے لئے میدان میں نکلا، نہ کسی نے ہاں کی نہ ہوں، ہماری بے حسی کی وجہ سے جنگل میں منگل نہیں ہوسکا، ظلمت کی راہ میں کوئی نور لے کر نہیں آیا، سب کے سب انتظار میں ہیں دیکھئے پہل کون کرتا ہے، آگے کون بڑھتا ہے، صحیح البھاری کو سینے سے لگا کر پریس تک کون پہنچاتا ہے۔

جب کہیں سے کوئی آواز نہیں آئی، کوئی بیداری پیدا نہیں ہوئی، طوفان اٹھانے پر بھی پتّا نہیں ہلا، کوئی جنبش نہیں ہوئی بند باب وانہیں ہوئے، نہروں، تالابوں، دریاؤں یہاں تک کہ سمندروں میں بھی کوئی لہر پیدا نہیں ہوئی، مزید انتظار کرنے میں ظلمت کے بڑھ جانے کا شدید خطرہ تھا۔ آخر کار سراج ملّت حضرت مولانا سید سراج اظہر قادری رضوی کمر کس کر اُٹھے، اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے شاگرد فاضل بہار کی لکھی ہوئی "صحیح البھاری" کا وہ نسخہ، جو حیدر آباد سندھ سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا، ۲۰۰۳ء/۱۴۲۴ھ میں سینے سے لگا کر پریس پہنچانے کا انتظام فرمایا "صحیح البھاری" شائع ہوئی، نا سے ہاں تو ہوئی، کچھ نہ تھا، تو کچھ تو ہوا۔ بقول مولانا احمد مصباحی، مدرس دار العلوم فیضان مفتی اعظم ممبئی، کہ حضرت سراج ملّت نے "صحیح البھاری" شائع کر کے عالموں، مفکروں، دانشوروں مدرسوں اور لائبریریوں کو مفت تقسیم فرمایا اور ۱۰ رشوال ۱۴۲۵ھ ۴ رنومبر ۲۰۰۴ء میں جب آپ نے دار العلوم فیضان مفتی اعظم قائم کیا تو دار العلوم کے نصاب میں "صحیح البھاری" کو شامل کر کے دیگر مدارس اہلسنّت کے ذمہ داروں کو بھی پیغام دیا کہ آپ بھی "صحیح البھاری" کو اپنے دار العلوم میں داخل نصاب کریں۔

اس کے باوجود ہزاروں اہل علم ابھی بھی تشنہ ہیں، کنویں سے دور ہیں، دور تک سیراب ہونے کی کوئی سبیل نظر نہیں آرہی ہے،

کس کو آواز دی جائے، کس کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے، غاریٔ وقت سراج ملت حضرت مولانا حافظ سید سراج اظہر قادری رضوی کا ہی دامن تھاما جائے اور کہا جائے کہ حضرت آپ ہی قدم آگے بڑھایئے، اس لئے کہ زمینداری کے دور میں ایک زمیندار صاحب ہر سال اپنی زمینداری کے علاقہ میں جا کر رعایا کو جمع کرتے اور سب سے پوچھتے تھے کہ فلاں فلاں، فلاں کے یہاں کتنے دنوں کی مالگذاری باقی ہے؟ ایک کہتا میرے یہاں ایک سال کی، دوسرا کہتا میرے یہاں نو سال کی، تیسرا کہتا میرے یہاں دس سال کی باقی ہے، جتنے لوگوں کے یہاں سال دو سال کی مالگذاری باقی ہوتی زمیندار صاحب انہیں لوگوں کو کہتے تھے کہ تم لوگ بقایا جمع کرو، نو اور دس سال کا بقایا رکھنے والوں کو کچھ نہیں کہتے، کسی نے زمیندار سے پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے کہ زیادہ دنوں کا بقایا رکھنے والوں سے نہیں مانگتے اور سال دو سال والوں سے ہی تقاضا کرتے ہیں؟ زمیندار نے کہا کم دنوں کا بقایا رکھنے والوں کو دینے کی عادت ہے، اسی لئے ان سے مانگتا ہوں، اس واقعہ کی روشنی میں دیکھا جائے، تو سراج ملت نے بہت ساری اہم دینی کاموں میں پہل کر کے وہ کارنامے انجام دیئے ہیں، جو مدتوں یاد رکھے جائیں گے، لہٰذا ان سے ہی درخواست کی جائے آپ صحیح البہاری کو پھر سے شائع کرا دیں تا کہ تشنہ لوگ سیراب ہو جائیں۔

تبصرہ (۹)

مولانا ظہور الحسن نوری، خطیب و امام رضا مسجد، درگاہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف ۲۰۰۲ء میں لکھا:۔

آپ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ صدیوں تک ہندوستان میں شافعی علما کے تیار کردہ احادیث کے مجموعے پڑھائے جاتے رہے، ملک العلماء نے ان احادیث مبارکہ کا ایک ایسا نسخہ تیار کرنے کا ارادہ کیا، جس میں وہ احادیث جمع کردی جائیں جن سے مسلکِ اہل سنّت و جماعت اور مذہب حنفی میں استدلال کیا جا سکے، تو آپ نے "صحیح البہاری" کی ترتیب دی جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد چار چار حصوں پر یعنی کل چوبیس حصوں پر مشتمل ہے۔(۱۲)

موصوف کے تبصرہ کی روشنی میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ ملک العلماء نے حنفیوں کو اس دولت سے نوازا ہے جس دولت سے ان کا گھر سونا تھا، جس کے لئے وہ ترستے تھے، دوسروں کے محتاج تھے، دوسروں کے مرہون منت تھے، ان کے پاس اپنی دولت نہیں تھی، فخر کا سامان نہیں تھا، سر اٹھا کر بات کرنے کی پونجی نہیں تھی، فقہ حنفی سے استدلال کرنے کا وہ سامان نہیں تھا، جو ہونا چاہئے تھا، جو کسی نے نہیں کیا، جو کسی نے نہیں دیا، وہ ملک العلماء نے کیا، ملک العلما نے دیا، لیکن پھر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلیں، ملک العلما کی دی ہوئی دولت کو ہم نے دیکھا پرکھا، ماشا اللہ، سبحان اللہ، بہت خوب ہے کہا اور کہہ کر آنکھیں بند کر لیں، سوال پیدا ہوتا ہے، کیوں؟ ہم کہتے ہیں، اللہ جانے لیکن اب آنکھیں بند کرنے کا نہیں، آنکھیں کھولنے کا وقت ہے "صحیح البہاری"، کے چھاپنے کا، درسگاہوں میں پہنچانے کا، ہند و پاک کے علاوہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلانے کا، اس کے تعارف کرانے کا وقت ہے، اس کے لئے سونے کی نہیں، بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔

تبصرہ (۱۰)

مفتی محمد اشرف رضا قادری، ادارہ شرعیہ، مہاراشٹر نے ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں رقم فرمایا:۔

"سرکار اعلیٰ حضرت کے جملہ تلامذہ وخلفاء واحباء کی کتب و تصانیف سے حنفیت کی نصرت وحمایت اور اشاعت ظاہر

وباہر ہے مگر آپ نے اپنے احب واعز تلمیذ وخلیفہ عمدۃ الفقہاء ملک العلماء خیر المحدثین، امام المتکلمین حضرت علامہ سیّد محمد ظفر الدین احمد فاضل بہاری علیہ الباری کو اس فن حدیث میں خصوصی مہارت وملکہ عطا فرمایا اور دیگر کتب احادیث صحاح وسنن وجوامع ومسانید ومعاجیم وامالی سے ان احادیث مبارکہ کو جمع وترتیب دینے کی ترغیب وترتیب فرمائی جو سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ کے مذہب مہذب کی مؤید ہوں بفضلہٖ تعالیٰ حضرت ملک العلماء محدث بہاری علیہ رحمۃ الباری نے صحیح احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ تدوین وترتیب فرمایا، جس کی مثال امام طحاوی علیہ الرحمہ کے بعد نہیں ملتی، آپ نے اس مجموعہ کا نام ''الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری'' تجویز فرمایا، یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔''

مفتی صاحب اپنے مقدمہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں

''صحیح البہاری شریف'' کی صرف دوسری وتیسری جلدیں آج سے پچاس سال پہلے چھپی اور نایاب ہوکر رہ گئیں دوسرا ایڈیشن پاکستان سے چھپا، پہلی، چوتھی، پانچویں، چھٹی جلدیں اب تک منتظر طبع ہیں، مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب ومحبوب رحمت عالم وسیدنا امام اعظم وشیخ دہلوی محقق اعظم واعلیٰ حضرت مجدد اعظم، ملک العلماء محدث اعظم ومیرے مرشد سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روحانیت پاک کے صدقے وطفیل اپنے بندوں کو ''صحیح البہاری'' کی تمام جلدوں کی اشاعت کی توفیق رفیق عطا فرمائے، جس وقت یہ تمام جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم وفن کے سامنے آئیں گی تو فن حدیث میں مہارت رکھنے والے انصاف پسند غیر متعصب اعتراف حق کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ جامع اپنی جامعیت وافادیت کے سبب صحاح ستہ پر یک گونہ فوقیت رکھتی ہے۔ (۱۳)

''الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری'' کی اہمیت کے قائل اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی، محدثین بھی ہیں، مفکرین بھی، مدرسین بھی ہیں اور طلبا بھی، اور اس کے نہ چھپنے کا غم، کسک، ٹیس اور درد ہر اہل علم کے سینے میں ہے، لیکن میں پوچھنا چاہوں گا کہ آخر آپ حضرات اس درد کو کب تک اپنے سینے میں چھپائے، بسائے، پالے اور اپنے آپ کو اس غم میں گھلاتے رہیں گے یا اس غم کے مداوے کی راہ بھی ڈھونڈیں گے؟ کونسا غم ہے کہ جس کا علاج نہیں ہے؟ تفکر وتدبر سے کام لیجئے، سر جوڑ کر بیٹھئے، اپنی بات کھل کر کہئے اور دوسروں کی بھی سنئے، مخیّر حضرات کو دعوت دیجئے، اہل ثروت کو بلائیے ''صحیح البہاری'' سے متعلق گفتگو کیجئے، مخیّر اور اہل ثروت حضرات نے ہاں کردی، تو سبحان اللہ اور اگر نفی میں جواب دیں، تو آگے بڑھئے، کنواں اور دریا کہلانے والے اشاعتی ادارہ کے پاس چلئے، اگر یہ بھی خشک ثابت ہوں، تو خود سے کنواں کھودیئے، انشاءاللہ یہی کنواں دائمی ہوگا جو اہل علم کی پیاس بجھائے گا۔

تبصرہ (۱۱)

مفتی محمد ارشاد احمد رضوی ساحل سہسرامی ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں تحریر فرمایا:۔

حضرت ملک العلما نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا، وہاں علمی صدارت کی شہ نشینی آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی، اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا، اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی، وعظ وتذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے، فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر

دسترس کا کافی ثبوت ہیں، لیکن اس فن شریف (علوم حدیث) میں آپ کی سب سے انمول یادگار ہے" جامع الرّضوی معروف بہ صحیح البہاری" چھ جلدوں میں آپ نے مذہب حنفی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا، مصنّف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہوسکی، جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمتِ حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا، اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدّث سورتی مولانا وصی احمد پیلی بھیتی، مولانا عبدالقدیر پروفیسر حدیث وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سیّد حیدر ولی اللہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلماء کی حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا، خاص طور سے ۲۵/صفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ (۱۴)

'جامع الرّضوی معروف بہ صحیح البہاری' کی تمام جلدیں چھپ کر منظر عام پر آجائیں، نئی نسل کے علما، دانشوروں، محدّثوں اور مفکروں کے پاس پہنچ جائیں تو پھر ایسا غلغلہ مچ جائے گا، چھپی ہوئی چنگاری پر ابھی ایک دو ہی پھونک ماری گئی ہے کہ "صحیح البہاری" کو شامل درس کرنا چاہئے تو خبریں آنے لگی ہیں کہ "صحیح البہاری" دارالعلوم منظر اسلام بریلی، مدرسہ اہل سنّت و جماعت جامعہ نعیمیہ مرادآباد اور مدرسہ شمس الہدیٰ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ میں داخل نصاب تھی، آخر نصاب سے خارج کیوں کردی گئی؟ تو ڈاکٹر حسن رضا صاحب پی ایچ، ڈی پٹنہ نے آواز دی کہ "صحیح البہاری" مدرسہ شمس الہدیٰ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ میں آج بھی داخل نصاب ہے، بات واضح ہوئی حوصلہ بلند ہوا، خوشی ہوئی کہ ملک العلماء کو لوگ بھولے نہیں ہیں، ہم لوگ ہی بے خبر ہیں، "دارالعلوم فیضان مفتی اعظم" ممبئ میں بھی داخل نصاب ہے۔

تبصرہ (۱۲)

مولانا ملک الظفر سہسرامی نے ۲۰۰۸ء میں رقم فرمایا:۔

حضور ملک العلماء کی یہ مایہ ناز تالیف بلاشبہ کتب حدیث میں امتیازی خصوصیت رکھتی ہے بالخصوص فقہ حنفی کی تائید پر مشتمل احادیث کے تعلق سے تو اس کا ثانی نہیں، فنّی اعتبار سے یہ کتاب سنن میں داخل ہے، جن میں فقہی ابواب کی ترتیب پر احادیث جمع کی جاتی ہیں، صحیح البہاری تمام سنن کے مقابلے میں جامع ترین ہے۔ کیوں کہ اس میں نہ صرف سنن بلکہ جامع، مسانید، معاجم اور ان کے مندرجات و مستخرجات یہاں تک کہ اجزاء، امالی اور اطراف تک کو شامل ہے، دیگر سنن کے مقابلے میں اس کا دائرہ بھی بہت پھیلا ہوا ہے، عنوانات باب کے اعتبار سے سنن اربعہ میں سنن نسائی سب سے وسیع ہے، اب آپ دیکھیں سنن نسائی کتاب الطہارت کے کل ابواب ۳۶۲/ ہیں اور اس کے تحت احادیث کی تعداد ۲۲۰۰/ ہے۔

حدیث سے استخراج و استنباط کردہ مسائل کو ترجمۃ الباب کہا جاتا ہے، جس کتاب کے تراجم زیادہ ہوں گے لازماً اس میں مستنبط مسائل کا ذخیرہ بھی کثیر ہوگا، یہ کثرت ابواب مصنف کی قوت استنباط و استخراج کی وسعت کی دلیل ہوگی، ملک العلماء نے اپنی

اس تالیف میں ثابت فرمادیا ہے کہ فقہ حنفی میں جزئیات کی اکثریت ائمہ احناف کے یہاں ذخیرۂ احادیث کی کثرت پر دال ہے، صحیح البہاری میں ملک العلماء نے فقہی جزئیات کی طرح تراجم میں من، این، متی، کم، کیف وکذا، یوں ہی احکام سبعہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ کوانواع واحکام کے طور پر سمونے کی کوشش کی ہے، کتاب کے تراجم میں "مسواک الزیتون والاراک" "ارسال الماء من فوق الوجه" مراعاة ادلة المواقيت الشفق هو البياض، كسر اصابع الرجلين في السجود، ضم اعضاء للنساء، جعل الاصابع الى القبلة في السجدة، لم يسمى صلوة ليالي رمضان بالتراويح، اوران جیسے دوسرے ابواب قائم کرکے نہ صرف یہ کہ کتاب میں ندرت پیدافرمائی بلکہ اسے حنفی مسلک کا باقاعدہ ترجمان بنایا، مصنف علیہ الرحمہ نے خطبے میں حدیث کے انواع واقسام کتب اصطلاح کو حمد، صلوۃ اور نعت میں استعمال فرما کر نہ صرف فن حدیث میں بلکہ عربی ادب میں بھی اپنی ماہرانہ وخداداد صلاحیتوں کا اظہار فرمایا ہے، کتاب کے آغاز میں ۲۵ رصفحات پر مشتمل ایک جامع مقدمہ ہے، جوفن حدیث کا مختلف جہتوں سے احاطہ کئے ہوا ہے، جس کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ فن حدیث میں گہری بصیرت حاصل ہوتی ہے، بلکہ مسلک اہل سنت سے متعلق دوسرے فرق باطلہ کی تمام تشکیکات واغلوطات کے جواب کے لئے ضروری مواد بھی فراہم ہوجاتے ہیں، مختصر یہ کہ اس کتاب کا مطالعہ سیکڑوں کتابوں سے بے نیاز کردیتا ہے(۱۶)

آخری بات:

مذکورہ بالا قدیم وجدید تبصرے کے مطالعہ سے "صحیح البہاری" کی اہمیت کی وضاحت تو ہوجاتی ہے لیکن ضرورت دامن گیر ہے اور اس کا مطالبہ بھی حق ہے، اس سے دامن چھڑانا مشکل ہے، آنکھیں بند کرلینا ناانصافی ہے، ایسی حالت میں ملت کے غیوروں کو سوچنا ہوگا کہ مطالبہ حق ہے تو اس کو پورا کیسے کیاجائے؟ دنیا کا، ملک کا، ملت کا، سماج کا، معاشرے کا مشکل سے مشکل مسئلہ حل ہوجاتا ہے تو "صحیح البہاری" کے شائع کرنے کا مسئلہ بھی حل ہوسکتا ہے بشرط کہ خلوص نیت سے ہم آگے بڑھیں تو انشاءاللہ یہ مسئلہ بھی حل ہوجائے گا، اللہ کرے ایسا ہی ہوجائے۔ آمین ثم آمین۔ ☆☆☆

ماخذ مراجع

(۱) تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت
ص ۳۰۶۔۳۰۷، مرتبین۔محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری، ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
(۲) ماہنامہ "اشرفیہ" مبارک پور، ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۳۵
(۳) تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت
ص ۳۰۷، ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، مرتبین محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری
(۴) نور مصطفے، پٹنہ۔ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۰ء
(۵) نور مصطفے، پٹنہ۔ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۰ء
(۶) حیات ملک العلماء ص ۳۸۔۳۹، ازقلم ڈاکٹر مختار الدین احمد علیگڑھ
(۷) حیات ملک العلماص ۳۹۔۴۰، ازقلم ڈاکٹر مختار الدین احمد علیگڑھ
(۸) "تاریخ جماعت رضائے مصطفے" ص ۱۱۰، ازقلم محمد شہاب الدین رضوی
(۹) تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت ص ۳۰۵۔۳۰۶،
ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، مرتبین محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری

(۱۰) تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت ص ۳۰۹۔۳۱۰،
ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، مرتبین محمد صادق قصوری
و پروفیسر مجید اللہ قادری

(۱۱) حیات ملک العلماء ص ۵، ازقلم ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ

(۱۲) ماہنامہ اعلیٰ حضرت ص ۱۲۷۰ اپریل تا جون ۲۰۰۲ء

(۱۳) مقدمہ ''الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری''
ص ۵۔۶، ناشر انجمن برکات رضا، سید ابوالہاشم اسٹریٹ
(پھول گلی) ممبئی ۳۔ سال اشاعت ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

(۱۴) فتاویٰ ملک العلماء ص ۱۳۔۱۴،
ازقلم مفتی محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی

(۱۵) ماہنامہ جامِ نور ص ۲۸۔۲۹، اکتوبر ۲۰۰۸ء

(۱۶) ماہنامہ جامِ نور دہلی ص ۳۲۔۳۳، اکتوبر ۲۰۰۸ء

☆☆☆

جب کہیں سے کوئی آواز نہیں آئی، کوئی بیداری پیدا نہیں ہوئی، طوفان
اٹھانے پر بھی پتّا نہیں ہلا، کوئی جنبش نہیں ہوئی بند باب وا نہیں ہوئے، نہروں،
تالابوں، دریاؤں یہاں تک کہ سمندروں میں بھی کوئی لہر پیدا نہیں ہوئی، مزید
انتظار کرنے میں ظلمت کے بڑھ جانے کا شدید خطرہ تھا. آخر کار سراج ملّت
حضرت مولانا سید سراج اظہر قادری رضوی کمر کس کر اُٹھے، اعلیحضرت
فاضل بریلوی کے شاگرد فاضل بہار کی لکھی ہوئی ''صحیح البہاری'' کا وہ
نسخہ، جو حیدرآباد سندھ سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا، ۲۰۰۳ء/۱۴۲۴ھ میں
سینے سے لگا کر پریس پہنچانے کا انتظام فرمایا ''صحیح البہاری'' شائع ہوئی، نا
سے ہاں تو ہوئی، کچھ نہ تھا، تو کچھ تو ہوا. بقول مولانا احمد مصباحی، مدرس
دارالعلوم فیضان مفتی اعظم ممبئی، کہ حضرت سراج ملّت نے ''صحیح البہاری''
شائع کر کے عالموں، مفکروں، دانشوروں مدرسوں اور لائبریریوں کو مفت تقسیم
فرمایا اور ۱۰/شوال ۱۴۲۵ھ/۴/نومبر ۲۰۰۴ء میں جب آپ نے دارالعلوم فیضان
مفتی اعظم قائم کیا تو دارالعلوم کے نصاب میں ''صحیح البہاری'' کو شامل کر کے
دیگر مدارس اہلسنّت کے ذمہ داروں کو بھی پیغام دیا کہ آپ بھی ''صحیح
البہاری'' کو اپنے دارالعلوم میں داخل نصاب کریں. (مولانا ادریس رضوی)

حضور ملک العلماء کا محدثانہ مقام

ازقلم: مولانا کوثر امام قادری، استاذ دارالعلوم قدوسیہ پرسونی بازار، مہراج گنج، یوپی

یوں تو صوبہ بہار میں حضور مخدوم بہاری کے زمانے میں علوم حدیث کی صبح طلوع ہو چکی تھی، آنحضور خود زبردست محدث تھے اور آپ کے خلفاء اور خلفاء کے تلامذہ میں ایک سے زیادہ بلند پایہ محدث گذرے۔ جن میں بعض نے پوری زندگی درس حدیث میں گذاری، کچھ لوگوں نے درس وتدریس کے ساتھ حفظ حدیث کا بھی اہتمام کیا، کسی نے صحیح بخاری و مسلم کو زبانی یاد کر کے حافظ صحیحین کے لقب سے شہرت پائی، کسی نے اس زمانے میں رائج حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی سب سے پہلے شرح لکھی، کسی نے دار قطنی پر حاشیہ لکھا، کسی نے آثار السنن جیسی مختصر مگر گراں قدر مجموعہ حدیث تیار کیا، مختصر یہ کہ بہار کی سرزمین بہت پہلے ہی فرامین رسول کی خوشبو سے معطر ہو چکی تھی اور خادمان سنت نبویہ احادیث وآثار کو مرکز توجہ بنا چکے تھے۔

ان ہی خوش نصیب، فیروز مندوں اور باحوصلہ محدثین کی جماعت میں ایک ممتاز شخصیت حضور ملک العلماء کی بھی ہے۔

پیش نظر مضمون میں محدث اعظم ہند حضور ملک العلماء شاہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کی محدثانہ بصیرت و مقام کا مطالعہ مقصود ہے۔ جس کے لئے بنیادی طور پر دو چیزیں سامنے ہیں۔ ایک صحیح البہاری، دوسری مقدمہ جامع الرضوی۔ تو سب سے پہلے کچھ ابتدائی کوائف پر نظر ڈالتے ہیں۔

نام: محمد ظفر الدین

کنیت: ابوالبرکات

لقب: ملک العلماء

خطاب: فاضل بہار، محدث بہار وغیرہ

والدگرامی: عبدالرزاق اشرفی

تاریخ ولادت: ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ / ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء صبح صادق کے وقت

جائے ولادت: رسول پور، میجرا، ضلع نالندہ

نسب: حسنی وحسینی سید حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے سلسلہ نسب ملتا ہے۔

چار سال کی عمر میں والدگرامی نے پڑھائی شروع کرادی ابتدائی تعلیم قرآن مجید، اردو، فارسی کی کتابیں والدگرامی سے پڑھی، بعدہ مدرسہ غوثیہ حنفیہ موضع بین میں داخل ہوئے، وہاں کے اساتذہ سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم حنفیہ پٹنہ بہار میں داخلہ لیا۔ جہاں حضرت علامہ شاہ وصی اللہ محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ، منصب صدارت پر فائز تھے اور علوم حدیث کا دریا بہا رہے تھے۔ حضور ملک العلماء کو خوب فیض اٹھانے کا موقع ملا۔ مگر تھوڑے دنوں بعد محدث سورتی مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت چلے گئے اور حضور ملک العلماء نے دیگر مشائخ کی بارگاہوں کا رخ کیا۔

آپ کے اسفار علمیہ پر علامہ محمود احمد رفاقتی نے اچھی

روشنی ڈالی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

'ملک العلماء کے ورود کانپور کے وقت استاذ زمن حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کا آخر عہد تھا، پھر بھی ان کا بحر علم پورے زور وشور سے لہریں لے رہا تھا۔'

'حضرت ملک العلماء نے مولانا شاہ احمد حسن کانپوری سے علوم وفنون کی آخری کتابیں پڑھیں اور مولانا شاہ عبید اللہ سے ہدایہ آخرین پوری تحقیق سے پڑھی اور مولانا قاضی عبدالرزاق مرحوم سے کتب حدیث میں استفادہ کیا۔'

''ملک العلماء کو پٹنہ ہی کے زمانہ قیام میں حضرت محدث سورتی کی شفقت وعطوفت اور بلند علمی منزلت نے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ کانپور میں بھی حضرت کے دل میں محدث سورتی کی یاد کا جذبہ برقرار رہا۔ اس کے علاوہ جس چیز نے ان کو پیلی بھیت کی حاضری پر ابھارا۔ وہ دوران درس حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کی زبان حق شناس سے حضرت محدث سورتی کے وفور علمی خصوصاً مہارت علم حدیث کا مسلسل ومتواتر تذکرہ تھا۔ ۱۳۲۲ھ میں ملک العلماء کانپور سے پیلی بھیت پہنچے اور ان کے امواج بحر علم سے دوبارہ سیراب ہونے لگے۔ حضرت محدث سورتی بھی ان کی آمد سے بہت مسرور ہوئے۔'' (ماہنامہ اشرفیہ اپریل ۱۹۷۷ء، ص ۲۸)

حضرت محدث سورتی کی بارگاہ میں عموماً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ حضور ملک العلماء بغور سنتے، یہاں تک کہ آپ کے دل نے قصد بریلی پر آمادہ کیا اور کچھ دن محدث سورتی کی بارگاہ میں رہ کر سوئے بریلی روانہ ہوئے۔ ۱۳۲۲ھ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بارگاہ فضل وکمال میں پہنچے۔ چونکہ وہاں باقاعدہ مدرسہ کا قیام ابھی نہیں ہوا تھا، اس لئے اعلیٰ حضرت نے مدرسہ اشاعت العلوم میں رہنے کی اجازت دیدی اور اپنے یہاں مشق افتاء کا موقع فراہم کیا۔ بعد میں چل کر حضرت حجۃ الاسلام حامد رضا خاں اور علامہ حسن رضا خاں حسن بریلوی کے مشورہ پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا ماشاء اللہ ادارہ کی قسمت دیکھئے مدرس اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اور متدرس حضور ملک العلماء۔

علامہ رفاقتی لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری ومسلم از اول تا آخر اعلیٰ حضرت ہی سے پڑھا۔ حضرت الاستاذ پر اعلیٰ حضرت کی عنایات فزوں تر تھیں۔ خوش قسمتی سے ان کو بخاری شریف کا وہی نسخہ پڑھنے کو مل گیا، جس میں اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد سے پڑھا اور تیرہ برس کی مختصری عمر میں محشیٰ کیا تھا۔ اس حاشیہ کی قدر وقیمت کے بارے میں حضرت الاستاذ تحریر فرماتے ہیں۔

مرے بخاری شریف پڑھنے کے زمانے میں مصری بخاری کے علاوہ مولانا احمد علی سہارنپوری کے تحشیہ والی بخاری بلکہ شروح بخاری میں عینی، فتح الباری، ارشاد الساری، سب کتابیں تھیں۔ لیکن اعلیٰ حضرت کا نسخہ قلمی بخاری شریف جس میں اعلیٰ حضرت نے پڑھا تھا اور اپنے پڑھنے کے زمانے میں مصری کو محشیٰ کیا تھا اس کے افادات ونکات کی لطافت کا رنگ ہی اور تھا۔'' (اشرفیہ جولائی ۱۹۷۷ء، ص ۱۶)

۱۳۲۵ھ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے حضور ملک العلماء کو جلسہ دستار بندی کے حسین موقع پر مشائخ وقت کی موجودگی میں دستار فضیلت اور سند فضیلت عطا فرمائی۔

''حضور ملک العلماء کو ان کے شیخ نے سترہ اسانید مرحمت کئے تھے جس کی تفصیل انھوں نے اپنے رسالہ اسانید نزول

السکیۃ باسانید الا جازات المتینۃ میں تحریر فرمائی ہے۔"

آپ نے اپنے اساتذہ سے حدیث کی جن کتابوں کا درس لیا۔ سیرت نگاروں کی تحقیق کے مطابق وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) صحیح البخاری (۶) مسند امام اعظم
(۲) صحیح مسلم (۷) موطا احمد محمد
(۳) سنن نسائی (۸) موطا امام مالک
(۴) سنن ابو داؤد (۹) مشکوٰۃ المصابیح
(۵) سنن ابن ماجہ (۱۰) طحاوی

یہ تو اساتذہ سے پڑھی ہوئی کتابیں ہیں۔ از خود جن کتابوں کا مطالعہ کیا، ان کی تعداد کثیر ہے۔ جس کا اندازہ آپ کی تصانیف سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

اصول حدیث، جرح وتعدیل، اسماء الرجال کی کون کون سی کتابیں اپنے اساتذہ سے پڑھی ہیں، سر دست اس کا سراغ نہیں لگ سکا۔ لیکن مقدمہ جامع الرضوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن کی بڑی بڑی کتابیں مطالعہ میں آچکی تھیں۔

آپ کے علم وعمل، فضل وکمال، شعور وآگہی، وسعت نگاہی، بلند خیال پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو کامل اعتماد تھا۔ بے پناہ محبت وشفقت فرماتے اور بہت سے فضلاء وقت ونابغہ روزگار شخصیات پر آپ کو ترجیح دیتے تھے۔

حضور ملک العلماء نے فراغت تحصیل علم کے بعد درس و تدریس کی طرف عنان توجہ موڑی۔ برسوں تک بڑے بڑے مراکز علم میں گوہر علم وفن لٹاتے رہے۔ اس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا اور چالیس سے زائد کتابیں مختلف علوم وفنون پر تصنیف فرمائی۔

آپ کی تصنیفات وفتاویٰ شاہد ہیں کہ علوم حدیث کے تمام شعبوں پر آپ کی گرفت مضبوط تھی۔ سندوں کی حیثیت، شذوذ و علل کی معرفت، ناسخ ومنسوخ کا علم اختلاف متون واسناد کی جانکاری میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، ائمہ اربعہ کے مستدلات اور مآخذ ومراجع پیش نگاہ تھے۔ مسانید ومعاجم، صحاح وسنن، جوامع و شروح وحواشی کا کوئی گوشہ نگاہوں سے اوجھل نہ تھا اور یہ وہ ساری خوبیاں ہیں، جو محدثین کی صفوں میں آپ کی بلند مقام کی تعیین کرتی ہیں۔

بلاشبہ حضور ملک العلماء محدث ہی نہیں محدث اعظم ہند تھے اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بعد اپنی مثال آپ تھے۔

حضور ملک العلماء کا محدثانہ مقام جاننے سے پہلے عہد اسلام کے دور اول اور تدوین سنت کے ابتدائی مراحل کی طرف تھوڑی توجہ دی جائے، تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا اور جو کچھ ہمارے بزرگوں (اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور جنت نعیم میں ان کے درجات بلند کرے، آمین) سے صادر ہوا۔ اس کے تناظر میں حضور ملک العلماء کی تصنیف کی افادیت نکھرتی نظر آئے گی۔

انبیاء علیہم السلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایک نبی کے رخصت ہونے کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے دوسرے نبی کی بعثت ہوتی۔ پھر دوسرے کے بعد تیسرے پھر چوتھے اس طرح رشد وہدایت کا کام آگے بڑھتا رہتا۔ گویا تبلیغ کی ساری ذمہ داری حاملین نبوت ورسالت کے سر تھی۔ لیکن رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قوم کی پیشوائی، تعلیم وتربیت، رشد وہدایت کا منصب علماء امت کو تفویض ہوا۔

تبلیغ وعمل کا تعلق براہِ راست قرآن مقدس اور فرامین رسول سے تھا۔ اس لئے ان کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور علماء امت کی ایک بڑی جماعت جسے محدثین کی جماعت کہا جاتا ہے۔ حدیث رسول کی تدوین، ترتیب، جمع وتالیف میں مشغول ہوئی۔

جن لوگوں نے اس عظیم وجلیل خدمات کو انجام دیا، وہ دو طبقوں میں منقسم ہیں۔ ایک طبقہ میں وہ لوگ ہیں، جن کا کام تھا حدیثوں کی روایت کرنا، یاد کرنا، سند ومتن کو جمع کرنا اور اقوال و فرمودات کو صحیح حالت میں دوسروں تک پہنچا دینا۔ جبکہ دوسرے طبقے میں وہ اشخاص ہیں، جن کے ذمہ صرف حدیث کی روایت ہی نہیں بلکہ مسائل کا استخراج کرنا، استنباط مسائل کے اصول وضوابط مقرر کرنا، احادیث کے مضمون ومفہوم کو عملی زندگی کے سانچے میں ڈھالنا اور ان تعلیمات سے لوگوں کو آشنا کرنا جن پر عمل کر کے دارین کی سعادتوں کا حصول ممکن ہو سکے، یہ طبقہ عرف عام میں فقہاء کے نام سے موسوم ہوا۔

گویا محدث محض کلمات والفاظ سند ومتن کو مرکز توجہ بناتا ہے اور فقیہ کلمات والفاظ، سند ومتن کے ساتھ مفہوم ومطالب کو بھی زیر بحث لاتا ہے۔

چونکہ فقیہہ دوہرے کمال کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے محدث پر اسے یک گونہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ وہ فقہاء جنہوں نے شب وروز محنت شاقہ برداشت کر کے احکام الٰہیہ کی تشریح کی۔ اوامر ونواہی، احکام اسلامیہ، مسائل شرعیہ کا استخراج کر کے مسلمانوں کے لئے کتاب وسنت پر عمل کرنا آسان بنایا۔ بعض محدثین نے ان ہی فقہاء کی تضحیک اڑائی۔ انہیں مطعون کیا اور ان کی تضعیف کر ڈالی۔ اگر چہ ان کی تضحیک، تضعیف، طعن وتشنیع سے کچھ نہیں بگڑا اور فقہاء کی مقبولیت بڑھتی رہی، تا آں کہ وہ عالم اسلام پر چھا گئے۔

فقہاء چار گروہوں، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ امت مسلمہ نے جسے پسند کیا، وہ امام ابوحنیفہ اور فقہاء احناف ہیں۔ ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت وشہرت دوسروں کے لئے پریشانی کا سبب بنی۔ لہٰذا بعض متعصب افراد ان کے خلاف زبان کھولنے لگے، ان کے استخراج کردہ مسائل کو کتاب وسنت کا مخالف ثابت کرنے لگے، کتابیں تصنیف کی جانے لگیں، احادیث رسول کے مجموعے تیار ہوئے۔ ان میں اپنے مسائل کی تائید کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ کی مخالفت میں حدیثیں جمع کی گئیں۔ تا کہ لوگوں کو باسانی باور کرایا جا سکے کہ ائمہ احناف کے تمام مسائل قیاسی ہیں، کتاب وسنت سے ان کا کوئی تعلق نہیں، صحاح ستہ، سنن بیہقی، دار قطنی، ابن ابی شیبہ، مشکوٰۃ بلوغ المرام وغیرہ کے مؤلفین سب کے سب امام اعظم ابوحنیفہ کے مخالف تھے اور کتب مذکورہ مصنفہ میں اپنے جذبات کو بھر پور جگہ دی۔

حنفی ائمہ کے پیش نظر کسی فقیہ ومحدث کی مخالفت تھی اور نہ ہی ان کی خصوصی توجہ احادیث وآثار کا مجموعہ تیار کرنے کی طرف تھی۔ یہ کام تو محدثین کر ہی رہے تھے بلکہ ان کا مطمح نظر استخراج مسائل تھا تاہم انھوں نے اس سمت بھی مختصری کوششیں کیں اور ساتھ ہی ساتھ امام اعظم پر لگائے گئے الزامات کی تردید بھی کی۔

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ نے چالیس ہزار احادیث وآثار سے انتخاب کر کے ایک انمول مجموعہ تیار کرایا۔ امام ابو یوسف نے کتاب الآثار مرتب کی، امام محمد نے کتاب الآثار اور موطا امام محمد تیار کیا، امام طحاوی نے شرح معانی الآثار، مشکل الآثار، مسند طحاوی، تالیف کی بعد کی صدیوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے عقود الجواہر لکھی، محقق دہلوی فتح الرحمٰن تالیف کی اور اس سلسلے کی ایک کڑی حضور ملک العلماء، سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کی تصنیف لطیف جامع الرضوی معروف بصحیح البہاری ہے۔

صحیح البہاری کی تصنیف کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی

گڑھ رقمطراز ہیں:

''خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں جو پہلا مجموعہ احادیث مرتب ہوا، وہ علامہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸/۱۳۲۲ھ) کی آثار السنن ہے۔ یہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں ۳۱۱ر صفحات پر قومی پریس لکھنؤ میں چھپی۔ افسوس کہ یہ مکمل نہ ہوسکی کتاب کا خاتمہ باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک ختم ہوگیا۔ اس کے بعد کے ابواب وہ لکھنا چاہتے تھے۔ بوجوہ اس میں تاخیر ہوتی گئی۔ تاآں کہ مؤلف علام کی وفات ہوگئی۔ یہ مختصری کتاب علماء احناف میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی اور میرے طالب علمی کے زمانے میں بہار کے مدارس میں ہمارے درس میں شامل تھی۔ ممکن ہے کہیں کہیں اب بھی پڑھائی جاتی ہو۔

یہ دیکھ کر کہ یہ مختصری کتاب ہے اور اس سے احناف کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، حضور ملک العلماء فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا، جو موید مسلک اہل سنت واحناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ و مصدر، انھوں نے وہ تمام مرویات جمع کیں۔ جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو، جس کی سند اور استشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہ کی گئی ہو۔'' (ملک العلماء وتصانیف، ص ۳۲)

ملک العلماء صحیح البہاری کے آغاز میں ایک معلوماتی مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ ۳۲ر فصلوں پر مشتمل مقدمہ میں آپ نے جس سادہ، شستہ، شگفتہ اور سہل انداز میں اصول حدیث کے دقیق، بنیادی اور ضروری مسائل کو بیان فرمایا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ناقدین فن کے آرا کتب اصول کی عبارتیں محققین کے اقوال، ائمہ احناف کے موقف کی تائید میں کچھ اس طرح پیش کی گئی ہیں کہ منصف مزاج قاری کا دل مطمئن ہوجائے اور مخالف وحاسد کا ناطقہ بند ہوجائے۔

مقدمہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ حدیث کی موضوعیت کیسے ثابت ہوتی ہے، اس کے اصول اور جن لوگوں نے بلا لحاظ قواعد وضوابط صحیح یا حسن یا ضعیف حدیثوں کو زمرۂ موضوعات میں شامل کرلیا ہے۔ ان کی تردید و تعاقب، احادیث ضعیفہ کا مقام و معیار، احکام و اعتبار پرزور دار بحث ہے۔ راوی مجہول و منکر کی حیثیت و مرتبہ، حدیث منکر و متروک و مبہم پر کی جانے والی موشگافیوں کا محققانہ تجزیہ کچھ اس انداز سے فرمایا کہ قاری ورطۂ حیرت میں پڑجائے۔

منصف مزاج قاری سنجیدگی کے ساتھ مقدمہ کا مطالعہ کرے تو بآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ حضور ملک العلماء کے سامنے اصول حدیث کی مستند مطول ومختصر اور تمام شروح ومتون کی کتابیں مثل آئینہ ہیں اور ناقدین فن، ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال وفرمودات، اسماء الرجال کے مباحث تاریخ وسیر اور جرح وتعدیل کی کتابیں بالکل ازبر ہیں۔ لگتا ہے کہ امام سیوطی کا احتیاط، ذہبی کی سرعت قلمی، ابن معین و قطان کی ناقدانہ بصیرت، امام نسائی کی شدت، حاکم کی نرمی، ابن حجر کی خامہ رفتاری، خطیب بغدادی کی ہمہ جہتی، امام ابو یوسف کی فقہی حمیت، امام محمد کی شان استدلال، بدر عینی کا طرز تعاقب، دارمی کی شان، سخاوی کا انداز، حافظ زیلعی کی شوکت تخریج، نقدا ابن مبارک کی جلوہ سامانی، ابن عدی و دار قطنی کی معلومات، ابن الصلاح کی وسعت فہمی، امام نووی کا زور بیان، غوث اعظم کی برکتیں انتہائی عروج پر ہیں اور اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فیضان کا چشمہ سطر سطر سے پھوٹ رہا ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے شیخ الحدیث اور صدر شعبہ

دینیات حضرت شاہ عبدالقدیر حسرت حسینی نے مقدمہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"میں خصوصیت کے ساتھ اس کے مقدمہ کی تعریف کرتا ہوں۔ جس میں بہت سے ضروری فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ جس میں گویا وہ اصول حدیث کا اہم رسالہ ہے۔ خدائے تعالیٰ مولف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔" (ماہنامہ اشرفیہ، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۳)

اس مقدمہ کی تالیف کیسے ہوئی علامہ رفاقتی فرماتے ہیں:

"جب انہوں نے صحیح البہاری کو مکمل کر لیا، تو ان کو اصول حدیث پر ایک مقدمہ لکھنے کا خیال آیا۔ انہوں نے برسہا برس پہلے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ رسائل سے احادیث کی تحقیق اور اصول حدیث کی تدقیق میں ان کے تفردات کو بڑی محنت سے جمع فرمایا تھا اور الافادات الرضویہ کے نام سے اسے مرتب فرما لیا تھا۔ حضرت الاستاذ نے صحیح البہاری کے مقدمہ میں اس سے استفادہ فرمایا اور آخر میں صاف صاف اعتراف فرمایا۔ وھذا النھر صفر من البحر الاکبر من بحار علوم سیدی و شیخی (ماہنامہ اشرفیہ، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۴)

مقدمہ کے بعد جامع الرضوی معروف بصحیح البہاری کا آغاز ہوتا ہے۔ مصنف کے پروگرام و منصوبے سے قطع نظر جو نسخہ میرے سامنے ہے۔ نو سو ساٹھ صفحات اور دس ہزار احادیث و آثار پر مشتمل ہے۔ ترتیب میں مشہور انداز یعنی ابواب فقہیہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ عنوان کے انتخاب و تعبیر اور ترجمہ ابواب کی ندرت سے آپ کی فقہی بصیرت ظاہر ہے، تو کثرت احادیث سے شان محدثانہ عیاں۔

صحاح و سنن، مسانید و معاجم کی متعدد مطول و مختصر کتابیں نظروں سے گذریں۔ مگر جو التزام اس کتاب میں نظر آتا ہے، وہ کہیں اور نہیں۔ دور نہ جا کر کتب مشہورہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ ائمہ احناف و شوافع کے درمیان مشہور اختلافی مسئلہ رفع یدین کا ہے۔ اس عنوان پر سب نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ اپنے اپنے موقف کی تائید میں احادیث و آثار جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام بخاری ایک باب باندھتے ہیں۔ باب رفع الیدین اذا کبر واذ رکع و اذا رفع اس باب کے تحت حدیث ذکر کر کے رفع یدین ثابت کرتے ہیں۔ مگر اس کی وضاحت نہیں کہ آیا رفع یدین سنت ہے یا فرض، واجب ہے یا مستحب۔

امام نسائی باب باندھتے ہیں باب رفع الیدین للسجود (یہاں بھی کوئی وضاحت نہیں) پھر دوسرا باب باندھتے ہیں باب ترک رفع الیدین للسجود مطلب یہ کہ وقت سجود رفع یدین ترک ہے۔ کیا سمجھ کر حرام یا مکروہ یا کیا۔ اس کی کوئی وضاحت نہیں کہ رفع یدین کرنے کی صورت میں صحت نماز پر کیا منفی اثر مرتب ہوگا؟

اس طرح امام ترمذی کسی کسی باب کے آخر میں فرماتے ہیں العمل علی ھذا عند اھل العلم یعنی اس حدیث پر اصحاب علم کا عمل ہے۔ مگر اس کی کوئی صراحت نہیں کہ اصحاب علم کے عمل کی نوعیت کیا ہے۔ عمل کرنے والوں نے اسے فرض یا واجب یا سنت، یا مستحب یا مستحسن، کیا سمجھ کر عملی جامہ پہنایا۔

ہاں اصحاب صحاح ستہ نے کسی کسی باب میں وجوب یا استحباب یا حرمت یا کراہیت کا قول کیا ہے۔ مگر ہر مسئلہ میں اس کا التزام نہیں۔ لیکن صحیح البہاری دیکھئے، تو آپ پائیں گے کہ حضور ملک العلماء کی عادت ہے کہ باب باندھتے وقت مراتب احکام کا خیال رکھتے ہیں۔ مثال کیلئے حسب ذیل ابواب پر نظر ڈالیں۔

(۱) ابواب فرائض الوضو

(۲) ابواب سنن الوضو

(۳) ابواب مستحبات الوضو

(۴) ابواب مباحات الوضو
(۵) ابواب مکروہات الوضو
(۶) ابواب الوضو المفروض
(۷) ابواب الوضوء الواجب
(۸) ابواب الوضو المسنون
(۹) ابواب شروط الصلوٰۃ
(۱۰) ابواب فرائض الصلوٰۃ
(۱۱) ابواب واجبات الصلوٰۃ
(۱۲) ابواب سنن الصلوٰۃ
(۱۳) ابواب مندوبات الصلوٰۃ
(۱۴) ابواب مکروہات الصلوٰۃ وغیرہ

گویا باب پر نظر پڑتے ہی قاری کو یک گونہ علم حاصل ہوگیا کہ اس ذیل میں جتنی حدیثیں آئیں گی، ان سے فلاں نوعیت کا حکم مستفاد ہوگا۔

اہل نظر ترجمہ ابواب کی جدت وندرت سے حضور ملک العلماء کی شان فقیہانہ اور مقام محدثانہ کا بخوبی ادراک کر سکتے ہیں۔

لہٰذا بندہ احقر الانام یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ تمام کتب مشہور میں صرف صحیح البخاری کا یہ امتیازی وصف ہے کہ حکم کے ساتھ مراتب حکم کا بھی افادہ کرتی ہے۔

ترجمہ ابواب کے بعد احادیث وآثار کا اندراج ہے۔ ہر باب میں صحاح ستہ کی حدیثیں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز باب سے متعلق کوئی حدیث واثر کسی بھی مستند کتاب میں مل جائے، اس سے صرف نظر نہیں کرتے، معلوم ہوتا ہے کہ مسانید ومعاجم کی طویل کتابیں قوت حافظہ میں محفوظ ہیں۔

کتب حدیث میں صحاح کے ساتھ ضعاف حدیثیں بھی درج کی جاتی ہیں۔ اس کے دو فائدے ہیں۔

اول یہ کہ صحاح میں کسی طرح کی کوئی کمی ہو، تو مجموعہ ضعاف کے ذریعہ اس کا ازالہ ہو جائے اور اسے مزید تقویت مل جائے اور صحاح کی موافقت کی وجہ سے رواۃ ضعاف کے متعلق اطمینان حاصل ہو جائے اور صحاح وضعاف کا مجموعہ قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے، جو باب احکام میں مطلوب ومقصود ہے۔

جبکہ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ضعیف حدیثیں مردود و بیکار ہونے کے بجائے محفوظ ومنضبط اور عملی زندگی میں جاری ہو جائیں۔ کیوں کہ فن جرح وتعدیل جس کے ذریعہ حدیثوں کی صحت وضعف کا علم ہوتا ہے، اس لئے وضع نہیں ہوا کہ کسی راوی میں ادنیٰ سی کمی کے باعث اقوال رسول کو رد کر دیا جائے، بلکہ مقصد وضع تو یہ ہے کہ حدیث کو صیانت وحفاظت فراہم کی جائے اور قول رسول کو اقوال غیر سے ممتاز کیا جائے۔

حضور ملک العلماء نے صحاح کے ساتھ ضعاف کو بھی جگہ دی۔ جس کے سبب ایک ایک باب میں کئی کئی نہیں، بلکہ درجن کے حساب سے حدیثیں آگئیں۔

مثال کے لئے مندرجہ ذیل ابواب پر ایک نگاہ ڈالیں۔

باب	تعداد
(۱) باب فضائل الوضو	۲۶/احادیث
(۲) باب الاقامة مثل الاذان	۱۵/احادیث
(۳) باب الاسفار بالفجر	۲۲/احادیث
(۴) باب عدم القرات خلف الامام	۴۵/احادیث
(۵) باب عدم رفع اليدين	۲۵/احادیث
(۶) باب الوتر ثلاث ركعات	۴۸/احادیث
(۷) باب سنية المسح على الخفين	۴۶/احادیث
(۸) باب توقيت المسح على الخفين	۲۸/احادیث

(۹)باب الجمع الصوری بین الصلوتین ۳۸/احادیث

(۱۰)باب وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ ۱۲/احادیث

(۱۱)باب التشھد کیف ھو ۱۶/احادیث

عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے شیخ الحدیث اور صدر شعبہ دینیات حضرت شاہ عبدالقدیر حسرت حسینی نے جزء اول کو ملاحظہ فرما کر یوں رقم طراز ہیں:

''ہر مسئلہ پر اس قدر کثرت سے حدیث بیان کی ہیں کہ ضعیف، حسن، حسن صحیح، آثار مشہور کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، جو لوگ مذہب احناف کو مبنی بر رائے اور مخالف حدیث سمجھتے تھے۔اس کتاب کو دیکھنے کے بعد ان کو اپنی رائے بدل لینی پڑے گی۔'' (ماہنامہ اشرفیہ، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۴)

حضور ملک العلماء کا علم حدیث میں بڑا اونچا مقام تھا۔ معاصر محدثین آپ کے فضل و کمال کے معترف تھے، علماء اہل سنت، علماء دیوبند، علماء اہلحدیث وغیرہ نے کھلے لفظوں میں آپ کی محدثانہ بصیرت اور علوم حدیث میں مہارت و ممارست کا اعتراف کیا۔اور کیوں نہ ہو، جب کہ ایک طرف مخدوم بہار کا فیضان آپ کے سر پہ سایہ فگن تھا، تو دوسری طرف مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کی شفقتیں، نوازشیں معاون و مددگار تھیں۔

ایسی بلند قامت شخصیت اور عظیم ہستی کے محدثانہ مقام پر بہت کچھ لکھنے کی طبیعت چاہتی ہے، مگر کتابوں کی قلت اور وقت کی تنگی دامن گیر ہے۔اس لئے ان ہی چند سطور پر اکتفا کرتا ہوں۔

اگر خموش رہوں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

☆☆☆

صحیح بخاری و مسلم از اول تا آخر اعلیٰ حضرت ھی سے پڑھا. حضرت الاستاذ پر اعلیٰ حضرت کی عنایات فزوں تر تھیں. خوش قسمتی سے ان کو بخاری شریف کا وھی نسخہ پڑھنے کو مل گیا، جس میں اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد سے پڑھا اور تیرہ برس کی مختصر سی عمر میں محشیٰ کیا تھا .اس حاشیہ کی قدرو قیمت کے بارے میں حضرت الاستاذ تحریر فرماتے ھیں:

"میرے بخاری شریف پڑھنے کے زمانے میں مصری بخاری کے علاوہ مولانا احمد علی سھارنپوری کے تحشیہ والی بخاری بلکہ شروح بخاری میں عینی، فتح الباری، ارشاد الساری، سب کتابیں تھیں.لیکن اعلیٰ حضرت کا نسخہ قلمی بخاری شریف جس میں اعلیٰ حضرت نے پڑھا تھا اور اپنے پڑھنے کے زمانے میں مصری کو محشیٰ کیا تھا اس کے افادات و نکات کی لطافت کا رنگ ھی اور تھا."

صحیح البہاری اہل علم و دانش کی نظر میں

ازقلم: مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی، رکن آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال، ۶- تالتلہ لین، کلکتہ-۱۴

عمدۃ المحققین، سلطان المناظرین، ملک العلما حضرت علامہ مولانا سید شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی زندگی امت مسلمہ کی سرفرازی و سربلندی سے عبارت تھی۔ ہمہ وقت دین وسنت کے فروغ کے لئے مستعد رہتے۔ جس پر آپ کی صبح وشام کی زندگی شاہد عدل ہے۔

علاوہ ازیں آپ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے معتمد خاص اور مقبول نظر تھے، قیام منظر اسلام کے محرک آپ ہی بنے۔ تصانیف رضا کی فہرست آپ ہی نے مرتب فرمائی اور مرشد برحق مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت کے وصال فرمانے کے بعد سب سے پہلے حیات اعلیٰ حضرت کے نام سے آپ ہی نے چار جلدوں میں کتاب تحریر فرمائی جو بعد میں اعلیٰ حضرت پر کام کرنے والوں کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بنا پر آپ کو رضویات کا موسس اول قرار دیا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

خود فاضل بریلوی کی نگاہ میں آپ کی قدر ومنزلت کیا تھی، اسے ان اشعار سے سمجھا جاسکتا ہے جوانہوں نے اپنے اصحاب کے ذکر اوران کے حق میں دعا کے لئے کہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

تیرے رضا پر تیری رضا ہو اس سے غضب تھراتے یہ ہیں
بلکہ رضا کے شاگردوں کا نام لئے گھبراتے یہ ہیں
حامد منی انا من حامد حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں
عبد سلام سلامت جس سے سخت آفات میں آتے یہ ہیں
میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ان اشعار میں خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، مولانا عبدالسلام جبل پوری کے بعد ملک العلماء علامہ ظفر الدین فاضل بہاری کا آپ نے ذکر فرمایا۔ پھر علی الترتیب صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی گھوسوی، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا سید دیدار علی لاہوری، مولانا احمد مختار، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا عبدالاحد پیلی بھیت، مولانا رحیم بخش آروی، مولانا حاجی لعل خاں کلکتہ، مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، مولانا برہان الحق عبدالباقی جبلپوری، مولانا شفیع احمد بیسلپوری، مولانا حسنین رضا بریلوی کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ملک العلما اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے مقرب خاص اور منظور نظر تھے۔ اس صحبت وقربت کا اثر یہ ہوا کہ مرشد طریقت کے عکس جمیل بنے۔ قلم وقرطاس سے ہمیشہ جڑے رہے۔ ستر سے زائد معیاری وتحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔

یہ کتابیں مختلف علوم وفنون مثلاً حدیث، اصول حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق، ہیئت، توقیت، نحو، سیرت، مناظرہ وغیرہ پر ہیں، لیکن ان کتابوں میں جو شہرت صحیح البہاری کو حاصل ہوئی، وہ اپنی

مثال آپ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کی جتنی بھی کتابیں مدارس اسلامیہ اور عوام وخواص میں فی زمانہ رائج ہیں مثلاً صحاح ستہ، مشکوٰۃ وغیرہ یہ زیادہ تر شافعی محدثین کی لکھی ہوئی ہیں۔جن میں اس قسم کی حدیثیں جمع کرنے کا التزام کیا گیا ہے جو ان کے مذہب و مسلک کی مؤید ہیں، بایں وجہ ایک زمانے سے حاسدین امام اعظم ابوحنیفہ، اور فقہ حنفی پر اعتراض کرتے رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کو رائے اور قیاس کے سہارے کھڑا کیا ہے جو کہ سراسر غلط ہے، ملک العلما نے صحیح البہاری کی ترتیب کے ذریعہ اس کا واضح ثبوت فراہم کیا کہ فقہ حنفی کے جتنے بھی مسائل ہیں، وہ سب احادیث اور آثار سے ثابت شدہ ہیں۔اگر چہ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری سے کافی عرصہ پیشتر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نے فقہ حنفی کی تائید میں احادیث کا ذخیرہ جمع کیا اور **فتح المنان فی تائید مذهب النعمان** کے نام سے کتاب لکھی۔اس سلسلے کی دوسری کوشش علامہ سید شاہ محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵ھ-۱۲۰۵ھ) نے کی اور **عقود الجواهر المنفیه فی ادلة امام ابی حنیفه** تحریر فرمائی۔اس طرز کی تیسری کوشش علامہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸ھ-۱۳۲۲ھ) نے فرمائی اور **آثار السنن** کے نام سے ایک مجموعۂ احادیث خالص محدثانہ طرز پر تیار کیا۔جو آج بھی بعض مدارس میں داخل نصاب ہے تاہم مذکورہ کتابوں سے فقہ حنفی کی وہ ضرورت نہیں ہو پا رہی تھی جو وقت کا ایک اہم تقاضہ تھا۔ لہٰذا اس بارگراں کو اٹھانے اور خلاء کو پر کرنے کے لئے ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری سامنے آئے۔عمر عزیز کا بڑا حصہ اس کی ترتیب و تبویب میں صرف فرمایا اور 'الجامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری' کے نام سے فقہی ابواب کی طرز پر ذخیرہ حدیث کو چھ ضخیم جلدوں میں جمع فرمایا۔

اس کتاب میں عقائد، اعمال، عبادات، معاملات اور اخلاقیات پر احادیث کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔اس میں وہ تمام احادیث وآثار جمع کئے گئے ہیں جن پر فقہ حنفی کی عمارت کھڑی ہے۔ فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ہو جس کی تائید میں اس کتاب میں بطور دلیل کوئی حدیث، خبر یا اثر پیش نہ کی گئی ہو۔بایں وجہ حنفی محدثین کی لکھی ہوئی کتابوں میں جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری منفرد وممتاز ہوگئی ہے۔ ملک العلما نے اسے چھ ضخیم جلدوں میں تحریر فرمایا جو کچھ اس طرح ہیں۔

پہلی جلد کتاب العقائد پر۔ دوسری جلد کتاب الطہارۃ پر۔تیسری جلد کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم پر، چوتھی جلد کتاب النکاح تا کتاب الوقف، پانچویں جلد کتاب البیوع تا کتاب الغصب، چھٹی جلد کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض پر مشتمل ہے۔

ان چھ جلدوں میں صرف دوسری جلد متعدد مرتبہ ہندستان سے اور ایک مرتبہ پاکستان سے شائع ہوچکی ہے۔اس دوسری جلد کی ضخامت ۹۶۰ صفحات ہے اور تقریباً دس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ بقیہ جلدیں کسی وجہ سے اب تک منظر عام پر نہیں آسکیں، جو ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے جانشین پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار الدین صاحب کے پاس موجود ومحفوظ ہیں۔تاہم ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۷ء کے درمیان جب صحیح البہاری کی جلد دوم کتاب الطہارۃ کی اشاعت ہوئی، تو ملک کے جلیل القدر علما اور دانشوران قوم نے اسے خوب سراہا۔عظیم الشان علمی و دینی کارنامہ قرار دیا۔ دوسرے مکاتب فکر کے صاحبان علم و دانش نے بھی داد و تحسین سے نوازنے میں کمی نہ کی۔علما نے کتاب پر تقریظ اور تبصرے لکھے، مبارکبادیاں بھیجیں۔ملک کے طول و عرض سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل نے بھی اچھے تبصرے شائع کیے۔

جوافادہ عوام کے لیے کمی بیشی کے بغیر ہدیہ ناظرین ہیں۔

حضرت امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولٰینا سید شاہ **محی الدین صاحب** زیب سجادہ عالیہ مجیبیہ پھلواری شریف

''میں نے اس کتاب موسوم بہ جامع الرضوی معروف صحیح البہاری کے مقدمہ واکثر مقامات کو دیکھا بحمد اللہ یہ تصنیف مذہب حنفیہ پر اغیار کے اس غلط الزام کا کہ ''یہ لوگ اقوال منصوصہ کو چھوڑ کر اقوال امام اعظم پر عمل کرتے ہیں'' بہت کافی وشافی جواب ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ، اور اہل انصاف پر روزروشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ تقلید امام ابوحنیفہ کس نیت سے ہے اور یہ کہ اس تقلید کو شخصیت پرستی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ خدا پرستی واتباع رسول کا اصلی ذریعہ ہے۔ اللہ پاک مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس عمل کو ان کے درجۂ قبولیت بخشے اور اس کتاب کو مقبول خاص وعام کرے آمین ثم آمین۔

محمد محی الدین قادری پھلواروی

۱۰ رصفر بروز جمعہ ۱۳۵۱ھ''

حضرت مولٰینا مولوی **حکیم سعید الرحمن خان** صاحب ارشد تلامذہ اعلیٰ حضرت مولٰینا وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیت

جامع الرضوی کی تالیف سے آپ نے مسلک حنفیہ و مذہب حنفیہ کی وہ عدیم النظیر خدمت کی ہے جس کا صلہ خدائے تعالیٰ آپ کو دارین میں عطا فرمائے گا۔ حقیقتاً یہ ایک بڑی کمی تھی جس کی جانب تعجب ہے کہ اس سے قبل ہمارے علمائے کرام نے توجہ نہ فرمائی **کل امر مرھون باوقاتہ** اس خیر جاری کے لئے مصلحت الٰہی میں یہی وقت مقرر اور اس نعمت عظمٰی سے آپ کا مشرف ہونا مقدر تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اپنی خوش نصیبی پر آپ کو نازاں ہونے اور علما کو غبطہ کرنے کا موقع ہے اللہ تعالیٰ آپ کی سعی کو مشکور فرمائے۔ اصل کتاب جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر تالیف کی گئی ہے اس سے قطع نظر ترتیب اور خاص کر اوائل کتاب میں افادات کے اضافہ نے فوائد وخوبی میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے، جو بجائے خود ایک خاص چیز اور آپ کی جودت ووسعت نظر پر دال ہے۔ کاش مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ سے اس کی اشاعت ہوتی تو اس کی شہرت ومقبولیت دنیائے اسلام میں ہوتی۔

خیر طلب: سعید الرحمٰن

حضرت مولٰینا مولوی **عبد القدیر صاحب**

پروفیسر حدیث وصدر شعبہ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

امابعد فقیر نے جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری مجلد ثانی مصنفہ مولٰینا مولوی محمد ظفر الدین صاحب کو دیکھا، یہ حدیث کی نہایت اچھی اور جامع کتاب ہے بحد امکان احادیث کو جمع کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ مذہب احناف کی تائید کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے ہر مسئلہ پر اس قدر کثرت سے حدیثیں بیان کی ہیں کہ ضعیف حدیث حسن، حسن صحیح، احاد مشہور کا مرتبہ حاصل کرلیتی ہے جولوگ مذہب احناف کو مبنی بررائے اور مخالف حدیث سمجھتے تھے۔ اس کتاب کے دیکھنے کے بعد ان کو اپنی رائے بدل لینی پڑے گی۔ خیر اب بھی حق ظاہر ہوجائے اور اس جلیل القدر امام کے متعلق سوءظن دور ہوجائے تو الحمد اللہ میں خصوصیت سے اس کے مقدمہ کی تعریف کرتا ہوں جس میں بہت سے ضروری فوائد ذکر کئے گئے ہیں، گویا وہ اصول حدیث کا اہم رسالہ ہے۔ خدائے تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا کرے اور مسلمانوں کو اس کے مطالعہ کی اور اشاعت کی توفیق دے۔ وانا الفقیر الی اللہ الغنی عبد القدیر محمد صدیق الحسینی

حضرت مولٰینا **محمد حیدر شریف صاحب**
مہتمم امداد المعارف مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن

وبعد قد طالعت جزء ثانيا من جامع الرضوى المعروف به صحيح البهارى من اوالہ الى اخره اجمالاوجدته كتاباانيقا جامعا لجميع المسائل من الطهارة وجيزافى علوم الحديث على منهج المشكوة والتسير مفيد للطلبة الحنفية المشافى الحديث النبوى عليه الصلوٰة والتسليم. لله در لجامعه فانه لم يال بذل الجهد والسعى فى تهذيبه و ترتيبه وجمعه فطوبى لكم ايها الطلبة بادروا اليها هذادنيكم عليه فرض عليكم واجب اعلامه.

كتبه محمد حيدر شريف مہتمم لامداد المعارف النظاميه

حضرت مولٰینا **سید حیدر ولی الله صاحب** قادری
ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور (مدارس)

اما بعد فقد وصل الينا كتاب دابر، وخطاب عاطر من العلامة صاحب التمكين والجاه، ذى الدارية والانتباه، صانه الله تعالىٰ عن الخطاء والاشتباه. واوصل فيضه الى كل من ناهي عنه ووالاه. اى كتاب جامع لانحاء مسانيد ماخذ الفقهاء الكرام سيما العلماء الحنفية الجهابذة العظام. فياله من جامع مستعن عن التوصيف ومطالعته للعريف تغنى عن التعرف والتعريف. فما احسن تبيه وتنميقه وتهذيبه، سيما لهجه فى سياق المتون الاسافلة والاعالية المتكاثرة المتوالية. لاعتضاد البعض ببعضها. وسرد طرق الاسانيد بقضها و قضيضها، الاانه نبذة مماارام. وانمودجة لماقام. واعتنى تبضيفه وتصدى لتاليفه. فياايها العلماء العظام. والطلباء الكرام. والسادة الضخام. وقادة الزمام. قواموا مؤيدين باشاعته الراغبين الى اجابته بعهد وفاق المصنف لعصند ميثاق المؤلف.

سید حیدر ولی اللہ قادری عفی عنہ
ناظم دارالعلوم لطیفیہ واقع خانقاہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ

گرامی جناب مولٰینا مولوی **سید شاہ عزالدین صاحب**
پھلواروی ادیب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہندستان میں مدتوں سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی ایسی جامع کتاب لکھی جائے جو حنفیہ کے فقہی مسائل کی حدیث سے تطبیق دے۔ اس موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھیں لیکن حنفیہ کی جانب سے حدیث کی بے اعتنائی کا عام خیال جو اہل حدیث علماء کی کوششوں سے پیدا ہو گیا تھا وہ بالکل زائل نہ ہو سکا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جناب **ذوالفضائل والنہی** مولٰینا ظفر الدین صاحب مدرس ہیات وحدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ نے ایک ضخیم کتاب (جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری) بڑی دیدہ ریزی وعرق سوزی سے لکھنا شروع کی جس کی ترتیب ابواب فقہ پر قائم کی اور ہر مسئلہ کے نیچے اس کی دلیل حدیث سے پیش کی اگرچہ یہ کام مشکل تھا لیکن مولٰینا جیسے عزم وارادہ کے لوگوں کے لئے نہیں۔ بحمد اللہ اس عظیم دفتر کا پہلا حصہ منظر عام پر آ گیا ہے۔ حدیث کے بیان میں مصنف نے کسی کتاب کی تخصیص نہیں کی ہے بلکہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے بھی استناد کیا ہے۔ الغرض کتاب نہایت جامع اور حنفیہ کے لئے مفید ہے۔ علماء وطلباء کے لئے یکساں مفید ہے۔ اہل علم حضرات کو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور تقریباً اس کا ایک نسخہ اہل علم کے گھر

میں ہونا چاہئے۔

عزالدین پھلواری شریف

گرامی جناب مولانا **سید شاہ غیاث الدین حسن صاحب**

چشتی نظامی فخری شریفی رجھتی۔دامت فیوضہ

جامع الرضوی صحیح البہاری شریف کی زیارت ہوئی مولانا! واللہ آنکھیں روشن، اور دل منور ہو گیا۔اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت وکاوش کے صلہ میں آپ کو محبوب حضرت ختم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بنائے، آپ کی حیات میں ترقی دے۔ آپ کے فیوض کی خیر و برکت سے دنیا کو بہرہ مند فرمائے۔یہ فقیر آپ کی محنت کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔

فقیر سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی عفی عنہ

واقف اسرار وحقائق حضرت مولانا حافظ

سید شاہ محمد حبیب الحق،

عمادی قادری سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب پٹنہ:

میں نے مخلصی مولوی شاہ محمد ظفر الدین صاحب کی کتاب صحیح البہاری کو بنظر غور دیکھا اور اس کو ایک نہایت مفید کتاب پایا، عام طور سے حضرات اہل حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ مسلک حنفی کا دارومدار صرف حضرت امام اعظم یا ان کے چند شاگردوں کی راؤں پر ہے اور اس کو احادیث سے کوئی تعلق نہیں۔اس کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور کے بزرگ ہیں، جب کہ اکابرین جمع حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے اور کتاب اللہ سے بعد اسوۂ حسنہ نبویہ فتوے دیا کرتے تھے۔احادیث کی چھان بین نہایت حزم واحتیاط سے کرتے تھے اور استنباط مسائل خلفائے راشدین اور صحابہ کے اصول پر کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جس طرح خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے معتمد علیہ حدیثوں کا کوئی ذخیرہ جمع نہیں فرمایا، اسی طرح حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے جمع حدیث سے احتیاط کرنا مناسب سمجھا، لہٰذا جس طرح یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرات خلفائے راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث سے بے خبر تھے اور فقط اپنی راؤں سے فتوے دیا کرتے تھے۔اسی طرح حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ پر یہ الزام اصول متقدمین سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ہمارے محترم دوست نے یہ کتاب لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ مسلک حنفی کا کوئی جزئیہ بھی حدیث کے خلاف نہیں۔ فشکر اللہ مساعیہ وجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین جزاء حسنا. امید ہے کہ علمائے کرام وطلبہ دین خیر الانام اس کتاب سے حظ وافر اور فائدہ اٹھائیں گے اور ہمارے مخلص کی محنت دنیا میں مشکور اور عاقبت میں ماجور ثابت ہوگی۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

خادم الطلبہ خاکپائے درویشاں

فقیر محمد حبیب الحق غفر اللہ ذنوبہ عمادی

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ واقف آثار وسنن جناب مولانا حاجی

سید علی اصغر علی جعفری، پٹنہ

کتاب مستطاب صحیح البہاری معروف بہ جامع الرضوی، اخبار وآثار کا ایک جدید ومفید مجموعہ ہے، جس کے جامع ومولف جناب مولانا ظفر الدین صاحب ابقاہ اللہ تعالیٰ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے استاذ الحدیث ہیں۔مولانا نے اس کتاب کی تالیف وتدوین میں مذہب حنفیہ کی (جس کے مقلدین ومتبعین کی تعداد دین اسلام کے ہر دوسرے فرقے سے زیادہ ہے) ایک لازوال اور بےنظیر خدمت انجام دی ہے، جو انشاء اللہ ہمیشہ باقی رہے گی اور جس سے اہل علم آئندہ زمانوں میں ہمیشہ استفادہ اور روشنی حاصل

کرتے رہیں گے۔

مذہب حنفی پر مخالفین کا سب سے زیادہ مشہور اور کارگر اعتراض یہ رہا ہے کہ اس مذہب کی بنیاد ائمہ مجتہدین کی رائے وقیاس پر ہے جو بیشتر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآثار صحابہ و تابعین کے خلاف ہیں اور جہاں کہیں اخبار وآثار سے استدلال کیا گیا ہے وہ عموماً بمقابلہ دلائل مذہب شافعی وغیرہ دوسرے مذاہب اہل سنت کے ضعیف اور بہ لحاظ اصول روایت نا قابل استناد ہیں۔

مولانا نے یہ کتاب لکھ کر علمائے حنفیہ کے اس دعوے کو کہ احادیث وآثار کے اطاعت واتباع میں مقلدین مذہب حنفی اعتقاداً وعملاً دونوں طرح مذہب اہل سنت کے ہر دوسرے فرقے سے آگے اور پیش پیش ہیں، نہ صرف ثابت ومبرہن بلکہ ایک اعتبار سے محسوسات کی طرح بدیہی بنا دیا۔

حدیث کی مقبول ومتداول کتابیں زیادہ تر ان علما کی جمع و تالیف کی ہوئی ہیں جو حنفی المذہب نہیں تھے اور اس لئے ان کتابوں میں مختلف فیہ مسائل کے متعلق وہی روایات درج کی گئیں یا ان کو ترجیح وتقدیم دی گئی جو جامعین کتب کے مسلک کے مؤید تھیں۔ مختارات مذہب حنفی کی بنیاد جن اخبار وآثار پر ہے۔ ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا کیا گیا تو ردوانکار کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ ان مؤلفین سے اس کے سوا اور کچھ توقع بھی نہیں ہوسکتی تھی۔

علامہ ظفر الدین نے اپنے مذہب کی تائید وتقویت میں بجائے اس کے کہ محض الفاظ کے الٹ پھیر اور دل خوش کن وپر جوش تقریر سے کام لیں، احادیث کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جس میں ایک طرف وہ تمام روایات جمع ہوں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتیٰ الامکان فقہ حنفی کا کوئی مسلمہ مسئلہ ایسا نہ رہ جائے جس کی سند واستشہاد میں کوئی خبر اور اثر نہ پیش کی گئی ہو اور دوسری طرف مقدمہ لکھ کر روایت نا قابل استناد نہیں ہوجاتی اور نہ اصطلاحاً کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ روایت قطعاً بے اصل اور نا قابل اعتماد ہے، بلکہ یہ سب الفاظ محض فنی اصطلاح کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا کہ کون سی روایت قابل اعتماد ہے اور کس پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے، مجتہدین وفقہائے امت کا کام ہے۔

ہزار گونہ تحسین وآفرین مولانا کی ہمت اور حوصلہ پر کہ علم دین کے اس دور کساد وخمول میں ایسے صبر آزما اور محنت طلب کام کا عزم کیا۔ اگر اس کتاب کی تدوین اس زمانہ میں ہوئی ہوتی جب دینی حکومت برسر عروج اور مسلمانوں کا مذہبی وملکی قانون فقہ اسلامی تھی، تو کوئی شبہ نہیں کہ مصنف کا شمار ائمہ فقہ وحدیث میں ہوتا، آج اگر چہ زمانہ کا رخ پلٹا ہوا ہے، پھر بھی اہل نظر اور اہل تحقیق مولانا کے کاوش کی داد دئے بغیر نہیں رہیں گے اور جو لوگ جزئیات احکام شرعیہ کا سراغ سلف صالحین کے اعمال ورسوم میں لگانا چاہتے ہیں، ان کے حق میں اس جامع کا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں ہوگا۔

العبد المفتقر الی رحمة ربه الاکبر

علی اصغر غفر اللہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ

استاذ المحدثین **حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی**

علیہ الرحمہ مفتی اعظم پاکستان

استاذ المحدثین حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی: فنی، علمی اور اصطلاح کتب احادیث کی جہت سے صحیح البہاری کا بغور علمی و تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس کو سنن میں شمار کرتے ہوئے بتایا ہے کہ صحیح البہاری تمام ہی سنن کے مقابلہ میں سب سے زیادہ جامع اور اس کا دائرہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔ کیوں کہ اس میں نہ صرف سنن، بلکہ مسانید، مجامع اور اس کے متدرکات ومستخرجات حتیٰ کہ اجزاء، امالی اطراف تک تمام منفردات کو محیط ہے۔ اس کا اندازہ اس

کے ابواب اور مشمولہ ذخیرۂ احادیث سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔
(جام نور ص ۴۲ بابت اکتوبر ۲۰۰۸ء بروایت مولانا غلام جابر شمس مصباحی)

علامہ **عبد المبین نعمانی** قادری رضوی
رکن المجمع الاسلامی، مبارکپور اعظم گڑھ

ملک العلماء فاضل بہاری حضرت علامہ محمد ظفر الدین رضوی قدس سرہٗ علم حدیث کے بحرِ ذخار تھے۔ انہوں نے احادیث کی متداول کتابوں پر جب نظر کی، تو دیکھا کہ احناف کی مستدل روایات پر مشتمل کتابیں بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ ضرورت پوری نہیں کرتیں۔ احادیث کے جو مجموعے مروج و متداول ہیں ان کی ترتیب کچھ اسی انداز کی ہے کہ ان میں زیادہ تر غیر حنفی مسالک کی تائید میں حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے درمیان احناف کی تائید میں بھی بہت سی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کے یکجا نہ ہونے کی وجہ سے استدلال میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اسی کے پیش نظر حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری کے نام سے ایک ضخیم مجموعہ احادیث تیار کیا۔ جس میں ہر ہر عنوان کے تحت انہیں احادیث کو لیا ہے، جن سے حنفی مذہب کی تائید ہوتی ہے، اس کی پہلی جلد عقائد پر مشتمل ہے۔ جواب تک غیر مطبوعہ ہے۔ دوسری جلد طہارت وصلوٰۃ پر ہے، جسے مصنف نے خود اپنی حیات میں چار حصوں میں طبع کرایا، ان کے کل صفحات ۹۶۰ ہیں۔ جب کہ فہرست اور تقدیمات کے ۲۷ صفحات ان کے علاوہ ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو جدید طرز پر شائع کیا جائے۔ تخریج وتحشیہ کا بھی اہتمام کیا جائے، اگر ایسا کیا گیا، تو اندازہ ہے کہ اس جلد دوم کے ۲۰۰۰ صفحات ہو جائیں گے۔ کاش کوئی ادارہ اس کی طرف توجہ دیتا تو ایک بڑا کام ہو جاتا۔

اس کتاب کے شروع میں حضرت ملک العلما نے اپنے استاذ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلی قدس سرہ کے حدیثی افادات پر مشتمل ایک وقیع مقدمہ بھی قلم بند فرمایا ہے جو اصول حدیث کے ۳۲ فوائد پر مشتمل ہے اور اپنی جگہ بڑا ہی پر مغز اور مفید ہے۔ جس میں خاص طور سے موضوع اور ضعیف احادیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس سلسلے میں جو لوگ فضائل اعمال میں موضوع کے ساتھ ضعیف حدیثوں کو بھی مسترد کرتے رہتے ہیں، ان کی خوب خبر لی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ موضوع حدیثیں تو ضرور رد کرنے کے قابل ہیں۔ لیکن ضعیف حدیثیں فضائل اعمال اور مناقب میں ضرور قابل حجت ہیں۔

یہ صحیح البہاری احادیث کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ جس کی مثال علمی دنیا میں پیش کرنی مشکل ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی دیگر جلدیں بھی اگر دستیاب ہوں، تو شائع کی جائیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی فاضل اسی انداز پر باقی جلدیں لکھ کر اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ اس کی جلد اول جس کا مسودہ مصنف کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے اس کو تو ضرور جلد از جلد منظر عام پر آنا چاہئے۔ اگر ایسا ہو جائے، تو میں سمجھتا ہوں کہ عقائد اہلسنت کے باب میں ایک بہت بڑا کارنامہ منظر عام پر آجائے گا اور اس سے مذہب اہلسنت کی بڑی تائید ہوگی۔
محمد عبد المبین نعمانی قادری رضوی

پروفیسر ڈاکٹر **مختار الدین آرزو**، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ہم کہہ سکتے ہیں "صحیح البہاری" کی مطبوعہ جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ مقدمہ جو ۲۵ صفحات پر مشتمل ہوا ہے ہر طرح قابل قدر ہے۔ اس میں اصول حدیث کے ضروری فوائد ۳۲ فصلوں میں لکھے گئے ہیں جن میں نہایت قیمتی معلومات درج ہیں جن کا جاننا حدیث

شریف کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ مقدمہ تحریر کرتے وقت مولف علام کے پیش نظر اصول حدیث کی امہات الکتب تھیں لیکن سب سے زیادہ استفادہ انہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ان تفردات سے کیا ہے جنہیں برسوں پہلے انہوں نے بڑی توجہ اور انہماک سے جمع کر کے ''الافادات الرضویہ'' کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔'' (جہات ملک العلماء، ص:39)

مولانا **محمد اختر حسین فیضی**،

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری یہ احادیث کریمہ کا بے نظیر مجموعہ ہے جس میں مولف کتاب حضرت ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جن سے مذہب حنفی کی تائید وتوثیق ہوتی ہے۔ یہ کتاب احناف کے لئے احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک جامع اور مستند ذخیرہ ہے۔ جو خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطہ نظر سے ترتیب دی گئی ہے۔ فقہی ابواب کی ترتیب پر مولف نے اسے چھ ضخیم جلدوں پر تقسیم کیا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی بنیاد قیاس پر ہے، اس کا حدیث وسنت سے کوئی تعلق نہیں، ان کے لئے یہ کتاب مسکت جواب ہے کہ امام صاحب کا کوئی قول بے سند نہیں۔ آپ کے قول حدیث کے علاوہ کسی نہ کسی صحابی یا تابعی کے قول سے ماخوذ ہے، اس لئے آپ پر اعتراض صحابی یا تابعی پر اعتراض کے مترادف ہے۔ امام اعظم پر اعتراض کرنے والوں کو میں دعوت مطالعہ دیتا ہوں کہ وہ اس کو پڑھیں اور دنیا کے ایک بڑے حصے کے عظیم امام پر اپنے شکوک وشبہات کا علاج کریں۔ اس وقت صحیح البہاری کی صرف دوسری جلد دستیاب ہے۔ جس میں طہارت اور صلوٰۃ کے تعلق سے ۹۲۸۷ حدیثیں درج ہیں۔ ۲۵-صفحات پر مشتمل ایک گراں قدر مقدمہ بھی شامل کتاب ہے، جسے ۳۲ فائدوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ جس میں اصول حدیث کے ضروری قواعد بڑے دل نشیں پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ اصول حدیث کی امہات الکتب کے علاوہ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے رسالہ ''الهاد والكاف فی حكم الضعاف'' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے درجۂ فضیلت کے ایک ہونہار طالب علم عزیزم طفیل احمد بانکوی سلمہ نے اس دقیع مقدمے کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کی یہ کاوش ''ضعیف اور موضوع حدیث کا علمی وفنی جائزہ'' کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے، جو اردو داں حضرات کے نزدیک نظر تحسین سے دیکھی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

محمد اختر حسین فیضی مصباحی

پروفیسر ڈاکٹر **غلام یحییٰ انجم**

صدر شعبہ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی

علم حدیث کے سلسلے میں ہندستان میں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے توجہ فرمائی اور مذہب حنفی کی تائید میں ''فتح المنان فی تائید مذهب النعمان'' کے نام سے ایک مجموعہ احادیث مرتب کیا۔ پھر سید مرتضیٰ حسین زبیدی بلگرامی نے اس سلسلے میں کچھ حدیثیں جمع کیں اور اپنے مجموعہ کا نام عقود الجواهر المنيفه فی ادلة امام ابی حنیفه رکھا۔ مگر خالص محدثانہ انداز میں جو مجموعہ احادیث مسلک احناف کی تائید میں منظر عام پر آیا، وہ ظہیر احسن شوق نیموی کا مرتب کردہ تھا، جس کا نام آثار السنن ہے۔ لیکن اس تعلق سے جتنے بھی مجموعے سامنے آئے، اس سے مذہب احناف کی ضرورت نہیں پوری ہوتی تھی۔ اس موضوع پر بھرپور کام

کرنے کی ضرورت تھی، خدا کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے فاضل بہار ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری کو کہ انہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور مذہب حنفی کی تائید میں الجامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری کے نام سے چھ جلدوں میں احادیث کا ذخیرہ جمع کیا۔ جن کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

جلد اول عقائد جلد دوم طہارت وصلوٰۃ جلد سوم زکوٰۃ، صوم وحج جلد چہارم نکاح وطلاق وغیرہ جلد پنجم، بیع صرف وکفالہ وغیرہ جلد ششم مزارعہ، ذبائح، حظر واباحہ وغیرہ جیسی بحثوں پر مشتمل ہے۔

صحیح البہاری کی جلد دوم جو مطبوعہ ہے، وہ تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ صحیح البہاری کی دوسری جلدوں کو اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف میں ملک العلما نے یہ کام کرکے نہ صرف مذہب احناف بلکہ مسلک اہل سنت وجماعت کا بھی سر فخر سے بلند کیا ہے۔ مصنف کی اس خدمت کی جس قدر بھی ستائش اور پذیرائی کی جائے کم ہے۔ ضرورت ہے کہ صحیح البہاری کی تمام جلدوں کی نئی کتابت اور حسین زیور طباعت سے آراستہ کرکے احناف کے مدارس میں نصاب درس کا حصہ بنایا جائے مصنف کی اعتراف خدمت کا یہ بہتر طریقہ ہے۔ امید ہے کہ مذہب احناف کے ارباب حل وعقد اس پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

مولانا عبدالمعید قادری ازھری

مرکز اہلسنت برکات رضا، پوربندر گجرات

الجامع الرضوی صحیح البہاری کی زیارت کی سعادت پہلی بار جامع ازہر مصر میں ہوئی۔ اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے خصوصاً حنفی مذہب کے پیروکاروں کے لئے یہ بیش بہا تحفہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے تخریج وتحشیہ کے ساتھ نئے رنگ ڈھنگ میں شائع کیا جائے۔ اگر ایسا ہوجاتا ہے تو اس کی اہمیت وافادیت مزید بڑھ جائے گی۔ محمد عبدالمعید قادری ازہری

حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور، مفسر قرآن حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی شاگرد مولانا انور شاہ کشمیری صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی کتاب کی قدر ومنزلت کے معترف اور صاحب کتاب کے ثناخواں رہے ہیں۔

اخبار ورسائل کے آراء و تبصرے

اخبار سچ لکھنو:

مولانا عبدالماجد دریا آبادی ایڈیٹر اخبار سچ مورخہ ۱۷/ جون ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں:

فقہ حنفی ایک سحر ناپید اکنار ہے، سب کتابیں یکجا کی جائیں تو الماریوں کی الماریاں کیا پورے کے پورے کتب خانے اکٹھے ہوجائیں، مگر اکثر کتابوں میں صرف جزئیات احکام مندرج ہیں، صرف بعض نے توجہ اس جانب کی کہ جزئیات کے ساتھ ساتھ ان کے ماخذ قرآن یا حدیث سے بھی درج کئے جائیں۔ پھر بھی ابھی تک اس سلسلہ میں بہت کچھ کام کرنے کو باقی رہ گیا ہے۔ اس وقت بڑی ضرورت اس کی تھی کہ جو احادیث نبوی مسلک حنفیہ کی تائید میں ملتی ہیں، انہیں یکجا کردیا جائے۔ اس لئے کہ مخالفین حنفیہ کا بڑا اعتراض یہی ہے کہ فقہ حنفی کے احکام حدیث سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

مولٰینا ظفر الدین صاحب قادری نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور جامع الرضوی یا صحیح البہاری کے نام سے ۶ مجلدات شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ زیر نظر کتاب جلد ۲ کا صرف حصہ اول ہے۔ جس میں صرف کتاب الطہارہ کی وہ احادیث جمع کردی گئی ہیں

جوائمہ حنفیہ کی مستدل ہیں۔شروع میں ۲۵-۲۶ صفحہ کا مقدمہ ہے۔ باقی حصہ میں اصل کتاب ہے۔ جو بکثرت ابواب میں منقسم ہے۔ فاضل مؤلف کی کوشش ہر آئینہ قابل داد اور تلاش و کاوش بہر نوع مستحق تحسین و آفرین حنفی مدارس کے طلباء کے زیر درس اگر اس قسم کی کتابیں رہیں تو بہت خوب ہو جن حضرات کو فقہ حنفی سے یہ بدگمانی رہتی ہے کہ وہ سنت نبوی سے الگ اور اس کے معارض ہے ان کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ ضرور نافع ہوگا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ:

سید سلیمان ندوی ایڈیٹر رسالہ معارف نمبر ا، جلد ۳۰، ماہ جولائی ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں:

مولینا ظفر الدین صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ نے جو مولینا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری کے نام سے حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مذہب حنفی کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے، جو فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ جلدوں میں تقسیم ہے اس وقت اس کی دوسری جلد کا پہلا حصہ پیش نظر ہے یہ حصہ کتاب الطہارہ کی احادیث پر مشتمل ہے اس کی ابتدا میں فن حدیث پر حنفی نقطۂ نظر سے ایک بسیط مقدمہ لکھا گیا ہے۔ یہ علم حدیث وفقہ حنفی کی ایک مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔

اخبار اہلحدیث امرتسر:

غیر مقلد عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث ۲۴/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ مطابق ۲۹/ جولائی ۱۹۳۲ء کے اخبار میں لکھتے ہیں: صحیح البہاری یہ حدیث کی ایک جدید کتاب ہے جو ایک حنفی عالم نے تخریج زیلعی وغیرہ سے ماخوذ کر کے لکھی ہے یعنی مسائل فقیہہ حنفیہ کی سندات احادیث سے پیش کی ہیں۔ ہمارے خیال میں حنفیہ کرام میں احادیث کا رواج ہونے سے حنفی، اہلحدیث میں یہ خلیج کم ہو جائے گی، اس لئے فاضل مصنف کی محنت قابل داد ہے۔

رسالہ ندیم گیا:

ماہ اگست ۱۹۳۲ء :عرصہ سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ جس قدر احادیث مذہب احناف کی موید ہیں تمام کتابوں سے ان سب کو انتخاب کر کے ایک جگہ جمع کیا جائے اور مناسب ترتیب وعمدہ تبویب کے ساتھ کتابی شکل میں ان کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے جس سے اس غلط پروپگنڈہ کا پورے طور پر ازالہ ہو سکے۔ جو بعض لوگوں نے پھیلا رکھا ہے کہ امام صاحب کو صرف ۱۷ حدیثیں معلوم تھیں اور فقہ حنفیہ کا دار و مدار فقط ذاتی رائے اور قیاس محض پر ہے الحمد للہ کہ ہمارے صوبہ کے مشہور عالم جناب مولینا مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی نے اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس اہم مفید کتاب (جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری کو چھ جلدوں میں مرتب فرمایا۔ کتاب کا اہداد انتساب صوبہ کے علم دوست وزیر تعلیمات آنریبل خان بہادر سر سید محمد فخر الدین صاحب کی طرف کر کے دانش مندی کا ثبوت دیا گیا ہے اور جس طرح فتاویٰ عالمگیر حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد سلطنت کی بہترین یادگار ہے۔ اسی طرح یہ گنجینۂ جامع الرضوی عرف صحیح البہاری آنریبل سر سید فخر الدین وزیر تعلیمات صوبۂ بہار کے عہد وزارت کی بیش بہا یادگار ہوگی جو ان کے نام کو اسلامی دنیا میں زندہ رکھے گی۔

اخبار الفقیہ:

مولانا حکیم معراج احمد قادری ایڈیٹر اخبار الفقیہ :امرتسر ۶/ جمادی الثانی ۱۵۱ھ مطابق ۷/۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں۔ صحیح البہاری بطرز صحیح البخاری مصنفہ جناب مولینا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی مدت فیوضیہ یہ کتاب چھ جلدوں میں مرتب

کی گئی ہے۔ مصنف علام نے سردست اس کی دوسری جلد چھپوا کر شائع کردی ہے جس کی ضخامت ۲۲۰ صفحہ سائز ۲۹×۲۲ کاغذ ڈی دبیز لکھائی چھپائی خاصی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ علماء حنفیہ کا جمود حد سے متجاوز ہوچکا ہے عربی میں سلسلہ تصانیف کو ضرورت زمانہ کے مطابق انہوں نے بند کردیا ہے۔ حالانکہ مذہبی نقطہ خیال سے اس کی سخت ضرورت تھی۔ کیوں کہ ابتدائی طالب علم کو جب نصاب تعلیم ہی آج کل اس خاص طرز مخصوص سے پیش کیا جاتا ہے کہ جس میں احناف کے خلاف ہی مواد جمع ہوں، تو انتہائی تعلیم تک طالب علم کے دماغ میں ابتدائی تعلیم کا اثر قائم رہتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل ہر طرف سے یہ آوازیں کسی جارہی ہیں کہ مذہب حنفی کی بنیاد احادیث ضعیفہ یا روایات موضوعہ اور صرف قیاس پر قائم ہے۔

اسی نا قابل شنوائی آواز سے متاثر ہوکر مولٰینا ممدوح نے اپنے حنفی بھائیوں کے سامنے عربی میں ایک عربی نصاب تعلیم پیش کیا ہے، جس میں وہ تمام احادیث درج کی گئی ہیں، جو مختلف کتابوں سے ہم کو تلاش کرنی پڑتی تھیں **جزاهم الله خير الجزا.** سردست مولٰینا ممدوح صرف جلد ثانی کی اشاعت جزوی پر قادر ہوسکے ہیں۔ ہماری کمال خوش نصیبی ہوگی کہ کسی دن ہم اس کتاب کی تمام جلدیں اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔ مولٰینا ممدوح نے اس میدان میں بڑی جرأت کے ساتھ قدم اٹھایا ہے اس لئے ہر ایک اہل علم حنفی بھائی کا فرض مذہبی ہے کہ سردست اس کی دوسری جلد ہی خرید کر کے لطف اٹھائیں اور ان تمام زحمتوں سے فارغ ہوجائیں جو اپنے مسئلہ کی تلاش میں بڑی بڑی کتابوں کی ورق گردانی کرنے میں برداشت کیا کرتے تھے اور جو حنفی بھائی عربی داں نہیں ہیں۔ ان کا بھی فرض منصبی ہے کہ کم از کم اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سلسلہ کی اشاعت بدستور جاری رہے اور اس کے خریداروں میں شامل ہوجائیں اور ذی وسعت احناف کو واجب ہے کہ اس کتاب کے بہت سے نسخے خرید کر ان عربی داں طالب علموں پر تقسیم کردیں جو اس سلسلہ سے وابستگی رکھتے ہیں اور خرید نہیں سکتے۔ **والله الموفق**

ملک العلماء فاضل بهاری حضرت علامه محمد ظفرالدین رضوی قدس سرهٔ علم حدیث کے بحر ذخار تھے. انھوں نے احادیث کی متداول کتابوں پر جب نظر کی، تو دیکھا که احناف کی مستدل روایات پر مشتمل کتابیں بهت کم هیں اور جو هیں وه ضرورت پوری نهیں کرتیں. احادیث کے جو مجموعے مروج ومتداول هیں ان کی ترتیب کچھ اسی انداز کی هے که ان میں زیاده تر غیر حنفی مسالک کی تائید میں حدیثیں پائی جاتی هیں. ان کے درمیان احناف کی تائید میں بھی بهت سی حدیثیں پائی جاتی هیں. لیکن ان کے یکجا نه هونے کی وجه سے استدلال میں دشواریاں پیش آتی هیں. اسی کے پیش نظر حضرت ملک العلماعلیه الرحمه نے جامع الرضوی معروف به صحیح البهاری کے نام سے ایک ضخیم مجموعه احادیث تیار کیا. جس میں هر هر عنوان کے تحت انهیں احادیث کو لیا هے ،جن سے حنفی مذهب کی تائید هوتی هے .(مولانا مجاهد حسین حبیبی)

صحیح البہاری کی خصوصیات وامتیازات

از قلم: مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری، شیخ الحدیث والافتاء الجامعۃ الرضویہ، گر سہائے گنج ضلع قنوج (یو۔پی)

ملک ہندوستان جو سونے کی چڑیا کہلاتا ہے، اسکے مشرقی خطے کا ایک زرخیز صوبہ جو بہار کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس میں دیگر قدرتی خوبیوں کے ساتھ علم وفضل کے وہ درخشندہ آفتاب وماہتاب طلوع ہوئے، جن کی ضیاء بار کرنوں سے پورے ملک کا چپہ چپہ آج تک روشن وتابناک ہے۔ اس کی آغوش عافیت میں وہ جلیل القدر ونامور ہستیاں آسودۂ خواب ہیں۔ جن کے ذکر سے تاریخ ہند کی زلفیں سنواری گئیں۔ ان کے تذکرۂ جمیل سے تاریخ کے صفحات آج بھی روشن وفروزاں ہیں۔

خالق کائنات کی رحمت عام وتام ہے۔ دیگر ملکوں اور صوبوں کے مثل صوبۂ بہار پر بھی رحمت ونور کی موسلا دھار بارش ہوئی، جس کی برکت وفیض سے بہار کو وہ خصوصیت واعزاز حاصل ہوا، جس سے اہل بہار کا سر فخر سے اونچا ہوگیا، اس کی زمین عزت وتمکنت کا آسمان بن گئی۔ اس کی شب دیجور سے صبح وفا کا وہ حسین سویرا مسکرا اُٹھا، جس کے اُجالوں سے گم گشتہ راہوں کو منزل مقصود کا نشان سُراغ ملا۔ ہندوستان کے اس خطے سے ایسے مقتدر علماء واولیاء پیدا ہوئے، جن کے قدموں کی دھول سے علم وفن کے ایسے مینار تعمیر ہوئے، جن کی بلندی ستارۂ ثریا تک پہنچی، ان کے قوس وقزح سے علم وہنر کا ایسا چراغ روشن ہوا، جس کی پرنور شعاعوں سے جہالت وگمراہی کی ظلمت وتاریکی کافور وزائل ہوگئی، قلوب واذھان میں نور ہدایت کا اُجالا پھیلا۔

ہندوستان کے مایۂ ناز فرزندوں میں حضور ملک العلماء بحر العلوم حضرت علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہٗ کا نام بھی جلی حرفوں میں لکھے جانے کے لائق ہے۔ انہوں نے جو دینی وعلمی خدمات اور کارنامے انجام دیے انہیں دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور فرحت ومسرت بھی۔

حیرت یوں ہوتی ہے کہ انہوں نے اتنے علمی کارنامے انجام دیئے، جو ایک ادارہ اور ایک انجمن کا کام انہوں نے تنہا انجام دیا، وہ کام کی مشین تھے، وہ نہ تھکتے، نہ اُکتاتے، ہر قدم ان کا با مقصد وبا حوصلہ اُٹھتا اور ہر وقت وہ سمت منزل رواں دواں رہتے تھے۔ کبھی اپنے ذاتی کاموں کے ساتھ دار الافتاء کی ذمہ داریاں نبھانا، تصنیف وتالیف کا فریضہ انجام دینا اور کبھی اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے مشاغل دینیہ میں ہاتھ بٹانا، ان کے کاموں کی انجام دہی کو اپنی مصروفیتوں پر ترجیح دینا وغیرہ حیرت انگیز باتیں ہیں، جو حضرت ملک العلماء تن تنہا بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔

ان کے دینی وملی کاموں کو دیکھ کر فرحت وخوشی یوں ہوتی ہے کہ انہوں نے وقت اور حالات کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اصلاح فکر واعتقاد کیلئے ایسا نسخۂ کیمیاء تجویز فرمایا، جس سے ہمارے درد وکرب کا علاج ہوا اور زخم دل کا مداوا بھی۔ وہ حکیم ودانا تھے، ان کی نظر ماضی ومستقبل دونوں پر رہتی، وہ عقابی نگاہ رکھتے، پردوں کے پیچھے دیکھ لیتے تھے، وقت اور حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی موثر ومفید تدبیر فرماتے، جو کارگر ہونے کے ساتھ جمود وتغافل کی دیوار کو توڑ دیتی، مایوس

اور پژمردہ چہرے مسکرا اٹھتے، درد و کرب سے کراہتے ہوئے بیمار دلوں کو مسیحا کا دامن اور نسخۂ شفا مل جاتا۔

حضرت ملک العلماء کے شب و روز کو نکھارنے اور ان کی زندگی میں بہار بے خزاں لانے میں شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا وہ مقدس و با کرامت ہاتھ ہے، جس کے سہارے ان کی پرواز کو پر مل گئے، فکر کو بلندی ملی، عمل کو میدان مل گیا۔ منظر اسلام بریلی شریف کے وہی سب سے پہلے طالب علم ہیں۔ جس کے درس بخاری سے اس کا تعلیمی افتتاح ہوا۔ پھر اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی مشفقت و محبت کا عالم یہ تھا کہ پیار سے انہیں "ولدی الاعز" اور "عزیز از جان" کہا کرتے تھے۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی انہیں باضمیر، عالی ظرف اور عالی ہمت جانتے، جو دینا چاہتے، عطا فرما دیتے تھے۔ ان کے اندر اکتساب علم و فیض کی صلاحیت موجود تھی۔

انہوں نے امام احمد رضا کے خرمن علم سے ایسی خوشہ چینی کی کہ خود بحر العلوم ہوگئے، امام العصر ہوگئے۔ حضرت ملک العلماء بارگاہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے پروردہ و تربیت یافتہ تھے، اس کا اثر ان کی زندگی میں غالب و نمایاں رہا، وہ قطرہ تھے، دریا ہوگئے۔ اپنے امام کی فیض بخشیوں سے وہ زمانے کے چاند اور اپنے معاصر علماء میں ممتاز ہوگئے، ہم انہیں ان کی شخصیت پر نہیں بلکہ ان کے علمی و مذہبی کارناموں کی بنیاد پر خراج تحسین و تبریک پیش کرتے ہیں۔ دنیا میں ایسی ہستیاں کبھی کبھی جنم لیتی ہیں، حضرت ملک العلماء کا وجود نہ صرف سرزمین بہار کیلئے بلکہ پورے برصغیر کیلئے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ملک العلماء کا سوانحی خاکہ یا اس کا کوئی گوشہ اس وقت تک نامکمل و ناتمام رہے گا جب تک اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا تذکرۂ جمیل نہ ہو کیونکہ ان کی حیات و کارناموں میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی وہ روحانی قوت مضمر و پنہاں ہے۔ جس سے ان کے گلشن زندگی میں گلاب کھلے، ان کے جلوؤں میں رعنائیاں آئیں، بہاروں میں بانکپن آیا۔ اسی لئے جہاں اور جس جگہ حضور ملک العلماء کے محامد و محاسن کا تذکرہ ہوگا۔ وہاں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ذکر جمیل خود بخود آ ہی جائیگا۔ گویا کہ امام احمد رضا کے خوابوں کی سچی تعبیر کا نام ہے حضور ملک العلماء، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی یادگار و باقیات کا نام ہے، ملک العلماء بزم و رزم میں انہیں جو تمغۂ افتخار ملا ہے وہ امام احمد رضا ہی کی نظر خاص کا عطیہ ہے، اسی سے وہ سرمدی سعادت اور بین العلماء مقبولیت کے حامل ہوئے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے بعد ایک طرف تصانیف و تالیفات کا انبار چھوڑا، جس سے دنیا کو ہدایت و ارشاد کی روشنی مل رہی ہے۔ دوسری طرف انہوں نے علماء اور تلامذہ کی ایک جماعت چھوڑی، جو آفاق و امصار میں پھیل گئے اور اپنے علمی انوار و برکات سے خطہ ہائے عالم کو روشن و تابناک کردیا۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خاموش تحریک و یادگار ان کی سینکڑوں تصانیف اور علمی نشانیاں ہیں اور ان کی چلتی پھرتی بولتی ہوئی یادگار علماء کی جماعت ہے۔ ان کی دونوں یادگاروں سے مذہب اہلسنت یعنی مسلک اعلیٰحضرت کو فروغ و استحکام مل رہا ہے، دین و سنیت کو تقویت مل رہی ہے، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے مذہب حق ہی کی ترویج و تشہیر کیلئے بے مثل قربانیاں پیش کیں، اس کی خاطر سب کچھ گوارا کیا، مگر مذہب حق اور ناموس رسالت کے خلاف ایک حرف بھی برداشت نہ کیا۔ وہ اپنوں کیلئے موم سے بھی زیادہ نرم اور دشمنان دین کیلئے اشداء علی الکفار کی عملی تصویر تھے۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب قادری

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، فاتح یورپ وافریقہ مولانا عبدالعلیم صاحب میرٹھی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب، حضور مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفٰے رضا نوری وغیرہ ہم علماء امام احمد رضا فاضل بریلوی کی یادگار و نشانیاں ہیں۔

ان میں حضرت ملک العلماء، بحر العلوم علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین صاحب رضوی علیہ الرحمۃ بعض حیثیتوں سے سرفہرست اور ممتاز دکھائی دیتے ہیں خاص طور سے ان کو اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ایسا قرب حاصل تھا کہ انہیں گھر کا ایک فرد اور اولاد کی مانند سمجھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو حضرت ملک العلماء پر کامل اعتماد تھا۔ خواہ دینی و علمی معاملہ ہو یا گھریلو ذمہ داریاں، ہر اعتبار سے وہ آزمودہ اور پرکھے ہوئے تھے۔

اپنے مرشد برحق اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خاص نظر عنایت کا کمال تھا کہ وہ گوناگوں اوصاف و کمالات میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے، علمی حلقوں میں ان کی فضیلت و بزرگی کا خطبہ پڑھا جانے لگا علماء نے ان کی علمی برتری کا اعتراف کیا۔ جب سچائیوں کا سورج طلوع ہوتا ہے، تو ہر انسان اس کی عظمت و برتری کو تسلیم کر لیتا ہے۔

شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد و پیرو ہونے کی حیثیت سے فقہ حنفی پر دل کھول کر لکھا اور ایسا لکھا، جس سے زمانہ حیران و ششدر رہ گیا، ان کے لکھنے لکھانے کا سلسلہ عمر بھر جاری رہا۔ فتاویٰ رضویہ کی ضخیم مجلّات اس پر شاہد و ناطق ہیں۔ میرے خیال میں بعد کے زمانے میں فقہ حنفی پر اردو میں فتاویٰ رضویہ کی مانند جامع کوئی اور کتاب موجود نہیں۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بہت سارے ژولیدہ مسائل کو استدلال کی صاف ستھری زبان عطا فرمائی ہے، گو کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی مجتہد نہیں، مگر وہ اجتہادی صلاحیتوں سے مالا مال تھے، ان کی تحریر و تصنیف میں کہیں کہیں رنگ اجتہاد جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اس بات کے معترف و مداح اپنے بیگانے سب ہیں۔ کچھ لوگوں نے تو یہ کہا ہے کہ ''وہ امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔'' اس کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو مجتہد نہیں سمجھا، بلکہ خود کو امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد و پیرو ہی کہلایا، اسی پر لکھا، اسی پر فتاوے صادر فرمائے، بعض وہ مسائل جہاں دیگر مفتیان کرام کسی مصلحت سے مذہب امام اعظم کے خلاف دوسرے ائمہ کے مطابق مذہب پر فتویٰ دیتے ہیں۔ ان میں بھی اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے مذہب امام اعظم ابوحنیفہ کو ترجیح دیا اور اسی کے مطابق فتوی دیا اور لکھا کہ بے سبب اپنے امام کے خلاف مذہب فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے۔

فتاوی رضویہ میں مذہب حنفی کا مہکتا ہوا گلشن اور فقہ حنفی کی ایک وسیع و رنگین کائنات آباد ہے۔ کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے ''چودھویں صدی میں ہندوستان کے اندر اگر اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا وجود نہ ہوتا، تو منکرین فقہ و تقلید کی خرافات و ریشہ دوانیوں سے فقہ حنفی کی بنیادیں کمزور ہو جاتیں، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی مساعیٔ جمیلہ سے یہ خطرہ ٹل گیا اور حنفیت کوئی آب و تاب حاصل ہوئی۔

یہ امر مسلم ہے کہ دنیا بھر میں ائمہ اربعہ کے جتنے مقلدین و متبعین ہیں، ان میں احناف کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ہر جگہ ان کی اکثریت غالب ہے، آخری زمانے میں قیامت قائم ہونے سے پہلے جب امام مہدی رضی اللہ عنہ ظہور فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے، تو ان کے عمل سے بھی مذہب حنفی کی تائید ہوگی، یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہوں گے۔ (کوئی نبی کسی غیر نبی کی تقلید نہیں کرتا)۔

بلکہ اسے جس طریقہ پر عمل کا حکم ہوگا، اسی کے مطابق مذہب حنفی ہوگا۔

ظہور مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آسمان سے نزول فرمانے کے بعد ان کے عمل اور طریقہ نماز سے مذہب حنفی کی تائید ہونے سے متعلق امام احمد رضا فاضل بریلوی ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں۔

امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ طریقہ حنفیہ کے مطابق نماز پڑھیں گے، نہ یوں کہ مقلد حنفی ہوں گے، بلکہ یوں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح فرمائیں گے، اس دن کھل جائیگا کہ اللہ ورسول کو سب سے زیادہ پسند مذہب حنفی ہے۔ اگر وہ مجتہد ہیں، تو جملہ مسائل میں ان کا اجتہاد، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مطابق مذہب امام اعظم ہوگا۔

اسی خیال سے بعض اکابر کے قلم سے نکلا کہ وہ حنفی المذہب ہوں گے، بلکہ یہی لفظ معاذ اللہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت صادر ہوگیا، حاشا کہ نبی اللہ کسی امام کی تقلید فرمائے، بلکہ وہی ہے کہ ان کے عمل مطابق عمل مذہب حنفی ہوں گے۔ جس سے مذہب حنفی کی سب سے کامل تر تصویب ثابت ہوگی۔ غرض ان کے زمانے میں تمام مذاہب منقطع ہوجائیں گے اور صرف مسائل مذہب حنفی باقی رہیں گے۔ ولہٰذا اکابر ائمہ کشف نے فرمایا ہے کہ:

چشمہ شریعت کبریٰ سے بہت نہریں نکلیں اور تھوڑی تھوڑی دور جاکر خشک ہوگئیں۔ مگر مذاہب اربعہ کی چاروں نہریں جوش وآب وتاب کے ساتھ بہت دور تک بہیں، آخر میں جاکر وہ تین نہریں بھی تھم گئیں اور صرف مذہب حنفی کی نہر اخیر تک جاری رہی۔ یہ کشف اکابر ائمہ شافعیہ کا بیان ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (الملفوظ ۲، ص ۳۵۶ تخریج شدہ از محمد عیسیٰ رضوی قادری، مطبع ایڈوانس پرنٹنگ، دہلی)

میں تو یہ کہتا ہوں کہ بالفرض اگر فقہ حنفی پر کوئی ایک بھی کتاب نہ ہوتی یا جو کتابیں ہیں، انہیں بالکل علیحدہ ایک طرف رکھ دیا جائے، تو مذہب حنفی پر عمل کیلئے ''تنہا'' فتاویٰ رضویہ کافی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کا وہ عظیم وجلیل کارنامہ ہے جو فقہ حنفی کا دائرہ المعارف ہونے کے ساتھ اصلاح عقائد واعمال کی اہم دستاویز بھی ہے اور منکرین فقہ وتقلید کیلئے تازیانہ عبرت بھی، اس میں شریعت وطریقت کے حقائق ومعارف بھی ہیں اور تصوف وسلوک کے نام پر اسی دور زندقہ والوں کیلئے سامان ہدایت ونجات بھی۔ غرضیکہ فتاویٰ رضویہ ایقان وعمل کیلئے تمام شعبہائے زندگی پر حاوی ہے۔ ''ممبئ کے ایک فاضل جج نے کہا تھا کہ اگر ہندوستان میں اسلامی احکام وقوانین کا نفاذ ہوتا، تو ملک کی عدالتوں میں فتاویٰ رضویہ کے مطابق فیصلہ صادر کیا جاتا۔'' فتاوی رضویہ اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بارے میں شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال وغیرہ اپنوں اور بیگانوں کے اقوال وآراء مشہور ومعروف ہیں، میں یہاں صرف ایک قول پر اکتفا کرتا ہوں۔

حافظ کتب حرم شریف علامہ سید خلیل مکی علیہ الرحمۃ فتاوی رضویہ اور اس کے مصنف کے بارے میں فرماتے ہیں۔

واللہ اقول والحق اقول انہ لوراھا ابو حنفیۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مولفھا من جملۃ الاصحاب۔

میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان فتاوی کو دیکھتے، تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان فتاوی کے مولف یعنی اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کو اپنے تلامذہ میں شامل کرلیتے۔ (الاجازت المتینہ، ص ۲۲، مطبع رضا اکیڈمی۔ ممبئ)

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جہاں عمر بھر فقہ حنفی کے مطابق لکھا، وہیں جزئیات فقہ اور مسائل

شرعیہ کے بیان میں انہوں نے وہ احادیث نبویہ پیش کیں، جن سے مذہب حنفی کی تائید وتوثیق ہوتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی صرف مفتی ہی نہیں وہ عظیم محدث بھی تھے، ان کی حدیث دانی کے ثبوت میں فتاوی رضویہ یا ان کی کسی بھی تصنیف کو پیش کیا جاسکتا ہے، ان کی تصنیف خواہ بڑی ہو یا چھوٹی، ہر ایک میں اس کی ضخامت کے حساب سے احادیث وآثار کی ایک نمایاں اور معتد بہ تعداد نظر آتی ہے۔ عالم یہ ہے کبھی کبھی وہ ایک مسئلہ کے ثبوت وتائید میں تین تین سو احادیث پیش فرماتے ہیں، یہ ان کا طرۂ امتیاز ہے، اہل اسلام میں بڑے بڑے محدثین و مصنفین پیدا ہوئے، جنہوں نے حدیث کی خدمت میں اپنی زندگیاں صرف کیں اور علم حدیث پر عظیم وجلیل کتابیں تصنیف کیں، مگر ایک مسئلہ کی تائید وتوثیق میں تین تین سو احادیث کا ذخیرہ شاید کہیں اور کسی کی تصنیف میں نظر نہیں آتا۔ یہ بات صرف اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحریر وتصنیف میں دکھائی دیتی ہے، یہ امتیاز وتفرد ان کا خاص حصہ ہے۔ وہ جب علم حدیث اور اسماء الرجال پر گفتگو کرتے ہیں تو امام بخاری وامام مسلم کے ہمسر وہم پایہ معلوم ہوتے ہیں۔

مگر تصانیف اعلیٰحضرت سے متفرق احادیث کو یکجا کرنے کا اولیں سہرا معمار رضویات حضور ملک العلماء بحر العلوم حضرت علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین صاحب رضوی قدس سرہٗ کے سر جاتا ہے، کیونکہ سب سے پہلے اس سلسلے کی بنیاد انہوں نے ہی ڈالی۔ حضرت ملک العلماء نے تصانیف اعلیٰحضرت سے منتشر حدیثوں کو چن چن کر جمع کیا اور ان کے مجموعہ کا نام ''صحیح البہاری'' تجویز فرمایا۔ جو چھ جلدوں تک پہنچ گیا۔ معمار رضویات نے ''صحیح البہاری'' کو خالص عربی زبان میں ترتیب دیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اسے اسلامی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کیا جائے اور باضابطہ اس کی تعلیم ہوتا کہ دلوں کے آفاق میں حنفیت کے چراغ روشن وفروزاں ہوں۔ دنیا جہاں کے لوگ اس کی روشنی میں اپنے حسن عمل کا انتخاب کریں۔ اگر چہ ہماری درسگاہوں میں صحاح ستہ کے ساتھ دیگر کتب احادیث کی بھی تعلیم ہوتی ہے، مگر ہمارے لئے مشکل یہ ہے کہ زیادہ تر حدیث کی کتابیں ان محدثین کرام کی جمع کردہ ہیں جو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد و پیرو ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو جس امام مذہب کا مقلد ومتبع ہوگا، وہ اس کا مؤید وحمایتی ہوگا، وہ اپنی توانائی اپنے امام کے مذہب کی تائید وحمایت میں صرف کرے گا۔ ایسا ہی کچھ حال بعض محدثین کا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں ان احادیث کو ترجیح دیا، جن سے مذہب شافعی کی تائید ہوتی ہے، یہ اگر چہ ایک فطری بات ہے، مگر بعض محدثین نے احناف پر بے جا تنقیدیں کی ہیں اور مذہب حنفی کا ضعف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں اگر چہ وہ کامیاب نہیں ہوئے، پھر بھی اس سے احناف کے خلاف جو تأثرات وخیالات پیدا ہوئے، وہ حنفیوں کیلئے سبب تکلیف اور کرب انگیز ہیں۔ جبکہ عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا جو لحاظ وادب کرتے تھے، وہ عالم آشکارا ہے کہ وہ جب مزار امام اعظم پر حاضر ہوتے تو ان کا لحاظ وپاس کرتے ہوئے خود اپنے مذہب پر عمل نہیں کرتے، بلکہ مذہب امام اعظم پر عمل کرتے تھے جیسا کہ قنوت پڑھنے کے معاملے امام شافعی کا عمل مشہور ہے۔

نیز امام شافعی علیہ الرحمہ خود فرماتے ہیں:

☆ عورتوں نے ابوحنیفہ جیسا کوئی اور نہ جنا۔

(اجلی الاعلام۔ از امام احمد رضا)

☆ جو شخص دین کی سمجھ حاصل کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے شاگردوں سے فقہ سیکھے کیونکہ

تمام لوگ فقہ میں امام اعظم کے بچے ہیں۔
(مناقب امام اعظم ،للموفق ۔ص ۳۲۲)

☆ لوگ فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محتاج ہیں میں نے ان سے زائد فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، جس نے امام اعظم کی کتب میں غور وفکر نہ کی نہ وہ علم میں ماہر ہوسکتا ہے اور نہ ہی فقیہ بن سکتا ہے۔(الخیرات الحسان، ص ۱۰۳)

ابن شبرمہ نے فرمایا:

☆ اے ابوحنیفہ! عورتیں تم جیسے شخص کو جننے سے عاجز ہوگئیں، آپ کے علم میں کسی قسم کا تکلف نہیں۔

ابوسلیمان نے فرمایا:

☆ ابوحنیفہ عجائب روزگار میں سے ایک تھے۔ان کے کلام سے وہی شخص اعراض کرے گا، جو اس کو سمجھ نہ سکے۔

سفیان ثوری نے فرمایا:

☆ ابوحنیفہ کی مخالفت وہی کرسکتا ہے، جو قدر ومنزلت میں ان سے بلند تر ہے اور ایسا شخص ملنا مشکل ہے۔

علی بن عاصم سے منقول ہے:

☆ اگر روئے زمین کے آدھے انسانوں کے ساتھ ابوحنیفہ کی عقل کو تولا جائے، تو ابوحنیفہ کی عقل وزنی نکلے گی۔

بکر بن حبیش نے فرمایا:

☆ اگر ابوحنیفہ اور ان کے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے، تو ابوحنیفہ کی عقل وزنی نکلے گی۔

(اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام)

اہل علم اور اہل عرفاں ہی صحیح طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ومرتبہ سمجھ سکتے ہیں۔ہم اتنا جانتے ہیں کہ ابوحنیفہ ایک عظیم امام اور بے مثل مجتہد وفقیہ تھے۔انہوں نے امت مسلمہ کی سہولت وآسانی کیلئے قرآن وحدیث سے احکام ومسائل کا استخراج کیا، ان کے جزئیات وکلیات کو واضح انداز میں پیش فرمایا اور ہر مسئلے کو دلائل سے آراستہ ومزین کیا، جس مسئلے کو حدیث سے مدلل کیا۔اس کے لئے انہوں نے صحیح ترین حدیث کا انتخاب فرمایا، استخراج مسائل میں ضعیف یا منسوخ حدیثوں سے صرف نظر کیا، تاکہ ضعف حدیث کے پردے میں کسی کو ان کے متخرجہ مسائل میں اختلاف اور انگشت نمائی کی گنجائش نہ ملے۔

دلائل وبراہین پر ان کی نظر گہری اور وسیع تھی۔ان کے فکر وتدبر کی منزل تک کسی کی رسائی نہ ہوسکی۔ان کے معاصرین بھی ان کے وفور علم وعقل کو تسلیم کرتے تھے، اپنے بیگانے سب کو ان کی عظمت کا اعتراف تھا۔

صحیح البہاری کی خصوصیت اور اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں تصانیف اعلیٰحضرت اور دیگر کتب حدیث سے ان احادیث کو یکجا کیا گیا ہے، جو مذہب حنفی کی تائید میں ہیں، اس کی ترتیب وتالیف سے حضور ملک العلماء کا مقصود ومدعا یہی تھا کہ مسائل شرعیہ کے ساتھ مذہب حنفی کی مؤید حدیثیں عالم آشکارا ہوں اور وہ ہر خاص وعام کو از بر و یاد ہوجائیں، تاکہ دنیا جہاں کے لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ فقہ حنفی کی بنیاد فکری اور اختراعی قیاسات پر نہیں، جیسا کہ بعض مخالفین نے یہ مکروہ ونازیبا پروپیگنڈہ کیا اور احناف کے خلاف محاذ آرائی کی، بلکہ فقہ حنفی کا اساس تو صحیح ترین احادیث ہیں۔اسی لئے حضرت ملک العلماء نے ''صحیح البہاری'' کی جمع وترتیب میں صرف تصانیف اعلیٰحضرت سے اخذ حدیث پر اکتفا نہ کیا، بلکہ حدیث کی دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا، تاکہ ہر پہلو سے کتاب جامع ہوجائے، قاری کو کسی جہت سے تشنگی کا احساس نہ ہو، اسی جذبے کے تحت ان کو جو حدیثیں احناف کی تائید

میں ملتی گئیں، انہیں اپنی کتاب میں داخل کرلیا۔ اس طرح کی کاوش سے مذہب حنفی کی مؤید احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا جو ''صحیح البہاری'' کے نام سے معروف ہوا۔ اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ وہ لوگ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ جنہیں حنفیت سے کچھ بھی لگاؤ ہے۔ بعد کے زمانے میں حدیث کی جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں ''صحیح البہاری'' کو اس حیثیت سے ایک خاص اور ممتاز ونمایاں مقام حاصل ہے کہ وہ خالص مذہب حنفی کی تائید میں لکھی گئی ہے۔

ان سب کے باوجود افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اسے ہماری جملہ درسگاہوں میں داخل نصاب کرنا، تو دور کی بات ہے، وہ آج تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔ معلوم نہیں کیوں وہ اب تک تشنۂ طبع ہے، اس کے ساتھ یہ بے اعتنائی کیوں برتی گئی، اسے پردۂ خفا میں کیوں رکھا گیا؟ صرف اس کی ایک مطبوعہ جلد جو کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، میری نظر سے گذری ہے، جو وقیع واہم ہونے کے ساتھ کافی ضخیم بھی ہے، اس میں ابواب فقہ کے اعتبار سے ترتیب کا لحاظ بھی ہے اور حسن سلیقہ مندی بھی۔ اگر صحیح البہاری کی تالیف میں صرف تصانیف اعلیٰحضرت ہی سے حدیثوں کو جمع کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، تو بھی مقصود میں کوئی خلل نہ پڑتا۔ مگر ابواب کی کامل جامعیت اور کتاب کی افادیت عام کرنے کی غرض سے فتاوی رضویہ وغیرہ تصانیف اعلیٰحضرت کے ساتھ دیگر کتب حدیث سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سے علم حدیث پر حضرت ملک العلماء کی دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے، احادیث کے ذخیرے سے یہ تلاش کرلینا کہ کونسی حدیث مسائل حنفیہ کی تائید میں ہے اور کونسی نہیں، یہ بات کمال ہنرمندی اور ذہانت چاہتی ہے، اس کام کو وہی شخص بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔ جسے احادیث سے استخراج مسائل کا ادراک وعلم ہو۔ حضرت ملک العلماء کو علم حدیث پر مہارت دسترس حاصل تھی، علم فقہ پر بھی عبور تھا۔

یہ امر ظاہر ہے کہ محدث کا فقیہ ہونا ضروری نہیں، مگر فقیہ کا محدث ہونا ضروری ہے۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ فقیہ بھی تھے اور محدث بھی، یہ ملکہ حضرت ملک العلماء کو بھی حاصل تھا، وہ بھی اپنے استاذ ومربی کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف فقیہ یا صرف محدث نہ تھے، بلکہ وہ فقیہ محدث اور محدث فقیہ دونوں اوصاف کے حامل تھے، امام اعظم ابوحنیفہ اگرچہ فقیہ کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ مگر حدیث دانی میں بھی ان کا کوئی جواب نہ تھا، وہ ائمہ کی صف میں یکتا ہیں۔ ان کے علم وعقل کی کوئی مثال نہیں، کیا امام اعمش سے سوال پوچھے جانے پر احادیث سے استدلال کرکے امام اعظم کے برملا جواب دینے کا حیرت انگیز واقعہ یاد نہیں۔

حضرت امام اعمش جو ہمارے امام اعظم کے استاذ حدیث ہیں، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے، اس وقت ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا، آپ نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یہ جواب آپ نے کہاں سے اخذ کئے؟ آپ نے فرمایا، انہیں حدیثوں سے، جو میں نے آپ سے سنیں اور پھر آپ نے وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے فرمایا بس کیجئے، میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں وہ آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنادیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث سے اس قدر مسائل اخذ کرتے ہیں۔

یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين

اے گروہ فقہاء تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں اور اے ابوحنیفہ تم

نے دونوں کنارے گھیر لئے۔

(فتاوی رضویہ قدیم ج ۱۰، ص ۱۹۹ مطبع رضا اکیڈمی ممبئی)

کتب احادیث میں صحاح ستہ کا جو مقام و رتبہ ہے، وہ آفتاب نیمروز کے مثل روشن و ظاہر ہے، اقوام عالم کی تاریخ میں ان کتابوں کا نہ کوئی جواب ہے نہ کوئی مثال، چونکہ ان کتابوں میں پیغمبر برحق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو صحیح ترین روایات واسانید کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی ان کتابوں کو دیکھنے سننے اور پڑھنے کے بعد کہے کہ میں نے اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنے یا دیکھے، تو وہ اپنے قول میں صادق اور اپنے دعوے میں سچا ہوگا۔ جب دونوں جہاں میں ہمارے نبی کا کوئی جواب نہیں، تو کسی قوم میں ان کتابوں کا جواب کہاں سے ہوسکتا ہے۔ صحیح بخاری شریف کا رتبہ، تو کتاب اللہ کے بعد سب سے بڑھ کر بتایا جاتا ہے کہ قرآن پاک کے بعد اگر دنیا میں کوئی صحیح ترین اور مقدس کتاب ہے، تو وہ امام بخاری کی ''صحیح بخاری'' ہے۔ واقعی بخاری شریف کا یہی مقام ہے اس میں کوئی شک وریب نہیں ہے۔

مجھے عرض یہ کرنی ہے کہ ''صحیح البہاری'' جس حیثیت سے لکھی گئی، اسی نوعیت سے اگر اس کی شایان شان طباعت واشاعت کا اہتمام کیا جاتا، تو اپنے زمانے میں یہ بھی منفرد اور مقبول وشہرت یافتہ ہوتی، آفاق میں مشہور ہوجاتی، اسے اس کا امتیازی رتبہ مل جاتا، کیونکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی غالب اکثریت حنفیوں کی ہے، خطۂ ارض میں جہاں ایک بھی حنفی رہتا ہے، وہاں یہ کتاب پہنچتی اور وہ اسے حرز جاں بنالیتا۔ وقت کی یہ ستم ظریفی بہت پرآشوب اور سوہان روح ہے۔ یہ ستم صرف ''صحیح البہاری'' ہی کے ساتھ نہیں ہوا۔ میرے خیال میں امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی ''معانی الآثار'' کے ساتھ بھی یہ ستم ہوا ہے، جبکہ وہ بھی مذہب حنفی کی تائید میں حنفی المذہب امام کی لکھی ہوئی کتاب ہے، احناف کے نزدیک اسے ایک خاص مقام بھی حاصل ہے، اسے مستند ومعتبر بھی سمجھا جاتا ہے مگر کیا یہ کتاب ہماری درسگاہوں کی زینت بن سکی ہے؟ آخر اسکے ساتھ بھی یہ بے اعتنائی کیوں برتی گئی؟ کیا یہ اس لائق نہیں کہ اسے داخل نصاب کیا جائے؟ اور دیگر کتب احادیث کے مثل اس کی بھی باضابطہ تعلیم ہو؟ جبکہ اس کی ثقاہت وافادیت مسلم اور اظہر من الشمس ہے۔ معلوم نہیں اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں روا رکھا گیا۔ صحیح البہاری بھی اپنے موضوع پر جامع اور مفید کتاب ہے۔ خدا کرے اسے اس کا اپنا مقام مل جائے اور لوگ اس کی قرار واقعی اہمیت وحیثیت سے مانوس وآگاہ ہو جائیں۔ آمین

یہ حقیقت ہے کہ حضرت ملک العلماء کے علمی کارناموں میں ''صحیح البہاری'' کو نمایاں اور امتیازی مقام حاصل ہے۔ یوں تو انہوں نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں اور ڈھیر سارا علمی اثاثہ یادگار چھوڑا۔ ان کی تصانیف میں ''حیات اعلیٰحضرت'' عوام وخواص سب میں مقبول ومشہور ہوئی اور ''صحیح البہاری'' علمی حلقوں میں معروف ہوئی۔ یہ مؤخر الذکر کتاب چونکہ مخصوص نظریئے کے تحت خالص عربی میں لکھی گئی، اسی لئے اہل علم تو اس سے متعارف ہوگئے۔ مگر عوام کو اس کی طرف وہ رغبت ودلچسپی نہ ہوسکی جو ''حیات اعلیٰحضرت'' سے ہوئی۔ المیہ تو یہی ہے کہ آج تک وہ تشنۂ طباعت ہے، ورنہ کم سے کم اگر مطبوع ہوجاتی، تو اس کی تشہیر واشاعت میں عہد حاضر کے تکنیکی ذرائع ابلاغ کا سہارا لیا جاسکتا، خدا کرے پردۂ غیب سے اس کی طباعت واشاعت کا سامان مہیا ہوجائے۔ حضرت ملک العلماء نے جس جذبۂ صادق اور مسلکی ہمدردی کے پیش نظر اس کی تصنیف کی تھی۔ ان کا وہ خواب شرمندۂ تکمیل نہ ہوسکا۔ جبکہ

ان کی علمی خدمات میں یہ ایک درخشاں کارنامہ ہے۔

'صحیح البہاری' کی تصنیف سے حضرت ملک العلماء کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ دیگر کتب احادیث کے مثل یہ کتاب بھی درس نظامی میں شامل ہو جائے اور مذہب احناف کی تائید میں جو حدیثیں ہیں، ان سے استفادہ کرنے اور ان کو وقت ضرورت تلاش کرنے میں محققین اور مفتیان کرام کو کسی تکلف و دقت کا سامنا نہ ہو۔ دراصل یہ وہ علمی ذخیرہ ہے۔ اس پر جتنا فخر وناز کیا جائے کم ہے۔ اس کے مضمرات میں وہ سچائیاں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ جن کے لئے امام اعظم نے اپنی اجتہادی توانائیاں صرف کیں اور جن کی بدولت ابوحنیفہ ائمہ امت میں ''امام اعظم'' کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ اس کے عوامل ونتائج میں حضرت ملک العلماء کی نگاہ نے جو دیکھا، وہ ہم نہ دیکھ سکے، انہوں نے جو پرکھا، ہم اس کی گہرائی تک نہ پہنچ سکے۔

وہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے پروردہ تھے مستقبل کو حال کے مثل دیکھ لیتے تھے، ان کی نگاہ انتخاب کا جو کمال تھا ہم کماحقہٗ اس کی قدر و منزلت کو نہ پہنچان سکے۔ آج ہماری کامیابیوں اور منزل مقصود کو پانے کا راز اسی میں مضمر و پنہاں ہے کہ ہم اپنے اکابر ومشائخ کی نشانیوں کی حفاظت کریں، ان کے آثار و باقیات سے استفادے کو آسان بنائیں، دنیا کو ان کی شخصیات اور ان کے ہمہ گیر پہلوؤں سے متعارف کرائیں، ان کے تاریخ ساز علمی و دینی کارناموں کو دنیا کے سامنے عصری اسلوب میں جدت طرازیوں کے ساتھ پیش کریں، ان کا عرفان عام ہوگا تو دنیا ہمیں پہچان لے گی، ماضی اور اکابرامت کے حوالے سے ہمارا وقار وتشخص تسلیم کیا جائے گا، آنے والی نسلیں ہمیں، اشکناک آنکھوں سے دیکھیں گی، یاد رکھو جو اپنے محسن ومربی کے احسانات کو بھلادے، تاریخ ایسے شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

میرے تجزیہ کے مطابق ''صحیح البہاری'' کی امتیازی خصوصیت یہی ہے کہ ''طحاوی شریف'' کے بعد حنفی المذہب محدثین کی جمع کردہ کتب حدیث میں اس کا قد بہت اونچا اور معیاری ہے اگر تعلیم وتدریس کے ذریعہ اس کی افادیت کو عام کردیا جائے، معلمین ومتعلمین کو اس کی طرف راغب ومائل کیا جائے، تو اس کا درجہ اعتبار اور بھی بلند وباوزن ہوگا اور اسے استنادی حیثیت سے بھی پیش کیا جاسکے گا۔

جن فروعی مسائل میں امام اعظم وامام شافعی اور دیگر ائمہ مذاہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان اختلاف ہے (جیسے نماز میں رفع یدین کا مسئلہ، قنوت کا مسئلہ، مس ذکر سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ وغیرہ) وہ اجتہاد اور استخراج مسائل میں دلائل و براہین پر نظر کے فرق سے ہے۔ مسئلہ ایک ہے، مگر دلائل مختلف ہیں۔ دلائل کے اختلاف سے حکم میں اختلاف ہو گیا ہے اور یہ اختلاف ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جس سے کسی امام پر کوئی حکم نافذ ہو یا کسی کی تغلیط کی جائے۔ ائمہ اربعہ برحق ہیں، ان کا ہر مقلد ناجی ہے۔ ہاں فقہ اور تقلید ائمہ کا منکر ہرگز ناجی نہیں۔ صحیح البہاری کی تالیف سے حضرت ملک العلماء نے مقلدین امام اعظم کے ہاتھوں میں دلائل و براہین کی دستاویز دینے کی کوشش کی اور صحیح البہاری کی شکل میں مسائل حنفیہ کو استدلال کی قوت عطا فرمائی۔ میرا وجدان واحساس کہتا ہے کہ حضرت ملک العلماء کا یہ قابل ستائش کارنامہ عرصہ دراز تک جریدۂ عالم پر نقش رہے گا۔ قافلے آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے ان کا یہ کام جب تک باقی رہے گا۔ آنے جانے والوں کو اس سے حنفیت اور امام اعظم ابوحنیفہ کا پیغام ملتا رہے گا، صفحۂ قرطاس پر صحیح البہاری کا جب تک ایک ایک نقش تابندہ رہے گا اہل علم وعرفان کو اس کی روشنی ملتی رہے گی۔ ساتھ میں حضرت ملک العلماء کا نام بھی زندہ وپائندہ رہیگا۔ جس کے درخشندہ کارناموں سے دنیا کو علم وایقان کا اجالا ملتا ہے۔ تاریخ کے اوراق سے اس کا نام اور تذکرۂ جمیل مٹایا نہیں جاسکتا۔

صحیح البہاری کی خصوصیات

از قلم: علامہ قاری عبدالرحمٰن خاں قادری مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت واستاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

سراج ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ **سید سراج اظہر** صاحب قبلہ
بانی وسربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان مفتی اعظم پھول گلی ممبئی ۳

حضور ملک العلما جنہوں نے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے تعارف اور سوانح نگاری کا حق ادا کیا۔ جنہوں نے مختلف علوم وفنون پر تحقیقی کتابیں لکھ کر محدثین ومحققین سے داد تحسین وتحقیق حاصل کی۔ افسوس ہے کہ ایسی عبقری اور قابل اتباع شخصیت پر تا حال کوئی اہم اور شایان شان کام نہ ہوسکا۔ جونہایت حیرت ناک بھی ہے اور تعجب خیز بھی۔ الحمدللہ! آپ نے تائید ربانی سے اس جانب خصوصی توجہ فرمائی اور ملک العلما قدس سرہٗ کے ''جہان علم وفن'' کو ''جہان ملک العلما'' میں محفوظ کرنے کی سعی فرمائی۔ کام اگرچہ کافی تاخیر سے شروع ہوا مگر ''دیر آید درست آید'' کے مصداق صحیح نہج پر کام ہورہا ہے۔ حضرت موصوف کی ہر ہر کتاب پر کام ہونا چاہئے۔ رب قدیر توفیق خیر کی مرحمت فرمائے۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں جہان ملک العلما کا اعلان ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں شائع کردیا گیا۔ نیز حضور ملک العلما کی جامع ''صحیح البہاری'' پر چند کلمات حاضر خدمت ہیں۔ ع: گر قبول افتد زہے عزوشرف

خادم: عبدالرحمٰن قادری بریلوی، مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

اس کمترین کو حضور ملک العلما قدس سرہٗ (ولادت: ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء وفات: ۱۹ر جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء) پر کچھ لکھنے کا حکم ہوا۔ اس ذات والا صفات کے فضائل وکمالات اور علمی عروج وارتقاء کا کما حقہٗ تعارف اور بارگاہ خدا اور رسول میں اس کی عظیم مقبولیت کے مقام جلیل کا صحیح اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جس کو امام اہل سنت، مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے کبھی ''ولدی الاعز'' کبھی ''حبیبی وولدی قرۃ عینی'' کبھی ''برادر دینی ویقینی'' کبھی ''ولدی اعزک اللہ فی الدنیا والدین'' کبھی ''جان پدر بلکہ از جان بہتر'' کبھی ''میرے معین'' کبھی ''ھادی مھدی'' کبھی ''علم توقیت سے تنہا آگاہ'' تو کبھی ملک العلما فاضل بہار جیسے گراں قدر اور بلند پایہ القاب وخطابات سے نوازا ہو۔ (فتاویٰ ملک العلما، وحیات ملک العلما)

مگر پھر بھی اپنے بزرگوں کی روش اور ان کے نقوش قدم کی پیروی کے طفیل چند کلمات حاضر خدمت ہیں۔ صاحب تذکرہ حضور ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان اگر قبول فرمالیں، تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علمی فیضان وکرم کا حصول یقینی ہوجائے۔ کیونکہ راقم الحروف حضرت ملک العلما کی رضا وخوشنودی کے دامن میں اعلیٰحضرت کی رضا وخشنودی کے بیش بہا گوہر تصور کرتا ہے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ممتاز شاگرد اور خلیفۂ خاص حضور ملک العلما، فاضل بہار، مصنف علام، محسن ملت،

مؤسس رضویات، جامع الکمالات، سید مکرم حضرت شاہ محمد ظفرالدین صاحب قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی ''حیات فیض رساں'' میں ستر سے زائد اور ایک روایت کے مطابق ۱۶۰ رتصنیفات وتالیفات قلم بند فرمائیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی مثال آپ ہے۔ اس دور کے تقاضوں کے بموجب آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا، اس کا حق ادا کر کے دکھایا۔ متعدد موضوعات وفنون، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام، ہیئت، توقیت، تکسیر اور مناظرہ جیسے اہم فنون پر آپ نے ایسی بے مثال کتابیں ملت اسلامیہ کو عطا فرمائیں کہ اہل علم ودانش پڑھ کر دم بخود رہ گئے اور حضرت فاضل مصنف کی علمی بصیرت وبصارت، فنی مہارت ولیاقت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان تحقیقی اور بے مثال کتابوں میں آپ کی ایک ممتاز ومنفرد کتاب '' الجامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری '' (مجموعہ احادیث ۱۳۴۵ھ) کو جو خصوصیت اور نمایاں عبقریت حاصل ہے، اس کا کوئی جواب نہیں۔ 'صحیح البہاری' کے سلسلے میں صاحب تذکرہ حضرت ملک العلماء کے فرزند ارجمند، حضرت ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب آرزو (سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) کے چند تعارفی جملے ہدیۂ ناظرین ہیں جنہیں ''سمندر در کوزہ'' کی ایک شاندار مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔

صحیح البہاری: (حضور ملک العلماء نے محسوس کیا کہ) ہندوستان کے مدارس اسلامیہ میں عام طور پر صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح اور بلوغ المرام وغیرہ کا درس دیا جاتا ہے، درس نظامی میں بھی یہی کتب احادیث رائج ہیں۔ ان کے مؤلفین شافعی المسلک ہیں اور ان کتابوں میں زیادہ تر وہی احادیث ملتی ہیں، جو شافعی مسلک کے مؤید ہیں۔ ان میں ''مختلف فیہ مسائل کے متعلق ان روایات درج کی گئی ہیں، یا ان کو ترجیح وتقدیم دی گئی ہے، جو ان محدثین کے مسلک کی مؤید تھیں۔ مختارات مذہب حنفی کی بنیاد جن اخبار وآثار پر ہے ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا کیا گیا، تو رد وانکار کے ساتھ، شرحیں اور حواشی بھی انہیں کتابوں کے لکھے گئے اور کچھ اردو ترجمے بھی ہوئے، تو کتب حدیث کے۔ اس طرح غیر منظم ہندوستان میں کئی صدیوں تک شافعی علماء کے تیار کردہ احادیث کے مجموعوں کی ترویج واشاعت ہوتی رہی۔ گیارہویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ء) شاید پہلے حنفی عالم ہیں جنہوں نے مسلک احناف کی تائید میں ایک مجموعۂ احادیث ''فتح المنان فی تائید مذهب النعمان'' کے نام سے مرتب کیا۔ اس کے بعد علامہ سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ) نے ''عقود الجواهر المنيفه فی ادلة امام ابی حنیفه'' تصنیف کی۔ یہ دونوں رسالے مسلک حنفی کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔

خالص محدثانہ انداز میں حنفی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں جو پہلا مجموعہ احادیث مرتب ہوا، وہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (۱۲۷۸۔۱۳۲۲ھ) کی آثار السنن ہے۔ یہ کتاب ۱۳۱۸ھ میں ۳۱۱ صفحات پر، قومی پریس لکھنؤ میں چھپی، افسوس کہ یہ مکمل نہ ہوسکی، کتاب کا خاتمہ ''باب فی زیارة قبر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم '' پر اچانک ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد کے ابواب وہ لکھنا چاہتے تھے لیکن بوجوہ اس میں تاخیر ہوتی گئی تا آں کہ مؤلف کی وفات ہوگئی۔ یہ مختصر سی کتاب علمائے احناف میں قدر کی نظر سے دیکھی گئی اور میری طالب علمی کے زمانے میں بہار کے مدارس میں ہمارے درس میں شامل تھی۔ ممکن ہے کہ

کہیں کہیں اب بھی پڑھائی جاتی ہو۔

یہ دیکھ کر کہ یہ مختصری کتاب ہے اور اس سے احناف کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، ملک العلما فاضل بہار نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ کھنگال کر صرف وہی احادیث صحیحہ جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا جو مؤید مسلک اہلسنت واحناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ ومصدر۔ انہوں نے وہ تمام روایات جمع کیں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتیٰ الامکان فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو جس کی سند استشہاد میں کوئی خبر اور اثر پیش نہیں کی گئی ہو۔

ملک العلما نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا خاصہ حصہ صرف کیا۔ فقہی ابواب کی ترتیب پر انہوں نے اسے چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کا نام ''الجامع الرضوی المعروف به صحیح البہاری'' رکھا۔ ترتیب اس طرح تھی۔ جلد اول: کتاب العقائد۔ جلد دوم: کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ۔ جلد سوم: کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم۔ جلد چہارم: کتاب النکاح تا کتاب الوقف۔ جلد پنجم: کتاب البیوع تا کتاب الغصب۔ جلد ششم: کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض۔ ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مرتب کرنے کا خیال تھا۔ جلد اول یعنی کتاب العقائد میں اختلافی مسائل تھے اس لئے اسے پہلے نہ شائع کر کے دوسری اور تیسری جلد جو طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج پر مشتمل تھی۔ شائع کرنے کا منصوبہ فاضل مؤلف نے بنایا، اس لئے کہ عام مسلمانوں کو ان مسائل کی واقفیت کی زیادہ ضرورت ہے۔

صحیح البہاری کی جلد دوم جو طہارت وصلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے، آسانی کے لئے چار حصوں میں شائع کی گئی۔ پہلا حصہ یعنی کتاب الطہارت ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۲۳۴ احادیث درج ہیں۔ یہ حصہ شیخ غفور بخش کے ابوا العلائی الکٹرک پریس آگرہ سے ۱۹۱۳ء میں چھپا۔ بقیہ تین حصے جو کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہیں، سید منظر علی دسنوی کے برقی پریس، سبزی باغ پٹنہ سے ۱۹۳۲ء میں چھپنے شروع ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں اختتام پذیر ہوئے۔ دوسرا حصہ ۲۸۸ صفحات پر مکمل ہوا اس میں ۱۳۶۸ حدیثیں ہیں۔ تیسرے حصے کے صفحات ۲۱۶ ہیں اور حدیثوں کی تعداد ۲۱۳۶ ہے۔ چوتھے حصے کے صفحات کی تعداد ۲۳۹ ہے اور یہ ۱۸۴۹ احادیث پر مشتمل ہے۔ مکمل جلد کے صفحات ۹۶۰ ہیں اور احادیث کی مجموعی تعداد ۷۹۲۸ تک جا پہنچی ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

مقدمہ جو ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ہر طرح قابل قدر ہے۔ اس میں اصول حدیث کے ضروری فوائد ۳۲ فصلوں میں لکھے گئے ہیں جن میں نہایت قیمتی علمی معلومات درج ہیں، جن کا جاننا حدیث شریف کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے حد ضروری ہے، مقدمہ تحریر کرتے وقت مؤلف علام کے پیش نظر اصول حدیث کی امہات کتب تھیں لیکن سب سے زیادہ استفادہ انہوں نے اعلیٰحضرت کے ان تفردات سے کیا ہے جنہیں برسوں پہلے انہوں نے بڑی توجہ انہماک سے جمع کر کے الافادات الرضویہ کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔ (حیات ملک العلماء)

مذکورہ بالا ''تحریر پُرتنویر'' کی روشنی میں یہ ''حقیقت اظہر من الشمس'' ہو جاتی ہے کہ ''صحیح البہاری'' ایک زبردست سرمایہ امت مرحومہ کی ایک عظیم امانت اور بالخصوص احناف کا گراں قدر بیش بہا خزانہ ہے۔ جس کا کوئی بھی بدل نہیں۔ کتب احادیث میں اس کی انفرادی اور امتیازی خصوصیت ہے بلکہ فقہ حنفی کی تائید پر مشتمل احادیث کے تعلق سے کوئی کتاب اس کی ثانی نہیں۔ فقہ حنفی

کی تائید میں احادیث کے چند مجموعے منظر عام پر ضرور آئے مگر صفحات کی ضخامت اور احادیث کی کثرت کے اعتبار سے ''صحیح البہاری'' کی شانِ امتیازی اپنی جگہ مسلم ہے۔

''صحیح البہاری'' کی تالیف و ترتیب سے یہ سچائی بھی بخوبی آشکارا ہو جاتی ہے کہ جب اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ایک شاگرد رشید اور فیض یافتہ شخصیت کی فن حدیث و اصول حدیث میں مہارت و ممارست کا یہ عالم ہے تو خود امام احمد رضا کی حدیث دانی کا عالم کیا ہوگا۔ اگر اس کا کچھ اندازہ لگانا چاہیں تو ''جامع الاحادیث'' کا مطالعہ کریں۔

ملک العلماء کی اس گراں قدر تالیف کو بلا امتیاز ہر طبقے میں سراہا اور اسے وقت کی ایک اہم ضرورت سے تعبیر کیا اور ملک العلما کی وجاہت علمی کا سکہ اپنوں اور بیگانوں کے درمیان یکساں طور پر کھنکھنانے لگا۔ مولانا حیدر شریف مدرسہ نظامیہ (حیدر آباد)، مولانا عبد القادر، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، مولانا شاہ محی الدین امیر شریعت صوبہ بہار، حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی؛ حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا شاہ محمد حبیب الحق خانقاہ عمادیہ پٹنہ، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری (ویلور)، مولانا شاہ عزیز الدین پھلواروی، مولوی اصغر علی جعفری پٹنہ مدیر رسالہ معارف اعظم گڑھ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس کتاب کی تحسین کی اور ملک العلما کی جلالت علمی کی قسمیں کھائی گئیں۔

فنی اعتبار سے یہ کتاب سنن میں داخل ہے۔ بلکہ ''صحیح البہاری'' تمام سنن کے مقابلے میں بہت جامع ترین ہے۔ عنوانات باب کے اعتبار سے سنن اربعہ میں سنن نسائی سب سے وسیع ہے۔ اب آپ دیکھیں سنن نسائی کتاب الطہارت کے کل ابواب ۱۹۰۹ ہیں اور ان کے تحت بیان کردہ احادیث کی تعداد ۹۰۰ ہے جبکہ ''صحیح البہاری'' کی کتاب الطہارت کے کل ابواب ۲۱۴ ہیں اور اس کے تحت احادیث کی تعداد ۲۲۰۰ ہے۔

استاذ المحدثین حضرت مفتی عبد القیوم ہزاروی نے اس کا فنی و علمی نقطۂ نظر سے بغور تنقیدی جائزہ لیا اور اس کو ''سنن'' میں شمار کرتے ہوئے کہا کہ ''صحیح البہاری'' تمام سنن کے مقابلے میں سب سے زیادہ جامع اور اس کا دائرہ سب سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ اس میں نہ صرف سنن، بلکہ مسانید، مجامع اور اس کے مستدرکات و مستخرجات حتیٰ کہ اجزاء، امالی اور اطراف تک تمام منفردات کو محیط ہیں۔ اس کا اندازہ اس کے ابواب اور مشمولہ ذخیرۂ احادیث سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ (جام نور، اکتوبر ۲۰۰۸ء ص: ۱۸)

اس کی حفاظت اہل سنت بالخصوص علمائے احناف کی منصبی ذمہ داری ہے۔ اور اس کا مؤثر و کارگر طریقہ یہ ہے کہ اولین فرصت میں اسے شائع کر کے عام سے عام تر کیا جائے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ادھر پچاس سالوں میں اس کی ایک بار بھی اشاعت نہ ہو سکی۔ آخر کیوں؟ اس کا جواب مدارس احناف کے ذمہ داران اور مکاتیب اہل سنت کے ناشرین و مالکان کو دینا چاہئے۔ اکثر مدارس اہل سنت کے نساب میں اس کا شامل نہ ہونا بھی انتہائی حیران کن ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت ناک ''صحیح البہاری'' کا مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم سے اخراج ہے۔ معتبر تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور حجۃ الاسلام علامہ شاہ مفتی محمد حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے عہد اہتمام میں جامعہ منظر اسلام بریلی شریف کے نصاب درس میں بھی ''صحیح البہاری'' شامل تھی اور ہونا بھی چاہئے۔ اس لئے کہ ''منظر اسلام'' کو ملک العلماء سے اور

''ملک العلما'' کو منظر اسلام سے ایک خصوصی تعلق حاصل ہے۔ منظر اسلام کے قیام میں بھی حضرت ملک العلما کی پرخلوص کوششوں کا زبردست عمل داخل ہے۔

۱۹۰۴ء ۔۱۳۲۲ھ میں (منظر اسلام، ۱۳۲۲ھ) قائم ہوا اور حضرت ملک العلما نیز موصوف کے ایک ہم وطن دوست حضرت مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی سے مدرسہ منظر اسلام کا افتتاح ہوا۔ ان حضرات نے اپنے حلقۂ احباب میں خطوط لکھ لکھ کر لوگوں کو منظر اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ جس کے نتیجے میں بہار کے طلباء علوم دینیہ نے جوق در جوق آ آ کر منظر اسلام میں داخلہ کیا۔ اہل بہار اس حقیقت سے واقف ہیں کہ فاضل بہار، ملک العلما کو اس جامعہ (منظر اسلام) سے خصوصی تعلق و ربط حاصل ہے۔ اس لئے آج بھی اہل بہار اس تعلق خاص کی وجہ سے منظر اسلام کو خاص ترجیح دیتے ہیں اور نہایت عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور اہتمام میں ''جامعہ نعیمیہ'' میں جو اس وقت ''مدرسہ اہل سنت و جماعت'' کے نام سے معروف تھا۔ ''صحیح البہاری'' داخل تھی۔ الحمد للہ! آج بھی بہت سے مدارس میں شامل نصاب ہے اور جن میں نہیں ہے ان کے ذمہ داران سے گذارش ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیں۔ بعض مدارس کے نصاب تعلیم میں اغیار کی بھی کچھ کتابیں شامل ہیں جن کی جگہ اہل سنت کی کتابیں ہونی چاہئے۔ اس طرف بھی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

''صحیح البہاری'' ایسی منفرد المثال، عظیم المرتبت چھ جلدوں پر مشتمل حدیثی دستاویز ہے کہ اب سے نصف صدی پیشتر جب شائع ہوکر یہ منظر عام پر آئی تو کیا اپنے کیا بیگانے، کیا سنی کیا مخالف، کیا مقلد کیا غیر مقلد، سبھی اس کی مدح و ستائش میں رطب اللسان نظر آئے۔ بڑے بڑے علماء اور ارباب فکر و بصیرت اور محدثین زمانہ پکار اٹھے کہ ذخیرۂ احادیث میں ''صحیح البہاری'' ایک ایسی قیمتی اضافہ ہے کہ جس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ فقہ حنفی کی تائید میں نادر المثال مجموعہ اور مخالفین احناف کے اعتراضات کا شافی اور مسکت جواب ہے۔

☆ حضرت مولانا عبد القدیر صاحب پروفیسر حدیث و صدر شعبۂ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد نے کہا ہے کہ

جو لوگ مذہب احناف کو مبنی بر رائے اور مخالف حدیث سمجھتے تھے اس کتاب کے دیکھنے کے بعد ان کو اپنی رائے بدل لینی پڑے گی۔ الحمد للہ! میں خصوصیت سے اس کے مقدمے کی تعریف کرتا ہوں جس میں بہت سے ضروری فوائد ذکر کئے گئے ہیں گویا وہ اصول حدیث کا اہم رسالہ ہے۔

☆ حضرت مولانا حکیم سعید الرحمٰن خانصاحب تلمیذ رشید حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حقیقتاً یہ ایک بڑی کمی تھی جس کی جانب تعجب ہے کہ اس سے قبل ہمارے علمائے کرام نے توجہ نہ فرمائی ''کل امر مرھون باوقاته'' اس خیر جاری کے لئے مصلحت الٰہی میں یہی وقت مقرر اور اس نعمت عظمیٰ سے آپ کا مشرف ہونا مقدر تھا۔ (خط کے اخیر میں) کاش مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ سے اس کی اشاعت ہوتی تو اس کی شہرت و مقبولیت دنیائے اسلام میں ہوتی۔

☆ واقف اسرار و حقائق حضرت مولانا حافظ سید شاہ محمد حبیب الحق عمادی قادری سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے مخلصی مولوی شاہ محمد ظفرالدین صاحب کی کتاب

'صحیح البہاری'' کو بنظر غور دیکھا اور اس کو ایک نہایت مفید کتاب پایا۔ عام طور سے اہل حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ مسلک حنفی کا دارومدار صرف حضرت امام اعظم یا ان کے چند شاگردوں کی راویوں پر ہے اور اس کو احادیث سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا۔ (چند لائنوں کے بعد)

ہمارے محترم دوست نے یہ کتاب لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ مسلک حنفی کا کوئی جزیہ بھی حدیث کے خلاف نہیں۔ فشکر اللہ مساعیہ وجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین جزاء حسنا۔

امید ہے کہ علمائے کرام وطلبۂ دین خیر الانام اس کتاب سے حظ وافر اور فائدہ متکاثر اٹھائیں گے اور ہمارے مخلص (ملک العلماء) کی محنت دنیا میں مشکور اور عاقبت میں ماجور ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

☆ مولانا حاجی سید علی اصغر علی جعفری پٹنہ رقمطراز ہیں:

مولانا نے اس کتاب کی تالیف وتدوین میں مذہب حنفیہ کی ایک لازوال اور بے نظیر خدمت انجام دی ہے جو انشاء اللہ ہمیشہ باقی رہے گی اور جس سے اہل علم آئندہ زمانوں میں ہمیشہ استفادہ اور روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔ علامہ ظفر الدین نے اپنے مذہب کی تائید وتقویت میں بجائے اس کے کہ محض الفاظ کے الٹ پھیر اور دل خوش کن و پر جوش تقریر سے کام لیں۔ احادیث کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا۔ جس میں ایک طرف وہ تمام روایات جمع ہوں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور حتی الامکان فقہ حنفی کا کوئی مسلمہ مسئلہ ایسا نہ رہ جائے جس کی سند واستشہاد میں کوئی خبر اور اثر نہ پیش کی گئی ہو۔

ہزار گونہ تحسین وآفرین مولانا کی ہمت وحوصلہ پر کہ علم دین کے اس دور کساد وجمود میں ایسے صبر آزما اور محنت طلب کا عزم کیا۔ اگر اس کتاب کی تدوین اس زمانے میں ہوئی ہوتی جب دینی حکومت برسر عروج تھی اور مسلمانوں کا مذہبی وملکی قانون فقہ اسلامی تھا۔ تو کوئی شبہ نہیں کہ مصنف کا شمار ائمہ فقہ وحدیث میں ہوتا آج اگرچہ زمانے کا رخ پلٹا ہوا ہے پھر بھی اہل نظر اور اہل تمیز مولانا کی کاوش کی داد دیئے بغیر نہیں رہیں گے اور جو لوگ جزئیات احکام شرعیہ کا سراغ سلف صالحین کے اعمال ورسوم میں لگاتے ہیں اس کے حق میں اس جامع کا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں ہوگا۔

☆ ادیب ندوۃ العلما مولانا عزیز الدین پھلواری کا اعتراف ملاحظہ فرمائیے:

ہندوستان میں مدتوں سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی ایسی جامع کتاب لکھی جائے جو حنفیہ کے فقہی مسائل کی حدیث سے تطبیق دے۔ اس موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھیں۔ لیکن حنفیہ کی جانب سے حدیث کی بے اعتنائی کا عام خیال جو اہل حدیث علماء کی کوششوں سے پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بالکل زائل نہ ہوسکا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جناب ذوالفضائل والنہی مولانا ظفر الدین مدرس ہیئت وحدیث مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ نے ایک ضخیم کتاب 'جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری'' بڑی دیدہ ریزی وعرق سوزی سے لکھنا شروع کی۔ جس کی ترتیب ابواب فقہ پر قائم کی اور ہر مسئلے کے نیچے اس کی دلیل حدیث سے پیش کی اگرچہ یہ کام مشکل تھا لیکن مولانا جیسے عزم وارادہ کے لوگوں کے لئے نہیں۔ بحمد اللہ! اس عظیم دفتر کا پہلا حصہ منظر عام پر آ گیا ہے۔ حدیث کے بیان میں مصنف نے کسی کتاب کی تخصیص نہیں کی ہے بلکہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے بھی استناد کیا ہے۔

الغرض کتاب نہایت جامع اور حنفیہ کے لئے مفید ہے۔

علماء وطلباء کے لئے یکساں مفید۔ اہل علم حضرات کو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور تقریباً اس کا ایک نسخہ ہر اہل علم کے گھر میں ہونا چاہئے۔
ان بیش بہا علمی اور آب زر سے لکھے جانے کے لائق عمدہ خیالات کے علاوہ سیکڑوں ارباب علم حدیث، اہل فقہ وادب اور درجنوں وقیع جرائد ورسائل اور اخبارات کے مدیران وارباب قلم نے حضرت ملک العلما کی اس بے مثال اور انمٹ حدیثی خدمت کو خراج عقیدت پیش کیا اور اسے اپنے دور کا نادر تحفہ اور گراں قدر سرمایہ قرار دیا۔ فقہ حنفی کا زبردست قیمتی خزینہ شمار کیا اور اہل علم وطلب کو اس کی جانب متوجہ کرنے کی بھرپور سعی کی۔ پھر بھی نہ جانے کن وجوہ وعوامل کی بنیاد پر یہ زبردست سرمایہ عام اہل عالم کی آنکھوں سے کافی حد تک مخفی رہا۔ تقریباً نصف صدی سے اب تک اس کی اشاعت سے غفلت برتنا اور مدارس احناف کے نصاب میں اس کا شامل نہ ہونا نہ جانے کس فکر وتدبر کا نتیجہ ہے۔ ☆☆☆

یہ ”حقیقت اظہر من الشمس“ ہوجاتی ہے کہ ”صحیح البہاری“ ایک زبردست سرمایہ امت مرحومہ کی ایک عظیم امانت اور بالخصوص احناف کا گراں قدر بیش بہا خزانہ ہے۔ جس کا کوئی بھی بدل نہیں۔ کتب احادیث میں اس کی انفرادی اور امتیازی خصوصیت ہے بلکہ فقہ حنفی کی تائید پر مشتمل احادیث کے تعلق سے کوئی کتاب اس کی ثانی نہیں۔ فقہ حنفی کی تائید میں احادیث کے چند مجموعے منظر عام پر ضرور آئے مگر صفحات کی ضخامت اور احادیث کی کثرت کے اعتبار سے ”صحیح البہاری“ کی شان امتیازی اپنی جگہ مسلم ہے۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب، بریلی

صحیح البہاری اور اس کے مصنف

از قلم: عبد المالک رضوی، سیتامڑھی

صوبۂ بہار کا ایک مردم خیز ضلع پٹنہ ہے۔ اس شہر کو ہر اعتبار سے دیگر شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اس کی شہرت کا عالم یہ ہے کہ اسے بہار کی راجدھانی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ دینی حیثیت سے بایں طور کہ اسی دھرتی پر بڑے بڑے علماء واولیاء پیدا ہوئے۔ بہار میں اسے مرکزیت حاصل ہے۔ اس کے مضافات میں حضرت ملک العلماء مفتی سید محمد ظفر الدین علیہ الرحمہ جیسی تحیایۂ زمانہ اور نابغۂ روزگار شخصیت تولد ہوئی۔

۱۴ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ میں باشندگان بہار کے لئے ایک ایسا مژدہ جانفزا سنایا جس سے ہر شخص کا دل فرحت وانبساط سے مچل اٹھا۔ اسی متبرک دستور تاریخ میں حضرت مولانا ظفر الدین صاحب صفحۂ گیتی پر آئے اور اس مسافر خانہ میں آنکھیں کھولی۔ موضع رسول پور میجرا ضلع پٹنہ عظیم آبادی کو آپ کی جائے پیدائش ہونے کا شرف صاحل ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت غوث الثقلین نجیب الطرفین سیدنا ومولانا محی الدین الشاہ عبد القادر رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ والد محترم مولانا عبد الرزاق صاحب کو فارسی زبان میں ملکہ حاصل تھا۔ علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ یہ سن شعور تک پہنچتے ہی دل میں تعلیمی جذبہ کا ایک طوفان موجزن ہوا۔ مروج رسم کے موافق والد بزرگوار نے رسم تسمیہ ادا کرائی اور انہیں سے فارسی کی چند کتابیں پڑھیں۔

ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین صاحب نے جس زمانے میں جنم لیا، اس وقت انگریزوں کا دور دورہ تھا۔ انگریزی زبان عروج وارتقاء کی منزل کی طرف نہایت سرعت سے رواں دواں تھی۔ زیادہ تر لوگ اسی کی تحصیل میں مصروف پیکار تھے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے سینہ میں انگریزی سے نفرت اور عربی، فارسی، سے الفت ومحبت وودیعت فرمادی اور انہیں زبانوں کے حصول میں منہمک ہوگئے۔ اپنے آغاز تعلیم کے بارے میں خود ہی رقمطراز ہیں:

"حق سبحانہ تعالیٰ شانہ! کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس لئے میرے والد وماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ کو مجھے مذہبی عربی تعلیم دلانے کی توفیق بخشی۔ باوجودیکہ بعض خاص اعزہ واحباب نے حد سے زیادہ اصرار کیا کہ زمانہ انگریزی سلطنت کا ہے، اپنے بچہ کو انگریزی تعلیم دلواتے مگر انہوں نے پرواہ نہ کی اور مجھے عربی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا۔ انہیں کی نیک نیتی وخلوص قلبی کا اثر ہے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے دینی خدمات، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتبلیغ، افتاء ومناظرہ کا شوق وذوق میرے دل میں جاگزیں ہوگیا اور برابر انہیں دینی خدمتوں میں انہاک وشغف کے ساتھ منہمک رہا۔"

زندگی میں جب دس برس کا سفر طے کرلیا تب اپنی ننیہال موضع بین کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں داخلہ لیکر مولانا معین الدین اشرف، مولانا بدر محمد بن اشرف، ومولانا معین الدین ازہر سے درس نظامی کی

کتابیں متوسطات تک پڑھیں بعد دارالعلوم حنفیہ بخشی محلہ پٹنہ میں داخل ہوئے۔ اس زمانہ میں شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس کے بعد کانپور پہنچ کر استاذ زمن حضرت مولانا احمد حسن قدس سرہٗ سے استفادہ کیا۔ حضرت مولانا عبد اللہ کانپوری سے آخرین خوب محنت ولگن سے پڑھی اور حضرت مولانا قاضی عبد الرزاق کانپوری کے درس حدیث میں شریک ہوکر احادیث کی کتابیں پڑھیں لیکن دل مضطرب کو ابھی تک تسکین خاطر نہ ہوا۔ حضرت محدث سورتی کی یاد لحہ بہ لحہ شدت ......رہی۔ آخر کار پیلی بھیت حضرت محدث سورتی کی خدمت عالیہ میں میں پہنچے جو پہلے ہی سے وہاں تشریف فرما تھے انہیں کے قائم کردہ مدرسہ مدرسۃ الحدیث میں شریک ہوکر سماعت قرأت میں مکمل توجہ کے ساتھ منہمک ہوگئے۔

خداوند قدوس نے جو ذہانت وفطانت ودیعت فرمائی تھی، محدث سورتی اس سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا علمی استعداد اور کتابی صلاحیت اور باطنی اکتساب کے لئے استاذ محترم حضرت محدث سورتی نے امام اہلسنت مجدد مأتہ حاضرہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ۱۳۲۲ھ میں انہیں بھیج دیا۔ وہاں مولوی غلام یٰسین خاسرائی کے مدرسہ مصباح التہذیب میں داخلہ لیکر تعلیم حاصل کرنے لگے۔ فرصت کے اوقات میں اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں حاضری دیتے لیکن جب مولوی موصوف کی بدعقیدگی ظاہر ہوئی تو آپ اس مدرسہ سے الگ ہوگئے اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ کے مخصوص اشخاص کی کی توجہ ایک ایسے امر عظیم کی طرف دلائی جو تاریخ کے درخشندہ ابواب میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، وہ یہ ہے، کہ حضرت مولانا الشاہ حسن رضا (پ ۱۲؍صفر المظفر ۱۲۷۰ھ التوفی ۱۳۲۶ھ/۱۳۰۸ھ) ومولانا حامد رضا خاں (پ ربیع النور شریف ۱۲۹۲ھ/ماہ اپریل ۱۸۷۴ء وفات ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ مطابق ۵؍مئی ۱۹۴۳ء) کو اپنا ہم خیال بنا کر بڑی جانفشانی کے بعد بریلی کی سرزمین پر مدرسہ "منظر اسلام" کا افتتاح کرایا۔ مدرسے کا تاریخی نام مولانا حسن رضا نے رکھا اور مولانا حسن رضا ہی مدرسہ کے پہلے مہتمم مقرر ہوئے۔

اس مدرسے کے سب سے پہلے طالب علم اور سند فراغت پانے والے حضرت ملک العلماء اور حضرت مولانا عبد الرشید عظیم آبادی ہیں۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے بخاری شریف کے درس سے اس مدرسے کا آغاز فرمایا۔ ملک العلماء امام اہلسنت کے بہت چہیتے اور محبوب شاگرد تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں اعلیٰ حضرت نے پڑھائیں:

بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے تشریح الافلاک، شرح چغمینی تمام کرکے، علم توقیت وجفر تکسیر حاصل کی۔ تصوف کی کتاب عوارف المعارف رسالہ قشیریہ۔ شعبان ۱۳۲۵ھ میں کثیر مجمع میں فاضل بریلوی کی درخواست پر حضرت مخدوم شاہ حیات احمد قدس سرہٗ سجادہ نشین ردولی شریف میں دستار فضیلت باندھی اور سند مرحمت فرمائی۔

امام اہلسنت میں ۱۳۳۵ھ میں اپنے تمام سلاسل کا ماذون ومجاز بنایا۔ ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۲۵ھ تک طالب علمی کی زندگی بسر کی۔ متعدد مقامات سے علم ومعرفت کی تشنگی دور کرکے علم وفضل کی انتہاء تک رسائی حاصل کرتے رہے، اور میں اپنے یقین کے مطابق یہ لکھنے میں ذرہ برابر مبالغہ آرائی تصور نہیں کرتا کہ آپ کدوکاوش سے غایت درجہ کی کامیابی وکامرانی حاصل کی۔ آپ کی کوشش رائیگاں نہ گئی بلکہ دیرینہ تمنائیں پوری ہوئیں اور یہی کامیابی کی اصل ضمانت ہے۔

مذکورہ بالا مدارس میں ملک العلماء نے ان مشائخ عظام وعلمائے کرام کے زیر سایہ اپنی زندگی میں چار چاند لگایا:

(۱) حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب

(۲) حضرت مولانا معین الدین اشرف صاحب
(۳) حضرت مولانا بدر الدین اشرفی صاحب
(۴) حضرت مولانا مولانا معین الدین ازہر صاحب
(۵) حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی
(۶) استاذ زمن حضرت مولانا احمد حسن کانپوری
(۷) حضرت مولانا شاہ عبداللہ صاحب
(۸) حضرت مولانا حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب
(۹) حضرت مولانا حکیم امیر اللہ بریلوی
(۱۰) حضرت مولانا حامد حسن رامپوری
(۱۱) حضرت مولانا بشیر احمد علیگڑھی
(۱۲) امام اہلسنت مجدد اعظم الشاہ احمد رضا قدس سرہٗ۔

اب اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایسے فطین ولبیب شخص کا استاذ کوئی جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہے تو کوئی امام التفسیر الکلام، کوئی شیخ المحدثین ہے۔ تو کوئی استاذ الفقہاء۔ اگر کوئی میدان منطق کا غازی ہے تو کوئی وادئ فلسفہ کا برق ورفتار شہسوار، اگر کوئی توقیت وجفر میں فقیہد المثال ہے تو کوئی فقہ واصول میں یکتائے زمانہ ہے۔ ایسی عالی مرتبت شخصیتوں کی درسگاہ کا فیض یافتہ بھی بے شمار علوم ومعارف سے بے بہرہ کیوں کر ہوسکتا ہے۔

درس وتدریس:

دور طالب علمی سے ملک العلماء کی علمی قابلیت اور راسخ العلمی لوگوں پر آشکارا رہی۔ دوران تعلیم ہی میں پیشوائے وہابیہ مولوی اشرفعلی سے اس کی کتاب حفظ الایمان کی گمراہ کن عبارت پر زبانی بحث ومباحثہ کرکے اس کی کم علمی، نادانی، کج فہمی وگمراہی کارزار آشکارا کرکے مجمع عام میں لاجواب کردیا۔ اسی زمانہ سے عوام وخواص سبھی اچھی طرح سے آپ کی شخصیت سے روشناس ہوگئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ منظر اسلام میں مدرس چن لئے گئے۔ برسوں سے علم وحکمت کا وہ بے بہا گنجینہ جسے اپنے سینے میں محفوظ کیا تھا اس سے تشنگان علوم کو سیراب کرنے لگے۔ بہت ہی کم عرصہ میں ایک مدرس کی حیثیت سے آپ کے علم کا شہرہ ملک کے خطہ خطہ میں پھیل گیا۔

بہت سے لوگ آپ کی تدریسی خدمات کے خواہش مند تھے۔ لیکن اس سلسلے میں ۱۳۲۹ھ میں جناب حاجی عبدالرزاق قادری رضوی مقیم شملہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کو جامع مسجد شملہ کی امامت وخطابت پر مامور کردیا۔ لیکن یہاں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکے اور حضرت مولانا رحیم بخش قادری رضوی المتوفی ۱۳۲۹ھ نے مدرسہ فیض الغرباء کے لئے عرضی پیش کی اور ان کی جانب سے شدید اصرار پر ۱۳۳۰ میں مدرسہ فیض الغرباء کے مسند تدریس پر جلوہ فگن ہوئے۔

الحاج سید نور الہدیٰ المتوفی ۱۳۳۵ھ ایم، اے، ایل، ایل، ایم کیمرج یونیورسٹی انگلینڈ نے اپنے دیرینہ دوست مآب سید فخر الدین وزیر حکومت بہار واڑیسہ ودیگر ودیندار حضرات کی رائے یکم نومبر ۱۹۱۳ء/۱۳۳۰ھ کو مدرسہ شمس الہدیٰ کی بنیاد ڈالی تھی اور تفسیر تفسیر وفقہ، حدیث کے درجات کھولے گئے۔

کچھ دنوں بعد جب مولانا مشتاق احمد کانپوری المتوفی ۱۳۵۳ھ مولانا احمد حسن کے پاس مدرسہ عثمانیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے تو آپ کو استاذ تدریس وحدیث اور مدرس اول منتخب کیا گیا

آپ کے ہیں معترف سب عالمان ارض پاک آپ کی تقدیس کے
قائل ہیں سبھی پیر وجواں۔

مناظرہ:

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کی حقیقت بیانی، دعظ ا

تقریر، پندونصائح پرستان توحید و عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے رحمت اور محبان ادیان باطلہ کے لئے زحمت، گمراہوں کے درمیان کھلبلی مچ گئی، سبھوں کی فریب کاری و گمراہی طشت ازبام ہوتی ہوئی نظر آئی۔ جگہ جگہ مناظرہ ہوتا رہا، مگر ہر جگہ فتح و نصرت کا تاج زریں بدستور آپ کے سروں پہ بندھا رہا۔ تب سب دم دبا کر بھاگ گئے اور کسی میں لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی، لب کشائی تو درکنار کسی کو سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کتنے چیلنج کرنے والوں نے جب آپ کا نام سنا تو اسی وقت بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ واقعات و مشاہدات اس پر شاہد ہیں۔

ایک واقعہ جو حضرت ہی کا تحریر کردہ ہے ملاحظہ ہو:

جب میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس تھا تو رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت علم ہیئت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اور میں اس کو صاف کرا رہا تھا۔ ارادہ تھا، کہ ماہ رمضان المبارک تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا پٹنہ واپس ہوں گا۔ لیکن اواخر رمضان شریف حاجی لعل محمد خاں صاحب کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہے، اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے۔ حضور ملک العلماء کو روانہ فرما دیں۔

اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی اعلیٰحضرت نے فرمایا۔ آپ اس کو اپنے ساتھ لے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کر دیجئے۔ جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لئے سواری آ گئی تو اعلیٰ حضرت باہر آئے اور دو نوٹ دس دس کی مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ ''میرا ارادہ تھا کہ امسال آپ عید یہیں کریں گے بچوں کے لئے کپڑا بنواؤں گا تو آپ کے لئے بھی بنواؤں گا۔ لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جا رہے ہیں اس لئے یہ روپے آپ کی نذر ہیں؟

مجھے بہت شرم آئی، کہ طالب علمی زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو میں نوکر ہوں، میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے وصول کروں۔ میں نے کچھ تأمل کیا، اعلیٰ حضرت نے باصرار عنایت فرمایا میں نے قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لے لئے اور کلکتہ روانہ ہوا۔

میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ اب کس میں مناظرہ کا دم ہے۔ اعلیٰحضرت کی دعا کا اثر ہے ؎

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے — اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(حیات اعلیٰحضرت ج ۱، ص: ۴۸۔۴۹ بریلی شریف)

جب حضرت مولانا خود اپنی زبان سے یہ کہہ رہے ہیں تو حقیقت لامحالا اس سے زیادہ ہوگی۔ کیونکہ منکسر المزاجی تو اضع انکساری علماء کا خاصہ ہے آپ بھی اپنی تعریف و توصیف سے سخت نفرت کرتے تھے۔

[۱] مولانا علی احمد سیوانی صاحب نے اپنے ایک مضمون ''ملک العلماء خود اپنے وطن میں اجنبی'' میں لکھتے ہیں:

حضرت ملک العلماء درجنوں کتابوں کے مصنف تھے۔ منجملہ ان کی ایک کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' تین ضخیم جلدوں میں ہے اور اس موضوع پر بنیادی اور مستند ترین کتاب ہے۔ (ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ ص ۳۴)

یہاں مولانا نے جلدوں کی تعداد شمار کرنے میں غلطی کی ہے، جیسا کہ خود مصنف کی عبارت سے واضح ہے:

خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر کہ ۱۲ رسال میں یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی۔ حیات اعلیٰ حضرت بالآخر سنیت کا یہ روشن مینارہ اس وقت جبکہ رات کی تاریکی صبح کی سپیدی سے گلے مل کر رخصت ہو رہی تھی، یعنی ۱۹ر جمادی الاخری ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء بوقت

صبح اللہ اللہ کا نعرہ لگاتے ہوئے منہدم ہو گیا۔ ع

کون اس چمن سے اے بادِ صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کا اڑا جاتا ہے
موت اس شخص کی ہے جس پہ زمانہ روئے
یوں تو دنیا میں سبھی آئے مرنے کے لیے

پٹنہ کی دھرتی پر آپ کے مزار اقدس سے آج بھی عوام و خواص اسی طرح فیضیاب ہو رہے ہیں جس طرح حیات ظاہری میں ہوا کرتے تھے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے — اقبال

حافظ شیرازی کے بقول اپنی مرقد انور میں رہ کر ایک عالم کو فیضیاب کر رہے ہیں کیونکہ۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

صحیح البہاری:

برسہا برس نہیں بلکہ صدیوں سے علمائے کرام فضلائے عظام وصلحاء امت کی آنکھیں ترس رہی تھیں کہ کوئی ایسی کتاب معرض وجود میں آئے جس میں وہ احادیث یکجا ہوں جو مذہب حنفی کا ماخذ اور موئد ہوں۔

لیکن چونکہ چودھویں صدی کے اوائل تک کوئی ایسی کتاب دیکھنے کو نہ ملی۔ بالآخر قدرت نے فاضل بریلوی کو علمائے امت کی دیرینہ آرزو پوری کرنے کے لئے منتخب کیا، اور ملک العلماء کے دل میں یہ جذبہ بیدار ہوا کہ میں خود ایسی کتاب مرتب کردوں جس میں صرف مذہب حنفی کی موئد احادیث ذکر کی جائیں۔

اس مہتم بالشان کام کا آغاز قیام سہسرام کے دوران اپنے استاذ محترم مرشد برحق اعلیٰ حضرت کی دعا واجازت سے کیا۔ جب اس کی ترتیب وتصنیف میں مکمل طور سے منہمک ہوگئے، تو دشوار گذار مراحل پر مربی روحانی نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود رہنمائی کی، اور وقتاً فوقتاً کتابیں بھی ارسال کرتے رہے۔ پٹنہ کی مشہور ومعروف خدا بخش لائبریری سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا علاوہ ازیں مخصوص احباب ومتعلقین نے بھی مواد کی فراہمی میں ناقابل فراموش رول ادا کیا۔

پوری جانفشانی وجہد مسلسل کے بعد دس سال کے طویل عرصہ ۱۳۳۵ھ/تا ۱۳۴۵ھ/ میں یہ عالمی کارنامہ پایہ تکمیل کو پہنچا، مگر ستم ظریفی زمانہ یا وسائل کی عدم فراہمی کی وجہ سے پانچ سال یہ کتاب کتابت وطباعت........سے محروم رہی۔ بعدہٗ حسین، دیدہ زیب، اور جاذب نظر ٹائٹل سے آراستہ وپیراستہ ہو کر عوام وخواص کے لئے راحت قلب وجاں اور سکون دل ونظر ہوئی۔

حضرت فاضل بہاری کی یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے، جس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

جلد اول — عقائد
جلد دوم — طہارت وصلوٰۃ
جلد سوم — زکوٰۃ وصوم وحج
جلد چہارم — کتاب النکاح تا وقف
جلد پنجم — کتاب البیوع تا غصب
جلد ششم — کتاب الشفاء تا فرائض

حضرت ملک العلما کا خیال ہوا، کہ دوسری جلد جس میں طہارت وصلوٰۃ کا بیان ہے، پہلے اسی کو منظر عام پر لایا جائے، اس لئے وہی چھپ کر بامرہ نواز ہوئی۔ لیکن اس کی ضخامت کے سبب اسے چار حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ جیسا کہ ان حصص سے کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔

حصہ اول کتاب الطہارت ۲۴۰ صفحہ پر مشتمل ہے۔ اس میں ۲۰۶۳ حدیثیں بیان کی گئی ہیں۔ حصہ دوم میں ۲۸۸ صفحات ہیں، اس میں ۳۲۰۹ حدیثیں آتی ہیں حصہ سوم ۲۱۶ صفحوں پر ختم ہوتا ہے، اس

میں ۲۱۲۹ حدیثیں درج ہیں۔ حصہ چہارم ۲۳۶ صفحہ پر مشتمل ہے اس میں ۱۸۰۱ حدیثیں درج ہیں۔ اس طرح سے یہ چاروں حصے ۹۶۰ صفحات اور ۹۳۰۲ حدیثوں پر مشتمل ہیں۔

حضرت ملک العلما کی یہ کتاب گوناگوں خوبیوں کی حامل ہے۔ باب احکام میں جن حدیثیں ذکر کی گئی ہیں باب فضائل میں حتیٰ الوسع یہی سعی کی گئی ہے کہ احادیث مذکور ہوں لیکن ضعیف احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔ کیونکہ فضائل میں حدیث ضعیف معتبر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ حدیث کی متعدد سندیں فراہم کردی جائیں اور باب احکام میں تو اس کا التزام ہے تا کہ کوئی حدیث حسن سے کم درجہ کی نہ رہے۔ اس کتاب سے اس غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''مذہب حنفی احادیث ونصوص کے علاوہ قیاس آرائی پر قائم ہے''۔

ان احادیث کے بیان سے آپ نے واضح کردیا، کہ مذہب احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ اس کتاب میں احادیث کی پوری سندیں درج نہیں کی گئی۔ بلکہ ان احادیث کی تخریج کرنے والے محدثین یا ان کی کتابوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے جیسا کہ مشکوٰۃ وغیرہ کتب احادیث کا طرز تدوین ہے۔

حضرت ملک العلما علامہ ظفر الدین علیہ الرحمہ نے جلد ثانی کے حصہ اول میں ایک طویل مقدمہ لکھ کر یہ بیان کردیا کہ کون سی حدیث معتبر ہے کون نہیں، حدیث کب حسن ہوتی ہے کب ضعیف، کس وقت ضعیف کا اعتبار ہوگا، کس وقت نہیں، حدیث ضعیف موضوع ہوتی ہے یا نہیں۔ ہر ایک کو دلائل وشواہد اور اقوال ائمہ ومحدثین سے مدلل ومبرہن کیا۔ تمام فوائد کا اجمالا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

فائدہ ۱: یہ مجلدات اگر چہ بادی النظر میں صحاح یعنی بخاری، مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، نسائی وابن ماجہ وغیرہ کی طرح احادیث صحاح حسان وضعاف پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان اشخاص پر جو احادیث کی کتابوں میں باریک بینی سے کام لیتے ہیں ان پر بخوبی عیاں ہوگا کہ اس کتاب میں احادیث یا تو صحیح ہیں یا حسن، اس لئے کہ میں نے ایک حدیث کے متعدد طرق جمع کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جس کی وجہ سے اگر کوئی ضعیف حدیث آئی تو وہ تعدد طرق سے حسن ہوگئی۔

فائدہ ۲: حنفیہ حدیث کا سختی سے اتباع کرتے ہیں اور حدیث سے دوسرے کی نسبت زیادہ استدلال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حدیث مرسل کو بھی حجت مانتے ہیں اور اس کے ہوتے ہوئے قیاس کو ترک کردیتے ہیں اور جمہور کے نزدیک بھی جن میں امام مالک بھی ہیں حدیث مرسل حجت ہے مگر امام شافعی کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔

فائدہ ۳: حدیث کے مراتب کے بیان میں ہے۔ سب سے اعلیٰ مرتبہ صحیح لذاتہٖ پھر صحیح لغیرہٖ پھر حسن لذاتہٖ پھر حسن لغیرہٖ یہ چاروں مطلقاً حجت ہیں، پھر ضعیف بضعف قریب، پھر ضعف بضعف قوی، پھر ساتواں حصہ حدیث مطروح کا ہے پھر اس کے بعد موضوع۔

فائدہ ٤: حدیث ضعیف تعدد طرق سے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

فائدہ ٥: تقویت حدیث کے لئے دو سندیں کافی ہیں۔

فائدہ ٦: حدیث ضعیف اہل علم کے عمل سے قوی ہوجاتی ہے۔

فائدہ ٧: حدیث ضعیف کبھی بالکل ضعیف ہوتی ہے، لیکن علماء کے تجربہ کی بناء پر لائق عمل ہوجاتی ہے۔

فائدہ ٨: کتب علماء میں حدیث کے بلاسند مذکور ہونے پر بھی اکتفا کرلی جاتی ہے اور صرف ان پر اعتماد کی بناء پر بیان کردیا جاتا ہے۔

فائدہ ٩: محدثین کا قول ہے'' لایصح فی ہذا الباب۔۔۔ حجت ہونے کے منافی نہیں ہے۔

فائدہ ١٠: عدم صحت وموضوعیت کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔

فائدہ ١١: ۹/میں جو کچھ اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، اسی فائدہ کو

شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

فائدہ ۱۲: جو حدیث سے ثابت ہو اس کی تین قسمیں ہیں: اول عقائد، دوم احکام، سوم فضائل ومناقب کتاب میں بالتفصیل مذکور ہے۔

فائدہ ۱۳: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے۔

فائدہ ۱۴: صحیح ومعتبر احادیث سے بھی یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ فضائل حدیث ضعیف قابل عمل ہے۔

فائدہ ۱۵: فضائل اعمال میں عقل بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ حدیث ضعیف مقبول ہو۔

فائدہ ۱۶: ب محل احتیاط ہو تو حدیث ضعیف کا احکام اعتبار کیا جائے گا۔

فائدہ ۱۷: فضائل میں موضوع کے علاوہ ہر حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

فائدہ ۱۸: موضوعات کو بتانے کے لئے جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں کسی حدیث کا مذکور ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ ضعیف ہی ہو کیونکہ جن لوگوں نے صرف موضوعات کو لانے کا التزام کیا ہے ان کی کتابوں میں بھی تنقیح ظاہر ہوا کہ حسن بلکہ موضوع درج ہو گئی ہیں اور جنہوں نے اس کا التزام نہیں کیا ہے ان کی کتابوں میں صحاح وحسان کا ہونا خود ہی ظاہر ہے۔

فائدہ ۱۹: صرف راوی کے ضعیف ہونے سے حدیث کو موضوع نہیں کہا جا سکتا۔

فائدہ ۲۰: ایسا غافل جو دوسرے سے تلقین قبول کر لیتا ہو اس کی حدیث کو بھی موضوع نہیں کہا جا سکتا۔

فائدہ ۲۱: انقطاع وضع کو مستلزم نہیں۔

فائدہ ۲۲: حدیث مضطرب بلکہ منکر بھی موضوع نہیں ہوتی۔

فائدہ ۲۳: منکر الحدیث راوی کی حدیث بھی موضوع نہیں اگر چہ امام بخاری ہی نے منکر الحدیث کہا ہو۔

فائدہ ۲۴: متروک راوی کی حدیث بھی موضوع نہیں جبکہ ضعفاء میں متروک سب سے نیچے درجہ کا ضعیف ہے جس کے بعد متہم بالوضع یا کذاب ودجال ہی کا نمبر ہے۔

فائدہ ۲۵: مجہول راوی کی حدیث بھی موضوع نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ ضعیف ہو سکتی ہے۔

فائدہ ۲۶: حدیث مبہم موضوع نہیں ہوتی۔

فائدہ ۲۷: حدیث مجہول تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے۔

فائدہ ۲۸: وضع کا حکم سند پر ہوتا ہے نہ کہ متن پر یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث ایک سند کے لحاظ سے موضوع قرار پاتی ہو لیکن دوسری سندوں سے ضعیف یا حسن یا اس سے بھی بالاتر صحیح ثابت ہو جائے کتاب میں اس کی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔

فائدہ ۲۹: متعدد طریقوں سے طعن ہونے کی وجہ سے حدیث موضوع نہیں۔

فائدہ ۳۰: موضوع کچھ ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور متعدد موضوع چند طریقے سے مروی ہو تو بھی اس کی خرابی میں کمی نہیں آتی۔

فائدہ ۳۱: عمل بالموضوع اور عمل مافی الموضوع میں ہے۔

فائدہ ۳۲: حدیث ضعیف کی روایت بلاشبہ جائز ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں بھی ایک حدیث کے بارے میں ضعیف ہونے کی ائمہ نے صراحت کی ہے اور صحیح مسلم اور دیگر صحاح ومسانید وغیرہا میں تو بکثرت موجود ہے خصوصاً حدیث کی تقویت کے لئے متابعت اور شواہد میں ضعیف احادیث بلانکیر لائی جاتی ہے۔ (مقدمہ، ص: ۴ تا ۸)

حضرت ملک العلما کا یہ مقدمہ بہت سے اہم فوائد پر مشتمل ہے جن سے طالبان حدیث کا واقف ہونا ضروری ہے۔

صحیح البہاری کے متعلق علمائے کرام نے جو تقریظیں تحریر کی ہیں ان اقتباسات کی ایک جھلک:

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ واقف آثار وسنن جناب مولانا حاجی سید علی اصغر صاحب جعفری زینبی دامت فیوضہ "مولانا نے یہ کتاب لکھ کر علماء واعلام حنفیہ کے اس دعوے کو کہ احادیث وآثار کی اتباع میں مقلدین مذہب حنفی اعتقاد اور عمل دونوں طرح مذہب اہلسنت ہر دوسرے فرقہ سے آگے اور پیش پیش ہے نہ صرف ثابت ومبرہن بلکہ ایک اعتبار سے محسوسات کی طرح بدیہی بنادیا" الجامع الرضوی ص:۸

حضرت مولانا حافظ سید شاہ محمد حبیب الحق قادری عمادی صاحب: "محترم دوست نے یہ کتاب لکھ کر اس بات کو واضح کردیا کہ مسلک حنفی کا کوئی جزیہ بھی حدیث کے خلاف نہیں"۔

حضرت مولانا عبد القدیر صاحب پروفیسر حدیث وصدر دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد "فقیر نے جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری جلد ثانی مصنف مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب کو دیکھا یہ حدیث کی نہایت جامع اور اچھی کتاب ہے بحد امکان حدیث کو جمع کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ مذہب احناف کی تائید کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہر مسئلہ پر اس قدر کثرت سے حدیثیں بیان کی ہیں کہ ضعیف حسن صحیح احادیث مشہور کا مرتبہ حاصل کرلیتی ہے۔"

حضرت مولانا حافظ سید شاہ محمد حبیب الحق قادری عمادی صاحب قبلہ اور مولانا عبد القدیر صاحب دونوں کی تحریریں الجامع الرضوی کے جلد ثالث صفحہ ۸ اور جلد ثانی صفحہ ۲ پر واقع ہے۔

علمائے کرام کے علاوہ بہت سارے ایڈیٹران اخبار وجرائد نے بھی آپ کی عرق ریزی کی داد دی ہے۔ ذیل میں چند ایڈیٹران کے تبصرے ملاحظہ ہوں:

مولانا عبد الماجد دریابادی نے اخبار سچ لکھنؤ ۷ ارجون میں تحریر کیا: "فقہ حنفی ایک بحر ناپیدا کنار ہے سب کتابیں یکجا کی جائیں تو الماریاں کی الماریاں کیا کتب خانے اکٹھے ہوجائیں۔ مگر اکثر کتابوں میں صرف جزئیات مندرج ہیں صرف بعض نے اس طرف توجہ کیا کہ جزئیات کے ساتھ ساتھ ان کے مآخذ قرآن یا حدیث سے بھی درج کئے جائیں پھر ابھی تک اس سلسلہ میں بہت کچھ کام کرنے کو باقی رہ گیا ہے۔ اس وقت بڑی ضرورت اس کی تھی کہ جو احادیث نبوی مسلک حنفی کی تائید میں ملتی ہیں انہیں یکجا کردیا جائے۔ اس لئے کہ مخالفیں حنفیہ کا بڑا اعتراض یہی ہے کہ فقہ حنفی کے احکام حدیث سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

ملک العلماء نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور جامع الرضوی یا صحیح البہاری کے نام سے چھ مجلدات شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ زیر نظر کتاب جلد دو کا صرف حصہ اول ہے جس میں کتاب الطہارت کی وہ احادیث جمع کردی گئی ہیں جو ائمہ حنفیہ کی مستدل ہیں۔ ۲۶/۲۵ صفحہ کا مقدمہ ہے باقی حصص میں اصل کتاب ہے۔ جو بکثرت ابواب میں منقسم ہیں۔

فاضل مؤلف کی کوشش ہر آئینہ قابل داد اور تلاش وکاوش بہر نوع مستحق تحسین وآفریں، حنفی مدارس کے طلباء کے زیر درس اگر اس قسم کی کتابیں رہیں تو بہت خوب ہو جن حضرات کو فقہ حنفی سے یہ بدگمانی رہتی ہے کہ وہ حدیث نبوی سے الگ اور اس کے معارض ہیں ان کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت نافع ہوگا"۔

(۵ ۶ ایضاً جلد ثانی)

☆☆☆

عافیہ: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

ازقلم: علامہ رضوان احمد نوری شریفی، بانی الجامعۃ البرکاتیہ، گھوسی، ضلع مئو۔ یوپی

فن صرف کی اہمیت:

حقیقت یہ ہے کہ صحیح بولنا اور سمجھنا اوزان کلمات کے علم پر موقوف ہے، جب تک کلمات کے اوزان معلوم نہ ہوں گے اس وقت تک نہ تو صحیح بولا جاسکتا ہے اور نہ صحیح سمجھا جاسکتا ہے اور کلمات کے اوزان چونکہ علم صرف ہی سے معلوم ہوتے ہیں اس لئے اس فن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہیکہ قدیم زمانہ سے مختلف ادوار میں اس فن پر کتابیں لکھی اور پڑھی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً علامہ ابن حاجب نے ساتویں صدی ہجری میں شافیہ، آٹھویں صدی ہجری میں علامہ سراج الدین عثمان اودھی نے میزان الصرف، علامہ سید شریف جرجانی نے صرف میر، آٹھویں یا نویں صدی ہجری میں شیخ صفی ردولوی نے پنج گنج غالباً اسی کے آس پاس علامہ شیخ حمزہ بدایونی نے منشعب، گیارھویں صدی ہجری میں علامہ قاضی سید اکبر علی نے فصول اکبری اور تیرھویں صدی ہجری میں علامہ مفتی عنایت احمد صاحب رضی اللہ عنہم نے علم الصیغہ تصنیف فرما کر شائقین علم پر احسان فرمایا۔ عافیہ بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

یہ کتاب مختصر مگر جامع ہے، صرف کے تمام مسائل اور فوائد پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ جتنی مروجہ کتابیں درس میں شامل ہیں ان میں کوئی ایسی کتاب نہیں، جو فن صرف کے تمام مسائل کو حاوی ہو، چنانچہ میزان و منشعب میں ماضی مطلق سے لیکر اسم تفضیل تک کی گردانیں اور ان کے بنانے کے قاعدے، ثلاثی مجرد و مزید فیہ، رباعی مجرد و مزید فیہ ملحق کی گردانیں اور ان کے تحت چند مصادر کا ذکر ہے اور کہیں کہیں کچھ کلمات کی تعلیل بھی ہے۔ پنج گنج میں صحیح و معتل و مہموز کا ذکر ہے اور گردانیں صرف معتل اور مضاعف کی لکھی گئی ہیں اور ضمناً مفصل کے کچھ قواعد بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ابواب کی خاصیات کا ذکر اس میں بھی ہے اور فصول اکبری میں بھی ہے مگر پنج گنج میں اصطلاحات کی تعریف نہیں کی گئی ہے۔ کہیں کہیں اصطلاحی معانی کی طرف اشارہ ہے اور فصول اکبری میں اکثر اصطلاحی معانی بتائے گئے ہیں اور کہیں کہیں صرف مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اسی طرح علم الصیغہ میں ثلاثی مجرد کے دو باب "فَضِلَ اور کَادَ" کا ذکر نہیں، یونہی فعل ماضی کی تمام قسمیں، انکی گردانیں اور ان کے بنانے کے قواعد نہ تو پنج گنج اور نہ صرف میر میں ہے اور نہ ہی علم الصیغہ میں، فصول اکبری میں بھی ماضی کی قسموں، ان کے بنانے کے قواعد اور بہت سی باتیں نہیں ہیں۔ مذکورہ باتوں میں سے کچھ کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان کی جائیگی۔

الغرض مذکورہ کتابوں میں ایسی کوئی کتاب نہیں، جس میں از ابتدا تا انتہا صرف کے تمام مسائل و قواعد یکجا موجود ہوں کہ صرف اسی ایک کتاب کو پڑھکر تمام مسائل سے واقفیت ہوسکے اور مزید کسی کتاب کی ضرورت نہ پیش آئے، میری اس گفتگو سے کوئی یہ نہ سمجھے، کہ میں مذکورہ کتابوں اور ان کے مصنفین کی تنقیص بیان کررہا ہوں۔ حاشا وکلا میرے حاشیۂ خیال میں یہ بات آہی نہیں سکتی کیونکہ میں سمجھتا ہوں، کہ مذکورہ کتابیں عصری تقاضوں کے مطابق تصنیف کی گئی ہیں۔ مثلاً

میزان و منشعب ابتدائی طلبہ کے اذہان کے پیش نظر لکھی گئی اور صرف میر، پنج گنج وغیرہ میں وہ باتیں ترک کردی گئیں، جن کا ذکر میزان و منشعب یا کسی دوسری ابتدائی کتاب میں ہو چکا ہے۔ اسی طرح فصول اکبری میں بہت سی وہ باتیں جن کا ذکر میزان و منشعب، صرف میر اور پنج گنج میں ہو چکا ہے، ترک کردی گئیں۔ علم الصیغہ میں بھی وہ باتیں، جن کا ذکر مذکورہ کتابوں میں ہو چکا ہے، مکمل طور سے بیان نہیں کی گئیں۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پیشتر وقت کی فراوانی اور مشاغل کی کمی تھی، اس لئے ممکن ہے، کہ کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی ہو، کہ ایک ایسی کتاب ہونی چاہئے، جو صرف کے تمام مسائل پر مشتمل ہو۔ لیکن مصنف علام ملک العلماء کی دوررس نگاہ دیکھ رہی تھی، کہ ایک ایسا دور آنے والا ہے، جس میں مشاغل کی فراوانی اور وقت کی تنگی ہوگی اور فارسی زبان کا رواج ختم ہو جائیگا۔ اس لئے آپ نے عافیہ تصنیف فرمائی۔ جو آسان اور سلیس اردو زبان میں ہے اور از ابتدا تا انتہا صرف کے تمام مسائل کو حاوی ہے۔ جو بلا شبہ صرف کی دوسری کتابوں سے بے نیاز کردینے والی ہے غالباً اسی لئے اس کا نام "عافیہ" رکھا گیا۔

عافیہ کی خصوصیات :

۱۔ مذکورہ بالا کتابوں میں شافیہ عربی زبان میں اور باقی کتابیں فارسی زبان میں ہیں اور ظاہر ہیکہ مادری زبان میں مسائل و قواعد کا علم بہ نسبت دوسری زبانوں کے آسانی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے عافیہ کو سلیس اردو زبان میں تصنیف فرمایا، تاکہ مبتدی طلبہ بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔ ساتھ ہی اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، کہ فن سے متعلق کوئی مناسب اور ضروری بات رہ نہ جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فن صرف کی تعریف اس کا موضوع اور غرض و غایت کو مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"جس علم کے ذریعہ اوزان کلمات معلوم ہوں اس کو علم صرف کہتے ہیں، غرض اس سے یہ ہے کہ صیغوں کے بولنے اور سمجھنے میں غلطی نہ ہو، موضوع اس کا کلمہ ہے"۔

۲۔ مذکورہ کتابوں میں سے صرف شافیہ میں علم صرف کی تعریف کی گئی ہے۔ مگر موضوع اور غرض و غایت کا ذکر نہیں ہے۔ صرف میر میں تصریف (گردان) کی تعریف تو ہے، مگر علم صرف، اس کی غرض اور موضوع کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح اسم، فعل اور حرف کا ذکر بعض کتابوں میں تو ہے ہی نہیں اور بعض کتاب مثلاً صرف میر میں ہے۔ مگر، تعریف نہیں اور علم الصیغہ میں ان کا ذکر تعریف کے ساتھ ہے۔ مگر جس مختصر اور آسان انداز میں مصنف علام نے ان کی تعریف کی ہے، ایسا انداز اب تک اردو کی کتابوں میں بھی نظر نہیں آیا۔ چنانچہ کلمہ کی تعریف کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"جو کلمہ اپنے ذاتی معنی کو نہ بتا سکے اس کو حرف کہتے ہیں جیسے مِنْ، اِلٰی کہ خود یہ دونوں کلمے اپنے ذاتی معنی ابتدائے غایت اور انتہائے غایت کو نہیں بتاتے، جب تک دوسرا کلمہ اس کے ساتھ نہ ملایا جائے اور اگر اپنے ذاتی معنی پر دلالت کرے، مگر تینوں زمانے ماضی، حال، استقبال سے کوئی بھی اس میں نہ پایا جائے، تو وہ اسم ہے۔ جیسے (زَیْدٌ عَالِمٌ) جو کلمہ اپنے ذاتی معنی پر دلالت کرنے کے ساتھ کسی زمانہ کو بھی بتائے، اس کو فعل کہتے ہیں جیسے نَصَرَ (اس نے مدد کی زمانہ گذشتہ میں)"۔

عربی زبان کی کتابوں میں ذاتی معنی کی تعبیر "معنی فی نفسها" سے کی گئی ہے، اور فارسی زبان کی کتابوں میں معنیٰ مستقل سے کی گئی۔ جس کا سمجھنا مبتدی طلبہ کیلئے آسان نہ تھا۔ مگر مصنف علام نے اس کی تعبیر ذاتی معنی سے کر کے بالکل آسان کردیا۔ مذکورہ بالا عبارت سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے، کہ آپ کو کسی معنی کو مختصر اور سلیس الفاظ میں بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔

۳۔ اسی طرح جو باتیں مذکورہ کتابوں میں تو مذکور ہیں، مگر کہیں کہیں صرف اصطلاحی لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے، تو آپ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے، اس کی وضاحت فرما دی ہے۔ چنانچہ پنج گنج اور فصول اکبری میں خاصیت کا بیان تو ہے، مگر خاصیت کی تعریف نہیں۔ لیکن عافیہ میں اس کی تعریف ان الفاظ کی گئی ہے۔

''خاصیت اس اثر کو کہتے ہیں جو اس شے پر مرتب ہو خواہ اس کے ساتھ مختص ہو جیسے مغالبہ خاصہ نَصَرَ کا ہے، یا دوسرے میں بھی پایا جائے جیسے تعدیہ کہ افعال و تفعیل وغیرہ میں پایا جاتا ہے''۔

۴۔ پنج گنج اور صرف میر میں صرف خاصیات کی اصطلاحات کا ذکر ہے۔ کہیں کہیں اجمالی طور پر معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور فصول اکبری میں اکثر اصطلاحات کے مختصر انداز میں معانی بیان کرتے ہوئے، مثالیں دی گئی ہیں۔ مگر عافیہ میں تمام اصطلاحات کی تعریفات مع امثلہ بیان کی گئی ہیں اور بعض مقامات پر اس بات کو بھی واضح طور پر بیان کر دیا گیا، جس کی طرف تبادر ذہنی نہیں ہوتا۔ مثلاً شافیہ اور پنج گنج میں باب افعال کی خاصیت تعدیہ بتا کر مثال پیش کر دی ہے اور فصول اکبری میں بھی تعدیہ اور تصییر کا ذکر کرنے کے بعد مثال پر اکتفا کیا ہے۔ مگر عافیہ میں اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''(خاصیت افعال) تعدیہ و تصییر یعنی فعل لازم کو متعدی اور متعدی بیک مفعول کو بدو مفعول اور بدو مفعول کو بسہ کر دینا جیسے خرج زید نکالا زید اخرجتہٗ نکالا میں نے اس کو لزمہ لازم ہوا وہ اس کو، الزمتہٗ لازم کر دیا میں نے اس کا اس کو علمتُ زیداً فاضلاً جانا میں نے زید کو فاضل اعلمت عمرواً زیداً فاضلاً معلوم کرایا۔ میں نے عمرو کو زید کو فاضل (عمرو کو کہ زید فاضل ہے)۔ حقیقت یہ ہے، کہ جہاں تعدیہ کا ذکر ہوتا ہے، عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ فعل لازم جب باب افعال سے آتا ہے، تو متعدی ہو جاتا ہے۔ اس بات کی طرف ذہن نہیں جاتا ہے، کہ متعدی بیک مفعول باب افعال میں آنے کے بعد متعدی بدو مفعول ہو جاتا ہے اور متعدی بدو مفعول اس باب میں آنے کے بعد متعدی بسہ مفعول ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو وضاحت سے بیان فرمایا، جس کا ذکر اس فن کی دوسری کتابوں میں نظر نہیں آتا۔

۵۔ علم الصیغہ میں نصر سے مہموز فا کی گردان کے بعد تحریر فرماتے:

''امر ایں باب کہ خذ آمدہ بر خلاف قیاس است، قیاس مقتضی آں بود کہ اُوخُذ می آید بابدال ہمزہ بواو بقاعدہ اُؤمن ہم چنیں امر اکل یا کُلْ آمد۔ و در اُمَرْ یا مُرْ حذف ہمزتین و ابقائے ہر دو ہم جائز ست۔ مُرْ و اُؤمُرْ ہر دو آمد''۔

مگر عافیہ میں اس کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے خلاف قیاس حذف کی وجہ بھی بیان کی گئی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور کُلْ، خُذْ، مُرْ میں حذف خلاف قیاس ہے مطابق قاعدہ اوکل، اور اوخذ اومر ہونا چاہئے تھا مگر کثرت استعمال کی وجہ سے خلاف قیاس حذف کیا گیا''۔

ابھی علم الصیغہ کی مذکورہ بالا عبارت میں یہ بتایا گیا کہ اُمَرْ یا مُرْ میں دونوں ہمزہ کے حذف کے ساتھ مر بھی آیا ہے اور دونوں کو باقی رکھتے ہوئے اُومر بھی آیا ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے، کہ ان میں کون فصیح ہے اور افصح کی کیا صورت ہے اور افصح کیوں ہے؟

لیکن عافیہ میں مختصر الفاظ میں اس کی وضاحت موجود ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''البتہ خُذْ اور کُلْ یہ التزام محض سماعی خلاف قیاس ہے اور اومر سے مُرْ فصیح ہے مگر وَمُرْ سے وَأْمُرْ افصح کہ قرآن شریف میں یوں ہی آیا ہے''۔

اسکی تائید علامہ ابن حاجب کی شافیہ سے بھی ہو رہی ہے

چنانچہ شافیہ میں "والتزموا خذ و کل علی غیر قیاس لکثرۃ وقالوا مُرُوھو افصح من اُوْمُرا ما وَامُر فصح من وَمَر" ص ۱۰۸ مگر وَ اٰمُرْ کے افصح ہونے کی وجہ انہوں نے بھی نہیں بتائی، یہ وجہ صرف عافیہ میں ہے۔

۶۔ پنج گنج میں ہمزہ کے صرف تین قاعدے ہیں علم الصیغہ میں دس قاعدے ہیں۔ مگر عافیہ میں تیرہ قاعدے بیان کئے گئے ہیں فصول اکبری میں دس سے کم ہی ہیں صرف میر میں مہموز کی گردان، تو ہے۔ مگر قواعد نہیں۔ علم الصیغہ میں ہمزہ کا بھی نواں قاعدہ جو بیان کیا گیا، اس کی تین مثالیں سَال وَسَیِمَ اور لَوُمُ پیش کی گئی ہیں۔ مگر عافیہ میں یہ قاعدہ واضح انداز میں بیان کرنے کے بعد نو مثالیں پیش کی گئی ہیں اور نو مثالیں اس لئے پیش کی گئی ہیں، کہ اس کی نو صورتیں ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمزہ منفردہ متحرک ہو اور ماقبل اس کا بھی متحرک ہو جیسے سَئَالَ، مَاہ، موجل، سَئِمَ، مستھزئین، سُئل، رُؤُف، مُستھزِؤن، رُؤس یعنی ہمزہ مفتوحہ، ماقبل مفتوح یا مکسور یا مضموم، ہمزہ مکسورہ ماقبل مفتوح یا مکسور یا مضموم، ہمزہ مضموم ماقبل مفتوح یا مکسور یا مضموم ان نوصورتوں میں دوم وسوم میں بقاعدہ ۲ / یا اور واؤ سے بدلا جائے گا اور ششم و ہشتم میں اختلاف ہے۔ بعضوں کے نزدیک بین بین قریب اور بعضوں کے نزدیک بین بین بعید ہے باقی میں بالاتفاق بین بین قریب ہے۔ یہ بات صرف شافیہ میں موجود ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں" وان کان قبلھا متحرک فتسع مفتوحۃ قبلھا الثلث و مکسورۃ کذلک و مضمومۃ کذلک نحو سَالُ ومائہ ومَوَجَّلَ وَسَئِم و مستھزئین وسئل ورؤفِ و مستھزؤن ورؤس نحو موَجَّل واوٌ ونحو مائۃ یاء ونحو مستھزؤن وسئل بین بین المشھور وقیل البعید والباقی بین بین المشھور"

ص ۱۰۷، ۱۰۸

۷۔ دو سے زائد ہمزہ کا اجتماع ہو جائے تو کس طرح پڑھا جائے اس کا ذکر علم الصیغہ میں نہیں فصول اکبری میں اجمالاً بغیر مثال کے ان الفاظ میں مذکور ہے واذا جتمع اکثر من ھمزتین خفف الثانیۃ والرابعۃ وحقق الاولیٰ والثالثۃ والخامسۃ ص ۵۳۔ مگر عافیہ میں اس کی مثال پیش کر کے سمجھایا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

جب دو ہمزوں سے زیادہ ایک جگہ جمع ہوں تو دوسرے چوتھے میں تخفیف ہوگی اور پہلا، تیسرا پانچواں اپنی حالت پر رہے گا جیسے اَوَاباَ بروزن سَفرَ جَلْ کہ اصل میں اَءَ ءُ ءَ ءٌ تھا۔

۸۔ اسی طرح جب دو ہمزہ دو کلمہ کے ایک جگہ جمع ہوں، تو اس کی کتنی صورتیں ہوتی ہیں۔ شافیہ وغیرہ میں ذکر نہیں، اجمالاً فصول اکبری میں ذکر ہے۔ مگر عافیہ میں تفصیل کے ساتھ ان تمام صورتوں کو بیان کرنے کے بعد ہر ایک کی وضاحت مثالوں سے کی گئی اور تخفیف و تحقیق کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"جب دو ہمزہ دو کلمہ کے ایک جمع ہوں، تو دونوں ثابت رکھنا اور دونوں میں تخفیف کرنا بطریق منفردہ یا اول میں بطریق انفراد اور ثانی میں بطریق مجتمعہ یا لاعلے التعیین ایک کی تخفیف بطریق منفردہ یا مجتمعہ اور دوسرے کو بدستور ثابت رکھنا، بلکہ اگر دونوں متفق الحرکت ہیں اور ہمزہ اولیٰ لام کلمہ ہو تو دو وجہ اور بھی جائز ہیں لا علی التعیین ایک کو حذف کرنا اور دوسرے کو ثابت رکھنا، یا اول کو ثابت رکھ کر اور دوسرے کو بطرز ساکنہ وفق حرکت ماقبل سے بدلنا بھی جائز ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ یہاں بارہ صورتیں ہیں (اول) ہمزہ ثانیہ مفتوح، ماقبل یعنی ہمزہ اولیٰ مفتوح جیسے جاءَ اَحد (دوم) ہمزہ اولیٰ مضموم جیسے یَدْرَءُ اَحد (سوم) ہمزہ اولیٰ مکسور جیسے من تلقاءِ اَحَدِ (چہارم) ہمزہ اولی ساکن جیسے لَمْ

یَدرَءُ اَحَدٌ (پنجم) ہمزہ ثانیہ مکسور اولیٰ مفتوح جیسے جَاءَ اِبِلٌ (ششم) اولیٰ مضموم جیسے یدرءُ اِبِلٌ (ہفتم) اولیٰ مکسور جیسے مِن تلقاءِ اِبِلٍ (ہشتم) اولیٰ ساکن جیسے لم یَدرءُ اِبِلٌ (نہم) ہمزہ ثانیہ مضموم اولیٰ مفتوح جیسے جَاءَ اُولٰئک (دہم) اولیٰ مضموم جیسے یَدرءُ اولئک (یازدہم) ہمزہ اولیٰ مکسور مِن تلقاءِ اولئک (دوازدہم) ہمزہ اولیٰ ساکن لم یدرءُ اولئک۔

تو ان تمام صورتوں میں دونوں ہمزوں کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے۔ اس لئے، کہ یہ اجتماع عارضی ہے اور دونوں ہمزوں میں تخفیف بھی جائز ہے۔ اس لئے، کہ اگر چہ عارضی ہے۔ مگر اجتماع کی وجہ ثقل ضروری ہے اور کسی ایک کی تخصیص محض تحکم ہے۔ اس لئے دونوں میں تخفیف کریں گے۔ اور لا علی التعیین ایک میں بھی تخفیف جائز ہے۔ اس لئے، کہ ثقل اجتماع کی وجہ سے ہے، تو جب کسی ایک میں تخفیف ہوگی، تو ثقل جاتا رہے گا۔ مگر ابوعمرو کا مختار تخفیف اولیٰ ہے اور خلیل کے نزدیک پسندیدہ تخفیف ثانیہ ہے اس لئے، کہ اول تک کو ثقل نہیں تھا دوسرے کی وجہ سے ہوا، تو دوسری ہی میں تخفیف مناسب۔ باقی وجوہ تخفیف ماسبق سے واضح ہے۔

۹۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ابواب اور ان کی گردانوں کا ذکر کرنے کے بعد مجموعی تعداد پھر انھیں کثیر الاستعمال کی تعداد اور ان کی تفصیل بھی مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت مصنف علام حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

''بالجملہ تمام ابواب ۵۱/ ہیں پانچ ثلاثی مجرد مطرد ۳/ ثلاثی مجرد شاذ ۱۳/ ثلاثی مزید مطلق باہمزہ وصل ۵/ بے ہمزہ وصل ۱/ رباعی مجرد ۱/ رباعی مزید بے ہمزہ وصل ۲/ رباعی مزید باہمزہ وصل ۷/ ملحق بر باعی مجرد ۱۴/ ملحق بر باعی مزید مگر ان میں مشہور اور کثیر الاستعمال صرف ۴۰/ ہیں ۶/ ثلاثی مجرد ۷/ ثلاثی مزید باہمزہ وصل ۵/ بے ہمزہ وصل ۱/ رباعی مجرد ۱/ رباعی مزید بے ہمزہ وصل ۲/ رباعی باہمزہ وصل ۷/ ملحق بر باعی مجرد ۱۱/ ملحق بر باعی مزید جو ہر قسم کے اول میں ذکر کئے گئے''۔

۱۰۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے، کہ اخیر کتاب میں چند مشکل صیغے کے ساتھ ان کی اصل بھی مکتوب ہے اور تمرین وتشہید کے پیش نظر اور کتابوں کی طرح جوابات نہیں لکھے گئے۔ چنانچہ خود حضرت مصنف علام حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

''اب جملہ مباحث ضروریہ صرفیہ سے فراغت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ بعض مشکل صیغے اخیر میں درج کر دیئے جائیں، تا کہ تمرین الطلاب وتشہید الاذہان ہو۔ اگر چہ آخر پنج گنج وخاتمہ علم الصیغہ میں بھی یہ درج ہے اور وہیں سے میں نقل کرتا ہوں، مگر از انجا کہ ان دونوں کتابوں میں صیغے مع جواب و تعلیل درج ہیں۔ اس لئے عموماً درس سے خارج رہتے ہیں، کہ معلم اور متعلم دونوں کے خیال میں یہ آتا ہے، کہ جوابات درج ہیں، تو خود طلبہ دیکھ لیں گے۔ اس کے بعد دوسری کتاب شروع کرنے کے بعد ان کی طرف توجہ نہیں رہتی بنا بریں میں نے مناسب خیال کیا کہ نفس صیغے بہ ترتیب مباحث و وضع کلمات لکھدیئے جائیں اور اعانت بالائے اعانت یہ ہو کہ ان صیغوں کے اصول بھی درج ہوں تا کہ ایک توجہ میں طلبہ جواب دے سکیں۔ معلمین کو چاہئے کہ طلبہ جب صیغے بتالیں تو خود انھیں سے تعلیل بھی پوچھیں''۔

الغرض اس کتاب کی افادیت فن صرف کی تمام مذکورہ کتابوں سے زیادہ ہے اس کے پڑھنے اور پڑھانے سے وہ باتیں چند مہینوں میں حاصل ہو سکتی ہیں جو دوسری کتابوں سے سالہا سال کی محنت کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ عافیہ کو نصاب میں داخل کریں تا کہ طلبہ کو علم صرف کم مدت میں آسانی سے حاصل ہو جائے۔

☆☆☆

عافیہ: تعارف وجائزہ

از قلم: مولانا انوار محمد عظیم آبادی، پٹنہ

گزشتہ صدی ہجری کے ان بہاری علمائے عظام میں، جن کی تحریری باقیات کا ایک بڑا ذخیرہ بصورت مطبوعہ ہم تک پہنچا ہے اور بصورت مخطوطہ بھی محفوظ ہے، یقیناً ملک العلما مولانا سید محمد ظفرالدین قادری بہاری کا نام نامی محتاج تعارف نہیں۔ ان کی تحریری زندگی کم وبیش نصف صدی کا احاطہ کرتی ہے جو ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء سے شروع ہوتی اور ان کے سال وفات ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء تک پہنچتی ہے۔ حضرت مولانا سید محمد ظفرالدین فاضل بہاری کی تحریری باقیات کا ایک بڑا وصف یہ ہے، کہ وہ متنوع موضوعات وفنون سے ہم رشتہ نظر آتی ہیں۔ انہوں نے صرف حدیث وفقہ، سیرت و تاریخ وفلسفہ، ہیئت و توقیت اور تکسیر ومناظرہ پر ہی بہت ساری کتابیں یادگار نہیں چھوڑی ہیں، بلکہ ان کی تحریری باقیات کا ایک خاص حصہ ''تشکیلیات'' سے بھی متعلق ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں، کہ علم لسانیات میں صرفیات ونحویات کا مجموعی نام ''تشکیلیات'' ہے۔ جس کے تحت وہ مباحث آتے ہیں، جن کا ذکر قواعدِ زبان کے مصنفین کے یہاں علم صرف اور علم نحو کے نام سے ہوتا ہے۔

فاضل بہاری کی مطبوعہ تصانیف میں علم نحو سے متعلق کسی کتاب کا نام نہیں ملتا البتہ علم صرف کی ایک کتاب ''عافیہ'' کا نام ضرور شامل ہے، جو کہ ۱۳۳۵ھ/۱۷-۱۹۱۶ء کی یادگار ہے۔ اس کے برخلاف ان کی غیر مطبوعہ تصانیف میں علم صرف سے متعلق کسی کتاب کا نام شامل نہیں۔ جب کہ علم نحو سے تعلق رکھنے والی چار پانچ کتابوں کے نام شامل ہیں۔ ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جو عربی زبان میں ''مـعـنـی الـلـبـیـب'' کی شرح ہیں یا پھر اس کتاب کی متداول شروح پر تعلیقات بہ زبان عربی۔ علم نحو میں ملک العلما کی یہ کتابیں ۱۳۳۱/۱۳-۱۹۱۲ اور ۱۳۳۵ تا ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۶ تا ۱۹-۱۹۱۸ء کی یادگاریں ہیں۔ ان میں فاضل بہاری کی وہ کتاب خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے جو اردو زبان میں ہے اور جس کا نام ''وافیہ'' ہے۔ یہ ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء کی تصنیف ہے۔ مختار الدین احمد آرزو کا بیان ہے کہ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل اس کا ایک قلمی خوش خط نسخہ ان کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

''وافیہ'' پر مزید گفتگو سے قطع نظر جہاں تک ''عافیہ'' کے مطالعہ کا سوال ہے، ۱۶ سنٹی میٹر چوڑائی اور ۲۴ سنٹی میٹر لمبائی والی تقطیع کی اس کتاب کے سرورق کی پوری عبارت حسب ذیل ہے:

''شائقین علم صرف کے لیے ایسی صرف ایک ہی کتاب ہے، جو ان کو صرف کی ساری کتابوں سے بے نیاز کردے۔ اس کتاب کو ـــــ طرز جدید پر عالی جناب فاضل بہار مولانا مولوی سید محمد ظفرالدین صاحب سینئر مدرس مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ بانکی پور نے سلیس اردو میں تصنیف کیا ـــــ اور ـــــ عافیہ ـــــ نام رکھا ـــــ حسب الحکم حضرت مصنف عم فیضہ محمد حسنین رضا خاں نے

اپنے اہتمام سے ـــــ اپنے ـــــ مطبع سنی واقع آستانہ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی میں چھاپا۔"

کتاب کے سرورق ہی پہ "قیمت ۵" بھی درج ہے۔ ممکن ہے کہ سنِ اشاعت بھی درج ہو، لیکن اس وقت جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس کی بنیاد پر اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کتاب کا متن ۲۱ سطری ہے، ہر صفحہ پر کتاب کا نام درج ہے اور پوری کتاب ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جن میں سے آخری صفحہ "صحت نامہ کتاب" کے لیے وقف ہے۔ جیسا کہ مصنف نے خود لکھا ہے:

"یہ مختصر رسالہ عافیہ ایک مقدمہ، پانچ ابواب، ایک خاتمہ پر مرتب ہے۔"

"عافیہ" کا مطالعہ بتاتا ہے، کہ یہاں پہلا باب ۱۶ فصلوں پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے اور پانچویں باب میں دس دس فصلیں اور تیسرے اور چوتھے باب میں بالترتیب پانچ اور تین فصلیں ہیں۔ یہ اگر چہ بظاہر ایک مختصر رسالہ ہے، لیکن مجموعی اعتبار سے یہ بلاشبہ اپنے فن میں نہایت ہی کامیاب و مفید اور عام فہم تدریسی رسالہ کہلانے کا پوری طرح حقدار ہے۔ کتاب میں اس امر کا التزام موجود ہے کہ معنی کے لحاظ سے عربی اور اردو افعال کی صورت ظاہر ہو جائے یہی وجہ ہے کہ ہر نئے فعل کے پہلے صیغہ کا اردو ترجمہ صفحہ کے دائیں، بائیں حاشیہ پر نمبر کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔

صاحب "عافیہ" نے نہ صرف یہ کہ مختلف ابواب و فصول کے تحت نہایت مفید نکات بیان فرمایا ہے، بلکہ متعدد مقامات پر "فائدہ" کے تحت بھی انہوں نے بہت ساری ایسی باتیں لکھ دی ہیں۔ جو کتاب کی فنی و تعلیمی افادیت میں چار چاند لگا دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر باب دوم کی پہلی فصل میں مذکور ہے:

"جس کلمہ میں دیکھنا چاہیں کہ کون کون حروف اصلی ہیں اور کون کون زائد تو اسی قسم کا کلمہ فاعین لام سے بنا کر دیکھیں کہ کون کون حرف ان حرفوں کے مقابل پڑا ہے ان کو اصلی جانیں، باقی کو زائد مثلاً اِجْتَـــنَـــبَ میں حروف اصلی کی تمیز مقصود ہے تو فاعین لام سے اسی قسم کا لفظ اِفْتَعَلَ بنا کر دیکھا کہ جیم نون با، فاعین لام کی جگہ پر پڑے تو وہ اصلی ٹھہرے گا باقی الف اور تا زائد ہیں۔" (عافیہ ص ۱۶)

اسی طرح "فائدہ" کے تحت ایک جگہ لکھا گیا ہے کہ:

"باب تفاعل اور مفاعلت ان دونوں میں دو شخصوں کی شرکت فاعلیت و مفعولیت میں معلوم ہوتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ باب تفاعل میں صراحۃً دونوں کی فاعلیت معلوم ہوتی ہے اور ضمناً دونوں کی مفعولیت سمجھی جاتی ہے اور مفاعلت میں اول کی فاعلیت، دوسرے کی مفعولیت صراحۃً معلوم ہوتی ہے اور دوسرے کی فاعلیت اور پہلے کی مفعولیت ضمناً سمجھی جاتی ہے اس لیے باب تفاعل میں مفاعلت سے ایک مفعول کم آتا ہے جو وہاں دو مفعول چاہتا ہے یہاں ایک چاہے گا اور جو وہاں ایک مفعول چاہتا ہے تفاعل میں وہ دو مفعول چاہتا ہے جیسے جاذب زید عمر الثوب۔ کھینچا زید و عمر نے کپڑے کو۔ اور تجاذب زید عمر و الثوب کھینچا زید و عمر نے کپڑے کو۔" (عافیہ ۴۸)

مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری نے نہ صرف یہ کہ علم صرف کی "عافیہ" جیسی کتاب کو بیان فوائد اور امثلہ کے ذریعہ پڑھنے والوں کے لیے زیادہ سے زیادہ آسان اور کارآمد بنا دینے کی قابل قدر اور کامیاب کوشش کی ہے بلکہ "خاتمۂ کتاب" سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فن میں روایتی طریقہ تدریس و تصنیف کے مختلف پہلوؤں پر نظر

'میلادِ رضوی': تعارف و تجزیہ

از قلم: غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

نعمت و انعام کے عطا ہونے پر خوشی منانا یہ فطری امر ہے اور سرشت انسانی کا حصہ اور خدائے قدیر کا حکم بھی:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

''تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اس پر چاہیے کہ خوشی کریں۔''[1]

رحمت عالم ہادی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لانا نعمت و عافیت، برکت و سعادت اور عطا و نوازش کا نقطۂ عروج ہے۔ جب آفتابِ رسالت طلوع ہوا، تو کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور حق کا اجالا پھیل گیا، اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی اور عظمت و شان کا نغمہ لبوں پر جاری ہو گیا۔ ان انعامات کے تشکر اور اظہار فرح و مسرت کے لیے مسلمانوں کا ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جشن منانا ایک ایمان افروز اور کفر سوز کام ہے۔ امام محمد شرف الدین بوصیری نے حقیقت افزا بات کہی ؎

حَتّٰى اِذَا طَلَعَتْ فِي الْاُفُقِ عَمَّ هُدَا
هَا الْعَالَمِيْنَ وَاَحْيَتْ سَائِرَ الْاُمَمِ

ترجمہ: یہاں تک کہ جب افق کائنات پر وہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی ہدایت سارے جہانوں میں پھیل گئی اور اس نے بہت ساری قوموں کو حیات عطا کر دی۔[2]

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی ساعتِ سعید کو مجدد اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی فاضل بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے ''سہانی گھڑی'' سے تعبیر کیا ہے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

سیرت طیبہ کا موضوع بڑا وسیع اور منفرد و اچھوتا ہے۔ میلاد کا عنوان سیرت کا ایک مستقل اور اہم باب ہے۔ جس پر اب تک بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا۔ اس مقالے میں ہم امام احمد رضا کے خلیفہ و شاگرد رشید ملک العلماء مفتی سید شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کی تصنیف ''میلاد رضوی'' کا مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

میلاد در اصل سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری و ولادت کے تذکرہ کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس کا اہتمام کرنا کوئی نیا اور باعثِ عار کام نہیں، اسلاف کرام نے اس کا اہتمام اسلامی شان کے ساتھ کیا ہے بلکہ قرآنی اسلوب میں بھی اس کے جلوے پیش کیے جا سکتے ہیں، جیسے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا، مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔''[3]

اسی طرح انبیائے کرام سے جو عہد لیا گیا اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت سنائی گئی، اس میں بھی کیا دل کش اسلوب ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے، تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے، تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔''[۴]

پھر یہ پہلو بھی لائق غور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا، تو کیا اس رحمت پر خوشی نہیں کی جائے گی؟...... وہ کیسے ہیں، جو منھ بسورتے ہیں اور انھیں یہ ایمان افروز جشن نہیں بھاتا۔

کتاب الصیام صحیح مسلم شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

فیه ولدت، وفیه انزل علیّ ''میں اسی روز پیدا ہوا اور اسی روز مجھ پر وحی نازل کی گئی۔''[۵]

اس یوم کی عظمت و شان کے حوالے سے خاتم المحدثین امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۶ء) تحریر فرماتے ہیں:

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ پیر کے روز روزہ رکھنے میں بڑی فضیلت ہے، کیوں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت اسی دن ہوئی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جب یہ مہینہ آئے، تو اس کی شان کے لائق اس کا احترام و اہتمام ہو اور اس کی تعظیم و تکریم کی جائے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے کیوں کہ آپ کی یہ عادت کریمہ تھی کہ آپ فضیلت والے اوقات میں زیادہ عبادت و خیرات فرماتے تھے۔''[۶]

علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء) تحریر فرماتے ہیں:

''تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے سید المرسلین کے ظہور سے ہر وجود کو روشن کیا اور حق مبین کی ضیا سے باطل کی ظلمتوں کو دور کیا اور حق کے راستوں کو واضح کیا۔ جب کہ لوگ جہل کی تنگ نائیوں سے گزر رہے تھے۔''[۷]

میلاد مبارکہ کے سلسلے میں شرعی تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر محافل میلاد کا انعقاد باعث اجر و ثواب ہے۔ مخالفین کے لیے یہ نکتہ لمحۂ فکریہ ہے کہ سال بھر تو ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محافل منعقد ہوتی ہیں۔ اب اگر ربیع الاول میں اسی محفل کا نام ''محفل میلاد'' رکھ دیا جاتا ہے، تو وہ صرف نام کی تبدیلی سے کیوں حواس باختہ اور پریشان ہو جاتے ہیں؟ کیا عقلی طور پر اس کی اجازت دی جائے گی کہ خواہ مخواہ اِدھر اُدھر وقت تو ضائع کر دیا جائے، غیبت و چغلی اور الٹے سیدھے کاموں کی محفل سجالی جائے، لیکن میلاد رسول اور آمد رسول کی محفل سے احتراز کیا جائے، یہ تو محرومی کی بات ہے۔

رہی بات عہد صحابہ میں میلاد کے اہتمام کی تو ان کا ہر ہر لمحہ ذکر رسول سے روشن ہوتا تھا اور بعد کے ادوار میں یہ طریقہ کم ہوتا گیا، تو خصوصیت سے محافل میلاد کے انعقاد کی ضرورت محسوس کی گئی اور عوام کی فکری تربیت نیز ایمانی جلا کا سامان کیا گیا اور اسلاف نے اس کو کیا ہی نہیں، بلکہ اس کے انعقاد کی ترغیب و تلقین بھی کی اور اس رخ سے کثیر کتابیں منصۂ شہود پر ہیں۔

ملک العلما کا سوانحی خاکہ:

ملک العلما علامہ سید محمد ظفر الدین قادری رضوی کی ولادت رسول پور میجرا ضلع

پٹنہ (موجودہ ضلع نالندہ) میں ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۸۸۰ء میں بہ وقت صبح صادق ہوئی۔ تاریخی نام "غلام حیدر" اور "مختار احمد" رکھے گئے اور عرفیت "ظفیر الدین"۔ امام احمد رضا کی بارگاہ میں پہنچے، تو آپ نے "ظفر الدین" کے نام سے یاد کیا، اس طرح ملک العلما اپنا نام "محمد ظفر الدین" لکھا کرتے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"بعد کو وہ "محمد ظفر الدین" لکھتے رہے اور اسی نام سے وہ مشہور ہوئے۔ ان کی کنیت "ابوالبرکات" ہے۔ جیسا کہ متعدد استفتا کے جوابات اور ان کی مملوکہ کتابوں میں ثبت کی ہوئی مہر سے معلوم ہوتا ہے۔"[8]

ملک العلما کی زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی و مناظرہ میں گزری۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی بارگاہ سے کئی علوم جدیدہ و قدیمہ میں اکتساب فیض کر کے مہارت کاملہ حاصل کی۔ بعض علوم میں یکتائے روزگار تھے۔ حضور ملک العلما کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد ۷۰ سے زائد ہے۔ جن میں "حیات اعلیٰ حضرت" (تاریخی نام مظہر المناقب ۱۳۶۹ھ) بہت مقبول ہوئی اور رضویات کا بنیادی مآخذ بنی۔

ملک العلما کا وصال شب دو شنبہ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ وقت وصال زبان ذکر الٰہی سے تر تھی اور چہرہ مثل آئینہ اور شگفتہ تھا۔

میلادِ رضوی:

بصیرت افزا اس نے لکھیں کتابیں
عیاں جن سے ہے اس کی علمی وجاہت

یوں تو ملک العلما کی کتابوں کے موضوعات کثیر ہیں۔ تاہم انھوں نے سیرت طیبہ پر بھی کافی کچھ لکھا۔ جس کی جھلک ان کے فتاویٰ میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ "میلادِ رضوی" ولادت مصطفیٰ کے حوالے سے سیرت کے موضوع پر ملک العلما کا بڑا اہم رسالہ ہے۔ جس کی زبان سادہ اور عام فہم ہے اور اسلوب دل کش و دل پذیر۔ غالباً اس کی تصنیف کے وقت ملک العلما کے ذہن میں عوام کی سہولت کا خیال رہا ہوگا۔ پھر بھی علمیت کا جلوہ ضرور موجود ہے۔ کم پڑھا لکھا شخص بھی مطلب تک بہ آسانی رسائی حاصل کر لے گا۔ پیرایۂ بیان میں دل چسپی کا پہلو اس قدر ہے کہ پڑھنے والا جب شروع کرے گا، تو آخر تک پڑھے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

میلادِ رضوی کی تقریب کچھ یوں ہوئی کہ علاقۂ بہار میں میلاد کی محافل بہ کثرت سجتی تھیں اور ان میں مطبوعہ میلاد نامے پڑھے جاتے تھے۔ لوگ کثیر تعداد میں یک جا ہوتے۔ ان محافل کے تذکرے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد تحریر فرماتے ہیں:

"ربیع الاول شریف میں خاص طور پر اور دوسرے مہینوں میں عام طور پر خانقاہ ہی میں نہیں، محلوں کے گھروں میں میلاد کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ شاہ حامد حسین (سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں محلہ شاہ گنج پٹنہ) کے متوسلین میں ایک صاحب محمد حبیب یاد آتے ہیں، خوش گلو تھے اور ان کی آواز پاٹ دار تھی۔ خاندانوں میں زیادہ تر یہی حضرت میلاد پڑھتے تھے۔ چھپے ہوئے میلاد ناموں سے کچھ حصہ نثر پڑھنے کے بعد درمیان میں نعتیں سناتے تھے، جو زیادہ تر شاہ حامد حسین صاحب کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔"[9]

حضور ملک العلما بارگاہِ رضا کے تربیت یافتہ تھے اور محتاط و باخبر عالم دین تھے۔ اس وجہ سے حزم و احتیاط کے جلوے آپ کی تحریروں میں ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ آپ سے درخواست کی گئی کہ محافل میں پڑھنے کی غرض سے میلاد کے موضوع پر ایک کتاب مستند روایات پر مشتمل لکھ دیں۔ درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ کے سجادہ نشین

شاہ حامد حسین صاحب نے حضور ملک العلما سے استدعا کی جو قبول کی گئی اور ملک العلما نے ''میلا د رضوی'' کے نام سے ایک کتاب ۲۴ر محرم الحرام ۱۳۶۰ھ میں لکھ دی، ڈاکٹر مختار الدین احمد تحریر فرماتے ہیں:

''سجادہ نشین صاحب نے ملک العلما سے فرمائش کی کہ معتبر و مستند روایات پر مشتمل ایک میلا دنامہ لکھ دیجئے، جو عوام وخواص دونوں کی دل چسپی کا ہو۔ ملک العلما نے دو تین نشستوں میں یہ میلا دنامہ مکمل کر کے انھیں دے دیا، اس کی نقلیں خاصی تعداد میں محلہ درگاہ کے رہنے والوں نے لے لیں اور وہاں کے گھرانے میں یہ میلا دنامہ پڑھا جانے لگا۔''[۱۰]

اس کی اشاعت پہلی مرتبہ بزم عاشقان مصطفیٰ لاہور نے ربیع الاول شریف ۱۴۱۶ھ میں کی۔ راقم کے پیش نظر یہی نسخہ ہے جو ۳۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ آغاز میں ڈاکٹر مختار الدین احمد کی تقدیم ہے، اصل مضمون ۲۱ر صفحات پر مبنی ہے۔

میلا د رضوی کا آغاز ''حمد الٰہی'' سے ہوتا ہے۔ ابتدا میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے برادرِ اوسط علامہ حسن رضا خاں بریلوی کا حمدیہ کلام ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

فکر ادنیٰ ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا
وصف کیا خاک لکھے خاک کا پتلا تیرا

اس کے بعد ذکر وجود باری سے متعلق عقیدہ افزا بات ذہن نشین کراتے ہیں اور محفل میلاد کے توسط سے فکر کی بالیدگی کا سامان کرتے ہیں:

''الفاظ اگر چہ مختلف ہیں، لیکن ہر ایک شخص کی زبان پر تیرا ذکر ہے۔ بحر میں تیرا چرچا، بر میں تیرا تذکرہ، کون سر ہے جس میں تیرا سودا نہیں، کون سی جگہ ہے جہاں تیرا جلوہ نہیں، شجر و حجر، برگ و ثمر ہر چیز تیرا پتہ دیتی ہے۔ دنیا کی چیزیں رنگ میں مختلف، شکل میں مختلف، افعال و خواص میں مختلف، منافع و مضار میں مختلف، مگر سب کی سب تیری ذات پر دلیل ہونے میں متحد الخیال، متحد الاقوال سب، ایک زبان، ایک بیان ہیں۔''[۱۱]

پھر نعت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عنوان قائم کر کے مرکزی موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اس میں ایمان، خوفِ الٰہی، ادب و احترام اور محبت و الفت رسول، ولادت طیبہ جیسے گوشوں پر نثر اور نظم دونوں رخ سے روشنی ڈالی ہے۔ درمیان میں امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی، علامہ حسن رضا بریلوی اور شاہ حامد حسین عظیم آبادی کے نعتیہ کلام بڑے سلیقے سے پیش کیے ہیں۔ اس طرح ایک مرصع گلدستہ تیار کر دیا ہے۔ جس میں میلاد کے جلوے اپنی شان دکھاتے ہیں اور عقیدے کو جلا دیتے ہیں۔ اس طرح اختصار و اجمال میں بڑی عمدہ میلا دنگاری کی ہے۔ یہاں چیدہ چیدہ گوشوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

خصائص و کمالات اور اہتمامِ نعمت:

حضور ملک العلما عقلی دلیل قائم کر کے رفعت وصفِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں، ذرا تمثیل کا انداز دیکھیں:

''ہر صاحب عقل و فہم غور کر سکتا ہے کہ سمندر میں کتنے اربوں دوات کے برابر پانی ہوگا اور پھر اس کے فنا ہونے پر سات سمندر جواور آئیں گے اور یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات، اوصاف مراتب لکھتے لکھتے خشک ہو جائیں۔ تو اس سے کس قدر کروڑ ہا کروڑ ضخیم مجلدات کبیرہ تیار ہوں گی اور پھر بھی اوصاف ختم نہ ہو سکیں گے اور کیوں نہ ہو کہ یہ سب چیزیں محدود اور متناہی ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف غیر محدود، احاطۂ شمار سے باہر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ

عَلَیْکَ (پارہ ۲۶، سورۂ فتح ۴۸، رکوع ۱۶) اور آپ پر اپنی نعمتیں تمام کردے۔''[۱۲]

اس کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

''اگر تمام اولین و آخرین عمر نوح پائیں اور مدت العمر درختوں کے قلم سمندر کی سیاہی سے حضور کے اوصاف لکھتے رہیں، تو قلم گھس جائیں، دریا خشک ہو جائیں، مگر اوصاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم احاطۂ تحریر میں نہ آئیں گے اور کوئی شخص ان کے اوصاف کو کیا بیان کرسکتا ہے، جن کا خود خدا مدح خواں ہو۔''[۱۳]

اس کی ترجمانی ہم امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت کے الفاظ میں یوں کرتے ہیں ؎

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

عشق و الفت:

ایمان کا لازمہ محبت رسول ہے، یہ نہیں، تو زندگی فضول ہے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ بجھ جائے، تو مسلمان خاک کا ڈھیر بن کر رہ جاتا ہے، بے روح ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن مقدس میں محبوب کی تعظیم و عظمت سکھائی گئی اور وفاداری کا درس دیا گیا اس کے باوجود بعض کم فہم تعظیم و تکریم سے کتراتے ہیں اور چہرے پر شکن آجاتی ہے۔ ملک العلمانے ''میلاد رضوی'' میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باب کو خاصی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، تاکہ ایمان مضبوط ہو جائے اور دل میں بدعقیدگی کا غبار راہ نہ پانے پائے۔ محبوب کی عصمت و عظمت پر مر مٹنے کا جذبۂ جنوں خیز دیتے ہوئے حضور ملک العلما فرماتے ہیں:

''آدمی وہی ہے، جو اپنے کو شمع محمدی کا پروانہ بنائے۔ اس روئے تاباں کے عشق کی آگ سے اپنے خرمن ہستی کو جلا ڈالے۔ جب تک انسان کے دل میں حضور کے نام نامی کا نقش کا الحجر نہ ہو، وہ فی الحقیقت آدمی نہیں، جب تک انسان حضور کے تیغ مژگاں سے گھائل ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپتا نہ رہے، وہ انسان نہیں۔ بلبلیں حضور ہی کے رنگ و رخ کا جلوہ، گلوں میں دیکھ کر ان کی یاد میں چہک رہی ہیں۔ ماوشما تو کیا حضرت جبریل کی عزت اس در کی دربانی سے ہے۔ ہر شخص کی بلندی اور رفعت ان پر قربانی سے ہے۔''[۱۴]

ایمان کی جان محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، اگر اسی میں کمزوری ہے، تو اعمال کا ذخیرہ کس کام کا؟...... اس لیے کہ پہلے ایمان و عقیدے کا پختہ ہونا ضروری ہے اور پھر اعمال قابل قبول ہوں گے۔ کیسی ہی عبادت کی ہو، اگر ایمان سلامت نہیں، شانِ رسالت میں جرأت و بے ادبی کر دی، تو تباہی ہی تباہی اور بربادی ہی بربادی۔ بڑے پیار سے حضور ملک العلما سمجھا رہے ہیں کہ اے مسلمانو! جان ایمان صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرو۔ ملک العلما لکھتے ہیں: ''میرے پیارے بھائیو! یقین جانو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان بلکہ ایمان کی بھی جان ہے۔''[۱۵]

اس کے بعد حضور ملک العلمانے قرآن مقدس سے محبت رسول پر دلیل قائم کر کے فکروں کو جھنجھوڑا ہے، ضمیر کو آواز دی ہے، فلسفۂ محبت کو وا کیا ہے کہ رشتے کام نہ آئیں گے، اگر نبی سے رشتہ استوار نہ ہو۔ کئی ایک مثالوں کے ذریعے آپ نے دعوت فکر دی ہے اور رب کی خوش نودی و رضا کے لیے رضائے مصطفیٰ کس قدر ضروری ہے، اسے آسان انداز میں سمجھایا ہے۔ اس سلسلے میں حدیث پاک سے بھی استدلال فرمایا ہے۔ بڑے عمدہ انداز میں عقیدے کا درس دے گئے ہیں اور توحید کے دعوے داروں کے دعوؤں کی حقیقت کھول کر رکھ دی:

''جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں، خدا کی محبت بھی نہیں۔ خدا کی محبت اور اس کا راستہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے دکھایا۔ بغیر حضور کے خدا تک رسائی ناممکن ہے۔ انعامات تو اس رحمۃ للعالمین کے صدقہ میں ملتے ہیں۔''[۱۶]

فکری پیغام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ کلمہ گویوں کو مخاطب کر کے پیار سے سمجھاتے ہیں اور ایمان کی بات کہتے ہیں:

''پس اے اللہ والو! تم کو لازم ہے کہ رسول اللہ کی محبت میں اپنے کو فنا کر دو، دیکھو خداوند عالم خود ان سے محبت کرتا ہے، تو ضروری ہے تم بھی تخلقو ابا خلاق اللہ کے ساتھ متصف ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا جانو۔

کیا کام دے گا جس کو فقط ہو خدا سے عشق
ہو گی نجات کیا جو نہ ہو مصطفیٰ سے عشق

محبت نبوی کے تین عقلی دلائل:

محبت کے لیے ظاہری اسباب تین ہیں: (۱) جمال (۲) مال (۳) کمال

اول الذکر سے متعلق حضور ملک العلما لکھتے ہیں:

''اگر آپ حسن ظاہر کے شیدائی ہیں، تو دربار رسول میں آیئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کیجیے کہ حسن ظاہر میں بھی آپ اپنی نظیر اور جملہ صفات و کمالات کی طرح اس میں بھی بے مثل و بے نظیر ہیں۔

حدیث شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ليلة ضحيان و عليه حلة احمر فجعلت انظر اليه و الى القمر فهو عندى احسن من القمر. (شمائل ترمذی، ص۲)

یعنی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا اور اس وقت حضور سرخ جوڑا زیب تن فرمائے تھے، تو میں کبھی حضور کو دیکھتا ہوں اور کبھی چاند کو، تو واللہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین و خوب صورت ہیں۔

جس کے چہرۂ تاباں و درخشاں کے سامنے آفتاب شرمائے۔ جس کے دندانِ مبارک کی چمک سے اندھیری رات میں سوئی نظر آ جائے۔ کیا ایسا حسین کوئی دوسرا ہے؟ ایسا حسن والا کسی نے دیکھا ہے؟ دیکھا نہ سہی کسی نے سنا ہے؟ تو اے حسن ظاہر کے پرستارو! دربار رسول میں آؤ اور اس حسن مجسم سے محبت کرو۔''[۱۸]

ثانی الذکر سے متعلق حضور ملک العلما لکھتے ہیں:

''اگر آپ مال کے دل دادہ ہیں اور مال کی وجہ سے محبت کرنا چاہتے ہیں، جب بھی دربار رسول ہی میں آیئے کہ ان سے بڑھ کر کسی کو آپ مال دار نہ پائیں گے، (طبرانی، معجم کبیر، جامع کبیر صغیر جلد اول، ص ۲۵۷) یہ وہ ہیں، جن کے ہاتھوں دونوں جہاں کی دولت بٹتی ہے، مال داروں کو بھی یہی مال دیتے ہیں، نعمت والوں کو یہی نعمت بخشتے ہیں، اولاد والوں کو یہی اولاد عطا کرتے ہیں، عزت والوں کو یہی عزت ہبہ فرماتے ہیں، سب نعمتوں کا دینے والا خدا ہے، مگر انھیں کے ہاتھوں سے ملتی ہیں۔ (اس سلسلے میں دیکھیے، المواہب اللدنیہ، جلد اول) انما انا قاسم و الله المعطى.

(اللہ دینے والا ہے میں بانٹنے والا ہوں۔)

تاج والے ہوں اس میں یا محتاج
سب نے پایا دیا ہوا تیرا

جود و سخا اور عنایت و عطا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے کئی ایک جلوے آپ نے میلاد رضوی میں دکھائے ہیں۔ جن میں ہر ایک پہلو ایسا ہے کہ جس سے ایمان کو جلا ملتی ہے

اور محبت پروان چڑھتی ہے۔ اس کا ایک گوشہ بہ طور نمونہ پیش ہے، جس میں کلام رضا "واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا" کے اشعار کی ترجمانی بھی ہے اور وارفتگی بھی:

"یہ شہنشاہِ بطحا کا دربار ہے، جن کا مانگنے والا کبھی محروم نہیں پھرتا، ان کے ایک قطرۂ عطا سے دھارے چلتے اور ایک ذرۂ سخا سے تارے کھلتے ہیں۔ یہ کوثر و تسنیم کے مالک ہیں، ان کا فیض نرالا ہے، ان کا دریا خود پیاسوں کی تجسس کرتا ہے، ان کا باڑا وہ ہے جس در سے اغنیا پلتے ہیں۔ ان کا رستہ وہ ہے، جس میں اصفیا سر سے چلتے ہیں۔ فرش والے ان کی رفعتِ علو کماحقہٗ نہیں جان سکتے۔ ان کا پھریرا عرش پر لہراتا ہے، ان کے جود و کرم کے خوان زمین اور آسمان ہیں، سارا زمانہ ان کا مہمان ہے، یہی صاحب خانہ ہیں۔ بلا شبہہ یہ سارے جہان کے مالک ہیں کہ یہ سب چیزیں خدا کی ملک ہیں۔ جو حضور کا حبیب ہے اور حضور اس کے محبوب اور محبوب و محبّ میں میرا تیرا نہیں ہوتا۔ آپ کے جود و سخا کی طرح رحم و کرم کا دریا بھی ایسا لہرا رہا ہے کہ ایک میں کیا اور میرے گناہوں کی اس رحمت عالم کے سامنے کیا حقیقت ہے کہ مجھ جیسے کروڑہا کروڑ گنہ گاروں کو ان کا اشارہ کافی ہے۔"[۲۰]

اس میں نثر کیسی سادہ ہے، لیکن حسن و سلاست اور برجستگی کے جلوے ادب کے دامن کو بھر بھر دیتے ہیں۔ اس میں کلام رضا سے دلی تعلق کا معاملہ بھی عود کر آتا ہے، اس لیے کہ حضور ملک العلما کے عشق رسول کا پس منظر یہ بتاتا ہے کہ محبت کی روشنی بارگاہِ رضا سے ہی تو ملی ہے۔

آخر الذکر سے متعلق حضور ملک العلما فرماتے ہیں:

"سارے کمالات کا سرچشمہ انھیں کی ذات ہے، جملہ کمالات کی نہریں یہیں سے نکلتی ہیں۔ کمالات کے دریا یہیں سے جاری ہوتے ہیں۔ انھیں کی غلامی سے دنیا کی عزت اور خداوند عالم کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے: اے میرے پیارے تم کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو، تو میرے غلام بن جاؤ، میرے فرماں بردار بن جاؤ، میرے نقش قدم پر چلو، اللہ کے تم محبوب بن جاؤ گے۔

اللہ کا محبوب بنے جو تمھیں چاہے
اس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"غرض عقلی طور پر بھی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ انسان کو چاہیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے اور سب سے پیارا جانے اس لیے کہ جو اسباب ہیں، بس یعنی مال، جمال، کمال، ان سب صفات کی بروجہِ کمال جامع ذات آپ ہی کی ہے، تو سب سے زیادہ محبت حضور ہی کی ہونی چاہیے۔"[۲۱]

اس سہ پہلوی پیغام کو ہم میلادِ رضوی کا مرکزی نکتہ بھی کہہ سکتے ہیں، اس لیے کہ اگر یہ باتیں کوئی مسلمان اپنا لے، تو اس کی آخرت بھی سنور جائے گی اور کردار بھی روشن ہو اٹھے گا۔

دعوت اصلاح:

حضور ملک العلما مذمت دنیا میں دعوت فکر دیتے ہیں۔ جس میں آخرت سنوارنے اور اعمال صالحہ کے بجالانے کا گوشہ مؤثر ہے، فرماتے ہیں:

"باوجود دعویٔ اسلام ہم آخرت سے بے فکر اور دنیا میں کیوں ایسے منہمک ہیں، گویا اصل الاصول اور خلاصۂ کائنات اور نتیجہ خلقت مخلوقات فقط دنیا ہی دنیا ہے، دنیا کو ہم نے اپنے لیے

ہمیشہ کا مستقر سمجھ رکھا ہے، گویا کبھی ہمیں یہاں سے جانا ہی نہیں۔ صبح ہے تو دنیا کی فکر، شام ہے، تو دنیا کا خیال، دوپہر ہے، تو اسی کا تصور، شب ہے تو اسی کی دھن۔''۲۳

اس کے بعد آخرت کی منظر کشی کی ہے اور خدائے واحد کا خوف دلایا ہے۔ محبت کو جھنجھوڑا ہے، احساس کو جگایا ہے، فرماتے ہیں:

''جن جن سے ہمدردی اور امداد کی امید ہو سکتی ہے، وہ سب کنارا کشی اختیار کریں گے۔ ایسی مصیبت کے وقت مددگار ہوں گے، تو وہی ہوں گے: جن کی محبت کا خدا نے ہم کو حکم دیا اور ہم انھیں بھلا بیٹھے ہیں۔ ان کی محبت ہم لوگوں کے دلوں میں اس درجہ پختہ ہو جائے کہ دن دیکھیں تو روئے روشن کی یاد ہو اور رات آئے تو زلفِ مشکیں کا خیال ہو۔''۲۴

چار نفیس نکتے:

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں فلسفۂ الفت و محبت اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و خصائص نیز رب کریم کے انعامات و نوازشات کو دلائل و براہین سے بیان کرنے کے بعد چار نکاتی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں۔ یہ نکات گرہ میں باندھنے اور زندگی کے طاق میں سجانے سے تعلق رکھتے ہیں:

اول...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ایمان بلکہ ایمان کی بھی جان ہے۔

دوم...... آپ کسی وجہ سے کسی شخص سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے محبت کیجیے۔

سوم...... اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت رکھتا ہے بلکہ ان کے طفیل میں ان کے متبعوں، حلقہ بگوشوں کو بھی محبوب بنا لیتا ہے۔

چہارم...... حضور ہی کی محبت قیامت کے دن کام آئے گی اور اس سے بیڑا پار ہوگا۔۲۵

ان نکات کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ کوزے میں دریا سمیٹ دیا ہے۔ مختصر میں طویل بات کہہ دی۔ ان میں ایمان کی تازگی کا پہلو واضح ہے۔

میلاد و قیام:

بعض تنگ نظر اور دانش سے عاری میلاد میں قیام یعنی کھڑا ہونے پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ حضور ملک العلما نے اس کی عقلی و نقلی توضیح اپنے مقالے میں کی ہے اور قرآن مقدس سے استدلال فرمایا ہے:

''اس جگہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ہم حضور کا تذکرہ کس طرح کریں، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اور مولود شریف میں یہ قیام کیوں کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کچھ نہیں چھوڑا، اس کو بھی بیان فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل مندوں کی تعریف فرماتا ہے:

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ (آل عمران:۱۹۱) یعنی اولوالالباب وہ لوگ ہیں، جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور لیٹے ہوئے۔'' (اس آیۂ کریمہ کے تحت چند مفید گوشے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

''صحت کی حالت میں دو ہی صورتیں رہتی ہیں، قیاماً وقعوداً اب اگر پورے ذکر میں شروع سے اخیر تک کھڑے رہیں فقط قیاماً پر عمل ہوا۔ اور اگر بالکل بیٹھ کر ہی ذکر کرتے رہیں، تو صرف قعوداً پر عمل ہوا۔ اسی لیے مجلس میلاد شریف میں کچھ ذکر بیٹھ کر کرتے ہیں اور کچھ کھڑے ہو کر، تاکہ پورے قیاماً و قعوداً پر عمل ہو اور وقت ولادت و تشریف آوری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مناسبت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی تعظیم بھی رسول اللہ کی طرح کرنی چاہیے اور آنے والے کی تعظیم قیام کے ساتھ ہوتی ہے، تو آنے کے ذکر کی تعظیم بھی قیام سے مناسب۔''۲۶

اس مقام پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا شعر زبان پر مچل رہا ہے، جس میں ان لوگوں کی مذمت ہے۔ جنھیں تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تکلیف ہوتی ہے اور وہ بے ادبی کو اپنا مطمح نظر بنائے بیٹھے ہیں۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

نور نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام:

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وجہِ تخلیق کونین ہیں۔ آپ کے نور پاک کی جلوہ گری سے آدمیت کا وقار بلند ہوا۔ میلا درضوی کے اخیر حصے میں نور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ''خلقت'' سے ''جلوت'' تک کا مختصراً ہے۔ بہ وقت ولادت جو انوار و برکات کا ظہور ہوا، زمانے کی فضا میں ایک انقلابِ آفریں آیا، بہاریں جلوہ بار ہوگئیں اور خزاں چھٹ گئی۔ اس پر بڑے اچھے انداز میں روشنی ڈالی ہے، اپنے گہر ریز قلم سے حضور ملک العلما لکھتے ہیں:

''دوشنبہ کے دن صبح صادق کے وقت وہ آفتاب رسالت مطلع حدوث سے طلوع فرما ہوا، جس نے سارے جہاں سے کفر و شرک، جہل و ظلم کی تاریکیوں کو دور فرما کر دونوں جہاں روشن فرمایا۔''[۲۷]

اختتام پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مشہور زمانہ و مقبول عام سلام۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

سے ۱۳ر اشعار درج کیے ہیں، جو میلا دنامے کی چاشنی و شیرینی کو بڑھاتے ہیں اور زبان کو لطف ملتا ہے۔

اختتامیہ:

اختتام پر دعا ہے، جو سوز و کیف کا مرقع ہے اور سادگی کا نمونہ و محسوسات کا آئینہ۔ اس کا ایک اقتباس آپ بھی پڑھیں اور آمین کہیں:

''ہم سب لوگوں کو اسلام پر قائم رکھ۔ جب تک زندہ رہیں تیرے ذکر تیرے حبیب کے ذکر سے تر زبان رہیں، تیری محبت تیرے حبیب پاک کی محبت میں مست و سرشار رہیں اور تیری توفیق سے مذہب اہل سنت پر قائم رہیں۔ جب مرنے کا وقت ہو، مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو اور سبز گنبد کو دیکھ کر قفس عنصری سے روح پرواز کرے، جنت البقیع مدفن ہو۔''[۲۸]

اعلیحضرت فاضل بریلوی کی مناجات پر دعا کا اختتام ہے۔ جس کا مقطع کیف و سرور کے جذبات سے ایسا پر ہے کہ پڑھتے ہی لب آمین کہہ اٹھتے ہیں۔

یاالٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ ﷺ کا ساتھ ہو

عرض اخیر:

حضور ملک العلما کے پیش نظر ''میلا درضوی'' کی تصنیف کے کئی مقاصد تھے،

۱۔ مسلمان ذکر و میلا د رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل کا انعقاد واہتمام کریں۔

۲۔ جہاں میلا د کی محافل سجتی ہیں اور میلا دنامہ پڑھا جاتا ہے، ان میں بعض موضوع روایات کا گمان ہوتا ہے۔ اس غرض سے ایک مستند و معتبر میلا دنامہ بہ صورت کتاب تیار کر دیا جائے۔

۳۔ مطبوعہ میلا دنامہ کو عام مسلمان بھی جمع ہو کر سن سکتے ہیں۔ بلکہ ایسے مقامات یا قصبے جہاں علمائے اہل سنت نہ ہوں، وہاں یہ میلا دنامہ پڑھ کر سنا دینا ہی کافی افادیت کا باعث ہوگا۔ ان شاء اللہ

۴۔ مسلمان اپنے قلب میں عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بسا لیں، تا کہ اغیار کی عشوہ طرازیاں نگاہوں کا سودا نہ کر سکے۔

موجودہ دور میں مادی چکا چوند نے روحانی طور پر مسلمانوں کو کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ضروری ہے کہ مسلمان اپنی روح کی صفائی و ستھرائی کا سامان کریں۔ اپنے نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کریں اور ان کے دشمن سے شدت برتیں۔

(۱) میلاد رضوی کو باوضو جمع ہو کر سنیں، کوئی ایک مسلمان اسے صحیح تلفظ کے ساتھ سنائے۔

(۲) سنی اشاعتی ادارے اس کی اشاعت کر کے معمولی ہدیہ میں مہیا کریں۔

(۳) مختلف زبانوں مثلاً گجراتی، انگریزی، ھندی میں اس کی اشاعت عمل میں آئے۔

(۴) اکثر و بیشتر اس کے سماع کی محفلیں رکھی جائیں۔ یہ نہیں کہ صرف سال میں ایک بار ربیع الاول کے موقع پر۔ اس لیے کہ ذکر رحمت عالم تو ہر وقت ہی کیا جانا چاہیے ؎

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو
نمکیں حسن والا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات:

(۱) القرآن الکریم؛ سورۂ یونس: ۵۸/ ترجمہ کنز الایمان
(۲) نفیس احمد مصباحی، مولانا، کشف بردہ، المجمع القادری مبارک پور ۲۰۰۵ء، ص ۲۱۸
(۳) القرآن الکریم؛ سورۂ آل عمران: ۱۶۴/ ترجمہ کنز الایمان
(۴) القرآن الکریم؛ سورۂ آل عمران: ۸۱/ ترجمہ کنز الایمان
(۵) یٰسٓ اختر مصباحی، مولانا، جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۷ء، ص ۲۰
(۶) جلال الدین سیوطی، امام، حسن المقصد فی عمل المولد (میلاد سیوطی)، دار العلوم جائس رائے بریلی ۲۰۰۴ء، ترجمہ محمد آصف رضا، ص ۲۴
(۷) عماد الدین ابن کثیر، علامہ، مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میلاد ابن کثیر)، دار العلوم جائس رائے بریلی ۲۰۰۴ء، ترجمہ سید علیم اشرف جائسی، ص ۲۰
(۸) مختار الدین احمد، ڈاکٹر، ابتدائیہ حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، مکتبہ نبویہ لاہور، ص ۹
(۹) مختار الدین احمد، ڈاکٹر، تقدیم میلاد رضوی، بزم عاشقان مصطفیٰ لاہور ۱۴۱۶ھ، ص ۱۰۔۱۱
(۱۰) مرجع سابق، ص ۱۱
(۱۱) ظفر الدین قادری بہاری، مولانا، میلاد رضوی، بزم عاشقان مصطفیٰ لاہور ۱۴۱۶ھ، ص ۲
(۱۲) مرجع سابق، ص ۴
(۱۳) مرجع سابق، ص ۴
(۱۴) مرجع سابق، ص ۴۔۵
(۱۵) مرجع سابق، ص ۵
(۱۶) مرجع سابق، ص ۷
(۱۷) مرجع سابق، ص ۷
(۱۸) مرجع سابق، ص ۸۔۹
(۱۹) مرجع سابق، ص ۹
(۲۰) مرجع سابق، ص ۹۔۱۰
(۲۱) مرجع سابق، ص ۱۱
(۲۲) مرجع سابق، ص ۱۱۔۱۲
(۲۳) مرجع سابق، ص ۱۲
(۲۴) مرجع سابق، ص ۱۴
(۲۵) مرجع سابق، ص ۱۴۔۱۵
(۲۶) مرجع سابق، ص ۱۶۔۱۷
(۲۷) مرجع سابق، ص ۱۸
(۲۸) مرجع سابق، ص ۲۰

☆☆☆

ملک العلماء اور جواہر البیان

از قلم: مولانا محمد قمر الحسن قادری ایم، اے علیگ، ہوسٹن امریکہ

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

اعلیٰحضرت مجدد اعظم دین ملت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے اپنے تلامذہ واصحاب اور خلفاء کا ذکر ایک نظم میں کیا ہے، جن میں ان فیروز مند اور نیک بخت شاگردوں اور مریدوں نیز خلفاء کی ان اہم خوبیوں کا ذکر کیا ہے جو فرد میں ممتاز بہ ہوتی ہیں۔ اوپر کا شعر اسی نظم مسلسل کا ایک جز ہے۔ اس سلسلۂ کلام میں حضرت ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کا ذکر تیسرے نمبر پر کیا گیا ہے۔ پہلے آپ کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا علیہ الرحمۃ اور دوسرے پر آپ کے محبوب خلیفہ حضرت علامہ عبدالسلام جبلپوری اور تیسرے نمبر پر حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ ہیں۔ اس ترتیب سے حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ کا معیار اور آپ کی علمی ثقاہت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یوں تو سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ہر شاگرد اور خلیفہ کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں، جو ان کی علمی بلندی، اعلیٰ فکری اور عمیق فکر وبصارت پر دلیل ہیں، جیسا کہ خود اس شعر میں فرماتے ہیں۔

بلکہ رضا کے شاگردوں کا
نام لئے گھبراتے یہ ہیں

گویا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے تلامذہ علم وفضل، زہد وورع، تقویٰ تدیّن، مناظرہ، مکالمہ، معاملہ فہمی، تعمق نظری، وسعت ذہنی، جودت طبع اور علوم عقلیہ ونقلیہ وغیرہ میں طاق تھے اور اپنی ہمہ جہت خوبیوں کے سبب ہر جگہ قدر کی نگاہ سے دیکھے اور عزت کی مسند پر بٹھائے جاتے تھے۔ ان کی علمی مزاولت وثقاہت کا حال یہ تھا کہ فرقۂ باطلہ کے لوگ ان کے نام سے تھراتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا ہر شاگرد اور نظر کیمیا اثر سے فیضیاب ہر مرید وخلیفہ اپنی مثال آپ تھا۔ جس کا زندہ ثبوت ان کے علمی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور دینی کارنامے ہیں، جو تاریخ کے صفحات میں ماہ ونجوم کی طرح چمک رہے ہیں۔ اگر چہ دشمن عناصر نے ان پر دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کی، مگر وہ ناکام ہی رہے۔ ذالک فضل اللہ۔

ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ اس بارگاہ مجددیت کے تراشیدہ علمی پیکر ہیں، جن میں اس مجدد اعظم کا عکس جھلکتا نظر آتا ہے۔ آپ کی قلمی اور دینی خدمات نے کل بھی خراج تحسین وصول کیا تھا اور آج بھی کر رہی ہیں۔ انشا اللہ تعالیٰ قیامت تک کرتی رہیں گی۔ مَیں نے ان کی پھیلی ہوئی حیات اور متنوع دینی خدمات کا احاطہ کرنے کے لیے قلم نہیں سنبھالا ہے، بلکہ میں ان کی حیات کے ایک جزوی گوشے پر اپنی کم علمی کے دائرے میں رہتے ہوئے کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ خدا کرے مَیں اس سے عہدہ برآ ہوسکوں اور اپنے مافی الضمیر کو کماحقہٗ پیش کرسکوں، میرے مقالے کا عنوان ''ملک العلماء اور جواہر البیان'' ہے جو الخیرات الحسان کا اردو ترجمہ ہے۔

الخیرات الحسان: حضرت علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی شافعی علیہ الرحمۃ متوفی ۹۷۳ھ/۱۵۶۷ء کی عربی تصنیف ہے جو حضرت موصوف نے سراج الامۃ، امام الائمہ، مجتہد اجل سیدی امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۱۵۰ھ کی سوانح، سیرت اور فضائل و مناقب میں تصنیف فرمایا تھا۔ باوجودیکہ آپ شافعی المسلک تھے مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی، ادب و تعظیم، عزت و وقار اور آپ پر حاسدین و معاندین کے اعتراضات کا ایسا شافی جواب دیا ہے کہ حق تصنیف ادا کر دیا ہے۔ خصوصاً اس بے بنیاد اعتراض کا کہ امام اعظم قیاس کو قرآن و حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ سختی سے تردید کی ہے اور قیاس کی ترجیحات کب لازم آئیں گی اس کا انتہائی محققانہ جواب دیا ہے، جو کہ مکمل علمی دلائل، تحقیقات و اصول پر مبنی ہے، اس طرح کہ حضرت امام اعظم کو بے داغ آئینے کی طرح پیش کیا ہے۔

جواھر البیان: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ الخیرات الحسان کا اردو ترجمہ ہے جو ۱۳۳۳ھ میں معرض وجود میں آیا، اس سے پہلے آپ کے فیض رسا قلم سے آٹھ کتابیں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھیں۔

۱	شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	عربی	۱۳۲۴ھ
۲	التعلیق علی القدوری	عربی	۱۳۲۵ھ
۳	التعلیق علی شروح المغنی	عربی	۱۳۳۱ھ
۴	خیر السلوک فی نسب الملوک		۱۳۳۳ھ
۵	ظفر الدین الجید	مناظرہ	۱۳۲۳ھ
۶	شکست سفاہت	مناظرہ	۱۳۲۶ھ
۷	المجمل المعدد لتالیفات المجدد		۱۳۲۷ھ
۸	الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بتوضیح التوقیت		۱۳۳۰ھ

(ماخوذ از تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت)

جواہر البیان آپ کی تعلیمی فراغت شعبان ۱۳۲۵ھ کے آٹھ سال بعد آپ کے قلم کی جولانی سے منصہ شہود پر آئی۔ اگرچہ اس سے قبل آپ نے کئی ایک تصانیف عربی میں مکمل فرمائی تھیں، جو آپ کی جولانیت، بصارت، ندرتِ فکر، ذہن رسا اور وسعت نظر پر بین دلیل ہیں۔ مگر جواہر البیان، آپ کی طبیعت کا مقتضی اور مسلک حنفی کے ساتھ والہانہ شیفتگی کا جذبۂ صادق ہے۔ جس نے اس کتاب کو عربی سے اردو میں منتقل کرنے کے لیے آپ کو آرزوئے شوق کی مئے ناب پلائی اور بیخودی و سرشاری میں اشہب قلم میدان کمال میں مست خرامی و سبک روی سے چلتا رہا۔ اپنی اس شیفتگی اور دلی کیفیات کا ذکر التماس مترجم غفرلہٗ کے زیر عنوان خود انہی کے زبان و قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

"زمانۂ طالب علمی میں جب مَیں نے شرح وقایہ شروع کیا تھا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جن جن مسئلوں میں اور دوسرے ائمۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ذکر کیا ہے، ان میں سید التابعین امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہٗ کا مذہب آیات و احادیث کے مطابق اور دلائلِ عقل کے موافق دیکھ کر امام صاحب کی وقعت و محبت ایسی پیدا ہوئی، جس نے بار بار تقاضہ کیا کہ کوئی کتاب سوانح امام میں تصنیف کروں، مگر قلت لیاقت و عدم بضاعت مانع ہوئی۔ (جواہر البیان)

پھر یہ شوق دیگر مصروفیات کی دبیز تہوں میں مستور ہو گیا، مگر دل میں جذبۂ عقیدت نے جگہ بنالی تھی، وہ ختم نہ ہو سکا، بلکہ خموشی کی گہرائیوں میں کروٹیں بدلتا رہا۔ خدا جانے اس جذبۂ صادق میں کون سی قوت کارفرما تھی کہ اس نے گزرتے وقتوں کے ساتھ اس میں مزید جلا بخش دی تھی۔ کہا جاتا ہے، کل امر مرھون با وقاتھا۔ بزبان امام الکلام کلام الامام:

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

پھر جب آپ مجدد اعظم، نائب سراج الامۃ، معجزۃ من معجزات سید المرسلین امام احمد رضا کی بارگاہ میں عتبہ بوسی کے لیے حاضر ہوئے اور وہاں علم و معرفت کے جام پینے لگے۔ آگہی میں شہود کا جلوہ ابھرا، اور ادراک کو نئی زندگی ملی۔ چشم بصیرت میں بینائی کا جوہر مزید جاگا۔ دل کی کشود ہوئی اور عقل کو علمی توانائی ملی تو وہ روپوش جذبہ پھر جاگ اٹھا، اب آپ نے قرطاس و قلم کا سہارا لے کر اپنے دلی جذبات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی اور سیرت امام اعظم رضی اللہ عنہ لکھنا شروع کر دیا۔ مگر کثرت کار اور ذمہ داری کے احساس نے پھر عزم کو منتشر کر دیا اور وہ کام چند اوراق سے آگے نہ بڑھ سکا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''جب عتبہ بوسی بارگاہ رضوی دامت فیوض صاحبہا کا شرف حاصل ہوا اور کار افتاء میرے متعلق کیا گیا، اس وقت کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبریٰ علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ الربانی کے مطالعے سے وہ شوق پھر تازہ ہو گیا اور چند ورق لکھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر کثرت کار مدرسہ و مطبع و افتاء وغیرہ کی وجہ سے تمام نہ کر سکا۔''

یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ مسودے کے وہ اوراق محفوظ ہی ہیں یا حوادث زمانہ کی دست برد سے ضائع ہو گئے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ اگر اوراق محفوظ ہوتے، تو اپنی نوعیت کی ایک انتہائی جامع کتاب تشنگانِ علم کو میسر ہوتی، جس سے ہر تشنہ لب سیرابی حاصل کر سکتا۔

جواہر البیان: ع قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

الخیرات الحسان کے ترجمہ کا قرعۂ فال خلیفۂ اعلیحضرت فاضل بریلوی حضرت منشی محمد لعل خاں قادری رضوی علیہ الرحمۃ کے ذریعے حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ کے نام تھا۔ اس لیے اس ساعت سعید کا انتظار تھا۔ جو اپنے مقررہ وقت پر آ گئی اور جواہر البیان کے ترجمہ کا سبب رب کریم کی طرف سے مقرر کر دیا گیا۔ حضرت منشی محمد لعل خاں علیہ الرحمۃ نے، الخیرات الحسان کے ترجمے کے لیے آپ کو مجبور کیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے علمی فقہی شہ پارہ آپ کے قلم کی جولانیت سے معرض وجود میں آ گیا، ارشاد فرماتے ہیں:

''آخر میرے دوست ماحیِ دینِ متین، ماحیِ شر مبتدعین مخلصی حاجی منشی محمد لعل خاں صاحب قادری برکاتی رضوی کثر اللہ فینا امثالہ نے کتاب مستطاب الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان مصنفہ علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ترجمہ کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا: امام صاحب قدس سرہٗ العزیز کی سوانح لکھنے کا تو میں عرصے سے خواہش مند ہی تھا، یہ اچھا موقعہ ہاتھ لگا۔ ع
چہ خوش بود کہ برآمد بیک کرشمہ دو کارے (ایضاً ص ۹۱۸)

جواھر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے، وہ مکتبہ ایشیق استنبول ترکی کا فوٹو آفسیٹ ہے۔ یہ عظیم تصنیف حضرت محدث ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہے۔ اس میں تین مقدمے اور چالیس فصلیں ہیں۔ قصیدۂ نعمانیہ کے شمول کے ساتھ یہ کتاب دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم مقدمات اور فصول کی تفصیلات پر آگے بحث کریں گے۔

مصنف علام نے خطبے میں اپنی اس تصنیف کا سبب ذکر فرمایا ہے، جس کو دیکھنے کے بعد مصنف (حضرت امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ) اور مترجم (حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ) میں اشتراکی قدریں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عظیم سیرت کی تصنیف یا تالیف کے دوران جس ذہنی پرداخت اور

حالات سے مترجم قدس سرہٗ العزیز دو چار ہوئے بالکل اسی طرح مصنف علیہ الرحمۃ بھی دو چار ہوئے تھے کہ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کی پہلی تصنیف دوستوں اور احباب کو عاریۃً (منگنی) دینے میں ضائع ہوگئی جس کے سبب دوبارہ محنت کرنی پڑی، اسی طرح مترجم قدس سرہٗ کا وہ مسودہ جو انہوں نے اولین مرحلے میں ترتیب دیا تھا، وہ بھی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا اور یہ عزم مسلسل ٹوٹتا اور جڑتا رہا۔

نیز جس طرح حضرت مترجم سے منشی محمد لعل خاں علیہ الرحمۃ قادری کلکتوی نے اس کتاب ''الخیرات الحسان'' کا ترجمہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور حضرت مترجم کو یہ کام کرنا پڑا اسی طرح حضرت مصنف علیہ الرحمۃ سے بھی مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران قسطنطنیہ کے ایک فاضل نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت پر کتاب لکھنے کی درخواست کی تھی اور حضرت مصنف نے اس کو قبول کر لیا تھا جس کے سبب یہ کتاب ''الخیرات الحسان'' ہم تک پہنچی، چنانچہ اس حکایت دل کو مصنف کے قلم اور مترجم کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''کئی برس ہوئے کہ میرے پاس مکہ مشرفہ میں (زیادہ کرے اللہ اس کے شرف و کرامت اور بزرگی اور ہیبت اور تعظیم کو) آئے ایک شخص فضلائے قسطنطنیہ اور ان کے صالحین میں سے جو جامع تھے علوم اخلاق و مواہب اور احوال و مطالب کے، جس کے ساتھ فتح مند ہوئی ہے، وہ قوم جو سلامت ہے، اعتراض و ملامت سے یعنی ہمارے حضرات صوفیہ اور ائمۂ طائفہ جنیدیہ، پس فخر کیا ہم سے اور فخر کیا ہم نے اس سے مثل فخر کرنے ایسے احباب کے جو ایک دوسرے کے سامنے ہوئے ہیں، تختوں پر اور معارف کے دریا سے چھو لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بات آ پڑی ان اماموں کی جو علوم اسمیہ اور معارف وہبیہ کے جامع اور ہمیشگی مشاہدہ اور موسلادھار بارش، کرم و بخشش کے تحفے سے مالا مال ہیں۔ پس اس فاضل عالم کامل نے کہا کہ میں آپ سے خواہش رکھتا ہوں، ایک کتاب مختصر کی، جو جامع ہو اور قاعدہ کلیہ کے دستور العمل پاکیزہ کی جو مانع ہو، جس میں خلاصہ ہو ان تمام باتوں کا جو طویل بیان کیا ہے ائمہ نے تعریف میں امام اعظم اور پیشوائے مقدم کے۔ جن کا نام پاک ابوحنیفۃ النعمان ہے۔ اللہ ان کی مرقد منور کو رحمت و رضوان کی بارش سے سیراب کرے اور ان کو اعلیٰ فردوس جہاں میں جگہ دے۔ پس میں نے ان کے حکم واجب التعمیل کے بجالانے میں جلدی کی اور ان مناقب کا خلاصہ لکھنے میں پوری کوشش صرف کی، اس لیے کہ یہ مقصد اہم ہے۔ پس یہ کتاب بحمد اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ مختصر اور شریف نمونہ تیار ہوئی۔ تو اس کا ایک نسخہ لکھا اور اس کو اپنے شہر میں لے گئے۔ جو اسلامی شہروں میں بڑا شہر علمائے اسلام کی سواریاں بیٹھنے کی جگہ منبع افاضل اور مفزع اماثل ہے۔ پھر اور لوگوں نے ان کے بعد اس رسالے کو لکھا اور ان کے نقش قدم اور بزرگوں کی پیروی کی اور مختلف شہروں میں متفرق ہوگئے اور میرے پاس کوئی نسخہ باقی نہ رہا۔ سوائے اصل مسودے کے اور اللہ ہی مستعان ہے۔ پھر اس کو عاریۃً لیا بعض حنفیہ نے، تاکہ نقل کر کے واپس دے دیں۔ مگر اس کو لے کر سفر میں چلے گئے اور اس کے گم ہو جانے کا جو گناہ ہے، اس کا خیال نہ کیا، جس سے مجھے بہت افسوس ہوا۔'' (ایضاً ص ۱۱، ۱۲)

یقیناً عرق ریزی اور جگر کاوی کا نچوڑا اگر ضائع ہو جائے، تو اس سے دل کو کتنی ٹھیس پہنچتی ہے، یہ وہی جان سکتا ہے، جو اس مرحلے سے گزرا ہو۔ مزید برآں کسی صاحب قلم کی عرق ریزی یہ وہ خسارہ ہے، جس کی تلافی ممکن نہیں۔ یوں وہ پہلا نسخہ دست بدست گم ہو گیا اور حضرت مصنف کو دوبارہ عرق ریزی کرنی پڑی پھر ''الخیرات الحسان'' کی ترتیب عمل میں آئی رقم طراز ہیں:

''دوبارہ میں نے ان ائمہ کی کتابوں کو دیکھا، جنہوں نے

مناقب لکھے ہیں، یہاں تک کہ مَیں نے ایک کتاب کو جامع دیکھا جس کے مصنف ہمارے دوست شیخ علامہ نیک بخت فہامہ، ثقہ، مطلع، حافظ متبع شیخ محمد شامی دمشقی مصری ہیں۔ پس خلاصہ کیا مَیں نے اس کے مقاصد کا اور تنقیح کی مَیں نے اس کے مصادر وموارد کی اس کتاب عجیب، جامع، مستحکم، مضبوط میں اور مَیں نے اس کا نام ''الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان'' رکھا رحمت ہو اللہ تعالیٰ کی ان پر۔ (ایضاً ص ۱۲، ۱۳)

چنانچہ ''الخیرات الحسان'' کے مقدمات وفصول پر نظر ڈالنے سے کتاب کی افادیت واہمیت کا صحیح پتا چلتا ہے، اور اس منظر نامے میں سیدی امام اعظم علیہ الرحمۃ کا قد کتنا بلند ہے، چمکتے سورج سے زیادہ روشن نظر آنے لگتا ہے، اور اس ترجمے ''جواہر الحسان'' کی ضرورت کا احساس بھی دمکتی صبح کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے۔

ترتیب کتاب .... مقدمات

(۱) پہلا مقدمہ، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب جلیلہ اور ان پر تراشیدہ بہتان وطعن واعتراض کے رد میں۔ نیز علمائے حق کے اقوال کی تاویل و تصحیح خصوصاً امام غزالی علیہ الرحمۃ کے اعتراضات کے جوابات شافی وتاویلات وافی میں۔

(۲) دوسرا مقدمہ۔ مجتہدین کے فضائل ومناقب، ان کی ضرورت نیز ان کے مصیب ومثاب ہونے کے بیان میں۔

(۳) تیسرا مقدمہ۔ دربارۂ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں۔

اس کے معابعد مصنف علام نے چالیس فصول قائم فرمائی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

فصول:

۱۔ پہلی فصل: بیان میں ان امور کے جو اس کتاب کی تالیف کا باعث ہوئے۔
۲۔ دوسری فصل: آپ کے نسب کے بیان میں۔
۳۔ تیسری فصل: آپ کے سنہ ولادت کے بیان میں۔
۴۔ چوتھی فصل: آپ کے نام نامی کے بیان میں۔
۵۔ پانچویں فصل: آپ کی صورت کے بیان میں۔
۶۔ چھٹی فصل: ان صحابۂ کرام کے بیان میں جن کو امام صاحب نے پایا۔
۷۔ ساتویں فصل: آپ کے اساتذہ کے بیان میں۔
۸۔ آٹھویں فصل: علم حدیث اور فقہ میں آپ کے شاگردوں کے بیان میں۔
۹۔ نویں فصل: آپ کی پیدائش ونشوونما اور علم کی طرف توجہ کے بیان میں۔
۱۰۔ دسویں فصل: فتویٰ دینے اور پڑھانے کے لیے پہلے پہل بیٹھنے کے بیان میں۔
۱۱۔ گیارہویں فصل: ابنائے مذہب امام کے بیان میں۔
۱۲۔ بارہویں فصل: ان صفات کے بیان میں ہے جن کی وجہ سے آپ اپنے بعد والوں سے ممتاز ہیں۔
۱۳۔ تیرہویں فصل: ائمہ نے جو آپ کی تعریفیں کی ہیں ان کے بیان میں۔
۱۴۔ چودھویں فصل: عبادت میں آپ کی کوشش کے بیان میں۔
۱۵۔ پندرہویں فصل: امام صاحب کے خوف ومراقبۂ الٰہی کے بیان میں۔
۱۶۔ سولہویں فصل: لایعنی باتوں سے زبان کے محفوظ رکھنے اور حتیٰ الامکان برائی سے بچنے کے بیان میں۔
۱۷۔ سترہویں فصل: آپ کے کرم کے بیان میں۔
۱۸۔ اٹھارہویں فصل: آپ کے زہد اور پرہیزگاری کے بیان میں۔
۱۹۔ انیسویں فصل: آپ کے امانت دار ہونے کے بیان میں۔
۲۰۔ بیسویں فصل: آپ کے وفور عقل کے بیان میں۔
۲۱۔ اکیسویں فصل: آپ کی فراست کے بیان میں۔

۲۲۔ بائیسویں فصل: آپ کے غایت درجہ ذکی ہونے اور مشکل مسائل کے مُسکت جوابات میں۔

۲۳۔ تیئیسویں فصل: " " " " " "

۲۴۔ چوبیسویں فصل: آپ کے علم وغیرہ کے بیان میں۔

۲۵۔ پچیسویں فصل: آپ کے اپنے کسب سے کھانے اور عطیات سلطانی کے رد کرنے کے بیان میں۔

۲۶۔ چھبیسویں فصل: آپ کے لباس کے بیان میں۔

۲۷۔ ستائیسویں فصل: آپ کے ادب کے بیان میں۔

۲۸۔ اٹھائیسویں فصل: وظائف جلیلہ مثل عہدۂ قضا وانتظام بیت المال کے متولی ہونے سے رکنے اور انکار پر آپ کی تکلیف کے بیان میں۔

۲۹۔ انتیسویں فصل: آپ کی سند قرأت کے بیان میں۔

۳۰۔ تیسویں فصل: آپ کی سند حدیث کے بیان میں۔

۳۱۔ اکتیسویں فصل: آپ کی وفات کے سبب کے بیان میں۔

۳۲۔ بتیسویں فصل: تاریخ وفات کے بیان میں۔

۳۳۔ تینتیسویں فصل: آپ کی تجہیز و تکفین کے بیان میں۔

۳۴۔ چونتیسویں فصل: وہ غیبی ندائیں، جو آپ کے انتقال کے بعد سنی گئیں۔

۳۵۔ پینتیسویں فصل: وفات کے بعد بھی ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ آپ کا ویسا ہی ادب کرتے تھے، جس طرح عین حیات میں اور اس باب کے بیان میں کہ آپ کی قبر کی زیارت قضاء حاجت کا باعث ہے۔

۳۶۔ چھتیسویں فصل: بعض اچھے خوابوں کے بیان میں، جو آپ نے دیکھے اور آپ کے متعلق لوگوں نے دیکھے۔

۳۷۔ سینتیسویں فصل: اس شخص پر رد میں ہے، جس نے امام صاحب پر قدح کیا کہ آپ قیاس کو سنت پر مقدم کرتے ہیں۔

۳۸۔ اڑتیسویں فصل: آپ کے بارے میں جو جرح ہوئی اس کے رد کے بیان میں۔

۳۹۔ انتالیسویں فصل: خطیب نے جو تاریخ میں امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین کا کلام نقل کیا ہے، اس کے رد میں۔

۴۰۔ چالیسویں فصل: اس کے بیان میں ہے، جو کہا گیا کہ امام صاحب نے صریح احادیث صحیحہ کے بغیر حجت کے خلاف کیا ہے۔

ترتیب فصول کے بعد ایک اور بحث خاتمے کی بعنوان ''خاتمہ رزقنا اللہ حسنہا'' قائم کیا ہے، جو اثر مرتب کتاب کا ہے۔ جس میں اجمالی طور پر حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی برأت، محاسن اور فضائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ائمۂ مجتہدین کے کارہائے نمایاں جو بے خوف وخطر ان پاکیزہ حضرات سے ظاہر ہوئے کو بیان فرمایا ہے۔

ترجمہ نگاری:

فنون علمیہ سے ترجمہ نگاری ایک مہذب، عرق ریز اور مشقت طلب کام ہے۔ اس میں اگر علمی پختگی نہ ہو، تو ترجمے میں کتاب کی روح مر جاتی ہے اور قاری اکتاہٹ محسوس کرنے لگتا ہے۔ ترجمہ تین طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) لفظی ترجمہ (۲) اصطلاحی ترجمہ (۳) مفہوماتی ترجمہ

پہلے لفظی ترجمہ کی پذیرائی بہت تھی۔ مگر بعد میں وہ متروک ہو گیا، اس کی جگہ اصطلاحی ترجمے نے زور پکڑا، جس کی قدر و منزلت آج تک ہے اور عموماً کتابوں کے تراجم اصطلاحی ہی ہوتے اور کیے جاتے ہیں۔ مگر مفہوماتی ترجمے میں نقص یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھار مترجم نفس عبارت کی کم فہمی کی بنا پر بعض حشو و زوائد سے کام لیتا ہے، جس سے مصنف کے افکار مسخ ہو جاتے ہیں اور عبارت کا مفہوم خبط ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ مصنف جس فکر و نظر کو جن متوازن الفاظ میں ڈھال کر اپنا مافی الضمیر پیش کرتا ہے، وہ صرف مفہوم کی حدود تک محصور نہیں، بلکہ لفظوں کی ترتیب اور مفہوم کے تطابق سے پیدا ہوتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مترجم کی علمی جولانیت اس کے

ترجمے میں اتنی گہرائیوں تک سرایت کیے ہوتی ہے کہ اس کا علمی معیار لفظ لفظ میں جھلکنے لگتا ہے۔ نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمہ اپنے عصر کی زبان کا مکمل غماز ہوتا ہے۔ مترجم کے زمانے میں زبان اپنے جن ارتقائی مراحل سے گزر رہی ہوتی ہے، اسی کا ترجمہ قرطاس پر بکھرتا ہے۔

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ کی علمی جلالت سے معمور قلم کا یہ پہلا ترجمہ ہے، جو انہوں نے چند دنوں میں مکمل فرمایا۔ جبکہ مباحث پر نظر ڈالنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کام کتنا دشوار اور صبر آزما تھا۔ اگرچہ ترجمے میں ایک مترجم کے علمی احساسات اور فکری جولانیوں کا آئینہ جگہ جگہ جھلکتا نظر آتا ہے۔ مگر تواضع کا اظہار کچھ عجیب حسن پیدا کر رہا ہے۔ آپ خود اس کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''یہ ترجمہ آپ کے پیش نظر ہے۔ چند دنوں میں مرتب کیا اور ''جواہر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان'' اس کا نام رکھا۔ یہ تو مسلم ہے کہ کسی کتاب یا عبارت کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جائے، تو وہ لطف نہیں رہتا، جو اصل کتاب یا عبارت میں ہے۔ اس لیے میں نے حتی الامکان عام فہم اور سلیس ہونے کے خیال سے لفظی ترجمے کا التزام نہیں کیا ہے۔ مجھے اس جگہ اس امر کے اعتراف میں بھی تامل نہ کرنا چاہیے کہ ''کار بکثرت'' ہے اور یہ رسالہ میرا پہلا ترجمہ ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ مترجم کے فرض منصبی کو پورے طور پر ادا کرنے سے قاصر رہا ہوں۔ مگر یہ جذبۂ دل اور تعمیل ارشاد مخلص ہے، جو یہ کام انجام کو پہنچا، ورنہ:

ع۔ 'صلاح کار کجا من خراب کجا' (ایضاً ص ۶)

جواہر البیان کی زبان ان کے عصر کی زبان ہے اور قیاس یہ ہے کہ ۱۹۱۲ء کے آس پاس یہ ترجمہ معرض وجود میں آیا ہے۔ اردو میں خصوصی تبدیلی ترقی پسند تحریک کے بعد عمل میں آئی۔ ورنہ اس سے قبل فارسی سے بہت متاثر رہی ہے۔ اس وقت علمی اقدار آئینے کی طرح چمکتے پڑ رہے ہیں۔ اس وقت کسی بھی مصنف یا مترجم کا اپنے عصری اسلوب سے متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ چنانچہ جواہر البیان میں اسی وقت کی زبان، سبک محاورے اور تراکیب استعمال ہوئی ہیں، جو فی زمانہ انتہائی شستہ، سہل ممتنع، بامحاورہ، سلیس اور سادے ہونے کے باوجود انتہائی رواں ہے۔ بلکہ اثنائے مطالعہ کبھی کبھار ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے بعض عبارتیں خود حضرت مترجم قدس سرہٗ کی ہوں، کیونکہ اسلوب بیان کی جاذبیت اور ترجمے پر زبان کی گرفت سے ایسا ربط اور تسلسل ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ نہیں بلکہ عین کتاب ہو۔

جواہر البیان میں ایک خصوصی بات جو جگہ جگہ محسوس کی جاسکتی ہے، وہ حضرت مترجم کے ذہن و دماغ پر اپنے استاد کا علمی پرتو ہے۔ جہاں فقط علمی ترشحات ہی نظر آتے ہیں۔ چونکہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا علمی قد اور ان کی فکری جولانی ان کی تحریروں میں پھوٹی پڑتی ہے، اور علم کا بحر بیکراں موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی چھاپ حضرت مترجم قدس سرہٗ کی تحریروں پر بھی پڑی ہوئی دکھائی پڑتی ہے۔ ترجمے میں الفاظ کا ذخیرہ اور لغوی مشمولات اتنے وافر مقدار میں جمع کر دیے گئے ہیں کہ لفظ لفظ اور سطر سطر سے جلالت علمی آشکارا ہوتی جاتی ہے۔ تاہم مربوط، مسلسل، سبک اور سہل ممتنع اسلوب بیان نے ترجمے میں ایسی جاذبیت پیدا کر دی ہے کہ کیف دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہ سبھی کو معلوم ہے کہ ترجمے کا کام کوئی آسان نہیں، کیونکہ اس میں ہر دو زبان میں قدرت کاملہ اور مہارت تامہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک مفہوم کو دوسری زبان کا قالب پہنا دیا جاتا ہے، ورنہ روح وہی ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ بیک وقت دونوں زبانوں پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی روح کی گہرائیوں میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔

ترجمے کے دوران کہیں کہیں آپ نے حواشی بھی اپنے قلم سے نقل فرمائے ہیں۔ جہاں کہیں مفہوم میں کوئی اغلاق یا خفا محسوس ہوا، اس پر افہام مفہوم کے لیے حواشی ناگزیر تھے، جس کا اضافہ کرنا مترجم نے اپنی اخلاقی ذمہ داری خیال کیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ دو روایات یا اقوال میں تضاد محسوس ہونے کی صورت میں تطبیق و توضیح بھی درج فرماتے ہیں۔ حضرت سیدی امام اعظم رضی اللہ عنہ پر جن لوگوں نے جرح کیا ان کا رد کرتے ہوئے حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ایک تفصیلی بحث قائم کی ہے اور آخر میں حضرت عمرو بن دینار اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہما کے اقوال نقل کر کے ان کے افکار کو واضح کیا۔ اس پر حضرت مترجم قدس سرہٗ نے اپنا عندیہ پیش کرتے ہوئے اظہار خیال فرمایا:

''فقیر مترجم غفرلہٗ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ صرف ان دونوں حضرات کا خیال ہے، ورنہ علمائے کرام کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اس بات سے کہ وہ ایک دوسرے سے حسد رکھیں یا بلا وجہ بغض و عداوت رکھیں۔'' (ایضاً ص ۱۸۳)

اسلوب نگارش یا طرز تحریر کا استدلالی طریقہ حوالوں کے شواہد سے مزین ہونے کا متقاضی ہے۔ جواہر البیان کی زبان اور ترجمہ نگاری کے سبک کے لیے ہم چند نمونے جواہر البیان سے نقل کر رہے ہیں۔

نمونہ نمبر ا: قاضی شریح فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اکثر خاموش رہتے۔ اکثر سوچا کرتے، فقہ میں آپ کی نگاہ بہت باریک تھی، مسائل نفیسہ استخراج فرماتے، علم و بحث میں بھی پاکیزہ تھے۔ اگر طالب علم فقیر ہوتا، تو اس کو مال دار کر دیتے۔ جو شخص آپ سے سیکھتا فرماتے ''تو غنا اکبر کی طرف پہنچا، اس لیے کہ حلال و حرام کو جان لیا۔'' خلف ابن ایوب کہتے ہیں کہ علوم اللہ تعالیٰ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے۔ ان سے صحابۂ کرام کو، ان سے تابعین کو، بعد ازاں امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کو، اب جو چاہے، خوش ہو اور جسے ناپسند ہو، وہ ناخوش ہو۔ بعض ائمہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ خاص کر امام ابو حنیفہ ہی کی تعریف کرتے ہیں اور کسی کی نہیں؟ فرمایا: اس لیے کہ اوروں کا رتبہ ان جیسا نہیں۔ جس قدر ان کے علم سے لوگوں کو نفع پہنچا، کسی کے علم سے نہ ہوا۔ اس لیے مَیں انہی کا ذکر کرتا ہوں، تا کہ لوگ اُن سے محبت کریں اور ان کے لیے دعا کریں۔ (ایضاً ص ۸۸)

نمبر ۲: ''ایک مرتبہ کوفہ کی بکریوں میں ایک چھینی ہوئی بکری ملی، تو لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کتنے دنوں بکری زندہ رہتی ہے؟ لوگوں نے کہا سات سال تک، امام صاحب نے سات سال تک بکری کا گوشت نہ کھایا۔

اسی زمانے میں بعض فوجیوں کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا بقیہ کوفہ کی نہر میں ڈال دیا۔ آپ نے مچھلی کی عمر دریافت فرمائی، لوگوں نے کہا اتنے سال، آپ نے اتنے زمانے تک مچھلی کھانا چھوڑ دیا۔ ہمارے بعض حضرات ائمہ و شافعیہ یعنی استاذ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالے کے باب التقویٰ میں فرمایا ہے کہ امام صاحب اپنے قرضدار کے درخت کے سائے میں بیٹھنے سے بھی بچتے تھے اور فرماتے جس قرض سے نفع ہو وہ سود ہے، اور اس کے موافق یزید بن ہارون کا قول ہے کہ مَیں نے کسی کو امام صاحب سے زیادہ پرہیز گار نہ دیکھا۔ مَیں نے ایک دن ان کو ایک شخص کے دروازے کے سامنے دھوپ میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ مَیں نے کہا اگر حضور! اس سائے میں تشریف لے جاتے، تو اچھا ہوتا۔ فرمایا مالک مکان پر میرا قرض ہے اور مَیں نہیں چاہتا کہ اس سے نفع حاصل کروں اور اس کے مکان کے سائے میں بیٹھوں۔ یزید نے کہا کہ اس سے بڑھ کر پرہیز گاری اور کیا ہوگی؟ (ایضاً ص ۱۰۰)

نمبر ۳: ''علاوہ بریں بے سمجھے بوجھے کثرت روایت میں تو

کوئی خوبی نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن عبدالبر نے تو اس برائی میں مستقل باب مقرر کیا لکھا ہے کہ فقہائے مسلمین و علمائے دین کا اتفاق ہے کہ بدون تفقہ اور بغیر تدبر کے کثرت روایت مذموم ہے۔ ابن شبرمہ نے کہا کہ کم روایتی تفقہ ہے۔ ابن مبارک نے کہا اکثر پر بھی اعتماد کرنا چاہیے، اور معتبر وہ رائے ہے، جس سے حدیث کی تفسیر ہو سکے۔ امام صاحب کی قلت روایت کا سبب یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک اسی شخص کو روایت کرنا جائز ہے، جسے سننے کے دن سے روایت کے وقت تک حدیث یاد ہو، تو وہ صرف حافظ کے لیے روایت کرنا درست بتاتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۰۰، ۱۰۱)

مذکورہ بالا تینوں اقتباسات کی زبان کی شستگی روانی، تسلسل اور انداز بیان کتنا جاذب ہے اور اس دور میں جبکہ زبان اردو بھی محنت کشانہ تھی۔ جواہرالبیان کا یہ ترجمہ جو اپنے عصر کے لحاظ سے ایک گراں قدر اور انتہائی وقیع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے جو کسی ترجمے کے لیے لازم ہوتی ہے۔

ہمارے سامنے ''جواہرالبیان'' کا جو نسخہ ہے، اس میں حضرت سیدی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قصیدۂ نعمانیہ بھی درج ہے۔ حضرت امام اعظم کے قلم فیض رسا کا یہ قصیدہ ایک زندہ کرامت ہے۔ جس میں کل ترپن ۵۳ اشعار ہیں، آپ نے اس میں ان تمام معتقداتی بحثوں کو سمو دیا ہے، جو اس وقت مسلمانوں کا عقیدہ ہوتی تھیں، جسے آج کل کچھ کج فہم اور بے ادب لوگ شرک و بدعت کہہ کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس نعتیہ قصیدے کو حضرت مترجم قدس سرہٗ نے خود درج کیا ہے یا حضرت مترجم قدس سرہٗ کے غیر نے چونکہ الخیرات الحسان کا عربی نسخہ ہمارے پاس موجود نہیں اس لیے کوئی حتمی فیصلہ بھی کرنا دشوار ہے۔ تاہم اس پورے قصیدے کی شعر سے شعر میں ترجمانی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت مترجم قدس سرہٗ ایک نکتہ رس اور بالغ نظر شاعر بھی تھے کیونکہ پورے قصیدے کا ترجمہ اردو اشعار میں کیا گیا ہے، اس کے چند اشعار عربی مع اردو بطور نمونہ درج ہیں:

یا سید السادات جئتک قاصداً
ارجو رضاک واحتمی بحماک

یا رسول اللہ بندہ حاضر دربار ہے
آپ کی خوشنودی و حفظ و اماں درکار ہے

واللہ یا خیر الخلائق ان لی
قلبا مشوقا الا یروم سواک

ہے میرے پہلو میں خیرالخلائق ایسا دل
جو ہے شیدا آپ کا اور غیر سے بیزار ہے

انت الذی لما توسل آدم
من زلۃ بک فاز و ھو اباک

آپ کے دادا صفی اللہ ہوئے جب کامیاب
اپنی لغزش پر وسیلہ جبکہ چاہا آپ کا

بک لی قلیب مغرم یا سیدی
وحشتا محشوۃ بھواک

دل مرا ہے آپ ہی کا شیفتہ یا سیدی
جان جو باقی ہے جس میں آپ ہی کی ہے ہوا

جواہرالبیان'' ایک عصری ترجمے کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس سے حضرت مترجم کا علمی قد اور زبان و بیان ہمعصران کی مہارت تامہ چڑھتے سورج کی طرح روشن ہے۔

☆☆☆

رسالہ ہجرت: ایک جائزہ

از قلم: پروفیسر ریاض الرحمٰن شیروانی، سابق صدر شعبہ عربی اسلامیات کشمیر یونیورسٹی، کشمیر

ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی (۱۸۸۰ تا ۱۹۶۲) بہار کے ایک مشہور کثیر التصانیف عالم تھے۔ وہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے بحیثیت استاد اور پھر بحیثیت پرنسپل طویل مدت تک وابستہ رہے جہاں ان سے طلبہ کی کثیر تعداد نے استفادہ و استفاضہ کیا۔ خود ان کے اساتذہ میں کئی فضلائے روزگار مثلاً مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا شاہ عبداللہ کانپوری، مولانا بشیر احمد علی گڑھی، کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ لیکن جب ان کا اصلی تعلق اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے قائم ہوا تو ان کا شمار فاضل بریلوی کے ممتاز تلامذہ و خلفاء میں ہونے لگا۔ وہ پوری طرح فاضل بریلوی کے دینی اور سیاسی مسلک کے پیرو تھے۔ مولانا مدۃ العمر کسی سیاسی جماعت کے رکن نہیں رہے۔ تاہم مُلک میں وقتاً فوقتاً جو واقعات و حادثات پیش آتے رہے، ان سے کسی بھی پڑھے لکھے اور باشعور انسان کا بے خبر اور غیر متاثر رہنا ممکن نہیں ہوسکتا اور ان میں ملک العلماء کا استثناء بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

۱۹۴۵ء میں برطانوی جیلوں سے کانگریسی رہنماؤں کی آخری رہائی کے بعد ملک میں جو سیاسی اتھل پتھل ہوئی اور حصول آزادی کے خواب کی تعبیر تصور سے حقیقت میں بدلتی نظر آنے لگی۔ اس کے نتائج بہت دور رس اور بعض اوقات خطرناک صورت میں رونما ہونے لگے۔ ۱۹۴۶ء کے مجالس قانون ساز کے انتخابات کے بعد اس عمل میں زیادہ تیزی اور زیادہ شدت پیدا ہوگئی۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافات مختلف مسائل پر روز افزوں تھے۔ ان حالات میں لارڈ ویول وائسرائے ہند نے صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو کو ملک میں عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی۔ مسلم لیگ نے اس حکومت میں شمولیت سے انکار کردیا اور اس کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے بطور احتجاج ۱۶؍اگست کو یوم راست عمل منانے کا اعلان کیا۔ اس وقت بنگال میں مسلم لیگ کی حکومت تھی اور مسٹر حسین شہید سہروردی اس کے وزیر اعلیٰ تھے۔ انہوں نے ۱۶؍اگست کو صوبے میں سرکاری تعطیل کردی۔ اس دن کلکتہ میں جس پیمانے پر اور جس نوعیت کے فرقہ وارانہ فسادات کی ایسی لہر ابھری، جس نے تباہی و بربادی کے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ اواخر اکتوبر اوائل نومبر میں ان فسادات کی زد میں صوبۂ بہار آیا اور وہاں مسلمانوں کا شدید جانی و مالی نقصان ہوا۔ فسادات کی آگ اتنی جھلسا دینے والی تھی کہ بہت سے مسلمان اس کی تاب نہ لاکر نقل مکانی اور ترک سکونت کا ارادہ کرنے لگ گئے۔ ان کا قریبی مسلم اکثریت کا صوبہ بنگال تھا۔ لہٰذا زیادہ تر نے وہیں جانے کا قصد کیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اگرچہ ملک العلماء راست سیاست سے جڑے نہیں تھے۔ تاہم حالات کی سنگینی سے ان کا متاثر ہونا قدرتی امر تھا۔ وہ فسادات کی تباہ کاری کو تو محسوس کر رہے تھے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بخوبی سمجھ رہے تھے کہ نقل مکانی اور ترک سکونت کسی

درجے میں بھی اس کا حل نہیں ہے۔ بلکہ نت نئے مسائل کو جنم دے سکتا ہے۔ اس جذبے سے انہوں نے ایک رسالہ بعنوان 'سد الفرار لمهاجری بهار'، معروف بہ 'ہجرت بنگال' قلم بند فرمایا۔ (آئینہ ۱۹۴۶ء) جس میں مسئلہ مذکور کے تمام پہلوؤں کا بنظر غائر مطالعہ فرمایا، اس کے حسن وقبح پر روشنی ڈالی اور اہلِ بہار کو مشورہ دیا کہ وہ بجائے ترک سکونت کرنے کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے جہاں ہیں، وہاں مقیم رہیں اور اپنی حفاظت کا انتظام وہیں رہ کر کریں۔ حالات ان شاء اللہ ایسی کروٹ لیں گے جس سے ان کے مصائب و مشکلات دور ہوں گے اور امن وسکون کی صورت نکلے گی۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے، کہ ابھی ملک کی تقسیم عمل میں نہیں آئی تھی اور ان فسادات کی نوعیت تقسیم کے پیش خیمے کی تھی۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ابھی ترک سکونت کے مسئلے کا تعلق کسی نئے ملک سے نہیں تھا، بلکہ متحدہ ہندوستان ہی کے ایک صوبے سے دوسرے صوبے کا تھا۔ پھر بھی ملک العلماء کی نگاہ دوررس وہ تمام مناظر دیکھ رہی تھی، جو بعد میں پیش آنے والی بڑی ''ہجرت'' اپنے جلو میں لے کر رونما ہونے والی تھی۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر ملک العلماء نے انگریزوں کو جو مشورہ دیا تھا کہ وہ انتقال اختیارات کو ''کم سے کم ایک صدی'' کے لیے ملتوی کر دیں۔ وہ تو اب از وقت تھا اور اگر انگریز اس مشورے پر غور کرنے کے لیے تیار بھی ہو جاتے۔ تو ایک طرف بین الاقوامی حالات کا دباؤ اور دوسری طرف خود اندرون ملک کا جذبۂ حریت پسندی (اپنی تمام خامیوں اور نقائص کے باوجود) انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر ملک العلماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک طرف ان کے دردِ دل اور دوسری طرف ان کی فراست کا غماز ہے۔ انہوں نے تحریر فرمایا ہے: ''غرض اس واقعۂ فاجعہ (بہار کا فساد) اور خاص کر اس سے بہت زیادہ قلق آمیز اور خون کے آنسو رلانے والا یہ سماں ہے کہ اس حادثے سے مسلمان ایسے حواس باختہ ہو گئے ہیں، آگے پیچھے اونچ نیچ، نفع نقصان کے سوچ بچار کرنے کا دماغ ہی کھو بیٹھے۔ دیکھیے کتنے بستر باندھ رہے ہیں۔ یا لیگ سے سبز ٹکٹ لے کر بنگال جا رہے ہیں اور اگر پوچھیے، تو اس بزدلانہ فعل کو شریعت کا رنگ دے کر ہجرت فرما رہے ہیں۔ یہ ہجرت نہیں، آپ مہاجر نہیں کہلا سکتے، آپ کا شمار بھگوڑوں میں ہے۔ یوں دل خوش کرنے کو جو چاہیں کہہ لیں۔'' ملک العلماء کی اس تمہیدی عبارت کا اتنا طویل اقتباس ہم نے اس لیے دیا ہے کہ ہمارے اس خیال سے مولانا نے آئندہ صفحات میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

ملک العلماء نے یہ بتایا ہے کہ ہجرت کن حالات میں کی جاتی ہے اور اعتراف کیا ہے، کہ بہار میں ایسے حالات نہیں ہیں، جو ہجرت کے متقاضی ہوں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ہجرت نقل کیے ہیں۔ ان کے اسباب بیان کیے ہیں اور ان کے نتائج سے بحث کی گئی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کی ہجرتِ مبارکہ کے جو نتائج مرتب ہوئے ان پر روشنی ڈالی ہے۔ احادیث شریفہ سے ثابت کیا ہے، کہ ہماری ہجرت وہ ہجرت نہیں ہے، جو باعث اجر اور موجب خیر و برکت ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ جہاں آپ جا رہے ہیں اس کی کیا ضمانت ہے، کہ وہاں آپ کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہوگی۔ اصل حفاظت اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہے اور اسی پر بھروسہ ضروری ہے۔ یہ بات یاد کر لی جائے کہ ابھی پاکستان نہیں بنا تھا اور مولانا جو گفتگو فرما رہے تھے وہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں ایک ایسے صوبے سے ہے جہاں غیر مسلموں کی اکثریت تھی ایک ایسے صوبے کی جانب ہجرت سے متعلق تھی، جہاں مسلمان اکثریت

میں تھے۔ ملک العلماء ۱۹۶۲ء تک حیات رہے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک بٹ گیا تھا اور پاکستان وجود میں آ گیا تھا۔ اس موقع پر اور اس کے بعد تک بھی قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری رہا اور مدت تک مسلمان ہجرت کے نام پر ترک سکونت کر کے مغربی اور مشرقی پاکستان جاتے رہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ملک العلماء کے احساسات اس معاملے میں اس وقت بھی وہی ہوں گے، جو ۱۹۴۶ء میں تھے۔

البتہ ۱۹۷۱ء میں جب پاکستان کی تقسیم عمل میں آئی اور مشرقی پاکستان نے بنگلہ دیش کی شکل میں نیا جنم لیا۔ وہاں انسانی جان و مال کی جوارزانی ہوئی اور اس سے جس طرح ''بہاری'' سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اس وقت ملک العلماء کی وفات ہو چکی تھی ورنہ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور رنجیدہ ہوتے، کہ ان کے مشورے کے خلاف ان کے ہم وطن مسلمانوں نے ''ہجرت'' کر کے ہر نوعیت کا کس قدر نقصان اٹھایا۔ تاہم یہ عرض کیے بغیر چارہ نہیں ہے، کہ ملک العلماء نے اپنے رسالے میں بڑے وثوق اور اعتماد سے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ بہار میں آئندہ اس قسم کے حالات پیش نہیں آئیں گے۔ جیسے ۱۹۴۶ء میں پیش آئے تھے۔ افسوس ہے کہ نہ صرف بہار میں بلکہ ہندوستان کے بیشتر دوسرے صوبوں (جنہیں اب ریاستیں کہا جاتا ہے۔) میں بھی وقتاً فوقتاً یہ سیلاب بلا پوری شدت سے آتا رہا۔

ملک العلماء نے جو کچھ فرمایا تھا، وہ انگریزی دورِ حکومت کے ایک مخصوص موڑ پر ایک مخصوص صورت حال کو پیش نظر رکھ کر فرمایا تھا۔ جب وہ صورت حال بدل گئی بلکہ ملک کی تقسیم در تقسیم عمل میں آ گئی، تو ان ارشادات کی معنویت گرچہ قدرے متاثر ہوئی۔ پھر بھی انہوں نے جو بنیادی مشورہ دیا تھا، یعنی فسادات سے ڈر کر اور گھبرا کر ترک سکونت نہ کرنا۔ اُس کی اہمیت و صداقت ہمیشہ برقرار رہی اور بالآخر نہ صرف بہار، بلکہ کل ہندوستان کے مسلمان اسی نتیجے پر پہنچے، کہ ترک سکونت مسئلے کا حل ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مسئلہ اور الجھتا اور زیادہ گمبھیر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سے مسلمانانِ ہند نے ترک سکونت سے اجتناب کلی اختیار کیا ہے۔ الحمد للہ صورت حال ان کے حق میں بہتر ہوئی ہے اور فسادات کی شدت بدرجہا کم ہو گئی ہے۔ بلکہ ادھر برسوں سے تو کسی حد تک امن ہے۔ اور آثار بتاتے ہیں کہ ان شاء اللہ یہ امن محکم تر ہوگا۔ کہنا یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مسائل باقی نہیں رہے ہیں، اس وقت بحث صرف فرقہ وارانہ فسادات سے ہے۔

☆☆☆

> ''ملک العلماء نے یہ بتایا ہے کہ ہجرت کن حالات میں کی جاتی ہے اور اعتراف کیا ہے، کہ بہار میں ایسے حالات نہیں ہیں، جو ہجرت کے متقاضی ہوں. انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ہجرت نقل کیے ہیں. ان کے اسباب بیان کیے ہیں اور ان کے نتائج سے بحث کی گئی ہے. خود نبی کریم ﷺ کی ہجرتِ مبارکہ کے جو نتائج مرتب ہوئے ان پر روشنی ڈالی ہے. احادیث شریفہ سے ثابت کیا ہے، کہ ہماری ہجرت وہ ہجرت نہیں ہے، جو باعث اجر اور موجب خیر و برکت ہے۔'' (پروفیسر ریاض الرحمٰن شیروانی)

'دلچسپ مکالمہ' پر ایک نظر

ازقلم: پروفیسر فاروق احمد صدیقی: امرود بگان، نزد جیل چوک، چندواڑہ، مظفر پور، پن نمبر، 842001 بہار

ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین قادری فاضل بہاری علیہ الرحمہ کی جامع حیثیات اور حامل کمالات شخصیت علمائے اہل سنت کی زریں تاریخ میں بے حد محترم اور قد آور ہے۔ آپ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے چہیتے شاگرد اور مرید وخلیفہ تھے۔ ان کو آپ کے علم وتفقہ پر اعتماد وافتخار تھا۔ چنانچہ دینی امور میں آپ کو اپنا معتمد وکیل سمجھتے تھے۔ اس لئے پورے اعتماد کے ساتھ میدان مناظرہ میں اعلیٰ حضرت آپ کو نمائندہ بنا کر بھیجتے تھے، اور یہ ایک شاگرد کے لئے بڑے شرف وسعادت کی بات ہے۔

اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ ''الاستمداد'' میں (جو تین سو اشعار پر مشتمل ہے) جن مخصوص احباب واصحاب کا ذکر فرمایا ہے، ان میں حضور ملک العلماء بھی شامل ہیں اور ترتیب کے اعتبار سے تیسرے نمبر پر ہے۔ ان پر صرف حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رضی اللہ عنہ اور مولانا عبد السلام رضی اللہ عنہ جبل پوری کو تقدم حاصل ہے۔ اسی سے نگاہ امام میں حضرت ملک العلماء کے مقام ومرتبے کا اندازا کیا جاسکتا ہے۔ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خوردبین نگاہ کسی ایسے ویسے کو خاطر میں نہیں لاسکتی تھی۔ وہ صلاحیتوں کے سچے پارکھ اور نباض تھے، جس کسی کو بھی اس پارس صفت کا قرب میسر ہوا، وہ زمانے میں کندن بن کر چمکا۔ حضور ملک العلماء کو دراصل فیضان نظر بھی ملا۔ اور مکتب کی کرامت نے بھی سنوارا۔ پھر تو ان کو یگانۂ روزگار اور مایۂ افتخار ہونا ہی تھا۔ مختلف علوم وفنون میں تقریباً ستر سے زائد کتابیں لکھ کر انہوں نے اپنے علم ودانشوری کی دھاک بٹھا دی۔ سارے ہندوستان میں ان کی شہرت پھیل گئی اور آج بھی بعد از وصال وہ اپنے بلند ووقیع علمی کارناموں کی بدولت اہل علم ودانش کے درمیان زندہ وتابندہ ہیں۔

علماء واہل مدارس کے ماحول میں ایک مفسر، محدث اور فقیہ کی حیثیت سے ان کی شناخت بنتی ہے۔ ان تینوں میدانوں میں انہوں نے اپنے فتوحات کے جو جھنڈے گاڑے ہیں، وہ آج بھی پوری آن بان کے ساتھ فضائے بسیط میں لہرا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ علم توقیت وعلم ہیئت میں جس ژرف نگاہی اور فنی بصیرت کا آپ نے ثبوت دیا ہے، وہ بھی بے نظیر وبے عدیل ہے۔

ملک العلماء کے ان تمام قابل قدر اور زریں کارناموں کے باوجود میں نے قصداً اُن کے بظاہر ایک غیر اہم رسالہ کو موضوع بنایا ہے۔ جو عام نظروں سے اوجھل ہے اور جس کی قدر وقیمت کا عرفان عام نہیں ہے، اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ بڑے لوگوں کی نگاہیں اس چھوٹے سے رسالے پر نہیں پڑیں گی، اس طرح وہ محروم تعارف رہ جائے گا، دوسرا سبب یہ کہ ملک العلماء نے زیر بحث رسالہ میں جس موضوع پر گفتگو کی ہے، آج بھی اس کی اہمیت وافادیت مسلم ہے۔ اس لئے اس رسالہ کے ذریعہ ان کا پیغام ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں تک

پہنچانے کی ضرورت ہے۔

''دلچسپ مکالمہ المعروف بہ ''تدبیر اکثریت'' ملک العلما کا ایک مختصر رسالہ ہے جو محض ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ آج سے تقریباً تراسی سال قبل منظر عام پر آیا۔ سر ورق پر سال اشاعت ۱۳۴۷ھ درج ہے اور آج ہم لوگ ۱۴۳۰ھ سے گذر رہے ہیں۔ اس طرح پورے تراسی سال مکمل ہوگئے اور اس میں حضرت ممدوح کا ملی درد و کرب جس دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ بروئے کار آیا ہے، وہ حساس طبائع کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے۔ اس میں انہوں نے نکاح بیوگاں کی ضرورت و اہمیت پر زور قلم صرف کیا ہے۔ ایسے دور اور وقت میں جب اس اہم دینی و اخلاقی مسئلہ کی طرف سے عام تغافل تھا اور کچھ لوگوں کو اس کا احساس تھا بھی، تو محض ''ٹیبل ٹاک'' کی حد تک۔ حضور ملک العلماء نے یہ رسالہ لکھ کر اسلامی معاشرہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس کا احساس تھا۔ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری سے انکشاف ہوا کہ مسلمان بیوہ عورتوں کی تعداد ۴۵ لاکھ ہے اور پھر دس سال بعد کی مردم شماری میں تعداد پچاس لاکھ سے تجاوز کر گئی اور یہ تمام عورتیں بڑی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

ع اِک ابتلا تھا یہ نظارہ دیدہ ور کے لئے

چنانچہ ملک العلماء کے دل دردمند نے اس مسئلہ کی سنگینی کو شدت سے محسوس کیا اور جہاد بالقلم کیلئے کمر بستہ ہوگئے، جس کے نتیجے میں یہ فکر انگیز رسالہ وجود پذیر ہوا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت (۳۰-۱۹۲۹ء) کی سیاسی کشمکش کے ماحول میں مسلمانوں کو اپنی قلت تعداد کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ اکثریتی طبقہ ان کی حق تلفی میں غیر عادلانہ بلکہ جارحانہ رویہ اپنائے ہوئے تھا۔ ملک العلماء کا سیاسی شعور، صورتِ حال کی نباضی کر رہا تھا اور نکاحِ بیوگاں سے ان کو یہ فائدہ نظر آرہا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا، تو وزارت و حکومت میں ان کو مناسب نمائندگی مل سکے گی کیونکہ جمہوری نظام میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور آج بھی اسی بنیاد پر تمام سیاسی فیصلے ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ایمانی فراست اور سیاسی بصیرت نے اس اہم معاشرتی مسئلہ کی طرف ان کو متوجہ کیا، ظاہر ہے یہ ملی درد لائق تکریم بھی ہے اور لائق تحسین بھی۔

ایک اور رخ سے زیر نظر رسالہ بے حد اہم ہے، وہ ہے اس کا دلکش اسلوب نگارش۔ ملک العلماء نے اس کو سادگیٔ زبان اور شگفتگیٔ بیان سے اس طرح آراستہ کیا ہے کہ

ع زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہئے

حیرت ہوتی ہے کہ ایک عالم دین جس کی زبان بالعموم بہت ہی معرب و مفرس ہوتی ہے۔ طویل عربی فارسی الفاظ و تراکیب، اصطلاحات و اضافات اور آیات و احادیث سے اپنی عبارت کو مزین کرنا ان کے اسلوب کا نمایاں خاصہ ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو، تو بھی وہ ایسے پیچیدہ زبان اور خشک پیرایہ بیان اختیار کرتے ہیں، جو عام قارئین کے سر سے گذر جائیں، (عہد حاضر کے علماء پر اس کا اطلاق بنسبت ماضی کے کم ہوتا ہے) مگر آفرین کہئے حضور ملک العلماء کے خامہ زرنگار کو جس نے بالکل عام فہم اور سلیس، بامحاورہ زبان میں پیش نظر رسالہ لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ

ع تلوار کاٹتی ہے مگر ہاتھ چاہئے

دیکھئے رسالہ کا آغاز کتنے دل نشیں پیرائے میں حبیبہ اور نعیمہ کے مابین مکالمے سے ہوتا ہے:

حبیبہ : کیوں بہن آج یہ کدھر کا راستہ بھول گئیں۔

نعیمہ　:راستے بھولے کی بھی ایک کہی میں خاص طور پر تمہارے اور تمہارے ہی ملنے کو گھر سے آئی ہوں۔

حبیبہ　:او ہو کیا میں بھی اس قابل ہوں کہ کوئی مجھ سے ملنے آئے۔

نعیمہ　:کیوں آخر کوئی وجہ، تم مجھے بھول گئی ہو، میں تمہیں نہیں بھولی ہوں، یا تمہیں یاد نہیں کہ ہم دونوں ایک ہی استانی کی شاگرد ہیں...... اس لئے میں تم سے ملنے آئی ہوں۔

حبیبہ　:یہ محض تمہارا اخلاق ہی اخلاق، ورنہ میں اب ہرگز اس لائق نہیں کہ کوئی مجھ سے ملنے آئے۔

نعیمہ　:کیا واقعی ایسی نہیں ہو یا ایسی بنی ہوئی ہو۔

حبیبہ　:بننے کی بھی ایک کہی، بنوں گی کس کے لئے۔

نعیمہ　:جس کے لئے سب عورتیں بنتی ہیں۔

یہ سن کر حبیبہ سوگوار ہو جاتی ہے اور اس کی پلکوں پر ستارے جھلملانے لگتے ہیں، صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھ کر نعیمہ بھی افسردہ بے کیف ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں اُس پر یہ منکشف ہو جاتا ہے کہ حبیبہ کا سہاگ لٹ چکا ہے اور وہ بیوگی کے نمناک دن گذار رہی ہے، گویا حبیبہ کے لئے لطف جینے میں ہے باقی نہ مزہ مرنے میں۔

اب نعیمہ پوری ہمدردی اور دردمندی کے ساتھ اس کو نکاح ثانی کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کو طرح طرح کے احساس دلاتی ہے، لیکن حبیبہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

نعیمہ اب اس کے سامنے نکاح بیوگاں کا سیاسی پہلو رکھتی ہے اور اس کی ملی غیرت کو بیدار کرتی ہے کہ مسلمان قلیل تعداد میں ہونے کے باعث گوناگوں مسائل و مصائب سے دوچار ہیں، اکثریت اسے فنا کے گھاٹ اتارنے کیلئے نت نئے منصوبے بناتی رہتی ہے۔

اگر قلت تعداد کی وجہ سے مسلمان کچل ڈالے گئے تو اس کا سارا وبال تم پر ہوگا بلکہ تم جیسی ہماری جتنی بہنیں ہیں سارا الزام ان پر ہوگا۔ مگر حبیبہ پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ یوں جواب دیتی ہے:

"گھر گھر جا کر مزدوری اچھی ہے مگر دوسرے شوہر کی جی حضوری اچھی نہیں"

اس کے جواب میں نعیمہ جس زورِ بیان، قوت استدلال اور طلاقت لسانی کا مظاہرہ کرتی ہے اس کے لئے حضور ملک العلماء کے خامہ گوہر بار کو مرحبا کہئے:

"کیا کوئی ادنیٰ عقل والا بھی سلطنت پر فقر، امارت پر غربت، عزت پر ذلت اور شوکت پر کبت کو پسند کرتا ہے، جو تم ایسی بات کہتی ہو نوج! مزدوری یا گدائی کرے تمہارا دشمن"

(اس عبارت میں "نوج" خالص بیگماتی زبان ہے، کس بے تکلفی اور بے ساختگی سے حضور ملک العلماء نے اس کا استعمال کیا ہے، داد دیجئے)

مگر نعیمہ کا یہ زورِ خطابت بھی رائیگاں جاتا ہے اور حبیبہ نے یوں تیور دکھلایا:

"شادی کے بعد زندگی مقید ہو جاتی ہے، آزادی سلب ہو جاتی ہے، بیوگی کی زندگی آزادی کی زندگی ہے"۔

اس کے جواب میں حضور ملک العلماء نے نعیمہ کی زبان سے جو الفاظ اور جملے ادا کرائے ہیں، وہ دل دہلا دینے والے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے، انہیں روشنائی کے بجائے خونِ دل سے لکھا گیا ہے۔ ایک ایک لفظ حقیقت و واقعیت کا ترجمان ہے، تجربے کی وسعت اور مشاہدے کی گہرائی سے مزین عبارت حسب ذیل ملاحظہ ہو:

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج کتنی عورتیں بیوہ ہیں، جو نکاح ثانی کو عیب جان کر اس پر تو آمادہ نہیں ہوئیں۔ مگر اندر فطری

جوش سے مجبور ہو کر اپنی آبرو کھو بیٹھیں، جہاں تک چھپ سکا، چھپایا، جب راز کھل گیا، پھانسی لگا کر مر گئیں یا زہر کھا کر سو گئیں، ایک چھوڑ دو دو گناہ کی مرتکب ہوئیں۔"

میرے خیال میں نکاحِ بیوگاں کی حمایت میں اس سے بڑی بات اور کوئی نہیں کہی جا سکتی، ملک العلماء نے محرم رازِ درون میخانہ کی حیثیت سے۔

ع کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

چنانچہ حبیبہ ٹوٹنے لگتی ہے، مگر وہ اتنی آسانی سے پسپائی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتی اور اب نکاح ثانی سے گریز کی یہ راہ نکالتی ہے کہ سسرال والوں کا اس کے ساتھ بڑا شریفانہ برتاؤ ہے، وہ اس کے آرام و آسائش کا بے حد خیال رکھتے ہیں، اب اُسے مزید آرام و عافیت کی خواہش نہیں۔

نعیمہ اس کی یہ دلیل یہ کہہ کر کاٹ دیتی ہے کہ سسرال والوں کا یہ حسن سلوک محض عارضی ہے، جب اس کے شوہر کی جمع کردہ پونجی ختم ہو جائے گی، تو ان لوگوں کا رویہ بھی بدل جائے گا، اس لئے اسے اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہئے۔ اب حبیبہ اپنے خوش حال میکے کی دہائی دے کر نکاح ثانی سے بچنا چاہتی ہے کہ اگر سسرال والوں نے نگاہیں پھیر لیں، تو وہ میکے میں بقیہ زندگی گذار لے گی، اس کے جواب میں نعیمہ جو تقریر کرتی ہے وہ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ ملک العلماء کے زرخیز اور ذہن رسا نے کیا پتے کی بات کہلوائی ہے:

"مگر پیاری بہن! یہ تو بتاؤ کہ جس وقت تمہاری شادی ہوئی تھی، کیا تم اس وقت دس بیس کو کھلا پلا کر کھا پی نہیں سکتی تھی۔ اس وقت کیا خدانخواستہ کچھ حالت خراب تھی، جو تمہارے والدین کو بیاہ دینے کی ضرورت پڑی اور اس کیلئے مجبور ہوئے، کیا ماں باپ فقط اپنی غربت اور مجبوری کی وجہ سے بیٹی کی شادی کرتے ہیں، اگر ایسا ہے، تو کوئی شخص کسی مخنث کو کسی ہجڑے کو کیوں نہیں بیٹی دیتا، اگرچہ وہ قارونی دولت رکھتا ہو، تم اسے خیال نہیں کرتی، اگر یہی سبب ہوتا، تو کوئی بادشاہ، نواب، تعلقدار، رئیس اپنی بیٹی کو خود سے جدا نہیں کرتا۔"

نعیمہ کی اس مدلل گفتگو سے حبیبہ کا خیال نکاح ثانی کے خلاف کچھ متزلزل ضرور ہو جاتا ہے، مگر اس کو بہانے تراشنے میں اس قدر مہارت حاصل ہے کہ نعیمہ کو اس کا جواب دینے کے لئے خاصی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ملک العلماء نے حبیبہ کو بھی غیر معمولی ذہانت اور فطانت کا پیکر بنا کر پیش کیا ہے۔ اگر وہ ذہین نہیں ہوتی، تو نعیمہ کی لسانی قوت کے آگے کب کی ڈھیر ہو گئی ہوتی، مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی ہے، لیکن اب کوئی معقول جواز نہیں مل رہا ہے، اس لئے قدرے لاجواب ہو کر حبیبہ یوں ہم کلام ہوتی ہے:

حبیبہ :تم میری بچپن کی سکھی ہو، تم سے کیا چھپانا۔ مجھے شادی کی خواہش نہیں، خلاف مزاج کام کیسے کروں؟"

نعیمہ :اب تو خواہش نہیں، پہلے جو تمہارا بیاہ ہوا تھا، کیا اس وقت جی چاہتا تھا، ذوق چشیدہ کی رغبت تو انجان نادان سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، دنیا کی سب خواہشیں ایسی ہی ہیں، جیسی تھیں، کھانے، پینے، نہانے، دھونے، پہننے کی، مگر نہیں خواہش ہے، تو ایک اس کی اور اگر کوئی خواہش نہیں، سب سے آزاد ہو گئیں تو کیا کہنا، ماشاء اللہ! اب تم فرشتہ بن گئیں۔"

نعیمہ کے اس منطقی جواب سے حبیبہ متفق ہونے کی بجائے اپنی اکلوتی لڑکی جو جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہے، اس کی شادی کا عذر پیش کرتی ہے۔

"اب مجھے اس کی شادی کی فکر کرنی چاہئے یا اپنی۔ کیا

بیٹی بیاہے، داماد کے گھر آنے کے بعد شوہر کے ساتھ رہنے کا زمانہ ہوتا ہے۔"

نعیمہ : میاں بیوی کی جدائی کے بہت سے اسباب ہیں، مگر آج تک کسی کو یہ نہیں سوجھی منجملہ ان اسباب کے...... اولاد بیاہ کرنے کے بعد جن عورتوں کے بچے ہوئے اور ہو رہے ہیں یا ہوں گے، وہ اللہ کے نزدیک نہیں، رسول کے نزدیک نہیں، برادری کے نزدیک نہیں مگر تمہارے نزدیک شاید حرامی ہوں گے۔"

اب حبیبہ کی زبان گنگ ہونے لگی اور لگتا ہے کہ پوری طرح لاجواب ہوگئی ہے، نعیمہ مزید اس پر محنت کرتے ہوئے ایک سہاگن کے فضائل یوں بیان کرتی ہے:

(۱) اگر حمل ضائع ہوگیا تو یہ خوش نصیبی ہے، قیامت کے دن ماں باپ کو ساتھ لے کر جنت میں جائے گا، یہ ثواب بیوہ کو کہاں نصیب!

(۲) شوہر واطفال کی خدمت پر جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔

(۳) زچگی کے مرحلے میں موت شہادت کے برابر ہے۔

(۴) رات کو جاگ کر دودھ پلانا، غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

اب حبیبہ پوری طرح مطمئن ہو کر شادی کے لئے راضی ہو جاتی ہے۔ اس کے بھائی سلیم، والد علیم حبیبہ کے نکاح کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ اس طرح نعیمہ کی کوشش بارآور ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہو جاتی ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ حبیبہ اور نعیمہ کا کوئی خارجی وجود نہیں۔ یہ دونوں فرضی کردار ہیں، جن کو حضور ملک العلماء نے اپنے نقطۂ نظر کی تبلیغ کے لئے تراشا ہے۔ کمال فنکاری یہ ہے کہ یہ دونوں جب اپنے اپنے موقف کی تائید میں دلائل و براہین پیش کرتے ہیں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی فرضی کردار نہیں، بلکہ اسی دنیا کے آب وگل کی زائیدہ اور پروردہ ہیں۔ حضور ملک العلماء کے زرخیز تخیل نے ایک فرضی واقعہ میں جو حقیقت و واقعیت کا رنگ بھرا ہے۔ وہ قابل صد داد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے کسی معروف ادیب و انشاء پرداز، خاص طور پر افسانوی ادب سے تعلق رکھنے والے ادیب و اہل قلم کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

بہر کیف حبیبہ کی زبان سے نکاح بیوگاں کی مخالفت میں اور نعیمہ کی زبان سے موافقت میں جو دلائل حضور ملک العلماء نے پیش کرائے ہیں، ان پر کسی اضافے کی کوئی گنجائش نہیں، اس مختصر رسالہ میں جو محض ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ اندازہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کہ اگر حضور ملک العلماء چاہتے، تو ڈپٹی نذیر احمد کی طرح مرأۃ العروس، بنات النعش، اور ایامیٰ جیسے ناول لکھ کر تاریخ ادبِ اردو میں اپنا نام اور مقام محفوظ کرا سکتے تھے، مگر یہ ان کی اصل دنیا نہیں تھی اس لئے ساری زندگی دینی علوم وفنون کی بے لوث خدمت میں لگے رہے اور اپنی گرانقدر اور عدیم المثال تصنیفات و تالیفات سے یہ تاثر دیتے رہے کہ۔

ماقصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

☆☆☆

سد الفرار کا ایک عمومی مطالعہ

ازقلم: محمد شوکت جمال، پٹنہ

پیش نظر عنوان میں ''نصیحت نامے'' سے مراد ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین قادری کی ایسی کتابیں ہرگز نہیں، جو اسی نام سے منظر عام پر آئی ہوں، بلکہ اس سے ہمارا اشارہ فاضل بہاری کے ایسے دو مختصر رسائل کی طرف ہے۔ جنہیں بجا طور پر موضوع کے اعتبار سے ''نصائح'' کے تحت محسوب کیا گیا ہے۔ ان میں ایک ''دلچسپ مکالمہ'' ہے جو ''تدبیر اکثریت'' کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا ''سد الفرار لمهاجر البهار'' جو ''ہجرت بنگال'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

بارہ سینٹی میٹر چوڑائی اور اٹھارہ میٹر لمبائی کی تقطیع والے یہ دونوں ہی کتابچے تینتیس صفحات پر یوں مشتمل ہیں کہ آخری صفحہ کا متن، کتاب کے تیسرے سرورق پر آگیا ہے۔ جب کہ دوسرے سرورق پر مصنف کی ایسی چھتیس کتابوں کی فہرست درج ہے، جن کا سال تصنیف ۱۳۲۳ھ سے شروع ہوتا اور ۱۳۴۰ھ تک پہونچتا ہے اس فہرست میں پہلی کتاب ''ظفر الدین الجید'' ہے، جس کا تعلق فن مناظرہ سے ہے۔ جب کہ آخری ''سلم الافلاک'' ہے جو کہ علم ہیئت سے تعلق رکھتی ہے۔ مزید برآں ان میں سے ''دلچسپ مکالمہ'' کے آخری سرورق پر'' جامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری'' کے اشتہار کے علاوہ آٹھ کتابوں کے اور ''سد الفرار'' کے آخری سرورق پر مذکورہ اشتہار کے علاوہ چودہ کتابوں کے نام سنِ تصنیف کی صراحت کے ساتھ مرقوم ہیں۔

''دلچسپ مکالمہ'' پر کتاب کی قیمت درج نہیں، لیکن ''سد الفرار'' پر ''قیمت ۴؍ (آنہ)'' درج ہے۔

''دلچسپ مکالمہ'' ۱۳۴۷ھ/۲۹-۱۹۲۸ء کی تصنیف ہے جو کہ دوسری مرتبہ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ/جنوری ۱۹۳۷ء میں طبع ہوئی ہے اور گہرے سبز کاغذ پر بیل بوٹوں سے مزین خوبصورت سرورق والے طبع ثانی کا یہی نسخہ اس وقت ہمارے مطالعہ کی میز پر ہے۔ جس کی تزئین و کتابت کا عمل محمد منیر عالم کے قلم کی یادگار ہے۔ دوسرے ایڈیشن کے بارے میں مصنف کے فرزند گرامی جناب مختار الدین آرزو نے بتایا ہے کہ یہ سید منظر علی دسنوی کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا، لیکن اس وقت جو نسخہ ہمارے سامنے ہے، وہ اس کی تصدیق سے قاصر نظر آتا ہے۔

فاضل بہاری کے ''دلچسپ مکالمہ'' کو اگر ایک لحاظ سے ''مختصر افسانے'' کے قسم کی چیز قرار دیا جائے، تو چنداں مضائقہ نہیں۔ اس رسالہ میں حبیبہ، نعیمہ، نسیمہ اور گلبدن نامی نسوانی کرداروں کے علاوہ سلیم، علیم صاحب اور مولوی امیر اللہ صاحب سے ہماری ملاقات ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جگہ جگہ ''راوی'' کے بیانات بھی سامنے آتے ہیں۔ متذکرہ کرداروں میں گلبدن ملازمہ ہے اور نسیمہ، حبیبہ کی نوجوان کنواری بیٹی۔ قصہ میں گلبدن صرف ایک بار سامنے آتی ہے، جب کہ نسیمہ کا صرف نام ہی سننے کو ملتا ہے۔ مردانہ کرداروں میں علیم صاحب بھی صرف نام ہی کی حد تک شامل ہیں۔

البتہ مولوی امیر اللہ کے کردار کا تھوڑا سا تعارف یوں بڑھتا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ بی اے بھی درج ہے اور سلیم کا کردار یوں کہ اس کی دلہن اور بچی کا ذکر بھی آیا ہے۔ رشتوں کے لحاظ سے ''دلچسپ مکالمہ'' کے کرداروں کا خاکہ حسب ذیل ہے:

وقت کے لحاظ سے یہ ''دلچسپ مکالمہ'' صبح آٹھ بجے سے شروع ہوتا اور دوپہر کے کھانے تک چلتا رہتا ہے اور اس ''دلچسپ مکالمہ'' کی کہانی حبیبہ اور سلیمہ کی ملاقات کے دن سے آئندہ ایک ہفتہ میں اپنے انجام تک پہونچتی ہے۔

زیر بحث رسالہ کی کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حبیبہ اور نعیمہ دو سہیلیاں ہیں۔ نعیمہ کافی تعلیم یافتہ ہے۔ اس نے شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمۂ قرآن اور ان کی تفسیر ''موضح القرآن'' پڑھ رکھا ہے، جب کہ حبیبہ کی تعلیم ''قرآن شریف اور راہ نجات'' پڑھنے تک ہی محدود ہے۔ ایک صبح نعیمہ اپنی سہیلی کے گھر آتی ہے، جس کا شوہر، ایک جواں سال بیٹی چھوڑ کر لگ بھگ سال بھر پہلے وفات پاچکا ہے اور نہایت خوشگوار ماحول میں اسے بات چیت کے ذریعہ عقد بیوگان کی عصری ضرورت اور اہمیت سمجھاتی ہے۔ گفتگو کے دوران ناشتہ کا وقت آجاتا ہے، ناشتہ کے بعد اتفاق سے حبیبہ کا چھوٹا بھائی سلیم بھی وہاں آپہنچتا ہے اور حبیبہ اس سے اس کی دلہن اور بچی کی خیریت پوچھتی اور گھر بھر کی خیر و عافیت معلوم کرتی ہے، تو نعیمہ اسے رفتہ رفتہ اس موضوع کی طرف لے آتی ہے، جس پر پہلے دونوں سہیلیوں میں بات چیت چل رہی تھی۔ وہ اپنی سہیلی کو تو پہلے ہی قائل کر چکی تھی، کھانے کا وقت آتے آتے بالآخر وہ سلیم کو بھی قائل کر لیتی ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کسی وقت نعیمہ وہاں سے رخصت ہوتی ہے اور پھر سلیم سے وعدہ کے بموجب وہ تیسرے دن حبیبہ کے والدین سے ملاقات کرتی ہے اور انجام کار ایک ہفتہ کے بعد حبیبہ کی شادی مولوی امیر اللہ سے ہو جاتی ہے، جن کی پہلی بیوی کا صرف ایک ماہ پہلے انتقال ہوا تھا۔ اس طرح یہ کہانی مصنف کے قلم سے حبیبہ کی رخصتی کے ذکر اور اس کے۔ لئے صالح اولاد کی دعا پر ختم ہوتی ہے۔

''دلچسپ مکالمہ'' کی کہانی کا ماحول دولت مند اور موروثی جائیداد رکھنے والے افراد خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ نظریاتی لحاظ سے اس کہانی کی ہیروئن نعیمہ ہے، ایک خاص وقتی سیاسی اور معاشرتی مسئلہ پر نہ صرف یہ کہ وہ ایک فرد بلکہ ایک گھرانے کا ذہن صاف کرنے اور اسے ہم خیال بنانے میں کامیابی پالیتی ہے اور ایک خاص نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فوری جدوجہد بھی کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا مشن پورا ہوتا ہے اور حبیبہ کا دوسرا عقد ہو جاتا ہے۔

واقعاتی لحاظ سے اس کہانی کی ہیروئن حبیبہ ہے۔ کیوں کہ سارا قصہ اسی کا ہے۔ وہ ایک خوش حال گھرانے کی بیٹی ہے اور ایک بھرے پرے گھرانے کی بہو، جو ایک عمر پا کر بیوہ ہو جاتی ہے۔ کہانی اس کی بیوگی کے ابتدائی ماہ و سال سے شروع ہوتی اور اس کے نکاح ثانی پر ختم ہوتی ہے۔ ''دلچسپ مکالمہ'' میں دراصل قصہ طرازی سے زیادہ مکالمہ نگاری ہی پر مصنف کی توجہ رہی ہے اور

حقیقت یہ ہے کہ اس کی اہمیت واقعہ سے زیادہ نظریہ کی پیش کش پر ہی قائم ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ مکالمہ نگاری کے باب میں تمام تر دلچسپی کے باوجود فن پر پوری توجہ نہیں دی جا سکی ہے۔ یہاں تک کہ بیشتر مقامات پر مکالمہ اور تقریر کا فرق جاتا رہا ہے۔ مصنف نے اگرچہ یہاں مزاح لطیف کے عناصر کی شمولیت کے لئے بھی کچھ سعی کی ہے اور کچھ زنانہ محاورے بھی لائے ہیں۔

ظاہر ہے کہ قصہ کے بیانیہ اور اس کی ترتیب کا طرز پرانا ہے اور دوران گفتگو نفسیاتی اثرات کرداروں کے طرز بیان سے نہیں، بلکہ ''راوی'' کے حوالے سے اجاگر کئے گئے ہیں۔ مقصد تک پہونچنے کے لئے شروع سے ہی حبیبہ کو تعلیمی احساس کمتری میں مبتلا رکھا گیا ہے۔

''دلچسپ مکالمہ'' کی باتیں، جابجا کھلے طور پر اس وقت کے سیاسی وسماجی حالات کی جھلکیاں دکھاتی ہیں۔ یہاں ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کا ذکر اور صوبہ بہار کے تناظر میں اس پر تجزیاتی ومعاشرتی تبصرہ بھی ہے، کسی مضمون کو سمجھانے کے لئے ایک مشہور رقاصہ مس ماڈالین کا حوالہ بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہاں نعیمہ وسلیم کی گفتگو کے دوران اس وقت کی ''نہرو رپورٹ'' اور مسلم لیگ، خلاف کمیٹی، جمعیۃ العلما اور امارت شرعیہ کے ریزولیشنوں اور ان کے جلسوں کی قراردادوں کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔ اس اعتبار سے ''دلچسپ مکالمہ'' سیاسی ومعاشرتی تناظر میں ''حالات حاضرہ'' پر لکھا گیا ایک رسالہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ''دلچسپ مکالمہ'' کا موضوع آج وقت کے ساتھ ساتھ کچھ زیادہ تازہ نہیں رہا، لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیت بہر حال اس کے ناصحانہ پہلو کی بدولت آج بھی علیٰ حالہٖ برقرار ہے اور اسی کے شانہ بشانہ اس رسالہ کی اہمیت ایک اور پہلو سے بھی روشن ہوتی ہے۔

ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کے بارے میں عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان کی تحریروں میں مناظرانہ رنگ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اپنی ہر تحریر میں اپنے استاد گرامی اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بیش از بیش تتبع کا خیال رکھتے ہیں اور یہ بات مذکورہ رسالہ کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ اگر مثال مطلوب ہو، تو چند سطروں کے بعد آنے والا اقتباس دیکھا جا سکتا ہے۔ جس میں خیال اور الفاظ واسلوب دونوں ہی اعتبار سے قربت بالکل ہی نمایاں ہے، ایسی نمایاں کہ معلوم ہوتا ہے کہ نعیمہ کے منہ میں ملک العلما نے اپنے استاذ کی زبان رکھ دی ہے اور بالکل اسی انداز سے عورتوں کی نفسیات کا تجزیہ ہوا ہے، جس انداز سے کسی موقع پر فاضل بریلوی کے یہاں ہوا تھا۔ انہوں نے ۱۳۱۶ھ/۹۹-۱۸۹۸ء میں اپنے رسالہ ''مروج النجاء لخروج النساء'' میں لکھا تھا کہ:

> ''زنان جوان خصوصاً حسینوں کو بلا ضرورت ان سے (محارم سے) احتراز ہی چاہئے اور برعکس رواج عوام بیاہیوں کو کنواریوں سے زیادہ کہ...... ذوق چشیدہ کی رغبت، انجان نادان سے کہیں زائد۔ لیس الخبر کالمعاینۃ''
> (رسالہ مذکور، مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۸ھ ص ۵)

اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دیے ہوئے اسی فلسفہ کو، تقریباً اسی زبان میں ''دلچسپ مکالمہ'' کے مصنف نے بھی حوالۂ قرطاس کر دیا ہے کہ:

> ''پہلے جو تمہارا بیاہ ہوا تھا، کیا اس وقت جی چاہتا تھا، خواہش ہوئی تھی، جواب نہ ہونے کا عذر کرتی ہو۔ جس وقت بھولی بھالی نادان تھی، انجان تھی اس وقت خواہش ہوئی تھی، اب جان بوجھ کر انجان ہوتی ہو۔ پڑھ لکھ کر جاہل بنتی ہو۔

ذوق چشیدہ کی رغبت توانجان ناداں سے کہیں زائد ہوتی ہے
لیس الخبر کالمعاینہ "(دلچسپ مکالمہ ص ۱۴ و ص ۱۵)

بیشک "مروج النساء "سے "دلچسپ مکالمہ" تک بات کا پس منظر بدل گیا ہے، لیکن ایک شاگرد نے یہاں جس طرح اپنے استاذ کی بات کو ان ہی کے الفاظ و انداز میں بدلے ہوئے منظر پر چسپاں کر دیا ہے، وہ یقیناً بیرون کمالات نہیں، بلکہ ایسے نکات کے انکشاف سے بلاشبہ ملک العلما کے "دلچسپ مکالمہ" جیسے نصیحت نامہ کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔

"دلچسپ مکالمہ" کے دیگر پہلوؤں سے قطع نظر، جہاں تک پند و نصائح کے تحت آنے والے، فاضل بہاری کے دوسرے رسالہ "سد الفرار "کا معاملہ ہے یہ رسالہ ۲ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ/ ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کی تحریر ہے۔ جو دراصل ۱۹۴۶ء کے فساد سے متاثر بہار کے مخصوص حالات اور "ہجرت" کے نام پر مسلمانوں میں پیدا ہونے والے ترک وطن کے شدید رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے حوالۂ قرطاس ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مختصر رسالہ اس وقت کے سیاسی و سماجی "حالات حاضرہ" کے موضوع سے وابستہ ہو جاتا ہے اور شاید کہ اس اعتبار سے اپنے موضوع پر یہ پہلا باقاعدہ رسالہ بھی ہے۔ اس میں مصنف نے قرآن و حدیث اور معتبر تاریخی واقعات و متعدد حکایات کی روشنی میں اپنی بات پیش کی ہے اور اسے سیاسی حالات کے سنجیدہ تجزیہ کے ساتھ بخوبی تمام سمجھایا ہے۔ اب اگرچہ زمانے کے ساتھ ساتھ یہ موضوع تر و تازہ نہیں رہا، لیکن بہر صورت اس کی اہمیت اور خصوصاً ادبی دنیا میں نظریاتی لحاظ سے اس کے خاموش اثرات کا حال یہ ہے کہ ابھی چند سال پہلے منظر عام پر آنے والے "اگر تم لوٹ آتے" (اچار یہ شوکت خلیل) جیسے ناول کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہوگا، وہ بخوبی محسوس کر سکتے ہیں کہ کسی اشارے کے بغیر سہی، لیکن بہر حال سیاسی تناظر میں "سد الفرار "سے ناول نگار نے کس طرح نظریاتی اور دیگر ضروری غذا حاصل کی ہے۔

"سد الفرار "متعدد ذیلی سرخیوں سے آراستہ ہے۔ اس میں مصنف نے آیات قرآنیہ کو ذیلی عنوان بنانے کے ساتھ ساتھ "ہجرت کیوں کی جاتی ہے؟" "ہجرت انبیا"، "ہجرت کا ثواب"، "بخاری شریف میں ہجرت کی حدیث"، "خداوند عالم خود تمہارا محافظ ہے" اور "مسلمانوں کو خوش خبری" جیسی ذیلی سرخیوں کے تحت گفتگو کی ہے اور متعدد دیگر ذیلی عناوین سے کام لیتے ہوئے نفس موضوع کے سلسلہ میں مسلمانوں کی خام خیالیوں کا تجزیہ فرمایا ہے۔ آخر میں "خلاصة الكلام" کے عنوان سے تمام باتوں کا نچوڑ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ موقتی موضوع پر تحریر کردہ اس رسالہ کے بیشتر مندرجات اگرچہ آج پرانی باتوں کا درجہ پا چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس رسالہ کی اہمیت اس کے واضح ناصحانہ پہلوؤں سے علی حالہٖ تروتازہ ہے۔ اس رسالہ کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس سے اُس دور میں پٹنہ اور اطراف پٹنہ کے رفیوجی کیمپ وغیرہ سے متعلق بہت ساری ایسی باتیں اور ایسی اصطلاحیں ہمارے علم میں آتی ہیں، جو عام کتابوں میں کم سے کم ملتی ہیں۔ پھر یہ کہ شعائر اسلام سے محبت کے سلسلے میں مساجد کے ساتھ ساتھ جس طرح مصنف نے بزرگوں کے مزارات کا ذکر ضروری سمجھا ہے۔ اس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی ہندستان اور بالخصوص بہار و بنگال کے مسلمانوں میں مقامات مقدسہ سے عقیدت مندانہ وابستگی کا ماحول انتہائی مستحکم تھا۔ ورنہ بصورت دیگر ظاہر ہے کہ عام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے مساجد کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی کہ:

''کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ بزرگوں کی وہ قبور متبرکہ جن پر آپ صندل اور چادر چڑھا کر اپنی سعادت اور قلب وایمان کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں...... ان کو کفار و مشرکین کی پامالی اور تذلیل کے لئے چھوڑ جائیں کہ ان کے جانور اپنے پیشاب اور گوبر سے انہیں ناپاک کریں۔'' (سدالفرار ص ۲۸)

فاضل بہاری کی زیر بحث کتاب میں اگر چہ یہ عبارت ایک خاص تناظر میں آئی ہے، لیکن عصری پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کی اہمیت آج بھی برقرار ہے۔ بیشک یہ کہنا غلط نہیں کہ ملک العلما کا ''دلچسپ مکالمہ'' ہو یا ان کا رسالہ ''سد الفراد'' بہر حال ناصحانہ معنویت کے اعتبار سے اس کی تازگی میں آج بھی کوئی فرق نہیں آیا ہے اور یقیناً بشرط دستیابی یہ ''نصیحت نامے'' آج بھی فرصت کے اوقات میں مطالعہ کی چیزیں ہیں۔

☆☆☆

اسلامی نظریۂ موت : ایک جائزہ

از قلم: ڈاکٹر منظور احمد، دکن، گلبرگہ

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن حضرات نے اکتساب علم وعمل اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ ان میں حضرت ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری قادری رضوی کا نام سرِ فہرست رکھا جاسکتا ہے۔ یہ اعلیٰحضرت کی صالح صحبت کا فیض ہے کہ حضور ملک العلماء نے اپنے پیچھے فکر وعمل کے ایسے ان مٹ نقوش یادگار چھوڑے ہیں۔ جن کو زمانہ فراموش نہیں کرسکتا۔

حضور ملک العلماء نے علم وادب اور دین متین کی جو خدمات انجام دی ہیں، ان کا ایک زمانہ معترف ہے۔ حضور ملک العلماء کو مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی۔ مولانا کی بے شمار تصنیفات وتالیفات عشاقان علم وادب اور فہم دین کے لئے فیض واکتساب کا سامان مہیا کررہی ہیں اور یہ کتابیں اثاثۂ اہل سنت ہیں۔ مولانا موصوف قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، سوانح نگاری، تعلیم وتعلم وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کی اہم تصیف وتالیف میں صحیح البہاری کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ کتاب آج بھی مختلف مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کی دیگر اہم کتابوں میں شرح کتاب الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ) التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ) التعلیق علی شروح المغنی (۱۳۳۱ھ) تقریب (۱۳۳۵ھ) تذہیب (۱۳۳۵ھ) بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (۱۳۳۵ھ) مؤذن الاوقات (۱۳۳۵ھ) مولود رضوی (۱۳۶۵ھ) وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کی ۷۵ سے زائد تصنیفات وتالیفات کا ذکر ملتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ) رقمطراز ہیں:

"ملک العلماء کی تالیف وتصنیف کی تعداد "۷۵" سے زائد ہیں۔ تصانیف کا سلسلہ ۱۳۲۴ھ سے شروع ہوکر تقریباً ان کی رحلت ۱۳۸۲ھ یعنی پچاس پچپن سال تک جاری رہا۔ کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں، لیکن زیادہ تر افادۂ عام کی خاطر اردو میں لکھی گئی ہیں۔ یہ متعدد فنون اور موضوعات حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، فضائل، مناقب، اخلاق، نصائح، صرف ونحو ومنطق، فلسفہ، کلام ہیئت، تکسیر اور مناظرہ پر مشتمل ہیں۔ کچھ اب تک غیر مطبوعہ ہیں اور کچھ زیور طبع سے آراستہ ہوکر شائع ہوچکی ہیں" (بحوالہ: حیات ملک العلماء، مرتبہ: ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ) ص ۱۷)

زیر نظر کتاب "سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العین المعروف بہ اسلامی نظریہ موت" حضور ملک العلماء کی ایک اہم تالیف میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کتاب کو حافظ عبد الحفیظ اشرفی نے انجمن اشرفیہ، خان مرزا، پٹنہ، بہار سے ۱۴۰۳ھ میں شائع کروایا ہے۔ اس کی علاوہ حافظ عبد الحفیظ صاحب نے پیش لفظ میں بھی تحریر فرماکر حضور ملک العلماء کی علمی دینی وتعلیمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ ایک نہایت مفید اور کارآمد تالیف ہے۔ اس کے عناوین کی ترتیب وتدوین سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب موضوع کے لحاظ سے جامع اور محیط ہے

اورقارئین کو احادیث ،اقوال وحکایات کی روشنی میں ''نظریۂ موت'' سے روشناس کروایا گیا ہے۔

حضور ملک العلماء نے اپنی صاحبزادی کی وفات کے بعد اسے ترتیب دیا ہے۔دراصل یہ کتاب علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''شرح الصدور فی شرح حال الموتیٰ فی القبور'' کا اردو ترجمہ ہے۔جسے حضور ملک العلماء نے ۱۳۴۸ھ میں مکمل کیا۔وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے حافظ عبدالحفیظ لکھتے ہیں:

''زیر نظر کتاب'' سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العین ''جو ملک العلماء نے اپنی ننھی منی پیاری صاحبزادی کی وفات حسرت آیات سے متاثر ہو کر قلمبند فرمائی ہے،جس میں بہت سی مفید وسبق آموز باتیں نہایت سلیس ،شگفتہ اور آسان زبان میں تحریر فرمائی ہیں۔جو اب تک زیر طبع نہیں ہوئی''۔

(بحوالہ:''سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العین ،مرتبہ مولانا ظفر الدین بہاری ص(ب))

''اسلامی نظریۂ موت'' دراصل ترجمہ شدہ مواد ہے جس کو حضور ملک العلماء نے ترتیب دیا ہے۔اس سلسلہ میں ان کے ہونہار فرزند ڈاکٹر مختار الدین احمد نے لکھا ہے کہ:

''علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی شرح الصدور فی شرح حال الموتی فی القبور' کا اردو زبان میں ترجمہ جو اواخر ۱۳۲۸ھ میں تمام ہوا۔رجب ۱۳۴۶ھ میں مصنف کے دوستوں مولوی نعیم الحق ساکن منیر شریف ضلع پٹنہ اور حکیم محمد ہاشم کی فرمائش پر چند ضروری مسائل بطور تتمہ اضافہ کیا گیا۔تاریخ تکمیل ۲۵ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ صفحات ۹۷ بخط مصنف محفوظ ،دوسرا نسخہ مع اضافہ صفحات ۱۱۲ بھی کتاب خانے میں محفوظ ہے۔

یہ رسالہ،والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رحلت کے بعد ان کے جاں نثار معتقد ومسترشد حافظ عبدالحفیظ اشرفی صاحب صدر مدرس ادارہ شرعیہ پٹنہ ربیع الاول شریف ۱۴۰۳ھ میں پٹنہ سے شائع کردای ہے لیکن وجہ تالیف وترجمہ پر مشتمل اوراق جو ضروری تھے،حذف دیئے گئے ہیں۔''

(بحوالہ:حیات ملک العلماء،مرتبہ:ڈاکٹر مختار الدین احمد،علی گڑھ ص ۳۰/۳۱) کتاب ہذا کو حضرت ملک العلماء نے حسب ذیل عناوین سے مزین کیا ہے۔

☆ موت کی ابتداء اور اسکی خوبی۔
☆ کیفیتِ موتِ مومن۔
☆ مرنے والے کے نزدیک کیا پڑھنا چاہئے۔
☆ ہر سال مردوں کی فہرست چھٹتی ہے۔
☆ مرتے دم کی حالت کیا ہوتی ہے۔
☆ روح جب نکلتی ہے تو ایک دوسرے سے ملتی ہے اور بات پوچھتی ہے۔مردہ اپنے غسل دینے والے کفنانے والے کو پہچانتا ہے اور ان کی باتیں سنتا ہے۔
☆ فرشتے جنازے کے ساتھ چلتے ہیں اور میت کے بارے میں کہتے ہیں۔
☆ جب مسلمان مرتا ہے تو آسمان اور زمین اس پر روتے ہیں۔
☆ جس زمین سے انسان پیدا ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔
☆ دفن کے وقت کیا کہنا چاہئے۔
☆ ہر شخص سے آ کر قبر ملتی ہے۔
☆ میت سے قبر مخاطب ہو کر کہتی ہے۔
☆ منکر نکیر کے سوال کے بیان میں۔
☆ قبر سے گھبراہٹ اور مسلمانوں پر اس کی وسعت۔
☆ روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔
☆ ہر میت پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔

☆ زندوں کے کارنامے مردوں پر پیش کیے جاتے ہیں۔
☆ کس سبب سے روح اپنے اعلیٰ درجہ سے محروم رہتی ہے۔
☆ وصیت کا بیان۔
☆ زندہ اور مردہ کی روحیں خواب میں ملتی ہیں۔
☆ چند روایتوں کا بیان جو مردوں نے اپنی حالت۔۔۔۔
☆ زندوں کے قول یا فعل سے مردہ کو ایذا ہوتی ہے۔
☆ مفصلہ باتوں کی وجہ سے بھی مردوں کو ایذا ہوتی ہے۔
☆ کون کون باتیں مردہ کے لئے نفع رساں ہیں۔
☆ میت کے لئے اس کے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کا بیان
☆ کس وقت موت آنی بہتر ہے۔
☆ جن اعمال کی وجہ سے آدمی مرتے ہی جنت میں جاتا ہے۔
☆ سب مردے سڑتے ہیں، سوائے انبیاء کرام اور ان کے لواحقین کے۔

ان مذکورہ عناوین کے مطالعہ سے موت اور متعلقات موت کے متعلق معلومات حاصل ہو جاتی ہے اور ذہن کو بصارت و بصیرت، دل کو بیداری اور روح کو غذا حاصل ہوتی ہے۔ موت پر مدلل گفتگو کی قدر و قیمت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے، جس نے دینی احکام پر کبھی خود غور و فکر سے کام لینے کی سعی کی ہو۔ آج کے مادہ پرست اور مفاد پرستانہ دور میں اس کتاب کی اہمیت و افادیت اور بڑھ جاتی ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کو اپنانے سے آج امت محمدیہ اپنے دین و مذہب سے دور ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے دین و مذہب کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی ناواقف و نابلد ہے۔ اسلام میں کس طرح شب و روز گزارتے ہیں، اس ضمن میں جدید تعلیم سے آراستہ لوگ بھی ان احکامات سے بے بہرہ ہیں۔ ایسے پر آشوب دور میں اس طرح کی کتاب سے عوام و خواص کے فکر و عمل میں تبدیلی آسکتی ہے۔

فی زمانہ، دنیا میں ایسی کوئی بات یا مسئلہ نہیں، جہاں کل مسلمان نہ پایا جاتا ہو اور اختلاف نام کی کوئی شئی نہ ہو۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اختلاف اور جھگڑے ہیں۔ ایک خدا ایک رسول ایک کتاب ایک دین کے باوجود عقائد و خیالات میں اختلافات سے کون آگاہ نہیں ہے ان اختلاف کا نتیجہ ہے کہ آج امت محمدیہ مختلف خانوں میں منقسم ہے۔ کچھ جماعتیں اپنی عقل کی کسوٹی کے ذریعہ قرآن و حدیث کے گمراہ کن تراجم و مطالب لوگوں کے سامنے پیش کر رہی ہیں اور دولت کا لالچ دے کر ایمان پر ڈاکہ زنی کر رہی ہیں اور قرآن و سنت اور حضور اقدس ﷺ، صحابہ اور اہلبیت اطہار کی محبت، دلوں سے نکالنے میں کامیاب ہوتے نظر آتی ہیں۔ ڈاکٹر اقبال ایک صدی قبل ہی کہا تھا کہ ؂

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

غرض مسلمانوں میں ایسی کوئی شئی نہیں ہے۔ جس کے متعلق اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔ تاہم ایک ایسی شئی بھی ہے۔ جس میں کل مخلوق میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے وہ شئی ''موت'' ہے قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''کل نفس ذائقۃ الموت'' یعنی ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس بات پر تمام مذاہب عالم اتفاق رکھتے ہیں کہ ہر ذی روح کے لئے موت برحق۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ تمام چیزیں فانی ہیں۔ صرف اللہ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: کل شئی ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون. ہر چیز فانی ہے سوائے اللہ کی ذات کے، اسی کا حکم ہے

اور اسی کی طرف پھر لوٹ جاؤ گے۔ (پارہ:۲۰، رکوع:۱۲)

ایک اور جگہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے کہ : کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۔زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔ (پارہ:۲۷، رکوع:۱۲)

حضور ملک العلماء نظریہ موت پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ نہایت بیش قیمت ہے، ان کی یہ تحریریں یہ اعلان کر رہی ہیں، کہ موصوف کو علمی شغف حاصل تھا۔ ان عناوین اور مخلف ارشادات کا سمجھنا شاید دشوار بھی نہیں ہے۔ اس کتاب کا پہلا عنوان "موت کی ابتدا اور اسکی خوبی" کے متعلق مختلف راویوں کے حوالے سے پیش کیا۔ اس طرح مختلف عناوین کے تحت کئی احادیث نقل کئے ہیں اور کچھ احادیث، اقوال اور حکایات وغیرہ کا برمحل استعمال کیا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت حسن سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی ذریات کو پیدا فرمایا، فرشتوں نے عرض کی، کہ یہ زمین ان کے لئے کافی نہ ہوگی۔ رب العزت نے فرمایا میں موت پیدا کروں گا، انہوں نے عرض کیا، تو ان لوگوں کو زندگی کا مزہ نہ آئیگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں کے لئے ایک مدت کروں گا"

اس روایت کی رو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تخلیق ذی روح سے قبل اللہ جل جلالہ نے موت کو پیدا کیا اور پھر زندگی کے لئے ایک وقت مقررہ قائم کیا۔ حیات اور موت ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بھی ہیں۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

غرض ان عناوین کے علاوہ تتمہ کے تحت انتقال کے بعد کے اہم احکامات کو یکجا کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی لاپرواہی اور بے دینی کی وجہ سے ان مسائل کا جاننا ضراری ہے۔ تتمہ کے تحت حضور ملک العلماء نے حسب ذیل عناوین کے تحت ضروری احکامات کو قلمبند کیا ہے۔ ہم انہیں وقت کی اہم ضرورت کہہ سکتے ہیں۔

☆ غسل میت کا بیان ☆ کفن کا بیان
☆ جنازہ لے جانے کا بیان ☆ کفن پہنانے کا طریقہ
☆ نماز جنازہ کا بیان ☆ قبر و دفن کا بیان
☆ زیارت قبور کا بیان

حقیقت یہ ہے، کہ اس کتاب کے مطالعہ سے موت سے پہلے اور بعد کے احکامات سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو کسی بھی مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ حضور ملک العلماء نے عام فہم اور سلیس زبان کو روا رکھا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی اگر اس میں مصادر و مراجع کا خیال رکھا جاتا۔ آج کے سائنٹفک دور میں مواد کی ترتیب و تدوین میں حوالوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی جیسی عبقری اور حوالوں کی کثرت میں جینے والی شخصیت کے ساتھ ملک العلماء بہت زیادہ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں تعجب بھی ہوتا ہے، کہ ملک العلماء کے پاس آخر کون سی وجہ ہو سکتی تھی کہ انہوں نے مراجع و مصادر کا التزام نہیں رکھا۔

بہر کیف عوام و خاص کے لئے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ کہی جا سکتی ہے۔ اس کتاب کے فیضان کو عام کرنے کی ضرورت ہے پہلی مرتبہ ۱۴۰۳ھ میں شائع ہوئی۔ دوسری مرتبہ ۱۹۸۲ء میں حضور ملک العلماء کے قابل فخر فرزند نے اس کتاب کی اشاعت فرمائی تھی۔ اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے قوی امید ہے، کہ اس کی دوبارہ اشاعت کے بعد قارئین بھرپور استفادہ فرمائیں گے۔

☆☆☆

اسلامی نظریۂ موت: ایک تعارف

از قلم: مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی، علیگ

حضرت ملک العلماء (ولادت ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ۔ ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء) امام اہل سنت اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ کے منظور نگاہ تلمیذ اور پروردہ خاص تھے۔

قصبہ میجرا سے یہ نور بداماں ذرہ اٹھا اور موضع بین، پٹنہ، کانپور، پیلی بھیت ہوتا ہوا بریلی شریف آفتاب فضل و کمال امام احمد رضا کی بارگاہ میں پہنچا اور پھر وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ تحصیل علم کے بعد پچپن سال تک امتیازی شان سے مسلسل تدریسی خدمات انجام دیں اور نادر روزگار افراد پیدا کئے۔ مادر علمی منظر اسلام بریلی شریف، مدرسہ حنفیہ آرہ، خانقاہ کبیریہ سہسرام، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں صدارت علمی کی شہ نشین پر متمکن رہے۔ ان مقامات کے علاوہ اپنے مرشد و مربی کے ارشاد پر شملہ بھی تشریف لے گئے۔ انجمن نعمانیہ لاہور میں بھی آپ کی طلب تھی۔

تدریسی مصروفیت کے ساتھ ساتھ افتاء، تصنیف، خطابت، امامت اور مناظرہ کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ اس طور سے آپ کی پوری زندگی متنوع دینی خدمات سے لبریز رہی۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(امام احمد رضا)

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے طویل قصیدہ ''الاستمداد'' میں جہاں اپنے خصوصی احباب و خلفاء اور تلامذہ کا ذکر کیا، وہاں خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں اور عید الاسلام مولانا عبد السلام جبلپوری کے بعد آپ نے اپنے اسی ''ولد عزیز'' حضرت ملک العلماء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جسے کبھی ''حبیبی وولدی وقرۃ عینی'' سے یاد فرماتے، تو کبھی ''ولدی الاعز حامی السنن ماحی الفتن'' لکھتے اور کبھی ''جان پدر بلکہ از جان بہتر'' سے خطاب فرماتے۔

حضرت ملک العلماء اپنے اسی شفیق مربی، محسن استاذ اور ہادی مرشد کے سب سے زیادہ منت کش احسان رہے۔ ۱۳۲۱ھ میں بارگاہ رضا میں رسائی ہوئی۔ اپنے اصرار اور پرسکوں آرزو سے ۱۳۲۲ھ میں دار العلوم منظر اسلام کی امام احمد رضا کے مبارک ہاتھوں تاسیس کرائی اور امام احمد رضا کے فیضان سے عالم اسلام کو فیضیاب ہونے کا زرین موقع عطا کیا۔ متعدد علوم خصوصاً حدیث، فقہ، اصول، ہیئت، تصوف، توقیت، ریاضی، جفر، تکسیر کا امام احمد رضا سے درس لیا اور افتا کی تربیت بھی حاصل کی۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی سنتوں بھری نورانی پرکیف زندگی اور مشفقانہ طرز تربیت آپ کو اتنا بھا گیا کہ ایک سال بعد ہی ۱۳۲۲ھ۔ ۱۹۰۴ء میں حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ پھر تا زندگی اس عظیم مربی و محسن کے گن گاتے رہے، ان کے انداز تربیت کا فیض تقسیم کرتے رہے، ان کے عشق رسول کی برکتیں بانٹتے رہے، ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔

سب سے پہلے امام احمد رضا کی مفصل سوانح ''حیات اعلیٰحضرت'' کے نام سے چار جلدوں میں آپ ہی کے قلم سے وجود

میں آئی۔ اعلیٰحضرت کے رسائل کی سب سے پہلی فہرست ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' کے نام سے آپ نے مرتب فرمائی۔ اعلیٰحضرت کے وصال کے بعد حضرت مفتی اعظم کے اصرار پر غالباً ۱۹۴۴ء میں ملک العلماء بریلی تشریف لے گئے اور تین مہینہ شب وروز کی جانفشانی کے بعد درجنوں سے زائد رسائل رضویہ کے منتشر مسودات ترتیب دیئے، اپنے قلم سے ان کے مبیضے تیار کئے۔ پھر کئی رسائل کی اپنی نگرانی میں کتابت کرائی۔

امام احمد رضا نے بھی اپنے اس جاں نثار کو خوب نوازا۔ فراغت کے سال ۱۳۲۵ھ ہی میں اپنی سند قرآن وحدیث وفقہ، قرات کے ساتھ جملہ سلاسل بیعت کی اجازت عنایت فرمائی، ''ملک العلماء'' اور ''فاضل بہار'' کا شاندار لقب عطا فرمایا، ہر مشکل میں دستگیری کی، ہر موڑ پر رہنمائی کی، ہر شفقت سے نوازا۔ ملک العلماء جب اپنی تصانیف بغرض اصلاح اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں بھیجتے تو بے پناہ مصروفیات اور ضعف وعلالت کے باوجود بھرپور توجہ کے ساتھ اعلیٰحضرت اسے ملاحظہ کرتے، اپنی گرانقدر اصلاحات سے نوازتے۔ مختصر یہ کہ حضرت ملک العلماء اپنے مشفق مربی کے فیضان کرم سے ہمہ دم سرفراز رہے۔

حضرت ملک العلماء جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بااوقات شخص تھے۔ ضعیفی میں بھی رات گئے تک تصنیف وتالیف اور مطالعہ میں مصروف رہتے۔ اسی توجہ اور انہماک کا اثر تھا کہ درس وافتاء، وعظ وتذکیر، درس قرآن، امامت وبیعت، اسفار کی کثرت جیسے اہم مشاغل کے باوجود آپ کی ستر سے زائد تصانیف یادگار ہیں۔ تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ آپ کی شب رحلت (دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاخری۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء) تک جاری رہا۔

سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون:

زندگی کیا ہے، عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے، انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

اس رسالہ میں حضرت ملک العلماء نے موت کی چشم کشا اسلامی حقیقت اور دنیا کی بے ثبات رنگینیوں کے آلام روزگار کے ساتھ تصادم کا جو اثر خیز نقشہ کھینچا ہے، وہ موت کی غیر مرئی حقیقت کو تھوڑی دیر کے واسطے پیکر محسوس میں لاکھڑا کرتا ہے۔

حضرت ملک العلماء ۱۳۳۴ھ۔ ۱۹۱۶ء میں سہسرام مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں ۱۳۳۸ھ تک آپ کا قیام رہا۔ حضرت نے حسب سابق دیگر دینی اور علمی مشاغل کی طرح تصنیف وتالیف کا سلسلہ یہاں بھی جاری رکھا۔ تقریباً پانچ سالہ قیام کی اس مختصر مدت میں ۱۔ گنجینۂ مناظرہ ۲۔ کشف الستور عن مناظرۃ رامپور ۳۔ موذن الاوقات ۴۔ بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام ۵۔ عافیہ ۶۔ وافیہ ۷۔ تقریب ۸۔ تذہیب ۹۔ القصر المبنی علی بناء المغنی ۱۰۔ نظم المبانی فی حروف المعانی ۱۱۔ تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب ۱۲۔ تحفۃ الاحبار فی احوال الاخیار ۱۳۔ الاکسیر فی علم التکسیر اور ۱۴۔ سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العیون جیسی گرانقدر تصانیف آپ کے قلم سے وجود میں آئیں۔ بلکہ الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری کی تصنیفی ابتدا بھی سہسرام ہی میں ہوئی۔

پیش نظر کتاب ''سرور القلب المحزون'' ایک المناک حادثہ کی یادگار ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ اس سلسلہ میں خود کتاب کے آغاز میں رقم طراز ہیں:

''جب ۲۹ر ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ روز یکشنبہ مطابق ۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء کو میری چھوٹی لڑکی ولیہ خاتون بعمر ۵ر سال ۳ر ماہ ۴ر یوم بعارضہ فصلی ۱۱ر گھنٹے کی علالت میں اس دنیا کو خیرآباد کہہ کر

اپنے حقیقی مکان کو سدھاری، تو اس کی جدائی کا ہمارے دل پر سخت صدمہ ہوا اور زمانہ تک اس کی گوری صورت، اس کی پیاری باتیں یاد آ آکر دل کو بے چین اور پریشان کرتی رہیں۔ میں اگرچہ طرح طرح سے اپنے دل کو سمجھاتا، مگر اس کا صدمہ کبھی کم نہ ہوتا تھا۔ ایک دن مجھے خیال ہوا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مستطاب "شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور" دیکھنا چاہئے۔ اس میں ایسی حدیثیں اور واقعات ضرور درج ہونگے، جس سے دل غمگین کو صبر اور تسلی ہو۔ چنانچہ میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا، اس کتاب کی برکت سے میرا غم نصف دور ہوگیا۔ اس لئے محض رفاہ عام کے لئے اس کی ان احادیث کا ترجمہ جن سے غمگین دل کو صبر اور تسلی ہو، میں نے لکھ کر اس کا نام سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون رکھا۔"

اس کتاب میں بیشتر روایات وواقعات امام جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ کی تصنیف "شرح الصدور" کے حوالے سے ذکر ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے مطالعہ میں آنے والی مزید دیگر کتابوں کے افادات بھی پیش کئے ہیں، پھر اخیر میں بعض احباب کی خواہش پر چند سال کے بعد تکفین وتدفین سے متعلق فقہی احکام ومسائل کا بھی اضافہ فرمایا، اس طور سے دلوں کو نرم اور بارگاہ کریم کی جانب متوجہ کرنے والی یہ کتاب جہاں حضرت مصنف کی علمی اور دینی یادگار ہے، وہیں اپنے داخلی جذب واثر اور عمدہ طرز تعبیر کی اثر انگیز خوبیاں بھی رکھتی ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ ہر نگاہ مومن اس کا مطالعہ کرے اور ہر دینی گھر اس کی برکتوں سے مستفید ہو۔

راقم ارشاد احمد رضوی ۱۹۹۹ء میں مقالات شارح بخاری کی ترتیب کے دوران مختلف لائبریریوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس دوران مادر علمی دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام کے نظامی دارالمطالعہ کے ماہنامہ المیزان کچھوچھہ شریف کی فائل نظر سے گزری۔ اس میں یہ پوری کتاب قسطوں میں چھپی دیکھی۔ بارگاہ رضا کی غلامانہ نسبت کی وجہ سے اس دربار سے وابستہ ہر ذرے سے راقم کو والہانہ انسیت ہے، حضرت ملک العلماء تو اعلیحضرت کے اعزار شد روحانی چشم وچراغ ٹھہرے، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ صرف نظر کرتے ہوئے گزر جاتا۔ شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ مقالات کے ساتھ ساتھ ان تمام قسطوں کی زیراکس بھی اپنے ساتھ مبارکپور لیتا آیا۔ ارادہ تھا کہ کبھی اسے ترتیب دے کر شائع کروں گا۔

حسن اتفاق کہ گرامی قدر مولانا انور علی نظامی مصباحی زید مجدہم فقہی سیمینار میں شرکت کی غرض سے اشرفیہ تشریف لائے۔ ان سے گفتگو کے دوران اس کتاب کا تذکرہ نکل آیا۔ انہوں نے از خود فوراً اپنے اشاعتی ادارہ المجمع العلمی ہزاری باغ کے زیر اہتمام اشاعت وطباعت کی پیش کش کردی اور تصحیح و مقابلہ اور پروف ریڈنگ وغیرہ کے معاملات میرے سپرد کئے۔ ان کی پیش کش سے راقم کو حوصلہ ہوا۔ اب ساری قسطوں کو بغور پڑھنا شروع کیا۔ بعض قسطوں میں بے ترتیبی اور بے ربطی محسوس ہوئی۔ دوسری الجھن یہ ہوئی کہ المیزان کے ہر صفحے پر سن اور مہینے کی طباعت کا اہتمام نہ تھا، صرف پہلے صفحہ پر اس کا ذکر تھا۔ عجلت میں ہر قسط پر لکھ نہ سکا کہ یہ کس سن اور کس ماہ کے شمارے میں شائع ہوئی، اس لئے قسطوں کی ترتیب بھی مبہم تھی۔ میں اس کی باضابطہ ترتیب کے لئے کچھوچھہ شریف گیا۔ حسن اتفاق کہ احمد اشرف ہال کی مختار اشرف لائبریری میں المیزان کی مطلوبہ فائل منتشر حالت میں مل گئی۔ میں نے ذرا سی محنت کے بعد اپنے مطلوبہ شمارے نکال لئے۔ ان سے قسطوں کی ترتیب بھی ہوگئی اور ایک قسط کی زیراکس رہ گئی تھی، وہ بھی حاصل کر

لی۔ اس طور سے پوری کتاب حاصل ہوگئی۔

اپریل ۲۰۰۰ء کے اواخر میں اپنی بعض علمی ضروریات کیلئے علی گڑھ کا سفر ہوا، جہاں حضرت ملک العلماء کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب رہتے ہیں۔ یہ مکمل قسطیں بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ سوچا کہ ان کے سامنے پیش کردوں، ہوسکتا ہے وہ کچھ مفید رہنمائی فرمائیں، جبکہ خود ڈاکٹر صاحب ان قسطوں کے متلاشی تھے اور اس سلسلہ میں راقم کو خط بھی لکھ چکے تھے۔ اسے محض تائید ایزدی ہی کہا جائے گا کہ جب ڈاکٹر صاحب قسطیں ملاحظہ کیں، تو جہاں مفید مشوروں سے نوازا، وہیں اس کے دو خطی نسخے بھی اپنے ذخیرۂ کتب سے نکال کر دیئے۔ میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کا مخطوطہ بھی ہاتھ آجائے گا۔ اس کرم فرمائی پر میں نے ڈاکٹر صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

ان مخطوطوں میں پہلا نسخہ خود حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ کے دست مبارک سے تحریر کردہ ہے۔ دوسرا ان کے کسی نیاز مند شاگرد کا۔ دونوں سے میں نے زیراکس کا مقابلہ کیا۔ بہت سی کمیوں، خامیوں کی اصلاح ہوئی، بعض اقتباسات رہ گئے تھے، ان کا اضافہ ہوا۔ ان مراحل سے گزر کر یہ مبارک کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس مبارک تصنیف کو عصر حاضر کے ذوق مطالعہ سے قریب کرنے کی خاطر راقم نے حسب ذیل تصرفات بھی کئے ہیں:
دونوں نسخے طرز قدیم کے مطابق مسلسل لکھے ہوئے تھے، راقم نے اپنی صواب دید کے مطابق اس کی پیراگرافنگ کی۔

ایسے الفاظ جن کا رسم الخط اب متروک ہو چکا ہے، اسے عصری اسلوب میں لکھوایا مثلاً اوس کو اس، اون کو ان، ملکر کو مل کر وغیرہ۔
صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' اور دیگر صلحائے امت کے اسماء کے ساتھ علیہ الرحمہ، قدس سرہٗ کا التزام کیا۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے بھی خطی نسخہ میں کہیں کہیں پر اس کا اہتمام فرمایا ہے۔ گو قسط وار اشاعت میں اس کا التزام نہیں ہے۔

یہ اس کتاب کی تیسری اشاعت ہے۔ پہلی اشاعت ماہنامہ المیزان کچھوچھہ شریف کے ستمبر ۱۹۷۲ء تا مئی ۱۹۷۳ء کے شماروں میں آٹھ قسطوں میں مکمل ہوئی۔

ادارہ المیزان اس کی تقریب اشاعت میں لکھتا ہے:
''مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی اپنے دورۂ تبلیغ کے سلسلے میں شہر پٹنہ (بہار) پہونچے، تو انہیں معلوم ہوا کہ حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین صاحب رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غیر مطبوعہ نادر تالیف ہے۔ جس کا نام ''سرور القلب المحزون في الصبر عن نور العيون'' ہے۔ مولانا مدنی نے مذکورہ کتاب کی اشاعت و بقا کے لئے حضرت ملک العلماء کی صاحبزادی اور ان کے داماد جناب محی الدین صاحب دونوں کو پیغام بھیجا اور یہ بات طے پا گئی کہ اس کی اشاعت ماہنامہ المیزان میں بالاقساط ہوتی رہے گی۔ ادارہ المیزان جناب محی الدین صاحب کا ممنون کرم ہے کہ انہوں نے ہمیں اشاعت کی اجازت بھی مرحمت کی اور کتاب کا اصل نسخہ بھی..... ہم نے زمانہ کی موجودہ علمی پرآشوبی کے پیش نظر اس کتاب کا نام ''اسلامی نظریہ موت'' تجویز کیا ہے، تاکہ عام سطح کے لوگ بھی معنوی طور پر اس سے بہرہ مند ہوسکیں۔'' (ماہنامہ المیزان، کچھوچھہ شریف، ستمبر ۱۹۷۲ء، ص ۵۰، ۵۱)

یہ رسالہ دوسری بار ۱۴۰۳ھ میں پٹنہ سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:
''سرور القلب المحزون في الصبر عن نور العيون'' علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی ''شرح

الصدور بشرح حال الموتی والقبور" کا اردو زبان میں ترجمہ جو اواخر ۱۳۳۸ھ میں تمام ہوا۔ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ میں مصنف کے دوستوں مولوی نعیم الحق ساکن منیر شریف ضلع پٹنہ اور حکیم محمد ہاشم کی فرمائش پر چند ضروری مسائل کا بطور تتمہ اضافہ کیا گیا۔ تاریخ تکمیل ۲۵ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ صفحات ۹۷ بخط مصنف محفوظ دوسرا نسخہ مع اضافہ صفحات ۱۱۲ بھی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

یہ رسالہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رحلت کے بعد ان کے جاں نثار معتقد و مسترشد حافظ عبد الحفیظ اشرفی صاحب صدر مدرس ادارہ شرعیہ پٹنہ نے ربیع الاول شریف ۱۴۰۳ھ میں پٹنہ سے شائع کردیا ہے۔ لیکن وجہ تالیف و ترجمہ پر مشتمل اوراق جو ضروری تھے حذف کردیئے گئے ہیں۔" (حیات ملک العلماء، ص ۲۴، ۲۵)

ادارہ المیز ان کا تجویز کردہ نام عصر حاضر کے مطابق ہے اور موضوع پر بھر پور روشنی بھی ڈالتا ہے، اس لئے راقم بھی اسی کو برقرار رکھتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے روایات کے حوالوں کی تخریج کا بھی مشورہ دیا تھا، لیکن اسے دو وجہ سے دانستہ چھوڑ دیا گیا۔ اولاً یہ کام کافی محنت طلب تھا اور عام قاری کے مطلب کا بھی نہیں۔ ثانیاً اس کی اکثر مرویات اپنے حوالوں کے ساتھ شرح الصدور کے عربی نسخوں میں موجود ہیں۔ اہل ذوق اس سے رجوع کر سکتے ہیں۔

کتاب کی افادیت اور اہمیت تبصرہ سے بالاتر ہے۔ قاری زبان و بیان، حسن ترتیب اور ذوق انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اخیر میں مسائل میت کا اضافہ بھی خوب ہے۔ اس سے کتاب کی افادیت دو چند ہو جاتی ہے۔ اب یہ صرف تذکیری کتاب نہیں رہ جاتی، بلکہ دلوں میں لرزش اور آخرت کی تڑپ پیدا کرنے والی رویات اور اہم ترین گرانقدر مسائل کے خوبصورت گلدستے کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کے افادات عام فرمائے۔ مرتب کے لئے مصنف علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات کی توجہ کا ذریعہ بنائے اور المجمع العلمی کے جملہ اراکین کو جزائے خیر سے نوازے۔

☆☆☆

ملک العلماء: الجواہر والیواقیت ایک جائزہ

از قلم: مفتی محمد سعید الرحمٰن صاحب، پوکھریرا شریف، بہار

اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
جی میں کیا آیا کہ پابند نشیمن ہوگئیں

مجھے یہ خبر طلیق اللسان فصیح البیان فاضل نوجوان گرامی قدر عزیزم مولانا مولوی مفتی محبوب رضا روشن القادری صاحب زید مجدہٗ سے سن کر بے حد مسرت ہوئی، کہ حامی سنت ماحی کفر و بدعت عالم باعمل حضرت علامہ مولانا سید سراج اظہر صاحب خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان حضور ملک العلماء مولانا الشاہ سید محمد ظفر الدین صاحب قبلہ فاضل بہاری پٹنہ عظیم آبادی علیہ الرحمہ کی سوانح حیات تالیف کر رہے ہیں، جس مین مولانا روشن القادری کی خواہش ہوئی کہ آپ بھی ملک العلماء سے متعلق کچھ تحریر فرمادیں۔

افسوس ہے، کہ میں ان سے عقیدت و محبت رکھتے ہوئے بھی حالات سے بالکل بے خبر ہوں۔ بہر حال مولانا موصوف کی دل افزائی اور خواہشات پوری کرنے کی غرض سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

امام احمد رضا خان رضی المولی عنہ کے ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمہ بہت پیارے محبوب خلیفہ و شاگرد گذرے ہیں۔ جن کی ذات صوبہ بہار میں مرکز اعظم کی تھی، جن کا فیض صوبہ بہار کے باہر بھی، دور دراز تک پھیلا ہوا ہے۔ آج بھی ان کے تقریری، تدریسی، تصنیفی، تعمیری اور بہت سارے کارنامے اور خدمات دینیہ زندہ ہیں۔ اہل سنت و جماعت کو بڑی تقویت اور دیوبندیوں، وہابیوں کو خوف و دہشت تھی، مذہب و ملت کے اساطین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

میرے طالب علمی کے دور میں استاذ گرامی حضرت مولانا العلام ملک العلماء فاضل بہاری قبلہ علیہ الرحمہ والرضوان کو متعدد بار آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت عزت الاسلام حضور والدی ماجدی مولانا الشاہ محمد ولی الرحمٰن صاحب قبلہ ولی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے یہاں پوکھریرا شریف مدرسہ یا خانقاہ نوریہ رحمانیہ ولیہ میں عرس جد کریم قطب عالم محب اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا الشاہ محمد عبد الرحمٰن محبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقع پر شرکت کی غرض سے بلاتے رہے۔ حضرت پٹنہ عظیم آباد سے تشریف لاتے رہے۔ نیز اپنے ساتھ اپنے صاحبزادے مولانا مختار الدین آرزو کو اور کبھی اپنے نواسے مولانا جسیم الدین کو لائے علاوہ اس کے ضرورتاً اضلاع مظفر پور، یا دربھنگہ، یا نیپال جہاں جیسے مناظرے ہوتے تھے، حضرت والد بزرگوار اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ حضرت والدی ماجدی علیہ الرحمہ کو ملک العلماء سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی کے مصداق تھے۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انعامات و اکرام کا کیا کہنا ہے۔ جبھی تو امام موصوف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

راقم الحروف حضور والدی ماجدی علیہ الرحمہ کے وصال

کے بعد اپنے یہاں کی خانقاہ کے جلسۂ عرس میں شرکت کی غرض سے استاذ گرامی ملک العلماء کو دعوت دینے کی غرض سے شہر کٹیہار حاضر ہوا۔ جہاں ملک العلماء نے ایک مدرسہ بحرالعلوم قائم کیا تھا، جو محلہ عملہ ٹولی میں واقع ہے۔

حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، اپنے مقصد کو ظاہر کیا، حضرت نے دعوت قبول فرمالی۔ اس کے بعد حضرت نے دریافت کیا کہ بیٹے! کہاں پڑھتے ہو؟ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے جواباً عرض کیا۔ میں اپنے والد بزرگوار سے شرح جامی وغیرہ پڑھتا تھا، اب حضرت کا سایہ بظاہر نہ رہا۔ سوچ رہا ہوں کہ بریلی شریف جامعہ رضویہ میں داخلہ لے لوں، تو حضرت ملک العلماء نے فرمایا۔ بیٹے! گھبرانے کی بات نہیں۔ میں زندہ ہوں، اب آپ مجھ سے پڑھیں۔ الحمدللہ! چند ماہ حضرت سے تعلیم حاصل کیا، پھر بچند وجوہ حضرت سے اجازت لے کر مکان آگیا۔ بعدہٗ استاذ العلماء والفضلاء وامام المنطق والفلسفہ عامل باعمل فاضل اکمل حضرت علامہ مولانا شاہ مفتی محمد عظیم الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات مجمع حسنات ایسی تھی کہ ان کو فاضل بہاری ثانی، یا علامہ، یا مولانا، یا ملا، یا مولوی، یا مفتی، یا قاضی، یا محدث، یا مفسر، یا مفکر، یا فقیہ، یا عارف، یا ولی وغیرہم جو کہیں میری عقیدت میں سب درست اور صحیح ہے۔ من آنم کہ من دانم۔ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حضرت موصوف نے ملک العلماء سے متعلق مجھ سے فرمایا کہ میں ایک بار بریلی شریف مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں علم جفر حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضور مفتی اعظم ہند نے میرا سوال سن کر جواباً ارشاد فرمایا کہ مولانا آپ کے گھر میں ملک العلماء موجود ہیں، ان سے ہی اس علم کو آپ حاصل کریں۔ قربان جایئے! حضرت کے اس قول پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے علوم سے ملک العلماء کو نوازا تھا۔ بعدہٗ بریلی شریف توسطات حضور مفتی اعظم ہند ومفسر اعظم ہند جامعہ رضویہ میں داخلہ لیکر اپنے فرض منصبی میں مشغول ہو گیا۔ ہم سبق ساتھیوں میں ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا خاں صاحب رحمانی میاں وصدر العلماء حضرت مولانا تحسین رضا خاں صاحب علیہما الرحمۃ والرضوان تھے۔ مولیٰ تعالیٰ دونوں حضرات کے قبروں کو نور پھول سے بھر دے، اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ پھر وہیں حضور مفتی اعظم ہند ومفسر اعظم نے خلافت تقریری عطا فرمائی۔ نیز رحمان ملت نے کچھ عرصہ کے بعد پوکھریرا شریف تشریف آوری کے موقع سے تحریری خلافت عطا فرمائی، جس کو صاحبزادہ علامہ توصیف رضا خاں صاحب بریلوی نے ملاحظہ فرمالیا ہے۔ الحمدللہ! مجھے خود والدی ماجدی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی خلافت پہلے ہی یعنی دور طالب علمی ہی میں عطا فرمادی تھی۔ یہ اپنا اپنا نصیبہ اور قسمت ہے۔

حضرات مشائخ کرام بیس فی صدی ایسے ہیں جو نقش مثلث یا مربع مشہور قاعدہ سے بھرنا جانتے ہیں، لیکن پوری چال سے نقوش کی خانہ پری کرنے پر شاید چار، پانچ سو میں دو چار حضرات کو عبور ہوگا۔ ملک العلماء فاضل بہاری کو ایک شاہ صاحب ملے، جن کا خیال تھا کہ فن تکسیر کا علم صرف مجھ کو ہے۔ دوران گفتگو میں فاضل بہاری نے ان سے دریافت کیا کہ جناب نقش مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ شاہ صاحب مذکور نے بڑی فخریہ انداز میں جواب دیا کہ سولہ طریقے سے پھر انہوں نے فاضل بہاری سے پوچھا کہ آپ کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ مولانا نے بتایا کہ الحمدللہ! مین نقش مربع کو گیارہ سو باون طریقے سے بھرتا ہوں۔ شاہ صاحب سن کر محو حیرت ہو گئے، اور پوچھا کہ مولانا آپ نے فن تکسیر کس سے

سیکھا ہے؟ فاضل بہاری نے فرمایا۔ حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ شاہ صاحب نے دریافت کیا، اور اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقش مربع کتنے طریقوں سے بھرتے تھے؟ فاضل بہاری نے جواب دیا۔ دو ہزار تین سو طریقے سے۔ علم ریاضی، ہیئت اور نجوم میں کمال کے ساتھ ساتھ علم توقیت میں اعلیحضرت کا کمال درجہ ایجاد میں تھا۔ فن توقیت میں متقدمین کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، جب حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری وغیرہما نے اعلیٰ حضرت سے فن توقیت حاصل کرنا شروع کیا، تو اس فن مین کوئی کتاب نہ ہونے کے باعث اعلیحضرت اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے، یہ حضرات ان کو لکھ لیتے اور انہیں قواعد کے مطابق نصف النہار، طلوع، غروب، صبح صادق، ضحوہ کبریٰ، عشاء اور عصر کے اوقات نکالتے۔ مولانا ظفرالدین بہاری نے اعلیٰ حضرت کے ان بتائے ہوئے قواعد کو ایک کتاب میں جمع کیا، اور اپنی طرف سے تشریح اور مثالوں کا اضافہ کر کے ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' کے نام سے اس کو شائع بھی کر دیا ہے۔ فن توقیت میں حضرت کے کمال کا یہ عالم تھا کہ سورج آج کب نکلے گا اور کس وقت ڈوبے گا بلا تکلف معلوم کر لیتے۔ ستاروں کی معرفت اور ان کی چال کی شناخت پر اس قدر عبور تھا کہ رات میں تارہ اور دن میں سورج دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے، اور وقت بالکل صحیح ہوتا، ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا، علماء کا قول ہے کہ ملک العلماء فاضل بہاری لکڑی کی گھڑی بنا کر سورج کی روشنی سے چلا کر پٹنہ عظیم آباد میں لوگوں کو دکھا دیا، اردو صحیح ملک العلماء کے سامنے بول لینا ہر شخص کا کام نہ تھا۔ کٹیہار میں پنڈت جواہر لال نہرو کی کئی غلطیاں پکڑی گئیں، جس کی خبر پنڈت نہرو کو کر دی گئیں تھیں۔ تصنیفات میں بہت ساری کتابیں آپ کی ہیں۔ سب سے اجاگر کتاب ''صحیح البہاری'' ہے۔ جس کے مطالعہ سے موطا حضرت امام احمد و امام مالک علیہما الرحمہ کی یادیں تازہ ہوتی ہیں۔ ابر رحمت ان مرقد پر گوہر باری کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ صلوٰت اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

☆☆☆

حضرت موصوف نے ملک العلماء سے متعلق مجھ سے فرمایا کہ میں ایک بار بریلی شریف مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں علم جفر حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضور مفتی اعظم ہند نے میرا سوال سن کر جواباً ارشاد فرمایا کہ مولانا آپ کے گھر میں ملک العلماء موجود ہیں، ان سے ہی اس علم کو آپ حاصل کریں۔ قربان جایئے! حضرت کے اس قول پر اعلیحضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے علوم سے ملک العلماء کو نوازا تھا۔

حضور ملک العلما: وارثِ علوم احمد رضا

از قلم: حضرت علامہ سید وجاہت رسول صاحب قادری، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان

از سرِ شیشہ گزشتن ز خرد مندی نیست
اے بسا لعل کہ اندر دلِ سنگ است ہنوز

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۰ء۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کے بلند علمی قد وقامت کے تعارف کے لیے یہی سند کافی ہے کہ آپ عالمِ اسلام کے عظیم فقیہ، مجدد عصر اور عبقریِ وقت کے شاگردِ رشید، خلیفہ اور علومِ عقلیہ ونقلیہ میں اپنے استاذِ گرامی (اعلیٰ حضرت) کے سچے جانشین ہیں۔

ملک العلما کی علمی فتوحات، آپ کی نگارشات، تحقیقات اور فتاویٰ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والی مقتدر علمی شخصیات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ مقاماتِ دین کے فہم اور اصولِ دین کی بصیرت کا جو خاص رنگ ان کی مربی، شیخ طریقت اور استاذِ گرامی امام احمد رضا فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کا تھا، وہ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ اور تحقیقی نگارشات سے جگہ جگہ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت ملک العلما نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے ورثۃ العلمی کے محافظ کا کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں آپ بحیثیت ایک محدث، ایک محقق، ایک مناظر، ایک مصنف، ہیئت وتوقیت اور تکسیر وریاضی کے ماہر نیز ایک مختلق اور وسیع المطالعہ مدرس اور ماہرِ تعلیم، ایک اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ آپ کے ہم عصر علماء اور کالج ویونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اسکالرز، دونوں آپ کے علمی مقام ومرتبہ کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کے مرشد برحق اور مشفق استاذ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ العزیز نے بھی آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود اپنے قلم سے یوں تحریر کیا ہے:

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفرالدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجانِ عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیلِ علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:
سنّی خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے۔"

(کلیاتِ مکاتیب رضا، ص: ۲۰۹، ۲۱۰ کلیر شریف)

گرچہ ملک العلما متعدد علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے، مگر علوم کی درجِ ذیل فروع میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا:

۱۔ علومِ حدیث ۲۔ فقہ ۳۔ تصوف ۴۔ عقائد ومناظرہ ۵۔ ہیئت و توقیت اور ۶۔ سوانحی ادب

علامہ سید شاہ غلام مصطفیٰ احمد نعیمی فرماتے ہیں:

''انسانی وراثت کی حفاظت اس کے اخلاف سے ہوتی ہے خواہ نسبی اخلاف ہوں یا علمی، ورنہ وہ شخص خواہ کتنا ہی بلند قدر رکھتا ہو اس کی تعلیمات، علمی خدوخال، زندگی کے شب و روز سب کچھ ضائع ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات کی تدوین اور ان کے تصنیفات کی ترتیب و اشاعت کا کام بڑی محنت و محبت سے ملک العلمانے کیا۔ شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے گنج مخفی کو ظاہر کرنے کا بنیادی اور ابتدائی کام انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے گا۔ آج اتنے وسائل مہیا ہیں، مگر ہنوز فاضل بریلوی کی نصف تصانیف بھی شائع نہیں ہوئی ہیں۔ گویا ہم نے ابھی انہیں آدھا بھی نہیں جانا ہے، ان کے بہتیرے پہلو ہم سے پوشیدہ ہیں۔'' (۱)

آج اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ دنیا کی جامعات میں جو کچھ تحقیقی پیش رفت ہوئی ہے اور علماء اور محققین حیات اعلیٰ حضرت کے جو کچھ گوشے تصانیف و تالیفات کی صورت میں سامنے لائے ہیں، وہ سب حضرت ملک العلماء کی بنیادی تصنیف حیات اعلیٰ حضرت کی مرہونِ منت ہے۔ گویا رضویات میں اس کتاب کو بنیادی مآخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

''حضرت ملک العلماء محمد ظفر الدین رضوی علیہ الرحمۃ ایک فقیہ النفس فقیہ، عالی مرتبت محدث تھے۔ زبردست مناظر، دور اندیش مصلح، خوش طبع درویش اور باوقار انسان تھے۔ علم ہیئت و توقیت میں تو ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کے بعض فتاویٰ ایسے اچھوتے گوشے سامنے لاتے ہیں کہ ان کی ذہنی دراکی اور ژرف نگاہی الم نشرح ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے شاگرد مولانا سید عبد العزیز لکھن پوری (مونگیر) نے ایک مرتبہ ملک العلماء سے استفسار کیا کہ عام دیوبندی تو اکابر دیوبند کی کفریات سے واقف نہیں ہوتے تو ان پر من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر کا حکم نافذ ہوتا ہے کہ نہیں۔ ان پر یہ حکم نافذ نہیں ہوتا ہے تو پھر عام شیعہ بھی تو اپنے اکابر کی کفریات اور اسلام مخالف نظریات سے واقف نہیں ہوتے پھر ان کا کیا حکم ہوگا؟ یہ معذب ہوں گے کہ نہیں اور اگر ہوں گے تو عام شیعہ اور عام دیوبندی میں وجہ فرق کیا ہے؟

ملک العلمانے اس فرق کی جیسی واضح تشریح فرمائی ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیوبندیوں کے ہتھے چڑھنے والے بھولے بھالے لوگ عموماً سنی ہوتے ہیں۔ اہل سنت کے گھرانے میں آنکھ کھولتے ہیں، اہلِ سنت کے معمولات پر عمل کرتے ہیں، بزرگوں سے عقیدت رکھتے ہیں، غرض سچے پکے سنی مسلمان ہوتے ہیں ایسے صاحب ایمان لوگ دیوبندیوں اور تبلیغیوں کے مکارانہ عمل اور جھوٹے پروپیگنڈے کے چکر میں آ کر نادانی میں ان کے گروپ میں شامل ہو گئے تو ابھی ان کے زوال ایمان کا حکم نہیں لیا جاسکتا، جب تک کہ وہ دیوبندی کفریات کو قبول نہ کرلیں۔ ان کا پہلے مومن ہونا یقینی ہے اور کفریات کو تسلیم کرنا مشکوک، والیقین لا یزول بالشک۔ اس کے برخلاف شیعہ بچہ ابتدائے شعور سے باخبر ہوتا ہے کہ ہم سنی نہیں، شیعہ ہیں۔ ہمارا گروپ عام مسلمانوں سے الگ ہے۔ اتنا اجمالی یقین ہی اسے ابتداء سے شیعوں کے گمراہ طبقے میں شامل رکھیں گے۔ یہاں سچا ایمان آیا ہی نہیں تو اس کی کفریات شیعہ سے بے خبری اسے کیا فائدہ دے گی۔ یہ خط مولانا سید عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے پوتے مولانا سید احمد رضا سلمہ کے پاس محفوظ ہے۔

یونہی حدائق بخشش حصہ سوم کے بعض اشعار پر اٹھائے گئے دیوبندی اعتراضات کا آپ نے مسکت اور مفصل جواب تحریر

فرمایا۔ یہ مفصل فتویٰ مولانا شہاب الدین اشرفی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔اس سے آپ کی فقیہانہ بصیرت اور ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے آپ کو کس قدر محبت تھی۔ (۲)

ملک العلما علم سے والہانہ شغف رکھتے تھے۔اس لیے پوری لگن اور محنت سے درس دیتے وہ بھی تسلسل کے ساتھ۔ ملک العلما کے چہیتے شاگرد مولانا شہاب الدین اشرفی نے اپنے مشاہدات پر مشتمل ایک مضمون تحریر کیا ہے: ''ملک العلما کی زندگی کے چند گوشے۔'' اس میں وہ حضرت کے طرز تدریس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے حضرت ملک العلما قدس سرہ سے جو چند فنون کی کتابیں پڑھی ہیں، مثلاً بخاری شریف، طحاوی شریف، مسند امام اعظم، تفسیر مدارک، ہدایہ آخرین، تصریح، مسلم الثبوت، دیوان حماسہ وغیرہ۔ اس لیے نہ صرف ایک فن بلکہ مختلف فنون میں آپ کے طریقۂ تدریس کا انداز میرے دل پر اب بھی نقش ہے۔ تمام فنون کی کتابوں میں طریقۂ تدریس کی عمدگی، مضامین کی تفہیم کا انداز منفرد اور نرالا تھا۔ بخاری پڑھاتے وقت حدیث سے متخرج مسائل کی وضاحت، مسائل کے مختلف فیہ ہونے کی صورت میں تہذیب وتقریب کے حوالے سے روایان حدیث کی جرح وعدالت کا ذکر، مذہب حنفی کی دیگر احادیث سے تائید وغیرہ آپ کے حسن تدریس کے جلوے تھے۔

فقہ و اصول فقہ پڑھانے کا اندازہ بڑا دلنشیں تھا۔ فقہ پڑھانے میں اس بات پر بھی روشنی ڈالتے کے یہ مسئلہ ادلۂ اربعہ میں سے کس دلیل سے ثابت ہے۔ اگر مسئلہ نص سے ثابت ہوتا تو حسب ضرورت یہ بھی بتاتے کے عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص میں سے کس نص سے یہ مسئلہ مستنبط ہے۔اسی طرح یہ بتاتے کہ یہ مسئلہ قیاسی ہے یا الحاقی؟ یا خلاف قیاس استحسان بالاثر وغیرہ ہے۔علم ہیئت میں ہم نے حضرت ملک العلما سے صرف تصریح پڑھی جس میں فلک اور کرّہ کی تفصیل، رات و دن کے اختلاف، کسوف وخسوف کے وجوہات، برزخ و اقالیم کی تفصیل، صبح وشفق، سمت قبلہ کے استخراج کا طریقہ بتاتے اور مسائل کو پوری وضاحت سے سمجھاتے۔علم ہیئت میں ان کی سلم الافلاک کا ایک قلمی نسخہ تھا، جسے متعدد طلبہ نے نقل کیا۔حضرت ملک العلما کی طرف سے درسگاہ میں طلبہ کو اعتراض کی کھلی چھوٹ ہوتی تھی۔مگر عموماً خود ہی اعتراض کی بھی وضاحت کرتے اور خود ہی جواب بھی دیتے تھے۔ایسا محسوس ہوتا کہ علم کا دریا موجیں مار رہا ہے۔دوران درس کسی سبق سے متعلق کوئی واقعہ ہوتا تو اسے بھی بیان فرماتے۔اور اس سے نتیجہ اخذ کر کے نصیحت فرماتے جو بڑا دلنشیں ہوتا۔ (۳)

ملک العلما یوں تو ایک باعمل عالم دین، صاحب کردار انسان، اخلاق مند ہمدرد، رائج فنون کے ساتھ کئی ایک نادر فنون میں بھی مہارت رکھنے والے فرد امت تھے۔

لیکن راقم اختصار کی خاطر صرف ایک اہم اسلامی فن پر ان کی مہارت کی بات کرتا ہے:

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ملک العلماء قدس سرہٗ کو ہیئت و توقیت میں خاص مہارت حاصل تھی اور اسی فن نے آپ کو زیادہ شہرت دی۔

ملک العلماء اس فن میں اپنے تلمیذ استاذ کی کیفیت بیان کرتے ہیں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کو ہیئت و نجوم میں کمال کے ساتھ علوم توقیت میں کمال تو حد ایجاد کے درجہ پر تھا یعنی اگر آپ کو اس فن کا موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔علماء نے جستہ

جستہ اس کو مختلف مقامات پر لکھا ہے۔ لیکن میرے علم میں کوئی مستقل کتاب اس فن میں نہ تھی۔ اس لیے جب میں نے اور میرے ساتھ مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری، مولانا مولوی حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب بریلوی، مولوی سید محمود جان صاحب بریلوی، حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا صاحب بریلوی، مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی نے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا، تو کوئی کتاب اس فن کی نہ تھی، جس کو ہم لوگ پڑھتے۔

اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت خود ہی اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے۔ اسی کو ہم لوگ لکھ لیتے اور اسی کے مطابق عمل کر کے اوقات نصف النہار، طلوع، صبح صادق، عشاء، ضحوۂ کبریٰ، عصر نکالتے، ایک زمانہ تک تو وہ قواعد ہم لوگوں کی کاپیوں میں لکھے رہے۔ پھر میں نے ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر کے پوری توضیح وتشریح کے ساتھ مع مثال بلکہ امثلہ لکھ کر اس کا نام الجواہر و الیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت رکھا۔ الحمد للہ کہ یہ رسالہ مطبع نعیمی مراد آباد میں چھپ کر شائع کیا گیا ہے اور اس سے بہت لوگوں نے اس علم کو حاصل کیا۔

اسی زمانے میں مجھے بریلی شریف جانے کا اتفاق ہوا، تو ایک نسخہ گرامی جناب محبّ مکرم مخلص محترم جناب حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب کے لیے لیتا گیا۔ انہوں نے دیکھا، تو بہت خوش ہوئے اور مولوی صاحب بھی فارسی زبان میں اس فن میں تصنیف فرما رہے تھے۔ وہ رسالہ مجھے دکھایا کہ میں نے اس طرح لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اب توضیح التوقیت کے بعد اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ میں نے بہت اصرار کیا کہ آپ ہرگز ایسا خیال نہ فرمائیں۔ آپ اس کتاب کو ضرور مرتب کر ڈالیے۔ یہ بھی اعلیٰ حضرت کا فیض اور ان کے علم کی اشاعت ہے ع ہر گلے رنگ و بوئے دیگر است۔ (۴)

آپ کو طالب علمی کے زمانے سے ہی کتب بینی کا شوق تھا جو رفتہ رفتہ عشق کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:

''انہیں کتابیں جمع کرنے کا شوق طالب علمی کے زمانے سے تھا۔ ایک مجلد میں ''فہرست کتب علوم کہ فقیر ظفر الدین احمد مورخہ ۱۰رجب المرجب ۱۳۲۳ھ'' کے عنوان کے تحت کتابوں کے نام درج کیے ہیں۔ اس وقت بریلی میں ان کے پاس ۹۸ رکتب ورسائل تھے۔ (حیات ملک العلماص ۱۰)

مولانا شہاب الدین اشرفی صاحب کا مشاہداتی بیان ہے کہ:

''ضعف پیری اور علمی تبحر کے باوجود حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ ضرورت کی تکمیل کے بعد وقت ضائع نہ فرماتے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے، قیلولہ کے وقت عموماً اخبار ورسائل کا مطالعہ کرتے۔ جب میں یا کوئی اور طالب علم خدمت کے لیے جاتا تو ان سے علمی گفتگو فرماتے یا واقعات بیان کرتے اور ان پر اپنا ناصحانہ تبصرہ بھی کرتے۔ طلبہ کو کتابوں اور اہم رسالوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے خصوصاً امام احمد رضا قدس سرہ کے رسائل کے مطالعہ کی تاکید فرماتے۔ ''الاشباہ والنظائر لابن نجیم حنفی'' کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے مجھے اس کے مطالعہ کی خصوصی ترغیب دی۔ کتابوں کے خریدنے کی نصیحت کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ علما کے ہتھیار ہیں۔ بے کتاب کے مولوی ایسے ہیں، جیسے بے ہتھیار سپاہی۔ نیز فرماتے جب بھی سنی علمائے کرام کی کوئی تصنیف منظر عام پر آجائے تو اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ اس کے حاصل کرنے میں صرف کرو۔ انہیں کی ترغیب کا اثر تھا کہ وہاں کے محنتی باذوق طلبہ کچھ نہ کچھ کتابیں ضرور خریدتے۔ میں نے بھی بفضلہ

تعالیٰ خاصی کتابیں دوران طالب علمی میں ہی خرید لیں۔ چند کتابیں خود حضرت ملک العلما نے مجھے باہر سے منگوادی تھیں جن میں شرح جامی کی معروف شرح "محرم آفندی" بھی شامل ہے" (۵)

ملک العلماء کی سب سے بڑی خوبی اپنے استاذ گرامی اور مرشد برحق سے والہانہ وابستگی تھی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ملک العلما کو ہمیشہ اپنی خصوصی نوازش کا مستحق سمجھا، اس لیے ملک العلما کے دل میں بھی اعلیٰ حضرت سے والہانہ وابستگی کے جذبات تھے۔ شفقت و اکرام کے یہ سلسلے ادبیات سے لے کر معاملات تک تھے۔ تصنیف، تدریس، خطابت، مناظرہ، خانگی معاملات، معمولات حیات حتیٰ کہ اذکار و اوراد میں بھی ملک العلما اعلیٰ حضرت کی پیروی اپنے لیے لازم سمجھتے۔ اعلیٰ حضرت کے حضور بالکل چوں قلم دروست کاتب تھے۔ اپنی پسند، ناپسند کا کوئی دخل نہ تھا۔ ہر کام اعلیٰ حضرت کے مشورے اور حکم سے ہوتا۔ (۶)

ملک العلماء کے اس رویہ میں آج کل کے اہل سنت کے نوخیز "محققین عصر" اور "چوں من دیگر نیست" کے دعویدار اور ننھے منے مفتیان کرام اور "محدث عصر حاضر" قسم کے نوجوان علماء نما صحافیوں کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے۔

اعلیٰ حضرت کی رضامندی ملک العلما کو اس قدر مطلوب تھی کہ جو باتیں اعلیٰ حضرت کو لوجہ اللہ ناگوار ہوتیں، اس سے دست کش ہو جاتے، چاہے اس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے اور دوسروں کی کیسی ہی افادیت کیوں نہ ہو۔

اس کی متعدد مثالیں آپ کی حیات میں ملتی ہیں، لیکن اختصار کے پیش نظر یہاں بیان نہیں کی جا سکتیں انشاء اللہ زیر نظر کتاب میں راقم سے بہتر اہل قلم اپنے مقالہ جات میں مزید تفصیل بیان فرمائیں گے۔ یا پھر کچھ تفصیلی احوال ملک العلما مصنفہ علامہ ساحل سہسرامی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ یا پھر مزید تفصیل دیکھنی ہو، تو حیات اعلیٰ حضرت کے صفحات مطالعہ کیجیے۔ اسی لیے ان کے تلامذہ اور وابستگان ہمہ دم جاں نثاری پر آمادہ رہتے۔ اس سلسلے میں سبھی یکساں جذبات رکھتے ہیں، لیکن اس خصوص میں صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، ملک العلما اور قاضی عبدالوحید علیہم الرحمہ کی جاں نثاریاں بے نظیر ہیں۔ اسی جاں نثار جذبے کا اثر تھا کہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد بھی ان حضرات نے اپنی پوری زندگی رضوی مشن کے لیے وقف رکھی تھی۔

علامہ ساحل سہسرامی حضرت ملک العلما کے وصال کا احوال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۹ر جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اتوار کا دن گزار کر پیر کی رات میں وقت متعین آپہنچا اور آپ نہایت سکون کے ساتھ اسم جلالت اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ رحمه الله رحمته واسعته واعطاه رتبة عليافي جنته عاليه۔ پیر کے دن فردوسی، شطاری سلسلے کے بزرگ حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی، سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور، ضلع پٹنہ (م ۱۹۶۷ء) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جو آپ کے مذکورہ سلاسل میں مرشد اجازت بھی تھے۔ درگاہ شاہ ارزاں (م ۱۰۲۸ھ) کے جوار میں محلہ شاہ گنج پٹنہ کے قبرستان میں اس گنجینۂ سعادت کو سپرد خاک کیا گیا۔" اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر رحمت و رضوان کے پھول برسائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، آمین ثم آمین! بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

راقم الحروف گنہگار حضرت ملک العلما کی زیارت سے بظاہر مشرف نہ ہو سکا لیکن اس کے آب وجد یعنی حضرت مولانا سید

وزارت رسول قادری اور حضرت علامہ مولانا سید ہدایت رسول قادری نوری لکھنوی علیہما الرحمۃ سے بڑے دیرینہ محبت و یگانگت کے تعلقات تھے۔ حضرت والد ماجد سے اکثر ملک العلماء کی علمی وجاہت اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ ان کی گہری محبت والفت کے واقعات زبانی سن رکھے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ملک العلماء اہل سنت والجماعت بالخصوص رضویوں کے محسن تھے۔ لیکن صد افسوس کہ ہم نے اپنے اس محسن کی نا معلوم وجوہ کی بناء پر یا اپنی روایتی تساہلی یا پھر شاید کسی عصبیت کی بناء پر ان کو وہ مقام نہیں دیا، جس کے وہ مستحق تھے۔ بہر حال بقول امام احمد رضا قدس سرہ۔

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

حضور ملک العلماء کا عظیم تذکرہ مرتب کرنے کی سعادت حضور سراج ملت مدظلہ العالی اور ان کے ساتھیوں کے حصہ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے جزیل عطا فرمائے اور تذکرۂ ملک العلماء کو چاردانگ عالم میں مقبول فرمائے تاکہ محققین، علماء، طلباء سب اس سے یکساں استفادہ کر سکیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

بوقت رحمت اے ساکنان صدر جلال
ز روی حافظ و آں آستانہ یاد آرید

☆☆☆

[۱] تقدیم ملک العلماء مصنفہ علامہ ساحل شہسرامی ص ۷، ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان

[۲] تقریظ، ایضاً ۱۰، ۱۱

[۳] تقریظ، ایضاً ۱۰، ۱۱

[۴] حیات اعلیٰ حضرت۔ جلد اول ۲۷۷ تا ۲۷۹

[۵] جہانِ رضا اگست ۲۰۰۳ء ص ۲۳

[۶] ملک العلماء۔۔۔۔۔۔ ص ۵۴

☆☆☆

ملک العلماء: فکر رضا کے ترجمان

ازقلم: مولانا غلام مصطفیٰ قادری رضوی، باسنی ناگور راجستھان

اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز ان مقتدر شخصیات میں شامل ہیں، جنہوں نے اپنے خداداد علمی فضل و کمال، بصیرت و فراست اور مومنانہ جرأت اظہار سے تاریخ اسلامی کو رونق، درخشندگی اور تابانی بخشی ہے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت ایک مستقل موضوع سخن ہے، جس پر تحقیق کرنے والے حیران ہیں، کہ فاضل بریلوی نے جس وادی علم وفن میں قدم رکھ دیا ہے۔ اس کے کناروں تک پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ اس فن کے امام بنے ہوئے ہیں۔ جہاں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قلمی طور پر لازوال خدمات دینیہ انجام دیں، وہیں اسلامی افکار ونظریات کی ترویج واشاعت کیلئے قیمتی علمی ہیرے بھی پیدا کئے، جن کی شبانہ روز جدوجہد اور حکیمانہ طریق عمل سے شرق و غرب میں اسلامی روشنی پھیلنے لگی۔ حکمت ودانائی کی دودھیا چاندنی جہاں سنیت کو جگمگانے لگی۔ ان کے خلفاء ومریدین نے ملک و بیرون ملک جو تعمیری خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔

ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہاری قدس سرہٗ العزیز اسی عبقری شخصیت کے پروردہ تھے۔ آپ کی مذہبی، علمی، فکری اور تنظیمی خدمات کے متعدد پہلو ہیں۔ آپ اپنے عہد کے عدیم النظیر مصنف بھی تھے اور بے مثال مدیر بھی۔ مفکر اسلام والمسلمین بھی تھے اور باوقار مناظر اسلام بھی۔ ان کے فقہی فیضان سے عالم اسلام نے روحانی تسکین اور دینی وعلمی زندگی میں تازگی محسوس کی۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بارگاہ کے آپ خاص خوشہ چیں تھے ان کے چہیتے شاگرد ومرید تھے۔ امام احمد رضا، ملک العلماء کی عالمانہ شان اور مجاہدانہ کاوشوں سے خوب متاثر تھے۔ دین وسنیت کی خدمت کیلئے دور ونزدیک کے علاقوں میں آپ کو روانہ کرتے، مذہب ومسلک کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کے سدباب کیلئے اپنے اسی لائق وفائق شاگرد کو بھیجتے، اور اپنی دلی دُعا۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے

کے سائے میں مفید نصائح بھی فرماتے تھے۔ آپ کے نام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جو مکاتیب تحریر فرمائے، ان کے مطالعہ سے بھی میری باتوں کی تائید ہوتی ہے، ان خطوط کے اندر عزیمت واستقامت، مومنانہ عزم وحوصلہ اور ایمانی وعرفانی شان کے اظہار کی تعلیم وتاکید ہوتی تھی۔ نیز ہر کام رضائے خدا وخوشنودی مصطفیٰ کیلئے کرنے کا حکم وفرمان ہوتا۔

ملک العلماء کو فاضل بریلوی جیسا عبقری اور مشفق استاذ ورہنما ملا، تو ان کے در کے ہی ہو گئے، یہاں سے جو کچھ لیا، خود اس پر عمل کیا اور دور دور تک اسے پھیلانے کی جہد مسلسل فرمائی، حضور ملک العلماء اپنے استاذ گرامی کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے۔ ان کی منشاء ومزاج کے مطابق اپنا سفر علم وتبلیغ شروع کرتے اور ان کے رہنما اصول کے تحت پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سعی فرماتے۔

مولینٰا محمد ارشاد احمد ساحل سہسرامی لکھتے ہیں:

''تصنیف، تدریس، خطابت، مناظرہ، خانگی معاملات، معمولات حیات حتی کہ اذکار و اوراد میں بھی حضور ملک العلماء اعلیٰحضرت کی پیروی اپنے اوپر لازم سمجھتے۔ اپنی پسند، ناپسند کو کوئی دخل نہ تھا، ہر کام اعلیٰحضرت کے مشورے اور حکم سے ہوتا۔ اعلیٰحضرت نے جہاں تدریس کیلئے متعین کیا۔ وہاں تشریف لے گئے، جہاں سے طلب کیا، فوراً حاضر ہوگئے۔ ۱۳۲۹ھ تک بریلی شریف میں ہی رہے۔ اس کے بعد اعلیٰحضرت کے حکم پر شملہ تشریف لے گئے۔ بریلی واپسی ہوئی۔ پھر اعلیٰ حضرت نے آرا بھیجا، متعدد جگہ مناظرے کیلئے روانہ کیا، پٹنہ اور سہسرام کے دوران قیام مراسلات کا سلسلہ قائم رہا، جن میں کتابوں کی تصحیح، متعدد کتب کے حوالوں کی تخریج، ہیئت و توقیت کے نقشہ جات تیار کرنے کا حکم ہوتا اور ملک العلماء خوشی خوشی ساری ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہوکر ان احکام کی تعمیل کو اولین ترجیح دیتے۔'' (ملک العلماء ص ۵۴-۵۵ مطبوعہ کراچی)

زیر نظر مقالہ میں مسلک رضا کے فروغ وارتقاء کیلئے کی گئی ملک العلماء کی کاوشوں کا مختصر ذکر کرنا مقصود ہے۔

حضرت ملک العلماء نے فکر رضا کے ترجمان ہونے کی حیثیت سے جو کام کئے ان کا اندازہ لگانے کیلئے ان کی حیات کے متعدد پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ تاہم یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ دار العلوم منظر اسلام (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) بریلی شریف کے ذریعے افکار دین وسنیت کو جو فروغ ملا وہ بلند مرتبہ دینی درسگاہ حضرت ملک العلماء کے منصوبہ ساز ذہن ہی کا نتیجہ ہے اور آج بحمدہ تعالیٰ اس کی دینی، علمی خدمات جلیلہ سے ہر سنی ادارہ بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض یاب ہے۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

''منظر اسلام قائم ہوگیا۔ ملک العلماء پڑھتے، امام احمد رضا کے مشاغل علمیہ میں ہاتھ بٹاتے، نقل و تبییض کرتے، حوالہ جات نکالتے، حوادث زمانہ پر گہری نظر رکھتے، وقت کے سرکشوں کو کرارا جواب دیتے۔ ''الصحبۃ مؤثرۃ'' کے بموجب راہوار قلم کو مہمیز لگ چکی ہے۔ لہٰذا وہ تصنیف وتالیف بھی کرتے، عہد طالب علمی ہی کی یہ پانچ کتابیں یادگار ہیں۔

(۱) ظفر الدین الجیّد ۱۳۲۳ھ (۲) مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۳ھ (۳) الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۴) شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفےٰ علیہ السلام ۱۳۲۴ھ، (۵) مبین الھدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ علیہ السلام ۱۳۲۴ھ (امام احمد رضا، خطوط کے آئینے میں، ص: ۲۵۱)

امام احمد رضا متبحر عالم، وسیع المطالعہ مفکر اور کثیر التصانیف مصلح تھے۔ مختلف علوم وفنون پر ایک ہزار کے قریب تصانیف میں ان کے خزائن علمیہ پوشیدہ ہیں اور ہر کتاب ایسی جس پر محققین علماء ریسرچ کرتے آرہے ہیں۔ ایک ایک استفتاء کے جواب میں وہ ضخیم کتاب لکھ دیتے تھے، جس میں حقائق و معانی کے گل بوٹے کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ علوم و معارف کے دفاتر کھلے ہوئے ہیں۔ ایسی محققانہ اور مصلحانہ تصانیف کی صرف فہرست تیار کرنا بھی ایک اہم کار خیر تھا، تا کہ اسمائے کتب سے بھی مصنف کی جلالت علمی ظاہر ہو اور اس سے استفادہ کی کوشش جاری ہو۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

''۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کو علما واحباب خصوصاً حیدر آباد کے جلیل القدر عالم و بزرگ حضرت مولانا سید عبدالجبار قادری نے فرمائش کی کہ ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی امام احمد رضا کی تصنیفات وتحقیقات جسکی اس وقت تک تصنیف وتحقیق ہوچکی

ہے کی ایک جامع فہرست مرتب کردیں، کہ ملک العلماء ان دنوں وہیں دارالعلوم منظر اسلام کے مدرس ونگراں تھے اور اپنے استاذ علام کی کتب ومصنفات کی تبییض وتسوید اور طباعت واشاعت کا اہتمام بھی کرتے تھے، ساتھ ہی خود بھی تصنیف وفتویٰ نویسی کرتے تھے۔ جو بغرض اصلاح امام احمد رضا کی نگاہ سے گذرتی تھی۔

بہرکیف تکمیل فرمائش میں ملک العلماء نے محنت و جانفشانی سے فہرست تیار کی، جس کا تاریخی نام ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' رکھا۔ (حیات رضا کی نئی جہتیں ص:۵۶-۵۷مطبوعہ ممبئی)

چنانچہ ملک العلماء خود رقمطراز ہیں :

'' میں نے ۱۳۲۷ھ میں حسب فرمائش مولانا المکرّم جناب مولانا مولوی سید محمد عبدالجبار صاحب قادری حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی پچاس علوم وفنون میں تصانیف کثیرہ کی فہرست مع فن وزبان وکیفیت ومضمون وسال تصنیف کے بیان میں ایک رسالہ مسمیٰ بنام تاریخی ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' تحریر کیا تھا، جو اسی زمانے میں مطبع پٹنہ میں باہتمام حضرت مولانا ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ چھپ کر شائع ہوچکا تھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت جدید۲/ ۸۰۷مطبوعہ ممبئی)

اِس اہم کام میں ملک العلماء نے جو محنت کی ہوگی، اسے کون بیان کرسکتا ہے۔ وسائل وذرائع کی قلت کے زمانہ میں ایسے کام انجام دینا، قابل تقلید اور لائق تحسین ہے۔ مگر وہ تو دُھن کے پکّے تھے۔ علمی افادیت سے خواص وعوام کو مستفید کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، واضح رہے، کہ صرف امام احمد رضا کی تصانیف کے ناموں سے ان کی علمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ تو فہرست کی بات تھی، ان ذخائر علم وادب سے اہل اسلام کے استفادے کیلئے بھی وہ جہد مسلسل کرتے رہتے۔ چنانچہ آپ کے فرزند محترم ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو رقم طراز ہیں:

'' ۱۹۴۴ء میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی، کہ ان (امام احمد رضا) کے مسودات درست کئے جائیں اور بعض اہم تصانیف شائع کی جائیں۔ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۰۲ھ کے اصرار پر ملک العلماء بریلی تشریف لے گئے اور تین ماہ وہاں رہ کر بہت محنت وتوجہ سے منتشر مسودات مرتب کئے۔ جو بیشتر اوراق پریشاں کی صورت میں تھے۔ جو مسودات مکمل تھے، ان کی مبیضات تیار کئے۔ اب انہوں نے تصنیفات کی نئی فہرست تیار کی۔ تو اندازہ ہوا، کہ ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں کتابیں بھی تھیں اور مختصر رسالے بھی۔ عربی وفارسی میں تھیں اور اردو میں بھی۔ انہوں نے فہرست تصانیف اعلیٰ حضرت مرتب کرکے اشاعت کیلئے تیار کردی تھی فہرست کتابی شکل میں اب تک شائع نہیں ہوسکی۔'' (صحیح البہاری: تقدیم ص۱۹، مطبوعہ ممبئی)

ملک العلماء کو اپنے مرشد اور استاذ محترم کی علمی بصیرت کا بخوبی اندازہ تھا، اس لئے ان کی تجدیدی کارناموں اور علمی کارہائے نمایاں سے اہل علم وعوام الناس کو واقف کرانے کیلئے وہ نگارشات امام احمد رضا کی اشاعت کے بارے میں ہمیشہ نئے نئے طریقے عمل میں لاتے تھے، چنانچہ ان کے متعدد مکتوبات سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے احباب و متعلقین کو تحریر فرمائے۔ آیئے اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ کریں۔

مولانا امجد رضا خاں صاحب نوری، مقیم گوالیار کو اپنے مکتوب (مورخہ ۲۹/رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

'' اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات وتالیفات چھپ جائیں، تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی

ضرورت نہ ہوگی، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰحضرت کی تصنیف نہیں، جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے، واقعی جناب نے انہیں حیات جاوید بخشی اور ہر شخص کو ان کے علوم و فنون سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔

میرے بریلی سے آنے کے بعد سے اس وقت تک ربیع الاول تا رمضان شریف تین رسالے چھپے ہیں اور وہ تو وہی ''نشاط السکین'' جس کی نصف سے زیادہ کا پیاں میرے سامنے لکھی جا چکی تھیں اور دوسرا رسالہ ''الاسد السوال''، تیسرا ''غایۃ التحقیق'' یہ سب رسالے نمبر ا سے ۱۳ تک میں نے منگوائے ہیں۔ افسوس ہے کہ ۳، ۴، ۵ جو لاہور میں چھپنے کے واسطے بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہے، کہ اب تک انہوں نے چھپوا کر نہیں بھیجا، مولوی ابوالبرکات سیّد احمد صاحب سے ایسی توقع نہ تھی اور تین رسالے نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، بہت خراب چھپے ہیں، صحت کا بھی التزام نہیں کیا ہے۔

بریلی شریف والے منشی صاحب جنہوں نے رسالہ ا تا ۱۰۰ کی کتابت کی تھی، بہت ہی خوشخط ہیں۔ یہ بیچارے بدایونی صاحب ٹھیک نہیں ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں منشی صاحب سے کتابت کا کام لیا جائے۔ خدا جناب کو اپنے مقصد عالی میں کامیاب کرے تا کہ تصانیف (کی اشاعت) کا کام حسب خواہش انجام پائے۔''

(مکاتیب ملک العلماء قلمی ص ۱۵-۱۴)

سید پیارے علی بریلوی اور مولانا تقدس علی خان کے نام ایک مکتوب ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۶۵ھ، یکم جنوری ۱۹۴۵ء میں حسب ذیل سطور ملتی ہیں:

''سید عرفان صاحب (قادری رضوی بلیسل پوری) کا خط آیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی مکمل فہرست چھپ رہی ہے، تا کہ معلوم ہو کہ ان کی کیا کیا کتابیں ہیں اور کس کس فن میں، کس کس زبان میں اور کس حجم میں، یہ سب میں نے مکمل کر دیا، صرف چھپنا باقی ہے اور اب وہ چھپ رہی ہے کہ عرس شریف سے قبل چھپ کر شائع ہو جائے گی۔ اسے دیکھ کر کتاب آپ اشاعت کیلئے پسند کر لیجئے گا۔ (مکاتیب ملک العلماء قلمی ص ۵۷)

انہیں کو ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا (مصطفیٰ رضا خاں) صاحب یقیناً اپنے سفر سے بریلی شریف پہنچ گئے ہوں گے۔ وہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف اگر طباعت کیلئے تم عزیز کو روانہ فرمائیں تو از یں چہ بہتر۔ ''سلطنۃ المصطفیٰ'' میں نے بہت تلاش کی تھی، کہیں پتہ نہیں چلا۔ ہاں ''علوم الغیب'' کا مسودہ مجھے ملا تھا، جس کو بڑی محنت و کاوش سے مبیضہ کر کے اور تبویب اس کی کرا کے الماری میں رکھوا دیا ہے۔ مفتی اعظم صاحب سے اس کے متعلق خط و کتابت کیجئے کہ وہاں سے روانہ فرما دیں۔ واقعی عجیب و غریب کتاب ہے علم غیب کے مسئلہ میں اس کتاب کو دیکھ کر کسی کو شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس قدر مواد جمع کر دیا کہ شاید و باید۔ وہ کتاب اگر چھپ جائے۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔ (مکاتیب ملک العلماء قلمی ص ۳۲- مقدمہ صحیح البہاری ص ۲۱)

ملک العلماء اپنے استاذ و پیر کا حد درجہ ادب و احترام تو کرتے تھے۔ وہ دوسروں کو بھی اس عظیم علمی ہستی کا کتابوں کے ذریعے شاگرد بننے کا موقع فراہم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اشاعت تصنیفات رضا کیلئے وہ نت نئے طریقے استعمال کرتے رہتے۔

آج امام احمد رضا کی شخصیت و فکر کے حوالے سے خاصا کام ہو رہا ہے۔ تاہم اس عبقری الشرق کی حیات و کارناموں سے

سب سے پہلے جس نے نثری انداز میں کام کیا، وہ ملک العلماء کی ذات گرامی ہے۔ ان کے اس رضویاتی کار کا محققین ادباء کو بھی اعتراف ہے۔ "حیات اعلیٰ حضرت" بلاشبہ ایک خزانہ ہے جس میں فکر رضا کو بحسن وخوبی بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے خود ملک العلماء رقم طراز ہیں:

"افسوس صد ہزار افسوس کہ اس آفتاب عالمتاب کو غروب ہوئے آج (۱۹۳۸ء) میں سترہ سال ہو گئے، مگر سوائے اِس مختصر منظوم "ذکر رضا" (۱۹۲۱ء) حامی دین وملت مولانا مولوی محمود جان صاحب جام جودھپوری کے کوئی مفصل سوانح عمری آپ کی شائع نہ ہوئی۔ پھر بھی ہم رضویوں کو جناب حاجی مولوی سید ایوب علی صاحب رضوی بریلوی کا شکر گذار ہونا چاہیئے، کہ اس کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور برادران طریقت کو توجہ دلائی۔ ان کی تحریک سے بعض احباب نے کچھ حالات ان کے پاس لکھ بھیجے اور زیادہ حصہ خود سیّد صاحب موصوف نے لکھا۔ جب ان کو میرے حیات اعلیٰ حضرت (۱۹۳۸ء) لکھنے کی خبر ہوئی، تو جو کچھ مواد ان کے پاس تھا۔ سب مجھے عنایت فرمادیا۔ خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر کہ عرصہ بارہ میں یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی اور باعتبار ختم تالیف مظهر المناقب (۱۳۶۹ھ) تاریخی نام تجویز ہوا مولیٰ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور سب سنیوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۸۱ مطبوعہ ممبئی ۲۰۰۳ء)

حیات اعلیٰ حضرت بلاشہ باب رضویات کی زینت ہے آج فکر رضا پر تحقیق کرنے والوں کیلئے یہ اولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں امام احمد رضا کی سوانح عمری صرف ولادت، تعلیم و تربیت اور مریدین بنانے تک ہی نہیں، بلکہ اُن کے آثار علمیہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ان کی جلالت علمی، مقام عشق اور رد بدعات و منکرات میں بے مثال کاوشوں کا محققانہ بیان بھی بطور احسن ہوا ہے۔

حیات اعلیٰ حضرت کی دوسری جلد میں تصانیف امام احمد رضا کے حوالے سے حضور ملک العلماء نے جو بحث فرمائی ہے، وہ ایک طرف امام احمد رضا کی علمی بصیرت ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرف حضرت ملک العلماء کی لیاقت و استعداد علمی پر بھی دلالت کرتی ہے۔ افکار ونظریات رضا کو جس خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ مصنف کتاب کا حصہ ہے، مذکورہ کتاب میں ہی رد بدعات ومنکرات پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نگارشات کو بھی بڑے اچھے طریقے سے ذکر کیا ہے۔ جن کے مطالعہ سے یہ بے بنیاد الزام خاک میں مل جاتا ہے، کہ "وہ (اعلیٰحضرت) بدعتوں کے فروغ میں کوشش کرتے تھے۔" حیات اعلحضرت کی تیسری جلد میں اس بے بنیاد بہتان کا خوب پردہ چاک کیا گیا ہے اور امام احمد رضا کو چودہویں صدی کا مجدّد ثابت کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے مجدد وہی ہوتا ہے، جو دین کو تازہ کرتا ہے بدعات کا خاتمہ کرتا ہے۔

الغرض ملک العلماء اپنے مربی ومحسن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علمی وفکری مشن کی اشاعت کیلئے ہمیشہ مصروف رہے اور دنیا کو بتادیا، کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کوئی نیا مسلک ایجاد نہیں کیا، بلکہ وہ دین حقہ اہلسنّت وجماعت کے ہی مبلغ و داعی تھے۔

☆☆☆

"حیات اعلیٰ حضرت"

صبح تالیف سے لے کر شامِ طباعت تک

ازقلم: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے مرکزی مجلس رضا، لاہور، پاکستان

ہم آپ کی خدمت میں "حیات اعلیٰ حضرت" کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہلسنت، مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی پینسٹھ سالہ (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء) زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اسے اعلیٰ حضرت کے ایک شاگرد رشید، فاضل علوم دینیہ اور خلیفہ خاص، حضور ملک العلماء، مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمتہ اللہ علیہ نے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب کے اکثر واقعات فاضل مولف کے مشاہداتی قلم کا نتیجہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے معاصر علماء کرام، صاحبزادگان محترم، شاگردان عزیز اور خدمت گذارانِ دربار رضویت کی روایات پر مشتمل ہیں۔ کئی مقامات پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اپنی زبان سے بیان کردہ احوال موجود ہیں اور بعض اوقات آپ کے انٹرویو سے اقتباسات لئے گئے ہیں۔

"حیات اعلیٰ حضرت" آج سے اسی سال پہلے لکھی گئی تھی۔ آج "فاضل بریلوی" جن کے حالات پر یہ کتاب ہے اور "فاضل بہار" جو حالات کو جمع کرتے رہے ہیں کو اس جہان ناپائیدار سے رخصت ہوئے ایک عرصہ ہوگیا ہے اور دنیا کی نگاہیں اس کی اشاعت کیلئے مدتوں چشم براہ رہی تھیں۔ الحمد للہ یہ ایک نادر ورثہ بڑے طویل مراحل طئے کرنے کے بعد ایک کتاب کی شکل میں نمودار ہوا ہے۔

حضور ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی رحمتہ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کے وصال (۱۹۲۱) کے سترہ سال بعد ۱۹۳۸ء میں آپ کے حالات قلم بند کرنا شروع کئے اور اسے شبانہ روز کوششوں سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ مؤلف علام کے ایک رفیق کار سید ایوب علی رضوی جو بریلی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے قلمی مسودات، تالیفات اور فتاویٰ جات کے ایک عرصہ تک منصرم تھے۔ انہوں نے یہ کتاب لکھنے کی تجویز اور تشویق کی۔ جسے حضور ملک العلماء نے ایک ضخیم کتاب میں مرتب کر کے دنیائے سنیت پر بہت بڑا احسان فرمایا۔

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب "حیات اعلیٰ حضرت" مکمل طور پر مرتب ہوکر طباعت کے مراحل طئے کرنے لگی تھی۔ ۱۳۵۶ھ میں اس کتاب کا مکمل مسودہ تیار ہوا۔ تو مؤلف علام نے بعض حضرات کی خدمت میں نظر ثانی کیلئے پیش کیا۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت کے پیرو مرشد و حضرات مارہروی کے صاحبزادگان عظام اور علماء کرام کی خدمت میں پیش کی گئی۔ "جہان رضا" لاہور ماہ اپریل و مئی ۲۰۰۳ء میں بعض قدیم خطوط چھپے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل مؤلف نے کتاب کا پورا مسودہ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین محمد میاں قادری کی خدمت میں نظر ثانی کیلئے شعبان ۱۳۷۱ھ کو پیش کیا تھا پھر بعض حضرات نے اس کتاب کو پریس میں جاتے ہوئے دیکھ کر آرڈر بھی بک کروائے کہ یہ کتاب چھپتے ہی ان تک پہنچے۔ ملک بھر میں اس کتاب کی طلب کی سرگرمی نظر آنے لگی۔ مگر نا معلوم یہ کتاب کیوں نہ چھپ سکی۔ ہم اِن حالات

کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ یہ کتاب پریس کے دروازوں پر دستک دے کر کیوں واپس آگئی اور کتاب کا مسودہ کن حضرات کی نظر بد کی نذر ہوگیا اور کس بزرگ کے ذخیرہ کتب میں آج تک دبا پڑا ہے۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوگیا۔ پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ برصغیر کے مسلمان اہل علم مختلف اطراف میں بکھر گئے۔ فاضل مؤلف اپنے آبائی وطن، بہار چلے گئے۔ سید ایوب علی رضوی پاکستان آگئے اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے اوراق کہاں کہاں بکھر گئے۔ سید ایوب علی رضوی جب ہجرت کر کے لاہور آگئے تو ان کے پاس کتاب کے چند صفحات تھے۔ انہوں نے کراچی کے بعض سابقہ رفقاء سے مل کر ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی طباعت کا بندوبست کیا۔ ۱۹۵۵ء میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی جلد اوّل چھپوانے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ باقی جلدیں کس کے پاس محفوظ ہوئیں۔ یہ کتاب پہلی بار کراچی سے مکتبہ ''رضویہ'' آرام باغ سے چھپی اور شبستان رضویت کی شمع بن کر اہل علم تک پہنچی۔ جلد اوّل کی اشاعت کے بعد ''تشنہ لبانِ حیات اعلیٰ حضرت'' کے اشتیاق میں بے پناہ اضافہ ہوگیا اور وہ مکمل کتاب کی طلب کیلئے بے تاب نظر آنے لگے۔

قیام پاکستان کے بعد کئی سال گذر گئے، مگر اس کتاب کی طرف نہ کسی نے توجہ دی نہ کوئی آواز سنائی دی۔ مولوی سید ایوب علی رضوی ۱۹۷۰ء میں لاہور میں انتقال کر گئے۔ ۱۹۸۲ء میں امین شریعت حضرت مفتی رفاقت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمود احمد قادری اشرفی (مؤلف تذکرۂ علماء اہلسنّت و مرتب مکتوبات اعلیحضرت) مؤلف گرامی کے فرزند ارجمند ڈاکٹر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پاس سنی علمائے کرام کا وفد لے کر علی گڑھ پہنچے اور ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی طباعت کے اشتیاق کا اظہار کیا اور اصرار کیا کہ کتاب کا قلمی مسودہ انہیں دیا جائے تو اسے دو سال کے اندر اندر زیور طباعت سے آراستہ کر کے عوام تک پہنچا دیا جائے گا۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب ایک کتاب دوست، دانشور ہیں۔ وہ تحقیقی امور سے بے پناہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ عالمی شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے ان علماء کرام کے اشتیاق اور اصرار کو دیکھا، تو بلا تامل کتاب کا مسودہ ان کے حوالے کر دیا۔

''حیات اعلیٰ حضرت'' کا مسودہ جو ایک تاریخی ورثہ تھا اور بے حد اہمیت کا حامل تھا، مولانا محمد محمود احمد قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ اشرفیہ، بھوانی پور، ضلع مظفر پور (بہار) کے زیر نگاہ آگیا۔ انہوں نے اخبارات میں اعلان کیا، کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' چھپ رہی ہے، شائقین کتاب اس کے حصول کیلئے آرڈر بک کروائیں۔ یہ اعلان بڑا خوش کن تھا، سارے ہندوستان میں ہی نہیں، سارے پاکستان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ چالیس سالہ گم گشتہ خزانہ برآمد ہونے کی بشارت مل گئی اور اب اہل علم اس کی راہیں دیکھنے لگے۔ اس اعلان پر یقین کرتے ہوئے ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' نے اعلان کیا، کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کو مختلف حصوں میں شائع کر کے مفت تقسیم کیا جائے گا۔ ''ماہنامہ جہانِ رضا لاہور'' نے حیات اعلیٰ حضرت کی جلد اول جو کراچی سے چھپ چکی تھی۔ تین اقساط میں چھاپ کر مفت تقسیم کرنا شروع کر دی اور ساتھ ہی اپنے قارئین کو یقین دلایا، کہ جونہی ہندوستان سے کتاب چھپ کر آجائے گی، اسے بالاقساط شائع کر کے تقسیم کیا جائے گا۔

☆☆☆

حضور ملک العلماء اور ردّ شیعیت

از قلم: مفتی ولی محمد رضوی، سنی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور، راجستھان

مجدد دین ملت اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ نے احقاق حق وابطال باطل کا جو فریضہ انجام دیا اُس پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے بلا شبہ وہ اسلام وسنیت کے فروغ میں زندگی بھر مصروف رہے اور بدعات ومنکرات کی بیخ کنی میں خوب لکھتے رہے۔ اسی طرح آپ کے خلفاء اور شاگردوں نے بھی مذاہب باطلہ کی قلعی کھولی اور اُن کے گندے عقائد ونظریات سے قوم مسلم کو آگاہ کیا حضور ملک العلماء علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری اعلیحضرت فاضل بریلوی کے خاص شاگرد اور خلیفہ تھے، جن پر اعلیحضرت فاضل بریلوی کو ناز تھا اور شاگرد ومرید کو اپنے استاذ و پیر سے خاص عقیدت تھی، اسی لئے صحبت ومحبت کا یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ اعلیحضرت کا یہ شعر حضور ملک العلماء کے مقام کو بڑھاتا ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اِس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

حضور ملک العلماء مفتی سید محمد ظفر الدین قادری رضوی کی پیدائش رسول پور میجرا ضلع پٹنہ صوبہ بہار میں ۱۰ ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت ہوئی، والد صاحب نے تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد تجویز کیا۔ اعزا کی خواہش پر ظفیر الدین رکھا گیا، ایک عرصہ تک اسی نام سے پکارے جاتے رہے، لیکن جب اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شاگردی ۱۳۲۲ھ میں اختیار کی تو انہوں نے ظفر الدین تجویز کیا بعد میں جب تک بریلی میں رہے اپنے نام کے آگے عبید المصطفیٰ بھی لکھتے رہے۔

چار سال کی عمر میں ۱۳۰۷ھ سے آپ کے والد ماجد نے تعلیم شروع کر دی۔ رسم بسم اللہ خوانی حضرت شاہ چاند صاحب کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد نے دی۔ پھر قرآن مجید اور اُردو وفارسی کی کتابیں اپنے گھر پر حافظ مخدوم اشرف مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں، شادی کے بعد مولوی شیخ بدر الدین اشرف، مولوی محی الدین اشرف صاحبزادگان رئیس دیندار والا تبار عالی جناب شیخ رمضان علی مرحوم کے اصرار پر مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ کا درس لیا۔

اِس کے بعد حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ کی علمی شہرت سن کر ۲۵ ر جمادی الآخر ۱۳۲۰ء کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ آگئے جہاں آپ نے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال، پڑھی پھر دار العلوم کانپور میں پہنچ کر وہاں کے مشہور استاد مولانا احمد حسن کانپوری سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا شاہ عبد اللہ پنجابی کانپوری سے ہدایہ آخرین ختم کی۔ کانپور سے پیلی بھیت میں محدث سورتی کا قائم کردہ مدرسہ دار الحدیث میں پہنچ کر اُن سے درس

حدیث لیا۔ آخر خوب سے خوب تر کی تلاش انہیں امام اہلسنت سیّدنا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی تک لے گئی۔ جن کے علم و قلم کی شہرت و طاقت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، پہلی ہی ملاقات میں بہت زیادہ متاثر ہوئے، اُن سے فیض اُٹھانا چاہتے تھے۔ اس وقت اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے یہاں نہ کوئی درس و تدریس کا سلسلہ تھا اور نہ ہی کوئی مدرسہ قائم تھا۔ آپ نے اعلیٰحضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بریلوی اور بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں بریلوی مولانا حکیم سید امیر اللہ شاہ بریلوی اور دوسرے اصحاب سے مل کر مشورہ کیا اس طرح مدرسہ کے قیام کی راہ ہموار ہوئی، یوں ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں مدرسہ منظر اسلام محلہ سوداگران میں قائم ہوا۔

ملک العلماء کے دوست و ہم وطن مولانا سیّد عبد الرشید عظیم آبادی بھی وہیں آ گئے تھے، اس طرح انہی دو طالب علموں سے مدرسہ کا افتتاح ہوا، آپ نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری پڑھی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی، آپ نے پہلا فتویٰ ۸/رمضان شریف ۱۳۲۲ھ کو تحریر کیا۔ اعلیٰحضرت سے بخاری شریف کے علاوہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی تمام کر کے علم ہیئت، ریاضی، توقیت، جفر و تکسیر اور عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ کا درس بھی لیا۔ ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی درخواست پر حضرت شاہ التفات قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ ردولی شریف نے اُن کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور سند تدریس و افتاء مرحمت فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نے امسال آپ کو اپنے سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور "ملک العلماء" و "فاضل بہار" کا خطاب دیا۔

آپ نے درس و تدریس کا آغاز بھی منظر اسلام سے ہی کیا، چار سال وہاں تعلیم دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی اپنے شاگردوں سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ملک العلماء کو بھی آپ بہت نیک دُعاؤں سے نوازتے اور آپ کی بہت قدر کرتے، جیسا کہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں، اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں، میں یہ نہیں کہتا، کہ جتنی درخواستیں آتی ہیں، سب میں یہ زائد ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔

(۱) سنی خالص، مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔
(۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں
(۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں
(۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں
(۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

(صحیح البہاری ص:۲)

زیر نظر مقالہ میں ردشیعیت میں ملک العلماء علیہ الرحمہ کی کاوشوں کو مختصر طور پر بیان کیا جائے گا۔ اس لئے مناسب ہے، کہ شیعیت کے تعلق سے کچھ تاریخی باتیں بیان کر دی جائیں۔

اس امت مرحومہ میں جہاں ایک طرف حق و ہدایت کا پرچم بلند کرنے والی جماعت ہے تو دوسری جانب قرآن وحدیث کے نام پر ان کی غلط تصریحات کر کے امت میں انتشار و اختلاف ڈالنے والی مختلف ٹولیاں گروہ بندیاں بھی ہیں۔ مگر پاسبان حق بن کر علم ہدایت اٹھانے والے حضرات بھی ہیں جو ان باطل جماعتوں

کے ردوابطال میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنے والے مردانِ حق کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے۔ان فرقوں میں شیعہ فرقہ بھی شرانگیز اور فتنہ انگیز رہا ہے جس کا فتنہ خوش عقیدہ مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے والا ہے۔یہ نام نہاد آلِ رسول کا شیدائی ہونے کا مدعی ہے،مگر کام یزید پلید جیسے کرتا ہے۔سینہ کوبی، تعزیہ داری وغیرہ اور مرثیہ خوانی ان کے نمائشی کام ایسے ہیں، کہ بھولا بھالا سیدھا سادہ انسان ظاہری بناوٹ کو دیکھ کر متاثر ہو ہی جاتا ہے۔ چونکہ ان کے عقائد ونظریات بڑے خطرناک رہے ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو دین وملت کے پاسبان ہیں۔ ان کے مقدس خون سے شجرِ اسلام نے سیرابی حاصل کی ان حضرات کے تعلق سے ان کے دلوں میں بغض وکینہ ہے۔جب کہ ان مقدس نفوس نے جو کارنامے انجام دیئے،انہیں پڑھ کر تو اہل ایمان کے دل باغ باغ ہوجاتے ہیں۔مگر یہ فرقۂ باطلہ ان حضرات کی شخصیت پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتا ہے۔جو خود ان پر اچھلتا جاتا ہے۔ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مستند و جامع کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں ان بدمذہبوں کی خوب خبر لی ہے اور ردوابطال کا حق ادا کردیا ہے۔آیئے اس فرقہ شیعہ کے عقائد ونظریات بھی دیکھ لیں اور ایسے باطل عقائد و افکار کے حامل لوگوں سے ہمیشہ دور ونفور رہنے کی کوشش کریں۔

یوں تو علمائے اہل سنت نے متعدد مقامات پر اس گمراہ فرقہ کے ابتدائی دور اور پھر ان کی فسادی تعلیم کے تعلق سے لکھا۔مگر اندازِ ردوابطال اثناعشریہ (از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ) میں ہے وہ اپنی مثال آپ ہے کہ وہاں ہر بات حوالہ کے ساتھ لکھی گئی ہے۔اس لئے اسی کتاب سے چند اقتباسات پیش کئے جائیں گے،تاکہ حقائق کا علم ہوسکے۔

یہ بات تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو فرقے گمراہ ہوکر ہلاک ہوچکے ہیں۔ایک رافضی دوسرے خارجی، رافضی اس لئے ہلاک ہوئے، کہ انہوں نے حضرت علی کو اس قدر بڑھایا، کہ انہیں خدا تک کہہ دیا۔(تحفہ اثناعشریہ) اور خارجیوں نے اس قدر ان سے بغض و عداوت رکھی کہ انہیں کافر کہہ دیا۔

غنیہ شرح منیہ میں ہے امـا لـو كـان مـؤد يا الى الكفر فلا يجوز اصلا كالغلاة من الروافض الذين يدعون الالوهية لعلی رضی الله تعالیٰ عنه او ان النبوة كانت له فغلط جبريل (ص۴۱۴-۴۱۵مطبوعہ لاہور)

مذکورہ دونوں فرقے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوچکے تھے۔ہاں شیعانِ علی جن کی کثرت کوفہ کے اندر تھی اولاً گمراہ وگمراہ گر نہ تھے،مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ اگر ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں ۴۰ھ میں حضرت علی کی شہادت ہوئی، تو یہ شیعانِ علی کے ہاتھوں ۶۱ھ میں میدان کربلا میں شہزادۂ گلگوں قبا جگر گوشہ مصطفیٰ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ اے نفوسِ قدسیہ کی شہادت ہوئی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا، کہ تمہاری حالت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے۔یہودیوں نے ان سے یہاں تک عداوت کی، کہ ان کی والدہ حضرت مریم رضی المولیٰ عنہا پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو اس قدر حد سے تجاوز کرگئے کہ ان کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔(رواہ الحاکم)

نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے پیش نظر حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا، کہ کان کھول کر سن لو، میرے بارے میں بھی دو گمراہ گروہ ہوں گے ایک

میری محبت میں حد سے تجاوز کرے گا اور میری ذات سے ان باتوں کو منسوب کرے گا، جو مجھ میں نہیں ہیں اور دوسرا گروہ اس قدر بغض وعداوت رکھے گا، کہ مجھ پر بہتان لگائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

دورِ حاضر میں خارجی وشیعہ اپنی حالت پر باقی نہ رہے، مگر عداوت ومحبت میں غلو کرنے کی وجہ سے ضلالت وگمراہی سے تجاوز کر کے کفر وشرک اور الحاد وزندقہ کی دہلیز تک پہنچ گئے۔ شیعوں کے بنیادی عقائد اسلامی لباس اسلامی پہننے والے ابن سبا کے ایجاد کردہ ہیں۔ رافضی مصنف لکھتا ہے:

''ابن سبا وہ پہلا شخص ہے، جس نے ابوبکر وعمر وعثمان رضی المولیٰ عنہم کو گالیاں دیں اور سب وشتم کا یہ عقیدہ شیعوں نے ابن سبا سے لیا ہے، ہر شیعہ خلفاء ثلثہ کے خلاف خصوصاً اور عموماً تمام صحابہ کرام کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات رکھتا ہے۔

(مظہر حق کا تاج الفحول صفحہ نمبر ۲۳۵)

عقیدہ اسلامی تو یہ ہے، کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں تحریف اور کمی بیشی کو کچھ دخل نہیں ہوا نہ ہوگا۔

اثنا عشریہ فرقہ جو امامیہ سے ہیں کہتے ہیں، کہ آج کے دن یہ قرآن جو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، بالکل قرآن نہیں ہے۔ بلکہ اس میں بعض الفاظ لوگوں کے داخل کئے ہوئے ہیں اور نہ پورا قرآن ہے، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور ان کی حین حیات باقی تھا۔ بلکہ بہت آیتیں اس سے ساقط کر دی ہیں، کہ اس معاملے میں روایتیں کلینی کی جو ہشام بن سالم اور محمد بن جہم ہلالی سے ہیں۔

اس عقیدے میں بھی مخالفت کتاب اللہ کی صریح کیا، بلکہ اصرح ہے، جیسا کہ قول خدائے تعالیٰ کا بیان کیا جاتا ہے۔ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (یعنی نہیں پہنچتا ہے اس کو باطل نہ سامنے سے نہ پیچھے سے) تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ (اور تنزیل ہے حکیم حمید سے) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (یعنی ہم ہی ہیں کہ ہم نے یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی ہیں حفاظت کرنے والے)

خیال کیا جائے، جس چیز کی حفاظت خدائے تعالیٰ کرے اس میں تغیر وتبدل کو دخل ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی ہے کہ پہنچانا قرآن کا جیسا کہ اترا تھا، ویسے ہی ذمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب تھا۔ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وان لم تفعل فما بلغت رسالته (اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو، تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔ کنز الایمان) اور سب اس بات کا تیقن جانتے ہیں، کہ جو کوئی مسلمان ہوتا تھا اول اس کو قرآن سکھایا جاتا تھا۔ پھر دوسری تعلیم دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ آپ کے سامنے ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا تھا۔ چنانچہ بعض لڑائیوں میں ستر ستر آدمی قاری شہید ہوتے ہیں۔ بعض اس کے ہزاروں مسلمان شہر اور دیہات کے اس کی تلاوت کو اعظم قربات سے جانتے ہیں اور صبح وشام اور نصف شب نماز اور غیر نماز میں اس کو پڑھا کرتے ہیں اور پہلے ہر لڑکے کو قرآن ہی پڑھاتے ہیں قرآن شریف کلینی اور تہذیب نہیں ہے کہ تقیہ کی راہ سے کنج خانہ میں صندوق مقفل میں چھپا رکھا ہو اور تنہائی کے وقت غیروں سے ڈرتے کانپتے ایسا نہ ہو کہ کوئی تورانی آجائے اور دیکھ پائے ایک دو صفحے اس کے چرا چھپا کر دیکھ لے، پھر جب ایسی کتابوں میں الحاق و تغیر پیش نہیں کیا جاتا، تو قرآن میں کیوں کر ہو سکتا ہے۔

اب عزت کی مخالفت اس عقیدے سے ہے، کہ تمام روایات امامیہ میں موجود ہے، کہ جملہ اہل بیت یہی قرآن پڑھتے ہیں اور عام وخاص کے ساتھ اسی کے وجوہ پر تمسک کرتے تھے اور

اسی سے گواہی چاہتے تھے اور اس کی آیتوں کی تفسیر کرتے تھے، وہ تفسیر، جو کہ حضرت امام عسکری کی ہے۔ یہی قرآن ہے لفظ لفظ لڑکوں، کنیزوں، خادموں اور اہل وعیال کو جو تعلیم فرماتے تھے وہ یہی قرآن ہے اسی کے پڑھنے کا نماز میں حکم کرتے تھے اور انہیں باتوں پر غور کر کے شیخ ابن بابویہ اپنی کتاب الاعتقادات میں اس عقیدہ کاذبہ سے دست بردار ہوا اور فارغ خطی دی، اسی سبب سے اس کو صدوق کہتے ہیں (تحفہ اثناعشریہ باب پنجم ص ۲۶۴)

ملک العلماء علیہ الرحمہ مجاہد حق تھے اہل سنت و جماعت کے فروغ وارتقاء میں ہمیشہ کوشاں رہے اور بدعات ومنکرات کے ردو ابطال میں ہمیشہ تگ و دو کرتے رہے اور کیوں نہ، ہو کہ ان کے پیش نظر احادیث مصطفیٰ تھیں کہ بدعات ومنکرات کو دیکھ کر عالم اپنا علم ظاہر کرے اور ان کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کرے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اذا ظهر الفتن او البدع فى امتى ولم يظهر العالم علمه فعليه لعنة الله والناس اجمعين جب میری امت میں فتنہ وگمراہی ظاہر ہو اس وقت میری امت کا عالم اپنے علم کے ذریعے میری امت کی رہنمائی کر کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ نہ کرے تو اس پر اللہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

ذیل میں ملک العلماء کے چند فتاویٰ نقل کئے جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ چند ہیں، مگر معنوی طور پر کافی رہنمائی ان میں موجود ہے۔ فتنہ کی سرکوبی بحسن وخوبی کی گئی ہے، احباب اہل سنت کے تحفظ ایمان کی بھی خوب کوشش کی گئی ہے۔ آج ان قیمتی موتیوں سے ہم اپنی متاع ایمانی کا تحفظ کر سکتے ہیں اور ایمان میں چمک دمک لا سکتے ہیں۔

ملک العلماء سے شیعہ کے بارے میں اور ان کی رسوم کے بارے میں سوال کیا گیا، جو محرم کے مہینے میں ادا کی جاتی ہیں، تو آپ نے تفصیلی جواب اس طرح مرحمت فرمایا۔ جس میں ایسے امام کے بارے میں حکم بھی بیان کیا جو ایسی خرافات کراتا ہو ملاحظہ کریں:

"تعزیہ مروجہ زمانہ کہ مجموعہ صدہا خرافات وہزار ہا واہیات ہے قطعاً بدعت و ناجائز وحرام ہے۔ ذکر شہادت، سراپا سعادت جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین و ملائکہ مقربین و اہل بیت طاہرین وصحابہ معظمین و مشائخ مکرمین ونوحہ ومرثیہ ممنوعہ وتکلف وتصنع غم پروری وسینہ کوبی و گریبان دری وغیرہا محرمات سے خالی ہو۔ بلاشبہ جائز و مستحسن و موجب رحمت ذوالمنن ہے اور اگر شناعات پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ کمانص علیہ العلماء فی کتبہم۔"

یوں ہی، فاتحہ امام علیٰ جدہ الکریم و علیہ السلام ودیگر بزرگان دین واولیاء کرام وسائر اہل اسلام شیرینی مالیدہ، شربت پر ہو یا کسی اور کھانے اور کپڑے وغیرہ پر تنہا فاتحہ ہر طرح جائز و مندوب وموجب اجر ہے۔

تعزیہ کا چڑھایا کھانا سے اگر یہ مراد کہ اس فاتحہ کا ثواب تعزیہ کو پہنچایا گیا ہو، تو اس میں قرآن شریف کی بے ادبی خصوصاً اس حالت میں کہ تعزیہ میں براق یا کسی کی شکل بنی ہو سخت اساءت ادب ہے۔ مگر تب بھی اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اس کو امام بنانا گناہ ہے، کہ ایسے شخص کے فسق میں شک کہ تعزیہ وعلم شدہ بنانا، اس کی زیارت کو جانا، اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھانا، ایام محرم میں مثل روافض مرثیہ خوانی کرنا، بلکہ اس میں سرگرم رہنا شیعوں سے میل جول، سلام و کلام، ان سے مواکلت، مشاربت کرنا، ان کی ناپاک مجلس میں شریک ہونا، کہ تبرا سے خالی نہیں ہوتی، ان کے یہاں کھانا کھانا، ان سے تبرک جاننا، اپنی مجالس میں ان خبثا سے مرثیہ پڑھوانا، مجلس میں

رونے پیٹنے کی غرض سے مرد عورتیں فراہم کرنا اور معاذ اللہ ان سب باتوں کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب جاننا اور کسی بزرگ کے نام سے کسی مسلمان کا چھڑی، نشان، جھنڈا قائم کرنا یا معاذ اللہ گور مصنوعہ قائم کرنا کس قدر سخت حرام ہے۔

حدیث میں ہے من زار قبرًا بلا قبور فھو ملعون جو جھوٹی مصنوعی قبر کی زیارت کو جائے وہ ملعون ہے۔ اس مصنوعی قبر پر جو کچھ روپیہ پیسہ، اشرفی، مٹھائی، چادر وغیرہ چڑھائی گئیں ہوں ان کا حکم لقطہ ہے۔ یعنی ملک مالک سے وہ زائل نہیں ہوتی ہے، بے اجازت صراحۃً یا دلالۃً لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔ صراحۃً کا یہ معنی ہے، کہ مالک وقت چڑھانے کے یہ کہہ دے کہ جو اسے لے لے وہ ہی مالک ہے، تو اگر لینے والے کو مالک کے اس قول پر اطلاع ہوا اور وہ اسی بنا پر لے تو مالک ہو جائے گا۔ (فتاویٰ ملک العلماء، ص:۴۶۴، ۴۶۵)

ملک العلماء سے ایک اور سوال میں روافض کے گھر کے کھانے سے متعلق حکم دریافت کیا گیا، تو آپ نے اس طرح رہنمائی فرمائی "اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس کھانے میں کچھ ناپاک شئے ملا دی ہے، تو ظاہر ہے، کہ اس کا کھانا حرام ہے قطعی قال اللہ تعالیٰ عز و جل "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ (الاعراف ۱۵۷) (اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا) اگر یقیناً نہ بھی ہو معلوم، بلکہ بالفرض اس کا وہم بھی نہ ہو تب بھی روافض و دیگر مرتدین بلکہ تمامی اہل ہوا اور مبتدعین کے یہاں کھانے سے احتراز لازم کہ یہ میل جول ہے اور ان سے میل جول ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

لا تجالسوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تناکحوھم ان کے پاس نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ نہ کھانا پینا، نہ شادی بیاہ کرنا رواہ العقیلی واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ ملک العلماء، ص:۴۷۷)

بے شک ملک العلماء متصلب سنی حنفی تھے اور باطل عقائد و نظریات سے اہل سنن کو دور رکھنا چاہتے تھے اور ان عقائد و افکار کو پھیلانے والوں سے سنیوں کو بچانا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے، جب ان کے پاس ہی نہ بیٹھیں گے، تو ان کی تعلیمات و معمولات پر بھی عمل نہیں کریں گے۔ ایک جگہ اور مرثیہ اور تعزیہ کے تعلق سے رقمطراز ہیں:

تعزیہ داری رائج الوقت قطعا بدعت و ناجائز و حرام ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں "یہ مرثیے کہ رائج ہیں مطلقاً حرام ہیں اور ان کا پڑھنا سننا اور سینہ کوبی و ماتم و نوحہ سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے، نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المراثی ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیوں سے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس طرح کے فتاویٰ سے اندازہ ہو گیا، کہ رد شیعیت میں حضور ملک العلماء نے خوب کوشش فرمائی اور ایسے ناجائز کاموں کے رائج کرنے والوں کی مذمت کی نیز خوش عقیدہ مسلمانوں کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ کرنے کی مساعی جمیلہ فرمائی۔

☆☆☆

فن مناظرہ میں ملک العلماء کا مقام

از قلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی علیہ الرحمہ ۱۳۱۲ھ میں بریلی شریف حاضر ہوئے، ۱۳۲۵ھ تک امام احمد رضا سے اخذ علم وفیض کرتے رہے، فارغ ہوتے ہی جامعہ منظر اسلام میں مدرس مقرر ہوئے، جہاں آپ ۱۳۲۹ھ تک درس دیتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ میں امام احمد رضا کے حکم سے جامع مسجد شملہ پھر مدرسہ حنفیہ فیض الغربا آرا اور پھر وہیں سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ تشریف لے گئے۔ شوال یا ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں خانقاہ کبیریہ سہسرام بلائے گئے۔ ۱۳۳۸ھ کے آخر میں مدرسہ شمس الہدیٰ کے ارکان کے باصرار بلانے پر دوبارہ پٹنہ تشریف لائے۔ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو امام احمد رضا کے وہ نورنظر، "جان پدر بلکہ از جان بہتر" اللہ کو پیارے ہوئے۔ خدا جانے والے کو خوش رکھے۔ (آمین)

ملک العلماء نہایت باکمال مدرس، معتمد مفتی، بے مثال خطیب، بے جوڑ مصنف، علم ہیئت وتوقیت اور علم الافلاک میں بے تاج بادشاہ، تفسیر وحدیث اور فقہ میں لاثانی، مفسر ومحدث وفقیہ اور فاتح وغالب مناظر اسلام تھے، ملک العلماء جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی کے سرپرست اور شعبۂ مناظرہ کے صدر تھے۔ (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، بحوالہ سہ ماہی افکار رضا، ممبئی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء) کمال تو یہ ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے، جو انفرادی طور پر دوسرے لوگوں کیلئے وجہ افتخار اور شان امتیاز بنی ہوئی ہیں۔ ذیل کی تحریر میں اختصاراً صرف مناظرانہ خوبیوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

بائیس سال کا مناظر اور بے مثال مناظرہ، چونکہ ملک العلماء ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۲۵ھ میں درسیات کی تکمیل فرمائی، ۱۳۲۶ھ میں امام احمد رضا نے مدنی جبہ اور خاص دعا دے کر انہیں مناظرۂ میوات کے لیے روانہ فرمایا۔ اس وقت آپ اپنی عمر کی تیئسویں بہار سے گزر رہے تھے۔ ملک العلماء تشریف لے گئے، تو باطل کے پرستار چار زانو چت ہوگئے اور ملک العلماء فتح وظفر کی دھوم مچاتے بریلی واپس لوٹے، ذرا قدرے تفصیل میں خود ملک العلماء کی زبانی سنئے:

"۱۳۲۶ھ ملک میوات میں وہابیہ دیوبندیہ نے بہت اودھم مچا رکھا تھا اور بے چارے سیدھے سادھے میواتیوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسانا چاہتے تھے کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین صاحب الوری نے مولوی احمد حسین خان صاحب رامپوری مقیم درگاہ معلی اجمیر شریف اندرون حجرہ نواب رامپور کو کسی عالم مناظر کو لینے کے لیے بریلی بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف بریلی حاضر ہوئے اور اعلیحضرت سے وہاں کے حالات عرض کیے، اس وقت اعلیحضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرگا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے، آپ مولانا کے

ساتھ تشریف لے جائیے اور وہابیہ کو شکست دیجئے۔ میں نے عرض کیا، تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں، حضور کی دعا کی ضرورت ہے۔ حضور کی دعا شامل حال رہی تو انشاء اللہ وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰحضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک ادنیٰ جبہ لا کر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ اعلیٰ حضرت کی دعا اور اس جبہ مبارکہ کی یہ برکت ہوئی کہ وہابیہ کی طرف سے متعدد صاحبان مناظرہ کیلئے آئے تھے، ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے، جو بقول خود تین چار سال مکہ معظمہ میں قیام بھی کر چکے تھے اور اسی بناء پر بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ تقریریں سب عربی میں ہوں، ادھر سے کہا گیا کہ یہ مجلس مناظرہ ہے، دونوں طرف کی عوام بکثرت شریک جلسہ ہوئے ہیں، عربی میں فریقین کی تقریر ہونے سے یہ کیا سمجھیں گے، لیکن وہ نہیں مانے اور اسی پر اصرار کیا۔ دو تین فریقین کی تقریریں ہوئی تھیں کہ مولوی صاحب موصوف تقریر کرتے کرتے بول اٹھے: والناس فی مہنہ مولوی احمد حسین خان صاحب رامپوری نے فوراً ٹوکا، مولانا یہ تو فصیح عربی نہیں ہوئی، فصیح عربی والناس لی مجھنہ ہے۔ کیا ایسی ہی عربی مکہ معظمہ سے سیکھ کر آئے ہیں؟ اس پر زبردست قہقہہ پڑا اور مولوی صاحب کھسیانے سے ہوگئے۔ اس کے بعد بقیہ تقریر اردو میں کی، پھر فریقین کی تقریریں عربی کی جگہ اردو میں ہی ہونے لگیں، جب ابتدائی مباحث طے ہوگئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کا جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے، تقاضے پر تقاضے ہوئے، مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹا۔ تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے، آخر ثالث و حکم صاحب نے کہا، مولانا کچھ تو بولیئے تا کہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے، اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے، آخر مجبوراً ان لوگوں نے بھی اعلان کیا: صاحبو! آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں، جب علمی باتوں کی نوبت آئی، مولانا ظفر الدین صاحب نے جو سوالات کئے ان کے جواب میں ان تمام علماء نے سکوت محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹہ وقت صرف کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں، ورنہ کس دن کے لیے اٹھا رکھتے۔ ان لوگوں کا مذہب باطل اور مولوی شاہ امین الدین صاحب، مولوی شاہ ارشاد علی صاحب، مولوی ظفر الدین صاحب، مولوی احمد حسین خان صاحب وغیرہ علماء کا مذہب حق ہے۔ آپ لوگ آتے وقت دور دراز سے الگ الگ داخل ہوئے تھے، اب سب لوگ متفق ہو کر اس دروازہ سے مولوی ظفر الدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جائیے۔ چنانچہ ان چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علمائے اہلسنت کے ساتھ ساتھ آئے۔ والحمد للہ علی ذلک جب بخیر کامیابی کے ساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰحضرت کو اس مناظرہ کی روداد سنائی اور ان لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں کہ مناظرہ کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کر دیئے جائیں۔ وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسے پسند فرمایا اور اس رسالہ کا تاریخی نام "پکے نجدی کا چپ مناظرہ ۱۳۲۶ھ" رکھا اور جناب مولانا حسن رضا خان نے اس کا تاریخی نام 'شکست سفاہت ۱۳۲۶ھ' رکھا، چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔"

(حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول ص ۵۴ تا ۵۶ مطبع رضوی)

وہ دور مناظرانہ ہنگامہ آرائیوں کا آئینہ دار معلوم

ہوتا ہے، شاید اسی لیے جگہ جگہ اور بات بات پر مناظرہ ہوا کرتا تھا۔ شرار بولہبی چراغ مصطفوی بجھانے کے درپے رہا ہوگا، مگر وہ شمع کیا بجھتی، بلکہ اس کی لو اور تیز ہوگئی۔ دشمن دین کے سینکڑوں نہیں نکالنے کے باوجود دین حنیف کا دریا روز افزوں موجزن ہی رہا، امام احمد رضا کے ایک مکتوب گرامی کا یہ حصہ ملاحظہ کیجئے، جس سے مناظرے کی ہما ہمی، ملک العلماء کی مستعدی اور اس پر امام احمد رضا کا اظہار مسرت کا اندازہ ہوتا ہے:

''وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا، بھاگلپور، فیروزآباد، راندیر۔ بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا، یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروزآباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ وہاں حاجت نہ ہوگی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا، وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فاتحانِ بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں، مگر انہوں نے وہاں کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لیے تیار رہیں، میرے تار کا انتظار کریں۔'' (مکتوب امام احمد رضا بنام ملک العلماء، محررہ رجب المرجب ۱۳۲۶ھ حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبع مکتبہ رضویہ ص ۲۷)

''آپ کی مستعدی پر بحمدہ تعالیٰ بہت جی خوش ہوا، جزاکم اللہ خیراً وبارک فیکم وبکم ولکم وعلیکم''۔

(مکتوب رضا بنام ملک العلماء محررہ ۲۲ رجب ۱۳۳۶ھ حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۷۹)

جریدہ ''دبدبہ سکندری'' رامپور، ۲۰ جون ۱۹۲۵ء کے حوالے سے مولانا محمد ادریس رضوی، ایم اے لکھتے ہیں: ''موضع پٹنہ ضلع نوگرا میں مناظرہ کے لیے دونوں جانب سے خوب تشہیر کی گئی تھی، سنیوں نے ملک العلماء کی آمد پر ان کا شاندار استقبال کیا، غرض کہ مناظرہ شروع ہوگیا، ابتداً چند تحریرات کی آمد و رفت بزبان عربی ہوئی، جس سے غیر مقلدین کا مقصود علمی موازنہ تھا۔ مناظرہ کا وقت ایک بجے سے پانچ بجے تک کا تھا۔ ملک العلماء اسٹیج پر رونق افروز تھے اور غیر مقلدین کو بھرے مجمع میں چیلنج پر چیلنج کر رہے تھے۔ مگر افسوس کہ وقت مقررہ پر میدان میں شیر اہلسنت کو دیکھ کر کوئی بھی نہ آیا۔ حاضرین سے تمام جلسہ گاہ بھری ہوئی تھی، ہر ایک گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھتا اور پھر رہ جاتا تھا۔ غیر مقلدین کے مناظرین نے سنی شیر کو بلا تو لیا، مگر سامنے آنے کا یارانہ تھا۔ غیر مقلدین مناظرہ جلسہ میں نہ آئے اور سب نے راہ فرار اختیار کی۔ ان کے نہ آنے پر عوام بہت متاثر ہوئے اور یہ سمجھ گئے کہ سنیوں کی بات بالکل حق ہے اور یہی صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ فوراً دو سو آدمیوں نے وہابیت اور غیر مقلدیت سے توبہ کی اور اسلام میں داخل ہوگئے۔'' (سہ ماہی افکار رضا ممبئی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۳۶)

رمضان ۱۳۳۴ھ میں ملک العلماء پٹنہ سے بریلی تشریف لائے اور حسب عادت امام احمد رضا کی تصانیف میں تبییض و ترتیب میں لگ گئے۔ اس دوران کلکتہ سے ناصر ملت الحاج لعل محمد خاں علیہ الرحمہ کا اعلیٰ حضرت کے پاس خط آیا، ملک العلماء کو فوراً کلکتہ روانہ کیا جائے، یہاں دیوبند کے تربیت یافتہ مولوی ولی اللہ مناظرے کا چیلنج دیتا پھرتا ہے۔ امام احمد رضا نے انہیں بیس روپے دے کر کلکتہ روانہ فرمایا۔ کچھار رضا کے اس شیر کے پہونچتے ہی مولوی موصوف کا پتہ پانی اور اس کے حوالی موالی کے جذبات ہرن ہوگئے۔ اس کا بیان ملک العلماء کے قلم سے پڑھیے:

''۱۳۳۴ھ میں جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں

مدرس اول تھا، رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت عم ہیئت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اور میں اسے صاف کر رہا تھا۔ ارادہ تھا کہ رمضان المبارک تمام کر کے شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس آ جاؤں گا، لیکن اوخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خان صاحب مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے، حضور والا مولانا ظفر الدین صاحب کو روانہ فرمادیں۔ اس وقت وہ کتاب قریب ختم تھی، اعلیٰحضرت نے دو دن میں اس کو تمام کر دیا۔ لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کر دیجئے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لیے سواری آ گئی، اعلیٰحضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپئے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال آپ عید میں یہیں رہیں گے، بچوں کیلئے یہ روپئے نذر ہیں۔ مجھے شرم آئی کہ طلب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو میں نوکر ہوں، میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپئے وصول کروں۔ میں نے کچھ تامل کیا، اعلیٰحضرت نے باصرار عنایت فرمایا، میں نے قدمبوسی کرتے ہوئے وہ روپئے لے لیے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہونچے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا، اب کس میں مناظرہ کا دم ہے، اعلیٰحضرت کی دعا کا اثر ہے۔''

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے — اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

مفصل کیفیت اس زمانہ میں حاجی عبدالرحمٰن مارواڑی کے نام سے رسالہ ''گنجینۂ مناظرہ'' ۱۳۳۴ھ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ کلکتہ کے قیام میں میں نے اس رسالۂ مبارکہ کو جس کا نام تسہیل التعدیل صاف کر کے اصل و نقل دونوں بنام اعلیٰحضرت بصیغۂ رجسٹری روانہ کر دیا۔ (حیات اعلیٰحضرت، ص ۴۸ تا ۴۹)

جامعہ اشرفیہ کے ہونہار مدرس مولانا ارشاد احمد مصباحی نے ملک العلماء کے قیام سہسرام پر ایک مفید معلوماتی مقالہ لکھا تھا، جو ''ملک العلماء اور علمائے سہسرام'' کے عنوان سے ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور، شمارہ جون ۱۹۹۹ء میں چھپا، محترم مقالہ نگار لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ حضرت ملک العلماء کے سہسرام میں قیام کا زمانہ ۱۳۳۳ھ کے آخر سے لے کر ۱۳۳۸ھ تک ہے۔

ملک العلماء نے سہسرام کے قیام میں ایک مناظرہ کیا، جس کی روداد ''گنجینۂ مناظرہ'' کے نام سے ۱۳۳۴ھ میں چھپی تھی۔''

مصنف کا یہ لکھنا ملک العلماء کے بیان کی روشنی میں بے وزن ہو جاتا ہے، یہ مناظرہ قیام پٹنہ کا ہے اور مزید وضاحتیں ''آئینہ مکتوبات رضا'' میں دیکھیے۔

''فتح مبارک ہو پہلے ہی معلوم تھا، مگر ہمارے حاجی صاحب کا استعجاب جس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ یہاں سے چلے گئے...... سنیوں کی عام حالت یہ ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے، انہیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے، افلاس کا مرض ہے۔ ورنہ کلکتہ میں حمایت دین کے لیے، دو ہزار روپئے ماہواری بھی کوئی چیز تھے، ادھر مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت میں نے سنا کہ ۱۶ ر ہزار روپئے کی سالانہ جائداد اس کے لیے وقت ہے، اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔''

مکتوبات امام احمد رضا بنام ملک العلماء بزمانہ قیام کلکتہ محررہ ۲۶ر ماہ مبارک ۱۳۳۷ھ)

مکتوب رضا کے اس حصے سے جہاں سنیوں کی غربت و بے حسی اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے، وہیں

ملک العلماء کی صلاحیت وسرگرمی کا پتہ بھی چلتا ہے اور یہ بھی کہ اب پٹنہ سے کلکتہ تشریف لے گئے تھے، ناصر ملت الحاج لعل محمد خان علیہ الرحمہ کے نام خط میں بھی یہ جملہ ملتا ہے۔ ''مدرسہ شمس الہدیٰ کے لیے آدمی وہی تجویز کریں، مجھے اطلاع دیں۔''

(مکتوب امام احمد رضا بنام حاجی لعل خان محررہ شوال المکرم ۱۳۳۴ھ حیات اعلیحضرت ص ۲۷۱)

خطوط کے ان دونوں ٹکڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کلکتہ ملک العلماء کے حد درجہ متعکف وگرویدہ تھے کہ اس زمانہ میں دو ہزار کی پیش کش کی تھی اور ملک العلماء جیسے عالم کا ملنا نہایت مشکل تھا اس کی نشاندہی مکتوب رضا کا یہ جملہ کرتا ہے۔ ''افسوس کہ ادھر نہ مدرس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار۔ ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں۔'' (حیات اعلیحضرت ص ۲۷۰) ملک العلماء کے بیان اور مکاتیب رضا کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ملک العلماء سہسرام شوال، ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں تشریف لے گئے۔

حضرت ملک العلماء نہ صرف مسلم نما جوفروشوں کا بخیہ ادھیڑتے، بلکہ اپنے علمی اور منطقی استدلالات سے آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین پر بھی چھا جاتے تھے، مشہور آفاق فاضل، محقق اور نقاد وقلمکار پروفیسر علامہ مختار الدین احمد صاحب آرزو رقم طراز ہیں:

''میرے بچپن میں وہ (ملک العلماء) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرہ کے لیے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرہ کے لیے بھی وہ دور دراز علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرہ کیلئے وہ برما بھی تشریف لے گئے۔'' (حیات ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری، صفحہ ۱۰، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۹۹۲ء)

مولانا محمد ادریس رضوی ایم اے کے بقول:

''ملک العلماء نے آریاؤں، قادیانیوں، وہابیوں، دیوبندیوں اور دوسرے فرقہائے باطل کے اکڑفوؤں سے متعدد مناظرے کیے اور ہر جگہ سے کامیاب اور کامران لوٹ کر آئے، سنیت کے شیر پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کو بھی ناز تھا۔'' (سہ ماہی افکار رضا، ممبئی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء)

'تذکرہ علمائے اہل سنت' کے مؤلف مولانا محمود احمد قادری کی تحقیق کے مطابق ملک العلماء کی تعداد کتب ۱۶۰ ہے۔ جب کہ ملک العلماء کے نامور فرزند ڈاکٹر مختار الدین آرزو اپنے نیک نام والد ماجد کے رشحات قلم کی تعداد ۷۰ بتاتے ہیں، لیکن یہ فہرست یقینی نہیں، جیسا کہ ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے۔ درج ذیل کتابیں ملک العلماء کی فن مناظرہ میں ملتی ہیں، جو صاحب سیرت کے علم مناظرہ میں عبور وکمال اور مہارت وبصیرت کی کھلی شہادتیں ہیں۔ ۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) الحسام المسلول علی منکر الرسول ۱۳۲۳ھ (۳) شکست سفاہت ۱۳۲۶ھ (۴) نجم الکنز علی الکلاب المطر ۱۳۲۸ھ (۵) النبر اس لدفع کلام النہاس (۶) رفع الخلاف من بین الاحناف ۱۳۳۲ھ (۷) کشف الستور عن مناظرۂ رامپور ۱۳۳۴ھ (۸) گنجینۂ مناظرہ ۱۳۴۴ھ (۹) ظفر الدین الطیب۔

یوں تو ان کتابوں کے ناموں سے مفاہیم کچھ ظاہر ہیں، مگر فی الوقت یہ تمام علمی شہ پارے چشم مطالعہ اور اس قلم کی گرفت سے باہر ہیں۔ اسباب مناظرہ، روداد مناظرہ اور احوال ووجوہ نہ جاننے کی بناء پر راقم اثم تعارف وتبصرہ سے دست کش ہونے ہی میں عافیت سمجھتا ہے، البتہ 'ظفر الدین الجید' کے بارے میں حیات ملک العلماء کے مؤلف علام لکھتے ہیں:

''کذب باری سبحانہٗ وتعالیٰ، علم غیب اور دوسرے مسائل کے متعلق جن میں علمائے بریلی اور علمائے دیوبند میں اختلافات

ہیں، سوالات، جسے مولانا ظفر الدین قادری نے مرتب کر کے مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں بریلی میں پیش کئے، اس رسالے میں ان سے ملاقات کا حال اور دوسرے بعد کے کوائف بھی درج ہیں۔ یہ رسالہ انہوں نے ۱۴؍جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں مرتب کیا تھا۔"

"(حیات ملک العلماء مشمولہ صحیح البہاری ص ۱۸ مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۹۲ء)

ملک العلماء کے پہلودار، گوشہائے حیات کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ دین وسنیت کے درمند اور خواجہ تاشان رضویت کے عظیم محسن ہیں، علوم وفنون میں وہ امام احمد رضا کے مظہر اور فکر قلم کے پرتو ہیں۔ خدمت اسلام اور افکار رضا کی تشکیل وترسیل اور نقابت وحفاظت میں جس جان سپاری سے انہوں نے جو گرانقدر کارنامہ انجام دیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملک العلماء کے احوال حیات اور علمی آثار میں سے کسی ایک پہلو پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بآسانی تیار ہوسکتا ہے۔ چہ جائے کہ وہ اس طرح بیسیوں پہلوؤں کے جامع تھے۔ کاش! کوئی مخلص فاضل اٹھے اور تحقیقی نظر سے ان کی حیات وخدمات کا جائزہ لے۔

☆☆☆

حضرت ملک العلماء: ایک عظیم مناظر

ازقلم: مفتی محمد عابد حسین قادری رضوی نوری برکاتی مصباحی، شیخ الحدیث مدرسہ فیض العلوم، جھارکھنڈ

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں (اعلیٰ حضرت)

حضور ملک العلما سید شاہ محمد ظفرالدین قادری رضوی بہاری علیہ الرحمۃ الباری کا شمار ہندو پاک کے متبحر عالم، ماہر مفسر، ممتاز محدث، نقاد فقیہ، معتمد مفتی، مایہ ناز مصنف، نکتہ سنج مناظر اور قادری برکاتی رضوی مشرب کے یکتائے روزگار ولی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ حضور ملک العلماء ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ بمطابق ۱۸۸۰ء کی عین صبح صادق کے وقت اس خاکدان گیتی پر جلوہ بار ہوئے۔ ۱۹ رجمادی الآخری ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹۶۲ء کی شب ذکر جہر ''اللہ اللہ'' کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور فرمان رب العلیٰ: ''ان الذین قالو ربنا الله ثم استقامو تتنزل علیهم الملائکة الا یة.'' اور فرمان رسول ''من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة'' کے بموجب رحمت و غفران اور جنت نعیم کے حق دار ہوئے۔

علم و عمل کے اس بے تاج بادشاہ کے بارے میں آیۃ من آیات اللہ، معجزۃ من معجزات رسول اللہ، نائب غوث الوریٰ، قطب عالم سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اپنے ایک محب خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور کے نام ۱۳۲۸ھ کے ایک خط میں ارشاد فرمایا تھا:

''سنی، خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔''

اس تحریر میں حضرت ملک العلماء قدس سرہ کی عبقری شخصیت کے متنوع، ہمہ جہت اور جامع الصفات ہونے کا ایک محتاط محدث و محقق نے ذکر کیا ہے۔ لہذا جو کچھ کہا گیا ہے، وہ بلاشبہ حق و صواب ہے۔ لیکن سر دست ان صفات میں سے صرف ایک صفت جلیلہ مناظرہ کی جہت سے اس سگ بارگاہ قادریت کو گفتگو کرنی ہے۔ کیونکہ پیر طریقت سراج ملت الحاج سید سراج اظہر رضوی صاحب نے اس فقیر کو اسی موضوع کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ لہٰذا میری تمام تر گفتگو بعد تمہید اسی محور پر گردش کرے گی۔

حضرت ملک العلماء ان سادات کرام میں شمار کئے جاتے ہیں، جنھیں ملک برادری سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جن کا سلسلۂ نسب کئی پشتوں کے بعد محبوب سبحانی، قطب ربانی حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت ملک العلماء کو رب ذو المنن کی طرف سے ان کے جد اعلیٰ غوثیت مآب کے فیوض و برکات سے حظ وافر ملا، پھر ان کے طفیل سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی صحبت کیمیا اثر کے فیضان سے ایسا مالا مال ہوئے کہ علوم و فنون اور جامع صفات ہونے میں نابغہ روزگار ہوئے گئے۔ قادری رضوی برکاتی فیضان سے ایسے سرشار ہوئے کہ بیسیوں مناظروں کا سامنا کیا۔ مگر کبھی ہمت نہ ہاری اور دشمنوں کو شکست فاش

دے کرانہیں ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ وہ گونا گوں خصوصیات سے مزین تھے، مگر میدان مناظرہ میں انفرادی شان کے مالک تھے۔ ان کے علم وعمل، طہارت وتقوی اور گونا گوں خوبیوں سے حد درجہ متاثر ہو کر آج سے تقریباً آٹھ دس سال پہلے میں نے ایک مضمون لکھا تھا۔ لیکن بروقت سطح ذہن پر نہیں کہ کس رسالہ میں مطبوع ہوا۔ آج مجھے بے حد مسرت وشادمانی ہو رہی ہے کہ برسوں کا جمود ٹوٹا، علماء کرام بیدار ہوئے اور ان کی شخصیت پر کام کرنے کے لئے خم ٹھونک کر تیار ہو گئے ہیں۔

مذکورہ مکتوب میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کئی نمایاں کمالات کے ساتھ ساتھ مناظر ہونے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مناظر وہی ہو سکتا ہے، جو کئی علوم وفنون پر مہارت وملکہ اور دسترس رکھتا ہو۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ مدمقابل کس علم سے متعلق سوال کھڑا کر دے، پھر یہ کہ خصم کی کتابیں نظر کے سامنے مستحضر ہوں، طباع، حاضر دماغ اور حاضر جواب ہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے اکابر کے طفیل کم عمری ہی میں انہیں فن مناظرہ کی صلاحیت کا حامل اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ کا ہمالہ بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے جھروکے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اپنی بیس سال کی کم عمری میں یعنی اپنے دور طالب علمی ہی سے بدمذہبوں کے بڑے سے بڑے چغادری سے مناظرہ کرنے لگے تھے۔ جب کہ اس عمر میں مناظر ہونا تو دور کی بات ہے۔ عام طور پر آدمی بارعب، ہمت ور اور ذی صلاحیت عالم نہیں بن پاتا۔ مگر آپ زندگی کی دوسری دہائی میں مناظرہ کر رہے ہیں۔ عام مولوی سے نہیں بلکہ دیوبندی، وہابی کے مانے ہوئے گرو، ان کے بڑے مولانا، بڑے متجد داشرفعلی تھانوی سے، خط وکتابت سے غائبانہ نہیں، دوبدو، روبرو۔ اور ایسا کہ اس کا ناطقہ بند کر دیتے اور یہ عذر کرنے پر مجبور کر دیتے کہ "میں اس فن میں جاہل ہوں اور میرے اساتذہ بھی الخ۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت والا اس کامیابی کو اپنی کامیابی نہیں سمجھتے، دین کی کامیابی تصور کرتے۔ روداد مناظرہ کا کتنا اچھوتا نام رکھتے ہیں ' ظفرالدین الجید' یعنی دین اسلام کی اچھی کامیابی۔ اور دوسرے رسالے کا 'ظفرالدین الطیب' یعنی دین کی بہترین کامیابی۔ حق ہے، جو دین کی کامیابی اور سربلندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سرخرو کامیاب اور سربلند کر دیتا ہے۔ مولانا سید محمد ظفرالدین کو ہر موڑ پر فلاح وظفر کیوں نہ ملے، ان کے شیخ ومربی نے ان کے حق میں خاص اپنے مولی کی بارگاہ اقدس میں استغاثہ کیا ہے۔ میرے ظفر کو اپنی ظفر دے۔ ان سے شکستیں کھاتے یہ ہیں پھر دیگر اصحاب واحباب میں انہیں شامل فرما کر آخر میں بارگاہ محبوبیت میں یوں عرض کناں ہیں۔

ان پہ کرم رکھ سر پہ قدم رکھ — تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے ہی گدا ہیں تجھ پہ فدا ہیں — تیرا ہی کھاتے گاتے یہ ہیں

(الاستمداد، اعلیٰ حضرت)

شفیق استاد شیخ کامل کی شاگرد نوازی اور اس سے سرشار شاگردوں کے مقابل وہابیوں دیوبندیوں کی گھبراہٹ کا اندازہ لگانے کیلئے یہ شعر بھی ملحوظ خاطر رہے۔

بلکہ رضا کے شاگردوں کا — نام لئے گھبراتے یہ ہیں

ہاں ابھی تین سال بھی نہ گزرے، ابھی عمر کی تیسویں بہار میں داخل ہیں، ۱۳۲۶ھ کا سال ہے کہ میوات نواح فیروز پور جھرکا میں وہابیوں نے شور وغوغا کا طوفان مچا رکھا ہے۔ سنیوں سے مناظرہ کریں گے۔ مباحثہ کریں گے۔ شکستیں دیں گے۔ پھر انہیں زمین پر رہنے نہ دیں گے۔ میوات میں اپنی فیض بخشیوں کا ابر

نیساں برسانے والے مولانا صوفی رکن الدین الوری اور مولانا احمد حسین خاں رامپوری کے استدعا پر امام اہلسنت آپکو میوات جانے کا حکم دیدیتے ہیں۔ وہابیہ کی ٹولی جمع ہے۔ ایک وہ بھی ہے، جو مکہ مکرمہ میں کئی سال رہ چکا ہے۔ اپنی عربی دانی پر نازاں وفرحاں ہے۔ زبان عربی میں مناظرہ کرنا چاہتا ہے۔ حضرت ملک العلما بھی اس سے عربی زبان ہی میں مناظرہ کرتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اسکے سر سے عربی دانی کا بھوت اتار دیا۔ وہابیوں کو پانی پانی کر دیا۔ کیا وہابی ہو کہ ہندی سب کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی۔ آپ نے چند سوالات ہی رکھے کہ سناٹا چھا گیا۔ نہیں نہیں ہمیشہ کے لئے چپ شاہ بن گئے سب میدان ہار گئے۔ ہمیشہ کے لئے راہ فرار اختیار کر گئے۔ حضرت ملک العلماء میدان سر کر کے بریلی شریف واپس آئے اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے بعد اپنے مرشد واستاذ امام عشق ومحبت کو پیغام فتح سنا کر شاداں وفرحاں کیا، روداد مناظرہ تیار کی، امام عشق نے اس کا تاریخی نام 'پکے نجدیہ کا چپ مناظرہ رکھنا' پسند فرمایا اور استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 'شکست سفاہت' رکھا۔ (دیکھئے حیات اعلیٰ حضرت نسخہ قدیمہ ۵۵۔۵۶)

ابھی ملک العلماء تیسری دہائی سے گزر رہے ہیں۔ ۱۳۳۴ھ کا سال آیا۔ کلکتہ کا ایک بدعقیدہ بڑا مولوی، سنی، حنفی مسلمانوں کو چیلنج کر رہا ہے۔ میں تمہارے علماء سے مناظرہ کروں گا۔ سنیوں کے قلوب کی دھڑکن، محسن ملت جناب حاجی لعل محمد خاں مدراسی مرحوم، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ عالی میں حضرت ملک العلماء کی بابت خط یا تار بھیجتے ہیں اعلیٰ حضرت حکم فرماتے ہیں، موصوف کلکتہ پہنچ جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے دھاڑتے ہوئے شیر کی بدعقیدہ مولوی تاب نہیں لاتا اور روپوش ہو جاتا ہے۔ پھر کیا تھا، سنیوں کا بول بالا اور دشمنوں کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔ چند دن انتظار کرتے ہیں، پھر اس کی روداد وسرگزشت 'گنجینۂ مناظرہ' کلکتہ ۱۳۳۴ھ کے نام سے ترتیب دیتے ہیں۔ (مقدمہ صحیح البہاری مصنفہ پروفیسر مختار الدین آرزو، وماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف بابت دسمبر ۲۰۰۸)

یہ تو آپ کے مناظروں کی جھلکیاں ہیں۔ ورنہ اتنی کثیر تعداد میں مناظرہ کئے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بلاشبہ علوم کے بحرذخار تھے، بے باک مناظر اہلسنت تھے، پختہ کار، مشاق مناظر، مناظرہ ان کا خاص میدان تھا۔ اسی لیے انھوں نے صرف غیر مقلد وہابیوں اور مقلد وہابیوں (اہل دیوبند) سے مناظرہ نہ کیا، بلکہ آریہ سماج سے بھی اور عیسائی مبلغین سے بھی اعلاء کلمۃ الحق کے لئے بطریق احسن مناظرہ کیا، طویل مسافتیں طے کیں اور میدان جیت کر لوٹے۔

اگر ذہن پر بار نہ ہو، تو اس حوالے سے حیات ملک العلماء کے دو محققین کے اقتباسات کو زیر نظر کرتے چلیں۔ پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب رقم طراز ہیں:۔

''مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ سماج اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین سے مناظرہ کے لئے وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرہ کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے۔'' (مقدمہ صحیح البہاری ص ۱۰)

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

''مناظرے کے لئے وہ میوات جائیں، کلکتہ جائیں، برما جائیں، مدراس جائیں، رام پور جائیں، بنارس جائیں، کہاں کہاں جائیں، آریہ سماج سے مناظرہ کریں، کیا کیا کریں؟ روداد سفر لکھیں یا سرگزشت مناظرہ لکھیں۔''

(ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، بابت دسمبر ۲۰۰۸ء ص ۲۱)

حاصل یہ کہ حضرت ملک العلماء نہ صرف منقولات بلکہ معقولات پر بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے، بلکہ اپنے استاذ و مرشد کے فیضان سے مالا مال ہو کر بیسیوں علوم و فنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ علم توقیت و ہیئت، فقہ و افتا، تفسیر و حدیث اور منطق و فلسفہ پر کافی عبور و دسترس انہیں حاصل تھی اور علم کلام و فن مناظرہ میں اپنے اقران پر بھاری تھے۔ ان علوم میں آپ کی مہارت تامہ پر اگر دوسرے قلمکاروں کی تحقیقات سامنے نہ بھی آئیں، تو صرف آپ کی تصنیفات ہی شاہد عدل ہیں۔ جو سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ حضرت ملک العلماء اور آپ کے معاصرین کو قطب عالم مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جن القاب سے یاد فرمایا، اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے خوب خوب ظاہر کر دکھایا کہ بلاشبہ آپ آیۃ من آیات اللہ، معجزہ رسول اور کرامت غوث اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جو کہا، جس کے بارے میں کہا، حضرت رب العزت نے آپ کی آبرو رکھی، بلکہ اس سے سوا نوازا۔

اعلیحضرت قدس سرہ نے کسی کو صدر الافاضل کے خطاب سے نوازا، تو وہ بلاشبہ فضلائے عصر و کملائے زمانہ پر بھاری پڑے، بلکہ علمائے افاضل پر فائق رہے، کسی کو مفتی اعظم کے خطاب سے سرفراز فرمایا، تو واقعی پورے ہند و پاک میں سب سے عظیم مفتی بن کر افق افتاء پر چمکتے دمکتے رہے۔ کسی کو صدر الشریعہ کے لقب سے ملقب کیا، تو وہ علمائے شریعت کے سردار شمار کئے جاتے رہے۔ اسی طرح کوئی عید الاسلام ہے، تو کوئی برہان الحق والملۃ، کوئی حجۃ الاسلام ہے، تو کوئی مبلغ اسلام اور ابھی ہم جس ممدوح گرامی کی بات کر رہے ہیں وہ اپنے دور میں بہت سے علمائے کرام کے بادشاہ کی حیثیت سے دلوں پر بادشاہت کرتے رہے۔ اور ہر محاذ پر علم و عمل، صلاح و تقویٰ، تحریک و تنظیم اور تصنیف و تالیف کی شعاعیں بکھیرتے رہے۔ ادھر سے ضیا پاشیاں ہوتی رہیں اور ادھر دل جگمگاتے رہے، مگر ہائے افسوس! ہمارے اکابر ہم کو تنہا چھوڑ گئے۔ حضرت ملک العلماء چلے گئے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت چلے گئے، حضرت صدر الافاضل چلے گئے وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ اساطین امت و سرخیل جماعت اہلسنّت تھے جو اپنی تصنیفات اور مناظروں کے ذریعہ اپنی آخری سانس تک احقاق حق و ابطال باطل کرتے رہے، نام کے اہل حدیث کام کے اہل خبیث کے پرخچے اڑاتے رہے، دیو کے بندوں کی قلعی کھولتے، آریہ سماج اور دیگر غیر مسلموں کے چہروں کا پانی اتارتے اور عیسائیوں کو ان کے گھر پہنچا کر دم لیتے تھے۔ اگر یہ حضرات اپنے دینی مناصب کو ملحوظ رکھ کر عملی تحریک بروئے کار نہیں لاتے اور احساس ذمہ داری کے ساتھ میدان میں اتر کر ان بدطینتوں کا حلیہ نہیں بگاڑتے، تو نظام اہلسنّت آج اپنے تشخص کے ساتھ ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ مگر ساری حمدیں اس پاک پروردگار کے لئے جس نے اپنے حبیب ﷺ اور مقدس اولیائے کرام کے طفیل اپنے ان نفوس قدسیہ کو اس خاکدان گیتی پر جلوہ گر فرمایا، ان سے اسلام و سنیت کے تحفظ و بقا کا کام لیا اور ہمارے دین و ایمان کی حفاظت کی۔

حضرت ملک العلماء
”ظفرالدین الجید“ کے آئینے میں:

آپ کا یہ رسالہ فن مناظرہ میں ہے جس میں اشرفعلی تھانوی سے برسر پیکار ہونے کی روداد درج ہے۔ اس لئے مناظرہ کے تعلق سے کچھ وضاحت ضروری ہے۔

حق کو واضح کرنے اور باطل کا پردہ فاش کرنے کے حوالے سے مناظرہ بہترین فن شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن

وحدیث سے ملتا ہے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا نمرود کے ساتھ مقابلے کا واقعہ قرآن مقدس میں صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ بلاشبہ مناظرہ سنت متوارثہ ہے، جو رسالت مآب ﷺ کے زمانے سے توارثاً ہوتی آئی ہے۔ اسی لئے ہر دور میں علمائے ذوی الاحترام نے اس فن میں طبع آزمائی کی اور کتابیں مدون کی ہیں۔ حضرت میر سید شریف جرجانی وغیرہ علیہم الرحمۃ والرضوان نے رسالہ شریفیہ، مناظرہ رشیدیہ اور رسالہ عضدیہ تحریر فرمایا۔

مناظرہ کی تعریف :

رسالہ شریفیہ میں مناظرہ کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

"توجہ المتخاصمین فی النسبۃ بین الشیئن اظہاراً للصواب"

(یعنی دو خصم کا دو شئے کی نسبت میں توجہ کرنا اظہار صواب کے لئے)

اور اس کی غرض وغایۃ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ذہن کو ضلالت وگمراہی سے بچایا اور درستگی کا اظہار کیا جائے۔

آنے والے صفحات میں ظاہر ہوگا کہ شاگرد وخلیفۂ اعلیٰ حضرت سیدنا ملک العلماء قدس سرہ ما نیک ارادہ، دینی خیر خواہی اور حق کو اجاگر کرنے اور دینی امور کے تصفیہ کے لئے ہی اشرفعلی تھانوی کے پاس پہنچے تھے۔ چنانچہ اپنے رسالہ "ظفر الدین الجید" میں بار بار اس کی صراحت کرتے ہیں مبنی بر حقائق اور نا قابل انکار بیس سوالات پر مشتمل جو سوال نامہ مذکورہ رسالہ کے نام سے اشرفعلی تھانوی وغیرہ کے پاس پہونچے۔ اس کے آغاز ہی میں ایک آیت کریمہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"یہ آیت کریمہ یاد دلا کر آپ حضرات سے چند سوال ضروری دینی، محض بنظر خیر خواہی دین گزارش ہیں۔ امید کہ صاف صاف جواب بے پردۂ حجاب بیان فرمائیں۔ اگر کسی جواب میں کوئی اجمال یا اہمال رہ جائے گا، دوبارہ صاف کرلیا جائے گا۔ مقصود محض تصفیۂ امور دین ہے۔" (رسالہ ظفر الدین الجید ص ۵)

اشرفعلی کو سانپ نے سونگھ لیا:

شہر بریلی کے مٹھی بھر دیوبندیوں نے بڑے طنطنہ وطمطراق سے اشرفعلی تھانوی کو بلایا تھا کہ اہلسنت وجماعت کے شیروں سے مناظرہ کرے، لیکن وہ شیر اہلسنت بادشاہِ علماء کے سامنے بھیگی بلی بن گیا، بلکہ یوں کہیئے کہ اسے سانپ نے سونگھ لیا۔ سوالنامہ پیش کیا گیا، اسے لاجواب کرنے یا اس سے مباحثہ کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ اس غرض سے کہ اظہار علم واجب اور کتمان علم حرام وگناہ ہے۔ لہٰذا ان مسائل کے جوابات دیئے جائیں مگر اشرفعلی کی کم علمی و بے بضاعتی کہیئے یا شیر اعلیٰ حضرت کو دیکھ کر اس کا مرعوب ہونا۔ وہ ایسا گھبرا گیا کہ ان سوالات کا جواب دینے کے بجائے معافی مانگنے لگا۔ بار بار یہی رٹ لگائے جا رہا ہے۔ "معاف کیجیے معاف کیجئے۔" یہی نہیں، اس کے حد درجہ اضطراب و بے چینی کا پتہ اس سے لگایئے کہ اس کا آخری جملہ یہ تھا۔

"آپ جیتے، میں ہارا۔"

اشرفعلی کے حال زار پر، ماتم کناں ہونے کے لئے بجائے یکسو ہو کر مندرجۂ ذیل پیراگراف کو پڑھتے چلیں۔ حضرت ملک العلماء رقمطراز ہیں۔

"مگر ہزار افسوس کہ مولوی صاحب موصوف (اشرفعلی) ان سوالات کا سرنامہ دیکھتے ہی سخت مضطرب ہو گئے اور بہت منت وسماجت سے انھیں واپس کر دیا۔ ہر چند گزارش کی گئی کہ یہ کوئی مباحثہ نہیں ہے، چند مسائل کا جواب مطلوب ہے۔ مگر مولوی صاحب بات زبان سے نکلنے نہ دیتے تھے، برابر "معاف کیجئے، معاف کیجئے" فرماتے تھے۔ ہوا خواہوں کی اڑائی خبر "مباحثہ مباحثہ" مولوی صاحب (اشرفعلی) کے کانوں تک پہنچی ہوئی تھی اور

وہی تصویر آنکھوں کے سامنے تھی۔ حتی کہ مجبوراً اس لفظ پر ختم فرمایا کہ "آپ جیتے، میں ہارا"

قارئین کو اس اقتباس سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اشرفعلی کے حواس باختہ اور نروس ہونے کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو حضرت ملک العلماء کی طرف سے کئے گئے سوالات کا کوئی جواب نہ بن پڑا، عاجز و درماندہ ہو گیا۔ یا اس کے معتقدین کی اڑائی ہوئی خبر "ہم اپنے بڑے مولانا اشرفعلی صاحب کو بلا رہے ہیں جو سنیوں سے مباحثہ و مناظرہ کریں گے۔" بریلی شریف پہنچنے کے بعد اس کے کانوں سے ٹکراتی رہی اور وہ حد سے زیادہ مرعوب ہو گیا۔

رب تبارک تعالیٰ فرماتا ہے:

واذاخذ اللہ میثاق الذین اوتو االکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ (اور یاد کرو کہ جب اللہ نے کتابیوں سے وعدہ لیا کہ تم اسے لوگوں سے صاف بیان کر دینا اور اسے چھپانا نہیں)

فقیر قادری مسلمانوں کی عدالت میں بہ ادب و احترام یہ مسئلہ پیش کرتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے مطابق اگر اشرفعلی اللہ تبارک تعالی کے کلام قرآن مقدس پہ ایمان رکھنے والا اور اس کا جانکار تھا، تو اس پر ضرور فرض تھا کہ ان سوالات کا جواب دیتا، لیکن اس نے نہیں دیا۔ تو کیا وہ قرآن مقدس کے خلاف کتمان علم کر کے یہود و نصاریٰ کا طریقہ اختیار نہ کیا اور کیا اس کے سبب گناہ عظیم کا مرتکب نہ ہوا۔ ہر مسلمان کہے گا کہ ضرور ہوا، بلا شبہ ہوا۔ اس بابت مسلمانوں کی عدالت سے دوٹوک فیصلہ سننے کی امید فقیر قادری رکھتا ہے اور رکھے گا۔ ورنہ اس کے معتقدین کو کھلے لفظوں میں یہ اعلان کرنا چاہئے کہ ہمارے حضرت قرآن کو ماننے والے نہ تھے یا یہ کہ ان کو یہ آیت کریمہ معلوم نہ تھی۔

پیش منظر:

۱۳۲۳ھ میں حضور ملک العلماء حضرت علامہ مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی بہاری نے مذکورہ مناظرہ اشرفعلی سے کیا تھا۔ جیسا کہ اس کی روداد مسمی بہ "ظفر الدین الجید" کے تاریخی نام سے ظاہر ہے۔ ہوا یہ تھا کہ اسی سال ۱۲؍ ربیع النور شریف میں وجہ تخلیق کائنات، محبوب رب العالمین، رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے میلاد شریف کا جلسہ شہر بریلی میں منعقد ہوا تھا۔ چونکہ وہابی دیوبندی ایک فتنہ پرور جماعت ہے، اسی لئے اس کا آغاز ہی سے یہ شیوہ رہا ہے کہ فتنہ پھیلاؤ، امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیرو اور حکومت کرو، اس لئے اس فرقہ والے نے عید میلاد النبی ﷺ کی عین مجلس مبارک میں جس میں ۵۰۰ سے زائد مسلمان جمع تھے، اپنے ایک مولوی کو علم غیب رسول ﷺ کے اوپر اعتراض کرنے کے لئے کھڑا کیا۔ اہل سنت و جماعت کے بطل جلیل نے اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسا زوردار تشفی بخش اور مسکت جواب دیا کہ وہ مولوی مطمئن ہو گیا اور اس نے برملا تسلیم کیا اور صرف یہی نہیں کہ دل سے حضور ﷺ کے علم غیب کو مانا، بلکہ زبان سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔"

اہل سنت کے زور استدلال اور اس مولوی کے اعتراف کر لینے کے بعد اہل مجلس کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ مسرت و شادمانی کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہو کر اس معترف مولوی کی انصاف پسندی اور قبول حق کی تعریف و تحسین کی۔

لیکن اس کے گروؤں کو یہ کیسے گوارہ ہوتا، اس کے ایک سردار نے کہا۔ "ان کی زبان بند ہو گئی۔" اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مولوی صاحب آپ کی بات تسلیم کر کے نہیں اٹھے بلکہ ہیبت حق سے ان کی زبان بند ہو گئی۔ حاضرین مجلس نے فوراً لقمہ دیا کہ حضرت، "وہ! ٹھیک ہے۔" کہہ کر اٹھے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ ان کی زبان بند ہو گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر بار بار ان کے اس

افسر سے فرمایا گیا کہ آپ کو شک ہو، تو آپ سمجھ لیجئے۔ اس کا جواب اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ آخر وہ روسیاہ مع اپنے ہمراہیوں کے ناکامی کا داغ دھبہ لے کر چلا گیا۔ اسی روز سے شہر کے تمام وہابیہ کو فکر رہی کہ کسی طرح اس عار و شکست کو دفع کریں۔ وہاں دو مدرسے تھے، دونوں ایک دوسرے سے سخت مخالفت رکھتے تھے۔ اہلسنت کے مقابل "ملة واحدہ" ہو گئے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "الکفر ملة واحدة" (کفر سارا کا سارا ایک ہی ملت ہے۔) اہلسنّت کی متعدد وعظ کی مجلسوں میں ان دونوں مدرسے کے طلبا و مدرسین غول باندھ باندھ کر بڑے بڑے ارادے لے کر پہنچتے تا کہ غلط سلط سوالات کر کے یا لڑائی کرا کے انتشار برپا کریں۔ مگر الحمد اللہ کبھی ہمت و جرأت نہ ہوئی اور اگر کبھی کچھ کہا تو منہ کی کھانی پڑتی بالآخر انہیں یہ سوجھی کہ اپنے اکابر کو بلائیں اور جس طرح ممکن ہو اہلسنّت کو نقصان پہنچائیں مہینوں سے خبریں اُڑاتے تھے کہ فلاں فلاں صاحب بلائے جائیں گے، مباحثہ ہوگا، ہنگامہ کریں گے۔ یہاں تک کہ پورے آٹھ ماہ کے بعد ذی القعدہ ۱۳۲۳ھ کو پیر کے دن وقت عصر کے قریب خبر آئی کہ مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی آگئے اور رات کی گاڑی سے مولوی محمود حسن دیوبندی اور مولوی احمد حسن امروہوی بھی آنے والے ہیں۔ بلفظ دیگر یوں کہیں کہ دیابنہ یہ نعرہ لگانے لگے۔ یا مولانا اشرف علی المدد، یا مولانا خلیل احمد المدد، یا محمود حسن المدد!

اس خبر کے پھیلنے کے بعد اہل حق کیوں کر خاموش رہ سکتے تھے۔ لہذا باوجودیکہ حضرت ملک العلماء قدس سرہ کی کم سنی اور طالب علمی کا زمانہ تھا، وہابیوں کے مذکورہ اکابر سے زیر بحث مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے ملک العلماء میدان میں کود پڑے۔

آپ خود اپنے قلم سے لکھتے ہیں:

"بعد عشاء ہم طلبا کو اپنے سبق وغیرہ سے فارغ ہو کر خیال آیا کہ ان چاروں حضرات سے مسائل دائرہ کی نسبت بعض شرعی ضروری سوالات کریں کہ علما کا جواب عالمانہ ہوتا ہے، ممکن ہے کہ ان کے منصفانہ جواب ہی سے جہالتِ وہابیہ شہر کا علاج ہو جائے اور جب خود اپنے ہی علما کا جن کو اپنی مدد کے لئے بلایا ہے، جواب دیکھیں، تو ان وہابیوں کا فتنہ بآسانی ازالہ پائے۔ اس توقع پر شب ہی کو یہ سوالات لکھ کر صبح کو معززین شہر کے ہمراہ مولوی اشرفعلی کے فرودگاہ پر حاضر ہوئے۔" ملخصاً ظفر الدین الجید کا پی قلمی نسخہ)

یاد رہے کہ دیوبندیوں نے یہ اڑائی تھی کہ مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی آگئے اور بقیہ مولویوں کے بارے میں یہ کہ آنے والے ہیں۔ مگر ہوا یہ کہ صرف اشرفعلی پہنچا، بقیہ سب غائب رہے۔ بے یار و مددگار اشرفعلی کو اس کے اعوان وانصار نے منجدھار میں چھوڑ دیا۔ یہیں سے یہ بات ذہن نشین کرتے چلیں کہ خلیل احمد پہنچا نہ تھا، مگر دیو کے بندوں نے اعلان کیا کہ وہ آگئے ہیں، تو کیا یہ سراسر جھوٹ نہیں تھا، اس لئے ہمدرد قوم قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ دیوبندیوں کی ہر بات کا جواب ہمارے پاس ہے، لیکن صرف ان کی ایک بات کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ ہے ان لوگوں کا جھوٹ۔ ان کے جھوٹ کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے، معلوم نہیں، وہابیوں نے اپنے باقی صاحبوں کے آنے کی بے پر کی خبر کیوں اڑائی تھی اور کیوں کذب و دروغ اور دجل و فریب سے کام لیا۔ اس کا فیصلہ تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے عیاں ہو ہی جاتا ہے اور میدان محشر میں سب کے سامنے ظاہر و باہر ہو جائے گا۔

اب ہم قارئین کے ذہن کو ان بیس سوالات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں، جو حضرت ملک العلماء سید محمد ظفر الدین رضوی فاضل بہاری اور ان کے رفقانے کئے تھے۔ لیکن اس سے قبل یہ واضح کرتے چلیں کہ دیوبندیوں کے یہاں ''براہین قاطعہ'' نامی کتاب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ جس کے رد میں آج سے تقریباً ۱۲۳ سال قبل اہلسنت کے ایک عظیم جیالے اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکی مرحوم کے خلیفہ و مجاز حضرت علامہ مولانا عبدالسمیع رامپوری سہارنپور نے سینکڑوں صفحات پر مشتمل کتاب مستطاب ''انوار ساطعہ'' لکھی تھی۔ یہ کتاب دیوبندیوں کے امام رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کی ہے۔ گنگوہی کے حکم سے انبیٹھوی نے اسے ترتیب دیا اور گنگوہی نے اس پر تقریظ لکھی اور اس کی توثیق کی ہے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ و تقدس کی شان اقدس میں توہین و گستاخی کے کلمات لکھے ہیں۔ جنھیں دیکھنے کے بعد کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ لکھا ہے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) جبکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا عقیدہ و ایمان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کذب (جھوٹ) سے پاک و منزہ ہے۔ کیونکہ جھوٹ عیب ہے اور پاک رب العزت ہر عیب سے پاک ہے۔ لہٰذا کذب و جھوٹ سے پاک ہے۔ اس کے ۹۹ اسمائے حسنٰی میں سے یہ دو نام بھی ہیں۔ ''سبّوح، قدوس'' جن کے معنی ہیں۔ ''پاک و مقدس''۔

یہ محقق و مسلم ہے کہ کذب و نقص قبیح لعینہ ہے اور باری تعالیٰ ہر نقص و قبح سے پاک و منزہ ہے۔ لہٰذا جھوٹ اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے، ممکن نہیں۔

رشید احمد اور خلیل احمد نے امکان کذب (اللہ تعالیٰ کیلئے جھوٹ بولنے کے ممکن ہونے) پر مسئلہ خلف وعید سے استدلال کیا ہے۔ جبکہ خلف وعید کو علمائے محققین علیہ الرحمہ نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ انکار کیا ہے اور جن لوگوں نے خلف وعید کو کسی مقام پر جائز کہا، تو وہیں اسی مقام پر یہ بھی لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں جھوٹ باتفاق علما محال و بالا جماع ناممکن ہے۔ جبکہ فتاویٰ رضویہ نسخۂ قدیم کی جلد ششم کے رسالہ سبحان السبوح میں اس کا ذکر شرح مقاصد اور مواقف کے حوالے کے ساتھ موجود ہے۔

بہر صورت ''براہین قاطعہ'' کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امکان کذب جائز ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے اور جو کہے کہ خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے، وہ درست کہہ رہا ہے۔ اس پر طعن و تشنیع کرنا لاعلمی و جہالت ہے۔ (معاذ اللہ)

ان دونوں کے قول کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جھوٹ جیسے عیب سے متصف مانتے ہیں اور باور کرانا چاہتے ہیں کہ کوئی ان کے خلاف نہ کرے۔ ان پر طعن و تشنیع نہ کرے، کوئی ان کو لگام نہ لگائے، یہ جس طرح چاہیں، اللہ پاک کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے رہیں، کوئی روک نہیں، روک لگانے والا جاہل ہے۔

''براہین قاطعہ'' کی اصل عبارت ملاحظہ کیجیے اور خون کے آنسو بہایئے۔ لکھتے ہیں:

''امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے کہ نہیں، پس اس پر طعن کرنا مؤلف (مولانا عبدالسمیع سہارنپوری، مؤلف انوار ساطعہ) کا مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی ہے۔ ملخصاً (براہین قاطعہ ص ۶ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ، دیوبند)

ان دونوں نے محض اپنے پیشوا اسماعیل دہلوی کی تقلید میں ایسا لکھا۔ دہلوی نے اپنے رسالہ یک روزی میں امکان کذب کی تصریح کی ہے۔ اسماعیل دہلوی وہی شخص ہے، جس نے وہابیوں

کی 'کتاب التوحید' کا ترجمہ کر کے 'تقویت الایمان' کے نام سے چھاپ کر مسلمانوں کے مسلم عقائد پر نشتر زنی کی اور سرحد کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے گیا تو وہاں کے مسلمانوں نے اسے ذبح کر ڈالا۔ اس طرح وہ ذبیح تیغ خیار ہو گیا۔

گنگوہی نے صرف اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ اپنے ایک مہری فتوی میں اللہ تبارک تعالی کے لئے وقوع کذب کا بھی قول کیا، یعنی یہ لکھا کہ اللہ صرف جھوٹ بول ہی نہیں سکتا، بلکہ جھوٹ بولا بھی ہے۔ اس سے بالفعل جھوٹ صادر ہوا ہے۔ (العیاذ باللہ)

گنگوہی نے اس شخص کو جو اللہ سبحانہ وتعالی کو جھوٹا مانے، اسے خاطی گمراہ اور کافر نہیں جانتا۔ بلکہ یہ لکھتا ہے کہ اس کو کافر یا بدعتی یا ضال و گمراہ نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کو کوئی سخت کلمہ کہنا چاہیے، حتی کہ مسئلہ خلف وعید سے غلط طریقے سے استدلال کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا، ''لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے۔''

ان دونوں عبارت میں اللہ عزوجل پر جھوٹ کا عیب لگا کر معلوم نہیں دیو بندیوں نے دین کی کون سی خدمت انجام دی ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی بد دین ایسا ہوگا، جو اپنے خدا کو جھوٹا کہتا ہو، مگر دیو بندی، وہابی نہ صرف اولیا و رسل پر گستاخانہ حملے کرنے کے عادی مجرم ہیں، بلکہ پاک پروردگار پر کذب جیسے عیب و نقص کی تہمت لگانے میں بھی نہایت بے باک ہیں۔

ان گستاخوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ میلاد و فاتحہ وغیرہ تمہارے نزدیک بدعت و ناجائز ہیں۔ تمہاری اس دلیل سے کہ حضور کے زمانے میں اس ہیئت کے ساتھ ان کا وجود نہ تھا اور کسی صحابی نے اس کا قول نہ کیا، تو یہ بتاؤ کہ نبی کریم اور صحابہ وغیرہ کے زمانے سے تمہارے زمانے تک کس نے اللہ تعالی کے لئے امکان کذب و وقوع کذب کا قول کیا۔ صبح قیامت تک کوئی وہابی نہیں دکھا سکتا کہ کسی صحابی، کسی تابعی یا معتمد عالم دین نے اللہ تبارک وتعالی کی شان اقدس میں ایسا قول کیا ہو۔ بلاشبہ یہ عقیدے کی بدعت ہے، جس کی مثال کسی قرن میں نہیں ملتی اور عقیدے کی بدعت عمل کی بدعت سے زیادہ مفسد و خطرناک ہے۔ پھر ایسی بدعت سیئہ گڑھنے سے ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا، سوائے اس کے کہ کفر کے دلدل میں پھنسے اور امت مسلمہ میں تفریق ڈال دی۔

رشید احمد اور دیگر دیو بندیوں کے اسی برے عقیدے کی نسبت حضرت ملک العلماء اور آپ کے رفقاء نے سوال کیا۔ جسے دیکھنے کے بعد اشرفعلی تھانوی مبہوت ولا جواب ہو گیا۔ آپ کے سامنے یہ بیس سوالوں میں سے اولین سوال ہے، آپ نے سوال کیا کہ:

''جو شخص با نکہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتا ہو کہ کذب باری سبحانہ وتعالی ممتنع بالغیر ہے اور اس کے امتناع بالغیر پر اجماع و اتفاق بتاتا ہو بایں ہمہ جو وقوع کذب باری مانے، اس کی نسبت کہے کہ، اگر چہ اس نے تاویل آیات میں خطا کی، مگر تا ہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی، ضال کہنا نہیں چاہیے اور کہے، اس کو کوئی کلمہ سخت نہ کہنا چاہیے اور اس اختلاف کو حنفی، شافعی سا اختلاف بتائے، تو آیا یہ شخص مسلمان ہے یا کافر ہے.......... اگر کافر ہے تو جو شخص اسے مسلمان جانے، وہ مسلمان ہے یا کافر؟؟ (ظفر الدین الجید کا پی قلمی نسخہ ص ۵)

اس سوال میں حضرت ملک العلماء نے جو اشرفعلی اور دیگر دیو کے بندوں پر معارضہ قائم کیا ہے، اس کے ضمن میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں۔ وہ الفاظ بعینہ رشید احمد گنگوہی کے مہری و تخطی فتوی کے ہیں۔ اس نے خدائے پاک کو کاذب، جھوٹا اور عیب دار کہنے والے کی تعظیم و توقیر اور تحسین کی کہ دھڑلے سے لکھ دیا کہ 'اس کو کوئی کلمہ سخت نہ کہنا چاہیے۔'' جب کہ ایسے شخص کو کافر یا گمراہ ضرور لکھنا چاہیے۔

ظاہر ہے کہ اشرفعلی اپنا دامن یہ کہہ کہ 'آپ جیتے، میں ہار'ا نہ

بچایا ہوتا اور جواب دیتا، تو اسے اپنے گرو گھنٹال گنگوہی کو کافر و مرتد کہنا پڑتا، جیسا کہ اس کے اس قول اور دیگر اقوال پر مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً وعدلاً کے ۳۳ علمائے کرام و مفتیان عظام نے اور غیر منقسم ہندوستان کے ۶۱ سے زائد علمائے کرام نے حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں اسے بالاتفاق کافر و مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا یا۔ پھر گنگوہی کے اس قول کی تصدیق کرتا، تو اللہ سبحانہ وتعالی کے لئے، جھوٹ جیسے عیب کے ساتھ اتصاف کا قول کر کے بری طرح پھنستا، یعنی اہلسنت کے کچھار کے شیر ملک العلماء کے پنجے سے کسی صورت سے بچ نہیں سکتا تھا۔

اشرفعلی یہ کہہ کر بھی راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا تھا کہ یہ قول یا فتوی میرے گرو صاحب کا نہیں ہے۔ تم سنی لوگ میرے بزرگ پر غلط الزام لگاتے ہو۔ کیونکہ براہین قاطعہ عام طور پر دستیاب تھی اور رشید احمد گنگوہی کا باری تعالی کے بارے میں وقوع کذب والا فتوی اس کے دستخط و مہر کے ساتھ بریلی شریف میں ضرور موجود تھا۔

چنانچہ اسی 'ظفر الدین الجید' کے صفحہ ۵ کے حاشیہ پر حضرت ملک العلماء رقم طراز ہیں۔

''یہ عبارت مولوی گنگوہی صاحب کے ایک مہری دستخطی فتوی کی ہے۔ وہ اصل فتوی یہاں موجود ہے۔''

یہیں سے وہ اعتراض بھی ساقط ہو گیا۔ جو عوام کی آنکھ میں دھول جھونکنے کے لئے بعض دیوبندیوں نے یہ کہا ہے کہ اگر رشید احمد گنگوہی نے ایسا فتوی دیا تھا، تو وہ فتوی کہاں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر رشید احمد گنگوہی نے یہ فتوی نہیں دیا تھا، تو اس کی اس کفری عبارت پر المعتمد المستند مصنفہ اعلی حضرت مطبوعہ ۱۳۲۰ھ میں اس کی عبارت نقل کر کے اس کی گرفت کی گئی اور اس پر فتوی کفر لگایا گیا، تو اس وقت رشید احمد تو زندہ تھا، کیوں نہیں انکار کیا کہ یہ میرا فتوی نہیں ہے۔ جب کہ رشید احمد کی وفات ۱۳۲۲ھ یا ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔ یہی نہیں یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتوی رسالہ 'صیانۃ الناس' کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہوا۔ پھر ۱۳۱۷ھ میں مطبع تحفہ حنفیہ عظیم آبادی پٹنہ میں اس کا قاہرانہ رد چھپا۔ لیکن کبھی بھی گنگوہی نے اس کا انکار نہ کیا۔ تو پھر برسوں گزرنے کے بعد یہ کیوں لکھا جا رہا ہے کہ وہ فتوی کہاں ہے؟ اس کا مطلب عوام کو دھوکا دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب اس کا فتوی مع رد کے چھپ رہا تھا، تو نہ ہی گنگوہی نے انکار کیا اور نہ اس کے اعوان و انصار نے، تو یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ نے فتوی لکھا ہے۔ اس لئے اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ اب کرنے والوں سے فتوی مانگنے کی ضرورت ہے۔ کفر جیسے سنگین معاملے پر اتنے برسوں تک چپ سادھے رہنے کا کیا مطلب؟ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی مایۂ ناز کتاب 'تمہید ایمان' کے صفحہ ۴۴ پر اور حضرت ملک العلماء نے 'ظفر الدین الجید' کے حاشیے میں لکھ دیا کہ یہ مہری دستخطی فتوی اب تک محفوظ ہے۔ تو ان دونوں سے مانگنے کی جرات کیوں نہ ہوئی۔

پھر یہ کہ ۱۳۲۳ھ میں علمائے حرمین شریفین کے فتوی بھی حسام الحرمین کے نام سے منصۂ شہود پر آ گئے، جن میں ان اکابر دیوبند کو عبارۃ مذکورہ و دیگر عبارات کی بنیاد پر کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے اور حضرت ملک العلماء شاگرد رشید اعلی حضرت اور ان کے رفقاء ۱۳۲۳ھ میں رشید احمد کی مذکورہ عبارت نقل کر کے اشرفعلی کے سامنے پیش کر رہے ہیں، لیکن وہ بھی انکار نہیں کر رہا ہے اور انکار کرتے بھی کیسے، فتوی تو بریلی میں موجود تھا۔ فوراً دکھا دیا جاتا، تو تھانوی کی درگت بن جاتی۔ تو واضح ہوا کہ سالہا سال تک اس دور میں چپ شاہ بنے رہنا اور انکار نہ کرنا، قابل قبول ہوگا، نہ کہ برسوں

بعد اس کا انکار کرنا۔ دیو کے بندے آج ضرور اس فتویٰ کا انکار کریں گے۔ اس لئے کہ وہ کافی پھنس چکے ہیں۔ علمائے عرب وعجم نے ان کو گمنامی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے۔ اس لئے تو وہ اپنے بزرگوں کی کتابوں سے بہت سی وہ عبارتیں نکال چکے ہیں۔ جن پر گرفت کی گئی تھی۔ ہاں یہی ہوا کہ باپ نے کفر کیا اور بیٹے توبہ کر رہے ہیں۔ تو یہ کس کام کی۔ اگر گنگوہی کا یہ فتویٰ موجود نہ ہوتا تب بھی اس پر فتویٰ کفر عائد ہوتا۔ کیونکہ علمی کمال میں اس نے نبی پاک سے شیطان کو بڑھا دیا ہے۔ جیسا کہ براہین قاطعہ کی عبارت کسی صفحہ میں آتی ہے۔

پھر چلئے ہیں معروضات کی طرف، حضرت ملک العلما نے اسی طرح دوسرا سوال یہ کیا ہے۔

''جو شخص با وصف اعتقاد مذکور کہ کذب باری بالاتفاق ممتنع بالغیر ہے۔ قائل وقوع کذب کی حمایت میں مسئلہ خلف وعید پیش کرے اور کہے کہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علمائے سلف قبول کرتی ہے اور واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے، کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے۔ گاہ وعدہ، گاہ خبر اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے۔ انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہووے گا۔ لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے۔ آیا یہ قائل مسلمان ہے یا کافر اور جو اسے مسلمان جانے وہ مسلمان ہے یا کافر؟''

یہ گنگوہی کے اسی فتویٰ کی عبارت ہے، جس کی بنیاد پر حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ نے معارضہ قائم کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اشرفعلی اور پورے گروہ دیوبندی کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے گرو کی عبارت ہی کو لے کر معارضہ تھا۔ لہٰذا اشرفعلی مبہوت ہو کر رہ گیا اور زندگی بھر منہ پر تالا لگا رہا اور اس کے اور دیگر دیابنہ کے پاس کوئی ایسی تاویل نہیں، جو قابل سماعت ہو اور صریح قول میں تاویل کیسی؟

یہاں بھی دیکھیے کہ رشید احمد نے یہ فتویٰ لکھا تھا تب تو اشرفعلی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ورنہ سہل تھا کہ کہہ دیتا کہ گنگوہی صاحب نے ایسا نہیں لکھا ہے۔

ملک العلماء کا تیسرا سوال :

اسی طرح براہین قاطعہ میں رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی دونوں نے مل کر یہ لکھا ہے کہ شیطان کے لئے علم کی وسعت نصوص قطعیہ (قرآن وحدیث) سے ثابت ہے لیکن نبی کریم ﷺ کے لئے اس علم کے لئے کوئی نص ودلیل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ شرک ہے۔ براہین قاطعہ کی عبارت یہ ہے۔

''الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم (علیہ السلام) کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں، تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔'' (براہین قاطعہ ص ۵۵، مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

فرقہ وہابیہ کی شاخ دیوبندیہ کے مذکورہ قول پر جتنا ماتم کیجیے کم ہے۔ یقیناً آپ کا ایمان وعقیدہ بولے گا۔ جو صفت ایک فرد کے لئے ماننا شرک ہوگی، وہ دوسرے کے لئے بھی شرک ہوگی۔ لیکن دیوبندیوں کا کیسا مذہب ومسلک ہے، کیسی توحید ہے کہ وسعت علم، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حبیب نبی پاک ﷺ کے لئے ماننا شرک ہے۔ لیکن وہی صفت علم اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن شیطان لعین کے لئے ماننا عین توحید وایمان ہے۔

یہیں سے ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس گروہ کا

دوست شیطان لعین ہے۔ جس کی وسعت علم کا خطبہ پڑھا جا رہا ہے اور دشمنی ہے، تو صرف اللہ کے نبی پاک ﷺ سے۔ جب ہی تو صاحب لولاک فخر عالم ﷺ کے مقابلے میں شیطان کا ذکر کر رہا ہے اور علمی کمال میں شیطان کو بڑھا رہا ہے اور آپ کو اس کمال میں کمتر دکھا رہا ہے۔

حضرت ملک العلماء قدس سرہ نے دیو بندیوں کی اس عبارت پر گرفت کرتے ہوئے یوں ذکر فرمایا ہے:

''سوال سوم! جس وصف کا اثبات مخلوق میں کسی ایک فرد کے لئے شرعاً شرک ہو آیا وہ تمام مخلوق میں جس فرد کے لئے ثابت کیا جائے شرک ہی ہوگا یا بعض کے لئے اس کا اثبات شرک اور بعض کے لئے نہیں؟ کیا شرک میں تفصیل ہے کہ بعض مخلوقات اللہ تعالیٰ کی شریک ہو سکتی ہیں اور بعض نہیں؟ اور اگر یہ تفصیل باطل ہے اور جس صفت کا اثبات ایک فرد کیلئے شرک ہو، ہر فرد میں مطلقاً یہی حکم ہے، تو جو شخص ایک صفت کو ایک فرد کیلئے ثابت ماننا شرک بتائے اور خود اسی صفت کو دوسرے فرد کے لئے ثابت مانے، تو آیا وہ خود اپنے منہ سے مشرک ہوا یا نہیں؟''

کیسی زبردست گرفت فرمائی ہے۔ حضرت ملک العلماء نے مخالف کے فرار کی تمام راہوں کو بند کر دیا ہے۔ دیو بندیوں سے مسلمان پوچھیں کہ براہین قاطعہ کی مذکورہ عبارت سے حضور ﷺ کی شان اقدس میں توہین ہوئی یا نہیں۔ اگر مان لے، تو کہے کہ گنگوہی کی طرفداری نہ کرو۔ اس سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ اس کے کافر ہونے میں شک مت کرو اور اگر نہ مانے، تو اہلسنت کے کسی شیر کے پاس لے کر پہنچیں۔ انشاء اللہ الرحمٰن دو منٹ میں فیصلہ ہو جائے گا۔

اس طرح کے کئی سوالات سے حضرت ملک العلماء نے اشرفعلی تھانوی اور دیگر دیو بندیوں کی ایسی گھیرا بندی کی کہ ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ ''معاف کیجئے، معاف کیجئے'' کی رٹ لگانے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ رہا۔

رشید احمد اور خلیل احمد کی مذکورہ عبارت پر حضرت ملک العلماء قدس سرہ کی ایک اور گرفت ملاحظہ کرتے چلیں، تا کہ مسئلہ روشن سے روشن تر ہوتا چلا جائے۔

''سوال بستم! آپ کے ایمان میں نبی ﷺ کا علم وسیع تر ہے، یا ابلیس لعین کا۔ جو شخص کہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے۔ اس نے نبی ﷺ کے علم کی توہین کی یا نہیں؟ ایسا شخص مسلمان ہے یا کافر؟''

اگر ہم بیسیوں سوالات کی تشریح کریں، تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ اس لئے ہم یہاں صرف ایک اور سوال کی طرف عنان قلم کو پھیرتے ہیں۔

دیو بندی جماعت کے سرخیل اشرفعلی تھانوی سے کسی نے سوال کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو عالم الغیب (غیب کو جاننے والا) کہنا درست ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ اس لفظ کا اطلاق حضور کے لئے ہمارے نزدیک ناجائز ہے۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور بات بڑھا دی۔ دل کا چور زبان و قلم پر آ گیا۔ غیب کی خبر دینے والے نبی سے دشمنی تھی وہ نوک قلم پر آ گئی۔ علم غیب کی دو قسمیں کیں اور دونوں کی نفی غیب داں نبی سے کر دی۔ جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی کریم ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ نبی کے معنی ہی آتے ہیں غیب کی خبر دینے والا۔ کیا حضور نے اللہ تعالیٰ کی خبر نہ دی؟ کیا حضور نے جنت و دوزخ کی خبر نہ دی؟ یقیناً دی اور یہ سب غیب سے ہے اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضور ﷺ کے علم کو صبی (بچہ) مجنون (پاگل) اور جانوروں سے تشبیہ دے دی کہ اشرفعلی کی زندگی ہی میں یہ عبارت فتنہ کا باعث بنی

رہی اور بار بار اس سے سوال ہوا کہ آپ نے ایسا کیسے لکھ دیا اور حضور کے علم کو جانوروں سے تشبیہ دے کر حضور کی توہین کس طرح کر دی، تو اس کا جواب اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ بس یہ کہ لایعنی تاویل سے کام لیا اور جب تاویل بے معنی پر گرفت کی گئی، تو ضد، بے جا ہٹ اور بے غیرتی کی حد سے چمٹ کر یہ کہہ دیا۔ ''مجھے معقول بھی کر دو، مگر وہی کہے جاؤں گا۔''

آج بھی سارے دیوبندیوں سے اور قبر پر جا کر ان کے پیشوا سے کوئی دریافت کرے کہ اس عبارت سے اسلام کی کون سی خدمت آپ نے کر دی؟ کیا یہ بدعت سیئہ نہیں ہے؟ کیا حضور ﷺ کا اور ان کے اصحاب کا دل اس سے چھلنی نہ ہوا؟

تھانوی کی عبارت مسلمان پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ اس نے حضور شافع یوم النشور کی کیسی توہین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول صحیح ہو، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔''

(حفظ الایمان ص ۸ کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند)

۱۲ رجمادی الآخری ۱۳۲۳ھ کو اشرفعلی تھانوی کی اس کالے کرتوت سے متعلق حضرت ملک العلما اور آپ کے رفقاء سوالات لے کر اس کے پاس پہنچے۔ جن میں اٹھارہواں سوال کتاب حفظ الایمان مصنفہ اشرف علی کی اسی مذکورہ بالا عبارت سے متعلق ہے۔

''سوال ہیز دہم: جو شخص یہ کہے کہ بعض علوم غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور کی کیا تخصیص، ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے، اس نے نبی کریم ﷺ کی توہین کی یا نہیں؟ کیا نبی ﷺ کو اتنا ہی علم غیب دیا گیا تھا، جتنا ہر پاگل اور چوپائے کو حاصل ہے؟؟ ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا کافر؟ اور جو اسے مسلمان جانے وہ مسلمان ہے یا کافر؟'' (ظفر الدین الجید ص ۱۰)

روز روشن کی طرح یہ واضح ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان و محبت رسول ہوگی، وہ اشرفعلی کی مذکورہ عبارت کو پڑھ کر لرز اٹھے گا اور ہرگز اسے مسلمان نہ جانے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۳۲۴ھ میں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے تینتیس اکابر علما و مفتیان شرع نے جن کے فتوؤں پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا اعتماد تھا، بالاتفاق اشرفعلی مع اس کے اکابر کے کافر و مرتد اور خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ دیا۔ آج بھی ان مقدس مقتدائے دین کے فتاوی ان کے دستخط ومہر کے ساتھ چھپ رہے ہیں اور ہند و پاک میں دستیاب ہیں۔ جو چاہے انھیں دیکھ لے۔ مگر کیسی اندھیر نگری ہے، اتنی کھلی توہین رسول اور اس پر فتاوئ کفر کے باوجود فرقۂ دیوبندی کے اندھے اور بہرے ایمان کا جنازہ کاندھوں پر اٹھائے بے شرمی سے گھوم رہے ہیں۔ ان سب کو نبی پاک کی تعظیم پیاری نہیں، بلکہ اشرفعلی، قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی اور رشید احمد گنگوہی پیارے ہیں۔ انھیں نہ صرف، مسلمان بلکہ اپنا مقتدا و پیشوا بھی مان رہے ہیں۔ ان کی پیروی کرتے ہوئے فخر سے کہتے پھر رہے ہیں کہ ہم اشرفعلی کو ایک بڑا عالم اور اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ جبکہ کافر و مرتد کو اپنا پیشوا ماننا جہنم کا راستہ اختیار کرنا ہے اور اسے مسلمان جاننا کفر کے دلدل میں پھنسنا ہے۔ اس کے کفر و عذاب میں جو شک کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ مفتیان کرام و علمائے عظام اپنی اپنی کتابوں میں تصریح کر چکے ہیں۔

''من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر''

حضور ملک العلماء کی انیسویں گرفت بھی ہمارے مسلمان بھائی کے ذہن نشین کرتے چلیں۔ تا کہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے۔

یہی اشرفعلی تھانوی، اسماعیل دہلوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور قاسم نانوتوی وہابیوں کے یہاں عالم اور پیشوا کہلاتے ہیں۔ یہاں ہم ان کی پوری برادری کے لوگوں کو للکار کر کہتے ہیں۔ اپنے پیشواؤں کے بارے میں اسی طرح لکھ کر شائع کرو۔ جس طرح تھانوی نے حضور علیہ السلام کے علم کے بارے میں شائع کر دیا کہ ان اکابر دیوبند کا علم علم الٰہی کے برابر اور جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہے یا ان کو صرف بعض کا علم ہے۔ اگر کوئی کہے کہ تمام علوم الٰہیہ کا محیط ہونا عقلاً و نقلاً باطل ہے اور اگر بعض علم کی بنیاد پر انھیں عالم کہا جائے، تو اس میں ان کی کیا تخصیص؟ مولوی اشرف علی تھانوی جیسا علم ہر پاگل کو ہے، مولوی اسماعیل کا سا علم ہر چوپائے کو ہے، مولوی گنگوہی کے جیسا علم ہر کیڑے مکوڑے کو ہے، قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی کا سا علم ہر بھیڑ بکری کو ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس قائل نے اشرفعلی، اسماعیل دہلوی، گنگوہی اور دیگر مذکورہ دیوبندی صاحبان کی توہین کی یا نہیں۔ اگر کی تو کیا وجہ ہے کہ یہ الفاظ ان اکابر دیوبند کے حق میں توہین و گستاخی قرار پائیں اور حضرت محمد علیہ السلام کی شان اقدس میں توہین نہ ٹھہریں اور اگر نہیں تو وہ تخصیص بتائیں کہ ان صاحبوں کو مولوی مولانا اور عالم کہا جائے اور چوپایوں کو نہ کہا جائے باوجودیکہ آپ کے نزدیک یہ چوپائے علم میں ان صاحبوں کے برابر ہیں ان چوپایوں کو اس لقب (مولانا، عالم) سے محروم کیوں رکھا جائے؟

بلفظ دیگر، جس طرح حضرت ملک العلماء قدس سرہ نے آج سے ایک سو سات سال قبل چیلنج کیا تھا، آج بھی سارے دیوبندیوں کو یہ چیلنج ہے کہ اگر واقعی ان کلمات کو جو اشرفعلی نے لکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین نہیں جانتے، تو بعینہٖ یہی کلمات اپنے اکابر مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہما کی نسبت لکھ کر چھاپ دیں کہ قاسم نانوتوی، گنگوہی، تھانوی، محمود حسن دیوبندی کو عالم کہا جانا اگر بقول ان کے معتقدین کے صحیح ہو، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے مراد کل علم ہے یا بعض علم۔ اگر کل علم مراد ہے، تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے اور بعض علم مراد ہے، تو اس میں ان لوگوں کی کیا تخصیص ایسا علم تو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔

جس دن مقتدیان دیوبند یہ اشتہار شائع کر دیں گے۔ اس دن سمجھ لیا جائے گا کہ دیوبندیوں کے یہاں یہ کلمات توہین نہیں ہیں اور اگر یہ لوگ نہیں چھاپ سکتے اور صدیاں بیت گئیں۔ اب تک نہ چھاپا، تو اذعان و یقین کے ساتھ ہم یہی کہتے ہیں کہ کسی صورت میں یہ نہیں چھاپ سکتے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کلمات ان دیوبندیوں کے نزدیک بھی ضرور کلمات توہین ہیں، ورنہ اپنے اکابر، اساتذہ و مشائخ کے حق میں لکھنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ جب ان اکابر دیوبند کے بارے یہ حقیقت طشت از بام ہو چکی کہ ان لوگوں نے اللہ عزوجل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کی ہیں تو، قیامت کے دن یہ عذر کام نہ دے گا کہ یہ میرے استاد تھے، گمراہ کیسے کہتا؟ میرے پیشوا تھے، اس لئے برا بھلا نہ کہا، عالم تھے، مدرسہ و مسجد بنائے تھے، اسلئے انھیں کافر نہ جانا، کیا شیطان عالم نہ تھا، وہ تو معلم کہلاتا تھا پھر کیوں کافر ہوا؟

یاد رہے کہ علمائے دیوبند کی ان ہی گھناؤنی عبارات و گستاخیوں پر مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اور مکہ و مدینہ زادھما اللہ شرفا وعدلا کے ۳۳ علمائے کرام

ومفتیان عظام قدست اسرارہم نے ان پر کفر کے فتاوی دیئے، تو ایوان دیو بندیت میں زلزلہ آ گیا، گستاخوں کی دنیا زیر وزبر ہوگئی اور چیخ و پکار شروع ہوگئی۔ ہائے افسوس! ہمیں کافر کہہ دیا، ہمیں گمراہ و گمراہ گر کہہ دیا، ہمیں جہنمی کہہ دیا۔

سوال یہ ہے کہ آپ نے کام کیا ہے کفر و ضلالت، کا تو گمراہ و کافر نہ ہوں گے، تو کیا ہوں گے؟ کام کیا ہے منافق کا، تو مومن کا لقب کون دے گا۔ ان اکابر دیو بند کو دیکھا جائے، سب نے کسی نہ کسی جہت سے اللہ عز وجل اور رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں ضرور گستاخی کی ہے۔ مجھے اس بات کو برملا کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ ان کی کتابوں کو دیکھنے کے بعد واضح اور صاف طور پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے منصوبہ بند طریقے سے اور منظم ہو کر یہ مشن چلایا تھا کہ اللہ و رسول عز وجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حملہ کرو۔ اسماعیل دہلوی سے لے کر قاسم نانوتوی تک، گنگوہی سے لے کر انبیٹھوی تک اور تھانوی سے لے کر محمود حسن دیوبندی تک، سب کے سب اس حمام میں ننگے معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی امکان کذب باری تعالی لے اٹھا اور صدور کذب کے قول تک پہنچا۔ انگلی پکڑتے پکڑتے پہنچے تک پہنچ گیا۔ امکان کذب کا قائل نہ ہوتا، نہ وقوع کذب کے گڑھے میں گرتا۔ نہ کفر بکتا نہ فتوی لگتا۔ کوئی نبی آخر الزماں کے آخری رسول ہونے پر انگلی رکھتا ہے، تو کوئی علم رسول پر وار کرتا ہے۔ گویا گستاخی ان کی گھٹی میں پلا دی گئی تھی۔ اسی لئے تو محمود حسن دیوبندی نے بھی اپنے پیشرو اسماعیل دہلوی اور خلیل احمد انبیٹھوی و رشید احمد گنگوہی کی اتباع میں اپنی کتاب ''الجہد المقل'' میں اللہ تعالی کے امکان کذب کا قول کر دیا اور منظور نعمانی سنبھلی اپنے اکابر کی وکالت کرتا اور لا یعنی تاویلیں کرتا رہا۔

اور جب عرب و عجم کے اساطین امت کے فتاوی تکفیر کے تحت ان گستاخوں کے لئے ہندوستان کی زمین تنگ پڑ گئی۔ ہر طرف سے لعنت و ملامت کی صدائیں آنے لگیں اور اپنی چودھراہٹ اور جھوٹی شہرت کو ملیا میٹ ہوتے دیکھا، تو پھر مزید جھوٹ کا سہارا لے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا اور جھوٹ کا سہارا کیوں نہ لیتے۔ اپنے خدا کو ہی جھوٹا کہہ دیا، تو کیا نہیں کر سکتے تھے۔ جب ان کا خدا جھوٹ بول سکتا ہے، تو یہ بولیں، تو کیا عجب ہے۔ پہلو بدل بدل کر دروغ گوئی ہی کی طرف آئے اور اپنی اور اپنے اکابر کی عبارتوں میں غیر معتبر تاویل کے بہانے تحریف و تبدیل شروع کر دی۔ انصاف پسندی کا تقاضا یہ تھا کہ توہین آمیز اور کفری عبارات اپنی کتابوں سے نکال دیتے اور توبہ و تجدید ایمان کا عمل اختیار کرتے مگر یہ نہ کیا غلط سلط تاویلیں کر کے تغلیط و تبدیل کرنے لگے۔ اس کے رد میں تاجدار اہلسنت مفتی اعظم وارث محی الدین جیلانی حضرت مصطفی رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان نے الموت الاحمر کی شکل میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر اور دندان شکن جواب دے کر مرتضی حسن دربھنگوی نائب اعظم مدرسہ دیوبند کی ساری تدبیروں اور ترکیبوں کے خیالی شیش محل کو چکنا چور کر دیا اور ثابت کر دیا کہ جس کو یہ تاویل سمجھتے ہیں، وہ تاویل نہیں بلکہ تغلیط و تبدیل ہے۔

جب اس ترکیب سے بھی بات نہ بنی اور دشمنان خدا اور رسول کی مطلب برآری نہ ہوئی، تو یہ کہنے لگے کہ ''ہم نے ایسے اقوال ہرگز نہیں کہے۔'' بلکہ اپنے جرم کو چھپانے اور پاک دامنی کا اظہار کرنے کے لئے یہاں تک لکھ دیا۔

''ہم لوگ ایسے اقوال کہنے والے بلکہ کہنا درکنار جس کے دل میں ان کا خطرہ بھی گزرے اس کو بھی کافر کہتے ہیں''۔

سوال یہ کہ ہے جب آپ نے یہ عبارتیں لکھیں، آپ

بُک مکتبوں سے چھپ رہی ہیں۔ آپ کے نام سے شائع ہو رہی ہیں، آپ کبھی نہیں کہتے کہ یہ ہماری کتابیں نہیں ہیں، تو ایسا یہ واضح جھوٹ کیا کام دے گا۔

دیوبندیوں کی اس دروغ افشانی کو ایک دل نشین مثال کی صورت میں حضرت ملک العلماء کی نوک قلم سے ملاحظہ کیجیے۔

''رہا اس امر کا انکار اور یہ کہنا کہ ہم نے ایسا کبھی نہیں کہا اور نہ میرے دل میں اس کا خطرہ گزرا۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک شخص نے چوری کی، مال چوری کا اس کے پاس موجود ہے، لوگوں نے اس کو گرفتار کیا۔ اب دار القضا میں آ کر طراری دکھاتا ہے کہ میں نے ہرگز چوری نہ کی۔ بلکہ چوری کرنا درکنار میرے دل میں تو کبھی چوری کرنے کا خطرہ بھی نہ گزرا۔ تو جس وقت اس کے پاس چوری کی گھڑی موجود ہے۔ کوئی بھولا ہی آدمی اس کی اس چکنی چپڑی بات میں آ کر اس کو بے قصور سمجھے گا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے جسے کچھ بھی عقل کا حصہ دیا ہے، وہ یہی کہے گا کہ بے ایمان جب تو نے چوری نہ کی، تو گٹھری تیرے پاس کہاں سے آئی۔ بعینہ یہی حال مولوی صاحب (تھانوی) کا ہے۔ حفظ الایمان ان کی چھپی ہوئی کتاب موجود، اس میں یہ عبارت موجود، پھر انکار کی کیا وقعت اور دل میں خطرہ تک نہ گزرنے کے کیا معنی۔'' (ظفر الدین الجید ص ۱۹)

مناظر اہلسنّت حضرت ملک العلماء قدس سرہ نے مذکورہ رسالہ کے آخر میں تکمیل کے تحت بڑی پیاری پیاری اور دلچسپ باتیں درج کی ہیں۔ نشاط طبع اور وہابیوں کی کرشمہ سازی کو مزید سمجھنے کے لئے ذیل کے اقتباس کو پڑھ لیجئے۔ جس میں دیوبندیوں کی حواس باختگی پر دلچسپ تبصرہ بھی ہے۔

''جب اس ترکیب سے بھی مطلب بر آری نہ ہوئی، تو مولوی صاحب (مرتضیٰ حسن دربھنگوی) نے دوسری کروٹ لی اور ان لوگوں سے سوالات کئے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی آپ کی طرف ایسے ایسے اقوال منسوب کرتے ہیں۔ کہا آپ نے ایسے ایسے اقوال کہے ہیں اور اس کے کہنے والے کو مسلمان جانتے ہیں یا کافر؟ اس کا جواب ان لوگوں نے یہ دیا کہ ہم نے ایسے اقوال ہرگز نہیں کہے، ہم لوگ ایسے اقوال کہنے والے بلکہ کہنا درکنار، جس کے دل میں ان کا خطرہ بھی گذرے، اس کو بھی کافر کہتے ہیں۔ ان سب جوابات کو ایک رسالے میں جس کا نام ''الختم علی لسان الخصم'' رکھا ہے، چھاپ کر شائع کیا، ایک نسخہ میرے پاس بھی بھیجا۔ میں نے شکریہ...... کے علاوہ ایک خط لکھا۔ جس میں لکھا تھا کہ آؤ یار ہاتھ ملائیں۔ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ جس وقت اعلیحضرت نے کفر کا فتویٰ دیا تھا، تو آپ حضرات نے آسمان سر پر اٹھالیا تھا کہ، ہائے کافر کہہ دیا۔ کفر کا فتویٰ دے دیا، بات بات میں کافر کہا کرتے ہیں۔ اب یہ اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کی کیسی پوری تصدیق ہے کہ جن جن اقوال کو اعلیٰ حضرت نے کلمہ کفر بتایا تھا ان سب کو آپ کے علماء و اکابر بھی کلمۂ کفر ٹھہرا رہے ہیں اور ان کے قائل کو کافر بتاتے ہیں، بلکہ تکفیر میں غلو بھی قابل ملاحظہ ہے۔ کہ جس کے دل میں اس کا خطرہ گذرے اس کو کافر بتاتے ہیں۔ حالانکہ خطرات پر ہرگز حکم کفر نہیں بلکہ حدیث شریف میں تو اس کو صریح الایمان فرمایا گیا۔ ''عن ابی هريرة قال جاء ناس من اصحاب رسول الله ﷺ الى النبی صلی الله تعالى عليه و سلم فسالوه انا نجد فی انفسنا ما يتعاظم احد نا ان يتكلم به قال اوقد وجد تموه قالو انعم قال ذا لک صريح الايمان''. (رواہ مسلم)

حضرت ملک العلما کے مذکورہ تبصرہ وتنقید کو بار بار پڑھنے سے یہاں دو امر واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ اشرفعلی

تھانوی وغیرہ نے جو توہین رسالت پر مشتمل عبارات لکھی ہیں اور جن کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اور علمائے حرمین نے ان لوگوں پر کفر کا فتوی دیا ہے، وہ ان کے نزدیک بھی کلمات کفر ہیں۔ خود ان لوگوں نے اپنے رسالہ "الختم علی لسان الخصم" میں لکھا ہے۔ "ہم لوگ ایسے اقوال کہنے والے بلکہ کہنا در کنار جس کے دل میں ان کا خطرہ بھی گذرے اس کو بھی کافر کہتے ہیں۔" لہٰذا اکابر دیوبند کے خود اپنے ہی فتاوی سے ان کا کافر ہونا ثابت ہو گیا۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

دوسرا امر یہ واضح ہوا کہ یہ دیو کے بندے ہی مسلمانوں کو کافر بنانے یا سمجھنے کا کام کرتے ہیں۔ اسی لئے تو دل میں کلمہ کفر کا محض خطرہ و وسوسہ گذرنے کو جب کہ آدمی برا جانتا ہو، ہمارے رسول ﷺ نے عین ایمان بتایا اور اس سے متصف افراد کو واضح مسلمان فرمایا۔ لیکن یہ دیابنہ یہ جواب دے کر کہ "جس کے دل میں ان اقوال کا خطرہ بھی گذرے اس کو بھی کافر کہتے ہیں۔" صریح ایمان کو کفر اور اس سے موصوف اشخاص کو کافر گردان رہے ہیں۔ حق ہے کہ چور لاکھ اپنی چوری پر پردہ ڈالے، مگر کہیں نہ کہیں اپنا نشان چھوڑ ہی جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے والے کا جھوٹ اور چوری کرنے والے کی چوری ایک نہ ایک دن پکڑ میں آ ہی جاتی ہے۔

یہ مخفی نہ رہے کہ حضرت ملک العلماء اور ان کے رفیق مولانا محمد عبدالرشید وغیرھما طلبہ منظر اسلام بریلی کے یہ بیس سوالات اتنے مسکت اور لاجواب تھے کہ تھانوی کو انہیں ہاتھ میں لیتے ہی ان کے وزنی ہونے کا اندازہ ہو گیا اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ "میں نے آپ سے لے لیا اور اب آپ مجھ سے لے لیجیے۔" دیوبندیوں کے ایک اور مولانا مرتضی حسن در بھنگوی نے بھی چاہا کہ کسی طرح ہمارے اکابر سے کفر کے فتاوی اٹھ جائیں۔ لیکن ان کا جو حشر ہوا، اس کا اندازہ گذشتہ صفحات کی عبارتوں سے قارئین کو لگ گیا ہوگا۔ مزید وضاحت کے طور پر اس کے حشر و نشر کا اندازہ حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ کی مندرجہ ذیل عبارت سے لگا لیجیے، کتاب "ظفر الدین الجید" کے آخر میں یوں رقم طراز ہیں۔

"وہ زمانہ ہے اور آج کا دن ہے۔ کبھی مولوی مرتضی حسن صاحب کو پھر کچھ لکھنے کی جرات نہ ہوئی اور وہ مہر جو اپنے خصم پر لگانی چاہی تھی۔ خود ان کے منہ پر ایسی لگی کہ شاید کبھی بولنے کی ہمت نہ ہو۔ كذالك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار.

اکابر دیوبند کی کتابوں کی توہین آمیز عبارتوں کے دیکھنے کے بعد قارئین بھی یقینی طور پر اس نتیجے پر پہنچ گئے ہوں گے کہ سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت ابن عبد الوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کے نظریات و اعتقادات کے فروغ و استحکام کے لئے سب کے سب ایک جٹ ہو کر توہین خدا و رسول پر کمربستہ اور حب خدا و رسول کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ ورنہ کسی ایک سے ایسا جرم سرزد ہوتا یکے بعد دیگرے سب کی عبارتیں گستاخیوں پر مشتمل نہ ہوتی اور کوئی یہ کہہ دیتا کہ بغیر منصوبہ کے ایسی غلطی اس نے کر دی ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ رام پور، بدایوں، خیرآباد، فرنگی محل لکھنو اور بریلی سے جو کہ چوٹی کے علمائے کرام و مفتیان عظام اور خدام دین کے مراکز تھے۔ اور آج بھی ہیں، اس طرح کی عبارتیں معرض وجود میں نہ آئیں اور اکابر دیوبند میں سے تقریباً ہر ایک کی عبارتوں میں اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیوں کی بھرمار اور دشنام طرازیوں کا طومار ہے۔

کیا اس سے ان محققین کے اقوال کی تصدیق و تائید نہیں ہوتی، جنہوں نے اپنی تحقیقات میں درج کیا ہے کہ یہ لوگ اسلام

دشمن انگریز اور ننگ انسانیت یہودی لابی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا مقصد صرف اور صرف ان کے مشن کو فروغ دینا اور ان کی سازشوں کو استحکام بخشنا تھا۔ مگر علمائے اہلسنّت کے بروقت متحرک ہو جانے، شبانہ روز کی دوڑ دھوپ اور انتھک کاوشوں سے ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔

آج سارے دیوبند، وہابی، امام عشق و محبت، فقیہ اعظم، مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ جن کی تائید و تحسین علمائے ہند و پاک کے ساتھ ساتھ علمائے مکہ و مدینہ نے کی، ان کو خلافت و اجازت سے نوازا اور خود بھی لی، کو برا بھلا کہتے نہیں تھکتے ہیں، محض اس لئے کہ انہوں نے اور ان کے خلفا مثل حضور ملک العلماء نے حق بات کہہ دی، گستاخ کو گستاخ کہا، کافر کو کافر کہا اور رسول پاک، صاحب، لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "الحق مر" (حق بات کڑوی ہے) اسمیں نہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا قصور ہے نہ ان کے احباب و شاگرد مثل ملک العلماء کا اور نہ ہی علمائے مکہ و مدینہ کا۔ ان حضرات نے گستاخ رسول کو گستاخ رسول اور کافر کو کافر کہہ کر ایک طرف آدمی نما بھیڑیئے سے مسلمانوں کو ہوشیار کیا یا انہیں بچایا، تو دوسری طرف گستاخیوں اور گالیوں کے وہ تیر جو دیوبند سے گنبد خضرا کے مکین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات اقدس پر برسائے جارہے تھے۔ ان کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ ورنہ ان حضرات کو علمائے دیوبند کی کفری عبارتوں پر فتوی دے کر گالیاں سننے کا کوئی شوق نہ تھا۔ آپ نے دیوبندیوں سے کہہ دیا، کہ تم عبدالمصطفے احمد رضا کو جتنی گالیاں دینا چاہو دے لو۔ مگر ہمارے رسول ﷺ کو نہ دو۔ توہین و گستاخی کا جو بھی تیر چلانا چاہو، میری طرف چلاؤ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ وہابیوں، دیوبندیوں کے دشنامی تیروں کا رخ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فتوے کے بعد مدینہ منورہ کے بجائے بریلی کی طرف ہو گیا۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا سینہ سامنے آکر ڈھال بن گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو مزید گستاخیوں سے محفوظ کر لیا۔ اب کوئی دیوبندی، وہابی اس طرح کھل کر گالی نہیں دے سکتا۔ پھر انعام خسروی ہوا کہ انہوں نے صدرالافاضل، صدرالشریعہ، مفتی اعظم، ملک العلماء وغیرھم پر مشتمل ناموس رسالت کے تحفظ کا ایک دستہ تیار کیا اور اس حفاظتی دستہ کے میر کارواں اور علمبردار کے نام سے ایک عالم میں جانے پہنچانے گئے، افق عالم پر امام عشق و محبت اور مجدد اعظم کی حیثیت سے چھا گئے۔

قارئین کرام: یہ حضرت سید محمد ظفر الدین رضوی فاضل بہار کے علمی مقام کے بارے میں صرف ایک کتاب میں مذکور ان کے چند سوالات اور کچھ اقتباسات ہیں۔ جن کی روشنی میں حضور ملک العلماء کی مناظرانہ شان و شوکت کی چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں اگر یہ مقام طول کا متحمل ہوتا تو ایسی کئی جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا اور اگر میری میز پر حضرت ملک العلماء قدس سرہ کے دوسرے چند اور مناظروں کی روداد مثلاً شکست سفاہت، گنجینۂ مناظرہ اور ظفر الدین الطیب وغیرھا ہوتیں تو یہ مضمون ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر سکتا تھا۔ ملک العلماء کی شان عالی میں یہ حقیر نذرانہ عقیدت اور خراج محبت گر قبول بارگاہ ہو جائے تو میرے لئے نصیبے کی ارجمندی اور سعادت کی سربلندی ہوگی۔ جس ذات ستودہ صفات کا خاتمہ بالخیر ذکر جہر "اللہ اللہ" پر ہوا۔ اس پر لکھے ہوئے مقالے کا خاتمہ بھی "ذکر اللہ" پر سگ کوئے قادری کرتا ہے۔

ان اجری الا علی اللہ۔

☆☆☆

ملک العلماء کی نثر نگاری

ازقلم: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ۱۰۴، جسولی، بریلی شریف

اردو نظم ونثر کی ابتداء صوفیاء اور علماء ہی کی مرہون منت ہے اور آج بھی اسے زندہ رکھ کر تب وتاب اور توانائی عطا کرنے میں انہی صاحبان علم وقلم کا ہاتھ زیادہ ہے۔
سرسید احمد، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، نذیر احمد، شبلی نعمانی اور سرسید کے دوسرے رفقاء جب اردو نثر کو انسانی اور زمینی مسائل سے جوڑنے نیز اسے روزمرہ اور مختلف نقلی وعقلی علوم وفنون کی زبان بنانے کی مساعی کر رہے تھے۔ اس عہد میں بریلی کے فاضل امام احمد رضا خاں نے تن تنہا اس طرح کے امور بلکہ ان سے بڑھ کر کارنامے انجام دیے۔ علوم وفنون میں ایک ہزار پچاس سے زائد نقلی وعقلی کتب ورسائل اس بات کی شاہد ہیں۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی نے اردو کو قانون وعدالت، سائنس وریاضیات، سیاسیات، نظریات، اقتصادیات ومعاشیات وغیرہ کی زبان بنا کر دکھا دیا اور صرف یہی نہیں، بلکہ مختلف تصانیف میں حسب ضرورت انشاء پردازی کے جلوے بھی دکھائے ہیں اور طنز ونشتریت کے پھول بھی کھلائے ہیں۔
اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خلفا اور تلامذہ نے بھی اردو زبان وادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ امام موصوف کے انہی خلفا اور تلامذہ میں ایک اہم نام ملک العلماء علامہ سید محمد ظفر الدین قادری فاضل بہار علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی ہے۔ جنہوں نے فقہ، حدیث، توقیت تکسیر، سیرت، تاریخ وغیرہ علوم میں تصنیفات وتالیفات نیز مکاتیب کے توسط سے اردو نثر کو مالا مال کرنے میں زبردست کردار ادا کیا۔

ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین قدس سرہٗ العزیز:

ولادت: ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء وصال: ۱۸؍نومبر ۱۹۶۲ء کا تعلق صوبۂ بہار کی راجدھانی عظیم آباد (پٹنہ) سے تھا۔ وہ یادگار اعلیٰ حضرت دار العلوم منظر اسلام بریلی کے پہلے فارغ التحصیل تھے۔ ملک العلماء اپنے وقت کے جید علمائے دین اور توقیت وتکسیر کے ماہرین میں ایک تھے۔ ان کے کتب ورسائل کی تعداد ستر کے قریب ہے البتہ ان میں سے بہت کم کتب ورسائل زیور طبع سے آراستہ ہو پائے ہیں۔ لہٰذا محض چند تصانیف کی روشنی میں ان کی نثر نگاری کا جائزہ مناسب تو نہیں ہوگا، تاہم چند جھلکیاں دکھانے کی کوشش کی جائے گی، تاکہ یہ اندازہ ہو سکے، کہ وہ کس پائے کے نثر نگار تھے۔

۱۔ مجدد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں:

"مجدد کے لیے خاص اہل بیت سے ہونے کی ضرورت نہیں، نہ مجتہد ہونا لازم لیکن یہ ضرور ہے، کہ وہ سنی صحیح العقیدہ، عالم فاضل، علوم وفنون کا جامع، اشہر مشاہیر زمانہ، بے لوث حامیِ دین، بے خوف قامع مبتدعین ہو، حق کہنے میں نہ خوف لومۃ لائم ہو، نہ دین کی ترویج میں دنیوی منافع کی طمع، متقی، پرہیزگار، شریعت وطریقت کے زیور سے آراستہ رزائل وخلاف شرع سے دل برداشتہ

اور حسبِ تشریح علامہ حقی مجدد کے لیے ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہو، اس کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے۔ اس کے اوّل میں مشہور، معروف، مشار الیہ مایحتاج ہو۔" (چودھویں صدی کے مجدد از ملک العلماء، صفحہ ۴۴)

مندرجہ بالا اقتباس میں مجدد کے اوصاف کا بہت ہی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ اقتباس خیال کی وضاحت کا عمدہ نمونہ ہے۔ تحریر علمی ہونے کے سبب تھوڑی مشکل ضرور ہے، لیکن یہاں الفاظ قامع، لومتہ لائم، مشار الیہ مایحتاج وغیرہ لانا ناگزیر بھی تھے اس لیے کہ کسی خیال کی وضاحت یا کسی دینی، علمی بات کی تعریف کے لیے کچھ ٹکنیکل الفاظ کا استعمال ناگزیر بھی ہو جاتا ہے۔ دین، مبتدعین، آراستہ، دل برداشتہ وغیرہ قافیہ الفاظ نے اس خالص علمی تحریر میں دل کشی پیدا کر دی ہے۔

۲۔ اس کتاب "چودھویں صدی کے مجدد" سے ایک اقتباس اور دیکھیے:

"قاعدہ کی بات ہے کہ جو شخص کسی عقیدہ اور خیال میں ایسا پختہ ہو کہ ایک ہاتھ میں اس کے آفتاب اور دوسرے میں ماہتاب آسمان سے اتار کر دے دیں۔ جب بھی وہ اپنے عقیدے سے باز نہ رہے، ایسا پختہ شخص اس عقیدہ کی تبلیغ کر سکتا ہے اور لوگوں پر اس کا اثر بھی ہوگا کہ۔ ع "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" (صفحہ ۴۸)

اس اقتباس میں زبان کی سادگی اور بیان کی سادگی صفائی لائق دید ہے۔ ایجاز و بلاغت کا اچھا نمونہ ہے۔ صحیح اور پختہ عقیدے کی حامل شخصیت کا مدلل بیان بہت ہی خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ فارسی مصرع کو عمدگی سے سمویا ہے۔ نثر میں شعریت کی اچھی مثال ہے۔

۳۔ "اس وقت تک اعلیٰ حضرت کا قصد حج و زیارت کے لیے سفر کا بالکل نہ تھا کہ حج فرض ادا ہو چکا تھا، زیارت سے مشرف ہو چکے تھے صرف ان کی مشایعت مقصود تھی۔ اسی درمیان حضرت کو اپنی نعتیہ غزل یاد آ گئی ہے۔ جس کا مطلع ہے:

گذرے جس راہ سے وہ سید والا ہوکر
رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہوکر

اس کا ایک شعر یہ ہے:

وائے محرومیِ قسمت کہ میں پھر اب کی برس
رہ گیا ہمرہ زوّار مدینہ ہوکر

اس کا یاد آنا تھا کہ دل بے چین ہو گیا اور وہی ہوا، جس کو حضور نے دوسری غزل میں فرمایا ہے ۔

پھر اٹھا ولولۂ یاد مغیلانِ عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابانِ عرب

(حیاتِ اعلیٰ حضرت حصہ اوّل، ص ۴۳)

یہ تحریر بھی زبان کی سادگی اور بیان کی صفائی کا اچھا نمونہ ہے۔ اس سادگی میں بھی بیانیہ نثر کا حسن اور پرکاری موجود ہے۔ تحریر کے بیچ میں اور آخر میں خوبصورت اشعار کے خوبصورت استعمال نے سادہ سی تحریر کو جمال و وقار کا پیکر بنا دیا ہے۔

۴۔ "ابتدائی کتابیں ان مولوی صاحب سے جب حضور نے پڑھ لیں، تو میزان منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔ میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم مغفور کو دیکھا تھا۔ گورا چٹا رنگ عمر تقریباً اسی سال، داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید، عمامہ باندھے رہتے۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت بہت ہی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ایک زمانے میں جب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ امر تلا لین میں تھا۔ وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے۔ فتاوے میں اکثر استفتا ان کے ہیں۔ انہی کے ایک سوال کے

جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" تحریر فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت ان کی بات بہت مانا کرتے۔ جب کوئی اہم کام سمجھا جاتا۔ لوگ حضرت مرزا صاحب مرحوم کو سفارش میں لاتے۔ ان کی سفارش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اعلیٰ حضرت ان کا بہت زیادہ خیال فرماتے اور وہ جو کچھ عرض کرتے۔ ان کی عرض قبول فرماتے۔ بڑے صاحب تقویٰ اور اعلیٰ حضرت کے فدائی اور جاں نثار تھے۔" (حیاتِ اعلیٰ حضرت حصہ اوّل، ص۳۲)

مندرجہ بالا اقتباس میں خاکہ نویسی کا خوب صورت جلوہ بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے استاد مرزا غلام قادر بیگ صاحب کے رنگ و روپ، عمر، عمامہ وغیرہ کا اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ اس تحریر میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے استاد کا بہت ادب کرتے تھے اور استاد کو اپنے اس عظیم شاگرد پر بڑا ناز تھا، ان کے علم و فضل کے معترف تھے اور ایک طرح سے ان سے عقیدت و محبت بھی رکھتے تھے۔ اس تحریر میں شخصیات کا حقیقی بیان بھی ہے اور خیال کی توضیح بھی۔ اس بیانیہ نثر میں بیان تحریری سے زیادہ حقیقی ہے۔ جزئیات کا بیان بھی بہت خوبی سے کیا ہے۔ "گورا چٹا رنگ، عمر تقریباً اسّی سال، داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید، عمامہ باندھتے رہتے۔" یہ اقتباس سادہ بیانی کا بہت ہی عمدہ نمونہ ہے۔

۵۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اسلامی مساوات کا نمونہ پیش کرتے ہوئے ملک العلماء ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضور ان کے یہاں تشریف فرماتے تھے کہ ان کے محلے کا ایک بیچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر جو صحن کے کنارے پڑی تھی، جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا، کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی، مگر کچھ فرمایا نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے۔ حضور نے اپنی چارپائی پر جگہ دی۔ وہ بیٹھے ہی تھے، کہ اتنے میں کریم بخش حجام حضور کا خط بنانے کے لیے آئے۔ وہ اس فکر میں تھے، کہ کہاں بیٹھوں، حضور نے فرمایا، کہ بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا وہ بیٹھ گئے۔ پھر تو ان صاحب کے غصے کی یہ کیفیت تھی، کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور اٹھ کر چلے گئے۔ پھر کبھی نہ آئے۔ خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا، تو حضور نے فرمایا اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا میں بھی ایسے متکبر مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت حصہ اوّل، ص۴۰)

مندرجہ بالا اقتباس میں ایک واقعے کا بیان ہے۔ ایک متکبر اپنے غریب مسلمان پڑوسی کو کس قدر حقیر سمجھتا ہے اس کے بیان میں اختصار سے کام لیتے ہوئے بھی اس شخص کی فطرت ایسی واضح کر دی ہے کہ لگتا ہے کہ اس کی شخصیت کی تمام گرہیں کھول دیں ہیں۔ جملہ دیکھئے:

"صاحب خانہ نے نہایت کڑے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔"

اس میں واقعے کی اچھی تصویر کشی کی ہے۔

یہ جملہ دیکھئے: "پھر تو ان صاحب کے غصے کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے۔" اس میں کیفیت غصہ کو سانپ کی پھنکار سے تشبیہ دے کر نثر کو دل کش بھی بنایا ہے اور شکوہ بھی پیدا کیا ہے۔

خود کو بڑا سمجھنے والا انسان اور صحن میں ٹوٹی چارپائی۔ ظاہر

ہے یہ بیان اصلیت پر ہی مبنی ہے۔ اس لیے کہ مصنف ایک عالمِ دین ہے اور ایک عالمِ دین کے حوالے سے واقعہ بیان کر رہا ہے۔ لٰہذا کذب بیانی یا مبالغہ آرائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس، ٹوٹی چارپائی والے واقعے سے طنز کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ لیکن بہت ہی لطیف طنز کہ غرور کا یہ عالم، کہ غریب کو کوئی وقعت نہیں چارپائی ٹوٹی۔ یہ کیسی بڑائی ہے؟ دوم یہ، کہ شاید یہ چارپائی میرے غیروں ہی کے لیے چھوڑا ہو کہ وہ اس پر بیٹھیں تب بھی صاحب خانہ کی بڑائی قائم رہے۔ اور اگر انہیں اس پر بھی نہ بیٹھنے دیا جائے تو اس کی زبردست تحقیر ہو اور ان کی بڑائی اور نشان قائم رہے۔

یہ اقتباس زبان و بیان کی سلاست، ایجاز و بلاغت، شکوہ و دل کشی وغیرہ کا اچھا نمونہ ہے۔ اس میں توضیحی، بیانیہ اور تاثراتی نثر کے نمونے شامل ہیں۔

”سدالفرار لمهاجری بهار معروف به هجرت بنگال ۔ ملک العلماء کا مشہور رسالہ ہے۔ ۱۹۴۶ء میں بہار کے شرپسند غیر مسلم نے مسلمانوں کے ساتھ جس ظلم اور درندگی کا ثبوت دیا اس سے پریشان ہوکر مسلمان خاص تعداد میں بنگال جانے لگے۔ مصنف نے اس رسالے میں اس بھگدڑ کو روکنے اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے، کہ یہ ہجرت نہیں فرار ہے۔ اور کسی بھی صورت میں ان کے لیے جن مقامات پر وہ جارہے ہیں وہاں کے مسلمانوں کے لیے سودمند نہیں ہے۔

زیر نظر رسالے سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

۶۔ ”اواخر اکتوبر اور اوائل نومبر میں بہار کے ہنود نے کانگریسی وزارت کے بھروسے پر مسلمانوں کے ساتھ جس بربریت، بہیمیت، درندگی کا ثبوت دیا زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کا عشر عشیر کیا ہزارواں، لاکھواں حصہ دیکھیے، تو کبھی سننے میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ تاریخِ عالم اس قسم کے واقعات سے خالی ہے۔ دنیا میں دشمنی کرنے والوں کے ساتھ دشمنی کی جاتی ہے۔ قتل کرنے والوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ نقصان پہنچانے والوں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ لیکن بے وجہ بیٹھے بٹھائے ناکردہ گناہوں پر مصیبت کا پہاڑ توڑنا دیا دیانت والے، تو کجا؟ کسی شعور والے کا بھی کام نہیں، کہ ناکردہ گناہوں پر دو چار نہیں، دس بیس نہیں، سو پچاس نہیں ہزار دو ہزار نہیں دس ہزار بیس ہزار کا مجمع آپہنچے اور قتل و غارت، لوٹ مار اندھا دھند مچانا شروع کردے۔ جس میں نہ بوڑھوں کی تمیز ہو، نہ عورتوں کی، نہ بچوں کی، نہ دودھ پیتوں کی، نہ معذور کی، نہ معصوموں کی، حتیٰ کہ حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کرکے دنیا میں آنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ فرعون نے بھی بچوں کو دنیا میں آنے کے بعد قتل کیا تھا۔ یہ قتل فرعون کا بھی ریکارڈ توڑتا ہے اور یہ سب باتیں اس جماعت کے افراد کی منظم سازش سے ظہور پذیر ہیں۔ جس کے بڑے لیڈر اہنسا اہنسا کی رات دن رٹ لگایا کرتے ہیں۔ (سدالفرار ۔۔۔۔ص ۱)

۷۔ ”جب مسلمانوں پر اسلامی زندگی تنگ ہو، شریعت پر عمل کرنے سے روکے جائیں۔ شریعت کے خلاف کرنے پر مجبور کیے جائیں اس وقت دین کی حفاظت، دین کے بچاؤ کے لیے ایسی جگہ جہاں احکامِ اسلام پر آزادی کے ساتھ عمل کرسکیں۔ اے میرے بنگال کے مسافرو! میرے بہاری بھائیو! کیا واقعی آپ لوگ دینی امور بجالانا چاہتے ہیں۔ مگر اس سے بہ جبر روکے جاتے ہیں، اس کی وجہ سے آپ کو ایسی ایسی مصیبتیں وایذائیں دی جارہی ہیں، جن کو ایک حد تک تو برداشت کیا، اب برداشت سے باہر ہوگئیں اور فرائض وواجبات کا ذکر کیا سنن، مستحبات، نوافل ادا کرنے کے لیے آپ بے چین ہیں اور اسی شوق ذوق میں بنگال جارہے ہیں، تو

ضرور جائیے اللہ آپ کا محافظ و نگہبان ہو۔'' (سد الفرار۔۔۔ص ۴)

۸۔ ''وہ گرمی کا دن بہت ہی بڑا ہوتا ہے اور شب چھوٹی لیکن دن یہ خیال کرے کہ ہم بڑھتے بڑھتے رات پر غالب آجائیں گے۔ پھر دنیا میں دن ہی دن رہے گا۔ تاریکی کا نام باقی نہ رہے گا۔ تو یہ بھی سراسر بھول اور نادانی ہے۔ جب مسلمان سیکڑے کی تعداد میں تھے، تب تو ختم نہ ہوئے۔ جب ہزار تھے، تو ختم کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب لاکھ تھے تو ختم کرنا ممکن نہ ہوا، تو کروڑ کیا کروڑوں کی تعداد میں ہیں، کون سر پھرا خیال کرسکتا ہے، کہ ان کو ختم کرکے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ ع ایں خیال است و محال است و جنوں۔ اس طرح اگر کوئی مسلمان مذہب کے جوش میں یہ خیال کرے، کہ کفر و شرک کا نام نہ باقی رکھیں گے یہ بھی غلط۔ اسلامی سلطنت میں تو ایسا نہ ہوسکا اب انگریزی عہد میں ایسا ہونا کیوں کر ممکن ہے۔ ان کا رہنا بھی ضروری ہے۔

ع۔ دوزخ کرا بسوز دگر بولہب نباشد۔'' (سد الفرار۔۔۔ص ۱۹)

۹۔ ''کیا آپ کی غیرت اس کی متقاضی ہے کہ آپ کے باپ دادا نے تو دار الکفر میں آکر اسلام کا چراغ روشن کرکے خداوندِ قدوس کے یہاں سرخروئی حاصل کی تھی۔ آپ اپنے اس قول سے دائرۂ اسلام سے اسلام کے چراغ بجھا کر اس کو دار الکفر بنا کر خدا کے یہاں کالا منہ لے کر جائیے۔'' (سد الفرار۔۔۔ص ۲۸)

اقتباس ۶ اور ۷ میں روانی، وقار و متانت، استدلال کے ساتھ حکایت، زور بیان، تقابل و موازنہ اور طنز و تعریض بھی موجود ہیں۔ واقعہ نگاری میں اصلیت کے ساتھ ساتھ مبالغے کا عنصر نثر میں حسن پیدا کرتا ہے البتہ مبالغہ دائرۂ کذب میں نہ پہنچنے پائے۔ ۶ میں کچھ جملے میں مبالغہ آرائی کے جلوے تھے مگر اعتدال کے ساتھ اور اس کی نثر میں دل کشی حسن و شکوہ پیدا ہوگیا ہے۔

''بربریت، بہیمیت، درندگی'' وغیرہ مرادفات لفظ کی تکرار جیسے دشمن معصوموں وغیرہ آواز الفاظ کا رواں دواں استعمال اور ''اہنسا اہنسا کی رات دن رٹ لگایا کرتے ہوئے'' میں بھرپور طنز کا جلوہ۔

اقتباس (۷) میں ''ہجرت کیوں کی جاتی ہے'' کی وضاحت اور مسلمانوں کو جوش و غیرت دلانا وغیرہ۔ اس سنجیدگی اور سادہ بیانی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں کہ تحریر میں بغیر کسی تصنع یا لفظی کاریگری کے حسن پیدا ہوگیا ہے۔ دعوے کی دلیل بہت ہی متانت اور وقار کے ساتھ دی گئی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر کو بہت ہی عمدگی اور خط میں اندازِ بیان کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔ اس اقتباس کے آخر میں یہ کہہ کر، ''اور اسی شوق ذوق میں بنگال جارہے ہیں تو ضرور جائیے اللہ آپ کا محافظ و نگہبان ہو'' ایک رمزیہ حسن برپا کردیا ہے۔

اقتباس (۸) میں تمثیل نگاری بھی ہے اور مجردات کی پیکر تراشی بھی۔ یہ نثر بھی وضاحت خیال روانی اور سادہ بیانی کا عمدہ نمونہ ہے اور استدلال، ایجاز و بلاغت نیز تمثیل نے اس تحریر کی سادگی کو بلا کی پرکاری میں بدل دیا ہے۔ فارسی مصرعہ کی بہت ہی حسن و خوبی سے آمیزش کی گئی ہے۔

اقتباس (۹) میں طنز و نشتریت کے جلوے ہیں۔ صفت تضاد کا استعمال بھی ہے یہ نثری تحریر طنز و تعریض کے باوجود وقار و متانت سے پُر ہے۔ اِس میں بھی فارسی مصرعہ کی آمیزش بہت برمحل ہے۔ ملک العلما نے اردو تحریروں میں قرآنی آیات اور حدیث وغیرہ کو بھی بہت عمدگی سے سمویا ہے۔ اکثر تحریریں علمی ہیں تاہم اپنے انداز بیان سے دل کشی پیدا کردی ہے۔

حضرت ملک العلماء نے مکاتیب بھی لکھے ہیں مگر وہ نایاب ہیں۔ چند نمونے ان کے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے پیش فرمائے ہیں جو ان کی کتاب

"حیات ملک العلماء" میں شامل ہیں۔ ان خطوط میں زیادہ تر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کی تصانیف کی اشاعت وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس سے حضور ملک العلماء کے جذبے کے خلوص اور دینی دردمندی کا احساس ہوتا ہے۔

یوں تو مکاتیب میں ہر طرح کا نثری اسلوب اختیار کیا جاسکتا ہے۔ خطوط غالب میں توضیحی، بیانیہ، تاثراتی اور انانیتی نثروں کی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن غالب کے مکاتیب میں اظہار ذات کا عنصر نمایاں ہے۔ ملک العلماء کے مکاتیب میں اظہار ذات ایگو (Ego) کی شکل میں نہ ہو کر اظہار دردمندی کے طور پر ہے۔ یہاں ان کے ایک خط کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے جس سے سچائی خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔

۱۰۔ بریلی کے ایک مخلص دوست کو لکھتے ہیں! (مکتوب مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء) میں نے تین مہینے کس جاں فشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا مگر جو قدر دانی کی گئی وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔"

(نوٹ)

حضرت ملک العلماء کی اکثر تصانیف چھپی نہیں ہیں اور جو شائع ہو چکی ہیں وہ عام نہیں اگر ان کی تمام تصنیفات و تالیفات کی روشنی میں ان کی نثر نگاری کے جائزے کا فریضہ انجام دیا جائے تو یقیناً ملک العلماء کی نثر نگاری کا انداز اس لائق پایا جائے گا کہ انہیں اردو کے بڑے نثر نگاروں کی صف میں باوقار مقام دیا جائے۔

☆☆☆

"جب مسلمانوں پر اسلامی زندگی تنگ ہو، شریعت پر عمل کرنے سے روکے جائیں۔ شریعت کے خلاف کرنے پر مجبور کیے جائیں اس وقت دین کی حفاظت، دین کے بچاؤ کے لیے ایسی جگہ جہاں احکامِ اسلام پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکیں۔ اے میرے بنگال کے مسافرو! میرے بہاری بھائیو! کیا واقعی آپ لوگ دینی امور بجالانا چاہتے ہیں۔ مگر اس سے بہ جبر روکے جاتے ہیں، اس کی وجہ سے آپ کو ایسی ایسی مصیبتیں وایذائیں دی جارہی ہیں، جن کو ایک حد تک تو برداشت کیا، اب برداشت سے باہر ہو گئیں اور فرائض وواجبات کا ذکر کیا سنن، مستحبات، نوافل ادا کرنے کے لیے آپ بے چین ہیں اور اسی شوق ذوق میں بنگال جارہے ہیں........" (عبدالنعیم عزیزی)

ملک العلماء کی ادبی خدمات

ازقلم: ڈاکٹر صابر سنبھلی سابق صدر شعبۂ اردو، ایم۔ایچ (پی.جی) کالج، مرادآباد

ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمۃ متعدد علوم کے جید عالم اور عظیم اہلِ قلم تھے۔ اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ ان کی تصنیفی خدمات کے پیش نظر اُن پر کتابیں لکھی جانی چاہیے تھیں۔ رسالوں کے ادبی گوشے شائع ہونے چاہیے تھے، بلکہ خاص نمبر بھی شائع کیے جانے کی ضرورت تھی۔ مگر میری معلومات کے مطابق ایسا کچھ نہیں ہوا۔ یہ سوادِ اعظم کی خوابیدگی کی ایک زندہ مثال ہے۔

۳۰۔۳۵ برس پہلے مَیں نے حضرت ملک العلماء کی ایک تصنیف ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' حصہ اوّل مستعار لے کر پڑھی تھی۔ اس کتاب پر شاید اسی زمانے میں ''العلم'' کراچی میں تنقیدی تبصرہ بھی شائع ہوا تھا، جو مَیں نے اب سے پندرہ سولہ برس پہلے مفتی محمد ابراہیم فریدی مرحوم مقیم بدایوں شریف کے دولت کدے پر پڑھا تھا۔ مجھے یہ زبانی اطلاع بھی پہنچی تھی کہ حضرت ملک العلما نے احادیث کے خطیر ذخیرے سے حنفی مسلک کی مؤید احادیث کا انتخاب کر کے احادیث کا ایک مجموعہ ''صحیح البہاری'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ حنفی مسلک کی بڑی خدمت تھی۔ لیکن معلوم ہوا کہ اس کی جلدیں نایابی کی حد تک کمیاب ہیں۔

جب مجھ سے مضمون لکھنے کی فرمائش کی گئی تو مَیں نے اپنی کتابوں کی الماریوں کی تلاشی لی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ محنت رائیگاں نہیں گئی۔ حضرت ملک العلما کی ایک تصنیف ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' معروف بہ ''توضیح التوقیت'' دستیاب ہوگئی۔ یہ فنِ ہیئت وتوقیت پر ایک عالمانہ تصنیف ہے، جو مولویوں کے لیے تو از قسم شاذ ہی ہے۔ لیکن آج کے سائنس کے تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بھی ایک عظیم تحقیقی کام ہے۔ ڈاکٹر عزیزی صاحب کو ایک عریضہ ارسال کیا۔ اگر کچھ مواد مل سکے، تو میری مشکل آسان فرما دیں۔ انہوں نے کچھ مدد فرمائی۔ پھر ایک کتاب ''چودھویں صدی کے مجددِ اعظم'' دستیاب ہوگئی۔ ان کتابوں کی مدد سے جو مضمون لکھا جائے گا، اس میں موضوع کے ساتھ انصاف تو نہیں ہوسکتا، البتہ اشک شوئی ہوسکتی ہے۔

یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت قبلہ نے کتنی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ''تذکرۂ اکابرِ اہلِ سُنّت'' کے مؤلف مفتی شفیق احمد شریفی صاحب لکھتے ہیں:

''آپ نے درجنوں کتابیں بڑی وقیع تصنیف فرمائی ہیں۔''

(صفحہ ۲۸۳) اور دو کتابوں کے نام لکھے ہیں ''جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری'' اور ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''۔

''تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ'' کے مؤلف مولانا عبدالمجتبیٰ تحریر فرماتے ہیں: آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔''

(صفحہ ۴۶۱) اور کسی کتاب کا نام نہیں لکھا۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے راقم السطور کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''فقہ، حدیث، مناظرہ، توقیت، سیرت، صرف، نحو، اخلاق، تاریخ وغیرہ فنون پر ستّر کے قریب کتابیں لکھیں۔ اور

موصوف نے ۱۸؍ کتابوں کے نام بھی تحریر فرمائے۔

"الجواہر الیواقیت فی علم التوقیت معروف به توضیح التوقیت" پر اشاعت کی تاریخ یکم جنوری ۱۹۴۳ء درج ہے۔ اوّلین سرورق کے اندرونی صفحے پر ۱۳۵۷ھ تک حضرت کی ۴۸؍ کتابوں کی فہرست ہے۔ ہر کتاب کے سامنے سالِ تصنیف بھی درج ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ۱۳۵۷ھ تک حضرت کی کم از کم ۴۸ کتب شائع ہو چکی تھیں اور "توضیح التوقیت" ۴۹؍ ویں تھی۔ کتاب ۱۹۴۳ء میں چھپی ۔جو تقریباً مطابق تھی ۱۳۶۲ھ کے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ معمہ پُر ہو جانے کے سبب ۱۳۵۷ھ تا ۱۳۶۱ھ (۴؍ سال) کی تصنیفات و تالیفات اس فہرست میں نہیں ہیں۔ اس کتاب کے آخری سرورق کے اندرونی صفحے پر "صحیح البہاری" کا اشتہار بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفی مسلک کی تائید کرنے والی پچاس ساٹھ ہزار احادیث کا یہ مجموعہ ۶؍ جلدوں پر مشتمل تھا اور ہر جلد کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جس کے صفحات اندازاً چھ ہزار تھے۔ کیونکہ اس اشتہار میں دوسری جلد کے چاروں حصّے طبع ہونے کی خوش خبری دی گئی تھی اور ان کے صفحات کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کو ایک کتاب مانا جائے تو ۶؍ ہزار صفحات کی کتاب ہوئی اور اگر حصّوں کو الگ الگ کتابیں مانا جائے تو یہ ۲۴؍ کتابوں کا مجموعہ ہوا۔ اس کے بعد حضرت تقریباً ۱۹؍ برس زندہ رہے اور قلم کے دھنی کبھی خالی نہیں بیٹھتے۔ یہ اُن کی مجبوری ہوتی ہے۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" اور "چودھویں صدی کے مجدد اعظم" بھی بعد میں ہی منظر عام پر آئیں۔ ڈاکٹر عزیزی صاحب کی مرسلہ فہرست میں سے بھی کئی کتابیں اس فہرست میں نہیں ہیں۔ اس لیے حضرت کا ستّر کتابوں کا مصنف یا مؤلف ہونا کچھ حیرت کی بات نہیں، بلکہ گمان غالب ہے کہ تصنیفات و تالیفات کی تعداد اس سے زیادہ ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ سائنس اور ادب میں خلقی بیر ہے۔ جو لوگ سائنسی ذہن رکھتے ہیں، اُن کو ادب سے دل چسپی نہیں ہوتی اور جن کو ادب سے لگاؤ ہوتا ہے، سائنس ان کے لیے کالا اچھر بھینس برابر ہوتا ہے۔ لیکن حضور ملک العلماء کے ساتھ یہ بات درست نہیں۔ تین چار کتابوں سے ہی ان کا بہترین ادیب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

موصوف عربی کے فاضل تھے۔ عربی کی شدبد رکھنے والوں کو بھی مولوی کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مولوی، ادیب کہاں ہو سکتے ہیں، ان کی تو زبان ہی جناتی ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ اردو ادب کے عناصرِ خمسہ مولوی ہی تھے اور اردو ادب کا فروغ مولویوں کے ہی ہاتھوں ہوا ہے۔ حضرت ملک العلماء کا رجحان اگر چہ زیادہ تر دین کی طرف تھا، لیکن وہ ایسی نثر لکھتے تھے، جیسی کوئی سلجھا ہوا ادیب لکھتا ہے۔ نثر میں دو خوبیاں ہوں، تو وہ بہترین نثر کہلاتی ہیں۔ وہ دو خوبیاں ہیں ادائے مطلب میں قادر ہونا اور تاثیر رکھنا۔ یہ دونوں خوبیاں حضرت کی نثر میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ روانی اور برجستگی کی بھی کمی نہیں۔ چند مثالوں سے یہ دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچے گا۔

لیکن نثری نمونے پیش کرنے سے پہلے چند باتیں "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سوانحی تصنیف ہے اور سوانح نگاری ادب کی ایک صنف ہے۔ اس لیے یہ کتاب ادبی کاوشوں کے ذیل میں آئے گی۔

اردو میں سوانح نگاری کا بانی خواجہ حالی کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سوانح نگاری کو فن کا درجہ دیا۔ اس سے سوانح کی طرف قارئین کی توجہ مبذول ہوئی۔ اس کے لیے سوانح نگار لطائف، ظرائف، نکتہ آفرینیوں، توضیحات، فلسفیانہ موشگافیوں وغیرہ کا سہارا لیتا ہے اور بات کو سیدھی طرح کہنے کے بجائے تھوڑا اِدھر اُدھر گھما کر بیان کرتا ہے۔ چار سطروں کو آٹھ سطروں میں لکھتا ہے۔ اس سے کتاب کا حجم بھی بڑھتا ہے اور قاری کی دل چسپی بھی۔

بلاشبہ سوانح نگاری کا فن ان باتوں کا متقاضی ہے۔ کیونکہ ان سے کسی کے سوانحی حالات کی زیبائش ہوتی ہے، لیکن سوانح کی روح اور جسم دو چیزیں ہوتی ہیں۔ جسم معلومات اور روح استدلال۔ یہ نہ ہوں، تو سوانح چاہے دل آویز ہو، لیکن اس میں جان نہیں رہے گی۔

حضرت ملک العلماء نے حالی اور شبلی کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں کے بعد اعلیٰ حضرت کی سوانح عمری لکھی۔ وہ حیاتِ جاوید، حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب، الفاروق، المامون، سیرۃ النعمان، الغزالی، سوانح مولانا روم وغیرہ سے نابلد رہے ہوں گے۔ لیکن انہوں نے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' میں سوانح کی روح کو ہی اولیت دی اور کتاب کی ترتیب کا وہ انداز رکھا جو محدثین کرام نے کتب احادیث کا رکھا تھا۔ حالات اور واقعات کو اس طرح عنوان وار مرتب کیا، جس طرح امام بخاری نے بخاری شریف کو ترتیب دیا تھا اور یہی احادیث کی کتابیں عربوں کی تاریخ نویسی اور بعد میں دنیا کی ابتدا قرار پائیں۔ عربوں نے احادیث کے ان مجموعوں سے تاریخ لکھنے کا سلیقہ حاصل کیا۔ ان عربوں کی تاریخ نویسی کو دیکھ کر دنیا کے دیگر ملکوں میں تاریخ نویسی کی ابتدا ہوئی اور ان سے بلاواسطہ اور احادیث کے مجموعوں سے بالواسطہ دنیا نے تاریخ نویسی کے آداب سیکھے۔ محدثین کے طریقۂ ترتیب کی افادیت کے پیش نظر ہی حضرت ملک العلماء نے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی ترتیب نئے انداز سے نہیں کی۔ نئے انداز میں کچھ ایسی باتوں کی بھی گنجائش ہوسکتی تھی جو سچ نہ ہوں یا مصنف اپنی طرف سے گڑھ کر شاملِ کتاب کرے، لیکن روایتِ حدیث کے طریق کار نے اس کتاب کو اس خطرے اور خدشے کے دائرے سے باہر کردیا۔

رہا معلومات کا سوال تو اس کا اندازہ تو کتاب پڑھنے سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں کہ واقعات و معلومات کو نقل کیا جائے اور استدلال کے بارے میں کہنا ہی کیا ہے۔ بے دلیل بات کہنا تو شاید وہ جانتے ہی نہیں تھے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کا مطالعہ کر کے دیکھ لیا جائے۔

ملک العلماء کا کام عربی، فارسی یا اردو میں جتنا بھی ہے، میری معلومات کے مطابق سب نثر میں ہی ہے۔ ان کی شعر گوئی کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ جب ان کی ادبی خدمات نثر کی شکل میں ہی ہیں تو یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ وہ کیسی نثر لکھتے تھے۔

چونکہ حضرت ملک العلماء عظیم عالم تھے۔ اس لیے ان کی نثر کا انداز بھی عالمانہ ہے۔ پھر بھی اردو میں عربی، فارسی کے ادق الفاظ کے استعمال سے دامن کش رہے ہیں۔ البتہ جہاں علمی اصطلاحات آگئی ہیں، وہاں مجبوری رہی ہے اور ایسی نثر ہر عامی بلکہ اس عالم کے لیے بھی بے کیف اور بے مزہ ہوگی، جو ان اصطلاحاتِ علمیہ سے نابلد ہے۔ لیکن یہ اسلوب کی کمی یا خرابی نہیں بلکہ قاری کے ذوق اور پسند، ناپسند کی وجہ سے ہے۔

ملک العلما کی نثر بالکل روکھی پھیکی تو نہیں ہے، لیکن ایسی رنگین بھی نہیں جس کو تحقیقی نثر کہا جاتا ہے۔ علمی تحریروں میں تخلیقی نثر کا گزر ویسے بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی تحریریں استدلالی نثر میں ہی لکھی جاتی ہیں اور ملک العلما کی نثر کا غالب حصہ استدلالی نثر ہی میں ہے۔ توصیفی نثر کے نمونے بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ کم ہی سہی لیکن کہیں کہیں تاثراتی انداز بھی ملتا ہے۔

چند نمونے پیش خدمت ہیں۔ پہلے ''سدالفرار المہاجری بہار'' کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں جو ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے اس کتاب سے نقل کر کے بھیجی ہے:

''اواخر اکتوبر اور اوائل نومبر میں بہار کے ہنود نے کانگریسی وزارت کے بھروسے پر مسلمانوں کے ساتھ جس بربریت، بہیمیت و درندگی کا ثبوت دیا، زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کا عشر عشیر کیا ہزارواں، لاکھواں حصہ دیکھنا تو کجا سننے میں بھی نہ آیا ہوگا۔ تاریخ

عالم اس قسم کے واقعات سے خالی ہے۔ دنیا میں دشمنی کرنے والوں کے ساتھ دشمنی کی جاتی ہے، قتل کرنے والوں کو قتل کیا جاتا، نقصان پہنچانے والوں کو نقصان پہنچایا جاتا، لیکن بے وجہ بیٹھے بٹھائے نا کردہ گناہوں پر مصیبت کا پہاڑ توڑنا دین و دیانت والے تو کجا کسی شعور والے کا بھی کام نہیں کہ نا کردہ گناہوں پر دو چار نہیں، دس بیس نہیں، ہزار دو ہزار نہیں، دس دس ہزار بیس بیس ہزار کا مجمع پہنچے اور قتل و غارت، لوٹ مار، اندھا دھند مچانا شروع کردے، جس میں نہ بوڑھوں کی تمیز ہو نہ عورتوں کی، نہ بچوں کی نہ دودھ پیتوں کی، نہ معذوروں کی، نہ معصوموں کی۔ حتیٰ کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے، ہونے والے بچوں کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ فرعون نے بھی بچوں کو دنیا میں آنے کے بعد قتل کیا تھا۔ یہ قتل فرعون کا بھی ریکارڈ توڑتا ہوا ہے اور یہ سب باتیں اس جماعت کے افراد کی منظم سازش سے ظہور پذیر ہوں، جس کے لیڈر ''اہنسا اہنسا'' کی رات دن رٹ لگایا کرتے ہیں۔'' (صفحہ ۲۰۱)

کتنی تاثیر اور کتنی دل نشینی ہے، اس نثر پارے میں اور کس طرح مظلوموں کے مقدمے کو پیش کیا گیا ہے۔ کیا اس سے بہتر پیرایۂ بیان ممکن ہے؟ اب خالص علمی نثر کا انداز ملاحظہ فرمائیں:

''ضرب تین قسم کا ہوتا ہے۔ ضرب مفرد۔ یعنی ایک جنس کو ایک جنس میں ضرب دیں، عام ازیں کہ احاد ہو یا عشرات یا مرکب از احاد و عشرات۔ اس کا قاعدہ یہ ہے مفردین کو بقاعدۂ ضرب ارقام ہندیہ ضرب کریں۔ حاصل اگر ساٹھ سے کم ہو اس کو بعینہٖ باقاعدہ..... لکھ دیں۔

ورنہ ساٹھ پر تقسیم کر کے خارج قسمت کو ایک مرتبہ متقدم میں لکھیں اور اگر تقسیم کر کے کچھ بچ جائے اس کو خارج قسمت کے بعد دوسرے مرتبہ میں لکھیں اور اگر کچھ نہ بچے تو اس جگہ مفرد رکھیں تا کہ حاصل ضرب معلوم ہو۔ مثلاً مضروب و مضروب فیہ و حاصل ضرب ند؟۔'' (صفحہ ۲۱)

اس کتاب میں سے یہ سہل تر عبارت تلاش کر کے نقل کی ہے ورنہ اصطلاحاتِ علمیہ کے سبب صفحات سر سے گزر جاتے ہیں۔ یہ کتاب نثر نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہو یا نہ ہو، علمیت کا عمدہ نمونہ ضرور ہے۔ ایک عبارت ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' سے بھی نذر قارئین کی جاتی ہے:

''علمائے کرام نے اپنی مستند تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت و تعظیم یہ ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس ﷺ سے نسبت و اضافت ہے اُس کی تعظیم و توقیر کرنی اور ان میں سادات کرام جزء رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر و تعظیم ہیں اور اس پر پورا عمل کرنے والا میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کو پایا۔ اس لیے کہ کسی سیّد صاحب کو وہ اُس کی ذاتی حیثیت و لیاقت سے نہیں دیکھتے، بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا جزء ہیں۔ پھر اس اعتقاد و نظریے کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے سب درست و بجا ہے۔'' (صفحہ ۲۰)

انداز توضیحی ہے۔ روانی اور برجستگی میں کہیں کوئی چیز مُخل نہیں۔ حضرت ملک العلماء کی نثر کی یہ عام خصوصیت ہے۔ ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیں:

''ہندوستان کی سرزمین میں انیسویں صدی عیسوی میں جب اکبری ذہنیت رکھنے والے حضرات نے یک قومی نظریے کی اشاعت کی، تو فاضل بریلوی نے براہینِ قاطعہ اور حجج ساطعہ سے مجددانہ شان کے ساتھ اس نظریے کا پوری طرح قلع قمع کیا۔ اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی فضاؤں میں سب سے پہلے علماء میں فاضل بریلوی نے ''دو قومی نظریے'' کا نعرہ بلند کیا۔ ڈاکٹر اقبال (جو پہلے یک قومی نظریے کے موید تھے، بعد میں اس کے سخت مخالف ہوگئے

تھے) اور پھر قائد اعظم نے اس نظریے پر اپنی فکر کی بنیاد رکھی اور تحریکِ پاکستان کا آغاز کیا۔ اس مرحلے پر فاضلِ بریلوی کے خلفاو تلامذہ نے اہم کردار ادا کیا اور ''آل انڈیا سنّی کانفرنس'' کے پلیٹ فارم سے پاکستان کی حمایت میں ایک ہمہ گیر تحریک چلائی۔''

(چودھویں صدی کے مجدد اعظم، صفحہ ۳۰)

ڈاکٹر عزیزی صاحب نے ''حیاتِ ملک العلماء'' مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب سے چند خطوط کی نقلیں بھی راقم السطور کو روانہ کی تھیں۔ آپ کے ایک خط کا کچھ حصہ یہاں نقل کر رہا ہوں:

''(مولانا احمد رضا خاں مقیم گوالیار کے نام مرقومہ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ) اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سنّیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبرو مقابلہ، تکسیر، جفر زائچہ کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محبت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔ واقعی جناب نے انہیں حیاتِ جاوید بخشی اور ہر شخص کو ان کے علوم و فنون سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔''

ملک العلماء کا یہ خط تحریر میں خلوص کی عمدہ مثال ہے۔

برادرم ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب نے ملک العلماء کی اردو خدمات کے سلسلے میں کچھ یادداشتیں بھی ارسال کی ہیں۔ ان کو بعینہٖ یہاں نقل کر رہا ہوں:

''(۱) تذہیب: اردو میں علم فلسفہ پر، بقول ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب۔ اردو علمِ فلسفہ پر یکتا رسالہ ہے۔ طبع نہیں ہوا۔

(۲) مؤذن الاوقات: اردو زبان میں علمِ توقیت پر منفرد رسالہ، ہندوستان کے مختلف شہروں کے طلوع و غروب اور نمازوں کے اوقات نکالنے اور اسے اردو میں پیش کرنے کا یہ کام حضور ملک العلماء کا ایک اہم اردو کارنامہ ہے۔

(۳) توضیح التوقیت: بھی علمِ توقیت پر ملک العلماء کا اہم کام ہے۔

(۴) جواہر البیان: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت پر علامہ شیخ شہاب الدین احمد مکی علیہ الرحمۃ کی تصنیف ''الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان'' کا اردو ترجمہ ہے، جو ملک العلماء نے کیا ہے۔'' (ڈاکٹر عزیزی کی یادداشتیں تمام ہوئیں)

تاریخ گوئی بھی ادب کی ایک شق ہے۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کا نام بھی تاریخی ہے۔ سال ۱۹۳۸ء برآمد ہوتا ہے۔ توضیح التوقیت کے پہلے سرورق کے اندرونی صفحے پر کتابوں کی مطبوعہ فہرست اور ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کی مرسلہ کتابوں کی فہرست میں بھی کچھ کتابوں کے نام تاریخی ہیں۔ جیسے ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ)، شکستِ سفاہت (۱۳۲۶ھ)، گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ)، مؤذن الاوقات (۱۳۳۵ھ) اور نصرت الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)۔

ناموں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ زیادہ تر کتابوں کے تاریخی اسماء ہی استخراج کیے گئے ہیں۔ لیکن فہرست مذکورہ میں زیادہ کتابوں کے معروف اسماء درج کیے گئے ہیں، اس لیے سالِ تصنیف صحیح برآمد نہیں ہوتا۔ کچھ کتابوں کے اسماء صحیح طور سے پڑھنے میں بھی نہیں آئے۔ لفظوں اور شوشوں کی کمی اور اضافے سے نام کچھ کے کچھ ہوگئے ہیں۔ پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ ملک العلماء نے اپنی کتابوں کے لیے تاریخی نام استخراج کیے تھے۔ یہ بھی ایک ادبی خدمت ہے۔ اگر حضرت ملک العلماء کا تمام لٹریچر سامنے آجاتا ہے، تو اس سے کچھ بہتر نتائج اخذ کیے جاسکتے تھے۔

☆☆☆

ملک العلماء: اپنی تحریر کے آئینے میں

ازقلم: مولانا محمد ادریس رضوی، ایم۔اے، سنّی جامع مسجد، کلیان

حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفرالدین فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ متولد ۱۴؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء میجرا، عظیم آباد (بہار) کا تاریخی نام غلام حیدر تھا، آپ نے اپنا نسب نامہ اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''مُلک محمد ظفرالدین قادری بن ملک منشی محمد عبدالرزّاق بن کرامت علی بن ملک احمد علی بن ملک غلام قادر بن ملک سعادت یار بن ملک حمید بن ملک رضا بن ملک محمد علی بن ملک فتح اللہ بن ملک غلام نبی بن ملک محمد معصوم بن ملک محمد سعیدالدین عرف ملک سدّن بن ملک احمداللہ بن ملک تا تار بن ملک بہاء الدین بن ملک محمد اسماعیل بن ملک اللہ داد بن ملک غلام محی الدین عرف ملک گدّن بن ملک خطاب الملک (کہ مزارش اندون گنبدست) بن ملک علاء الملک (کہ مزارش ہم اندرون گنبدست) ابن ملک داؤد پسر اکبر (کہ مزارش ہم اندرون گنبدست) بن سیّد ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بیّو شہید بن حضرت سیّد ابوبکر (کہ مسکن و مزارشان مقام بت نگرست واز غزنی بفاصلہ سہ فرسنگ بجانب مشرق واقع است) ابن سیّد ابوالقاسم عبداللہ بن سیّد محمد فاروق بن سیّد ابومنصور عبدالسلام بن سیّد عبدالوھاب بن غوث الثقلین وغیث الکونین حضرت سیّدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر حَسنی حُسینی جیلانی قدست اسرارھم ونفعنا اللہ ببرکاتھم۔''(۱)

حضور مَلِک العلماء مختلف مدارس اسلامیہ اور عظیم شخصیتوں کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے ہوئے ۱۳۲۱ھ میں اعلیحضرت امام احمد رضا علیہ الرّحمۃ والرضوان کی خدمت میں بریلی شریف تشریف لے گئے اور آپ سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح تشریح الافلاک، شرح چغمینی پڑھیں اور علم توقیت، جفر تکسیر کا علم حاصل کیا اور شعبان ۱۳۲۵ھ میں کثیر علماء کی موجودگی میں دستارِ فضیلت اور سندِ فراغت سے ممتاز ہوئے، ۱۳۲۹ھ تک مدرسہ منظر اسلام میں بحیثیت مدرس درس دیتے رہے(۲)

سپاسِ حق:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ۔ ترجمہ! اور اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے، تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں کو''۔ حضور مَلِک العلماء اپنی دولت ایمان واسلام اور فرقہ ناجیہ اہلسنّت وجماعت میں ہونے سے متعلق رقم طراز ہیں:

''خداوندا تیری حمد وثناء وشکر نعمت کس زبان سے ادا کی جائے، کہ تیرے صفات وکمالات اور احسانات وانعامات غیر متناہی وغیر محدود اور روز آفرینش سے مرتے دم تک تیری تعریف وتوصیف وشکر یہ انعامات میں اگر تمام وقت ایک ایک آن صرف کیا جائے جو ایک فرض محض وتقدیر بحث ہے، پھر بھی مقصود ومحدود ولقد صدق من قال۔

من بے تو دمے قرار نتوانم کرد
احسان ترا شمار نتوانم کرد
گر بر تن من زبان شود ہر موے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

تو نے اشرف المخلوقات اکرم الموجودات بنی آدم میں خلق فرمایا، جس کے سر پر تاج ولقد کرمنا بنی آدم کا رکھا۔ پھر اس سے مزید یہ، کہ حضرت سیّد ابراہیم بن سیّد ابوبکر غزنوی ملقب بلقب مدار الملک مخاطب مَلک بیا غازی عرف ملک بیو رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے کیا۔ ان نعمتوں سے بڑھ کر تیرا احسان یہ ہے کہ دولت ایمان سے سرفراز فرمایا۔ اس لئے کہ دولت اسلام سے محروم فقط صورت کا انسان ہے۔ مرزا غالب نے خوب کہا۔

ع آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

گر بصورت آدمی انساں بودے — احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

آدمی بہت ہیں، مگر انسان وہی ہے، جسے معرفت پروردگار ہو، رسول اللہ ﷺ کا مطیع فرماں بردار ہو، جل جلالہٗ ﷺ پھر مزید برآں فرقہ ناجیہ اہلسنّت و جماعت سے کیا، حدیث شریف میں ہے حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں، میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی، سب فرقے جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک کے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ناجی کون جماعت ہوگی ارشاد ہوا "ما انا علیہ و اصحابی" جو میرے اور میرے اصحاب کے مسلک پر رہے گی، یعنی اہلسنّت و جماعت۔ (۳)

مَلک العلماء دین پر نازاں تھے:

علم حاصل کرنے کے معاملہ میں لوگ حکومت و مُلوک سے وابستہ زبان و علم کو اہمیت دیتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے روزی کا تعلق استوار ہو جائے گا، اس قسم کے لوگوں کے خیالات کا وزن مساوی ہوتا، تو ہزاروں بی۔ اے۔ ایم۔ اے، کرنے والے بیکار اور وکلا، ڈاکٹر، انجینئر تعطل کے شکار نہ ہوتے۔ اگرچہ اس مخصوص نظریے کا اثر مذہبی تعلیم خاص کر اسلامی تعلیم پر پڑا ہے، کہ مسلمان علم دین سے بیگانہ ہوتا جارہا ہے، کچھ لوگوں کو علم دین اور علماء سے خدا واسطے کا بیر ہے، وہ طلباء کو اس قسم کا مشورہ دیتے ہیں، کہ طلباء اپنے مستقبل کو خوف ناک سمجھ کر بیزار ہوجاتے ہیں، حالانکہ صحیح معنوں میں حکومت اور عوام کی توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے، کہ مدرسوں کی فصیل سے تیار ہو کے نکلنے والے طلباء کے لئے صوبہ بہار کی طرح ملک کی تمام ریاستوں کے حکمراں اپنا دروازہ ان کی ملازمت کے لئے کھول دیں اور مکتب سے لے کر چھوٹے مدرسوں اور مسجدوں کو آباد رکھنے والے مولوی، عالم کے لئے عوام اپنا دل وسیع بنائیں، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تجزیہ ملاحظہ فرمائیے، جو میرے خیال کی تائید کرتا ہے۔

"ہمارے مخلصین اور دردمند حضرات دینی مدارس کے طلباء کو خصوصیت سے یہ مشورہ دیتے ہیں، کہ وہ کوئی ہنر سیکھ لیں، تاکہ زائد آمدنی حاصل کر کے وہ عزت کی زندگی گزاریں، مشورہ کے صائب ہونے میں کوئی کلام نہیں، لیکن جن لوگوں کی آمدنی اچھی ہے، ان کو یہ مشورہ کیوں نہیں دیا جاتا، کہ اتنا دین سیکھ لیں، کہ وہ نماز پڑھادیا کریں، حکیم، ڈاکٹر، انجینئر، دوکاندار، تاجر اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کی ایسی تعداد ہے، جو مالی اعتبار سے فارغ البال اور مضبوط ہیں اور مساجد کے آس پاس رہتے ہیں۔ لیکن وہ کبھی اس کی ضرورت نہیں سمجھتے، کہ اعزازی طور پر اس خدمت کو انجام دیں۔ مشورہ صرف حافظوں اور دینی مدارس کے فارغین ہی کو دیا جاتا ہے، کثرت سے مساجد دیہات اور قصبات میں ہیں وہاں کسی ہنر کی پذیرائی مشکل، اکثر مساجد کی آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔

اگر اس میں اضافہ کر کے امام مسجد کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچائی جائے اور بچوں کو پڑھانے کی خدمت دی جائے اور اس بہانہ رقم دی جائے تو اس سے بچوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی حل ہوگا اور امام صاحب کا بھی، اور اگر صاحبِ حیثیت لوگ یہ خدمت انجام دیں تو امام صاحب کے منصب کا وقار بھی بڑھے گا اور لوگ مسجد کے تعلق سے زیادہ سے زیادہ معاونت بھی کریں گے اور مسجد کے دو رکعت کے امام ہونے کی پھبتی بھی سننے کو نہیں ملے۔(۴)

مدارس اسلامیہ میں پڑھنے پڑھانے والے اساتذہ اور طلباء حضور مَلک العلماء کی تحریر پڑھ کر اپنی ہمت بڑھائیں، تحریر فرماتے ہیں:

''پھر ان تمام نعمتہائے الٰہیہ کے ہمسر بلکہ بعض وجوہ سے اعلیٰ و بہتر کہ اس دور انگریزی میں کہ ہر شخص سلطنت کی زبان سیکھنے سکھانے کا گرویدہ ہے۔ حضرت عزّت حق سبحٰنہٗ تعالیٰ شانہٗ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کو مجھے مذہبی تعلیم دلانے کی توفیق بخشی، باوجودکہ بعض خاص اعزّہ و احباب نے حد سے زیادہ اصرار کیا کہ زمانہ انگریزی سلطنت کا ہے، اپنے بچّہ کو انگریزی تعلیم دلوایئے، مگر انہوں نے پرواہ نہ کی اور مجھے مذہبی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا، انہیں کی نیک نیتی وخلوص قلبی کا اثر ہے کہ زمانہ طالب علمی ہی سے دینی خدمات درس، تدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتبلیغ، افتاء ومناظرہ کا شوق وذوق میرے دل میں جاگزیں ہوا اور برابر انہیں دینی خدمتوں میں انہماک، وشفقت کے ساتھ منہمک رہا۔''

بیعت وتلمذ پر مسرّت کا اظہار:

''اور پھر ان تمام نعمتوں پر مزید گویا سونے پر سہاگہ یہ کہ اعلیٰحضرت امام اہلسنّت مجدّد مأتہ حاضرہ مؤید ملّتِ طاہرہ مولانا مولوی حاجی قاری حافظ شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی فاضل بریلوی قدس سرہ القوی نے بیعت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرّف فرمایا جو شریعت مطہرہ وطریقت منورہ کی علمی عملی تصویر تھے، جن کا ہر قول شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الٰہی کا اتباع، جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم مسائل شرعیہ واحکام فقہیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف تصنیف افتاء وتدریس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت ورہنمائی فرمائی جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزا(۵)

اعلیٰ حضرت کی شفقت:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو کے سوا کسی پر رشک نہیں آتا، ایک شخص جسے اللہ مال دے، تو اسے اچھی جگہ خرچ پر لگادے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ علم دے، تو وہ اس سے فیصلے کرے اور لوگوں کو سکھائے(۶)

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو علم بھی دیا تھا اور مال بھی، آپ طلباء پر علم بھی لٹاتے تھے اور مال بھی، چنانچہ حضور مَلک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے، کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی ماہِ رمضان شریف میں بریلی شریف رہتا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا، تو عید الفطر کے دن جس طرح تمام عزیزوں کو عیدی تقسیم فرماتے، مجھے اور دوسرے خاص طلبہ مثلاً مولوی سیّد عبد الرشید صاحب کو پاوی عظیم آبادی، مولوی سیّد شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف، مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوانی، مولانا مولوی محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری، مولوی اسماعیل صاحب بہاری سب کو علی قدر مراتب تہواری عطا فرماتے''۔

مولانا مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب کی ولادت کے موقع پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بنگالی، بہاری، پنجابی اور ولایتی طلبا کے لئے ان کے حسب منشا دعوت کا اہتمام فرمایا اور خاص عزیزوں اور مریدوں کے لئے جوڑا بھی تیار کروایا اس موقع سے حضور ملک العلماء کو بھی جوڑا عنایت ہوا، اس کے متعلق ملک العلما رقم طراز ہیں کہ:

''نہایت ہی مسرّت سے لکھتا ہوں، کہ میں بھی انہیں خاص لوگوں میں ہوں، جن کے لئے جوڑا تیار کرایا گیا تھا، وہ کرتا پائجامہ، جوتا، ٹوپی تو اسی زمانہ میں پہن لیا تھا، مگر انگرکھا بہت قیمتی کپڑے کا تھا، گاہے گاہے اس کو پہنا کرتا تھا، وہ بہت دنوں تک رہا، یہاں تک کہ چھوٹا ہوگیا، تو اس کو تبرکا رکھ دیا، جب مدرسہ خانقاہ سہسرام میں مدرس ہوا اور مخلص قدیم مولوی سیّد غیاث الدین صاحب چشتی ابوالعلائی رجہتی بہاری کو حسب طلب مخلص محترم حامی دین متین جناب حاجی محمد لعل خان صاحب کلکتہ بھیجنے لگے، اس وقت میں نے وہ انگرکھا مولوی صاحب موصوف کے نذر کردیا، جو مجھ سے دبلے پتلے تھے اور ان کو ٹھیک آگیا (۷)

کارواں سے کیسے کیسے لوگ رخصت ہو گئے
کچھ فرشتے چل رہے تھے جیسے انسانوں کے ساتھ

یہ تو حضور مَلِک العلماء کے طالب علمی کے زمانے کی بات تھی، دوران ملازمت کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے:

''۱۳۳۴ھ میں جب میں مدرسہ اسلامیہ شمس الھدی میں مدرس اوّل تھا، رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا، اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت علم ہیأت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اور میں اسے صاف کر رہا تھا.... ارادہ تھا کہ ماہِ رمضان المبارک تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس جاؤں گا......لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خان صاحب مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی وہابی آیا ہوا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے، حضور والا مولانا سید محمد ظفر الدین صاحب کو روانہ فرمائیں، اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی، اعلیحضرت نے دو دن میں اس کو تمام کر دیا۔ لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا، اس لئے اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کر دیجئے گا۔

جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لئے سواری آگئی، اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے، اور ارشاد فرمایا، کہ میرا ارادہ تھا، کہ امسال عید میں آپ یہیں رہیں گے، بچوں کے لئے کپڑے بنواؤں گا، تو آپ کے لئے بھی بنواؤں گا، لیکن آپ دینی ضرورت سے کلکتہ جا رہے ہیں، اس لئے یہ روپے آپ کی نذر ہیں۔ مجھے بہت شرم آئی، کہ طالب علمی کا تو ضرورت کا زمانہ تھا۔ اب تو میں نوکر ہوں، میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ اُلٹے پیر ہی سے روپے وصول کروں، میں نے کچھ تامّل کیا، اعلیٰ حضرت نے باصرار عنایت فرمایا، میں نے قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لے لئے۔ اور کلکتہ روانہ ہوگیا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ اب کس میں مناظرہ کا دم ہے؟ اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے ۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں''

سخن آرائیاں کس کی، لبِ اظہار کس کا ہے
مرے لفظوں کے پیچھے عالمِ اسرار کس کا ہے

اساتذہ وطلباء اور مدارس اسلامیہ کے بانی وممبران، مساجد

کے متولی و دیگر ارکان اور عوام الناس کے لئے یہ دونوں واقعات درس عبرت ہیں، اساتذہ علم پڑھاتے ہیں، لیکن طلباء پر خلوص ومحبت کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آتے ہیں۔ جو ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا، طلباء بھی اپنے اساتذہ کا ادب واحترام اور ان کی خدمت کرنا بھول گئے ہیں، استاد کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرتے، لیکن عقیدت ومحبت سے دل نہیں جھکاتے ہیں، افراط وتفریط کے ماحول میں ہر ایک دوسرے کا گلہ کرتے، کوستے اور برائیاں بیان کرتے ہیں، ممبران کے عہدہ کے لئے آپس میں لڑنا جھگڑنا نئی بات نہیں ہے.......بعض جگہ تو لاٹھی، بھالے نکل جاتے ہیں، مار پیٹ ہوتی ہے، پھر مقدمہ ہوتا ہے، اس سے بھی بات نہیں بنتی ہے، تو ایک ہی محلہ میں دو مدرسے اور مسجدیں قائم ہوجاتی ہیں، آخر ایسا کیوں؟

بات صاف ہے، جہاں طلبا کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا، بیمار ہوجانے پر علاج نہیں ہوتا، مدرسین وائمہ کو معقول تنخواہ نہیں دی جاتی، وہاں دیکھتے ہی دیکھتے مفلوک الحال عہدیداران کی کوٹھی تیار ہوجاتی، بنگلے بن جاتے، بلڈنگ کھڑی ہوجاتی اور ان کا کاروبار ترقی کرجاتا ہے، ان روایتی قسم کے مسلمانوں سے کوئی پوچھے، کہ عہدہ پر فائز ہوکر کے آپ کو دین کی خدمت کرنے کا جذبہ ہے، تو آپ پہلے دین کے پابند کیوں نہیں بن جاتے؟ آپ کے چہرے پر داڑھی کیوں نہیں ہے؟ آپ نماز پنجگانہ کیوں نہیں پڑھتے؟ آپ عہدہ سنبھالنے کے بعد بھی جمعہ جمعہ کو ہی مسجد میں دکھائی کیوں دیتے ہیں؟ آپ اپنے گھر میں دینی ماحول قائم کیوں نہیں کرتے؟ طلباء اگر بھولے سے ننگے سر مدرسہ کی چہار دیواری سے باہر دکھائی دیتے ہیں، تو آپ ان کی سرزنش کرتے ہیں اور آپ کو کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن آنجناب کی بیوی اور بیٹیاں بے پردہ ہوکر بازاروں میں گھومتی ہیں ان کو دیکھ کر آپ کا خون کیوں نہیں کھولتا؟ آپ کے بالغ لڑکے نماز جمعہ بھی نہیں پڑھتے مگر آپ ان کو ایک لفظ بھی نہیں بولتے ہیں، آخر کیوں؟.....

آپ کو مدارس ومساجد سے محبت ہے، دین کا کام کرنے سے رغبت ہے، تو آپ اپنے بچوں کو علم دین کیوں نہیں پڑھاتے ہیں؟.... سینے پر ہاتھ رکھ کر بولئے کہ آپ کو دین سے، دینداروں سے، علماء سے، قرآن سے، مسجد سے، مدرسہ سے، محبت ہے؟ یا صرف نام ونمود یا خیانت کرنے سے محبت ہے؟ رسول خدا ﷺ نے علماء کو اپنا نائب کہا ہے۔ ان کو آپ اپنا ملازم اور تابعدار ہی دیکھنا نہیں چاہتے ہیں، بلکہ وہ آپ کی بات نہیں مانتے ہیں، تو آپ ان کو گالیاں بھی دیتے ہیں، آپ کا یہ عمل لائق تحسین ہے یا لائق ملامت؟ وہ آپ کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے، تو آپ ان کو ذلیل کرتے، مدارس ومساجد سے نکال دینے کی دھمکیاں دیتے، آپ نہ تو حق سنتے اور نہ حق پر چلتے ہیں، آخر کیوں؟

شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

عوام کا طبقہ جو گانے بجانے کے آلات، پٹاخے، ٹی وی، وی سی آر، کیبل، سنیما اور دوسرے ناجائز کاموں پر ہزاروں روپیہ بے دریغ خرچ کردیتا ہے، ان کو علم دین حاصل کرنے والے طالب علم اور دینی کاموں پر خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور ہم یہ کہہ کر تسلی کرلیتے ہیں کہ خدا جب دین لیتا ہے، تو عقل چھین لیتا ہے، اس موقع سے صادق قرولوی کا شعر یاد آتا ہے۔

ملتی نہ انہیں کیوں کر جنت کی بشارت بھی
اعمال کی گٹھریوں میں سامان تو پختہ تھے

اور یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے

ایمان ہوئے کچے ان پختہ مکانوں میں
اُن کے کچے مکانوں میں ایمان تو پختہ تھے

ملک العلماء کو پہلا فتوی لکھنے پر انعام:

حضور ملک العلماء ذہین وفطین، محنتی اور باادب طالب علم تھے۔اس لئے فراغت کے بعد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کو مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس کا انتخاب کیا،۱۳۲۱ھ میں حضور ملک العلماء بحیثیت طالب علم بریلی شریف میں وارد ہوئے اور۱۳۲۲ھ میں آپ نے سب سے پہلا فتوی تحریر فرمایااور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے آپ کوانعام سے نوازا۔تفصیل حضور ملک العلماء کی زبانی سنئے:

''۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جوفتوی میں نے لکھااور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا۔حسن اتفاق سے صحیح نکلا،اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتوی کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا.....مولانا سب سے پہلے جوفتوی میں نے لکھا.......اعلیٰ حضرت (نقی علی خاں)والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرنی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا،آج آپ نے جوفتوی لکھا،یہ پہلافتوی ہے۔اور ماشاءاللہ بالکل صحیح ہے۔اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کوشیرنی کھانے کے لئے دیتا ہوں ....غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ بول نہیں سکا،اس لئے پہلافتوی پیش کرتے وقت میں خیال کررہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتوی صحیح ہونے پر انعام دیا تھا،اس لئے میں بھی اول فتوی صحیح ہونے پر انعام دیتا ہوں.....حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں،اوراس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا،میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضا فرمایا اس میں ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفرالدین جعلہ اللہ تعالی کاسمہ ظفرالدین سے شروع فرمایا،فتاوی شریف (یعنی فتاوی رضویہ) جلداول میں میرانام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا ہے(۹)

اُن سے نگاہ ملتے ہی دل طور ہوگیا
یک لخت زخم دل میرا پُر نور ہوگیا

محرم الحرام ۱۳۲۲ھ م ۱۹۰۴ء چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے،تکمیل علوم کے بعد تمام سلاسل طریقت میں خلافت کا تاج سر پر رکھا اور''ملک العلماء'' کا خطاب پایا۔(۱۰)عوارف اور رسالہ قیشریہ پڑھا کر انہیں داخل سلسلہ کیا اور ۱۳۲۵ھ میں اپنے تمام سلاسل کا ماذون ومجاز کیا ان کو''ملک العلماء''خطاب دیا اور دستار فراغت بدست شاہ احمد صاحب سجادہ نشین ردولی شریف ان کے سرپر بندھوائی(۱۱)

حضور ملک العلماء نے ۶۰ برسوں تک تصنیف وتالیف کی خدمت انجام دی ہے،آپ کے فتاوی کا مجموعہ''نافع البشر فی فتاوی ظفر ۱۳۴۹ھ''میں ۱۵۷۳ راستفتا کے جوابات ہیں۔اعلیٰ حضرت کے تلمیذ عزیز وخلیفہ اجل کوادیبوں،شاعروں،مصنفوں،مقرروں، اخباروں،ماہناموں اور اشاعتی اداروں سبھوں نے نظرانداز کر دیا ہے،ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کی کتابوں کو شائع کیا جائے،انشاءاللہ تعالی آپ کی تصنیفات علماء،اساتذہ،طلباء اور عوام کے لئے نافع ثابت ہوں گی۔

آپ کا ایک فتوی:

''الصَّوارِمُ الہندیہ ۱۳۴۵ھ (مرتبہ مناظر اسلام مولانا حشمت علی خاں قادری لکھنوی) میں کاٹھیاواڑ، مارہرہ شریف، بریلی شریف، کچھوچھہ مقدسہ، جبلپور، علی پور، اجمیر مقدس، مرادآباد، لاہور، آرہ کے علمائے کرام کے بعد آپ کے فتوی کو جگہ ملی ہے، اس کے بعد ۶۰ دیگر شہروں کے علماء عظام کے فتاوی درج ہیں، متعلقہ کتاب کے ص ۱۰۱ پر شائع شدہ فتوی حضور ملک العلماء نے بانکی پور پٹنہ سے روانہ فرمایا تھا، تحریر فرماتے ہیں:

''فتاوی حرمین طیبین ضرور حق ہیں، جن کی حقیقت میں اصلاً شبہ نہیں۔ اُس کی حقیقت پر آفتاب سے بھی روشن تر دلیل یہ ہے کہ ان اقوال کے قائلوں نے اس کے مقابل نہ صرف سکوت ہی کیا، بلکہ حکم میں اتفاق کیا، جس کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ بنام الختم علی لسان الخصم دیوبند میں چھپ چکا ہے، جس میں انہیں لوگوں نے تصریح کی، کہ بیشک ایسے اعتقاد وخیال واقوال والے کافر ہیں، رہی یہ بات، کہ ایسے اقوال کن لوگوں کے ہیں، جن پر باتفاق علمائے بریلی کا وہابی دیوبندی پر کفر کا فتوی ہے، ان مطبوعہ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جن کا حوالہ ''حسام الحرمین'' میں ہے۔ جسے چھپے ہوئے بیس سال ہوگئے۔ کیا قادیانیوں کے ارتداد اور حضور اقدس ﷺ کی توہین کرنے والوں کے کفر جیسے اتفاقی مسئلہ میں بھی استفتاء وسوال کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد ظفرالدّین قادری رضوی غفرلہٗ

مہر

محمد ظفرالدّین قادری رضوی

ملک العلماء فاضل بہاری''

تاثرات:

۱۹۲۰ء بریلی شریف میں ''جماعت رضائے مصطفٰے'' کی تشکیل ہوئی، تو حضور مفتی اعظم محمد مصطفٰے رضا بریلی کے دور میں سرپرست عمومی کی حیثیت سے ملک العلماء مولانا سید محمد ظفرالدین فاضل بہاری چوبیس اراکین میں شامل تھے (۱۲) اور جماعت کے تبلیغ وارشاد کے شعبہ سے وابسطہ تھے، شعبہ مناظرہ کے صدر تھے (۱۳)

جماعت انصار الاسلام کی تین روزہ کانفرنس ۲۲/۲۳/۲۴ رشعبان المعظم ۱۳۳۹ھ بمقام مسجد نومحلّہ بریلی میں منعقد ہوئی، تو ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری نے مسئلہ ترک موالات پر محققانہ تقریر فرمائی اور ثابت کیا کہ ترک موالات انسان کا فطری وطبعی خاتمہ ہے۔ اگر اس کے احساسات غلط نہیں ہوگئے ہیں، تو وہ نقصان رساں سے طبعاً احتراز کرے گا، اس مسئلہ کو شواہد ودلائل سے خوب ذہن نشیں کرایا اور بتایا کہ ''جملہ کفار ومشرکین سے ترک موالات شرعاً فرض اور مسلمانوں پر لازم ہے'' اس تقریر کے ضمن میں فاضل بہاری نے ایسی ایسی دل پذیر باتیں فرمائیں کہ مجمع بھڑک اُٹھا (۱۴)

حضور ملک العلماء جماعت رضائے مصطفٰے کے متعلق تاثر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''فقیر اس مبارک جماعت کی خدمات کو نہایت ہی وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنی محرومی پر افسوس کرتا ہے کہ اس کی بدنی خدمت سے قاصر ہے اور اس جماعت کے مخلصین خدام پر رشک وغبط کرتا ہے اور ان کے ثبات واستقامت کی دعا کرتا ہے (۱۵)

خاموش کس قدر ہے سمندر کو دیکھئے
سینے میں اپنے گوہر یکتا لئے ہوئے

تاثر کے حسرت ویاس بھرے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ تحریر آپ کی حیات مبارکہ کے آخری دور کی ہے، محمود عباسی کی

رسوائے زمانہ کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' جب شائع ہوکر بازار میں آئی، تو عوام حیرت زدہ ہوگئے، اہل حق تڑپ اُٹھے اور یزیدی مسکرار ہے تھے، ایسے ماحول میں تاجدار کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے شیدائی اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ حق واضح کرتے تھے، علامہ مشاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ نے ہندوستان، پاکستان، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، افغانستان، مصر، افریقہ اور دیگر ممالک کے ارباب حل و عقد سے اس کتاب کے بارے میں رائے طلب کی، تو ملک العلماء نے تحریر فرمایا:

''حامی دین متین ماحی شرع مبتدعین گرامی جناب مولانا مشاق احمد نظامی صاحب، نظامی سلمہٗ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، خلافت شرع کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' ہرگز مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق نہیں۔ بہت سی باتیں خلاف شرع اس میں ہیں، ازاں جملہ یزید امیر برحق تھا، امام حُسین نے اس پر خروج کیا (معاذاللہ من ذالک) یزید متقی پرہیزگار تھا وغیرہ من الخرافات، ایسی کتاب کو خریدنا، دیکھنا، اپنے پاس اعتقاداً رکھنا سب ناجائز ہے۔ ہاں علماء کرام اس کا رد کرنے کو دیکھ سکتے ہیں۔ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ والسلام

محمد ظفر الدین قادری رضوی
پرنسپل جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم
کٹیہار(۱۶)

بے مثال مناظر:

۱۳۲۵ھ میں حضور ملک العلماء کی فراغت ہوئی اور ۱۳۲۶ھ میں اعلیٰ حضرت کے ایما پر میوات میں وہابیوں سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے، اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی، اور غالباً آپ کا یہ پہلا مناظرہ تھا، لیکن کوئی آپ کے سامنے تک نہیں آیا، اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''جب ابتدائی مباحث طے ہوگئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کے جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی، کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے، تقاضے پر تقاضے ہوئے مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹا، تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے۔ آخر ثالث وحَکَم صاحب نے کہا، مولانا کچھ تو بولئے، تاکہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے، آخر مجبوراً ان لوگوں نے بھی اعلان کیا، صاحبو! آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں، جب علمی باتوں کی نوبت آئی مولانا ظفر الدین صاحب نے جو سوالات کئے ان کے جواب میں ان تمام علماء نے سکوت محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹے وقت صرف کردیا، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں، ورنہ کس دن کے لئے اٹھار کھتے، ان لوگوں کا مذہب باطل اور مولوی شاہ رکن الدین صاحب و مولوی شاہ ارشاد علی صاحب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب، مولوی احمد حُسین خان صاحب وغیرہ علماء کا مذہب حق ہے، آپ لوگ آتے وقت دو دروازے سے الگ الگ داخل ہوئے تھے اب سب لوگ متفق ہوکر اس دروازہ سے مولوی ظفر الدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جائیے، چنانچہ ان چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علمائے اہلسنّت کے ساتھ ساتھ آئے والحمدللہ علی ذالک، اس مناظرے کی روداد کو رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، اعلیٰ حضرت نے اس رسالہ کا تاریخی نام ''شکست سفاہت'' رکھا، چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کردیا گیا۔ (۱۷)

موضع ہٹنا ضلع بوگرا میں مناظرہ کے لئے دونوں جانب

سے خوب تشہیر کی گئی۔سنّیوں نے حضور ملک العلماء کی آمد پر ان کا خوب استقبال کیا،غرضیکہ مناظرہ شروع ہوگیا،ابتداً چند تحریرات کی آمد ورفت بزبان عربی ہوئی،جس سے غیر مقلدین کا مقصود علمی موازنہ تھا،مناظرہ کا وقت ایک بجے سے پانچ بجے تک کا تھا،حضور ملک العلماء اسٹیج پر رونق افروز تھے اور غیر مقلدین کو بھرے مجمع میں چیلنج پر چیلنج کررہے تھے۔مگر افسوس کہ وقت مقررہ پر میدان میں شیر اہل سنّت کو دیکھ کر کوئی بھی نہ آیا،حاضرین سے تمام جلسہ گاہ بھرا ہوا تھا،ہر ایک گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتا اور پھر رہ جاتا تھا،غیر مقلدین کے مناظرین نے سنّی شیر کو بُلا تو لیا،مگر سامنے آنے کا چارہ نہ تھا،غیر مقلد مناظر جلسہ میں نہ آیا اور سب نے راہِ فرار اختیار کی،ان کے نہ آنے پر عوام بہت متاثر ہوئی اور سمجھ گئی کہ سنّیوں کی بات بالکل حق ہے اور یہی صراط مستقیم پر قائم ہیں،فوراً ادوسو آدمیوں نے وہابیت اور غیر مقلدیت سے توبہ کی اور اسلام میں داخل ہوئے (۱۸)

عقل لے آئی سلامت دین ودل

دل،وہ کافر پھر اسی پر رہ گیا

حضور ملک العلماء نے آریاؤں، قادیانیوں، وہابیوں، دیوبندیوں اور دوسرے فرقہائے باطلہ کے اکڑفوؤں سے متعدد مناظرے کئے اور ہر جگہ سے کامیاب وکامراں لوٹ کر آئے،سنّیت کے اس شیر پر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو بھی ناز تھا،اس کی تفصیل کے لئے مکتوبات امام احمد رضا بنام ملک العلماء،حیات اعلیٰ حضرت دیکھئے،گذشتہ صفحہ پر ۲۲ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ بریلی شریف میں تین روزہ کانفرنس میں ملک العلماء کے خطاب کا ایک اقتباس ملاحظہ کرچکے ہیں،ملک العلماء اس وقت شمس الہدیٰ پٹنہ میں صدر مدرس تھے،آپ کو خاص جلسہ میں شرکت کرنے کی غرض سے اعلیٰ حضرت نے خط لکھ کر بُلایا تھا،اور آپ تشریف لے گئے،علم مناظرہ کے موضوع پر آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں۔

(۱)ظفر الدّین الجید (۱۳۲۳ھ) (۲) شکست سفاہت (۱۳۲۶ھ) (۳) گنجینۂ مناظرہ (۱۳۴۴ھ) ظفر الدّین الطیّب (۱۹)

مَلکُ العلماء کی تصنیفی خدمات:

حدیث،اصولِ حدیث،فقہ،اصول فقہ،تاریخ،سیرت،فضائل ومناقب،اخلاق،نصائح،صرف ونحو،منطق،فلسفہ،کلام،ہیئت،توقیت،تکسیر اور مناظرہ میں آپ کی ستّر (۷۰) سے زیادہ کتابیں ہیں۔تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت میں چالیس (۴۰) کتابوں کے نام کی فہرست دی گئی ہے،مؤذن الاوقات ۱۳۳۵ھ،وافی ۱۳۳۵ھ علم نحو میں بے مثل اور عام فہم رسالہ،عافیہ ۱۳۳۵ھ علم صرف پر رسالہ (۲۰) اعلیحضرت نے ان تینوں کتابوں کی سراہنا کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ ”آپ کا رسالہ مؤذن الاوقات آیا،نام بھی نہایت مناسب وموزوں پایا۔اس مقصد اوّل وخاتمہ کو ضرور دکھالینا چاہئے اور تذہیب کا حرف بحرف قبل طبع دکھالینا فرض اہم ہے،مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورہ احباب سے مستغنی نہ کرنا،بہت مفید فی الدین ہے،آپ کی تصنیف عافیہ،وافیہ تقریب پر خوشی ہوئی۔مگر کاش یہ وقت آپ نے ”بہشتی زیور وگوہر کی قلعی کھولنے میں صرف کیا ہوتا تو عمدہ ذخیرہ عقبیٰ ہوتا،جہاں ان کتابوں سے گمراہ ہوئے جاتے ہیں (۲۱)

ماہنامہ ”استقامت“ کانپور،جولائی ۱۹۹۶ء تحفظ عقائد نمبر نے صفحہ ۹۸۰ تا ۹۹۳ پر ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کا رسالہ ”اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا“ شائع کیا ہے،جو نادر تحقیقات سے مزین اور معلومات کا خزانہ لئے ہوا ہے اور تقریباً پچاس کتابوں کے حوالے چیخ چیخ کر مخالفین کو آواز دے رہے ہیں کہ دیدہ دانستہ تم مجھے چھپاتے کیوں ہو؟ حوالے کی

چند کتابوں کے نام (۱) در مختار (۲) فتاوی ظهیریه (۳) فتاوی عالمگیری (۴) فتح الله المعین حاشیه کنز ملا مسکین (۵) جامع الرموز (۶) بحر الرائق شرح کنز الا فاق (۷) ملتقی الابحر (۸) شرح مجمع الانهر (۹) عینی شرح بخاری (۱۰) فتح الباری شرح بخاری (۱۱) بخاری شریف (۱۲) مسلم شریف (۱۳) التعلق الممجد (۱۴) بدائع الصنائع (۱۵) تبیین الحقائق (۱۶) شر نبلالیه (۱۷) ردالمحتار (۱۸) فتاوی هندیه (۱۹) طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح (۲۰) مضمرات (۲۱) شرح نور الایضاح (۲۲) وقایه (۲۳) فتاوی بزازیه (۲۴) عمدة الرّعاية (۲۵) قسطلانی شرح بخاری (۲۶) نووی شرح مسلم (۲۷) عون المعبود شرح ابو داؤد (۲۸) مصنّف (۲۹) فتاوی رضویه (۳۰) تنویر الابصار (۳۱) مجمع الانهر (۳۲) محیط وهندیه (۳۳) عینی شرح کنز (۳۴) شرح الیاس (۳۵) مرقات المفاتیح شرح مشکوة المصابیح (۳۶) مبسوط امام سرخی (۳۷) موطا امام محمد (۳۸) کتاب الآثار وغیرہ۔

حضور ملک العلماء نے ان کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا صحابہ کرام۔ تابعی وتبع تابعین کا عمل ہے، جس پر اہلسنت وجماعت کے لوگ عمل کرتے ہیں، حضور ملک العلماء حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے تمام تر دلائل پیش کرنے کے بعد ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت ومدلل ہوگیا، کہ جس وقت امام مسجد میں محراب کے قریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو، اس وقت امام ومقتدی سب کو چاہئے، کہ جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے، اس وقت کھڑے ہوں، یہی مسئلہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا ہے، پس حنفیوں کو چاہئے، کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے، تو اگر وہ خود عالم ہے، تو اس کو چاہئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو ورنہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کردے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مؤذن جس وقت تکبیر شروع کرے، اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے اس وقت امام ومقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے، تو اس کو بمضمون ۔ ایاز قدر خود بشناس..... دینی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہئے اور اگر رسم ورواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں۔ تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہندوستان وپاکستان یا سارے جہان سے، جہاں سے ہو سکے مستند علماء دین کے فتاوی حاصل کرلے۔ جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمہ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو، اور اگر ایسا نہیں کر سکتے اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی ایسا فتوی نہیں پیش کرسکتا۔ تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں (۲۲)

تحریر ہو، تقریر ہو، مناظرہ ہو ہر جگہ سنّیوں کا شیر یہ کہتا ہوا نظر آرہا ہے

موج کیا، گرداب کیا، طوفان کیا، سیلاب کیا
شیشۂ دل لے کے ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے اس لائق وفائق شاگرد کو ''ملک العلما'' اور ''فاضل بہار'' کے القابات سے نوازا، فراغت کے بعد اپنے ''دار العلوم منظر اسلام'' میں مدرس بنایا، بعد میں ''جامعہ نعمانیہ'' لاہور میں بحیثیت مدرس کے بھیجنا چاہا، اپنے شاگردوں میں تنہا ملک العلماء کو علم توقیت کا شہسوار کہا، علم وفضل کے اس چمکتے ہوئے مہتاب کی جانب اہل علم نے دیکھنا تو دور کی بات ہے

حضور ملک العلماء کی سیاسی بصیرت

از قلم: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، ۱۰۴، جسولی، بریلی شریف

سیاست داں ہونا اور چیز ہے اور سیاسی بصیرت کا مالک ہونا اور! سیاستداں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ علم سیاست سے واقف ہو جیسا کہ آج کل سیاستداں سیاسیات سے قطعاً نابلد نظر آتے ہیں۔ سیاست داں سیاست کرتا ہے صرف اور صرف حصول اقتدار کی خاطر اور اس کے لیے وہ ہر غلط کو صحیح اور ہر ناجائز کو جائز بنالیتا ہے۔ جیسا کہ مقولہ ہے۔ "Every things is fair in love & War" یعنی محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے۔

یہاں جنگ سے مراد سیاست کی جنگ ہے اور عصر حاضر کی سیاست جوڑ توڑ، گٹھ جوڑ اور توڑ پھوڑ ہی کا نام ہے۔ عصر حاضر کی سیاست میں اخلاق، دیانت، رحم، ملک وقوم کی محبت کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ وجہ یہ ہے کہ سیاست پر مذہب کی کوئی گرفت نہیں ہے اور مذہب کی گرفت سے نکل کر یہ خود بڑی طاقت بن کر جمہوری قبا میں۔ دیو استبداد کا روپ دھار کر پائے کوب ہے اور یہی فرق ہے، اسلامی سیاست اور غیر اسلامی سیاست میں۔ اسلام میں سیاست دین سے جدا نہیں ہے بلکہ اس پر دین کی حکمرانی قائم رہتی ہے، لیکن جب سیاست دین سے جدا ہوجاتی ہے، تو بقول ڈاکٹر اقبال ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

افسوس! آج دنیا میں کسی بھی مسلم ملک میں اسلامی نظام سیاست قائم نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ مغربی نظام سیاست، نام نہاد ڈیموکریسی اور سیکولر و لادینی نظام رائج ہے یا پھر سلطانی اور بادشاہت کے روپ میں ڈکٹیٹر شپ جیسے سعودی عرب میں۔

لیکن ایک سیاسی بصیرت کا مالک جس کے لیے سیاسی مدبر اسٹیٹسمین (Statesman) کہنا زیادہ مناسب ہے۔ وہ سیاسیات کا ماہر ہوتا ہے۔ وہ کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ ہوتا ہے، نہ ہی الیکشن میں حصہ لیتا ہے۔ حصول اقتدار سے اس کا واسطہ نہیں! وہ سیاستدانوں کو ملکی وقومی مفاد میں سیاست کرنے، حکومت بنانے اور حکومت چلانے کے مشورے دیتا ہے۔ سیاست کے غلط رخ اور تخریبی رویے کی گرفت کرتا ہے۔ عوام کو ان سے آگاہ کرتا ہے اس کی نگاہ ملکی سیاست کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سیاست پر بھی گہری ہوتی ہے۔ ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین عظیم آبادی قدس سرہٗ العزیز ۱۸۸۵ء تا ۱۹۶۲ء ایک اسٹیٹسمین (Statesman) تھے۔ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ صرف سیاسی مدبر ہی تھے۔ وہ مفکر اسلام، مبلغ اسلام، دینی دانش ور تھے اس لیے کہ وہ ایک عالم دین تھے۔ نائب رسول اور اپنے عہد کے سب سے بڑے نائب رسول، عاشق رسول، عبد مصطفیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نائب تھے۔ امام احمد رضا کے تلمیذ، امام احمد رضا کے مرید، امام احمد رضا کے خلیفہ، مدرسہ امام احمد رضا دار العلوم منظر اسلام کی بناء کے سبب اور اس دار العلوم کے پہلے فارغ التحصیل عالم۔

آپ کو ۱۴ ویں صدی ہجری کے مجدد انہیں بڑی برکتوں والی ذات عظیم البرکت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے

''ملک العلماء'' کا خطاب عطا کیا تھا اور یہی اعلیٰحضرت آپ کو فاضل بہار لکھتے تھے۔

حضرت ملک العلماء دربار رضویہ کے ان ۱۴ رتنوں یعنی مجدد دین وملت کے ان ۱۴ مخصوص خلفاء میں ایک ہیں، جس کا ذکر انہوں نے تحسینی کلمات اور دعائے خیر کے ساتھ اپنی کتاب ''الاستمداد علی اجیال الارتداد'' میں کیا ہے۔

اعلیٰحضرت کے خلفائے کرام میں توقیت، تکسیر، جفر، نجوم، ہیئت، ریاضی وغیرہ علوم میں حضور ملک العلماء سے زیادہ مہارت شاید ہی کسی دوسرے خلیفہ کو رہی ہو۔

ان عقلی علوم میں اعلیٰحضرت کے آپ سچے نائب اور پرتو تھے اور ان کے وصال کے بعد ان علوم میں ملک العلماء کے علاوہ شاید کوئی دوسرا عالم وفاضل یکتائے روزگار رہا ہو۔

۱۹۴۶ء میں کسی نے حروف ابجد سے متعلق ایک نہایت پیچیدہ سوال کیا۔ اس پر سائل کو'دبدبہ سکندری' رام پور کے مدیر نے حضور ملک العلماء کی طرف متوجہ ہونے کے لیے لکھا ہے اور آپ کی بابت تحریر کیا:

''اس وقت آپ جیسی علم ہیئت وحروف اعداد کی ماہر دوسری ہستی کل ہند میں ہماری معلومات ونظر میں نہیں ہے۔'' (دبدبۂ سکندری، رامپور جلد ۸۴ شمارہ ۲۵، ۲۶)

الغرض رضوی نظام شمسی کے اس چاند ملک العلماء کو اپنے شمس منیر۔ اعلیٰحضرت سے جہاں علم، فضل واخلاق، حکمت ودانش کی تمام تابانی وتوانائی ملی تھی، وہاں انہی کی سی سیاسی بصیرت اور فراست بھی حاصل تھی۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے مسلک حق مسلک اہلِ سُنّت اور ملت اسلامیہ کی فلاح وصلاح کے مشن کی اشاعت کے لیے جو ٹیم تیار کی تھی، اس ٹیم کے افراد نے اعلیٰحضرت کے وصال کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھانے کا فریضہ بخوبی انجام دیا۔ شدھی تحریک کا زور توڑا۔ دوقومی نظریے کو پروان چڑھایا۔ ملک کی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے تحت اسلامی سیاست کا نظریہ پیش کیا۔ مسلمانوں کی مذہبی، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی شعبہ ہائے حیات میں رہنمائی کی۔

ملک العلماء مولانا سید محمد ظفرالدین فاضل بہار نے اعلیٰحضرت کی ہر تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ امام کے مشن کو فروغ دینے میں پیش پیش رہے۔ امام کے دیگر خلفاء کی طرح آپ نے بھی آزادیِ ہند اور دوسری دینی تحریکات (جنہوں نے تحریک آزادی کی راہ ہموار کی) میں بھرپور حصہ لیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس منعقدہ ۱۹۴۶ء میں شریک ہوئے اور کانفرنس کی طرف سے نصاب تعلیم کمیٹی، عائلی قوانین مرتب کرنے والی کمیٹی اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی آئین ساز کمیٹی میں بھی نامزد کیے گئے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کا مقصد:

ملک کی آزادی اور امت مسلمہ کی بحالی تھا اور ظاہر ہے کہ اس کے مقاصد میں اسلامی سیاست کی بھی شمولیت تھی اور اس کانفرنس کی طرف سے تشکیل دی جانے والی مختلف کمیٹیوں میں ملک العلماء کا نامزد کیا جانا ان کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہے۔ لیکن حضرت ملک العلماء کی سیاسی بصیرت کا روشن پہلو ۱۹۴۷ء میں اس وقت اجاگر ہوتا ہے جب ''ہجرت بنگال'' کی وبا پھیلی تھی۔

متحدہ ہندوستان میں ہجرت کی یہ وبا آزادیِ ہند سے بہت پہلے ۱۹۲۰ء میں منصوبہ بند طریقے پر پھیلائی گئی تھی: ایک کانگریسی لیڈر قاضی عدیل عباسی کا یہ بیان ملاحظہ کیجیے:

''۲۲رجون ۱۹۲۰ء کو مہاتما گاندھی نے کہا میری رائے میں

مسلمانوں کے لیے موجودہ حالات میں صرف تین راستے باقی ہیں۔
(۱) جہاد بالسیف (۲) عدم تعاون (۳) ہجرت (تحریک خلافت از قاضی عدیل عباسی، صفحہ ۱۵۶)

موہن داس کرم چند گاندھی کی اس رائے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ابوالکلام آزاد صاحب نے بزعم خود مفتی دین بن کر ہجرت کا فتویٰ مرتب کیا اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ شریعت اسلامیہ کی رو سے ہندوستانی مسلمانوں پر فرض ہے کہ وطن سے ہجرت کر جائیں۔ نام نہاد مفتیِ دین اور امام الہند مسٹر آزاد کا یہ فتویٰ ۲۰ر جولائی ۱۹۲۰ء کو اہلِ حدیث، امرتسر کی اشاعت میں شامل کیا گیا۔

اللہ اکبر! مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی فراست مومنانہ کو داد دیجیے کہ اس سے قبل ہی ان امور کی نشاندہی فرما چکے تھے۔ کانگریس کے اس لیڈر کی مہلک سازشوں کا تجربہ آپ نے اس طرح فرمایا تھا۔

"اوّل اس کی موت۔ دوم یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ سوم یہ بھی نہ ہو سکے، تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۲)

یعنی اوّل یہ کہ مسلمان مر جائیں۔ اس مقصد کے لیے تحریک جہاد چلائی گئی۔ جب یہ تحریک ناکام ہوگئی، تو مسلمانوں کو برباد کرنے کے لیے ہجرت کی وبا پھیلائی گئی۔ علمائے اہلِ سُنّت نے اس تحریک کی مخالفت کی۔ لیکن کچھ عاقبت نااندیش بہر حال اس وبا کا شکار ہو ہی گئے۔

قاضی عدیل عباسی لکھتے ہیں:

"ایک اندھے جوش میں جولائی اور اگست میں ۱۸ر ہزار مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔" (تحریک خلافت، صفحہ ۱۰) عالم کیا ہوا؟ ان خانماں برباد مسلمانوں کو جو افغانستان کی طرف بھاگے تھے۔ افغانیوں نے بری طرح کچلا۔ وہاں کی زمین جب ان کے لیے تنگ ہوگئی، تو ظفر علی خان مدیر "زمیندار" کی بھکانے والی خبر میں گرفتار ہو کر ایران کی طرف کوچ کر گئے۔ وہاں سرحد پر ہی یہ بھون دیے گئے۔ جو بچ گئے، بھاگ کر پھر ہندوستان واپس آئے، تو ایک بھکاری سے بھی ابتر زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

امام احمد رضا نے اس وقت ہجرت کرانے اور کرنے والوں دونوں کو للکارا تھا۔ قوم کی صحیح رہنمائی فرمائی تھی۔ شریعت اسلامیہ کا حکم سنایا تھا۔

"رہا دارالاسلام یا اس سے ہجرت عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی و بے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔" (فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۲)

مسلمانوں کی عظیم قربانیوں کے بعد ہندوستان غلامیِ فرنگ کی زنجیروں سے آزاد ہوا لیکن یہ آزادی۔ تباہی بربادی کی سوغات لے کر آئی۔ ہر طرف فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلے، آہیں، کراہیں، لہو کی بارش، سروں کی اُگتی ہوئی فصلیں سرحدوں کی تقسیم، خاندان، کنبے اور لہو تک کا بٹوارہ، بھاگم بھاگ، بھگدڑ، پنجاب، گجرات، آندھرا، دہلی اور یوپی کے بیشتر اضلاع کے مسلمان، بنام ہجرت مغربی پاکستان کی طرف کوچ کرنے لگے اور پوربی اتر پردیش و بہار کے مسلمان، مشرقی پاکستان یعنی بنگال کی طرف بھاگنا شروع ہوئے۔

اس ہنگامہ خیز موقع پر ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان نے زبردست سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا اور ہزاروں مسلمانوں کو خانماں برباد ہونے سے بچایا۔ ۱۹۴۷ء اواخر اور اوائل نومبر میں حکومت کانگریس کی شہ پر بہار کے غیر مسلموں اور اہنسا کے پجاریوں نے مسلمانوں پر ظلم و جبر اور بہیمیت و بربریت کے جو پہاڑ ڈھائے، اس کا نقشہ اور حکومت کی نااہلی، بلکہ تعصب کا

نقشہ کھینچنے کے بعد رنج وقلق اور حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''غرض اس واقعۂ فاجعہ اور خاص کر ایسے وقت میں ہونے پر جس قدر اشک حسرت بہایا جائے، بہت ہی کم ہے، مگر اس سے بہت زیادہ قلق آمیز اور خون کے آنسو رلانے والا یہ سماں ہے کہ اس حادثے سے مسلمان ایسے حواس باختہ ہوگئے ہیں کہ آگے پیچھے، اونچ نیچ نفع نقصان کے سوچ بچار کرنے کا دماغ ہی کھو بیٹھے۔ جسے دیکھیے بستر باندھ رہا ہے یا لیگ سے ٹکٹ لے کر بنگال جا رہا ہے اور اگر پوچھیے، تو اس بزدلانہ فعل کو شریعت کا رنگ دے کر ہجرت فرما رہے ہیں۔ یہ ہجرت نہیں! یہ بھگیڑے آپ مہاجر نہیں کہلا سکتے۔ آپ کا شمار بھگوڑوں میں ہے، یوں دل خوش کرنے کو جو چاہیں کہہ لیں۔'' (سدالفرار المہاجری بہار صفحہ ۲۰۱)

ہجرت کیوں کی جاتی ہے؟ ملک العلماء نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔ اور اس قوم کی ترغیب ہجرت نیز بھگوڑوں کا اپنے فرار کو انبیاء وسید الانبیاء علیہم السلام کی ہجرت کی اتباع ثابت کرنے کو کنڈم کیا ہے۔ قرآن وسنت نیز تاریخی واقعات سے اپنے موقف کو ثابت بھی کیا ہے۔

طنز کے نشتر لگاتے ہوئے نیز حالات کے مدنظر مشروط منتقلی کی بابت بہت ہی اچھی اور سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

''اے میرے بنگال کے مسافرو، میرے بہاری بھائیو، کیا واقعی آپ لوگ دینی امور بجالانا چاہتے ہیں، مگر اس سے بہ جبر روکے جا رہے ہیں، تو اس کی وجہ آپ کو ایسی ایسی مصیبتیں وایذائیں دی جا رہی ہیں، جن کو ایک حد تک تو برداشت کیا، اب برداشت سے باہر ہوگئیں اور فرائض وواجبات کا ذکر کیا سنن، مستحبات، نوافل ادا کرنے کے لیے آپ بے چین ہیں اور اسی شوق وذوق میں بنگال جا رہے ہیں، تو ضرور جائیے، اللہ آپ کا محافظ ونگہبان ہو، لیکن اگر یہ بات نہیں اور ہرگز نہیں! آپ یہاں بھی دینی امور کے ادا میں آزاد ہیں اور وہاں مسلم لیگ وزارت میں بھی اسلامی احکام کی بجا آوری پر مجبور نہ کیے جائیں گے، جس طرح یہاں ہیں، اسی طرح اسلامی شرعی احکام کی بے عملی پر آزاد ہی رہیں گے، تو یہ ہجرت کا شاخسانہ کیا۔ البتہ جیسا سننے میں آیا ہے کہ بعض بستیوں میں جہاں مسلمان ایک دو گھر ہیں، ان کو ہندو بنایا جا رہا ہے، عورتوں کو ہندوؤں کی گودنا گودانے اور مردوں کو ٹیک رکھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور وہ لوگ مقابلت و مدافعت کی صلاحیت نہیں رکھتے، ایسے لوگوں کو بلاشبہ ان بستیوں کو چھوڑ دینا جائز اور یہ ہجرت اس نیت سے ضرور ہجرت شرعی ہوگی۔'' (سدالفرار المہاجری بہار صفحہ ۲۰۳)

ہجرت شرعیہ کی برکات بھی ہیں اور جب انبیائے کرام علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ ہجرت فرمائی ہے، تو حکمِ خداوندی کے تحت اور اس میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں رہی ہیں۔ اس طرح کی ہجرت کے بعد اس خطے پر عذابِ الٰہی ضرور نازل ہوا ہے اور سرکش قوم ہلاک ہوئی ہے۔

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے مسلمانوں کو نام نہاد ہجرت سے روکا بھی ہے اور انہیں حدیث پاک کی روشنی میں بتایا ہے کہ تم اللہ ورسول کے فرامین پر عمل کر کے گھر بار چھوڑ کر بھاگے بغیر بھی ہجرت کا ثواب کما سکتے ہو۔ لکھتے ہیں:

''(ترجمہ حدیث) مسلمان وہ شخص ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے سلامت رہیں، یعنی کسی کو نہ اپنی زبان سے ایذا پہنچائے اور نہ ہاتھ سے کسی کو ستائے اور مہاجر وہ شخص ہے جو اس چیز کو چھوڑ دے، جس سے اللہ ورسول نے منع فرمایا جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھیے! شریعت مطہرہ کتنی آسان ہے، دین کتنا سہل ہے۔ نہ

آپ کو بستر باندھنے کی حاجت، نہ مسلم لیگ سے سبز ٹکٹ لینے کی ضرورت، نہ رفیوجی بننے کی مصیبت، نہ ریل میں دھکے کھانے کی آفت نہ وہاں مصیبت زدہ بن کر دوسرے کے کھانے پر پڑنے کی زحمت۔ اپنے گھر میں عزیز واقارب، ٹولے محلے، دوست، احباب کے ساتھ جیسے رہتے سہتے آئے ہیں، رہیے۔ صرف اس کا التزام کر دیجیے کہ اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی کو دکھ نہ پہنچایئے اور نہ کبھی کوئی بات خلافِ شرع کیجیے۔ حتی الامکان سب اوامر بجا لایئے۔ سب منہیاتؔ سے بچتے رہیے۔ بحکم حدیث آپ مہاجر ہیں، آپ کو مہاجر کا ثواب ملے گا اور اگر آپ نے گھر بار چھوڑ، عزیز اقاب سے منہ موڑ کر بنگال یا سندھ یا اور کسی جگہ جانے کی زحمت بھی گوارا کی لیکن اسلامی اخلاقی حالت درست نہیں، تو اس سے کیا فائدہ؟ ہرگز ثواب کے مستحق نہیں۔" (سد الفرار)

حضرت ملک العلماء نے بخاری شریف کی حدیث "انما الاعمال بالنیات الخ " سے بھی کیا ثابت ہے کہ یہ ہجرت اللہ و رسول کے لیے نہیں ہے، ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہ انسان جہاں کہیں بھی رہے گا، اسے موت بہر حال آئے گی۔ تحریر کیا ہے کہ موت سے ڈر کر بھاگنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔

اس طرح حضور ملک العلماء نے مسلمانوں کو حوصلہ بھی دیا ہے اور مسلمان بن کر غیرت و بہادری کے ساتھ زندہ رہنے کا پیغام بھی دیا ہے۔ ملک العلماء نے مسلمانوں کو جھوٹے پروپگنڈے اور خوف و ہراس سے دور رہنے کی تلقین بھی کی ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو فسادات سے گھبرا کر وطن چھوڑنے سے روکا ہے۔

نام نہاد مہاجرین کے مختلف بہانوں اور عذر کو دلائل کے ساتھ کاٹا ہے اور انہیں ہوش و حواس اور سوجھ بوجھ سے کام لے کر ڈٹے رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ نے یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ جن علاقوں میں مسلمان بہت ہی قلیل تعداد میں ہیں، وہ ضرور بڑی آبادی والے مسلم علاقوں میں سکونت پذیر ہو جائیں۔

آپ نے حکومت بہار حکومت ہند کو کنڈم بھی کیا ہے اور حکومت کو فسادات پر قابو پانے، مسلمانوں کے تحفظ اور ان کے نقصانات کی تلافی نیز آباد کاری کی طرف توجہ بھی دلائی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بھگدڑ اور افراتفری کے عالم میں ملک العلماء نے جس مومنانہ فراست اور سوجھ بوجھ سے کام لے کر مسلمانوں کو بنگال کی طرف کوچ کرنے سے روکا ہے، وہ ان کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ، ان کی سیاسی بصیرت کا بھی جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

ایسے موقع پر ملک العلماء نے مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنمائی ضرور کی ہے۔ لیکن سیاسی ہتھکنڈے نہیں اپنائے ہیں، بلکہ انہیں یہی بتایا ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، مسلمانوں کی بے عملی کا نتیجہ ہے۔ تم سچے مسلمان بن کر رہو۔ خدا تمہارا محافظ و نگہبان ہے۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

آپ نے قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں کا حوصلہ بڑھایا ہے اور انہیں خوشخبری دی ہے کہ رب عظیم فرماتا ہے کہ "سختی کے ساتھ ایک آسانی ہے، پھر اسی سختی کے ساتھ ایک اور آسانی ہے" یعنی ایک مصیبت پر دوگنی مسرت ہوتی ہے۔ یہاں ملک العلماء جو تحریر فرماتے ہیں، اس سے ان کی سیاسی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"بنگال، پنجاب، سندھ وغیرہ تمام صوبوں کے بڑے بڑے لیڈروں کا یہاں آنا، مصیبت زدوں سے ہمدردی کا ثبوت دینا، خود وائسرائے بہار کا بچشم خود دیکھنے کے لیے آنا، یہ سب آپ کے زخم دل کے لیے زبردست مرہم کافور ہے۔ اس طرح خان عبد الغفار کا آنا، ۱۳؍ جنوری سے ۲۴؍ جنوری تک گیارہ روز مسلسل برباد شدہ جگہوں کو خود جا کر دیکھنا۔ یہ سب باتیں بالکل بے اثر،

بیکار، بے فائدہ ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ یقیناً ان تمام باتوں کا نتیجہ مسلمانان بہار کے حق میں اچھا ہی ہوگا، مگر ان ثمرات و برکات سے آپ اسی وقت متمتع ہو سکتے ہیں، جب آپ اپنے کو بہاری بنائے رکھیں۔ بہار کو اپنا وطن سمجھ کر اس کو آباد کریں، ورنہ اگر آپ نے اپنے گھروں کی محاصل و املاک کی، مساجد و خانقاہ کی، مقابر و مآثر کی پرواہ نہ کی اور خود اپنے ہوتے ساتے پامالی و ویرانی کے لیے پیش کیا تو بہار کی تاریخ لکھنے والے کے لیے اس کا فیصلہ مشکل ہوگا کہ بہار کی تباہی و بربادی اور مسلم کشی میں ہندوؤں کا ہاتھ زیادہ رہا یا آپ جیسے بھاگنے والے بزدل مسلمانوں کا۔" (سد الفرار المہاجری بہار، ص ۲۹)

آخر میں ملک العلماء نے مسلمانان بہار کو جو مشورے دیے ہیں وہ بھی ان کی سیاسی بصیرت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"جو لوگ ان بستیوں کے رہنے والے ہیں، جہاں فسادات ہوتے، ان کے اعزہ شہید کیے گئے۔ ان کی چیزیں لوٹی گئیں، ان کے مکانات جلائے گئے، وہ پریشان حال ہیں، ایسے لوگوں کا ان جگہوں سے ہٹ جانا بالکل عقل سلیم کے مطابق ہے۔ ان کے لیے زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ وہ صوبے ہی کی پناہ گاہوں میں اقامت گزیں ہوں اور جب تک وزارت ان کا تشفی بخش انتظام اور تلافی مافات نہ کرے۔ ان کی خواہش کے مطابق بڑی بستیوں میں پاکٹ آبادی قائم کر کے ان کے لیے مکانات نہ بنوا دے، ان کی حفاظت کے لیے کافی اعتمادی پولیس نہ رکھے، وہ لوگ وزارت ہی کے نظم و نسق میں اپنی ضروریات زندگی پوری کریں۔"

۱۹۴۷ء کے بھگدڑ میں بھارت سے مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی آبادی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کوچ کر گئی۔ اس سے بھارتیہ مسلمانوں کو بہر اعتبار نقصان ہوا۔ ابتداء ان پر نفسیاتی اثر پڑا، بھارت کے فرقہ پرستوں کے حوصلے بڑھے، بہت سے سیاسی و معاشرتی و معاشی امور میں مسلمانان ہند اس وجہ سے آج تک خسارے میں ہیں۔ بہر کیف ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں بہاری مسلمان کس طرح مارے کاٹے گئے اور بعد میں کراچی منتقل ہونے کے بعد بھی آج ان کا کیا عالم ہے، ہر ذی شعور مسلمان اس سے بخوبی واقف ہے۔

۱۹۲۰ء میں ہندی سیاست دانوں کی تحریک ہجرت کی ہمارے علماء بالخصوص اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے جو مخالفت کی تھی اور ۱۹۴۷ء میں خلفائے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی، بالخصوص بہار میں حضرت ملک العلماء نے ہجرت کی وبا کو توڑنے میں جو کردار ادا کیا۔ مسلمانوں کو بنگال جانے سے روکا، اس میں بڑی حکمتیں تھیں۔ انہیں بہار سے فرار پر روک کر، قرآن و سنت کی روشنی میں اپنا سیاسی موقف واضح کر کے قوم کی صحیح دینی و سیاسی رہنمائی فرمائی۔

ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

☆☆☆

وہ مفکر اسلام، مبلغ اسلام، دینی دانش ور تھے اس لیے کہ وہ ایک عالم دین تھے. نائب رسول اور اپنے عہد کے سب سے بڑے نائب رسول، عاشق رسول، عبد مصطفی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نائب تھے. امام احمد رضا کے تلمیذ، امام احمد رضا کے مرید، امام احمد رضا کے خلیفہ، مدرسہ امام احمد رضا دار العلوم منظر اسلام کی بناء کے سبب اور اس دار العلوم کے پہلے فارغ التحصیل عالم. (ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی)

ملک العلماء کا سیاسی نظریہ

از قلم: مولانا محمد شاکر رضا قادری مصباحی، قادری مشن، اتر دیناج پور، بنگال

ہندوستان کو جن قد آور، آفاقی اور اسلامی شخصیتوں پر ناز ہے۔ان میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، ماہر علوم وفنون صاحب تصانیف کثیرہ، فاضل بہار، ملک العلماء، حضرت سید محمد ظفر الدین قادری رضوی (ولادت: ۱۳۰۳ھ- وفات ۱۳۸۲ھ) قدس سرہ کی ذات والا صفات برصغیر ہندو پاک میں محتاج تعارف نہیں ہے۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اوائل چودھویں صدی میں بہتیرے ایسے بھی فتنے جنم لئے ہیں، جنھیں دیکھ کر عقل محو حیرت ہے، ان فتنوں میں کچھ تو وہ تھے جس کی پشت پناہی نام نہاد مسلم کر رہے تھے، جس کے خرمنِ کو پہلے ہی جلا کر رکھ دیا گیا تھا، وہیں کچھ اپنوں کے بھی ایمان وایقان کو جھلسانے میں لگے ہوئے تھے۔ پھر کیا تھا اسلام کے سچے علم برداروں کی ایک بہت بڑی ٹیم (team) اس وقت موجود تھی، جو ڈھال بن کر کیفر کردار تک پہونچانے میں اہم رول ادا کر رہی تھی۔ وہ دور تھا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی اور ان کے ہمنواؤں کا، علم دوست شاگردوں کا، یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کا قلم خموش تماشائی بن کر دیکھتا رہے، اہلسنت و جماعت کے پلیٹ فارم سے جہاں ایک طرف اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کا قلم شمشیر برہنہ بن کر فرقہائے باطلہ کو تہ تیغ کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا تھا، وہیں ان کے شہزادے حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفاء، معاونین کی چمنستان رسالت کی آبیاری کے لئے سینہ سپر ہو کر مصروف کار نظر آرہے تھے۔

تو دوسری طرف باطل کی سرکوبی کی ذمہ داری اور اس کو دندان شکن جواب دینے کے لیے اپنے روحانی ولد عزیز ''ملک العلما'' کو بھی لگا دیا تھا، جو مشن (mission) کی کامیابی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے، ہمہ تن مصروف کار رہے، سر اٹھانے والے فتنوں کو ہمیشہ کے لئے پیر تلے کچل کر رکھ دیا، آپ کہیں گے وہ زہر قاتل، سم قاتل فتنے کیا تھے؟ وہ فتنہ شدھی تحریک (وہ تحریک جو شردھانند ایک ہندو نے ہند میں مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لئے چلائی تھی) کا فتنہ تھا......نسبندی کا تھا......تحریک ندوہ کا تھا...... تحریک دیابنہ کا تھا......جدید مذہبان کا تھا......خلافت کمیٹی کا تھا...... اور سب میں بڑا نامراد گاندھی کا تھا، اس کے علاوہ ان گنت وہ شورشیں تھیں، جن کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

اسی اتحاد وموالات پر کچھ اپنے بھی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے بلکہ گاندھی تحریک کی شرکت پر اپنی مذہبی کامیابی کے نتیجے نکال رہے تھے، بے جا تاویلیں کر کے مسلمانوں کی آنکھوں پر دھول جھونک رہے تھے، آگے چل کر قارئین انشاء اللہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں گے۔

راقم سطور اوّلاً یہ قلم بند کر دینا مناسب سمجھتا ہے کہ بدمذہبوں، کفار ومشرکین سے موالات کا حکم شرعی کیا ہے؟ ترک موالات پر خداوند کریم جل وجدہ اور اس کے آخری پیغمبر علیہ التحیۃ والثناء کے فرامین کیا ہیں؟ تا کہ اہل سنت و جماعت کا صحیح موقف بھی

واضح ہو جائے کہ علماء حق اور خصوصاً ''ملک العلماء'' نے اپنے نوک قلم سے جس ردعمل کا اظہار فرمایا ہے، ان کے بنیادی ماخذ اور سر چشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول ہیں، جس پر کاربند رہ کر ''حضور ملک العلماء'' ترک موالات کی تحریک میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ انشاء اللہ اس کا بھی اندازہ آگے مکاتیب رضا کی روشنی میں ہوگا۔

موالات: قطعاً یقیناً ہر کافر سے مشرک ہو یا کتابی ذمی ہو یا حربی اگر حقیقتاً ہے کفر ہے اور صورتاً یہ ہے تو حرام ہے، جس پر کثیر آیاتِ قرآنیہ ناطق [1]

ذیل میں قرآنی آیات، احادیث اور تفسیر شتے نمونہ از خزدارے درج کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

١) اللہ تعالیٰ عزّ وجل فرماتا ہے: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ٢ اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

کسی کی طرف جھکنا اس کے ساتھ میل محبت رکھنے کو کہتے ہیں۔ ابوالعالیہ نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ ظالموں کے اعمال سے راضی نہ ہو، سدی نے کہا ان کے ساتھ مداہنت نہ کرو، قتادہ نے کہا مشرکین سے نہ ملو۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے نافرمانوں کے ساتھ یعنی کافروں اور بے دینوں اور گمراہوں کے ساتھ میل جول رسم وراہ مودت و محبت ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کی خوشامد میں رہنا ممنوع ہے۔ [3]

٢) ارشاد باری ہے: وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ [4] جو کسی کافر بد مذہب سے موالات و دوستی کرے وہ بھی انھیں میں سے ہے۔

اس میں بہت شدت و تاکید ہے کہ مسلمانوں پر یہود و نصاریٰ اور ہر مخالف دین اسلام سے علیحدگی اور جدا رہنا واجب ہے۔ [5]

٣) اسی کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ [6] اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی و موالات یعنی ان کی مدد کرنا ان سے مدد چاہنا ان کے ساتھ محبت کے روابط رکھنا ممنوع فرمایا گیا، یہ حکم عام ہے، اگرچہ آیت کا نزول کسی خاص واقعہ میں ہوا ہو [7]

٤) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ [8] اور اگر تجھے شیطان بھلا دے، تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

٥) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ وَلَا تُؤَانِسُوْهُمْ وَاِذَا مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ [9]

بد مذہبوں کے ساتھ نہ نشست و برخاست رکھو نہ کھاؤ نہ پیو اور نہ شادی بیاہ کرو نہ ان سے انس و محبت رکھو اور جب بیمار ہوں تو نہ عیادت کرو اور اگر وہ مریں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

٦) نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يُفْتِنُوْنَكُمْ [10] (ان بد مذہبوں) سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

متذکرہ بالا آیتوں، احادیث اور تفسیر کی روشنی میں ماہ نیم کی طرح عیاں ہو گیا کہ بد مذہب، بے دین، گمراہ، کافر، دیابنہ، اہل ہنود، مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے اٹھک بیٹھک، موالات و دوستی، میل جول رسم و رواج ممنوع و ناروا ہے، بلکہ بعض حالتوں میں کفر ہے۔

ترک موالات کی تحریک میں ''حضور ملک العلماء'' اپنے

سینے میں کیسی تپش اور تڑپ رکھتے تھے، ردو ابطال میں آپ نے کس بیدار مغزی کا ثبوت پیش کیا ہے، اس کا صحیح اندازہ ماوشما تو نہیں لگا سکتے۔ تاہم وہ مکاتیب جو امام احمد رضا نے ان کے نام تحریر فرمایا تھا، القابات سے صرف نظر کرتے ہوئے مقتبس کر کے ذیل میں ہدیہ قارئین کرتے ہیں جس سے ممدوح موصوف کا اہم کردار اور ہمہ جہت شخصیت نکھر کر سامنے آجائے۔

امام موصوف اپنے ایک مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں:

"حالات حاضرہ و مصائب دائرہ نے اسلام و مسلمین کو جس درجہ سراسیمہ و پریشان کیا ہے، آپ جیسے واقف کار حضرات سے مخفی نہیں۔ علماء اہل سنت و جماعت اگر اب بھی بیدار نہ ہوں گے تو (خدانہ خواستہ) وہ دن دور نہیں کہ سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ چارۂ کار نہ پائیں گے۔ انھیں ضرورتوں کو محسوس کر کے علمائے اہل سنت و جماعت کا ایک مہتم بالشان جلسہ...... ہونا قرار پایا ہے۔ میں جناب کی اعانت دینی و توجہ مذہبی سے امید واثق رکھتا ہوں کہ اس ضروری دینی کام کو سب کاموں پر مقدم سمجھیں گے اور تشریف لا کر اپنے مفید مشورہ اور مواعظ حسنہ سے مسلمانوں کی اصلاح احوال فرمائیں گے۔ [۱۱]

یہ مکتوب ۱۳۳۹ھ کا ہے، جو اپنے چہیتے شاگرد کے نام رقم فرمایا تھا، جب کہ حالات بہت ہی نازک تھے، فتنے آسمان کو چھو رہے تھے، مصائب دائرہ نے اسلام و مسلمین کو حد درجہ پریشان کر رکھا تھا۔ حضور ملک العلماء کی اعانت دینی اور توجہ مذہبی پر قربان جائیے کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری دینی امور میں کس درجہ غیر معمولی وثوق فرمایا کرتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ مواعظ حسنہ اور مسلمانوں کی اصلاح احوال پر نظر، آپ کے مفید مشوروں کی اہمیت مسلم تھی۔

گویا حضور ملک العلماء تحریک ترک موالات کے اہم مواقع سے تحریراً و تقریراً ہر طرح سے ردفرما کر اہم رول ادا فرمایا تھا، قلمی نقوش کے تعلق سے اعلیحضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی کا ایک تاثر ملاحظہ فرمایئے جو بنام ملک العلماء قلم بند فرمایا تھا:

"آپ کا رسالہ بالا ستیعاب اب تک میں انھیں وجوہ (علالت اور رد بدمذہبیان وغیرہ) سے نہ دیکھ پایا۔ متفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً کثیراً، اچھا ہے۔ مگر مشائخ بہار کی طرف سے یہ تاویل کہ انھوں نے کوئی دینوی کام سمجھ کر اتباع رائے مشرک جائز رکھا ہے۔ میری سمجھ میں نہ آئی۔ سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت جن کا پس کاروان گاندھی کو ادعا ہے۔ کیا کوئی دینوی کام ہے؟ اور وہ تو یہاں تک اونچے اڑ رہے ہیں کہ جو اس میں شرکت نہ کرے، مسلمان ہی نہیں، تو اسے نہ صرف کار دین، بلکہ ضروریات دین جانتے ہیں۔ [۱۲]

اسی طرح ایک اور رسالہ کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"آپ کے رسالہ میں دیر ہوئی، دس بارہ روز ہوئے کہ اسے تین جلسوں میں دیکھ لیا۔ بحث خلافت کو چاہا کہ تمام کردوں، خطبۂ صدارت مولوی عبدالباری صاحب میں اس کے متعلق ۱۵ر سطریں ہیں، اور بہت ہذیان۔ گاندھیوں کا بھاری جلسہ بریلی میں ہونے کو ہے۔ احباب کی رائے ہے کہ اپنے علماء بھی ایام ندوہ کی طرح جمع ہوں۔ اگر یہ قرار پایا تو آپ کو آنا ضروری ہوگا۔ تیار رہئے۔ تقریظ نہ لکھی کہ کتاب یہیں سے منسوب ہو جائے گی۔ اور یوں بعونہ تعالیٰ زیادہ مفید ہوگی۔ [۱۳]

اعلیحضرت امام احمد رضا قادری گاندھی تحریک کی ناکامی اور اس کے ابطال میں آخری کیل ٹھونکنے کے لئے داعیان اسلام اور حامیان سنیت کو دعوت دے دے کر بلا رہے ہیں، اور وہیں

قامع الفتنہ ملک العلماء کو تحریر کر رہے ہیں کہ آپ کو آنا ضروری ہوگا، تیار رہیے، یعنی آپ کی شرکت لازمی ہے، کیونکہ تحریک ندوہ کی طرح تحریک گاندھی زور پر ہے، جس کا ہر طرح سے ردنا گزیر ہوگیا ہے۔ اس تحریک میں اپنے بھی حضرات تیزی کے ساتھ مائل ہو رہے تھے، جیسا کہ مولوی عبدالباری صاحب پیش پیش نظر آتے ہیں۔ مولوی عبدالباری صاحب کے تعلق سے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی یوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

"مولوی عبدالباری کو تین رجسٹریاں طلب کی گئیں، ڈاک کی رسیدیں آگئیں، مگر شہر اودھ خموشاں ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ کفر کو اسلام، اسلام کو کفر بنالیا اور اخباروں نے کہ کفر چھاپنے ہی کے لیے ہیں۔ چھاپ دیا، اسلام کا قول کون چھاپے گا؟ اور اگر کوئی رسالہ چھپا، تو کون دیکھے گا؟ لہٰذا کفری دنیا میں اپنی ہی بات بالا رہتی سمجھ لی۔ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الآیۃ. حدیث حق ہے، جب آیت اتری کہ تم دیکھوگے، لوگوں کو دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں۔ فرمایا "وسیخرجون منها افواجا کما دخلوا افواجاً" یہ وہی وقت ہے۔ ایک ملعون کفر بکتا ہے، ہزاروں اس کے پیچھے اسلام چھوڑ کر مرتد ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مولوی عبدالباری صاحب نے ایک جواب مولوی سلامت اللہ فرنگی محلی کے نام سے بھجوایا تھا۔ ہم نے خوب تحقیق کرلیا۔ ہم فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے، ہم نے خود عبدالباری سے دریافت کرلیا۔ اس نے کہا کہ میں نے کفر نہ کیا بس ختم شد۔ ہم سلطنت کفر مٹانے کی فکر میں ہیں، تم اس میں ساتھ نہیں دیتے۔ جو جواب تم اس کا دوگے وہی ہم عدم تکفیر مرتد کا دے لیں گے۔ [14]

ناظرین! فقیر نے صفحہ دو پر یہ عرض کیا تھا کہ اپنے حضرات "گاندھی تحریک" میں شرکت کی بے جا تاویلیں گڑھ رہے تھے اور دین کے تعلق سے خیر سگالی کا خواب دیکھ رہے تھے، جس کا اقتباس آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے ملاحظہ کیا کہ مولانا عبدالباری اور ان کے ہم خیال حضرات بد مذہبوں، کفار و مشرکین سے اس لئے موالات اور رسم و رواج قائم کیے ہوئے تھے کہ انھیں سلطنت کفر مٹانے کی فکر لگی ہوئی تھی۔ لیکن صد حیف تو یہ ہے کہ جب مکتوبات کا جواب دینا ہوا، تو مولوی سلامت اللہ فرنگی محلی کا سہارا لئے اور ان کے نام سے مکتوب ارسال کیا، وہ بھی اصرار کے بعد اس میں کونسا راز پنہاں تھا، یہ تو وہی بتا سکتے ہیں۔ بہر کیف جب اہل سنت و جماعت کی جانب سے دباؤ بڑھا، خط پر خط بھیجے گئے، کفر و معصیت گنائے گئے، تو انھوں نے ان امور شنیعہ سے توبہ نامہ شائع کی، اقتباس ملاحظہ ہو۔

"میں نے بہت گناہ دانستہ کیے اور بہت سے نادانستہ سب کی توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں نے امور قولاً و فعلاً و تقریراً بھی کیے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا۔ ان سب سے اور ان کے مانند امور سے جن میں میرے مرشدین اور مشائخ سے میرے لئے کوئی قدوہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کرکے توبہ کرتا ہوں، اللہ میری توبہ قبول کر۔ فقیر عبدالباری عفی عنہ [15]

اسی موقع سے اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری نے حضور ملک العلماء کو بذریعۂ مکتوب اس توبہ سے روشناس کرایا اور مبارک بادی پیش کی، اور رقم فرمایا:

"مولیٰ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی، کہ مشرکوں سے اتحاد اور وہابیہ وغیرہم بے دینوں کے میل سے توبہ فرما کر خالص سنی ہو گئے۔ ہمارے سنی بھائی جو غلطی میں پڑے ہوئے تھے، انھیں فوراً واپس آنا چاہیے۔ ہنود و دیابنہ و جدید بد مذہبان سے قطع کرکے

خالص سنی جماعت انصار الاسلام میں حمایت سلطنت اسلام و اماکن مقدسہ کے لئے قائم ہوئی ہے۔ شریک ہو جائیں۔ ۱۶

اسی کے ساتھ مولوی عبدالباری صاحب اپنے دوسرے توبہ نامہ میں کچھ اور طرح گل افشانی کرتے ہیں، اس کو بھی آپ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

"فقیر یہ چاہتا ہے کہ جناب نے (اعلیٰ حضرت نے) جو امور تحریر فرمائے ہیں، جہاں تک تفصیلاً ان سے توبہ کر سکے توبہ کر لئے آگے اسلام برائے نام پر جو شبہ ہوا ہے کہ میری مراد کمال ایمان کی ندرت تھی، اس سے اس طرح توبہ کر سکتا ہوں کہ عبارت اپنی لکھوں اور اس کے بعد لکھوں اس کا مطلب اگر یہ ہے جو مولوی احمد رضا خاں نے تحریر فرمایا ہے، تو اس سے بصدق دل توبہ کرتا ہوں۔" ۱۷

مذکورہ اقتباس پر فاضل بریلوی یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"حالانکہ ان کی عبارت کا قطعاً یہی مطلب ہے۔ صادق العباد مسلم کہاں جن میں سے کافروں کا امتیاز کیا جائے۔ کیا جو مسلمان کامل الایمان نہیں رکھتے؟ کافروں سے امتیاز نہیں رکھتے؟ کافروں سے وہی نہ ممتاز ہوگا، جو سرے سے اسلام نہیں رکھتا"۔ ۱۸

آگے مولوی عبدالباری صاحب یوں قلم بند کرتے ہیں:

"مولانا آپ اس کا احساس نہیں کر سکتے کہ میری اس جسارت توبہ پر کس قدر مجھ پر چہار طرف سے یورش ہے۔ میں اس کو علامت قبولیت توبہ سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ ہمارے اکابر نے اعیان علمائے دیوبند کی تکفیر نہیں کی ہے، جو حقوق اسلام کے ہیں ان سے ان کو کبھی محروم نہیں رکھا ہے۔ موالات نصاریٰ سے جس قدر تحرز تھا، اس قدر ہنود کے ساتھ تحرز ہم نے نہیں دیکھا ہے۔ اس واسطے نفس مدارات ہنود کو ہم ممنوع نہیں قرار دے سکتے۔ مگر غلو تعظیم سے توبہ کر سکتے ہیں۔ ۱۹

اسی کے ساتھ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری ارشاد فرماتے ہیں "اس خط کے بعد جلسہ تہنیت موقوف کرنے کی ضرورت میری سمجھ میں نہیں آئی، اگر چہ یہ ان کا چوتھا رنگ ہے اور معلوم نہیں کل پانچواں کیا ہو"۔ ۲۰

اسی طرح کی درجنوں تحریریں بنام ملک العلماء آپ کے مکتوبات میں موجود ہیں، جس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو گیا ہے کہ حضرت ملک العلماء کی عالمگیر شخصیت علمی حلقہ میں منفرد المثال تھی، تحریک ترک موالات میں آپ کا کارنامہ خاص طور سے نمایاں ہے، جو رہتی دنیا تک کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فقیر بجاہ سید المرسلین مولیٰ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ ان کا علمی و روحانی فیوض و برکات جاری رہے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

مصادر و مراجع:

۱) فتاویٰ مصطفویہ، ص:۵۸۵ مطبع رضا اکیڈمی ممبئی۔
۲) القرآن، سورۂ ہود، آیت ۱۱۳۔
۳) تفسیر خزائن العرفان۔
۴) القرآن، سورۂ مائدہ آیت ۵۱۔
۵) مدارک و خازن، بحوالہ تفسیر خزائن العرفان۔ (۶) القرآن، سورہ مائدہ، آیت ۵۱
۷) تفسیر خزائن العرفان۔
۸) القرآن، سورہ انعام، آیت ۶۸۔
۹) ابوداؤد، ابن ماجہ عقیلی اور ابن حبان، بحوالہ فتاویٰ مصطفویہ، ص:۵۶۳
۱۰) کنز العمال جلد یازدہم ص ۱۴۲، بحوالہ فتاویٰ مصطفویہ ص ۵۹۵
۱۱) حیات اعلیٰ حضرت جدید ج ۳، ص ۴۴۰
۱۲) حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۳۶
۱۳) ملتقطاً از حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم صفحہ ۴۳۸ مکتوب بنام ملک العلماء
۱۴) ملتقطاً حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم صفحہ ۴۲۰، ۴۲۱ مکتوب بنام ملک العلماء
۱۵) حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۴۱
۱۶) حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۴۲
۱۷) حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۴۵
۱۸) حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۴۵
۱۹) ملتقطاً حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۴۵
۲۰) ملتقطاً حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۴۶

انجمن برکات رضا کے زیر اہتمام

رضا جامع مسجد میں نورانی محافل کا انعقاد ہوتا ہے

- ہر اتوار اور جمعرات کو بعد نماز عشاء درود پاک کا ختم شریف۔
- ہر پیر کو بعد نماز عشاء سے نعت ومنقبت وذکر پاک کی محفل اور بعد اختتام توشہ شریف۔
- چھٹی شب، گیارہویں شب اور بارہویں شب میں درود پاک کا ختم، نعت ومنقبت کی محفل اور بعد اختتام لنگر شریف۔
- ہر ماہ کی چودھویں شب (شب وصال حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ) کی نسبت سے ختم قادریہ کبیر کی نوری محفل بعدہٗ توشہ شریف۔
- ہر ماہ کی پچیسویں شب (شب وصال اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں آیت کریمہ کا ختم شریف بعدہٗ تقسیم لنگر شریف۔

ان کے علاوہ

☆ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

☆ امیر المومنین سرکار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۲/ جمادی الاخریٰ)

☆ امیر المومنین سرکار سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶/ ذی الحجہ)

☆ امیر المومنین سرکار سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۸/ ذی الحجہ)

☆ امیر المومنین سرکار سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم (وصال ۲۲/ رمضان المبارک) کی شب میں قرآن خوانی و نعت ومنقبت خوانی کے بعد علمائے کرام کے بیانات۔

☆ ازواج مطہرات واہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم کے وصال کی تاریخوں میں خراج عقیدت،

☆ بالخصوص بارگاہ سیدنا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نذرانہ وفا۔ ☆ محفل برائے خراج محبت، سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ محفل برائے خیر التابعین سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ☆ محفل برائے سراج الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ جشن عرس پاک تاجدار بغداد شہنشاہ اوتاد سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ☆ جشن سیدنا خواجۂ خواجگاں غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ عرس پاک حضرت سیدنا مسعود غازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ★ عرس پاک حضرت سیدنا مخدوم الملک مخدوم جہاں شرف الدین یحییٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ پانچ روزہ عرس پاک اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ☆ عرس پاک تاجدار اہلسنت سرکار حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ عرس پاک حضور حجۃ الاسلام حضرت حامد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ☆ عرس حضرت ملک العلماء مؤلف صحیح البہاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ عرس پاک حضرت سید العلماء سید آل مصطفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ☆ عرس پاک حضرت استاذ القراء صوفی باصفا سیدنا ابوالہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ودیگر بزرگان دین واسلاف کرام کی تاریخ وصال پر تزک واحتشام کے ساتھ عرس منایا جاتا ہے۔

نوٹ: ہر سنیچر کو بعد نماز عشاء سنی تبلیغی جماعت کا اجتماع ہوتا ہے، جس میں علمائے کرام خطاب کرتے ہیں۔

الداعیان: اراکین انجمن برکات رضا، رضا جامع مسجد، سید ابوالہاشم اسٹریٹ پھول گلی ممبئی ۳

ذکرِ احباب و دُعاءِ احباب

از: حضور اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ — حاشیہ: پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے

تیرے رضا[1] پر تیری رضا ہو — اس سے غضب تھراتے یہ ہیں
بلکہ رضا کے شاگردوں کے — نام لئے گھبراتے یہ ہیں
حامد[2] منی انا من حامد — حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں

---

[1] مصنف علام اعلیٰحضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے حالات کے لئے دیباچہ کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

[2] حضرت مولانا مولوی محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلف اکبر وخلیفۂ اعلیٰحضرت مجدد مأتہ حاضرہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ بریلی میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی محمد عرف حامد رضا اور خطاب حجۃ الاسلام تھا۔ درسیات کی تکمیل والد ماجد سے کی۔ اور فارغ التحصیل علوم مرجہ اور حدیث وتفسیر میں سند فضیلت حاصل کی۔ ایک بلند پایا خطیب۔ شعلہ بیان مقرر اور معروف مدرس علوم دینیہ کی حیثیت سے شہرت پائی تفسیر وحدیث کی تدریس میں خصوصیت سے مشہور تھے تفسیر بیضاوی کے درس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے عربی ادب اور فارسی، اردو، عربی نظم ونثر میں کمال حاصل کیا مجلسی گفتگو میں فصاحت وبلاغت سے اہل مجلس کے ذوق کا سامان تھے ۱۳۴۲ھ میں حج کے لئے گئے۔ تو وہاں کے معروف عربی داں حضرت سید حسین دباغ اور سید محمد مالکی ترکی نے آپ کی قابلیت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا۔ " کہ ہم نے ہندوستان کے اکناف واطراف میں حجۃ الاسلام جیسا فصیح وبلیغ دوسرا نہیں دیکھا جسے عربی زبان میں اتنا عبور ہو"۔

حضرت مخدوم شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور خزانۂ خلافت حاصل کیا والد محترم اعلیٰحضرت قدس سرہ سے بھی دستار فضیلت اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ تصوف کے سلسلہ قادریہ کے تمام مراحل کو طے کیا اور عارف باللہ مشہور ہوئے۔ نظریاتی اور اعتقادی میدان میں ایک مناظر کی حیثیت سے برصغیر کے تمام بدعقیدہ معاندین کا تعاقب کیا۔ مولوی اشرفعلی تھانوی کو بارہا مناظرہ کیلئے للکارا لیکن وہ کبھی سامنا کرنے نہ پائے۔ وفات سے ایک سال پہلے اپنی رحلت کے حالات وکوائف بیان فرمانے لگے۔ کیفیت وصال بیان کرتے فرمایا کرتے تھے۔ زبان ذکر صلوٰۃ وسلام رسول اللہ میں مشغول ہوگی۔ روح قرب وصال کے چھلکتے ہوئے کیف وسرور کے جام سے محظوظ ہوگی۔

حضور روضہ ہوا جو حاضر تو اپنی سج دھج یہ ہوگی حامد
خمیدہ سر بند آنکھ لب پر میرے درود وسلام ہوگا

۱۷ر جماد الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۹۴۳ء نماز کے دوران عالم تشہد میں کہتے ہیں وصال ہوا۔ تصانیف یادگار۔ نعتیہ دیوان۔ الصارم الربانی علیٰ اسراف القادیانی۔ مجموعہ فتاویٰ۔ سد الفرار۔ ملا جلال پر حاشیہ۔ ترجمہ

الدولۃ المکیۃ۔ ترجمہ حسام الحرمین (استدراک۔ تذکرہ علمائے مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری کانپوری۔ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ جولائی ۱۹۷۲ء۔

عبدالسلام اسلامت جس سے
سخت آفات میں آتے یہ ہیں

....

۱؎ حامی السنن جناب مولٰینا مولوی محمد عبدالسلام جبل پوری قادری برکاتی رضوی اعلیٰحضرت کے نامور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے آپ کو "عبدالاسلام" خطاب دیا والد شاہ عبد الکریم دکن حیدر آباد میں قیام پذیر تھے۔ آپ وہاں ہی پیدا ہوئے۔ "گشتہ عبدالسلام مردنکو" سن ولادت ہے۔ ۳۰ برس کے تھے کہ آپ کے والد حیدر آباد دکن سے جبلپور آگئے۔ آپ نے یہاں ہی حفظ قرآن اور تحصیل علوم مروجہ میں تکمیل کی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ابتدائی دور کے رکن تھے ۱۳۱۲ھ میں ندوۃ العلماء کی خصوصی مجلس کے رکن اعلیٰ تھے۔ ندوہ میں اعتزال آگیا۔ تو آپ نے اپنے والد گرامی کے حکم سے ۱۳۱۳ھ میں بریلی کے اجلاس کے دوران اعلیٰحضرت کے مجلس میں حاضری دی۔ اعلیٰحضرت کی علمی کشش نے آپ کو ندوہ کی مجالس سے کھینچ لیا اور پھر آپ وہان کے ہی ہوکر رہ گئے۔ اسباق حدیث کو اعلیٰحضرت از سر نو پڑھا۔ مولانا حامد رضا خان قدس سرہ کے ہم سبق تھے۔ دستار فضیلت اور خلافت امام اہلسنت سے حاصل کیں۔

اعلیٰحضرت بریلوی آپ پر خصوصیت سے نظر شفقت فرماتے۔ اور آپ کی خدمات دینیہ کو فخریہ طور پر بیان فرماتے تھے اعلیٰحضرت کی دعوت پر دو ماہ کے لئے جبلپور رہے۔ اور وہاں کے لوگوں کو علمی دولت سے مالا مال کیا۔ اعلیٰحضرت فرمایا کرتے تھے "عبدالسلام سی پی کا قطب ہے" ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۳ر فروری ۱۹۵۳ء کو آپ کا وصال ہوا۔ اور محلہ دارالسلام جبل پور میں دفن ہوئے۔ آپ کی نامور فرزند مولٰینا عبدالباقی برہان الحق خلیفہ اعلیٰحضرت اپنے وقت کے مشہور عالم دین ہیں (استدراک تذکرہ علمائے اہلسنت۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری کانپوری)

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

....

۱؎ حضرت مولٰینا ظفرالدین بہاری قادری برکاتی اعلیٰحضرت کے خلیفہ، رفیق کار اور سچے جانشین تھے۔ تاریخی نام غلام حیدر والد محترم کا اسم گرامی عبدالرزاق تھا۔ ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو موضع میجرہ ضلع عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسیات والد محترم سے پڑھیں۔

دس سال کی عمر میں مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں مولانا معین الدین اشرفی، مولٰینا بدرالدین اشرفی، اور مولٰینا معین الدین اظہر سے علوم مروجہ حاصل کئے۔ ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں شاہ وصی احمد محدث سورتی کے درس میں شریک ہوئے۔ ۱۳۲۱ھ میں مولانا احمد حسن کانپوری سے منطق پڑھی، قاضی عبدالرزاق کانپوری سے بعض علوم حاصل کیے۔ پہلی بیعت میں حضرت محدث سورتی سے استفادہ کیا پھر بریلی میں آکر تکمیل تفسیر و حدیث کی۔

آپ بریلی کے مدرسہ "منظر اسلام" کے بانیوں میں سے تھے۔ اعلیٰحضرت نے دو شاگردوں ظفر الدین بہاری اور مولٰینا عبدالرشید عظیم آبادی کی تدریس سے مدرسہ کا آغاز فرمایا۔ بخاری شریف، اقلیدس، تشریح تصریح افلاک، شرح چغمنی، علم توقیت جفر اعلیٰحضرت سے خصوصیت سے حاصل کیے۔

۱۳۲۵ھ میں دستار فضیلت حاصل کی ۔۱۳۲۹ھ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی میں مدرس ہوئے ۔پھر شملہ میں خطیب اعلیٰ بنے۔مدرسہ حنفیہ آرہ میں صدر مدرس ہوئے۔۱۹۱۳ء میں دارالعلوم جامعہ شمس الہدیٰ کے مدرس اول بنے۔تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۸ء میں جامعہ کو گورنمنٹ نے لے لیا تو آپ جامعہ کے پرنسپل مقرر ہوئے ۔۱۹۵۰ء میں سبکدوش ہوئے اور ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ میں مقیم ہوئے ۔حضرت شاہ شاہد حسین سجادہ نشیں تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق پٹنہ کی استدعا پر ۱۲ر شوال المکرم ۱۳۷۱ھ کو کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کی بنیاد رکھی ۔۱۹ر جمادالاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۱۹۶۲ء بوقت سحر راہی ملک بقا ہوئے۔

آپ علماء اہلسنّت کے مایہ ناز مدرس، منتظم، مصنف، مورخ، تذکرہ نگار اور اعتقادی اور نظریاتی مسائل کے حل کرنے میں یگانہ روزگار تھے۔ملک العلماء کا لقب آپ کو زیب دیتا تھا۔ آپ امام اہلسنّت کے خلیفہ خاص تھے اور آپ کے علمی اور روحانی فیضان کے ترجمان تھے۔مندرجہ ذیل تصانیف آپ کی ہیں۔

(۱) جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البھاری چھ مجلدات۔ (۲) جواز عرس (۳) حیات اعلیحضرت چار مجلدات (۴) تنویر السراج فی ذکر معراج (۵) ترجمہ حسان الخیرات (۶) اضافہ کی موید حدیثوں کا مجموعہ (۷) اعلیحضرت کی تصانیف کا مجموعہ (تالیف المجدد) ان مطبوعات کے علاوہ ابھی آپ کی تالیفات کا قلمی ذخیرہ آپ کے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پاس محفوظ ہے۔

میرا امجد امجد کا پکا
اس سے بہت کچیاتے یہ ہیں

۱؎ حکیم ابوالعلاء مولانا محمد امجد علی اعظمی قادری برکاتی رضوی، مصنف بہار شریعت، اعلیحضرت عظیم البرکت کے خلیفۂ خاص اور مدرسہ اہلسنت و جماعت کے مدرس اور مطبع اہلسنت و جماعت بریلی کے ناظم اعلیٰ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔والد مکرم مولانا حکیم جمال الدین بن مولانا خدابخش بن مولانا خیر الدین تھے۔اعلیحضرت امام اہلسنت نے ''صدر الشریعہ'' کا خطاب عطا فرمایا۔ابتدائی کتابیں اپنے دادا اور بھائی محمد صدیق سے پڑھیں ۔مدرسہ حنفیہ جونپور میں مولینا ہدایت اللہ خاں سے استفادہ کیا۔شاہ وصی الدین سورتی کے درس میں داخل ہوئے۔اور ۱۳۲۰ھ میں سند فراغت حاصل کی ۔۱۳۲۲ھ میں حکیم عبد الولی لکھنوی سے طب پڑھی۔اور پھر ۱۳۲۷ھ تک حضرت محدث سورتی کے مدرسہ میں مدرس رہے۔

اعلیحضرت بریلی کو اپنے مدرسے کے لئے ایک قابل مدرس کی ضرورت پڑی ۔تو حضرت محدث سورتی نے آپ کا نام پیش کیا۔آپ بریلی پہنچے۔دارالعلوم منظر اسلام میں مدرس مقرر ہوئے۔آپ کی قابلیت اور حسن انتظام کو اعلیحضرت نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور دارالعلوم کا سارا انتظام آپ کے حوالے کردیا۔

آپ اعلیحضرت کے مرید بنے۔پھر خلیفہ بنے۔

برصغیر کے مختلف مدارس دینیہ میں تعلیم دی۔۱۳۶۷ھ میں حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی کے ساتھ بمبئی پہونچے ۲ر ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۸ء واصل بحق ہوئے گھوسی اعظم گڈھ میں استراحت فرما ہوئے۔انّ المتقین فی جنّت وعیون (۱۳۶۷ھ)

علمی یادگار میں بہار شریعت حنفی فقہ کا انسائکلو پیڈیا ہے۔ سیکڑوں ایڈیشن چھپ کر پاک وہند کے مسلمانوں کی رہنمائی کرچکی۔

ہیں، حاشیہ شرح معانی الآثار، مجموعہ فتاویٰ اور دیگر کئی کتابیں اہل علم لئے مشعل راہ ہیں ۔معروف شاگردوں میں سے مولانا رفاقت حسین، مولانا سردار احمد دلائکپوری، حافظ عبدالعزیز مبارکپوری، شاہ محمد حبیب الرحمٰن، مولانا قاضی شمس الدین جونپوری، مولانا حشمت علی، مفتی اعجاز ولی خان، مولانا غلام جیلانی میرٹھی، مولانا غلام یزدانی، مولانا تقدس علی خاں اور آپ کے فرزندار جمند علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری ایم۔این۔اے کے اسمائے گرامی دنیائے سنیت میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے بریلی کا مکتب فکر آپ کی مساعی جمیلہ سے پھلا پھولا۔اور آپ نے علمی رنگ دے کر اسے اوج ثریا تک پہنچادیا۔

میرے نعیم الدین[1] کو نعمت
اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

---

[1] حضرت مولانا حافظ محمد نعیم الدین مرادآبادی چشتی اشرفی قادری برکاتی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد معین الدین المتخلص بہ نزہت (م ۱۳۳۹ھ) تھا۔جدامجد مولانا سید محمد امین الدین راسخ بن مولانا سید محمد کریم الدین آرزو تھے۔آپ ۱۲ رصفر ۱۳۰۰ھ یکم جنوری ۱۸۸۳ء بروز پیر پیدا ہوئے ۔تاریخی نام ''غلام مصطفےٰ'' تھا حفظ قرآن اور ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے بعد مولانا شاہ فضل احمد سے استفادہ کیا اور دارالعلوم امدادیہ میں مولانا سید گل محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔اور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو دستار فضیلت حاصل کی۔سلسلۂ قادریہ میں اپنے استاذ مکرم سید گل محمد سے بیعت ہوئے ۔اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے خلافت حاصل کی۔ آپ اعلیٰحضرت کی علمیت اور نظریاتی برتری کو بن دیکھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ۔اور آپ کے مخالفین کا مسکت جواب دیتے۔ اعلیٰحضرت نے اپنے اس عقیدت مند کو بریلی میں طلب کیا۔اور زندگی بھر اپنا رفیق کار بنائے رکھا۔انہوں نے ۱۳۲۸ھ میں مرادآباد میں ''مدرسہ اہلسنّت وجماعت'' کی بنیاد رکھی۔ ۱۳۵۲ھ میں اس مدرسے کی وسعت کے ساتھ جامعہ نعیمیہ نام رکھا گیا۔یہ دارالعلوم ہندوستان بھر میں تکمیل علوم دینیہ کی ایک اعلیٰ درسگاہ تھا۔اس دارالعلوم کے طلبہ آگے چلکر برصغیر میں دینی مدارس کے بانی اور مہتمم بنے ۔مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا ابوالبرکات شیخ الحدیث مرکزی حزب الاحناف لاہور، مفتی محمد عمر نعیمی دارالعلوم امجدیہ کراچی، حکیم الامت مفتی احمد یار خان گجرات، پیر محمد کرم شاہ صاحب دارالعلوم محمدیہ بھیرہ شریف، فقیہ اعظم مولانا محمد نوراللہ بصیر پوری، مفتی غلام معین الدین نعیمی، (سواداعظم) مفتی محمد حسین نعیمی جامعہ نعیمیہ لاہور، مولانا غلام محمد فخر الدین گانگوہی، آپ ہی کے گلستان نعیمیہ کی بہار ہیں۔

آپ شاعر، مصنف، مدرس، مہتمم اور مناظر کی حیثیت سے معروف ہوئے۔عیسائی آریہ، روافض، خوارج قادیانی اور غیر مقلدین کے مناظرین کو کئی بار شکست دی۔آپ ملک کے سیاسی اور دینی مسائل میں عملی حصہ لیتے۔ہر تحریک میں پیش پیش ہوتے۔ماہ نامہ سواداعظم مرادآباد ایک عرصہ تک جاری رکھا۔نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کیلئے دن رات کوشاں رہے۔آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں آپ نے ہی پاکستان کے حق میں ریزولیشن پاس کیا۔ آپ کی تصانیف میں سے تفسیر خزائن العرفان، الطیب البیان، ردتقویت الایمان، الکلمۃ العلیا ہدایت کاملہ، التحقیقات، کتاب العقائد، سوانح کربلا، زادالحرمین، آداب الاخیار، کشف الحجب، اسواط العذاب، الفرائد النور، گلبن غریب نواز مشہور کتابیں ہیں۔

۱۸رذی الحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز جمعۃ المبارکہ واصل بحق ہوئے (تفصیل کے لئے دیکھئے حیات صدر الافاضل ،تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور، تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کانپور، خلفائے اعلیٰحضرت (زیر طبع) تحریک پاکستان کے نامور علماء، رضائے مصطفیٰ گوجرانولہ، ترجمان اہلسنت کراچی، ضیاء حرم بھیرہ)

احمد اوا شرف حمد و شرف لے
اس سے ذلت پاتے یہ ہیں

....

ا:۔ ابو المحمود احمد اشرف اشرفی جیلانی زیب سجادہ کچھوچھہ شریف حضرت جناب غوث الاعظم جیلانی کی اولاد سے تھے اور اعلیٰحضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی کے ابتدائی تلامذہ میں سے تھے۔ آپ عارف باللہ سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نامور فرزند تھے۔ تاریخی نام مولانا ابوالمحمود سید شاہ احمد اشرف تھا۔ ۱۴ رشوال المکرّم ۱۲۸۶ھ بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں کچھوچھہ شریف میں پڑھیں۔ مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے درسیات کی تکمیل کی۔ خواب میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دستار بندی کرائی۔ چنانچہ اس خواب کے بعد آپ نے کسی مدرسہ سے دستار فضیلت حاصل کرنے سے انکار کردیا۔

گوآپ اپنے والد مکرم سے بھی بیعت تھے۔ مگر آپ کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے بھی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ آپ کی تقریر دلعزیز ہوتی اور وعظ تاثیر ہوتی۔ آپ والد ماجد کی حیات میں ہی ۱۳۴۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ حضرت شیخ المشائخ مولانا سید شاہ مختار محمد اشرف مدظلہ العالی آپ کے ہی فرزند ارجمند ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرہ علماء اہلسنّت مطبوعہ کانپور مقالات یوم رضا حصہ سوم مطبوعہ لاہور۔ خلفاء اعلیٰحضرت مولفہ محمد صادق قصوری)

مولٰنا دیدار علی ا کو
کب دیدار دکھاتے یہ ہیں

....

ا:۔ اسم گرامی دیدار علی۔ کنیت ابو محمد۔ والد ماجد کا نام سید نجف علی۔ پیدائش نواب پور الور ۱۲۷۰ھ میں ہوئی آباء و اجداد مشہور سے اودھ (بلگرام) سے ہوتی ہوئے فرخ آباد، پھر الور میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے قرآن پوک اپنے چچا سید نثار علی الوری سے پڑھا۔ شاہ کرامت اللہ دہلی سے ابتدائی درسیات پڑھی۔ مولانا ارشاد حسین رام پور کے مدرسہ مجددیہ نقشبندیہ سے اصول فقہ معقولات پڑھیں مولٰنا شاہ عنایت اللہ خان رام پوری سے فقہ حنفی کی تکمیل کی ۱۲۹۲ھ میں مولٰنا احمد علی سہارنپوری سے دورحدیث ختم کیا۔ ۱۲۹۳ھ میں سند حدیث حاصل کی۔ قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور شاہ وصی احمد محدث سورتی آپ کی ہم سبق تھے۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآباد سے بیعت ہوئے۔ امام العارفین شاہ آل رسول مارہروی اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے خلافت حاصل کی۔ مدرسہ ارشاد العلوم رامپور میں مدرس مقرر ہوئے ۱۹۰۶ء میں تدریسی فرائض کے لئے ممبئی گئے مگر ایک سال بعد الور آکر مدرسہ قوۃ الاسلام کی بنیاد رکھی۔

لاہور کے مدرسہ نعمانیہ میں ایک عرصہ تک مدرس رہے ۱۹۱۴ء میں مفتی اعظم آگرہ مقرر ہوئے۔ مگر ۱۹۲۲ء میں انجمن نعمانیہ لاہور میں دوبارہ لاہور آئے ۱۹۲۲ء میں وزیر خان کی مسجد کے خطیب بنے۔ اور مرکزی انجمن حزب الاحناف کی بنیاد رکھی۔ دارالعلوم قائم کیا۔ آپ نے مذہب اہلسنت کی ترویج اور عقائد باطلہ کی تردید میں بڑی پامردی سے کام کیا۔ لاہور کو وہابیت، دیوبندیت اور دوسرے عقائد کے زہر سے کافی حدتک بچالیا۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو رحلت فرمائی۔

مزار دارالعلوم حزب الاحناف اندرون دہلی دروازہ، لاہور میں ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے مولینا ابوالحسنات خطیب جامع مسجد وزیر خاں اور استاذ العلماء ابوالبرکات سید احمد قادری شیخ الحدیث حزب الاحناف لاہور اپنے زمانہ میں یگانہ عصر قرار پایا۔ اور علمی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے۔ آپ کی تصانیف میں سے تفسیر میزان الادیان، رسول الکلام، ہدایۃ الطریق، دیوان دیدار علی اردو، دیوان دیدار علی فارسی، ہدایۃ القوی، علامات وہابیہ، تحقیق المسائل، رحمت غفار کے علاوہ بہت سی کتابیں یادگار ہیں تفصیل کے لئے دیکھیں۔ تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور مطبوعہ لاہور، اولیاء نقشبند لاہور تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور، ماہنامہ نقوش لاہور نمبر، روزنامہ سعادت لائل پور، ائمہ اہلسنت نمبر ۱۹۶۸ء)

مجبور احمد مختار ا ان کو
کرتا ہے مرجاتے یہ ہیں

۱۔ حامی سنت مولینا مولوی احمد مختار صدیقی میرٹھی قادری رضوی برکاتی خلیفہ اعلیحضرت تھے۔ والد محترم کا اسم گرامی شاہ عبدالکلیم تھا۔ ۱۷ محرم الحرام ۱۲۹۴ھ کو محلہ مشائخاں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالحلیم میرٹھی اور شاہ نذیر احمد میرٹھی آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ پانچ برس کی عمر میں قرآن پڑھا۔ ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ اندرکوٹ میرٹھ سے تکمیل علوم درس نظامی کی ۱۳۲۱ھ میں مکہ معظمہ پہونچے۔ وہاں ہی مولینا شاہ عبدالحق الہ آبادی سے درس حدیث لیا۔ ۱۳۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت شیخ رضوان سے تکمیل علم حدیث کی۔

حج سے واپسی پر میرٹھ کے قومی مدرسہ میں فارسی مدرس اور اسلامیہ کالج اٹاوہ میں پروفیسر عربی مقرر ہوئے۔ بیگم شاہ جہاں بیگم کے اسلامی مدرسہ بھوپال میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ شدھی تحریک کے دوران برما گئے۔ وہاں ایک اسلامی دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ مانڈلے میں اعلیٰ تعلیم کا کالج قائم کیا...... میں عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک درسگاہ بنائی ۱۹۰۸ء میں افریقہ پہنچے اور الاسلام رسالہ جاری کیا۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت میں پرجوش حصہ لیا۔ خلافت کمیٹی کے فنڈ میں تین لاکھ روپیہ جمع کرایا۔ ۱۹۲۲ء میں گرفتار کر لئے گئے۔

آپ نے اعلیحضرت امام اہلسنت سے بیعت کی۔ خلافت حاصل کی۔ اور آپ کی مقربین میں شمار ہوئے۔ قطب العالم حاجی وارث علی شاہ دیوا شریف کے عقیدتمندوں میں سے تھے۔ قطب المشائخ شاہ علی حسین کچھوچھوی سے سلسلہ عالیہ اشرفیہ سے ربط میں فیض پائے شاہ مسعود نے سرزمین حجاز میں مشاہیر اسلام کے مزارات کو مسمار کیا تو آپ ہندوستان کے اس وفد کے رکن کی حیثیت سے سعودی عرب گئے۔ جو شاہ مسعود کو عالم کے جذبات سے خبردار کرنے گیا تھا۔

آپکے وعظ سے ہزاروں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ۶۳ برس کی عمر میں ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء کو دمن (پرتگیز) میں راہی ملک بقا ہوئے۔ (استدراک تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور)۔

عبد علیم ا کے علم کو سن کر
جہل کی بکل بھگاتے یہ ہیں

۱۔ حضرت مولینا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مبلغ اسلام خلیفہ اعلیحضرت تھے۔ ۱۵ رمضان شریف ۱۳۱۰ھ مطابق ۳ اپریل ۱۸۹۲ء میرٹھ میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم والد بزرگوار شاہ محمد عبدالحکیم سے حاصل کی۔ دارالعلوم عربیہ قومیہ میں داخلہ لیا۔ سولہ برس کی عمر میں درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ علوم جدیدہ اناوہ ہوئی اسکول اور ڈویژنل کالج میرٹھ سے حاصل کیے۔ حکیم احتشام الدین سے طب حاصل کی۔ کالج کی تعلیم کے دوران اعلیٰحضرت کی مجالس علم سے استفادہ کرنے کیلئے بریلی جاتے۔ پھر عمر بھر آپ کی ہی دامن علم وادب کی خوشہ چینی کرتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں حجاز مقدس پہنچے۔ واپس آکر اعلیٰحضرت کی مریدی میں شامل ہوئے۔ منازل سلوک طے کیں اور خلافت حاصل کی۔ فاضل بریلوی کے علاوہ آپ نے شیخ احمد الشمس (مراکش) لیبیا شیخ السنوسی سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ نے زندگی کا طویل حصہ تبلیغ دین میں گزارا۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۴ء تک یورپ، افریقہ اور امریکہ کے متعدد ممالک میں اور ریاستوں میں جاکر اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے۔ جہاں گئے مساجد، مکاتب، کتب خانے، ہسپتال، یتیم خانے اور تبلیغی مراکز قائم کرتے گئے۔ آپ کی شبانہ روز اور مخلصانہ کوششوں سے دنیا فرنگیت کے نامور وکلا، پروفیسر، ڈاکٹر، سائنس داں مشرف باسلام ہوتے گئے۔

آپ نے ۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو مشہور عالم فلاسفر برنارڈ شاہ سے ''اسلام اور عیسائیت'' پر مناظرہ کیا۔ برنارڈ شاہ کو آپ کی شخصیت نے بے حد متاثر کیا۔ اور اس نے اعتراف کیا کہ قرآن کریم کائنات ارضی کی قوموں کی راہنمائی کرتا ہے۔ آپ نے برصغیر میں تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا۔ نظریہ پاکستان کو ملک سے باہر بھی عام کیا۔ انگلینڈ، مصر، افریقہ ممالک میں جہاں جہاں کانگریس کے وظیفہ خوار گماشتے پاکستان کے خلاف زہر پھیلاتے۔ آپ وہاں پہنچ کر نظریہ پاکستان کی تشریح کرتے۔ جب جمعیت العلماء ہند نے نہرو رپورٹ کی حمایت کی تو آپ مولینا حسرت موہانی، میر غلام بھیک نیرنگ، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا محمد ناظر الہ آبادی کے ساتھ جمعیت علماء ہند سے علیحدہ ہوگئے۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں تحریک پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کیا ان کی ان خدمات کے پیش نظر قائداعظم نے آپ کو اسلام میں پاکستان کا ترجمان بنا کر بھیجا۔

آپ دنیا کی کئی زبانوں پر پوری دسترس رکھتے تھے اور ان زبانوں میں تقریر کرتے۔ جس ملک میں جاتے وہاں کے باشندوں کو اسلام کے محاسن بتاتے اور پھر وہاں اسلامی مراکز قائم کیے جو آج تک تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ برما، ملائیشیا، امریکہ، کینیا، تنزانیا، یوگنڈا، بلجیم، کانگو، حجاز، مصر، شام، فلسطین، عراق، فرانس، برطانیہ، جزائر الہند، گیانہ، امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں تبلیغی دورے کیے۔

آپ نے ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۵۴ء کو مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ جنت البقیع میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں دفن ہوئے۔ حضرت مولینا ضیاء الحق قادری مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت شاہ احمد نورانی سابق ایم۔این۔اے اور موجودہ سینئر پاکستان آپ کے فرزند ارجمند ہیں مندرجہ ذیل تصانیف آپ کی علمی یادگار ہے۔ ذکر حبیب، کتاب التصوف، احکام رمضان، بہار شباب، اسلام کی ابتدائی تعلیم، انسانی مسائل کا اسلامی حل اسلامی اصول، رشتہ کیا ہے، البیان (عربی) مسائل نماز (انگریزی) ان کتابوں کے علاوہ آپ نے مختلف زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھیں۔

اک اک وعظ عبدالاحد اپنا

کتنے نغمے پھلاتے رہے ہیں

لہ۔ سلطان الواعظین مولینا الحاج عبد الاحد قادری برکاتی رضوی خلف الرشید مولینا محمد وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۸۸۳ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ الحدیث میں داخل ہوکر اپنے والد گرامی کے زیر تربیت درسیات کی تکمیل کی ۱۹۰۳ء میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں طب پڑھی۔ ایک عرصہ تک نعیم پور میں مطب کیا۔ مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ پھر اپنے والد کے جانشین بنکر مدرسہ الحدیث میں پڑھاتے رہے۔ آپ کی وعظ میں جادو کی تاثیر تھی۔ زور خطابت سے خوش ہوکر اعلیٰحضرت امام اہلسنت نے آپ کو ''سلطان الواعظین'' کا خطاب دیا آپ نے اعلیٰحضرت سے خلافت حاصل کی ۱۳۳۳ھ میں اعلیٰحضرت کی معیت میں حج کیا۔ آپ نے آزادی وطن کے لئے تمام ملک میں بے پناہ تقاریر کیں اور لوگوں میں جذبۂ آزادی زندہ کیا۔ آپ نے اس آزادی کی تحریک میں مسلمانوں کو ہندوؤں کی فریب کاری سے بھی آگاہ کیا ۲۳ رشعبان المعظم ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳۳ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادے مولینا شاہ الصمد نانا میاں پیلی بھیت، صاحبزادہ مولینا حکیم قاری احمد کراچی ایڈیٹر پیام حق کراچی اور صاحبزادہ مولینا فضل احمد صوفی کراچی آپ کے علمی جانشین ہیں۔

بخش رحیم ارحمت جس سے
آرے کے بچے آتے یہ ہیں

لہ۔ حضرت مولینا محمد رحیم بخش آروی قادری برکاتی رضوی خلیفۂ اعلیٰحضرت آرہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ علماء رامپور اور سہارنپور سے درسیات پڑھیں۔ حدیث پھلواری شریف میں بھی پڑھی۔ حضرت فاضل بریلوی کی شہرت نے آپ کو بریلی کھینچا اور

آپ مرید ہوکر خلافت کے رتبہ تک پہونچے۔ اپنے وطن میں مدرسہ حنفیہ میں ایک عرصہ تک مدرس رہے۔ ایک دارالعلوم ''فیض الغرباء'' کے نام سے جاری کیا۔ آرہ کے شیخ طریقت حضرت شاہ محمد فرید الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے زبردست حامی تھے۔ اعلیٰحضرت کو آپ کی علمی مساعی پر بے حد فخر تھا۔ آپ کئی بار آرہ تشریف لے گئے اور طلباء کی دستار بندی کرائی۔

مولینا شاہ عبد الغفور، علامہ محمد ابراہیم آروی، مولینا ولی الرحمٰن پوکھیروی اور سید سلیمان ندوی آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ وصال ۸ شعبان ۱۳۴۴ھ میں ہوا۔

جو ہر نشی لعل اپ ہیرا
کھا مرنے کی منگاتے یہ ہیں

لہ۔ مولینا حاجی محمد لعل خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدراسی نزیل کلکتہ قادری برکاتی رضوی اعلیٰحضرت کے خلیفہ تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہوسکے۔ آپ اعلیٰحضرت کی تصانیف میں بے پناہ حصہ لیتے۔ آپ کی اپنی تصانیف۔ تاریخ وہابیہ، فتاویٰ برعقائد وہابیہ ودیوبندیہ اہل علم کے ہاں خاصی مشہور ہوئی ہیں۔ ۲۱ جولائی ۱۹۲۱ء کو وفات پائی۔

آل الرحمٰن لہ برہان الحق ۲
شرق پر برق گراتے یہ ہیں

لہ۔ مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعلیٰحضرت کے فرزند ارجمند خلیفۂ اعظم اور زیب سجادہ دربار عالیہ بریلی شریف ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء بریلی میں پیدا ہوئے اسم گرامی آل رحمٰن عرف مصطفیٰ رضا ہے۔

اعلیٰحضرت کے فرزند اصغر ہیں۔ آپ نے مولینا شاہ رحم الٰہی منگلوری سے خصوصی تعلیم حاصل کی۔ اپنی ذہانت اور قابلیت سے اساتذہ کے دل میں گھر کر لیا۔ حضرت مولینا ظفر الدین بہاری کے دارالافتاء میں ان کے رفیق کار رہے۔ اور ملک سے آنے والے استفسارات کے جوابات میں معاون رہے ۱۳۲۸ھ میں باقاعدہ فتاویٰ نویسی کی اجازت ملی۔ اعلیٰحضرت امام اہلسنت نے آپ کی قابلیت کے پیش نظر ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا'' مہر اپنے اہتمام میں بنوا کر دی۔ سفر حج میں سید علوی مالکی شیخ الحرم المکی اور علامہ سید محمد ابن امین علماء مکہ سے سند حدیث حاصل کی۔ اعلیٰحضرت مجدد مأتہ حاضرہ سے خلافت کے علاوہ آپ نے حضرت مخدوم شاہ ابوالحسن احمد نوری سے اجازت وخلافت حاصل کی۔ شعر وسخن میں خاصا لگاؤ ہیں۔ کئی تصانیف اہل علم کیلئے مشعل راہ ہیں۔ زیر نظر کتاب الاستمداد کے حواشی وتکمیلات ملقب بلقب تاریخی کشف وجلال دیوبند آپ کے ہی رشحات قلم کا نتیجہ ہیں جو ہم شریک اشاعت کر رہے ہیں۔ آپ نے اعلیٰحضرت کے علمی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے بے پناہ محنت کی۔ آپ کی تصانیف کو شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ آپ کے مدرسہ کو جاری رکھا۔ پھر آپ کے روحانی وعلمی قلعہ کو برقرار رکھا۔ آپ کے لاکھوں مرید ہیں۔ اور آپ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ طریقت حقیقت کے حقائق کے پیش کرنے میں ہندوستان میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملفوظات اعلیٰحضرت چار جلدیں آپ کے ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔

۲۔ حضرت مولینا عبدالباقی برہان الحق جبلپوری قادری برکاتی رضوی خلف الرشید مولینا عبدالسلام خلیفۂ اعلیٰحضرت ۱۳۱۰ھ میں جبلپور میں پیدا ہوئے۔ درسیات والد مکرم سے مکمل کیے۔ ۱۳۳۷ھ میں بریلی کے عظیم الشان سالانہ جلسہ میں دستار فضیلت حاصل کی اور خلافت ملی۔ اعلیٰحضرت نے آپ کو برہان الحق کا خطاب عطا فرمایا۔ مدھیہ پردیش میں آپ روحانی فیضان کے مرکز تھے۔ بڑے متقی، عالم اور مستعدی راہنما ہیں۔ اجلال الیقین بتقدیس سید المرسلین آپ کی تصنیف ہے۔

تازہ ضرب شفیع احمد سے
کہنہ بخار اٹھاتے یہ ہیں
دے حسینین دوہ تقیعان کو
جس سے برے کھیاتے یہ ہیں
نجدیہ میں ہاپل رہے ان کی
جیسے ہل ان پہ چلاتے یہ ہیں
کم کو فزوں افزوں کو فزوں تر
کردے تراہی کھاتے یہ ہیں
اپنوں میں ان کو مثل فزوں کر
تیر اذکر بڑھاتے یہ ہیں

۱۔ مولینا مولوی محمد شفیع احمد بیسلپوری قادری برکاتی اعلیٰحضرت کے خلیفہ اور امین الفتویٰ دارالافتاء تھے۔ والد گرامی کا اسم فضل احمد تھا آپ فاتح روہیل کھنڈ حافظ محمد رحمت خاں کی فوج کے سپہ سالار عبدالرشید خاں کی اولاد سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پیلی بھیت کے دارالعلوم مدرسۃ الحدیث میں حدیث پڑھی۔ اعلیٰحضرت امام اہلسنت پیلی بھیت تشریف لائے تو نگاہ انتخاب آپ کو بریلی میں ساتھ ہی لے گئی۔ فتاویٰ نویسی اور کتب خانہ کی نگرانی پر مقرر کیا۔ آپ کے استاذ حضرت محدث سورتی نے اپنی صاحبزادی علیم النساء آپ کے نکاح میں دی۔ اعلیٰحضرت نے

جن شاگردوں اور مریدوں کو بے پناہ اعتماد میں لیاوہ مولینا شفیع احمد تھے۔آپ کو امین الفتاویٰ کا خطاب دیا ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۲۰ء کو رحلت فرمائی۔ مزار قصبہ بیسلپور میں زیارت گاہ عام وخواص ہے۔آپ کی وفات پر اعلیٰحضرت نے پرزور قطعہ تاریخ لکھکر آپ کی قابلیت کو سراہا۔نعتیہ دیوان اور مجموعہ فتاویٰ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

۲:۔حضرت مولینا مولوی حسنین رضا خاں بریلوی قادری برکاتی نوری تلمیذ خلیفہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی اور خلف الرشید مولینا حسن رضا خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں مدرسہ ارشاد العلوم رامپور میں کتب درسیہ کی تکمیل کی۔آپ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔حلیہ اعلیٰحضرت، وصایا شریف، اسباب زوال امت کے علاوہ آپ نے اعلیٰحضرت کی بہت سی کتابوں کو اپنے اہتمام میں شائع کرایا بریلی میں سنی پریس آپ نے ہی قائم کیا تھا۔اور اہلسنّت کا لٹریچر شائع کرنے میں بڑی خدمات سرانجام دیں قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان میں تشریف لے آئے۔

دل میں ہراس نہ لانے دینا
دل میں انی چمکاتے یہ ہیں
ان پہ کرم رکھ سر پہ قدم رکھ
تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے گدا ہیں تجھ پہ فدا ہیں
تیرا ہی کھاتے گاتے یہ ہیں
صلی اللہ علیک وسلم
بارک شرف مجد کرم

اعتذار

اسمائے احباب سلمہم اللہ تعالیٰ میں چھوٹے چھوٹے ناموں پر اقتصار کیا گیا ہے۔اس کی ایک وجہ تو نظم کا تنگ دامن ہے۔دوسرے تقاضائے محبت میں کچھ یوں ہیزہ یادہ پیار معلوم ہوا۔تیسرے یہ سرکار عرش مدار میں عرض ہے۔سرکاروں کے حضور غلاموں کے نام بڑھا کر نہیں لیے جاتے۔یہاں تک کہ حضرت سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو مسائل بواسطہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے۔جیسے جامع صغیر وغیرہ میں وہاں امام ابو یوسف کا نام لیا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ کنیت کی تعظیم تھی۔نام امام کے آگے نہ ذکر کی۔چنانچہ نام احباب میں رعایت ترتیب میں یہ بھی مانع ہوا۔کہ اپنے عربی عقائد میں اگر چہ تین سو اشعار تک ہوں التزام ہے کہ قافیہ اصلاً مکرر نہ آئے۔اردو میں اتنی وسعت کہاں۔اس قصیدے میں ۱۳۲ قافیے تو اصلاً مکرر نہ ہوئے۔باقی میں یہ التزام ہے کہ کوئی قافیہ تو شعر سے پہلے مکرر نہ ہوسکے[تو اس کی لحاظ سے اشعار میں فصل لازم کیا۔پھر اصل بات یہ ہے کہ جس سرکار کی یہ مدح اور اس کے دشمنوں پر قدح ہے اس میں یہ جزئیات ملحوظ احباب بھی نہ ہونگے۔کہ اصل مقصود بحمدہ تعالیٰ ہمارا ان کا عین ایمان ہے۔

☆☆☆

شہزادگان اعلیٰ حضرت اور حضرت ملک العلماء

مرتبہ: شہزادۂ ملک العلما پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب، سابق صدر شعبۂ عربی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علیگڑھ

حرفے چند : علمائے کرام خاص طور پر علمائے اہل سنت و جماعت میں اپنے بچپن میں جن کی زیارت سے مشرف ہوا، یا جن کی صحبت میں کچھ دیر بیٹھنے کی مجھے سعادت حاصل ہوئی، ان میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) اور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حجۃ الاسلام کی زیارت پہلی مرتبہ اپنے مکان ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ میں ہوئی۔ جہاں وہ والد محترم حضرت ملک العلما مولانا ظفرالدین قادری رضوی (م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ اور ہفتہ عشرہ تک قیام پزیز ہوئے تھے۔ اس سفر میں ان کے چھوٹے صاحبزادے حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں (م ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) ان کے ساتھ تھے۔ یہ میرے ہم عمر تھے اس لئے جلد ہی ہم دونوں بے تکلف ہو گئے۔ اس زمانے میں ''ظفر منزل'' میں علمائے کرام وصوفیائے عظام حضرت کے متوسلین ومسترشدین اور سلسلۂ عالیہ رضویہ برکاتیہ میں داخل ہونے والوں کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ اس لئے ملک العلما کے حکم پر میں نے مدرسہ اسلامیہ شمس الھدی سے، جہاں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، ہفتے عشرے کی چھٹی لے لی تھی اور میں شب و روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اس زمانے کی کچھ باتیں ساٹھ، ستر سال گذر جانے پر بھی حافظے میں محفوظ ہیں لیکن انکا ذکر کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔

حجۃ الاسلام کو دوسری بار موضع پوکھریرا ضلع مظفر پور (بہار) میں قریب سے دیکھنے اور ان کے ساتھ تین دن رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جہاں وہ مولانا ولی الرحمٰن قادری ناظم انجمن نورالاسلام کے اصرار پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن محییٰ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء) کے عرس اور ان کے مدرسے کے سالانہ جلسے کی صدارت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ جلسہ بڑی کامیابی سے تین دن تک ہوتا رہا، آس پاس کے مواضع کے ہزاروں مسلمان رات گئے تک جلسے میں موجود رہ کر اور علمائے کرام کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے رہے۔ علما میں مقامی اور آس پاس کے عالموں اور مقرروں کے علاوہ حضرت ملک العلما، مولانا عظیم اللہ، ان کے صاحبزادگان، مولانا عزیز اللہ اور مولانا علیم اللہ خاص طور پر یاد آتے ہیں۔ اب نئی نسل آخر الذکر تینوں علمائے کرام سے واقف نہیں ہوگی۔ مولانا عظیم اللہ غالباً ضلع بلیا (یوپی) کے رہنے والے تھے اور بہار و بنگال میں واعظ ومقرر کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے، ان کا بنگال کے کسی مدرسے سے تعلق تھا اور وہ کلکتہ اور آس پاس کے جوٹ ملوں کے ہزاروں مسلمان مزدوروں اور کاریگروں میں بے حد مقبول تھے۔

مولانا عزیز اللہ، مولانا عظیم اللہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ دینی جلسوں میں شریک ہوتے تھے اور تقریریں کرتے تھے۔ مولانا علیم اللہ ایک لائق و فائق اور ہونہار نوجوان تھے، خوبصورت اور خوش لباس مجھ سے عمر میں پانچ سات سال بڑے ہوں

گے۔ بہت اچھے استاد اور بڑے کامیاب مقرر۔ کئی سال کے بعد جب میں حضرت ملک العلما کا ہم رکاب ہو کر کلکتہ پہونچا اور اعلیحضرت قدس سرہ کے خلیفہ و مسترشد مولانا حاجی لعل خاں مدراسی (م ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کے خویش حاجی عبد العزیز خاں (منیجر الحاج زینل علی رضا جدہ، سعودی عرب) کے یہاں ۲۲ زکریا اسٹریٹ میں مقیم تھا تو مولانا علیم اللہ، حضرت ملک العلما کی زیارت اور ان سے استفادے کے لئے اکثر تشریف لاتے تھے۔ وہ ان دنوں زکریا اسٹریٹ کی مشہور مسجد، مسجد ناخدا میں خطیب تھے (وہاں کے امام ایک عرب عالم تھے جن کے کمرے میں نے اور مولوی علیم اللہ نے پہلی مرتبہ عرب قہوہ نوش کیا) وہ وہاں روزانہ عشا کے بعد قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ میں متعدد بار اس مجلس میں شریک ہوا۔ وہ بہت مؤثر تقریر کرتے تھے۔ افسوس ایام شباب ہی میں انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

پوکھریرا، اس زمانے میں ایک گاؤں تھا، پوپری ریلوے اسٹیشن سے کچھ دور، علمائے کرام ایک قسم کی بیل گاڑی پر جو تانگے سے زیادہ پر تکلف اور آرام دہ تھی، سوار ہو کر کئی گھنٹے میں پوکھریرا پہنچتے تھے۔ حجۃ الاسلام اور ملک العلما کے لئے شائد ٹیکسی کا انتظام تھا۔ ہمارا قیام ناظم مدرسہ مولانا ولی الرحمٰن کے مکان پر تھا جہاں ان کے بھائی حکیم مولانا عطاء الرحمٰن اور صاحبزادگان مولوی محمد حمید الرحمٰن اور مولوی محمد علیم الرحمٰن میزبانی کے لئے موجود رہتے تھے۔ حکیم صاحب بعد کو برسوں پارک سرکس کلکتہ کے پاس ایک مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ میری ان سے کئی بار وہاں ملاقات ہوئی۔

پوکھریرا میں اس موقع پر لوگ جوق در جوق آس پاس کے مواضع سے آتے رہے اور حضور حجۃ الاسلام سے شرف بیعت حاصل کرتے رہے۔ صحیح تاریخ یاد نہیں یہ اواخر مئی یا اوائل جون ۱۹۳۷ء کا زمانہ ہونا چاہیے۔ پھر برسوں حضرت کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ ایک بار اوائل جنوری ۱۹۴۰ء میں دہلی سے بریلی حاضر ہوا تو حضرت کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ آخری بار ۱۹۴۳ء میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جب حضرت محدث اعظم مولانا سید شاہ محمد کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ) اور ملک العلما خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ برکاتیہ اور مدرسۂ منظر اسلام و مدرسۂ مظہر اسلام کے بعض متنازع مسائل کے حل کے لئے بریلی حاضر ہوئے تھے۔ ملک العلما اپنے اکثر اسفار میں جب میں کم عمر تھا مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ میں اس موقع پر بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔ ہمارا قیام کئی دن بریلی میں رہا۔ افسوس حجۃ الاسلام سے یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ اس سلسلے میں دیکھئے مکتوب مفتی اعظم (مکتوب (۴) مورخہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ)۔ اور میرے روزنامچے کے اندراجات ضمیمہ (۲) بھی دیکھے جائیں۔ ۱۷ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء کو حضرت حجۃ الاسلام جوار رحمت میں داخل ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری کی زیارت کا شرف بھی مجھے تین بار حاصل ہوا۔ پہلے بریلی میں پھر مراد آباد میں اور اس کے بعد حضرت کا ساتھ مراد آباد سے بریلی کے ایک سفر میں ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

اواخر دسمبر ۱۹۳۹ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) کا سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ یہ بہت بڑا اجتماع تھا جس میں متحدہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے مندوبین شرکت کے لئے آئے تھے۔ انجمن کا ایسا مہتم بالشان جلسہ نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ بعد کو ہوا۔ مولوی عبد الحق سیکریٹری انجمن ترقی اردو (م ۱۹۶۱ء) نے انجمن

کی تمام شاخوں سے جو ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھیں دو دو نمائندے مدعو کئے تھے۔ بہار کی صوبائی شاخ سے وہاں کے سکریٹری مشہور محقق قاضی عبدالودود (بی اے کینٹب) بار ایٹ لا (۱۸۹۶ء م ۱۹۸۴ء) خلف مولانا غلام صدیق قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی عظیم آبادی (م ۱۳۲۶ھ) اور ان کے معاون پروفیسر شرف عالم آرزو جلیلی (م ۱۹۴۲ء) اس اجلاس میں شرکت کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ لیکن قاضی صاحب علیل ہو کر اٹکی سینٹیوریم چلے گئے اور انہوں نے مجھے حکم دیا، کہ میں ان کی جگہ میں ان کی نیابت کروں۔ مجھے بے حد تامل ہوا۔ لیکن آخر ان کے اصرار پر میں آرزو جلیلی صاحب کے ساتھ دہلی جانے کے لئے راضی ہو گیا۔ قاضی صاحب نے مولوی عبدالحق صاحب کو اس امر کی اطلاع دے دی۔ میں نے کانفرنس کے لئے بہار کی چند قدیم اردو مخطوطات پر مقالہ لکھا (جسے مولوی صاحب نے انجمن کے رسالہ 'اردو' بابت جنوری ۱۹۴۳ء میں شائع کیا) اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔ والد صاحب علیہ الرحمہ نے تاکید فرمائی کہ واپسی میں بریلی، مراد آباد اور آگرہ کے بزرگوں کی قدمبوسی کرتا ہوا واپس آؤں۔ چنانچہ جلسہ کے اختتام کے بعد میں پروفیسر شرف عالم آرزو جلیلی کے ساتھ دہلی سے علیگڑھ تک آیا وہ پٹنہ چلے گئے میں ایک جنوری کو بریلی حاضر ہو گیا۔ پہلے حضرت حجۃ الاسلام کی زیارت کے لئے ان کی قیام گاہ پر گیا بہت شفقت سے پیش آئے۔ میں نے والد صاحب محترم کا سلام پیش کیا۔ وہ ان کی خیر وعافیت اور ان کے علمی مشاغل پوچھتے رہے۔ میں اسی شب کو بریلی سے روانہ ہونے والا تھا، حضرت نے فرمایا۔ آج رک جاؤ، کل چلے جانا۔ میں رک گیا۔ ان کے پاس کچھ دیر بیٹھا پھر مفتی اعظم کی قدمبوسی کے لئے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ گھنٹہ آدھا گھنٹہ جب تک آپ تشریف فرما رہے آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ آپ لوگوں سے ملتے رہے، ان کے کام کرتے رہے اور میری طرف بھی متوجہ رہے۔ اب میں نے اجازت چاہی تو فرمایا: میں ایک دینی کام سے مولانا سید نعیم الدین صاحب کے یہاں مراد آباد جا رہا ہوں، دو تین دن میں واپس آؤنگا۔ آج دن کا کھانا میرے ساتھ کھانا۔ مجھے نعمانی میاں سے ملنا تھا جو کئی سال پہلے آٹھ دس دن پٹنے میں ہمارے ساتھ رہے تھے۔ اعلیحضرت کے مکان محلہ سوداگران کے پھاٹک پر پہونچا جہاں جماعت رضائے مصطفیٰ کا دفتر تھا۔ مولانا ابرار حسن تلہری موجود تھے۔ کچھ دیر کے بعد جیلانی میاں یعنی مفسر قرآن مولانا ابراہیم رضا خاں (م ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) تشریف لے آئے۔ مولانا ابرار حسن نے ان سے میرا تعارف کرایا۔ گفتگو میں شعر و شاعری کا ذکر آیا تو فرمایا تم شعر ضرور کہتے ہو گے، پھر اصرار کر کے کچھ شعر سنے۔ بڑے جامہ زیب اور خوبصورت آدمی تھے۔ پھر ان سے کبھی کہیں ملاقات نہ ہو سکی۔ یہ بڑی اہم اور مرکزی جگہ تھی۔ یہاں بہت سے اصحاب سے ملاقات ہوئی۔ کچھ سے اسی وقت اور کچھ سے اس کے بعد۔ نعمانی میاں میرا نام سن کر آگئے۔ مولانا محمد حسین میرٹھی موجد طلسمی پریس، مولانا امجد رضا خاں (ماموں میاں) مولانا حسنین رضا خاں (م ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۷۱ء) حکیم حسین رضا خاں (م ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء) مولانا احسان علی مظفر پوری، مولانا سید ایوب علی رضوی (م ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء) مفتی تقدس علی خاں (م ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء) سید قناعت علی اور اعلیحضرت کے خادم خاص حاجی کفایت اللہ سے یہیں ملاقات ہوئی۔ کئی اصحاب جنہیں ''مولانا ظفر الدین قادری کے صاحبزادے'' کے بریلی آنے کی اطلاع ملی، مجھے دیکھنے آئے، ان میں اعلیحضرت کے ''خاصہ تراش'' بھی تھے جو اس وقت تک زندہ تھے۔ ان کا نام اس

وقت صحیح یاد نہیں آتا۔ یہ سارے اصحاب بہت محبت وشفقت سے ملے۔اس سلسلے میں دیکھئے ضمیمہ (۱) بریلی میں قیام کے یہ دو دن خوب گذرے۔۳؍جنوری کو میں صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) سے ملنے مرادآباد چلا گیا۔ میں استادالعلماسے مل کران کی محبت وشفقت سے بہت متاثر ہوا۔ میں رات کے وقت مرادآباد پہونچا تھا۔ مولانا اپنے مکان کے اوپر کی منزل پر حضرت محدث صاحب کچھوچھوی اور چند احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ خوب یاد ہے آپ حقہ نوش فرمارہے تھے۔ میں نے عرض کیا مجھے حقہ پر دوشعر یاد آرہے ہیں۔ مسکراکر فرمایا، سنایئے۔ میں نے عرض کیا ؎

حقہ جو ہے حضور معلّٰی کے ہاتھ میں
گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں

ناسخ یہ سب بجا ہے ولیکن تو عرض کر
بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

آپ محظوظ ہوئے۔ پھر ''مسیح'' اور ''مسیحا'' اور ''ناسخ'' کی اصلاح زبان پر کچھ دیر گفتگو فرمائی۔ کچھ دیر بعد میرے لئے کھانا منگوایا۔ روٹی، سالن کے ساتھ بالائی بھی تھی، اچھی طرح شکر ڈالی ہوئی۔ لطف آ گیا۔ یہ میری محبوب ڈِش ہے۔ میری شب خوابی کا انتظام مدرسہ (جواب جامعہ نعیمیہ کے نام سے مشہور ہے) کے ایک کمرے میں تھا۔ تھکا ہوا تھا، گہری نیند سویا۔ صبح کی سیر کے بعد آیا تو مدرسہ کے طویل وعریض برآمدے میں دیکھا کہ کئی تخت بچھے تھے۔ مفتی اعظم اوراد ووظائف سے فارغ ہوکر تشریف فرما ہیں۔ متوسلین ومعتقدین موجود ہیں۔ کسی سے گفتگو فرمارہے ہیں، کسی کو مسئلہ بتارہے ہیں اور کسی کو تعویذ لکھ کردے رہے ہیں۔ وعظ ونصیحت بھی جاری ہے۔ بعد کو ایک لطیفہ بھی سننے میں آیا۔ ایک صاحب بہت دنوں سے علیل تھے، نحیف وکمزور ہوگئے تھے، آپ نے مرض کے ازالے کے لئے تعویذ لکھ کردیا اور ساتھ ہی فرمایا پلنگ، تخت یا کوئی بھاری چیز نہ اٹھایئے گا۔ تعویذ دیتے وقت ان کے چہرے پر نظر پڑی تو فرمایا آپ کوئی بھاری چیز کیا اٹھائیں گے؟ آپ سے تو داڑھی کا بوجھ بھی اٹھایا نہیں جاتا۔ وہ صاحب کلین شیو تھے۔

کچھ فرصت ملی تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے ملک العلما کی تصنیفی سرگرمیوں کا حال پوچھا، ''صحیح البہاری'' شریف کی کتنی جلدیں مکمل ہوئیں؟ مدرسۂ شمس الہدیٰ میں طلبا کی تعداد کیا ہے؟ مدرسین کتنے ہیں؟ وہاں فقہ کون پڑھاتا ہے؟ اساتذہ زیادہ تر کس عقیدے کے ہیں؟ مدرسے کا انتظام کس کے ہاتھ میں ہے؟ کوئی جائیداد وقف ہے یا گورنمنٹ سارے اخراجات پورے کرتی ہے؟ میں نے اساتذہ کی تعداد اٹھارہ بتائی۔ ان میں تین اساتذہ مدرسۂ دیوبند کے فارغ ہیں۔ (مولانا سہول عثمانی، مولانا اصغر حسین بہاری اور مولانا عبدالشکور مظفر پوری) ایک ندوہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ (مولانا سید عبدالسبحان دیسنوی)۔ اور دو اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ (ملک العلما اور مولانا عبدالرشید قادری)۔ ایک استاد مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری ہیں جو تفسیر پڑھاتے ہیں تصوف سے گہرا شغف رکھتے ہیں، خالص سنی قادری المشرب ہیں۔ اجھر شریف ضلع گیا کے رہنے والے ہیں، خانقاہ قادریہ مجیبیہ پھلواری سے منسلک ہیں۔ ایک اور استاد جو منطق وفلسفہ اور کلام کے ماہر ہیں مولانا فضل حق رامپوری (م ۱۹۴۰ء) کے شاگرد ہیں اور مدرسۂ خیرآباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے وابستہ ہیں۔ اعلیحضرت ان سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے مکتوبات بنام ملک العلما میں دو جگہ ان کا ذکر ہے۔ اعلیحضرت کی یہ خواہش

تھی کہ ان کے مرسلہ ایک فتاوی پر ان کے بھی دستخط اور مہر ہوں۔مولانا محمد عمر نعیمی (م۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء) تشریف فرما تھے ،انہوں نے پوچھا ان کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا مولانا سید دیانت حسین دربھنگوی (م۱۳۰۷ھ) میں نے مدرسہ کے اساتذہ کے ذکر میں مولانا سید عبد الرشید صاحب عظیم آبادی (م شوال ۱۳۵۷ھ/۷؍دسمبر ۱۹۳۸ء) کا ذکر خاص طور پر کیا۔جو اعلیٰحضرت قدس سرہ کے قدیم تلامذہ میں ہیں۔پہلے پہل ملک العلما اور مولانا عبدالرشید صاحب کی تعلیم کے لئے مدرسہ منظر اسلام قائم ہوا تھا۔مفتی اعظم نے فرمایا وہ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہیں۔میں نے کہا وہ بھی میرے اساتذہ میں ہیں۔انہوں نے کہا ان سے میرا سلام کہنا۔پھر انہوں نے مولانا سید شاہ غلام محمد بہاری اور مولانا سید عبد الرحمٰن بیتھوی کا حال پوچھا۔فرمایا ملک العلما کی تشویق پر یہ اصحاب بھی بہار سے تحصیل علم کے لئے بریلی آئے تھے۔میں نے کہا میں انہیں نہیں جانتا۔یہ اصحاب پٹنہ میں تو یقیناً نہیں۔پھر استاذ العلما کے ایک صاحبزادے آئے وہ اور مولانا محمد عمر نعیمی مدرسہ کے بعض مسائل پر حضرت سے گفتگو کرنے لگے۔

دوسرے دن مفتی اعظم بریلی کے لئے روانہ ہو گئے ،انہیں وہاں سے گاؤں جانا تھا جہاں ان کی زمین داری تھی۔میں نے بھی استاذ العلما سے اجازت چاہی،انہوں نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ٹرین میں مفتی اعظم نے فرمایا ابھی موقع ہو تو دو چار دن بریلی میں رکو،لوگوں سے ملوجلو اور دل چاہے تو میرے ساتھ گاؤں چلو،یہاں کے گاؤں بھی دیکھ لینا۔میں سیدھے پٹنہ جانا چاہتا تھا،یہ میرا پہلا سفر تھا،گھر سے نکلے کئی دن ہو گئے تھے۔دل گھبرا رہا تھا۔دوسری طرف بریلی میں قیام کو بھی دل چاہتا تھا۔کچھ دیر تک تذبذب میں رہا۔رامپور تک ٹرین پہونچی تو پختہ ارادہ پٹنہ جانے کا کرلیا۔آپ نے میری ذہنی کیفیت دیکھتے ہوئے جانے کی اجازت دیدی۔بریلی اسٹیشن پر رخصت کرتے وقت دعائیں دیں،پھر فرمایا گھر پہنچ کر خیریت کا خط لکھنا۔میں آگرہ کی سیر کرتا ہوا پٹنہ پہونچا۔والد علیہ الرحمہ کو پورے سفر کی داستان سنائی۔انہوں نے بریلی میں جن لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی اس کی تفصیل سنی۔پھر خود ہی مفتی اعظم کو میری مراجعت کی اطلاع دی اور ان سبھوں کا شکریہ ادا کیا۔جو مجھ سے محبت و شفقت سے وہاں ملے تھے۔مفاوضۂ عالیہ نمبر (۳) مورخہ ۱۳؍ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ ملک العلما کے اسی خط کے جواب میں ہے۔اس میں حضرت لکھتے ہیں:

''مولی عزّ وجل کا شکر کہ عزیزی مولوی مختار الدین احمد صاحب سلمہ فاضل شمسی نے بخیر و عافیت مراجعت وطن کی اور بالخیر پہونچے۔میں عزیز موصوف سلمہ سے ملکر بہت خوش ہوا۔مولی عزّ وجل ان کی عمر اور علم میں برکت عطا کرے اور عمل کی توفیق عطا کرے۔انہیں دیکھ کر آپ بہت یاد آتے رہے۔افسوس اس بات کا ہے کہ میں عزیز سلمہ سے بہت ہی کم مل سکا۔''

حضرت والد ماجد کا حکم تھا کہ آگرہ میں مولانا مفتی عبد الحفیظ صاحب ۱۳۷۵ھ (م۱۹۵۸ء) سے ضرور ملنا،وہ شاہی مسجد آگرہ میں مفتی وخطیب تھے۔ان سے وہیں جا کر ملا۔مفتی صاحب یہ سن کر کہ ملک العلما نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے دعائیں لینے کی تاکید کی تھی بہت خوش ہوئے۔حضرت کی صحت اور ان کے علمی مشاغل کا حال پوچھتے رہے۔اس رات اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔محلّہ اور گھر کا نقشہ کاغذ پر بنا کر محل وقوع سمجھایا اور وقت پر آنے کی تاکید کی کہ انہیں کھانے کے بعد کہیں تقریر کرنے جانا تھا۔ان کے یہاں پہنچا تو مفتی صاحب کے والد محترم حضرت مولانا عبد المجید آنولوی (م۱۹۴۳ء) کی زیارت کا بھی اتفاق ہوا۔

وجیہہ اور خوبصورت آدمی تھے۔ان کی گفتگو میں بڑی لطافت اور حلاوت تھی۔ملک العلما ان کا احترام کرتے تھے۔کسی واسطے سے وہ ''تاج الفحول'' حضرت مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ (۱۳۱۹ھ) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔انہیں ملک العلما نے سید شاہ حمید الدین (م۱۳۶۳ھ) سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ (م۱۲۰۳ھ) کی خانقاہ کے جلسۂ رجبی شریف کی تقریب ۱۹۳۹ء میں ایک سال مدعو کیا تھا۔آپ تشریف لائے تھے اور آپ نے اپنے مواعظ حسنہ سے اہل عظیم آباد کو خوب مستفید فرمایا تھا'

حضرت ملک العلما کی رحلت (شب دوشنبہ ۱۹؍جمادی الاخری ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸؍نومبر ۱۹۶۲ء) کی اطلاع جب بریلی پہنچی تو مفتی اعظم نے فوراً مدرسہ میں قرآن خوانی کرائی اور میری والدہ محترمہ کو تعزیت کا خط لکھا۔مفتی اعظم کا تعزیت نامہ والدہ مرحومہ نے برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ملک العلما کے بعض معتقدین حافظ عبد الحفیظ اشرفی (ساکن محلہ خان مرزا) اور حاجی محمد علاؤ الدین (سلطان گنج) اور بعض اصحاب کو اس خط کی انہوں نے زیارت کرائی تھی۔والدۂ مرحومہ کی رحلت کے بعد میں نے یہ خط تلاش کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ممکن ہے میرے دوسرے اعزہ کے پاس محفوظ ہو۔حضرت مفتی اعظم چند دن بعد شدّ رحال کر کے بریلی سے پٹنہ کا طویل سفر اختیار کر کے تعزیت کے لئے ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ تشریف لائے۔میں پٹنہ میں کچھ دن قیام کر کے علی گڑھ واپس آ چکا تھا کہ یونیورسٹی کھلی ہوئی تھی اس لئے حضرت کی زیارت سے محروم رہا۔والدہ مرحومہ نے مجھے خط لکھ کر آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دی تھی اور اس بات پر بے حد خوشی کا اظہار کیا کہ آپ کے ورود مسعود نے غریب خانہ کو عزت بخشی (والدۂ مرحومہ کا یہ خط کاغذات میں اگر کبھی مل گیا تو اس سے حضرت مفتی اعظم کے ورود پٹنہ کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکتی ہے) انہوں نے یہ بھی لکھا کہ آپ کی روانگی کے وقت وظائف و اوراد اور تعویذات کی وہ ضخیم قلمی کتاب جو ملک العلما کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی انہوں نے اپنے مرشد زادہ کی نذر کی اور کہا آپ نے تشریف لا کر عزت بخشی ہے، میں آپ کو کیا پیش کروں؟ یہ حقیر تحفہ قبول فرمائیے۔اس پر حضرت نے فرمایا قیمتی سے قیمتی تحفہ پا کر مجھے وہ خوشی نہیں ہوتی جو اس قیمتی مجموعۂ وظائف و اوراد کو پا کر مجھے ہوئی ہے۔

مجھے یہ مجموعۂ اعمال یاد ہے۔والد ماجد کے پاس پانچ چھ چھوٹے چھوٹے قلمی مجموعے تھے، یہ سب سے ضخیم تھا۔بڑی تقطیع پر تین چار سو صفحات ہوں گے۔کاغذ سفید چکنا دبیز تھا۔جلد چمڑے کی تھی۔مختلف ابواب کے تحت مندرجات تھے۔ہر باب کے بعد کچھ صفحات سادہ تھے جن پر ملک العلماء مختلف اوقات میں اضافہ فرماتے رہتے تھے۔اس میں کچھ تعویذات کے نقشے بھی تھے۔پوری کتاب ملک العلماء کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔اس کی ایک اہمیت یہ تھی کہ ابتداء میں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم کا لکھا ہوا ایک عربی دیباچہ تھا۔یہ زعفران سے لکھا گیا تھا۔امتداد زمانہ کے باوجود سواد خط جلی اور نہایت واضح تھا۔تفسیر وحدیث وفقہ کی تصانیف میں اعلیٰحضرت جس طرح کے بلیغ خطبے تحریر فرماتے تھے (دیکھئے دیباچہ الجامع الرضوی المعروف ''بصحیح البہاری'' اور فتاویٰ رضویہ جلد اول وغیرہ) اسی طرح اس مجموعۂ اعمال پر جو تمہید آپ نے تحریر فرمائی تھی۔اس میں تصوف اور اعمال اور وظائف کی اصطلاحات استعمال کی گئی تھیں۔میں نے کئی سال ہوئے خانقاہ عالیہ رضویہ کے بعض اصحاب سے رجوع کیا پھر نبیرۂ اعلیٰحضرت مولانا سبحان رضا خاں صاحب سبحانی میاں سجادہ نشین خانقاہ

عالیہ قادریہ رضویہ سے درخواست کی کہ اس مجموعۂ وظائف کی تلاش فرمائیں، اصل خود محفوظ رکھیں، عکسی نقل مجھے فراہم کردیں ان کا جواب آیا:

''آپ کی عرض داشت کی تکمیل کے لئے تلاش و جستجو کی راہ اپنایا، کسی صورت کامیابی نہیں ملی۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے بعد وصال ان کا کتب خانہ نیز یادگاری چیزیں خرد برد ہوگئیں۔ جو جس کے ہاتھ آئی وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوگئی۔ مجھ سے قبل میرے والد گرامی منصب سجادگی پر فائز تھے۔ انہیں بھی وہ تمام چیزیں دستیاب نہیں ہوسکیں جو ایک سجادہ نشیں کو دستیاب ہونا چاہئے۔ افراتفری کے عالم میں آپ کی وہ انمول دولت کس کے ہاتھ آئی اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اب اس کا پتہ چلانا ایک مشکل امر ہے۔ میں معذرت خواں ہوں مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کے والد گرامی کی وہ بیش قیمت امانت آپ تک نہیں پہنچ سکیں۔ خدا جانے خانوادۂ رضویہ کے کس فرد یا سلسلے کے کس معتقد کے پاس ہے۔ تلاش جاری ہے، اگر وہ قیمتی تحفہ حاصل ہوگیا تو بلا تاخیر خدمت میں روانہ کردیا جائے گا۔''

۲۲رذیقعدہ ۱۴۲۱ھ

(میں نے اصل نسخہ نہیں، اس کی عکسی نقل کے لئے لکھا تھا۔ اصل کتاب تو والدۂ مرحومہ نے جب مفتی اعظم کو پیش کردی تو پھر یہ ان کی اور ان کے خاندان کے لوگوں کی ہوگئی، مجھے اعلیٰحضرت کے تحریر میں خاص طور پر دلچسپی تھی۔ اور اس کا عکس چاہتا تھا۔)

مفتی اعظم اور ملک العلماء کے تعلقات ۱۳۲۳ھ سے شروع ہوئے اور ۱۳۸۲ھ تک قائم رہے۔ ان ساٹھ سالوں میں مفتی اعظم نے ملک العلماء کو ساٹھ خط تو ضرور ہی لکھے ہوں گے، ملک العلماء کے خطوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ مجھے کتب خانے کے ذخیرۂ خطوط میں مفتی اعظم کے صرف اٹھارہ خطوط ملے ہیں۔ پہلا خط ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء کا ہے اور آخری خط ۱۹۶۱ء کا تحریر کردہ ہے۔ مفتی اعظم، ملک العلما کے نام خط نمبر (۱) مورخہ ۱۲رشعبان ۱۳۵۵ھ/۲رنومبر ۱۹۳۶ء میں تحریر فرماتے ہیں ''مدت سے خط کتابت کا سلسلہ منقطع ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے خط و کتابت ہوتی رہی ہے، اب یہ سلسلہ ایک عرصہ سے بند ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تعلقات کے پہلے ۳۸رسال کے خطوط جو بہت اہم ہوں گے، تعداد میں جتنے بھی ہوں ضرور محفوظ رکھے گئے ہوں گے، سلسلۂ عالیہ رضویہ کے کوئی معتقد یا مسترشد نقل حاصل کرنے کے لئے لے گئے ہوں گے اور واپس نہ کرسکے ہوں گے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ خود ملک العلما نے نقل کے لئے کسی طالب علم، کاتب یا نقل نویس کو دیا ہو اور وہاں سے خطوط ضائع ہوگئے ہوں۔ یہ میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ملک العلما نے اپنے نام اعلیٰحضرت کے سارے خطوط ہی نہیں جن کی تعداد ۴۴ ہے بلکہ دوسرے مکتوب الیہم: خلیفۂ تاج الدین، حاجی لعل خاں، مولانا عرفان علی بیسلپوری کے خطوط بھی اپنے پاس محفوظ رکھے (آج کل میں کتب خانۂ ملک العلما کی ترتیب و تہذیب میں مصروف ہوں۔ اعلیٰحضرت اور علمائے اہلسنت کی تصنیفات و تالیفات کا علاحدہ سیکشن بنا رہا ہوں۔ ایک بستے میں مجھے آج سے کوئی ۶۵رسال پہلے کا اپنا روزنامچہ ملا۔ دیکھئے ضمیمہ (۳) جس سے معلوم ہوا کہ اواخر فروری ۱۹۴۳ء میں جب ملک العلما مجھے اپنے ساتھ بریلی لے گئے تھے اور جہاں کئی دن تک حاجی ولی اللہ رضوی صاحب کے یہاں ہمارا قیام رہا تھا۔ تو وہاں مولانا تقدس علی خاں صاحب سے اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے دست مبارک کا لکھا مجھے ایک قلمی خط ملا تھا، جسے میں نے اپنے روزنامچے میں نقل کرلیا تھا۔ یہ مکتوب مولانا تقدس علی خاں کے والد ماجد مولانا سردار ولی خاں صاحب کے نام

ہے ۱۵رذوالقعدہ ۱۳۲۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔اسے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدیر" جہان رضا"، (لاہور) کو اشاعت کے لئے بھیج دیا ہے۔اعلیحضرت ہی کے قلم کا لکھا ایک اور خط مجھے ان کے ذخیرۂ کاغذات میں ملا ہے۔یہ حضرت مولانا برہان الحق عبد الباقی جبلپوری (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) کے نام تحریر فرمایا گیا ہے۔تاریخ تحریر ۱۰رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ ہے اصل خط ملک العلما کے ذخیرۂ کاغذات میں محفوظ ہے۔اسکی نقل "اکرام امام احمد رضا" (لاہور،۱۹۸۱ء میں) اور وہیں سے کلیات مکاتیب رضا مرتبہ ڈاکٹر شمس مصباحی (کلیر شریف ۲۰۰۵ میں شائع ہوا ہے۔اصل خط کا عکس کہیں شائع نہیں ہوا ہے اب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے رسالہ "معارف رضا" (کراچی) میں اشاعت پذیر ہوگا) اور انہیں بعد کو ۱۹۳۸ء میں "حیات اعلیحضرت" میں شامل کردیا جس کی پہلی جلد کراچی سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ان کے ذخیرۂ خطوط میں محدث صاحب کچھوچھوی، استاذ العلما مولانا سید نعیم الدین اور دوسرے علماء اور اعلیحضرت کے اعزہ وتلامذہ اور ان کے حلقہ بگوشوں کے سینکڑوں خطوط محفوظ رکھے ہیں۔صرف مولانا تقدس علی خاں اور مولانا سید ایوب علی رضوی کے پچاسوں خطوط اس ذخیرے میں پائے جاتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ مفتی اعظم کے ۳۸رسال کی مدت میں لکھے ہوئے خطوط انہوں نے محفوظ نہ رکھے ہوں۔انہوں نے ضرور محفوظ رکھے ہوں گے لیکن کوئی صاحب ذوق مطالعے کے لئے یا نقل کے لئے لے گئے اور کسی وجہ سے وہ خطوط واپس نہ آئے۔بہرحال یہ ۱۸رخطوط جو پچھلے ۲۸رسال کے دوران میں لکھے گئے ہیں محفوظ رہ گئے جو یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔یہ بھی غنیمت ہے۔بریلی میں تو ملک العلماء کا شاید ایک بھی خط محفوظ نہ رہا۔خوش قسمتی سے مفتی اعظم کے نام ملک العلما کا ایک خط بعض اعزہ نے مجموعہ خطوط "مکاتیب ملک العلما" میں نقل کرکے محفوظ کردیا ہے وہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔یہ مفتی اعظم کے اس خط کے جواب میں ہے جو آپ نے سفر حج وزیارت حرمین طیبین زاد اللہ شرفہما کے موقع پر ملک العلما کو لکھا تھا۔دیکھئے خط (۹) مورخہ ۳رشوال ۱۳۶۴ھ۔یہاں ملک العلما کا خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"حضرت مخدوم زادہ مخدوم محترم دام مجدہ۔السلام علیکم!

گرامی نامہ تشریف لایا ہے۔معزز وممتاز فرمایا۔حضرت جدامجد قدس سرہٗ العزیز کی کتاب "فضیلت علم وعلماء" یہیں چھپ گئی ہے۔جماعت رضائے مصطفیٰ نے چھپوایا تھا تو اسی کا خلاصہ ایک دو ورق میں لکھ دینا کافی ہے۔سفر حج وزیارت مبارک ہو۔مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضور کے اہل وعیال وجملہ رفقائے سفر حضور کے سایۂ عاطفت میں بخیر جائیں اور بخیر واپس آئیں۔آمین۔اس ناکارہ غلام رضوی کو بھی مقامات مستجاب الدعوات میں دعا میں یاد رکھیں۔حضور نے تمام سنیوں کے حقوق معاف فرمادیئے جناب نے تو ہم سنیوں کی ہر طرح کی حمایت کی ہے اور دین کی خدمت میں اپنے کو مشغول ومصروف رکھا۔مولیٰ تعالیٰ آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا حج وزیارت قبول فرمائے۔نقشہ سمت قبلہ بک پوسٹ روانہ کرتا ہوں، اس کے لئے صرف ایک کتب نما کی ضرورت ہے۔کتب نما کی سوئی شمال کی جانب نقشے پر رکھئے اور پھر کاغذ گھماتے ہوئے ٹھیک نقاط جنوب، مغرب، مشرق پر کردیجئے، اس سے صحیح چاروں سمتیں معلوم ہوجائیں گی۔اس کے بعد جہاں جہاں جہاز پہنچتا جائے نقشہ میں دیکھئے کہ اس جگہ کس قدر انحراف رکھا ہے اس نقطہ اور مرکز پر کوئی کاغذ یا کتاب رکھ دیجئے، وہی خط اقامت ملفوف کا ہوگا۔سبھوں کی خدمت میں سلام مسنون محمد ظفر الدین قادری رضوی

اب حضرت مفتی اعظم کے ان خطوط کے بارے میں بعد ضروری گزارشات۔

۱) مفتی اعظم کے خطوط عام طور پر مختصر ہیں۔ بیشتر کارڈ پر لکھے گئے ہیں۔

۲) مکتوب الیہ کو پہلے تین خطوں میں مولانائے مکرم، مولانائے محترم، مولانا زید فضلہ، پھر حضرت ملک العلما فاضل بہار مولانا ظفر الدین صاحب، جناب مولانا مکرم ذی الکرم دام بالکرم لکھ کر خطاب کیا ہے۔

۳) خط کی پیشانی پر بسملہ کے بجائے وہ ۷۸۶ اور حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی کی جگہ اسم پاک کے عدد ۹۲ تحریر فرماتے ہیں اسی طرح اسم جلالت کی جگہ اس عدد ۶۶ یا کوئی اسم صفت مثلاً مولیٰ، رب یا ضمیر لاتے ہیں۔ پوسٹ کارڈ میں یہ ادب ضرور ملحوظ رکھتے ہیں، دستی خط بند لفافے کے اندرونی خط میں نام جلالت وغیرہ بے تکلف درج کرتے ہیں۔

۴) خطوط پر مقام و تاریخ ہمیشہ خطوں کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں، اور تاریخ عیسوی ماہ و سال کی جگہ ہجری تاریخیں درج فرماتے ہیں۔ میں نے پیش نظر خطوط میں جدید قاعدے کے مطابق تاریخ، مکتوب کی ابتداء میں پیشانی پر درج کردی ہے اور پاورقی میں عیسوی ماہ و سال بھی لکھ دئے ہیں۔

۵) اب خط نمبر (۴) مکتوبہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ کے بارے میں کچھ تشریحات:

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۸ء/۱۹۸۱ء) اور مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۳ء/۱۹۸۱ء میں غالباً کچھ غلط فہمیوں کی بنا پر بعض نجی اور مدرسہ و خانقاہ کے انتظامی مسائل کے سلسلے میں اختلافات پیدا ہوگئے تھے۔ محبین و مخلصین کے اتفاق رائے سے حضرت مولانا سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (۱۸۹۴ء/۱۹۶۱ء) اور حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی (۱۸۸۰ء/۱۹۶۲ء) حکم قرار پائے کہ دونوں حضرات کے مطالبات سن کر افہام و تفہیم کی راہ نکالیں۔ ان دونوں حکم صاحبوں پر دونوں حضرات کو پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ ایک تاریخ مقرر ہوئی اور یہ اصحاب حضرات بریلی تشریف لے آئے۔

یہ سطریں کمپوز ہوچکیں تھی کہ کتب خانے میں ۶۳ رسال پہلے کا لکھا ہوا میرا روزنامچہ ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک العلما ۲۳ فروری ~~۱۹۴۳ء~~ کو پٹنہ سے روانہ ہوکر ۲۴ رکی شب کو بریلی پہنچے تھے۔ اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ قیام حاجی ولی اللہ صاحب رضوی کے مکان پر ہوا تھا۔ دو مارچ کو بریلی سے واپسی ہوئی۔ خدا حافظ کہنے والوں میں سید پیارے علی صاحب رضوی موجود تھے۔ افہام و تفہیم والی نشست میرے روزنامچے کے مطابق ۲۵ رفروری کو ہوئی۔ دیکھئے ضمیمہ (۱) محدث صاحب اور دوسرے علمائے اہل سنت کے خطوط کبھی نکال کر دیکھوں گا ممکن ہے تاریخ جلسہ کی تائید ہوجائے۔ بریلی شریف میں حاجی ولی اللہ صاحب کے مکان پر ان چاروں حضرات اور خاندان کے چند اصحاب اس رات جمع ہوئے اور نصف شب تک سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ میں حضرت ملک العلما کے ہم رکاب تھا یہ ساٹھ پینسٹھ سال پہلے کی بات ہے تفاصیل بالکل یاد نہیں، نہ کہیں اس صحبت کا ذکر کسی کتاب کسی مضمون میں دیکھنے میں آیا۔ اس قدر یاد ہے کہ ایک شاندار مکان کی دوسری منزل کے ایک وسیع کمرے میں نشست کا اہتمام تھا دونوں حضرات اپنے اپنے مسائل و مطالبات کا ذکر کرتے رہے، پہلی نشست میں کچھ فیصلہ نہ ہوسکا لیکن یہ طے ہوا کہ فریقین اپنے اپنے مطالبات تحریری شکل میں پیش کریں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے بعد

مفتی اعظم نے اپنے مطالبات حضرت ملک العلما کو تحریری شکل میں دے دیئے تھے یا پٹنہ بھیج دیئے تھے۔ جس کی نقل انہوں نے نہیں رکھی تھی۔ حجۃ الاسلام کے مطالبات انہیں نہیں پہنچے تھے (اس کی ایک وجہ ان کی علالت بھی ہوگی) مفتی اعظم کے مکتوب نمبر (۴) بنام ملک العلما کی یہ سطر قابل توجہ ہے: ''مجھے میرے مطالبات کی نقل مرحمت فرمائی جائے اور فریق کے مطالبے بھیج دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا جائے کہ جواب حاضر کروں''۔

اب یہاں مولانا عرفان علی صاحب کا مکتوب بنام ملک العلما درج کیا جاتا ہے۔ یہ بعض حیثیتوں سے اہم ہے

''۲۵/اپریل ۱۹۴۳ء*

''محسن اخلاق فراواں جناب مولانا ظفر الدین صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کے بریلی شریف سے تشریف لے جانے کے بعد کوئی خیریت معلوم نہ ہوسکی۔ قبلہ حضرت سید میاں عرف محدث صاحب کا گرامی نامہ ۱۰/اپریل کو بنارس سے موصول ہوا تھا جس میں ۲۲/اپریل ۴۳ء کو بریلی صرف ایک شب کے لئے بسلسلۂ بیان، جانی کی مسجد، تشریف آوری کا ذکر تھا۔ چنانچہ موصوف الصدر بہ تعین تاریخ تشریف لائے اور بریلی میں بڑے مولانا صاحب سے محلہ سوداگران پہنچ کر ان کی علالت میں ملاقات ہوئی۔ مولانا صاحب بوجہ طویل علالت بہت کمزور ہوگئے ہیں۔ مولانا صاحب نے خود ہی کچھ سلسلہ گفتگو شروع فرمایا لیکن حکیم حسین رضا خاں صاحب نے اس گفتگو کو روک دیا اور بات دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ خیر۔ مطالبات کے نقول فریقین کے پاس پہنچنا ضروری ہے (جن کا) ہنوز انتظار ہے۔ محدث صاحب نے فرمایا کہ مولانا ظفر الدین صاحب کو لکھ دو کہ نقول بھیج دیں اور بسلسلہ معائنہ مطالبات جو سوالات جواب طلب دعوے کے ثبوت کے درکار ہیں وہ منگوالیں تاکہ آپ کی تعطیل کے زمانہ میں چھ مئی کے بعد اس پر غور کیا جائے اور خیال یہ ہے کہ مراد آباد (میں) اجتماع ہو اور انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ جلد فیصلہ ہو۔ امید ہے کہ جناب اس عریضہ کو ضروری تصور فرماتے ہوئے حسب ارشاد حضرت محدث صاحب مطالبات کی نقول کی۔ جن کا فریقین کا تقاضا جاری ہے۔ جلد از جلد ارسال فرما کر مشکور فرمائیں گے چونکہ حضرت چھوٹے مولانا صاحب گاؤں میں تشریف فرما ہیں اور محدث صاحب نے فرمایا تھا کہ موصوف خود ہی مولانا ظفر الدین صاحب سے نقول منگوالیں لہٰذا عرض کردیا گیا۔ حضرت خود ہی اس عریضہ میں یاد دہانی فرمارہے ہیں جو ملاحظہ عالی سے گزارے گا۔

بہ خدمت مختار میاں السلام علیکم جواب کے لئے پتہ درج ہے۔

*مطابق ۱۹/ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ

عرفان علی

مولانا عرفان علی کے مکتوب بالا سے معلوم ہوتا ہے، کہ مصالحت کے سلسلے میں دوسرا جلسہ وسط مئی میں کرنے کا خیال تھا جب مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں موسم گرما کی تعطیل ہو اور ملک العلما بآسانی بریلی (یا مراد آباد) آسکیں۔ مئی کے اس کے انعقاد اور فیصلوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ حجۃ الاسلام کی علالت کی وجہ سے اس جلسے کے انعقاد کا امکان مجھے بہت کم نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ مفتی اعظم کا مکتوب گرامی ۱۹/ربیع الآخر ۶۲/کا لکھا ہوا ہے۔ اور اگلے مہینے ۱۸/جمادی الاولیٰ کو حضرت حجۃ الاسلام کا وصال ہوجاتا ہے۔ ویبقیٰ وجہ ربک ذی الجلال والاکرام۔

راقم کے نام ملک العلما کے ایک خط (مورخہ ۲/رجب روز سہ شنبہ ۱۳۶۲ھ/۷/جولائی ۱۹۴۳ء) سے (جو بریلی کے کسی گاؤں

سے لکھا گیا ہے) کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ حجۃ الاسلام کی رحلت کے بعد اس مقصد کے لئے وہ اوائل جولائی میں بریلی تشریف لے گئے تھے۔ اور انہیں حجۃ الاسلام کے اعزہ اور مفتی اعظم میں مفاہمت میں کامیابی ہوگئی تھی۔ وہ بریلی سے راقم کو تحریر فرماتے ہیں:

''میرا یہاں آنا موقع کی ضرورت کے اعتبار سے بہت ہی ضروری تھا۔ تمام باتیں باحسن وجوہ طے پاگئیں۔ میں نہ ہوتا تو لڑانے والے اپنے ارادے میں کامیاب ہوجاتے اور قصہ بگڑ جاتا۔ مولانا سید محمد اشرفی صاحب محدث کچھوچھوی بھی یہیں تشریف لے آئے تھے۔ مجھے بعض ضروری کاموں اور خصوصاً تصنیفات اعلیٰحضرت کی درستی کے سلسلے میں ۱۵؍ دن رہنا ہوگا''۔ یہ خط ۲؍ رجب سہ شنبہ کو بیٹری (؟) ضلع بریلی سے لکھ رہا ہوں یقین ہے پنجشنبہ کے دن تمہیں مل جائے گا۔ علیگڑھ پہنچ کر نام لکھوانے اور قیام کا انتظام ہوجانے پر ضرور خط لکھو گے۔ میں آج ایک جلسے کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔ شب کو جلسہ ہوگا کل صبح کو آٹھ بجے یہاں سے بریلی روانہ ہوجاؤں گا۔ بریلی سے یہاں تک ایک گھنٹہ کی راہ ہے''۔

خاندان کے موجودہ اخلاف شاید اس مسئلے پر مزید روشنی ڈال سکیں۔

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم کے خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اعلیٰحضرت کے کتب خانے کی بربادی کا سخت قلق تھا، انہیں اس کا بھی شدید احساس تھا کہ تصانیف اعلیٰحضرت کی اشاعت اس طرح نہیں ہو رہی ہے جسطرح ہونی چاہیئے۔ انہیں دونوں مدرسوں منظر اسلام اور مظہر اسلام کی ترقی کا بھی خیال تھا۔ وہ خود بہت مصروف رہتے تھے، ان کے مشاغل گوناگوں تھے۔ سلسلہ رضویہ کے منسلکین اور معتقدین انہیں گھیرے رہتے تھے۔ میرا خیال ہے خواہش اور کوشش کے باوجود ان کے لیئے قطعاً ممکن نہ تھا کہ وہ سکون واطمینان اور دلجمعی سے بیٹھ کر کتب خانے کو درست اور منظم کریں۔ اعلیٰحضرت کے مسودات کے بستے نکال کر ان کی تبیض کریں اور ان کی طباعت واشاعت کا انتظار کریں، ساتھ ہی ساتھ مدرسوں کی بقا اور ترقی کا بھی خیال رکھیں۔ ان کاموں کی تکمیل کے لئے ان کی نظر بار بار حضرت ملک العلما کی طرف اٹھتی تھی اور وہ انہیں بار بار تحریر فرماتے تھے کہ وہ موقع نکال کر بریلی آئیں اور یہ سارا کام انجام دیں۔ ملک العلما کو ان امور کی اہمیت کا شدید احساس تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کتب خانہ مرتب ہو اور اعلیٰحضرت کی غیر مطبوعہ تصانیف کی اشاعت کا کام بوجوہ احسن انجام پائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ برطانوی عہد میں حکومت کے ایک علمی ادارے سے منسلک تھے۔ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ صحیح معنوں میں ایک دینی یا قومی ادارہ نہیں تھا۔ حکومت بنگال کے تحت جس طرح مدرسۂ عالیہ بنگال میں تھا اسی طرح حکومت بہار، مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے نظم وضبط کی ذمہ دار تھی۔ اس کے اپنے قاعدے قانون تھے۔ تعطیلات محدود تھیں، مزید فرصت لی جاسکتی تھی ''بغیر تنخواہ'' کے لیکن اس کی بھی حد مقرر تھی۔ پھر ملک العلما کا ایک اپنا مرکز تھا، اپنے مشاغل تھے، اپنی مصروفیات تھیں، پھر بھی مقصد کی اہمیت کا خیال رکھتے ہوئے انہوں نے ۱۹۴۳ء میں تین چار ماہ کی رخصت لی اور وہ بریلی تشریف لے گئے۔ انہوں نے بہت محنت ودیدہ ریزی سے منتشر مسودات مرتب کئے جو بیشتر اوراق پریشاں کی صورت میں بستوں میں بند تھے۔ جو تصانیف مکمل تھیں وہ مسودات کی شکل میں تھیں، ان کے مبیضات تیار کئے۔ انہوں نے بیس پچیس اہم تصانیف کا انتخاب کرکے ایسی صاف ستھری نقلیں بھی تیار کردی تھیں جو مطبع کو فوراً بھیجی جاسکتی

تھیں۔انہوں نے متعدد رسالوں کی کتابت وطباعت بریلی میں اپنی قیام کے دوران شروع بھی کرادی تھی۔اس سلسلے میں ان خطوط کا مطالعہ مفید ہوگا جو ملک العلما نے اس زمانے میں اپنے بعض احباب واعزہ کو لکھے ہیں اور حسن اتفاق سے جن کی نقلیں میرے پاس محفوظ ہیں۔یہاں بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے تصانیف اعلیٰحضرت کی بازیافت،ترتیب،ترویج واشاعت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ملک العلما،مولانا امجد رضا خاں صاحب نوری مقیم گوالیار کو اپنے مکتوب (مورخہ ۲۹؍رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات وتالیفات وتحریرات چھپ جائیں تو سینوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہو۔تفسیر،حدیث،فقہ،تصوف،عقائد،اخلاق کے علاوہ تاریخ،جغرافیہ ہیئت،توقیت،حساب،جبر ومقابلہ،تکسیر،جفر،زائچہ کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰحضرت کی تصنیف نہیں جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت ومحنت وتوجہ سے چھپ جائیں گی،اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰحضرت کیا تھے۔واقعی جناب نے انہیں حیات جاوید بخشی اور ہر شخص کو ان کے علوم وفنون سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔

میرے بریلی سے آنے کے بعد سے اس وقت تک ربیع الاول تا رمضان شریف تین رسالے چھپے ہیں،ایک تو وہی نشاط السالکین جن کی نصف سے زیادہ کا پیاں میرے سامنے لکھی جا چکی تھیں،اور دوسرا رسالہ الاسد السئول،تیسرا غایۃ التحقیق یہ سب رسالے نمبر ۱ سے ۱۳ تک میں نے منگوا لئے ہیں۔افسوس ہے کہ رسالہ ۳،۴،۵ ماہ جولائی میں لاہور چھپنے کے واسطے بھیجے تھے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک انہوں نے چھپا کر نہیں بھیجے۔مولوی ابوالبرکات سید احمد صاحب سے ایسی توقع نہ تھی۔اور ۳؍رسالے نمبر ۱۱۔۱۲۔۱۳ بہت خراب چھپے ہیں صحت کا بھی التزام نہیں کیا ہے۔بریلی شریف والے منشی صاحب جنہوں نے رسالہ ایک تادس کی کتابت کی تھی بہت ہی خوشخط ہیں،یہ بے چارے بدایونی صاحب ٹھیک نہیں ہیں،بہتر ہے کہ انہی منشی صاحب سے کتابت کا کام لیا جائے۔خدا جناب کو اپنے مقصد عالی میں کامیاب کرے تاکہ تصنیفات [کی اشاعت] کا کام حسب خواہش انجام پائے۔''(مکاتیب ملک العلما،قلمی،ص:۱۴،۱۵)

مولانا تقدس علی خاں رضوی کو لکھتے ہیں:

''ابھی تک آپ نے وظیفۂ کریمہ نہیں بھیجا جس کی سخت ضرورت ہے۔اسی کے ساتھ دو نسخے النھی الاکید اور ایک نسخہ احسن الوعا اور چار نسخے وظیفۂ کریمہ کے رجسٹری یا وی پی کرکے بھیج دیجئے،ایک ایک نسخہ ان سب کتابوں کا بھی جو جدید طبع ہوئی ہیں یعنی رفیق الاحقاق اور حجب العوار وغیرہ۔ایک نمبر سے ۱۳؍نمبر تک کل کتابیں۔نور الادلہ اور کشف العلۃ وغیرہ بھی لاہور سے آگئیں ہیں۔(مکتوب مورخہ جمعہ ۱۳؍اکتوبر ۴۳ء؍۲۴؍شوال (۱۳۶۳ھ) مکاتیب ملک العلما،ص:۲۱)

سید پیارے علی بریلوی کے نام ایک مکتوب ۱۵؍محرم الحرام ۱۳۶۵ھ؍یکم جنوری ۱۹۴۵ء میں ملک العلما لکھتے ہیں:

''خداوند عالم نعمانی میاں صاحب کو مقدرت دے کہ صرف ترجمۂ الدولۃ المکیہ کیا۔جملہ تصنیفات حضرت حجۃ الاسلام بلکہ تمام تصنیفات اعلیٰحضرت امام اہل سنت شائع فرمائیں''(مکاتیب ملک العلما قلمی،ص:۲۳)

مولوی سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی متعلم دار العلوم حزب الاحناف ہند لاہور کے نام مکتوب مورخہ ۳۱؍جنوری ۴۵ء میں حسب

ذیل سطور ملتی ہیں:

''سید عرفان علی صاحب (قادری رضوی بیسلپوری) کا خط آیا کہ اعلیٰحضرت کی تصانیف کی مکمل فہرست چھپ رہی ہے تاکہ معلوم ہو ان کی کیا کیا کتابیں ہیں اور کس کس فن میں کس کس زبان میں اور کس حجم میں۔ یہ سب میں نے مکمل کر دیا ہے صرف چھپنا باقی ہے، اب وہ فہرست چھپ رہی ہے۔ یقین ہے کہ عرس شریف کے قبل چھپ کر شائع ہو جائے گی، اسے دیکھ کر کوئی کتاب آپ اشاعت کے لئے پسند کر لیجئے گا۔'' (مکاتیب ملک العلما قلمی، ص:۵۷)

انہی کو ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا [مصطفیٰ رضا خاں] صاحب یقیناً اپنے سفر سے بریلی شریف پہنچ گئے ہوں گے۔ وہ اعلیٰحضرت کی تصنیفات اگر طباعت کے لئے تم عزیز کو روانہ فرمائیں تو از یں چہ بہتر۔ سلطنت المصطفیٰ میں نے بہت تلاش کی تھی کہیں پتہ نہیں چلا۔ ہاں علوم الغیوب کا مسودہ مجھے ملا تھا جس کو بڑی محنت و کاوش سے مبیضہ کر کے اور تبویب اس کی کر کے مجلد کرا کے الماری رکھوا دیا ہے۔ مفتی اعظم صاحب سے اس کے متعلق خط کتابت کیجئے کہ وہاں سے روانہ فرما دیں واقعی عجیب و غریب کتاب ہے۔ علم غیب کے مسئلے میں۔ اس کتاب کو دیکھ کر کسی شک وشبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس قدر مواد جمع کر دیا ہے کہ شاید و باید، وہ کتاب اگر چھپ جائے تو سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

(مکاتیب ملک العلما ص:۳۲)

انہی سے ۲۲/جون ۴۵ء کے ایک خط میں پوچھتے ہیں:

''بریلی سے کون کون سے رسالے چھپنے کو آئے ہیں مطلع کیجئے۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں تصانیف اعلیٰحضرت کی اشاعت کا کس درجہ خیال تھا، وہ چاہتے تھے کہ ساری تصانیف یا کم از کم اہم منتخب کتابیں بریلی سے جلد از جلد شائع کر دی جائیں۔ اس کام میں تاخیر ہونے لگی تو انہیں ملال ہوا۔ بریلی کے ایک مخلص دوست کو لکھتے ہیں:

''میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے وہ اعلیٰحضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچا لیا مگر جو قدردانی کی گئی وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔''

مکتوب مورخہ ۲۶/نومبر ۴۵ء (مکاتیب ملک العلما، قلمی)

اس بات کو اب کوئی ساٹھ سال ہونے کو آئے، اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ مفتی اعظم کے توجہات سے شروع ہوا۔ لیکن سست رفتاری کے ساتھ، اس میں حالات کو بھی دخل ہے اور اس کے لئے سنی حضرات کی سستی، بے حسی اور عدم دلچسپی کو بھی دخل ہے۔ ایک سال میں ایک رسالہ بھی شائع کیا جاتا تو ساٹھ رسالے اب تک صرف بریلی سے شائع ہو چکے ہوتے۔ بہر حال بریلی، ممبئی، ہندوستان کے دوسرے مقامات اور لاہور، کراچی وغیرہ میں اعلیٰحضرت پر مقالات وکتب کی ترتیب طباعت اور اعلیٰحضرت کی تصانیف اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔

مختار الدین، علیگڑھ

☆☆☆☆☆

(۱)

۷۸۶

بریلی ۱۲/شعبان ۵۵ھ *

مولانائے مکرم ذی الکرم زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ۔ طالب خیر بخیر وعافیت ہے۔ عوافی مزاج گرامی مطلوب۔ مدت سے خط کتابت کا

سلسلہ منقطع ہے۔نہ کسے میرود آں جانہ کسے می آید۔اس وقت یہ خط اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ مجھے اپنے ایک عزیز نور چشم ساجد میاں سلمہ(۱) کے لئے"عافیہ"(۲) کی ضرورت ہے۔

والسلام(۳)

محمد مصطفی رضا قادری عفی عنہ

*پوسٹ کارڈ پر بریلی کی مہر ۲/نومبر ۱۹۳۶ء کی ہے۔

(۱)ساجد میاں مفتی اعظم کے قریب ترین عزیزوں میں تھے۔ ان سے مفتی اعظم کی تیسری صاحبزادی بیاہی گئی تھیں،ملک العلما کے نام ان کے دو ایک خط بھی ملتے ہیں۔ ان سے ایک ملاقات ۱۹۴۰ء میں بریلی میں یاد آتی ہے۔یہ آخر عمر تک دار العلوم مظہر اسلام کے مہتمم رہے۔انہوں نے ۲۰/ صفر ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء کو وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے جناب خالد علی خاں مدرسے کے مہتمم ہوئے،ان کی وفات ۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۰ جنوری ۲۰۰۶ء جمعہ کو ہوئی۔

(۲)"عافیہ"علم صرف میں حضرت ملک العلما کا رسالہ جو مطبع حسنی بریلی سے مولانا محمد حسنین رضا خاں کے اہتمام میں ۱۹۲۸ء میں طبع ہوا۔سال تالیف ۱۳۳۵ھ۔ علم نحو میں آپ کی تصنیف "وافیہ"آج تک شائع نہ ہو سکی۔اس کے دو نسخے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

(۳) کارڈ کی پشت پر مولانا ابرار حسن تلہری مدیر"یاد گار رضا"بریلی کی لکھی ہوئی چند سطریں درج ہیں۔افادۂ عام کی خاطر نقل کی جاتی ہیں۔

"مخدومی سلام مسنون

جنتری ماہ مبارک موصول ہوئی۔اجر جزیل تو جناب گرامی کے نامۂ اعمال میں انشاء المولیٰ تعالیٰ ہوگا مگر شکریہ میں بھی ادا کرتا ہوں۔افسوس اس کا ہے کہ پھر اس سال بعض مقامات کے اوقات رہ گئے۔آپ فرمائیں گے کہ عجب انسان ہے کہ جن بات سے مجھے چڑہ ہے بار بار اسی کا ذکر کرتا ہے۔میں نہ صرف اپنے جذبات سے بلکہ مفاد عامہ [کے خیال سے] کچھ مجبور سا ہوں۔خیر کل تفصیلی عریضہ حاصل کروں گا۔آج صرف تشکر و امتنان کا ایک مہکتا ہوا گلستاں پیش کرتا ہوں۔ عافیہ[کی]ضرورت ہے۔دو عدد ارسال فرمائیں۔والسلام

آپ کا ابرار [حسن]

(۲)

۹۲/۷۸۶

(۱۴ستمبر۳۸ء)☆

جناب مولانا محترم زید فضلہ بعد سلام مسنون۔

مجھے اپنی حالت پر افسوس ہوتا ہے۔ایسا ہو گیا ہوں کہ آپ جیسے حضرات کے خطوط کے دو سطری جواب دینے کے لئے بھی آج کل کرتا رہتا ہوں۔جناب کا گرامی نامہ آئے ہفتے ہوئے یا مہینے،اور میں جواب حاضر نہ کرسکا۔مجھے جناب کی اس کتاب"صحیح البہاری"کی صرف ایک جلد (اول یا دوم یہ یاد نہیں) پیارے میاں☆ کی معرفت وصول ہوئی تھی جسے دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔اس کی اور کوئی جلد نہ ملی۔آپ اس کی تقریظ کے

لئے فرماتے ہیں۔ میں کس قابل ہوں۔ ادھر حالت یہ ہے کہ فرصت معدوم، امراض گوناگوں نے یہ کیفیت کردی ہے کہ معمولی خطوط کے جواب پہاڑ ہوگئے ہیں۔ خیال کرتا رہا کہ کسی روز بیٹھ کر آپ کی اس بہترین تالیف کو جابہ جا سے دیکھوں اور جو بن پڑے تو کچھ لکھوں مگر یہ خیال ہی رہا۔ آپ کو عجلت ہوتو چند سطریں خود لکھ دیں، میں دیکھ کر اس پر دستخط کر کے بھیج دوں گا۔ والسلام

مصطفیٰ رضا

بخدمت اقدس جناب مولانا مولوی ظفرالدین صاحب قادری
ڈاک خانہ مہندرو محلّہ شاہ گنج، ظفر منزل، پٹنہ

☆مکتوب گرامی پر تاریخ درج نہیں۔ سید پیارے علی صاحب کے کارڈ مورخہ ۱۴/ستمبر ۳۸ء کی پشت پر حضرت مفتی اعظم رحمۃاللہ علیہ نے یہ خط تحریر فرمایا ہے۔ دیکھئے ضمیمہ (۱) تاریخ تحریر وہیں سے لی گئی ہے۔

(۱) سید پیارے علی صاحب (ساکن محلہ ملوک پور، بریلی)، بہت اچھے مہر کن تھے اور چاندی کے تختیوں پر تعویذات نقش کرنے کے ماہر۔ دو انچ طول وعرض کی ایک تختی پر مکمل سورۂ یٰسین شریف ان کی کندہ کی ہوئی مدتوں میرے پاس رہی۔ بارگاہ رضویہ کے عقیدت مندوں میں تھے۔ ملک العلما سے بے حد محبت کرتے تھے۔ متعدد بار وہ ان سے ملنے پٹنہ آئے۔ ان کے بہت سے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

(۳)

۹۲/۷۸۶

بریلی ۱۲/ ذی الحجہ ۵۸ھ *

جناب مولانا زیدفضلہ وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

طالب خیر بحمدہٖ تعالیٰ مع الخیر ہے۔ مولیٰ عزوجل کا شکر کہ عزیزی مولوی مختارالدین احمد صاحب سلمہ فاضل منشی نے بخیر وعافیت مراجعت وطن کی اور بالخیر پہنچے۔ میں عزیز موصوف سلمہ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ مولیٰ عزوجل ان کی عمر وعلم میں برکت عطا کرے اور عمل کی توفیق بخشے۔ انہیں دیکھ کر آپ بہت یاد آتے رہے اور ان سے طے ہوگیا کہ عرس مبارک میں آپ مع عزیزی سلمہ بریلی ضرور آئیں گے۔ اور چندروز قیام کریں گے۔ یہاں تک کہ اتنے دنوں کی غیر حاضری کا کچھ بدل ہو۔ میں نے عزیز سلمہ سے ضرور شکایت کی تھی مگر جب انہوں نے واقعہ سے مطلع کیا تھا تو میں نے یہ بھی ظاہر کردیا تھا کہ اب مجھے کوئی شکایت نہیں۔ مجھے افسوس اس کا ہے کہ میں عزیز سلمہ سے بہت ہی کم مل سکا۔ جس دن آئے اسی دن بلکہ اسی وقت مجھے مرادآباد جانا پڑا، مگر یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی مرادآباد کا قصدر رکھتے ہیں۔ وہ مرادآباد پہنچے میں نے چاہا کہ وہ میرے ساتھ بریلی واپس ہوں۔ وہ رامپور تک آئے مگر پھر ان کی طبیعت گھبرائی اور وہ وہاں سے بریلی جنکشن تک آئے اور اسی گاڑی سے لکھنؤ روانہ ہوگئے یا آگرہ چلے گئے۔ غالبًا آگرہ گئے۔ میں گاؤں چلا گیا۔ وہاں سے خیال کرتا رہا کہ آپ کو خط لکھوں کہ عزیزی سلمہ بخیریت پہنچے ہوں گے۔ (۱) مگر ارادہ ہی کرتا رہا۔ نہ ہوسکا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ آپ کا خط آیا۔ میں نے ان سب صاحبان (۲) کو آپ کا خط پڑھوایا جنہیں آپ نے کچھ نہ کچھ لکھا تھا سوائے حافظ احمد بخش صاحب کے جن کو میں نہ سمجھ سکا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ حافظ نابینا جو یہاں رہتے ہیں ان کا نام علی بخش ہے شاید ایسا ہوا کہ آپ نے بھول کر احمد بخش لکھ دیا یا حاجی احمد بخش صاحب کی جگہ حافظ احمد بخش لکھا۔ یہ صاحب رضوی ہیں، دوسرے محلہ میں رہتے ہیں، بازار میں دکان ہے۔ فقط مصطفیٰ

رضانوری غفرلہ

* کارڈ پر ڈاک خانے کی مہر ۲۳ جنوری ۱۹۴۰ء کی ہے۔

(۱) کس قدر محبت و شفقت کرنے والے بزرگ تھے۔ کم عمری میں یہ میرا دھلی، بریلی، مرادآباد اور آگرے کا پہلا سفر تھا جو تنہا کررہا تھا اس لئے مفتی اعظم متردد تھے۔

(۲) مولانا امجد رضاخاں (ماموں جان) مولانا ابرار حسن تلھری، مولانا ابراھیم رضاخاں جیلانی میاں، مولانا احسان علی مظفر پوری، مدرس مدرسہ منظر اسلام، مولانا سید ایوب علی رضوی، جناب سید قناعت علی رضوی، مولانا سردار احمد گرداس پوری، مولانا عبد المصطفیٰ ازھری، مفتی وقارالدین اور خادم مزار شریف حاجی کفایت اللہ کے اسمائے گرامی یاد آتے ھیں جن کی اس موقع پرزیارت نصیب ھوئی اور جو بریلی شریف کے دوران قیام مجھ سے نہایت محبت و شفقت سے پیش آئے۔ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی ان دنوں بریلی میں تشریف فرماتھے ان سے بھی مستفید ھونے کا موقع ملا۔

(۳) اسی کارڈ کے آخر میں مولانا امجد رضا خاں (ماموں جان) نے حسب ذیل سطریں لکھ دی ھیں:

"آپ کا ایك عدد سلام مجھ کو مصطفی میاں کی معرفت ایك زمانے کے بعد ملا۔ میں کیا کھوں کہ اس وقت مجھے کیسی مسرت ھوئی۔ اب آپ عرس شریف میں ضرور شرکت فرمائیں۔ برخوردار مختار میاں سلمہ سے دعا کھہ دیجئے۔ فقط

نوری گدا امجد رضاغفرلہ۔

(۴)

۹۲/۷۸۶

کرتولی، ضلع بدایوں، ڈاک خانہ، نیاور

۱۹/ ربیع الآخر ۶۲ھ *

حضرت ملک العلما فاضل بہار مولانا ظفر الدین صاحب رضوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد عرض سلام سنت سلام عرض مرام۔ جناب سید محترم مکرمی منشی عرفان علی صاحب رضوی سلمہ (۱) نے آج بریلی سے گاؤں تک آنے کی زحمت برداشت فرمائی۔ میں بہت دن سے قصد کرتا رہا کہ خدمت سامی میں عرضی گزاروں گا کہ مجھے میرے مطالبات کی نقل مرحمت فرمائی جائے اور فریق کے مطالبے بھیج دیے جانے کا حکم صادر فرمایا جائے کہ جواب حاضر کروں۔ میں جب سے اب تک ارادہ ہی کرتا رہا اور عرضی اب تک نہ بھیج سکا۔ آج سید صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے ماموں جان صاحب (۲) کو لکھا تھا ان کے خط کے جواب میں کہ میں خود بھی عرضی بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ بھی اتنا تحریر فرمادیں۔ غالبًا انہوں نے خط میں مطالبوں کی نسبت تحریر فرمایا ہوگا۔ امید کہ جلد از جلد مطالبات کی اول سے آخر تک مع درخواست نقل مرحمت ہوگی اور فریق کے مطالبوں سے مطلع فرمایا جائے گا۔ زیادہ حد ادب۔

/فقیر ناسزا مصطفیٰ رضا غفرلہ ما یاتی منہ وما مضیٰ

*مطابق ۲۵/ اپریل ۱۹۴۳ء

(۱) مولانا عرفان علی صاحب رضوی بیسل پوری مرتب عرفان شریعت۔ اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کے مکتوب الیھم میں تھے۔

کچھ مراسلت "بعض مکاتیب مجدد" میں شائع

ہو چکی ہے۔ مولانا کے ایک خط کی نقل گذشتہ صفحات میں گذری اس سے کچھ حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ مولانا ہی کے ایک کارڈ کی پشت پر حضرت مفتی اعظم کا یہ مکتوب گرامی بنام ملک العلما درج ہے۔ مولانا کے خط کے لئے دیکھئے ضمیمہ(۳)۔

(۲) (۱)اعلیحضرت کے خسر شیخ فضل حسین ابن شیخ احمد حسین کے صاحبزادے امجد رضا جنھیں حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم اور ان کی اتباع میں ملک العلما اور بریلی کے بیشتر حضرات "ماموں جان" کہتے تھے۔ ملک العلما سے ان کے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ مجھے بے حد عزیز رکھتے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں وہ ریاست گوالیار میں مقیم تھے۔ جب میں علی گڑہ میں انٹر میڈیٹ کا طالب علم تھا انہوں نے مجھے اصرار کر کے بلایا اور میں کئی دن گوالیار میں ان کی صحبت میں رہ کر ان سے مستفید ہوا۔ ان کے بیسوں خط ملک العلما اور راقم کے نام محفوظ ہیں۔ وہ جمعہ ۱۵ /شوال ۱۳۷۰ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۱۹۵۱ء کو جوار رحمت میں داخل ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

(۵)

۹۲/۷۸۶

بریلی ۲۵/رج ا(جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ)*

حضرت ملک العلما فاضل بہار زید مجدہ'

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ طالب خیر بخیر ہے۔ پرسوں بخار آ گیا تھا کل یہاں بخار کی حالت میں آیا آج دو پہر تک طبیعت سنبھلی۔ اس قابل ہو سکا کہ کچھ لکھوں۔ یہ خط بہت پہلے لکھنا تھا خیال تھا، بریلی جا کر لکھوں گا جو آج لکھ رہا ہوں۔ اعلیحضرت کا کتب خانہ نہایت برباد ہے نہ صرف کتب خانہ بلکہ تصنیفات اعلیحضرت قدس سرہ' ضایع ہو چکی ہیں۔ ایسا سنتا رہا ہوں ایک جلد، پانچویں فتاویٰ کی برسہا برس سے غائب ہو چکی۔ آپ عرس چہلم میں تشریف لائیں گے مگر اتنی مدت کے لئے تشریف لایئے کہ کتب خانہ اور تصنیفات کی پھر سے فہرست بن جائے۔ والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا عفی عنہ

*مطابق یکم جون ۱۹۴۳ء

(۶)

۹۲/۷۸۶

بریلی پنجشنبہ ۹ رشعبان ۱۳۶۲ھ*

حضرت ملک العلما زید فضلہ'

وعلیکم السلام ورحمۃ' وبرکاتہ۔ گرامی نامہ مجھے بہت دنوں کی تاخیر سے گاؤں میں ملا تھا۔ بریلی آیا، یہاں سے ماموں جان پتہ وہاں کا لکھ کر ڈاک کے حوالے کیا وہاں ڈاک ۱۸۔۱۸ دن پر ملتی ہے۔ وہاں سے میں بریلی آیا تھا، قصد تھا کہ تعمیل بریلی پہنچ کر کروں گا۔ اگر چہ میں کوئی مضمون نگار شخص نہیں مگر جو کچھ بھی لکھ سکوں گا لکھوں گا۔ یہاں مکان پہنچنے سے پہلے ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے بے حد پریشان کر دیا۔ وہ یہ کہ (بریلی) سٹی اسٹیشن تک کے ٹکٹ تھے، بڑے اسٹیشن پر میں اور میرے ہمراہی محلہ کے ایک شخص کے سپرد سامان کر کے نماز عصر کے لئے اترے۔ نماز سے فارغ ہو کر آئے تھے، گاڑی روانہ ہو گئی۔ خیال ہوا کہ وہ محلہ کے شخص سیٹی (اسٹیشن) پر سامان اتار لیں گے بڑے اسٹیشن سے سیٹی تانگہ کر کے پہنچے تو وہاں سے گاڑی جا چکی تھی۔ خیال ہوا کہ محلہ والے شخص سامان اتار کر مکان لے گئے ہوں گے۔ یہاں آ کر انہیں تلاش کیا۔ جواب ملا میں تو اسی

وقت اتر گیا تھا، ایک دوست سے باتیں کرتا رہا پھر دوسرے درجہ میں بیٹھ گیا میں سمجھا تو آ گیا ہوگا۔ اور سامان کا تو کچھ ایسا غم نہ ہوتا مگر ایک بستہ تھا جس میں "ردّ المحتار" ج ۱ اور (فتاوٰی) عالمگیری کی دو جلدیں "اسعاف اور تفسیر احمدیہ" وغیرہا کتابیں اور میرا مجموعۂ مسائل☆ (۲) اور بہت (سے) مسوادات تھے اور دیگر کاغذات۔ اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ کسی طرف کا خیال نہ رہا۔ ہر وقت یہی خیال یہی فکر۔ بے حد پریشانی۔ تار متعدد جگہ متعدد بار دیئے گئے۔ بے سود۔ بارے بفضلہٖ تعالیٰ لکھنؤ چار باغ کے پولس اسٹیشن سے ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ ایک بستہ فلاں ٹرین سے ملا ہے جس میں تیرے نام کے خطوط ہیں، جواب سے مطلع کر کہ یہ تیرا ہی ہے، اگر تیرا ہو تو منگانے کا انتظام کر۔ غرض پرسوں بستہ آ گیا اور سب کتابیں اور کاغذات مل گئے۔ سواد و سادہ کاغذ کی کتابوں کے ایک چھوٹا ایک بڑا پیڈ لیٹر پیپر کا یہ نکال لئے اور سامان جو قیمتی تھا وہ گیا اب تک نہ ملا۔ اس کی کوئی فکر نہیں۔ حسب وعدہ مدرسہ کے جلسے میں تشریف لایئے ۱۳، ۱۴ شعبان کو ہوں گے۔

والسلام مصطفیٰ رضا غفرلہٗ

بہ ملاحظہ گرامی

حضرت ملک العلما فاضل بہار مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی زیدت مجدہ

مدرسہ شمس الہدیٰ، پوسٹ آفس مہندرو، بانکی پور، پٹنہ

(۱) اس سے ان وہ رجسٹر مراد ھے جس میں ان کے فتاوے نقل کر کے محفوظ کر لئے جاتے تھے۔ فتاویٰ عالمگیری، رد المختار وغیرہ ساتھ میں ہونے سے اندازہ ہوتا ھیکہ سفر میں کچھ استفتاء بھی تھے۔ جن کے جوابات کی نقول درج کرنے کے لئے فتاویٰ کا رجسٹر بھی ساتھ لے گئے تھے۔ اسی رجسٹر کو "مجموعۂ مسائل" سے تعبیر فرمایاھے۔

(۱)۔

(۷)

۹۲/۷۸۶

۹ رشوال ۱۳۶۲ھ*

جناب محترم ملک العلما فاضل بہار زیدت مکارمہ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ پرسوں شام کی ڈاک سے ملا۔ ماموں جان اور سید عرفان علی صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ منی آرڈر بھیجوں گا، اسی کے کونے میں جو لکھنا ہے لکھ دوں گا۔ پرسوں تو کیا منی آرڈر ہوتا کل کرتا یا آج کرتا تو اس کا موقع نہ ہوا اب کل منی آرڈر انشاء اللہ تعالیٰ بھیجوں گا۔ تقدس.........روز بروز بڑھ رہے ہیں، اُدھر آپ سے پرنسپل کے لئے کہا اسی بلکہ سو تک تنخواہ کہہ دی۔ ادھر مولوی عبد العزیز خاں صاحب (۱) پر چھاپا مارا۔ ۷۰ بل کہ غالباً ۷۵ روپے پر انہیں رکھ لیا۔ مولوی سردار احمد صاحب (۲) کو جگہ جگہ سے سو روپے (۱۰۰) کی (جگہ) مل رہی ہے۔ وہ اب تک نہیں آئے ہیں۔ یہاں طلبہ آ رہے ہیں اور پریشان پھر رہے ہیں۔ وحسبنا ربنا تبارک تعالیٰ۔ آپ غالباً یکم نومبر سے پہلے نہ آ سکیں گے۔ میں طلباء کو تسلی دے رہا ہوں۔ بیج (۳) اب نہ بھیجئے، میں یہاں جیلانی میاں سے لے لوں گا۔ مولوی اسماعیل صاحب کو (۴) میں اب تک خطوط نہیں بھیج سکا اس لئے ابھی وہ مکان ہی پر ہوں گے۔ مجھے فرصت نہیں ملتی۔ آپ کی رائے دربارۂ اشاعت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ (۵) جسے اعلیحضرت قدس سرہٗ نے بھی پسند فرمایا تھا، اس سے بہتر اور کیا صورت ہوگی۔

والسلام
مصطفیٰ رضا غفرلہ

*ڈاک گھر کی مہر ۱۹۴۳ء کی ھے۔

ربع (ربع صد) مدرسہ (سے) اور اگر ہوسکا تو مد اشاعت سے جناب کی خدمت کی جائے گی۔ آپ تشریف لائیں گے تو کام چلنے لگے گا۔ دہلی سے کنٹرول (کا کاغذ) لئے بغیر کام چلتا معلوم نہیں ہوتا۔ اب تک ایک رسالہ کے لئے کاغذ نصیب نہیں ہوا ہے۔ بنے میاں آپ کے آنے پر آپ کے کہنے سے دوایک دن کو آجاتے ہیں پھر غائب۔ کئی بار ان پر تقاضا کر چکا ہوں۔ جیلانی میاں سلمہ کو آپ نے جو سطریں لکھیں تھیں، دکھادی تھیں۔ والسلام

محمد مصطفیٰ رضا غفرلہ

حضرت صدرالافاضل استاذ العلما مولانا نعیم الدین صاحب کی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی ۲۷/اکتوبر کو ہونے والی ہے، انہوں نے جو مجھے خط دعوت لکھا اس میں آپ کے لئے بھی لکھا ہے۔ میں نے انہیں جواب بھیج دیا ہے کہ وہ اپنے مکان پر تشریف رکھتے ہیں۔ آنے والے ہیں۔ اگر ۲۷/ سے پہلے تشریف لے آئے تو میں ان سے عرض کردونگا اور انشاء تعالیٰ میں اور وہ ساتھ آئیں گے۔ آپ نے یکم نومبر سے درخواست دی ہے کیا اس سے پہلے آپ تشریف نہ لاسکیں گے۔ والسلام

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

بہ ملاحظہ گرامی جناب ملک العلما فاضل بہار

مولانا مولوی ظفر الدین قادری رضوی زیدت مکارمہ

ظفر منزل، ظفر روڈ، ڈاک خانہ مہندرو بانکی پور، پٹنہ

(۱) مولوی عبد العزیز خاں محدث بریلوی (متوفی ۱۳۶۹ھ) مدرسۂ منظر اسلام کے اساتذہ میں تھے۔

(۲) مولانا سردار احمد صاحب حضرت صدر الشریعہ کے اہم تلامذہ میں تھے مدتوں مظہر اسلام (قائم کردہ حضرت مفتی اعظم) کے صدر مدرس رہے بعد کو انھوں نے لایل پور (پنجاب) میں جامعہ مظہر اسلام قائم کیا وہیں انھوں نے ۲/شعبان ۱۳۸۲ھ/دسمبر ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔

(۳) یہ لفظ خط میں واضح نہیں ہے۔

(٤) میں مولوی صاحب سے واقف نہیں۔

(٥) اعلیحضرت کی تصانیف کے اشاعت کے بارے میں ملک العلماء کی کسی تجویز کا ذکر ہے

(٦) بنّے میاں عزیزوں یا عقیدتمندوں میں کوئی صاحب ہوں گے۔

(۸)

۹۲/۷۸٦

(۱۳٦۲ھ)☆

مولانا زید لطفہ، السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ (۱)

میرا ارادہ کل ہفتے کو یہاں سے چلنے کا تھا مگر میں بالکل نہیں چل سکتا۔ لکڑی کٹی پڑی ہے گاڑیاں لکڑی کی روانہ کر کے چل سکوں گا۔ یہاں چھوٹے بھیا بھی نہیں ہیں جن کے سپرد کر کے چلا آؤں۔ معلوم نہیں وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اشتہار چھپایا نہیں؟ اشاعت ہو رہی ہے یا نہیں؟ اور اب روپے کا جو حشر ہوا آپ کو معلوم ہے۔ اب ادھر جو کچھ روپیہ تھا وہ خرچ (ہوگیا) ......سیٹھ(؟) احمد صاحب کے ہاتھ بھیج دوں گا۔ .... میں یہ روپیہ بھیجا جائے گا............ خرچ کیا جائے۔ گیہوں کے بجائے آٹے .... ایسا ہی کرنا مناسب ہوگا۔ مقبول حسین...... معاملہ کیا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ............[جلد آنے کی] کوشش کروں گا۔

مصطفیٰ رضا غفرلہ

*مطابق ۱۹٤۳ء

(۱) یہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ہاتھ کا زرد رنگ کے خستہ کاغذ پر لکھا ہوا دس سطری دستی رقعہ ہے جو گاؤں سے لکھا گیاہے۔جہاں حضرت زمینداری اور کاشتکاری کے کاموں سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔تاریخ تحریر درج نہیں لیکن یہ واقعہ اس زمانہ کا ہونا چاھئے جب حضرت ملک العلمامدرسۂ منظر اسلام کی دیکھ بھال،وھاں تدریس اور کتب خانۂ اعلیٰحضرت کی درستی اور ان کی اھم تصانیف کی ترتیب و تبییض کے لئے تین ماہ بریلی میں قیام فرماتھے۔ملک العلمایاد آتاھے کہ ذوالقعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق نومبر ۱۹۴۳ء میں بریلی تشریف لے گئے تھے۔ [ابھی اپنی طالب علمی کے زمانے کی ڈایری دیکھی تو آٹھ جولائی ۴۳ء کے ذیل میں یہ اندراج ملتاھے:"ظ سفرپورنیہ سے واپس تشریف لائے اور اب حضرت حجۃ الاسلام کے عرس میں بریلی تشریف لے گئے۔"

۲۴/جولائی کے ذیل میں یہ اندراج ہے،"ظ اور مولانا تقدس علی خاں صاحب بریلی سے مجھے دیکھنے علی گڑہ آئے۔وہ [پروفیسر ابوبکر احمد حلیم[پرووائس چانسلر] ڈاکٹر محمد محمود احمد [لیکچرر،شعبۂ فلسفہ]،ڈاکٹر ذکی الدین[لیکچرر شعبۂ طبعیات]،محمد احسن مارھروی[اسسٹنٹ رجسٹرار] سے ملے۔دن کا کھاناڈاکٹر فضل الرحمن انصاری(خویش حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی) کے یہاں کھایا۔ حلیم صاحب نے رات کے کھانے پر مدعو کیالیکن والد صاحب نے فرمایاآج ھی شام کوروانگی ہے ۔مولاناسید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ سابق صدر شعبۂ دینیات کی قبرپر فاتحہ پڑھنے یونیور سٹی کے قبرستان گئے۔راستے میں فرمایاتم مولانا کی زندگی میں علی گڑہ آتے تووہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی (لیکچررشعبۂ دینیات) والدصاحب سے ملنے تشریف لائے۔پانچ بجے شام کی گاڑی سے بریلی تشریف لے گئے۔ مجھے علی گڑہ کی فضا میں پابند شریعت رہنے کی بہت تاکید کی ہے۔"ڈائری کے اس اندراج سے معلوم ہوتاھے کہ ملک العلما۸/ جولائی ۴۳ء سے پہلے بریلی تشریف لے آئے تھے،ستمبر اکتوبر تک وھاں قیام رہاھو گا۔ مفتی اعظم بعد کوبھی کوشاں رہے کہ ملک العلماکچھ دنوں کے لئے برلی آجائیں۔دیکھئے مکتوب مولاناعرفان علی ضمیمہ (۳)

(۲) کاغذ خستگی اور دوبارہ سہ بارہ موڑکر تہ کئے جانے کی وجہ سے جابجا ٹوٹ گیاھے، مکتوب الیہ نے کاغذ کی چپیاں لگا کر اپنے مرشد زادہ کی تحریر کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے،لیکن رقعے کاآخری چوتھائی حصہ ٹوٹ کر علاحدہ ہو گیاھے۔سات سطروں کے ابتدائی حصوں پر نقطے لگادئیے گئے ہیں۔

(۳)سیٹھ یہ لفظ واضح نہیں ھے۔

(٤) گیہوں آٹے کا ذکر غالباً مدرسے کے مقیم طلبہ کے طعام کے سلسلے میں کیا گیاھے۔

(٥) بریلی کا کوئی معمر آدمی شاید بتاسکے کہ یہ چھوٹے بھیا،احمد صاحب اور مقبول حسین کون اصحاب تھے۔

(۹)

۸۶/۷

عید سعید مبارک باد

بریلی ۳/ شوال ۶۴ھ *

جناب مولانا المکرم ذی الکرم دام بالکرم

بعد تحیۂ مسنونہ عافیت خواہ کا مزاج بجمدہ مع الخیر ہے۔گرامی نامہ تشریف لایا تھا۔ مگر میں اپنی حالت کیا عرض کروں۔نہایت مشغولی سمجھئے یا کچھ کاہلی بھی کہ اب تک جواب حاضر نہ کرسکا اور مضمون نگاری مجھے آتی بھی [نہیں]۔

میرا ارادہ امسال حج و زیارت کا ہے، دعا فرماتے رہیں کہ مولیٰ تعالیٰ مجھے اور میرے ہمراہیان، میری اہلیہ اور لالہ میاں (۱) اور مولوی سردار احمد صاحب اور بریلی کے تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں اور سب اہلسنت کو حج و زیارت نصیب فرمائے اور قبول کرے۔اس سفر کے متعلق جو باتیں آپ کے خیال میں ہوں ان سے مطلع فرمائیں اور ہاں جو تقصیر مجھ سے حاضر غائب ہوئی ہے، اسے معاف فرمائیں۔ میں نے سب اہلسنت کو جنہوں نے کوئی ایسی بات کی ہو انہیں معاف کیا۔ جہاز میں سمت قبلہ کا مسئلہ پیچیدہ ہوجانا عجب نہیں۔یہاں کتب خانۂ اعلیحضرت کی جیسی بربادی ہوئی وہ آپ پر ظاہر ہے، جو کچھ تباہ شدہ باقی رہے اس سے کوئی کام کی چیز نکال لینا آسان نہیں، خصوصاً وقت عجلت۔آپ نے بھی تو اس بارے میں شاید کوئی رسالہ لکھا ہے۔(۲)

والسلام

مصطفیٰ رضا خاں

*مطابق ۱۱/ستمبر ۱۹۴۳ء

(۱) یعنی مولوی محمد ادریس رضا خاں۔یہ مفتی اعظم کے داماد تھے۔آپ کے دوسرے سفر حج میں ساتھ تھے۔ تاریخ وفات ۲۹/شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء ہے۔

(۲) کتاب الجواھر والیواقیت جو ۱۳۳۰ھ میں لکھی گئی،یہ حاجی محمد ظهور نعیمی کے زیر اہتمام اهل سنت برقی پریس مرادآباد سے جنوری ۱۹۴۳ء میں شائع هوئی۔ مصنف علام نے اس کتاب کا انتساب اپنے مخلص دوست استاذ العلما مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء) کے نام کیاهے۔

میں غالباً اس آنے والے کے بعد جو بدھ آرہا ہے یا پنجشنبہ اس چہار یا پنجشنبہ کو کراچی مع الخیر انشاء تعالیٰ روانہ ہونے کا قصد کرتا ہوں۔

(۱۰)

۹۲/۸۶

بریلی ۱۵/صفر المظفر ۶۶ھ *

مولانا المکرم دام بالکرم

السلام علیکم ورحمۃ المولیٰ۔دعوت عرس سراپا قدس حضور پرنور سیدنا اعلیحضرت قدس سرہٗ حاضر ہے۔ جو بعونہ تعالیٰ ۲۳۔۲۴۔۲۵ صفر المظفر ۶۶ھ مطابق ۱۷۔۱۸۔۱۹ جنوری ۴۷ء یوم جمعہ۔شنبہ۔یکشنبہ فیض بخش عام ہوگا۔

میں جناب کو خصوصیت کے ساتھ شرکت کی دعوت دیتا ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ جناب ضرور ضرور شرکت فرما کر فقیر کو ممنون کرم بنائیں گے۔(۱)

والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا غفرلہ

*مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۴۷ء

(۱) اس کارڈ کی بقیہ جگہ پر "ماموں جان" مولانا امجد رضاخاں صاحب نے اپنے قلم سے یہ سطریں تحریر کردی ہیں "جمیل میاں کے انتقال پر میں ۲۸/محرم کو بریلی آیا۔آپ کا کارڈ "گوگی" سے بریلی آیا۔میں نے یہاں سے ان کے انتقال کا خط آپ کو لکھا۔منی آڈر دس روپیے کا مجھے ملا۔جمیل الرحمن خاں کا انتقال ۲۸/٦٦ھ یوم دوشنبہ کو ہوا۔آپ کے تین منی آرڈر مجھے ملے۔حکیم خلیل اللہ کی اولاد میں اب کوئی نہیں رہا"۔امجد رضاغفرلہٗ ۲۷/صفر ٦٦ھ بریلی

(۱۱)

۹۲/۷۸٦

بریلی شب ۱٦/رمضان ٦٦ھ*

جناب مکرم ملک العلما فاضل بہار زیدت الطافہم

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔گرامی نامہ ملا۔یاد آوری کا شکریہ۔میں مطلب نہ سمجھا کہ جناب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا کروں۔؟اس بارے میں کیامدد دے سکتا ہوں؟(۱)

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "اعلیٰحضرت کے متعلق ایک بصیرت حاصل ہوئی اور کافی مضمون کا مسالامل گیا۔(۲)اسی طرح اگر آپ بھی اس کی طرف توجہ فرمائیں تو مجھے آپ سے بہت مدد ملے اور سب کتابیں اعلیٰحضرت کی پیش نظر ہونے کی وجہ سے بڑی تقویت ہوگی۔(۳)"مسالہ"میری فہم قاصر میں کچھ نہ آیا۔کاہے کی طرف مجھے توجہ کرنا ہے جس سے آپ کو مدد ملے۔اور اعلیٰحضرت کی سب کتابیں پیش نظر ہونے سے کس بارے میں بہت بڑی تقویت ملنا آپ فرماتے ہیں۔

جو کام آپ مجھ سے لینا چاہتے ہوں میں اس کے لئے حاضر ہوں بشرطیکہ میں اس کا اہل ہوں۔میری نااہلی کا تو یہ عالم ہے کہ آپ نے اتنا طویل خط اردو زبان میں لکھا اور میں مطلب تک نہ پہنچ سکا،سوا اس کے کہ اعلیٰحضرت کی سوانح کو زیادہ بڑھانے کے لئے اور مضمون لکھنا چاہتے ہیں جس میں میری مدد چاہتے ہیں۔آپ جو کچھ لکھ چکے ہیں وہ سب دیکھوں اگر اوس سے کچھ بچ رہا ہو جو میرے دماغ میں [ہو] تو حاضر کروں۔(۴)فقط

مصطفیٰ رضاغفرلہٗ

*مطابق ۵/اگست ۱۹۴۷ء

(۱)مکاتیب ملک العلما بنام مفتی اعظم،بریلی میں شاید ہی محفوظ ہوں،اگر محفوظ ہوں بھی تو اس وقت پیش نظر نہیں کہ اس مکتوب کے مفاہیم ومطالب واضح ہوسکیں۔ہاں اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ "حیات اعلیٰحضرت" کی تکمیل کے سلسلہ میں حضرت ملک العلما چاہتے تھے کہ بزرگان مارہرہ وبریلی اور اعلیٰحضرت کے خلفاوتلامذہ اوران سے عقیدت اور تعلق رکھنے والے اصحاب،ان کے متعلق مفید معلومات اور اپنے تاثرات لکھ بھیجیں کہ ان کے حوالے سے درج کتاب ہوسکیں۔اس میں انہیں کامیابی نہ ہوسکی۔ان حضرات کی اپنی اپنی مشغولیات تھیں۔صرف مولانا سید ایوب علی رضوی (بریلی) مولوی محمد حسین چشتی نظامی فخری موجد طلسمی پریس میرٹھ اور چند اصحاب کی تحریریں موصول ہوئیں یہ روایتیں اور یہ اطلاعات انہی کے حوالے سے "حیات اعلیٰحضرت" میں درج کردی گئیں۔حضرت ملک العلما چاہتے تھے،کہ حجۃ الاسلام،مفتی اعظم اور مولانا اولاد رسول سید محمد میاں مارہروی مسودہ کا مطالعہ کرکے ضرورت ہو تو حالات میں کچھ اضافہ کریں اور حیات وتصانیف اعلیٰحضرت کے متعلق جو کچھ انہیں مستحضر ہو قلمبند کرکے بھیج دیں کہ گھر کے حالات گھر والا زیادہ جانتا ہے۔حضرت

کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

(۲) مولانا سید ایوب علی اور مولوی محمد حسین چشتی میرٹھی کی تحریروں کی طرف اشارہ ہے جو بریلی سے آئی تھیں ان میں مفید معلومات تھیں جو انہیں کے حوالے سے درج کتاب کر دی گئیں۔

(۳) اعلیٰحضرت کی غیر مطبوعہ تصانیف ان کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ تھیں جن کے نگراں حجۃ الاسلام کی رحلت (۱۹۴۳ء) کے بعد مفتی اعظم تھے۔ ملک العلما اپنی کتاب میں تصانیف اعلیٰحضرت پر بہت تفصیل سے لکھنا چاہتے تھے اس لئے وہ اس سلسلے میں مفتی اعظم سے اعانت چاہتے تھے۔ یہ بوجوہ نہ ہو سکا۔ ملک العلما نے ۱۳۶۲ھ میں بریلی کے تین ماہ قیام اور اپنے متحضرات پر بھروسہ کر کے کتاب کے حصۂ تصانیف کی تکمیل کی۔ ''حیات اعلیٰحضرت'' کی تصنیفات وتالیفات والی جلد کوئی ۶۰۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس میں اعلیٰحضرت کی سیکڑوں تصانیف کا ذکر ہے اور کتاب کے نصف آخر میں جو تقریباً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اعلیٰحضرت کے بعد رسائل پر تبصرہ ہے۔ دیکھئے حیات اعلیٰحضرت: تصانیف و تالیفات، شائع کردہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور ۲۰۰۳ء

حضرت ملک العلما، اعلیٰحضرت کے آبا و اجداد اور اولاد واحفاد کے حالات اور خاندان کے دوسرے افراد کے بارے میں جن کا ذکر ''حیات اعلیٰحضرت'' کے فاروقی ایڈیشن (یعنی طبع لاہور ۲۰۰۳ء) کے دس گیارہ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے، خاص طور پر تفصیلی معلومات چاہتے تھے۔ اگر خاندان کے حضرات تعاون فرماتے تو کتاب کا یہ حصہ اور زیادہ جامع اور مفصل ہوتا۔

(۴) ملک العلما کی کوشش بار آور نہ ہو سکی، کتاب کی تکمیل کے بعد مسودہ حضرت اولاد رسول سید محمد میاں قادری برکاتی (م ۱۳۷۲ھ۔۱۹۵۲ء) کے پاس بھیجا گیا کہ مناسب مشورہ دیں اور اعلیٰ حضرت اور سرکار مارہرہ سے تعلقات کے سلسلے میں جو ان کے معلومات ہوں ان سے مستفید فرمائیں۔ یہ بھی دیکھ لیں کہ سوانح کی ذیل میں کچھ امور تشنہ تو نہیں رہ گئے۔ کتاب کئی ماہ ان کے پاس رہی، انھوں نے دلچسپی سے پڑھی، اپنے لئے اس کی نقل بھی تیار کی، لیکن غالباً اپنی گوناگوں دینی وعلمی مشغولیات کے باعث کچھ لکھ کر نہ بھیج سکے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مسودہ مولانا حشمت علی لکھنوی (م ۱۳۸۰ھ۔۱۹۶۰ء) کو بھیج دیا جائے۔ مولانا مرحوم بھی تقریرات ومواعظ اور کثرت اسفار کی وجہ سے بے حد مصروف رہتے تھے۔ انہوں نے جہاں کتاب میں آفتاب کو دیکھ کر اعلیٰحضرت کے گھڑی ملانے کا ذکر ہے وہاں ایک فقرے کا اضافہ کر دیا ہے۔ ''فقیر عبید الرضا غفرلہ نے بوقت شب ستاروں کو ملاحظہ فرما کر وقت بتانے، گھڑی ملانے کے واقعات بھی سنے اور دیکھے ہیں۔

(حیات اعلیٰحضرت حصہ اول ص: ۱۶۰، طبع کراچی ۱۹۵۵ء)۔

(۱۲)

۹۲/۷۸۶

بریلی ۲۶ رذی الحجہ ۶۸ھ*

حضرت ملک العلما زید فضلہ وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ

بہ خیر ہوں والحمد لوجہ ربی۔ آپ کی عافیت کا خواہاں ہوں۔ عنایت نامہ ملا۔ آج ابھی بعد ختم آیۃ کریمہ آپ کے مقصد میں کامیابی کی دعا کرائی گئی۔ مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو کامیاب فرمائے۔ تقدس میاں کا کل مکہ معظمہ سے خط آیا ہے کہ حج کے مناسک بفضلہٖ بخیر وخوبی ادا کر لئے، اب تقریباً ایک ماہ اور مکہ معظمہ میں قیام رہے گا۔ پھر حاضری دربار دُربار، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ماترنم الھزار فوق الازھار ہوگی۔

مولیٰ تعالیٰ آپ کو بھی یہ دن نصیب فرمائے اور کیسا اچھا ہو کہ آپ کی معیت میں یہ فقیر بھی نعمت سے پھر بہرہ مند ہو۔

فقط مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ

رسالہ ''طرد الشیطان'' (۱) کے مستفتی صاحب علامہ تیجانی مصری (۲) مجھے حج میں ملے تھے۔ وہ [رسالہ] (۳) سن کر بہت خوش ہوئے تھے اور بہت ہی شوق سے اس کی نقل جلد سے جلد لینا چاہتے تھے کہ واپسی پر طبع کرادیں گے مگر اس کی نقل میں اتنی تاخیر ہوئی کہ مدینہ طیبہ میں بھی انہیں نقل نہ مل سکی کہ پوری نہ ہوئی تھی، یہی جو آپ کے پاس ہے۔ آخر کار وہ رخصت کے وقت پھر ملنے آئے اور اس کے لئے کہہ گئے کہ مصر بھیج دیا جائے۔ میں نے ساجد میاں میں کے حوالہ کی کہ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لو یہاں سے بھیجنے کا موقع نہیں، جہاز سے بھیج دیں گے۔ ان کے ہینڈ بیگ میں وہ خراب ہوگئی بھیجنے کے قابل نہ رہی تو میں [نے] مدینہ طیبہ سے واپسی پر جب دوبارہ مکہ معظمہ حاضری دی، خود نقل کرنا شروع کی جو جہاز میں ممبئی کے قریب پوری ہوئی۔ ممبئی سے بھیجنے کا خیال تھا مگر وہاں مجھے مقابلہ کا موقع نہ ملا۔ نقل کرتے ہوئے کچھ کہیں کہیں مضمون میں اضافہ ہوتا گیا۔ میں نے ممبئی میں مولوی سعد ۶۶ (۴) صاحب مکی کو اصل و نقل مقابلہ کے لئے دیئے مگر انہوں نے خود دیکھ تو لیا مقابلہ نہ کیا۔ بریلی آکر بھی مجھے موقع نہ ملا ادھر یہ خیال رہا کہ آپ بھی دیکھ لیں گے، مجھے اپنی کمزوری معلوم ہے اور عربی لکھنے بولنے کی مہارت بھی نہیں۔ زبان والوں کے سامنے جائے تو کوئی ایسی بات نہ ہو کہ مضحکہ کریں۔ تیجانی صاحب کو عجلت یوں بھی ہوگی کہ وہ اس حج سے جواب ہوا۔ بہت پہلے اسے چھاپ دینا، اور شائع کر دینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شام بھیج کر شامیوں کے دستخط بھی لیں گے اور مصر میں دکھا کر مصریوں کے بھی۔ مگر یہ یہیں رکھا رہا۔ مجھے تیجانی صاحب سے کس قدر ندامت ہے۔

میں ان صاحب کا نام (۵) تو نہیں جانتا شاید یہی ہو جو آپ نے لکھا ہے ایک صاحب جدہ میں بعد واپسی از مدینہ طیبہ ملے تھے پھلواری شریف کے اور اپنے آپ کو شاید مولوی سلیمان صاحب پھلواری (۶) کا نواسہ بتاتے تھے۔ اور شاہ محی الدین صاحب (۷) سے بھی رشتہ غالباً داماد کا بتاتے تھے۔ یاد نہیں کہ رشتہ کیا، بتایا تھا۔ انہوں نے اس رسالے کی خبر مکہ معظمہ کے کسی حاجی سے سنی تھی جو میرے پاس آتے جاتے تھے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ یہاں تو نہیں جہاز میں ان شاء تعالیٰ دیکھنے کو دوں گا، مگر اس جہاز سے ٹکٹ نہ ملا اس لئے میں پھر مکہ معظمہ حاضر ہو گیا اور وہ روانہ ہو گئے۔

فقط مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ

*مطابق ۲۱/۱۰/اکتوبر ۱۹۴۹ء

(۱) رسالہ طرد الشیطان کا موضوع کیا تھا؟ اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مصری عالم، علامہ تیجانی نے حج ۱۳۶۶ھ (مطابق اکتوبر ۱۹۴۸ء) سے قبل مفتی اعظم کی خدمت میں استفتاء بھیجا تھا اور مفتی اعظم نے جواب لکھا تھا، جس کی تکمیل وہ اپنے دوسرے سفر حج (۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء) میں کر رہے تھے۔ اس سفر میں مستفتی علامہ تیجانی مصری سے ملاقات بھی ہوگئی وہ جلد سے جلد اس کی نقل چاہتے تھے۔ اور حج ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۹ء سے قبل اس کی طباعت واشاعت کی کوشش میں تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالے کا موضوع حج اور حجاج ہی کے کسی مسئلے سے متعلق ہوگا۔ مفتی اعظم کے حالات میں اس رسالے کا نام اور یہ تذکرہ ملتا ہے کہ ''نجدی حکومت'' نے حجاج پر ''حج ٹیکس'' لگایا تھا اور نجدی علما نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا تھا، اسی پر مفتی اعظم سے سوال ہوا، اور انہوں نے اس ٹیکس کے ناجائز ہونے پر عربی زبان میں مدلل فتویٰ

لکھا (دیکھئے: انوار مفتی اعظم، شائع کردہ رضا اکیڈمی، مضمون مفتی محمد شریف الحق امجدی ومشمولہ مضمون ''تصانیف مفتی اعظم شائع کردہ رضا اکیڈمی ص:۱۷۷) لیکن دونوں مقام پر اس فتوے کو پہلے سفر حج (یعنی ۱۳۶۴ھ نومبر ۱۹۴۵ء متعلق بتایا گیا ہے۔ جبکہ زیر نظر مکتوب گرامی سے واضح ہے کہ یہ دوسرے سفر حج کے موقعے کا استفتا وفتویٰ ہے جس کی تبییض میں دیر ہوتی گئی یہاں تک کہ ۱۳۶۷ھ کا موسم حج تو گذر ہی چکا تھا، ۱۳۶۸ھ کا حج بھی گیا اور اسی سنہ کے اواخر میں رسالے کا مبیضہ ملک العلما تک پہنچا۔ اس کے بعد کہاں اور کس حال میں ہے؟ کچھ معلوم نہیں۔ کتب خانہ ملک العلما میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں، بریلی بھیج دیا گیا ہوگا۔ افسوس ہے یہ اب تک غیر مطبوعہ رہا۔

(۲) علامہ تیجانی مصری کے حالات فی الحال نہیں مل سکے۔

(۳) مفتی شریف الحق امجدی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اس رسالے کا نام القنابل الذرية علىٰ اوثان النجدية لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ نجدی ٹیکس کے حرام وگناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان کا فتویٰ ہے جو حرمین طیبین میں بیٹھ کر مفتی اعظم نے لکھا ہے۔ (تاجدار اہلسنت ص:۳۲، شائع کردہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۴۲۷ھ)

(٤) اصل نام ''سعد الله'' ہے۔ پوسٹ کارڈ میں اندیشۂ بے ادبی کے باعث اسم جلالت نہ لکھتے تھے۔ اس لیے نام پاک ''الله'' کی جگہ اس کا عدد ٦٦ تحریر فرمایا۔

(۴،۵،٦) یہ مولانا شاہ محمد عزالدین پھلواروی تھے۔ شاہ محی الدین قادری پھلواروی سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری (۱۸۷۸۔۱۹۴۷ء) کے داماد اور شاہ محمد سلیمان پھلواروی کے نواسے تھے۔ ندوہ کے تعلیم یافتہ تھے وہاں کچھ دن استاد بھی رہے۔ بیسویں صدی کے ساتویں عشرے میں مدرسہ اسلامیہ شمس الهدیٰ اور ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ کے استاد مقرر ہوئے۔ اچھے مقرر تھے تحریر میں بھی پختہ تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں ''حیات احمد بن حنبل'' اور علوم الحدیث'' کو شہرت حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر حافظ یونس مشہدی کے اطلاع کے مطابق ان کا سال ولادت ۱۹۰۵ء اور سال وفات ۱۹۷٦ء ہے۔

(۱۳)

۷۸٦/۹۲

[مرادآباد] ۲۴ رشعبان ۷۰ھ ☆

حضرت محترم دام بالکرم

بعد سلام مسنون۔ آپ کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ (۱) یہاں کے محبین کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئے کہ میں اس گاڑی سے بریلی جاؤں۔ ان کی نہایت خوشی ہے کہ حضرت [ملک العلما] بھی یہیں آجائیں اور آج کے جلسے میں شرکت فرما کر کل اسی گاڑی سے بریلی روانہ ہوں۔ یہ لوگ مخلص ہیں۔ ان کی آرزو پوری کیجئے۔ میں نے آپ کی اشد ضرورتیں بتائیں مگر اس کا کوئی جواب ہی نہیں کہ ''اب چھ سال بعد تو یہ قدم آئے ہیں اور ضرورتیں تو رہتی ہی ہیں۔ جنتری (۲) کی اشاعت میں ایک روز تاخیر ہو جائے گی۔ پرواہ نہیں آج تو ہم جانے نہ دیں گے۔ حضرت ملک العلما کو ہم جا کر یہیں لے آئیں گے۔ ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے ہم کل اس گاڑی سے رخصت کر دیں گے۔''

آپ کرم فرمائیں۔ سارا اسباب ساتھ لے آئیں۔ جنتریاں مولانا میاں سلمہ (۳) کل اسٹیشن پر بھیج دیں کہ ہمارے

ساتھ چلی جائیں۔

اگر آپ نہ آئے تو مجھے ان کی دل شکنی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔اور شام کے ۵ بجے کی گاڑی سے چلنا پڑے گا۔بہر حال آپ کو بریلی اترنا اور کم ازکم ایک روز قیام کر کے اور سرحدی(۴)وغیرہ کا معاملہ طے کر کے وطن کی طرف قصد کرنا ہے۔

والسلام

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

میں نے کہا کہ وہ ٹکٹ لے چکے ہوں گے انہوں نے کہا کہ ٹکٹ کا کچھ غم نہیں ہے،واپس ہو جائیں گے اگر جنتریاں اپنے ساتھ آپ لے آئیں ہوں جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو ساتھ ہی لیتے آئیں۔

بملاحظہ گرامی جناب سامی حضرت ملک العلما فاضل بہار

مولانا المکرّم مولوی شاہ ظفر الدین صاحب قادری رضوی

*مطابق ۳۱ رمئی ۱۹۵۱ء

(۱)غور کرنے سے اس مکتوب کا پس منظر یہ معلوم ہوتا کہ ملک العلمانے مفتی اعظم کو اطلاع دی ہوگی کہ تاریخ مذکور پر فلاں سفر سے آتے ہوئے،فلاں ٹرین سے مجھے مرادآباد پہنچنا ہے پھر وہاں سے دوسری ٹرین کے ذریعہ بریلی شریف روانہ ہونا ہے۔آپ بریلی شریف میں موجود رہیں۔تا کہ ملاقات ہو سکے۔جواباً مفتی اعظم نے اطلاع دی ہوگی کہ میں نے اسی تاریخ کو مرادآباد پہنچنے کا وعدہ کرلیا ہے لیکن یہ ہوسکتا ہے میں مرادآباد پہلے پہونچ جاؤں اور وہا ں کے لوگوں سے اجازت لے کر آپ کی معیت میں مرادآباد سے بریلی واپس آجاؤں اس پر ملک العلمانے پھر خط لکھا ہوگا کہ مرادآباد والوں نے چوں کہ اس تاریخ میں جلسہ رکھا ہے اس لئے اگر آپ مرادآباد پہنچ گئے تو وہ لوگ جلسہ ہونے سے پہلے آپ کو ہرگز واپس نہ آنے دینگے۔اور واقعہ کی یہی صورت پیش آگئی۔چوں کہ ملک العلما کی ٹرین کا وقت معلوم تھا۔اس لئے مفتی اعظم نے یہ خط لکھکر معتمد لوگوں کے ذریعہ مرادآباد اسٹیشن پر بھیجا۔آگے کیا ہوا؟معلوم نہیں۔

(۲)جنتری سے مراد نقشۂ اوقات صوم وصلوٰۃ برائے بریلی ہے جو ملک العلما تیار کر کے اور پٹنہ سے چھپوا کر اپنے ساتھ لائے تھے۔

(۳)مولانا میاں سے میں واقف نہیں،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مولانا اور میاں کے درمیان اصل نام لکھنے سے رہ گیا ہو۔

(۴)یہ لفظ خط میں واضح نہیں۔

(۱۴)

۹۲/۷۸۶

بریلی ۱۷ر رمضان ۷۰ھ☆

جناب محترم زید مجدہٗ وعلیکم السلام ورحمتہٗ وبرکاتہٗ

آپ کے دو محبت نامے یکے بعد دیگرے تشریف لائے۔میں ابھی تک جواب نہ لکھ سکا دھام پور میں گلے کی جس پھڑیا پر پھایا لگایا گیا تھا جو سنبھل جانے سے پہلے یا سنبھل جانے کے دن نمودار ہوئی تھی۔وہ کاربنکل سمجھی گئی ان کا علاج ہو رہا ہے۔چار کیلیں موٹی موٹی برآمد ہو چکی۔اب کوئی کیل تو معلوم نہیں ہوتی مگر مواد دے رہی ہے اور دو تین دانے اور ابھرے جو کہا جاتا ہے کہ پھایا کی گرمی سے نکلے ہیں،یہ وہ نہیں ہیں۔ان میں سے ایک چھالا کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔دعائے خیر فرمائیے۔اسی دوران میں مجھے پیلی بھیت بھی جانا پڑا۔عزیزی سید عشرت علی صاحب مرحوم کے انتقال پر ملال پر۔یہ بھائی صاحب کے چھوٹے داماد تھے جن کے نکاح کو ڈیڑھ سال کے قریب ہوا ہوگا۔

میں آپ کا بریلی رہنا مدت سے چاہتا ہوں کسی طرح ہو۔خصوصاً اعلیحضرت قدس سرہٗ کی تصنیفات اور سوانح کی تیاری کے لئے۔آپ کو اگر کار تدریس سپرد کر دیا گیا تو آپ کا بہت وقت اسی کی

نذر ہوجائے گا اس لئے یہ چاہتا ہوں کہ زیادہ وقت تو آپ کا اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی تصنیفات کے مسودات کی تبییض وغیرہ میں صرف ہو اور ایک دو سبق حدیث کے بھی پڑھا دیں تاکہ مدرسہ بھی آپ کے فیض سے مستفیض ہو۔ رہنے کے لئے یہی گھر ہے یا یہ ممکن ہے کہ مرزا جی والا مکان درست کرا دیا جائے۔ کھانا جو پکے گا حاضر کیا جائے گا۔ جیسا آپ اپنے زمانہ قیام میں ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ اس کھانے اور مکان کے ساتھ آپ اپنے لیے کتنا وظیفہ پسند کرتے ہیں وہ لکھیے۔ اور اگر کھانا، مکان کا انتظام آپ خود کرنا چاہیں تو کیا وظیفہ ہو وہ لکھیے تو میں غور کروں کہ میں خود اس کو طے کرسکتا ہوں یا اس کے لیے کوئی تحریک کرنی ہوگی۔ مولوی عبدالحق (۱) سے طے ہوگا یا میں خود طے کروں گا۔

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ مدرسۂ منظر اسلام کا نام ختم کردیا جائے۔ جواب جلد عنایت ہو۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ

*مطابق ۲۵؍جون ۱۹۵۱ء

(۱) ان کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ مدرسے کے منتظمین میں کوئی صاحب ہوں گے۔

(۱۵)

۹۲/۷۸۶

بریلی ۱۵؍شوال ۷۰ھ*

جناب ملک العلما زید فضلہٗ

وعلیکم السلام ورحمتہٗ وبرکاتہٗ۔ طالب خیر بحمدہٖ تعالیٰ مع الخیر ہے۔

آپ کے کئی گرامی نامے آئے۔ میں جواب نہ دے سکا۔ اول ہجوم ناس، پھر ماموں جان کی شدید ترین علالت۔ ساجد میاں، جیلانی میاں کی حج کے لیے رخصت، پھر ماموں جان کی دنیا سے رحلت۔ ادھر داروغہ صاحب (۱) سے بار بار کہا گیا مگر انہیں آنے، بیٹھنے مشورہ کرنے کی فرصت نہ ملی اور وہ بعض دفعہ آئے تو مجھے فرصت نہ ہوئی۔ اور بعض دفعہ روپے جمع کرنے حساب کرنے میں وقت صرف ہوگیا اور دماغ تھک گیا۔

ادھر اس مدرسہ کی کمیٹی اب تک نہیں ہوئی۔ آپ اگر میرے پہلے خط کے جواب میں اتنی رقم لکھتے جتنی کے لیے آپ کو پہلے لکھا تھا تو کوئی مشورہ طلب بات نہ ہوتی۔ غرض اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی جواب بھیجوں گا۔ میرا خیال یہ تھا کہ مدرسہ کا انتظام اور دو سبق حدیث اور باقی وقت صرف تصانیف اعلیٰحضرت قدس سرہٗ میں صرف ہو۔ مدرسۂ منظر اسلام کی کمیٹی کے بعد میں آپ کو جواب لکھوں گا جو جولائی کے اسی مہینے میں ہوگی۔

افسوس کے حضرت ماموں جان صاحب قبلہ رحمہ المولیٰ تعالیٰ نے آج روز جمعہ ۱۵؍شوال دس بجے دن کے قریب داغ مفارقت دیا۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر و اجر عنایت کرے۔ دعائے مغفرت فرماتے رہیں۔

والسلام

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ

آج لوگ آئے ان میں سے بعض ہی کا کام کیا، باقی یونہی لوٹ گئے اور ان کے جانے کے بعد اور آئے بھی نہیں۔ ادھر ماموں جان مرحوم و مغفور کے انتقال کے خطوط لکھنا پڑے، یوں آپ کو بھی یہ خط لکھ سکا۔

مصطفیٰ رضا قادری

*مطابق ۲۰؍جولائی ۱۹۵۱ء

(۱) یہ بریلی کے کوئی صاحب تھے جن سے مدرسہ مظہر اسلام اور دوسرے معاملات میں مشورہ کیا جاتا تھا۔

(۱۶)

بریلی ۱۷ ربیع الاول ۷۱ھ*

جناب مولانا بعد از سلام مسنون (۱)

آپ کا مزاج کیسا ہے؟ بہت دن سے آپ کا انتظار شدید ہے۔ معلوم ہوا تھا کہ آپ کو کوئی آپریشن کرانا ہے، اس سے فارغ ہو کر تشریف لائیں گے۔ آپ کا مزاج گرامی کیسا ہے۔ عرس میں بھی تشریف نہ لائے۔ اب تو تشریف لے آئیں۔

جناب محترم مولوی احمد رضا صاحب وکیل (۲) تشریف لائے تھے۔ پانچ سو روپے بھی اپنی محبت سے عنایت فرمائے جو عرس شریف کی نذور میں شامل کر کے عرس میں خرچ کر دیے گئے۔ ان سے ملاقات ہو تو میرا اسلام مسنون فرمادیں اور یہ کہ عرس میں آپ کا بہت منتظر رہا۔ اس پر افسوس ہے کہ میں ایک وقت کی بھی آپ کی مہمانی سے محروم رہا۔

والسلام

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ

عرفان کا سلام قبول ہو۔ (۳)

*مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۵۱ء

(۱) مولانا عرفان علی رضوی کے کارڈ کی پشت پر مفتی اعظم نے یہ خط لکھ دیا ہے۔

(۲) پٹنہ ھائی کورٹ کے کامیاب اور مشہور وکلا میں تھے۔ دین دار اور مذہبی آدمی تھے۔ ملک العلما سے عقیدت رکھتے تھے اور محلہ دریا پور پٹنہ کی مسجد میں جس کے متولی ملک العلما کے ایک جاں نثار معتقد اور مخلص دوست سید جمیل احمد صاحب تھے ہر اتوار کی صبح کو حضرت کے درس قرآن میں برسوں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ آخر عمر میں حج و زیارت حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

(۳) یہ فقرہ مولانا عرفان علی رضوی کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔

(۱۷)

۹۲/۷۸۶

محلہ سوداگران بریلی

۱۷ ربیع النور ۷۱ھ

جناب محترم السلام علیکم ورحمتہٗ وبرکاتہٗ

الیکشن قریب آرہا ہے۔ اس نازک دور میں یہ الیکشن جیسا کہ ہے آپ خود جانتے ہیں۔ یہاں اشد و اہم ضرورت ہے کہ ہم سب مل کر اس کے متعلق غور و فکر کریں اور کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔ جس سے مسلمان باذنہٖ تعالیٰ ہر خطرہ ہر فتنہ سے بچے رہیں اور دینی و دنیوی نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔ ۲۹ دسمبر ۵۱ء تک میں بریلی رہوں گا اس سے پہلے پہلے یہ اجتماع ہو جانا ضروری ہے۔ اس لیے التماس ہے کہ آپ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۷۱ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۵۱ء بروز یکشنبہ بوقت ۱۱ بجے دن بریلی محلہ سوداگران فقیر خانہ پر تشریف لاکر اس ضروری امر کے اجتماع میں شریک ہوں۔ اگر خدانخواستہ آپ نہ آسکیں تو اپنی رائے سے بیس، اکیس دسمبر ۵۱ء تا مطلع فرمادیں۔

(۱) ووٹ آپ کی رائے میں ان جماعتوں میں سے کس جماعت کے آدمی کو دیا جاوے۔

(۲) یا کسی کو نہ دیا جاوے۔

(۳) ووٹ کیسے شخص کو دیا جاوے۔ دینی اعتبار سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی۔

ان سوالوں کا مفصل جواب لکھیے۔ محض مختصر رائے ہی نہ ہو۔ فقط

مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ

☆مطابق ۱۸/دسمبر ۱۹۵۱ء

(۱۸)

۹۲/۷۸۶

محلہ سوداگران بریلی

صفر مظفر ۱۳۷۴ھ

عرسِ رضا میں آیئے کارِ رضا ہے یہ
عرس رضائے احمد و ربِ علا ہے یہ

آؤ کہ آج فیض کا در ہے کھلا ہوا
آؤ کہ آج بابِ کرم پھر ہوا ہے وا

آؤ رضا کے فیض کا دریا ہے موج پر
آؤ کہ ماہ فیض پھر آیا ہے اوج پر

تشریف لا کے عرس میں ممنون کیجیے
اک پنتھ اور دو کاج کا مضمون کیجیے

جناب محترم! السلام علیکم ورحمتہٗ وبرکاتہٗ

بحمدہٖ تعالی عرس سراپا قدس حضور پرنور اعلیحضرت، عظیم البرکۃ، رفیع الدرجۃ، تاج الشریعہ، آفتاب ہدایت، مہتاب طریقت، مجدد دین وملت، امام اہلسنّت، افقہ الفقہاء الکرام، اعلم العلماء الاعلام، قبلۂ دین، حجۃ الحق فی الارضین، شیخ الاسلام والمسلمین، صدر العلما، بدر العرفا، سید الاتقیاء فی الزمان، سمو المکانۃ والمکان، مولانا ومرشدنا معجزۃ من معجزات سید الانام علیہ الصلوۃ والسلام عبد المصطفی احمد رضا خاں رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا قریب آیا۔ حسب معمول ۲۳/۲۴/۲۵ صفر مظفر ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲/۲۳/۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء بروز جمعہ، شنبہ، یکشنبہ فیض بخش عام ہوگا۔ آپ کی محبت وعقیدت سے امید واثق ہے کہ آپ ضرور شرکت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

والسلام

المکلفین فقیر مصطفیٰ رضا قادری نوری غفرلہٗ وابراہیم رضا جیلانی غفرلہٗ

نظام الاوقات عرس شریف

۲۳/صفر صبح بعد ختم قرآن عظیم نعت خوانی ۸/بجے سے نو بجے تک وعظ ۹/بجے سے دوپہر تک

وقت شب نو بجے سے ۱۰ بجے تک نعت شریف بعدہٗ وعظ

۲۴/صفر صبح بعد ختم قرآن عظیم ۸ تا ۹ بجے تک نعت خوانی ۹ بجے سے دوپہر تک وعظ

وقت شب نو بجے سے ۱۰ بجے تک نعت شریف۔ بعدہٗ وعظ

۲۵/صفر صبح بعد ختم قرآن مجید آٹھ تا نو نعت شریف ۹ بجے سے وعظ ڈیڑھ بجے تک

پھر منقبت خوانی ڈیڑھ بجے سے ڈھائی بجے تک بعدہٗ ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر قل شریف

۱۲ بجے دوپہر غسل مزار اقدس

بہ خدمت جناب مولانا ظفر الدین صاحب
مدرسۂ لطیفیہ بحر العلوم، کٹیہار، ضلع پورنیہ، بہار

(۱۹)

۹۲/۷۸۶

۳۰/اکتوبر ۱۹۶۱ء

جناب مولانا ملک العلما زید کرمہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولی تعالی کا شکر واحسان ہے کہ تقسیم ہند کے بعد پہلی بار مرکز، دہلی میں اہل وسنت و جماعت ایک عظیم الشان اجتماع ''کل ہند سنی اوقاف کانفرنس'' کے نام سے کرنے جارہا ہے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ سنی مسلمانوں کے جائز حقوق پر ڈاکہ ڈالنے اور ان کی جماعتی تنظیموں کو ظلم وستم کے ذریعہ برباد و

پاے مال کرنے کرانے والے اور نہیں بل کہ چند مسلمان نما دین فروش ہیں۔ لیکن وائے برحال ما کہ ہم ظلم وستم کا شکار ہوتے رہے مگر آج تک مرکز ہند میں جماعتی سطح پر ہماری کوئی آواز نہ اٹھی یہی سبب ہوا کہ ہماری خاموشی سے مخالفین نے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے اسلاف کی کروڑوں روپیہ کی مذہبی جائدادوں کو ہڑپ کرنے کے لئے پارلیمنٹ سے قانون بھی بنوالیا۔

ایسی صورت میں اگر آج ہم اس عظیم موقع پر ملک گیر جماعتی تنظیم کی صورت میں جمع نہ ہوئے اور ایک عظیم اجتماع نہ کیا تو پھر مستقبل تیرہ وتاریک ہی نہ ہوجائیگا بلکہ اولیائے کرام اور بزرگان دین کی عظیم الشان درگاہیں بھی مخالفین کے مظالم پیہم کا نشانہ بن کر بے حرمت ہوجائیں گی۔

وقت آگیا ہے کہ آج مسلمانوں کی تنظیموں کے ذمہ دار اصحاب اپنے نجی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر میدان عمل میں اتر آئیں اور پوری یکجہتی اور مکمل اتحاد کے ساتھ کل ہند سنی اوقاف کانفرنس کے اس عظیم الشان پروگرام کو کامیاب بنا کر حکومت اور ملک کی تمام جماعتوں کو واضح کردیں کہ سنیوں کی نمائندگی کا حق صرف اہل سنت ہی کو ہے۔

جمعیۃ العلما اور اس کی ہم نوا جماعتوں کو مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کرنا مداخلت فی الدین کے مرادف ہے۔

نوٹ: اس سلسلے میں میری ایک اپیل بھی آپ کی نظر سے گذری ہوگی۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ

سید مظفر حسین کچھوچھوی سیکریٹری

۳۰ر اکتوبر ۶۱ء از جبل پور

حضرت اپنی شرکت وتعاون سے دفتر کو جلد مطلع فرمائیں۔

اسرار الحق غفرلہٗ صدر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ

(۲۰)

آستانۂ عالیہ رضویہ

بریلی

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔☆

چند یوم سے ایک جدید قانون حاجی صاحبان کے واسطے بسلسلۂ اجراء پاسپورٹ، فوٹو چسپاں کرنے کے بارے میں نافذ ہوا ہے چونکہ فوٹو کھینچوانا شرعاً قطعاً حرام ہے اس سے مسلمانوں میں ایک سنسنی پھیل گئی ہے اور آئندہ کے واسطے فریضۂ حج کا ادا کرنا قطعی ناممکن نظر آتا ہے۔ لہٰذا ہمرشتہ مضمون درخواست عام مسلمانوں کی طرف سے ارسال خدمت ہے۔ تاکہ اس کو جناب اپنے ضلع سے مع چند دستخطوں کے ایگزیکٹیو آفیسر پورٹ کمیٹی بمبئی کو فوراً روانہ فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے اجر عظیم پانے کے مستحق ہوجائے گا۔

فقیر مصطفیٰ رضا

مرسلہ تقدس علی خاں رضوی

مہتمم دار العلوم منظر اسلام بریلی

☆☆☆

☆ یہ ایک گشتی مراسلہ ہے جسے مفتی اعظم نے مطبع حسنی بریلی سے چھپوا کر آستانۂ عالیہ رضویہ کے متوسلین اور دوسرے حضرات کو بھیجوایا تھا۔ اس پر تاریخ تحریر اور درج نہیں۔

ضمیمہ (۱)

مکتوب مختار الدین احمد بنام ملک العلما

بریلی [یکم جنوری ۱۹۴۰ء]

قبلۂ محترم سلام ورحمت

ایک عریضہ کئی روز ہوئے دہلی سے حاضر خدمت کرچکا ہوں۔ میں دہلی سے آج صبح کو بخیر وخوبی بریلی پہنچا اور اب

رضوی کتب خانے میں بیٹھ کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔حضرت صاحب یہیں موجود ہیں۔سب لوگوں سے ملاقات ہوئی۔حضرت محدث صاحب بھی اتفاق سے آئے ہوئے ہیں۔بڑے اخلاق کے بزرگ ہیں۔صبح سے مجھے ہر جگہ لئے لئے پھر رہے ہیں اور تمام لوگوں سے ملا رہے ہیں اور اس وقت اصرار کر رہے ہیں کہ ہم مراد آباد جا رہے ہیں تمہیں بھی چلنا ہوگا۔چلا جاؤں گا۔

مولوی ایوب علی صاحب ،مولوی قناعت علی صاحب ، آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔مولوی عبدالمصطفیٰ صاحب خلف مولانا امجد علی صاحب بھی سلام کہتے ہیں۔یہ خط کل لکھ چکا تھا لیکن پوسٹ نہ کر سکا۔

میں رات روانہ ہو رہا تھا لیکن حضرت صاحب نے اجازت نہیں دی اور آج کے لئے روک لیا۔میں یہاں کل صبح پہنچا تھا۔دن کا کھانا مولانا مصطفیٰ رضا خاں قبلہ کے یہاں تھا،شام کا ناشتہ حضرت صاحب کے یہاں۔آج صبح مولانا ابرار حسن صاحب نے ٹی پارٹی دی۔کھانا حکیم حسین رضا خاں صاحب کے یہاں ہے۔سب لوگ بڑی محبت سے پیش آ رہے ہیں۔آپ کے ماموں جان بھی بہت کرم فرما رہے ہیں۔بہت محبت کے آدمی ہیں سارے لوگ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔یہ خط میں لکھ رہا تھا کہ ایک نابینا صاحب (غالباً احمد بخش) مجھے ڈھونڈتے ہوئے آئے اور مجھ سے ملے۔اور سب خیریت ہے۔والسلام

مختار الدین احمد آرزو

حاضر الوقت امجد رضا......مختار میاں کو دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوا جیسا کہ مشہد رضا کو دیکھ کر خوش ہوتا۔اور اب تمہیں دیکھنے کو دل تڑپتا ہے۔بچیوں کو اور گھر میں دعا۔

فقط نوری گدا غفرلہ

۲۱ر ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ

(۱)اس کارڈ پر تاریخ تحریر درج نہیں اور بریلی کی مہر واضح نہیں۔مولانا امجد رضا صاحب کی دوسطریں ۲۱ ذوالقعدہ ۱۳۵۸ھ کی لکھی ہوئی ہیں یہ مطابق یکم جنوری ۱۹۴۰ء کے ہے۔کارڈ پر پٹنہ کے مہندرو ڈاک خانے کی مہر ۴ر جنوری ۱۹۴۰ء کی ہے۔خط بریلی سے یکم یا دوم جنوری، ۱۹۴۰ء کو روانہ ہوا ہوگا۔

ضمیمہ (۲)

روزنامچہ نوشتۂ مختار الدین احمد

۲۳ر فروری ۱۹۴۳ء

بریلی سے سات خطوط اور تار آ چکے ہیں۔اب والد صاحب قبلہ کا وہاں جانا ضروری ہو گیا تھا۔میں بھی ساتھ جا رہا ہوں۔۴ر بجے سہ پہر کو ہم پٹنہ جنکشن اسٹیشن پہنچے۔ڈھائی بجے صبح شب کی پنجاب ایکسپریس سے ہم روانہ ہو رہے ہیں۔ٹکٹ کا نمبر ۱۲۴۹ اور ۱۲۵۰ ہے۔درمیانی درجے کا ٹکٹ۔/۱۳ر روپے کو آیا ہے۔یہ آرا اسٹیشن ہے انٹر کلاس میں بھی بھیڑ ہے۔والد صاحب کو آرام کی جگہ مسافروں نے دیدی ہے، میں تکلیف میں تھا،اب یہاں دو مسافر اتر رہے ہیں اب شاید سو سکوں۔دلدار نگر اسٹیشن پر ایک مسافر اور اتر گیا۔یہ سپاہی ہے اور بنگال کی حکومت میں ملازم ہے۔دلچسپ آدمی ہے۔دنیا میں سب سے بڑا سول سرجن کو سمجھتا ہے۔کہہ رہا تھا اوپر پرمیشور اور نیچے رسول سرجن خوش رہے تو دونوں جہان کی بھلائی ہے۔میں نے کہا صرف خدا کو خوش رکھ سرجن کیا ان سے بڑے افسران تم سے راضی رہیں گے۔پانچ بجے گاڑی لکھنؤ پہنچی اور اب چھ بجنے میں پانچ منٹ ہیں گاڑی کھلنے والی ہے۔اس درمیان میں میں نے پلیٹ فارم کی سیر کر لی،مسلم رستوران میں چائے بھی پی لی اور ایک سرسری نظر پورے اسٹیشن پر ڈال لی،خوبصورت اور صاف ستھرا اسٹیشن ہے۔وھیلر کی دکان سے

ایک اردو رسالہ اور ایک ضخیم ٹائم ٹیبل خریدا۔ اب کمپارٹمنٹ میں ایک معمر جنوبی ہند کی عیسائی خاتون تشریف لائی ہیں کہ میں ایک نسخہ ''لوقا'' کا ضرور ان سے لوں اور بقول ان کے اس کے مطالعے سے سعادت دارین حاصل کروں۔ میں نے ان کی ضد پوری کی اور وہ مسکراتی ہوئی تشریف لے گئیں۔ ''لوقا'' کی طباعت بہت عمدہ ہے اور کاغذ نہایت نفیس۔ ایک کاغذ بائبل پیپر کہلاتا ہے۔ افسوس کہ ہماری مذہبی کتابوں کی کتابت و طباعت بہت معمولی ہوتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے ہم ہم ہیں اور وہ وہ ہیں۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں اترنے کو دل بہت چاہا لیکن اس وقت والد محترم کے ساتھ عازم بریلی ہوں، واپسی میں اگر اجازت مل گئی تو ان دونوں قدیم شہروں کی سیر کروں گا۔

نیومین نے ''انڈین ہیریڈٹ'' کے نام سے ایک ضخیم ٹائم ٹیبل شائع کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ دہلی سے جو ریلوے لائن مراد آباد جاتی ہے۔ ڈاسنہ اس کا تیسرا اسٹیشن ہے۔ دہلی سے اس کا فاصلہ تقریباً گیارہ میل ہے۔ [اس کے] اور دہلی اسٹیشن کے درمیان صرف دو اسٹیشن ...... اور غازی آباد پڑتے ہیں۔ کرایہ چھ آنے (ص ۴، ۲۹)۔ فرید آباد دہلی سے جو لائن آگرے ہوتی ہوئی ممبئی جاتی ہے اس کا چھٹا اسٹیشن ہے اس کا فصل نیو دہلی سے ۱۹ر میل ہے اور کرایہ چھ آنہ۔ بٹالہ لاہور سے جو لائن پٹھان کوٹ جاتی ہے اس تیرھواں اسٹیشن ہے۔ یہ جنکشن ہے۔ لاہور سے فاصلہ ۵۷ر میل ہے ۱۵ آنہ۔ امرتسر سے جو لائن قادیان جاتی ہے بٹلا اس کا چوتھا اسٹیشن ہے۔ فاصلہ ۲۴ر میل ہے اور کرایہ سات آنہ قادیان سے فاصلہ ۱۲ر میل ہے۔ خیر قادیان جانے کا تو مجھے کوئی شوق نہیں ہے لیکن فرید آباد، ڈاسنہ اور بٹالہ وغیرہ شہروں سے میری دلچسپی بھوانی سنگھ یعنی مرزا محمد قتیل لکھنوی فرید آبادی کی وجہ سے ہے جس پر آج کل ریسرچ کر رہا ہوں ☆۱۔

۲۴ر فروری ۴۳ء

شب کے بارہ بجے ٹرین بریلی پہنچی۔ اسٹیشن پر والد صاحب محترم کے استقبال کے لئے ہجوم موجود تھا۔ ہم حاجی ولی اللہ صاحب کے مکان میں ٹھہرائے گئے ہیں۔ حضرت محدث صاحب قبلہ بھی یہیں مقیم ہیں۔ حاجی صاحب شیشوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ حیرت ہوئی کہ جنگ کے زمانے میں جب سرحد پر گولے برس رہے ہیں یہ حضرت شیشے اور آئینے کی دوکان کھولے بیٹھے ہیں۔ مکان بہت شاندار اور نفیس ہے بلاشبہہ شیش محل کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے میزبان بڑے نیک اور دیندار ہیں۔ سلسلہ رضویہ سے منسلک ہیں۔ رقیق القلب ہیں آبدیدہ ہو کر کہہ رہے تھے میری دن رات یہی دعا ہے کہ باری تعالیٰ دونوں شہزادوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دے۔ ایک صاحب سید قناعت علی ان کی بات سن رہے تھے ناراض ہو کر بولے، محبت تو آپس میں ہے، اس میں کیا شک ہے۔ یہ دو بھائیوں کے آپس کے ذاتی معاملات ہیں افہام و تفہیم سے درست ہو جائیں گے۔ شہر کے کچھ اصحاب، مہمان علماء سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ حاجی ولی اللہ صاحب نے سبھوں کی ضیافت کی یہ اصحاب ابھی کچھ دیر پہلے رخصت ہوئے۔ محدث صاحب اور والد محترم اپنی اپنی پلنگ پر لیٹے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مجھے نیند آرہی ہے اب سونے جا رہا ہوں دن بھر کا تھکا ہوا ہوں۔

☆۱۔ میرا مضمون ''کیا قتیل کا وطن فرید آباد تھا'' پہلے رسالہ نگار لکھنؤ (جون ۱۹۴۴ء) میں چھپا، بعد کو ترمیم و اضافے کے ساتھ نقوش لاہور پنج سالہ انتخاب نمبر (۱۹۶۰ء) میں شائع ہوا۔

۲۵ فروری ۴۳ء

صبح ناشتے پر پانچ سات اصحاب تھے۔سارے اصحاب افہام وتفہیم کی اس نشست کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں۔نشست آج شب کو نماز عشاء اور کھانے کے بعد ہوگی۔

۶/مارچ ۴۳ء

ہم لوگ بارہ بجے شب کو اسٹیشن پہنچے۔پٹنہ کے لئے گاڑی آئی۔بے حد بھیڑ ہے، ایک ٹی ٹی صاحب نے جو سید پیارے علی صاحب کے عزیز ہیں انٹر کے ایک ڈبے میں بہ مشکل جگہ دلوائی ہے۔پورے ڈبے میں فوجی بھرے ہیں۔نرے وحشی اور اجڈ ہیں۔دیکھئے رات کیسے بسر ہوتی ہے۔ٹرین خاصی مسافت طے کر چکی ہے ابھی تک مجھے لیٹنے کی جگہ نہیں ملی ہے۔

رات بستر پر بیٹھے گزری۔خوشی ہے کہ والد صاحب آرام سے ہیں۔لکھنؤ اسٹیشن پر ایک خط نیاز صاحب کو لکھا،ان سے نہ ملنے کی معذرت کی۔وہ میری کئی ادبی تحقیقی مضامین چھاپ چکے ہیں۔وہ مجھے کوئی معمر آدمی سمجھتے ہیں۔اب میں فیض آباد سے گزر رہا ہوں۔بھیڑ پہلے بھی کافی تھی اب کلکتہ میں ملازمت کرنے والے مسافروں کا ہجوم بڑھ گیا ہے۔میرے قریب ایک سکھ نوجوان بیٹھا ہے اونگھے جاتا ہے اور باتیں کیا جاتا ہے۔لاہور سے آرہا ہے کلکتہ جائے گا۔تحریک پاکستان کے خلاف جب بولتا ہے تو اس کے منہ میں کف آجاتا ہے اور جب برطانوی حکومت کے خلاف بولتا ہے تو ہوشیار ہوکر چاروں طرف نظر ڈال لیتا ہے۔فوج میں رہ کر برٹش گورنمنٹ کے مخبروں سے بہت گھبراتا ہے۔کہنے لگا ایک بات آپ کے کان میں ڈال دیتا ہوں،وہ یہ کہ انگریز اب ہندوستان میں رہنے والا نہیں،بوریا بستر سنبھال کر جانے والا ہے۔میں نے کہا آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی؟مسکرایا پھر دیدے گھما کر بولا:ہر بات بتا دینے کی نہیں ہوتی۔پنجاب کے عام مسلمانوں سے بیزار ہے،لیکن اپنے مسلمان پڑوسیوں کی تعریف کرتا ہے۔کہتا ہے میں قرض دینے میں بہت محتاط ہوں،لیکن قرض لینے میں بہت روادار ہوں۔میں کسی سے پہلی ملاقات میں بھی قرض حاصل کر سکتا ہوں۔اس کا یہ ''وصف'' سن کر میں ہوشیار ہو جاتا ہوں اور اپنا رخ ذرا بدل کر باہر کھڑکی کے مناظر دیکھنے لگتا ہوں۔

ضمیمہ(۳)

۹۲/۷۸۶

از دفتر جمیعت اصلاح وترقی احناف(ہند)

دائرہ رضویہ بریلی یوپی

۱۱/اگست ۴۴ء

حضرت مخدوم ومحترم ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین صاحب۔زید الطافکم

السلام علیکم

مزاج گرامی۔جناب کے سابقہ عزت نامہ کا جواب ارسال کیا جا چکا ہے، جو شرف ملاحظہ سے گزرا ہوگا۔دوسرے خط کے متعلق حضرت مفتی اعظم نے چند مرتبہ فرمایا لیکن یہ خیال رہا کہ آپ کا کوئی جواب آوے تو اس کا جواب دیا جاوے اور اسی میں حضرت کو مدعو کیا جاوے کہ آیئے اور تشریف لا کر اعلیٰحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیفات [کی اشاعت] میں کچھ حصہ لیجئے اور ثواب دارین کے سوا اعلیٰحضرت کے دربار میں مسند نشینی فرمایئے۔آیئے اور جلد رخصت طویل کا انتظام فرما کر اپنی تاریخ آمد سے مطلع فرمایئے اور جمیعت کے نازک حالت پر غور فرماتے ہوئے بقدر اس کے مالیہ کے خود بھی حصہ لیجئے اور وقت دیجئے اور خدمات [ادا] کیجئے۔آپ کی اکثر [یاد] رہتی ہے۔ماموں جان تو گوالیار میں [ہیں] حضرت مفتی اعظم صاحب نے چند مرتبہ ارشاد فرمایا کہ غالباً مولانا کو مجھ سے کچھ شکایت ہے،جبھی تو تشریف

لیجانے کے بعد خط کیا رسید تک نہیں بھیجی۔اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مجھے جتنی مراعات ان کے ساتھ کرنا چاہئے تھی نہیں کرسکا۔مجھے اعتراف ہے۔خیر فقیر کا گھر ان کے لئے موجود ہے ضرور تشریف لائیں۔سردست جمیعت اصلاح وترقی کی کمیٹی انتظامیہ منعقدہ ۱۰راگست ۴۴ء نے حضرت کو صرف اس قدر فوری تکلیف دی ہے کہ ماہ صیام کی جنتری فوراً مرتب فرما کر آپ ارسال فرمادیں، تاکہ برقی پریس[سے] کم ازکم چار روز بیشتر طبع ہوکر آجاوے اور باہر[فوراً] پہنچ جاوے۔اس میں اشتہار تصنیفات اعلیٰحضرت [ہوگا] جس کی تفصیل سابقہ خط کے ملاحظہ سے واضح ہوگئی ہوگی۔

کام میں انشاء اللہ آپ تشریف لاکر مزید چار چاند لگا دیں گے۔مہربانی فرما کر بدیدن عریضہ ہذا جنتری بنانا شروع[کردیں] جیسی کہ جماعت رضائے مصطفیٰ کی سنین ماضیہ میں مرتب[فرماتے تھے] دوسرے شہروں کے متعلق بھی اور بریلی کے لئے خصوصاً[مفید ہوا]..........بالکل اس طرح مرتب فرمادیجئے، کہ صرف کاپی نویس کاپی کردے۔اتوار کو یہ خط آپ کو ملے گا۔پیر کو آپ حوالۂ[ڈاک کریں] بدھ کو آجاوے گا جمعرات کو کاپی ہوکر انشاء اللہ طبع ہوجاوے گا باہر بھیجنا شروع کردیا جائے گا ہفتہ کو رویت ہوگی جناب کے خاص کرم کی ضرورت ہے۔چونکہ منشی فدا یار خاں صاحب کو چند مرتبہ بلوایا گیا لیکن وہ تشریف نہیں لائے اور جماعت اگر جنتری طبع بھی کراتی ہے تو بہت کم تعداد میں ہوتی ہے اس سے اکثر لوگ شاکی رہتے ہیں اور اس مرتبہ تو خاموشی ہی معلوم ہوتی ہے بوجود طلب اور تقاضا کے کوئی جواب تک نہیں آیا خیر آپ فوراً جنتری ارسال فرمائیے اور تشریف آوری کی تاریخ لکھئے۔بقیہ آئندہ۔

فقیر عرفان عفی عنہ ناظم جمیعت

مکاتیب حجۃ الاسلام

بنام ملک العلما فاضل بہار

مولانا ظفرالدین قادری رضوی

﴿۱﴾

از دفتر جماعت رضائے مصطفیٰ (علیہ افضل الصلاۃ والثناء) خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پر اڑتا ہے پھریرا تیرا

از خانقاہ عالیہ رضویہ
محلہ سوداگران بریلی

۹۲/۷۸۶

مولانا المکرم المحترم زید مجدہٗ

بعد سلام مسنون، شوق مشحون فقیر دعا کا طالب خیر مع الخیر۔"یادگار رضا" کے لئے آپ سے عرضداشت کی تھی کہ اپنے قلم جواہر رقم سے مضامین مرحمت فرمایا کیجئے، کہ رضویوں کی اعلیٰ شخصیتوں کا یادگار نمائندہ ہو، اور اپنی خدمات ملک ومذہب وقوم کے سامنے بہترین خیالات کے ساتھ پیش کرسکے، اس وقت تک آپ نے کوئی مضمون ارسال نہ فرمایا۔اب مجبور ہوکر مجھے اصحاب شوریٰ نے درخواست کی اور فقیر کو مکلّف ہونا پڑا۔امید کہ فقیر کی تحریک خالی نہ جائے گی۔

نیز تقویم کے لئے بھی جناب سے گذارش ہوئی تھی، اب صرف بریلی کا وقت درج ہوتا ہے اگر آپ اور بلاد کے تفاوت تحریر فرمادیں گے تو عموم نفع کے ساتھ رسالہ کا امتیاز خاص ہوگا۔آپ نے کسی کتاب ☆ کے متعلق طباعت کا قصد فرمایا تھا وہ بھی معرض التوا میں ہے۔عزیزم آپ کو معلوم ہے کہ مطبع اہلسنت، اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ کا مطبع خاص ہے اور آپ کو مجھ سے اور مجھ کو آپ سے

اختصاص خاص ہے۔آپ اپنے مطبع سے اپنے شیخ کے مطبع سے اپنے محبِ مخلص کے مطبع سے معاملہ نہ کریں اور اِدھر اُدھر نیت بھٹکائیں،باوجودیکہ جو دوسرا مطبع لے اسی پر یہ مطبع راضی ہے تو نہایت عجیب ہے،پھر جیسی تصحیح اس[مطبع میں] ہوسکتی ہے کسی مطبع میں نہ ہوگی۔اور ایک یہ نفع بھی ہے کہ فقیر کی نظر سے بھی کتاب گزر جائے گی جس میں جانبین کا نفع ہے۔آپ[کے] پاس تخمینۂ طباعت[ہوگا......]اس میں جو مناسب سمجھیں کمی فرمادیں۔اگر مطبع کا نقصان نہ ہوگا تو مطبع اسے ضرور قبول کرنے کو[تیار] ہوگا۔

[میرا] وہاں(۱) سے کلکتہ جانے کا خیال ہے،وہاں کے احباب کی خواہش ہے کہ ایک بار صورت دکھاؤ شنبہ کی صبح کو فقیر سہاور ہوگا،چودھری صاحب(۲) کی بی بی حاجہ زائرہ (۳)......(۴) اقدس مزارِ اطہر امام اہلِ سنت وہاں سے لایا جائے گا۔

والسلام

فقیر رضوی غفرلہ

خادم آستانۂ عالیہ

[لاہور] میں جلسۂ حزب الاحناف ہے اس میں علمائے اہلسنت کی شرکت ہوگی آپ کو دعوت ضرور بھیجی ہوگی،آپ بھی ضرور ضرور شریک ہوئیے اور جلسہ کو کامیاب بنائیے اوس کا اس وقت مقصدِ اعلیٰ طہارت حرمین از نجاست ابن سعود ہے،جواب جلد از جلد دیجئے۔والسلام

☆علم صرف میں رسالہ''عافیہ''جون ۱۳۳۵ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۸ء میں مولانا حسنین رضا خاں کے اہتمام میں مطبع حسنی بریلی سے شائع ہوئی۔

(۱) یہاں پر چند الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔بنارس یا پٹنہ کے قیام کے بعد کلکتہ کے سفر کا خیال ہوگا۔

(۲) چودھری عبد الحمید خاں صاحب رئیس سہاور ضلع ایٹہ (یوپی) (۱۸۶۴۔۱۹۳۶ء) مراد ہیں۔فقہ حنفی کی منظوم کتاب،''کنز الآخرت''(۱۳۰۹)ان کی مشہور تصنیف ہے جس کا پانچواں ایڈیشن ان کے عزیز،ڈاکٹر ممتاز علی خاں نے دہلی سے ۱۹۹۶ء شائع کیا ہے۔فاضل بریلوی نے یہ کتاب بالاستیعاب دیکھی تھی اور انہوں نے اس سلسلے میں کچھ قیمتی مشورے بھی دیئے تھے۔چودھری صاحب اور ان کی اہلیہ فاضل بریلوی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔آصف جاہ سابع کی خدمت میں فارسی میں چودھری صاحب نے مدرسہ منظر اسلام بریلی کی طرف سے چالیس اشعار کا ایک سپاس نامہ پیش کیا تھا جس پر حیدرآباد سے دوسو پچاس روپئے ماہانہ کی رقم مدرسے کے لئے منظور ہوئی تھی جو عرصے تک جاری رہی۔

(۳) یہ خاتون''حافظ وقاری کلام اللہ''اور''زائرۂ روضۂ رسول اللہ''تھیں۔سفر حج وزیارات روضۂ مدینہ طیبہ سے مشرف ہونے کے بعد واپسی پر پنجشنبہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو وفات پاگئیں۔چودھری صاحب نے چالیس شعروں کا ایک طویل فارسی مرثیہ لکھا جو''زاد الآخرت''میں درج ہے۔حجۃ الاسلام انہیں کی تعزیت کے سلسلے میں سہاور تشریف لے گئے تھے۔

(۵) یہاں چند الفاظ ضائع ہوگئے ہیں۔

﴿۲﴾

بحمدہٖ سبحانہ

یکم صفر المظفر ۵۷ء

مولانا المحترم زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمدہٖ عزوجل عرس اعلیحضرت قبلہ سرہٗ العزیز بتاریخ

۲۳۔۲۴۔۲۵ صفر المظفر ۵۷ھ مطابق ۲۵۔۲۶۔۲۷ اپریل ۳۸ء خانقاہ عالیہ رضویہ میں منعقد ہوگا۔ فقیر کی دلی مسرت کا باعث ہوگا اگر جناب والا شریک عرس رضوی ہوکر اکتساب فیوض و برکات اعلیحضرت قبلہ کریں گے۔ فقیر جناب والا کو دعوت خصوصی دیتا ہے اور متمنی شرکت ہے، امید کہ دعوت فقیر قبول کرتے ہوئے صحیح تاریخ آمد سے مطلع فرمائیں۔ والسلام مع الکرام۔

فقیر محمد حامد رضا خاں غفرلہ

خادم سجادہ وگدائے آستانہ رضویہ

﴿۳﴾

آستانہ عالیہ رضویہ بریلی

شنبہ ۸؍جمادی الاولیٰ ۵۹ء

مولانا المکرم المحترم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

فقیر بحمدہ القدیر مع الخیر ہے آپ کی عافیت [کی خبر] پاکر مسرت ہوئی۔ جلسۂ عرس سراپا قدس میں جناب کی یہ تحریک مہتم بالشان تھی (۱) افسوس کہ حضار جلسہ نے توجہ نہ کی فقیر کو مجبوراً جلسہ سے آجانا پڑا تھا اور نہ فقیر کا بھی خیال اس جلسہ میں اس تحریک کا تھا اور اسی غرض سے اس سال عرس شریف میں جناب کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا تھا کہ جناب کو اس سے زائد دلچسپی ہے اور حقیقتاً آپ اس کو اپنے کام سے بھی اہم خیال فرماتے ہیں مگر شومیٔ قسمت کہ عرس کے انتظامات کی پریشانی میں میں اس قدر پریشان رہا کہ نہ جناب سے خاص باتیں کرسکا نہ کماحقہ آپ کی خاطر تواضع کرسکا جس کا بے حد حزن وملال رہا۔ خیر مشیت ایزدی۔ میرا ارادہ تھا کہ بنارس سے پٹنہ آؤں اور حضرت کے فتاویٰ کے چھپنے کے لئے کوئی آسان صورت آپ کے مشورہ سے نکالوں گا۔ لیکن بریلی سے متواتر خطوط آئے اور حضرت والدۂ ماجدہ دامت ظلہا کے کرم نامہ پر مجھے واپس ہونا پڑا۔ یہاں میری دو کریمہ نیک اختر کی شادی وخانہ آبادی مقرر کی جاچکی تھی، بحمدہٖ تعالیٰ اس سے بخیر وخوبی فراغ حاصل ہوگیا۔ جناب کی یہ مبارک تحریک میرے لئے بہت مسرت افزا ہے اور نہایت مہتم بالشان اور اس کے مہتم بالشان [ہونے] میں کوئی کلام نہیں لیکن بڑے زر کثیر کی ضرورت ہے۔ (۱) ترتیب فتاویٰ (۲) تبیض (۳) کتابت (۴) تصحیح (۵) طباعت (۶) اصلاح سنگ (۷) اصلاح پروف (۸) نگرانی کار مطبع۔ ان سب باتوں کے واسطے تجربہ کار علماء اور عملہ کی ضرورت ہے آج کل بغیر مشین کے طباعت کا کام نہ چل سکے گا کہ پریس میں مفقود ہیں اور مشین چلانے کے لئے بکثرت کاپیوں کا تیار رہنا اور کافی تعداد میں کاغذ کا اسٹاک موجود رہنا مشین مین اور مصلح سنگ وغیرہ کام کرنے والوں کی تنخواہوں کا انتظام، یہ سب ہزاروں روپے کے کام ہیں، جسے میں تن تنہا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لئے فراہمی سرمایہ اس طرح کی جائے کہ کل مصارف کا تخمینہ کرکے اس کو حصص پر تقسیم کیا جائے اور ان حصص کو احباب اہلسنت خرید لیں تو یہ ایک صورت نہایت خوش نظمی سے (۲)......[میں خود] بہت کافی حصہ لے سکتا ہوں۔ یہ میری ایک [تجویز ہے]۔ [یہ کام تنہا] ابھی نہیں کرسکتا۔ بہرحال میں اپنی لڑکیوں کے فرض سے سبکدوش ہوگیا اب میرے لئے کوئی فکر ناخن بدل نہیں سوائے اس بار گراں...... کے جو میرے سر ہے اللہ تعالیٰ اس سے سبکدوش فرمائے آپ دعا فرمائیں۔

اور رسالہ بذل الصفا آپ کی پہلی تحریک پر میں نے نقل کرادیا تھا، مگر کام کرنے والوں کے تساہل سے اب تک پڑا رہا۔ مولانا نواب مرزا صاحب (۳) نے اب تصحیح کراکر اسے روانہ

کر دیا ہے غالبًا ملا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ فتاویٰ جلد سوم جس کی ترتیب ہو چکی ہے اور میں نے اس کے فوائد بھی کچھ تحریر کئے ہیں وہ آپ کو بھیج دوں آپ اس کے فوائد وقت فرصت تھوڑے تھوڑے تحریر فرمائیں کہ ایک جلد مکمل ہو جائے، مجھے میرا جو روپیہ حاصل ہونے والا ہے اگر خدا نے یک مشت دلا دیا تو میں یہ خدمت خود ہی کر سکوں گا دعا کیجئے۔ والسلام

عزیزم محترم مولوی مختار الدین سلمہ اور ان کی والدۂ محترمہ و ہمشیرگان کو بہت بہت دعائیں آپ کے لئے اور ان عزیز ان کے لئے اپنے اوقات خاصہ میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ دونوں جہان کی دولتوں نعمتوں اور برکتوں سے [انہیں] مالا مال کرے اور دونوں جہان میں شاد و آباد بامراد رکھے آمین۔ جناب مدار یخان صاحب (۴) کو سلام و دعا فرمادیں۔ والسلام

آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے لکھنے سے معذور ہوں اس وجہ سے ضروری کاموں میں اور خط کے جواب میں تعویق ہو جاتی ہے اس لئے میں نے وہ جلد فتاویٰ کی آپ کے پاس بھیج دینا مناسب سمجھا ہے۔

فقیر حامد رضا خاں قادری رضوی نوری بریلوی

خادم سجادہ و گدائے آستانۂ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی

(۱) ملک العلما کی تحریک دربارۂ طباعت فتاویٰ اعلیٰحضرت اور دیگر تصانیف کی اشاعت کے بارے میں ہوگی۔

(۲) یہاں خط کی ڈیڑھ سطریں ضائع ہو گئیں ہیں۔

(۳) مولانا مفتی نواب مرزا، ملک العلما کے خاص دوستوں میں تھے۔ میں نے انہیں اپنے بچپن میں دیکھا تھا۔ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں غالبًا مولانا عبد الرشید قادری رضوی کی وفات (۱۷ دسمبر ۱۹۳۸ء) پر ایک مدرس کی جگہ خالی ہوئی تھی۔ ملک العلما کی تحریک پر انہوں نے بھی درخواست دی تھی۔ وہ انٹرویو میں بلائے گئے تھے۔ ''ظفر منزل'' شاہ گنج میں ہفتہ عشرہ ان کا قیام رہا تھا۔ کچھ ایسا یاد آتا ہے کہ مولانا وسط ۱۹۳۹ء میں پٹنہ تشریف لائے تھے اور ہفتہ عشرہ ہمارے یہاں مقیم رہے۔ تقرر مولوی حفیظ الرحمٰن رمضان پوری کا ہوا جو بعد کو مدرسے کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

(۴) حجۃ الاسلام ۱۹۴۰ء میں پٹنہ تشریف لائے تھے۔ ابتداء میں ''ظفر منزل'' میں مقیم ہوئے تھے پھر پٹنہ سٹی (قدیم عظیم آباد) کے مخلصین و مسترشدین کے اصرار پر وہاں کے ایک تاجر جناب مدار یخان صاحب کے یہاں فروکش ہوئے۔ ان کا پورا خاندان سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ سے منسلک تھا۔ یاد آتا ہے، کہ مدار یخان صاحب ملک العلما کے ساتھ ایک سال عرس شریف میں بریلی بھی حاضر ہوئے تھے۔

(۴) یہ خط مولوی عزیز الرحمٰن صاحب حامدی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جو ان دنوں بریلی میں تھے۔ مولوی صاحب، مولانا احسان علی مظفر پوری مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی کے عزیزوں میں تھے اور برسوں پٹنہ میں رہ کر انہوں نے ملک العلما سے علمی فیوض حاصل کئے تھے۔

☆☆☆

ملک العلما اور مشائخ مارہرہ مطہرہ

ازقلم: مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی، علیگ

مارہرہ مطہرہ میں بلگرام کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں ہجری کے اخیر میں آ کر سکونت پذیر ہوئی۔ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی (م ۱۰۱۷ھ) کے بڑے شاہزادے سیدنا شاہ عبد الجلیل چشتی قادری قدس سرہٗ (م ۱۰۵۷ھ) پہلے پہل یہاں تشریف لائے اور باشارۂ روحانی طرح اقامت ڈالی۔ آپ کے نبیرۂ تاجدار سلسلہ برکاتیہ سلطان العاشقین سید شاہ برکت اللہ قادری عشقی پیمی مارہروی قدس سرہٗ (م ۱۱۴۲ھ) کے مبارک قدموں کی بدولت اس خطے کو لازوال شہرت نصیب ہوئی۔ اسی خاندان ذیشان کے فرد جلیل خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بیعت ہوئے۔

ملک العلماء اعلیٰحضرت مسترشد اور خلیفہ تھے، اس لئے مارہرہ مطہرہ سے قلبی اور روحانی لگاؤ کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ سراج السالکین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کا وصال ۱۳۲۴ھ میں ہوگیا۔ ایک سال بعد ہی ملک العلماء فارغ التحصیل ہوئے۔ علی شعور کے زمانے میں اس خانقاہ کے سجادہ نشین ابوالقاسم سید شاہ اسماعیل حسن معروف بہ شاہ جی میاں قدس سرہٗ (م ۱۳۴۷ھ) تھے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہٗ (م ۱۳۷۵ھ) سجادہ نشین ہوئے۔ ان دونوں حضرات سے ملک العلماء کے گہرے رابطے تھے۔ حیات اعلیٰحضرت میں بہت سی روایتیں حضرت سید شاہ اسماعیل حسن علیہ الرحمہ کے حوالے سے ملتی ہیں۔ تاج العلماء کی نرینہ اولاد حیات نہ رہی، اس لئے ان کے بعد سجادگی ان کے بھانجوں سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ (م ۱۹۷۴ء) اور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں (م ۱۹۹۵ء) علیہما الرحمۃ والرضوان کے حصے میں آئی۔ زیرنظر مضمون میں تاج العلماء اور سید العلماء کے مکاتیب کی روشنی میں ملک العلماء کے مارہرہ مطہرہ سے گہرے روابط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کثیر المناقب، محب رضائے آل رسول، تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۳۰۹۔ ۱۳۷۵ھ) اپنے عہد کی تاریخ ساز شخصیت تھے۔ علم وفضل، زہد واتقا، صبر واستقامت اور فکر وبصیرت میں امتیازی خصوصیت رکھتے تھے۔ والد ماجد مجدد برکاتیت، ابوالقاسم سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ/۱۳۴۷ھ) نے آپ کو علمی وراثتوں اور خاندانی وجاہتوں کا امین بنایا تھا جس کی ذمہ داریاں آپ نے خوب نبھائیں۔ دین وعلم، شریعت وطریقت، سماجی ماحول اور ملی سیاست ہر سطح پر آپ نے امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ہزاروں مریدین، سینکڑوں طلبہ، درجنوں تصانیف اس پر شاہد ہیں۔ اپنے دور میں اٹھنے والی سیاسی تحریکوں میں بھی آپ نے مرشدانہ کردار ادا کیا۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے تعلق سے بریلی کے اجلاس جماعت انصار الاسلام کا خطبۂ صدارت آپ کی سیاسی

بصیرت کا واضح ثبوت ہے۔ تقسیم ہند کے موضوع پر بھی آپ کا نظریہ بہت عمیق تھا۔ آج کا ماحول اس نظریے کی قدر و قیمت پہ صاد کرتا نظر آرہا ہے۔ سید العلماء حکیم سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی قدس سرہ' (۱۳۳۳ھ/۱۳۹۴ھ) حضرت تاج العلماء کے بھانجے اور حضرت سید بشیر حیدر آل عبا قادری حضرت ''آوارہ'' (۱۸۹۲ء/۱۹۸۶ء) کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ اپنے دور میں علم وفن کی شناخت تھے۔ تحریر و تقریر پہ یکساں دسترس اور حکمت وطب میں بے مثل مہارت رکھتے تھے۔ فکر و سخن میں روانی طبع شنید کے قابل ہوتی۔ زبان وادب میں لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کی پہچان تھے۔ بیشتر عمر خطابت کی نذر رہی۔ سنی جمیعۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے امت کی تنظیم کا لازوال کارنامہ انجام دیا۔ دین وادب کی تین چار سنگی تصانیف بھی ہیں جو اردوئے معلّٰی کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ آپ کے شعر و سخن کے رواں سرمائے بھی تھے۔ مارہرہ مطہرہ کے ان دونوں بزرگوں سے ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین قادری برکاتی رضوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳ھ/۱۳۸۲ھ) کے دینی اور علمی رابطے تھے۔ حضرت ملک العلماء امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید، ان کے مسترشد اور چہیتے خلیفہ تھے۔ آپ سینکڑوں مریدوں کے مرشد، ہزاروں طلبہ کے استاذ اور پچاسیوں کتابوں کے مصنف تھے۔ اپنے عہد میں علم توقیت میں انفرادی شان رکھتے تھے حضرت ملک العلماء بزرگوں کے بڑے ادب شناس اور مشائخ کے غایت درجہ نیاز مند تھے۔ اسی لئے مشائخ کے حضور حضوری اور ان کی بارگوہوں سے رابطہ آپ کے لئے بہت بڑی سعادت ہوتی تھی۔ یہی سبب ہے، کہ آپ اپنے مرکز عقیدت سیدنا اعلیٰحضرت کے کعبۂ دل مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے بھی بہت نیاز مندانہ رابطہ رکھتے تھے اور ان کی کریمانہ نوازشوں کے آرزومند رہا کرتے تھے۔ احقر علیگڑھ کے قیام کے دوران جب حجرت ملک العلماء کے کتب خانہ خاص میں ملک العلماء کے نام ہندوستان کے مشائخ اور اہل علم کی خطوط کی فائلیں دیکھ رہا تھا تو مکاتیب کے ہجوم میں حضرت تاج العلماء اور حضرت سید العلماء قدس سرہما کے خطوط بھی شرف نگاہ بنے جو پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی نوازش سے مجھے حاصل ہوئے۔ مختصری وضاحت کے ساتھ وہ گرامی مکاتیب پیش کئے جاتے ہیں۔ نصف صدی پیشتر خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے اہل سنت کی مذہبی قدروں کا ترجمان ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا ''اہل سنت کی آواز'' جس کی صدارت حضرت تاج العلماء فرما رہے تھے اور سرپرستی اور ادارت حضرت سید العلماء اور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی (قدست اسرارہم) کی تھی۔ اس کے اجرا کی اطلاع جب بریلی شریف پہنچی تو وہاں کے اصحاب علم نے رکنیت کے لئے سبقت کی، جن میں حضرت ملک العلماء بھی تھے۔ حضرت ملک العلماء میں رفاہی اور دینی کاموں کی راہ میں تعاون کا جذبہ خوب تھا۔ تنگدستی کے باوجود بہت سے اداروں میں چندے کی رقم بھیجتے اور علمی کاموں میں تعاون کرنے میں پہل کرتے۔ اسی جذبۂ خیر کے تحت آپ نے ''اہل سنت کی آواز'' کی رکنیت کے لئے فوری خط تحریر فرمایا۔ اس کے جواب میں حضرت سید العلماء نے یہ گرامی مکتوب رقم فرمایا:

دفتر مرکزی جماعت اہلسنّت   ۷۸۶   مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ

مولانا المحترم زید مجدہم!

پس از تحیہ مسنونہ خیریت مشحونہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ اگر تین روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں گے، تو محصول وی پی نہیں دینا پڑیگا۔ ''اہل سنت کی آواز'' حصہ اول پریس میں گیا ہوا ہے۔ جناب والا کا نام درج رجسٹر کرلیا گیا۔

بقیہ رسائل رد لیگ میں جو قیمتاً شائع ہوئے ہیں، وہ قیمتاً اور جو مجاناً (مفت تقسیم کے لئے) شائع ہوئے ہیں، وہ بنا قیمت انشاء اللہ تعالیٰ ارسال کئے جائیں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

فقیر مارہرہ سید آل مصطفیٰ سید میاں قادری غفرلہٗ
ناظم مرکزی جماعت اہل سنت مارہرہ

۸ / ماہ فاخر ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ / ۱۳ / مارچ ۱۹۴۶ء چہار شنبہ

نوٹ: ترسیل زر بنام حضرت سیدی سید شاہ محمد میاں صاحب قبلہ صدر جماعت اہل سنت مارہرہ مطہرہ خانقاہ برکاتیہ فرمائی جائے۔

حسب تحریر حضرت ملک العلماء نے فوراً زرتعاون کا منی آرڈر حضرت تاج العلماء قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں ارسال کیا۔ منی آرڈر موصول ہونے کے بعد حضرت تاج العلماء نے یہ مفاوضۂ کریمہ ارسال فرمایا:

۷۸۶ حضرت محترم دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

آپ کا پہلا کرم نامہ کارڈ اور اوس کے بعد تین روپیہ کا منی آرڈر ملا۔ چونکہ کرم نامہ میں نام "سید میاں" لکھا تھا۔ جو برخوردار مولوی حافظ سید شاہ آل مصطفیٰ سلمہٗ کا لقب ہے۔ اس لئے انہوں نے جو آپ کو جواب دیا ہوگا غالباً اوسی میں آپ کو اہل سنت کی آواز کے لئے تین روپیہ چندہ پیشگی بھیجنے کو لکھا، جس کا آپ نے منی آرڈر بھیج دیا۔ میرے لئے یہ ذمہ داری پہلا تجربہ ہے اور اس حالت میں کہ مطبع بھی اپنا نہیں اور دوسرے مطبع والے ہم غرباء کے ساتھ لیگیت و کانگریسیت اور صلح کلیت کی جراثیم اون کے ارباب اختیار میں کچھ نہ کچھ ہونے کی بنا پر مخالفانہ اور حیلہ بازانہ پریشان کن اور زیر بار کرنے والا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جس سے اجراء اشاعت رسالہ میں دیر لگ رہی ہے۔ جن صاحبوں نے پیشگی روپیہ بھیج دیا اون میں بے اطمینانی پیدا ہونے کا احتمال تھا، اس لئے میں آپ سے پیشگی ارسال کا مطالبہ نہیں چاہتا اور اب بھی آپ اجازت دیں تو وہ روپیہ واپس کردوں اور رسالہ بعونہ تعالیٰ جاری ہونے پر آپ کے پاس پہنچ لیگا تو اس وقت آپ خود ہی بھیج دیں گے۔ گوناگوں دشواریوں کے باوجود متوکلاً علی المولیٰ تعالیٰ ارادہ کرلیا ہے کہ جمادی الاولیٰ کی ابتداء میں اہل سنت کی آواز کو جاری کردیا جائے۔ پہلا حصہ چھپ گیا ہے اور دوسرا مطبع کو بھیج دیا گیا۔ سلسلۂ مطبوعات جماعت دور جدید نمبر ۱، ۲، ۳، ۷، ۱۲ جو تیار موجود ہے۔ اون کا ایک ایک نسخہ ذریعۂ پیکٹ بلا قیمت حاضر کررہا ہوں۔ رسید سے اور ان پر اپنی رائے سے بھی اگر مضائقہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ نمبر ۴، ۶، ۱۱ آپ کے پاس ہیں، باقی نمبرا بھی مختلف مطبعوں میں ہیں۔

رویت ہلال کے بارے میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ جو آپ کے کسی رسالہ میں جس کا نام بھی نہیں چھپا ہوا، جس میں علامہ شامی کی اس عبارت کے متعلق تحقیق ہے، کہ ماہ صیام اور عیدین کے علاوہ دوسرے مہینوں کی رویت ہلال میں اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟ میں نے دیکھا تھا۔ اوس کا ایک نسخہ مجھے درکار ہے قیمت اور محصول سے مطلع فرمائیں، تو منی آرڈر سے حاضر کروں اور وہ فتویٰ مجھے بھیج دیا جائے۔ محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۷ / ربیع الآخر شریف ۱۳۶۵ھ دوشنبہ مبارکہ

رویت ہلال کے مسئلے میں اختلاف اور عوامی تنازعات کو دور کرنے کے لئے حضرت ملک العلماء نے "جامع الاقوال فی رویۃ الھلال" (۱۳۵۷ھ) نامی رسالہ تحریر فرمایا۔ جس میں اپنے مربی اور مرشد اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ

کا رسالہ مبارکہ ''طرق اثبات الھلال'' بھی شامل کیا کہ اس موضوع کے سارے پہلوؤں کو محیط ہے۔ ملک العلماء نے یہ رسالہ اور ماہنامہ ''اہل سنت کی آواز'' پہ تبصرہ حضرت تاج العلماء کی خدمت میں ارسال فرمایا جس کے جواب میں ایک گرامی تحریر سپرد قلم ہوئی۔

۷۸۶ ذوالمجد والکرم مولوی محمد ظفر الدین صاحب زاد کرمکم!

وعلیکم السلام!

کل کرم نامہ ملا۔ اوس سے قبل پیکٹ ''جامع الاقوال'' وغیرہ کا بھی ملا تھا۔ آپ کی اس توجہ فرمائی کا شکریہ کہ رسالہ میں اپنے نزدیک جو کوتاہی پائی اوس پر مجھے آگاہ فرمایا۔ وہ نظم جیسا کہ ''اہل سنت کی آواز'' میں مطبوع ہے۔ مجھے مولانا حافظ محبوب علی خاں صاحب قادری رضوی نے عنایت کی تھی۔ مولانا موصوف سلمہم پر بدگمانی کی میرے لئے کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے اعلیٰحضرت کی طرف اوس نظم کا مولانا کا انتساب شائع کیا گیا۔ اب میں اون سے دریافت کر رہا ہوں۔ اون کا جواب ملنے پر ضرورت ہوئی تو آپ کا انتباہ شائع کردوں گا۔ ''ان داتا'' اوس نظم میں نہیں ہے نہ تحفۂ حنفیہ کے ۱۹۲۱ء کے پرچے۔ اور اون میں رسالہ ''قرۃ العین'' ☆ میرے پیش نظر اور غالباً میرے کتب خانہ میں بھی نہیں۔ آپ کے خط میں ۱۹۲۱ء ہے۔ یہ شاید سہو ہو۔ بریلی میں اب وہ کون محقق ہے جس کی طرف میں رجوع کروں اور وہ میری طرف التفات کرے۔

محمد میاں قادری - مارہروی

۴/ رجمادی الاخریٰ ۱۳۶۵ھ سہ شنبہ

حضرت مولانا محبوب علی خاں پیلی بھیتی علیہ الرحمہ نے اعلیٰحضرت کے وصال کے بعد حدائق بخشش کا تیسرا حصہ مرتب کرکے شائع کیا۔ اس میں بعض اشعار کی ترتیب میں حضرت مرتب سے سہو ہوا جس کی وجہ سے معاندین رضا نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ بعد میں حضرت مرتب کی جانب سے کلمۂ اعتذار شائع ہوا۔ اسی کلمہ اعتذار اور انتباہی تحریر کو ''اہلسنت کی آواز'' میں شائع کرنے کی درخواست حضرت ملک العلماء نے پیش کی جس کے جواب میں حضرت تاج العلماء نے مذکورہ بالااحتاط وضاحت فرمائی۔

☆ ''قرۃ العین'' غالباً اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا رسالہ ہے۔ اس کے چند گوشے کی تحقیق کے سلسلے میں حضرت تاج العلماء اور ملک العلماء کے درمیان مراسلت رہی۔ یہ جملہ اسی کی جانب اشارہ ہے۔

حدائق بخشش کی ترتیب کی قضیے کے بارے میں حضرت تاج العلماء کی یہ وضاحتی تحریر بھی ملک العلماء کے نام ایک مکتوب میں ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی! وعلیکم السلام!

نامی نامہ ملا۔ دربارۂ نظم آپ کی تحریر کو میں نے کسی اعتراض پر محمول نہ کیا اور جبھی حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب کو اوس کے بارے میں لکھ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ علی بخش نعت خواں پیلی بھیتی کے پاس سے حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب نے اون کو لیکر بھیجی اور علی بخش صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اون کو لکھ کر دی تھی اور وہ اعلیٰحضرت ہی کی کہہ کے اسے پڑھتے ہیں۔ ''انتباہ'' میرے پاس اس وقت تو نکلا نہیں۔ ملا تو حوالہ دیکھوں گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۳/ رجب ۱۳۶۵ھ

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے رسائل وکتب کی طباعت واشاعت کی جزوی ذمہ داریاں نبھانے کی وجہ سے ملک العلماء کو اس راہ کے تجربات تھے، اس لئے طباعتی راہ کی دشواریوں سے نپٹنے کے لئے ملک العلماء نے حضرت تاج العلماء کی خدمت بابرکت میں چند باتیں پیش کیں، جو ''اہل سنت کی آواز'' کہ اشاعت میں

مفید ہوتی۔ حضرت تاج العلماء نے جواباً یہ مفاوضہ عالیہ تحریر فرمایا:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفرالدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

پس از تسلیم مسنون معروض۔ کرم نامہ کل موصول ہوا۔

آپ کی ہمدردی کا منت پذیر ہوں۔ رسالہ برابر جاری رکھنے کا بعونہ تعالیٰ انتظار کر رہا ہوں اور اوس کی مزید اصلاح و درستی کا بھی۔ اپنا قدیم مطبع صبح صادق سیتاپور سے یہاں منگایا ہے تاکہ خود اپنے مطبع سے کام لوں انشاء المولیٰ تعالیٰ۔ سب کچھ مولیٰ عزوجل کی مشیت و کرم اور اوس کے حبیب اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت و عنایت پر منحصر ہے۔ خود پاشکستہ ہوں اور سرمایہ کی ضرورت۔ اور چندہ مانگنا نہیں آتا اور مانگوں بھی تو جو چیز رسالہ پیش کرتا ہے اوس کے قدردان کتنے ہیں۔

برخوردار حسن میاں سلمہٗ چند روز سے لکھنؤ، سیتاپور مطبع لانے اور دوسری ضروریات کے سلسلے میں گئے ہوئے ہیں وہ چند روز میں انشاء الکریم آتے ہیں تو ''اصح التواریخ'' وسفوف حیات انشاء الکریم ایک ساتھ بھجوادوں گا۔ ویلیوں کا مطالبہ بعض اوقات یہاں وصول نہیں ہوتا، مہینے گذر جاتے ہیں۔ حالانکہ سامان مکتوب الیہ، مرسل الیہ کو مل چکا ہوتا اور وہ رقم ادا کر چکا ہوتا۔ اس وقت ضلع گیا کا ایک ویلیو تین ماہ سے گم ہے۔ مرسل الیہ کو شئی مرسلہ مل گئی اور وہ مطالبہ دے چکا۔ لہٰذا اگر مناسب جانئے، تو دو روپیہ قیمت ''اصح التواریخ'' اور آٹھ آنے قیمت سفوف حیات ۲۰ر تولہ اور ایک روپیہ محصول وغیرہا کے لئے بھیج دیجئے منی آرڈر سے بذریعہ رجسٹری پارسل ارسال کردوں۔ اگر کچھ آنہ اور برآمد ہوں گے تو بعد کو اوس کے ٹکٹ بھیج دیجئے گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۸۔۳۔۶۶ ۱۳ھ

حضرت ملک العلماء ''حیات اعلیٰحضرت'' کی تصنیف کے دوران اعلیٰحضرت کے حیات کے سلسلے میں مواد فراہم کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے بھی مراسلاتی رابطے قائم کئے۔ خانقاہ برکاتیہ کے علمی اور روحانی مرکزیت کی وجہ سے اختلافیات میں بھی یہاں کے بزرگوں سے رائیں لی جاتیں اور تحقیقی گوشے دریافت کئے جاتے۔ حضرت ملک العلماء نے بھی سید مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی جانب منسوب چند تفردات کے بارے میں حقیقی صورت حال حضرت تاج العلماء سے دریافت کی اور گذارشات بھی رہیں۔ حضرت تاج العلماء نے یہ جواب عنایت فرمایا:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفرالدین صاحب قادری دام کرمکم

پس از سلام مسنون نگارش مضمون۔ آپ کا کرم نامہ مورخہ ۱۷ ربیع الآخر شریف کو موصول ہوا۔ ''اصح التواریخ'' برسوں پہلے اسی مطبع کی چھاپی ہوئی ہے جو ایک حد تک میرے ہی ایک متوسل کا تھا۔ مگر اب برسیں گذریں، ختم ہوگیا۔ صبح صادق سیتاپور سے مارہرہ لے جانے کے ارادہ سے میں گذشتہ شب میں کانپور میں آیا ہوں اور یہاں سے چند روز بعد سیتاپور کا قصد انشاء المولیٰ تعالیٰ ہے۔ مگر مطبع وہاں پہنچ بھی جائے تو اوس کے اجراء کے لئے سرمایہ اور کارکن فراہم کار دارد۔ بہرحال! تدبیر کر رہا ہوں۔

حضرت مجدد صاحب سرہندی سے مسئلہ اشارہ بالسبابہ و دخل شیطان در وحی برانبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام و بعض دیگر مسائل میں ائمہ محققین کے مسلک و مذہب کے خلاف تصریحات ہیں اور سرکار قادریت اور خود سرکار نبوت ختم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی مخدوش کلمات وارد ہوئے ہیں جن پر بدایوں سے رد میں تحریرات شائع ہوئی ہیں جو میرے پاس بھی بعض مارہرہ میں موجود ہیں رسالہ تکسیر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ خود اعلیٰحضرت کا تحریر فرمایا ہوا

میرے پاس محفوظ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مارہرہ پہنچ کر اوس کی نقل انتظام کردوں گا۔ مشائخ کرام سلسلہ عالیہ قادریہ جدیدہ کے سوانح مبارکہ میں بعض قلمی تحریرات کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ ''اہلسنت کی آواز'' حصہ دہم طبع کو گیا ہوا ہے۔ کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے عرصۂ دراز پڑا رہا۔ حالات اعلیٰحضرت قدس سرہٗ میں میری جو تحریر آپ کے پاس ہے، ہوسکے، تو نقل یا اصل ہی مجھے مارہرہ بھیج دیں۔ بعد کو واپس کردوں گا۔

محمد میاں قادری

از کانپور ۴/۵/۱۳۶۶ھ

حضرت ملک العلماء نے جب ''حیات اعلیٰحضرت'' (جلد اول) مکمل تصنیف کرلی، تو اس کا اصل مسودہ حضرت تاج العلماء کی خدمت میں ارسال کیا۔ وصولیابی کے بعد حضرت تاج العلماء نے یہ جواب تحریر فرمایا:

۷۸۶ مکرمی محترمی مولوی محمد ظفر الدین قادری رضوی زاد کرمکم!

پس از سلام مسنون، بفضلہ تعالیٰ بخیر ہوں، آپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ بیس روز کے سفر کانپور کے بعد تین چار روز ہوئے مارہرہ پہنچا۔ قلمی سوانح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا پیکٹ رجسٹری شدہ آپ کا فرستادہ موصول ہوا۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ حتی الوسع اسے جلد نقل کرا کر واپس کرتا ہوں۔ رسالہ نمبر ۱۰ ابھی طبع ہوکر آگیا ہے وہ بھی انشاء اللہ عنقریب بھجتا ہوں۔

ایک امر ضروری یہ ہے کہ برخوردار مولوی سید آل رسول مصطفیٰ سلمہ، کا لقب سید میاں ہے۔ مخاطبات و مکاتبات میں اس سے معروف بھی ہیں۔ آپ میرے لئے اپنی بعض تحریرات میں یہی سید میاں لکھ دیتے ہیں۔ اس لئے وہ تحریرات مجھے نہیں ملتیں۔ براہ عنایت یاد کر کے میرا نام سید محمد میاں قادری لکھا کیجئے۔

سید محمد میاں قادری۔۔۔۲۶۔۵۔۱۳۶۶ھ شنبہ

آذان ثانی کے مسئلے پر علمائے بدایوں اور رامپور کے علماء سے علمائے بریلی کی علمی آویزش رہی ہے۔ اس سلسلے میں حق چوں کہ علمائے بریلی کے ساتھ تھا اس لئے مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں نے علمائے بریلی کا ساتھ دیا۔ حضرت تاج العلماء نے اس موقف حق کی تائید میں درج ذیل رسالے تحریر فرمائے:

۱۔ بحث الاذان ۲۔ شافی جواب پر کافی ارادات ۳۔ بدایونی تحریر کے شافی جواب حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ کا رسالۂ مبارکہ ''سد الفرار'' بھی اس موضوع پر لاجواب تصنیف ہے جس میں علم و فن اور جودت طبع کے بھرپور نظارے ملتے ہیں۔ علمائے اہلسنت کہتے ہیں کہ جسے فن مناظرہ سیکھنا ہو وہ ''سد الفرار'' کا مطالعہ کرے۔

حضرت ملک العلماء نے اس رسالے کی نقل ارسال کرنے کی درخواست حضرت تاج العلماء سے کی تو آپ نے یہ مفاوضہ عالیہ ارقام فرمایا:

۷۸۶ ذوالمجد والکرم مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

وعلیکم السلام! مزاج گرامی!

کرم نامہ آپ کا دو تین دن ہوئے، ملا۔ میں نے اوس کو ایک سرسری نظر سے دیکھا اور رکھ دیا۔ اس وقت سے ایسا کہیں مخلوط ہوگیا ہے کہ اب ہر چند تلاش کیا نہیں ملا۔ جو مضمون اوس کا یاد رہا اوس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ رسالہ نمبر ۱۰ عرصۂ کثیر ہوا شائع ہوچکا اور آپ کو بھی ۲۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ ڈاک سے خود اپنے سامنے برخوردار حسن میاں سلمہٗ نے مہر لگوا کر روانہ کردیا۔ عجیب کہ آپ کو نہ پہنچا۔ اب رسالہ نمبر ۱۱ و ۱۲ بھی شدید دشواریوں اور کافی زیر

باریوں کے بعد چھپ کر آ گیا ہے۔ اغلاط طبع ہاتھ سے درست کرا رہا ہوں۔ عنقریب انشاء المولیٰ تعالیٰ بھیجوں گا۔ اور اس بار رسالہ نمبر ۱۰ ابھی مکرر بھیج دوں گا مگر براہ کرم آئندہ اپنے یہاں کے ڈاکیہ کو تاکید کیجئے۔ آئندہ مکرر بھیجنا بہت متعذر رہے۔

اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کے واقعات جو میرے تحریر کردہ آپ نے بھیجے، عرصہ ہوا اون کی نقل کرالی ہے مگر اب شدت گرما سے میں مرمر کر جیا اور اوس پر بھی کام کی بھی کثرت رہی، اس وجہ سے مقابلہ نہیں کر پایا۔ اب انشاء المولیٰ تعالیٰ جلد مقابلہ کر کے وہ بھی ان کے رسائل کے ہمراہ روانہ کروں گا۔ مزید واقعات اعلیٰحضرت قدس سرہ میرے علم و یاد میں کچھ نہ کچھ ہیں مگر میرے لئے اپنی کثرت کار و بیماری اور تنہائی سے اون کو منضبط کر دینا دشوار ہے، کوشش انشاء المولیٰ تعالیٰ کروں گا۔

''سد الفرار'' مل گیا ہے۔ میری رائے ہے کہ آپ نے جو کچھ سوانح شریفہ لکھ لی ہیں، اون کی اشاعت میں اب مزید واقعات کا زیادہ انتظار نہ کیا جائے بلکہ تدبیر اشاعت کی جائے۔ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب دامت برکاتہم کی نسبت ایسا خیال ہے کہ گونڈل تشریف فرما ہوں۔ آپ کے پتہ میں اگر کوئی تبدیلی ہو تو مطلع فرمایئے۔ سید محمد میاں قادری

مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۰ ماہ صیام ۱۳۶۶ھ۔ چہار شنبہ

حضرت ملک العلماء جب سہسرام کی خانقاہ کبیریہ سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ منتقل ہوئے تو وہاں چند مخلصین اہلسنت کے کوئی نہ ملا جو دین وسنیت کی راہ میں آپ کا معاون بنتا۔ ایسے ماحول میں حضرت ملک العلماء نے مولیٰ تعالیٰ کے فضل و کرم، اس کے مکرم رسول کی نگاہ عنایت کے سہارے اپنی حکمت و تدبر اور فراست سے ایسے الجھے ہوئے اجنبی ماحول میں قدم جمائے اور اپنی مخلصانہ کاوشوں سے دین وسنیت کے اثرات عام کئے۔ خاص بات یہ تھی کہ اس ماحول میں آپ اپنے مرشد و مربی اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تعلیم اور ان کی دینی خدمات سے وہاں کے اہل علم کو مانوس کیا اور صاحبان خانقاہ سے متعارف کرایا۔ لیکن اس راہ میں آپ کو مزاحمتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ ملازمت کے آخری دور میں مولوی محمد سہول عثمانی فاضل دیوبند کی سبکدوشی پر پرنسپل کی جگہ خالی ہوئی۔ اب ملک العلماء اس جگہ کے امیدوار تھے۔ ان کا مقابلہ مدرسے کے ایک دوسرے سینئر استاذ سے رہا جو فاضل دیوبند بھی تھے اور جنہیں کانگریس پارٹی کے مشاہیر کا تعاون حاصل تھا۔ اسی زمانے میں حضرت مضطرب رہے ان حالات پر مشتمل کسی خط کے جواب میں حضرت تاج العلماء سید شاہ محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ اپنے تسلی نامے میں ارقام فرماتے ہیں:

۷۸۶ ذوالمجد والکرم مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

بفضلہ تعالیٰ بخیر ہوں اور خواہان خیر و عافیت جناب ہوں۔ کل کرم نامہ موصول ہوا۔ میں نے اپنے اکابر کرام قدست اسرارہم سے آپ کی انجاح مقصد کے لئے بارگاہ رب عزت میں عرض کرنے کو عرض کر دیا ہے اور خود بھی عرض کر رہا ہوں۔ بکرمہ تعالیٰ آپ کا مخالف ناکام اور آپ کامیاب ہوں گے۔ انشاء الکریم عم کوالہ، بعد نماز عشاء اول آخر ۱۱ ر بار درود شریف درمیان میں ۱۱۱ ر بار، طفیل حضرت دستگیر دشمن ہوئے زیر، تا حصول مقصد پڑھے۔

حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب کے یہاں خطوط کے جواب کے سلسلہ میں اور اطلاع احوال کے بارے میں یہی

رو یہ میرے ساتھ بھی ہے جو آپ نے تحریر کیا۔ مولانا خانگی اور بیرونی پریشانیوں میں ہیں اور قیام بھی یکجا نہیں رہتا اور پس غیبت انتظام حفاظت بھی ناقص ہے۔ میرے پاس ایک عرصہ کوئی خط اور میرے خط کا جواب نہیں ملا ہے۔ (فیض آباد کی تاریخی مقدمہ میں) وہابیہ کی نگرانی میں ۱۲ر فروری مقرر ہے۔

''اہلسنت کی آواز'' جلد دوم حصہ پنجم تک شائع ہو چکا اور آپ کو بھی عرصہ ہوا بھیجا جا چکا ہے۔ اوس کے بعد میں گونا گوں سخت تر پریشانیوں اور بیماریوں وغیرہا میں گرفتار رہا اور پھر کاغذ نہیں مل رہا ہے۔ اس لئے اور حصہ شائع نہیں ہوا، اب انتظام کر رہا ہوں اور کچھ کاغذ مل گیا ہے۔ اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز کی سوانح مبارکہ جو آپ نے لکھی اوس کا کیا حال ہے؟ مکمل ہوگئی یا کیا؟

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۰ر ربیع الاول شریف ۱۳۶۸ھ سہ شنبہ

تقسیم ہند کے موضوع پر اہلسنت تین حصوں میں تقسیم تھی۔ اکثریت جذبات کی رو اور مسلم لیگ کی ذہن سازی کے نتیجے میں اس تقسیم کی حامی تھی۔ بعض طبقے اس تقسیم کو استحسان کی نگاہ سے تو نہیں دیکھتے تھے لیکن اکثریت کی شمولیت کی بنا پر سکوت اختیار کئے ہوئے تھے تاکہ خود اپنی صفوں میں انتشار نہ پیدا ہو۔ ایک حصہ ایسا تھا جو مسلم لیگ کی سیاست کو سمجھ رہا تھا اور اس تقسیم کے مضر اثرات اس کی نگاہ بصیرت کے پردے پر آئینہ ہو رہے تھے۔ خانقاہ برکاتیہ اسی آخری نظریے کی حامی و داعی تھی جس کی روحانی رہنما اس وقت حضرت تاج العلماء تھے۔ آپ نے مسلم لیگ اور گاندھی گردی کی فریب کاریوں کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کئی رسائل تحریر فرمائے:

۱۔ انسداد قربانی گاؤ ۲۔ گاندھیوں کا اعمال نامہ ۳۔ رسالہ در مغالطات گاندھویہ ۴۔ مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ۵۔ طرد مغالطۂ لیگ اسی دور کی یادگار تحریریں ہیں۔

مسلم لیگ میں اہلسنت کی اس ناعاقبت اندیشانہ شمولیت کا فائدہ ان کے مذہبی حریفوں نے خوب اٹھایا اور وہ اہلسنت کو جس قدر زک پہنچا سکتے تھے، پہنچائے۔ حضرت ملک العلماء نے ان ابتر حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک خط تحریر کیا جس کے جواب میں حضرت تاج العلماء رقمطراز ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

مع الخیر رہ کر خواہان عافیت ہوں۔ کرم نامہ ملا۔ امید ہے کہ مکرمہ تعالیٰ آپ کا معاملۂ ملازمت آپ کے حسب دل خواہ بخیر وعافیت طے ہو چکا ہوگا۔ مجھے بھی مطلع فرمائیں۔ وہابیہ ہم غربائے اہلسنت کے قدیمی دشمن تو ہیں ہی مگر اس وقت جو موقعہ ان کو ہمارے ساتھ اپنے اس عداوت کی نکالنے کا اور مزید ملا، یہ لیگ اور اوس کے پاکستان کے اودھم کا ردعمل اور خمیازہ ہے جسے آپ کی مرادآبادی سنی کانفرنس میں محض بہ زبردستی شرعی فقہی پاکستان کا لبادہ اوڑھا کر عوام اہلسنت کے سامنے پیش کر کے اون کو لیگ کے جہنم میں جھونکا تھا۔ اور دیکھئے ابھی اور آگے آگے کیا ہوا!!! آپ نے یہ شعر تحریر فرمایا کہ

فکر ما در کار ما آزار ما — کارسازِ ما بہ فکر کار ما

میرے حضرت مرشد برحق والد ماجد قدس سرہ العزیز اس کی آخری مصرعہ کو یوں پڑھا کرتے تھے کہ ''کارساز ما بساز دیا بساز کار ما'' ☆ آپ تو خود عالم وہ فاضل ہیں۔ مجھے بتایئے کیا کارساز حقیقی عم نوالہٗ کے لئے فکر کے اطلاق میں شرعاً کوئی محذور نہیں؟

اوپر کے معروضات سے مقصود آپ پر کوئی طعن بے جا نہیں بلکہ آپ کی خیر خواہی اور اپنی معمولات میں مزید اضافہ کی

طلب گاری ہے۔اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز کی سوانح مبارکہ جہاں تک بھی تحریر فرمالی ہے، اگر مجھ پر طمانیت ہو، تو وہ مجھے رجسٹری کرا کر روانہ فرمادیں اور اجازت دیں، کہ میں اوس کی نقل بھی اپنے لئے حتی الوسع کم ازکم زمانہ میں تیار کرالوں اور پھر آپ کو واپس کروں۔اس کے معائنہ کے بعد میں یہ عرض کرسکوں گا کہ آیا میں اوس کا انتظام طبع اشاعت کرسکتا ہوں یا کیا؟ جواب منتظر رہوں گا۔

محمد میاں قادری

ازمارہرہ ۱۳۶۸/۴/۱۲ھ جمعہ

☆ یہ شعر کسی مشہور فارسی شاعر کا ہے اور بہت متداول ہے۔عام طور پر نقل کیا جاتا ہے۔ملک العلماء نے اپنے کسی خط میں اسے نقل کیا ہے اصل خط سامنے نہیں ہے کہ سیاق وسباق دیکھا جائے۔ع ''کارساز ما بہ فکر کار ما'' میں فکر کا انتساب باری تعالیٰ کی جانب محل غور ہے۔اس لئے کہ فکر میں فکرمند کو تردد ہوتا ہے، الجھن ہوتی ہے اور اپنے کام کے انجام تک پہنچنے کا یقین نہیں ہوتا، جبکہ اللہ تعالیٰ ''فعال لما یرید'' ہے۔اس کے لئے ان عیب دار اوصاف کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔گرچہ یہاں لفظ ''فکر'' کو شاعر نے اس معنیٰ میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا مجازی معنیٰ مراد لیا ہے یعنی جس طرح فکر مند اپنی ضرورتوں کی تکمیل کی جانب ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے، اسی طرح ہمارا کارساز، ہمارا پروردگار ہماری ضرورتوں کا خیال فرماتا ہے اور انہیں منزل مراد تک پہونچادیتا ہے۔لیکن پھر بھی اس میں ناقص تصورات کا وہم ضرور ہے اس لئے ایسے طرز بیان سے بچنا ہی احتیاط ہے۔اسی لئے حضرت تاج العلماء نے یہ اصلاح فرمائی اور تحریر فرمایا کہ اس مصرعے کو یوں پڑھا جائے۔ ع

کارساز ما بساز د کار ما

اس اصلاح میں حضرت تاج العلماء نے جو متواضع اور مثبت تعمیری انداز اختیار فرمایا ہے وہ قابل رشک بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔ باں ہمہ علم وفضل، جاہ وجلال کس خاکساری سے تحریر فرماتے ہیں:

''اوپر کی معروضات سے مقصود آپ پر کوئی طعن ہے نہیں بلکہ آپ کی خیر خواہی اور اپنی معلومات میں مزید اضافہ کی طلب گاری ہے''۔

اگر اصلاح کا یہ تعمیری رنگ آج اپنا لیا جائے تو نہ جانے کتنے بے جا مخصوں سے نجات مل جائے، معاملات بگڑنے سے بچ جائیں اور امت انتشار کا شکار نہ ہوں۔اس طرز اصلاح کا خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل پہ خراش نہیں آتی اور وہ ناقد کو معاند کے بجائے ہمدرد تصور کرتا ہے۔

امام اہلسنّت، مجدد دین وملت، چشم وچراغ خاندان برکات اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ) کے وصال کے بعد سوانحی سطح پر سب سے پہلے ان کے محب خاص فدائے رضا سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمہ نے کام شروع کیا جو تقسیم پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لے گئے۔جب منظور نگاہ اعلیٰحضرت ملک العلماء نے ''حیات اعلیٰحضرت'' پر باضابطہ کام کا آغاز کیا تو حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا سارا جمع کردہ مواد ملک العلماء کے حوالے کردیا۔اس کے بعد ملک العلماء نے اپنے مرکز عقیدت، اعلیٰحضرت پیر خانے مارہرہ مطہرہ اور بریلی شریف کے بزرگوں اور متوسلین سے رابطہ قائم کیا اور کچھ مفید معلومات حاصل کیں۔ملک العلماء نے یہ حاصل شدہ معلومات انہیں حضرات کے حوالے سے اپنی کتاب میں درج کی ہیں: ''حیات اعلیٰحضرت'' کی پہلی جلد مکمل ہونے کی اطلاع جب حضرت تاج العلماء کو ہوئی تو انہیں جو تعلق خاطر اعلیٰحضرت اور ملک العلماء سے تھا، اس کی بناپر اس کے

مطالعے کا شوق ہوا۔ وہ چاہتے تھے، کہ سوانح اعلیٰحضرت کی ایک نقل اپنے لئے اپنے ہاتھ سے تیار کرلیں۔ ملک العلماء کی خواہش تھی، کہ پہلا حصہ ان کی نظر سے گذر جائے تاکہ وہ اگر ممکن ہو تو کچھ افاضات بڑھادیں یا اگر کچھ واقعات کے سلسلے میں مسامحات ہوں تو ان کی نشاندہی کردیں۔ اہم مقصد یہ تھا، کہ کتاب کی طباعت واشاعت میں تعاون کی کوئی شکل پیدا کریں۔ ذیل کے چاروں خطوط انہیں مسائل سے تعلق رکھتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ!

بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں، آپ کے لئے خیروعافیت کا طالب۔ کل آپ کا کرم نامہ ملا۔ میں آپ کے مقصد کے لئے روز دعا کرتا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو ان دیابنہ ملاعنہ کے مقابل فتح ونصرت بخشے آمین!*

مولوی مصطفیٰ رضا خاں صاحب سے ملنے کے لئے آپ کا بریلی آنا نہ معلوم کب ہو** اور پھر یہاں آسکنا معلوم کب۔؟ ادھر میرے حالات بھی اسبابی لحاظ سے روز متغیر ہونے کا احتمال ہے۔ نقل کتابت وغیرہا کی جو سہولت آج ہے معلوم نہیں کہ وہ کل بھی رہے یا کیا ہو؟ لہٰذا اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو آپ سوانح اعلیٰحضرت قدس سرہٗ مجھے بیمہ کراکے بھیج دیجئے۔ مصارف سے مجھے مطلع کیجئے تو میں دیدوں گا اور یہ اجازت دیجئے کہ اوس کی نقل میں اپنے لئے کرلوں۔*** معائنہ اور نقل کے بعد مطلع کرسکوں گا کہ میں اس کی طبع واشاعت میں کیا مدد کرسکتا ہوں۔ × رہا بنظر اصلاح دیکھنا سو من آنم کہ من دانم۔ بہرحال وہ زیر نظر تو آئیگی ہی۔ اگر کوئی محل تامل ہوا تو آپ سے اس سے حل کرلوں گا۔ محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۰/۴/۶۸ ۱۳ھ۔ شنبہ

*مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کی پرنسپل شپ پر تقرری کا ذکر ہے۔

**حیات اعلیٰحضرت کی اشاعت کے سلسلے میں اور حضرت مفتی اعظم سے مشورہ ومعاونت کے لئے ملک العلماء بریلی شریف اور پھر مارہرہ مطہرہ تشریف لانا چاہتے تھے۔

***زیراکس یعنی عکسی نقل کی اس وقت ابتداء نہیں ہوئی تھی ورنہ حضرت تاج العلماء کو حیات اعلیٰحضرت خود نقل کرنے کی زحمت برداشت نہیں کرنی پڑتی۔

+تقسیم ہند کے بعد زمینداریاں ختم ہوگئی تھیں زمیندار، رؤساء اور خانقاہوں کے متولی حضرات اس زمانے میں نامساعد حالات کے شکار تھے۔

---

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

پس از تسلیم مسنون مدعا نگار۔ آپ کے دو کرم نامے کارڈ یکے بعد دیگرے موصول ہوئے میں نے کتاب کے وصول پر جواب کو ملتوی رکھا۔ آج دوشنبہ مبارکہ پانچ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ کو بیمہ شدہ پارسل سے حیات اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا اصل مسودہ موصول ہوا اور میں نے ایک بالکل سرسری نظر میں اسے دیکھا بھی۔ انشاء المولیٰ شروع تو آج ہی سے کئے دیتا ہوں اور مطالعۂ کامل کے بعد یہ بھی اپنے ذرائع اور وسائل کے لحاظ سے طے کروں گا اور آپ سے بھی عرض کروں گا کہ میں اس کی اشاعت میں کیا اعانت کرسکتا ہوں۔ فی الحال ایک کارڈ بطور رسید روانہ ہے۔

آپ کے پرنسپلی کے عہدے پر مستقل ہوجانے کے لئے برابر دعا کررہا ہوں* کہ مولیٰ تعالیٰ وہابیہ ملاعنہ کو ان کی اس ناپاک مقصد میں ناکام کرے اور آپ کو آپ کی مبارک مقصد حمایت اسلام وسنیت میں کامیاب۔ آمین بجاہ الحبیب

الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ آلہ و اصحابہ

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲/رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ دوشنبہ

* ملک العلماء کو تاج العلماء کی دعاؤں کی برکت سے پرنسپل شپ کا چارج مل گیا تھا اور انہوں نے اس عہدے پر کام کرنا شروع کردیا تھا۔

---

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین احمد صاحب قادری رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

آپ کے لئے دعائے خیر وعافیت دارین کرتا ہوں اور آپ کے معاندین وہابیہ وغیرہم اعدائے دین کے دفع ہونے اور ان کے مقابل آپ کے کامیاب وبامراد ہونے کی برابر دعائے کررہا ہوں۔

کرم نامہ آپ کا ملا۔ ''حیات اعلیٰحضرت'' قدس سرہٗ میں نے بہت سے مواقع سے دیکھی اور میرے پاس نقل کا انتظام بہت قلیل ہے۔اپنی دھانس اور کھانسی کی وجہ سے اور دوسری ناگزیر مصروفیتوں ومجبوریوں کے باعث میں خود تو نقل نہ کرپایا۔مولانا محمد خلیل خاں صاحب قادری برکاتی دام کرمہم نے اپنی محبت دینی کی بنا پر نقل کی خدمت اس حد تک اپنے ذمہ لے لی ہے کہ روزانہ دوپہر کو وہ میرے یہاں آکر ایک گھنٹہ نقل فرماتے ہیں۔میں اون کی قیام گاہ پر بنظر احتیاط اسے لے جانے نہیں دیتا اب تک اصل کتاب کے تقریباً نوے صفحات نقل ہوچکے ہیں اور وہ روزانہ نقل کرتے ہیں۔نقل کے اس انتظام کے علاوہ سردست مجھے دوسرا میسر نہیں آپ کو اگر اوس کی واپسی جلد درکار ہے تو جب بھی تحریر فرمائیں خواہ نقل تمام ہوئی ہو یا نہ، میں واپس حاضر کردوں گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۳/رجب ۱۳۶۸ھ جمعہ

---

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

میں طویل سفر کے بعد چند روز ہوئے واپس مارہرہ پہنچا تو آپ کا کرم نامہ ملا۔ ''حیات اعلیٰحضرت'' میری نظر سے تو گذر جانا تو خیر! مگر اس کی کوشش ضرور فرمائی ہے، کہ مولانا حشمت علی صاحب اوسے بالاستیعاب دیکھ کر اپنی رائے سے آپ کو مطلع فرمادیں، تاکہ آپ اوس کا واجبی لحاظ رکھ سکیں۔☆ براہ کرم مجھے اوس کی فہرست مضامین والے ورق کی نقل ضرور جلد ارسال فرمادیں، ذاتی ضرورت ہے۔آپ کے لئے برابر روزانہ دعائے خیر کرتا ہوں۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۳۶۸/۹/۲۴ھ جمعرات

☆ حیات اعلیٰحضرت کا مسودہ واپس کردیا گیا۔معلوم نہیں نقل مکمل ہوئی یا نہیں۔کثرت کار اور مشغولیات کے سبب تاج العلماء اپنے افادات نہ بھیج سکے۔اسی طرح حضرت مولانا حشمت علی قادری رضوی علیہ الرحمہ اپنے اسفار، مشغولیات اور علالت کے باعث ان امور کی طرف متوجہ نہ کرسکے۔

حضرت ملک العلماء نے ''حیات اعلیٰحضرت'' کے سلسلے میں شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی قادری برکاتی علیہ الرحمہ سے بھی رابطہ کرنا چاہا۔حضرت تاج العلماء قدس سرہٗ نے اس کی تائید فرمائی۔حضرت تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

وعلیکم السلام!

آپ کا کرم نامہ لفافہ معہ فہرست کتاب ''حیات اعلیٰحضرت'' قدس سرہ' موصول ہوا۔ آپ کی کرم فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے اعداء دیوبندیوں اور ندویوں وغیرہم بے دینوں کو خائب و خاسر کرے اور آپ کو اون کے مقابل کامیاب۔ برابر آپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں، مولیٰ تعالیٰ۔ آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلی آلہ واصحابہ۔

میں حال کے سفر کے دوران میں ٹوٹی پھوٹی دینی خدمات جو بن پڑے کرتا رہا۔ وہ اول تو اس قابل ہی کہاں ہیں کہ نمایاں کی جائیں۔ پھر بھی اس لئے کہ ان کے ذیل میں کچھ احکام ونصائح دینیہ کا بیان ہو جاتا ہے۔ جن سے اہل سنت کے لئے بعونہ تعالیٰ نفع ہے۔ ''اہلسنت کی آواز'' میں خانقاہ برکاتیہ کے کوائف کے عنوان کے ماتحت اس قسم کے عمور کا تذکرہ آتا رہتا ہے۔ اب بھی انشاء المولیٰ تعالیٰ اپنے سلسلہ میں آجائے گا۔

حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب دامت برکاتہم کا قیام چونکہ ایک جگہ نہیں رہتا اور پس غیبت اون کے یہاں خطوط کی حفاظت اور جواب کا نظام بھی قائم رکھنے والا کوئی نہیں ہے اور ڈاکخانہ کی مہربانیاں علاوہ۔ اس لئے آپ کے یہاں کے خطوط کا جواب نہ ملا ہوگا۔ *

مجھے جو آپ نے دریافت احوال کے لئے تحریر کیا تھا اوس کا جواب جو اس وقت میرے علم کے مطابق تھا میں نے دے دیا تھا اور آپ کو مل بھی گیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ نے مارہرہ کی نسبت بھی یہ لکھا ہے کہ کہیں سے کچھ جواب نہ آیا۔ آپ کو مولانا سے استزاج اور رضامندی حاصل کرنے کے بعد لوگوں سے اون کو دعوت نامہ بھیجوانا چاہئے تھا تو سبکی نہ ہوتی۔ ** ''حیات اعلیٰحضرت'' کے بارے میں، میں اب بھی اس پر قائم ہوں کہ اشاعت سے پہلے اس کا ان کی نظر سے گزر جانا ضروری ہے۔ مجھے جب اون کا قیام کہیں کا معلوم ہوگا تو آپ کو انشاء المولیٰ تعالیٰ لکھوں گا اور میرے نزدیک تو آپ بغیر انتظار اس بارے میں مولانا کے نام خط معارفت مولانا وجیہ الدین صاحب رضوی سجادہ نشین آستانہ ضیائیہ محلہ بہشتیاں، پیلی بھیت، بھیجے تو انشاء المولیٰ تعالیٰ جواب مل جائے گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۳/۱۰/۱۳۶۸ھ سہ شنبہ

*ان کا ایک خط بھی ملک العلماء کے ذخیرۂ خطوط میں موجود نہیں۔

*سیرت کے کسی جلسے یار جی شریف میں شرکت کے سلسلے میں مولانا محترم کو دعوت نامے بھیجوائے گئے تھے۔

حضرت ملک العلماء کو تحریری کاموں سے خاصا شغف تھا۔ ذاتی سطح پر بھی اور ملی سطح پر بھی۔ اس لئے اگر کہیں اس کی صورت ہوتی تو فوری طور سے اس میں درمے قدمے، سخنے حصہ لینے کو کوشش کرتے۔ پاکستان کے بعد ملت اسلامیہ خصوصاً اہلسنت کو جن ناگفتہ بہ حالات کا سامنا کرنا پڑا اس سے ہر ذی علم واقف ہے۔ ان حالات میں غیروں نے اپنی دکان خوب چمکائی اور کانگریس کے سایۂ عاطفت میں بڑے خوشگوار مزے لوٹے لیکن اہل سنت کی کس مپرسی کا عالم مت پوچھئے اس عالم میں کسی خالص علمی اور دینی رسالے کا اجزا بڑے حوصلے کے بات تھی۔ خانقاہ برکاتیہ کے اراکین نے بہت حوصلہ مندی کے ساتھ دینی اور علم قدریں زندہ رکھیں اور بڑے صبر آزما حالات میں امیدوں کے چراغ روشن کئے جبکہ اس راہ میں مالی، علمی اور طباعتی ہر قسم کی

دشواریاں حائل تھیں۔

''اہلسنت کی آواز'' کے اجرا کے بعد حضرت ملک العلماء مسلسل اس رسالے کی اشاعت کے مشتاق رہتے اور اس کی خاطر ہر قسم کی علمی اور عملی خدمت کے لئے آمادہ۔ اس سلسلے میں تاج العلماء اور سید العلماء دونوں حضرات سے برابر مراسلت رہتی۔ چونکہ تاج العلماء کے آئندہ خط کا جزوی تعلق حضرت سید العلماء کے مکتوب سے ہے اس لئے میں حضرت سید العلماء علامہ مفتی حکیم سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی قدس سرہٗ کے چند خطوط حاضر کرتا ہوں۔

ملک العلماء علم ہیئت و توقیت میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کا یہ دینی اور علمی احسان تادیر یاد رکھا جائے گا کہ آپ نے متحدہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں کے اوقات صوم وصلوٰۃ استخراج کئے اور اس طرح اہل ایمان کے بنیادی فرائض میں فساد وقت کے راہ پانے کے امکانات روک دیئے۔ اس فن میں یہ یکتائی اور مہارت کی وجہ سے متحدہ ہندوپاک کے بیشتر ذی علم حضرت سے آپ کے رابطے رہتے۔

حضرت سید میاں اہل سنت کی آواز اور توقیت کے تعلق سے ایک وضاحتی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

جامع مسجد کھڑک ۴۴، بمبئی ۹

۹۲/۸۶ ۷ سلخ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۹ھ پنجشنبہ

ملک العلماء حضرت مولانا فاضل بہاری ادام برکاتکم اللہ الباری!

وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

فقیر باذنہ القدیر یکشنبہ ۱۰ ارتمبر کو بمبئی واپس ہوا۔ دوشنبہ مبارکہ کو آپ کا گرامی نام...... سہ شنبہ کو فرستادہ پیکٹ مؤذن الاوقات موصول ہوئے۔ کرم فرمائی کے لئے ہدیۂ امتنان پیش ہے۔

رسالۂ مبارکہ ''اہلسنت کی آواز'' کی مزید اشاعت میں تعویق کے وجوہ جہاں تک فقیر کے علم میں ہیں حضرت خالی المکرّم تاج العلماء مولانا سید شاہ محمد میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم اور برادر بجاں برابر مولوی حافظ سید شاہ حسن میاں سلمہٗ ربہٗ کی مسلسل علالت، اٹھے کام کرنے والوں کا فقدان، سب سے بڑھ کر ماضی قریب میں ہمارے قرب وجوار کے نادان اور ناعاقبت اندیش مسلمانوں کی خواہ مخواہ کی بھگدڑ جس کی وجہ سے علیگڑھ کے اوس پریس کا بالکل ناکارہ ہو جانا جہاں رسالہ مبارکہ طبع ہوتا تھا، نئی پریس کی درخواست کی منظوری میں کارکنان متعلقہ کی لاپرواہیوں کی بنا پر تعویق وغیرہ ہی ہیں۔ دعا فرمائیے کہ مولیٰ عزوجل جلد از جلد ایسے اسباب مہیہ فرمادے کہ رسالہ مبارکہ بغیر مزید تعویق کے اپنے ناظرین کے انظار آگیں آنکھوں کا سرمہ بن سکے۔

بمبئی کی تقویم کے متعلق جو تحریر فرمایا اوس سے فقیر کو کمال مسرت ہوئی۔ ایک ذرا سی تکلیف اور دوں گا اور وہ یہ کہ فقیر اس تقویم کی تیاری اور طبع کا انتظام خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ محض عامہ مسلمین کے رفاہ عام کے لئے کررہا ہے۔ اس کے لئے فقیر نے جو سرمایہ تجویز کیا ہے وہ بھی اموال موقوفہ میں سے ایک بہت محدود حصہ ہے پھر طباعت اور کاغذ کی گرانی وغیرہ اخراجات کا بار بھی فقیر کے ہی ذمہ ہے۔ اس لئے اگر بلاتکلف مزید عنایت فرماتے ہوئے اور خالص خدمت دینی کا خیال کرتے ہوئے مدد میں ممکن کی فرمادی جائے تو فقیر کے لئے سہولت اور ایک امر دینی میں آپ کی یہ اعانت آپ کی طرف سے صدقۂ جاریہ کا کام دے گی۔ ☆ ان دنوں فقیر کے پاؤں میں ایک پھنسی نکل آئی تھی۔ یہاں پہنچ کر بہت زیادہ تکلیف دہ بن گئی، نماز کے لئے فقیر کو دوسرے صاحب کو نیابت دینی پڑی۔ اب اگرچہ جراحت خشک ہو چکی ہے پھر بھی کچھ باقی ہے امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ دو تین دن میں مکمل طور پر ٹھیک ہو جائے گی۔ فقیر نے معلوم کیا ''ٹھکر اینڈ کو'' یہاں سے فقیر خود جا کر مطلوبہ رسالہ

لائے گا اور جب تک دعانامی کا جواب بھی آنجناب کی طرف سے باصواب آجائے گا تب انشاء اللہ تعالیٰ رسالہ اور نقشہ طلوع وغروب بمبئی مع ہدیۂ مطلوبہ حاضر خدمت کر کے منتظر رہے گا کہ جلد از جلد تقویم مطلوب تیار ہو جائے۔امید ہے کہ جواب جلد عنایت فرمائیں گے اور مالی منافعت پر خدمت دینی کو ترجیح دیں گے۔

والسلام مع الاکرام۔

نوٹ: فقیر آپ کے اوقات کی گرانقدری سے واقف ہوتے ہوئے اپنی اوس نسبت برکاتیت کے بھروسے پر جو بفضلہ تعالیٰ فیمابین حاصل ہے۔آپ کی طرف سے اپنے لئے خصوصی مراعات کا طالب ہے۔

دعا گو

فقیر آل مصطفیٰ قادری برکاتی

خطیب جامع مسجد کھڑک ۴۴، بمبئی ۹

☆صدقہ جاریہ کے لئے ملک العلماء نے بیسیوں بلاد ومقامات کے اوقات صوم وصلوٰۃ مرتب کر دیئے تھے۔ وہ مدرسے سے کسی مستعد طالب علم کو بلالیتے اس سے مؤذن الاوقات کی نقلیں تیار کراتے، ہندسوں سے اغلاط کے باعث بار بار ورقے بدلنے ہوتے، ان کی اجرت کاغذ اور محصول وغیرہ میں پچیس تیس روپے تک خرش ہو جاتے تھے۔

۱۳۷۰ھ کے ایک مکتوب میں بھی حضرت سید میاں قدس سرہٗ کا علم توقیت کے تعلق سے مفصل استفسار ملتا ہے۔حضرت سید العلماء تحریر فرماتے ہیں:

مسجد کھڑک ۴۴، بمبئی ۹

۷۸۶/۹۲ مولانا المکرم زید مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی!

شرمندہ ہوں کہ ایک عرصہ کے بعد دعانامہ حاضر کر رہا ہوں۔مبلغ ۳۰ر کا حقیر ہدیہ حاضر خدمت ہے اور آج ہی بک پوسٹ سے سروے آف انڈیا کا صوبہ بمبئی کا کیٹلاگ بھی ارسال خدمت کیا ہے۔رمضان المبارک قریب ہیں۔چاہتا ہوں کہ پہلے کم از کم صرف رمضان المبارک کے لئے اوقات صوم وصلوٰۃ طبع کرادوں پھر بمبئی کا مکمل مؤذن الاوقات انشاء تعالیٰ طبع کراؤں۔

۱۹۵۱ء نقشہ طلوع وغرب بمبئی کی رصدگاہ سے حاصل کر کے ہمراہ خط ہے۔میرے تجربے میں تو یہ نقشہ صحیح ہے مگر جناب والا بھی اس کو اپنے قواعد سے جانچ لیں۔بمبئی کو مرکز مان کر ایسا نقشہ ہو کہ بحساب شمسی دائمی طور پر کام آئے۔طلوع فجر ،طلوع آفتاب،ضحوۂ کبریٰ ،نصف النہار حقیقی،عصر حنفی،غروب آفتاب، (مغرب وافطار) عشاء حنفی،مرکزی ممبئی کے کہنے کے بعد یہ ظاہر فرمادیا جائے کہ دیگر مقامات میں وقت ممبئی سے اتنے منٹ کم یا زیادہ کئے جائیں نیز سحر کے متعلق احتیاطی ہدایا تا اور اسی طرح اِتار کے لئے (صرف اوقات کی حد تک) نیز یہ بھی ارشاد فرمایا جائے، کہ نصف النہار حقیقی کے اور ابتدائے ظہر میں کتنا فرق ہے ۔یعنی مثلاً نصف النہار حقیقی ۲۰۔۱۲ پر ہو، تو کیا ۲۱۔بارہ سے نماز ظہر کا وقت شروع ہو جائے گا۔جس طرح عرض البلد ۲۸ر میں فجر ومغرب ایک گھنٹہ ۱۸ منٹ سے ۳۵ منٹ کے درمیان گھٹتی بڑھتی ہے، ممبئی کے عرض البلد میں اس کا حساب کیا ہوگا؟ اسی طرح عصر میں مختلف اوا قات میں جو گھٹا ؤ بڑھاؤ بریلی شریف میں ہوتا ہے ممبئی میں کس طرح ہوگا؟ ممبئی میں قبلہ خط مغرب سے کس طرف منحنی ہے؟

ایک صاحب نے چند مقامات کے طول البلد نکالے ہیں حاضر کرتا ہوں۔گو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو ان کی ضرورت نہیں۔بحر حال یہ دعا گو یہ چاہتا ہیکہ جیسا مؤذن الاوقات آپ نے یوپی اور

بہار کا تحریر فرمایا ہے ویسا ہی ہو تو زہے کرم۔آپ کو تکلیف تو بہت دے رہا ہوں مگر تعلق برکاتیت نے جرأت لائی ہے۔ہدیہ کی حقیر رقم کا خیال نہ فرمائیں۔

ایک صاحب ہاشم عبدالکریم صاحب جو سیٹھ صاحب کے لقب سے آپ کی طرف مشہور تھے، سلام مسنون کہتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ کسی موذن الاوقات میں جناب نے کوئی قائدہ قمری تاریخ کے اخذ کا چھاپا ہے، اگر مزید تکلیف نہ ہو، تو وہ تحریر فرمایا جائے۔اس میں شک نہیں، کہ میں نے بہت تنگ وقت یاددہانی کی ہے، پھر بھی آپ کے مکارم قدیمہ سے امید ہے، کہ نقشہ ایسے وقت بھیج دینگے اوس کو طبع کرا کے کم از کم رمضان المبارک میں تقسیم کر سکیں۔نقشے رجسٹرڈ پارسل سے مع کیٹلاگ اور نقشۂ طلوع وغروب واپس فرمائے جائیں۔حضرت خال محترم تاج العلماء مدظلہم الاقدس تقریباً ڈیڑھ ماہ سے انہیں اطراف میں تشریف فرماہیں انشاءاللہ تعالیٰ شنبہ کو خانقاہ شریف واپس ہورہے ہیں۔

ملاحظہ: فقیر کو جواب دیتے وقت اگر یہ عریضہ پیش نظر رہے تو انسب۔والسلام مع الاکرام۔

فقیر مارہرہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی نوری

خطیب جامع مسجد کھڑک ۴۴ رڈون تاڑ اسٹریٹ ممبئی ۹ شب پنجشنبہ

۵ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ

حضرت سید العلماء کی فرمائش پر حضرت ملک العلماء بمبئی کا موذن الاوقات بھی مرتب فرمایا اور پھر اسے حضرت سید العلماء کی خدمت میں بمبئی روانہ کیا۔ان چیزوں کی اصول یابی کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت سید العلماء تحریر فرماتے ہیں:

کھڑک ۴۴ بمبئی ۹

۷۸۶ ذوالمجد والکرم مولانا المحترم زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ! مزاج گرامی

قبل ازیں آنجناب کا فرستادہ پیکٹ نظام الاوقات بمبئی محفوظ حالت میں اور پھر ایک کاڈ ہم دست ہوا آپ کی تکلیف فرمائی اور کرم نمائی کا شکریہ۔فجزاک المولیٰ تعالیٰ خیر الجزاء۔

اس دوران فقیر حد درجہ مصروف رہا پھر محرم شریف شروع ہوگئے اور فقیر کی مصروفیت مزید بڑھ گئی خبثاً دیابنہ کا یہاں بہت زور ہے اور اہلسنت کی کوئی تنظیم نہیں فانا للمولیٰ تعالیٰ وانا الیہ راجعون وحسبنا ربنا المولیٰ تعالیٰ ونعم الوکیل۔یہی وجوہ تاخیر جواب کے ہوئے رسالہ 'موذن الاوقات' کی طبع واشاعت کا سامان کررہا ہوں۔مولیٰ عزوجل جلد از جلد پورا فرمائے۔آمین!

رویت ہلال والافتویٰ میں نے کارڈ پر خانقاہ عمادی روانہ کردیا تھا اور حضرت خال محترم مدظلہم الاقدس سے دریافت پر بھی معلوم ہوا کہ اونہوں نےبھی وہیں روعانہ فرمادیا اور اب غالباً رسالہ ''اہلسنت کی آواز'' میں مطبوع بھی پہونچا ہو۔

قمری تاریخیں معلوم کرنا کوئی قاعدہ شاید آپ نے کسی موذالاقات میں عرصہ ہوا طبع فرمایا تھا۔تکلیف نہ ہو تو نقل فرما کر روانہ فرمادیجئے۔والسلام مع الاکرام۔

فقیر قادری آل مصطفیٰ نوری

حضرت سید العلماء کے پہلے مکتوب میں آپ کی علالت کی اطلاع تھی جو حضرت ملک العلماء کے لئے باعث تشویش ثابت ہوئی۔آپ نے فوراً سید العلماء کی خدمت بابرکت میں اعادت نامہ ارسال فرمایا۔حضرت سید العلماء جوابی مکتوب میں رقمطراز ہیں:

مسجد کھڑک ۴۴

۷۸۶/۹۲

ملک العلماء حضرت مولانا المحترم زید مجدہم السامی

عید مبارک

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

آج بعد انتظار گرامی نامۂ جناب کاشف جواب ہوا۔ آپ کی کرم فرمائی کے لئے ہدیۂ امتنان ہے۔

فقیر کے پاؤں کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا [جس کے باعث چلنا پھرا ممنوع ہے، گوزخم بفضلہٖ تعالیٰ مائل بہ اندمال ضرور ہے۔ مولیٰ عزوجل سے جناب والا بھی دعا فرمادیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فقیر خود بعد اندمال جراحت انڈکس مطلوب اور ہدیہ نذر فقیر جلد از جلد حاضر خدمت کریگا۔

فقیر کے اوپر کرم فرمانے والے ایک صاحب ہیں جو پٹنے میں بھی کافی رہ چکے ہیں نام تو ہاشم عبد الکریم ہے مگر آپ کے اطراف میں سیٹھ صاحب کے نام سے مشہور رہ چکے ہیں۔ یہ صاحب اکثر فقیر کے ساتھ ہم جلیس رہتے ہیں۔ جناب والا کے تذکرے پر معلوم ہوا [کہ آپ سے بھی نیاز حاصل ہے۔ لہٰذا بتاکید اپنا سلام مسنون آپ کو تحریر فرمانے کے لئے فرمائش کر گئے ہیں۔ اون کا سلام مسنون قبول فرمایئے۔ والسلام مع الاکرام

فقیر قادری آل مصطفیٰ قادری

۱۲ ذی الحجہ ۶۹ ۱۳ھ دوشنبہ مبارکہ

حضرت تاج العلماء قدس سرہ کا حضرت ملک العلماء کا خط وکتابت جاری رہا اوران کے فیوض وبرکات بھی۔ کبھی کبھی غنا کے لئے اپنے خاص خاندانی اوراد بھی عنایت کئے، تسلی بھی دی اور سید میاں کی صحت یابی کی اطلاع بھی۔

حضرت تاج العلماء تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ اَنْوَاعِ الرِّزْقِ وَالْفُتُوحَاتِ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ یَابَاسِطُ الَّذِیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اُبْسُطْ عَلَیَّ رِزْقًا وَاسِعًا مُتَّسِعًا بِلَا مِحْنَةٍ وَبِغَیْرِ مِنَّةِ خَلْقٍ بِحَقِّ یَابَاسِطُ"

اس ورد کو دن رات میں کوئی وقت مناسب یکسوئی کا مقرر کر کے روزانہ اسی طرح پڑھے، کہ سات بار پڑھ کر پشت، سات بار داہنے، سات بار بائیں، سات بار آسمان کی طرف اور سات بار خود اپنے اوپر اور سات بار زمین کی طرف دم کرے۔

(۲) باوضو قبلہ رو اس طرح بیٹھے، کہ داہنا پاؤں سیدھا کھڑا کر کے گھٹنے پر ٹھوڑی کو جمالے اور بایاں پاؤں بچھا رکھے اور پھر سو بار یہ درود پڑھے "سَھِّلْ بِفَضْلِکَ یَا عَزِیْزُ" اور اول آخر کم از کم ایک ایک بار درود شریف پڑھے اور پھر اپنے مقصد کے لئے دعا مانگے۔ بعد مغرب یا بعد عشاء یہ ورد جاری رکھے۔

(۳) صبح وشام ایک ایک سو بار اور ہر نماز پنجگانہ کے بعد ۱۱/۱۱ بار سب میں اول وآخر ایک ایک بار درود شریف۔ اس ورد پر مداومت کرے۔:

"اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ"

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں۔ آپ کے لئے طالب خیر ۲۸ ربیع الاول شریف کا لکھا کرم نامہ اول اور کل تین روپے کا منی آرڈر موصول ہوا۔ میں اپنی دوسری کثیر مصروفیتوں اور بیماری وکمزوری وغیرہا کے علاوہ آج کل ایک خاص شدید پریشانی قانون خاتمۂ زمینداری کی شورش کی جس کی زد میری ظاہری ساری معاش پر خدا

نخواستہ ہے، بقدر استطاعت مدافعت میں مشغول رہا اور ہوں، اس لئے جواب میں دیر لگی۔

آپ کے لئے دعائے خیر بھی کرتا ہوں اور وسعت رزق کے تین اوراد جو مجربات خاندانی میں ہیں اور خود میں نے بھی ان پر عمل کیا اور بکرمہ تعالیٰ بہت کامیاب ہے۔ تحریر ہیں۔ یہ کثیر المنفعت قلیل المشقت ہیں۔ تینوں پر ایک ساتھ یا فرصت نہ ہو تو کسی ایک یا دو پر عمل درآمد کیجئے انشاء المولیٰ تعالیٰ وسعت رزق اور دوسرے سب مقاصد جائزہ حاصل اور آفات و مصائب دور ہوں گے۔

آل مصطفیٰ سلمہم بمبئی ہی میں ہیں اور اب بفضلہ تعالیٰ ان کا پاؤں ٹھیک ہے۔ ان کا پتہ یہ ہے:

سید آل مصطفیٰ قادری۔ خطیب مسجد ۴۴ کھڑک بمبئی ۹

مارہرہ کے اوقات صوم وصلوٰۃ کا نقشہ جی چاہے تو روانہ فرمادیجئے مگر ''اہلسنت کی آواز'' جلد دوم کا بارہواں حصہ تو عرصہ کا چھپنے گیا ہوا ہے اور اب ۲۲ر جنوری کو اوس کے طیار ہو کر مل جانے کا وعدہ ہے۔ رہی جلد سوم تو میں نے بہت زیر باریوں اور شدید محنت سے دو جلدیں جیسے بنیں شائع کیں۔ اپنے بننے والوں میں بہت سے وہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ معاونت ہی نہیں کی بلکہ خود غرضیوں اور نفسانیت پر مبنی مزاحمتیں کیں۔ اپنا ارادہ تو یہی ہے کہ جہاں تک ہو رسالہ جاری رکھا جائے۔ لیکن عام اسباب میں اسباب بھی درکار ہیں۔ اس وقت جزماً نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ اشاعت ہو اور کب ہوں۔؟ جو ہمدردی آپ نے فرمائی اتنے دوسرے بھی ہمدرد ہوتے، تو سہارہ ملتا۔ آپ کی کرم فرمائیکہ پہلے ہی جلد سوم کے لئے عطیہ بھیج دیا۔ آپ دعا کیجئے کہ آئندہ بھی اشاعت بخیر وخوبی جاری رہے اور سروسامان میسر ہوجائے تو نقشہ اوس میں ورنہ ماہ صیام سے قبل الگ ہی بقدر ضرورت چھاپ کر شائع کرنے کی کوشش کروں گا آپ کے روپے بطور امانت جمع ہیں۔ خدانخواستہ رسالہ نہ شائع ہوسکا تو امید منقطع ہونے پر واپس کروں گا۔

''حیات اعلیٰحضرت'' قدس سرہٗ کا کیا ہوا۔ اس سے اور اپنے پتہ سے مطلع فرمائیے۔ اگر اوس کی اشاعت نہ ہو تو کیا میرے لئے نقل کا انتظام ہوسکتا ہے؟

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۱؍۴؍۱۳۷۰ھ شنبہ

حضرت ملک العلما نے اپنا رسالہ ''جامع الاقوال فی رویۃ الہلال'' (۱۳۵۷ھ) حضرت تاج العلما کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی تحریر کیا جس میں ''حیات اعلیٰحضرت'' کی طباعت کے سامان بہم کرنے کی درخواست تھی۔ جوابی مکتوب میں حضرت تاج العلما تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

وعلیکم السلام!

بفضلہ تعالیٰ آپ کے لئے عافیت دارین کی دعائیں کرتا بخیر ہوں۔ آپ کا فرستادہ رسالہ ''جامع الاقوال فی رویۃ الہلال'' اور پھر آپ کا کرم نامہ کارڈ موصول ہوئے۔ برخوردار حسن میاں سلمہم بریلی اور سیتاپور وغیرہ گئے ہوئے تھے۔ آج مع الخیر بفضلہ تعالیٰ واپس آئے تو یہ خط حاضر کر رہا ہوں۔ آپ کی اس توجہ فرمائی کا منت پذیر ہوں۔ حیات اعلیٰحضرت قدس سرہ کے سلسلے میں۔۔۔۔کی بے توجہی تحریر فرمائی وہ نہایت عجیب ہے۔ اور عام اہلسنت کی تو اس قسم کی خدمات میں جتنی دلچسپی ہے وہ ان کی عادت ہوچکی ہے۔ میں اس کے سوا کیا عرض کروں کہ مولیٰ تعالیٰ اسے بصحت وخیر وخوبی

جلد شائع کرادے آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ۔ مستقبل قریب میں اشاعت کی امید ہو ہو المراد ورنہ کم از کم مکاتیب مقدسہ کی نقل ہی جو آپ کے نام ہیں کرادی جائے تو عین عنایت ہوگی۔ حسن میاں سلمہم کی طرف سے بھی سلام مسنون۔

محمد میاں قادری

از: مارہرہ، سہ شنبہ، ۱۸/۱۸/۱/۱۳۷۱ھ

عید الفطر کے موقع سے چاند کے سلسلے میں عوامی بے اعتدالی عرصۂ دراز سے عام ہیں۔ نادان اور کم علم صاحبان حکم شرع کے خلاف ریڈیو کی خبر پر عید منانے کے لئے بے جا مصر رہتے ہی۔ امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی کیلئے ملک العلما نے اعلیٰحضرت قدس سرہ کے فتاویٰ کی روشنی میں ایک قیمتی رسالہ ترتیب دیا جو چپاعت کے بعد مفت تقسیم کیا گیا۔ اس رسالہ کا نام ہی تھا ''عید کا چاند'' یہ رسالہ جب حضرت تاج العلما کی خدمت میں پہونچا، تو حضرت نے یہ مفاوضہ کریمہ تحریر فرمایا:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

السلام علیکم!

بفضلہ تعالیٰ بخیر ہوں۔ آپ کے لئے دعاہائے خیر کرتا ہوں۔ پیکٹ ''عید کا چاند'' ۳ رعدد کا موصول ہوا۔ حسن میاں سلمہٗ کو یہیں دے دیا، آل مصطفیٰ سلمہٗ کو بمبئی بھیج دیا ریڈیو وغیرہ امر شہادت میں شرعاً نامعتبر ہونے کے لئے جو مفید کوشش آپ نے کی مولیٰ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائے اور اہل سنت کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ۔

آپ نے عرصہ ہوا مجھے ایک رسالہ جس کا نام غالباً ''جامع الاقوال'' ہے بھیجا تھا جس میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا فتویٰ دربارۂ اعتبار و عدم اختلاف مطالع مطبوع ہے۔ وہ اس وقت میرے پاس سے کہیں گم ہے اور مجھے اس کی بہت ضرورت ہے۔ اگر کوئی نسخہ اس کا آپ کے پاس ہو تو براہ کرم وعنایت اسے یا تو مجھے بیرنگ بھیج دیں اور قیمت سے مطلع فرمادیں تو حاضر کردوں گا یا قیمت اور محصول کا وی پی کردیں اس بارے میں خصوصی توجہ فرمائیں۔

حیات اعلیٰحضرت قدس سرہٗ اگر مطبوع ہوچکی ہو تو جو قیمت اوس کی مقرر ہو مجھے وی پی کرادیں ورنہ صرف اوس میں جو مکتوبات اعلیٰحضرت قدس سرہ' آپ کے نام ہیں اون کی نقل کا انتظار میرے لئے ہوسکتا ہو تو ضروع فرمادیں اور اس کے لئے جو اجرت دینا ہو اوس سے مطلع فرمائیں۔ میں حاضر ہوں۔ اس خط کا جواب ضرور براہ کرم دیجئے۔

محمد میاں قادری

از: مارہرہ، غرۂ شعبان ۱۳۷۱ھ شنبہ

حضرت سید العلماء نے بھی بمبئی رسالہ مبارکہ ''جامع الاقوال'' طلب فرمایا حضرت سید میاں تحریر فرماتے ہیں:

۴۴ کھڑک بمبئی ۹

۷۸۶/۹۲ — سلخ ذیقعدۃ الحرام

ملک العلما حضرت مولانا المکرم زید مجدہم!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ! — مزاج گرامی!

خانقاہ ارزانیہ * سے ایک مجموعۂ فتاویٰ شائع ہوا تھا بنام ''جامع الاقوال'' ، جس میں حضور پرنور سیدنا اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز کا مبارک فتویٰ ''طریق الاثبات الہلال'' بھی نقل کیا گیا ہے۔ براہ کرم اوس کی ۴ رجلدیں فقیر کے نام بذریعہ وی۔ پی جلد از جلد روانہ فرمادیجئے۔ سخت ضرورت ہے۔ یہاں بعض علماء اہلسنت سے غیر رمضان وشوال میں اختلاف مطالع معتبر ہونے پر علامہ

شامی علیہ الرحمہ کی رائے پر بحث ہے جبکہ سیدنا اعلیٰحضرت قدس سرہٗ "واضح خلافہ" فرماتے ہیں۔ احباب اہلسنت کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

جمعیۃ العلمائے قدیم (اہلسنت) کی رویت ہلال کمیٹی کے حسب انتظام اب تک رویت ذی الحجہ کا شرعی ثبوت نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا آج جمعہ کو ۳۰ ذیقعدہ ہی ہے۔ والسلام۔

فقیر مارہرہ، آل مصطفیٰ قادری برکاتی غفرلہٗ

جمعہ مبارکہ ۳۰/۱۱/۱۳۷۱ھ

*خانقاہ شاہ ارزاں، واقع محلہ درگاہ پٹنہ مراد ہے۔ اس وقت سید شاہ حامد حسین حامد سجادہ نشین تھے۔ یہ خانقاہ گیارہ صدی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) سے منسوب ہے۔ اس خانقاہ کے ایک فرد سید شاہ عاشق حسین جو ۱۳۸۷ھ میں مسند سجادگی پر بیٹھے، ملک العلماء کے آخری عہد کے شاگرد تھے۔ حضرت ملک العلماء کے آخری آرام گاہ بھی درگاہ شاہ ارزاں کے قریب واقع ہے۔

رمضان کے صوم وصلوٰۃ کے متعلق حضرت سید العلما کو بمبئی کا نقشہ مطلوب تھا۔ آپ نے حضرت ملک العلما ایک خط تحریر فرمایا۔ جوابی مکتوب میں ملک العلمانے وضاحت فرمائی، کہ نقشہ بمبئی بھیجا جاچکا ہے۔ لیکن وہ حضرت سید العلما کو تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکا۔ اس لئے آپ کی دوبارہ پر اصرار فرمائش ہوئی:

سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی ۷۸۶ ۳/ شعبان المعظم روز
خطیب مسجد ۴۴ کھڑک بمبئی ۹ پنجشنبہ مطابق ۱۰/ مئی ۱۹۵۱ء

مکرمی ومحترمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی مدظلہ العالی!

بعد ادائے آداب وتسلیمات کے عرض خدمت ہے، کہ حضور والا کا نامۂ گرامی وصول ہوا اور حسب ارشاد عالی بمبئی میں نقشہ کی تلاش کی گئی لیکن دستیاب نہ ہوا۔ اب کئی روز ہوئے میں نے خط دہرادون لکھا ہے اور وہاں سے نقشۂ مذکور منگوایا ہے۔ لیکن اب تک کوئی جواب نہیں آیا ہے۔ لہٰذا گذارش ہے، کہ آپ صرف بمبئی (جزیرہ) کا نقشہ ماہ مبارک کے لئے بنا کر بھیج دیجئے اور آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ نقشہ تیار ہے۔ بنابریں امید ہے کہ آپ وہ نقشہ بہت جلد ارسال فرمائیں گے۔ کیوں کہ ماہ صیام قریب آرہا ہے اور ہمیں چھپوا کر شائع کرانے کے لیے کچھ مدت درکار ہے۔ لہٰذا جلد از جلد بھیج دیجئے گا۔ دیگر صوبۂ بمبئی کے لیے جو نقشہ درکار ہے وہ تو ہم کہیں سے بھی منگوا کر آپ کو روانہ کردیں گے اور وہ تو بعد میں بھی ہوسکتا ہے مگر جزیرۂ بمبئی کے نقشے کی تو سخت ضرورت ہے ورنہ سحری اور افطار کے وقت جو تکلیف ہوگی وہ تو اظہر من الشمس ہے۔

بس! یہاں سب خیریت سے ہیں اور آنجناب کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب فقط۔" (راقم اسمٰعیل محمد شاگرد مولانا موصوف)

"حیات اعلیٰحضرت" کی طباعت کا انتظام ہونے کے بعد ملک العلمانے تاج العلما کی خدمت بابرکت میں یہ مسرت بخش اطلاع حاضر کی، ساتھ ہی کچھ اوراد مسنونہ کی اجازت اور اپنی کتاب "تنویر المصباح للقیام عند حیّ علی الفلاح" پر آپ کی اور حضرت سید العلما کے توسط سے دیگر علمائے اہلسنت کی تصدیقات حاصل کرنے کی درخواست بھی پیش کی جس کے جواب میں یہ مفاوضۂ کریمہ تحریر ہوا:

۷۸۶

مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی داد کرمکم!
وعلیکم السلام ورحمۃ المولیٰ تعالیٰ وبرکاتہٗ!
کرم نامہ مسرت بخش ہوا۔ حیات اعلیٰحضر تقدس سرہٗ کی انشاء المولیٰ تعالیٰ ذیقعدہ تک چھپ جانے کی خبر خوش نہایت مسرت

خیز ہوئی۔ مولیٰ تعالیٰ اوس کی سب جلدیں بہ حسن وخوبی وصحت تمام طبع جلد تر کرادیا اور اون کی اشاعت ہم مسلمانان اہلسنت کے لیے دارین میں نافع اور مفید فرمائے۔

آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ۔ مطلع فرمایئے تو جلد اول کا ہدیہ پیشگی حاضر کروں یا میرے نام وی۔ پی کرادیں۔ بعد اشاعت ومعائنہ میں حتی الوسع مزید اشاعت کی بھی کوشش کروں گا۔

سورت یٰس شریف وغیرہ کے ورد کی ترکیب معہ اجازت انشاء المولیٰ بعد عید الفطر جلد حاضر کردوں گا۔ آپ کے فتویٰ متعلق بہ "حی علیٰ الفلاح" پر بمبئی میں علمائے اہلسنت سے مزید تصدیقات حاصل کرنے کے لیے میں نے آل مصطفیٰ سلمہم کو اس لیے نہیں لکھا، کہ وہاں سنی کہلانے والے مولوی میری نظر میں دو تین... ہیں اور میں نے اس کسی مسئلے میں اب رجوع سے حتی الوسع دور رہنا چاہتا ہوں.... ان کے علاوہ کوئی سنی مولوی پیش نظر آئے، تو اون کے لیے ان شاء المولیٰ تعالیٰ عنقریب لکھ دوں گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۷ رماہ صیام مبارک ۱۳۷۱ھ

حضرت ملک العلما نے ادب واخلاص کا خاص حصہ پایا تھا۔ اپنے بڑوں کی بارگاہ میں وہ حد درجہ محتاط اور سراپا احترام رہا کرتے تھے۔ "بدلتے موسموں" کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوتا اور نہ وہ بزرگی کی "خانوں" میں تقسیم کے قائل تھے۔

حضرت تاج العلما قدس سرہٗ ذاتی فضیلت وکمالاتی جامعیت کے ساتھ ساتھ خاندان رسالت کی سچی نسبت اور آستانۂ برکاتی کی ذمہ دارانہ قیادت بھی رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا مرکز عقیدت اور ایسا کہ اعلیٰحضرت نے زندگی بھر صرف اپنے آقاؤں کے گن گائے اور کسی اور سمت ایک نگاہ التفات روادار نہ ہوئے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے چہیتے حضرت ملک العلما بھی آستانۂ برکاتیت سے غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے اور عقیدتوں کی یہ تاب ہمہ دم دمکتی رہی۔ ادب واحترام کی خوشبوں میں بسے ہوئے ایک مکتوب میں آپ نے ایک بار پھر حضرت تاج العلما سے "حیات اعلیٰحضرت" پر نگاہ اصلاح ڈال دینے کی درخواست پیش کی۔ اس کے جواب میں حضرت نے یہ شفیقانہ مفاوضہ تحریر فرمایا:

۷۸۶ محترم المقام مکرمی المحترم مولوی محمد ظفر الدین صاحب رضوی ادام بالکرم!

وعلیکم السلام والرحمۃ والعافیۃ!

کل کی شب میں ہی طویل کئی ماہ کے سفر بمبئی وپونہ وغیرہ کے بعد حاضر خانقاہ قدسیہ برکاتیہ ہوا اور کل کے ہی دن میں کرم نامہ جس پر تاریخ ۱۰ رذیقعدۃ الحرام جمعہ ہے موصول ہوا۔ آج کل رضویان اعاظم کے یہاں مجھے ایسے ہیچ میرز کے معروضات مخلصانہ کی جیسی پذیرائی ہے اوسے دیکھتے ہوئے آپ نے جو کرم فرمائی اس کرم نامہ میں برتی وہ آپ کے ہی ساتھ مخصوص اور فقیر اوس کا شکر گزار اور بحر حال آپ کے لئے عافیت دارین کا دعا گو ہے۔

"حیات اعلیٰحضرت" (قدس سرہٗ) کا جو مسودہ میرے پاس آیا اوس سے یہ مطبوع بہت غیر ہے اور سید شمس الضحیٰ صاحب نے مجھ سے کراچی میں کہا بھی تھا کہ کافیہ لکھی جانے کے بعد بھی مطبع "حیات" میں وجوہ تعویق میں سے ایک یہ ہے کہ اوس میں ردوبدل وترمیم وتغیر وہاں کے ارباب بست وکشاد نشر وطبع کر رہے ہیں اور مجھے تو میرے پیشگی عرض کردینے کے باوجود کاہلی کی علاوہ تنہا اور بیمار اور کثرت کاروافکار میں گرفتار ہوں۔ پوری کتاب

ایک سرسری نظر سے دیکھنے میں بھی بہت کافی وقت لگے گا۔ آپ نے وقت بہت کم دیا اور جلد واپسی بامید طبع آپ نے چاہی اور میں نے تعمیل کی۔ اَلْمَاضِیُ لَا یُذْکَرُ۔ میں نے تو مناسب اور بے خطر یہی جانا تھا کہ آپ خود ہی اصلاح ضرور فرمائیں۔ اب آپ کی فرمائش کے مطابق میں ہی اصلاح و ترمیم اپنی فہم ناقص و قاصر کے موافق حاضر کروں گا مگر ۸/۹ ماہ کے مسلسل سفر کے بعد کام پچھلا بکثرت ہے اور روزمرہ کا کثیر الگ۔ لہٰذا نہیں کہہ سکتا کہ کب تک حاضر کر پاؤں گا حتی الوسع جلد انشاء المولیٰ تعالیٰ پیش کروں گا۔

میں تو صحیح اور سچے اسلام و سنیت سے استقامت کو کوئی جداگانہ چیز نہیں جانتا اور پھر یہ بھی مشاہد ہے۔ آج کل جو کم علم اور جاہل کہے جاتے ہیں وہی اسلام و سنیت میں اون سے بہت زیادہ استقامت رکھتے ہیں جو تحصیل علوم کے مدعی اور رسمی مولوی فاضل ہیں اور بہر حال علم آلہ ہے اور اسلام و سنیت مقصد اور اسلام و سنیت خیر محض ہے برخلاف علم کہ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلیٰ عِلْمٍ (اللہ تعالیٰ نے اسے ذی علم ہونے کے باوجود گمراہ کیا) حق ارشاد حق تعالیٰ ہے۔

میں نے اس سلسلہ میں جو عرض کیا تھا وہ بھی ملحوظ رکھ کر۔

فقیر اولادِ رسول سید محمد میاں قادری برکاتی قاسمی غفرلہٗ

از خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ۱۸/۱۱/۱۳۷۴ھ شنبہ

حضرت تاج العلما اور سید العلما قدس سرہما کے ان گرامی مکاتیب کے مطالعے سے درج ذیل چند خصوصیات خوب واضح ہیں:

* یہ حضرات بہت منضبط اوقات رکھتے تھے اور خطوط کا جواب بہر صورت نہایت پابندی سے دیا کرتے حالانکہ تاج العلما اکثر و بیشتر علیل رہا کرتے۔ آپ کو ضیق النفس آپ اپنی ذمہ داریوں سے غفلت نہ برتتے۔

اس راہ میں حضرت تاج العلما کا تعاون ... حضرات خصوصی طور سے فرماتے۔

۱۔ احسن العلما، افضل الاصفیا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری ... خواہرزادۂ تاج العلما قدس سرہما مارہرہ مطہرہ

۲۔ منشی سعید الدین مرحوم۔ مارہرہ مطہرہ

۳۔ منشی ایوب علی مرحوم۔ مختار عام حضرت تاج العلما مارہرہ مطہرہ

۴۔ حافظ ظہیر الدین قادری برکاتی، ایڈیٹر ماہنامہ استقامت، کانپور

مذکورہ بالا مکاتیب میں اکثر و بیشتر حضرت احسن العلما کے دست مبارت کے تحریر فرمودہ ہیں۔ چند خطوط خود بنفس نفیس حضرت تاج العلما نے بھی تحریر فرمائے اور ایک خط حافظ ظہیر الدین نے بھی اپنے قلم سے املا کیا ہے۔

☆ دوم، ان خطوط سے حضرت تاج العلما اور سید العلما کی تواضع، للّٰہیت، حق گوئی، حق پسندی، مصلحت کوشی سے گریز، رضائے الٰہی کی طلب، صاحبان علم و فضل کا اعزاز اور دیگر ہمدردانہ جذبات کا بھی علم ہوتا ہے۔ ان حضرات نے ملک العلما کو جس اعزازی طرز خطاب فرمایا، مشکلات میں جیسی ممکنہ دستگیری فرمائی، اپنی مخلصانہ دعاؤں سے نوازا اور مناسب مشورے دیئے ان سے آپ حضرات کی اعلیٰ ظرفی اور کریمانہ اخلاق کے روشن ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔

* سوم، ان تحریروں سے حضرت ملک العلما کی ادب شناسی، خلوص ووفا، علمی مراتب خصوصاً علم توقیت میں آپ کی مہارت اور مرجعیت، اعلیحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے والہانہ عقیدت اور ان کے قبلۂ عقیدت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے والہانہ محبت کی آئینہ داری بھی ہوتی ہے۔

☆☆☆

چند مفوضات طیبہ بنام ملک العلماء

پیش کش: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

اس عنوان کے تحت آٹھ خطوط درج کئے جاتے ہیں۔ جو تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ چار مکتوبات عالیہ تو بالکل تبرکات ونوادرات کے قبیل سے ہیں۔ ان میں سے دو خط مجذوب وقت قطب عصر سید شاہ شاہد علی سبز پوش گورکھپوری، سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رشیدیہ جونپور شریف کے ہیں اور دو خط سرکار کلاں سید شاہ مختار اشرف الجیلانی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کے ہیں۔ ان دونوں کے بعد چار خطوط برہان ملت مولانا شاہ محمد برہان الحق رضوی، جبل پوری کے ہیں۔ یہ سارے خطوط ملک العلما علیہ الرحمہ کے نام موصول ذخیرۂ خطوط میں تھے۔ جو مجھے 'جہان ملک العلما' کی ترتیب کے آخری مرحلے میں حسن اتفاق سے مل گئے۔ افادۂ عام کی خاطر یہاں پیش کئے جا رہیں۔

سید شاہ شاہد علی سبز پوش علیہ الرحمہ (م ۱۳۷۱ھ) اپنے وقت کے مجذوب وقطب تھے۔ انہیں علمی کاموں سے بھی شغف تھا۔ وہ علمائے کرام کی بیحد قدر کرتے تھے۔ بڑے باوضع، بااخلاق، بامروت، باوقات شخصیت کے مالک تھے۔ مشہور ادیب ونقیب ڈاکٹر ملک زادہ منظور صاحب جن کی زندگی گورکھپور میں گزری ہے۔ انہوں نے اپنی خودنوشت، رقص شرر، میں مجذوب العصر کی علم دوستی اور انسان دوستی پر روشنی ڈالی ہے۔ مجذوب العصر کے خط سے معلوم ہوتا ہے، ان کو حضرت ملک العلما سے خاصا لگاؤ تھا۔ کئیبار کے بعد ملک العلما کو وہ گورکھپور بلانا چاہتے تھے۔ خط میں گورکھپور کے لئے 'موذن الاوقافت' کی طلب ہے۔ مجذوب العصر نے ملک العلما کو اپنی والدہ ماجدہ جن کا وصال ۹۴ ربرس کی عمر میں ہوا، کی وفات کی خبر دی ہے، دونوں خطوں سے ان دونوں کے رابط پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

سید شاہ مختار اشرف سرکار کلاں علیہ الرحمہ اپنے وقت کے ادیب خطیب، عالم ربانی اور مقتدر روحانی پیشوا تھے۔ ان کی دونوں تحریروں سے دونوں بزرگوں کے درمیان قلبی تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو احترام کی کس نظر سے دیکھتے تھے حضرت ملک العلما کی قلمی بیاض میں سرکار کلاں کی مبارک تحریریں بھی ملتی ہیں۔ جو انہوں نے وقتاً فوقتاً رقم فرمائی ہیں۔ یہ تحریریں خصوصاً اوراد و وظائف کے حوالہ سے نظر سے گزری ہیں۔ خیر ان کے قلم بیض رقم سے لکھے گئے دو خط پڑھ کر قارئین محظوظ ہوں۔

برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق رضوی علیہ الرحمہ حضرت ملک العلما کے معاصر بھی ہیں۔ محبّ بھی اور قدر شناش بھی۔ سرِ دست برہان کے چار خطوط ہم دست ہوئے۔ جو یہاں شریک اشاعت ہیں۔ ان خطوط کے مطالعہ سے کئی اہم امور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً سوانح اعلیٰحضرت اور سلطنة المصطفی کے بارے میں معلومات فراہم ہوتے ہیں۔ برہان ملت اور ان کے والد بزرگوار عیدالاسلام شاہ عبدالسلام رضوی علیہ الرحمہ اور حضرت ملک العلما کے باہم رشتہ وروابط اجاگر ہوتے ہیں۔

شاہ عبدالسلام رضوی جبل پوری مسلک رضوی کے سپہ سالار گزرے ہیں۔ شیر بیشۂ اہلسنت علامہ الشاہ سید ہدایت رسول قادری

رامپوری علیہ الرحمہ کے بعد عید الاسلام شاہ عبدالسلام رضوی ہی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اجلاس اہلسنت پٹنہ منعقد ۱۸ ۱۳ء
انہوں نے شرکت کی اور خطاب فرمایا، تو پٹنہ کے لوگ ان کے انداز خطاب سے بے خود ہو گئے۔ محلہ محلہ بلا بلا کر لوگ ان کی تقریر
تھے۔ یہی صورت حال بنگلور اور مدراس کی بھی ہے۔ بنگلور والوں نے تو ان کا جشن فتح بھی منایا اور انہیں توصیف نامہ وسپاس نامہ
کیا، جو منظوم صورت میں ہے۔ شاہ عبدالسلام کی خدمات پردۂ خفا میں ہیں، اجاگر کرنی کی ضرورت ہے۔ عید الاسلام کی ایک خط
نظر سے گزری ہے۔ جو گوناگوں معلومات وواقعات پر مشتمل ہے۔ خیر یہاں وہ خطوط ملاحظہ کریں جن کا تعلق براہ راست شاہ عبدالسلام
الرحمہ سے بھی ہیں۔ اس وقت 'جہان ملک العلما' کی ترتیب کی ہماہمی ہے۔ رواروی میں جو کچھ ہوا، حاضر کیا جاتا ہے۔ خدا
دی، تو آئندہ تفصیلی وتحقیقی گفتگو ہوگی۔

(۱)

خطوط مجذوب العصر سید شاہ شاہد علی سبز پوش علیمی رشیدی علیہ الرحمہ

مجمع فضائل وحسنات جناب مولینا ظفر الدین صاحب زید مجدہ

سلام مسنون تمنا مشحون۔ صحیح البہاری اور دو رسالے موصول ہوئے ہیں۔ جناب کا نوازش نامہ بھی باعث شرف ہوا تھا۔ اپنی ناسازی مزاج
کی وجہ سے جواب کی تاخیر سے بہت شرمندہ ہوں العذر عند کرام الناس مقبول پورنیہ کے ضلع میں معرکہ آرئیاں معلوم کرکے بہت ہی
خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی کوششوں کو کامیاب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مصطفیٰ سلمہ دست بستہ سلام عرض کرتا ہے۔ جناب والا کی یاد اور ذکر خیر یہاں اکثر رہا کرتا ہے۔ خدا کرے جلد آپ مطمئن ہو کر
گورکھپور کو مستفیض فرمائیں۔ گورکھپور اور جونپور کے مؤذن الاوقات کا بھی منتظر ہوں اور اس کے ہدیہ سے بھی مطلع فرمائیں تو پیش
کروں۔ سب کو سلام اور دعا حسب مراتب فرمائیے۔ والسلام

خاکسار شاہد علی غفرلہ

از گورکھپور۔ یوم دوشنبہ ۱۸؍رجب ۱۳۷۱ھ

(۲)

مجمع مکارم اخلاق جناب مولینا ظفر الدین صاحب زیدت معالیہ

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مل گیا تھا اور آپ کا مرسلہ رسالہ 'عید کا چاند' بھی موصول ہوا، مگر چونکہ آج کل میری طبیعت اچھی
نہیں رہتی، ضعف بڑھتا جارہا ہے۔ گفتگو کرنے میں کافی تکان ہوجاتی ہے۔ اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ امید کہ مؤذن الاوقات کا کام
اختتام ہوگا۔ اٹھارہویں شعبان کو والدہ صاحبہ نے ۹۴؍برس کی عمر میں اس دنیا سے رحلت کی دعا فرمائی کہ خداوند تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت
میں جگہ دے۔ بقیہ سب خیریت ہے۔ فقط والسلام

خاکسار شاہد علی بقلم کاتب

خطوط سرکار کلاں سید شاہ مختار اشرف الجیلانی علیہ الرحمہ

(۱)

۷۸۶

مکرمی محترمی زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف۔ گرامی نامہ تشریف لاکر منکشف حالات ہوا۔ پروگرام میں تبدیلی واقع ہونے کی وجہ اب انشاء اللہ تعالیٰ ۴؍فروری یوم دوشنبہ مبارکہ کواپر انڈیا اکسپریس سے پٹنہ پہنچ کر حاضر خدمت ہونگا۔ آپ اسٹیشن تک تشریف آوری کی زحمت نہ فرمائیں۔ میں خود ہی حاضر ہو جاؤں گا۔ گھر کے سب چھوٹے بڑے کوسلام ودعا فرمادیں۔ فقط والسلام

سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھہ

از بھاگلپور ۳۰؍جنوری ۵۲ء

(۲)

مکرمی محترمی زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات سے رخصت ہوکر بخیر مکان پہنچ گیا۔ گرامی نامہ دستی بنارس پہنچ کر برادر معظم محدث صاحب کی خدمت میں قیام گاہ پر بھیجدیا گیا تھا۔ اپنی خیریت مزاج نیز اپنے مشورہ سے مطلع فرماکر مسرور فرمائیں اور ہر دو سجادہ نشیان کی خدمت میں سلام عرض فرمادیں۔

فقط والسلام

سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین.....

از کچھوچھہ شریف ۴؍فروری ۵۲ء ج

خطوط برہان ملت مولینا شاہ محمد برہان الحق رضوی جبل پوری علیہ الرحمہ

(۱)

۷۸۶/۹۲

مخدومنا المحترم ذی المجد والکرم ملک العلما حضرت مولینا شاہ محمد ظفرالدین صاحب زید مجدہم

سلام مسنون اشتیاق مقرون والا نامہ گرامی بنام حضرت قبلہ والد ماجد مدظلہ العالی تشریف لایا۔ حضرت اقدس کو سنادیا۔ مدت مدید کے بعد ان محترم کی یادآوری کا شکریہ بہت بہت سلام مسنون ودعائے عافیت فرماتے ہیں۔

مبلغ مع منی آرڈر دو عدد رسالہ الجواہر والیواقیت کے لئے حاضر کیا ہے۔ فقط والسلام مع الاکرام

فقیر برہان الحق رضوی غفرلہ

جبلپور۔ ۱۵؍فروری ۴۳ء

(۲)

مخدومنا المکرم ذی المجد والکرم ملک العلما حضرت مولٰینا شاہ محمد ظفر الدین صاحب دام بالمواہب

سلام مسنون اشتیاق مشحون۔ والا نامہ اسکے بعد دستی رقعہ بمعرفت احمد بھائی بر سد موصول ہوئی۔ مقامی مصروفیتوں کے باعث جو اب میں غیر معمول تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے زمانہ اقدس میں۔ میں نے سلطنة المصطفی کی نقل کرنے کا ارادہ کیا، حضرت اقدس سے اشارۃً اجازت بھی حاصل کرلی، پھر مجھے یاد نہیں، کیا اسباب پیش آئے کہ نہ مجھے رسالہ ملا نہ نقل کر سکا اس لئے مجھے افسوس ہے کہ رسالہ مبارکہ میرے پاس نہیں۔

حضرت محترم والد ماجد مدظلہ سلام مسنون فرماتے ہیں

بحضور صاحب سجادہ مدظلہ ومخدوم زادگان مولٰینا جیلانی میاں ومولٰینا نعمانی میاں کو سلام نیاز

تمام برادران طریقت واحباب اہلسنت کی خدمت تحیۂ مسنونہ، ماموں کی خدمت میں سلام مع الاکرام

فقیر برہان الحق رضوی غفرلہٗ

۱۳ رفروری ۱۹۴۴ء

(۳)

جبلپور ۱۳ رمحرم الحرام ۶۷ھ

۷۸۶/۹۲

مخدومنا المحترم صدر الاساتذہ ملک العلما حضرت مولٰینا ظفر الدین صاحب دام بالمواہب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کرم نامہ بنام حضرت والد ماجد محترم تشریف لایا۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے 'سوانح حیات' کے متعلق آنمحترم نے جو محنت فرمائی ہے، یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ قبلہ والد ماجد کو والا نامہ سنادیا، کیونکہ موتیا کے سبب بصارت میں کافی ضعف آگیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں آنمحترم کی یاد آوری کا شکریہ ادا کر کے عرض کروں کہ انشاء المولیٰ العزیز یادداشت کے مطابق سوانح مبارکہ لکھوا کر اولین فرصت میں حاضر کروں گا۔

امید کہ پٹنہ و بہار میں حالات ہموار ہونگے۔

یہاں بفضلہٖ تعالیٰ خیریت ہے۔ امید کہ آنمحترم کا مزاج سامی بعونہٖ عزوجل بہ عافیت ہوگا

والد ماجد قبلہ مدظلہ اور احقر خادم کی جانب سے سلام مسنون اشتیاق مقرون قبول فرمائیں۔ والسلام مع الاکرام

محمد برہان الحق رضوی غفرلہ

جبلپور ۲۷ رنومبر ۱۹۴۷ء

(۴)

جبلپور ۲۹ رجب المرجب ۷۰ ھ ۱۲/۹۲

ملک العلما حضرت مولینا المعظم الشاہ محمد ظفر الدین صاحب دام بالمواہب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ کے جواب میں غیر معمولی تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ ناگپور اسمبلی سے آیا۔ والا نامہ پڑھا۔ مگر بوجہ علالت ودیگر مصروفیات ذہول ہوگیا۔

محترمی! اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح حیات طیبہ کا وہ حصہ جس کا تعلق حضرت محترم قبلہ والد ماجد مدظلہ اور اس سگ آستاں ہے۔ بعد سفر جبلپور وقیام روانگی کے متعلق ایک مختصر مگر مفصل کتابی صورت میں مع مکتوبات ومفاوضات عالیات کی نقول کے انشاء اللہ العزیز جلد حاضر خدمت کروں گا۔ مگر باوجود استعجال کے رمضان مبارک سے پہلے نہیں ہوسکتا۔ احقر زادہ کی شادی کے اہتمام میں قلیل الفرصت ہوں۔

زندگی کا اکثر وبیشتر حصہ افتا میں صرف ہوتا ہے۔ اس وقت مجموعہ فتاویٰ ساتویں جلد نصف کے قریب پہنچ چکی ہے۔ پھر کسب حلال وذریعہ معاش باذنہ تعالیٰ مطلب اور کچھ وقت مقامی مسلم خدمات۔ اس سلسلہ میں اسمبلی (مجلس قانون ساز) کا ممبر ہوں۔ سال میں تقریباً ۴۰ دن دو مرتبہ ۵ ماہ کے وقفہ سے ناگپور میں گزرتے ہیں۔ تین لڑکے ہیں۔ بڑا ایم۔ اے سائیکلوجی مجھلے میرے ساتھ افتاء اور مطب میں ساتھ رہتا ہے چھوٹا کراچی تھا۔ حضرت قبلہ مدظلہ بہت ہی ضعیف بصارت سے معذور آنمحترم کا والا نامہ سن کر کثرت گریہ سے ریش مبارک تر ہوگئی۔ بہت بہت سلام مع الاکرام کے بعد طالب دعاء خیر خاتمہ۔ مولا عزوجل اور خدمت کی توفیق بخشیں۔ حضرت قبلہ کے خیال سے ہفتہ عشرہ کے لئے بھی کہیں آ۔جا نہیں سکتا۔

حیات طیبہ کی طباعت کے لئے جبلپور میں تو کوئی ایسا اردو پریس ہے نہیں جو تھی وہ بھی اگر چہ محض اشتہارات وغیرہ کے کام کی تھی۔ وہ بھی نذر تعصب ہوکر کہیں کے کہیں پہنچی۔ اس مبارک تصنیف کی طباعت کے لئے کراچی بہتر مقام ہوگا۔ اگر ارشاد گرامی ہوتو میمن حضرات کی جماعت کو میں اس پر آمادہ کروں۔ امید ہے کہ کامیابی ہوگی۔ میں عارضی پرمٹ پر دسمبر ۵۰ ھ کو ۱۵ دن کے لئے گیا تھا۔ جذبہ عقیدت سے مجھے بہت توقع ہے۔ خادم زادہ کی شادی کا رقعہ حاضر کرکے دعائے کامیابی وکامرانی کا متمنی ہوں خادم زادہ سلام ادب عرض کرتا ہے۔ والسلام مع الاکرام

محمد برہان الحق رضوی غفرلہٗ

۶ مئی ۱۹۵۱ء

☆☆☆

خانوادۂ اعلیٰ حضرت اور ملک العلماء

ازقلم: ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی، D59 میڈیکل کالونی۔اے،ایم،یو،علیگڑھ،یوپی

اعلیٰ حضرت مولانا الحاج الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۲۷۲ھ۔۱۳۴۰ھ)(۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کی ذات والا صفات چودھویں صدی ہجری میں مثل شمس روشن و تاباں تھی۔ شمس کا ایک نظام شمسی ہوتا ہے۔ اس کے اپنے سیارے ہوتے ہیں۔ جو اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اور اس کے نظام کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس شمس کے سیارے صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب قادری، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، شیر بیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی صاحب، محدث اعظم مولانا سید محمد جیلانی کچھوچھوی، مبلغ اعظم مولانا عبد العلیم صاحب میرٹھی، مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی اور حضور ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین قادری بہاری علیہم الرحمہ ہیں۔ ان حضرات نے نہ صرف اعلیحضرت کے نام و کام کو آگے بڑھایا۔ بلکہ ان کی روشنی و تابانی کو بھی چاردانگ عالم میں پہنچانے کا فریضہ ادا کیا۔ ان سبھی سے اعلیحضرت کا قلبی و روحانی رشتہ تھا، جس کا اظہار ان کی تحریروں اور خطوط میں ہوا ہے۔ اس مقالے میں خانوادۂ اعلیٰ حضرت اور ملک العلماء کے قلبی تعلقات کا تذکرہ خصوصاً اعلیٰ حضرت اور ان کے صاحبزادگان کے خطوط کے تناظر میں مقصود ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ لیکن تبرکاً اس مقالہ میں بھی چند سطریں پیش کی جارہی ہیں۔

آپ کا تعلق روہیل کھنڈ کے مرکز بریلی کے بڑھیچ پٹھان خاندان سے تھا۔ آپ کے آباء واجداد سپہ گری سے وابستہ تھے۔ لیکن آپ سے چند نسل قبل یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تھا اور اس کے برعکس علوم دین سے وابستگی ہوگئی تھی۔ آپ کے والد گرامی مولانا نقی علی خاں، دادا حضرت رضا علی خاں اور پردادا حافظ کاظم علی خاں دینداری، تقویٰ و پرہیز گاری میں ممتاز تھے اور معیشت کیلئے زمینداری سے وابستہ تھے۔ مولانا نقی علی خاں کے تینوں صاحبزادے مولانا محمد رضا خان، مولانا احمد رضا خاں اور مولانا حسن رضا خاں علوم دین کے شیدائی اور ان میں ممتاز تھے۔

مولانا حسن رضا خاں المتخلص بہ حسن بریلوی داغ دہلوی کے شاگرد اور نعت گوئی میں ایسے ممتاز ہوئے، کہ استاذ زمن کے لقب سے ملقب ہوئے اور مولانا احمد رضا خاں نے تو علوم اسلامیہ کی سیادت وامامت کا وہ منصب حاصل کیا ہے، کہ تا قیام قیامت ان کی سیادت وامامت کا پرچم لہراتا رہے گا۔ ان کے صاحبزادگان عالی وقار نے بھی اس پرچم کو بلند رکھا۔ اور اب ان کی تیسری و چوتھی نسل اس امانت کی امین ہے اور ان کی قائم کی ہوئی روایات کو نہ صرف قائم رکھے ہوئے ہے۔ بلکہ اسے آگے بڑھانے کیلئے کوشاں ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت باسعادت ۱۰؍شوال المکرم ۱۲۷۲ھ، ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں ہوئی۔ بچپن میں ہی غیر معمولی ذہانت و فطانت ہویدا تھی۔ کمسنی میں ہی علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال حاصل کرلیا۔ آپ کا علم کسبی سے زیادہ وہبی تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر علوم و معارف

کے گنج ہائے گراں مایہ کھول دیا تھا۔ فتویٰ نویسی اور رد وہابیہ پر آپ کی خصوصی توجہ رہی۔ لیکن درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے بھی آپ کو غیر معمولی شغف رہا۔ فتاویٰ رضویہ کی درجنوں ضخیم جلدوں میں آپ کے ہزار ہا فتاویٰ مرتب کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً پچاس علوم میں آپ کی ۵۶۸ رکتب و رسائل طبع ہو چکی ہیں۔ آپ نے معاصرین ہم مسلک علماء اور تلامذہ کے نام صد ہا خطوط لکھے۔

آپ کا روحانی تعلق خاندان برکات سے ہے۔ اس عظیم الشان خانوادے نے شمالی ہند میں سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کا پرچم بلند کیا ہے۔ اسی چراغ سے سلسلہ رضویہ کا چراغ روشن ہوا ہے اور اب اس چراغ سے ہر طرف چراغاں کا سماں ہے۔ ہر طرف نور کا دریا رواں ہے۔ اللھم زد فزد۔

عظیم الشان علمی کارناموں کی انجام دہی اور ناموس رسالت کی حفاظت کیلئے بدمذہبوں سے چومکھی لڑائی لڑتے ہوئے یہ مرد مجاہد ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ۔ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء کو بعد نماز جمعہ ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر بحساب عیسوی ۶۵ سال اور بحساب ہجری ۶۸ سال کی عمر میں اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہو گیا۔ مزار شریف بریلی میں مرجع خلائق ہے اور سلسلہ رضویہ روز افزوں ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

ملک العلماء فاضل بہار مولانا سید شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی (۱۳۰۳ھ۔ ۱۸۸۰ء۔ ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء) اپنے علمی کارناموں کی بدولت علماء اہلسنت اور وابستگان اعلیٰحضرت میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ آپ اعلیٰ حضرت کے تلمیذ عزیز، مسترشد اور خلیفہ تھے۔ آپ کی پوری زندگی علمی کاموں، مسلک اعلیٰحضرت کی ترویج و اشاعت اور خدمت دین سے عبارت ہے۔

۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ۔ ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو بوقت صبح صادق عالم وجود میں آئے۔ آپ کے والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی پابند شریعت اور سادہ و شریف بزرگ تھے۔ سلسلہ اشرفیہ میں بیعت تھے۔ کاشت کاری ذریعہ معاش تھا۔ حضور ملک العلماء ابھی بچپن کے منازل ہی طے کر رہے تھے کہ ۱۳۱۲ھ میں سایہء پدری سے محروم ہو گئے۔ موضع رسول پور میجرا آبائی وطن ہے، جو بہار شریف اور نالندہ کے مضافات میں ہے۔

ابتدائی تعلیم قرب جوار کے مدارس میں حاصل کی۔ پھر حصول علم کے لئے کانپور اور پیلی بھیت کا سفر کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں بارگاہ اعلیٰحضرت میں بریلی پہنچے۔ اعلیٰحضرت درس و تدریس سے زیادہ افتاء و تصنیف میں منہمک رہتے تھے۔ ملک العلماء نے کئی بار باثر حضرات کے اثر و نفوذ کو استعمال کر کے اعلیٰحضرت کو مدرسہ منظر اسلام کے قیام و سرپرستی کے لئے آمادہ کر لیا۔

۱۳۲۲ھ۔ ۱۹۰۴ء میں اس ادارے کے قیام کے وقت دو شاگرد۔ ایک خود ملک العلماء اور دوسرے مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی تھے۔ یہاں آپ نے چار سال حصول علم میں صرف کئے۔

اعلیٰحضرت سے افتا نویسی کے اسرار و رموز سیکھے۔ ریاضی، جفر، ہیئت، توقیت اور تکسیر جیسے مشکل پُر اسرار علوم سیکھے۔ رسالہ اقلیدس کے چھ مقالوں کی تعلیم حاصل کی۔ تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف، اور رسالہ قشیریہ کا درس لیا۔ چار سال کی محنت شاقہ کے بعد شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ میں دستار فضیلت اور تدریس و افتاء کی اسناد سے نوازے گئے۔ اسی سال آپ کو سلاسل عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت اور ملک العلماء و فاضل بہار کے معزز خطاب بھی عطا ہوئے۔

حصول علم کے بعد اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مزید چار سال رہے اور دار العلوم منظر اسلام میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ فتاوے لکھے۔ مناظروں میں حصہ لیا اور فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑے، اسی سے خوش ہو کر تو اعلیٰحضرت نے یہ دعا فرمائی تھی ؏

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

شوال ۱۳۲۹ھ میں اعلیٰحضرت کے حکم پر ہی انجمن لقمانیہ لاہور اور اگلے سال شملہ گئے۔ اس کے بعد مدرسہ حنفیہ آرہ، بہار اور پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس اول رہے۔ ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء

میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام تشریف لے گئے، جہاں ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، حکومت بہار کے زیر انتظام آگیا۔ اس میں آپ کو پھر مدرس اول کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔ جہاں سے آپ بحیثیت پرنسپل ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ اگلے بارہ سال آپ نے تصنیف و تالیف میں گذارے اور ضمناً درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ اس دوران جامعہ لطیفیہ کٹیہار میں بھی آپ نے چند سال منصب صدارت کو رونق بخشی۔

آپ نے سیرت، حدیث، فقہ واصول، عقائد ومناظرہ، فضائل ومناقب، تاریخ وسوانح اخلاق ونصائح، صرف ونحو، منطق و فلسفہ، ہیئت وتوقیت، جفر وتکسیر کے موضوعات پر درجنوں کتب و رسائل تحریر فرمائی، اور ہزار ہا فتاویٰ لکھے۔ آپ کی مطبوع کتب کی تعداد ۲۷ ہے اور غیر مطبوع ۲۹ ہیں۔ تقریباً ۲۲ کتب ورسائل ایسے ہیں، جو آپ نے تحریر فرمائے، لیکن اب دستیاب نہیں ہیں اور غالباً ضائع ہو چکے ہیں۔ ان ہی مصروفیات میں منہمک رہتے ہوئے اور گوں ناگوں فرائض کو ادا کرتے ہوئے تقریباً اسی سال ۸۰ کی عمر میں ۱۹ جمادی الاخر ۱۳۸۲ھ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو شب دوشنبہ (پیر) میں اسم جلالت اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے آپ کا وصال ہوا۔ پٹنہ کے محلہ شاہ گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

ملک العلماء علوم اسلامیہ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علمی وفکری جانشین تھے۔ وہ تمام عمر ذکر رضا کرتے رہے اور فکر رضا کی توسیع واشاعت میں منہمک رہے۔ دونوں کے درمیان غایت درجہ کا قلبی تعلق اور محبت ومودت تھی۔ اس کا اندازہ "کلیات مکاتیب رضا مطبوعہ کلیر شریف" میں شامل خطوط سے کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ خطوط (۴۴) ملک العلماء کے نام ہیں اور یہ تمام خطوط عمیق روحانی تعلق، اعتماد، بے تکلفی اور امداد باہمی کے آئینہ دار ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے خطوط میں ملک العلماء کو جن محبت آمیز الفاظ سے مخاطب کیا ہے، وہ بھی لائق توجہ ہیں۔ مثلاً

حبیبی وولدی وقرۃ عینی مولانا مولوی ظفر الدین قادری جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین

ولدی وزینی وقرۃ عینی برادر دینی و یقینی مولانا ظفر الدین صاحب جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین

ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدنیا والدین جعلک ظفر الدین آمین آمین آمین۔

ولدی الاعز مولانا محمد ظفر الدین صاحب جعلک ظفر الدین آمین

مولانا المکرم ذی المجد والکرم ولدی الاعز مولانا محمد ظفر الدین جعلہ اللہ کاسمہ ظفر الدین

☆ پہلے خط میں بعض امور ریاضی کے سمجھاتے ہوئے ان کی توجہ تحقیق کی طرف منعطف کی ہے۔ "اے بیٹے! تو نے تحقیق و تدقیق پیش کی اور اس کا عمل دکھایا۔"

☆ آٹھویں خط میں نجوم سے متعلق ساعت سعیدہ نکالی ہے اور ان میں نقش تیار کرا کے بھیجنے کی اطلاع ہے۔

☆ دسویں اور بارہویں خطوں میں بھی جداول بنانے کے طریق، ہیئت وتوقیت کے مسائل اور ساعت وطالع وغیرہ نکالنے کے طریقے سمجھائے گئے ہیں۔ ان خطوط میں اکثر وہ معاملات و مسائل زیر بحث ہیں۔ جن کے سمجھنے اور سمجھانے والے اب عنقا ہو چکے ہیں۔

☆ اکیسویں خط میں بھی نظام الاوقات وتوقیت کے مسائل پر گفتگو ہے۔

☆ امریکہ کے کسی نجومی نے مختلف ستاروں کی چال اور ان کے ڈھنگ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ دسمبر کی ستر تاریخ کو ستاروں کے باہمی ٹکراؤ سے زبردست طوفان، زلزلے آئیں گے اور قیامت کا منظر ہوگا۔ اس پیشن گوئی کا بڑا چرچا ہوا اور ملک میں بڑے پیمانے پر خوف وہراس پھیلا۔ امام احمد رضا نے ملک العلماء کے نام اپنے طویل خط میں اس نجومی کے تمام حساب و کتاب

ثابت کیا ہے اور اس کی پیشن گوئی کی تغلیط کی ہے۔ یہی ہوا ۱۷ر دسمبر آئی اور خیریت سے گزر گئی۔

☆ اکثر خطوط کتابوں کے لین دین، عبارات کی تلاش و حصول سے متعلق ہیں۔ مثلاً خط نمبر ۵ میں فرماتے ہیں:

''مبسوط سرخسی کتب خانہ میں ہو تو اس عبارت کو تطبیق کر بھیجئے۔ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں'' یہ عبارت یوں ہی ہے کہ اس میں فرق ہے، اس کا سابق ولاحق کیا ہے؟

☆ چھٹے خط میں بھی اس مسئلہ پر گفتگو ہے اور اسی عبارت کی تلاش ہے۔

☆ خط نمبر ۱۴ میں ارشاد ہوا ہے:

''مجھے کافی شرح وامی اور'' غایۃ البیان اتقانی ومبسوط، شمس الائمہ سرخسی سے بحث ماء مطلق وماء مقید تمام وکمال کی ضرورت ہے۔ بعجلت تمام ان کی تعریفیں اور ضوابط و جزئیات اور مطبوع و مخلوط کے احکام بالتفصیل درکار۔ کسی صحیح نویس کاتب سے باجرت نقل کرائیے اور مقابلہ خود کیجئے کہ مجھے بہت تعجیل ہے، جو اجرت قرار پائے گی۔ بعونہ تعالیٰ حاضر کی جائے گی۔''

☆ خط نمبر ۲۷ میں اس طرح کی فرمائش مندرجہ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

''مجھے دربارۂ خضاب ان چند کتابوں کی پوری عبارات درکار ہیں۔ آپ کے پاس ہوں تو فبہا، ورنہ ایک دن کے لئے پٹنہ جاکر لائیے۔ تاتار خانیہ، زاد المعاد، ابن القیم، عقد الفرید لابن عبدربہ ''نزہتہ المجالس'' ان کے سوا اگر اور کتب سے کہ میرے پاس نہیں، عبارات مستوعبہ ہو، تو احسن کتم اور وسمہ کی تفسیر (ماورائے صراح و قاموس و تاج العروس و خالق زمخشری و مغرب مطرزی و مصباح المنیر و مختار الصحاح ونہایہ ابن اثیر و مجمع البحار و تحفہ و مخزن الادویہ و تذکرہ انطاکی و جامع ابن بیطار و انوار الاسرار لابن الملک و تیسیر و سراج المنیر شروح جامع صغیر) اور کتابوں سے جو کچھ ملے تو اور عنایت ہو۔''

☆ مکتوب نمبر ۱۲ میں بھی کچھ وصولیابی کی اطلاع اور باقی کی طلب ہے۔ فرماتے ہیں:

''عبارات تفاسیر آئیں۔ مابقیہ بھی درکار ہیں ''جمل'' و ''جلالین'' یہاں ہیں۔ یہ ''روح المعانی'' کیا ہے؟ یہ آلوسی بغدادی کون ہے؟ بظاہر کوئی نیا شخص ہے اور آزادی زمانہ کی ہوا کھائے ہوئے ہے۔ مصنف کا ترجمہ یا کتاب کا سال تالیف لکھا ہو، تو اطلاع دیجئے۔ مدارک کا کوئی حاشیہ ہو، تو اس کی عبارت کی زیادہ ضرورت ہے۔''

☆ مکتوب نمبر ۲۸ بھی آمدہ کے شکریے اور باقی کے مطالبے پر مبنی ہے اور ایسا مطالبہ اسی سے کیا جا سکتا، جس سے امید ہو اور جسے زحمت دینا اپنا حق سمجھا جا سکتا ہو، اسی لئے تو بے تکلفی سے فرمائش ہے:

''عبارات تینوں بار کی آئیں جزاکم المولیٰ تعالیٰ خیراً کثیراً۔ شاید وہ کتابیں جن کو دیکھ چکا اور ان کی فہرست بھی لکھ دی تھی، ان میں ''فتح الباری و جامع ابن بیطار، کا نام لکھنا بھول گیا، کہ آپ کو نقل کرنی ہوئی۔ شاید عقد فرید لابن عبدربہ، وہاں نہ ملی، کہ اس کی عبارت نہ آئی۔ تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ در میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے، کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ علیہ السلام کا اختصار ُع مٗ لکھنا کفر ہے، تخفیف شانِ نبوت ہے، اب کبھی بانکی پور جانا ہو، تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ اگر آپ کو ملے، تو بحوالہ کتاب و باب و فصل مع نقل عبارت اطلاع دیجئے۔ میں اس وقت اس کا تذکرہ بھول گیا۔ نیز عبارت خضاب میں مضمرات شرح قدوری کا نام لکھنا بھول گیا، اس کی زیادہ ضرورت تھی۔ والسلام''

☆ اعلیٰ حضرت نے اکثر خطوط میں ملک العلماء کی دینی خدمات، تندہی و مستعدی، محنت ولگن اور احکام کی بجا آوری پر تحسین وآفرین کہا ہے اور ان کے لئے دعائیں کی ہیں۔ مکتوب نمبر ۱۸ میں آپ کی خدمات کا تذکرہ اس طرح ہے:

''ادھر نہ مدرس، نہ واعظ، نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر

الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں؟''

☆ مکتوب ۱۹ میں بھی ان دونوں حضرات کیلئے خراج تحسین بھی ہے اور دعائیں بھی۔

''آپ اور مولانا حامی سُنت ماحی بدعت حاجی محمد لعل خاں صاحب سلمہ جو کچھ خدمات دین کر رہے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بر حمہ قبول فرمائے اور دونوں جہان میں اس پر اجر جزیل دے اور ہمیشہ اعدائے دین پر منصور رکھے۔ آمین''۔

☆ مکتوب نمبر ۲۴ میں مستعدی وفرمانبرداری پر اظہار مسرت بھی ہے اور دعائیں بھی۔

''آپ کی مستعدی پر بحمدہ تعالیٰ جی خوش ہوا۔ جزاکم خیراً و بارک فیکم و بکم و لکم و علیکم''۔ کبھی جواب خط میں تاخیر ہونے پر حضور ملک العلماء کی طرف سے اس کا اظہار ہوتا ہوگا۔ اسی کے جواب میں مکتوب نمبر ۷ میں فرماتے ہیں:

''میں جن امور میں ہوں، اگر آپ کو تفصیل معلوم ہو، تو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے۔ مگر آپ کی یاد، دل کے ساتھ ہے۔''

☆ ایسا ہی اعتماد مکتوب نمبر ۴۳ میں ظاہر ہوا۔

''اس سے اعتماد رہتا ہے کہ عدم جوابی کو اعذار صحیحہ پر خود محمول فرمائیں گے''۔ اسی خط میں کسی چیز کے قبول کرنے کا مشورہ ہے اور محبت کے ساتھ دعائیں ہیں۔

''مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے۔ وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے اور آپ کو دین سے اور دین سے آپ کو نصر مؤزر پہنچائے۔ آمین، آمین بجاہ الکریم المعین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم''۔

اعلیٰ حضرت اور ملک العلماء کے درمیان جو قلبی وروحانی تعلق، باہمی خلوص ومحبت اور یکجہتی ویگانگت تھی، وہ ہر طرح سے مثالی ومعیاری تھی۔ حضور ملک العلماء اعلیٰ حضرت سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔ تصنیف وتدریس، خطابت ومناظرہ، خانگی معاملات، معمولات، نشست وبرخاست، اذکار واوراد غرض شب و روز کے تمام معاملات میں وہ اپنے استاذ، اپنے مرشد کی پیروی اپنے لئے لازم سمجھتے تھے۔ وہ ہر کام اعلیٰ حضرت کے مشورے اور حکم سے کرتے تھے۔ اپنے مرشد کے سامنے ان کی اپنی پسند وناپسند کا کوئی دخل نہ تھا۔ جب بلایا، حاضر ہوگئے۔ جہاں بھیجا چلے گئے۔ جس سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا، مناظرہ کر لیا۔ بارگاہ رضا میں ان کی شیفتگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ امام اہلسنّت بھی ان پر خصوصی کرم، خصوصی نوازش اور جود وعطا کا مظاہرہ فرماتے تھے۔

اعلیٰ حضرت کی رضا وخوشنودی ملک العلماء کو کس قدر عزیز تھی، اس کا ثبوت اس واقعہ سے مل سکتا ہے، ہوا یہ کہ ملک العلماء نے منطق، فلسفہ صرف ونحو میں تقریب، تذہیب، وافیہ، عافیہ تصنیف کیں اور انہیں بغرض اصلاح استاذ معظم کی خدمت میں بھیجا۔ ان فنون پر پہلے ہی بہت سی کتابیں موجود تھیں۔ جبکہ ضرورت کے وقت کچھ اور موضوعات پر لکھنے کا تقاضا کر رہی تھی۔ اعلیٰحضرت یہی چاہتے تھے کہ ان کے وابستہ علماء ضرورتِ وقت کے مطابق اشہب قلم کو مہمیز کریں۔ اسی لئے ملک العلماء کو آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

''آپ کی تصانیف عافیہ، وافیہ، تقریب پر خوشی ہوئی، مگر کاش یہ وقت آپ نے بہشتی زیور وگوہر کی قلعی کھولنے میں صرف کیا ہوتا، تو عمدہ ذخیرۂ عقبیٰ ہوتا۔ جہاں ان کتابوں سے گمراہ ہوئے جاتے ہیں۔ (مکتوب مرقوم ۲۲ رجب ۱۳۳۶ھ حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم)

اس مکتوب سے جب اعلیٰ حضرت کی بظاہر خوشی مگر حقیقتاً ناخوشی کا پتہ چلا، تو ان مسودوں کی اشاعت روک کر انہیں داخل دفتر کر دیا گیا۔ حالانکہ انہوں نے انکی اشاعت سے منع نہیں کیا تھا، البتہ دوسرے اہم امور کی طرف توجہ دلائی تھی، لیکن یہ حضور ملک العلماء کا ظرف تھا، کہ انہوں نے مرضی مرشد کا اس قدر خیال رکھا۔

غرض یہ، کہ دونوں طرف سے مدت العمر ایسے ہی تعلق خاطر کا مظاہرہ ہوتا رہا، اگر مرشد ومشفق کی طرف سے ہمہ وقت تربیت وشفقت اور عنایت ونوازش تھی، تو شاگرد نے بھی شاگرد رشید، ہونے کا حق ادا کر دیا تھا اور محبت وفرمانبرداری کا معیار قائم کر دیا

تھا۔ اسی لئے اعلیحضرت امام اہلسنت اپنے طویل قصیدہ الاستمداد، میں جہاں اپنے خصوصی احباب، خلفاء وتلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہاں اپنے خلف اکبر اور مولانا عبدالسلام جبل پوری کے بعد اسے یاد کرتے ہیں، جسے وہ اپنے خطوط میں حبیبی، ولدی، قرۃ عینی اور کبھی اس سے بھی بڑھ کر جان پدراز جان بہتر، تک کہتے ہیں اور یہ محبت بھرے القاب ملک العلماء کے ہی حصے میں آئے ہیں۔ جملہ سلاسل کی خلافت واجازت اور حضور ملک العلماء کے اور فاضل بہار کے شاندار خطابات اس پر مستزاد ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ایک خط میں باہمی خصوصی تعلقات کا حوالہ دیتے ہوئے حضور ملک العلماء کو لکھتے ہیں:

''عزیزم! آپ کو معلوم ہے کہ مطبع اہل سنت اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کا مطبع خاص ہے اور آپ کو مجھ سے اور مجھ کو آپ سے اختصاص خاص ہے۔ آپ اپنے مطبع سے اپنے شیخ کے مطبع سے محب مخلص کے مطبع سے معاملہ کریں اور ادھر اُدھر نیت نہ بھٹکائیں باوجود کہ جو دوسرا مطبع اسی پر یہ مطبع راضی ہے تو نہایت عجیب ہے.....اور ایک یہ نفع بھی ہے کہ فقیر کی نظر سے بھی کتاب گذر جائے گی، جس میں جانبین کا نفع ہے۔''

حضرت حجۃ الاسلام کے ایک اور خط سے بھی باہمی خلوص محبت اور اتحاد و یگانگت کا پتہ چلتا ہے۔

''جناب کی یہ مبارک تحریر میرے لئے بہت مسرت افزا ہے اور نہایت مہتم بالشان اور اس کے مہتم بالشان (ہونے) میں کوئی کلام نہیں، لیکن بڑے زر کثیر کی ضرورت ہے۔ عزیزم! محترم مولوی مختارالدین سلمہ اور ان کی والدۂ محترمہ وہمشیرگان کو بہت بہت دعائیں۔ آپ کے لئے اور ان کے عزیزان کے لئے اپنے اوقات خاصہ میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ دونوں جہان کی دولتوں نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کرے اور جہاں میں شاد و آباد بامراد رکھے۔ آمین

اعلیٰ حضرت کے دوسرے صاحبزادے مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے خطوط بنام ملک العلماء کی تعداد بیس ۲۰ ہے۔ ان خطوط سے بھی دونوں کے باہمی خلوص ومحبت اور عزت واحترام کا پتہ چلتا ہے۔ ۲۵ جمادی الاوّل ۱۳۶۲ھ کے محررہ خط میں کس محبت اور تعلق خاطر کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔۔۔''

''اعلیٰ حضرت کا کتب خانہ نہایت برباد ہے، نہ صرف کتب خانہ بلکہ تصنیفات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ضائع ہو چکی ہیں۔ ایسا سنتا رہا ہوں ایک جلد، پانچویں فتاویٰ کی برسہا برس سے غائب ہو چکی۔ آپ عرس چہلم میں تشریف لائیں گے، مگر اتنی مدت کے لئے تشریف لائیے کہ کتب خانہ اور تصنیفات کی پھر سے فہرست بن جائے۔ والسلام۔ فقیر مصطفیٰ رضا عفی عنہٗ''۔ (مکتوب نمبر ۵/ مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء)

مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خواہش تھی کہ حضور ملک العلماء خانقاہ مرشد میں ہی قیام کریں اور مرشد علیہ الرحمۃ والرضوان کے مسودات کی تدوین وتبییض میں مصروف رہیں۔ ۱۷/رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ کے مرقومہ خط میں اس خواہش کا اظہار اس طرح ہوا ہے۔

''میں آپ کا بریلی رہنا مدت سے چاہتا ہوں، کسی طرح ہو۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیفات اور سوانح کی تیاری کے لئے۔ اگر آپ کو کار تدریس سپرد کر دیا گیا، تو آپ کا بہت وقت اسی کی نذر ہو جائے گا۔ اس لئے یہ چاہتا ہوں، کہ زیادہ وقت تو آپ کا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیفات کی مسودات کی تبییض وغیرہ میں صرف ہو۔ اور ایک دو سبق حدیث کے بھی پڑھا دیں، تاکہ مدرسہ بھی آپ کے فیض سے مستفیض ہو۔'' (مکتوب نمبر ۱۴)

۱۵ شوال ۱۳۷۰ھ مکتوب میں پھر اسی خواہش کا اعادہ اور اس سے متعلق معاملات تحریر کئے ہیں

''آپ اگر میرے پہلے خط کے جواب میں اتنی رقم لکھتے، جتنی کے لئے آپ کو پہلے لکھا تھا تو کوئی مشورہ طلب بات نہ ہوتی۔ غرض اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی جواب بھیجوں گا۔ میرا خیال یہ تھا، کہ مدرسہ کا انتظام اور دو سبق حدیث اور باقی وقت صرف

تصانیف اعلیٰ حضرت قدس سرہ میں صرف ہو۔" (مکتوب نمبر ۱۵)

۷ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ کا مرقومہ خط بھی شوق ملاقات اور دعوت پر مبنی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"آپ کا مزاج کیسا ہے؟ بہت دن سے آپ کا انتظار شدید ہے۔ معلوم ہوا تھا، کہ آپ کو کوئی آپریشن کرانا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر تشریف لائیں گے۔ آپ کا مزاج گرامی کیسا ہے۔ عرس میں بھی تشریف نہ لائے۔ اب تو تشریف لے آئیں۔" (مکتوب نمبر ۱۶)

غرض یہ کہ جاں نثار اعلیحضرت اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے درمیان مدت العمر ایسے گہرے، پر خلوص روابط اور روحانی تعلقات رہے جن کی مثال مشکل سے ہی مل سکتی ہے۔ دونوں طرف سے جس محبت و شیفتگی اور تعلق خاطر کا اظہار ہوتا تھا، اس کا مظہر وہ صدہا تحریریں ہیں، جو ان محترم شخصیات کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے باوجود باقی ہیں اور روابط کو ظاہر کرتی رہتی ہیں۔ جن سے اخلاف باخبر ہو کر نہ صرف ان کی تحسین و ستائش کر سکتے ہیں بلکہ اتباع بھی یہی تحریروں اور خطوط کو محفوظ رکھنے کا مقصد ہے اور اسی لئے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ۔۔۔

"گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را"

کتب برائے تفصیلی مطالعہ:-

۱) "حیات اعلیٰ حضرت"۔۔۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہار۔ مرکز اہل سنت برکات رضا۔ پور بندر گجرات

۲) 'سوانح اعلیٰ حضرت'۔۔۔ علامہ بدر الدین احمد قادری رضوی رضا اکیڈمی بمبئی۔

۳) 'حیات ملک العلماء'۔۔۔ پروفیسر مختار الدین احمد ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور

۴) 'ملک العلماء'...... مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل سہرامی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل۔ کراچی

۵) 'صحیح البہاری'...... ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہار۔

۶) مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء، پروفیسر مختار الدین احمد۔ ۴۶ ویں عرس ملک العلماء کے موقع پر شائع کئے گئے۔ ۲۰۰۷ء ناشر مدرسہ فیضان مصطفیٰ، زہرہ باغ علی گڑھ۔

۸) 'جہان مفتی اعظم'...... رضا اکیڈمی ممبئی۔

۹) 'تذکرہ اکابر اہل سنت' مولانا مفتی شفیق احمد شریفی، جامعہ دار السلام، الٰہ آباد۔

۱۰) تذکرہ علمائے اہل سنت...... مولانا محمود احمد قادری۔

۱۱) ماہ نامہ 'المیزان' امام احمد رضا نمبر مارچ ۱۹۷۶ء۔

"اعلیٰ حضرت کا کتب خانہ نہایت برباد ہے، نہ صرف کتب خانہ، بلکہ تصنیفات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ضائع ہو چکی ہیں۔ ایسا سنتا رہا ہوں، ایک جلد، پانچویں فتاویٰ کی برسہا برس سے غائب ہو چکی۔ آپ عرس چہلم میں تشریف لائیں گے، مگر اتنی مدت کے لئے تشریف لائیے، کہ کتب خانہ اور تصنیفات کی پھر سے فہرست بن جائے۔ والسلام۔ فقیر مصطفیٰ رضا عفی عنہٗ"۔ (مکتوب نمبر ۵/ مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء)

حضرت ملک العلماء اور خانوادۂ عشق

ازقلم: مولینا خواجہ ساجد عالم مصباحی، استاذ مدرسہ لطیفیہ، بارسوئی، کٹیہار، بہار

حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری، سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان کے نامور و ممتاز شاگرد، سعادتمند و وفا شعار مرید و خلیفہ، فکر رضا کے قافلہ سالار و سرخیل، مسلک حق کے نقیب و علمبردار، جماعت اہل سنت کے امین و ترجمان، علوم و معارف کے کوہ گراں، سلوک و تصوف کے شمع فروزاں اور محاسن و کمالات کے ایک جہاں تھے۔

صد حیف......! دہائیاں بیت گئیں، مگر آپ کی حیات و خدمات اور احوال و آثار پراتنا کام نہ ہوسکا۔ جتنا کہ آپ کی عبقری وقد آور شخصیت سے حق وانصاف کا تقاضا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ کے ہمالیائی علمی وفنی وجود اور ہشت پہلو ذات سے قلیل افراد واشخاص ہی آشنا ہیں اور بعض اصحاب علم وقلم ہی واقف۔ اس باب میں اولاً جہاں اہل خاندان و وابستگان قصوروار ہیں، وہیں ثانیاً دیگر ارباب لوح وقلم بھی جواب دہ ہیں۔ کیونکہ کوئی عظیم وفقید المثال مذہبی وعلمی ہستی جماعت کا بلا امتیاز سرمایہ واثاثہ اور ملت کا بلا تفریق محسن و پیشوا ہوتی ہے۔

آپ نے یوم عاشورہ ۱۳۰۳ھ میں زندگی کی پہلی سانس لی۔ والد ماجد کا نام ملک عبدالرزاق تھا۔ ملک صاحب خصائل حمیدہ و صفات جمیلہ کے حامل ایک بزرگ صفت انسان تھے۔ صلوٰۃ وصوم سے وابستگی مستحکم اور دینی وشرعی اقدار کی محافظت و پاسداری حرز جاں تھی۔ گاؤں اور معاشرہ میں خاصا اعتبار و وقار حاصل تھا اور ہر خاص و عام کے نزدیک معزز و محترم سمجھے جاتے تھے۔ استعداد و لیاقت کے باوصف آپ نے کبھی ملازمت نہیں کی۔ بلکہ اپنی باقی ماندہ مختصر سی جاگیر پر جو شاہی عہد میں آپ کے بزرگوں کو ملی تھی، قانع رہے اور کاشت کی زمینوں پر گذر اوقات کرتے رہے۔ قرائن ہیں کہ آپ کی وفات ۱۳۱۲ھ کے کچھ بعد ہوئی ہوگی۔

حضرت ملک العلماء جب سن شعور کو پہنچے، تو تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔ حضرت شاہ چاند صاحب کی مبارک درسگاہ میں بسم اللہ کی رسم ادا ہوئی، پھر قرآن مجید اور اردو و فارسی کی کتابیں اپنے گھر پر حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے پڑھیں۔ تحصیل علم کے لئے اہلیت بھرپور، طبیعت اخاذ اور جان ودل سراپا مشتاق بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع بین ضلع پٹنہ، مدرسہ حنفیہ واقع بخشی محلہ پٹنہ سیٹی، مدرسہ امداد العلوم بانس منڈی کانپور اور مدرسہ دارالحدیث پیلی بھیت جیسی مستند ورفیع الشان دانشگاہوں میں آپ نے مدت دراز تک خوشہ چینی فرمائی اور وقت کے ممتاز ترین اور متبحر اساتذہ وفضلاء سے خوب خوب مستفید ہوئے۔

تاہم علم و ادب، فکر وفن کی تحصیل و اکتساب کا شوق و خروش اب بھی سرد نہ ہوا، بلکہ یہ آتش مجمر کی طرح دھڑکتے ہوئے دل کے ایک گوشے میں جلتا رہا۔ اسی کیف دروں ولذت اندروں کی دولت لئے آپ بریلی شریف حاضر ہوئے۔ جہاں علوم و معارف

کے شہنشاہ فکروفن کے تاجور اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک پیاسی دنیا کو آسودہ حال و سیراب فرما رہے تھے۔ سرکار بریلی کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہو کر آپ نے اپنا مقصد سفر بیان کیا۔ طلب علم کے لئے آپ کے بے پناہ اشتیاق و امنگ کو دیکھ کر سرکار بریلی حد درجہ متاثر ہوئے اور کلمات خیر اور دعاؤں سے نوازا۔ یہاں رہ کر آپ نے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح وتشریح الافلاک، شرح چغمنی تمام کر کے ہیئت، ریاضی، توقیت، جفر وتکسیر وغیرہ فنون کی تحصیل فرمائی۔ ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ کی کسی تاریخ کو اساطین امت وعمائدین ملت کے بڑے مجمع میں سرکار بریلی کی درخواست پر حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہٗ سابق سجادہ نشین خانقاہ ردولی شریف نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور سند تدریس وافتا مرحمت فرمائی۔ سرکار بریلی نے اسی سال آپ کو سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ''ملک العلماء''،''فاضل بہار'' کے خطاب سے سرفراز کیا۔

یہ تھی حضرت ملک العلماء کی زندگی کے تابندہ سفر کی ایک جھلک۔ جس میں عہد طفولیت سے لے کر تعلیمی ادوار تک کے خدوخال کو اجمالاً واضح کیا گیا۔ موضوع سے متعلق پوری گفتگو کے درمیان ارتباط تسلسل پیدا کرنے کے لئے ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ اب آیئے خانوادۂ عشق کے حوالے سے بھی کچھ کلمات ہو جائیں۔

خانوادۂ عشق کے مورث اعلیٰ قدوۃ الواصلین امام العاشقین حضرت مولانا سیدنا شاہ رکن الدین عشق نور اللہ مرقدہٗ تھے۔ آپ کا نام رکن الدین اور عشق تخلص تھا۔ آپ دہلی کے جید عالم دین و صوفی باصفا حضرت مولانا شیخ کریم الدین فاروقی کے باکمال فرزند اور سلسلہ ابوالعلائیہ نقشبندیہ کے عظیم شارح ومبلغ حضرت سیدنا مولانا شاہ فرہاد دہلوی کے محبوب نواسہ تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں آپ کتم عدم سے عالم وجود میں آئے۔ حیات مستعار کی دو دہائی دہلی میں بسر ہوئی۔ ۱۱۶۰ھ میں دہلی سے مرشد آباد بنگال ہجرت فرمائی۔ یہاں اپنے دیرینہ رفیق حضرت خواجہ محمد خان لاہوری کی ایماء [illegible] پر فوج میں ملازمت اختیار فرمائی۔ ملازمت سے وابستگی کے ایام پانچ چھ ماہ گزرے ہی تھے کہ اس سے آپ کا دل اچاٹ ہو گیا۔ فقر و تصوف جو آپ کا آبائی ورثہ اور خاندانی شناخت تھا، بے [illegible] ہونے کے لئے آپ کے جسم وجاں میں اضطراب بپا ہوا۔

چنانچہ آپ کشاں کشاں پٹنہ وارد ہوئے اور فقر و فاقہ، سلوک وتصوف کے شناور حضرت سیدنا منعم پاک ابوالعلائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صحبت بابرکت میں رہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد حضرت مخدوم منعم پاک کے ایماء پر شریعت وطریقت کے سنگم، معرفت وسلوک کے بحر ذخار حضرت سیدنا مولانا برہان الدین خدانما قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے، اور کچھ عرصہ ریاضت ومجاہدہ تصفیہ قلب وتطہیر نفس میں گزارا۔ جب آپ منازل سلوک وتصوف طے کر گئے اور اس میدان میں منارۂ نور ثابت ہوئے۔ تو لب دریائے گنگا آباد محلہ متن گھاٹ پٹنہ سیٹی میں مسجد وخانقاہ کی اساس رکھی۔ یہاں آپ نے طالبان علوم باطن وتشنگان معارف وحقائق کے ایک تشنہ بلب جہاں کو اپنی تعلیمات وارشادات سے شادکام و فیضیاب فرمایا۔ لگ بھگ چار عشرے تک آپ نے یہ مبارک شغل جاری رکھا۔ ۱۲۰۳ھ کو پیام اجل آیا اور آپ کے وجود مسعود سے گلشن جہاں خالی ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

آپ کی یادگار ''تکیۂ عشق'' متن گھاٹ میں آخری آرامگاہ بنی۔ اب یہیں سے مخلوق الٰہی کی دستگیری فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو اولاد نرینہ دی تھی، ایک صاحب صغرسنی ہی میں خلد آشیاں ہو گئے۔ جب کہ دوسرے صاحب نے چالیس برس

کی عمر پائی۔ انہوں نے ہی آپ کے بعد وصال حقیقی جانشینی کا فریضہ نبھایا، اور خانقاہی نظام کو فروغ و پائیداری بخشی۔ ان کے بعد آپ کے نور نظر نواسہ زبدۃ العارفین سند المشائخ حضرت شاہ خواجہ لطیف علی نور اللہ مرقدہٗ مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت ممدوح ہی سے حضرت عشق کی مبارک نسل باقی رہی۔ اور شجرۂ تصوف و سلوک بھی قائم ودائم رہا۔ حضرت خواجہ لطیف علی کی رحلت فرمانے کے بعد حضرت مولانا شاہ خواجہ امجد حسین اور حضرت مولانا شاہ خواجہ حمید الدین علیہم الرحمہ بالترتیب خانقاہ عشق کے باکمال سجادگان ہوئے۔

آمدم بر سر مطلب:

آخر الذکر حضرت مولانا شاہ خواجہ حمید الدین سابق سجادہ نشین خانقاہ عشق حضرت ملک العلماء کے معاصر تھے۔ ان دونوں ملکوتی صفت بزرگوں کے درمیان بڑے گہرے مراسم و تعلقات تھے۔ حضرت ملک العلماء جہاں حضرت خواجہ صاحب اور خانقاہ عشق کے آسودۂ خواب مشائخ طریقت سے غایت درجہ عقیدت و نیازمندی رکھتے تھے اور یہاں کے مزارات پر والہانہ حاضری اور اعراس و دیگر تقریبات میں شرکت وشمولیت کو دینی ومسلکی مشاغل خیال فرماتے تھے۔ وہیں حضرت خواجہ صاحب بھی حضرت ملک العلماء کی پاکباز ہستی اور جلالت علمی کے آگے اپنا سر نیاز خم کئے رہتے تھے۔ ان سے اُنس ولگاؤ اور محبت وقربت کو باعث فخر وابتہاج سمجھتے تھے۔

ان دو انمول شخصیات کے اسی باہمی رشتہ الفت ویاری نے ملی مساعی و جماعتی خدمات کے حوالے سے بڑے گرانقدر و دور رس اثرات ونتائج مرتب کئے ہیں۔ جو بلاشبہ آج ہماری ملی و جماعتی تاریخ کا زریں باب ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب اور آپ کی اولاد احفاد، مریدین ومتوسلین نے حضرت ملک العلماء کی معیت میں ملت و جماعت اہلسنّت کے مفادات ومقاصد کی بہت سی راہیں سہل وہموار کی ہیں، ڈھیروں لاینحل مسائل وامور کی گتھیاں سلجھائی ہیں اور بہتیری مشکلات وخطرات بے درماں کا علاج ومداوا کیا ہے۔ آیئے اس رخ سے تاریخ کی روشنی میں چند حقائق وواقعات کا مطالعہ کریں۔

مجالس معراج کا اہتمام:

ایک زمانے میں خانقاہ عشق میں عید معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجلاس بڑی مواظبت واہتمام سے منعقد ہوا کرتے تھے۔ جس میں اہلیان خانقاہ وعمائدین شہر کے علاوہ دور دراز اور قرب وجوار سے بھی کثیر تعداد میں عوام وخواص پہنچتے تھے۔ حضرت صدر الافاضل مرادآباد، حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھہ اور خطیب الاسلام حضرت مولانا عبد الحفیظ آگرہ علیہ الرحمہ نے تشریف لاکر متعدد بار یہاں اجلاس کو خطاب فرمایا ہے اور سامعین وحاضرین نے بھی ان بلند پایہ نفوس قدسیہ کے پراثر وایمان افروز بیانات وخطابات سے بھرپور آسودگی وسیرابی حاصل کی ہے۔

حضرت ملک العلماء ان مجالس معراج کے مستقل و خصوصی مقرر ہوا کرتے تھے۔ آپ نے لگاتار ستائیس برس تک آیۂ اسراء پر بلیغ تقریریں فرمائیں "لیلا من المسجد الحرام" کے صرف لفظ من پر پانچ سال تک گلفشانی گفتار ونکات آفرینی کے جلوے دکھائے۔ آپ کی یہ تقریریں قرطاس وقلم کے دامن میں قید کر لی جاتی تھیں اور پھر جو بعد میں رسالے کی شکل میں مرتب ہوتی تھیں۔ آپ کے ان خطابات نایاب کا مجموعہ بنام "تنویر السراج فی ذکر المعراج" صاحبزادہ گرامی وقار ڈاکٹر مختار الدین احمد مدظلہ کے خزائن علمیہ میں محفوظ ہے۔ حضرت ملک العلماء اور خانقاہ عشق کے توسط سے معرض وجود میں آنے والے اس مجموعۂ تقاریر کو ملی و جماعتی سطح پر ایک سعی جمیل و وقیع کارنامہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ جس نے ہماری علمی وتحقیقی کاوشوں میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔

صحیح البہاری کی طباعت کا انتظام:

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے حلقۂ تلامذہ و خلفاء میں یقیناً حضرت ملک العلماء کی وہ واحد شخصیت ہے، کہ جس کی فکر صائب وقلم گل بداماں نے تصنیفات و تالیفات کے میدان میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بعد دوسرا بڑا ریکارڈ قائم کیا اور متنوع فنون و موضوعات پر مشتمل بزبان عربی، فارسی و اردو پچھتر سے زائد بیش بہا وجلیل الشان کتب و رسائل کا قابل رشک پشتارہ لگایا۔ آپ کے جملہ رشحات تحریر میں ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری'' شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے آپ نے مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے دوران قیام عرق فشاں جدو جہد سے جمع و ترتیب دی ہے۔ یہ مسائل احناف کی ماخذ حدیثوں کا وہ باوزن و معرکتہ الآراء صحیفہ ہے کہ جسے ارباب فضل و کمال اور اساطین علم و ادب نے اپنے موضوع پر نادر دائرۃ المعارف کا درجہ دیا ہے۔

حضرت ملک العلماء نے صحیح البہاری کے تصنیفی عمل سے پیشتر اس تعلق سے اپنے استاذ کل و مربی روحانی اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے دعا و اجازت طلب کی تھی۔ فاضل بریلوی نے بھی اپنی خداداد معلومات وافادات نیز کتب و رسائل کی فراہمی سے آپ کی بھرپور دستگیری فرمائی تھی۔ حضرت مولانا شاہ سلیمان و حضرت مولانا شاہ بدرالدین مشائخ پھلواری کا بھی خاصا تعاون شامل حال رہا تھا۔ اس دوران خدا بخش لائبریری کا سارا خزانہ اور دوسرے کتب خانوں کے قیمتی ذخائر آپ کے سامنے رہے۔ اس دینی و علمی خدمت کے صلے میں رویائے صالحہ میں مبشرات سے بھی نوازے گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''جامع الرضوی کی تالیف و ترتیب کے زمانے میں طبیعت کو غیر معمولی انشراح و انبساط حاصل رہا''۔ دس سالہ کامل انہماک و کاوش پیہم کے نتیجے میں صحیح البہاری چھ ضخیم جلدوں میں ۱۳۴۵ھ کو منصۂ شہود پر آئی۔ مباحث و مسائل کے اعتبار سے جلدوں کی ترتیب اس طرح رکھی گئی۔ جلد اوّل عقائد کے بیان میں، جلد ثانی طہارت وصلوٰۃ کے بیان میں جلد ثالث زکوٰۃ و صوم کے بیان میں، جلد رابع کتاب النکاح تا وقف کے بیان میں جبکہ جلد خامس کتاب البیوع تا غصب اور جلد سادس کتاب الشفعہ تا فرائض کے بیان کو محیط ہوئی۔

یہ تالیف لطیف سامانِ نور دیدہ وسرور سینہ جب تیار ہوئی، تو طباعت و اشاعت کا مسئلہ درپیش ہوا۔ مقام افسوس ہے کہ یہ پانچ برس تک اصحاب خیر کی سرد مہری و قدر شناسوں کی بے توجہی کی شکار رہی۔ اس کے بعد پھر کہیں اسباب مہیا ہوئے اور مجلد اوّل طباعت کے زیور سے آراستہ ہو سکی۔ تاہم مجلد ثانی تا اخیر کا معاملہ جوں کا توں تشنہ رہا۔ اس دینی و علمی ضرورت کی مشکل گھڑی میں زیب سجادہ خانقاہ عشق حضرت خواجہ صاحب ہی کا دل دردمند و جانِ قدرداں سامنے آئی کہ جس نے اپنے اثر ورسوخ اور خانقاہی تعلقات کا استعمال کرتے ہوئے طباعت کا معقول بندوبست کیا۔ مجلد ثانی کے جز ثالث ورابع کی طباعت و اشاعت آپ ہی کے دم قدم کی یاد بہار ہے۔

حضرت مولانا محمود احمد قادری رفاقتی رقمطراز ہیں:

''حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری ہی کی طرح حضرت خواجہ سید شاہ حمید الدین ابوالعلائی سجادہ نشین تکیۂ عشق پٹنہ کو بھی صحیح البہاری کی طباعت واشاعت کے سامان کی فکر تھی۔ چنانچہ انہیں کے توجہ دلانے پر ان کے مریدین میں خواجہ ناظم الدین اور خواجہ شہاب الدین نے مجلد ثانی کے جز ثالث و رابع کی اشاعت کا سامان کیا۔ ان دونوں آخری اجزاء کا تہدیہ حضرت سجادہ نشین بارگاہ عشق کے نام نامی سے کیا گیا ہے''۔ (ماہنامہ اشرفیہ شمارہ جنوری ۱۹۷۹ء ص ۱۳)

آل انڈیا سنی کانفرنس پٹنہ کا انعقاد:

تحریک آزادیٔ ہند کے عہد میں خطۂ برصغیر کے مسلمان عجیب تشتت ولامرکزیت کے شکار تھے۔ سیاسی ونظریاتی طور پران کی توتیں ایک نقطے پر مرتکز نہ تھیں۔ بلکہ مسلکی تعصب وگروہی عناد اور علاقائی ونسلی امتیازات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھی ہوئی تھیں۔ ہرایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر اسلامیان برصغیر کی کشتی کا ناخدا بن بیٹھا تھا، اور سیادت وقیادت کا عنان از خود تھامنے کا دعویدار تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد و مولانا عبدالماجد دریا آبادی وغیرہ دیوبندی مکتب فکر کے اصحاب و افراد کا ترجمان ''جمعیۃ العلماء ہند'' اس حوالے سے نمایاں رول ادا کررہا تھا۔ اس بدنہاد ترجمان نے تحریک آزادیٔ ہند کے نام پر مشرکین سے ساز باز کرنے اوران کی بے پناہ رضاجوئی ودلدہی میں کوئی کسر نہ اٹھارکھی تھی۔

معاذ اللہ، مہاتما گاندھی کو مذکر من اللہ کا ٹائٹل دے رکھا تھا، گاؤکشی کے خلاف مہم چھیڑ رکھی تھی، مندروں کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا تھا، قشقہ لگا کر بتوں کے نعرے بلند کئے تھے۔ غیر مسلمین سے وداد و محبت کے لئے اجلاس و کانفرنسیں منعقد کی تھیں۔ اس طرح اور بہتیرے خلاف شرع ومنافیٔ اسلام وسنت اعمال وحرکات انجام دے رہے تھے۔ اس وقت کا یہ المناک و روح فرسا ماحول دیکھ کر ایسا محسوس ہورہا تھا، کہ جمعیۃ العلماء اسلامیان برصغیر کو شاید خس وخاشاک کی طرح مشرکانہ نظریات کے سیلاب میں بہالے جائے گی۔

اکابر واعاظم اہلسنّت والجماعت شدید کرب واضطراب کے عالم میں اس ہولناک ودلگداز منظر و ماحول کو دیکھ رہے تھے اور اس کے انسداد ودفاع کی خاطر موثر تدبیروں کا خاکہ بھی تیار فرما رہے تھے۔ بالآخر ۱۶؍مارچ ۱۹۲۵ء کو جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے وسیع و عریض صحن میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' نام کی صفت سیل رواں تنظیم منظر عام پر آئی۔

ہمارے پر عزم اسلاف کرام نے اس پلیٹ فارم سے اغیار کی شرارتوں ورذالتوں کا تعاقب کرنا شروع فرمایا۔ تاریخی ادارہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد اس کا صدر مقام بنا، اور بنارس وپٹنہ اور کولکاتہ اس کی صوبائی شاخ کہلائے۔ ۱۵؍ذوالقعدہ ۱۳۶۴ھ کو پٹنہ میں تنظیم کا اجلاس عام تھا۔ حضرت ملک العلماء چونکہ صوبائی شاخ کے سربراہ تھے۔ اس لئے آپ اجلاس کے انتظام وانصرام اور دوسری تیاریوں میں سراپا مصروف وکوشاں تھے۔ اس موقع پر حضرت خواجہ صاحب آپ کے دست راست اور بڑے معاون و مددگار ثابت ہورہے تھے، بلکہ اس اجلاس کی کارگزاریوں وسرگرمیوں کا انحصار تقریباً آپ ہی کے بازوئے ہمت پر تھا۔

لیکن وائے ناکامی! کہ اجلاس کی تیاریوں کی عین ہماہمی میں حضرت شاہ خواجہ حمید الدین ابوالعلائی صاحب سجادہ خانقاہ عشق کا وصال ہوگیا اور اجلاس کا خواب یکا یک بکھر کر رہ گیا۔ اس حادثۂ فاجعہ پر حضرت ملک العلماء نے حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام ایک مکتوب میں اپنے ردّعمل کا اظہار اس طرح فرمایا:

''جناب کا مکرمت نامہ آیا ۲۳؍رمضان المبارک شب ایک بجے محب سنت علمائے سنت مخلص جناب سید شاہ حمید الدین صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف، متن گھاٹ پٹنہ جن کے ہاں جلسۂ رجبی شریف میں دو مرتبہ تشریف لائے تھے، ان کا انتقال پر ملال ہوا۔ اس حادثے نے میری کمر توڑ دی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی شاخ صوبائی کانفرنس کی کامیابی کا اعتماد انہی کے بازوئے ہمت پر تھا۔ یہاں علماء ومشائخ ہیں لیکن ایسا شیر دل باہمت کوئی نہیں رہا''۔ (تذکرہ کاملان بہار ص ۳۲۲)

☆☆☆

ملک العلماء اور صدر الشریعہ

مفتی اعظم ہالینڈ حضرت علامہ مفتی الحاج عبد الواجد در بھنگوی، امین شریعت ثالث، ادارۂ شرعیہ سلطانی گنج، پٹنہ، بہار

یوں تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے مقتدر تلامذۂ کرام خلفاء عظام اور مستفدین و مستفیضین کے فیوض و برکات اور خدماتِ دینیہ سے دنیا کا بیشتر حصہ متاثر و فیضیاب ہے۔

برصغیر ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ فارس (المغرب) حضرموت، کردستان، برما اور افریقہ واندلس کے مختلف ممالک میں آپ کے تلامذہ وخلفاء کرام پھیلے ہوئے تھے۔ جو اسلام وسنیت کی بیش از بیش زریں خدمات انجام دے رہے تھے۔

شام ویمن اور افریقی ممالک کے وہ علماء کرام جو قطب مدینہ خلیفہ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین صاحب مدنی علیہ الرحمہ کے زیر درس مسجد نبوی شریف میں بالواسطہ اعلیٰ حضرت کے علمی فیوض و برکات سے مستفیض اور مستنیر ہو رہے تھے۔

قطب مدینہ کی استدعاء پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اُن میں سے بیشتر حضرات کو خلافتِ ذہبیہ قادریہ سے مفتخر ومزین فرمایا۔ ان خلافت یافتہ حضرات میں سلسلہ سنوسی کے جواں سال بزرگ حضرت العلام سید محمد ادریس السنوسی قدس سرہ کی بھی ذات گرامی ہے، جو قطب مدینہ علیہ الرحمہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اعلیحضرت علیہ الرحمہ کے ایسے شیدائی وفدائی ہوئے کہ اپنے آبائی سلسلہ سنوسی سے صرف نظر فرماتے ہوئے تاحین حیات سلسلہ عالیہ قادریہ کی ترویج و اشاعت کرتے رہے...... یہاں تک کہ جب اقوام متحدہ نے لیبیا کو برطانیہ اور فرانس کی فوجی گرفت سے آزاد کرادیا تو ۱۹۵۱ء میں آپ ہی لیبیا کے حکمراں مقرر ہوئے۔ اپنے دور اقتدار میں لیبیا کو تعلیمی، اقتصادی اور سماجی ترقیوں کی اعلیٰ منزل تک پہنچادیا۔ یہ بھی انہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ برطانیہ اور فرانس کا تسلط ہونے کے باوجود لیبیا میں مغربی تہذیب پنپ نہیں سکی۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۹ء تک آپ نے ملک کے ہر شعبہ میں اصلاحات کا تسلسل جاری رکھا۔ دسمبر ۱۹۶۹ء میں وہاں کی آرمی نے سید محمد ادریس سنوسی کی غیر موجودگی میں حکومت کا تختہ الٹ دیا اور سوشلسٹ ری پبلک حکومت قائم کر دی۔ جس کے سربراہ فوجی افسر کرنل قذافی تھے۔ سید محمد ادریس قادری سنوسی ہی کے دور میں لیبیا کے اندر پیٹرول کی اتنی بہتات ہوگئی کہ لیبیا کی تاریخ کو زریں بنادیا۔

شیخ سنوسی کی طرح نہ معلوم کتنے خلفاء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ گوشۂ گمنامی میں روپوش ہو گئے، جن کا آج تک ہمیں کوئی بھی علم نہیں ہوسکا۔

۱۹۵۸ء میں عرس اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بافیض موقع پر کراچی (پاکستان) کے اندر حضرت العلام مبلغ عالم اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ خلیفہ اعلیٰ حضرت کے مریدین و مخلصین بیرسٹرز و وکلاء نے تھیوسوفیکل ہال میں تذکرۂ اعلیحضرت کا خاص اہتمام کیا اور مقرر خصوصی کی حیثیت سے اشرف العلماء حضرت سید شاہ سلیمان اشرف صاحب صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم

یونیورسٹی علی گڑھ کے تلمیذ خاص مبلغ اسلام برائے ممالک ساؤتھ افریقہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن انصاری (داماد و خلیفہ مبلغ عالم اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی علیہ الرحمہ) کو مدعو کیا، جس کے سیمینار کی آخری تقریر انہوں نے انگلش میں کی۔ جس میں انہوں نے خلاصہ کیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا سحاب کرم صرف دینی وروحانی دنیا پر ہی نہیں برسا، بلکہ صحیح سیاسی ودنیاوی تعمیرو ترقی پر بھی آب پاشی کرتا رہا، جیسا کہ سید سنوسی نے اپنے بیس سالہ دوراقتدار میں لیبیا کو بام عروج تک پہنچا کر دکھلا دیا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے حالاتِ زندگی اور طرق تبلیغ وہدایت کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے، تو اس چمنستانِ رضا میں ہر گل بوٹے کا رنگ وروپ اور نکہت وعطر افشانی جدا جدا ہے۔ موجودہ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ کے درجنوں خلفاءِ عظام ہوئے، جن میں سے ہر ایک بجائے خود نہ صرف علم وفضل کی نہریں ہیں، بلکہ عظمت وکرامت علوم وفنون اور فیض ودیانت کا بحرِ ذخار ہیں۔

انجمن برکاتِ رضا، ممبئی، نے نہایت مستحسن اور لائق تقلید پیش قدمی کی ہے، کہ جہانِ ملک العلماء کے نام سے حضرت ملک العلماء کے منتشر حالات وکوائف اور خدماتِ دینیہ کو دستاویزی انداز میں دنیائے سنیت کے لئے جمع کردینے کا عزم بالجزم کر رکھا ہے۔ مولیٰ کریم انجمن مذکور کے تمام ارکان ومعاونین کو سرخروئی و کامیابی کی بیش بہا نعمت عطا فرمائے اور ہم تمام اہل سنت وجماعت کی طرف سے ان سب کو اجر جزیل اور خاتمہ جمیل کی دولت ارزانی فرمائے آمین۔

رضا اکیڈمی ممبئی کی طرح انجمن برکات رضا ممبئی کا بھی میں صمیم قلب سے مشکور ہوں، کہ اس کے ارباب حل وعقد نے فقیر ہیچمداں کے لئے ملک العلماء اور صدر الشریعہ کا عنوان منتخب کیا۔ باوجودیکہ میں ان دنوں انگلیوں کے آپریشن کے سلسلہ میں اسٹرڈم میڈیسن سینٹر (AMC) میں زیر علاج ہوں، لیکن انجمن مذکور کے مخلصانہ حکم سے سرتابی کی مجال اپنے اندر نہیں پاتا ہوں۔ بنابریں اپنے عنوانات سے متعلق کچھ گوشے حیطۂ تحریر میں لانا باعثِ سعادت سمجھتا ہوں۔ ع

گر قبول افتدز ہے عز وشرف!

ولادتِ حضور ملک العلماء: آپ کی ولادت مبارکہ رسول پور، میجرا ضلع نالندہ سابق ضلع پٹنہ بہار میں دس محرم الحرام ۱۲۹۳ھ-۱۸۸۰ء کو ہوئی۔

آپ کے والد ماجد ملک عبدالرزاق نے آپ کا تاریخی نام غلام حیدر (۱۲۹۳=۱۰۰۰+۳۰+۱+۴۰+۸+۱۰+۴+۲۰۰) رکھا۔ جبکہ خاندان کے بعض افراد نے عبدالحلیم نام پسند کیا۔ ان دونوں ناموں کی کھینچا تانی میں تیسرا نام ظفیر الدین غالب آیا اور مذکورہ دونوں نام (غلام حیدر وعبدالحلیم) گویا متروک ہوگئے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی تھے، جن کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں سیدنا غوث الثقلین غیث الکونین شہنشاہ بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ کے والد محترم کا شاہی لقب مدار الملک تھا۔ جنہیں فیروز شاہ ملک بیا سے مخاطب کرتے تھے۔ لہٰذا سید ابوبکر غزنوی کی آل اولاد نے اپنے آپ کو ملک کہلانا شاہی اعزاز کے مطابق سمجھا۔ اس لئے یہ خاندان ملک مشہور ہوگیا۔

حضور صدر الشریعہ: آپ کی ولادت باسعادۃ مدینۃ العلماء کریم الدین پور قصبہ گھوسی مئو سابق ضلع اعظم گڑھ میں ۱۲۹۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا خاندان عالیشان علم وحکمت کا گنج گراں

تھا، جہاں جسمانی وروحانی بیماریوں کا گویا شفا خانہ قائم تھا۔ حکمت وطبابت کے علاوہ آپ کے والد ماجد قرآنی آیات رحمت وشفاء کے ذریعہ بھی بیماروں اور بیماروں کی چارہ گری فرماتے تھے۔ آپ کی پیدائش مبارک پر نہ صرف اہل خاندان کو مسرت وشادمانی حاصل ہوئی، بلکہ علاقے کے مسلم وغیر مسلم سبھوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ کا نام نہایت بابرکت نام "امجد علی" رکھا گیا۔ آپ کے والد ماجد حکیم حاذق مولانا شاہ جمال الدین ابن مولانا خدابخش ابن مولینا خیرالدین تھے۔

ف: سنہ ولادت سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان دونوں بزرگوں کی عمر شریف میں تقریباً تین ہی سال کا فرق ہے۔ بعض حضرات نے حضور ملک العلماء کی سنہ پیدائش ۱۳۰۳ھ لکھ دی ہے، مگر آپ کے تاریخی نام سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سنہ غلط ہے، صحیح سنہ پیدائش ۱۲۹۳ھ ہے۔ یعنی حضور صدر شریعہ سے تین سال پہلے آپ پیدا ہوئے۔

ان دونوں بزرگوں کی تشریف آوری علم وفضل والے گھرانے میں ہوئی، جہاں علم وعمل کی خیرات پہلے ہی سے بٹ رہی تھی۔ اور جن کا مولد ومسکن ولادت کے قبل ہی سے علاقہ والوں کیلئے مرکز توجہ تھا۔ الحمد للہ کہ آخر الذکر بزرگ کا گھرانہ نسلاً بعد نسل اب تک علوم دینیہ کا گہوارہ اور مسلک رضویت کا پروقار مینارہ ہے، جہاں سیکڑوں متلاشیان حق وہدایت آج بھی اس چشمہ صافی سے سیراب و بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

سلسلۂ تعلیم:

حضور ملک العلماء ۱۲۹۷ھ میں جبکہ آپ کی عمر چار سال چند مہینے کی تھی، آپ کے والد ماجد نے حضرت چاند شاہ صاحب کے ذریعہ آپ کی بسم اللہ خوانی کرائی۔ حضرت شاہ صاحب سلسلۂ قادریہ کے معمر بزرگ تھے، جن کے ہاتھوں پر حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ طریقہ عالیہ قادریہ میں مرید تھیں۔ بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی تعلیم آپ [illegible] نے دی، اور اپنے ہی گھر میں اردو، فارسی اور ابتدائی [illegible] کتابیں حضرت حافظ مخدوم اشرف، مولوی [illegible] عبد اللطیف وغیرہم سے پڑھیں، اس کے بعد [illegible] مدرسہ غوثیہ حنفیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں داخلہ لے لیا۔ جہاں آپ نے تفسیر جلالین، شرح وقایہ، مختصر المعانی، میر زاہد اور [illegible] کتب متوسطات کی تعلیم شیخ محی الدین اشرف، شیخ [illegible] اشرف، مولانا فخر الدین حیدر، مولوی مہدی حسن [illegible] ابراہیم اعظمی وغیرہم سے حاصل کی۔ اس زمانہ میں آپ کے رفقاء درس مولوی اکرام الحق، مولوی حکیم ابوالحسن، مولوی عبد القدوس، مولانا وصی احمد اور مولوی عبد الماجد وغیرہم تھے۔

۱۳۱۸ھ میں پٹنہ یعنی بخشی محلہ میں علم ودانش کا ایک عظیم شہر آباد ہوا۔ جس میں ہندوستان کے تجربہ کار اور مشاق مدرسین کو اعلیحضرت علیہ الرحمہ کی وساطت سے رئیس اعظم پٹنہ قاضی عبد الوحید صدیقی فردوسی نے جمع کرلیا۔ جس کی وجہ سے چند ہی مہینے کے اندر اس شہر علم وفضل (مدرسہ حنفیہ پٹنہ) کا شہرہ صوبہ بہار کے بلاد ومواضعات سے نکل کر ملک کے مختلف صوبوں تک جا پہنچا۔ طالبان علوم دینیہ دور دراز کی مسافت طے کرکے پٹنہ آنے اور مدرسہ حنفیہ میں جوق در جوق داخلہ لینے لگے۔ دیگر لائق وفائق اساتذہ کے علاوہ سند المحدثین استاذ الاساتذہ حضرت مولینا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی شہرہ سن کر حضور ملک العلماء نے اپنے مذکورہ ساتھیوں کے ساتھ پٹنہ کا رخ کیا اور مدرسہ حنفیہ میں داخلہ لے لیا۔ جہاں صرف تین مہینے میں آپ لوگوں نے مسند امام اعظم، مشکوۃ المصابیح اور ملا جلال سبقاً سبقاً پڑھا۔ مگر اسی درمیان

حضور محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی طبیعت علیل ہوئی اور اسی علالت کی بناء پر آپ نے پٹنہ سے رخت سفر باندھ لیا۔

اپنے وطن مالوف پیلی بھیت تشریف لے گئے، جہاں روبصحت ہونے کے بعد آپ نے اپنے ہی قائم کردہ مدرسۃ الحدیث میں درس دینا شروع کیا۔ جب محدث سورتی علیہ الرحمۃ پٹنہ سے پیلی بھیت تشریف لے جا چکے، تو حضور ملک العلماء بھی اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ دارالعلوم کانپور پہنچے۔ کانپور میں اس وقت تین ادارے تھے۔ (دارالعلوم امداد العلوم اور احسن المدارس) جن کو لائق و فائق اساتذۂ کرام مثلاً مولینا احمد حسن کانپوری، مولینا عبداللہ پنجابی کانپوری اور قاضی عبدالرزاق کی خدماتِ تدریس حاصل تھیں۔

حضور ملک العلماء صرف چند مہینے کانپور میں ٹھہرے، مگر ہر سہ/۳ حضرات بالا سے استفادہ فرمایا۔ مولینا احمد حسن کانپوری سے منطق کی امہات الکتب، مولینا عبیداللہ پنجابی کانپوری سے ہدایہ آخرین اور مولانا قاضی عبدالرزاق امدادی سے مختلف علوم وفنون کا درس لیا۔

حضور صدر الشریعہ: آپ کی بسم اللہ خوانی آپ کے جد امجد، حضرت مولانا خدا بخش علیہ الرحمۃ نے کرائی۔ پھر قاعدۂ قرآن تا ختم قرآن پاک اردو، فارسی اور صرف نحو کی کتب اولیات اپنے بافیض عالم دین دادا سے حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنے برادر اکبر حضرت علامہ مولانا محمد صدیق صاحب علیہ الرحمۃ کے زیر تدریس آ گئے جو آپ کو نہایت شفقت و محبت کے ساتھ علوم دینیہ اور فنونِ رائجہ کی کتب متوسطات تک گویا گھول گھول کے پلا دیا۔ پھر یہ کہ آپ کی قوتِ حافظہ اور فہم مدرکہ ایسی تیز و بے مثال تھی کہ جس سبق کو دو تین بار دیکھ لیتے، وہ نہاں خانہ حافظہ میں نقش کالحجر ہو جاتا۔

اسی طرح علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے درمیان ہی کتب متوسطات کو مطالعہ میں رکھنے اور ان کے سمجھنے کی صلاحیت جاگ اٹھی۔ ذہن رسا کے ساتھ ساتھ طبیعت بھی نہایت اخاذ پائی تھی۔ لہٰذا اپنے بردار اکبر کی تعلیم پر اپنے علم کو موقوف نہیں فرمایا، بلکہ وطن کو خیر آباد کہہ کر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ ہدایت اللہ خانصاحب رامپوری ثم جونپوری علیہ الرحمۃ سے اکتساب فیض کے لئے اُس دور کے شہر شیراز کے مشہور مدرسہ (مدرسہ حنفیہ جونپور) میں داخلہ لیا، جہاں حضرت ممدوح کے حلقہ تدریس میں رہ کر علوم عقلیہ کی امہات الکتب کا درس لیا۔ حضرت ممدوح کے الطاف کریمانہ اور شفقت استاذانہ نے دیکھتے ہی دیکھتے آپ کو علوم وفنون کا ایسا پارس بنا دیا کہ جس کو چھو دیں، اگر وہ لوہا ہو، تو سونا بن جائے۔

ف: دونوں حضرات نے حصول علم وفن میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہونے دی۔ بلکہ جہاں کہیں علم و فضل کا چشمہ رواں دواں دیکھا، صعوبتِ سفر عزیز واقرباء کی فرقت اور وطن کی محبت کو خاطر میں نہ لا کر پروانہ وار وہاں جا پہنچے اور حصول علم دین میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

جن اساتذہ کرام کا نام ان دونوں بزرگوں کے اتالیق و اساتذہ میں آتا ہے، اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے دور کے فاضل یگانہ اور گوہر بار زمانہ تھے۔ خصوصاً حضور محدث سورتی۔ استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری علیہم الرحمۃ کہ جس جس خوش نصیب کو ان حضرات کا شرف تلمذ حاصل ہوا، وہ سب علوم وفنون اور معارف کا آفتاب و ماہتاب بن کے چمکے۔ ہمارے ان دونوں بزرگوں (ملک العلماء وصدر الشریعہ) نے مشہور و معروف زمانہ منقولی و معقولی اساتذہ عظام کے سامنے زانوئے علم وادب کو تہ فرمایا اور علوم نقلی و عقلی سے اپنے دامن مراد کو اِس قدر بھرا، اِس قدر بھرا کہ آج تک واسطہ در واسطہ نہ صرف برصغیر (ہندو پاک و بنگلہ دیش) بلکہ بیشتر ممالک اسلامیہ وغیر اسلامیہ میں

تقسیم کیا جا رہا ہے۔ مگر دریائے ظفر و مجد کی طغیانی میں کوئی کمی نہیں ہو رہی ہے۔ (وللہ الحمد)

دورۂ حدیث

حضور ملک العلماء: پٹنہ سیٹی مدرسہ حنفیہ کے بعد آپ اپنے ساتھی مولانا حکیم ابوالحسن کے ساتھ کانپور آ کر علوم دینیہ کے حصول میں مصروف تو ہو گئے مگر جو چاشنی مسند امام اعظم اور مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے میں انہیں پٹنہ کے اندر حاصل ہوئی اس کی مٹھاس انہیں مجبور کرتی تھی کہ اگر موقع ہاتھ آ جائے تو حضور شیخ المحدثین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کے چشمہ صافی سے ایک بار پھر سیراب ہو یا جائے۔

جوئندہ یابندہ: قدرت نے یاوری کی اور آپ کانپور سے ۱۳۲۰ھ میں پیلی بھیت آ گئے اور مدرسۃ الحدیث میں داخلہ لے کر دورۂ حدیث میں شریکِ درس ہو گئے۔

دورانِ اسباق حضور محدث سورتی علیہ الرحمہ والرضوان اکثر و بیشتر حضور مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا ذکر خیر نہایت عظمت و احترام کے ساتھ فرماتے رہتے۔ جس سے آپ کے بعض تلامیذ کو نہایت حیرت ہوتی کہ آپ خود شیخ المحدثین اور استاذ الاساتذہ ہونے کے ساتھ ساتھ غواص البحرین حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادابادی کے ذریعہ آفاقی دریائے معرفت کے خصوصی تیراک ہیں۔ پھر بھی اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ذکر اس قدر انہاک و عقیدت سے فرماتے رہتے ہیں۔ گویا کہ وہی ان کے استاذ و مربی اور راہِ طریقت کے رہنما ہیں۔

ایک مرتبہ حضور محدث سورتی علیہ الرحمہ کے ان شاگردوں نے جو دورۂ حدیث میں تھے۔ آپ سے یہ چبھتا ہوا سوال کر ہی دیا کہ حضور! آپ بیشتر اوقاتِ تدریس و غیر تدریس میں جس عالم یگانہ فاضل بریلوی کا ذکر فرماتے رہتے ہیں۔ وہ نہ آپ کے استاذ ہیں، نہ پیر و مرشد اور نہ عمر ہی میں بڑے ہیں پھر ان کا کثرتِ ذکر سے تو ہم لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے مرشد گرامی سے بھی زیادہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے محبت و عقیدت ہے؟

محدث سورتی نے نمدیدہ نگاہوں کو وا کرتے ہوئے فرمایا، ہاں عزیزو! میرے پیر و مرشد قطب زمانہ مولانا شاہ فضل رحمٰن قدس سرہ کا احسان عظیم ہے کہ انہوں نے میرے رشتہ حیات کو سلسلہ طریقت سے باحسن طریق جوڑ دیا ہے اور مجھے جوہر شناسی کا وہ ملکہ عطا فرما دیا ہے کہ میں کھرے کھوٹے میں بیک نظر تمیز کر سکتا ہوں اور انہی کی نظر کرم کی بدولت میں اپنے شبانہ یوم اعمال کی نگہداشت بھی کرتا ہوں، مگر دریائے علم و حکمت وارثِ علوم نبوت امام احمد رضا فاضل بریلوی مدظلہ الاقدس نے ہمیں جوہر ایمانیات کی لذتوں سے آشنا فرمایا اور ایمان و عقائد صحیحہ پر شبخون مارنے والے لٹیروں سے اس کی حفاظت کا طریقہ بتایا ہے اور تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ بغیر دولتِ ایمان کے اعمال صالحات پر صالحات کا اطلاق ہی درست نہیں پس الاھم فالاھم، الاوّل فالاوّل کے مطابق جب ایمان عمل پر مقدم ہے، تو ایمان کی چاشنی سے روشناس فرمانے والے اور اس کی حفاظت کا طریقہ بتانے والے۔ اعمال میں خلوص و صالحیت کی دولت دینے والے پر مقدم و محبوب تر ہونا چاہیے۔ پس اسی لئے اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا گرویدہ و شیدا ہوں۔ پھر اگر ان کی عبقریت و فقاہت کو دیکھنا ہو، تو ان کے ان مدلل و مبرہن و مفصل فتاویٰ کا مطالعہ کرو جو العطایا النبویہ فی فتاویٰ رضویہ کے مبارک نام سے موسوم ہے تو خود واضح ہو جائے گا کہ وہ جس تعریف و تحسین کے مستحق ہیں۔

کیا ہم اس کا ایک ذرہ بھی حق ادا کر رہے ہیں۔

محدث سورتی علیہ الرحمہ کے ان تاثرات نے حضرت ملک العلما کی آنکھیں کھول دیں۔ دورۂ حدیث کے درمیان ہی بغیر دستار فضیلت لئے ہوئے بریلی شریف حاضر ہو کر بحر رضا سے سیراب ہونے کا عزم بالجزم فرمالیا۔

حضور صدر الشریعہ: جونپور مدرسہ حنفیہ میں حضرت استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خانصاحب رامپوری ثم جونپوری سے آپ نے بھرپور عقلی وفنی استفاضہ فرمایا۔ استاذ الاساتذہ ہی کے زیر سایہ آپ نے علوم عقلیہ کی امہات الکتب کی تکمیل فرمائی۔ تکمیل کے بعد دستارِ فضیلت لینے کی بجائے اپنی علمی پیاس بجھانے کی خاطر جونپور سے پیلی بھیت پہنچ گئے۔ جہاں احادیث کریمہ اور اس کے علوم کا چشمۂ بیکراں ابل رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے مدرسۃ الحدیث کے درجہ اعلیٰ دورۂ حدیث میں داخلہ لے لیا۔ یہ غالباً ۱۳۲۲ھ کی بات ہے جبکہ حضور ملک العلماء پیلی بھیت سے بریلی شریف آچکے تھے۔

حضرت صدر الشریعہ نے شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ سے مسلسل دو سال تک احادیث کریمہ اور اس کے اصول واسناد کا درس لیا اور وہیں سے سند فراغت حاصل فرمائی۔

برسبیل تذکرہ حضرت مولانا ہدایت اللہ خانصاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا واقعہ یاد آگیا، جو بعض اسباق علوم عقلیہ میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ہم سبق تھے۔ یعنی مولانا مقبول احمد خانصاحب سابق ناظم اعلیٰ ومدرس اول دار العلوم المشر قیہ حمیدیہ دربھنگہ، نے اپنے دار العلوم کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے اپنے عزیز شاگرد حضرت مولانا سید الزماں صاحب حمدوی پوکھریروی کو اپنا سفیر بنا کر ادارۂ شرعیہ بہار کے زیر اہتمام منعقدہ انسدادِ فسادات کانفرنس پٹنہ میں بھیجا، تا کہ کانفرنس میں شرکت فرمانے والے علماء اہل سنت میں سے بعض حضرات کو اس غرض سے دربھنگہ لے آئیں کہ دار العلوم المشر قیہ حمیدیہ کو ان کی تحویل ونگرانی میں دے دیا جائے۔

چنانچہ پٹنہ سے پانچ حضرات پر مشتمل ایک وفد دربھنگہ پہنچا (۱) سلطان المناظرین حضرت مولانا شاہ رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کانپور (۲) سلطان التارکین حضرت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن صاحب رئیس اعظم اڑیسہ (۳) عالم باعمل حضرت مولانا سید الزماں صاحب حمدوی (۴) حضرت مولانا مفتی عبد الحفیظ صاحب سینئر مدرس دار العلوم المشر قیہ اور پانچواں یہ خاطی وفقیر عبد الواجد قادری بحیثیت خدمت گذار کے اس مبارک وفد میں شامل تھا۔ نتیجہ کے طور پر دار العلوم المشر قیہ حمیدیہ علماء اہل سنت کے زیر انتظام تو نہیں آسکا، لیکن جو بات مجھے عرض کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ میں چند گھنٹوں کے قیام میں متعدد بار دیکھا کہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے مولانا مقبول احمد خان صاحب کی دست بوسی و پابوسی فرمائی۔ (ایک دست بوسی تو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی عادتِ مستمرہ میں شامل تھی کہ جو بھی اُن کی دست بوسی کرتا، آپ اُس کے ہاتھوں کو بھی چوم لیا کرتے) لیکن یہ دست بوسی عادتِ مستمرہ والی نہیں تھی، کیونکہ مولانا مقبول احمد خان صاحب نے اس وفد کے کسی فرد کی کسی وقت دست بوسی نہیں کی، مگر حضور مجاہد ملت نے بوقت قدوم ورخصت اور مجلس مشاورت میں شرکت کے وقت مولانا مقبول احمد صاحب کی دست بوسی وقدم بوسی نہایت عقیدت واحترام سے کیا اور حضرت والا کا یہ عمل فقیر پر تقصیر پر بہت ہی گراں گذرا۔ کیونکہ یہ مسلک کے لحاظ سے جناب خانصاحب پر تصلب کا دور دور تک پتہ نہیں تھا مصلحت کوشی اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ وہابی و دیوبندی اور شیعہ وغیرہم

کی نام نہاد نماز جنازہ پڑھنے اور پڑھانے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔

لہٰذا میں نے ظہر کی نماز کے بعد شاہی جامع مسجد دربھنگہ ہی کے اندر حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کو اپنے وارداتِ قلبی اور مولانا کے غیر ذمہ دارانہ روش سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ حضور! آپ کی ذاتِ گرامی اور آپ کا عمل ہمارے لئے نمونہ ہے۔ ایسی صورت میں مولانا مقبول احمد خانصاحب کی دست بوسی وقدمبوسی نے خدام کو اچھا تاثر نہیں دیا۔

میرے اس عریضہ کو سن کر حضور سیدی مفتی اعظم کانپور تو مسکرا پڑے۔ لیکن حضور سیدی مجاہد ملت نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔ مولانا! وہ ہمارے استاذ گرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ بھائی ہیں، تو استاذ کی بجائے میں نے اسی نسبت کو بوسہ دیا ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی اس نسبت کا احترام نہ کر سکے تو وہ جانیں، باقی رہا ان کا وہ عمل جس سے آپ نے آگاہ کیا۔ میں اس سے بالکل ہی بے خبر ہوں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ سنیوں کا ادارہ ہے۔ کیونکہ مولانا مقبول احمد خان سے پہلے حضرت مولانا عبدالحمید صاحب راجوی دربھنگوی مدرسہ سبحانیہ الہ باد سے اس مدرسہ کی نظامت کے لئے یہاں تشریف لائے اور چونکہ وہ اس مدرسہ کے مدرس اول بھی تھے۔ لہٰذا انہوں نے مدرسہ سبحانیہ سے ان طلبہ کو بھی یہاں بلا لیا، جو سبحانیہ میں ان کے زیر درس تھے۔ انہی طلبہ میں مولوی نظام الدین بلیاوی بھی تھے، جنہوں نے کئی برسوں تک یہاں مولانا عبدالحمید صاحب پھر حضرت ملک العلماء فاضل بہاری علیہ الرحمہ سے علم توقیت میں استفادہ کیا۔ بعد میں پھر وہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد چلے گئے، جہاں دائرہ شاہ اجمل کے قریب انہوں نے مستقل رہائش اختیار کر لی۔

یہ وہ واقعہ تھا، جس نے مجھ پر گہرا اثر کیا، کہ جن کی نظر میں ایک جونیئر استاذ بھائی کی یہ عزت واحترام ہو وہ اپنے بزرگوں اور استاذ گرامی کی تعظیم وتکریم کس طرح بجا لاتے ہوں گے۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے طفیل ہمیں بھی بزرگوں اور بزرگوں سے نسبت رکھنے والوں کی بارگاہوں میں باادب باقرینہ حاضر ہونے کی توفیق رفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

ف: ہمارے ان دونوں ممدوحوں نے ملک کے کامل ترین اساتذۂ کرام سے کتب درسیات کی تکمیل فرمائی، لیکن دورۂ حدیث کا شرف حضور شیخ المحدثین کی خدمت عالیہ میں باریاب ہو کر حاصل کیا۔

جب مزرعِ علم وحکمت زرخیز ہو اور بارانِ علم وفن جھوم جھوم کر برستا ہو، تو کون ہے، جو ان کھیتیوں کے لہلہانے اور بارآور ہونے سے روک سکے۔ یہی وجہ ہے، کہ تقریباً ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی ان دونوں حضرات کے علم وحکمت کا فیضان بر کوچک ایشیا ہی نہیں، بلکہ مختلف براعظموں کے متلاشیانِ حق وصداقت اور طالبانِ علم وفضل کو پوری سخاوت کے ساتھ سیراب وفیضیاب کر رہا ہے۔ ایک صدی میں نے اس لئے کہا، کہ ان دونوں حضرات کی تحریری فیض رسانی کا سلسلہ زمانہ طالب علمی سے شروع ہو چکا تھا۔ جو آج پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری وساری ہے......

بارگاہِ مجدد میں رسائی

حضور ملک العلماء: ایک سال سے کچھ زائد ۱۳۲۰ھ و ۱۳۲۱ھ میں آپ پیلی بھیت میں حضرت شیخ المحدثین محدث سورتی علیہ الرحمہ سے کتب صحاح اور بعض دیگر جوامع وسنن کا باضابطہ درس لیتے رہے۔ دورانِ اسباق ہی حضور استاذ الاساتذہ کی زبانی امام اہل سنت مجدد ملت کا بارہا تذکرۂ جمیل سن چکے تھے۔ آخر خوب سے خوب تر کی تلاش نے انہیں بریلی پہنچنے پر مجبور کیا۔

چنانچہ آپ ۱۳۲۱ھ کے اخیر میں بانس بریلی تشریف لے آئے۔ لیکن جس مقصد کی تکمیل کے لئے آئے تھے وہ مقصد حل ہوتا ہوا نظر نہیں آیا۔ کیونکہ، بریلی میں اُس وقت تک کوئی باضابطہ معیاری درسگاہ تھی اور نہ انفرادی طور پر درس وتدریس کا کوئی سلسلہ۔ البتہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ بذاتِ خود ایک مدرسہ تھے، ایک جامعہ تھے، اور ایک یونیورسٹی اور تن تنہا ایک عظیم لائبریری اور دائرۃ المصنفین بھی۔ جہاں سے ایشیاء و افریقہ تک کے الجھے ہوئے مسائل و معاملات کے سلجھے ہوئے جوابات اور مختلف مضامین پر مشتمل سینکڑوں کتب ورسائل بھیجے جاتے تھے۔ اس ہماہمی کو دیکھ کر ملک العلماء نے چند دنوں کے لئے مدرسہ مصباح التہذیب بریلی میں داخلہ لے لیا۔ مگر بارگاہِ مجددیت سے مایوس نہ ہوئے، بلکہ امام اہلسنّت کے جانشین حضور حجۃ الاسلام مرشدالانام شاہ مولانا حامد رضا خان اور امام اہلسنّت کے برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی سے رابطہ استوار کیا اور کسی طرح ان دونوں حضرات کو اعلیٰحضرت عظیم البرکتہ کے زیر سایہ ایک مدرسہ کے قیام پر راضی کیا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی شبانہ یوم مصروفیت کے پیش نظر ان ہر دو حضرات میں سے کسی کی جرأت نہیں ہوتی تھی، کہ اعلیٰ حضرت سے قیام مدرسہ کے لئے کچھ عرض ومعروض کریں۔

بالآخر ان تینوں حضرات نے طے کیا، کہ کسی بزرگ سید کو سفارش کے لئے آمادہ کیا جائے۔ جن کا احترام خود اعلیٰحضرت بھی بجا لاتے ہوں۔ چنانچہ اس کام کے لئے بریلی کی ایک معروف شخصیت مولانا سید امیر اللہ شاہ صاحب کو تیار کیا گیا۔ پھر یہ چار نفری جماعت (حجۃ الاسلام، علامہ زمن، ملک العلماء اور حضرت سید صاحب) اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ علیہ الرحمۃ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی۔ پھر حضرت سید صاحب قبلہ نے کہنا شروع کیا۔ حضور عالی! کل میدانِ محشر میں اگر رب جلیل جل مجدہ نے اپنے محبوب جمیل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہ وسلم کے سامنے اس بندۂ کمترین و پر معاصی سے پوچھ دیا کہ تمہارے بریلی میں وہابیت و دیوبندیت کی بدبو کیسے پہنچ گئی؟ اور تمہارے سرمایہ دین و دانش پر کس نے شب خوں مارا؟؟ تو حضور معاف فرمائیں میں، تو صاف صاف کہہ دوں گا، کہ ہمارے دینی وروحانی رہنما جن کی دینی وروحانی ضیاباری سے دور و دراز کے ممالک روشن و تابناک ہو گئے۔ یہاں تک کہ مرکز ہدایت باب مجیدی میں بھی اُن کی ضیا چمکنے لگی۔ مگر ہائے افسوس! اپنے ہی شہر سے اُنہوں نے بے توجہی برتی، کیونکہ خدماتِ دینیہ کی کثرت نے انہیں اس جانب توجہ کرنے کی فرصت ہی نہیں دی۔ اتنا سنناتھا، کہ اعلیٰ حضرت لرز اُٹھے پورے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ فرمایا، آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ مولانا حکیم سید امیر اللہ صاحب بریلوی نے عرض کیا، حضور عالی! یہاں ایک ایسے دینی مدرسہ کی شدید ضرورت ہے۔ جس کے ذریعہ اسلام وسنیت کی حفاظت ہو سکے۔ جس کے لئے ایسا نصاب تعلیم مقرر کیا جائے، کہ یہاں کا فارغ التحصیل ہر محاذ پر دشمنانِ اسلام اور مومنین الوہیت ورسالت کو دنداں شکن اور ذلت آمیز شکست دے سکے۔ نیز مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان کے اعمال ومراسم کی اصلاح کر سکے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا، میں اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ یہاں دینی تعلیمی ادارہ کی ضرورت ہے لیکن میں اپنی لاحقہ مصروفیات سے الگ بھی تو نہیں ہوسکتا کیونکہ جس خدمت کو میں انجام دے رہا ہوں اس کی اشد ضرورت پوری قوم مسلم کو ہے۔ اگر میں نے خدانخواستہ اس سے بے اعتنائی برتی تو میں عنداللہ تبارک وتعالیٰ وعندالرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیا جواب دوں گا؟

حضرت سید صاحب بریلوی نے عرض کیا حضور عالی! آپ صرف ہاں فرمادیں اور اس ادارہ کو اپنی سرپرستی میں لینا منظور کرلیں۔ بقیہ انتظام وانصرام ہم لوگ کرلیں گے...... اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے حامی بھرلی اور فرمایا ایک ماہ (بروایتِ دِگر ایک سال) تک مدرسہ کے تمام اخراجات میں اپنی جیب سے ادا کروں گا۔ اس درمیان میں آپ لوگ مدرسہ کے انتظامیہ کی تشکیل دے کر مدرسہ چلانے کی سبیل نکال لیں۔

یہ چار نفری مبارک جماعت مدرسہ کی منظوری کا مژدہ پا کر بارگاہِ امام رضا سے اُٹھی، اور مدرسہ کا تاریخی نام منظر اسلام (۴۰+۵۰+ ۹۰۰+۲۰۰+ ۱+۶۰+۳۰+۱+۴۰ =۱۳۲۲) علامہ زمن حضرت حسن بریلوی نے تجویز فرمایا۔ پھر درسگاہ کے لئے عارضی طور پر حکیم رحیم یار خاں صاحب کے گھر کو منتخب کرلیا گیا۔

عمومی مدارس اسلامیہ کا حال یہ ہوتا ہے، کہ اس کا آغاز قاعدہ بغدادی یا متن البیضاوی سے ہوتا ہے اور سالہا سال کے بعد وہ علوم عقلیہ ونقلیہ اور کتب متوسطات تک پہنچتا ہے۔ پھر برسوں گذر جانے کے بعد امہات الکتب درسیہ اور دورۂ حدیث تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ مگر مدرسہ منظر اسلام کی بنیاد جن مقبول دعاؤں کی آغوش میں پڑی تھی، اس کی اٹھان ہی عجیب تھی، کہ روز اوّل سبق کا آغاز بخاری شریف سے ہوا۔ شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت امام احمد رضا خود رونق افروز تھے اور متعلم کی حیثیت سے دو سید زادے (۱) حضور ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری (۲) مولانا سید عبدالرشید کوپاوی بہاری، متن خواں تھے یہ دونوں وہ خوش نصیب طلبۂ منظر اسلام ہیں۔ جنہیں سب سے پہلے منظر اسلام میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ سے بخاری شریف کو سبقاً سبقاً پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ گویا منظر اسلام کے محرک اوّل ایک سید صاحب کی ذات گرامی ہے اور متعلم اول دو سید زادے ہیں اور محدث اوّل امام احمد رضا کی ذات بابرکات ہے۔ جس مدرسہ کی شروعات ایسی مبارک ذاتوں سے ہوئی ہو اس کے فیضان و برکات کو کوئی کیا شمار کرسکتا ہے۔ ماضی قریب کے ہمارے اکثر و بیشتر اکابر ملت اور زعمائے قوم اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل یا فیض یافتہ ہیں۔

مدرسہ منظر اسلام کا افتتاح اگرچہ صرف دو بہاری طلبہ سے ہوا۔ مگر مہینہ گذرتے گذرتے حضرت ملک العلماء کی سعی پیہم کی وجہ سے بہار کے مختلف مقامات سے طلبہ کی آمد کا غیر منقطع سلسلہ شروع ہوگیا۔ مثلاً سال اول ہی میں مولانا نذیر الحق رمضانپوری، مولانا غلام مصطفیٰ بہاری، مولانا محمد ابراہیم اوگانوی، مولانا سید عبدالرحمٰن بیتھوی، مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب بہار شریف وغیرہم۔ ان حضرات کی آمد کی وجہ سے ملک العلماء کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور آپ دل جمعی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے دریائے علم وحکمت سے علوم و معارف کا درس لینے لگے۔ تحقیق کے مطابق حضرت ملک العلماء فاضل بہاری نے اعلیٰ حضرت رضی عنہ الرحمٰن سے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک اور شرح چغمنی پڑھنے کے بعد فنون رائجہ کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے بعض ایجاد کردہ فنون کو اعلیٰ حضرت ہی سے حاصل کیا۔ مثلاً علم ہیئت، ریاضی، توقیت اور جفر وتکسیر وغیرہا۔ ان سب کے علاوہ تصوف ومعرفت کی مشہور ومعروف کتابیں عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا خصوصی درس بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ہی نے آپ کو دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے، کہ جب آپ اور آپ کے ساتھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے بخاری شریف اور عوارف المعروف کا درس لیتے، تو دیگر طلبہ کے علاوہ مدرسہ کے مدرسین حضرات اور حاضر باش

علماء کرام بھی درس میں شریک ہوتے تھے۔

ملک العلماء نے بخاری شریف کے دورانِ درس ہی فتویٰ نویسی بھی شروع فرمادی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے کچھ سوالوں کے جواب املا کرتے اور کچھ سوالوں کا جواب آپ از خود لکھ کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کرتے اور جو جوابات اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ملاحظہ فرمالیتے۔ آپ اُنہیں اپنی یادداشت کی کاپی میں بھی محفوظ کرلیا کرتے تھے۔

کچھ دنوں تک، تو آپ صرف اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے پڑھتے رہے اور افتاء کی ابتدائی خدمات کو اعلیٰ حضرت کی نگرانی میں انجام دیتے رہے۔ پھر جب مدرسہ منظر اسلام میں ہندوستان کے منتخب اور جید علماء کرام مسند تدریس پر جلوہ بار ہو گئے، تو ملک العلماء اپنی لاحقہ ذمہ داریوں کے علاوہ مسلم شریف اور مسلم الثبوت حضرت مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ رشید مولانا لطف اللہ صاحب علیگڑھی اور مولانا حامد حسن رامپوری شاگرد خاص حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین فاروقی سے پڑھنے لگے۔ دوسری اہم ترین کتابوں کی تکمیل بھی اِن ہی دونوں بزرگوں سے کی یاد ہوگا، کہ مدرسہ منظر اسلام ۱۳۲۲ھ میں قائم ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک سال کے اندر اِس قدر پنپ گیا، کہ پہلے ہی سالانہ امتحان میں امتحان لینے کے لئے ہندوستان کے مایہ ناز علماء محققین اور استاذ الاساتذہ حضرات مثلاً شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی، عید الاسلام حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب قطب جبلپور، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری، اور مولانا حافظ قاری بشیر الدین صاحب جبلپوری قدست اسرارہم وغیرہم تشریف لے آئے۔ ۱۳۲۳ھ کی رودادِ مدرسہ منظر اسلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اگر چہ مدرسہ کے اس امتحان اول میں حضور سیدی مفتی اعظم ہند اور علامہ حسنین رضا خانصاحب علیہما الرحمہ بھی شریک تھے۔ مگران بزرگوں نے کتب متوسطات کا امتحان دیا اور ایسا امتحان دیا، کہ ممتحن حضرات بھی انگشت بدنداں ہو گئے۔ چنانچہ عالم باعمل فاضل اکمل، خلیفہ ارشد اعلیٰ حضرت حضور عید الاسلام مولانا شاہ عبدالسلام صاحب قطب جبلپور علیہ الرحمہ امتحانی نتائج ۱۳۲۳ھ کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''خصوصاً میاں مولوی مصطفیٰ رضا خاں اور میاں مولوی حسنین رضا خاں نے جس عمدگی اور خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ نہایت بلند مرتبہ کا محققانہ امتحان دیا حق تو یہ ہے کہ یہ انہی کا حصہ تھا۔ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْ عِلْمِہِمَا وَفَھْمِہِمَا الخ''

اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری اسی امتحان کے سلسلہ میں اپنا تاثر یوں قلم بند فرماتے ہیں:

> ''امید کامل ہے، کہ اس مدرسہ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں ہے، ایسے برکات فائض ہوں جو تمام اطراف و جوانب کی ظلمات و کدورات کو مٹائیں اور ترویج عقائد حقہ منیفہ اور ملت بیضاء شریفہ حنیفہ کے لئے ایسی مشعلیں روشن ہوں جن سے عالم منور ہو۔''

(روداد مدرسہ منظر اسلام بریلی ۱۳۲۳ھ ص ۵۱)

ان بزرگوں کے تاثرات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی، کہ جس مقصد خیر کے لئے مدرسہ قائم کیا گیا تھا، اس میں سال اول ہی سے کامیابی و کامرانی نظر آنے لگی۔ باغباں کو باغ کے پھلنے پھولنے پر جو خوشی و شادمانی حاصل ہوتی ہے۔ مدرسہ کے بانیین جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس شجر سدابہار کو لگایا تھا، انہیں سال اول ہی کے نتائج امتحانات اور علماء ربانیین کے تاثرات کو دیکھ کر کیسی خوشی حاصل ہوئی ہوگی، اندازہ لگانا مشکل ہے۔

۱۳۲۳ھ کے سالانہ امتحان میں سب سے اونچی کتابوں (امہات الکتب) کا جن حضرات نے امتحان دیا ان میں سرفہرست حضور ملک العلماء فاضل بہار علامہ سید محمد ظفر الدین علیہ الرحمہ کا نام اور دوسرا اہم ترین نام حضرت علامہ سید شاہ عبدالرشید عظیم آبادی کا تھا (یہ وہ بزرگ تھے۔ جو حضور ملک العلماء ہی کے وقت میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے جونیئر سیکشن میں آخیر مدرس تھے اور اگر کچھ اور قریب سے متعارف ہونا چاہیں، تو یہ وہی بزرگ ہیں، جن کے چھوٹے صاحبزادے عارفِ حق حکیم حاذق شیداءِ مجاہد ملت علامہ سید شاہ عزیز احمد صاحب ابوالعلائی خانقاہِ ابوالعلائیہ الہ آباد کے سجادہ نشین ہوئے علم طب کے ماہروں میں آپ کا شمار ہے۔ آپ ہی کے نیک نام صاحبزادے حضرت سید شاہ شمیم گوہر صاحب ابوالعلائی ہیں) اِن دو حضرات کے علاوہ بھی بہار کے دوسرے طلبہ شریک امتحان تھے۔ مثلاً علامہ سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری، مولانا سید حکیم عزیز غوث صاحب اور مولانا نواب مرزا وغیرہم۔

مدرسہ منظر اسلام میں ۱۳۲۳ھ کے امتحان کا مکمل ریکارڈ تو موجود نہیں ہے۔ البتہ روداد ہی کے ذریعہ مذکورہ حضرات کا علم ہوا کیونکہ اسی سال کی روداد میں طلبہ مدرسہ کے متعدد فتاوے بھی شائع ہوئے ہیں۔ جن میں مذکورہ تمام حضرات کے لکھے ہوئے فتاوے ہیں۔ حضور ملک العلماء کے دو فتاوے اردو اور فارسی زبانوں میں نہایت مرصع و مدلل ہیں۔ جس کو پڑھنے کے بعد کسی نہج سے یہ نہیں معلوم ہوتا، کہ یہ کسی نو آموز مفتی کا جواب ہے۔ خاص کر کفوء سے متعلق جو جواب آپ نے رقم فرمایا ہے اور دلائل و براہین کے ساتھ مفتی بہ اقوال کو ترجیح دی ہے، اس سے تو یہی واضح ہوتا ہے، کہ یہ جواب کسی کہنہ مشق متبحر مفتی کا ہے۔

۱۳۲۳ھ کا سالانہ امتحان تو آپ نے دے دیا، مگر دستار فضیلت لینے میں عمداً تاخیر کی کیونکہ جیسے جیسے علم و فضل کے چشمہ صافی سے قریب تر ہوتے گئے علم کی پیاس بڑھتی گئی۔ دورۂ حدیث اور علوم و فنونِ متنوعہ کا امتحان دینے اور امتیازی نمبر حاصل کرنے کے بعد بھی فن افتاء نویسی، جبر و مقابلہ اور مساحت و اقلیدس کی مشق اعلیٰ حضرت کی نگرانی میں جاری رہی۔

۱۳۲۳ھ اور ۱۳۲۴ھ میں مدرسہ منظر اسلام کے متبحر اور تجربہ کار اساتذۂ کرام سے دیوان متنبی، مطول، حمد اللہ، قاضی مبارک، تفسیر مدارک، تاریخ یمینی، تصریح، شرح چغمنی، سبع شداد، مسلم الثبوت، سبعہ معلقہ، مقامات بدیع، صدرا، شمس بازغہ، ہدایہ آخرین، صحیح مسلم اور شرح عقائد نسفی مع خیالی کی دوبارہ سہ بارہ تکرار فرماتے رہے۔ ۱۳۲۵ھ میں التوضیح والتلویح، شرح مواقف، امور عامہ، میر زاہد، بیضاوی شریف اور کتب احادیث میں ابوداؤد ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف اور فقہ میں درمختار کو بار بار پڑھتے اور ان سے دردانہ حاصل کرنے کی کامیاب کوشش فرماتے رہے۔

۱۳۲۵ھ میں ماہِ شعبان کی وہ تاریخ سعید آ گئی، جس میں آپ کے سراقدس پر دستارِ فضیلت سجائی جانے والی تھی، چنانچہ امام اہل سنت مجدد ملت کی درخواست پر مخدوم الاولیاء شیخ العلام حضرت سیدنا احمد عبدالحق انصاری ردولوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشین حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہ بریلی تشریف لائے اور مسجد بی بی جی کے وسیع و عریض صحن میں سینکڑوں علماء ربانیین کی موجودگی اور عوام الناس کے مجمع کثیر میں مخدوم موصوف نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حضرت ملک العلماء فاضل بہار کے سر پر دستار فضیلت و کرامت باندھی۔ پھر تدریس، تصنیف اور تبلیغ کے ساتھ افتاء کی بھی سند مرحمت فرمائی۔

اعلیٰ حضرت دریائے علم و حکمت نے اسی سال آپ کو تمام سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت اور خطابات عالیشان "ملک

العلماء'' و''فاضل بہار'' سے مفتخر فرمایا۔ ۱۳۲۵ء میں جیسے یہ دونوں خطاب آپ کو زیب دیتے تھے۔ آج ۱۴۳۰ھ میں بھی وہ اسی طرح زیب دے رہے ہیں اور چونکہ یہ دونوں خطابات آپ کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زبان محفوظ الخطاء والنسیان سے صادر ہوئے ہیں، تو ان کے لئے موزوں ترین شخصیت آپ ہی کی ذات ہے۔

دستارِ فضیلت کے بعد اعلیٰحضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو منصب افتاء کے علاوہ مدرسہ منظر اسلام میں تدریسی خدمات پر بھی مامور فرمادیا۔ جہاں آپ نے اپنے بعض استاذوں کے زیر سایہ اپنے لاحقہ تدریسی خدمات کو باحسن وجوہ انجام دینا شروع کر دیا۔ تقریباً چار سال تک آپ تدریس وافتاء کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ظاہر ہے، چار برسوں کی مسلسل تدریسی خدمات کے درمیان درجنوں نہیں، بلکہ سینکڑوں میں آپ کے تلامیذ کی تعداد ہوگی۔ مگر اس کا کوئی ریکارڈ نہ تو مدرسہ میں ہے اور نہ ہی حضور ملک العلماء کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

(نوٹ: حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کے زمانہ تدریس کو سو سال سے زائد کا عرصہ گزرا بھلا اس وقت کا ریکارڈ کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے جب کہ مجھے اپنے زمانہ فراغت کے بعض کاغذات کی ضرورت پڑی تو ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۷ء کا کوئی تدریسی و تعلیمی ریکارڈ مدرسہ منظر اسلام میں نہیں مل سکا)۔

البتہ ان چار برسوں کی مدت میں جو فتاوے حضور ملک العلما نے لکھے ان میں سے کچھ کی نقلیں بنام ''نافع البشر فی فتاویٰ ظفر'' آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

۱۳۲۹ھ میں جب منظر اسلام میں موجود مدرسین کے علاوہ مقتدر علما کرام بحیثیت مدرس و معلم کے آچکے، تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ علیہ الرحمہ کے حکم سے آپ کو منصب خطابت و تبلیغ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے شملہ جانا ہوا۔ حیات اعلیٰ حضرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ نے شملہ ہی میں اپنی خدماتِ تبلیغ و خطابت کے دوران وہاں بغرض تفریح آئے ہوئے ماہرِ ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ملاقات کی اور ان سے اُس لاینحل مسئلہ ریاضی کا حال دریافت کیا، جس کو ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اُسے آن کی آن میں حل فرمادیا۔ اور ارشاد فرمایا، اس سے مشکل تر مسائل ریاضی ہمارے یہاں کے طالب علم بعونہ تبارک و تعالیٰ حل کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ملک العلماء سے کہا، ہاں میں اس واقعہ کی جو آپ بیتی ہے از اول تا آخر تصدیق کرتا ہوں اور اعلیٰ حضرت کے اس گوشہ علم کو دیکھ کر علم لدنی کا یقین ہوا۔ اگر اس صدی میں کوئی نوبل پرائز کا صحیح حقدار ہے، تو وہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی ذات ہے۔

صدر الشریعہ: علوم دینیہ شرعیہ اور فنون عقلیہ سب کی تکمیل آپ مدرسہ حنفیہ جونپور میں کر چکے تھے۔ لیکن مزید حصول علم کے ذوق اور فیض صحبت سے مالا مال ہونے کی تڑپ آپ کو پیلی بھیت استاذ الاساتذہ شیخ المحدثین کی خدمت عالیہ میں آنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ مدرسہ حنفیہ جونپور سے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت آگئے اور درجہ دورۂ حدیث میں داخلہ لے لیا۔ حضور شیخ المحدثین نے آپ کی علمی جلالت، فنی صلاحیت اور حسن لیاقت کے ساتھ ساتھ منقولی و معقولی گہرائی و گیرائی کو دیکھتے ہوئے آپ کی جانب خاص توجہ مبذول فرمائی۔

قراءۃ متن و ترجمہ، حدیث دانی و حدیث فہمی پھر اس سے مسائل فقہیہ کا استخراج مدرسۃ الحدیث میں درس لینے والے طلبہ کا کام تھا۔ جبکہ فنی حسن و قبح، صحت و سقم، اصول حدیث، اسماء الرجال اور جرح و تعدیل وغیرہم سے کبھی اجمالاً اور کبھی تفصیلاً طلبہ کو آگاہ کرنا

شیخ الحدیث کی ذمہ داری تھی۔

حضور صدرالشریعہ مسلسل دو سال تک علم و عرفان اور نبوی فیضان کی موسلادھار بارش میں نہاتے رہے اور ذوق علمی کی صداءِ زِدْفزد کو سیراب کرتے رہے۔ ہر صبح و شام علم و عرفان کی نئی نئی منزلوں سے آپ گزرتے رہے اور اپنے استاذ و مربی کے آغوش رحمت و شفقت میں پروان چڑھتے رہے، تا اینکہ آپ نے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت ہی سے سند فراغت حاصل فرمائی۔ مگر

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت آگے حد پرواز سے

دستارِ فضیلت حاصل ہوجانے کے بعد بھی آپ نے سلسلۂ تعلیم کو منقطع نہیں فرمایا، بلکہ خاندانی پیشہ طبابت کو برقرار رکھنے کے لئے پیلی بھیت سے لکھنؤ پہنچ گئے۔ جہاں حاذق الملک حکیم عبدالولی صاحب کا قیام جھوائی ٹولہ میں تھا۔ ان کی خدمت میں پہنچے اور باضابطہ علم طب حاصل کرنا شروع کیا۔ طب کی جو کتابیں عربی فارسی میں تھیں انہیں سمجھنا آپ کے لئے مشکل نہیں تھا۔ حکیم حاذق کی نگاہ شفقت نے چند ہی مہینے میں ادویہ مفردات کی کامل پہچان کرادی اور مرکبات سازی میں ماہر بنادیا۔ لیکن مطب کی طرف جانے کی بجائے استاذ گرامی کے حکم سے آپ پھر پیلی بھیت پہنچ گئے۔

۱۳۲۴ھ تا ۱۳۲۷ھ لگاتار چار برسوں تک مدرسۃ الحدیث میں مختلف درجات کی تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۳۲۷ء کے بعد آپ سہ بارہ پٹنہ چلے گئے اور وہیں مطب کا سلسلہ شروع فرمادیا۔ قدرت نے علم و فضل کے ساتھ ساتھ دست شفاء بھی عطا فرمایا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے شہر اور اس کے اطراف میں آپ کے مطب کی دھوم مچ گئی۔

ابھی آپ نے اطمینان و سکون کی سانس بھی نہیں لیا تھا کہ استاذ گرامی کے یہاں سے پھر طلبی کا پروانہ آگیا کیونکہ انہی دنوں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمہ کو اپنے جامعہ منظر اسلام کے لئے ایک ایسا لائق و فائق استاذ چاہئے تھا، جو تدریس درس نظامی کے علاوہ منظر اسلام کے خصوصی نصاب کی کتب متوسطات سے امہات الکتب تک ہر فن کی کتابیں پڑھانے کا کامل ملکہ رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ افتاء اور انتظامیہ کی ذمہ داریوں کو بھی باحسن وجوہ انجام دے سکتا ہو۔ بنا بریں امام اہل سنت شیخ المحدثین علامہ شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی سے ان اوصاف سے متصف استاذ کی فرمائش کی اور حضور شیخ المحدثین کی نگاہِ انتخاب حضور والا صدر الشریعہ پر جا پہنچی۔ استاذ گرامی کا حکم نامہ پہنچتے ہی صدرالشریعہ نے بھی اپنی دنیاوی منفعت کو نظر انداز کرتے ہوئے مطب کو چھوڑ کر پیلی بھیت اور پیلی بھیت سے بریلی شریف پہنچ گئے۔

جب اعلیٰ حضرت کے کارہائے جلیلہ اور مصروفیات شبانہ یوم کو دیکھا، تو گویا آپ کا مقصود اصلی آپ کو مل گیا، جہاں آپ کو بہت پہلے آجانا چاہئے تھا۔ مگر دیر آید درست آید کے پیش نظر آپ نے عزم صمیم کرلیا، کہ اب خدمات دینیہ کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ ہی کے زیر سایہ انجام دینا ہے۔ چنانچہ ابتداء درس و تدریس کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی۔ رفتہ رفتہ افتاء کی مصروفیات درس و تدریس کی مصروفیات سے بھی زیادہ ہوگئی۔ لیکن جیسے جیسے ذمہ داریاں بڑھتی گئیں، ہمت مرداں مددِ خدا شامل حال ہوتی گئی۔ اسی درمیان مطبعِ اہل سنت کا برقی پریس، کاتب، تصحیح (پروف ریڈنگ) مینیجر اور دیگر کارکنندگان کی تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ کے شعبۂ علمیہ کی صدارت کے فرائض بھی آپ کے کاندھوں پر ڈال دی گئی۔

حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اسی درمیان امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت و اجازت سے بھی نوازے

گئے۔ جب تک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بقید حیات رہے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے شیخ کامل سے صدر الشریعہ فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔ بلکہ بعد از وصال بھی وقفہ وقفہ سے سالوں سال بریلی شریف میں قیام پذیر رہے۔ مجملہ ۱۸ ربرس تک اپنے شیخ کامل عارفِ اکمل سے دولت روحانی وعرفانی سمیٹتے رہے......

یوں تو درجنوں علماءِ متبحرین وراسخین اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہِ فیض بخش میں شب و روز حاضر باش رہتے تھے۔ لیکن اعلیٰحضرت عظیم البرکت کو جو اعتماد و وثوق صدر الشریعہ پر تھا، وہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خود فرماتے ہیں......

''آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے۔ طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔'' (الملفوظ)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بعد آپ ہی کی ذات مرجع العلماء اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ آپ بھی خدمتِ افتاء پر مامور تھے۔ کیونکہ فقہی جزئیات کا استحضار اور اجتہادی قوتِ بصیرت جو آپ میں تھی وہ آپ ہی میں تھی۔

سلسلۂ تدریس

حضور ملک العلماء: دستارِ فضیلت کے بعد ہی سے آپ نے اپنے مادرِ علمی منظر اسلام بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دینا شروع کی۔ یعنی ماہِ شوال المکرم ۱۳۲۵ھ سے ۱۳۲۹ھ کے اوائل تک آپ اپنے مربی و پیرو مرشد کے زیر سایہ ''منظر اسلام'' میں تعلیم دیتے رہے۔ ان چار برسوں کے درمیان درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں علماء کرام نے آپ سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن اس دور کا کوئی ایسا ریکارڈ مرکزی مدرسہ اہل سنت منظر اسلام میں نہیں ہے جس کی مدد سے طلبہ مستفیدین کے اسماء گرامی کی نشاندہی کی جائے۔

مذکورہ چہار سالہ تدریسی ایام میں آپ کے علم وفضل کا شہرہ ہر چہار جانب ہونے لگا۔ دور دور سے مدارس عربیہ کے لئے آپ کی طلبی کے خطوط آنے لگے۔ ایک خط کے جواب میں اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ انجمن نعمانیہ لاہور کے ناظم محترم کو تحریر فرماتے ہیں:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہیں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں ہیں۔ (۳) مفتی ہیں۔ (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں۔ (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ (۷) اور علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ الخ''

اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ کے یہ وہ تاثراتِ سبعہ ہیں، جو آپ نے مجموعی طور پر صرف ملک العلماء کے لئے تحریراً آگاہ فرمایا ہے۔ اگر ان اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی کسی عالم دین کے تعلق سے اعلیٰ حضرت ارشاد فرمادیں، تو وہ اس عالم ربانی کے لئے تمغۂ زندگانی، بلکہ اُخروی سرخروئی کی ضمانت بن جائے۔ واضح کر دینا چاہتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے یہ تاثرات وصال پرملال سے تقریباً بارہ سال پیشتر کے ہیں، جس زمانہ میں متحدہ ہندوستان کی عبقری شخصیات مدرسہ منظر اسلام اور مرکزی دار الافتاء رضویہ میں موجود تھیں۔ مدرسہ منظر اسلام کے بعد ۱۳۲۹ھ میں اعلیٰ حضرت علیہ

الرحمہ کے حکم پر آپ بحیثیت مبلغ و خطیب شملہ، شملہ تشریف لے گئے۔ مگر چند مہینوں کے بعد ہی آپ بحکم اعلیٰ حضرت مدرسہ حنفیہ فیض الغرباء آرہ (شاہ آباد) پہنچ کر صدر المدرسین کے منصب پر فائز ہوئے اور قریب ایک سال تک محنت و لگن کے ساتھ مدرسہ کے تعلیمی و تنظیمی شعبوں کو ترقی دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ بہار کا مشہور و معروف مدرسہ ہو گیا۔

۱۳۳۰ھ-۱۹۱۲ء میں پٹنہ عظیم آباد کے اندر جب مدرسہ اسلامیہ ''شمس الہدیٰ'' قائم ہوا تو اس میں بحیثیت مدرس اول آپ کا تقرر عمل میں آیا...... پھر خانقاہ کبیریہ کی عظیم الشان دینی درسگاہ، جس میں پہلے ہی سے حضرت مولانا رحم الٰہی مظفر نگری، مولانا سید ابوالحسن خوشدل سہسرامی اور مولانا سید غیاث الدین چشتی وغیرہم زینت تدریس بنے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا سید شاہ ملیح الدین احمد علیہ الرحمہ سجادہ نشین خانقاہِ کبیریہ سہسرام کی مسلسل فرمائش پر آپ ۱۳۳۴ھ میں پٹنہ سے سہسرام تشریف لے گئے اور مذکورہ قد آور شخصیتوں کے ہوتے ہوئے منصب صدر المدرسین کو زینت بخشی۔ آپ وہاں چار پانچ سال تک علوم و فنون کے دریا بہاتے رہے۔ پھر جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے انتظامیہ نے مدرسہ کو گورنمنٹ آف بہار کے انتظام میں دے دیا، تو مدرسہ کی تنظیم جدید عمل میں آئی اور نئے اسٹاف کے تقررات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۳۳۸ھ کے بعد ملک العلماء کو سہسرام سے پٹنہ بلا لیا گیا۔ اور شمس الہدیٰ کے سینئر مدرس کے پوسٹ پر بحال کر دیا گیا۔ پھر آپ وہاں کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ہندوستان کے کسی بھی دینی مدرسہ یا جامعہ میں پرنسپل کا گورنمنٹ کی طرف سے یہ پہلا منصب تھا، جس کو پہلے پہلے آپ نے زینت بخشی۔ مجموعی طور پر تقریباً تیس برسوں تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدہ سے آپ سبکدوش ہوئے۔

پھر بھی اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے مکان (ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ) میں رہنے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ تصنیف و تالیف کے علاوہ پٹنہ و مضافات کی عظیم ترین خانقاہوں کے ولیعہدوں کو نہایت مستعدی کے ساتھ دینیات کی تعلیم اور خانقاہی ماحول کی تربیت دیتے رہے...... اس کے بعد حضرت درگاہی میاں قبلہ (سید شاہ شاہد حسین) کے پیہم اصرار پر آپ کٹیہار تشریف لے گئے جہاں ایک جدید تعلیم گاہ بنام جامعہ لطیفیہ بحر العلوم باضابطہ افتتاح فرمایا، اور تجربہ کار و مشاق مدرسین و معلمین کا اس میں تقرر فرما کر خود صدر مدرس کے عہدہ کو رونق بخشی۔ کبرسنی کے باوجود چھ چھ آٹھ آٹھ گھنٹے آپ پڑھاتے اور فتویٰ نویسی میں مصروف رہتے۔

آپ کے طعام و قیام، رہائش و زیبائش میں ذرہ برابر نمائش و تکلف نہیں تھا۔ نہایت سادہ زندگی گذارنے کے عادی تھے۔ ایک بار چند گھنٹے کے لئے جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں اس ناچیز کو ٹھہرنے کا موقع ملا، تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ فجر کی نماز کے بعد اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر بغیر کسی تکلف کے بغیر فرائی کیا ہوا آب رسیدہ چنا کھانا شروع فرمایا۔ اس کے پانی کو ضائع نہیں کیا اور اس ناشتہ نایاب میں ناچیز کو بھی شامل فرمایا۔ جب میں نے عرض کیا، کہ کیا حضور کا ناشتہ ہو گیا، وہ فرمانے لگے اس سے وقت کی بچت بھی ہوتی ہے اور پر تکلف ناشتوں کے مقابلہ میں یہ مقوی و غیر ضرر رساں بھی ہے۔

ایک بار ہندو نیپال کے سرحدی شہر سورسنڈ (ضلع مظفر پور سابقاً) کے جلسہ میں علم الفرائض کے ماہر استاذ بانی جامعہ رضاء العلوم حضرت مولانا شاہ مفتی محمد عظیم الدین صاحب قدس سرہٗ کی دعوت پر ملک العلماء تشریف لائے۔ اختتامِ جلسہ کے بعد حضرت کی ہم

رکابی میں اس بندہ ناچیز کے علاوہ کئی علاقائی علماء شریک سفر تھے۔ مثلاً حضرت مولانا مطیع الرحمٰن صاحب مرحوم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب (شاگرد محدث اعظم پاکستان) یہ غالباً ۱۳۷۶ھ-۱۹۵۷ء کی بات ہے جب کہ یہ خادم مدرسہ رحمانیہ حامدیہ پوکھریرا (سابق ضلع مظفر پور) کے منصب صدر مدرس کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ اثناء راہ ملک العلماء، علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ میں نے آپ کے بعض فتاوٰی کو دیکھا ہے، مجھے یاد آتا ہے، کہ ایک فتوٰی رضاعت سے متعلق بھی تھا، جس میں جزئیات فقہیہ کی نقل میں عجلت سے کام لیا گیا ہے۔ میں نے آپ کے جواب پر کچھ لکھ دیا ہے اور مستفتی کو تاکید کردی ہے، کہ اس سوال و جواب کو آپ کے پتہ پر بھیج دے تا، کہ آپ اپنے قلم سے اس کی تصحیح کردیں۔

خادم نے عرض کیا۔ حضور وہ استفتاء مع جواب کے مجھے مل چکا ہے۔ حضور کے طریقہ اصلاح کو دیکھ کر ندامت سے زیادہ مسرت ہوئی۔ اور جب میں نے آپ کے اصلاح شدہ جواب کو اپنے استاد محترم شیخ الحدیث منظر اسلام حضرت مولانا شاہ محمد احسان علی صاحب قبلہ محدث فیض پوری کو دکھلایا تو وہ بھی بہت مسرور ہوئے۔ حضور ملک العلماء نے فرمایا مشق جاری رہے مگر کسی تجربہ کار مفتی سے اپنے فتاوٰی کی تصدیق کراتے رہیں۔ میں نے عرض کیا تو پھر اس کے لئے میں حضور ہی کی خدمت حاصل کرنا اپنے لئے باعث سعادت و افتخار سمجھوں گا۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا ٹھیک ہے۔ آپ اپنے جوابات مع متعلقہ سوالات کے بذریعہ ریلوے ڈاک بھیج دیا کیجئے گا۔ میں دیکھ کر آپ کو واپس کردیا کروں گا۔ سورسنڈ سے سیتامڑھی تک پندرہ بیس کلومیٹر کا سفر ہم تینوں، ہم رکاب کے لئے نہایت بافیض و بابرکت رہا۔

میں نے دیکھا، کہ سفر و حضر میں کوئی وقت آپ کا ضائع نہیں ہوتا تھا۔ یا تو مطالعہ کتاب فرماتے رہے، یا حاضرین کو مسائل دینیہ بتاتے اور اگر علماء کرام حاضر باش ہوتے تو عقدۂ علمیہ کی گرہیں کھولتے رہتے۔ کبرسنی کے باوجود ذہن میں تازگی اور جزئیات فقہیہ کی ہر وقت آمد ہوتی رہتی۔

جامعہ لطیفیہ کٹیہار کے قیام سے شمالی ہندوستان میں سنی مسلمانوں کو بہت ہی فائدہ پہنچا۔ وہاں کے فارغین و مستفیدین علماء کرام سے پورنیہ، مونگیر، دربھنگہ اور مظفر پور کے علاقے بحمدہٖ تعالیٰ جگمگانے لگے۔ موجودہ وقت میں دور لطیفی کے فیض یافتہ حضرات ملک کے مختلف حصوں میں دُردانے بکھیر رہے ہیں اور ملک العلماء کا فیض ان حضرات کے ذریعہ آج بھی بٹ رہا ہے۔ بہار کی بیشتر خانقاہوں کے سجادہ نشینان حضرات۔ ملک العلماء کے ارشد تلامذہ سے ہیں یا ان کے دریوزہ گر ہیں۔ اس طرح بہار کی علمی و عرفانی دنیا پر آج بھی حضور ملک العلماء کا راج ہے۔

صدر الشریعہ: آپ نے ابتداء شباب یعنی عہد طالبعلمی سے ہی تدریس کا کام شروع کیا۔ جس کا سلسلہ زرین حیاتِ مستعار سے اخیر تک رہا۔ مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف، دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر مقدس اور دار العلوم حافظیہ سعدیہ دادوں کے منصب صدارت پر جلوہ بار ہو کر آپ نے اس قدر لعل و گہر اور علم و فضل کے شمس و قمر پیدا کئے کہ آج تک نہ صرف ان کی تابانیاں باقی ہیں بلکہ اس کی روشن شعاعیں مختلف براعظموں کو مستنیر و منور کر رہی ہیں۔

آپ کی تدریس کا پہلا اور باضابطہ دور مدرسہ الحدیث پیلی بھیت سے شروع ہوتا ہے، تقریباً چار سال مختلف علوم وفنون کی تعلیم کے بعد آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے جامعہ منظر اسلام بریلی شریف آگئے ۔ جہاں آپ کی مصروفیات حیرت انگیز حد تک بڑھ گئیں۔ لوگ کہا کرتے تھے، کہ "مولانا امجد علی صاحب تو کام کی

مشین ہیں"۔ آپ کی ذات صرف درس و تدریس تک محدود نہیں تھی بلکہ جیسا پہلے عرض کیا گیا کہ طلبہ کی تربیت اوقاتِ درس میں تدریس، ارسال و ترسیل اور رضا برقی پریس کی تمام تر ذمہ داریوں کے علاوہ فتویٰ نویسی اور جماعت رضائے مصطفیٰ شعبۂ علیہ کی اہم ترین ذمہ داری منصب صدارت کی تن تنہا انجام دہی۔ یہ سب کام کسی ایک فرد انسان کا کام نہیں تھا۔ بلکہ اس کے لئے ایک فعال جماعتِ علماء کی ضرورت تھی۔ لیکن فیض رضا کے اثرات نے دینی کام کرنے کے لئے آپ کے اندر وہ اسپرٹ پیدا فرمادی تھی، کہ شب و روز مصروفیت کے باوجود تھکاوٹ و اکتاہٹ کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

۱۳۲۷ھ سے ۱۳۴۳ھ تک تقریباً سولہ سال بریلی شریف میں قیام پذیر رہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ علیہ الرحمہ کے وصال پرملال کے بعد ۱۳۴۳ھ میں بحیثیت صدر مدرس آپ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر مقدس چلے گئے۔ جہاں سات برسوں تک پیہم علوم عقلیہ و نقلیہ کے زر و جواہر خواجہ ہندوستانی ولی ذی شان کے زیر سایہ بکھیرتے رہے اور ایسے ایسے لعل و گہر پیدا کئے کہ کوئی سید العلماء بن کر چمکا، تو کوئی امام النحو بن کر۔ کوئی حافظ ملت بن کر، تو کوئی مجاہد ملت بن کر، کوئی سلطان المناظرین مفتی اعظم کانپور بن کر، تو کوئی محدث اعظم پاکستان بن کر، کوئی شمس العلماء بن کر، تو کوئی شیخ العلماء بن کر۔ ان کے علاوہ بھی سینکڑوں طالبانِ علوم شرعیہ کے دامن مراد کو گوہرِ مقصود سے بھر بھر کر شاد کام اور دارین میں نیک نام بناتے رہے۔

متحدہ ہندوستان کے مایہ ناز اور ذی شان علماء اسلام اور اساتذہ عظام جو لاریب علوم و فنونِ اسلامیہ کے امام اور مذہب مہذب اہل سنت و جماعت کے اکابر شمار ہوتے ہیں۔ اسی زمانہ تدریس صدر الشریعہ کے خوشہ چیں اور آپ کے حاشیہ نشین ہیں۔ ۱۳۵۱ھ میں دوبارہ بریلی شریف آئے اور تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے بعد ازاں بریلی مقدس سے بحیثیت صدر مدرس مدرسہ حافظیہ سعدیہ دادوں ضلع علی گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں بھی حسب سابق سات سال تک بحسن و خوبی فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ جہاں عام علماء کے علاوہ رئیس زادوں اور نواب زادوں کو بھی تعلیم و تربیت سے سنوارتے رہے۔

آپ کی مسلسل تعلیمی و تدریسی اور تربیتی صلاحیتوں کا اس قدر شہرہ ہوا، کہ ۱۹۲۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ اسلامیات کے لئے نصاب کی تشکیل کی ضرورت پیش آئی۔ تو متحدہ ہندوستان کے ارباب علم و دانش اور نہایت مشاق و تجربہ کار اور مسند تدریس کے شہسواروں میں سے منتخب حضرات پر مشتمل چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس میں نمایاں طور پر حضور صدر الشریعہ کی ذات گرامی بھی تھی۔ آپ نے تعلیمی نکات و نصاب کو اسلامی نقطہ نظر سے بیان فرمایا۔ یونیورسٹی مذکورہ کے علاوہ اسلامی جامعات کے لئے آپ نے نہایت مفید نصاب تعلیم بھی مدوّن فرمایا، جس کی ایک جھلک "بہار شریعت" کی سولہویں جلد میں ملتی ہے۔

مدرسہ حافظیہ سعدیہ کے منتہی طلبہ کے سالانہ امتحان کے موقع پر دادوں میں آئے ہوئے مہمان خصوصی نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے ۱۳۵۶ھ کے کھلے اجلاس میں اعتراف کیا، کہ "میں ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کی تعلیم و تربیت کو جانتا ہوں، ہزاروں معلمین و مدرسین میں سے چار پانچ مدرسین میری نگاہوں میں منتخب ہیں، اُن میں ایک مولانا امجد علی اعظمی ہیں"۔

۱۳۵۴ھ سے ۱۳۶۲ھ تک مدرسہ حافظیہ سعدیہ دادوں میں آپ کا قیام فیض بخش عام رہا۔ پھر وہاں سے ایک سال کے لئے مدرسہ مظہر العلوم کچی باغ بنارس تشریف لے گئے اور جب مرشد کامل کی یاد نے ستایا، تو حضور حجۃ الاسلام کے بعد علامہ تقدس علی

خان کے دورِ نظامت میں ان کے اصرار پر پھر منظر اسلام میں آ گئے اور تدریس عمر کے اخیر تک جواہرات علم وفن کو فراخدلی کے ساتھ لٹاتے رہے اور ایسے ایسے نابغۂ روزگار علوم وفنون کے شہسوار کو اپنے سانچۂ علم وفن میں ڈھال دیا۔ جن پر علم وفن، طہارت وتقویٰ اور زبان وقلم کی روانی وپاکیزگی کو بجا طور پر ناز ہے۔

اعلیٰحضرت عظیم البرکتہ اور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ و الرضوان کے تعلق سے اگر مسئلہ قضاء کا ذکر نہ کروں تو یہ عنوان تشنہ رہ جائے گا لہٰذا اس کا ذکر بھی کرنا ضروری ہوا۔ وَھِیَ ھٰذَا

ماہِ شعبان ۱۳۳۹ھ میں عزت مآب جناب نواب سلطان احمد صاحب اور ان کے بھائی نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے عرض کیا حضور! آج نہ کل ہندوستان کو ظالم و جابر انگریزوں کی حکومت سے نجات ملے گی اور ملک کو آزادی حاصل ہوگی، لہٰذا حصولِ آزادی کے بعد جمہوری تقاضوں کی بنیاد پر قاضی شرع اور مفتی شرع کا تقرر کیسے ہوگا؟ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ''ہاں ملک انگریزوں کے تسلط سے تو ضرور آزاد ہو جائے گا۔ قاضی شرع اور مفتی شرع کے تقرر کے مسئلہ میں غور کروں گا۔''

اس مختصر سی گفتگو کے دوسرے یا تیسرے دن اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے اپنی بیٹھک میں صبح سے ہی خاص طور پر بہ نفس نفیس کچھ انتظام کرائے۔ بیٹھک کے تخت کو نہایت سفید چادروں اور گاؤ تکیوں کے ساتھ مخصوص تین نشستوں میں مزین کرایا اور خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ اسی تخت کے سامنے خلاف معمول ایک علیحدہ کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور جب روزانہ کے حاضرین دربار میں جمع ہو گئے، تو ارشاد فرمایا ''ملک انگریزوں کے تسلط سے ضرور آزاد ہوگا۔ جمہوری بنیادوں پر اس ملک کی حکومت کا قیام عمل میں آئے گا۔ (اگرچہ جمہوریت دھوکہ دہی کے لئے ہوگی) مگر ملک میں قاضی شرع اور مفتی شرع کے تقرر کے لئے اسلامی شرعی قانون کی بنیاد پر سخت دشواری ہوگی۔ چونکہ ملک کے بنیادی قوانین میں ایسا کوئی لائحہ عمل نہ ہوگا۔ جس کی بنا پر قاضی شرع ومفتی شرع کا تقرر صحیح طور پر ہو سکے۔ لہٰذا میں آج ہی اس کی ابتداء کرنے جا رہا ہوں، تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے اور آزادی کے بعد کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''آج میں پورے ملک ہندوستان کے لئے مولانا امجد علی اعظمی کو قاضی شرع مقرر کرتا ہوں۔'' پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر مخصوص درمیانی نشست پر بٹھایا اور دعاء کی۔ پھر صدر الشریعہ کے دائیں اور بائیں حضرت سیدی ومولائی مفتی اعظم ہند اور برہان الملتہ والدین حضور مفتی برہان الحق صاحب جبلپوری علیہ الرحمہ والرضوان کو بٹھایا اور فرمایا ''ان دونوں کو دار القضاء کے لئے مفتی شرع اور معاونِ قاضی مقرر کرتا ہوں، قاضی کا منصب اور اس کے شرائط کتب فقہیہ میں بہت ہیں۔ حضور صدر الشریعہ کو اس منصب جلیل پر نصب فرمانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضور مجدد اعظم اور فقیہ اعظم ہندوستان امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کو صدر الشریعہ کے تفقہ، جزئیات کے استحضار، استخراج اور ان کی اجتہادی بصیرت نیز فیصلہ مقدمات اور خصومات کے صواب سے متعلق کامل اعتماد تھا۔'' دار القضاء کے قیام کے تعلق سے ہندوستانی آئین کے پیش نظر اصول وضوابط فقہیہ کا یہی وہ عملی نچوڑ وخلاصہ ہے جس کی روشنی میں منعقدہ صوبائی سنی کانفرنس سیوان ۱۹۶۸ء کے اندر حضور سید العلماء علامہ سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی صدر الصدور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی، نور دیدۂ اعلیٰ حضرت مرجع العلما حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا مفتی اعظم ہند، اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور برہان الملتہ والدین علامہ شاہ برہان الحق صاحب جبلپوری علیہم الرحمۃ والرضوان کی زیر قیادت وصدارت وسیادت اُس وقت کے

اکابر سنی علماء کرام نے ادارۂ شرعیہ بہار کی بنیاد ڈال کر اس میں دار القضاء کے قیام کو وقت کی ضرورت قرار دیا اور قضاۃ کی تقرری کے لئے امین شریعت کا منصب جلیل منصۂ شہور پر آیا جس کے پہلے امینِ شریعت بالاتفاق حضور صدر الشریعہ کے چہیتے شاگرد رشید سلطان المناظرین حضرت علامہ الحاج شاہ رفاقت حسین صاحب مظفر پوری مفتی اعظم کانپور ہوئے۔

تصانیف

حضور ملک العلماء: تدریسی تسلسل کے ساتھ ساتھ آپ کی تصانیف کا بھی سلسلہ تقریباً پچاس پچپن سال تک رہا۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں آپ کی تصانیف و تالیفات اور مضامین و فتاویٰ موجود ہیں۔ لیکن افادۂ عوام کے پیش نظر آپ کی بیشتر کتابیں اردو زبان میں ہیں۔ آپ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں اور رسالوں کی تعداد تقریباً ۱۰۰ ہے۔ ہر ایک کتاب و رسالہ کے تعارف کے لئے اگر مختصر تبصرہ بھی کیا جائے، تو ایک دفتر درکار ہے۔ اس لئے ملک العلماء کی تصانیف میں سے صرف چند کتابوں کے ناموں پر اکتفا کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کرام کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو جائے، کہ ملک العلماء صرف تدریس و تقریر اور تبلیغ و نصائح ہی کے بادشاہ نہیں تھے، بلکہ ملک التحریر اور شہنشاہِ قلم بھی تھے۔ فنون کے اعتبار سے اگر آپ کی تصانیف سے استفادہ کیا جائے، تو درجنوں ایسے فنون آپ کو نظر آئیں گے جن سے آج کل کے علماء کرام نابلد ہیں اور سنۂ تصانیف کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ فراغت سے پہلے ہی آپ کی تصانیف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو وصال کے قریب تک جاری رہا۔

اسمائے تصانیف ملک العلماء	فنون	سنہ تصانیف
صحیح البہاری	حدیث	۱۳۴۵ھ
حیات اعلیٰ حضرت	سیرت	۱۳۶۹ھ
جواہر البیان	سیرت	۱۳۳۳ھ
ظفر الدین الطیب	مناظرہ	۱۳۲۲ھ
ظفر الدین الجید	مناظرہ	۱۳۲۳ھ
المجمل المعدد	تاریخ	۱۳۲۷ھ
الجواہر والیواقیت	توقیت	۱۳۳۰ھ
مؤذن الاوقات	توقیت	۱۳۳۵ھ
سرور القلب المحزون	اخلاق	۱۳۳۸ھ
عافیہ	صرف	۱۳۳۵ھ
تسہیل الوصول	اصول فقہ	۱۳۴۸ھ
القول الاظہر	فقہ	۱۳۳۳ھ
التعلیق علی القدوری	فقہ	۱۳۲۵ھ
نظم المبانی	نحو	۱۳۳۷ھ
مولود رضوی	سیرت	۱۳۶۰ھ
الاکسیر فی علم التکسیر	تکسیر	۱۳۳۷ھ
مشرقی کا غلط مسلک	ہیئت	۱۳۸۲ھ
الانوار اللامعہ	فلسفہ	۱۳۵۷ھ
مبین الہدیٰ	فضائل	۱۳۲۲ھ

تنویر السراج فی ذکر المعراج	سیرت	۱۳۵۳ھ
تنویر المصباح	فقہ	۱۳۷۱ھ
سمت قبلہ	ہیئت	۱۳۵۸ھ
نصرۃ الاصحاب	فقہ	۱۳۵۴ھ
دلچسپ مکالمہ	نصائح	۱۳۴۷ھ
چودہویں صدی کے مجدد	تاریخ	۱۳۶۷ھ
اصلاح الایضاح	فقہ	۱۳۷۱ھ
مجموعۂ فتاویٰ	فقہ	۱۳۲۳ھ تا بعد
جامع الاقوال فی رویۃ الہلال	فقہ	۱۳۵۷ھ
اطیب الاکسیر	تکسیر	۱۳۳۰ھ
اعلام الاعلام	تاریخ	۱۳۴۱ھ
مواہب ارواح القدس	فقہ	۱۳۲۳ھ
اعلام الساجد	فقہ	۱۳۲۵ھ
الفیض الرضوی	فقہ	۱۳۲۶ھ
الفوائد التامہ	علم کلام	۱۳۵۷ھ
تقریب	منطق	۱۳۳۵ھ
شرح کتاب الشفاء	سیرت	۱۳۲۴ھ
الافادات الرضویہ	اصول حدیث	۱۳۴۴ھ
تحفۃ الاحبار	مناقب	۱۳۳۷ھ

یہ بیس فنون وہ ہیں، جن میں ملک العلماء علیہ الرحمہ کی باضابطہ تصانیف موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی درجنوں فنون پر آپ کو دسترس حاصل تھی۔ جس کے تعلق سے آپ کی نامکمل تحریریں آپ کی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں۔ جسے بندۂ ناچیز کو ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۴ء کے درمیان ادارۂ شرعیہ کے مرکزی دفتر میں قیام کے موقع پر گاہے گاہے دیکھنے کا سنہری اتفاق ہوا۔

حضرت ملک العلماء کی تصانیف کثیرہ میں سے بعض کتابیں بہت ہی مشہور و معروف علماء و عوام دونوں کے لئے نہایت مفید اور معلومات کا ذخیرہ ہیں مثلاً حیات اعلیٰحضرت (مظہر المناقب) مؤذن الاوقات اور صحیح البہاری (الجامع الرضوی) وغیرہا۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے مختلف علوم وفنون اور خصوصیاتِ زندگی پر جتنے خوش نصیبوں نے ڈاکٹریٹ (Ph.d) کی اعزازی سندیں مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں سے حاصل کی ہیں، وہ سب تصانیف اعلیٰ حضرت کے علاوہ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کے بھی محتاج رہے۔ کیونکہ احوال وکوائفِ اعلیٰ حضرت میں اس کتاب کو اولیت اور سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

اولیت کی بات آپڑی ہے تو یہ بھی روشن ہو جائے کہ قیام منظر اسلام کی خشت اوّل حضور ملک العلماء ہیں، فارغین منظر اسلام کے مقتداء حضور ملک العلماء ہیں، دائرۃ المعارف الاسلامیہ (العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ) کے سائل اوّل حضور ملک العلماء ہیں۔ جن کا عالمانہ اور مدبرانہ سوال دنیائے اِفتاء کی تیس جلدوں پر مشتمل ضخیم ترین کتاب کی بنیاد کا سبب ٹھہرا، اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ کے وصال پر ملال کے اٹھارہ سال بعد تک خلفاء مخلصین اور تلامذۂ صادقین میں سے کسی نے حیات مبارکہ اعلیٰ حضرت کو جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی۔ جب کہ معاندین شب و روز اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ پر کیچڑ اچھالنے اور ان کی تعلیمات پر پردہ ڈالنے کی مذموم

کوشش کرتے رہے اور اپنے مقصد ذلیل میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے، وہ ملک العلماء ہی کی ذات گرامی ہے، کہ اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود حیات اعلیٰ حضرت کی تدوین و ترتیب کے لئے کمربستہ ہوئے اور متحدہ ہندوستان کے مریدین و متوسلین اور خلفاء و تلامذہ سے رابطہ قائم فرما کر معلومات کا ذخیرہ اکٹھا کر لیا اور چار جلدوں میں حیات اعلیٰ حضرت ترتیب دے کر مرتبین حیاتِ اعلیٰ حضرت میں اولیت کا مقام حاصل کیا۔

مختصر یہ کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی توسیع و اشاعت اور اس کی تائید و حمایت میں اوّلیت کا سہرا ملک العلماء کے سر جاتا ہے۔

صدر الشریعہ: آپ کی مہارت علوم دینیہ، تعلیم و تدریس علوم عقلیہ اور شرعی علوم و فنون پر کامل دسترس سے کس دیدہ ور کو انکار ہو سکتا ہے۔ بایں ہمہ تحریر کی پختگی اور لسانیات کی شگفتگی نے ابتداء ہی سے مطبع اہل سنت بریلی کی مطبوعات کا آپ کو ذمہ دار بنا دیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بعض مہتم بالشان تصانیف کے علاوہ علماءِ سلف کے فتاوے، ماہنامہ، رسالے، اور اہم ترین اشتہارات کی تصحیح (پروف ریڈنگ) یا تو آپ خود کرتے تھے یا آپ کی زیر نگرانی انجام دیئے جاتے تھے۔

آپ کے فتاوے کے بعض محققانہ جوابات ایسے ترجیحی جزئیاتِ فقہیہ اور دلائل و براہین سے مرصع و مملو ہیں کہ ان کو بنیاد بنا کر درجنوں کتب و رسائل کی تدوین ہو سکتی ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے ممتاز ترین تصانیف بہار شریعت، شرح معانی الآثار اور فتاویٰ امجدیہ وغیرہا ہیں۔ بہار شریعت کے چھ حصے (از اوّل تا ششم)۔ اعلیحضرت علیہ الرحمہ کے ملاحظہ سے گذر چکے ہیں جس کی آپ نے تحسین و تصویب فرمائی ہے، اعلیحضرت علیہ الرحمہ بہار شریعت کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں.........

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

''فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے یہ مبارک رسالہ بہار شریعت حصہ سوم تصنیف لطیف اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلی مولانا ابوالعلی مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنی رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین الحسنیٰ مطالعہ کیا الحمد للہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی و اغلاط کے مصنوع و ملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔

مولیٰ عزوجل مصنف کی عمر و علم و فیض میں برکت دے اور ہر باب میں اس کتاب کے اور حصص کافی وشافی و وافی وصافی تالیف کرنے کی توفیق بخشے اور انہیں اہل سنت میں شائع و معمول اور دنیا و آخرت میں نافع و مقبول فرمائے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین و صلے اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین''

۱۲/شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ تاریخ

آج اس تصنیف لطیف کی مقبولیت کا یہ عالم ہے، کہ نہ صرف برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش بلکہ دنیا کے جن جن بر اعظموں میں اُردو داں علماء، طلبہ، عوام اور مفتیان کرام موجود ہیں، ان تمام مقامات میں بہار شریعت موجود ہے۔ کیونکہ یہ مذہب مہذب حنفی کے مطابق مفتی بہا مسائل کا خزینہ اور حوالجات کا سفینہ ہے۔ مفتیان دیوبند اور علماء دیوبند بھی اس کے محتاج ہیں۔ تاکہ عوام کو برگشتہ ہونے سے بچایا جائے۔ کیونکہ دیوبندی مفتیان مصلحت بیں و کار آسان کن پر ہمیشہ سے عمل پیرا ہیں۔

مختصر یہ کہ بہار شریعت تمام حنفی مکتبہ فکر کے نزدیک ''اسلامک انسائیکلو پیڈیا'' کی حیثیت سے مسلم ہے، پہلے یہ سترہ حصوں پر مشتمل تھی اور اب حضور صدر الشریعہ کے بعض ارشد تلامذہ کی سعی نافع کی وجہ سے بیس حصوں میں دستیاب ہے۔ بہار شریعت مکمل ہندی رسم الخط میں بھی منظر عام پر آچکی ہے اور بعض حصوں کا انگریزی ترجمہ ہو کر چھپ بھی چکا ہے، اور یہ سب اس کی مقبولیت کی علامت ہے...... بہار شریعت کی طرح آپ کے فتاوی (فتاویٰ امجدیہ) کی افادیت و مقبولیت بھی عام ہو چکی ہے۔ اگرچہ اس کی طباعت کچھ تاخیر سے عمل میں آئی، مگر مقبولیت میں اس کو دیر نہیں لگی۔ یہ فتاویٰ دو جلدوں میں تقریباً سترہ سو صفحات پر مشتمل ہے اور یہ حضور صدر الشریعہ کی ستائیس برسوں کی کاوشوں اور جاں سوزیوں کا سرمایہ دینی ہے، جو فاضل گرامی مولانا عبد المنان صاحب کلیمی کی مخلصانہ کوششوں کے بعد منظر عام پر آیا ہے.......... حضور صدر الشریعہ کی تیسری عالمانہ تصنیف امام طحاوی علیہ الرحمہ کی مشہور زمانہ کتاب ''معانی الاثار'' کی شرح ہے۔ ابتداءً آپ نے اس کے حاشیہ کی ضرورت کا احساس فرمایا، لیکن جب آپ کے سیال قلم کو جنبش ہوئی، تو بجائے حاشیہ کے آپ نے اس کی بے مثال شرح لکھ ڈالی، جس کو بہت پہلے لکھا جانا چاہئے تھا۔

معانی الآثار کے تعلق سے بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی سابق شیخ الحدیث الجامۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ نہایت دلسوزی کے ساتھ رقم طراز ہیں......

''خود اصل کتاب (معانی الآثار) اس پایہ کی ہے کہ سنن و مسانید کے پورے مجموعہ میں موضوع کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کی ہمسر نہیں۔ حدیث کی مبارک روشنی میں اختلافی مسائل فقہ کے مطالعہ کے لئے پورے ذخیرۂ حدیث میں یہ تنہا کتاب ہے۔ سخت حیرت ہے کہ امام طحاوی قدس سرہ العزیز کی جلالت رشاں اور فن حدیث میں ان کا رتبہ عالی مسلم ہوتے ہوئے بھی جو اعتنا اُن کی اس بلند پایہ کتاب کے ساتھ ہونی چاہئے طبقہ علماء و شراح میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حد یہ کہ حنفی علماء نے بھی اس کی شرح یا حواشی کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا...... الخ۔''

بہر حال حضور صدر الشریعہ نے اس کی شرح لکھ کر علماء احناف کی طرف سے کفارہ ادا فرما دیا ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ شرح معانی الآثار اور ملک العلماء کی صحیح البہاری مدارس اسلامیہ کے درجۂ فضیلت یا درجۂ عالمیت کے نصاب میں استقلالاً داخل کیا جائے۔ تاکہ مدارسِ نظامیہ کے علماء کرام سلاح حنفیت سے لیس ہو کر میدانِ عمل میں آسکیں۔ حضور صدر الشریعہ نے معانی الآثار پر جس قدر کام کیا ہے اس کا ایک حصہ زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر گذشتہ سال ۱۴۲۹ھ میں عرس امجدی کے پر کیف و بافیض موقع پر جانشین صدر الشریعہ محدث کبیر علامہ شاہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی کے ہاتھوں منظر عام پر آیا۔ بقیہ حصص کے لئے پیہم کوششیں جاری ہیں۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ اس کی بقیہ جلدیں بھی مستقبل قریب میں دیدہائے مشتاق کی زینت اور اختلافی مسائل کی دلیل و حجت بن کے ہمارے ہاتھوں میں ہوگی۔

حضور صدر الشریعہ کی مبارک زندگی کا ایک عظیم دینی کارنامہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کا منصۂ شہود پر آنا بھی ہے کہ اگر آپ کی توجہ اس جانب نہیں ہوئی ہوتی تو دنیائے اہل سنت و جماعت اس نعمت عظمیٰ، دولت بے بہا سے غالباً محروم ہوتی اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی فن تفسیر میں گہرائی و گیرائی اور تفاسیری مہارت و ملکہ سے دنیا بے خبر ہوتی۔ لائق صد مبارکباد ہیں وہ تنظیمیں جو امسال ۱۴۳۰ھ میں کنز الایمان کا صد سالہ جشن مناکر

حضور مجدد اعظم اور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کے احسان کی یاد دلا کر خوابیدہ قوم کو بیدار کر رہی ہیں۔

رحلت

ملک العلماء: جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں آپ کا دس سالہ قیام نہایت بابرکت اور فیض رساں رہا۔ خاص کر شمالی ہندوستان کے درجنوں علماء کرام اور فضلاء عظام نے آپ سے دینی شرعی علوم کے علاوہ ان فنون کو بھی حاصل کیا جو علماء اسلام کے درمیان سے بھی اٹھ رہے تھے۔

جب حضور ملک العلماء نے دیکھا، کہ ان کا لگایا ہوا پودا ، وہ سرسبز و شاداب شجر بارآور ہو گیا ہے، تو ماہِ ربیع الاوّل شریف ۱۳۸۰ھ میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے ظفر منزل پٹنہ آ گئے۔ لیکن کبرسنی کے باوجود آپ نے یہاں بھی اطمینان وسکون سے بیٹھنا گوارہ نہیں فرمایا۔ علالت وکمزوری کی حالت میں بھی تحریری وتدریسی سلسلہ جاری رہا۔ آپ اگرچہ فشار الدم کے مرض میں مدت سے مبتلا تھے۔ لیکن کمزوری و نقاہت کے باوجود معمولاتِ اوراد و وظائف اور اشغال عبادت وریاضت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ زندگی کے آخری ایام تک علمی و دینی فرائض کو حسب عادتِ مستمرہ انجام دیتے رہے......

بالآخر شبِ دوشنبہ ۱۹ر جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم جلالت (اللہ اللہ) کا ذکر جہر کرتے ہوئے آپ نے اپنی جان عزیز جاں آفریں کے سپرد فرمادی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

یوں تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ علیہ الرحمۃ نے دستار فضیلت کے بعد ہی آپ کو اپنے تمام سلاسلِ عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمادی تھی۔ مگر جب آپ کی وطن مالوف میں واپسی ہوئی، تو اسلام پور کے مشہور ومعروف بزرگ حضرت صوفی شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ نے بھی سلسلہ فردوسیہ، شطاریہ اور سہروردیہ وغیرہا کی اجازت وخلافت دے دی۔ حسن اتفاق کہ ملک العلماء کے وصالِ پرملال کے موقع سے آنجناب پٹنہ میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پٹنہ اور قرب وجوار کے آستانوں کے درجنوں سجادہ نشینان، مشائخ کرام، علماء عظام اور مریدین ومخلصین کے علاوہ عامۃ المسلمین نے آپ کو شاہ گنج قبرستان میں مرقد انور کے سپرد کیا۔ سال وصال کے موقع پر ہر سال قرآن خوانی، میلاد خوانی اور فاتحہ خوانی کا اہتمام نہایت سادہ انداز میں ہوتا ہے۔ ادارۂ شرعیہ کے زمانہ قیام میں جناب حافظ عبد الحفیظ اشرفی مرحوم کے ہمراہ کئی بار حضرت کے فاتحہ میں فقیر کو شریک ہونے اور انہیں کے ساتھ ظفر منزل میں جانے کا موقع ملا۔

صدر الشریعہ: آپ بریلی شریف کے دورانِ قیام ۱۳۳۷ھ-۱۹۱۹ء میں پہلی مرتبہ حج وزیارت کی سعادت عظمیٰ سے مشرف ہو چکے تھے۔ پھر تیس سال کے بعد جب دوبارہ حرمین شریفین کی حاضری کے ارادے سے ممبئی پہنچے، تو سفر رشک حضر کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد ۲ر ذی القعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۶ر ستمبر ۱۹۴۸ء شب دوشنبہ مبارکہ کو ۱۲ بج کر ۲۶ منٹ پر حرمین شریفین کا مسافر سرائے فانی سے عالم جاودانی کی جانب پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ. وصال پرملال کے بعد آپ کی نعش مبارک اکسپریس ٹرین کے اسپیشل بوگی کے ذریعہ ممبئی سے بنارس پہنچی، رحلت کے بعد بھی رئیس المناظرین شہنشاہ قلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ رفاقت وخدمت گذاری کا حق ادا فرما رہے تھے۔ اُس زمانہ میں میں مدرسہ فاروقیہ بنارس میں زیر تعلیم تھا۔ مدرسہ فاروقیہ، مدرسہ حمیدیہ اور انجمن اشاعۃ الحق کے ارکان وممبران کے علاوہ حضور صدر الشریعہ کے سینکڑوں مریدو متوسلین بنارس کینٹ آخری زیارت کے لئے پہنچ گئے۔ ٹرین پہنچتے ہی اسٹیشن پر کہرام مچ

گیا۔ ان سوگواروں میں میں بھی تھا۔ پھر بنارس سے اونڑیہار تک بہت سارے مخلصین نعش مبارک کے ساتھ رہے۔ اونڑیہار جنکشن پر گھنٹوں قیام رہا جہاں حضرت والا کی آخری رونمائی ہوئی۔ پھر کچھ لوگ بنارس واپس ہو گئے اور کچھ لوگ گھوسی تک ساتھ گئے۔ آیۃ کریمہ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ. (۱۳۶۷ھ) سے آپ کی تاریخ وسن وصال نکلتی ہے۔ گھوسی (مدینۃ العلماء) کے اندر مقابر ومزاراتِ علماء وصوفیاء کے آغوش میں آپ کا بلند وبالا نہایت شاندار روضہ مبارکہ ہے۔ جس کے قرب میں جامعہ امجدیہ کی دو منزلہ خوبصورت عمارت ہے۔ آپ کے چہلم کے موقع پر علماء، مشائخ اور شعراء کا عظیم الشان مجمع ہوا سب نے اپنی اپنی عقیدتوں کے گلدستے پیش کئے۔ شاعر مشرق علامہ شفیق جونپوری نے یہ قطعہ پیش کیا:

سلامی جابجا ارض و سما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
تیرے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے سر جھکا دیں

یادگار

ملک العلماء :آپ نے تقریباً پچپن ساٹھ سال تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بریلی شریف، آرہ، سہسرام، پٹنہ اور کٹیہار کے مدارس میں قیام کے دوران سینکڑوں علماء کرام اور طالبانِ علوم شرعیہ نے آپ سے استفاضہ کیا۔ خاص کر فنون ہیئت و توقیت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات علماء کرام نے خاصی تعداد میں ان علوم کو آپ سے سیکھا۔ جن میں شیخ المعقولات حضرت مولانا نظام الدین صاحب بلیاوی سابق مدرس مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد، و شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی، (ان سے میں نے مدرسہ سبحانیہ میں کافیہ اور قدوری پڑھا تھا) حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور، حضرت مولانا مفتی محمد عمیم الاحسان صاحب استاذ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ، حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب بلیاوی، حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سینئر مدرس مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ، حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب پورنوی، حضرت مولانا غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی پورنوی اور حضرت مولانا بلال احمد صاحب وغیرہم کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (آخر الذکر تینوں حضرات ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء میں بریلی شریف کے جامعہ منظر اسلام اور دار العلوم مظہر اسلام میں زیر تعلیم تھے جبکہ اسی سال جامعہ منظر اسلام سے میری فراغت ہوئی تھی)

ملک العلماء کی ان روحانی وعلمی اولاد کے علاوہ اپنے نورِ نظر لختِ جگر، مشہور زمانہ شخصیت ڈاکٹر پروفیسر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو یادگار چھوڑا۔ تحریری یادگار میں سینکڑوں کتب و رسائل ہیں جن میں صحیح البہاری (الجامع الرضوی) حیات اعلیٰ حضرت (مظہر المناقب) جامع الاقوال، مجموعہ فتاویٰ، چودھویں صدی کے مجدد، مؤذن الاوقات، تنویر السراج اور جواہر البیان وغیرہا مشہور ومعروف اور نہایت نفع بخش و فیض رساں کتب ہیں۔

صدر الشریعہ:- آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی پروازِ فکر طریقہ کار اور جذبہ اصلاحِ امت کے وارث وامین تھے۔ اس لئے تدریس وتصنیف میں وہی رنگ چھلکتا ہے، جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا پسندیدہ انداز ورنگ تھا۔ آپ نے تدریسی خدمات کے دوران ایسے صاحب صلاحیت، ذی استعداد، باوقار علماء کبار کی عظیم الشان ٹیم تیار فرمائی، جنہوں نے فکر ساز، صاحب قرطاس وقلم مدرسین ومعلمین اور مبلغین کی ایک فوج متحدہ ہندوستان کو عطا کردی۔ جن کی علمی وفنی شعاعیں نہ صرف برصغیر میں پھیلیں، بلکہ

دنیائے اسلام کے مختلف براعظموں کو روشن و تابناک بنا دیا۔ اور مسلک رضا کا پیغام گھر گھر پہنچا دیا۔

آپ کے شاگردوں میں بیشتر وہ بافیض و باکرامت حضرات ہیں جن کی ایک ایک شخصیت اپنی جگہ مسلم جامعات دیونیورسٹیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کوئی دیدہ ور ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش و نیپال وغیرہم کے مدارس اہلسنت کا سروے کرے، تو اسے فیصلہ کرنا پڑے گا، کہ یہ تمام تر درسگاہیں صدر الشریعہ ہی کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ و یا پھر ان کے تلامذہ سے آباد و شاد اور باہم عروج کی جانب روبہ پرواز ہیں۔ گویا موجودہ دور کے بیشتر علماء اسلام، مبلغین سنیت اور سنی درسگاہیں صدر الشریعہ کی یادگار ہیں۔

آپ کی تحریری یادگاروں میں علماء و عوام دونوں کے لئے مرجع الکتب الفقہیہ کی حیثیت بہار شریعت رکھتی ہے۔ جس کو اسلامیات کی لائبریری کہنا صحیح اور حق بجانب ہے۔ جس میں مبالغہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح فتاویٰ امجدیہ کی شہرت و مقبولیت بھی عام ہو چکی ہے، جس سے علماء کرام بوقت ضرورت استفادہ کررہے ہیں۔ شرح معانی الآثار دیدہ زیب طباعت واشاعت کے بعد اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے اہل علم دانش کے درمیان پذیرائی حاصل کررہی ہے۔ وہ دن دور نہیں، کہ شرح معانی الآثار حنفی دار الافتاؤں کی ضرورت بن جائے گی اور باذوق علماء کرام کے لئے وہ ایک عظیم سرمایہ براہین ثابت ہوں گے۔ آج بھی آپ کے وطن ولادت مدینۃ العلماء گھوسی ضلع مئو یوپی میں جامعہ شمس العلوم جامعہ امجدیہ اور کلیۃ البنات الامجدیہ کے علاوہ قرب و جوار میں بہت سی درسگاہیں، آپ کی زندہ اور فعال یادگاریں ہیں۔

آپ کی علمی و روحانی اولادِ کثیرہ کے علاوہ درجنوں اولاد و احفادِ صلبی آپ کے مشن و مسلک کو نہ صرف باقی و زندہ رکھے ہوئے ہیں بلکہ شب و روز اس کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں کل جس طرح حضور صدر الشریعہ محمد رضا کے ترجمان و مبلغ تھے اُن کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے حضرت محدث کبیر بھی ازہری اور مسلک اعلیٰحضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی ترجمانی کا حق ادا کررہے ہیں۔

(اعلیٰ حضرت اور ملک العلماء)

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ)

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

نیر رضوی

وہ ظفر جن کو حاصل تھے فتح و ظفر
اعلیٰ حضرت کی حجت پہ لاکھوں سلام
جن کو ازبر تھے جزئیات فقہ میں
ایسے صدر شریعت پہ لاکھوں سلام

☆☆☆☆

مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی

از قلم: ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر، ۱۸۳/۱۲۷، چک، نیا حجرہ، الہ آباد

جدی المغفور رئیس الاساتذہ علامہ حافظ قاری مفتی سید شاہ عبدالرشید عظیم آبادی قدس سرہٗ ۱۸۷۴ء میں سادات کے معزز اور روحانی گھرانے میں بمقام موہلی ضلع پٹنہ پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت علامہ حکیم سید شاہ محمد سعید القادری علیہ الرحمۃ کی شادی مقام کو پا ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ ربط وضبط ایسا بڑھا کہ مستقل وہیں منتقل ہو گئے مکان بنوایا اور کھیتی باڑی کے لیے کافی زمینیں خریدیں، پٹنہ میں بھی دو مکان بنوائے، زیادہ تر پٹنہ ہی میں رہتے تھے۔ آپ اپنے وقت کے ممتاز عالم دین اور جید حکیم وطبیب تھے، حکمت کی بنیاد پر بہت شہرت حاصل ہوئی۔ زہد وتقویٰ سے ہزاروں کے دل جیتے۔ صاحب خلافت بزرگ اور رشد وہدایت کے پیکر تھے۔ حضور سید شاہ مرشد علی قدس سرہٗ مدنا پور بنگال کے دست حق پر بیعت تھے، آپ ہی سے اجازت وخلافت بھی حاصل ہوئی مرید بہت کم کرتے تھے، تبلیغ ودعوت اور تصنیف وتالیف کے فرائض نبھائے۔ کئی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں لیکن وہ شائع بھی نہ ہونے پائیں کہ قلمی نسخے ضائع ہو گئے۔ ذمہ داروں کی لاپرواہی نے ایک عظیم علمی سرمائے سے محروم کر دیا۔ کہیں کہیں کے اوراق شکستہ بطور یادگار محفوظ ہیں، جو متعدد موضوعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ فارسی کا ایک مطبوعہ مجموعۂ کلام ''طریق النجات'' سلامت ہے، جس کے اشعار خاندان کے مشائخ پابندی سے پڑھتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خداوندا ز عصیاں شرمسارم　زیاں در معصیت شد روزگارم

خدایا گر نہ تو بخشی گناہم　نہ در دنیا نہ دیں باشد پناہم

سراپا غرق دریائے گناہم　بفعل ناصواب وبد تباہم

سید شاہ عبدالرشید قادری عظیم آبادی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی۔ ابھی فارسی تعلیم کے مراحل سے گزر رہے ہی تھے کہ حافظِ قرآن بننے کا شوق پیدا ہوا۔ حسب خواہش ایک ایسے حافظ کی تلاش جاری ہوئی، جو ہمہ اوقات اپنی نگرانی میں حفظ مکمل کرا سکے۔ مقامی طور سے جب کوئی بندوبست نہ ہو سکا، تو والد گرامی قبلہ نے لکھنؤ سے ایک حافظ صاحب کو بلوایا اور ماہانہ رقم مقرر کر کے ان کو یہ ذمہ داری سونپی، تکمیل حفظ کے بعد شاندار جشن منایا گیا۔ دو یا تین سال قیام کے بعد جناب حافظ صاحب لکھنؤ واپس ہوئے، نام نہ معلوم ہو سکا۔ اسی دوران ۱۳۱۸ھ میں تحریک ندوہ کے خلاف حضرت قاضی عبدالوحید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ رئیس لودی کٹرہ پٹنہ کے زیر انتظام سہ روزہ اجلاس کا اہتمام شروع ہوا۔ ۱۵/۱۶/۱۷/ رجب المرجب کو تاریخ ساز اجلاس عمل میں آئے۔ پانچ سو سے زائد علماء، فضلاء اور مشائخ نے شرکت فرمائی بالخصوص اعلیٰحضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی شرکت سے اجلاس کو تاریخی وقار حاصل ہوا۔ جذبۂ علم وادب کے تحت چونکہ عظمت فاضل بریلوی پہلے ہی سے حضور سید صاحب کے دل میں چمک رہی تھی، اس لیے آپ نے بھی پورے اجلاس میں بڑے والہانہ طور پر شرکت کی اور حضرت فاضل بریلوی کی زیارت سے

مستفیض ہوئے۔ بزرگوں کا بیان ہے کہ آپ کی آمد پر حضور سید صاحب نے ایک شاندار لینڈو (برطانوی طرز کی بگھی جسے صرف روٴسا استعمال کرتے تھے) کا بندوبست کیا تھا۔ جس پر حضرت فاضل بریلوی کو بٹھا کر اسٹیشن سے قیام گاہ تک پہنچایا گیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضور سید صاحب نے راستے میں لینڈو کو اپنے ذاتی مکان واقع سبزی باغ کے سامنے رکوایا، جہاں دودھ، کھجور وغیرہ پیش کرنے کے بعد قیام گاہ تک لے جایا گیا۔

اختتام اجلاس کے بعد آپ رام پور چلے گئے اور حصولِ علم میں منہمک ہوئے۔ یہیں حفظ کا پہلا دور سنایا اور دو سال کے بعد وطن عظیم آباد لوٹ آئے، اور ۱۳۲۰ھ میں قاضی عبد الوحید عظیم آبادی کے مدرسہ حنفیہ (بخشی محلہ پٹنہ) میں تعلیم پانے گئے، ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ بھی اسی مدرسے میں زیر تعلیم تھے۔ یہیں دونوں حضرات ایک دوسرے کے قریب ہوئے اور مدرسہ حنفیہ عظیم آباد سے لے کر بریلی شریف تک ہمیشہ ہم سبق و درس رہے، اسی قدر قربت و محبت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ چند وجوہ کے تحت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ جب مدرسہ حنفیہ سے رخصت ہوگئے، تو آپ مدرسہ احسن المدارس کانپور چلے گئے، جہاں علامہ شاہ احمد حسن کانپوری علیہ الرحمۃ سے درسیات کی اہم کتابیں پڑھیں، علامہ مرحوم کے شاگرد مولانا جناب عبد اللہ صاحب پنجابی سے بھی اکتساب علم کیا اور احکام و مسائل کی بعض کتابیں ختم کیں۔ پھر یہیں سے حضور سید صاحب اپنے والد ماجد کو مطلع کیے بغیر بریلی شریف روانہ ہوگئے، اور اپنی دیرینہ آرزو پوری کی۔ حصول علم و ادب کا دیوانہ پن دیکھیے کہ اپنی خیریت و عافیت کا کوئی خط تک نہ بھیجا۔ چند ہفتوں کے بعد پتا چلا کہ آپ احسن المدارس کانپور سے بریلی چلے گئے۔ والد گرامی علامہ حکیم سید شاہ سعید القادری نے اپنے ایک مرید مقرب کو حضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں خط لکھنے کو کہا کہ "عزیزی مولوی سید عبد الرشید عظیم آبادی سلمہٗ تعالیٰ کانپور سے بریلی چلے گئے۔ انہوں نے اب تک اپنی خیریت کا کوئی خط نہ لکھا، تاکید کرنے کی زحمت فرمائیں۔" اسی خط سے حضرت شاہ فاضل بریلوی کو پہلی بار معلوم ہوا کہ آپ سید زادے ہیں۔ حضرت فاضل بریلوی سادات کرام کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سیادت کا علم ہوتے ہی آپ خصوصی خیال رکھنے لگے، مشہور سنہری مسجد کے ایک کمرے میں رہنے کا بندوبست کیا گیا، جہاں آپ بہت شان کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ کا رئیسانہ رکھ رکھاؤ لوگوں میں مشہور ہونے لگا والد گرامی کافی تعداد میں روپے بھیجا کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد سید صاحب نے حضرت ملک العلماء کو خط لکھا کہ آپ بھی بریلی شریف آجائیں۔ خط پڑھتے ہی وفور شوق بیتاب ہوا، اور آپ بھی بریلی حاضر ہوگئے اس طرح دونوں حضرات نے ایک بار پھر باہم تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا۔ کوئی بھی ضرورت پڑنے پر حضرت ملک العلماء کی کفالت حضور سید صاحب ہی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی دریا دلی یوں بھی پورے خاندان میں مشہور ہے۔ ابتداء مدرسہ اشاعت الاسلام بریلی ہی میں تعلیم پاتے رہے، مگر بعد میں مجبوراً یہاں سے ہٹ جانا پڑا "ملک العلماء اور خدمت حدیث" کے عنوان سے مولانا محمود احمد قادری اس واقعے کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱۳۲۲ھ میں ملک العلماء علیہ الرحمۃ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی بارگاہ فضل کمال میں استفادے کی

غرض سے پہنچے۔ اس زمانے میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی تصنیفی مشغولیت کافی بڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے ملک العلماء سے عرض حال سن کر خود معذرت ظاہر فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا آپ مولانا غلام یٰسین صاحب کے مدرسہ اشاعت الاسلام میں داخلہ لے کر تحصیل علوم کیجیے اور فقیر سے بھی ملتے رہیے۔

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اپریل ۱۹۷۷ء)

مزید لکھتے ہیں:

ملک العلماء اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے حکم کے مطابق مولانا غلام یٰسین کے یہاں باضابطہ داخلہ لے کر پڑھنے لگے۔ مولانا غلام یٰسین، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے اور مولانا کانپوری اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی میں غیر معمولی علاقۂ مودت تھا۔ اس بنا پر مولانا غلام یٰسین، اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضر ہوا کرتے تھے اور وہ بھی ان پر کرم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت الاستاذ کے ساتھ ان کے ہم وطن حضرت مولانا سید عبدالرشید قادری عظیم آبادی مرحوم بھی مولانا غلام یٰسین کے درس میں شامل ہوئے تھے۔ اُن دونوں کو مولانا غلام یٰسین میں کوئی علمی کمی تو نظر نہ آئی مگر دورانِ درس عقائد کے مباحث کی تشریح و تصریح کے موقع پر یہ بات ظاہر ہو کر رہی کہ مولانا غلام یٰسین اپنے فاضل استاذ مولانا احمد حسن کانپوری سے "عدم امکان نظیر النبی ﷺ" اور "عدم امکان کذب باری تعالیٰ" کے مسئلے میں اتفاق رائے نہیں رکھتے۔ ملک العلماء کے ذریعے اعلیٰ حضرت کو مولانا غلام یٰسین کے عقائد کا حال معلوم ہوا جس سے قدرتی طور پر اعلیٰ حضرت کو بہت رنج پہنچا اور انہوں نے ان دونوں کو (یعنی ملک العلماء اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی کو) وہاں جانے سے حکماً روک دیا اور اس طرح یہ دونوں حضرات اعلیٰحضرت کے زیر سایہ رہنے لگے۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اپریل ۱۹۷۷ء)

اور تمام جد و جہد کے ساتھ علوم و فنون کے اس فقیہ اعظم سے استفادہ کرنے لگے۔ ابھی درس بخاری کا سلسلہ شروع بھی نہ ہونے پایا تھا کہ تازہ تحریک کی روشنی میں ایک تاریخ ساز انقلاب رونما ہوا اور ۱۳۲۲ھ میں "مدرسہ منظر اسلام" کا قیام عمل میں آیا۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے سب سے پہلے ملک العلماء اور سید عبدالرشید صاحب کو بخاری شریف کا پہلا سبق پڑھاتے ہوئے مدرسے کا افتتاح فرمایا۔

مولانا محمود احمد قادری فرماتے ہیں:

"ملک العلماء نے حضرت مولانا حسن رضا بریلوی و مولانا حامد رضا خاں کو ہم خیال کر کے حضرت مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی کو ان کی سیادت کے پیش نظر منتخب کیا کہ اعلیٰ حضرت سید ہونے کی وجہ سے ان کی بات نہ ٹالیں گے، حکیم صاحب، اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچے اور سب کی طرف سے مدرسہ قائم کرنے کی درخواست پیش کی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی تفصیلی مصروفیات کی بنا پر انکار فرما دیا، تب حکیم صاحب نے کہا "قیامت کے دن اگر پوچھا گیا کہ بریلی میں دیوبندیت کو کس نے فروغ دیا، تو مَیں آپ کا نام لوں گا۔" اعلیٰ حضرت نے فرمایا: "مَیں اپنی تصنیفی مصروفیات کی بنا پر چندے کی فراہمی اور انتظامی امور کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔" حکیم صاحب نے فوراً کہا: "ہم لوگ مدرسہ قائم کرتے ہیں آپ تائید فرما دیں، رحیم یار خاں کے مکان پر ملک العلماء اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی دو طلبہ سے مدرسے کا افتتاح ہوا اور اعلیٰحضرت نے جا کر بخاری کا پہلا سبق شروع کرایا۔ منظر اسلام کا تاریخی نام حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب برادر خورد اعلیٰ حضرت نے تجویز فرمایا حضرت حسن رضا ہی مدرسے کے پہلے مہتمم ہوئے۔ (تذکرۂ علمائے اہلِ سنت ۱۱۰، ۱۱۱)

قیام مدرسہ منظر اسلام بریلی کے تعلق سے تاریخ کا یہ اہم باب ان دو طالب علموں کو کبھی فراموش نہ کر سکے گا، جہاں ان

حضرات سے مدرسے کا افتتاح ہوا، بخاری شریف کا پہلا سبق پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور اوّلین طالب علم ہونے کا فخر حاصل کیا۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے خصوصی استفادے کے علاوہ مدرسہ منظر اسلام میں حضرت مولانا سید بشیر احمد علیگڑھی صدر مدرس مدرسہ منظر اسلام اور استاد العلماء مولانا ظہور الحسن قادری رامپوری وغیرہما علیہما الرحمۃ آپ کے استاد تھے۔ تکمیلِ درسیات کے بعد فارغ التحصیل ہونے میں بھی امتیازی حیثیت حاصل رہی۔ جشن دستار فضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمود احمد قادری رقم طراز ہیں۔

"مہتمم مدرسہ اور احباب و مریدین اعلیٰ حضرت نے گہری دلچسپی سے جشن دستار فضیلت کا اہتمام کیا علمائے بدایوں، رام پور، مارہرہ، کانپور، الٰہ آباد اور جونپور کی موجودگی میں اعلیٰ حضرت کی گذارش پر شیخ المشائخ حضرت شاہ التفات احمد رودلوی نے ملک العلماء اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی کے سروں پر فضیلت کی دستار باندھی اور خود فاضل بریلوی نے سند فضیلت مرحمت فرمائی۔
(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، جولائی ۱۹۷۷ء)

مدرسہ منظر اسلام کی ہی پہلی دو سندیں ہیں جنہیں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنے دست مبارک سے ان دونوں فارغین کو عطا کیں اور پہلی بار منظر اسلام بریلی میں جشن دستار فضیلت کی عظیم الشان رسم بھی ادا کی گئی۔ علمائے بریلی، بدایوں، مارہرہ، کانپور، الٰہ آباد اور جونپور وغیرہ کی موجودگی میں جلسے کا کیا روحانی منظر رہا ہوگا اندازہ لگایئے اور اس تاریخ عظمت مآب کو خراج تحسین پیش کیجیے سید عبدالرشید صاحب کی فراغت کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے مولانا بشیر احمد علی گڑھی، استاذ العلماء مولانا ظہور الحسن فاروقی رامپوری اور مجدد مائۃ اربع عشر اعلیٰحضرت احمد رضا فاضل بریلوی قدس اسرارہم سے تکمیل درسیات کرکے فراغت حاصل کی ۱۳۲۵ھ میں دستار بندی ہوئی حضرت شاہ التفات احمد سجادہ نشین شیخ مخدوم احمد عبدالحق ردولوی نور اللہ مرقدہٗ نے دستار باندھی اور سند فراغت مرحمت کی۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت ص ۱۷۳)

سید عبدالرشید صاحب کا تعلیمی دور اپنے دامن میں تاریخی قدر اور علمی عظمت کا غیر معمولی خزانہ سمیٹے نظر آتا ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے عقیدتمند، سعادت مند اور مخلص شاگرد ہونے کی حیثیت سے آپ نے بریلی شریف میں کئی برس گزارے اور علم و ادب کے ماحول میں دن رات مصروف رہے۔ بعض اہم فنون کی طرف طبیعت زیادہ مائل تھی، افتاء سے آپ کو بھی بے حد دلچسپی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جبکہ بارگاہ رضوی کا عظیم "دارالافتاء" سارے ہندوستان کو اپنی طرف متوجہ کرچکا تھا اور مرجع علماء و فضلاء بن چکا تھا۔ ایسی عظیم بارگاہ کے زیر سایہ رہتے ہوئے کار افتاء کے فن سے محروم رہنا بڑی بدنصیبی ہوتی۔ فراغت کے بعد علوم و فنون کے بیشتر دروازے وا ہو چکے تھے۔ ملک العلماء اور سید عبدالرشید صاحب دونوں ہی حضرات رضوی دارالافتاء سے وابستہ رہے اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی ہدایت و رہنمائی میں کار افتاء کے فن میں مہارت حاصل کرتے رہے، ملک العلماء اور سید عبدالرشید صاحب رضوی دارالافتاء سے منسلک رہتے ہوئے کئی برسوں تک فتاویٰ نویسی کے فرائض نبھاتے رہے۔ اگر سید عبدالرشید صاحب میں تصنیفی و تالیفی رجحان بھی رہا ہوتا، تو بہت سارے حالات و واقعات تفصیل کے ساتھ سامنے آتے مگر ایسا نہ ہونے پر محققین نے کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی۔ "حیات اعلیٰ حضرت" کی مطبوعہ جلد اول میں حضور سید صاحب کا دو تین جگہ ذکر ملتا ہے، باقی تینوں جلدیں بھی شائع ہو جائیں تو ممکن ہے اور بھی دیگر حالات و واقعات کی تفصیل مل جائے۔ مزید معلومات و تحقیقات اور واقعات و حالات پر مشتمل "تذکرۂ سید عبدالرشید عظیم آبادی" کے عنوان سے راقم الحروف نے کتاب مکمل کرلی ہے۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ جلد ہی شائع ہوگی۔

۱۸۵۷ء میں اسماعیل دہلوی کی "تقویۃ الایمان" شائع ہونے کے بعد وہابی تحریک پوری طرح کینچل سے باہر آئی اور بعض اصحابِ ایمان اپنے عقائد سے بچھڑنا شروع ہو گئے۔ عقیدہ و مسلک کی بدحالی نئے نئے اور رذیل مسائل کھڑا کرنے لگی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں اسلامی عقائد کے خلاف ایسی گندی فضا کبھی نہیں رہی۔ امام منطق و فلسفہ علامہ فضلِ حق خیرآبادی رضی اللہ عنہ کے بعد تردیدی ذمہ داریوں کی طرف بڑے خصوصی طور پر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی متوجہ ہوئے اور بے شمار تردیدی کتب و رسائل لکھ کر حفظ عقائد اسلامیہ کا حق ادا کر دیا۔ یہی اثر ان کے تلامذہ نے بھی قبول کیا ۱۳۲۳ھ میں جبکہ زمانۂ طالب علمی ہی تھا مولوی اشرفعلی تھانوی کے قیام بریلی کے دوران سید عبدالرشید صاحب اپنے چند علماء احباب کے ہمراہ تھانوی صاحب کے پاس پہنچے اور تحریری طور پر بیس سوالات بڑھاتے ہوئے ان کے جوابات طلب کیے سوالات پر نظر پڑتے ہی تھانوی صاحب کا علم و ادب ہچکولے کھانے لگا اور جوابات سے کترا گئے اس واقعے کا تذکرہ مولانا محمود احمد قادری اس طرح فرماتے ہیں:

بریلی کے طالب علمی کے زمانے میں آپ نے (یعنی سید صاحب نے) اور ملک العلماء نے جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں مولانا اشرفعلی تھانوی صاحب کے ورود بریلی کے موقع پر ان کی قیام گاہ پر پہنچ کر دیوبندیوں کے بیس عقائد باطلہ سے متعلق سوالات کیے۔ آخر میں عاجز آ کر مولانا تھانوی نے کہا: "مَیں اس فن میں جاہل ہوں میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں آپ جیتے مَیں ہارا۔" (تذکرہ علمائے اہلِ سنّت ص ۱۷۳)

مذکورہ سوالات اور تھانوی صاحب کے اظہار جہالت کا تفصیلی ذکر اعلیٰحضرت بریلوی رضی اللہ عنہ نے "تمہید ایمان بآیات قرآن" کے حوالے سے مقدمہ حسام الحرمین میں بھی کیا ہے۔

مطالعہ فرمائیے، حضرت ملک العلماء نے رسالہ ظفرالدین الجید ۱۳۲۳ھ معروف بہ بطش غیب ۱۳۲۳ھ میں پوری تفصیل نقل کی ہے۔ مکتبۃ الحبیب جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد نے "الصرور الثلاثۃ" کے نام سے تین رسالے ایک ساتھ شائع کیے ہیں، جن میں رسالہ مذکورہ بھی شامل ہے۔

جہاں تک ملک العلماء اور سید عبدالرشید صاحب کے مابین تعلیمی اتحاد اور باہمی قربت کا تعلق ہے، یہ دونوں حضرات آغاز تا انجام بیشتر مقامات پر ساتھ رہے۔ بالخصوص بریلوی زندگی کے ایام تاریخ کا اہم باب بن کر رہ گئے۔ یہاں رہتے ہوئے آٹھ نو سال کا عرصہ گزارا، آخری دور میں اگرچہ بہت سے طلباء بریلی پہنچ چکے تھے، مگر ان دونوں حضرات کی حیثیت و شہرت کی کچھ اور ہی بات تھی۔

حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں جب کبھی ماہِ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا، تو عیدالفطر کے دن جس طرح تمام عزیزوں کو (اعلیٰ حضرت) عیدی تقسیم فرماتے مجھے اور دوسرے خاص طلبہ مثلاً مولوی سید عبدالرشید صاحب کو پاوی عظیم آبادی مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف، مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوی، مولوی محمد نذیر الحق صاحب رمضانپوری، مولوی محمد اسماعیل صاحب بہاری سب کو علیٰ قدر مراتب تہواری عطا فرماتے۔" (حیات اعلیٰ حضرت ص ۴۷ جلد اوّل)

طویل زمانۂ طالب علمی کے دوران سید عبدالرشید صاحب شاید ایک دو بار ہی وطن آئے، جب کہ بڑے بھائی طبیب شہر حکیم سید عبدالمجید صاحب علیہ الرحمۃ (تلمیذ حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم) جن کی حکمت کی دھوم سارے عظیم آباد میں تھی، اپنے چھوٹے بھائی کی خیریت و مزاج پرسی کے لیے برابر بریلی جایا

کرتے۔ آپ بریلی شریف میں بڑی نفاستوں کے ساتھ رہے۔ لوگ آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے، کوئی بھی مسئلہ معلوم کرنا ہوتا، علاقے کے لوگ آپ ہی سے معلوم کرتے۔ فن افتاء میں ماہر تھے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے متعدد فتووں پر آپ کی بھی مہر تصدیق ملتی ہے۔ سید عبدالرشید صاحب نے سنہری مسجد بریلی میں کئی مناظرے بھی کیے ایک مناظرے میں حریفوں کی شکست فاش پر کافی ہنگامہ ہوا۔ علاقے کے سنی حضرات نے سید عبدالرشید صاحب کا ساتھ دیا، آپ نے بریلی میں ایک سے ایک صبح و شام دیکھی۔ ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی دوسری بار سفر حج کو روانہ ہوئے، تو الوداع و خیرباد کہنے والوں میں آپ بھی حاضر تھے۔ ۱۳۲۹ھ میں آپ اپنے وطن عظیم آباد واپس آئے۔ وطن واپس تشریف لانے کے کچھ عرصے بعد یہاں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ عظیم آباد سے منسلک ہوگئے۔ ملک العلماء کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب، علی گڑھ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں:

''مولانا سید عبدالرشید موضع کوپا کے رہنے والے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے جونیر (۱) سیکشن میں استاد مقرر ہوئے۔ صرف و نحو کی بعض کتابیں راقم الحروف نے ان سے پڑھی ہیں۔'' (حیات ملک العلماء ۱۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء)

عزت مآب الحاج سید نور الہدیٰ صاحب مرحوم (متولد ۱۸۵۴ متوفی ۷/ رجون ۱۹۵۳ء) عظیم آباد کے متمول اور رئیس گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ کثیر جائداد کے مالک تھے۔ کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے ایل ایل بی، پاس کر کے عظیم آباد لوٹے، تو برٹش گورنمنٹ میں سب سے پہلے ڈسٹرکٹ جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ایک بار اپنی زمین کے معائینے کے لیے موضع سانڈھ گئے، تو معلوم ہوا کسی صاحب کا انتقال ہو گیا اور مقامی امام صاحب کے نہ رہنے پر نماز جنازہ نہیں ہو پا رہی ہے۔ جج صاحب کو بے پناہ تکلیف پہنچی اور خود ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس واقعے نے آپ کے دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس جذبے کے تحت تعلیمات اسلامیہ کے فروغ کا حوصلہ بیدار ہوا اور یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں اپنی ہی کوٹھی واقع مصلع پور میں اپنے والد ماجد حضرت سید شمس الہدیٰ صاحب مرحوم کے نام پر ''مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ'' کی بنیاد رکھی۔ بتدریج اعلیٰ تعلیمات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس قدر مدرسین کی بحالی ہوئی، اس دوران حضرت ملک العلماء مدرسہ آرہ میں پڑھاتے تھے۔ انہیں بلوا کر ان کی خدمات بھی حاصل کی جا چکی تھیں۔ مگر کچھ عرصے کے بعد آپ شمس الہدیٰ سے سہسرام چلے گئے، جہاں آپ کافی برسوں تک مدرس رہے۔ ادھر سید عبدالرشید صاحب کی تقرری عمل میں آ چکی تھی۔ مختلف مدارس میں پڑھانے کے بعد پھر آپ شمس الہدیٰ سے کہیں اور نہیں گئے، زندگی کی آخری ساعت تک یہیں درس و تدریس کے فرائض نبھائے۔ ۱۹۲۱ء میں جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ حکومت بہار و اڑیسہ کی تحویل میں آیا، تو سینئر مدرس کی حیثیت سے حضور ملک العلماء کی دوبارہ تقرری ہوئی ۱۹۴۸ء میں مدرسہ ہٰذا کے دوسرے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں مدرسین کی تعداد بارہ تیرہ تک پہنچ چکی تھی۔ سید عبدالرشید صاحب کے تدریسی ذکر میں مولانا محمود قادری اس طرح لکھتے ہیں:

''آپ نے فراغت کے بعد مختلف مدارس میں پڑھایا اور بعد میں آخر تک بہار کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں فقہ و حدیث اور منطق و فلسفہ کا درس دیا۔'' (تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۱۷۳)

مذکورہ حالات و واقعات کے پیش نظر یہ حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ مدرسہ حنفیہ پٹنہ سے لے کر منظر اسلام بریلی اور منظر اسلام بریلی سے لے کر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے آخری ایام تک یہ دونوں حضرات ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے،

ساتھ پڑھا بھی اور ساتھ پڑھایا بھی۔ تلامذہ کی ایک کثیر تعداد ہے۔ پٹنہ، داناپور، منیر شریف، پھلواری شریف، بہار شریف، سہسرام اور گیا وغیرہ کے بیشتر اصحاب سجادہ یا خانقاہی حضرات آپ کے خصوصی تلامذہ سمجھے جاتے ہیں۔ تلامذہ کی مکمل فہرست اور ان کے مختصر حالات راقم الحروف کی تازہ تصنیف "تذکرہ سید عبدالرشید عظیم آبادی" میں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مخدوم شاہ عشق پٹنہ سٹی، حضرت مخدوم منعم پاک پٹنہ سٹی، خانقاہ داناپور خانقاہ منیر شریف، خانقاہ پھلواری شریف اور خانقاہ بہار شریف وغیرہا کے اعراس سالانہ میں کبھی کبھی یہ دونوں حضرات ایک ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت ملک العلماء کی شاہکار تالیف "صحیح البہاری" کے اشاعتی اہتمام میں سید عبدالرشید صاحب نے اپنے بھرپور تعاون کا مظاہرہ کیا، اور محنت شاقہ فرماتے ہوئے متعدد بار قریبی مقامات کا سفر بھی کیا۔ "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال ثواب" نیاز وفاتحہ اور زیارت قبور کے آداب واصول کے موضوع پر لکھی گئی۔ حضرت ملک العلماء بہاری کی یہ لاجواب کتاب جو ۲۰ راگست ۱۹۳۵ء میں جناب سید محی الدین تمنا عمادی پھلواروی کے چار سوالات کے جوابات کے طور پر ہے، اس استفتاء کا جواب ملک العلماء نے ۱۹۳۵ء میں دیا اور ادارۂ احسن المعارف کانپور نے شائع کیا۔ طباعت ثانی نومبر ۱۹۶۵ء میں ہوئی جس کا پیش لفظ "اپنی باتیں" کے عنوان سے مولانا محمد ادریس صاحب رفاقتی نے مرتب کیا اور حضرت الاستاد حضور سید صاحب نے طویل تقریظ تحریر فرمائی۔

حضرت الحاج سید نورالہدیٰ صاحب مرحوم بانی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سید عبدالرشید صاحب کو بہت چاہتے مانتے تھے اور ان کے دینی اخلاص اور اسلامی علم وادب کی بہت قدر کرتے تھے۔ شمس الہدیٰ چونکہ آپ کے مکان واقع سبزی باغ سے کافی فاصلے پر ہے۔ روزانہ آنے جانے میں کافی زحمت ہوتی تھی۔ اس لیے حضرت جج صاحب نے مدرسے کے قریب اپنا ایک مکان سید عبدالرشید صاحب کو دے دیا، تاکہ روز آنے کی زحمت سے نجات مل سکے اس مکان میں مع اہل وعیال آپ نے ایک طویل مدت گزاری۔ جج صاحب کے انتقال کے بعد مکان خالی کر کے اُن کے صاحبزادے کے حوالے کردیا۔ موصوف کو حیرت ہوئی کہ مکان کیوں خالی کردیا گیا۔ جبکہ یہ امانت انہی کی ہو چکی تھی۔

سید عبدالرشید صاحب کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں شیخ طریقت حضرت علامہ الحاج حکیم سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ دامت برکاتہم سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الٰہ آباد آپ ہی کے منجھلے صاحبزادے ہیں۔

الغرض ایک طویل تدریسی خدمات پیش کرنے اور کردار وعمل سے ہزاروں شمعیں روشن کرنے کے بعد اس عاشقِ رسول اور سید الاساتذہ نے ۱۹۲۷ء میں اس دارِفانی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، پورے خاندان میں مشہور ہوا "موتُ العالم کموت العالم" کہتے ہوئے اساتذہ واحباب نے آنسو بہائے سیکڑوں تلامذہ کے رخساروں پر آبگینے ڈھلکتے اور روتے بلکتے ہوئے عوام وخواص سے سارا مدرسہ بھر گیا۔ پہلی نماز جنازہ مدرسے کے میدان میں ہوئی۔ نمازِ جنازہ ملک العلماء نے پڑھائی۔ جسد مبارک کو وطن کو پالے جایا گیا اور نمازِ جنازہ کے بعد حضرت والد گرامی شاہ محمد سعید القادری علیہ الرحمۃ کے بغل میں تدفین عمل میں آئی۔ فاتحہ چہلم کا اہتمام مدرسہ شمس الہدیٰ میں بھی کیا گیا بزرگوں نے راقم حقیر کو بتایا کہ اس فاتحہ کے موقعہ پر حضرت ملک العلماء سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری اچانک چیخ پڑے اور یاد کر کے کافی دیر تک روتے رہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقے میں جدی المغفور سید شاہ عبدالرشید قادری علیہ الرحمہ کی قبر پر پل پل رحمتوں کی بارش فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ ☆☆☆

حضرت علامہ مولٰینا سید شاہ غیاث الدین رجہتی علیہ الرحمہ

ازقلم: سید احمد رضا، خطیب لان کی مسجد، پٹنہ

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

اگر آپ کسی کی جلوت وخلوت کا راز جاننا چاہتے ہیں تو اُس کی ٹوہ میں رہنے کی بجائے اس کے احباب کے ٹولے کا مطالبہ کرلیجیے۔ اس کی زندگی کا راز خود بخود اجاگر اور سارا معاملہ طشت ازبام ہوجائے گا۔ فی الحال ہم ملک العلما سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ کے ایک خاص دوست ان کے ہم عصر و ہم نشیں مناظر اہلِ سُنّت حضرت علامہ مولانا سید شاہ غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتے ہیں، جو ملک العلماء کے ہم سبق ساتھی بھی تھے اور امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت کے شاگرد و خلیفہ بھی۔ ویسے تو سہسرام کی سرزمین ہمیشہ سے اولیاء اور سلاطین کا مسکن و مولد رہی ہے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ زمین بقول شخصے مردم خیز بھی ہے اور مردم خور بھی، اسلاف کے بوسیدہ مقبروں اور شکستہ قبروں سے آج بھی شان وشوکت اور رعب و ہیبت ٹپکتی ہے اور ان کے تابناک ماضی کا پتا ملتا ہے اور ساتھ ہی ہماری بے حسی پر نوحہ کناں بتے سوائے حسرتا! ہم نے متقدمین کو تو فراموش کر ہی دیا، متاخرین بھی ہماری تساہلی کے شکار ہوئے۔ ماضی قریب میں کئی اہم شخصیتیں گزر گئیں۔ مثلاً طوطیِ ہند، خطیب العصر حضرت مولانا قادر بخش سہسرامی، قدوۃ العلماء حضرت علامہ مولانا فرخند علی صاحب بانی دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام۔ زینت الاتقیاء حضرت مولانا محمد ضیاء الحسن صاحب، فخر بہار حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی، مناظر اہلِ سُنّت حضرت مولانا سید غیاث الدین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہم۔ اوّل حضرت مولانا فرخند علی صاحب، حضرت مولانا ضیاء الحسن صاحب، حضرت مولانا کامل سہسرامی صاحب کی یادیں تو دارالعلوم خیریہ نظامیہ سے جڑی ہوئی ہیں، کیونکہ دارالعلوم انہی بزرگوں کی یادگار کی علمی ضیاباریوں کا نتیجہ ہے۔ کاش! ان کی آخری آرام گاہ بھی ان کے شایان شان ہوتی، تاکہ عام لوگ مستفید ہوتے۔ جن کے علمی فیض سے ایک عالم فیضیاب ہوتا رہا اب معدودے حضرات ہی واقف ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ سید غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارنامے اور مشاغل بیان کرنے سے قبل آپ کے خاندان کا تعارف اور ابتدائی احوال بیان کردیے جائیں۔

خاندان:

آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ والد کا نسبی تعلق حضرت سید شاہ ابوالحسن مشہدی المعروف حضرت مخدوم بندگی دانشمند سے ہے جو چنگیز خاں کے زمانے میں نقل مکانی کرکے وارد ہندوستان ہوئے۔ اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے اور حضرت سیدنا امام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کی والدہ کا نسب نامہ آپ کے آبائی وطن رجہت (گیا) کے بانی مخدوم قاضی سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ تک کئی واسطوں سے ملتا ہے، جو حضرت سید امام عبداللہ الاصغر ابن

حضرت سید الساجدین امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں ہیں۔

ولادت:

۱۳۰۳ھ اوائل ماہ شوال میں ہوئی خاندان کے رسم ورواج کے مطابق چھٹے روز آپ کے نانا حضرت سید شاہ محی الدین صاحب عرف لالہ میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام نے قرآن پاک سے نام نکالا اور والد ماجد سید شاہ فرزند علی نے عبدالغیاث یا غیاث الدین رکھا اور غیاث الدین سے مشہور ہوئے۔

ابتدائی تعلیم:

پانچ سال کی عمر میں مکتب کرایا گیا۔ ابتدائی تعلیم موضع رجہت ہی میں حاصل کی۔ ہمیشہ اوّل نمبر پر رہے، اسکالرشپ بھی ملتا رہا، جواپنے استاد کی نذر کر دیتے پھر بہار کی مشہور درسگاہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں داخلہ لیا۔ خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت کے ماموں جان تھے۔ جب صاحب سجادہ حضرت سید شاہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا، تو دل برداشتہ ہوکر سہسرام سے الٰہ آباد کے محلہ دائرہ شاہ اجمل تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا سید فاخر عرف سید شاہ راشد صاحب بیخود الٰہ آبادی سے کافیہ، شرح جامی، شرح وقایہ مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھی دریں اثنا کچھ تعلیم کانپور میں حاصل کی۔ پھر دوبارہ الٰہ آباد تشریف لائے۔ اسی زمانے میں مُلّا عطاء اللہ قندھاری کا شہرہ الٰہ آباد پہنچا کہ زبردست معقول ومنقول کے عالم ہیں اوران دنوں شہر جونپور میں استاذ الہند مولانا ہدایت اللہ خان صاحب سے محشی شمس بازغہ وہدایہ، حاشیۂ افق المبین وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ سن کر الٰہ آباد سے جونپور تشریف لائے۔ مدرسے میں آپ کے الفاظ میں ''سبق وطبق'' کا سامان نہ ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد اٹالہ میں مدرسہ اسلامیہ ہے۔

دیوبندی معلم سے نوک جھونک:

مولانا اصغر حسین دیوبندی جو مولانا محمود الحسن دیوبندی کے شاگرد خاص ہیں۔ حدیث اچھا پڑھاتے ہیں۔ اُن کے پاس آئے اور مدرسے میں داخل ہوئے چند کتب دینیات اور تفسیر جلالین شریف وجامع ترمذی وغیرہ پڑھنا شروع کیا اور روزانہ تعطیل کے وقت بعد نمازِ عصر حضرت مُلّا قندھاری صاحب کے یہاں جاکر شرح تہذیب وقطبی وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا، کہ ایک روز مسجد اٹالہ میں سنا کہ آج سات بجے شام محلہ گندھی ٹولہ میں میلاد شریف ہے۔ مولوی عبدالرحیم غازی پوری میلاد پڑھیں گے۔ فطرتاً آپ کو میلاد شریف سے محبت تھی۔ وقت معہود پر تشریف لائے۔ میلاد شریف کے بعد قیامگاہ آئے۔ صبح کے وقت درسگاہ میں مولانا اصغر حسین نے غصہ ہوکر کہا۔ جماعت کی نماز چھوڑ کر میلاد شریف کیوں گئے؟ میلاد افضل ہے یا حاضری جماعت؟ اٹھو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ آپ پر سکتے کی کیفیت طاری ہوگئی چونکہ اپنے ساتھیوں میں سب سے اوّل تھے۔ کبھی سوچا نہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ آپ نے فرمایا، مَیں اپنے ساتھیوں میں افضل رہا اس لیے کہ میلاد شریف بھی سنی اور جماعت سے نماز بھی ادا کی۔ یہ سن کر وہ اور بھی برہم ہوئے اور کہا، کہ مجھے معلوم ہے، تم ملا قندھاری کے مدرسہ حنفیہ روزانہ جاتے ہو۔ جاؤ آج سے ہم تمہیں نہیں پڑھائیں گے۔ اسی وقت آپ اٹھ کر وہاں سے مُلّا قندھاری کے پاس چلے آئے۔ سارے حالات سے انہیں باخبر کیا۔ ملا صاحب نے کافی افسوس کیا اور مہتمم مدرسہ مولانا ہدایت اللہ خاں کے پاس لے گئے۔ انہوں نے بھی مولانا اصغر کی اس حرکت پر ملامت کرتے ہوئے مدرسہ حنفیہ میں داخل فرما کر سبق وطبق کا پورا بندوبست فرمایا، مولانا ہدایت

اللہ جو معمر بزرگ جید معقولی و منقولی محشی شمس بازغہ و ہدایہ تھے اور مُلا قندھاری جو زبردست منطقی تھے۔ دونوں نے اس سید زادے کو بنانے سنوارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہاں تک کہ مُلا قندھاری بغرض ملازمت گورکھپور تشریف لے گئے، تو اپنے ساتھ اس ہونہار شاگرد کو بھی لے گئے۔ اچانک آپ کی طبیعت خراب ہوگئی، آپ سہسرام تشریف لائے۔ کافی طبیعت بگڑ گئی۔ آپ کی خالہ جان رات بھر قرآن شریف پڑھ کر دم کرتی رہیں، ساتھ ہی طبیب شہر حکیم بدرالدین صاحب نے چند دوائیں دیں۔ جس سے جلد افاقہ ہوا۔ لیکن سہسرام سے کہیں نہ جاسکے۔ ماموں جان کے حکم پر حضرت مولوی محمد یحییٰ (ساکن کوچس جو سہسرام میں تشریف رکھتے تھے) سے کچھ کتابیں مثلاً مقامات حریری، ہمدانی وغیرہ پڑھنا شروع کیا کچھ دنوں کے بعد مولانا کوچس چلے گئے، تو آپ کی تعلیم بند ہوئی۔ چونکہ اوائل عمری سے آپ کو اوراد و وظائف کا شوق تھا۔ الٰہ آباد کے قیام کے زمانے میں "ترک حیوانات" کر چکے تھے۔ گورکھپور میں بشوق تلاوت چند پارے حفظ کر چکے تھے۔ بزرگوں سے سن کر یا وظائف کی کتابیں دیکھ کر عمل بھی کرتے تھے۔ جب تعلیم بند ہوگئی، تو شب و روز تلاوتِ قرآن اور ورد و وظائف میں مشغول رہنے لگے۔

شورش عشق:

چند دنوں یہ شغل رہا، کہ اچانک ایک شب عجیب واقعہ ہوا۔ یک بیک دل میں شورش عشق پیدا ہوئی کہ رات بھر نیند نہ آئی۔ موت یاد آئی، تہجد پڑھتے ہوئے صبح کی نماز ادا کی۔ سر میں اتنا سودا سمایا کہ دن بھر تمام مزارات مقدسہ کے چکر لگاتے رہے۔ کھانا پینا ترک ہوا۔ بزرگوں کے پاس جا کر برابر آہ اور واہ کرتے رہے۔ خیال ہوا کسی مرشد کو تلاش کرنا چاہیے۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ شہر کے تمام بزرگوں کے در پہ حاضری ہوئی، مگر اپنی قسمت کا حصہ کہیں نہیں پایا۔ آخر سوچا کہ دیوہ شریف جا کر حاجی وارث علی شاہ کے پاس مرید ہو جانا چاہیے۔ مگر خیال پیدا ہوا کہ ازیں قبل اپنے ماموں صوفی مولانا سید شاہ محمد شریف صاحب صدیقی چشتی کی خدمت میں جا کر قسمت آزمائی کریں۔ وہاں قلب کی حالت دگرگوں دیکھا۔ دلی خطرات سے آگاہ ہوئے۔ بہت سی کرامتیں دیکھیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "بس میرے دل نے کہا میرا حصہ اسی دربار میں ہے۔ کہیں دوسری جگہ جانا عبث ہے۔ بے ساختہ اسی وقت خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضور! مجھے اپنا غلام بنا لیجیے۔ حلقۂ مرید میں شامل کر لیجیے۔ اتنا عرض کرنا تھا کہ سخت برہم ہوئے۔ تنبیہ فرمائی، صرف چند دعائیں پڑھنے کو دیں مرید نہ کیا۔ روزانہ خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ صوفی صاحب روزانہ چند دعائیں پڑھنے کو دیتے، آپ اس پر عمل کرتے۔ دریں اثنا آپ نے کئی کرامتیں دیکھیں اور عمدہ خواب ملاحظہ فرمایا۔ جس سے اعتقاد اور مضبوط ہو گیا۔ آخر آپ نے نہایت عاجزی سے بارگاہ مرشد میں عرض کیا کہ حضور! مجھے فوراً مرید کریں ورنہ میری حالت خراب ہو جائے گی۔ مَیں دیوانہ ہو کر کہیں صحرا و جنگل میں چلا جاؤں گا۔ تب حضرت نے مجبور ہو کر مرید کیا۔ شیرینی وغیرہ منگوائی گئی بعد نمازِ ظہر بروز چہار شنبہ مرید ہوئے۔ پھر فرمایا: آج رات بھر جاگو اور تمام مزارات شہر کی زیارت کرو اور کم از کم چار ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص با تسمیہ پڑھو اسی روز بعد نمازِ مغرب آپ کے جذبۂ عشق کی لو تیز دیکھ کر "نمازِ عشق" پڑھنے کا طریقہ ارشاد فرمایا۔

اوراد و وظائف:

بعد ازاں تعلیم طریقت سے سرفراز فرمایا: ہر نماز کے بعد دس بار درود شریف، دس بار سورۂ اخلاص، دس بار کلمۂ توحید پڑھنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ بعد نمازِ مغرب چھ رکعت بہ نیت صلوٰۃ الاوابین

اس طرح پڑھو، کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین مرتبہ اس کے بعد دو رکعت نماز بہ نیت صلاۃ حفظ الایمان اس طرح پڑھو پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص ایک مرتبہ سورۂ فلق۔ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص سات مرتبہ ایک مرتبہ سورۂ ناس اور سلام کے بعد فوراً سجدے میں جا کر دس مرتبہ یا حی یا قیوم، پھر دس مرتبہ استغیث ثبتنی علی الایمان پڑھو رات کو ہمیشہ سوتے وقت سو مرتبہ کلمۂ طیبہ اور ایک مرتبہ درود شجرہ پڑھ کر ارواح پیران سلاسل کو بخشا کرو۔

پیرو مرشد نے دوسرے دن آپ کو شجرہ عنایت کیا۔ ان کے علاوہ کئی عمل بتائے، جو طوالت کی وجہ سے اور عام قارئین کا لحاظ کرتے ہوئے ترک کرتا ہوں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی یہی کافی ہے۔ تحصیل علم کا وقت ہے جاؤ خوب جی لگا کر پڑھو۔ علم طریقت کی تحصیل میں مشغول ہونے سے قبل علم دین حاصل کرنا ضروری ہے اور فرض ہے، لہٰذا حکم مرشد پر آپ بنارس تشریف لائے۔ جہاں آپ کے سابق استاذ جید عالم دین مولوی عبدالرحمٰن تھے۔ شرح عقائد نسفی، توضیح و تلویح، مطوّل وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ عرصے کے بعد پیرو مرشد نے سہسرام طلب فرما کر ارشاد فرمایا، کہ اب جاؤ کسی محدث کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دورۂ حدیث مکمل کرو۔

بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں حاضری:

حسب ارشاد سہسرام سے روانہ ہوگئے اور الٰہ آباد ہوتے ہوئے مسجد فتح پوری (دہلی) کے مدرسے میں پہنچے وہاں مولانا عبداللہ ٹونکی رہتے تھے۔ لیکن دورۂ حدیث کی تعلیم پورے شہر میں کہیں نہیں ہوتی تھی۔ ناچار مُلّا عبداللہ ٹونکی سے شرح چغمینی و سبع شداد پڑھتے رہے، دورۂ حدیث کی تعلیم کی خواہش دل میں مچلتی رہی۔ نیز آپ کی نیت تھی کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ تک کسی واسطے سے سلسلہ سند مل جائے اور سند حدیث میں کوئی ایسا نہ ہو، جو عقائدِ اہلِ سُنّت کے خلاف ہو۔ اسی خیال کے تحت مولانا سید فاخر حسین صاحب سے ایک خط محدث سورتی مولانا وصی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھوایا۔ خط کا مضمون کچھ اس طرح کا تھا:

حامل عریضہ ہٰذا بڑے شائق حدیث ہیں۔ دورے کا خیال ہے۔ بڑے عالی خاندان سادات سے ہیں۔ بہت مرتاض صوفی مشرب ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں بھیج رہا ہوں۔ ان کے قیام و طعام کا انتظام فرما کر مشکور ہوں۔ مولانا کا خط لے کر آپ محدث سورتی کی بارگاہ میں جانے کے خیال سے دہلی روانہ ہوگئے۔ راستے میں بریلی شریف اپنے پرانے رفیق ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ الباری سے ملنے اتر گئے۔ مدرسہ منظر الاسلام محلہ سوداگران بریلی شریف تشریف لائے۔ ملک العلماء سے خیال ظاہر کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اعلیٰ حضرت سے عرض کروا کر یہیں اجازت مل گئی، تو پھر اور کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ شاید حضور مدرس اوّل سے وقت دلوا دیں۔ کیونکہ وہ بھی اچھے مدرس ہیں، فرماتے ہیں، کہ ہم نے اسی وقت لفافہ تبدیل کر دیا، سادے لفافہ میں محدث سورتی کے نام لکھا ہوا خط ڈال کر اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت کی خدمت بابرکت میں پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا بشیر احمد صاحب صدر مدرس کو طلب فرما کر دورۂ حدیث پر مستعد کیا۔ کچھ کتابیں مدرس دوم و مہتمم مدرسہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ سے پڑھی۔ جیسے حمداللہ اقلیدس، مطول اور تلویح وغیرہ۔ کئی سال تک آپ اور آپ کے ساتھی مولانا ظفرالدین بہاری دونوں بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں حاضر رہ کر خوشہ چینی کرتے رہے اور جامِ رضا پی کر مست الست ہوتے رہے۔ دونوں صاحبان ایک ساتھ علوم ظاہری بھی اعلیٰ حضرت

سے تبرکاً حاصل کرتے رہے۔ مثلاً تفاسیر اور شرح مقاصد وغیرہ آپ حضرات نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے پڑھا۔

آپ کی ذہانت اور قوت الہام:

اسی درمیان کا واقعہ ہے، جوان کے بڑے صاحب زادے ڈاکٹر حاجی سید فیاض الدین صاحب مرحوم نے مجھ سے بیان فرمایا، کہ والد صاحب فرماتے تھے، کہ مَیں جس مسجد میں قیام کرتا، اس محلے میں ایک کام کرنے والی ضعیفہ رہتی تھی۔ اس کا آنا جانا کام کی غرض سے ہر جگہ تھا۔ اس کا ایک لڑکا رمضان کے مہینے میں انتقال کر گیا۔ عید کے موقع پر سب سے مسئلہ پوچھتی۔ کیوں جی میرا لڑکا مر گیا۔ مَیں نیا کپڑا اسلواؤں؟ سبھی کہتے کیا حرج ہے۔ ضعیفہ نے اعلیٰ حضرت سے بھی پوچھا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی ارشاد فرمایا تھا، کہ کیا حرج ہے؟ جواباً عورت کہتی نہیں نہیں میرا لڑکا مر گیا اور مَیں عید میں نیا کپڑا اسلواؤں گی؟ غرض کہ ہر ایک سے پوچھتی۔ مولانا غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ اسی محلے کی مسجد کے امام صاحب تھے۔ ان سے بھی پوچھا، تو آپ نے فرمایا: تم نے اپنے لڑکے کو کفن دیا تھا۔ اس نے کہا، بالکل دیا تھا۔ آپ نے ضعیفہ کے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ تم نے کفن میں نیا کپڑا دیا تھا یا پرانا۔ ضعیفہ نے کہا نیا کپڑا۔ تو آپ نے کہا جو مر گیا، تم نے اسے نیا کپڑا دیا تھا، وہ نئے کپڑے کا حق دار تھا، تم تو ابھی زندہ ہو، تم نیا کپڑا کیوں نہیں پہن سکتی۔ اس جواب پر عورت مطمئن ہو گئی اور کہنے لگی مَیں نیا کپڑا ضرور سلواؤں گی۔ یہ کہتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مولانا سید غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو دہرانے لگی۔ اعلیٰ حضرت ضعیفہ کی زبانی مولانا غیاث الدین کے جواب کو سن کر خوش ہوئے۔ جب مولانا موصوف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اعلیٰ حضرت نے کھڑے ہو کر اپنے سینے سے لگا لیا اور ارشاد فرمایا، واہ رے میرے سید! تو نے کیا جواب دیا۔ استاد جانثیں کو اپنے سینے سے لگا کر کیا دیا اور شاگرد نے کیا لیا۔

بریلی شریف سے واپسی:

رجب المرجب کا مہینہ آیا، خواجہ غریب نواز کے عرس کا قریب آیا۔ مولانا غیاث الدین کو غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت تھی، دربار خواجہ میں حاضری کا اشتیاق حد سے زیادہ ہوا۔ ملک العلماء سے کہا، کہ اعلیٰ حضرت سے سند حدیث دلوا دیں۔ ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت سے عرض کیا، اعلیٰ حضرت نے طلب فرمایا۔ ارشاد فرمایا، کہ جلسۂ دستار بندی کا وقت قریب آ گیا ہے، بہتر ہوگا کہ آپ نہ جائیں جلسے کے بعد جائیں۔ عرض کیا، کہ حضور! بارگاہِ خواجہ میں جانے کے لیے دل مچل رہا ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ موقع ملا، تو پھر آؤں گا۔ مجھ کو دستار بندی کی ضرورت نہیں۔ میرا یہاں آنا تو صرف حضور کی خدمت کی غرض اور سند حدیث حاصل کرنے سے تھا۔ میری درسیات تو متفرق جگہ ہوئیں۔ آپ سے اجازت احادیث ملی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تک دو ہی واسطہ ایک آپ ہیں اور دوسرے حضرت سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ۔ علاوہ ازیں حضور کی ذات بہت محترم ہے۔ آپ مجدد مائۃ حاضرہ امام اہلِ سنّت و جماعت ہیں۔ نہایت مغتنم مجھے قسمت سے جگہ ملی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا، کہ مجھ کو اجازت سند علمائے حرمین سے بھی ہے۔

یہ ارشاد فرما کر سند حدیث لکھوایا اور فرمایا، کہ تم خود لکھو، کیونکہ آپ خوشخط بھی تھے۔ اور خود اپنے دست کرم سے اعلیٰ حضرت نے لکھا۔ اجزت مایجوزلی کل روایة ودرایة عن شیوخی۔۔۔ جب سند صاف ہو گئی، تو اعلیٰ حضرت نے اپنی مہر پاک سے مزین فرما کر آپ کے حوالے فرمایا اور چند نصائح و وصایا فرما کر بخوشی رخصت فرمایا۔ چند ماہ کے بعد جلسۂ دستار بندی کے ختم ہونے پر مہتمم

مدرسہ حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ نے مطبوعہ سند حدیث اپنے دستخط اور مہر مدرسہ اور مہر اعلیٰ حضرت سے مزین فرما کر بذریعہ ڈاک ارسال فرمایا۔ جو فی الحال آپ کے پوتے ڈاکٹر معراج صاحب سہسرامی کے پاس موجود ہے۔

خلافت اعلیٰ حضرت:

دس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اعلیٰ حضرت نے مزید کرم فرمایا اور اپنے خاندانی سلسلے کا خلافت نامہ اور سلسلۂ قادریہ برکاتیہ (مارہرہ شریف) کا خلافت نامہ اجازت قرآن عظیم اسناد ائمہ دلائل الخیرات حزب الاعظم اسمائے اربعین اور دیگر اوراد و وظائف مہر سے مزین فرما کر بذریعہ رجسٹری ڈاک ارسال فرمایا۔

ملازمت و نکاح:

کچھ دن آپ مدرسہ شمسیہ علاقہ بھاگلپور میں درس و تدریس کے کام اور تبلیغ و اشاعتِ اہلِ سُنّت میں لگے رہے۔ اسی سال آپ کی شادی شیر گھاٹی محلّہ لودی شہید کے جناب مولوی سید راحت حسین صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔

خلافت پیر و مرشد:

قیام مدرسہ شمسیہ گرگواں بھاگلپور کے دوران آپ کے مرشد صوفی برحق حضرت سید شاہ شریف صاحب نے بھی بذریعہ ڈاک دستخط فرما کر خلافت نامہ چشتیہ نظامیہ فخریہ، قادریہ، کبیریہ ارسال فرما دیا۔ خلافت نامہ موصول ہوتے ہی فوراً سہسرام حاضر ہوئے اور حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا، کہ سرکار مجھے معاف فرمایا جائے۔ ایک تو بارِ سند احادیث منظر اسلام ہے اور سرکار اعلیٰ حضرت کا اجازت نامہ ہے۔ لیکن پیر و مرشد نے جواباً ارشاد فرمایا، کہ ''میں مجبور ہوں برابر مشائخ سلسلہ سے یہی تحریک بذریعہ خواب ہو رہی ہے کہ غیاث الدین چراغ اصدقی ہے۔ اُسے جلد از جلد خلافت عطا کرو'' مرشد کا کلام سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ خلافت نامہ سر پر رکھا اور دستخط پیر کو بوسہ دیا۔ دریں اثنا حضرت مولانا سید فاخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر درس و تدریس کے لیے الٰہ آباد تشریف لے گئے، کہ چند ایام کے بعد ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو سہسرام کی مشہور سابق درسگاہ میں ان دنوں قیام پذیر تھے۔ سہسرام سے حضرت مولانا سید غیاث الدین صاحب کو خط بھیجا، کہ اعلیٰ حضرت نے آپ کو تاکید فرمائی ہے، کہ کلکتہ حاجی منشی لعل خان صاحب کے ساتھ چلے جائیں۔ تم کو لازم ہے کہ الٰہ آباد چھوڑو اور سہسرام پہنچو۔ لعل خان صاحب نے آپ کا ٹکٹ سکنڈ کلاس کا بھیجا ہے۔ خط ملتے ہی آپ سہسرام کے لیے روانہ ہو گئے۔ پھر کلکتہ تشریف لائے اسٹیشن پر حاجی صاحب خود موجود تھے ان کے ساتھ کولوٹولہ تشریف لے گئے۔ صبح کے وقت حاجی صاحب نے فرمایا، کہ یہاں انجمن اصلاح عقائد اور مدرسہ عثمانیہ ہے۔ آپ کو مدرسے کا صدر مدرس اوّل نامزد کیا جاتا ہے اور انجمن کا نائب ناظم انجمن کا اوّلین مقصد اشاعت ملت حنفیہ و مذہب اہلِ سُنّت ہے۔ مدرسے میں ترجمہ و تفسیرِ قرآن پاک اور کتب تصوّف مثلاً مکتوباتِ صدی تعلیم دینا ہے اور لوگوں کے خطوط آئیں اُن کا جواب اسی زبان میں دینا ہے، مثلاً عربی، فارسی، اردو وغیرہ اور جب امام مسجد ناخدا کسی وجہ سے امامت نہ کرسکیں، تو مصلحت اہلِ سُنّت کی وجہ سے آپ کو امامت بھی کرنی ہے اور کتب اہلِ سُنّت طبع کروانا ہے۔ پھر کہا کہ یہ سب اعلیٰ حضرت کا حکم ہے۔ کچھ دنوں کے بعد مدرسہ اسلامیہ واقع مسجد سیالدہ میں رہنے لگے اور اہلِ سُنّت کے لیے سعی پیہم کرتے رہے۔ کلکتہ سے دل اُچاٹ ہو گیا، تو سہسرام میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ مرشد کی خدمت میں حاضری بھی ہوتی رہی اور بہار و بنگال اور یوپی کے حلقوں میں دورہ بھی ہوتا

رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے زور خطابت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کی تقریر اور مناظرانہ گفتگو سے اہلِ سنّت کا بول بالا ہوتا رہا۔ ساتھ ہی آپ کے مریدوں کا حلقہ بھی وسیع تر ہوتا گیا۔ بہار میں بھاگلپور، مونگیر، ہزاری باغ، ہمکا گذا، مغربی بنگال میں بیر بھوم، بردوان، مالدہ، پنڈوہ شریف، مرشد آباد وغیرہ میں سلسلے کا کافی اجراء ہوا۔ مریدوں کی فہرست جہاں تک لکھی جا سکی تھی۔ ۱۹۵۴ء تک چار ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

آپ نے چند رسائل بھی لکھے۔ عقائد، تصوف اور سماع سے متعلق جو غیر مطبوعہ ہیں۔ ڈاکٹر معراج صاحب نے مسائل سماع کے متعلق بتایا، کہ بریلی شریف میں طالب علمی کے زمانے میں ہی لکھا تھا۔ جس میں جواز سماع سے متعلق بزرگوں کے اقوال اور دلائل پیش فرمائے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے دیکھ لیا، فرمایا، مولانا! میری ہی زندگی میں، آپ نے عرض کیا حضور! میری بھی زندگی میں نہیں، سبحان اللہ کیا استاد کا ادب تھا۔ تعلیم طریقت کے سلسلے میں ایک رسالہ غیاث الطالبین تحریر فرمایا ہے۔

آپ کے مریدوں میں اپنے وقت کے علماء بھی تھے۔ مثلاً حضرت علامہ سید شاہ عزیز حسین لکھن پوری تلمیذ خاص حضور ملک العلماء اور صاحب ثروت بھی، جیسے حاجی جہانگیر صاحب عرف بھولا میاں بانی دار العلوم فیضیہ نظامیہ اسٹی پور بھاگلپور۔

آپ کا وصال ۲۵ رمئی ۱۹۶۵ء کو ہوا اور محلّہ [illegible] شاہی قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔ آج بھی آپ کا [illegible] قدس شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ آپ کی [illegible] حسرت آیات حشر سہسرامی نے لکھی۔

آرام گاہ عالم بلند پایہ عارف کامل قدس سرہٗ
۱۳۸۵ ہجری

عالم محتاط سرد پارسا روشن ضمیر
نیک صورت نیک سیرت و اصل حق متقی
شام یکشنبہ تھی تیرہویں محرم یاد ہے
اُف جدائی کی گھڑی بھی تھی قیامت کی گھڑی
اس قدر کافی اشارہ ہے تعارف کے لیے
آپ ہیں سادات سے اور سلسلہ ہے اصدقی
حشر اٹھتے ہی سر بالیں کہا یہ سال فوت
آہ مولانا غیاث الدین سلطان الولی
۱۹۶۵ء

☆☆☆

"ضعیف نے اعلیٰ حضرت سے بھی پوچھا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی ارشاد فرمایا تھا، کہ کیا حرج ہے؟ جواباً عورت کہتی نہیں نہیں [illegible] لڑکا مر گیا اور میں عید میں نیا کپڑا سلواؤں گی؟ غرض کہ ہر ایک سے پوچھتی۔ مولانا غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ اسی محلّے کی مسجد کے [illegible] صاحب تھے۔ ان سے بھی پوچھ، تو آپ نے فرمایا تم نے اپنے لڑکے کو کفن دیا تھا۔ اس نے کہا، بالکل دیا تھا۔ آپ نے ضعیف کے جواب [illegible] ارشاد فرمایا کہ تم نے کفن میں نیا کپڑا دیا تھا یا پرانا۔ ضعیف نے کہا نیا کپڑا۔ تو آپ نے کہا جو مر گیا تم نے اسے نیا کپڑا دیا تھا وہ نئے کپڑے کا حق دار تھا، تم تو ابھی زندہ ہو، تم نیا کپڑا کیوں نہیں پہن سکتی۔"

ملک العلماء کے چند احباب

از قلم: مفتی محمد ارشاد احمد ساحل شہسرامی، علیگ

ملک العلماء سید شاہ محمد ظفرالدین قادری رضوی علیہ الرحمہ خوشگوار اور اخلاق مند طبیعت کے مالک تھے، اس لئے آپ کا دائرہ احباب کافی وسیع تھا۔ نسبت اعلیٰحضرت اور اپنے علمی وقار کی بدولت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی فرمائش پر جب میں حضرت کے نام آئے خطوط کی فائل مرتب کر رہا تھا، تو چند ایسے بزرگوں کے خطوط بھی نگاہ سے گزرے جن سے اس ناچیز کو خاص انسیت ہے۔ ان میں مارہرہ مطہرہ کے تاج العلماء، سید العلماء، سہسرام کے سید شاہ ملیح الدین، مولانا سید ابوالحسن خوشدل، مولانا نجم الدین، مولانا سید موسیٰ رضا، مولانا حکیم سید وصی احمد، سید غلام مخدوم مست، مولانا سید محمد اظہار حسین اور جامعہ اشرفیہ کے بزرگوں صدر الشریعہ، حافظ ملت اور مولانا عبدالرؤف علیہم الرحمۃ والرضوان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ خانقاہ منعمیہ گیا کے سجادہ نشین سید شاہ حسام الدین احمد منعمی اور مارہرہ مطہرہ کے ایک نامعلوم بزرگ کے خطوط کی زیراکس کا پیاں بھی لینے کی انہوں نے اجازت مرحمت فرمائی، اس کے لئے میں ممنون ہوں۔ حضرت حجۃ الاسلام، سرکار مفتی اعظم، حضرت صدر الافاضل کے مکاتب بھی مطلوب تھے۔ لیکن پروفیسر صاحب انہیں دوسرے مشاہیر کے مکتوب کے ساتھ خود شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

تاج العلماء اور سید العلماء کے خطوط علیٰحدہ مضمون کی صورت میں درج ہیں۔ علمائے سہسرام کے مکاتیب ''ملک العلماء اور علمائے سہسرام'' میں جگہ پا چکے ہیں۔ مولانا عبدالرؤف صاحب علم توقیت میں حضرت ملک العلماء کے شاگرد ہیں اور ان کے خطوط میں زیادہ تر توقیتی مسائل کے بارے میں استفسار ہے، اس لئے انہیں بھی علیٰحدہ مضمون کی صورت میں پیش کیا گیا۔ باقی خطوط مختصر وضاحت کے ساتھ ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

سید شاہ حسام الدین منعمی علیہ الرحمہ (م ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء)

باقری سادات کی ایک شاخ داناپور پٹنہ سے ۱۲۶۲ھ میں گیا آئی۔ سید المتوکلین سید شاہ عطاء حسین منعمی فانی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۱ھ) ۱۲۶۱ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ارادہ تھا کہ وادیٔ بطحا چھوڑ کر نہ جائیں گے، لیکن حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر گیا تشریف لائے اور یہیں اقامت کرڈالی۔ حضرت فانی فیضان اویسی سے سرفراز کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ کے اخلاف میں صاحبزادہ گرامی سید شاہ غلام قطب الدین (م ۱۳۰۹ھ) نبیرہ حضرت سید شاہ نظام الدین م ۱۳۲۶ھ خانقاہی روایات کی امانتیں سنبھالے رہے۔ حضرت سید نظام الدین قدس سرہٗ کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی حرم سے سید شاہ حسین الدین احمد (م ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) قدس سرہٗ تولد ہوئے، جو گیا میں مدفون ہیں اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ اور دوسری حرم سے تین صاحبزادے سید قیام الدین احمد، سید حسام الدین

احمد، سید احتشام الدین احمد اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ سید شاہ حسین الدین احمد کے شہزادے ہیں موجودہ سجادہ نشین مخدوم گرامی سید شاہ غلام مصطفیٰ احمد منعمی دامت برکاتہم القدسیہ جو برادرم مولانا سید صباح الدین احمد زید مجدہٗ ولی عہد کے والد ماجد ہیں۔

سید حسام الدین احمد منعمی کی ولادت ۲۶؍صفر المظفر ۱۳۱۷ھ/۳؍جولائی ۱۸۹۹ء کو ہوئی۔ برادر بزرگ صاحب سجادہ سید شاہ حسین الدین احمد قدس سرہ کے دست حق پرست پر سلسلۂ چشتیہ خضریہ منعمیہ میں بیعت ہوئے اور سارے خاندانی سلاسل کی اجازت بھی پائی۔ اردو، فارسی، اور انگریزی سے مہارت کی حد تک واقف تھے۔ عربی سے بھی خاصی واقفیت تھی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے زمانے میں جامعہ ملیہ دہلی کے لائبریرین رہے، برادر محترم سید شاہ حسین الدین احمد علیہ الرحمہ نے مرض وفات میں آپ کو دہلی سے گیا طلب کیا اور خانقاہ کی خدمت سپرد کی۔ برادر محترم کے وصال کے بعد ۱۳۵۸ھ میں آپ سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۸/۱۹؍سال تک خانقاہ منعمیہ گیا کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں اپنے برادر زادے سید شاہ غلام مصطفیٰ احمد دام ظلہٗ کو روحانی اشارے پر خانقاہی ذمہ داریاں سپرد کئے اور خود بدولت کراچی تشریف لے گئے۔ وہیں ۲۶؍محرم ۱۴۱۳ھ/۲۸؍جولائی ۱۹۹۲ء کو اس جہان خاکی کی بندش سے نجات حاصل کی۔ قبرستان سخی حسن، نارتھ ناظم آباد کراچی پاکستان میں آخری آرام گاہ ہے۔ آپ نے بھی دو شادیاں کیں، پہلی حرم سے صرف ایک صاحبزادی تولد ہوئیں دوسری حرم سے صاحبزادہ سید فخر الدین احمد اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔

سید شاہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ لطیف ذوق، وجیہ وشکیل، چھریرے بدن کے بزرگ تھے۔ حد درجہ خلیق، نفیس اور نرم خو (ذکر عطا، ص:۸۹۔۹۱)

ملک العلماء جب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس اول تھے، تو خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ، خانقاہ شاہ ارزاں اور دیگر خانقاہوں سے آپ کے خوشگوار رابطے تھے۔ خانقاہ عمادیہ کے سجادہ نشین سید شاہ صبیح الحق عمادی سے دوستانہ مراسم تھے۔ ان کے صاحبزادے سید شاہ فرید الحق عمادی (م ۲۰۰۱ء) ملک العلماء کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ خانقاہ عمادیہ سے خانقاہ منعمیہ گیا کا دیرینہ رابطہ ہے۔ سید شاہ حسین الدین احمد شاہ صبیح الحق صاحب کے ہم زلف تھے۔ موجودہ سجادہ نشین سید شاہ مصطفیٰ احمد مدظلہ کی تیسری صاحبزادی سید مصباح الحق عمادی ولد سید فرید الحق عمادی سے منسوب ہیں۔ اس ربط باہم کے زیر اثر شاہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ سے بھی ملک العلماء کے علمی ودینی رابطے تھے۔ سید شاہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ کے زمانۂ سجادگی کے پانچ خطوط مجھے دستیاب ہوئے۔ جو خالص دینی معمولات پر مشتمل ہیں، ان مکاتیب سے ربط باہم کی جہتیں بھی معلوم ہوتی ہیں اور اس دور کے دینی اور سیاسی ماحول پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مختصر وضاحت کے ساتھ انہیں یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

خانقاہ منعمی ہوا المنعم

۱۵؍اکتوبر ۱۹۴۴ء

مولانا المحترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

علماء کی خدمت میں خطوط روانہ کر چکا ہوں اور اہتمام بھی شروع کر رہا ہوں پھر حالات سے مطلع کرتا رہوں گا۔ آپ کا نام بھی فہرست میں ہے۔ وقت سے پہلے اطلاع کر دوں گا۔ میں نے ایک حدیث دریافت کی تھی، مگر اس ملاقات میں ذکر کرنا بھول گیا یعنی اپنے کو سید غلط طور پر کہنا کیسا ہے؟ براہ کرم اس حدیث شریف کو لکھ بھیج دیجئے۔ اپیل کا مضمون روانہ کر رہا ہوں۔ اسے ملاحظہ فرما کر اپلینگ زوردار اور دلچسپ بنا دیجئے مگر جلد، کیوں کہ کام زیادہ ہے۔

اور وقت کم۔ چاہتا ہوں کہ ہفتہ عشرہ کے بعد جلسے ہو جائیں، ورنہ سردیوں میں زیادہ زحمت ہوگی۔

حسام الدین احمد منعمی

حضرت سید حسام الدین احمد منعمی کے برادر محترم سید شاہ حسین الدین احمد (م ۱۹۳۹ء) بہت متحرک اور فعال بزرگ تھے۔ علم تصوف کی اشاعت سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی۔ ہر قمری ماہ کے سترہ تاریخ کو حلقۂ ابوالعلائیہ منعقد کرتے، جس میں علماء و صوفیا کے مواعظ حسنہ ہوتے۔ اپنے ذاتی خرچ سے منعمی پریس قائم فرمایا۔ جس نے خاندانی بزرگوں کی تصانیف اور دیگر مفید لٹریچر کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حزب الفقراء قائم کی۔ جس کا خاص مقصد خانقاہوں اور مشائخ کی تنظیم تھی۔ اسی پلیٹ فارم سے تصوف اور مشائخ تصوف کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا سدباب کیا جاتا۔

سید شاہ حسام الدین احمد منعمی علیہ الرحمہ نے بھی انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انجمن معین الاسلام قائم کی۔ اہلسنت کی شیرازہ بندی اور ان کے عقائد کے تحفظ کے لئے تبلیغی سطح پر قابل قدر کوششیں فرمائیں۔ پیش نظر مکاتیب اسی سلسلے میں تحریر ہوئے۔

"وہ حدیثیں یہ ہیں: (۱) من ادعیٰ الیٰ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔ رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ عن سعد وعن ابی بکر معاً رضی اللہ تعالیٰ عنہم (۲) من ادعیٰ الیٰ غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ یوم القیٰمۃ صرفاً ولاعدلاً۔ رواہ الستۃ الا ابن ماجہ عن علی رضی اللہ عنہ وصدرہ احمد وابن ماجہ وابن حبان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (فتاویٰ رضویہ مترجم ۲۳/۲۵۶)۔

ترجمہ: جس نے اپنا نسب غلط بیان کیا، اس پر جنت حرام ہے۔ جس نے اپنا نسب غلط بیان کیا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت اترتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرائض اور نوافل کچھ بھی قبول نہیں فرماتا۔

هوالمنعم

۱۲ر دسمبر ۱۹۴۴ء

مولانا المکرم والمحترم مدظلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ماشاء اللہ انجمن کا جلسہ بہت کامیاب رہا، مگر ڈاکٹر محسن اپنی حماقتوں سے باز نہیں آرہے ہیں۔ انجمن کا رکن بنانے کی سعی کی جارہی ہے۔ دعا فرمایئے کہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔ انجمن کے جلسہ کے بعد جامعہ قاسمیہ کا سالانہ تبلیغی جلسہ ہوا، جس میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ حضرات شریک ہوئے اور جمعیۃ العلماء کی بنیاد بھی پڑ گئی۔

میں کوشش کر رہا تھا کہ ایک دن کے لئے خود حاضر ہو کر ملاقات کروں۔ کفر کے سلسلے میں کچھ باتیں (مسائل) دریافت طلب ہیں۔ وقت ملاقات ضرور حاضر کروں گا۔

میں چاہتا ہوں کہ محترم سے ایک عالم صاحب کی خدمات حاصل کر لی جائیں۔ عالم حسب ذیل خصوصیات کے حامل ہوں تو بہتر ہے، کیوں کہ ابھی ابتدائے کار ہے:

۱۔ بے تکلف ہوں۔ ۲۔ تبلیغی صلاحیت موجود ہو۔

۳۔ سردست تعلیمی ضرورت نہیں، ابھی تنظیم کا کام کرنا ہے۔ محلہ محلہ جلسہ کر کے رکن بنانا ہے، پھر مدرسہ شبینہ قائم کرنا، تفسیر، سیرت کا انتظام کرنا ہے۔ میں اپنی بجائے میلاد شریف وغیرہ میں تمام بھیجوں گا۔ نکاح خوانی وغیرہ کے لئے بھی ممکن ہوگا، تو موقع

دونگا۔ سردست کس تنخواہ پر ایسے صاحب دستیاب ہوسکیں گے۔ طعام وقیام علاوہ تنخواہ ہوگا۔ اگر محرم سے قبل میں حاضر ہوسکا، تو بالمشافہ گفتگو ورنہ بذریعۂ خط۔

دعا کا طالب

حسام الدین احمد منعمی

جامعہ قاسمیہ گیا کی مشہور دیوبندی درسگاہ ہے اور حسین احمد مدنی اور حفیظ الرحمٰن سیوہاروی دیوبند کے کانگریسی نمائندے۔ اسعد مدنی صاحب۔ حسین احمد مدنی کے ہی صاحبزادے ہیں جو ٹانڈہ یوپی کے رہنے والے ہیں۔

خانقاہ منعمی۔ گیا

۷۸۶

۲۰/دسمبر ۱۹۴۵ء

مولانا المحترم زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں نے ایک ملفوف خط ارسال خدمت کیا ہے جس میں جواب کے لئے ٹکٹ بھی بھیجا ہے اور انتظار کر رہا ہوں۔ وہ خط جناب تک پہونچا ہے یا نہیں؟ براہ کرم مطلع فرمائیے۔

نیاز مند۔ حسام الدین احمد منعمی

خانقاہ منعمی۔ گیا ھوالمنعم

۱۰/جنوری ۱۹۴۶ء

مولانا المحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ موصول ہوکر باعث شادکامی ہوا۔ یہاں کی فضا بلکہ تمام ہندوستان کی فضا ان دنوں خراب ہورہی ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے صدر اگر مولانا حسین احمد مدنی تھے تو جمعیۃ علماء اسلام کے صدر مولانا شبیر احمد عثمانی ہوئے۔ اگرچہ اسلام کے مفاد کے پیش نظر ہمیں اس انتخاب پر خموشی اختیار کرنا ضروری ہے۔ مگر عقائد صوفیا کی بنا پر ان سے بھی وہی شکایت ہے، کیونکہ یہ دونوں شیخ الہند کے شاگرد ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان امور کو سردست ہم ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ خموشی کے ساتھ اپنی تنظیم کرتے رہیں اور عوام کو یہ بتائیں کہ جمیعۃ العلمائے اسلام کے صدر سے ہمیں عقائد کی بنا پر اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ انہیں سب کا سیاسی اثر تمام ہندوستان پر ہے۔

یہی سبب ہے کہ میں ایک خوش بیان واعظ کو مقرر کرنا چاہتا ہوں، جو سنی عقیدہ کا ہو اور دلچسپی کے ساتھ تنظیم اور تبلیغ کے کام انجام دے سکتا ہو۔ آپ ان امور کا لحاظ فرما کر جلد سے جلد ایک مولوی صاحب کو مقرر فرما کر روانہ فرمائیے۔ میرے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے کہ تکمیل کی سند بھی موجود ہو۔ کیونکہ اس وقت درس وتدریس کی ضرورت نہیں ہے۔ محض وعظ وتبلیغ کی ضرورت ہے اور تنظیم کی سنی کانفرنس کا اجلاس کب ہورہا ہے؟ مطلع فرمائیے۔ میں شرکت کی کوشش کروں گا۔ والسلام

فقیر حسام الدین احمد

جن صاحب کو مقرر فرمائیے ان سے فرمادیجئے کہ ایک ماہ تک ان کا کام دیکھ کر مستقل تقرری اور تنخواہ ۳۰ یا ۳۵ / روپے اور اگر انداز بیان پسندیدہ ہوا یعنی مسلمانوں نے پسند کیا، تو میں ۴۰ / روپے بھی دینے کے لئے حاضر ہوں۔ حسام الدین احمد

۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ بہت شورش زدہ رہا۔ ہندوستان کی آزادی اور تقسیم دونوں نعرے ایک ساتھ بلند ہورہے تھے۔ مسلمان اس وقت سیاسی سطح پر تین حصوں میں بٹے ہوئے

تھے۔(۱) پاکستان مخالف۔ یہ کانگریس نواز حلقہ تھا، جس کی نمائندگی دیوبند کر رہا تھا (۲) حامی پاکستان۔ پاکستان کا قیام مسلم لیگ کا خاص مشن تھا۔ اہلسنت کا بڑا طبقہ اسی خیمے سے تعلق رکھتا تھا۔ (۳) غیر جانبدار۔ یہ باشعور اور دردمند مسلم طبقہ تھا، جو حالات کروٹ پر نظر رکھتا ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند کے نمائندے جس کا مرکز دیوبند تھا، جگہ جگہ جلسہ کر کے لوگوں کو مسلم لیگ کے خلاف ورغلاتے اور مطالبۂ پاکستان سے دست بردار ہونے کی تلقین کرتے۔ اس لئے کانگریس دیوبند پر بہت مہربان رہی اور آزادی کے بعد جب اقتدار سنبھالا تو حکومتی سطح کے مسلم شعبوں (وقف بورڈ وغیرہ) میں انہیں خصوصی نمائندگی عطا کی۔ اس فتنے کے تدارک کے لئے اہلسنت نے بھی جگہ جگہ سنی کانفرنسیں منعقد کیں اور مسلمانوں کو مطالبہ پاکستان پر آمادہ رکھا۔ ۲۶/۲۷/۲۸/اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس کی سنی کانفرنس اپنے طرز کی یادگار کانفرنس تھی۔ جس میں پانچ ہزار سے زائد صرف علماء اور مشائخ شریک ہوئے۔ اس خط میں انہیں حالات کے جانب اشارے ہیں۔

هوالمنعم

خانقاہ منعمی۔ گیا

۱۳/مارچ ۱۹۴۶ء

مکرم و محترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک صاحب جاتے ہیں: یہ رام گڑھ (ہزاری باغ) میں مجلس وعظ و میلاد منعقد کرنا چاہتے ہیں اور شرط یہ ہے کہ عالم صاحب مسلم لیگی ہوں۔ اس لئے میں نے مشورہ دیا ہے کہ آپ کو تکلیف دی جائے، ہم لوگوں کو اپنا اثر و اقتدار قائم کرنا ہے اور اس سلسلے میں آپ کی اعانت ضروری ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جناب والا بلا عذر منظور فرما کر تشریف لائیں گے۔ والسلام

فقیر حسام الدین احمد

مسلم لیگی عالم کی طلب اسی لئے ہے کہ اہلسنت کے بیشتر افراد لیگ نواز تھے اور پاکستان کے حامی۔ کانگریس نواز دیوبندی تنظیم جمعیۃ علمائے ہند کے اثر کو ختم کرنے کے لئے جو سیاسی سطح سے مذہبی فائدہ اٹھا رہی تھی، علمائے مشائخ کثیر تعداد میں جلسے منعقد کیئے۔ رام گڑھ ہزاری باغ کا یہ جلسہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

صدر الشریعہ مفتی حکیم ابوالعلا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ
(۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

مصنف بہار شریعت حکیم محمد امجد اعظمی (۱۲۹۶ھ، ۱۳۶۷ھ) علامہ ہدایت اللہ خان جونپوری (م ۱۳۲۶ھ) کے شاگرد رشید اور محدث سورتی شاہ وصی احمد پیلی بھیتی (م ۱۳۳۴ھ) کے خاص فیض یافتہ تھے۔ محدث سورتی کی ایما پر اعلیٰحضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پھر وہیں کے ہوکر رہ گئے۔ منظر اسلام بریلی شریف میں تدریس، افتاء اور پریس کے انتظامات کی ذمہ داری کو بہت خوبی سے نبھایا۔ بعض حضرات انہیں کام کی مشین کہا کرتے۔ اعلیٰحضرت کی احتیاط و تقویٰ اور علمی عبقریت سے اتنا متاثر ہوئے کہ ان کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ارادت کے ساتھ خلافت کی دولت بھی پائی۔ اعلیٰحضرت کا مشہور ترجمۂ قرآن کنز الایمان آپ ہی کے اصرار اور عملی تعاون سے مکمل ہوا۔ جب تک اعلیٰحضرت حیات تھے، آپ بریلی شریف ہی میں رہے۔ اس کے بعد ۱۹۴۳ء صدر مدرس کی حیثیت سے دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۱ھ میں پھر بریلی حاضر ہوئے اور تین سال تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں (علی گڑھ) تشریف لے گئے۔ تدریس،

واعظ اور مناظرہ آپ کے مخصوص میدان تھے، اس کے ساتھ تصنیف سے بھی لگاؤ رہا۔ بہار شریعت کی سترہ جلدیں، حاشیہ طحاوی شریف (عربی)، فتاویٰ امجدیہ آپ کی علمی یادگاریں ہیں۔ کثیر الاعیال تھے پھر بھی نفع اندوزی سے دور رہے۔ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی ازہری، پاکستان (م ۱۹۴۰ء) علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری آپ کے ہی نامور صاحبزادگان ہیں ۱۳۳۷ھ میں پہلی بار حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۶۷ھ میں دوسری بار عازم حرم ہوئے تھے، لیکن ممبئی میں ہی شدید بخار کی حالت میں ۲ ذی القعدہ/۶ دسمبر ۱۹۴۸ء دوشنبہ کے دن گیارہ بجے شب میں محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہونچا مدینے میں
قدم رکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی مدینے سے

آپ نے کثیر نامور اور بافیض تلامذہ پیدا کئے، جن میں حافظ ملت مولانا عبد العزیز محدث مرادآبادی (م ۱۹۷۶ء) اور محدث اعظم پاکستان مولانا ابو الفضل سردار احمد لائلپوری (م ۱۳۸۲ھ) کا علمی فیضان پورے عالم کو محیط ہے۔

حضرت صدر الشریعہ عمر میں ملک العلماء سے بڑے تھے، لیکن دونوں حضرات بارگاہ رضا کے چہیتے اور نیاز مند تھے، اس لئے باہم احترام اور خلوص کے رابطے تھے۔ حضرت کا ملک العلماء کے نام صرف ایک مکتوب ہی مل سکا، جو دراصل عرس رضوی کا دعوت نامہ ہے۔

۷۸۶/۹۲

حضرت مولانا المحترم!

السلام علیکم

حسب دستور قدیم عرس قادری رضوی ۲۳/۲۴/۲۵/ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۸/۲۹/۳۰/ جنوری ۱۹۴۶ء روز دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ، منعقد ہوگا۔ بعونہ عزوجل عرس کمیٹی عرس شریف کے انتظامات کررہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۲۳ر تا ۲۴ر جنوری تک حضرت مفتی اعظم مولانا الحاج شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب بھی سفر حج سے تشریف لے آئیں گے۔ آپ کی شرکت عرس کے تعلق سے مطبوع دعوت نامہ روانہ کیا جاچکا ہے۔ اب یہ مکرر خصوصی دعوت نامہ حاضر ہے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے شرکت عرس کی قوی امید ہے۔ اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ آپ کی شرکت مفتی اعظم کی مسرتوں کو دوبالا کردے گی اور فقیر بھی آپ کا رہین منت ہوگا۔

والسلام — از خانقاہ عالیہ رضویہ

فقیر امجد علی اعظمی عفی عنہ، محلہ سوداگران، بریلی

مارہروی بزرگ۔

اس خط کے مکتوب نگار کی شخصیت کے بارے میں کچھ نہ پتہ چل سکا۔ میں نے حضرت امین ملت اور سید محمد اشرف صاحب قبلہ سے دریافت کیا، لیکن آپ حضرات نے لاعلمی ظاہر کی، جب کہ آپ حضرات اکابر خاندان کی تحریروں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ سرنامے پر خانقاہ عالیہ قادریہ مارہرہ مقدسہ تحریر ہے۔ اسی نسبت کے احترام میں اس مکتوب کو بلا تبصرہ حاضر کرتا ہوں۔ مکتوب کے طرز سے بے تکلفی ظاہر ہے۔ تاج العلماء کے زمانے میں خانقاہ عالیہ میں دارالافتاء بھی تھا اور مدرسہ بھی۔ اس لئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خانقاہ عالیہ میں قیام پذیر کوئی دوسرے بزرگ ہوں، جن کا خاندان برکات سے تعلق نہ ہو۔

خانقاہ عالیہ قادرہ مارہرہ مقدسہ — اللہ ولا سواہ

۲۰ر فروری

گدا فراموش، نامہربان، مہربان مولانا معظم، ہدیہ سلام مسنون ودعا سلامی خان وانجان! یہ ناکارہ فقیر مارہرہ، خدا جانے آپ کے فیض کرم کے باوجود شوق دیدار سے کیوں محروم ہے۔ واللہ! کسی طرح کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آتا۔ نہ یہ بھید کھلتا ہے۔ کون مرد

طلسم توڑے۔ آخر آپ کے عدم کرم بخشنے کی وجہ غیب پیدا ہو جو یہ موجب کیا ہے؟ اگر فقیر کے زشت اعمال و بداطواری کے سبب نفور ہے، باشد۔ لیکن میری ذاتی نجس کا اثر عرس بے چارے پر کیوں ڈالا جاتا ہے۔ جس کے مقدس عرس میں تکلف دینا چاہا کرتا ہوں ....ولی کامل خدا کا زبردست ٹھہرے۔ لہٰذا جناب کو میرے نجاست اعمال سے..... جناب کو تو، صاحب عرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مقدس پر تشریف لانا اور پاک روح سے استفادہ حاصل کرنا تشریف لے جانا ہے۔ دعوت عرس قدس کا.... ہے۔ اب دیکھتا ہوں، کہ جناب کی عقیدت وارادت جو اکابران کرام مارہرہ مقدسہ سے غیر معمولی ہے، کیا فیصلہ کرتا ہے۔ انشاء اللہ فقیر کے مدعا کے مطابق ڈگری ہوگی کہ آپ تشریف لائیں گے اور فوراً تشریف لائیں گے۔ آپ اپنے ہو تو اس قدر..... بجوش محبت عرض کر دیا کرتا ہوں۔ ورنہ حق...... فقیر کو کیا نسبت..... کئی سال آپ نے امید رونق افروزی مہمان صاحب خانقاہ سہسرام کے دلائی، مگر شومئی طالع سے کبھی ان کا تنویر جلوہ نظر نہ پڑا...... تو اپنی عمیق کوشش اور جان توڑ سعی بلیغ سے ان بزرگوار لائے فقیر ہر خدمت بجالانے کو تیار ہے۔ قبل ورود مسعود سے بصحت وعدہ فوری مطلع فرمایئے.... دعوت عرس کا سجادہ صاحب کے نام بھی دفتر عرس سے جاری ہوا ہے۔

ناکارہ۔ فقیر قادری

حافظ ملت شاہ عبد العزیز مراد آبادی علیہ الرحمہ (۱۹۷۶ء)

حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مراد آبادی ثم مبارکپوری (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) حضرت ملک العلماء کے احباب میں نہیں۔ اصاغر میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ صدر الشریعہ، مولانا سید وصی سہسرامی وغیرہ کے شاگرد ہیں، جو ملک العلماء کے احباب سے تھے، لیکن آپ کی عظیم دینی خدمات کی بدولت آپ کے مکتوب کو یہاں درج کرتا ہوں۔

ناچیز حافظ ملت کا ہی بالواسطہ فیض یافتہ ہے۔ والد صاحب قبلہ بیان کرتے ہیں کہ حافظ ملت کی ایک تقریر سن کر ہی تمہیں عالم دین بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ احقر کے اساتذہ حافظ ملت کے بلاواسطہ تلمیذ ہیں۔ اور میں نے ۱۹۸۶ء سے ۲۰۰۰ء تک حافظ ملت کے قائم کردہ ادارہ جامعہ اشرفیہ میں زندگی کے لمحات گزارے اور علم دین کی تحصیل اور خدمت کی ہے۔ اس لئے آپ سے نیاز مندی اور عقیدت فطری سی چیز ہے۔

حضرت حافظ ملت کی ابتدائی تعلیم دار العلوم نعیمیہ میں ہوئی پھر دادوں اور اجمیر مقدس میں صدر الشریعہ کے زیر سایہ تعلیمی مرحلہ اختتام کو پہونچا۔ فراغت کے بعد صدر الشریعہ نے فرمایا: حافظ صاحب! میں اپنے وطن اعظم گڑھ سے باہر باہر رہا، جس کی وجہ سے بد مذہبی کو ہمارے علاقے میں ہاتھ پیر پھیلانے کے موقع مل گئے۔ آپ جایئے اور دین وسنیت کی خدمت انجام دیجئے۔ حافظ ملت نے عرض کی: میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت نے فرمایا: میں نے ملازمت کے لئے کب کہا، میں تو آپ کو دین کی خدمت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ حضرت مبارکپور تشریف لائے۔ ایک چھوٹا سا مکتب تھا، جسے ترقی دیکر دار العلوم اشرفیہ (۱۳۵۲ھ سن تاسیس) پھر جامعہ اشرفیہ (۱۹۷۲ء) کی منزل تک پہونچایا۔ اپنی زندگی کے چالیس سال بہت ایثار اور خلوص کے ساتھ گزارے اور وہ کارنامہ انجام دے گئے۔ جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائیگا۔ ٹھوس صلاحیت کے مالک جید علماء پیدا کئے، مدارس کا جال بچھایا، مبارکپور کے وہابیوں سے مناظرے کئے اور انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔ مرتاض، صاحب دل، خلوص پیشہ، سادہ طبیعت اور دردمند دل کے بڑے بے نفس بزرگ تھے۔ استقلال ایسا پایا تھا کہ مخالف کا بڑے سے بڑا طوفان بھی آپ کے پائے ثبات میں

لرزش نہ پیدا کرسکا۔ معارف حدیث، عقائد علمائے دیوبند، الدیوبندیہ، ارشاد القرآن، جیسی مفید کتابیں بوقت ضرورت تحریر کیں۔ ورنہ آپ کے سر ذمہ داریاں اتنی تھیں کہ آپ کو تصنیف کی فرصت ہی نہیں تھی۔ اعلیٰ درجے کے خطیب تھے، جن کی خطابت میں گھن گرج کم اور تاثیر کا پہلو زیادہ ہوتا تھا۔ بڑوں کے حضور بہت مؤدب رہتے، جس کا کچھ اندازہ درج ذیل مکتوب سے بھی ہوسکتا ہے۔

ملک العلماء نے ایک طالب علم کے داخلے کے سلسلے میں سفارشی مکتوب تحریر فرمایا تھا۔ جس کے جواب میں یہ معروضہ رقم ہوا:

۷۸۶ مخدوم محترم مطاع مکرم حضرت محدث اعظم صاحب قبلہ دامت برکاتکم العالیہ

آداب و نیاز وسلام مسنون!

عزیز مکرم احمد سلمہ کا داخلہ کر کے خورونوش وغیرہ کا انتظام کردیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو علم نافع عطا فرمایا۔ آمین! حضور والا نے ادریس سلمہ، کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا حق ہے، بسر وچشم منظور ہے۔ حضور مجھے خود ادریس کی علیحدگی سے بیحد قلق ہے، اس کا اخراج اور پھر عدم داخلہ محض اشرفیہ کی محبت میں اس کے بقائے نظم کے تحت تھا، ۲۸؍شوال شنبہ کو حضور والا کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ ادریس ۲۶؍شوال پنجشنبہ کو بنارس حمیدیہ رضویہ میں بخوشی چلے گئے۔ میں نے ان کو دعا کے ساتھ رخصت کیا۔ امسال وہ وہاں پڑھیں، انشاء المولیٰ القدیر آئندہ سال حضور والا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے داخلہ لیا جائے گا۔ مولوی عبدالرؤف صاحب بمضمون واحد آداب وسلام عرض کرتے ہیں۔

فقط عبدالعزیز عفی عنہ۔ ۲۸؍شوال ۱۳۸۰ھ

"ملک العلماء سیدشاہ محمد ظفرالدین قادری رضوی علیہ الرحمہ خوشگوار اور اخلاق مند طبیعت کے مالک تھے، اس لئے آپ کا دائرہ احباب کافی وسیع تھا۔ نسبت اعلیٰحضرت اور اپنے علمی وقار کی بدولت قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ پروفیسر مختارالدین احمد صاحب کی فرمائش پر جب میں حضرت کے نام آئے خطوط کی فائل مرتب کر رہا تھا، تو چند ایسے بزرگوں کے خطوط بھی نگاہ سے گزرے جن سے اس نا چیز کو خاص انسیت ہے۔ ان میں مارہرہ مطہرہ کے تاج العلماء، سید العلماء، سہسرام کے سید شاہ ملیح الدین، مولانا سید ابوالحسن خوشدلؔ، مولانانجم الدین، مولانا سید موسیٰ رضا، مولانا حکیم سید وصی احمد، سید غلام مخدوم مست، مولانا سید محمداظہار حسین اور جامعہ اشرفیہ کے بزرگوں صدرالشریعہ، حافظ ملت اور مولانا عبدالرؤف علیہم الرحمۃوالرضوان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔"

(مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی)

ملک العلماء کے چند معاصرین

از قلم: مولانا انیس عالم سیوانی، جنرل سکریٹری، امام احمد رضا فاؤنڈیشن لکھنؤ

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سیدنا شاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ۱۲۷۲/۱۳۴۰ھ کے ارشد اور بافیض تلامذہ میں حضرت ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری کا شمار ہوتا ہے، رضویات اور خصوصاً حنفیات کے حوالے سے پوری ملت حضرت ملک العلما کے بار احسان تلے دبی ہوئی ہے، حضور ملک العلماء اپنے معاصرین اور ہم عہد علما اور مشائخ میں کئی جہتوں سے فائق اور نمایاں نظر آتے ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ جس کے احسان سے پوری جماعت اہل سنت کی گردن خمیدہ ہے۔ اُن پر ابھی تک کوئی باضابطہ کتاب لکھا جانا تو دور، چند صفحوں کے مضامین بھی کما حقہ نہیں لکھے جاسکے۔

رضویات پر آج جو کچھ لکھا جارہا ہے اور بیان کیا جارہا ہے۔ ان سب کا سہرا حضور ملک العلماء کے سر جاتا ہے، انہوں نے اعلیحضرت فاضل بریلوی کی سیرت و سوانح پر مشتمل حیات اعلیٰ حضرت تالیف فرما کر مجدد اسلام اعلیٰ حضرت کی حیات کو تاریخ کا جامہ پہنایا، ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ سیدنا محبوب سبحانی غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی متوفی ۵۶۱ھ کی انتیسویں پشت میں ہیں، حضور ملک العلماء کے نام کے آگے عموماً سید لکھا ہوا نہیں ملتا، مگر حیات اعلیٰ حضرت میں مذکور شجرۂ نسب سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق سادات حسنی و حسینی سے تھا۔

حضور ملک العلماء کی پیدائش رسول پور، میجرہ ضلع نالندہ بہار، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ میں ہوئی، حضور ملک العلماء کی تعلیم کا آغاز چار سال کی عمر ۱۳۰۷ھ میں ہوا، آپ کے اساتذہ میں حضرت شاہ چاند صاحب، حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین، مولوی عبداللطیف، شیخ محی الدین اشرف، شیخ بدر الدین اشرف، مولوی مہدی حسن میجروی حافظ محمد اسماعیل بہاری، مولانا فخر الدین حیدر، مولوی محمد منعم، منشی اکرم الحق، مولوی معین اظہر، حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے نام قابل ذکر ہیں، فاضل بریلوی سے حضور ملک العلماء نے بخاری کا درس لیا، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی، عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ بھی فاضل بریلوی سے پڑھا۔

حضور ملک العلماء نے اپنے عہد کے مشہور و معروف اساتذہ سے علوم وفنون حاصل کیے، مگر آپ کی زندگی پر گہرا اثر کسی شخصیت کا پڑا، تو وہ فاضل بریلوی کی ذات ہے، فاضل بریلوی سے حضور ملک العلماء کا قلبی لگاؤ تھا، فاضل بریلوی بھی اپنے اس چہیتے شاگرد پر بے حد مہربان اور شفیق تھے۔ اس شفقت وعنایت کا اظہار اُن خطوط و مکتوبات سے بخوبی ہوتا ہے جنہیں اعلیٰ حضرت نے فاضل بہاری ملک العلماء کے نام تحریر فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے جابجا اپنے مکتوبات میں حضور ملک العلماء کو ولدی، قرۃ عینی اور ولدی الاعز سے خطاب کیا ہے، اس قسم کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو

اپنے ہونہار اور لائق وفائق شاگرد حضور ملک العلماء سے کتنی محبت تھی؟ ملک العلماء بھی اعلیٰ حضرت کو دل سے چاہتے تھے اور استاد و مربی کے ساتھ ساتھ اپنا سرپرست سمجھتے تھے، اس لئے گھر کے مسائل بھی اعلیٰ حضرت کو بتاتے، خوشی اور غمی کی تمام کیفیات سے اعلیٰ حضرت کو مطلع فرما

ساتھ ساتھ فاضل بریلوی کیلئے بھی بے حد احترام ہوتا، حضور ملک العلماء نے بھی پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی سے علم حدیث حاصل کیا، حضور ملک العلماء نے بہت سارے علماء اور مشائخ سے استفادہ فرمایا۔ مگر آپ کی شخصیت کا تعارف اور پہچان اعلیٰحضرت

پروفیسر مختار الدین اور رضویات

از قلم: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، بریلی شریف

صاحبزادہ حضور ملک العلماء عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی شخصیت جہان علم و ادب میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ ایشیا کی عظیم یونیورسٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبہ عربی کے صدر اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کا شمار عربی و اردو زبان و ادب کے محقق کی صف اول میں ہوتا ہے۔ آپ کی یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ آپ کا تاریخی نام ''مختار الدین'' ۱۳۴۶ھ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ہی رکھا ہوا ہے۔

رضویات پر آپ کا پہلا مقالہ ماہنامہ المیزان ممبئی کے امام احمد رضا نمبر (جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ۷، ۸، ۹، اپریل، مئی، جون ۱۹۷۶ء میں بعنوان ''امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ'' شائع ہوا۔ اس مقالے میں آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت کے مختلف روشن پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''آپ نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔ آپ کے آباو اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آنکھ کھلی تو گرد و پیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے۔ لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا۔ انھیں کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لئے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی۔ چونکہ داد و دہش کے عادی تھے۔ اس لئے کبھی ایسا ہوا کہ قلمدان میں 1/2 3 آنہ سے زائد موجود نہیں رہے۔ لیکن انھوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ آمدنی کتنی ہے اور مجھے کتنی ملی۔'' (المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۳۳۵)

تحریک خلافت کے زمانے میں جب مسٹر گاندھی بریلی آئے، تو انہوں نے اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ملنا چاہا، لیکن اعلیحضرت فاضل بریلوی نے یہ کہہ کر ملاقات سے انکار کر دیا ''وہ کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے اور دنیاوی معاملہ میں میں کیا حصہ لوں گا۔ جب کہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی کوئی غرض نہیں رکھا۔'' (ملخصاً المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۳۳۵)

اکثر مقالہ نگاروں نے مسٹر گاندھی کے اس واقعہ کو پروفیسر مختار الدین صاحب ہی کے حوالے سے لکھا ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف نے اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر بہت ہی جامع اظہار خیال فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

آپ (امام احمد رضا) کی ذات الحب للہ والبغض للہ کی زندہ تصویر تھی، اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے، اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے، کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی، بلکہ حلم سے کام لیا۔ لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ اعلیٰ

حضرت کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنت کے انوار سے منور ہے۔"
(المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۳۳۵)

الملفوظ پر تعارف و تبصرہ:

پروفیسر مختار الدین صاحب نے الملفوظ مرتبہ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ بنام "الملفوظ" ہر چہار حصص کا بہت ہی اچھا تعارف کرایا ہے۔ نیز بہت ہی گرانقدر تبصرہ بھی رقم کیا ہے۔ آپ کا مقالہ "معارف رضا" کراچی ۱۹۹۴ء اور ماہنامہ "جہان رضا" لاہور شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ الملفوظ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

اردو میں شائع شدہ مشہور ملفوظات کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے ملفوظاتی ادب میں بہت اہم حیثیت مجدد مائۃ حاضرہ، موید ملت طاہرہ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان برکاتی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی ہے۔ جنہیں مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں قادری برکاتی بریلوی نوری نے ۱۳۳۸ھ میں مرتب فرمایا۔ یہ ملفوظات اس جلیل القدر عالم کے ہیں جو تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد و کلام، صرف و نحو، معانی و بیان و بدیع، منطق و فلسفہ، تکسیر و ہیئت، وتوقیت، حساب و ہندسہ، تصوف و سلوک و ادب و اخلاق، سیر و تاریخ، جبر و مقابلہ، زیجات و مربعات وغیرہ پچاس علوم و فنون کے ماہر تھے۔ ایسی جامع ہستی ہمیں اس عہد میں کوئی اور نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ملفوظات دو سال کے کچھ مہینوں کے قلمبند کئے جا سکے۔ اگر آٹھ دس سال کے بھی ملفوظات مرتب کئے جاتے، تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی جلدیں علوم و فنون کی مختصر سی دائرۃ المعارف بن جاتیں۔" (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور ان کے ملفوظات مشمولہ معارف رضا کراچی ۱۹۹۴ء ص ۹۹)

پروفیسر مختار الدین صاحب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اور ان کے خلف اصغر (مرتب ملفوظات رضا) حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب قدس سرہما کی قوت حافظہ اور علمیت کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح خراج عقیدت و تحسین پیش کرتے ہیں:

"جہاں حیرت اعلیٰ حضرت کے خداداد حافظہ اور ان کے استحضار علم پر ہوتی ہے، وہیں جامع ملفوظات علیہ الرحمہ کی بے پناہ صلاحیتوں پر بھی ہوتی ہے کہ کس خوبی سے انہوں نے یہ ملفوظات قلم بند کئے ہیں۔ انہوں نے افادات رضویہ سن کر اس کا مفہوم ادا نہیں کیا، بلکہ جیسا کہ مجھے یقین ہے، اعلیٰ حضرت کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ملفوظات میں درج کئے ہیں۔ بعض قدیم وجدید ملفوظ نگاروں کی طرح اپنے شیخ کی باتیں حافظے میں محفوظ رکھ کر یا مختصر سے اشارات لکھ کر پھر اپنے مستقر پر جا کر انہیں قلم بند نہیں کیا، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ارشاد گرامی کو سنتے رہے اور اسی وقت انہیں ضبط کرتے گئے۔ یہ بھی مستبعد نہیں کہ ملفوظات سپرد قلم کر کے وہ اعلیٰ حضرت کے ملاحظہ میں لے آئے ہوں، کہ وہ ان پر ایک نظر ڈال کر ترمیم و تصحیح فرما دیں۔ اگر الملفوظ کا مسودہ کہیں مل جائے تو اس سے اس خیال کی تائید ہو سکتی ہے۔" (معارف رضا، کراچی ۱۹۹۴ء ص ۱۰۷)

تبصرہ:

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین نے سادہ مگر علمی و تحقیقی زبان و اسلوب میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی شخصیت، ان کی عبقریت، قوت حافظہ، دینی حیثیت نیز حضرت مفتی اعظم کی علمیت اور قوت حافظہ کو جامع انداز میں اجاگر کیا ہے اور آپ کے انداز تحریر سے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما سے آپ کی عقیدت اور ان کی عظمت کے اعتراف کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ساتھ

پروفیسر صاحب موصوف کی تاریخ پر گہری نظر اور وسعت ہی ساتھ مطالعہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

فروغ رضویات کے سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین صاحب کا ایک اہم کردار یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین صاحب رضوی عظیم آبادی (خلیفۂ امام احمد رضا) رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "حیات اعلیٰ حضرت" (چار جلدوں میں) کہ جو اعلیحضرت فاضل بریلوی کی حیات و شخصیت اور تقدیسی کارناموں کا ماخذ اول ہے۔ برسہا برس سے غائب تھا، اور جن مضبوط ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔ ان سے اس نکلنا سخت دشوار تھا۔ بلکہ محال ہوکر رہ گیا تھا بعد میں اسے آپ نے تلاش کر کے اس کا قلمی مسودہ علامہ فاروقی صاحب کو بھجوایا، جسے انہوں نے بہت ہی خوبصورت انداز میں شائع کیا۔

مدیر "جہان رضا" حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب اس کی گمشدگی کے دو ادوار کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

"چالیس سال گذرنے کے باوجود یہ تمام مفتیان ہند اور دانش وران اہلسنت اس طویل عرصہ میں ڈاکٹر صاحب (پروفیسر مختار الدین صاحب) کے ہاتھ نہ آئے اور نہ مسودہ ان کے ہاتھ آیا، نہ کتاب چھپی، نہ شائع ہوئی۔ ان علمائے کرام کے سنگین ہاتھ اتنے مضبوط تھے کہ

نہ بزور نہ بہ زاری نہ بزری آید

محترم ڈاکٹر مختار الدین صاحب کو خدا خوش رکھے۔ انہوں نے اپریل ۲۰۰۳ء کو ہمیں یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ وہ اپنے خاندانی کاغذات کا ایک صندوق دیکھنے لگے، تو اس میں سے حضرت ملک العلماء کی اس نادر و نایاب کتاب کا قلمی مسودہ برآمد ہوا۔ جس کی تلاش میں ہم مارے مارے پھر رہے تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، فاروقی ایڈیشن مطبوعہ ۲۰۰۳ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے صاحبزادگان، خلفاء اور مریدین وغیرہ کے تذکرے، ان کی حیات و شخصیت و کارناموں کو عام کرنا اور ان پر تحقیقی امور انجام دینا وغیرہ کو بھی "فروغ رضویات" ہی کے ضمن میں شامل کیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی پروفیسر مختار الدین صاحب کی تصنیف "حیات ملک العلماء" بھی ہے اور ان کا ایک اہم کام ہے "مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی برکاتی" کی ترتیب اور پھر کتابی شکل میں اس کی اشاعت۔ زیر نظر کتاب میں حضرت مولانا ملک العلماء علیہ الرحمہ کے نام مفتی اعظم کے مکاتیب کے علاوہ امام احمد رضا کے خلف اکبر اور حضور مفتی اعظم کے بڑے بھائی حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب بھی شامل ہیں۔ نیز ایک مکتوب اعلیحضرت فاضل بریلوی کے مرید خاص مولوی عرفان علی صاحب بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ اور خود ملک العلماء کے خطوط چند حضرات کے نام بھی شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب سے اعلیحضرت فاضل بریلوی کے صاحبزادگان، مریدین و متعلقین کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ان حضرات کی نظر میں حضرت ملک العلماء کی قدر و منزلت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کی زیارت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"حجۃ الاسلام کی زیارت پہلی مرتبہ اپنے مکان "ظفر منزل" شاہ گنج پٹنہ میں ہوئی۔ جہاں وہ والد محترم ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی (م ۱۳۸۲ھ۔ ۱۹۶۲ء) کی دعوت پر تشریف لائے تھے اور ہفتہ عشرہ تک قیام پذیر ہوئے تھے۔ اس سفر

میں ان کے چھوٹے صاحب زادے حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں (م ۱۳۸۵ھ۔۱۹۶۵ء) ان کے ساتھ تھے۔ یہ میرے ہم عمر تھے۔ اس لئے جلد ہی ہم دونوں بے تکلف ہو گئے۔" (مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی برکاتی ص ۹)

اسی کتاب میں پروفیسر صاحب موصوف نے دوسری بار موضع پوکھریرا، سیتا مڑھی (بہار) میں حضرت حجۃ الاسلام کی زیارت سے شرفیاب ہوئے نیز تیسری بار بریلی شریف میں ان کی زیارت سے مشرف ہونے کا بھی ذکر اور یہ آپ کی حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ سے آخری ملاقات تھی۔

پروفیسر صاحب موصوف نے حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کی تین بار زیارت کا ذکر اسی کتاب میں کیا ہے (ص ۱۱)۔ حضرت حجۃ الاسلام کے صاحبزادۂ اکبر حضرت مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، محدث اعظم محمد میاں کچھوچھوی، حضرت مفتی آگرہ مولانا عبد الحفیظ صاحب وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم سے ملاقات اور خود پر ان کی کرم فرمائیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

اگر اس کتاب کا باقاعدہ جائزہ پیش کیا جائے اور حضرت ملک العلماء کے نام حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم، مولوی عرفان علی صاحبان رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا بھی تجزیہ کیا جائے، تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے صاحبزدگان، نبیران، خلفاء، مریدین اور متعلقین وغیرہم کی نظر میں حضور ملک العلماء کی قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ نیز ملک العلماء کی نظر میں ان حضرات کی قدر و منزلت کا بخوبی پتہ چل سکتا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی رضویات کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ نیز اس سے اور دوسری مذہبی و تاریخی معلومات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆

کون ملک العلماء؟

وہ ملک العلماء جن کا تعارف مجدد اعظم دین و ملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انداز میں کراتے ہیں:

☆ کار افتا میں میرے معین ہیں۔

☆ سنی، خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں

☆ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔

☆ مفتی ہیں

☆ مصنف ہیں

☆ واعظ ہیں

☆ مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔

☆ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد کے مکاتیب کا ایک جائزہ

از قلم: ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، بریلی شریف

عظیم وہ نہیں، جسے دیکھ کر یا جس سے مل کر انسان مرعوب و پست حوصلہ ہو کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے بلکہ عظیم وہ ہے جسے دیکھ کر اور جس سے مل کر انسان کو سکون و طمانیت حاصل ہو اور کچھ اچھا کرنے، اچھے سے اچھا بننے اور زندگی میں کوئی نمایاں کام کر گذرنے کا حوصلہ ملے۔ ایسی شخصیتیں اس دور میں نایاب تو نہیں، لیکن کمیاب ضرور ہیں۔ ایسی ہی کمیاب اور کامیاب و عظیم شخصیات میں ایک نام صاحبزادۂ ملک العلماء، عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا بھی ہے۔ آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ کے صدر شعبہ عربی اور ڈین فیکلٹی آف آرٹ بھی رہ چکے ہیں۔ جانے کتنے علمی، ادبی اور تحقیقی اعزازات اور ایوارڈس سے نوازے جا چکے ہیں، فی الوقت مظہر الحق عربک، پرشین یونیورسٹی، پٹنہ (بہار، انڈیا) کے وائس چانسلر کے عظیم و جلیل عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ کا شمار دنیا کے مانے ہوئے عربی، فارسی اور اردو کے محققین میں ہوتا ہے۔ عراق، لبنان، مصر، ترکی، جرمنی، فرانس، برطانیہ، نیدر لینڈ وغیرہ ممالک کے علمی اسفار کر چکے ہیں۔

خاندان، علم و فضل، عہدہ و مرتبہ اور شہرت و ناموری ہر اعتبار سے عظیم و اعلیٰ ہوتے ہوئے، بھی آپ شان و شیخی، اظہار برتری سے دور انکسار و تواضع اور خلوص و سادگی کے پیکر میں ڈھلے ہوئے ہیں۔

محققین، ناشرین: پروفیسر صاحب قبلہ کے مکتوب الیھم کا دائرہ نہ صرف برصغیر ایشیا، افریقہ اور مغربی ممالک کے علماء، ادباء، مصنفین، محققین، ناشرین، مدیران رسائل و جرائد اور ماہرین تعلیم یعنی صاحبان علم و قلم تک پھیلا ہوا ہے۔ خود ان کے اپنے بقول انہوں نے اب تک پچاس ساٹھ ہزار خطوط تو ضرور لکھے ہوں گے۔

مدیر جہان رضا، لاہور۔ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آپ عزت افزائی فرماتے ہیں کہ خطوط اس قدر پسند فرماتے ہیں۔ میں تو کثرت سے اور قلم برداشتہ خطوط لکھا کرتا ہوں اور عام طور پر عجلت میں کہ خیال رہتا ہے، ڈاک نکلنے کا وقت قریب ہے۔ زندگی میں پچاس ساٹھ ہزار خطوط تو ضرور لکھے ہوں گے...... ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، شرق، اوسط، یورپ، امریکا تک میرے مکتوب الیھم پھیلے ہوئے ہیں۔" (ماہنامہ جہان رضا، لاہور شمارہ نمبر ۱۲۲، جنوری ۲۰۰۵ء، ص ۴۹، مکتوب نمبر ۵۶)

محترم پروفیسر مختار الدین احمد صاحب قبلہ خطوط کے جوابات پابندی سے لکھتے ہیں۔ علیگڑھ یا اگر کسی دوسرے مقام پر موجود ہوں اور وہاں سے خط لکھا ہو تو اس مقام کا نام اور تاریخ ضرور لکھتے ہیں۔ آپ کے خطوط محض رسمی نہیں ہوتے بلکہ علمی، ادبی، دینی اور تحقیقی امور ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی ذات تن تنہا ایک ادارہ ہے۔ اگر آپ کے تمام مکاتیب کا مجموعہ چھپ جائے، تو بلاشبہ اس کی حیثیت ایک انسائیکلو پیڈیا سے کسی طور کم نہیں ہوگی اور یہ نہ صرف مستقبل کے ریسرچ اسکالروں بلکہ عصر

موجودہ کے مصنفین و محققین اور صاحبان علم و قلم کے لئے ایک قیمتی ذخیرہ اور رہنما ثابت ہوگا۔

حضرت پروفیسر صاحب نے خود اس فقیر کو بھی کئی خطوط لکھے ہیں اور یہ ان کی عزیزی نوازی نہیں، تو اور کیا ہے۔ ورنہ کہاں یہ فقیر ایک معمولی طالب علم اور کہاں ان جیسا عظیم مصنف و محقق اور مایۂ ناز علمی شخصیت؟

زیر نظر مضمون میں راقم الحروف پروفیسر صاحب موصوف کے ان مکاتیب کے حوالے سے جو انہوں نے مدیر ''جہانِ رضا'' لاہور علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب کو لکھے ہیں اور جن میں حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں، مکاتیب اور تقاریر وغیرہ کی ترتیب و اشاعت کا ذکر ہے یا اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا رضی الرحمٰن کے کتب و رسائل، مکاتیب نیز ان کے شاہزادگان اور اصحاب وغیرہ کی بابت معلومات موجود ہیں اور یہ تمام علمی تذکرے اور باتیں بہر اعتبار رضویات نیز دیگر علمی و تحقیقی امور سے متعلق ہیں، کا ایک مختصر جائزہ پیش کر رہا ہے۔ ان مکاتیب گرامی سے پروفیسر صاحب موصوف کی علمی اور تحقیقی امور سے حد درجہ شغف کا اظہار بھی ہوگا اور بہت سی مفید علمی معلومات حاصل ہوں گی۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کی مکتوب نگاری پر بھی روشنی پڑ سکے گی۔

خطوط کے صرف اقتباسات ہی پیش کئے جا رہے ہیں۔ (بخوف طوالت)

(۱) ۱۰-۱۷-۱۹۹۶ء مکرمی و محترمی جناب فاروقی صاحب السلام علیکم!

''انجمن نعمانیہ، لاہور'' کی تاریخ کی ترتیب بہت ضروری کام تھا جو اب تک نہیں ہوا تھا۔ آپ نے قلم اٹھایا ہے، تو انشاء اللہ جلد تکمیل کو بھی پہنچ جائے گا۔ خاندانی کاغذات میں کوئی کام کی چیز ملی تو آپ کو بھیجوں گا۔ والد محترم صاحب علیہ الرحمہ کا سفر لاہور ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ ہوا تھا۔'' (مکتوب نمبر ۳۷، مشمولہ ماہنامہ جہان رضا لاہور، شمارہ بابت نومبر، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص ۴۹-۵۰)

(۲) لکھتے ہیں: ''انجمن نعمانیہ کے سلسلے میں حضرت فاضل بریلوی اور ملک العلماء کے اسفار کا ذکر کہیں نہیں ملا۔ لیکن ملک العلماء ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں لاہور ایکبار ضرور تشریف لے گئے تھے۔ کسی جلسے میں میری بہت کم عمری کا زمانہ تھا، لیکن واپسی کا ٹکٹ محفوظ رہ گیا تھا۔ اس کا دیکھنا اب تک مجھے یاد ہے۔ یہ بھی یقین ہے، کہ وہ انجمن نعمانیہ ہی کے کسی جلسے میں تشریف لے گئے ہوں گے۔''

تبصرہ:

''انجمن نعمانیہ، لاہور'' کی مجلس انتظامیہ کے رکن اور دبیر ثانی مولانا خلیفہ تاج الدین احمد علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ''دار العلوم نعمانیہ'' کے لئے ایک مدرس بھیجے کی درخواست کی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے جواب میں حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کی تدریسی و علمی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے انھیں اپنے نفس پر ایثار کرتے ہوئے بھیجنے کی بابت لکھا تھا۔ جیسا کہ ''مکتوبات رضا بنام ملک العلماء'' سے ظاہر ہے۔ (مکتوبات رضا بنام ملک العلماء مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلماء (قدیم نسخہ) مورخہ ۵ رشعبان المکرم ۱۳۴۸ھ)

لیکن یہ بات متحقق نہیں ہے، کہ حضرت ملک العلماء لاہور تشریف لے گئے۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب رقمطراز ہیں:

''لیکن شاید ان کے اعزہ و احباب کو ان کا اس قدر دور جانا منظور نہ ہوا اور وہ وہیں مدرسہ منظر اسلام (بریلی) میں درس دیتے رہے۔ (حیات ملک العلماء مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء، ص نمبر ۱۴)

چونکہ یہ بات ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۰۹ء کی ہے۔ لیکن یہاں لاہور جانے کا جوذکر مکتوب پروفیسر صاحب میں ہے، وہ ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء کا ہے۔

محترم سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے لاہور تشریف لے جانے کی بابت لکھتے ہیں:

''اگرچہ ہمیں ''انجمن نعمانیہ'' کے ریکارڈ میں یہ بات نہیں ملتی تاہم بعض حضرات کی زبانی روایات کے مطابق ایک بار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بنفس نفیس بھی انجمن نعمانیہ کے ایک سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لائے اور یہاں ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ جناب بخاری صاحب نے حضرت شاہ مانا میاں قادری (ابن مولانا عبدالاحد محدث پیلی بھیتی ابن مولانا وصی احمد محدث سورتی) کی کتاب (سوانح اعلیٰ حضرت بریلوی مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۷) کا حوالہ دیا ہے۔

تیسرا خط ملاحظہ کریں:

(۳) ''بیان المعراج'' کے نسخے ملے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ خدا آپ کو اور شاہد اقبال صاحب کو جزائے خیر دے۔ آپ لوگوں نے اچھا کیا کہ رجب المرجب میں اسے شائع کر دیا۔ یہ کام صحیح وقت پر ہوا۔ ملک العلماء کی روح آپ کو دعا دے رہی ہوگی، کہ ان کی تصانیف کی اشاعت میں آپ کی دلچسپی لے رہے ہیں اور انہیں منظر عام پر لا رہے ہیں......'' (مکتوب نمبر ۴۰، مشمولہ جہان رضا، لاہور۔ شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۴ء، ص ۵۱)

نوٹ: ''بیان المعراج'' حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی تقریروں کے مجموعہ کا نام ہے جو معراج کے موضوع پر ہے۔

(۴) ایک خط میں اقبال احمد فاروقی صاحب کو لکھتے ہیں:

''مکاتیب اعلیٰ حضرت جن صاحب کے پاس ہیں ان سے حاصل کیجئے اور دیکھئے کہ یہ انہیں کے ہیں یا کیا صورت ہے۔'' (مکتوب نمبر ۴۴، مشمولہ جہان رضا لاہور، نومبر دسمبر ۲۰۰۴ء، ص ۵۵)

حضور اعلیٰ حضرت کے جو مکاتیب گرامی حضرت ملک العلماء کے نام کے ''حیات اعلیٰ حضرت'' (قدیم نسخہ) اور دیگر مقالوں میں چھپ چکے ہیں یہ تذکرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دوسرے خطوط کی بابت ہے۔

(۵) اس خط میں پروفیسر صاحب اس مضمون کی بابت لکھتے ہیں، جو امام احمد رضا کے وظائف و عملیات سے متعلق تھا اور جہان رضا میں چھپا تھا۔ یہ مضمون اس راقم عبدالنعیم عزیزی ہی کا تھا۔ لکھتے ہیں: ''جہان رضا کے تازہ شمارہ کا انتظار ہے، جس میں آپ نے فاضل بریلوی کے عملیات پر مضمون چھاپا ہے۔'' (مکتوب نمبر ۴۵، ایضا)

(۶) زیر نظر خط میں راقم کے مضمون بابت ''امام احمد رضا کے وظائف و عملیات'' کی پسندیدگی پر راقم کو دعاؤں میں یاد کیا ہے، نیز اسی خط میں سرکار مفتی اعظم اور اعلیٰ حضرت کے تعویذات و عملیات کے ایک مجموعہ کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو خدا خوش و خرم رکھے، کہ اس بار انہوں نے ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ جس کی طرف لوگوں نے بہت کم توجہ کی......''

پھر لکھتے ہیں: ۱۳۸۲ء میں جب مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ حضرت ملک العلماء کے وصال پر ظفر منزل پٹنہ تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تو والدہ ماجدہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے عرض کی آپ میرے پیرزادہ اور تعزیت کے لئے بریلی سے تشریف لائے ہیں۔ آپ کی خدمت میں دعاؤں کے علاوہ کیا پیش کروں، تعویذات و عملیات کا ایک مجموعہ ہے جسے ملک العلماء جان کی طرح عزیز رکھتے تھے وہ آپ کی نذر ہے۔ والدہ مرحومہ فرماتی تھیں، کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اس میں بیشتر اعلیٰ حضرت کے ارشاد کئے ہوئے تعویذات و عملیات ہیں، ملک العلماء کی تحریر میں اور جس پر اعلیٰ حضرت کا مقدمہ ان کے خط میں ہے بے حد خوش ہوئے: اس سے بڑھ کر قیمتی تحفہ میرے لئے کچھ نہیں ہوسکتا اور وہ اپنے ساتھ اسے بریلی لے گئے۔'' (مکتوب نمبر ۴۷، ایضاً ص ۵۷)

تبصرہ:

مکتوب نمبر ۴۷/ سے معلوم ہوتا ہے، کہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کو تعویذات و عملیات کے کچھ نسخے نقل کرائے تھے اور اپنا مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کس قدر قیمتی خزانہ تھا اور ملک العلماء اپنے مرشد برحق کی اس یادگار کو اپنی جان کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اس سے ملک العلماء کی اپنے پیر طریقت، سرکار اعلیٰ حضرت سے ان کی از حد عقیدت تو ظاہر ہوتی ہے۔ وہ مجموعہ وظائف بھی کس قدر بیش بہا اور لاجواب رہا ہوگا کہ جس کا تعلق اعلیٰ حضرت جیسی عظیم علمی، دینی اور روحانی شخصیت اور صدی کے مجدد سے تھا۔

سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کا تعزیت کے لئے پٹنہ جانا یہ ظاہر کرتا ہے، کہ انہیں ملک العلماء علیہ الرحمۃ سے کس قدر محبت تھی اور ان کی نگاہ میں ان کی کیا قدر و منزلت تھی؟

(۷) اب جس مکتوب کا حوالہ آ رہا ہے، اس کا آخری حصہ بہت ہی دلچسپ ہے اور وہابی دیوبندی مرتدین پر ہندو کفار و مشرکین کا زبردست طمانچہ ہے۔

پروفیسر صاحب کے پاس قرآن پاک مع ترجمہ اعلیٰ حضرت یعنی ”کنز الایمان“ تو پہلے سے موجود تھا۔ لیکن بڑی تختی والا تھا اور کافی وزنی تھا جسے اب اس عمر اور عالم ضعف میں اٹھا کر پڑھنے میں انہیں دقت ہوتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے چھوٹے سائز کا قرآن کریم مع ترجمہ اعلیٰ حضرت منگایا تھا۔ یونیورسٹی ایریا میں تو مکتبہ والے قرآن پاک رکھتے نہیں ہیں لہٰذا یونیورسٹی ایریا سے باہر شہر سے ہی منگانا پڑتا تھا اور شہر میں تاجران کتب زیادہ تر ہندو ہی تھے لہٰذا انہیں سے لینا پڑتا تھا۔ اب دیکھئے کہ اس خط میں پروفیسر صاحب موصوف کیا تحریر کرتے ہیں:

”ایک دن میری بیگم صاحبہ شہر جانے لگیں، تو میں نے کہا کہ میرے واسطے اوسط درجہ کا مصحف لیتی آئیں۔ لیکن ترجمہ اعلیٰ حضرت کا ہو۔ وہ کہتی ہیں، کہ انہیں تعجب ہوا۔ ہندو دوکاندار نے ان سے پوچھا، کہ ترجمہ آپ کو کس کا چاہئے؟ وہ فاتحہ نیاز والے بڑے مولانا صاحب کا یا دوسرے مولانا صاحبوں کا؟ انہوں نے کہا: فاتحہ نیاز والے مولانا صاحب کا۔ اس نے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ والا قرآن انہیں پیش کیا۔“ (مکتوب نمبر ۵۵، ایضاً ص ۶۴)

تبصرہ:

ہندو بھی جانتے ہیں، فاتحہ نیاز والے مولانا یعنی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بڑے مولانا ہیں اور دوسرے اصل عقیدۂ اسلامی کے خلاف والے ہیں۔

نوٹ: بخوف طوالت مزید مکاتیب نہیں پیش کئے جا رہے ہیں۔

دیگر مکاتیب میں اعلیٰ حضرت اور ان کے کتب و رسائل و مکاتیب، ملک العلماء اور ان کے کتب و رسائل و مکاتیب وغیرہ کی تدوین و ترتیب اور اشاعت وغیرہ کے تذکروں کے علاوہ متعدد دینی، علمی اور ادبی شخصیات کے تذکرے بھی آئے ہیں۔

فاروقی صاحب کے نام کا ایک خط بہت طویل ہے۔ جس میں ”حیات اعلیٰ حضرت“ مصنفہ ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی گمشدگی اور تقریباً تیس سال تک اس کی بازیافت کی کوشش اور بالآخر ناکامی کی داستان ہے۔ اس خط میں پروفیسر صاحب نے ”حیات اعلیٰ حضرت“ کے غصب کئے جانے پر سخت رنج و قلق کا اظہار کیا ہے اور رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے اس خدشہ کے تحت کہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں کے بعد یہ کتاب کسی اور نام سے شائع ہو جائے اور بھی اپنی پریشانی کا اظہار کیا ہے۔

خیر بعد میں ایک دوسرا قلمی نسخہ اس ”حیات اعلیٰ حضرت“

کا خود پروفیسر صاحب ہی کی مخطوطات کے ذخیرے میں مل گیا۔ جسے آپ نے اپنے خاص معتمد اور نامور علمی و ادبی شخصیت، ناشر و مدیر علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب کو برائے اشاعت دے دیا۔ فاروقی صاحب نے حسن ترتیب کے ساتھ بہت ہی خوبصورت اور دیدہ زیب انداز میں شائع کر کے حضرت ملک العلماء کی اس تصنیف اور رضویات پر اس ماخذ اول کو عام کر دیا اور تب جا کر پروفیسر صاحب موصوف کو اطمینان حاصل ہوا اور اس کتاب کے متلاشی حضرات کے ہاتھوں تک یہ بے بہا خزانہ پہنچا۔" (ملخصاً، مکتوب نمبر ۶۵، مشمولہ جہان رضا لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء، ص ۵۹ تا ۶۲)

محاکمہ :

مدیر جہان رضا اقبال احمد فاروقی صاحب کے نام پروفیسر مختار الدین احمد صاحب قبلہ کے مکاتیب گرامی سے ان کی علمی و ادبی شخصیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کی سادگی، خلوص، انکسار وغیرہ کا بھی اظہار ہوتا ہے اور خطوط کے جواب میں ان کی مکتوب نگاری کے اہتمام کا بھی اظہار ہوتا ہے جیسا کہ اس مضمون کے ابتداء میں بھی عرض کر دیا گیا ہے۔

بطور حوالہ ان کے دو مکاتیب کے اقتباسات پیش ہیں:

"میری حیثیت صرف یہی رہنے دیجئے، کہ عربی کی یونیورسٹی میں استاد رہا ہوں، علی گڑھ اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی اور ادب سے شوق رکھتا ہوں اور اسلامیات سے دلچسپی ہے۔ میں اسی میں خوش ہوں۔ ہاں! مشاہیر علماء اور اپنے بزرگوں سے محبت و عقیدت رکھتا ہوں میں اتنے ہی میں مگن ہوں اور جسے آپ جیسا مخلص اور قدر شناس مل جائے اسے اور کیا چاہئے؟" (مکتوب نمبر ۵۶ مشمولہ جہان رضا جنوری ۲۰۰۵ء ص ۵۰)

مجھ جیسے ادنیٰ طالبعلم اور خود ان سے بہت چھوٹے ڈاکٹر مجید اللہ قادری وغیرہ کے مضامین کو سراہنا ان کی خوردہ نوازی اور اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی ہی ہے اور یہ بھی ان کی شخصیت کا ایک تاباں پہلو ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ انسان اپنی شخصیت کے بارے میں کچھ ایسی باتوں کا بھی اظہار کرتا ہے، جو ہوتی تو حقیقت ہیں، لیکن لوگ انہیں تعلّی یا انانیت پر محمول کرتے ہیں۔ اسطرح کچھ باتیں پروفیسر صاحب کے مکاتیب میں بھی ہیں۔ جو مبنی برحقیقت ہیں۔ لیکن ان کے اظہار سے انانیت یا تعلّی کا شک گزرتا ہے۔ اس طرح کے شخصی اظہار کو ہم پروفیسر صاحب موصوف کی تہدیث نعمت کے اظہار پر محمول کرتے ہیں۔

(۱) ملاحظہ کیجئے ایک مکتوب نمبر ۵۶ مشمولہ جہانِ رضا، جنوری ۲۰۰۵ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ عزت افزائی فرماتے ہیں، کہ خطوط اس قدر پسند فرماتے ہیں۔ میں تو کثرت سے اور قلم برداشتہ خطوط لکھا کرتا ہوں اور عام طور سے عجلت میں کہ خیال رہتا ہے ڈاک نکلنے کا وقت قریب ہے۔ زندگی میں پچاس ساٹھ ہزار خطوط تو ضرور لکھے ہوں گے۔ آپ کو اگر پسند آتے ہیں، تو اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ مختلف الطبائع اور مختلف ذوق کے اصحاب سے میری خط و کتابت ہے اور انہیں مختلف موضوعات پر لکھتا رہتا ہوں۔ یہ طبقہ بہت وسیع بھی ہے۔ ہندستان، پاکستان، بنگلہ دیش، مشرقی وسط، یورپ، امریکہ پر میرے مکتوب الیہم پھیلے ہوئے ہیں۔ خود پاکستان کے متعدد شہروں میں مرید میرے ملنے والے ہیں اور مختلف حلقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کو اسی لئے تاکید کرتا ہوں کہ مرسلہ خطوط پر ایک نظر ڈال لیا کیجئے کہ یہ مختلف ذوق کے لوگ ہیں اور ان کے نام کے خطوط کے موضوعات میں تنوع ہیں۔"

(۲) ایک مکتوب کا اقتباس اور بھی ملاحظہ کیجئے:

"آج سہ پہر کو اردو میں ہندوستان بھر کے شعبۂ اردو کے کوئی پچاس اساتذہ کی مجلس میں شمالی ہند کی قدیم ترین اردو نثر کی کتاب کربل کتھا (فضلی) پر لکچر دے کر گھر واپس آیا تو ڈاک میں آپ کا مرسلہ پیکٹ رکھا ہوا ملا۔" (مکتوب نمبر ۵۸، ایضاً ص ۵۰)

(۳) زیر نظر مکتوب (اقتباس) بھی ملاحظہ کریں:

"میں ۱۰؍اپریل سے پٹنہ میں ہوں اور ڈاکٹر خلیق الرحمٰن قدوائی صاحب گورنر بہار کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہوں، انہیں کی طلبی پر آیا اور چند گھنٹوں کے بعد ایک نئی یونیورسٹی "مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ" کا پہلا وائس چانسلر مقرر ہوا۔ اسی شام کو گورنر، وزیر اعلیٰ، وزیر اعلیٰ سابق، حکومت بہار کے دوسرے وزراء، مجالس مقننہ کے اراکین، بہار کے مشاہیر اور عربی و فارسی و اردو کے اساتذہ اور ان مضامین میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کی موجودگی میں یونیورسٹی کا افتتاح عمل میں آیا۔ صوبہ بہار کا میں پانچواں یا چھٹا مسلم وائس چانسلر ہوں۔ یعنی بہار کی گیارہ یونیورسٹیز میں پانچ یونیورسٹیز کے وائس چانسلر مسلمان ہیں۔" (مکتوب نمبر ۶۱، ایضاً ص ۵۳)

پروفیسر صاحب قبلہ کے ان مکاتیب میں اعلیٰ حضرت کی کتابوں، ان کے مکاتیب، ملک العلماء کی تصانیف اور ان کے مکاتیب وغیرہ کی ترتیب و تدوین اور اشاعت وغیرہ کی بابت ان کی دلچسپی بلکہ جلد از جلد ان کے منظر عام پر آ جانے کی بے کلی کو دیکھ کر امام احمد رضا سے ان کی عقیدت نیز فروغ رضویات کے لئے ان کی مساعی اور تڑپ کا برملا اظہار پایا جاتا ہے۔ ان مکتوبات میں بھانت بھانت کی علمی و ادبی شخصیات کے تذکرے بھی ہیں اور علمی و ادبی تذکرے و حوالے بھی!

عام طور سے انسان خطوط قلم برداشتہ ہی تحریر کرتا ہے اور وہ خطوط لکھتے۔ وقت قصداً ادبی حسن برپا کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ ابوالکلام آزاد کی "غبارِ خاطر" اور مولوی شبلی نعمانی وغیرہ کے خطوط میں انشاء پردازی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ البتہ ضرورت کے تحت توضیح، استدلال، سلیقہ مندی اور ساتھ ہی ساتھ متانت اور وقار نثر میں لازمی ہے۔ پروفیسر صاحب کے خطوط کا یہی طرز ہے ان کے مکاتیب میں تاثراتی اور بیانیہ نثر کے نمونے بھی خوب ہیں۔

حضرت ملک العلماء علامہ مولانا سید محمد ظفر الدین احمد قادری رضوی عظیم آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان، مجدد اسلام اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی الرحمٰن کے ان اکابر خلفائے کرام میں جن کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف "الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد" میں دعاؤں کے ساتھ کیا ہے۔

حضرت ملک العلماء قدس سرہ العزیز کو اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ سے بیعت و خلافت و اجازت کے علاوہ شرف تلمذ بھی حاصل ہے اور آپ ہی یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف کے پہلے فارغ التحصیل فاضل بھی ہیں۔ نیز خلفائے رضا میں آپ ہی سب سے زیادہ کثیر التصنیف بزرگ بھی ہیں۔ ایسی عظیم اور مایہ ناز علمی و دینی شخصیت کی حیات اور تقدیکی کارناموں پر نمبر نکال کر زمانہ پر ان کی عظمت کو اجاگر کرنا یقیناً ایک اہم ملی فریضہ ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کا بیڑا اٹھا کر خلیفہ سرکار مفتی اعظم ہند، حضرت سراج ملت مولانا حافظ سید سراج اظہر صاحب مدظلہ العالی نہ صرف جماعت اہل سنت کے شکریے کے مستحق ہو گئے ہیں بلکہ ان کا یہ اہم کام ہم خاکساران رضویت کی طرف سے فرض کفایہ کی ادائیگی کے مترادف ہوگا۔

دعا ہے کہ خدائے لم یزل حضرت سراج ملت اور ان کے رفقاء و معاونین کو جلد از جلد "جہان ملک العلماء" کی اشاعت کی تکمیل میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم!

ملک العلماء کے صاحبزادے

پروفیسر مختار الدین احمد۔ ایک باذوق ادیب و محقق

ازقلم: مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی، علیگ

پروفیسر مختار الدین احمد ایک محقق ادیب کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ ملک العلماء کے یہ نامور صاحبزادے ۱۳۳۶ھ میں سہسرام میں پیدا ہوئے، اس وقت ملک العلماء خانقاہ کبیریہ سہسرام کے مدرس اول تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ صابرہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ جب یہ چار سال کے ہوئے تو دیندار بزرگ حافظ شرف الدین احمد نے آپ کی بسملہ خوانی کی رسم ادا کی۔ ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ سے حاصل کی اور قرآن حکیم کے چند پارے اپنے نانا منشی محمد واعظ الحق سے پڑھے پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ چلے آئے جہاں ملک العلماء کے زیر سایہ وہاں کے اساتذہ سے فضیلت تک کی کتابیں پڑھیں۔ فاضل دینیات کے امتحان میں وبہار اڑیسہ کے طلبہ میں اول آئے اور فاضل حدیث کے امتحان میں بہار میں اول رہے۔ اس کے اعجاز میں انہیں سر فخر الدین گولڈ میڈل اور سید عبدالعزیز گولڈ میڈل انعام میں ملے۔ یہ دونوں شخصیتیں بہار کی وزیر تعلیم تھیں۔

دینی درسگاہ کے بعد عصری دانشگاہ کا رخ کیا۔ ۱۹۴۱ء میں مسلم ہائی اسکول پٹنہ میں داخلہ لے لیا اور اچھے نمبروں سے میٹر یکولیشن میں پاس ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آ گئے اور یہیں سے انٹر، بی۔ اے اور ایم۔ اے عربی کیا۔ ۱۹۵۲ء میں عبدالعزیز میمنی کی نگرانی میں پی۔ ایچ۔ ڈی مکمل کی۔ ۱۹۵۳ء میں شعبۂ عربی میں لکچرر ہوئے۔ اسی سال انہیں شرق اوسط اور انگلستان میں ریسرچ اور اعلیٰ تعلیم کے لئے روکیفلر فاؤنڈیشن کی فیلوشپ پیش ہوئی۔ انہوں نے عراق، لبنان، مصر، ترکی، فرانس، جرمنی کے علمی سفر کئے۔ ہالینڈ میں تین چار ماہ لائیڈن یونیورسٹی لائبریری میں کام کرتے رہے۔ انگلستان میں اور اسکاٹ لینڈ کی شاید ہی کوئی یونیورسٹی اور لائبریری ہو، جہاں وہ اپنے علمی مقالے کے سلسلے میں معلومات جمع کرنے نہ گئے ہوں۔ آپ پروفیسر ہملٹن گب کے ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ انہیں کی نگرانی میں کام کرکے آکسفرڈ یونیورسٹی سے ڈی۔ فل کی ڈگری حاصل کی۔

آپ ۱۹۵۸ء میں ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ریڈر اور بعد کو اس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۸ء شعبۂ عربی کے پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۵ء میں آرٹس فیکلٹی کے ڈین بنے۔ آپ ایکزیکیٹو کونسل اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے رکن بھی رہے۔ مجلّہ علوم اسلامیہ کی تاسیس آپ ہی کا کارنامہ ہے، جو بارہ سال تک آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۷۶ء میں انہوں نے ایک بین الاقوامی ادارہ المجمع العلمی الہندی کی بنیاد ڈالی جہاں سے بین الاقوامی شہرت کا ایک اعلیٰ تحقیقی رسالہ مرتب کرکے شائع کرتے رہے۔ شرق اوسط کی بیشتر علمی اکیڈمیوں نے اپنا رکن نامزد کیا جن میں دمشق کی مجمع اللغۃ العربیہ، عمان کی مجمع اللغۃ العربیہ الاردنیہ، قاہرہ کی الجمعیۃ العالمیۃ لاحیاء التراث العربی، شرق اردن کی المجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیۃ اور عمان کی

موسستہ آل البیت للفکر الاسلامی قابل ذکر ہیں۔ دمشق کے المجمع العلمی کے یہ چوتھے ہندوستانی مستقل رکن ہیں۔ (مختار نامہ)

۱۹۷۹ء میں صدر جمہوریہ ہند نے عربی زبان وادب میں علمی اور تحقیقی کاموں کی بدولت انہیں سٹوفکیٹ آف آنر سے نوازا۔ آپ کی متعدد عربی کتابیں اور مضامین ہندوستان، پاکستان اور لبنان سے شائع ہو چکی ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ اضافی شرف کے ساتھ ذاتی خوبیوں کے بھی پیکر جمیل، خلیق، متواضع، ادب دوست، ادب آشنا، شفیق ومہربان، اہل علم کے رہنما، اہل ذوق کے دلدادہ، ہنس مکھ اور ظریف، متین اور بردبار، فہیم اور باوقار، رواں دواں دلچسپ انداز گفتگو کے مالک ایک علمی بزرگ ہیں۔ آپ کے علمی گوشوارے میں سب سے حاوی گوشہ ادب کا ہے۔ اس لئے آپ کے تعارف کے لئے میں نے اسے ہی منتخب کیا۔ ادب اور ذوق ہمیشہ ایک دوسرے سے بغلگیر رہتے ہیں اور دونوں چیزیں پروفیسر مختار الدین احمد کا اعلامیہ کہی جا سکتی ہیں۔ علم وفن سے لے کر طرز رہائش تک ہر جگہ وہ ادب نواز اور ذوق آشنا نظر آتے ہیں۔ کتابوں اور خوبصورت چیزوں سے سجا سجا ڈرائنگ روم آپ کے باذوق، نفیس اور ادب آشنا طرز زندگی کا خوبصورت ثبوت ہے۔ طرز تحریر سے لے کر مطالعہ جاتی شغف کا ستھرا طور اور مرتب انداز زندگی تک کے سارے مناظر آپ کے اندر ایک انفادی جمالیات کو روشن کرتے ہیں۔ آپ کی ظریفانہ ادبی گفتگو اور مین شائستہ لب ولہجہ بھی آپ کی زندگی کے اس رخ کو متعین کرتا نظر آتا ہے۔ قدرت کی انہیں وہی خوبیوں کی وجہ سے آپ کے سارے علمی کارنامے اسی رنگ میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ نثر ونظم میں سہ لسانی (اردو، عربی، انگریزی) ادبی شاہکار آپ کے جمالیاتی ذوق کی دلکش یادگار ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد کے ادبی سفر کا آغاز شعر وسخن سے ہوتا ہے پھر افسانے اور ڈرامے کی رنگین دنیا نے آپ کی توجہ اپنی جانب مبذول کی، اس کے بعد رفتہ رفتہ باضابطہ علمی اور تحقیقی ادب کی جانب متوجہ ہوئے۔

پروفیسر مختار الدین احمد کے ادبی جذبوں نے جب پہلے پہل شعر کے پیکر میں ڈھلنا شروع کیا، تو عظیم آباد کے ادبی ماحول نے اس ذوق شعری کو اور جلا بخشی۔ مدرسہ شمس الہدیٰ کے ایک سینئر طالب علم عبد الحکیم حسرت ارمان کی صحبت کے زیر اثر آپ کی شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلی غزل سائنس کالج کی ''بزم سخن'' میں سنائی پھر شغف بڑھتا گیا اور آپ مشاعروں کی رونق بڑھاتے رہے۔ تخلص ابتداء قیس عظیم آبادی پھر ضیاء عظیم آبادی اس کے بعد آرزو رنگ اختیار کرتا رہا۔ علی گڑھ آنے کے بعد بھی مشق سخن جاری تھی۔ ایک دن اپنے استاذ علامہ عبد العزیز میمنی سے انہوں نے کہا کہ رات میں میں نے ایک غزل کہی ہے۔ میمنی صاحب نے کہا:

اگر آپ یہ کہتے کہ رات میں نے ایک مضمون لکھا ہے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ مختار صاحب کے ذہن نے اس خوشگوار تنبیہ کے مفید اثرات محسوس کئے۔ انہیں نثر کا افادی دائرہ اور مطالعہ جاتی کینوس زیادہ وسیع نظر آیا، اس لئے انہوں نے اس صنف سخن کو مکمل طور سے خیر آباد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہ اپنے تخلص ''آرزو'' سے بھی دست بردار ہو گئے ہیں اور ''مختار الدین احمد'' ہی ان کی شناخت ہو گئی ہے۔ لیکن شعور کے اس ابتدائی دور میں بھی آپ کی سنہری اور خوشگوار فکر نے ادب کے جو نکھرے نقش ونگار ابھارے ہیں، وہ آپ کے شاعری ذوق کا ادبی رخ متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔ آپ

کے بیشتر شعری سرمائے گردشِ ایام کی نذر ہو گئے لیکن مالک رام نے "نذر مختار" میں آپ کے حاصل شدہ کلام محفوظ کر دیئے ہیں۔ میں اسی "نذر مختار" سے "شعر آرزو" کا انتخاب پیش کرتا ہوں۔

جب کیا باز نظر چشم تماشائی نے
وسعتیں اپنی بڑھادیں تری رعنائی نے
تابِ نظارہ کی کرتے ہیں طلب کیوں جلوے
ساری پونجی ہی لٹادی ہے تماشائی نے

لبِ ساحل ہے خود غرضوں کا میلہ میں نہ جاؤں گا
تباہی چاہتی ہے کشتی عمر رواں میری
پھول توڑے ہیں بہت باغ سے گلچیں نے مگر
فصلِ گل وسعتِ دامن کی دعا دیتی ہے

میری نگاہ کو بے امتیاز رہنے دے
حقیقتوں میں ہی پنہاں مجاز رہنے دے
مجھے ڈر ہے صدا دونوں کی آپس میں نہ ٹکرائے
ادھر ہیں شیخ کے نعرے ادھر آوازِ قلقل ہے
عمل کے دو چار پھینک پانسے ہو ختم بازی تو راستہ لے
کہاں ٹھہرنا، قیام کیسا، ہے سارا عالم قمار خانہ
تیری محفل ہے کہ مقتل ہے نظر بازوں کا
کوئی مجروح نظر، بسمل مژگاں کوئی
اتنی ہی مشق تصور کی بڑھی جاتی ہے
جتنا آنکھوں سے ہوا جاتا ہے پنہاں کوئی
گل رویوں سے الفت کرنی تھی، تقدیر میں رسوا ہونا تھا
ہر دل میں کھٹکنا تھا مجھ کو، ہر آنکھ میں کانٹا ہونا تھا
مجنوں کی دعا میں کم سے کم یارب اثر اتنا ہونا تھا
ہر ذرے کو مجنوں ہونا تھا، ہر جلوے کو لیلیٰ ہونا تھا
تفریق حقیقت بے معنی، ہے جز وہی کل کا آئینہ
ہر ذرے کو صحرا ہونا تھا، ہر قطرے کو دریا ہونا تھا
جلوے سے چمن کے بڑھتی ہے مجنوں نظروں کے بیاباں کی
جو پھول کھلے ہیں گلشن میں ان کو پس صحرا ہونا تھا
محروم نشیمن بلبل کی قسمت میں کہاں ہے جلوۂ گل
گھٹ گھٹ کے قفس میں مرنا تھا یا سوکھ کے کانٹا ہونا تھا

ان شعروں میں شاعر کی فکری لطافت ادبی رچاؤ اور ذوق حسن کا نکھرا نکھرا رنگ لفظ لفظ میں بسا ہوا نظر آتا ہے۔ سبک لفظوں کی تراش خراش، جلوۂ معنی کی سحر طرازی، تغزل کا بہار یہ رنگ اور عشق و سرمستی کی دھن ہر لفظ کے ساز پر بجتی سنائی دیتی ہے۔ یہ غزل تو بڑی بہار یہ رنگ اور ادبی ترنگ کی ہے:

مری بے تابیِ دل ڈھونڈ لے گی خود ہی منزل کو
تو اے سعیِ عمل، نذرِ سکون کارواں کیوں ہو
ہنسیں گر بجلیاں ان کی خطا ہے وہ بیگانہ
مرا جلتا نشیمن دیکھ کر خوش باغباں کیوں ہو
پٹک کے سر کو مر جاؤں، جبیں کو گھس کے مٹ جاؤں
مگر ہر ہر قدم پر ایک فریب آستاں کیوں ہو
تلاش یار پائے سبک سے کام لیتا ہوں
مری وحشت خرامی دشت پر بارگراں کیوں ہو
تحمل کا سبق لیتا رہے انساں اگر غم سے
خوشی حد سے گزر کر وجہ مرگ ناگہاں کیوں ہو
پڑی ہے رات بھر باقی، سحر کو توبہ کر لینا
ابھی سے آرزوئے بادہ کش خوف اذاں کیوں ہو

تحقیق و جستجو کی خشک وادیوں کی آبلہ پائی عموماً لطافت طبع

اور حسن ذوق کی خوشگوار حس کو منجمد کر کے رکھ دیتی ہے، یا پھر مجروح کر کے کھردرا بنا دیتی ہے۔ اسی لئے محققین کی عمومی تحریریں خشک اور بے لطف ہوتی ہیں۔ لیکن جنہیں حسن ازل سے لطیف جذبے ملے ہیں، وہ خارزاروں سے الجھنے اور ٹھوکروں سے کھیلنے کے باوجود دھڑکتے دل کی ترنگیں اور حسن آشنا لطیف جذبہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی زندگی کا ہر لمحہ حسن فطرت کی رنگینیوں سے جگمگاتا نظر آتا ہے اور اس کا دلکش عکس ان کے شب و روز کے آئینے میں جھلملاتا محسوس ہوتا ہے اور خوش طبعی، ظرافت، ہنستے مسکراتے لمحے اور کھلکھلاتے بول بھی ان ہی جگمگاتی رنگینیوں کا حصہ ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد کا ذوق بھی حسن ازل کی اس رنگینی سے آباد ہے۔ دلچسپ لب و لہجے کے مالک پروفیسر مختار الدین احمد اپنی مجلسی گفتگو میں بھی شگفتگی طبع سے پھول کھلاتے رہتے ہیں اور ان کی تحریروں میں بھی ظرافت، متین پیرائے میں اپنی زعفران زاریاں قدم قدم پر تقسیم کرتی چلی جاتی ہے۔

آکسفورڈ کی ایک بھیگی ہوئی شام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"طے یہ ہوا کہ کمرے میں ہی کچھ کیا جائے۔ بریانی اور بہت زوردار مرغا پکا۔ یہ سب عزیز صاحب کی نگرانی میں ہوا ورنہ بیشتر اس فن شریف سے اس قدر واقف تھے جس قدر عام امریکی ہندوستان سے اور ٹنڈن جی علی گڑھ سے" (پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ص:۱۸۱)

اپنے علی گڑھ کے دوست محمد علی صاحب کا جو کلکتہ میوزیم کے انچارج تھے، ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محمد علی لوگوں کو اپنے خاص شعبے میں لے گئے اور ہزاروں سال پہلے کے ایک مفقود النسل جانور کے عظیم الشان اور ہیبت ناک ڈھانچے کے سائے میں کھڑا ہو کر انہوں نے مرحوم کی اوصاف و خصائل اور شجرۂ نسب تک اس روانی سے سنا دیا جیسے ان کا مرحوم سے برسوں کا دوستانہ رہا ہو"۔ (یادوں کے چراغ ص:۷۹)

آپ کے آکسفورڈ کے سفر کی ڈائری میں جو "زہے روانی عمرے کے در سفر گزرد" کے نام سے "نقوش لاہور" میں چھپی ہوئی۔ اس طرح کے بہت سے زعفران زار قطعے نظر آتے ہیں۔ چند سے آپ بھی لطف اندوز ہوں۔ مختار الدین احمد صاحب آکسفورڈ سے کیمبرج جا رہے ہیں۔ وہ لندن کی ٹرین کے مناظر کس انداز میں بیان کرتے ہیں۔ آپ بھی دیکھئے:

"میں نے ٹکٹ تھرڈ کلاس کا لیا ہے (یہاں دو ہی درجے ہوتے ہیں فرسٹ اور تھرڈ) لیکن ڈبے ایسے آرام دہ اور پرتکلف کہ پتہ ہی نہیں چلتا، کون تھرڈ ہے کون فرسٹ، یہاں ڈبے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ انگریز زندگی کی ساری عادات و خصائل میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ اس کی ہر چیز ڈھکی چھپی ہونی چاہئے۔ لمبے ڈبوں میں پرائیویسی نہیں ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم بازار میں بیٹھے ہیں۔ ہندوستان کے تھرڈ کلاس کے ڈبے یاد کیجئے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ہے، بھانت بھانت کے لوگ جمع ہیں، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سو رہا ہے، ایک صاحب کھانا تناول فرما رہے ہیں، دوسری طرف پان لگ رہے ہیں، ایک گوشے میں تاش کھیلا جا رہا ہے تو دوسری طرف سیاسیات پر زور و شور سے گفتگو ہو رہی ہے، کوئی ہانپ رہا ہے، کوئی جماہیاں لے رہا ہے، آپ کسی لڑکی کو دیکھ رہے ہیں، لڑکی والا آپ کا سوٹ کیس تاک رہا ہے۔ اب بتائیے پرائیویسی کہاں رہی۔ عشق کرنے اور شعر سوچنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔"

(زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد۔ نقوش۔ لاہور ص:۶۲)

"ایک صاحب ابھی ٹکٹ دیکھ گئے۔ خواہ مخواہ زحمت

فرمائی۔ پوری ٹرین میں ایک شخص بھی بغیر ٹکٹ کے نہ ہوگا۔ ہندوستان کے T.C. یہاں آجائیں تو بڑی مایوسی ہو۔ سارے ذرائع آمدنی ایک لخت بند۔ دوسرے صاحب ابھی چائے کو پوچھ گئے تھے۔ منٹوں میں لے آئے۔ میں نے چائے پیالے میں انڈیلی اور ایک سگریٹ سلگالی۔ ریسٹوران اسسٹنٹ جب بل لے کے آیا تو، اس نے مجھے دیکھا، پیسے لئے اور شکریہ ادا کر کے چلا گیا، بولا کچھ نہیں، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہیں کوئی بات ایسی ہوئی ہے، جو ہونی نہیں چاہئے تھی۔ اتفاق سے دریچے پر نگاہ پڑی تو معلوم ہوا یہ ڈبہ Non.Smokers کا تھا، سگریٹ پینے والوں کے لئے علیحدہ کمپارٹمنٹ ہوتے ہیں۔ میں یہاں بیٹھا تھا تو مجھے سگریٹ نہ پینی چاہئے تھی۔ بیرا تو کیا کہتا لیکن میرے نوجوان رفیق سفر نے بھی میری آزادی میں مخل ہونا پسند نہ کیا اور خاموش رہے۔ یہاں فرد اور اس کی خواہشوں کا احترام کرنا سکھایا جاتا ہے۔"

(زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد۔ نقوش ص:٦)

ایسی زعفران زار فکر جب علمی اور ادبی نثر کی جانب متوجہ ہوتی ہے، تو اس میں بھی اپنا اچھوتا پن برقرار رکھتی ہے۔ ابتداء میں صرف نگارش سے تعلق خاطر رہا، اشاعت کی جانب توجہ نہ ہوئی۔ پہلا مطبوعہ مضمون تاثراتی ہے جو دہلی کے روز نامہ انصاری مئی ١٩٣٦ء میں شائع ہوا۔ یہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی وفات پر تحریری تاثرات تھے۔ آپ کا پہلا ادبی مطبوعہ مضمون "خالق باری کے طرز کے بہاری مخطوطات ١٩٤٠ء کے آس پاس" مولوی عبد الحق کے رسالہ "اردو" میں شائع ہوا۔ اس کے بعد تحریر و نگارش کا ایک سلسلہ چل نکلا جو تا ہنوز مسلسل جاری ہے۔ آپ کے گرانقدر تحقیقی اسلوب میں ترشے ہوئے، ادبی مضامین اردو ادب، معاصر، معارف، برہان، علی گڑھ میگزین، تحریر، آجکل، غالب نامہ، ادبی دنیا، ہمایوں، ادب لطیف، عالمگیر، مخزن، نقوش، ماہ نو، اوراق، صحیفہ، جامعہ، اورینٹل کالج میگزین میں اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ علی گڑھ کے مختلف رسائل مجلہ علوم اسلامیہ، فکر و نظر، علی گڑھ میگزین، تہذیب الاخلاق، مجلۃ المجمع العلمی الہندی تو آپ کی خاص تحریری جولانگاہ رہے۔ ان نثری تحریروں میں جو بیشتر تحقیق کے گوشے سے متعلق ہیں، آپ نے جو دلچسپ اور لطیف اسلوب اپنایا، اس سے تحقیقی ادب عموماً محروم رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں خشکی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ہر جگہ روانی اور لطافت کا ایک بہاؤ ملتا ہے، جس سے قاری کی طبیعت مانوس ہوتی چلی جاتی ہے۔

آپ کی نثر نگاری نے اور اردو دونوں زبانوں کے ادب میں گرانقدر اضافے کئے ہیں۔ "مجلۃ المجمع العلمی الہندی" میں آپ کے بہت سارے عربی نثر کے شہ پارے بکھرے پڑے ہیں۔ عرب کی علمی دنیا سے آپ کے وسیع رابطے ہیں۔ مشاہیر عرب کے نام آپ نے جو خطوط لکھے ہیں، ان کے مطالعے سے بھی آپ کی عربی ادب پر گرفت محسوس کی جاسکتی ہے۔ آپ کی تحقیقی نثر میں بھی سہل ممتنع کا انداز، خوبصورت روانی، اچھوتی دلکشی اور دلوں کو موہ لینے والا انداز پایا جاتا ہے۔ میں اپنے ان تاثرات کو آپ کی عربی اور اردو نثر کے چند اقتباسات سے اعتبار دیتا ہوں۔

مشہور اسلامی فلسفی ابو یوسف کندی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولاشک ان بدء حیلة الکندی مع ترعرع علم الکلام الناشی و ازدهار وسط حرکة فکریة قویة وعناية بالعلم. وضعت امهات کتب الفکر الفلسفی تحت نظر المسلمين وقد اتاح للکندی تحصيل معارف واسعة، فيها کثير من العناصر الممتازة وکان

عقله بعدی من قراالکتب المقولة علی اختلافها ومن الصلة المباشرة بکبار المترجمین الاولین، ومن المشارکة فی المناظرات والابحاث الکلامیة والفلسفیة المتنوعةالتی لم تکن تخلو منها مجالس الخلفاء وتدل مؤلفات الکندی علی تبحر فی انواع العلوم وعلی شمول لکل ماکان یعنی مفکری عصره من علوم کلامیة او فلسفیة بالمعنی الواسع .... والحقیقته ان استعراض اسماء کتبه یدل علی شمول لمیادین المعرفته منقطع النظیر، وعلی انواع من الاهتمام بکل الاتجاهات والتیارات الفکریة فی عصرهلاانتهیا الا للعقولالکبیرة." (مجلة المجمع العلمی الهندی .۱۹۷۸م ص ۲۵۹)

عربی کی اس بلیغ عبارت کا لطف اہلِ زبان ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اردو زبان کے دلچسپ اقتباسات میں سے کچھ پیش ہو چکے۔ اب یہاں دو تین تحقیقی لطیف اور بہاریہ رنگ کی نثر کے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ غالب سیریز کے مرتبات نقدِ غالب، احوالِ غالب اور گنجینۂ غالب میں آپ کے کئی مضامین درج ہیں۔ "سرِّ غالب در حدیث دیگراں" میں "سیرِ دہلی" کے مصنف شیخ محمد ریاض الدین امجد کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مصنف کے متعلق زیادہ اطلاع نہ مل سکی۔ اس سفر نامے سے جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے: پورا نام ریاض الدین امجد ہے۔ معلوم نہیں امجد تخلص ہے یا کیا، غزلوں میں تو ریاض تخلص ملتا ہے۔ ممکن ہے دونوں تخلص ہوں۔ اصلی وطن سندیلہ تھا۔ قیام متھرا میں تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی مولوی نیاز علی دہلی کے سررشتۂ تعلیم میں سب انسپکٹر تھے پھر ۱۸۶۰ء میں مدرس مدرسہ تعلیم المعلمین مقرر ہوئے۔ کتاب کی نثر میں بڑی شوخی اور رنگینی ہے۔ خوبصورت لڑکیوں، طوائفوں، کسبیوں کا ذکر بڑے خلوص، گہرے ذوق شوق اور بے حد دلچسپی سے کرتے ہیں اور صفحے کا صفحہ اس "ذکر الخیر" پر خرچ کردیتے ہیں۔ اس سفرنامے سے بہت اچھی روشنی اس بات پر پڑتی ہے کہ ۱۸۶۰ء میں دہلی میں مشہور طوائفیں کون تھیں، ان کا رنگ ڈھنگ، طور طریقہ، پوشاک اور وضع قطع کیا تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ سفرنامے کی ترتیب کے وقت مصنف شباب کی مستیوں سے سرشار تھا اور عبارت کی رنگینی اور شوخی کی اصلی وجہ یہی ہیں۔" (حوالۂ غالب ص:۵۱)

کیمبرج کے "کورپس کرسٹی کالج" کے "باذوق" لائبریرین صاحب کے ذوق کا ایک تماشہ دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ جانتے ہیں کہ جو اپنے فن کے ماہر ہوتے ہیں، وہ کسی نہ کسی حد تک کھوئے رہتے ہیں اور سنک سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہی حال ان حضرات کا تھا۔ وہ زبان و مکان سے بے نیاز ہوکر لوگوں کو کتابیں دکھا رہے تھے۔ ایک خاندان کہیں باہر سے کیمبرج آیا ہوا تھا۔ وہ کسی طرح ان کی زد میں آگیا۔ یہ خاندان بوڑھے تھکے ہارے افراد پر مشتمل تھا۔ ایک بوڑھا مرد، تین بوڑھی عورتیں۔ ان حضرات نے معلومات کا دریا بہانا شروع کردیا۔ وہ حوالہ پر حوالہ دیے جا رہے تھے اور کتابوں پر کتابیں سامنے رکھتے جا رہے تھے۔ یہی نہیں انہوں نے ان لوگوں سے پڑھوانا شروع کیا۔ اس لئے کہ بدقسمتی سے ان کی نظر کمزور تھی اور عینک (ان کے بقول) ان کی بیوی کے پاس رہ گئی تھی۔ آدھ صفحہ ایک صفحہ تک تو خیر مضائقہ نہ تھا۔ لیکن اس سے زیادہ کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ بوڑھی عورتیں، دیر تک ان سے کھڑا رہنا مشکل تھا۔ عینک لگا کر لاطینی عبارتیں پڑھنا تو بڑا مشکل کام تھا ایک نے بدقسمتی سے کسی مصنف کا

نام لیا کہ میں جانتی ہوں، اس نے بھی یہ لکھا ہے۔ ارے صاحب! یہ تو ان کی طبع کیلئے ایک تازیانہ ہوا، وہ فوراً اس کتاب کو بھی لے آئے اور اس کی عبارتیں پڑھانی شروع کیں۔ اسی اثناء میں ایک فرانسیسی ترجمے کا ذکر آیا۔ وہ بڑے ایک الماری کی طرف، خواتین نے بہت کہا کہ رہنے دیجئے لیکن وہ بھلا کہاں ماننے والے تھے۔ لمحوں میں اس کو لے کر پھر ان پر مسلط۔ اب وہیں کے بار بار کہہ رہی ہیں کہ مجھے اب جائے پر جانا ہے۔ ہاں پروفیسر! یہ کتاب واقعی بہت دلچسپ ہے، میں پھر کبھی آؤنگی واقعی بڑا افسوس ہے کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے اور اس بات پر مصر تھے کہ زیر بحث مصنف کے خیالات جن جن اطالوی فرانسیسی مصنفین نے لئے ہیں، وہ ساری کتابیں ان خواتین کو دیکھ کر جانا چاہیے۔ خواتین کی عجیب حالت تھی انہیں نوادر دیکھنے کا شوق ضرور تھا لیکن کچھ اس قسم کا جس طرح آزادی کے بعد لٹن لائبریری علی گڑھ میں کسی گاؤں کے کچھ کھیا اور مہنت قسم کے لوگ لائبریری دیکھنے آئے۔ وسط ہال میں کھڑے ہو کر انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور بولے: ''یہاں تو بڑی پستکیں ہیں'' اور پھر وہ واپس ہو گئے۔ تو حضرت ان کا بھی معاملہ کچھ اس قسم کا ہونے والا تھا۔ لیکن یہ ہمارے پروفیسر کے چکر میں آ گئیں۔ ایک ان میں سے زیادہ سوجھ بوجھ کی تھیں۔ انہیں اب یاد آیا کہ ان کی ٹرین چھوٹنے میں اب صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا ہے، اس لئے کم سے کم پروفیسر تو اجازت ہی دیں۔ ایک کمسن سی امیر کی لڑکی ان سبھوں سے زیادہ ثابت قدم اور علم کی شوقین نکلی، وہ بھی کسی طرح ہال میں ان لوگوں کے ساتھ گئی تھی اور یہاں پروفیسر کا مفت لکچر دیکھ کر اس قافلے میں شریک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی وہ بدستور ان کی کتابوں میں دلچسپی لیتی رہی۔ اب شام ہو چلی تھی اور لائبریری بند ہونے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ میرے پاس آئے اور بولے مجھے افسوس ہے کہ آپ سے بالکل باتیں نہ کر سکا۔ میں نے کہا، یہ میری کم نصیبی ہے لیکن فرمایئے میں آپ کے ارشادات سے برابر مستفید ہوتا رہا ہوں۔ (وہ میری میز کے دوسرے کنارے ہی پر کھڑے ہو کر سارے کرتب دکھا رہے تھے، گویا میرے سر پر ہی کھڑے ہو کر تقریر فرما رہے تھے) بولے، یہ کچھ نہیں۔ آپ چائے اس وقت ہمارے ساتھ پی رہے ہیں۔ میں کچھ کہنے والا ہی تھا کہ بولے: میں نے بیوی کو فون کر دیا ہے اور وہ ہم لوگوں کی اب منتظر ہونگی اور دیکھئے (اس امریکی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں نے انہیں بھی مدعو کر لیا ہے، یہ بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہیں۔ یہ شخص بڑا تجربہ کار معلوم ہوتا تھا اور اپنے فنکار پر سارے اسلحہ آزمالینے کا قائل تھا۔ چند منٹ میں ہم لوگ ان کے فلیٹ میں تھے۔ ان کی بیوی بڑی مذہبی اور خدا ترس تھیں۔ یہ بھی کچھ کم خدا ترس نہ تھے۔ فرق یہ تھا کہ یہ خدا کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی سے بھی بے حد ڈرتے تھے۔

(زہے روانی کہ در سفر گذرد۔ نقوش ص: ۶۶، ۶۷)

۱۲ رمئی ۱۹۵۴ء کی آکسفورڈ ڈائری میں اس کے دلکش مناظر کی تصویر کشی کس بہار یہ انداز میں کرتے ہیں:

یہاں کے میدان کس قدر شاداب، سبزہ کیسا خوبصورت اور پھول کتنے حسین ہیں۔ درختوں میں پھول ہی پھول ہیں، ہر طرح کے پھول، سفید پھول، سرخ پھول، گلابی پھول، زرد پھول، کیاریوں میں جو بیل بوٹے ہیں، ان کا حسن اور بھی جاذب نظر ہے۔ میرے کالج سے سو قدم کے فاصلے پر کرائسٹ چرچ کا عظیم الشان کالج ہے۔ وہاں کے پھول اس موسم میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ میں یہاں سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں اور محظوظ ہو رہا ہوں۔ یہ پھول کیسے چمک رہے ہیں، کس طرح دمک رہے

ہیں، کس قدر لطافت اور حسن رکھتے ہیں اور کیسا سرور اور تازگی بخش رہے ہیں۔ لوگ زندگی سے تھک کر، حلات سے عاجز آ کر، ناکامیوں سے مایوس ہو کر خودکشی کیوں کر لیتے ہیں۔ اس موسم میں فطرت کا حسن کیوں نہیں دیکھتے۔ سورج کی چمک، رات کے سکون، دن کے اجالے اور شب ماہتاب سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتے۔ آکسفورڈ آ کر sis اور cherwell میں کشتی رانی کے مناظر سے محظوظ کیوں نہیں ہوتے، ان سبزوں کے دونوں طرف بیٹھنے والوں اور زندگی سے لطف اندوز ہونے والوں کو ایک نظر کیوں نہیں دیکھتے اور خودکشی سے پہلے کرائسٹ چرچ کے سبزہ زاروں اور ان گنت رنگوں کے حسین ترین لہلہاتے پھولوں کی سیر کیوں نہیں کر لیتے، ایسی خوبصورت جھیل میں حسین سفید بطوں کے پروں، ماڈلین کے ڈیر پارک میں ہرنوں کے قافلوں، ٹرنٹی کے شاداب میدانوں اور کرائسٹ چرچ کے سبزہ زار اور دلکش پھولوں کو دیکھ کر دل میں زندہ رہنے کی خواہش، کام کرنے کا شوق اور مناظر فطرت سے شادکام ہونے کی امنگ اور حوصلہ کس درجہ بڑھ جاتا ہے۔"

(زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد۔ نقوش ۱۹۵۶ء ص:۶۱)

اب اخیر میں ایک گدگداتی ہوئی نثر سے بھی سرور حاصل کرتے ہوئے، آگے بڑھتے ہیں: "شاہ صاحب ریڈیو بھی سناتے، خواص کی پان الائچی سے ضیافت بھی کرتے اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کئے جاتے۔ ان کی باتیں صبر کا پیمانہ لبریز کرنے کے لئے کافی ہوتیں، وہ خبریں سنتے جاتے اور ساتھ ہی اپنی عقل و فہم کے مطابق تبصرہ بھی کرتے جاتے۔ تبصرے کچھ ایسے ہوتے تھے کہ خبریں سننے کا سارا لطف کرکرا ہو جاتا۔ ایک دوسری کمزوری ان صاحب میں یہ تھی کہ اعلیٰ قسم کی کوئی تقریر ہو رہی ہے یا بہترین نظم سنائی جا رہی ہو ہٹلر بول رہا ہو، چرچل کی تقریر ہو رہی ہو۔ انہیں اگر یاد آ گیا کہ اس وقت کسی دوسری جگہ سے طمنچہ جان کہیں گا رہی ہے۔ بس فوراً ریڈیو کی سوئی گھوما دیئے گئے۔ یہاں لوگوں کا یہ حال کہ ذوق و شوق سے آنکھیں بند کئے پورے انہماک سے کانگریس کے مطالبات کے سلسلے میں مسٹر ایمری وزیر ہند کی تقریر کے اقتباسات سن رہے ہیں اور اس طرف ریڈیو سیٹ پر لہریں بدلنے کی آواز پھٹ پڑی اور نغمہ بلند ہوا" دلبر، دل آرہ تیرے نازنے، انداز نے گھائل کیا۔" (نقوش ۱۹۵۸ء)

پروفیسر مختار الدین احمد کے نثری شہ پاروں سے لطف اندوز ہونے کے بعد ان کی ادبی کاوشوں کا بھی ایک سرسری جائزہ لیتے چلتے ہیں، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ آپ نے اپنے دلکش قلم کی روشنائی سے علم و ادب کے کن کن ایوانوں میں اجالا کیا ہے۔ آپ کی مصنفات، مرتبات اور مقالات کی تعداد خاصی ہے جن کی تفصیلات "مختار نامہ" مرتبہ عطاء خورشید اور مہر الٰہی ندیم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ میں یہاں صرف ان کا شماریاتی جائزہ پیش کرتا ہوں۔ آپ نے درج ذیل عربی، اردو مصنفات اور مرتبات سپرد قلم کیں:

(عربی) ۱ دیوان شعر الامین اسامہ بن منقذ الکنانی الشیزری. ۲. المختار من شعر ابن الدمیثہ ۳. الحماسۃ البصریۃ لصدر الدین علی ابن ابی الفرج. ۴. رسالۃ المبرد النحوی. ۵. القصیدۃ الدالیۃ للاعشیٰ الکبیر مع شرح الشیزری. ۶. کتاب مجالس المیمنی

(اردو)۔ ۱۔ خطوط اکبر الہ آبادی۔ ۲۔ ذاکر صاحب کے خط جلد سوم و چہارم۔ ۳۔ احوال غالب۔ ۴۔ نقد غالب۔ ۵۔ تذکرہ شعرائے خیرآباد (تاریخ فرخ آباد کا چوتھا باب۔ از مفتی سید محمد ولی اللہ خیرآبادی)۔ ۶۔ سیر دہلی۔ ۷۔ یاض الدین امجد۔ ۸۔ کربل

کتھائی ۹۔گلشن ہند۔۱۰۔حیدر بخش حیدری۔(۲۸۹ شعرائے اردو کا تذکرہ)۔۱۱۔تذکرہ آرزو۔۱۲۔دیوان حضور (شیخ غلام یحیٰ حضور عظیم آبادی)۔۱۳۔عبدالحق

ان مصنفات ومرتبات کے علاوہ عربی،اردو دونوں زبانوں میں آپ نے ادبی اور شخصی موضوعات پر گرانقدر اور وقیع مقالات قلمبند کیے۔عربی مقالات کا موضوعاتی اشاریہ دیکھیے

۱.ابویوسف الکندی ورسالته فی الشعاعات ۲.احمدبن یوسف الکتاب المعروف بابن الدابة ۳.الاستاد آصف علی اصغرفیضی .۴.استاد محمدکرد علی والهند .۵.عض المکتوبات النادرة ۶.تحیة من العلامته محمود شاکر .۷.ترجمته اسامته بن منقذفی تا ریخ الاسلام للذهبی .۸.جمال الدین محمود بن علی الاستادار .۹.حول ابن میمون البغدادی .۱۰.حیلة المیمنی کما رواها بنفسه ۱۱.الدکتورسمویل استرن .۱۲.الدکتور السید احمد .۱۳.الدکتور السید محمد یوسف ۱۴.الدکتور عبدالکریم جرمانوس .۱۵.الدکتور عبدالمعیدخان .۱۶.الدکتور میشل الخوری ۱۷.دیوان شعر بشاربن برد.۱۸.رسائل الاستاذالمیمنی والیه .۱۹.الشیخ محمدطیب المکی الرامبوری .۲۰.الشیخ محمد یوسف البنوری .۲۱. قصیدتان الاستاذ المیمنی .۲۲.قصیدة الاعشیٰ الکبیر فی مدح النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ۲۳. کلمةالاستاذالدکتور مختارالدین احمد ۲۴.مشارکةاللغته الاردیةفی الحضارة الاسلامیة ۲۵.المقرزی و کتاب المقفی .۲۶.نسخته تاریخیة لمجمل اللغته لابن فارس .۲۷.نورالقبس المختصرمن المقتبس .۲۸.وثیقته علمیةتاریخیته.

ادبی اور شخصی موضوعات پر آپ نے درج ذیل مقالات تحریر کیے:

۱۔آبرو کے دو مخمس۔۲۔آثار غالب۔۳۔آکسفورڈ سے۔۴۔ابوالعتاہیہ کی زہدیہ شاعری۔۵۔ابوالعتاہیہ کے کچھ غیر مطبوعہ اشعار۔۶۔احمد بن یوسفا لکاتب المعروف بہ ابن الدایہ۔۷۔اردو ادب کی رفتار ترقی۔۸۔اردو کا ایک قدیم رقعہ۔۹۔اسامہ بن منقذ کی کتاب الاعتبار اور دوسری تصانیف۔۱۰۔اسامہ بن منقذ کے حالات کا ایک اہم ماخذ۔۱۱۔شعار ذوق (آثار ادبیہ)۔۱۲۔اشعار میر پر ایک نظر۔۱۳۔اعلیحضرت فاضل بریلوی اور ان کے ملفوظات۔۱۴۔امام احمد رضا کا تخصیصی جائزہ۔۱۵۔اقبال کا ایک نو دریافت خط کے بارے میں۔۱۶۔المقرزی کی ایک نادر غیر مطبوعہ تصنیف۔۱۷۔انتخاب دیوان حاتم دہلوی مرتبہ سید امیر اشرف۔۱۸۔ان سے ملے قیوم قائد۔۱۹۔۱۹۴۷ء کے علی گڑھ میگزین کے بارے میں۔۲۰۔بابائے اردو مولوی عبدالحق۔۲۱۔ بالمکند بے صبر (غیر معروف شعراء)۔۲۲۔بدیہہ گوئی۔۲۳۔پھولے کھلے ہیں گلشن گلشن۔۲۴۔تذکرۂ یادگار ضیغم۔۲۵۔تفتہ کی تضمین گلستاں۔۲۶۔تلامذہ مصحفی۔۲۷۔جان گلکرسٹ کے عہد کی ایک گمنام بہاری کتاب۔۲۸۔جمیل الدین عالی۔ کچھ یادیں کچھ باتیں۔۲۹۔جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے۔۳۰۔جہانگیر کے کتاب خانے کی دو کتابیں۔۳۱۔حالی کی چند کمیاب تصانیف۔۳۲۔چند دکنی مثنویاں اور ان کے نمونے۔۳۳۔حالی کی دو کمیاب تحریریں۔۳۴۔حضرت غوث علی شاہ کی رند بلانوش سے ملاقات۔

۳۵۔حمیدہ آپا۔۳۶۔حیات ملک العلماء۔۳۷۔خالق باری کی طرز کے تین بہاری مخطوطات۔۳۸۔خواجہ غلام غوث بے خبر۔۳۹۔خورشید احمد فارق۔۴۰۔خیراتی خاں دلسوز۔۴۱۔درمدح غالب می گوید(بے صبری کی مثنوی لخت جگر کہ ۴۸ شعر)۔۴۲۔دو بلخی برادران۔۴۳۔دیوان حاتم مکتوبہ مکند سنگھ فارغ۔۴۴۔دیوان حافظ اور تفاؤل۔۴۵۔دیوان مصحفی کا خدا بخش ایڈیشن۔۴۶۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔۴۷۔ڈاکٹر اسٹرن۔۴۸۔ڈاکٹر ذکی الدین:علی گڑھ کا ایک ممتاز سائنسداں۔۴۹۔ڈاکٹر ضیاء الدین احمد:کچھ یادیں کچھ باتیں۔۵۰۔ڈاکٹر سید محمد یوسف۔۵۱۔ڈاکٹر مسعود احمد مجددی۔۵۲۔ڈاکٹر معظم حسین۔۵۳۔ڈاکٹر نجم الاسلام۔۵۴۔ڈاکٹر میشیل الخوری۔۵۵۔ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی۔ایک محقق۔۵۶۔ذاکر صاحب اپنے ایک استاذ کی نظر میں۔۵۷۔راجہ راج کشن راجہ۔۵۸۔راجہ رام موہن رائے کا ایک اردو رقعہ۔۵۹۔رمز عظیم آبادی کی شاعری۔۶۰۔رشید احمد صدیقی کے چند غیر مطبوعہ خطوط۔۶۱۔زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد۔۶۲۔شیخ عبدالحق حقی بغدادی۔۶۳۔سرسید کے ایک رفیق۔منشی نجم الدین۔۶۴۔سر غالب درحدیث دیگراں۔۶۵۔شطحیات سید سلیمان ندوی۔۶۶۔سید انشا کی ایک نادر تصنیف۔۶۷۔سید الشعرا حضرت شاد عظیم آبادی۔۶۸۔سید یوسف الدین احمد بلخی باطن۔۶۹۔شاہ حاتم کا فارسی دیوان۔۷۰۔شاہ غلام قلندر عظیم آبادی۔بہار کا ایک گمنام مصنف۔۷۱۔شذرات۔۷۲۔شرف عالم آرزو جلیلی۔۷۳۔شمس العلما ڈاکٹر ضیاء الدین خان دہلوی۔۷۴۔شہزادی جہاں آرا کی موجودہ تحریریں۔۷۵۔صلاح الدین الصفدی۔۷۶۔طفیل صاحب سے ایک ملاقات۔۷۷۔طلبائے علی گڑھ دیار فرنگ میں۔۷۸۔طہماس نامہ(محکوم الدولہ اعتقاد بیگ طہماس بیگ خان رومی۔۷۹۔عالم عظیم آبادی اور اس کی تصنیفات۔۸۰۔عرشی صاحب کی عربی تصانیف۔۸۱۔علامہ سید مرتضی حسینی بلگرامی۔۸۲۔علامہ میمن کا ایک نہایت ممتاز شاگرد۔۸۳۔علی گڑھ کے شب وروز۔۸۴۔۸۵۔علی گڑھ میں غالب کی تحریرات وتصاویر اور دوسرے نوادر۔۸۶۔غالب اور قاضی عبدالودود۔۸۷۔غالب اور مفتی میر محمد عباس۔۸۸۔غالب سے ایک ملاقات۔۸۹۔غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط اور چند اصلاحیں۔۹۰۔غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب۔۹۱۔غالب کا ایک معاصر نواب امیر حسن خان بسمل۔۹۲۔غالب کا قدیم ترین مکتوب۔۹۳۔غالب کی ایک اردو تقریظ۔۹۴۔غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر۔۹۵۔غالب کی ایک کمیاب تصنیف۔۹۶۔غالب کی ایک مہر۔۹۷۔غالب کی بعض تصانیف کے بارے میں۔۹۸۔غالب کی عظمت۔۹۹۔غالب کے آٹھ خط۔۱۰۰۔غالب کے ایک شعر پر بحث۔۱۰۱۔غالب کے تین غیر مطبوعہ خط۔۱۰۲۔غالب کے چند مطبوعہ اشعار۔۱۰۳۔غالب کے چند نایاب خطوط۔۱۰۴۔غالب کے خطوط ایک قدیم مجموعے میں۔۱۰۵۔فارابی کی ایک تصنیف "فصوص الحکم"۔۱۰۶۔فارسی کی ایک نادر بیاض۔۱۰۷۔فغان بے خبر میں غالب کا ذکر۔۱۰۸۔فیضی کی دو تحریریں۔۱۰۹۔قاضی سید رضا حسین عظیم آبادی۔۱۱۰۔قاضی عبدالودود۔۱۱۱۔قاضی عبدالودود۔خاندانی حالات۔۱۱۲۔قتیل دہلوی تھا یا فریدآبادی۔۱۱۳۔قیوم قائد۔۱۱۴۔کالی داس گپتا رضا۔۱۱۵۔کتاب خانۂ مانچسٹر کے بعض مخطوطات۔۱۱۶۔کتاب خانہ ابن العلقمی کا ایک مخطوطہ۔۱۱۷۔کچھ چراغ اور بجھے۔۱۱۸۔کچھ سیاح شاگرد غالب کے بارے میں۔۱۱۹۔کچھ دیر سادات بلخ کے ساتھ۔۱۲۰۔کچھ غالب کے بارے میں۔۱۲۱۔کچھ محمود الاستادار کے متعلق۔۱۲۲۔کلام احمد علی شاہ رامپوری۔۱۲۳۔

کلام اقبال کے عربی تراجم ۱۲۴۔ کلام فغاں۔ ۱۲۵۔ کلام منور۔ ۱۲۶۔ کلیات ولی کا ایک نایاب نسخہ ۔۱۲۷۔ مآثر غالب۔ ۱۲۸۔ مالک رام ۔۱۲۹۔ مالک رام۔ایک تعلق کے سفر نامہ۔ ۱۳۰۔ متفرقات تفتہ۔ ۱۳۱۔ مثنوی غلام رسول حسرت۔ ۱۳۲۔ مجمل اللغۃ لابن فارس کا ایک قیمتی نسخہ۔ ۱۳۳۔ محمد امان نثار۔ ۱۳۴۔ محمد طفیل کے یاد میں۔ ۱۳۵۔ مختار الدین احمد آرزو (خود نوشت)۔ ۱۳۶۔ مخمس رنگین (آثار ادبیہ)۔ ۱۳۷۔ مخمس نصیر دہلوی (آثار ادبیہ)۔ ۱۳۸۔ مرزا رحیم بیگ ۔ ۱۳۹۔ مرزا زین الدین عشق دہلوی اور کلیات عشق۔ ۱۴۰۔ مرزا غالب سے ایک ملاقات ۔ ۱۴۱۔ مرزا غالب کی تاریخ گوئی۔ ۱۴۲۔ مرزا غالب کی تصویریں ۔ ۱۴۳۔ مسعود حسین خان: چند تاثراتی نقوش۔ ۱۴۴۔ مشرقی کتب خانہ بانکی پور پٹنہ اور اس کے چند نوادر۔ ۱۴۵۔ مصحفی نمبر کی بعض لغزشیں ۔ ۱۴۶۔ مصر کا ایک نامور مصنف ۔احمد امین ۔ ۱۴۷۔ مفتی صدر الدین آزردہ کی کچھ نایاب و کمیاب تحریریں ۔ ۱۴۸۔ ملا محمد سعد پٹوی ۔ ۱۴۹۔ ملفوظات فاضل بریلوی ۔ ۱۵۰۔ ممتاز حسن کے خطوط دوارکا داس شعلہ کے نام۔ ۱۵۱۔ منتخب القوافی از عشق عظیم آبادی ۔ ۱۵۲۔ منٹو: ایک نیم علیگی۔ ۱۵۳۔ مولانا احسن مارہروی: کچھ یادیں کچھ باتیں۔ ۱۵۴۔ مولانا اکبر آبادی کی ڈائری کے آخری اوراق۔ ۱۵۵۔ مولانا سید محبوب حسین ۔ ۱۵۶۔ میر حسن علی تجلی ۔ ۱۵۷۔ میر علی الکاتب کا ایک شاہکار۔ ۱۵۸۔ میرے بچپن کا عظیم آباد۔ ۱۵۹۔ میرے شب و روز (نصف صدی پہلے کی ڈائری کے کچھ اقتباسات)۔ ۱۶۰۔ نتیجۂ سخن۔ بنگال کا ایک قدیم گلدستہ۔ ۱۶۱۔ نزہۃ الخواطر میں بہار کے علماء و مشاہیر کا ذکر۔ ۱۶۲۔ نعیم دہلوی۔ ۱۶۳۔ نقوش سلیمانی۔ ۱۶۴۔ نوادر رضا ۔ ۱۶۵۔ نوادر غالب ۔ ۱۶۶۔ وفیات مشاہیر بہار۔ ۱۶۷۔ ہندوستان کا ایک بے حد ممتاز مصنف: شیخ احمد رضا خان بریلوی۔ ۱۶۸۔ یادوں کے چراغ۔ ۱۶۹۔ یاران نکتہ داں۔ ۱۷۰۔ یگانہ چنگیزی کے حالات ایک غیر مطبوعہ تذکرے میں۔

ان علاوہ مخطوطات کے تعارف میں بہت سی تحریریں ہیں اور مشاہیر فن اور ادب کے خطوط کا عظیم ذخیرہ بھی آپ کے خزینۂ علمی کا قیمتی حصہ ہے۔ ان تحریروں کے ذخیرے پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے، کہ صاحب قلم گہرا ادبی شعور نہ صرف ذاتی سطح پر رکھتا ہے، بلکہ اس کی قیمتی سوغاتیں دوسروں میں تقسیم کرنے جذبے سے بھی سرفراز ہے۔ فکر کی یہی ادبیت اور ذوق کی یہی گرانقدری ہے، جس کی اعجاز میں مختلف ایوارڈ آپ کو نذر کئے جا چکے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں میر اکیڈمی لکھنو، میر ایوارڈ، ۱۹۸۳ء میں غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی، غالب ایوارڈ آپ کو پیش کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں عربی زبان وادب کی اعلیٰ خدمات کے اعجاز میں صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے سرٹیفکیٹ آف آنرل چکا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مجلس "نذر مختار" پیش کر چکی ہے۔ ارباب تحقیق وادب کے بیسیوں مقالات آپ کی علمی اور ادبی خدمات کا اعتراف ہیں۔ شمیلہ ستار نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کی نگرانی میں آپ پر ڈاکٹریٹ مکمل کی، عنوان تھا "ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو بطور غالب شناس۔" ابھی ۲۰۰۴ء میں جامعہ آل البیت جارڈن نے آپ کو اپنی علمی کمیٹی کا رکن نامزد کیا ہے جس کے اعزاز میں شعبۂ عربی میں ایک نشست بھی ہوئی۔

☆☆☆

پروفیسر مختار الدین احمد
رضویات کے خاموش نقیب

از قلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

امام العصر حضرت ملک العلماء رضویات کے پرخلوص سفیر تھے۔ پرجوش ترجمان تھے۔ بولتا نقیب تھے۔ مگر ان کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد خاموش نقیب ہیں۔ وہ دھیمے مگر مدھم، مدھر انداز سے رضویات کی نقابت کرتے ہیں۔ وہ ٹھوس علمی بنیاد پر فکر رضا کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جو ان کا اپنا انداز ہے۔ رضویات سے بظاہر سرگرم وابستگی تو معلوم نہیں ہوتی، مگر جھانک کر دیکھیں، تو وہ نہ بالکل سرد ہیں، نہ سرد مہری کا شکار ہیں۔

اس بات کا اندازہ سرگرم سفیرانِ رضویات کے ان خطوط سے ہوتا ہے۔ جو پروفیسر مختار الدین احمد کو لکھے گئے ہیں اور ان جوابات سے بھی ہوتا ہے، جو پروفیسر موصوف نے سرگرم سفیرانِ رضویات کو روانہ کئے ہیں۔ یہاں تفصیل میں جانے کا نہ وقت ہے، نہ فرصت، جنہیں دیکھنا ہو، وہ ان کا ذخیرۂ خطوط کو دیکھیں، جو پروفیسر موصوف کے پاس سلیقے سے محفوظ ہیں۔ ان کے بعض خطوط ماہنامہ 'جہان رضا' لاہور میں قسط وار شائع بھی ہوئے ہیں۔ قارئین 'جہان رضا' رضویات سے ان کی وابستگی یا دردمندی سے بخوبی واقف ہیں۔ برستا بادل گرجتا نہیں اور گرجتا بادل برستا نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔

عہد جدید میں پروفیسر محمد مسعود احمد سے زیادہ پرجوش نقیب رضویات دوسرا کون ہے؟ ان کا رابطہ پروفیسر مختار الدین احمد سے متواتر جاری رہا۔ پروفیسر محمد مسعود احمد نے جو خطوط پروفیسر مختار الدین کو ارسال کئے ہیں یا جو استفسارات کئے ہیں، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ پروفیسر مختار الدین رضویات کی مادم نشاندہی، نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ فی الوقت تفصیلاً بیان کرنے کی مجھ میں قطعی ہمت نہیں۔ پروفیسر محمد مسعود احمد کے خطوط کے چند تراشے پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ کیجئے۔

☆ حیات اعلیٰ حضرت کے لئے مولوی محمود احمد قادری کو لکھا۔ مگر انہوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ ان کا خط آیا تھا۔ جن سے معلوم ہوا، کہ وہ حضرت مولٰنا محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ پر کام کر رہے ہیں۔ اس خط میں حیات اعلیٰ حضرت کا کوئی ذکر نہیں۔ احقر نے جلد دوم کا حوالہ دیا ہے۔ وہ جلد اول سے لیا ہے۔ احقر کے پاس جلد دوم نہیں۔

لاہور سے مولٰنا محمود احمد قادری کی مرتبہ 'مکتوبات امام احمد رضا' شائع ہوئی۔ (مطبوعہ ۱۹۸۶ء صفحات ۲۰۸) اس میں مندرجہ ذیل حضرات کے خطوط شامل ہیں۔ مولٰنا شاہ محمد میاں مارہروی، مولٰنا محمد جان، مولٰنا محمد عبدالسلام جبل پوری، مولٰنا محمد ظفر الدین قادری رضوی، مولٰنا انوار اللہ حیدرآبادی، مولٰنا محمد علی مونگیری، حاجی لعل محمد خان، اشرف علی تھانوی، شیخ محمد طیب مکی، مولٰنا عرفان علی۔

مرکزی مجلس رضا لاہور نے عرصہ ہوا۔ مفتی محمد برہان الحق کی یادداشتیں بعنوان 'اکرام امام احمد رضا' شائع کی تھی۔ جو احقر نے مرتب کی تھی۔ اس میں بہت سے خطوط شامل تھے۔ جبل پور میں مولٰنا محمد مفان عبدالعزیز صاحب نے اعلیٰ حضرت کے مکاتیب کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے۔ شاید آپ کے علم میں ہو۔ مولٰنا اقبال احمد فاروقی (لاہور) مکتوبات

امام احمد رضا کا دوسرا مجموعہ تیار کیا ہے، جس کی کتابت ہوچکی ہے۔ احقر کے پاس مندرجہ ذیل حضرات کے مکاتیب محفوظ ہیں۔ مولینا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، مولینا محمد حسین (میرٹھ) مولینا نذیر احمد خان، مولینا وصی احمد محدث سورتی، مولینا قاضی غلام یسین صاحب (ڈیرہ غازی خان) مولینا احمد بخش صاحب (تونسہ شریف)۔

حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کے نام حضرت مولینا محمد ظفر الدین قادری علیہ الرحمہ کا ایک مکتوب احقر کے پاس محفوظ ہے۔ مگر وہ تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ انشاء اللہ جب مل جائے گا بھیج دیا جائے گا۔ مارہرہ شریف میں اعلیٰ حضرت کے مکاتیب کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ خدا کرے آپ کو مل جائے۔ آپ مکتوبات امام احمد رضا کا مجموعہ تیار کر کے مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ یہاں اشاعت کا انتظام کرلیا جائے گا۔ مناسب یہ ہوگا، کہ جو خطوط آپ کے پاس ہیں، اگر وہ مجموعے میں شامل نہ ہوئے تو یہاں شامل کرلئے جائیں گے۔

حیات اعلیٰ حضرت جلد اول کی اشاعت دو اداروں کے پیش نظر ہے۔ اس کو از سر نو مرتب کیا جائے گا۔ دیکھئے، کب شائع ہوتی ہے۔

☆ یہ احقر صحیح البہاری کی طباعت کی کوشش کر رہا ہے۔ ایک عزیز کے پاس اسکی تین جلدیں ہیں۔ پہلی اور پانچویں نہیں۔ آپ کے کتب خانہ میں محفوظ ہوں، تو مطلع فرمائیں۔ اگر آپ اس پر ایک جامع اور مختصر مقدمہ تحریر فرمادیں، تو بعید از کرم نہ ہوگا۔ ہندوستانی فاضلہ اوشا سانیال اعلیٰ حضرت اور علمائے اہلسنت پر کولمبیا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں۔ ان کو اجلاس پٹنہ کی روداد ور بارحق و ہدایت کی سخت ضرورت ہے۔ آپ کے علم میں ہو، تو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

☆ حضرت مفتی برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ کی یاد داشتوں پر مشتمل کتاب "اکرام امام احمد رضا" آج کل مارکیٹ میں نہیں، کوئی کاپی مل گئی تو ارسال کر دی جائے گی۔ حضرت مولینا حسنین رضا خان علیہ الرحمہ کی یادداشتیں احقر کی نگرانی میں مرتب ہوکر بریلی سے شائع ہوچکی ہیں۔ آپ خط لکھ کر منگوائیں۔

احقر گزشتہ بیس برسوں میں شائع ہونے والے مقالات کا انتخاب تیار کر رہا ہے۔ تاکہ اس کو سوانحی انداز میں مرتب کر کے "حیات امام احمد رضا" کے عنوان سے شائع کیا جا سکے۔ اندازہ ہے، کہ یہ سوانح ایک ہزار صفحات کی دو جلدوں میں مرتب ہوگی۔ آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔ اگر امام احمد رضا کی عربی شاعری پر مقالہ عنایت فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔ کوئی فاضل فارسی شاعری پر لکھ سکیں، تو ان سے لکھوا کر ارسال فرمادیں۔ مطبوعہ مقالات کے علاوہ بعض مقالات لکھوانے پڑیں گے۔ کیونکہ تحقیقی مقالات بہت کم لکھے گئے ہیں۔ احقر صرف تحقیقی مقالات کو اس انتخاب میں شامل کر رہا ہے۔ وہ مقالات جن میں ادبی رنگ ہو۔

☆ مطبوعہ غیر مطبوعہ مقالات پر مشتمل جو سوانحی مجموعہ بین الاقوامی سطح پر پیش کرنے کے لئے احقر مرتب کر رہا ہے۔ اس میں آپ کے مقالات شامل ہونے چاہئیں۔ احقر نے قاضی عبدالوحید مرحوم پر آپ کا فاضلانہ مقالہ اس میں شامل کیا ہے۔ ایک مقالہ "قصیدہ آمال الابرار" پر ضرور عنایت فرمائیں۔ اس پر آپ کے علاوہ کوئی نہیں لکھ سکتا۔ شمس بریلوی صاحب "نعتیات امام احمد رضا" پر مقالہ لکھ رہے ہیں۔ ان کو قصائد بدر جانچ کی ضرورت ہے۔ کیا یہ دستیاب ہیں؟۔

☆ دہلی سے اوشا سانیال کا خط آیا تھا۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ لکھنؤ اور کراچی میں ایک ماہ قیام کر کے ضروری مواد حاصل کیا ہے۔ مگر آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

☆ آمال الابرار کی خبر نے مسرور کیا۔ علامہ محمد ظفر الدین

رضوی علیہ الرحمہ کے مکاتیب کے سلسلے میں مولانا تقدس علی خان اور سید ایوب علی علیہما الرحمہ کے اخلاف کو متوجہ کیا ہے۔ مکاتیب مل گئے، تو ارسال کردیئے جائیں گے۔ سنن الرضوی کے بھی اوراق علامہ شرف قادری صاحب کو ارسال کئے جارہے ہیں۔ ان تک اگر اصل مسودہ کا مکمل عکس پہنچ جائے، تو اچھا ہو۔ یہ معلوم ہوکر اطمینان ہوا، کہ 'خلفائے اعلیٰ حضرت' کے نسخے آپ کو مل گئے۔ اس کتاب میں بہت سی اغلاط ہیں، آپ نے اغلاط کی نشاندہی فرمائی اور اضافی نوٹس تحریر فرمائے۔ بہت بہت شکریہ۔

☆ ایک تجویز ذہن میں آئی ہے، کہ عالم اسلام کے موجودہ مسائل کے حل کے لئے امام احمد رضا کی تصانیف میں جو تجاویز ہوں، ان کو نہایت اختصار کے ساتھ مرتب کرکے بعنوان 'عالم اسلام کے نام امام احمد رضا کا پیغام' شائع کیا جائے۔ اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اگر یہ کام آپ کی نگرانی میں ہو، تو زیادہ مناسب ہے۔

☆ برادرم ڈاکٹر محمد امین مارہروی کے قلندرانہ مزاج کو دیکھتے ہوئے، فقیر نے حدائق بخشش کی نعتوں، نعتیہ قصائد ورباعیات کا ایک انتخاب مرتب کیا ہے۔ جس کی آرٹ پیپر پر بہترین کتابت ہورہی ہے۔ برادرم ڈاکٹر محمد امین مارہروی اگر امام احمد رضا کی خود نوشت ایک ہی نعت کا عکس بھیج دیں، تو انتخاب میں شامل کرلیا جائے۔ ان کو اس طرف متوجہ فرمائیں۔ حدائق بخشش کے جس قلمی نسخہ کا انہوں نے ذکر فرمایا تھا۔ وہ آپ کو دکھایا یا نہیں؟

☆ آمال الابرار کا عکس اور اس پر اپنا مقالہ ضرور ارسال فرمائیں۔ اس کے علاوہ امام احمد رضا کے قلمی ذخائر میں نوادرات ہوں، تو ان کی فہرست بھی ارسال فرمادیں۔ حضرت علامہ محمد ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ کا کوئی یادگار مکتوب ہو، تو اس کا عکس ہی ارسال فرمادیں۔ یہ سب چیز براہ راست ارسال فرمائیں، تو مناسب ہوگا۔

☆ مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء کی ایک کاپی صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری نے عنایت فرمائی۔ دوسری کاپی براہ راست ڈاک سے موصول ہوئی۔ یاد آوری اور کرم فرمائی کا ممنون ہوں۔ مکاتیب مفتی اعظم ایک اہم دستاویز ہے۔ شخصیت کی ترجمانی، بلکہ شخصیات کا ترجمان ہے۔ آپ کا ابتدائیہ اور حواشی بھی نہایت اہم ہیں۔ جلوتوں میں خلوتوں کی بہار، ریا کی آمیزش سے پاک، صداقت ہی صداقت، اللہ تعالیٰ آپ کا مبارک سایہ قائم ودائم رکھے اور ہم آپ کے رشحات قلم سے مستنیر ومستفید ہوتے رہیں۔"

اس قسم کے علمی تحقیقی، بیسوں خطوط ہیں۔ جو حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ نے پروفیسر مختار الدین احمد کو تحریر کئے ہیں، اقتباسات کہاں تک نقل کروں، جو نقل ہوئے، ان سے یہ اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں، کہ پروفیسر مختار الدین کو رضویات سے کس قدر گہری دلچسپی یا اٹوٹ لگاؤ رہا ہے۔ یہ اور بات ہے، کہ وہ سنی رسائل میں مسلسلا نہیں، گاہے بگاہے چھپتے رہتے ہیں۔ لیکن جو کچھ انہوں نے رضویات کی خدمت گذاری انجام دی ہے، وہ انتہائی علمی بنیاد پر مبنی ہے۔ حال ہی میں ان کی جو نادر معلومات پر مشتمل کتاب، مکاتیب مفتی اعظم بنام ملک العلماء چھپی ہے، وہ کسی علمی مقالے سے کم نہیں۔ جس کو پروفیسر محمد مسعود احمد جیسے محتاط محقق نے سراہا ہے۔ کچھ لوگ بولتے زیادہ، کام کم کرتے ہیں، پروفیسر مختار الدین بولتے کم ہیں، کام زیادہ کرتے ہیں۔

میرا شعور جب کچھ پختہ ہوا اور علمی دنیا میں قدم رکھا، تو میں نے پروفیسر مختار الدین سے بھی رابطہ قائم کیا۔ یہ رابطہ کبھی خطوط کے ذریعہ اور کبھی براہ راست ملاقات کے ذریعہ کوئی عرصہ پندرہ سال سے بحال رہا ہے۔ میں نے جب کبھی کوئی رائے مانگی، مواد مانگا یا مشورہ چاہا، انہوں نے کبھی بھی حیل وحجت سے کام نہیں لیا۔ فراخدلی سے علمی تعاون فرماتے رہے۔ تحریر کی نوک پلک سے بھی آگاہ فرمایا۔ کبھی ایسا نہ

ہوا، کہ کسی علمی معاملہ کو ٹال گئے ہوں۔ حضرت ملک العلماء کے صاحبزادے ہونے کی حیثیت سے یک گونہ انسیت تو تھی ہی، مگر ان کے علمی تعاون کرنے کے مزاج نے مجھے بہت حد تک اور متاثر کیا۔

اپنی پی ایچ ڈی کے دوران جب میں علیگڑھ گیا، تو طعام و قیام کا بندوبست انہوں نے ہی کرایا۔ لائبریری اور اسکالرز سے راہ و رسم پیدا کرائی، مواد و معلومات کی فراہمی میں مخلصانہ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ جب کبھی خط لکھا، نظرانداز نہیں کیا۔ جواب سے فوراً شاد کام کیا۔ انتظار کی کلفت سے بچایا۔ بعد میں بھی کئی بار حاضر ہوا۔ وقت نکال کر ملاقاتوں، شفقتوں، کتابی تحفوں اور نئی نئی تحقیقات و معلومات سے نوازا۔ ایسی علم پرور، کتاب دوست علمی شخصیت کو خدا سدا خوش رکھے۔

سیدھا اونچا نکلتا سرو جیسا قد، اکہرا چھریرا بدن، روشن پیشانی، سیدھی اونچی ناک، آنکھوں پر عینک، مگر ان میں چمک، چہرے، مہرے پر معصوم سا تبسم کا پھیلا ہوا رنگ، لب و لہجہ میں ٹھہراؤ، متانت، گفتگو میں حلاوت، گہرائی معلومات کی جلوہ گری، مجلس نہ پھیکی، نہ تیکھی، پرکشش، زعفران زار، طنز و مزاح کی آمیزش بھی، مگر پھکڑپن سے پاک، مخاطب ان کی صحبت میں نہ تھکتا ہے، نہ اکتاتا ہے۔ جتنی دیر بھی بیٹھے، لگے، کہ کم بیٹھا اور بیٹھنا چاہئے تھا۔ وہ اتنے بڑے ہیں، مگر بڑا پن کا اظہار نہیں کرتے، نہ رعب جھاڑتے ہیں، نہ دھونس جماتے ہیں، کہنے والے کی باتیں غور سے سنتے ہیں۔ طمانیت سے جواب دیتے ہیں۔ چائے، کافی، نمکین، بسکٹ، سے بیچ بیچ میں تواضع بھی ہوتی رہے گی۔ بوڑھے ہیں، مگر جوانوں جیسے چاک و چوبند، علمی کاموں میں ڈوبے رہتے ہیں۔ یہ سب میرا مشاہدہ ہے۔ سنی سنائی بات نہیں۔

مشاہداتی احوال و کوائف تو بہت ہیں۔ سب پر سیر حاصل گفتگو فی الوقت ممکن نہیں۔ ابھی تو "جہان ملک العلماء" کی تدوین و ترتیب پیش نظر ہے۔ گرامی قدر ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کی متعدد تحریریں دیکھ کر ارادہ ہوا، میں بھی کچھ پیش کردوں، تفصیلات پھر کبھی پیش ہوں گی۔ میرے نام پروفیسر مختارالدین احمد کے متعدد خطوط ہیں۔ ان میں سے چند یہاں درج کر رہا ہوں۔ ان خطوں کے مطالعہ سے معلوم ہوگا، وہ کتنے بڑے شفیق، کریم، علم نواز، خورد نواز ہیں۔

باسمہ

☆علی گڑھ　(۱)

۱۸/۱۰/۲۰۰۲ء

☆مکرمی۔ السلام علیکم

مکرم نامہ مورخہ ۸/اکتوبر کو موصول ہوا۔ تعارف کی ضرورت نہ تھی، آپ مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ آپ جہاں بھی رہیں، خوش رہیں۔ آپ کی کامیابی و کامرانی کے لئے دعا گو ہوں۔

صحیح البہاری کا دوسرا ایڈیشن پروفیسر غلام مصطفیٰ صاحب سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی کی توجہ و عنایت سے شائع ہوئی ہے۔ ایک ہزار صفحات کی کتاب کا ہدیہ صرف ۱۰۰ر رکھا ہے، میں نے کئی نسخے منگوئے تھے سب تقسیم ہوگئے، حد یہ کہ میرے پاس بھی اس کا کوئی نسخہ نہیں بچا۔ ڈاکٹر صاحب تو بہت ضعیف و ناتواں ہوگئے ہیں۔ نسخے کسی کتاب فروش کے حوالے شاید انہوں نے کردیا ہے۔ ممبئی کے اخوان، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، گنج بخش لاہور کو لکھیں، تو وہ شائد بھجوا سکیں۔ بہتر ہے، کہ بمبئی کا کوئی کتاب فروش اس کے کئی نسخے منگوالیں، وہاں فروخت ہوجائیں گے۔ آپ نے ملک العلما کی تصانیف، خطبات و مکاتیب کی اشاعت کے بارے میں استفسار کیا ہے۔ ہمارے سنی حضرات کی جب یہ حالت ہے، کہ اعلیٰ حضرت کی سوانح حیات کی تصنیف کو کوئی چالیس سال ہوگئے اور اب تک شائع نہ ہوسکی، تو اعلیٰ حضرت کے تلامذہ

وخلفا کی کتابوں کی اشاعت میں کتنے حضرات کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔

آپ نے اطلاع دی ہے، کہ حیات اعلیٰ حضرت کی طباعت سرمایہ کی کمی کی وجہ سے التوا میں ہے۔اس سے آپ کو مشکلات کا اندازہ ہوگا۔ ہمارے حضرات جناب مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کی مدد حیات اعلیٰ حضرت کے لیے نہیں کر سکتے، تو وہ دوسری تصانیف میں کیا دلچسپی لیں گے۔ تصانیف ملک العلما کی اشاعت کا مناسب انتظام ہو جائے، تو ان کی ترتیب و تہذیب کی طرف توجہ کی جائے۔ آپ نے کالی کٹ کیوں چھوڑا؟ غالباً حالات مساعد نہیں ہوئے۔ ممبئی میں گزر اوقات کی کیا شکل آپ نے نکالی ہے؟

آپ بریلی وغیرہ سے جو عکوس و تحریرات وغیرہ لے گئے تھے، ان کی اشاعت ہوئی یا نہیں؟

امید آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام

زبیر علی صاحب سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہیے ان کا رسالہ اس طرف کچھ دنوں سے نہیں آیا ہے۔

مختار الدین احمد

....

☆ ڈاکٹر مختار الدین احمد (۲)

سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۰ر نومبر ۲۰۰۵

مکرمی.......السلام علیکم

کچھ دیر پہلے 'کلیات مکاتیب رضا' اور آپ کا خط ملا۔ یاد فرمائی کے لئے ممنون ہوا۔ 'جہان رضا' (لاہور) میں اقبال احمد فاروقی صاحب کا مضمون اس کے بارے میں دیکھا تھا۔ اس کے حصول کے لئے ناشر کو خط لکھنے والا تھا کہ آپ نے کرم فرمایا۔ سرسری طور پر تو ابھی دیکھ گیا ہوں۔ بعد کو فرصت نکال کر اطمینان سے آپ کی مرتب کردہ کتاب کا مطالعہ کروں گا۔

کتاب پر آپ نے بہت محنت کی ہے۔ کہاں کہاں سے یہ کمیاب خطوط آپ نے حاصل کیے ہوں گے اور ان کے اصل یا عکس کے حصول میں جو پریشانیاں آپ کو لاحق ہوئی ہوں گی۔ ان کا مجھے اندازہ ہے، مولیٰ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ کتاب کی طباعت بھی بہت عمدہ ہے۔ کاش تحریروں کے عکس بھی اچھے چھپتے۔ آئندہ ایڈیشن میں خیال رکھیے۔ والتسلیم

مختار الدین احمد

....

☆ علی گڑھ باسمہ

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب (۳)

۲۶ر اپریل ۲۰۰۶ء السلام علیکم

مورخہ ۱۴ر اپریل کا خط ابھی بارہ دنوں کے بعد موصول ہوا۔ آپ 'حضرت علامہ' وغیرہ مجھے نہ لکھا کیجئے۔ میں تو ایک طالب علم ہوں، آپ جوانوں کی تحریریں پڑھتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں۔ معروف ۸۰ر سال سے زائد عمر گزارنے پر بھی بدستور کام کرتا رہتا ہوں۔ خطوط اور کتابیں آتی رہتی ہیں اور مشغولیات میں اضافہ کرتی رہتی ہیں۔ آپ کی کتاب میز پر سامنے ہی رکھی ہوئی ہے۔ کسی دن فرصت نکال کر اس پر اپنے مختصر تاثرات لکھ بھیجوں گا۔

خدا کرے آپ کی دونوں کتابیں وہاں جلد چھپ جائیں اور جو کام اس وقت زیر تکمیل ہے اس کی تکمیل جلد ہو جائے۔ آپ نے مولینا نوری اور مولینا حافظ سراج اظہر صاحب سے کیوں نہ رجوع کیا۔ اپنی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں، نوری صاحب (سعید نوری) مفتی اعظم علیہ الرحمہ پر ایک مجموعۂ مضامین شائع کرنے والے تھے، اس کا کیا ہوا؟

خطوط مشاہیر بنام امام اعلیٰ حضرت کا دو جلدوں میں چھاپنا مناسب ہوگا۔ ملک العلما علیہ الرحمہ کے کتنے خطوط آپ کو ملے، مطلع فرمائیے گا۔
امید آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام
مختار الدین احمد

....

☆ علی گڑھ
باسمہ
(۴)
۲۰۰۸/۸/۲۸ء
مکرمی.... السلام علیکم
خطوط gel سے لکھئے یا گاڑھی سیاہ روشنائی سے کہ پڑھا جاسکے۔ حسب فرمائش تقریظات وغیرہ کی عکسی نقل بذریعہ ڈاک بھیج رہا ہوں، رسید سے مطلع کریں گے۔
صحیح البہاری شریف کی اہمیت کے سلسلے میں رات آپ نے کچھ پوچھا تھا، میری کتاب 'حیات ملک العلما' جو لاہور اور بمبئی میں چھپی ہے، اس کے آخر میں صحیح البہاری سے متعلق میرا نوٹ دیکھئے۔ یہ تحریر صحیح البہاری کی ابتدا میں بطور مقدمہ درج ہے، کتابچہ نہ ملے، تو اسے دیکھ لیجئے۔
رات رانچی سے دو صاحب آئے ہوئے تھے، ان کی ضیافت میں مصروف تھا، جب آپ کا فون آیا۔
آج کل کھانسی کی تکلیف میں مبتلا ہوں، کچھ حرارت بھی ہے۔ صبح ڈاکٹر کے پاس گیا تھا، صحت کے لئے دعا فرمائیے۔ والسلام
مختار الدین احمد

☆
باسمہ
علی گڑھ
(۵)
۲۰۰۹/۶/۲۰
مکرمی ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب........ السلام علیکم

آپ کی تین کتابیں ملیں، دیکھ کر خوشی ہوئی، اندازہ ہوا، آپ اس عرصے میں علمی کاموں میں مصروف رہے۔ جزاک المولی القدیر، 'تین تاریخی بحثیں' خوب مرتب ہوئی، آپ اخبارات ورسائل کے بطون سے نکال کر مرتب کر کے شائع نہ کرتے، تو ان سے استفادہ مشکل تھا۔ مجھے قاضی عبدالوحید کی اس تحریر کا علم نہ تھا 'تحفۂ حنفیہ' کا یہ شمارہ میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ اس کے کتنے شمارے آپ کے زیر مطالعہ رہے ہیں اور کہاں؟ 'تقویت الایمان' کے رد میں ۲۱۷ رسالوں کی فہرست آپ نے خوب تیار کی بعد کو اس خاکے میں میں رنگ بھرتے رہیں۔
۴۳ مضمونوں کا مجموعہ 'بولتی تصویریں' ایک نشست میں دیکھ گیا۔ یہ کس اخبار ورسالے میں چھپتے رہے ہیں؟
سب سے زیادہ دلچسپی مجھے آپ کی کتاب خطوط مشاہیر میں ہوئی، ایک بار ہاتھ میں آئی تو چھوڑنے کو دل نہ چاہا، ۳ بجے صبح کو دونوں جلدیں ختم کر لیں۔ ان میں بہتیرے مفید معلومات ملتے ہیں۔ یہ خطوط اصلی معنوں میں نہیں ہیں استفتا و استفسارات ہیں پھر بھی ان کی اہمیت ہے، آئندہ ایڈیشن میں حاشیے میں مختصر جواب نقل کر دیں، تو خوب ہو۔
حضرت ملک العلما کے چند خطوط ان میں مل گئے، طبیعت بہت خوش ہوئی، انہیں دیکھ کر آج کل مکاتیب ملک العلماء مرتب کر رہا ہوں، دبدبۂ سکندری وغیرہ میں ان کے کچھ خطوط نظر سے گزرے ہوں، تو ان کی عکسی نقل بھیجئے۔
جس کتاب کے پروف آپ نے مجھے بھیجے تھے، وہ کب تک شائع ہو رہی ہے؟
امید آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام
مختار الدین احمد

☆☆☆

توقیرِ عرب تنویرِ عجم پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد کی علمی باتیں

از قلم: غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

دنیائے علم کی مشہور و معروف شخصیت ماہر غالبیات پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد موجودہ دور میں برصغیر کے اکابر دانش وروں میں شمار ہوتے ہیں۔ عربی مخطوطات پر آپ کے علمی و تحقیقی کام کا شہرہ یورپ و ایشیا میں ہوا۔ آپ کی ہشت پہل شخصیت ہندوستان کی تاریخ کا نقش زریں ہے جس پر فخر کیا جائے تو بجا ہے۔ علی گڑھ کی علمی مجالس میں آپ کے انفاس کی مہک رچی بسی دکھائی دیتی ہے۔ اس کبرسنی میں بھی تحقیق و تدقیق کے حوالے سے آج بھی قلم کا سفر جاری ہے۔ آپ کی علمی خدمات کے معترف علما و اسکالرز کے علاوہ یونی ورسٹی کے اساتذہ اور ادب کی مجالس کے جلیس ہیں۔ آپ کے والد ماجد علامہ مفتی ظفر الدین قادری رضوی (م ۱۹۶۳ء) علم ہیئت و فلکیات میں یکتائے زمانہ تھے اور عالم اسلام کی عظیم شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ڈاکٹر مختار الدین کا نام فاضل بریلوی کا ہی تجویز کردہ ہے، ایک مقام پر فاضل بریلوی نے آپ کو ''نور العین مختار الدین'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ (کلیات مکاتیب رضا، اول ص ۳۷۵) آپ کی حیات اور کارہائے علمیہ پر کئی کتابیں شایع ہیں، جن میں ایک کتاب غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی نے شائع کی اور دوسری ''مختار نامہ'' علی گڑھ ہیریٹیج پبلی کیشنز سے۔ علاوہ ازیں ۱۹۸۸ء میں مالک رام نے ''نذر مختار'' کے نام سے ۵۰۴ صفحات پر مبنی مجموعۂ مقالات شایع کیا۔ پروفیسر نذیر احمد (پروفیسر ایمرٹس شعبۂ فارسی مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) لکھتے ہیں:

''اردو دنیا مختار الدین احمد صاحب کو اردو ادب کے محقق اور ماہر غالبیات کی حیثیت سے جانتی ہے، لیکن وہ عربی ادب کے بھی اتنے ہی بڑے محقق ہیں۔'' (مختار نامہ، ص ۷)

ڈاکٹر مختار الدین کی ولادت عظیم آباد پٹنہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں حاصل کی، پھر پٹنہ یونی ورسٹی اور علی گڑھ میں پڑھا۔ ۱۹۴۹ء میں ایم اے عربی کیا اور ۱۹۵۲ء میں علامہ عبد العزیز میمن کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کیا۔ آپ کے ممتحن جرمن مستشرق پروفیسر فریٹس کرینکو (کیمبرج) تھے، جو آپ کے علمی کام سے متاثر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی میں لیکچرر مقرر ہوئے، پھر اسی سال اعلیٰ تعلیم کے لیے روکیفلر فاونڈیشن کی فیلوشپ ملی اور انگلستان چلے گئے، آپ پروفیسر سر ہملٹن گب کے ممتاز شاگردوں میں ہیں، اسی کی نگرانی میں آکسفورڈ یونی ورسٹی سے ۱۹۵۶ء میں ڈی فل کی ڈگری لی، تحقیق کے سلسلے میں عراق، لبنان، مصر، ترکی، فرانس، جرمنی اور ہالینڈ کا سفر کیا، ۱۹۶۸ء میں شعبۂ عربی کے پروفیسر اور پھر صدر ہوئے، ۱۹۷۵ء میں آرٹس فیکلٹی کے ڈین مقرر ہوئے، آپ کی عربی میں متعدد کتابیں ہند و پاک اور لبنان سے شائع ہوئی ہیں، سیکڑوں علمی و ادبی مضامین نامور جرائد و رسایل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں صدر جمہوریہ نے عربی زبان و ادب کی خدمات پر سرٹیفکیٹ آف آنر سے نوازا، ۱۹۸۳ء

میں اردو فارسی تحقیق پر غالب ایوارڈ پایا۔ کوئی ۳۰ رسال ہندوستانی جامعات کی مختلف کمیٹیوں اور انجمن ترقی اردو سے وابستہ رہے۔ ایک مدت تک جامعہ اردو علی گڑھ سے منسلک رہے، ۱۹۹۸ء میں مظہر الحق عربی و فارسی یونی ورسٹی کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ (بہ استفادہ مختار نامہ، متفرق صفحات) ۱۹۸۴ء میں ملازمت کی مدت ختم ہوئی، لیکن یونی ورسٹی نے آپ کی صلاحیت کی بنا پر اس میں چار سال کی توسیع کر دی، سبک دوشی کے بعد بھی علمی کاموں کا سلسلہ خوش اسلوبی سے جاری ہے۔

فاضل بریلوی سے تعلق کے سبب آپ سے ملاقات کا شوق ہوا، گر چہ ان سے قبل خط سے رابطہ تھا۔ اس ذوق کی تکمیل ۱۶/ ۱۷ جون ۲۰۰۹ء کو ہوئی، جب حافظ عبد العزیز حشمتی مرحوم کے فرزند حامد رضا انصاری، ان کے صاحب زادے مشاہد رضا اور راقم علی گڑھ پہنچے۔ ڈاکٹر مختار الدین بڑی محبت و شفقت سے ملے، مصافحہ و معانقہ کے بعد علمی گفتگو کا آغاز ہوا اور اسی درمیان ماحضر سے تواضع بھی کی۔ عمر کے آخری پڑاؤ میں ہونے کے باوجود آپ چاق و چوبند، مستعد و فعال اور قوی حافظہ و پختہ یادداشت کے مالک ہیں، اس تحریر میں ڈاکٹر موصوف سے گفتگو کے صرف چند پہلوؤں پر اجمالی روشنی ڈالی جائے گی۔

اپنے والد ماجد ملک العلماء سید علامہ مفتی ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی تصانیف سے متعلق بتایا: تصانیف کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے، سب مل نہ سکیں، دست یاب تصانیف ۵۷ رسے زیادہ ہیں۔ جن میں ۲۷ ر کے لگ بھگ مطبوعہ ہیں۔ ملک العلماء کی حدیث پر کتاب (صحیح البہاری) کی چار جلدیں ہیں، جن میں پہلی جلد دوبارہ شائع ہونی والی ہے ملک العلما کے اخلاق کے بارے میں فرمایا وہ نرم خو تھے، تدبیر و فراست سے کام لیتے تھے۔ اعلیٰ حضرت، والد صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے، آپ کو ''ولدی الاعز'' اور ''قرۃ عینی'' سے مخاطب کرتے، ایک مرتبہ کسی نے والد صاحب کو اعلیٰ حضرت کے سامنے ''ظفر الدین'' سے مخاطب کیا، اعلیٰ حضرت ناراض ہوئے اور کہا مولانا کہتے شرم آتی ہے...... فتاویٰ ملک العلماء کی بابت بتایا، کہ ان کی اشاعت حال ہی میں ہوئی ہے...... والد صاحب نے اعلیٰ حضرت کی کتابوں کی سب سے پہلے فہرست بنائی، غالباً اس کی پہلی اشاعت قاضی عبد الوحید فردوسی (م ۱۹۰۸ء) کی نگرانی میں تحفۂ حنفیہ پٹنہ سے ہوئی (اس وقت اعلیٰ حضرت حیات ظاہری رکھتے تھے)، ملک العلماء کی حیات سے متعلق بتایا، کہ عن قریب ایک کتاب ''حیاتِ ظفر'' ممبئی سے شائع ہوگی (حیات ظفر کی اشاعت اسی ماہ (جولائی ۲۰۰۹ء) میں ہو گئی ہے، جس کا ایک نسخہ ڈاکٹر مختار الدین صاحب کی عنایت سے موصول ہوا)...... راقم کی اردو کمپوزنگ سے متاثر ہو کر کہا کہ: میں چاہتا ہوں، کہ آپ ملک العلماء کے وہ خطوط جواب تک شائع نہیں ہوئے، انھیں خود کمپوز کر دو، مَیں تمہید لکھ دوں گا۔

ایک سوال، کہ فرزندان و وابستگان رضا میں کن کن شخصیات سے آپ کی ملاقات رہی فرمایا: اعلیٰ حضرت کے دونوں صاحب زادوں مولانا حامد رضا و مفتی اعظم سے ملا ہوں، مولانا حامد رضا بہت ہی حسین اور خوب صورت تھے۔ میں نے وابستگان رضا میں کئی لوگوں سے ملاقات کی، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا ابرار حسن تلہری، مفتی برہان الحق جبل پوری، مولانا نواب مرزا، مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان، مولانا سید محمد کچھوچھوی محدث اعظم ہند سے ملاقات کی۔ مفتی برہان الحق جبل پوری سے ممبئی میں ملاقات کی۔ مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان سے ملاقات مدرسہ مظہر اسلام بریلی میں

ہوئی زمانہ تھا ۱۹۳۹ء تا ۱۹۵۰ء کا تھا۔

مفتی اعظم پر آپ نے ایک مقالہ ترتیب دیا ہے، اس کے بارے میں فرمایا: الحاج محمد سعید نوری نے مفتی اعظم پر بڑی ضخیم کتاب شائع کی "جہان مفتی اعظم" اس میں مفتی اعظم کے خطوط بنام ملک العلماء میں نے ترتیب دیے، جو "مکاتیب مفتی اعظم" کے نام سے ہیں، جنہیں بہت پسند کیا گیا، بہت سے افراد نے طلب کیا، میں نے کتابی شکل میں شائع کروائے ہیں، اس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا کے خطوط جو بعد میں ملے انہیں بھی شامل کر دیا ہے۔ اور کئی اضافے کیے۔

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی (شاگرد فاضل بریلوی) سے ملاقات کے حوالے سے فرمایا: مولانا میرٹھی نے جارج برنارڈ شا سے ملاقات کا وقت طے کیا، وہ عجلت میں تھا، مختصر وقت میں آپ نے اسے اسلام کا تعارف پیش کیا، اسلام کی حقانیت سے بہت متاثر ہوا۔ مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی کے داماد تھے، ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری ان سے بہت تعلق رہا وہ ۱۹۴۳ء میں میرے وارڈن تھے، بعد میں ماریشس چلے گئے ..... راقم نے قادیانی فتنہ کی بیخ کنی میں دکن میں نمایاں کردار ادا کرنے والی شخصیت اور اس فتنے کے سدباب میں علامہ میرٹھی کے دست راست پروفیسر الیاس برنی (سابق پروفیسر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن/ متوفی ۱۹۵۹ء) سے تعلقات کی بابت دریافت کیا، جو پہلے مسلم یونی ورسٹی سے وابستہ تھے، فرمایا: ان سے میرا تعلق رہا ہے، مراسلت بھی رہی ہے۔

راقم نے ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی (م ۱۹۴۷ء) کی بابت پوچھا، کہ وہ پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (شعبۂ دینیات مسلم یونی ورسٹی/ متوفی ۱۹۳۹ء) کے توسط سے امام احمد رضا کی بارگاہ میں ریاضی کے ایک پیچیدہ مسئلے کے حل کے لیے رجوع ہوئے تھے، اس حوالے سے ڈاکٹر ضیاء الدین کے کیا تاثرات تھے۔ ڈاکٹر مختار الدین صاحب نے فرمایا: میں جب یہاں (مسلم یونی ورسٹی) میں آیا ۱۹۴۳ء میں ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر تھے اور پرو وائس چانسلر پروفیسر محمد [illegible] تھے بعد میں (محمد علی) جناح صاحب ان کو کراچی لے گئے تھے [illegible] تھے، انہیں کی تحریک سے میں علی گڑھ آیا۔ انہیں کے یہاں ٹھہرا تھا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین سے مولانا راغب بدایونی نے میرا تعارف کرایا کہ ان کے والد مولانا ظفر الدین (قادری رضوی) بہت بڑے عالم تھے، پھر ان سے تعلقات اخیر وقت تک رہے ڈاکٹر ضیاء الدین، اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کے بہت معترف تھے، آپ کا تذکرہ احترام سے کرتے، آپ علمی طور پر متاثر ہوئے۔ میں جب یہاں (علی گڑھ) پہنچا مولانا سید سلیمان اشرف وصال فرما چکے تھے میری ان سے (ڈاکٹر ضیاء الدین سے) کافی ملاقاتیں رہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمات اور علم و فن پر علم کی فرع "رضویات" کے نام سے متعارف ہے، جس کا زاویہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے، کہ عالم اسلام کی دانش گاہوں بالخصوص جامعۃ الازہر میں بھی آپ کی علمی و دینی خدمات پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ مرد مومن کی یہی شان ہے، کہ اس کی حیات کا ہر گوشہ تابناک ہوتا ہے فکر روشن، اور وہ آفاقی ہو جاتا ہے، بلکہ آفاق اس میں گم ہو

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

رضویات پر تحقیق کی بابت ڈاکٹر مختار الدین نے فرمایا: (موضوع) پر سب سے زیادہ نمایاں کام پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور) اور سید وجاہت رسول قادری (صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) کا ہے، ان کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے بارے میں معلومات میں بے حد اضافہ ہوا ہے، ادارۂ تحقیقات رضا کے

لوگ اور ان کے رفقا اہم ومفید کام کررہے ہیں...... حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرت سری چشتی (لاہور) سے متعلق بتایا، کہ ان سے ملاقاتیں ہوئیں، بہت لایق اور بڑے قابل آدمی تھے، سنّی ہی نہیں تھے "سنی گر" تھے، ان کے جانشین پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (مدیر جہانِ رضا لاہور) ہیں۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی دعوت پر کچھ عرصہ قبل آپ کراچی تشریف لے گئے تھے اور ادارہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس میں مقالہ خوانی کی، مقالہ امام احمد رضا کے ملفوظات پر تھا جسے اہل علم نے بہت سراہا اور ستایش کی۔

اہل سنت کے اشاعتی واعتقادی امور سے متعلق بتایا، کہ آج داعیانہ اسلوب میں کام کی ضرورت بڑھ گئی ہے، نرمی میں جو فواید ہیں وہ سختی میں نہیں، اس لیے بیگانوں تک اپنا پیغام پہنچایا جائے، لٹریچر پہنچایا جائے، امید کہ حق کی طرف قدم بڑھیں...... موصوف کا ایک بار ایک تعلیمی ادارہ میں جانا ہوا، جو غیر مقلدوں کا تھا، نماز کا وقت ہوا، آپ نے ان کے امام کی اقتدا نہیں کی، اور فرمایا، کہ میں اہل حدیث نہیں ہوں محدث کا بیٹا ضرور ہوں۔

راقم نے چند سال قبل بنام "تذکرہ حافظ تجمل حسین حشمتی" ایک مقالہ لکھ کر شایع کیا تھا اور ڈاکٹر مختارالدین کو بھیجا تھا، اس ملاقات میں اسی کے حوالے سے آپ نے حامد رضا انصاری صاحب (جو حافظ صاحب کے پوتے ہیں) کو مخاطب کر کے فرمایا: ان کی بڑی خدمات تھیں اور اشاعت حق کا اعلیٰ ذوق بھی تھا اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے...... مجھے نوری مشن کا یہ انداز پسند آیا، کہ چھوٹی چھوٹی کتابیں عمدہ شایع کررہے ہیں، اسے جاری رکھیے...... اعلیٰ حضرت کے خطوط پر ڈاکٹر غلام جابر شمس نے اچھا کام کیا، میں چاہتا ہوں، کہ ملک العلماء کے خطوط پر بھی کام ہو، ڈاکٹر موصوف نے راقم کو اس بابت علمی تعاون کے لیے حکم فرمایا ہے۔ ان شاء اللہ عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے گی۔

ڈاکٹر موصوف کی شخصیت ایسی ہے کہ آپ پر علمی وتحقیقی کام کیا جانا چاہیے، ویسے علی گڑھ، کراچی، لاہور، حیدرآباد سندھ، دہلی، ممبئی، پٹنہ، لکھنؤ وغیرہ کے اخبارات ورسائل نے آپ کی علمی خدمات پر خصوصی گوشے شایع کیے ہیں۔ عرب میں بھی آپ کی پذیرائی ہوئی ہے، بہ قول پروفیسر نذیر احمد: پروفیسر مختارالدین احمد کی محققانہ حیثیت کو عالمی سطح پر پذیرائی ملی ہے، وہ متعدد بین الاقوامی سیمناروں میں شرکت کر چکے ہیں۔ عالم عرب کے متعدد باوقار اداروں اور اکیڈمیوں کے دائمی ممبر ہیں۔ (مختار نامہ ص ۷) شاید اسی لیے آپ کو توقیر عرب تنویر عجم کہا جاتا ہے۔

ان دنوں ڈاکٹر مختارالدین اپنے ان خطوط کی اشاعت میں مصروف ہیں، جو پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے نام لکھے گئے، ان خطوط کی تعداد تقریباً ۱۵۰ ہے ان خطوط کی کیفیت علمی اور اکثر کا موضوع رضویات ہے۔ آپ کا ارادہ ملک العلماء کے خطوط کی اشاعت کا بھی ہے، نیز ملک العلماء کے نام لکھے گئے خطوط کی ترتیب بھی پیش نظر ہے، اللہ کریم! ڈاکٹر موصوف کو تا دیر تندرست وتوانا رکھے تا کہ وہ اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنا سکیں اور نگاہوں سے اوجھل خزانہ سامنے آئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سائے کو ہم پر دراز فرمائے اور آپ کا علمی فیض عام سے عام تر ہو۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم.

☆☆☆